اِفاداتِ صفدریہ

افادات وارشادات

شیخ التفسیر والحدیث اِمام اِہلِ سنّت

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

اُستاذ الحدیث حضرت مولانا فضل وہاب صاحب دامت برکاتہم

اُستاذ الحدیث وناظم تعلیمات جامعہ معارف القرآن، لنڈیکس منگورہ، سوات

پسند فرمودہ

حضرت مولانا حمید اللہ دیروی صاحب دامت برکاتہم

حضرت مولانا عبد القیوم حقانی صاحب دامت برکاتہم

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب دامت برکاتہم

حضرت مولانا منظور احمد مینگل صاحب دامت برکاتہم

تصحیح وتخریج احادیث وترتیب جدید

مفتی احمد حسن صاحب حفظہ اللہ

فاضل جامعہ انوار العلوم شاد باغ، ملیر، کراچی،

ومتخصص جامعہ تراث الاسلام، شاہ فیصل کالونی، کراچی

مکتبۃ الارشاد

ملیر ہالٹ، کراچی، 0333-3730428

اِفاداتِ صفدریہ

افادات و ارشادات

شیخ التفسیر والحدیث اِمام اہلِ سنّت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ

جمع وترتیب

اُستاذ الحدیث حضرت مولانا فضل وہاب صاحب دامت برکاتہم

اُستاذ الحدیث وناظم تعلیمات جامعہ معارف القرآن، لنڈیکس منگورہ، سوات

پسند فرمودہ

حضرت مولانا حمید اللہ دیروی صاحب دامت برکاتہم

حضرت مولانا عبد القیوم حقانی صاحب دامت برکاتہم

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب دامت برکاتہم

حضرت مولانا منظور احمد مینگل صاحب دامت برکاتہم

تصحیح و تخریجِ احادیث و ترتیبِ جدید

مفتی اَحمد حسن صاحب حفظہ اللہ

فاضل جامعہ انوار العلوم شادباغ، ملیر، کراچی، ومتخصص جامعہ تراث الاسلام، شاہ فیصل کالونی، کراچی

مکتبۃ الارشاد

ملیر ہالٹ، کراچی، 0333-3730428

نظرِ ثانی و تخریج شدہ ایڈیشن

نام کتاب : إفاداتِ صفدریہؒ

افادات و ارشادات : حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ

جمع و ترتیب : حضرت مولانا فضل وہاب صاحب دامت برکاتہم

تصحیح و تخریج احادیث و ترتیب جدید : مفتی احمد حسن صاحب حفظہ اللہ

اشاعت اوّل : شوال ۱۴۴۳ھ بہ مطابق مئی ۲۰۲۲ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : مکتبۃ الارشاد دوکان نمبر ۲۸، جامع مسجد رفاہ عام،
رفاہ عام سوسائٹی، ملیر ہالٹ، کراچی 0334-3526403

استدعاء

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت و بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح و جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ تاہم انسان، انسان ہے، سہواً اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات دُرست نہ ہوں تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اُس کی تصحیح کی جاسکے۔

مکتبۃ الارشاد

فہرست

عرضِ مُرتِّب

قرآن کریم کے ضروری تفسیری ابحاث پر مشتمل مجموعہ

افاداتِ صفدریہ

شیخ التفسیر والحدیث امامِ اہلِ سنّت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِہٖ وَنَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اَمَّا بَعْدُ!

زیرِ نظر تقریر "افاداتِ صفدریہ" مشہور دینی درسگاہ "مدرسہ نصرۃ العلوم" گوجرانوالہ میں عرصہ دراز سے جاری دورۂ تفسیر کے دو (۲) سالوں میں لکھے گئے اوراق ہیں۔ یہ دورہ اُستاذِ محترم امام اہلِ سنّت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ پڑھاتے تھے۔ یہ اوراق بندۂ ناچیز نے قلم بند کیے ہیں۔ پہلی مرتبہ بندہ ۱۴۱۲ھ کو دورۂ تفسیر میں شریک ہوا اور درس کو باقاعدگی سے لکھتا تھا، سبق کے بعد تکرار کے دوران اُس کی تصحیح ساتھیوں سے کراتا تھا، دوسری مرتبہ بندہ ۱۴۱۶ھ میں شریک ہوا جو بندہ کا دورۂ حدیث سے فراغت کا سال تھا، اُسی سال حضرت اُستاذِ محترم رحمۃ اللہ علیہ کے درس کے دوران بندہ اس کاپی کی تصحیح کرتا تھا، جہاں کوئی غلطی یا کمی بیشی تھی اُس کی تصحیح کی گئی، اس طریقے سے یہ تقریر مکمل ہوئی جو ضروری تفسیری ابحاث، صرفی اور نحوی تحقیق وغیرہ پر مشتمل جامع اور آسان مجموعہ ہے، علماء و طلباء کے لیے یکساں مفید ہے۔ اکثر تفسیری مباحث کے حوالے دیے گئے ہیں، یہ مجموعہ عرصہ دراز تک میرے پاس اسی حال میں تھا اور اکثر ساتھی اِس سے فوٹو کاپی کرتے تھے۔ عزیز شاگرد مولانا سرزیب صدیقی صاحب سلّمہٗ اللہ نے مجھ سے لے کر افادہ عام کے لیے چھاپ دیا۔

اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے اور اس مجموعہ کو مفید سے مفید تر اور حضرت اُستاذِ محترم رحمۃ اللہ علیہ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ (آمین)

نوٹ: تمام قارئین سے عاجزانہ درخواست ہے کہ: اگر دورانِ مطالعہ کوئی تفسیری غلطی وغیرہ نظر آجائے تو اُس کو بندۂ ناچیز کی طرف منسوب کیا جائے نہ کہ حضرت اُستاذِ محترم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف، کیوں کہ وہ میری غلطی ہوگی سماع میں یا لکھنے میں۔

(حضرت مولانا) فضل وہاب (صاحب دامت برکاتہم)
(اُستاذ الحدیث و ناظمِ تعلیمات)
جامعہ معارف القرآن لنڈیکس منگورہ، سوات
۲۶/۱۰/۱۴۳۱ھ

عرضِ ناشر

اَلْحَمْدُ لِحَضْرَةِ الْجَلَالَةِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النُّبُوَّةِ وَالرِّسَالَةِ.....
اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ ●

"قرآن کریم" ایک ایسی کتاب ہے جو کہ ایک آسمانی کتاب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ایسا کلام ہے کہ جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔ جیسا کہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ● نیز یہ قرآن کریم ایسی کتاب ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کی طرف ایک خط ہے اور اِس کی تلاوت کرنا ایسا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا۔ اب چوں کہ قرآن کریم عربی زبان میں ہے اور عرب میں بھی "لغتِ قریش" کے مطابق ہے تو اِس کو سمجھنا ہر ایک کے لیے ممکن نہیں، بالخصوص عجمی کے لیے تو بہت ہی دشوار ہے۔ اِس لیے نبی کریم ﷺ کے دُنیا سے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، پھر تابعین رحمہم اللہ، پھر تبع تابعین رحمہم اللہ، پھر سلف صالحین رحمہم اللہ نے قرآن کریم کے تفاسیر بیان کرنے کا اہتمام فرمایا ہے۔ اِسی طرح مختلف اَدوار میں مختلف تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ زیرِ نظر تفسیر "شیخ التفسیر والحدیث امام اہلِ سنّت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ" کے چالیس (۴۰) روزہ "دورۂ تفسیر" کا مجموعہ ہے جس کو بندہ کے اُستاذِ محترم "اُستاذ الحدیث حضرت مولانا فضل وہاب صاحب دامت برکاتہم" نے اِنتہائی محنتِ شاقہ سے تحریر کیا ہے۔ پھر اُستاد جی نے بندۂ ناچیز پر اِحسان کرتے ہوئے زیرِ نظر مجموعہ اِفادۂ عام کے لیے بندہ کو عنایت فرمایا۔ لیکن! کاپی اور رجسٹر سے کمپیوٹر پر کمپوز کرنا اور پھر اُس کی اغلاط کی تصحیح کرنا، نیز حوالہ جات وغیرہ کا اہتمام کرنا، یہ اِنتہائی دُشوار کام تھا۔ پس! دل وجان سے دُعا گو ہوں کہ: میرے عظیم محسن اور ساتھی "جناب محمد حسین ڈیسائی صاحب رحمہ اللہ" اللہ اُن کو غریقِ رحمت کرے، مغفرت بے حساب فرمائے۔ (آمین) اُنہوں نے یہ کام اپنی نگرانی میں کروایا، کمپوزنگ سے لے کر سیٹنگ تک تمام مراحل اُنہوں نے اپنی نگرانی میں کروائے، جس میں تقریباً بارہ (۱۲) سال کا عرصہ لگا۔ لیکن افسوس کہ! جب کتاب کا کام مکمل ہو گیا اور کتاب پریس میں جانے کے لیے تیار ہو گئی تو اُنہوں نے ۱۴/ شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ بہ مطابق ۱۸/ مارچ ۲۰۲۲ء کو داعیِ اَجل کو لَبَّیک کہا اور اِس جہانِ فانی سے ہمیشہ کے لیے حیاتِ جاویدانی کی طرف کوچ کر گئے۔ اللہ تعالیٰ اِس کتاب کو اُن کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور صدقۂ جاریہ بنائے۔ (آمین)

پس! مَیں اپنے عظیم محسن محمد حسین ڈیسائی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ ساتھ اپنے دوست مفتی احمد حسن صاحب حفظہ اللہ کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکریہ اَدا کرتا ہوں کہ: جنہوں نے چار (۴) سالوں کی محنتِ شاقہ کے بعد مندرجہ ذیل باتوں کا اِہتمام کر کے کتاب میں مزید نکھار پیدا کیا:

① سُوْرَةُ الْفَاتِحَة کے اَندر آیتوں کے آگے جو آیت نمبر ڈالے گئے ہیں وہ جمہور کے قول کا لحاظ رکھتے ہوئے ڈالے ہیں۔

② قرآن کی آیتیں اگر مکمل ذکر کی گئیں ہیں تو اُس کے آگے اِس طرح "۝" گول دائرے کی علامت ہے۔ اور اگر آیت مکمل نہیں تو اُس کے آگے اِس طرح "۔۔۔الآیۃ" کی علامت ڈالی گئی ہے۔ اِسی طرح آیت نمبر بھی ڈالے گئے ہیں لیکن اگر ایک آیت کے ایک جز کی الگ تشریح کی گئی ہے اور پھر دوسرے جز کی الگ تشریح کی گئی ہے تو پہلے جز کے آگے آیت نمبر ڈالا گیا ہے جب کہ دوسرے جز کے آگے آیت نمبر نہیں ڈالا گیا۔ مثلاً: سُوْرَةُ الْفَاتِحَة کی آیت "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝" میں "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" کی الگ تفسیر کی گئی ہے اور "وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝" کی الگ تفسیر کی گئی ہے تو "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" کے آگے آیت نمبر ڈالا ہے "وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝" کے آگے نہیں ڈالا۔ اِسی طرح تمام سورتوں میں کیا گیا ہے۔

③ بہت ساری باتوں کو آسان اور سَہل بنانے کے لیے سوال اور جواب کی صورت میں ذکر کیا گیا ہے۔

④ صرف اَحادیث کی تخریج کی گئی ہے، نیز اگر ایک سورۃ میں کسی دوسری سورۃ کی قرآنی آیت سے اِستدلال کیا ہے تو اُس دوسری سورۃ کی آیت کا حوالہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ! اگر کوئی حدیث تلاشِ بسیار کے باوجود نہ مل سکی تو نیچے حاشیہ میں بہ الفاظ "تلاشِ بسیار کے باوجود بندہ کی مذکورہ حدیث تک رسائی نہ ہو سکی" از مصحح "صراحت کر دی گئی ہے۔

● (سُوْرَةُ الحَشر ۲۱)
● (سُوْرَةُ الحِجر ۹)

⑤ ہر عربی لفظ کو عربی رسم الخط میں مع اِعراب لکھا ہے، لیکن اُس کے آخری لفظ پر اِعراب نہیں ڈالے تا کہ تسلسلِ کلام باقی رہے۔ مثلاً: یہ جملہ "خُلُوْد سے مُرادمَکْثِ طَوِیْل ہے"۔ اِس میں لفظِ خُلُوْد کے دَال اور طَوِیْل کے لَام پر کوئی اعراب نہیں ڈالا گیا تا کہ تسلسلِ کلام باقی رہے۔

⑥ سورتوں کی ترتیب کا لحاظ کیا ہے پاروں کی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

⑦ قرآنی آیات میں پوری آیت کو ذکر نہیں کیا گیا صرف آیت کے اُس حصے کو لیا ہے جس کی تفسیر ذکر کی جارہی ہے۔ نیز اُتنے حصے میں "رموز اَوقاف" کی بھی رعایت کی گئی ہے۔ اور یہ "رموز اَوقاف" کا کام تاج کمپنی کا طبع شدہ قرآن مجید "876/L" کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے۔

⑧ اردو کے اَندر مندرجہ ذیل الفاظ:

"چونکہ، حالانکہ، بلکہ، کیلئے، چنانچہ، کیونکہ، بنسبت، اہلسنت، جبکہ، لئے، کئے،" وغیرہ۔

اِن کو مندرجہ ذیل رسم الخط میں لکھا گیا ہے:

"چوں کہ، حال آں کہ، بل کہ، کے لیے، چناں چہ، کیوں کہ، بہ نسبت، اہل سنّت، جب کہ، لیے، کیے" وغیرہ۔

وجہ اِن کی یہ ہے کہ: اَصل اردو میں یہ الفاظ اِسی رسم الخط میں لکھے جاتے ہیں، اگرچہ لوگوں کے درمیان ماقبل والے رسم الخط میں رائج ہیں۔

⑨ علاماتِ ترقیم کی بالخصوص رعایت کی گئی ہے۔ البتہ اِنسان ہونے کے ناطے کمی بیشی ممکن ہے۔

⑩ شیخ التفسیر والحدیث اِمام اہلِ سنّت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ "کے چالیس (۴۰) روزہ "دورۂ تفسیر" کی تیس (۳۰) پاروں کی "سی، ڈی، C/D" کو سن کر اَغلاط کی تصحیح کی ہے۔ جس میں تقریباً چار (۴) سال کا عرصہ لگا ہے۔

مَیں دل وجان سے دُعا گو ہیں کہ: اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے، اور اپنی شان کے مطابق جزائے عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

اَہم گذارش!!! اللہ کے فضل وکرم سے اِنسانی طاقت وبساط کے مطابق ہم نے "تصحیح وتخریج، طباعت، جلد سازی" وغیرہ میں پوری اِحتیاط کی ہے، لیکن چوں کے اِنسان کمزور ہے، اَغلاط سے پاک تو صرف ایک اللہ کی ذات ہے، لہٰذا اگر قارئین کی نگاہ سے کوئی غلطی وغیرہ گذرے تو مندرجہ ذیل نمبر پر رابطہ کر کے مطلع فرمائیں۔

جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا

سرنزیب صدیقی
مکتبۃ الاستاذ ملیر ہالٹ، کراچی
0333-3730428

تقریظ

بقیۃ السلف عارف باللہ اُستاذ العلماء اُستاذ محترم ومکرم
شیخ الحدیث حضرت مولانا حمید اللہ صاحب دیروی دامت برکاتہم
مہتمم جامعہ مظہر العلوم، مینگورہ، سوات

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
أَمَّا بَعْدُ!

اِمامِ اہلِ سنّت، نادرۃ الدہر، محدثِ اعظم، مفسرِ کبیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب طَيَّبَ اللهُ اٰثَارَهٗ وَاَعْلٰى دَرَجَاتِهٖ فِيْ دَارِ السَّلَامِ کی شخصیت بابرکت علمی دُنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ رحمہ اللہ کا شمار عالمِ اسلام کے جید اور ممتاز شیوخ میں ہوتا ہے۔

آپ رحمہ اللہ اَصلاً پٹھان تھے اور آپ رحمہ اللہ کا تعلق مانسہرہ کے علاقہ "کوڑمنگ" سے تھا، بعد میں آپ رحمہ اللہ نے صوبہ پنجاب کے ضلع گوجرانوالہ میں مستقل سکونت اِختیار فرمائی اور وہاں ایک عظیم دینی اِدارہ "جامعہ نصرۃ العلوم" کی بنیاد رکھی۔ آپ رحمہ اللہ کی اِخلاص وللّٰہیت کی بہ دولت آج یہ اِدارہ ملک کے معتبر مشہور و معروف اِداروں میں شمار ہوتا ہے۔

آپ رحمہ اللہ نے اِسلام و دین دُشمن قوتوں "عیسائیوں، قادیانیوں، رافضیوں، منکرینِ حدیث، غیر مقلدین و دیگر فرقِ باطلہ" کے خلاف بہ حوالہ مدلل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جس سے اِنْ شَآءَ اللہ تا قیامت اہلِ علم مستفید ہوتے رہیں گے۔

کلام مجذوب والہانہ ہمیشہ دُہرائے گا زمانہ
کسی حسین کا نہیں فسانہ یہ ایک عاشق کی داستاں ہے

شیخ صفدر رحمہ اللہ، اُستاذ محترم ومکرم حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ گوجرانوالہ، اُستاذ محترم ومکرم شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد اَمین صاحب رحمہ اللہ سرگودھا، حافظ القرآن والحدیث حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی رحمہ اللہ، شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد طاہر رحمہ اللہ، شیخ التفسیر حضرت شاہ منصور بابا رحمہ اللہ، یہ سب حضرات تفسیر میں شیخ الشیوخ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، اور شیخ الشیوخ اِمام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید تھے۔ شیخ الشیوخ سے شرفِ تلمذ کی سعادت کی بہ دولت شیخ صفدر رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے فنِ تفسیر میں ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔

محترم ومکرم شیخ الحدیث جناب مولانا فضل وہاب صاحب، ناظمِ تعلیمات جامعہ معارف القرآن، لنڈیکس، مینگورہ و فاضل جامعہ عربیہ مظہر العلوم، مینگورہ آپ رحمہ اللہ کے دَرسی اِفادات کو دَورانِ دَرس قلم بند کر کے اب اِفادۂ عام کے لیے شائع کرنے کا اِرادہ کر رہے ہیں۔ جو یقیناً قابلِ مدح و قابلِ ستائش ہے، اِس لیے کہ: اَخلاف اور اَصاغر پر اپنے اَسلاف اور اَکابر کے اِفادات و ملفوظات، محاسن و مناقب، فضائل و شمائل، علمی خدمات و کمالات مرتب و مدون کر کے آئندہ نسلوں کے لیے چھوڑنے کی ایک اَہم ذمہ داری ہے۔

میری دلی دُعا ہے کہ: اللہ تعالیٰ مؤلف کتاب ھٰذا کی سَعْیِ مَشْكُوْر اور عمل مَاْجُوْر اور لغزشیں مَسْتُوْر فرمادے اور علماء وطلباء کو اِس کتاب سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور شیخ صفدر رحمہ اللہ کی قبر کو نور سے منوّر فرما کر اُن کے فیوضاتِ عالیہ کے سلسلے کو تا قیامت جاری وساری فرمائے۔ (آمین)

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ، وَصَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

از
خاکپائے اَکابر دیوبند
ابو عبید اللہ حمید اللہ دیروی
مدیر جامعہ عربیہ مظہر العلوم و مدرسہ عربیہ حدیقۃ العلوم، مینگورہ
۲۹/ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ / ۱۴/ جون ۲۰۱۸ء

تقریظ

عالم اسلام کے عظیم مصنف وخطیب شیخ الحدیث
حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب دامت برکاتہم

اَلْحَمْدُ لِحَضْرَةِ الْجَلَالَةِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ الرِّسَالَةِ........

قرآن عظیم الشان کی خدمت روزِ نزول سے تاہنوز مختلف جہات، متفرق اَسالیب اور متنوع دائروں میں جاری ہے۔ ہر زمان، ہر مکان اور ہر زبان میں علماء کرام نے اپنے اپنے مخصوص ذوق، عصر (زمانے) کی ضروریات اور مخاطبین کی رعایت کے لحاظ سے قرآن کی تفسیر وتشریح کی خدمات اَنجام دی ہیں، اور اس رفیع قدر کام میں اپنی زندگیاں کھپادی ہیں۔ خدامِ قرآن کے اِس زرّین سلسلے میں ایک نمایا نام "امامِ اہلِ سنّت، ترجمانِ دیو بند اور فخرِ اَحناف حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ" کا بھی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام قرآن فہمی میں بہ ذاتِ خود ایک حوالہ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اِفادات مختلف تلامذہ نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق جمع کر کے اِفادۂ عام کے لیے شائع کیے ہیں۔ اُن سعادت مند تلامذہ میں استاذ الحدیث حضرت مولانا فضل وہاب صاحب دامت برکاتہم بھی ہیں۔

اِمامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں حضرت مولانا فضل وہاب صاحب دامت برکاتہم کی یہ خوش قسمتی رہی ہے کہ: اُن کو جناب محمد حسین ڈیسائی رحمۃ اللہ علیہ جیسا ناشر ملا، جنہوں نے اُن کے جمع کردہ مسودہ کی "تبییض، تخریج اور تصحیح" پر مسلسل بارہ (۱۲) سال جانفشانی، عرق ریزی اور لگن سے کام کیا، دَورانِ دَرس ضبط کیے گئے اِشارات وعلامات کو مستقل تصنیف کی صورت میں ڈھالنا ایک جان گسل مرحلہ ہوتا ہے۔ جس کو جناب محمد حسین ڈیسائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی خوش اُسلوبی سے طے کیا، مگر جب کتاب تیار ہوگئی تو محمد حسین ڈیسائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنا اَجر پانے کے لیے ربّ العزّت کے دربار میں پہنچ گئے۔ ڈیسائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محنت کی یہ دولت اب یہ مجموعہ حضرت اِمامِ اہلِ سنّت کے اِفادات کے دیگر مجموعوں کی بہ نسبت زیادہ جامع اور سَهْلُ الْاِفَادَہ بن گیا۔ اب اُن کے دُوست اور رفیق جناب سرزیب صدیقی صاحب حفظہ اللہ اُن کے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں اور اِس مجموعہ کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ: سرزیب صدیقی صاحب حفظہ اللہ کی نگرانی اور سرپرستی میں اَکابر واَسلاف کے "اِفادات، خطبات، ملفوظات اور بیانات" کی نشر واِشاعت اور تقسیم وترسیل کا عظیم تر کام جاری وساری رہے۔ (آمین)

بجھنے سے پہلے مَیں نے جلائے ہیں کئی چراغ
جاری رہے روشنی کا سفر میرے بعد بھی

(حضرت مولانا) عبدالقیوم حقانی (صاحب دامت برکاتہم)
صدر القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ
خالق آباد، نوشہرہ، کے پی کے
۱۴/ رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ
بہ مطابق ۱۶/ اپریل ۲۰۲۲ء

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب رحمہ اللہ

أستاذ الحدیث جامعہ بنوریہ عالمیہ، سائیٹ وخطیب جامع مسجد قباء میٹروول، کراچی

عزیز الرحمٰن ہزاروی
استاذ الحدیث جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی
امام وخطیب جامع مسجد قبا بلاک 5 میٹروول کراچی
0300-2824285, 6663226 [redacted]
68

Aziz-ur-Rehman
Hazarvi
Jamia Binoria S.I.T.E., Karachi.
Jama Masjid Quba, Block-5, Metrovelle Karachi.

تاریخ ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ حوالہ ________

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

اما بعد =

امام اہل سنت محدث کبیر مفسر اعظم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شمار عالم اسلام کے جید علماء کرام میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو وسعت علمی دقت نظر، قدرت علی الکلام، فصاحت وبلاغت جیسی صفات ممتازہ سے نوازا تھا ان کا درس قرآن ودرس حدیث انتہائی دلنشین انداز کا ہوتا تھا

جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں صبح کے پہلے گھنٹے میں تمام طلبا کو تفسیر قرآن مجید پندرہ پارے ایک سال میں اور پندرہ پارے دوسرے سال میں پڑھاتے تھے بندہ ناچیز کو بھی ان سے تفسیر قرآن مجید پڑھنے کی سعادت حاصل ہے

زیر نظر تقریر "افادات صفدریہ" میں اسی دو سالہ تفسیر کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے شاگرد رشید شیخ الحدیث مولانا فضل وہاب صاحب دامت برکاتہم نے انتہائی عرق ریزی سے قلمبند کیا ہے اور پھر بہترین انداز میں اس کو مرتب کیا ہے بندہ نے مختلف مواقع سے اس تقریر کا مطالعہ کیا تو گویا استاد محترم نور اللہ مرقدہ کی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔

یہ تفسیری مجموعہ علماء اور طلبا کیلئے مدارس میں تفسیر پڑھانے کیلئے اور مدارس میں درس قرآن مجید دینے کیلئے انتہائی مفید ہے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کیلئے اس کو بطور صدقہ جاریہ قبول فرمائے اور اس کتاب کے مرتب کی اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازے اور اللہ تعالیٰ مکتبۃ الارشاد کے ذمہ داران کو بھی اجر عظیم عطا فرمائے جنھوں اس کتاب کو شائع کرنے کی ذمہ داری اٹھائی ہے

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

تقریظ

مناظرِ اسلام حضرت مولانا منظور احمد مینگل صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث، بانی و مدیر جامعہ صدیقیہ گلشنِ معمار، کراچی

Jamia Siddiqia Karachi
جامعہ صدیقیہ کراچی
Al-Siddiq Social Village, Near Sector 'Q'
Gulshan-e-Maymar, Karachi-PAKISTAN.
الصدیق سوشل ولیج نزد سیکٹر Q گلشن معمار کراچی

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

اما بعد! اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو پیدا فرما کر اسکی تمام ضروریات کی کفالت فرمائی اور تاریخ شاہد ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہ التحیۃ والسلام سے پہلی امتوں سے کتاب ہدایت کی حفاظت نہ ہو سکی جس کے نتیجہ میں وہ نسخۂ اصلی سے محروم ہو گئے اور سیدھی راہ بتانے والا ہدایت نامہ جب نہ رہا تو اندھیروں میں بھٹکتے ہی چلے گئے لیکن رسول اکرم ﷺ کی امت کو دی جانے والی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود (خالق السموت والارض) نے اٹھائی اور کھلے عام اعلان کر دیا (انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون) اس زندہ کتاب کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے ہر طرح اور ہر طبقہ کے ذریعہ سے کرائی قرآن مجید کی جملہ تفاسیر اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے زیر نظر کتاب (افادات صفدریہ) اردو تفسیر ہے یوں تو بے شمار تفسیریں آج تک لکھی گئی ہیں لیکن (ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است) صاحب تفسیر حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو علمی دنیا میں ایک جانی پہچانی شخصیت ہے جو کسی بھی تعارف کے محتاج نہیں استاذ الاساتذہ ہے امام اہل سنت کا لقب آپ ہی کو دیا ہے آپ تحریر اور تدریس میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے خصوصاً علم تفسیر میں مہارت تامہ رکھتے تھے آج بھی اہل علم آپ کی تصانیف سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں زیر نظر کتاب آپ کی ان افادات پر مشتمل ہے جو دورہ تفسیر کے دوران آپ کے انمول قیمتی ارشاد کو جمع کرکے بطور کتاب چھاپہ جا رہا ہے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی اس افادات کو شرف قبولیت اور پذیرائی عطاء فرما کر دارین میں خوب خوب سعادتوں سے نوازے آمین

خویدم العلماء

حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب

مہتمم جامعہ صدیقیہ گڈاپ ٹاؤن کراچی

۱۲ رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ بمطابق ۱۴ اپریل ۲۰۲۲

Al-Siddiq Social Village, Near Sector 'Q'
Gulshan-e-Maymar, Karachi-PAKISTAN.
الصدیق سوشل ولیج نزد سیکٹر Q گلشن معمار کراچی

مُقدّمہ

علومِ قرآن اور علمِ تفسیر سے متعلق ضروری معلومات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

مذہبِ اسلام کی بنیاد قرآن، حدیث اور اجماعِ قطعی پر ہے، جب کہ قیاس بھی اِس کے ساتھ شامل ہے۔

لفظِ قرآن کی تحقیق:

سب سے پہلے لفظِ قرآن کی بحث ہے کہ: لفظِ قرآن کون سا صیغہ ہے؟ اِس کا مجرد مادّہ کیا ہے؟ اِس کے معنی کیا ہیں؟

سوال لفظِ قرآن کون سا صیغہ ہے؟

جواب اِس میں علماء کا اِختلاف ہے:

① ایک گروہ کہتا ہے کہ: لفظِ قرآن عَلَم ہے۔

② دوسرا گروہ کہتا ہے کہ: لفظِ قرآن مصدر ہے۔ جیسا کہ فُرْقَان، غُفْرَان، سُبْحَان یہ مصادر سماعی ہیں، قیاسی نہیں ہیں۔

سوال لفظِ قرآن کا مجرد مادّہ کیا ہے؟

جواب اِس میں علماء عربیہ کا اِختلاف ہے:

① بعض علماء عربیہ کا قول یہ ہے کہ: اِس کا مجرد مادّہ قَرَنَ، يَقْرُنُ، بابِ ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے مَقْرُنٌ ہے۔ جس کے معنی ہیں: جوڑنا اور ملانا۔ مطلب یہ ہے کہ: یہ وہ کتاب ہے جس میں مضمون کو مضمون کے ساتھ، سورۃ کو سورۃ کے ساتھ، دعوی کو دلیل کے ساتھ، مؤمن کا کافروں کے ساتھ، جنّت کا دُوزخ کے ساتھ بیان ہے۔

② دوسرے علماء عربیہ کا قول یہ ہے کہ: قرآن قَرَءَ، يَقْرَءُ کا مصدر ہے۔ مصدر کبھی مبنی للفاعل ہوتا ہے، کبھی مبنی للمفعول ہوتا ہے۔ یہاں مبنی للمفعول ہے بمعنی مَقْرُوْءٌ کے ہے۔ جیسا کہ خَلْقٌ بمعنی مَخْلُوْقٌ، شِرْبٌ بمعنی مَشْرُوْبٌ وغیرہ۔ معنی ہے: مَقْرُوْءٌ یعنی وہ کتاب جو پڑھی جائے۔

یہ معنی بھی صحیح ہے کیوں کہ یہ کتاب دُنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی ہے، اِس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ جیسا کہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ [1]

سوال قرآن کے معنی کیا ہیں؟

جواب اُصولِ فقہ میں ہے کہ: اَلْقُرْاٰنُ عَلَمٌ لِلْكِتَابِ الْمُنَزَّلِ مِنَ اللّٰهِ بِوَاسِطَةِ جِبْرَائِيْلَ عَلَى الرَّسُوْلِ ﷺ اَلْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ اَلْمَنْقُوْلُ عَنْهُ نَقْلًا مُّتَوَاتِرًا بِلَا شُبْهَةٍ۔

اَسماءِ قرآن:

قرآن کے کئی نام ہیں: قُرْاٰنٌ، فُرْقَانٌ، مَوْعِظَةٌ، هُدًى، تَذْكِرَةٌ، نُوْرٌ، یہ قرآن پاک کے چند نام ہیں۔

فُرْقَانٌ اسمِ فاعل کے معنی میں ہے یعنی اَلْفَارِقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ، بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ۔ حق اور باطل کے درمیان، حلال اور حرام کے درمیان فرق کرنے والی کتاب۔

طریقۂ نُزولِ قرآن:

قرآن پاک کے نزول کے دو (۲) طریقے ہیں:

① پہلا طریقہ یہ ہے کہ: لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر نزول ہوا۔

---

[1] (سُوْرَةُ الْحِجْر، ۹)

لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا میں قرآن پاک کا دَفْعَةً وَّاحِدَةً نزول ہوا۔ اُس مقام کا نام بَيْتُ الْعِزَّةِ اور بَيْتُ الْعَظْمَةِ ہے۔ یہ بات حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھی ہے۔ اسی کے متعلق قرآن کریم میں اشارہ ہے کہ: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ (۱)

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ: آسمانِ دُنیا سے زمین پر نزول ہوا۔

آسمانِ دُنیا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر تئیس (۲۳) سال میں قرآن مجید کا نزول مکمل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب چالیس (۴۰) سال کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبلِ نور کی چوٹی پر غارِ حراء میں تشریف فرما تھے کہ صبح کے وقت سب سے پہلے جن آیات کا نزول ہوا وہ سُوْرَةُ الْعَلَقِ کی پہلی پانچ (۵) آیات تھیں: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (۲) پیر کا دن تھا۔

"مسلم شریف" کی روایت ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہفتے میں دو (۲) دن سوموار (پیر) اور جمعرات کو اِہتمام سے روزہ رکھتے تھے۔ جب پوچھا گیا کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اِن دو (۲) دنوں میں اِہتمام سے روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ذَاكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيْهِ وَيَوْمٌ بُعِثْتُ (۳)

پھر اس کے بعد تیرہ (۱۳) سال مکہ مکرمہ میں اور دس (۱۰) سال مدینہ منورہ میں قرآن پاک نازل ہوتا رہا۔ مکہ معظمہ میں کل چھیاسی (۸۶) سورتیں نازل ہوئیں اور باقی مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ کبھی ایک سورۃ، کبھی ایک آیت اور کبھی ایک لفظ بھی نازل ہوتا رہا۔

جیسا کہ "بخاری شریف" کی روایت ہے کہ: جس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ: حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ ۔۔۔ الآیۃ (۴) تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ساتھ سفید اور کالے دھاگے رکھ لیے اور اسی سے فجر کا وقت معلوم کرنے کی کوشش کی، اُن میں سے ایک عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ تو جب اِس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا تو اُس وقت صرف مِنَ الْفَجْرِ ۔۔۔ الآیۃ (۵) کا لفظ نازل ہوا کیوں کہ باقی آیت تو پہلے نازل ہو چکی تھی (۶) اِس سے پتہ چلا کہ صرف ایک لفظ بھی نازل ہوا ہے۔

سب سے آخری آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۷) نازل ہوئی ہے۔ یہ آیت جمعہ کے دن عصر کے وقت ۱۰ ھ میں میدانِ عرفات میں نازل ہوئی۔ اُس وقت کم اَز کم ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) کے قریب نفوسِ قدسیہ موجود تھے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: جس قرآن کا آغاز جبلِ نور سے ہوا تھا وہ آج ختم ہوا۔ اُس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیاسی (۸۲) یا تراسی (۸۳) دن تک زندہ رہے، اگرچہ وحی نازل ہوتی رہی لیکن نزولِ قرآن بند ہو گیا تھا۔

اِس کے بارے میں ایک یہودی عالم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: اگر یہ آیت ہمارے ہاں نازل ہوتی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۸) تو ہم عید مناتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: آپ ایک عید کی بات کرتے ہیں ہمارے نزدیک دو (۲) عیدیں ہیں لیکن عید، عید میں فرق ہوتا ہے۔ اُن کی عید جشن کرنا اور ہماری عید اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ (۹) ہے۔

تفسیرِ قرآن کے ماخذ:

تفسیرِ قرآن کے ماخذ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قرآن کریم کی سب سے اعلیٰ تفسیر وہ ہے جو کہ خود قرآن کریم نے دوسرے مقام پر کی ہو کیوں کہ قرآن خود ایک جامع اور مانع تفسیر ہے۔ اِس لیے کہ یہ قَطْعِيُّ الدَّلَالَةِ اور قَطْعِيُّ الثُّبُوْتِ ہے۔

(۲) اگر قرآن کریم میں ایک چیز کی تفسیر موجود نہ ہو تو پھر تفسیر حدیث والی معتبر ہو گی۔ اِس لیے کہ جس پر قرآن پاک کا نزول ہوا اُس سے اچھا کون سمجھ سکتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا؟

(۳) اگر قرآن کریم کی تفسیر نہ قرآن میں ملے نہ حدیث میں تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیاتِ طیبہ اور اُن کے اَقوال و اَفعال سے تفسیر پوچھیں گے

---

(۱) (سُوْرَةُ الْقَدْرِ، ۱) (۲) (سُوْرَةُ الْعَلَقِ، ۱ تا ۵) (۳) (صحیح المسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام من کل شہر، ج ۱، ص ۳۶۸، طبع یادگار شیخ، کراچی)

(۴) (۵) (سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ، ۱۸۷) (۶) (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب قول اللہ تعالیٰ: وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض، ج ۱، ص ۲۵۷، طبع یادگار شیخ، کراچی)

(۷) (۸) (سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ، ۳) (۹) (سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ، ۴۱)

کیوں کہ جس طرح اُنہوں نے قرآن پاک کو سمجھا کسی اور نے اُتنا نہیں سمجھا۔ بالخصوص اُن میں سے دو (۲) شخصیتیں ایسی تھیں جو اِس میں خصوصی مہارت رکھتی تھیں:

① ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ ② دوسرے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

پھر اِن دونوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فنِ تفسیر میں جو مقام حاصل ہے وہ جُزوی طور پر حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے بھی بڑھ کر ہے۔ اُنہوں نے چھیاسی (۸۶) سورتیں براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

"مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ كَمَا أُنْزِلَ فَلْيَقْرَأْهُ عَلٰى قِرَاءَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ" ❶

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں: "وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَعْلَمُهُمْ بِكِتَابِ اللهِ"۔ اگر مجھے معلوم ہو کہ: مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا ماہر موجود ہے اور میرے پاس سواری ہو کہ اُس تک پہنچ جاؤں تو ضرور اُس تک پہنچ جاؤں گا۔ نیز آپ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: کوئی آیت یا سورۃ ایسی نہیں اُتری جس کے بارے میں مجھے معلوم نہ ہو کہ: أَيْنَ نَزَلَتْ وَفِيْمَنْ نَزَلَتْ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد مقام عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے جن کو ترجمان القرآن کے لقب سے پکارا گیا ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو اُس وقت أَنَا ابْنُ عَشْرِ سِنِيْنَ۔

لیکن کم سنی کے باوجود اُن کو یہ مقام اِس طرح حاصل ہوا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مٹی کا ڈھیلا اور پانی رکھ دیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب واپس ہوئے تو دیکھا اور پوچھا: مَنْ وَضَعَهَا هٰهُنَا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: فِدَاكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اِنِّيْ وَضَعْتُهَا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر رِقّت کی کیفیت طاری ہوگئی، دل سے دُعا نکلی

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ وَفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ❷

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا قبول فرمائی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو عالمِ اِسلام کا عظیم مفسّر بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کا یہ اَثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعض مسائل میں آپ رضی اللہ عنہ کی طرف رُجوع فرماتے تھے۔

"بخاری شریف" کی روایت ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجلسِ شوریٰ میں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی منتخب کیا تھا حال آں کہ اُس وقت اُن کی عمر مبارک چودہ یا پندرہ (۱۴ یا ۱۵) سال تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اِعتراض کیا کہ: زبیر رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سب بیٹھ جائیں تو شوریٰ پر بچوں کا قبضہ ہو جائے گا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے اُن کو فرمایا کہ: اِنَّهٗ مِنْ حَيْثُ تَعْلَمُ اِس کو ایسا مت دیکھو۔ پھر پوچھا کہ: تم لوگ یہ بتاؤ کہ: سُوْرَةُ النَّصْرِ میں راز کی بات کون سی ہے؟ تو کسی نے جواب نہیں دیا۔ جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا تو فرمایا: فِيْهِ اَجَلُ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ❸

④ اب اگر کسی قرآن کی آیت کی تفسیر قرآن سے نہ ملے، حدیث میں نہ ملے، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اَقوال واَفعال سے اُس کی تفسیر ہو سکے، تو پھر تابعین رحمہم اللہ سے اُس کی تفسیر معلوم کریں گے کیوں کہ اُنہوں نے قرآن پاک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیکھا۔ تابعین رحمہم اللہ میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، ابن سیرین رحمہ اللہ، حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ وغیرہ مشہور ہیں۔

⑤ اگر قرآن کی تفسیر قرآن، حدیث، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ سے نہ ملے تو تبع تابعین رحمہم اللہ سے اُس کی تفسیر معلوم کریں گے کیوں کہ اُنہوں نے قرآن پاک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تربیت یافتہ حضرات سے سیکھا ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: خَيْرُ اُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ❹

قَرْنٌ کے معنی ہیں: طَائِفَةٌ مِّنَ النَّاسِ۔ تین (۳) اَدوار قُرُوْن کہلاتے ہیں، اگرچہ بُرے لوگ بھی اُن زمانوں میں تھے مگر اچھے لوگوں کی اَکثریت تھی۔

❶ (المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، من مناقب ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ج۹، ص۷۱، طبع مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرۃ) ❷ (المعجم الکبیر للطبرانی بتغیر الالفاظ، باب العین، من مناقب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ج۱۰، ص۲۶۳، طبع مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرۃ)

❸ (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامۃ النبوۃ فی الاسلام، ج۱، ص۵۱۲، طبع یادگار شیخ، کراچی) ❹ (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج۱، ص۵۱۵، طبع یادگار شیخ، کراچی)

بڑے لوگوں میں مروان اور حجاج بن یوسف بھی ہیں جنہوں نے (ترمذی کی روایت کے مطابق) ایک لاکھ بیس ہزار (۱۲۰۰۰۰) مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔
قُرُوْنِ ثَلٰثَة کے لوگ حقیقۃً قرآن کے طول وعرض و عُمق کو پہچانتے تھے۔ مگر ہم لوگ صرف طول وعرض سے واقف ہیں عُمق کو نہیں پہچانتے۔

آدابِ تلاوتِ قرآن مجید:

① پہلا ادب جس کے بارے میں تمام علماء کا اتفاق ہے، اس کے علاوہ "فتح الباری" اور "اِتقان الباری" میں بھی اِس اتفاق کو نقل کیا ہے کہ:
لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ ❶ ہاں! زبانی پڑھ سکتے ہیں، اِس میں تمام اَئمہ کا اتفاق ہے۔ ہاں! جنابت، حیض ونفاس کے زمانہ میں نہیں پڑھ سکتے۔ البتہ اگر عورت بطورِ دُعا حیض کی حالت میں پڑھے تو جائز ہے۔

② دوسرا ادب جس کے بارے میں قرآن پاک نے خود تصریح کی ہے کہ: قرآن شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِالله پڑھ لینا چاہیے۔
كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالٰى: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ ❷

"تفسیر بیضاوی، ابوسعود" اور صاحب کشاف اس کا معنی کرتے ہیں: اِذَا اَرَدْتَ الْقُرْاٰنَ اَیْ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَقْرَءَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ وجہ یہ ہے کہ: اِنسان جب نیکی کا کام کرتا ہے تو شیطان قِسم قِسم کے وساوس اُس کے دل میں ڈالتا ہے، اُن وساوس سے بچنے کے لیے تَعَوُّذ پڑھ لینا چاہیے، شیطان اِنسان کا دُشمن تو ہے ہی۔

دُشمن دو (۲) قِسم کے ہیں: ① ظاہری۔ ② باطنی۔

ظاہری دُشمن سے مقابلہ آسان ہوتا ہے، شیطان باطنی دُشمن ہے، اُس سے مقابلہ مشکل ہوتا ہے۔ نظر نہ آنے والے دُشمن سے سخت خطرہ ہوتا ہے کہ: معلوم نہیں کس وقت حملہ آور ہو کر نیکیاں برباد کر دے؟!! اِس لحاظ سے جب قرآن جیسی عظیم کتاب کی تلاوت کا اِرادہ کیا جائے تو پہلے سے ہی شیطان سے پناہ لے کر رب کی مدد طلب کر لی جائے تاکہ وہ حملہ آور نہ ہو، نیکیاں ضائع نہ ہوں۔

"مستدرک حاکم" کی روایت ہے کہ: اِبلیس نے اپنی جگہ پانی پر بنا رکھی ہے۔ چھوٹے چھوٹے شیاطین اُس کے پاس آتے ہیں، اپنی اپنی کارگزاریاں بیان کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ: فلاں غلط کام مَیں نے فلاں سے کرایا۔ کوئی کہتا ہے کہ: مَیں نے فلاں کام کرایا۔ لیکن شیطان (اِبلیس) اُن سے خوش نہیں ہوتا، اَچانک ایک چھوٹا سا شیطان آکر کہتا ہے کہ: مَیں نے فلاں آدمی کو مشرک بنایا، تو اِبلیس خوش ہو کر اُس کو گلے لگاتا ہے۔ اِسی طرح طلاق سے بھی خوش ہوتا ہے ❸

شیطان عام ہے اِبلیس خاص ہے، اِبلیس ایک جگہ پر ساکن رہتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے شیاطین دورے کرتے ہیں اور اُس کو پیغام پہنچاتے ہیں۔
"ابوداود، نسائی، مسند احمد" وغیرہ میں ہے: كُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ يُبْدَاْ بِبِسْمِ اللّٰهِ اَوْ بِحَمْدِ اللّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ. اَمْ فَهُوَ اَبْتَرُ اَمْ فَهُوَ اَجْزَمُ۔
"ابن ماجہ، فتح الباری، عمدۃ القاری" میں ہے کہ: اَعُوْذُ بِالله کو بِسْمِ الله سے پہلے پڑھے کیوں کہ اَعُوْذُ بِالله کا ثبوت نصِ قطعی سے ثابت ہے اور بِسْمِ الله کا ثبوت خبرِ واحد سے ہے، تَعَوُّذ کا ثبوت قَطْعِیُّ الثُّبُوْت قَطْعِیُّ الدَّلَالَة سے ہے اور تَعَوُّذ میں سلب ہے اور تَسْمِيَة میں اِثبات ہے، پس اَعدام ہمیشہ وُجود پر مقدم ہوتا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: سب کتابوں کو شروع کرتے ہوئے تَسْمِيَة پڑھیں لیکن تَعَوُّذ صرف قرآن مجید کو شروع کرتے ہوئے پڑھیں۔

ع:

یہ رُکُوْعٌ کا مخفف ہے۔ رُکُوْعٌ کا معنی ہے: جُزْءٌ یعنی حصہ۔ اِس کے اُوپر ایک ہندسہ ہوتا ہے، ایک پیٹ میں اور ایک نیچے ہوتا ہے۔ اُوپر والا ہندسہ سورۃ کے رُکوع کا نمبر یعنی عدد بتاتا ہے اور درمیان والا ہندسہ اُس رُکوع کی آیات کی تعداد بتاتا ہے اور نیچے والا ہندسہ پارہ کے رُکوعات کی تعداد بتاتا ہے۔

اَلرَّبْطُ بَيْنَ السُّوَرِ وَالْاٰيٰت:

سوال کیا قرآن کی سورتوں اور آیات میں ربط ہے یا نہیں؟

جواب اِس کے بارے میں علماء کرام رحمہم اللہ کا اِختلاف ہے:

❶ (سُوْرَةُ الْوَاقِعَة، ۷۹) ❷ (سُوْرَةُ النَّحْل، ۹۸) ❸ (صحیح لسلم بغیر الالفاظ، کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان، ج ۲، ص ۳۷۶، طبع یادگار شیخ، کراچی)

① بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: قرآن کی سورتوں اور آیات میں کوئی ربط نہیں ہے کیوں کہ یہ ایک شاہی کلام ہے۔ جس طرح بادشاہ وزیر داخلہ کو ایک کام کرنے کا حکم دیتا ہے کہ: یہ کام اب کرو اور ہر ایک کو اُس کے حالات کے مناسب حکم دیتا ہے۔ اِسی طرح خالقِ کائنات ہر ایک کام کے بارے میں الگ الگ حکم دیتا ہے۔ اس لیے اِن میں کوئی ربط نہیں۔

② دوسرے مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: بے شک! قرآن ایک شاہی کلام ہے لیکن ربط اس میں ضرور ہے۔ اِس کے قائلین متقدمین میں سے علامہ آلوسی رحمہ اللہ، ابو سعود رحمہ اللہ، فخر الدین رازی رحمہ اللہ وغیرہ اور متاخرین میں سے مولانا عبد الحق حقانی رحمہ اللہ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور ہمارے مُرشد مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ ہیں۔ یہ سب حضرات ربط کا خاص اِہتمام فرمایا کرتے تھے۔

اعتراضات علی کلامِ اللہ:

کلامُ اللہ پر سب سے زیادہ اِعتراضات ہندوستان کے ایک لعین اِنسان دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب "ستیانند پرداشت" میں کیے ہیں۔ جو بِسْمِ اللہ سے لے کر آخر قرآن یعنی وَالنَّاس تک ہیں۔ اِس کے مقابلہ میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے "اِنتصاب الاسلام" لکھی اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہ اللہ نے بھی اِس کے جواب میں کتابیں لکھیں۔

اِشکال: یہ قرآن اگر اللہ کا کلام ہوتا تو بِسْمِ اللہ سے شروع نہ ہوتا۔ یہ تو رب تعالیٰ نے خود اپنی تعریف کی ہے اور وہ اپنے مُنہ میاں مٹھو بننا چاہتا ہے یعنی اپنی تعریف خود کی ہے جو کہ غلط ہے؟

جواب: علامہ بیضاوی رحمہ اللہ "اَنوار التنزیل" میں، علامہ آلوسی رحمہ اللہ "روح المعانی" میں اور علامہ اُندلسی رحمہ اللہ "البحر المحیط" میں فرماتے ہیں کہ: هٰذَا مَقُوْلٌ عَلٰی اَلْسِنَةِ الْعِبَادِ یعنی یہ تعریف کے الفاظ لوگوں کی زبان سے اَدا کروانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائے ہیں۔ اِس کی مثال یہ ہے کہ: ایک مُشفق اُستاذ اپنے شاگردوں کو درخواست کا طریقہ بتلاتا ہے کہ: اُستاذ کو جب درخواست لکھو تو اِن اَلقاب کو لکھو۔ اِس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ: اُستاذ اپنے مُنہ میاں مٹھو بننا چاہتا ہے بل کہ شاگردوں کو درخواست لکھنے کا طریقہ سکھاتا ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو تعریف کا طریقہ سکھاتے ہیں کہ اِن الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرو۔ لہٰذا دیانند سرسوتی کا اِعتراض مبنی بر فساد ہے۔

اٰيَاتُهَا (۷) (۱) سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ (۵) رُكُوْعُهَا (۱)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

جس سورۃ سے قرآن کریم کو شروع کیا جاتا ہے، اُس کا نام سُوْرَةُ الْفَاتِحَة ہے۔ اِس کے اور بھی متعدد نام ہیں۔ مثلاً: اُمُّ الْكِتَاب، اُمُّ الْقُرْاٰن، كَافِيَة، شَافِيَة، اَلدُّعَآء، سُوْرَةُ الْمَسْئَلَة۔

سُوْرَةُ الْفَاتِحَة میں طریقۂ سوال سکھایا جاتا ہے کہ: جب کسی سے سوال کرنا ہو تو پہلے اُس کی تعریف کرتے ہیں، پھر اُس کے ساتھ اپنا تعلق بتاتے ہیں کہ: آپ کا اور میرا رشتہ یہ ہے، پھر مقصود بیان کرتے ہیں کہ: اِس مقصد کے لیے آیا ہوں۔ یہی کلام کا طرز بادشاہ کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ اِسی طرح اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک تعریف ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں تعلّق ہے اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے آخر تک میں مطلوب کا بیان ہے۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○:

یہ سورۃ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے شروع ہوتی ہے۔ اِس سے قبل یہ سمجھیں کہ: بِسْمِ الله کے بعد حال کے مناسب فعل مقدر نکالیں گے۔ مثلاً: بِسْمِ اللهِ اَشْرَعُ، اَقْرَأُ وغیرہ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴿۱﴾:

لفظِ رَبّ باب نَصَرَ، يَنْصُرُ سے ہے اور مصدر تَرْبِيَة ہے۔ معنی ہے: پرورش کرنا۔ اگر لفظِ رَبّ کے مفہوم کو سمجھ لیا جائے تو اِنسان شرک کے قریب ہی نہ جائیں۔

سوال اَلْحَمْدُ پر اَلِف لَام کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ: اَلِف لَام اِستغراقی ہے۔ ② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اَلِف لَام جنسی ہے۔

سوال حمد اور مدح میں کیا فرق ہے؟

جواب حمد کہا جاتا ہے وہ تعریف جو اَفعالِ اِختیاریہ پر ہو اور مدح کہا جاتا ہے وہ تعریف جو اَفعالِ غیر اِختیاریہ پر ہو۔

سوال عٰلَمِيْن کس کی جمع ہے؟

جواب "بیضاوی" وغیرہ میں ہے کہ: عٰلَمِيْن، عَالَم کی جمع ہے بمعنی مَا يُعْلَمُ بِهٖ۔ جیسے: خَاتَم بمعنی مَا يُخْتَمُ بِهٖ۔

سوال لفظِ عٰلَمِيْن کو جمع لانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ عٰلَمِيْن کو جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ: عَالَم کئی ہیں۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ ﴿۲﴾:

سوال رَحْمٰن اور رَحِيْم میں کیا فرق ہے؟

جواب رَحْمٰن اور رَحِيْم میں مندرجہ ذیل فرق ہیں:

① شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرق بیان کرتے ہیں کہ: رَحْمٰن وہ ہے جو بن مانگے عطا کرے اور رَحِيْم وہ ہے جو مانگنے پر دے۔ اب رب تعالیٰ جو پیدا کرتا ہے، اَعضاء دیتا ہے بغیر مانگے دیتا ہے تو رَحْمٰن ہوا اور ہم صحت وغیرہ مانگتے ہیں تو وہ صحت دیتا ہے تو رَحِيْم ہے۔

② دوسرا فرق یہ ہے کہ: رَحْمٰن کا معنی عَامُّ الرَّحْمَةِ جو کفار و مؤمن سب کو عطا کرتا ہے اور رَحِيْم کا معنی تَامُّ الرَّحْمَةِ جو صرف مؤمن کو دیتا ہے۔

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ (٣):

دِیْن کے معنی ہیں: بدلہ، جزاء۔ یَوْمِ الدِّیْنِ سے بدلہ اور جزاء کا دن یعنی قیامت کا دن مُراد ہے۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ۔۔۔ الآیۃ (٤):

سوال اِیَّاكَ ضمیر منفصل کیوں لائے؟

جواب اِیَّاكَ ضمیر منفصل حصر کے لیے لائے یعنی تمام قولی، فعلی، زبانی، مالی عبادتیں خالص رب تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔

وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝:

اِسْتِعَانَتْ مِنْ غَیْرِ الله کی دو (٢) قسمیں ہیں:

① ظاہری۔ یعنی اِسْتِعَانَتْ مِنْ غَیْرِ اللهِ مَا تَحْتَ الْاَسْبَابِ۔ یہ جائز ہے۔

② باطنی۔ اِسْتِعَانَتْ مِنْ غَیْرِ اللهِ مَا فَوْقَ الْاَسْبَابِ۔ یہ شرک ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ (٥):

اِس آیت میں ہدایت کے بارے میں رہنمائی اور درخواست ہے اور اِس کے بعد والی سورۃ میں "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ۔۔۔ الآیۃ (١) میں اِجابتِ درخواست ہے۔ یعنی لو! جو ہدایت تم طلب کرتے ہو وہ یہ ہے۔ اِس کتاب کی ہدایت کے بارے میں تین (٣) گروہ ہیں:

پہلا گروہ: جو زبان اور دل کے ساتھ دینِ اسلام کو مان لے۔ اُس کا ذکر: وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (٢) تک ہے۔

دوسرا گروہ: جو زبان اور دل کے ساتھ اسلام کو نہ مانے۔ اُن کا ذکر: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔۔۔ الآیۃ (٣) سے آگے ہے۔

تیسرا گروہ: جو زبان سے تو مان لے لیکن دل سے نہ مانے۔ اُن کا ذکر: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللهِ۔۔۔ الآیۃ (٤) سے اِنَّ اللهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (٥) تک ہے۔

اِشکال: آدمی جب جوان ہو تو وہ بھی یہ کہتا ہے کہ: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اور جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو پھر بھی یہ کہتا ہے۔ تو ہدایت کب آئے گی؟

جواب: یہاں ہدایت سے مُراد اِیْصَال اِلَی الْمَطْلُوْب ہے نہ کہ اِرَادَةُ الطَّرِیْق اور اِیْصَال اِلَی الْمَطْلُوْب تو اب بھی حاصل نہیں۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۝ (٦):

سوال اِنعام یافتہ لوگ کون ہیں؟

جواب اللہ تعالیٰ نے سُوْرَةُ النِّسَآء میں وَ مَنْ یُّطِعِ اللهَ وَ الرَّسُوْلَ۔۔۔ الآیۃ (٦) سے اِنعام یافتہ لوگوں کا ذکر فرمایا ہے کہ: جس نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے اِنعام فرمایا ہے۔ وہ کون ہیں؟ مِنَ النَّبِیّٖنَ۔۔۔ الآیۃ (٦) سے اُن کا بیان ہے کہ: وہ انبیاءِ کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ (٧):

سوال مَغْضُوْب اور ضَآلِّیْن سے کون مُراد ہیں؟

جواب "تفسیر دُرِّ منثور" میں لکھا ہے کہ: مَغْضُوْب سے مُراد یہود ہیں اور ضَآلِّیْن سے مُراد نصاریٰ ہیں۔

اِمام رازی رحمہ اللہ مَغْضُوْب سے یہود اور ضَآلِّیْن سے نصاریٰ مُراد ہونے کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ: کسی راستے کو اگر اِنسان چھوڑتا ہے تو اُس کی عقلی دو (٢) صورتیں ہیں: ① غلط فہمی کا شکار ہو کر چھوڑتا ہے۔ ② قصداً و اِرادۃً چھوڑتا ہے۔

یہود علم رکھتے تھے، حق کو جانتے تھے پھر بھی جان بوجھ کر غلط راستے پر چلتے تھے۔ اِس لیے اُنہیں مَغْضُوْب عَلَیْهِمْ کہا۔ نصاریٰ غلط فہمی کا شکار ہو کر غلط راستے پر چلے، اِس لیے اُنہیں ضَآلِّیْن کہا۔

---

(١) (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ٢) (٢) (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ٥) (٣) (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ٦) (٤) (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ٨) (٥) (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ٢٠) (٦) (٦) (سُوْرَةُ النِّسَآء، ٦٩)

اٰيَاتُهَا (۲۸۶) — (۲) سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ (۸۷) — رُكُوْعَاتُهَا (۴۰)

بسم الله الرحمن الرحيم ○

ربط: سُوْرَةُ الْفَاتِحَة میں ہدایت کی درخواست تھی، اِس سورۃ میں قبولیتِ درخواست ہے کہ: جو ہدایت تم طلب کرتے تھے وہ یہ کتاب یعنی قرآن مجید ہے۔نام اِس سورۃ کاسُوْرَةُ الْبَقَرَة ہے۔اِس سورۃ کوسُوْرَةُ الْبَقَرَة اِس لیے کہا جاتا ہے کہ:اَلسُّوْرَةُ الَّتِيْ تُذْكَرُ فِيْهَا الْبَقَرَةُ۔ یہ وہ سورۃ جس میں بَقَرَة کا ذکر ہے۔

حکیم الأمت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اِس سورۃ کی آیت:اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً۔۔الآية ● کا معنیٰ کیا ہے کہ: بیل کوذبح کرو۔

اِشکال: اہلِ بدعت اشکال کرتے ہیں کہ: یہ کیسے حکیم الأمت ہیں کہ اِن کوبَقَرَة کا معنیٰ بھی نہیں آتا؟!!بَقَرَة کا معنیٰ بیل کرتے ہیں؟!!

جواب: "قاموس، تاج العروس، مختار الصحاح" وغیرہ کتابوں میں اِس پر تصریح کی ہے کہ:"اِنَّ الْبَقَرَةَ تُطْلَقُ عَلَى الذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى"۔ بَقَرَة کا لفظ گائے اور بیل دونوں پر بولا جاتا ہے۔

الٓمّٓ ۞ ۱:

"تفسیر مظہری" میں ہے کہ: قرآن پاک کی وہ سورتیں جن کے شروع میں حروفِ مقطعات ہیں، وہ انتیس (۲۹) ہیں، جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

①سُوْرَةُ الْبَقَرَة (الٓمّٓ) ②سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰن (الٓمّٓ) ③سُوْرَةُ الْاَعْرَاف (الٓمّٓصٓ) ④سُوْرَةُ يُوْنُس (الٓرٰ)
⑤سُوْرَةُ هُوْد (الٓرٰ) ⑥سُوْرَةُ يُوْسُف (الٓرٰ) ⑦سُوْرَةُ الرَّعْد (الٓمّٓرٰ) ⑧سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْم (الٓرٰ)
⑨سُوْرَةُ الْحِجْر (الٓرٰ) ⑩سُوْرَةُ مَرْيَم (كٓهٰيٰعٓصٓ) ⑪سُوْرَةُ طٰهٰ (طٰهٰ) ⑫سُوْرَةُ الشُّعَرَآء (طٰسٓمّٓ)
⑬سُوْرَةُ النَّمْل (طٰسٓ) ⑭سُوْرَةُ الْقَصَص (طٰسٓمّٓ) ⑮سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت (الٓمّٓ) ⑯سُوْرَةُ الرُّوْم (الٓمّٓ)
⑰سُوْرَةُ لُقْمٰن (الٓمّٓ) ⑱سُوْرَةُ السَّجْدَة (الٓمّٓ) ⑲سُوْرَةُ يٰسٓ (يٰسٓ) ⑳سُوْرَةُ صٓ (صٓ)
㉑سُوْرَةُ الْمُؤْمِن (حٰمٓ) ㉒سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة (حٰمٓ) ㉓سُوْرَةُ الشُّوْرٰى (حٰمٓ) ㉔سُوْرَةُ الزُّخْرُف (حٰمٓ)
㉕سُوْرَةُ الدُّخَان (حٰمٓ) ㉖سُوْرَةُ الْجَاثِيَة (حٰمٓ) ㉗سُوْرَةُ الْاَحْقَاف (حٰمٓ) ㉘سُوْرَةُ قٓ (قٓ) ㉙سُوْرَةُ الْقَلَم (نٓ)

سوال حروفِ مقطعات کے کیا معانی ہیں؟

جواب اِن کے بارے میں کئی اَقوال ہیں، جن میں سے چند مندرجہ:

① بعض حضرات نے اِن کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ: هُوَ سِرٌّ فِيْمَا بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

② اکثر مفسرین نے یہ تفسیر بیان کی ہے کہ: وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ۔

③ اَلِف سے الله، لَام سے جبرئیل علیہ السلام اور مِيْم سے محمد ﷺ مراد ہیں یعنی اللہ کی طرف سے، جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے سے، نبی کریم ﷺ پر اِس قرآن کا نزول ہوا۔

④ اَلِف سے مُراد اٰلَآءُ اللّٰهِ اَيْ نَعِيْمُ اللّٰهِ۔ لَام سے مُراد لُطْفُ اللّٰهِ۔ مِيْم سے مُراد مُلْكُ اللّٰهِ۔

⑤ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اِسْمٌ مِّنْ اَسْمَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

اِشکال: اِس پانچویں تفسیر پر بظاہر اشکال ہوگا کہ: اللہ تعالیٰ کے توکُل ننانوے (۹۹) نام ہیں۔ اُن میں سے تو الٓمّٓ نہیں ہے؟

● (سُوْرَةُ الْبَقَرَة ۶۷)

جواب: اس کے دو (۲) جواب ہیں:

① "تفسیر ابن کثیر، کبیر، ابوسعودؒ وغیرہ میں تصریح ہے کہ: خَمْسَةُ اٰلَافِ اِسْمٍ لِلّٰهِ تَعَالٰی یعنی اللہ تعالیٰ کے نام صرف ننانوے (۹۹) میں منحصر نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار (۵۰۰۰) نام اور بھی ہیں تو شاید یہ بھی اُن میں سے ہو۔

② ھِیَ مِنْ اَسْمَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰی کا مطلب یہ ہے کہ: ایک ایک حرف اِسم کی طرف مُشیر ہے۔ پس! اَلِف سے مُراد الله ۔ لَام سے مُراد لَطِیْفٌ ۔مِیْم سے مُراد مَالِكٌ ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ ۔۔۔الآیۃ ②:

اشکال: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ ۔۔۔الآیۃ ① سے معلوم ہوتا ہے کہ: اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اسی سورۃ کی آیت وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا ۔۔۔الآیۃ ② سے معلوم ہوتا ہے کہ: اس میں کچھ نہ کچھ شک ہے؟

جواب: تناقض میں آٹھ (۸) شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ وہ یہ ہیں۔

در تناقض ہشت وحدت شرط داں	وحدت موضوع ومحمول ومکاں
وحدت شرط و اضافت جز وکل	قوت وفعل است درآخر زماں

آپ کا اعتراض صحیح نہیں کیوں کہ اس میں وحدتِ موضوع نہیں ہے۔ یہاں یعنی ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ ۔۔۔الآیۃ ② میں موضوع کتاب ہے اور آیتِ ثانی یعنی وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا ۔۔۔الآیۃ ② میں موضوع لوگوں کے اذہان ہیں۔ قرآن میں تو شک نہیں لیکن لوگوں کے اذہان میں شک ہوسکتا ہے۔

هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝:

لفظِ هُدًی مصدر ہے اور اس کا حمل یہاں مبالغۃً ہے۔ جیسا کہ زَیْدٌ عَدْلٌ میں حمل مبالغۃً ہے۔ یعنی یہ کتاب متقین کے لیے صرف ہدایت نہیں بل کہ سراسر ہدایت ہے۔
لفظِ مُتَّقِیْ، وَقٰی، یَقِیْ باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے۔ علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: تقوی کا اعلیٰ درجہ ہے خلافِ اَولیٰ چیز سے بچنا اور اَدنیٰ درجہ ہے شرک سے بچنا۔ وَبَیْنَهُمَا مَرَاتِبُ كَثِیْرَةٌ۔

سوال یہ تو کوئی کمال نہیں کہ صرف متقین کے لیے ہدایت ہے، غیر متقین کے لیے نہیں؟

جواب اس کے تین (۳) جواب ہیں:

① صاحبِ جلالین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس کا مطلب "اَلصَّائِرُوْنَ اِلَی التَّقْوٰی" ہے یعنی جو لوگ تقوی کی طرف جانے والے ہیں اُن کے لیے ہدایت ہے۔ اِسی سورۃ میں دوسری جگہ اِس طرف اِشارہ بھی ہے کہ: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ ۔۔۔الآیۃ ③ یعنی یہ قرآن لوگوں کے لیے ہدایت ہے، چاہے وہ متقی ہوں یا غیر متقی ہوں۔

② بالقوۃ سب کے لیے ہدایت ہے جب کہ بالفعل صرف متقین کے لیے ہدایت ہے۔

③ تَقْوٰی کا معنی لغوی مُراد ہے اِصطلاحی معنی مُراد نہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ: ہر ڈرنے والے کے لیے ہدایت ہے اور ڈرتا کافر بھی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ۔۔۔الآیۃ ③:

یہاں سے اللہ تعالیٰ متقین کے اَوصاف ذکر فرما رہے ہیں:

① پہلی صفت یہ ہے کہ: بن دیکھے چیزوں پر اِیمان لانا۔ ہم نے اللہ، پیغمبروں، فرشتوں کو نہیں دیکھا، دوزخ، پل صراط، میزان، عذابِ قبر وغیرہ کو نہیں دیکھا لیکن سب پر ہمارا ایمان ہے۔

① ② (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲) ② ② (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۳) ③ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۱۸۵)

② دوسری صفت یہ ہے کہ: نماز قائم کرتے ہیں۔ اِقامتِ صلوٰۃ میں یہ تمام شرائط ملحوظ ہوتی ہیں: وقت کا خیال ہو، اَرکان کا خیال ہو، واجبات کا، مستحبات کا خیال ہو۔ اِن تمام چیزوں کی رعایت کرکے نماز پڑھنا اِقامتِ صلوٰۃ کہلاتا ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ:

③ تیسری صفت یہ ہے کہ: مؤمنین اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔

سوال مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ: اِس آیت سے مُراد مال خرچ کرنا ہے۔ مثلاً: زکوٰۃ، صدقات وغیرہ۔

② "تفسیر کبیر، روح المعانی، البحر المحیط" میں لکھا ہے کہ: مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سے مُراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُس کو دی ہو۔ خواہ علم ہو یا مال ہو یا قوّتِ بدنی ہو یا عقل یعنی اِصَابَةُ الرَّائِ ہونا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔

ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ:

سوال "روح المعانی، بیضاوی، خازن" وغیرہ میں یہاں یہ سوال نقل کیا ہے کہ: یہ آیت خلافِ واقعہ ہے۔ اِس طور پر کہ یہاں فرمایا: یہ اِیمان نہیں لائیں گے حال آں کہ یہی لوگ اِیمان لائے؟

جواب اَلَّذِيْنَ موصول عہد کے لیے ہے یعنی معلوم اور معہود قسم کے لوگ ہیں۔ مثلاً: ابوجہل، عتبہ وغیرہ، یہ اِیمان نہیں لائیں گے، چاہے آپ (ﷺ) اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔ یہ عام حکم نہیں بل کہ خاص حکم ہے، خاص لوگوں کے بارے میں ہے۔

سوال جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ: یہ اِیمان نہیں لائیں گے، تو آپ ﷺ کو اِنْذَار یعنی ڈرانے پر مامور کیوں کیا؟ بہ ظاہر آپ ﷺ کو حکم دینا کہ: "آپ (ﷺ) اُن کو ڈرائیں" یہ بےکار کام ہے؟

جواب علامہ آلوسی رحمہ اللہ اور قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: بےکار وہ ہوتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ یہاں سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ فرمایا کہ: اُن لوگوں کے حق میں اِنْذَار یعنی ڈرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ باقی رہا آپ ﷺ کے بارے میں تو آپ ﷺ تو مبلغ تھے، آپ ﷺ کو تو تبلیغ کا اَجر ملے گا۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۔۔۔ الآیۃ:

اِشکال: قُلُوْبِهِمْ اور اَبْصَارِهِمْ کو جمع اور سَمْع کو مفرد کیوں ذکر کیا؟

جواب: اِس کے تین (۳) جواب ہیں:

① صاحبِ جُمل رحمہ اللہ، سمین رحمہ اللہ، قاضی بیضاوی رحمہ اللہ، صاحب کمالین رحمہ اللہ اور امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سَمْع مصدر ہے وَالْمَصْدَرُ يُطْلَقُ عَلَى الْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ۔

② یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَيْ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى مَوَاضِعِ سَمْعِهِمْ۔

③ قَلْب اور بَصَر کا تعلّق کثیر چیزوں کے ساتھ ہے لیکن کان کا تعلّق ایک چیز کے ساتھ ہے وَهُوَ الصَّوْتُ اِسی لیے مفرد ذکر کیا۔

اِشکال: یہاں پر وارد ہوتا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر لگادی تو اُن بےچاروں کا کیا قصور ہے کہ اُن کو سزا دی جاتی ہے وہ تو غیر مختار ہیں؟

جواب: اِس کے تین (۳) جواب ہیں:

① چوبیسویں (۲۴) پارہ میں سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة میں اِس اشکال کا جواب دیا گیا ہے: وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ ۔۔۔ الآیۃ [1]
یعنی کافروں نے کہا کہ: ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ اُنہوں نے خود اِیمان لانے سے اِنکار کردیا کہ توحید و رسالت و معاد سے ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے: نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ۔۔۔ الآیۃ [2]

---

[1] (سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة، ۵) [2] (سُوْرَةُ النِّسَآء، ۱۱۵)

③ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔۔۔الآیۃ ❶ تو اُنہوں نے خود اپنی حالت تبدیل نہیں کی تھی۔

④ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اَنُلْزِمُکُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا کٰرِهُوْنَ ❷ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ: وہ ایمان کو قبول کرنے والے نہیں تھے ورنہ اُن پر پیش تو کر دیا گیا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸﴾:

ربط: یہاں سے اُن لوگوں کا ذکر ہے جو زبان سے تو اقرار کرتے ہیں کہ: ہم ایمان لائے لیکن دل سے نہیں مانتے۔

قاعدہ یاد رکھنا!! لفظِ مَن لفظاً مفرد ہوتا ہے معناً جمع ہے۔ یَقُوْلُ فعل مفرد لائے مَن کے لفظ کی رعایت کرتے ہوئے اور مُؤْمِنِیْن جمع لائے مَن کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے۔

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔الآیۃ ﴿۹﴾:

سوال یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ: وہ اللہ تعالیٰ کو کیسے دھوکہ دے سکتے ہیں حال آں کہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے؟

جواب اِس کے جواب تین (۳) جواب ہیں:

① "تفسیر کبیر، روح المعانی اور بیضاوی" وغیرہ تفسیروں میں اِس کا جواب یہ لکھا ہے کہ: لفظِ "اللّٰه" سے پہلے لفظِ "رَسُوْل" مضاف محذوف ہے۔ اَصل عبارت یوں ہے کہ: یُخٰدِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

② صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ: "صَنِیْعُهُمْ کَصَنِیْعِ الْمُخَادِعِ" یعنی وہ دھوکہ تو نہیں دے سکتے لیکن فعلِ مُخَادَعَة کرتے ہیں۔

③ بعض نے یہ جواب دیا کہ: مؤمنین کو دھوکہ دینا دراَصل خداوند تعالیٰ کو دھوکہ دینا ہے اِس لیے یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ فرمایا ہے۔

وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾:

علم اور شعور میں فرق: علم کے معنی کسی چیز کی حقیقت کو پہچاننا اور علم عقل والوں کی صفت ہے۔ جب کہ شعور کا معنی ہے کسی چیز کو حواسِ خمسہ ظاہرہ کے ساتھ معلوم کرنا۔

تو یہاں کافروں سے شعور کی نفی کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ بتلانا چاہتے ہیں کہ: منافقین کے پاس علم تو کیا شعور بھی نہیں، جس میں حیوان بھی شریک ہوتے ہیں یعنی یہ لوگ حیوانات سے بھی بدتر ہیں کیوں کہ حیوانات کے پاس کم اَز کم شعور تو ہے؟!! اِن کے پاس وہ بھی نہیں۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰﴾:

سوال لفظِ اَلِیْمٌ کس معنی میں ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① صاحبِ کشاف کہتے ہیں کہ: اَلِیْمٌ بمعنی مُؤْلَمٌ جیسے فَعِیْلٌ بمعنی مَفْعُوْلٌ کے ہے یعنی ایسا عذاب ہوگا کہ وہ عذاب بھی تکلیف دیا ہوا ہوگا۔

② علامہ آلوسی رحمہ اللہ اور اندلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَلِیْمٌ بمعنی مُؤْلِمٌ یعنی فَعِیْلٌ اسمِ فاعل کے معنی پر ہے یعنی دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔ جیسے سَمِیْعٌ بمعنی مُسْمِعٌ۔

قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ کَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳﴾:

منافقین اِس لیے مسلمانوں کی طرف سَفَاهَت کی نسبت کرتے تھے کیوں کہ اُس زمانے میں جو مسلمان ہو جاتا اُس پر ظلم کیا جاتا، کپڑے چھین لیے جاتے اور رشتہ دار اُن سے تعلقات ختم کر دیتے تھے۔ اِسی لیے منافقین کہتے تھے کہ: ہم کوئی بے وقوف تو نہیں ہیں کہ اپنے رشتہ داروں سے تعلقات ختم کر لیں اور مسلمان بن جائیں۔

❶ (سُوْرَۃُ الرَّعْد:۱۱) ❷ (سُوْرَۃُ هُوْد:۲۸)

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ۔۔۔الآیۃ (۱۵):

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اَللّٰهُ يُجَازِيْهِمْ بِاِسْتِهْزَائِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ اُن کے اِسْتِهْزَاء کا بدلہ دے گا۔

② اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ حقیقی طور پر اِسْتِهْزَاء فرمائے گا۔

مؤمنین جب قبروں سے نکلیں گے تو يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ۔۔۔الآیۃ[1] مؤمنوں کا نور آگے بھی ہوگا، دائیں بھی ہوگا کیوں کہ نامۂ اَعمال بھی دائیں ہاتھ میں ملے گا لیکن اُن منافقوں کے لیے نور نہ ہوگا۔ تو وہ مؤمنوں سے کہیں گے: اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۔۔۔الآیۃ[2] ذرا اِنتظار کرو تا کہ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اُٹھائیں۔ اُس موقع پر مِنْ جَانِبِ اللہ کہا جائے گا: اِرْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۔۔۔الآیۃ[3] پیچھے لوٹو! وہاں سے نور لاؤ۔ منافقین بے وقوف یہ سمجھیں گے کہ: ایک دو قدم پیچھے نور ملتا ہے، وہ پیچھے ہٹیں گے درمیان میں دیوار حائل ہو جائے گی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی مُراد اِرْجِعُوْا سے یہ ہوگی کہ یہ نور تو دُنیا میں ملتا ہے اگر یہ نور چاہتے ہو تو وہاں جاؤ۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۔۔۔الآیۃ (۱۶):

سوال اُن کافروں کو پہلے ہدایت حاصل کہاں تھی کہ اُنہوں نے اُس کے بدلے میں گمراہی خرید لی؟!!

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، علامہ اندلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حدیث میں آتا ہے: مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ[4] ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ تو یہ جو فطری ہدایت اُن کو حاصل تھی اُس کے بدلے اُنہوں نے گمراہی اِختیار کر لی۔

② اِس جہاں سے ہدایت بھی ملتی ہے، گمراہی بھی ملتی ہے۔ تو چاہیے تو یہ تھا کہ: ہدایت خریدتے لیکن اُن اَحمقوں نے گمراہی خرید لی۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۔۔۔الآیۃ (۱۷):

یہاں سے اللہ تعالیٰ منافقین کی دو (۲) مثالیں بیان فرما رہے ہیں:

① پہلی مثال: مَثَلُهُمْ سے اُن منافقوں کی مثال ہے جن کو اِسلام کی سچائی کے بارے میں تھوڑا بہت شبہ تھا، اُنہوں نے کلمہ پڑھا اور تھوڑا بہت مالی فائدہ بھی اُٹھایا، زکوٰۃ بھی ملی، فَيْءْ کا مال بھی ملا، مالِ غنیمت بھی ملا، مسلمانوں کی تلوار سے بھی بچ گئے۔ لیکن جب مرے تو سیدھے دُوزخ میں گئے۔ تو دُنیا میں اُن کو کچھ فائدہ بھی حاصل ہوتا رہا۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ: اُن منافقوں نے کلمہ پڑھا تو فائدے بھی اُٹھاتے رہے لیکن جب مرے تو سب کچھ اَندھیرا ہو گیا۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ ۔۔۔الآیۃ (۱۸):

یہ تینوں الفاظ اَخبار ہیں اور اِن کے مبتدا محذوف ہیں۔ اَیْ هُمْ صُمٌّ وَهُمْ بُكْمٌ یعنی وہ سَمَاعِ قُبُوْل نہیں کرتے۔ بُكْمٌ کا معنی ہے: سَاكِتِيْنَ عَنِ الْحَقِّ۔ یعنی حق بات کہنے سے خاموش ہیں۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ ۔۔۔الآیۃ (۱۹):

لفظِ اَوْ کے بعد مَثَلُهُمْ محذوف ہے اَیْ اَوْ مَثَلُهُمْ كَصَيِّبٍ۔

یہاں سے اللہ تعالیٰ منافقین کی دوسری مثال بیان فرما رہے ہیں:

② دوسری مثال: یہ اُن منافقین کی مثال ہے جن کو اِسلام کی سچائی کا شبہ بھی نہیں تھا۔

---

[1] (سُوْرَةُ الْحَدِيْد، ۱۲) [2] [3] (سُوْرَةُ الْحَدِيْد، ۱۳) [4] (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ، ج ۱، ص ۱۸۰، طبع یادگار شیخ، کراچی)

سوال مَثَلُهُمْ میں هُمْ ضمیر سے مُراد منافقین ہیں جو کہ ذوی العقول ہیں، اُن کو بارش سے تشبیہ دی ہے جو کہ غیر ذوی العقول ہے۔ تو ذوی العقول کو غیر ذوی العقول سے تشبیہ کیوں دی؟

جواب تمام تفاسیر میں آپ کو ملے گا کہ: یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَوْ مَثَلُهُمْ كَاَصْحَابِ صَيِّبٍ یا كَذَوِي صَيِّبٍ یعنی اُن کی مثال ایسی ہے جیسے بارش والے۔

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۰﴾:

لفظِ اَضَآءَ کا معنی ہے رُوشن ہونا۔ رُوشن ہونے کے دو (۲) مطلب ہیں:

① جب غنیمت کا مال ملا، مالِ زکوٰۃ ملا، صدقات ملے رُوشنی نظر آئی تو یہ منافقین ساتھ رہے اور جس وقت اَندھیرا ہوتا ہے اور کچھ مال نہیں ملتا تو یہ منافقین رُک جاتے ہیں۔

② اِن منافقین کو جب اِسلام کے دلائل میں کچھ رُوشنی نظر آتی ہے تو چلتے ہیں اور جس وقت اپنے اُس نفاق پر مُصر ہوتے ہیں تو اَندھیرا ہو جاتا ہے رُک جاتے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۔۔۔الآیۃ:

ذَهَبَ کے متعلق دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اللہ تعالیٰ نے اُن کے کان اور آنکھیں بالکل پیشانی کی طرح ہموار کر دیں۔

② کان اور آنکھیں تو ہوں لیکن قوّتِ سماعت اور قوّتِ بصارت اللہ تعالیٰ ختم کر دیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ:

سوال یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ: شَيْءٌ کا لفظ جو اللہ تعالیٰ پر بولا جاتا ہے اِس کا مطلب کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر بھی قادر ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① "تفسیر رُوح المعانی، کبیر" وغیرہ میں یہ مذکور ہے کہ: شَيْءٌ مصدر ہے مَشِيْءٌ کے معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ شَآءٍ ہیں مَشِيْءٌ نہیں ہیں۔

② اللہ تعالیٰ عادۃً عقل کے دلائل سے خارج ہے یعنی وہ اِس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

اِشکال: دیانند سرسوتی نے یہاں اِعتراض کیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ چوری، زنا وغیرہ پر قادر ہے؟ اگر (مَعَاذَ اللّٰه) اللہ تعالیٰ اِن پر قادر ہے تو (مَعَاذَ اللّٰه) صفاتِ نفس اللہ کے لیے ثابت ہوں گی اور اگر قادر نہیں تو اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ[1] کا قاعدہ کلیہ باقی نہ رہا؟!!

جواب: "اِنتصار الاسلام" میں مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے اِس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ: چوری ہوتی ہے غیر کی ملک میں، پہلے تم غیر ثابت کرو پھر اُس کی ملک ثابت کرو تو چوری ہم ثابت کریں گے۔ زنا جسم کے ساتھ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے جسم اور اَعضا تم ثابت کرو تو زنا ہم ثابت کریں گے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۱﴾:

ربط: "تفسیر کبیر، ابوسعود، بیان القرآن، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ تفسیروں میں یہ ربط لکھا ہے کہ: جن لوگوں نے ہدایت کا مطالبہ کیا وہ تین (۳) گروہ ہیں یا اَصْلُ الْاُصُوْل تین (۳) چیزیں ہیں:

① توحید۔ ② رسالت۔ ③ معاد۔

ماقبل میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا تذکرہ فرمایا تھا، اب عمومی طور پر سب لوگوں کو خطاب ہے اور توحید کا حکم دیا جا رہا ہے اور نعمتوں کا تذکرہ ہے۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: جہاں قرآن میں عبادت کا لفظ آیا ہے اُس سے توحید مُراد ہے۔

---

[1] (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ: ۲۰)

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝:

اِشکال: یہاں اشکال ہوتا ہے کہ: تَرَجِّی اور اُمید وہاں ہوتی ہے جہاں نتیجے سے بے خبری ہو اور ذاتِ باری تعالیٰ کو تمام چیزوں کے اَنجام کا علم ہے۔

تو یہ کیوں فرمایا کہ: شاید تم متقی بن جاؤ؟

جواب: اِس کے تین (۳) جواب ہیں:

① صاحبِ کشاف، صاحبِ روح المعانی فرماتے ہیں کہ: لَعَلَّ بندوں کے کلام میں ہو تو تَرَجِّی کے معنی میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحقیق کے معنی میں ہوتا ہے۔

② تَرَجِّی دو (۲) قسم پر ہے: ① مخاطب کے اِعتبار سے۔ ② متکلم کے اِعتبار سے۔

یہاں مخاطبین کے اِعتبار سے تَرَجِّی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں سُوْرَۃُ عَبَسَ میں آتا ہے: لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝ ❶

③ بعض علماء فرماتے ہیں کہ: لَعَلَّ بمعنی لِئَلَّا ہے۔

سوال تَتَّقُوْنَ کا مفعول کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اقوال ہیں: ① لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ عِقَابَهٗ۔ ② لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ نَكَالَهٗ۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۳﴾:

یہاں سے رسالت کا ذکر ہے۔

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

"روح المعانی، بیضاوی، کشاف" میں لکھا ہے کہ: سُوْرَۃٌ کا معنی ہے قِطْعَةٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ لَهَا اَوَّلٌ وَّاٰخِرٌ۔

سوال لفظِ سُوْرَةٍ پر جو تنوین ہے وہ کس لیے ہے؟

جواب لفظِ سُوْرَةٍ پر جو تنوین ہے وہ تقلیل کے لیے ہے۔ یعنی ایک چھوٹی سی سورۃ لے آؤ۔

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴿۲۴﴾:

معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ: جنت اور دوزخ اَبھی موجود نہیں ہیں۔ جس وقت اُن کی ضرورت پڑے گی اُس وقت اللہ تعالیٰ اُن کو تیار فرمائیں گے۔

اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ: جنت اور دوزخ اب بھی موجود ہیں۔

اہلِ سنت والجماعت کی دلیل یہ ہے کہ: قرآن پاک میں جنت اور دوزخ کے لیے ماضی کا صیغہ اِستعمال کیا گیا ہے۔ چناں چہ اِسی سورۃ میں دوزخ کے بارے میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ ❷ اور سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن میں جنت کے بارے میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ❸ یہ دونوں اِرشادات اِس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ: جنت دوزخ پہلے سے موجود ہیں۔ نیز اَحادیث میں اِس بات کی تصریح ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۷﴾:

سوال عَهْدَ اللّٰهِ سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں علماء کی رائیں مختلف ہیں: ① ایک رائے تو یہ ہے کہ: اِس سے مُراد عہد اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۛ ۔۔۔ الآیۃ ❹ ہے۔

② بعض کہتے ہیں کہ: قَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ مُراد ہے۔

(حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) مَیں کہتا ہوں کہ: تمام مطالب صحیح ہیں کسی کا کسی سے کوئی تعارض نہیں۔

---

❶ (سُوْرَۃُ عَبَسَ، ۳) ❷ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۴) ❸ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن، ۱۳۳) ❹ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف، ۱۷۲)

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا۔۔۔الآیۃ ﴿۲۸﴾:

ربط: یہاں سے مَعَاد کا ذکر شروع فرمایا۔ بچہ جب تک ماں کی پیٹ میں ہو اور اُس میں جان نہ ہو تو وہ اَمْوَات کے معنی میں ہے۔

فَأَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥:

صاحبِ تفسیر رُوح المعانی رحمہ اللہ، صاحبِ تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ نے ثُمَّ يُحْيِيكُمْ سے مُرادِ حیاتِ قبر لیا ہے اَیْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ فِي الْقُبُوْرِ یعنی قبر والی زندگی ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ یعنی قبر سے اُٹھنے کے بعد والی زندگی۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اِس تفسیر کو راجح قرار دیا ہے کیوں کہ حرفِ ثُمَّ تراخی کے لیے آتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۹﴾:

ربط: پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر کیا، اب نعمتوں کی تقسیم کا بیان ہے۔

سوال حضرت مولانا عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ سے ایک شاگرد نے پوچھا کہ: کافر پیدا کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب حضرت رحمہ اللہ نے اِس کا جواب یہ دیا کہ: کافر کا پیدا کرنا بے کار نہیں۔ اگر کافر کو تم نے مارا تو تم غازی بن جاؤ گے، اِسی طرح اگر وہ کافر تم کو مار دے تو شہید ہو جاؤ گے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ: اَجْسَامِ خَبِيْثَه ضَارَّه کی تخلیق بھی حکمتِ باری تعالیٰ سے خالی نہیں ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ ۔۔۔الآیۃ:

اِسْتَوٰی کا صلہ اگر عَلٰی آجائے تو معنی ہے: قائم ہونا۔ جیسے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ٥ [1] اور اگر اِسْتَوٰی کا صلہ اِلٰی آجائے تو معنی ہے: قصد و اِرادہ کرنا۔ جیسے اِس آیت میں صلہ اِلٰی آیا ہے۔

فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۔۔۔الآیۃ:

سوال فَسَوّٰىهُنَّ میں هُنَّ ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علّامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سَمَآءَ کی طرف راجع ہے جو کہ سَمَآءَةٌ کی جمع ہے اور اِس کی جمع الجمع سَمٰوٰت ہے۔

② جب کہ کشاف والے فرماتے ہیں کہ: یہ ضمیر مبہم ہے بعد میں اِس کی تفسیر ہے۔ هُنَّ اَيْ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۰﴾:

ربط: نعمت کی دو (۲) قسمیں ہیں: ① حسی یا ظاہری۔ ② معنوی یا باطنی۔

پس! پہلے حسی نعمتوں کا ذکر تھا۔ مثلاً: بارش کا اُترنا، تمہارا اپنا وجود، پھلوں وغیرہ کا کھانا یہ سب حسی نعمتیں ہیں۔ اب معنوی نعمتوں کا ذکر ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو علم کی دَولت سے نوازا تھا، اِسی واسطے فرشتے اُن کو سجدہ کرنے والے ہیں۔

مَلٰٓئِكَة کا لفظ اُلُوْكَةٌ سے ہے، اِس کے معنی ہیں: پیغام رسانی۔ تو فرشتوں کو مَلٰٓئِكَة اِس لیے کہتے ہیں کیوں کہ وہ رب کا پیغام پہنچاتے ہیں۔

"مسلم شریف" کی روایت ہے کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ [2]

لیکن یہاں نور سے مُراد وہ نور نہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے بل کہ اِس نور سے مُراد وہ نور ہے جو کہ مخلوق ہے۔

اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۔۔۔الآیۃ:

خلیفہ کے معنی ہیں: اَلْخَلِيْفَةُ مَنْ يَّخْلُفُ غَيْرَهٗ وَيَقُوْمُ مَقَامَهٗ۔

رب تعالیٰ نے جنّات کو دُور کیا تو آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا۔ خلیفہ اِس لیے بنایا کیوں کہ جو مُسْتَخْلَفٌ عَلَيْهِ ہے یعنی اِنسان، اُس میں قصور تھا، وہ رب تعالیٰ سے براہ راست بات نہیں کر سکتا تھا، اِستفادہ نہیں کر سکتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا۔

---

[1] (سُوْرَةُ طٰهٰ، ۵) [2] (صحیح لمسلم، کتاب الزھد، باب فی احادیث متفرقۃ، ج ۲، ص ۴۱۳، طبع یادگار شیخ، کراچی)

سوال حق تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ لیا حال آں کہ مشورہ تو علامتِ نقص ہے اور اللہ تعالیٰ اِس سے پاک ہے؟

جواب حق تعالیٰ نے فرشتوں سے جو مشورہ لیا تھا، اُس مشورہ لینے کی غرض مخلوق کو تعلیم دینا تھا۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا ۔۔۔ الآیۃ:

سوال فرشتوں کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ: آنے والی مخلوق فساد مچائے گی؟

جواب "تفسیر کبیر، روح المعانی، خازن" وغیرہ تفسیروں میں جوابات مذکور ہیں:

① آدم علیہ السلام کی خِلقت سے دو ہزار (۲۰۰۰) سال پہلے اِس زمین پر جنّات آباد تھے، وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے، خون ریزی کرتے تھے۔ تو فرشتوں نے اِنسان کو بھی جنّات پر قیاس کیا کہ اِنسان بھی جنّات کی طرح خون ریزی اور سرکشی کرے گا۔ جیسا کہ: "تفسیر کشاف، روح المعانی، خازن، مستدرک" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے دو ہزار (۲۰۰۰) سال پہلے جنّات کو پیدا فرمایا۔

② فرشتوں نے لفظِ خَلِيْفَه سے معلوم کیا کہ: خَلِيْفَه کی ضرورت اُس وقت پیش آتی ہے جہاں پر کوئی لڑائی جھگڑا ہو۔

③ لوحِ محفوظ کے مقرب فرشتوں نے لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا دیکھا اور اُنہوں نے آگے بتایا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۱﴾:

اٰدَمُ کا لفظ غیر منصرف ہے، اَسبابِ منعِ صرف میں سے اِس میں وزنِ فعل اور علمیت ہے۔

سوال لفظِ اٰدَم کس سے مشتق ہے اور اِس کے معنی کیا ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لفظِ اٰدَم، اَدِیْمُ الْاَرْضِ سے ہے بمعنی گندم گوں رنگ۔ چوں کہ زمین کے مختلف مواضع سے مٹی لے کر پیدا کیا گیا تھا۔

② لفظِ اٰدَم، اُدْمٌ سے ہے بمعنی سنّت۔

سوال اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تعلیم دی اور اِمتحان فرشتوں سے لے رہے ہیں، یہ تو خلافِ اِنصاف ہے؟

جواب "بیان القرآن" میں لکھا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم دی لیکن فرشتوں کے اَندر اُس کو اَخذ کرنے کی اِستعداد نہ تھی، اِس لیے وہ اَخذ نہ کر سکے۔ لیکن آدم علیہ السلام نے اُس کو یاد کر لیا کیوں کہ اُن میں اَخذ کی اِستعداد تھی۔

سوال اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں یہ اِستعداد کیوں نہیں رکھی؟

جواب فرشتے نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ مذکر ہیں، نہ مؤنث ہیں۔ اگر اُن میں یہ اِستعداد رکھ دیتے تو پھر وہ فرشتے نہ رہتے۔

اہلِ بدعت کا غلط اِستدلال: اہلِ بدعت اَسْمَآءَ كُلَّهَا کے الفاظ سے اِستدلال کرتے ہیں کہ: حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا علم دیا تھا تو علمِ غیب اور کیا ہوتا ہے یہی تو علمِ غیب ہے؟

جواب حضرت آدم علیہ السلام کو اُن اشیاء کے ناموں کا علم تھا لیکن اُن کی مقدار و تعداد کا علم نہ تھا۔ مثلاً: "گھوڑا" اِس کے نام کا علم تھا لیکن یہ کہ دُنیا میں قیامت تک کتنے گھوڑے پیدا ہوں گے؟!! یہ علم نہ تھا۔

واقعہ: ایک شخص نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے دَور میں اِنکار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب کہنا ٹھیک نہیں۔ یہ شخص عالم تھا، مقامی علماء نے اُس کو سمجھایا، لیکن وہ نہ مانا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو پتہ چلا تو فرمایا کہ: عالم الغیب ہونے کی دلائل قرآن وحدیث واِجماع سے ثابت ہیں یعنی دلائلِ قطعیہ سے اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا ثابت ہے۔ نیز فرمایا کہ: عالم الغیب کا معنی یہ نہیں کہ جو چیزیں رب تعالیٰ سے غائب ہیں اُن کا رب تعالیٰ کو علم ہے بل کہ اِس کا معنی یہ ہے کہ: مَا غَابَ عَنْ مُشَاهَدَةِ الْمَخْلُوْقِ۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۴﴾:

تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو کہ اُس وقت جائز تھا۔ اِسی لیے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سُوْرَۃُ یُوْسُف کی تفسیر

میں آیت وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۔۔۔الآیۃ ❶ کا معنی سجدۂ تعظیمی کیا ہے۔ یہاں پر کسی تاویل کی ضرورت نہیں کیوں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام شرائع اور اَدیان میں سجدۂ تعظیمی جائز تھا۔ لہٰذا یہاں پر سجدۂ حقیقی تعظیمی مُراد ہے، نہ کہ صرف جھکنا۔

اَبٰی وَ اسْتَكْبَرَ ۔۔۔الآیۃ:

اَبٰی وہ اِنکار جو بلا عذر ہو اور اِعْتِذَار وہ اِنکار جو عذر کی وجہ سے ہو۔

اِشْکَال: یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۔۔۔الآیۃ ❷ تو شیطان جب فرشتوں میں شامل نہیں تو یہ حکم گویا صرف فرشتوں کو دیا گیا کیوں کہ رب تعالیٰ دوسری جگہ خود فرماتے ہیں: كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۔۔۔الآیۃ ❸ تو جب حکم شامل نہیں تو عتاب کیوں؟

جَوَابْ: سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف پارہ نمبر آٹھ (۸) میں ہے کہ رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا کہ: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۔۔۔الآیۃ ❹ تو معلوم ہوا کہ: شیطان بھی مامور تھا، جب حکم نہ مانا تو مستحقِ عتاب ٹھہرا۔

وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اَیْ صَارَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۔ ② اَیْ وَكَانَ فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۔

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ۔۔۔الآیۃ ۞:

سوال یہ درخت کون سا تھا؟

جواب اِس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

① علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَبْهِمُوْا مَا اَبْهَمَ اللّٰهُ۔ ② بعض فرماتے ہیں کہ: گندم کا درخت تھا۔
③ بعض فرماتے ہیں کہ: کیلے کا درخت تھا۔ ④ بعض فرماتے ہیں کہ: انجیر کا درخت تھا۔
⑤ بعض فرماتے ہیں کہ: کھجور کا درخت ہے۔ ⑥ بعض فرماتے ہیں کہ: ایسا درخت جس کے کھانے کے بعد حدث لاحق ہوتا ہے۔ جیسے املوک۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا ۔۔۔الآیۃ ۞:

یہاں لفظ اَزَلَّ جو کہ بابِ اِفْعَال سے ہے وہ بابِ اِسْتِفْعَال، اِسْتَزَلَّ کے معنی میں ہے۔
اگر اَزَلَّ بابِ اِفْعَال سے ہو تو حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کی کوئی غلطی نہ تھی، البتہ اُن کی لغزش تھی اور اگر بابِ اِسْتِفْعَال کے معنی میں ہو تو اِسْتَزَلَّ کا معنی ہے: شیطان نے اُن کو پھسلایا یعنی اُن کا پھسلانا طلب کیا۔

اِشْکَال: شیطان کو تو وہاں سے نکالا گیا تھا، تو اُس نے کس طرح اُن دونوں کو مغالطے میں ڈالا؟

جَوَابْ: اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① "تفسیر روح المعانی، قرطبی، خازن" میں لکھا ہے کہ: شیطان دروازے پر فقیر کی شکل میں آیا تھا۔
② دُور سے اپنا اثر اُن تک پہنچایا اور اُن کو پھسلا دیا۔

سوال حضرت آدم علیہ السلام کو مغالطہ کیوں ہوا؟

جواب اِس کے چار (۴) جوابات ہیں:

① "تفسیر معالم التنزیل" میں ہے لکھا ہے کہ: حضرت آدم علیہ السلام کو مغالطہ اِس لیے ہوا کیوں کہ اِبلیس نے قسم اُٹھائی تھی۔ جیسا کہ دوسری جگہ اِرشاد ہے: وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ ❺
② حضرت آدم علیہ السلام نے لَا تَقْرَبَا میں جو نہی تھی، اُس نہی کو نہی تنزیہی سمجھا اور فقہی کتابوں میں لکھا ہے کہ: نہی تنزیہی جواز کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ یُوْسُف، ۱۰۰) ❷ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۳۴) ❸ (سُوْرَۃُ الْکَهْف، ۵۰) ❹ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف، ۱۲) ❺ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف، ۲۱)

③ ابلیس لعین چلتی پھرتی مخلوق تھی، حضرت آدم علیہ السلام کو یہ مغالطہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلا حکم منسوخ کر دیا ہے، اس ابلیس کو ناسخ کا علم ہے اور مجھ تک اَبھی نسخ کی خبر نہیں پہنچی اور یہ قسم بھی اُٹھا رہا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ: پہلا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

④ حضرت آدم علیہ السلام سے درخت کی تعیین میں غلطی ہوئی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ۔۔۔ الآیۃ ❶ اس درخت سے نہ کھانا۔ آدم علیہ السلام نے اُس درخت سے نہیں کھایا بل کہ اُسی نوع کے دوسرے درخت سے کھایا حال آں کہ رب تعالیٰ کی مُراد اُس نوع کے تمام درختوں سے کھانے کی ممانعت تھی۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۔۔۔ الآیۃ:

حضرت آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کو جنّت سے نکالا گیا یہ جسمانی تکلیف تھی اور روحانی تکلیف بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ میں ہے۔

سوال اِهْبِطُوْا اَمر کا صیغہ ہے، اس میں خطاب کس کو ہے؟

جواب اس میں مختلف اَقوال ہیں:

① بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اس میں خطاب حضرت آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کو ہے۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اس میں حضرت آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کے ساتھ اُن کی اولاد کو بھی خطاب ہے۔

③ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اس میں اِنسانوں، جنّات اور حضرت آدم علیہ السلام و حواء علیہا السلام کو خطاب ہے۔

فَتَابَ عَلَيْهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۷﴾:

لفظِ تَابَ کی نسبت اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کی طرف کی جاسکتی ہے۔ پس! اگر اس کا صلہ عَلٰی آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہوگی۔ جیسے کہ اِس آیت میں صلہ عَلٰی آیا ہے۔ معنی ہوگا: متوجہ ہونا۔ اور جب صلہ اِلٰی آئے تو مخلوق کی طرف نسبت ہوگی۔ جیسے کہ فَتُوْبُوْا اِلٰى بَارِئِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ❷ میں اِلٰی آیا ہے۔ معنی ہوگا: رُجوع کیا۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۸﴾:

فَاِمَّا میں اِنْ حرفِ شرط ہے، مَا زائدہ للتاکید ہے، اس لیے آگے نُون تاکید کو ذکر کیا۔

قاعدہ نحویہ: "بیضاوی" میں لکھا ہے کہ: اگر جملہ شرطیہ ہو اور اُس میں طلب، قسم کا معنی نہ ہو تو نُون تاکید ثقیلہ یا خفیفہ نہیں آتا۔ یہاں پر چوں کہ مَا ہے، تاکید کے لیے ہے، اس لیے يَاْتِيَنَّكُمْ میں نُون تاکید ثقیلہ دُرست ہے۔

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝:

خوف اور حزن میں فرق:

① پہلا فرق یہ ہے کہ: "تفسیر کبیر اور جلالین" میں یہ لکھا ہے کہ: خوف ہوتا ہے اپنی ذات کے لیے اور حزن ہوتا ہے دوسروں کے لیے۔ مثال کے طور پر لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۔۔۔ الآیۃ ❸ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر اپنی ذات کے لیے نہ تھی۔

② دوسرا فرق یہ ہے کہ: اَلْحُزْنُ عَلٰى مَافَاتَ وَالْخَوْفُ عَلٰى مَا اٰتٍ۔

اِشکال: اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ: نہ اُن پر غم ہوگا نہ خوف حال آں کہ "بخاری شریف" کی روایت ہے کہ: قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام بھی نَفْسِيْ نَفْسِيْ ❹ اور سَلِّمْ سَلِّمْ ❺ کی آوازلگائیں گے؟

جواب: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مُراد رُعب ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ایک قسم کا رُعب ہوگا۔

مثال کے طور پر ایک آدمی نے چوری کرلی، جرم اُس کا ثابت ہوا، گواہ بھی عدالت میں موجود ہیں، اب اُس کو ڈر ہے کہ سزا ہوگی اور ایک شخص وہ ہے جس نے کوئی جرم نہیں کیا بل کہ اُس پر ویسے ہی عدالت کا رُعب ہے۔ بالکل اِسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی رُعب ہوگا خوف نہیں ہوگا۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ ۳۵) ❷ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ ۵۴) ❸ (سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ ۴۰) ❹ (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب فضل السجود ج ۱ ص ۱۱۱ طبع یادگار شیخ، کراچی)

❺ (صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ ج ۱ ص ۴۷۰ طبع یادگار شیخ، کراچی)

يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۰﴾:

ربط: "تفسیر بیان القرآن، ابوسعود، کبیر، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے نعمتِ عامہ کا ذکر مخلوقِ عامہ پر تھا۔ جیسے: اِنسان کا وجود، زمین، آسمان وغیرہ کا وجود۔ اب نعمتِ خاصہ کا ذکر مخلوقِ خاصہ پر ہے، اُن کا بیان ہے۔

نِعۡمَتِيَ کا ترجمہ آپ کو ترجموں میں ملے گا: میری نعمتیں یا میری نعمت۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیوں کہ نِعۡمَةٌ مصدر ہے اِس کا اِطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے۔

سوال اِسۡرَآءِيۡل کا کیا معنیٰ ہے؟

جواب اِسۡرَآءِيۡل یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے، یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ اِسۡرَآءٌ کے معنیٰ عَبۡدٌ کے ہیں اور اِیۡل کے معنیٰ ہیں: اللہ۔ پس! اِسۡرَآءِيۡل کے معنیٰ ہوئے: اللہ کا بندہ۔ تو یعقوب (علیہ السلام) نام اور اِسۡرَآءِيۡل لقب ہے۔ جب کہ علامہ زمخشری کا خیال اِس کے برعکس ہے، وہ کہتے ہیں کہ: اِسۡرَآءِيۡل نام اور یعقوب (علیہ السلام) لقب ہے۔

وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِيۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِيۡٓ اور اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ سے کون سا وعدہ مُراد ہے؟

جواب وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِيۡٓ سے مُراد وہ وعدہ ہے جس کا ذکر سُوۡرَةُ الۡمَآئِدَة میں ہے کہ: وَلَقَدۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ بَنِيۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ (اِلٰی قَوۡلِهٖ) وَاَقۡرَضۡتُمُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا ۔۔۔ الآیۃ ❶ اور اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ سے مُراد وہ عہد ہے جس کا ذکر سُوۡرَةُ الۡمَآئِدَة کی اِسی کی آیت میں ہے: لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۔۔۔ الآیۃ ❷

وَاٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۱﴾:

قرآن مُصَدِّق ہے تورات اور اِنجیل مُصَدَّق ہیں۔ اگر تم قرآن کا اِنکار کرتے ہو تو گویا تم نے توراۃ و اِنجیل کا بھی اِنکار کر دیا کیوں کہ مُصَدِّق کا اِنکار مُصَدَّق کا اِنکار ہوتا ہے۔

وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِيۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ۔۔۔ الآیۃ:

سوال اِس آیت سے تو بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ: کثیر مال لے سکتے ہیں؟!!

جواب اِس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ: کثیر مال لے سکتے ہو بل کہ اِس آیت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ: دُنیا کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

"ترمذی شریف" کی روایت ہے کہ: اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دُنیا کی حقیقت مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتے۔

هٰذَا حَدِيۡثٌ حَسَنٌ صَحِيۡحٌ ❸

وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۲﴾:

تَلۡبِسُوۡا اگر باب سَمِعَ، يَسۡمَعُ سے ہو تو معنیٰ ہے: پہننا اور اگر باب ضَرَبَ، يَضۡرِبُ سے ہو تو معنیٰ ہے: گڈمڈ کرنا، خلط ملط۔

وَتَكۡتُمُوا الۡحَقَّ ۔۔۔ الآیۃ:

تَكۡتُمُوۡا یہ لَا تَلۡبِسُوۡا پر عطف ہے۔ اَيۡ وَلَا تَكۡتُمُوا الۡحَقَّ۔

سوال حق کس طرح مٹتا ہے؟

جواب حق دو (۲) طریقوں سے مٹتا ہے: ① جب حق اور باطل کا اِختلاط ہو جائے۔ ② حق پر پردہ ڈال دیا جائے، بیان ہی نہ کیا جائے۔

اِس آیت میں بدعت کی قباحت کو بیان کر دیا ہے۔ بدعت اِس وجہ سے قبیح ہے کہ: اُس سے دین کا نقشہ بدل جاتا ہے اور گناہ کرنے سے دین کا نقشہ تبدیل نہیں ہوتا۔ حدیث میں آتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کسی بدعتی کے عمل کو قبول نہیں فرماتے جب تک وہ اُس بدعت کو چھوڑ نہ دے۔ ❹

---

❶❷ (سُوۡرَةُ الۡمَآئِدَة، ۱۲) ❸ (جامع الترمذی، ابواب الزہد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی ہوان الدنیا علی اللہ، ج ۲، ص ۵۸، طبع قدیمی، کراچی)

❹ (سنن ابن ماجہ، المقدمہ، باب اجتناب البدع والجدال، ص ۶، طبع قدیمی، کراچی)

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○ :

اِس آیت سے علماء کرام رحمہم اللہ نے فرضیتِ جماعت کو ثابت کیا ہے۔ اِس آیت کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① جماعت کی ساتھ نماز پڑھو۔

② اِعتدال سے رُکوع کرنے والوں کے ساتھ رُکوع کرو۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ۔۔۔الآیۃ :

بنی اسرائیل میں ایسے لوگ تھے جو اپنے رشتہ داروں سے کہتے تھے کہ: ایمان لے آؤ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں لیکن خود ایمان نہ لاتے تھے۔ جب اُن سے ایمان نہ لانے کی وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگے کہ: تمہارا کام تو ویسے چل جاتا ہے، ہمارا کام نہیں چلتا، ہمارا کام تو اِن شکرانوں اور وظائف پر ہے، اِس لیے ہم ایمان نہیں لاتے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۔۔۔الآیۃ :

اِشکال: اہلِ بدعت نے یہ اشکال کیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ: غیرُ اللہ سے اِمداد طلب کرنا جائز نہیں حال آں کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۔۔۔الآیۃ ❶ اور صبر و صلوٰۃ نہیں ہے مگر غیرُ اللہ؟!!

جواب: صاحبِ جلالین رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: باء سبب کے لیے ہے یعنی بہ سبب صبر اور نماز کے اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں: وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ ۔۔۔الآیۃ ❷

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○ :

سوال اِنَّهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① "تفسیر کبیر، بیضاوی، کشاف اور کمالین" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اِنَّهَا کی "هَا" ضمیر صَلٰوۃ کی طرف راجع ہے۔ اِس لیے کہ صَلٰوۃ اَہم اور مقصود بالذات ہے۔

② اِنَّهَا کی "هَا" ضمیر اِسْتِعَانَت کی طرف راجع ہے۔ جو وَاسْتَعِيْنُوْا فعل میں مستتر ہے کیوں کہ ہر فعل کے ضمن میں مصدر ہوتا ہے اور مصدر مذکر و مؤنث ہوسکتا ہے۔

③ اِنَّهَا کی "هَا" ضمیر اُمورِ مذکورہ کی طرف راجع ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ۔۔۔الآیۃ :

"قاموس، مختار الصحاح، تاج العروس" میں لکھا ہے کہ: ظَنّ کا لفظ اَسماءِ اَضداد میں سے ہے "یقین اور گمان" دونوں کے لیے آتا ہے۔ یہاں يَظُنُّوْنَ کے معنیٰ "یقین" کے ہیں۔ کفار کے لیے مجہول کے صیغے قرآن پاک میں اِستعمال ہیں، اِس لیے کہ وہ حَيَاة بَعْدَ الْمَمَات پر عقیدہ نہیں رکھتے۔ مثلاً: ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ ❸ اور مسلمانوں کے لیے معروف کے صیغے اِستعمال کرتے ہیں کیوں کہ اُن کا حَيَاة بَعْدَ الْمَمَات کا عقیدہ ہے۔ مثلاً: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ ❹

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ ۔۔۔الآیۃ :

ربط: آسان ہے کہ پہلے بنی اسرائیل پر نعمتوں کا اِجمالی ذکر تھا اب تفصیلی ذکر ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ: ۴۵) ❷ (سُوْرَۃُ یُوسُف: ۱۸) ❸ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ: ۲۸) ❹ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ: ۱۵۶)

وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝:

سوال عٰلَمِيْنَ پر فضیلت سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) جوابات ہیں:

① "تفسیر کبیر، روح المعانی، خازن، مظہری" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اگر جزوی فضیلت ہے تو یہ اُمت اور تمام اُمتیں اِس عٰلَمِيْنَ میں شامل ہیں۔

② اگر فضیلت سے کلی فضیلت مُراد ہو تو عٰلَمِيْنَ سے اُس وقت کے تمام لوگ مُراد ہوں گے۔

وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا ۔۔۔ الآیۃ:

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب آدمی گرفتار ہو، تو اُس کو چھڑانے کے عقلی طور پر چار (۴) طریقے ہوتے ہیں:

① کوئی اُس کا ضامن بن جائے یعنی ضمانت کے طور پر رہا ہو۔ ② سفارش کے طور پر رہا کروایا جائے۔

③ جرمانہ دے کر رہا کروایا جائے۔ ④ زبردستی حملہ کر کے چھڑا لیا جائے۔

یہاں کفار کے لیے چاروں طریقوں کی نفی فرمائی:

① پہلے طریقے کی نفی لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا ۔۔۔ الآیۃ سے فرمائی کہ کوئی ضامن وکفیل نہ ہوگا۔

② دوسرے طریقے کی وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ۔۔۔ الآیۃ سے نفی کی کہ سفارش نہ ہوگی۔

③ تیسرے طریقے کی نفی وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ ۔۔۔ الآیۃ سے فرمائی کہ جرمانہ نہیں لیا جائے گا۔

④ چوتھے طریقے کی نفی وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ سے فرمائی کہ اُن کے چھڑانے میں اُن کی مدد نہیں کی جائے گی۔

سوال پہلے نَفْس کا ذکر ہے جو مفرد مذکر ہے اور بعد میں وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ جمع کی ضمیر کیوں راجع کرتے ہیں؟

جواب لفظِ نَفْس نکرہ ہے اور نکرہ جب سیاقِ نفی میں واقع ہو جائے تو اُس میں تعمیم پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اِس عموم کی وجہ سے آگے جمع کا صیغہ ضمیر لائے۔

سوال لفظِ نَفْس مؤنث ہے اور هُمْ ضمیر جمع مذکر بھی ہے تو یہ نَفْس کی طرف کیسے راجع ہو سکتی ہے؟

جواب صاحبِ کشاف وغیرہ فرماتے ہیں کہ: وہ نَفْس بمعنی شَخْصٌ و فَرْدٌ کے ہے۔ تو وَلَا هُمْ کے معنی وہ اَشخاص اور اَفراد ہیں جن پر لفظِ نَفْس دلالت کرتا ہے اُن کی مدد نہیں کی جائے گی۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال نجات تو اُن کے بڑوں کو دی تھی تو كُمْ مخاطب کی ضمیر کیوں لائے؟

جواب نَجَّيْنٰكُمْ اَيْ اٰبَآءَكُمْ یعنی تمہارے بڑوں کو نجات دی۔

فرعون مصر کے بادشاہ کا لقب تھا۔ جیسا کہ ایران کا کسریٰ، شام کا قیل، یمن کا تبع، روم کا قیصر۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا اُس کا نام ریّان بن ولید تھا، وہ ایمان لے آیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریّان تھا، بڑا شاطر، ظالم، سرکش تھا۔ وہ ایمان نہیں لایا تھا۔

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۔۔۔ الآیۃ:

اکثر مفسرین رحمہم اللہ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ اس کا معنی کرتے ہیں: يُذِيْقُوْنَكُمْ ۔ علامہ ابو سعود رحمۃ اللہ معنی کرتے ہیں: يُوْلُوْنَكُمْ اَيْ يُعْطُوْنَكُمْ ۔

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ نے "تفسیر عزیزی" میں لکھا ہے کہ: فرعون نے بنی اسرائیل کے بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) بچے قتل کیے، نوے ہزار (۹۰۰۰۰) عورتوں کے حمل ساقط کر دیے۔ علامہ بونی رحمۃ اللہ نے "شمس المعارف" میں لکھا ہے کہ: ستر ہزار (۷۰۰۰۰) بچے قتل کیے۔

(سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ۴۸)

سوال فرعون کو کیسے معلوم ہوا کہ: بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اُس کی حکومت کے زوال کا سبب ہوگا؟

جواب یہاں تین (۳) تفسیریں ہیں:

① کسی نجومی نے کہا کہ: بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا، جو فرعونی حکومت کے زوال کا سبب بنے گا۔

② فرعون نے خواب دیکھا تھا۔ ③ "البدایہ والنہایہ" میں ہے کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیشن گوئی کی تھی۔

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَ كُمْ ۔۔۔الآیۃ:

سوال يَسْتَحْيُوْنَ کا مجرد مادّہ کیا ہے؟

جواب اس کے دو (۲) جوابات ہیں:

① جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ: يَسْتَحْيُوْنَ کا مجرد مادّہ اَلْحَيَاةُ بِفَتْحِ الْحَاءِ ہے۔ اِس کا معنی ہے: زندہ چھوڑنا۔

② صاحبِ کمالین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: يَسْتَحْيُوْنَ کا مجرد مادّہ اَلْحِيَاةُ بِكَسْرِ الْحَاءِ ہے۔ اِس کا معنی ہے: عورتوں کی شرمگاہ کی تلاشی کرنا۔

وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ○:

بَلَآءٌ کا معنی اِنعام بھی ہے اور اِمتحان بھی ہے۔ اگر ذٰلِكُمْ کا مشارٌ الیہ نَجَّيْنٰكُمْ ہو تو بَلَآءٌ کا معنی اِنعام ہوگا۔ یعنی ہم نے تم کو نجات دی یہ بہت بڑا انعام ہے اور اگر ذٰلِكُمْ کا مشارٌ الیہ سُوْٓءَ الْعَذَاب ہو تو معنی اِمتحان ہوگا۔ یعنی تم کو عذاب دیا اُس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑا اِمتحان ہے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۱﴾:

اَصل میں تیس (۳۰) راتوں کا وعدہ تھا جیسا کہ سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف میں ہے کہ: وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً ۔۔۔الآیۃ ❶ پھر وَاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ ۔۔۔الآیۃ ❷ تیس (۳۰) راتوں کے ساتھ دس (۱۰) اور ملا دیں تو چالیس (۴۰) ہوگئیں۔ تورات کی روزانہ ایک ایک تختی ملتی تھی، تیس (۳۰) راتوں کا وعدہ تھا، جب تیس (۳۰) راتیں پوری ہوگئیں تو رب تعالیٰ سے جب موسیٰ علیہ السلام نے ملاقات کی اُس وقت موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کی تو منہ کی بُو اُس سے ختم ہوگئی۔ چوں کہ روزہ دار کے منہ کی بُو رب تعالیٰ کے ہاں مشک سے زیادہ محبوب ہے تو اُس بُو کے ختم ہوجانے پر دس (۱۰) راتیں اور ملادیں تو چالیس (۴۰) ہوگئیں۔

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۔۔۔الآیۃ:

اِتَّخَذْتُمْ کا مفعولِ ثانی محذوف ہے۔ اَیْ اِتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ اِلٰهًا مِنْۢ بَعْدِهٖ اَیْ مِنْۢ بَعْدِ ذَهَابِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۲﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "تفسیر خازن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: جب بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا کی تو ندامت کے لیے ستر (۷۰) آدمی منتخب کر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیجے وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۔۔۔الآیۃ ❸ کہ جا کر اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے معذرت کرو تا کہ ہماری غلطی معاف کردے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: جب موسیٰ علیہ السلام نے تورات کے اَحکام پڑھ کر سنائے تو اُنہوں نے کہا کہ: یہ بہت مشکل ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: تم نے آزاد زندگی گزاری ہے، چند دن عمل کرو آسان ہوجائیں گے۔ کیوں کہ فرعون کے غرق ہونے کے بعد کتاب ملی تھی، فرعون کی موجودگی میں عمل نہیں ہوسکتا تھا۔ تو اُس کی قوم نے کہا کہ: رب تعالیٰ سے درخواست کرو اُس میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لہٰذا اُنہوں نے ستر (۷۰) آدمیوں کو منتخب کر کے بھیجا، جب اُنہوں نے رب تعالیٰ کا کلام سُنا تو کہنے لگے کہ: لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ۔۔۔الآیۃ ❹ تو بجلی نے آکر سب کو ہلاک کردیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی: اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۔۔۔الآیۃ ❺ بہرحال اُن کو دوبارہ زندہ فرمادیا۔

❶❷ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف، ۱۴۲) ❸❺ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف، ۱۵۵) ❹ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۵۵)

جب قوم کے پاس آئے تو کہنے لگے کہ: رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: جو اَحکام آسان لگیں اُس پر عمل کرو اور جو مشکل لگیں اُن کو چھوڑ دو۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۳﴾:

سوال فُرْقَان سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① کِتَاب اور فُرْقَان دونوں سے تورات مُراد ہے۔ ② کِتَاب سے مُراد تورات اور فُرْقَان سے مُراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں۔

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۴﴾:

تمام تفاسیر میں آپ کو ملے گا کہ: اِس سے مُراد خودکشی نہیں بل کہ اِس سے مُراد یہ ہے کہ جس نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی وہ اُس کو قتل کرے جس نے بچھڑے کی عبادت کی ہے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۷﴾:

اِس کی تفصیل یہ ہے کہ: ایک میدان تھا جو "وادی تیہ" کے نام سے موسوم تھا، آج کل وہ "وادی سینائی" کے نام سے مشہور ہے۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں: یہ میدان چھتیس (۳۶) میل لمبا، چوبیس (۲۴) میل چوڑا، سطح سمندر سے چار ہزار (۴۰۰۰) فٹ بلند ہے۔ چالیس (۴۰) سال تک اِس میں رہے، یہاں سے نکلنا حرام تھا، جب سورج طلوع ہوتا تو بادل چھا جاتے۔ دن بھر سفر کرتے رات کو سوتے تو صبح اُٹھ کر دیکھتے کہ اُسی جگہ واپس آ گئے ہیں جہاں سے چلے تھے۔

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۔۔۔ الآیۃ:

مَنّ کا معنیٰ: ترنجبین۔ سَلْوٰی کا معنیٰ: بٹیر۔

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: بٹیر بھُنے ہوئے آتے تھے۔

② دوسری تفسیر یہ کہ: زندہ بٹیر قریب ہی کثیر تعداد میں آتے اور ہاتھوں سے اُن کو پکڑتے تھے اور ترنجبین برف کی طرح درختوں وغیرہ پر رات کے وقت گرتا تھا، جس طرح کہ رات کو شبنم برستی ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۸﴾:

موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا۔

سوال هٰذِهِ الْقَرْيَة سے کون سی بستی مُراد ہے؟

جواب اِس تین (۳) اَقوال ہیں:

① هٰذِهِ الْقَرْيَة سے مُراد بیت المقدس ہے۔

② "عمدۃ القاری اور فتح الباری" وغیرہ میں لکھا ہے کہ بعض فرماتے ہیں: اِس سے سِھیُوْن بروزن یزْزُوْن مُراد ہے۔ شارح مسلم شریف علامہ نووی رحمہ اللہ اور صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ: سِھیُوْن سطح سمندر سے پانچ ہزار (۵۰۰۰) فٹ بلند تھا۔

③ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اَریحا نامی بستی مُراد ہے، جو کہ بیت المقدس سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ بَاب مضاف ہے اِس کا مضاف الیہ اَلْقَرْيَة محذوف ہے۔ اَیْ بَابَ الْقَرْيَةِ۔ لفظِ سُجَّدًا، سَاجِدٌ کی جمع ہے۔ اَیْ سَاجِدِيْنَ۔

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں مبتدا محذوف ہے اَیْ مَسْئَلَتُنَا حِطَّةٌ۔ لیکن اُنہوں نے بجائے حِطَّةٌ کے حِنْطَةٌ یا حَبَّةٌ کہا اَیْ حَبَّةٌ فِیْ شَعِيْرَةٍ۔

وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ٥:

اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: "سِیْن" جب مضارع پر داخل ہو تو اِستقبال قریب کے لیے آتا ہے اور سَوْفَ ہو تو بعید کے لیے آتا ہے۔ لیکن صاحبِ کشاف کہتے ہیں کہ "سِیْن" مضارع پر داخل ہو کر تاکید کا معنیٰ دیتا ہے۔

فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۹﴾:

"تفسیر مدارک" میں لکھا ہے کہ: اَریحا مقام پر طاعون کی وجہ سے، چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) آدمی ہلاک ہوئے۔ "تفسیر جلالین" میں لکھا ہے کہ: ستر ہزار (۷۰) آدمی ہلاک ہوئے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۰﴾:

ربط: اُسی "وادی تیہ" کا ذکر ہے، بادل کا ذکر آپ نے پہلے پڑھا، اب یہاں پانی کا ذکر ہے۔

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ۔۔۔ الآیۃ:

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس پتھر کو لاٹھی سے مارا تھا وہ کون سا پتھر تھا؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: وہ عام پتھر تھا۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: یہ وہ خاص پتھر تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ: اِس پتھر کو ساتھ لے جاؤ، کام آئے گا۔ اِس پتھر کے بارہ (۱۲) کونے تھے، اُس سے بارہ (۱۲) چشمے نکلے۔

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔۔۔ الآیۃ:

فَانْفَجَرَتْ جزاء ہے شرط محذوف ہے۔ اَیْ اِذَا ضَرَبْتَ فَانْفَجَرَتْ۔

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ٥:

عَثِيَ بابِ سَمِعَ سے ہے۔ معنیٰ ہے: فساد کے لیے پھرنا۔ آگے ربِ تعالیٰ نے مُفْسِدِيْنَ کا لفظ خود ذکر فرمایا تو اب ہم عَثِيَ میں تجرید کریں گے یعنی عَثِيَ سے فساد کا معنیٰ سلب کرلیں گے۔ تجرید کا مطلب یہ ہے کہ: ایک لفظ کے دو (۲) معنیٰ ہوں، اُن میں سے ایک مُراد لیا جائے۔ جیسا کہ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ۔۔۔ الآیۃ ❶ میں لفظ اَسْرٰی کے معنیٰ ہیں رات کو لے جانا۔ لیکن آگے چوں کہ لَيْلًا کا لفظ آیا ہے تو اَسْرٰی میں تجرید ہے۔ معنیٰ ہیں: پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو۔

فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۱﴾:

سوال يُخْرِجْ کے مجزوم ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب یہ فَادْعُ فعلِ اَمر کے لیے جوابِ اَمر ہے اِس لیے مجزوم ہے۔

مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا۔۔۔ الآیۃ:

بَقْل کے معنیٰ ہیں: سبزی۔ قِثَّآء کے معنیٰ ہیں: ترہ یعنی ککڑی یا کھیرا۔ فُوْم کے معنیٰ ہیں: گندم یا تھوم یعنی لہسن۔ عَدَس کے معنیٰ ہیں: مسور کی دال۔ لیکن اِس سے مطلق دالیں مُراد ہیں۔ بَصَل کے معنیٰ ہیں: پیاز۔

اِهْبِطُوْا مِصْرًا۔۔۔ الآیۃ:

سوال مصر سے کون سا شہر مُراد ہے؟

❶ (سُوْرَۃُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْل، ۱)

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① بعض فرماتے ہیں کہ: مصر سے مُراد عام شہر ہے۔

② بعض فرماتے ہیں کہ: اِس سے وادی سینائی مُراد ہے۔

③ بعض فرماتے ہیں کہ: اِس سے مصر ہی مُراد ہے یعنی مصر معہود جس میں فرعون تھا۔

اِشکال: لفظِ مِصْرًا کو غیر منصرف پڑھو، علمیت اور عجمہ کی وجہ سے تو اِس پر تنوین کیوں آئی؟

جواب: لفظِ مِصْرًا ساکن الاوسط، تین (۳) حرفوں والا ہے، تو اِس میں دونوں وجہیں (منصرف، غیر منصرف) جائز ہیں۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۔۔۔الآیۃ:

ذِلّت اور مسکنت میں فرق: ذِلّت یہ ہے کہ: دوسروں کے نظروں میں آدمی حقیر سمجھا جائے اور مسکنت یہ ہے کہ: آدمی خود اپنے آپ کو گھٹیا اور حقیر سمجھے۔

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ:

سوال بَآءُوْ جمع کا صیغہ ہے تو اِس کے آخر میں اَلِف کیوں نہیں ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① مصحف میں ایسا ہی لکھا ہے۔ ② قرآن کا رسم الخط توقیفی ہے۔

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ ۔۔۔الآیۃ:

بنی اسرائیل نے ایک سو ستر (۱۷۰) انبیاء کرام علیہم السلام قتل کیے۔ ایک دن میں تریالیس (۴۳) انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا۔

بِغَيْرِ الْحَقِّ ۔۔۔الآیۃ:

شرعاً قتل تین (۳) طرح کا ہو سکتا ہے:

① مُرتد کا قتل۔ جب آدمی دینِ اِسلام کو چھوڑ کر اور دین اِختیار کرے تو اُس کی سزا شریعت میں تین (۳) دن کی مہلت کے بعد قتل ہے۔

② مُحصن (شادی شدہ) جب زنا کرے اور خود اِقرار کرے یا اُس پر چار (۴) گواہ قائم ہو جائیں تو اُس کی سزا قتل ہے۔

③ قصاص میں کسی کو قتل کرنا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل اِن تین (۳) صورتوں میں سے کسی بھی صورت کی وجہ سے جائز نہیں تھا، اُن کو ناحق قتل کرتے تھے۔

سوال اِرتداد کی وجہ سے قتل تو اِكْرَاهٌ فِي الدِّيْنِ ہے اور دین میں اِکْرَاہ تو نہیں ہے؟!!

جواب مرتد کا قتل نقضِ عہد کی بناء پر ہے، اِس طور پر کہ: اُس نے ایک مرتبہ دینِ حق کو قبول کر لیا یعنی عہد کیا اور پھر اُس عہد کو توڑ دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۲﴾:

ربط: "تفسیر کبیر، ابو سعود اور سبق الغایات فی نسق الآیات" میں یہ ربط لکھا ہے کہ: جب اُنہوں نے پیغمبروں کو شہید کیا اور ایسے کارنامے کیے تو اِس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ: شاید اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے اُن پر مغفرت کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ یہاں سے اِس بات کا دفعیہ ہے کہ نہیں! بل کہ اب بھی اُن کے لیے ایمان اور مغفرت کا دروازہ کُھلا ہے۔

اِشکال: پہلے فرمایا کہ: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔الآیۃ ❶ وہ لوگ جنہوں نے اِیمان لایا ہے۔ پھر آگے فرمایا: مَنْ اٰمَنَ ۔۔۔الآیۃ ❷ کہ اُن میں سے جو اِیمان لے آئے گا۔ تو ایک دفعہ اِیمان لانے کے بعد دوبارہ اِیمان لانا یہ تو تحصیل الحاصل ہے جو کہ باطل ہے؟!!

جواب: اِس کے تین (۳) جواب ہیں:

❶❷ (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ۶۲)

① اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْاَنْبِیَآءِ مِنْ قَبْلِ مُحَمَّدٍ ﷺ۔ جنہوں نے انبیاء (علیہم السلام) سابقین پر ایمان لایا ہو اور پھر مَنْ اٰمَنَ سے مُراد وہ ہیں جنھوں نے آپ ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ پر ایمان لایا یا لائیں گے۔

② پہلے اٰمَنُوْا سے مُراد ہے اَلَّذِیْنَ اَظْهَرُوا الْاِیْمَانَ بِاَلْسِنَتِهِمْ یعنی جنہوں نے اِیمان کو صرف زبانوں سے ظاہر کیا تھا اور دوسرے مَنْ اٰمَنَ سے مُراد دل سے اِیمان لانا ہے اَیْ ثُمَّ اٰمَنُوْا بِقُلُوْبِهِمْ۔

③ پہلے اٰمَنُوْا سے مُراد ہے اَلَّذِیْنَ اَظْهَرُوا الْاِیْمَانَ بِاَلْسِنَتِهِمْ یعنی جنہوں نے اِیمان کو صرف زبانوں سے ظاہر کیا تھا اور دوسرے مَنْ اٰمَنَ سے مُراد آپ ﷺ پر ایمان لانا ہے۔ اَیْ مَنْ اٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ۔

وَالَّذِیْنَ هَادُوْا ۔۔۔ الآیۃ:

وجہِ تسمیہ یَھُوْد:

① "تفسیر خازن" میں نقل کیا ہے کہ: حضرت یعقوب علیہ السلام کا بڑا بیٹا یہودا تھا، یہ یہود اُس کی اَولاد ہیں۔ اُس کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہودی مشہور ہوئے۔

② اُن کے بڑوں نے جب غلطی کی تو کہا: اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ ۔۔۔ الآیۃ ❶

③ تَهَوُّد کے معنی ہیں: حرکت کرنا، جھومنا یعنی یہ لوگ جب تورات پڑھتے تھے تو جھومتے تھے۔

وَالنَّصٰرٰی ۔۔۔ الآیۃ:

نَصَارٰی، نَصْرَانٌ کی جمع ہے۔ نَصْرَانِیٌّ میں یاء مبالغے کے لیے ہے، نہ کہ نسبت کے لیے۔ جیسے: رَجُلٌ نَصْرَانٌ وَامْرَاَۃٌ نَصْرَانَۃٌ۔

وجہِ تسمیہ نَصَارٰی:

① حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُنہوں نے کہا تھا کہ: نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ❷

② وہ محلہ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اُس کا نام ناصرہ تھا۔

وَالصّٰبِئِیْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

صَبَاءٌ باب فَتَحَ سے ہے۔ صاحب روح المعانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: یہ لوگ حضرت داود علیہ السلام اور زبور کو مانتے تھے، نماز پڑھتے تھے، روزہ رکھتے تھے، آسمانی نبوّت کے قائل تھے، لیکن ساتھ ساتھ ستاروں کی بھی پوجا کرتے تھے۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۔۔۔ الآیۃ ۞:

مودودی کہتا ہے کہ: طور کو حق تعالیٰ نے اُٹھایا نہیں بل کہ فرمایا کہ: طور کتنا بلند ہے، ہوسکتا ہے کہ تم پر گرے، اُنہوں نے سمجھا کہ: ہمارے اوپر گر جائے گا، لیکن گرا نہیں۔ مودودی کا یہ مطلب غلط ہے کیوں کہ قرآن خود کہتا ہے: وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ ۔۔۔ الآیۃ ❸ نَتَقْنَا کا معنی ہے: اُکھاڑنا۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝:

تَتَّقُوْنَ فعل کا مفعول محذوف ہے۔ اَیْ تَتَّقُوْنَ الْعَذَابَ۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ ۔۔۔ الآیۃ ۞:

یہ واقعہ حضرت داود علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا۔ حضرت داود علیہ السلام اور اُن کی قوم بحرِ قلزم کے کنارے پر رہتے تھے، اُن کے شہر کا نام ایلیاء تھا۔ اُن لوگوں کے لیے ہفتہ کے دن بہ شمولیت رات شکار کرنا منع تھا، قمری مہینے کی تاریخ غروب آفتاب سے شروع ہو جاتی ہے، تو اُنہوں نے نافرمانی کی۔ حق تعالیٰ نے اُن کے بوڑھوں کو خنزیر اور نوجوانوں کو بندر بنا دیا اور نصِ قطعی سے اِس کی تائید ہے کہ اُن کی نسل آگے نہیں چلی بل کہ تین (۳) دن کے بعد ہلاک ہوگئے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف ۱۵۶) ❷ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن ۵۲) ❸ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف ۱۷۱)

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا ۔۔۔الآیۃ:

سوال فَجَعَلْنٰهَا کی "ھَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب صاحبِ جلالین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: فَجَعَلْنٰهَا کی "ھَا" ضمیر عُقُوْبَۃ کی طرف راجع ہے۔ اَیْ فَجَعَلْنَا الْعُقُوْبَۃَ۔

لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا ۔۔۔الآیۃ:

"تفسیر ابن جریر طبری، ابوسعود، مدارک" میں لکھا ہے کہ: یہ ظرفِ زمان بھی ہے اور ظرفِ مکان بھی۔ معنیٰ ہوگا کہ: ہم نے اُس عُقُوْبَتْ کو عبرت بنایا، اُس سے آگے اور اُس سے پیچھے والوں کے لیے۔

سوال جو لوگ پیچھے آنے والے ہیں اُن کے لیے عبرت ہونا تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن جو لوگ آگے گذر گئے اُن کے لیے عبرت کیسے ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① اِس کو یوں سمجھو کہ: دجال اُبھی تو آیا نہیں لیکن ہم مانتے ہیں کہ آئے گا، اسی طرح سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوا لیکن ہم اِس بات کو مانتے ہیں۔ اسی طرح اُن اَگلے گزرے ہوئے لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ: بعد میں آنے والوں کو اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے بندر بنایا جائے گا۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ)

② نیز ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ: بَيْنَ يَدَيْهَا سے اُس وقت کے موجودہ لوگ یعنی آس پاس کی بستیاں مُراد ہیں اور مَا خَلْفَهَا سے اُن کے بعد آنے والے لوگ مُراد ہیں اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اِس قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۔۔۔الآیۃ:

لطیفہ: شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں یہ لطیفہ لکھا ہے کہ: ایک ہندو اور مسلمان میں جھگڑا ہوا۔ ہندو نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ (خدا) ہندو ہے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) مسلمان نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ مسلمان ہے۔ ہندو نے مسلمان سے کہا کہ: اپنی کتاب سے ثابت کرو۔ مسلمان نے کہا کہ: ہمارے رب نے فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۔۔۔الآیۃ[1] معلوم ہوا ہے کہ: مسلمان ہے، اِس لیے گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۔۔۔الآیۃ:

اِشکال: اَتَتَّخِذُنَا میں نَا ضمیر ہے اور ضمائر ذوات ہوتی ہیں۔ هُزُوًا مصدر ہے جو کہ وصف ہے تو ذات کا حمل وصف پر کیسے درست ہوا؟

جوابُ: هُزُوًا مصدر بمعنی مَهْزُوٌّ کے ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا ۔۔۔الآیۃ:

سوال لفظِ يُبَيِّنْ کے مجزوم ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ يُبَيِّنْ، اُدْعُ فعلِ اَمر کے لیے جوابِ اَمر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ ۔۔۔الآیۃ:

بَيْنَ کا لفظ متعدد چیزوں کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

سوال ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ کیا ہے؟

جواب ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ دو (۲) چیزیں ہیں: ① نہ عمر میں بڑی ہو۔ ② نہ عمر چھوٹی ہو۔

تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ○:

سوال تَسُرُّ کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو احتمالات ہیں: ① تَسُرُّ کی ضمیر بَقَرَۃ کی طرف راجع ہے۔ ② تَسُرُّ کی ضمیر لَوْنٌ کی طرف راجع ہے۔

---

[1] (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ٦٧)

اشکال: لفظِ لَوْنٌ کی طرف ضمیر تَسُرُّ کیسے راجع ہو سکتی ہے؟ حال آں کہ لفظِ لَوْنٌ تو مذکر ہے؟

جواب: لفظِ لَوْنٌ اگرچہ مذکر ہے، لیکن اُس کی اضافت ھَا ضمیر کی طرف ہے، تو اُس نے ھَا ضمیر مؤنث سے اِکتسابِ تانیث کیا ہے، تو تَسُرُّ کی ضمیر اُس کی طرف لوٹانا درست ہوا۔ جیسے حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ میں لفظِ جَمِيْعُ نے اکتسابِ تانیث کیا ہے۔ خِصَالِهٖ مضاف الیہ ہے۔

قَالَ إِنَّهٗ يَقُوْلُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْأَرْضَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۱﴾:

ذَلُوْلٌ بروزن عَرُوْسٌ۔ فَعُوْلٌ کا وزن ہے اور یہ صفتِ مشبہ ہے اس میں مذکر و مؤنث برابر ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ بَقَرَة سے بیل مُراد لیتے ہیں۔ وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ: عموماً کھیتی باڑی بیل سے کی جاتی ہے نہ کہ گائے سے اور کنویں سے پانی بیل کے ذریعے نکالا جاتا ہے نہ کہ گائے کے ذریعے سے۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۲﴾:

ربط: واضح ہے کہ ایک آدمی کو قتل کر دیا گیا، حکم ہوا کہ: گائے کو ذبح کرو تو یہ ماقبل کے لیے تتمہ ہے۔ "بحرالمحیط اور کشاف" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: الگ اِس لیے ذکر کر دیا کہ اُن کی بُرائی الگ الگ ذکر ہو جائے کہ گائے کو ذبح کرنے میں ٹال مٹول کرنا ایک گناہ ہے اور آدمی کو قتل کرنا دوسرا گناہ ہے۔ "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں لکھا ہے کہ: جس آدمی کو قتل کیا تھا اُس کا نام عامیل تھا، بڑا مال دار تھا لیکن تھا بخیل۔ ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ: بخل کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا۔

فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۔۔۔ الآیۃ:

اَيْ لِأَجْلِ نَفْسِهَا۔ اِدّٰرَءْتُمْ یہ باب تَفَاعُلٌ سے ہے۔ اصل میں تَدَارَأْتُمْ تھا۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۳﴾:

اِضْرِبُوْهُ اَيِ النَّفْسَ باعتبارِ شخص کے یعنی مذکر کی ضمیر نفس کو بتاویلِ شخص راجع ہے۔

سوال بَعْض سے کیا چیز مُراد ہے؟

جواب اِس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

① بعض نے کہا ہے کہ: بَعْض سے لِسَان مُراد ہے یعنی زبان سے اُس کو مارو۔ اَيْ بِلِسَانِهَا۔
② بعض نے کہا ہے کہ: بَعْض سے قَلْب مُراد ہے یعنی دل سے اُس کو مارو۔ اَيْ بِقَلْبِهَا۔
③ بعض نے کہا ہے کہ: بَعْض سے كَبِد مُراد ہے یعنی جگر سے اُس کو مارو۔ اَيْ بِكَبِدِهَا۔
④ بعض نے کہا ہے کہ: بَعْض سے ذَنَب مُراد ہے یعنی دم سے اُس کو مارو۔ اَيْ بِذَنَبِهَا۔

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۔۔۔ الآیۃ:

كَذٰلِكَ اَيِ الْاَحْيَاءِ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۴﴾:

تمہارے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ یہاں دل کو تشبیہ دی ہے پتھروں کے ساتھ اِس طور پر کہ پتھر تین (۳) طرح کے ہوتے ہیں:

① وہ پتھر جن سے نہریں نکلتی ہیں اور پانی دُور تک پہنچتا ہے۔
② وہ پتھر جن سے تھوڑا سا پانی نکلتا ہے محدود رقبہ میں پانی پہنچتا ہے۔
③ وہ پتھر جن سے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچتا لیکن خود اپنے تکبر اور غرور کی بلندی سے گر کر اصلاحِ حال ہوتی ہے۔

اِسی طرح دل بھی تین (۳) طرح کے ہوتے ہیں:

① وہ دل جس سے علومِ عرفان کی نہریں پھوٹتی ہیں۔ ② وہ دل جس سے تھوڑی مقدار میں لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے۔
③ وہ دل کہ اگر غیر کو فائدہ نہ پہنچے تو اپنے غرور اور تکبر کی بڑائی سے نیچے اُتر آتا ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۵﴾:

ربط: "تفسیرِ خازن، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: پہلے بنی اسرائیل کے جرائم کا بیان تھا۔ اب مؤمنوں سے خطاب ہے کہ: اُن سے اِیمان کی توقع نہ رکھو۔

اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ اَنْ يُّصَدِّقُوْا لَكُمْ۔

ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① جب بنی اسرائیل کو تورات ملی تو اُس میں اپنی خواہشات کے مطابق تحریف کرنا شروع کی۔

② کوہِ طور پر جو ستر (۷۰) آدمی تورات لینے کے لیے گئے تھے رب تعالیٰ نے اُن سے فرمادیا تھا کہ: تم اِس پر عمل کرو، اگر بمقتضائے بشریت کے کچھ کوتاہی ہو جائے تو مَیں بخش دوں گا۔ اُنہوں نے آ کر کہا کہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اگر تم نے عمل نہ بھی کیا تو پھر بھی مَیں تم کو بخش دوں گا۔

تو یہاں تحریف سے یہ تحریف مُراد ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۹﴾:

وَيْلٌ نکرہ یہاں مبتدا واقع ہے۔ "مغنی اللبیب" میں لکھا ہے کہ: دس (۱۰) جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں نکرہ مبتدا بن سکتا ہے۔ مثال کے طور پر دو (۲) جگہیں میں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں:

① جہاں دُعا بالخیر ہو یا بالشر۔ جیسے اِس آیت میں ہے۔ ② کوئی چیز انوکھی ہو۔ مثلاً ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ وغیرہ۔

يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال یہود کی کتابوں میں تحریفِ لفظی بھی تھی یا صرف تحریفِ معنوی تھی؟

جواب اِس میں علماء کے دو (۲) گروہ ہیں:

① حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، اِمام بخاری رحمہ اللہ اور بعض فرماتے ہیں کہ: صرف تحریف معنوی تھی، لفظی نہ تھی۔ اِمام بخاری رحمہ اللہ نے تو اِس پر اپنی "بخاری شریف" میں "كِتَابُ التَّوْحِيْد" میں "بَابُ مَا يَجُوْزُ مِنْ تَفْسِيْرِ التَّوْرَاةِ وَغَيْرِهَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ بِالْعَرَبِيَّةِ وَغَيْرِهَا" کے عنوان سے مستقل باب قائم کیا ہے۔

② جمہورِ علماءِ کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: اِن کی کتابوں میں تحریف لفظی بھی ہوئی ہے۔ وَالْحَقُّ هٰذَا الْمَذْهَبُ۔

علّامہ آلوسی رحمہ اللہ نے تیسرے پارے میں اِس پر خوب بحث کی ہے۔

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

وَيْلٌ کے معنی بربادی اور ہلاکت کے آتے ہیں اور وَيْلٌ جہنم کی ایک وادی کا نام بھی ہے جس میں کافروں کو ڈالا جائے گا۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۰﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "تفسیر کبیر، بیضاوی" میں لکھا ہے کہ: وہ کہتے تھے کہ: ہم چالیس (۴۰) دن تک دوزخ میں رہیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ: ہمارے بڑوں نے چالیس (۴۰) دن تک بچھڑے کی عبادت کی تھی۔ لیکن قرآن نے اُن کی اِس بات کی نفی کی ہے: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۔۔۔ الآیۃ ❶

❶ (سُوْرَةُ الْاَنْعَام، ۱۶۴)

②وہ کہتے تھے کہ: ہم سات (۷) دن دوزخ میں رہیں گے۔ بہ قول اُن کے دُنیا کی زندگی سات ہزار (۷۰۰۰) سال ہے۔ ہر ہزار (۱۰۰۰) سال کے بدلے میں ایک دن جہنم میں رہیں گے۔ لیکن ایسی کوئی چیز شرعاً ثابت نہیں ہوئی ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔۔۔ الآیۃ ۞:

ربط: پہلے بنی اسرائیل کی خرابیوں اور کج رویوں کا ذکر تھا، آگے بھی اُن ہی کا ذکر ہے۔ یہاں اُن کی نافرمانی، نقضِ عہد کا ذکر ہے کہ بنی اسرائیل نے حق تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو توڑ دیا۔

لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۔۔۔ الآیۃ:

"بیضاوی، مدارک اور ابوسعود" میں لکھا ہے کہ: یہاں خبر بمعنی انشاء کے ہے یعنی نفی بمعنی نہی کے ہے۔ اَیْ لَا تَعْبُدُوْا۔ اِس پر قرینہ اِسی آیت میں آگے اَقِيْمُوْا، اٰتُوْا اَمر کے صیغے ہیں۔

صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ: نہی کو خبر کے معنی میں لانے میں نکتہ یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ہم نے تمہیں حکم دیا پھر گویا تم نے اُس حکم کی تعمیل نہ کی اور اب ہم اُس کی خبر دے رہے ہیں۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۔۔۔ الآیۃ:

اِحْسَانًا یہ مفعولِ مطلق ہے فعلِ محذوف کے لیے اَیْ اَحْسِنُوْا بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے اپنی "تفسیر عزیزی" میں ایک فقہی ضابطہ بیان کیا ہے کہ: اگر والدین ترکِ فرائض کا حکم دیں تو اُن کی اطاعت نہ کرو کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ ❶ اور اگر ترکِ سنّت کا حکم دے دیں، تو کبھی کبھی مان لو۔ مثلاً: ترکِ جماعت کا حکم دیں۔ اگر ترکِ مستحب کا حکم دیں تو اُن کی اِطاعت کو مقدّم سمجھو اور مستحب کام کو چھوڑ دو۔

وَالْمَسٰكِيْنِ ۔۔۔ الآیۃ:

فقیر اور مسکین میں فرق: فقیر کہا جاتا ہے: مَنْ لَّا يَمْلِكُ قُوْتًا جو ایک دن کی رُوزی کا مالک نہ ہو۔ اور مسکین وہ ہے: جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو۔ آج کل کے روپیوں کی مقدار سے نصاب کی مقدار چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) روپے بنتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ قیمت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ قَوْلًا حُسْنًا۔

وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝:

اِس سے موجودہ بنی اسرائیل مُراد ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ۞:

بنی اسرائیل سے تین (۳) چیزوں کی خصوصیت سے عہد لیا گیا تھا:

①ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ ②طاقتور کمزور کو گھر سے نہ نکالے۔

③اگر تمہارا کوئی آدمی قیدی بن جائے، تو اُس کو فدیہ دے کر چھڑاؤ۔

اُنہوں نے تیسری بات پر خصوصیت سے عمل کیا، لیکن پہلی اور دوسری بات کو بالکل ترک کر دیا۔ لَا تَسْفِكُوْنَ خبر بمعنی نہی کے ہے۔ اَیْ لَا تَسْفِكُوْا۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ۞:

مشرکین اور یہود کے قبائل: مدینہ منورہ میں مشرکین کے دو (۲) قبیلے تھے: ①اَوس۔ ②خزرج۔

---

❶ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارۃ، ج۲، ص۳۲۱، طبع میزان، لاہور)

اِسی طرح یہود کے تین (۳) قبیلے تھے: ①بنو قینقاع۔ ②بنو نضیر۔ ③بنو قریظہ۔
اِن میں سے بنو قریظہ کا اوس کے ساتھ تعلّق تھا اور بنو نضیر کا خزرج کے ساتھ تعلّق تھا، یہ ایک دوسرے کو قتل کر دیتے اور فدیہ دے کر قیدیوں کو چھڑا لیتے۔ بنو قینقاع کا کسی کے ساتھ تعلّق نہ تھا۔

تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

تَظٰهَرُوْنَ اَصل میں تَتَظٰهَرُوْنَ تھا۔ بابِ تَفَاعُل اور تَفَعُّل کا ایک خاصہ یہ ہے کہ: دو (۲) تاء میں سے ایک کو مضارع میں حذف کر دیتے ہیں۔

بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔۔۔ الآیۃ:

اِثْم اور عُدْوَان میں فرق: "تفسیر کشاف، ابو سعود اور جلالین" وغیرہ میں لکھا ہے: اللہ تعالیٰ کے حق کو توڑنا اِثْم (گناہ) ہے اور بندے کے حق کو توڑنا عُدْوَان ہے۔

وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال یہ هُوَ ضمیر کیا ہے؟
جواب یہ هُوَ ضمیر ضمیرِ شان ہے۔

فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ۔۔۔ :

سوال یہ مَا کون سا ہے؟
جواب یہ مَا اِستفہامیہ انکاریہ ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ۔۔۔ الآیۃ ۱۰:

ربط: پہلے رُکوع میں بنی اسرائیل کی خامیوں اور نافرمانیوں کا ذکر تھا۔ یہ نافرمانیاں مختلف طور پر تھیں۔
سوال سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ: آیا اُن کے پاس کوئی نبی نہیں آیا تھا؟ کتاب نہیں آئی یا اُنہوں نے جہالت کی وجہ سے یہ کام کیے؟
جواب اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: نہیں! ہم نے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام اُن کے پاس بھیجے، لیکن اُنہوں نے کسی کی بات نہ مانی۔

وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۔۔۔ الآیۃ:

قَفَا سے مُراد ہے: گردن کی گُدی۔ مطلب یہ ہے کہ: ایک دوسرے کے پیچھے انبیاء کرام علیہم السلام آئے یعنی ایسے آئے کہ ایک دوسرے کی گُدی دیکھ رہے تھے، مُراد تتابع ہے، پے در پے آنا۔ "تفسیر خازن" میں بھی ہے اور علّامہ شیخ الہند رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ: حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار (۴۰۰۰) پیغمبر صرف بنی اسرائیل میں آئے۔

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ ۔۔۔ الآیۃ:

عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت مریم علیہا السلام کی طرف کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ: عیسیٰ علیہ السلام کا اگر باپ ہوتا تو اُس کی طرف نسبت ہوتی۔ لفظِ عیسیٰ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے، اَصل میں "عیسو" تھا۔ جس کا معنی ہے: سیّد، سردار، مبارک۔ اِمام بخاری رحمہ اللہ نے مریم کا معنی "کتاب التفسیر" میں کیا ہے: عَابِدَۃٌ، عبادت گذار عورت۔
یاد رہے! قرآن میں کسی بھی بی بی کا نام نہیں آیا ہے، سوائے مریم علیہا السلام کے۔ حضرت مریم علیہا السلام کا نام تیس (۳۰) مرتبہ آیا ہے۔ باقی عورتوں کا ذکر اِمْرَأَة یا زَوْجه سے فرمایا ہے۔

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں رُوْحُ الْقُدُس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مُراد ہیں۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سخت مخالف تھے، اِس وجہ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام اُن کے ساتھ رہے تاکہ یہودی اُن کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔

نحاۃ کے دو(۲) گروہ ہیں: ① کوفیین۔ ② بصریین۔

یہاں اِن دونوں گروہوں میں اختلاف ہے:

کوفیین کہتے ہیں کہ:اِضَافَۃُ الْمَوْصُوْفِ اِلَی الصِّفَۃِ جائز ہے۔یہاں بِرُوْحِ الْقُدُسِ میں رُوح موصوف ہے اور قُدُس صفت ہے، اُس کی طرف اضافت ہے۔ وَالْحَقُّ مَعَ الْکُوْفِیِّیْنَ۔

بصریین فرماتے ہیں کہ:اِضَافَۃُ الْمَوْصُوْفِ اِلَی الصِّفَۃِ جائز نہیں ہے۔

فَائِدَۃ: نُحَاۃ، نَاحٍ کی جمع ہے بمعنی نحوی۔ بصریین بِفَتْحِ الْبَاءِ، بَصْرِیِّیْن اور بِکَسْرِ الْبَاءِ، بِصْرِیِّیْن دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤی اَنْفُسُکُمُ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ جَآءَ اگر بغیر صلہ کے آئے تو اُس کے معنی ہیں: "آنا"۔ جیسے: اَتٰی زَیْدٌ، جَآءَ زَیْدٌ معنی ہے: "آیا زید"۔ جب صلہ "بَاء" ہو تو معنی ہے لانا۔ جیسا کہ اِس آیت میں ہے۔

وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ۝:

تَقْتُلُوْنَ اصل میں قَتَلْتُمْ تھا۔ لیکن مضارع کے ساتھ اس کو ذکر کیا اِس لیے کہ گو تم اب بھی قتل کر رہے ہو، تمہارا قتل اب تک جاری ہے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۸﴾:

غُلْفٌ، اَغْلَفُ کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے: ایسا بچہ جس کا ختنہ نہ کرایا گیا ہو۔ سَیْفٌ اَغْلَفُ ایسی تلوار جو نیام کے اندر ہو۔ اُن کا یہ کہنا: "ہمارے دل پردے میں ہیں"۔ اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ: اُن کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری باتیں گرد وغبار کی طرح ہیں۔ اِس لیے ہم نے اپنے دلوں کو اُس گرد سے غلافوں میں رکھا ہے۔

وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۹﴾:

اِس کی دو(۲) تفسیریں ہیں:

① یَسْتَفْتِحُوْنَ بابِ اِسْتِفْعَال مجرد کے معنی پر ہے یعنی بابِ فَتَحَ کے معنی میں ہے۔ معنی ہوں گے کہ: اِس سے پہلے کھولتے تھے اور بیان کرتے۔

② جمہور اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ نے یوں معنی بیان کیا ہے، "جلالین" تک میں موجود ہے کہ: یہود کافروں (مشرکین) کے ساتھ جب لڑتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام وسیلے کے طور پر لیتے اور اُن کے طفیل فتح کی دُعا کرتے۔

وسیلہ: تَوَسُّل کے الفاظ یہ ہیں: یا اللہ! مَیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طفیل سے یا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی حرمت سے یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی برکت سے یا شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کی جاہ سے آپ سے بخشش اور مدد طلب کرتا ہوں۔ اِن تمام کا مفہوم ایک ہے، "تسکین الصدور" میں تفصیل سے مذکور ہے۔

اَقسامِ تَوَسُّل: تَوَسُّل کی کئی قسمیں ہیں:

① خالص شرک۔ ② مکروہ۔ ③ جائز۔

① خالص شرک: "فتاوٰی بزازیہ اور گلدستہ توحید" میں منقول ہے کہ: شرک یہ ہے کہ کوئی کہے: یا اللہ! میرا یہ کام کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اور یہ سمجھتا ہو کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں۔ یہ خالص شرک ہے۔

② مکروہ: لفظاً اگر وسیلے اور طفیل کا لے لیتا ہے، لیکن مُراد کی تعین نہیں کرتا یعنی عالم الغیب یا حاضر وناظر ہونے کی تعین نہیں کرتا۔ تو یہ مکروہ ہے۔

③ جائز: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر، مختارِ کل، عالم الغیب تو نہیں سمجھتا اور یہ کہتا ہے کہ: میرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان ہے، مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ تو یہ وسیلہ پکڑنا جائز ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "قَاعِدَة جَلِيْلَة فِي التَّوَسُّلِ وَالْوَسِيْلَةِ" میں وسیلہ کے ناجائز ہونے پر زور دیا ہے، لیکن آخر میں فرمایا ہے کہ: اگر وسیلہ بِإِيْمَانٍ بِهٖ وَبِمَحَبَّتِ بِهٖ ہو تو یہ جائز ہے یعنی جو صورت ہم نے ذکر کی ہے۔

"تقویۃ الایمان" میں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے وسیلہ پر بحث کی ہے۔

نوٹ: یاد رہے! حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سختی سے اِس بات کا انکار فرماتے تھے کہ: "تقویۃ الایمان" حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے "فتاوٰی رشیدیہ" میں لکھا ہے کہ: اگر یہ کہہ دیں کہ: یااللہ! آپ مجھے دے دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے۔ تو یہ دُرست ہے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۔۔۔الآیۃ (۹۰):

لفظِ اِشْتَرَا یہ اَضداد میں سے ہے۔ اِس کا معنی ہے: خریدنا یا فروخت کرنا۔ یہاں اِس سے مُراد فروخت کرنا ہے۔

اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ بَغْيًا مفعول لہ ہے۔ اَيْ لِاَجْلِ الْبَغْيِ۔

قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا ۔۔۔الآیۃ (۹۱):

یہود کہتے تھے کہ: ہم پر جو وحی (یعنی تورات) نازل کی گئی ہے اُس کو تو مانتے ہیں، لیکن اُس کے علاوہ جو تم پر وحی نازل کی گئی ہے اُس کو نہیں مانتے۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کی اِس بات کے اِلزامی اور تحقیقی جواب دیے ہیں۔ اِلزامی جواب کئی ہیں اور تحقیقی جواب ایک ہے۔

تحقیقی جواب: تم قرآن پاک کا اِنکار کرتے ہو جو کہ اُن کتبِ سابقہ کے لیے مُصَدِّق ہے، تو جب تم نے مُصَدِّق کا اِنکار کیا تو اِس سے مُصَدَّق کا اِنکار لازم آیا۔

اِلزامی جوابات: ① اچھا! اگر تم کہتے ہو کہ: ہمیں بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا ۔۔۔الآیۃ ● پر ایمان ہے، فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ ● تو تم انبیاء کرام علیہم السلام کو کیوں قتل کرتے ہو؟

② تمہارے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام واضح دلائل لے کر آئے پھر بھی تم نے بچھڑے کی عبادت شروع کی، کیا یہ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا ۔۔۔الآیۃ ● پر ایمان ہے؟

③ جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور ہم نے کوہِ طور کو تمہارے اُوپر اُٹھایا اور ہم نے کہا کہ: پکڑو اُس چیز کو جو ہم نے تمہیں دی ہے۔ اُس کے بعد تم نے نقضِ عہد کر دیا، کیا یہ ایمان ہے؟ اِس کا مطلب تو یہ ہے کہ: تم نے مطلب کی بات مانی اور باقی چھوڑ دی؟

وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ ۔۔۔الآیۃ (۹۳):

یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَيْ فِيْ قُلُوْبِهِمْ حُبُّ الْعِجْلِ۔

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (۹۴):

اِس کے تحت "رُوح المعانی، بیضاوی، البحر المحیط، خازن" میں چند واقعات اختصاراً نقل کیے ہیں:

① حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جنگِ صفین میں زخمی ہوئے، خوشی کی وجہ سے نعرہ لگایا۔ کسی نے پوچھا: تم تو زخمی ہوئے ہو خوشی کے نعرے کیوں لگاتے ہو؟ فرمایا: اَلْاٰنَ اُلَاقِي الْاَحِبَّةَ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم وَحِزْبَهٗ رضی اللہ عنہم ●

② حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگِ صفین میں بغیر ذرہ پہنے ہوئے میدان میں آئے، جب صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اَبّا جان! تیروں کی بارش ہو رہی ہے اور آپ (رضی اللہ عنہ) میدان میں ویسے بغیر ذرہ کے آئے ہیں؟ فرمایا: لَا يُبَالِيْ اَبُوْكَ عَلَى الْمَوْتِ سَقَطَ اَمْ سَقَطَ عَلَيْهِ الْمَوْتُ ●

●●● (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ۹۱) ● (انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف بتفسیر البیضاوی، تفسیر سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ ۹۵، ج ۱، ص ۹۵، طبع دار احیاء التراث العربی، بیروت)

● (روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی، تفسیر سورۃ بقرۃ، رقم الآیۃ ۹۶، ج ۱، ص ۳۳۰، طبع دار التراث، القاہرۃ)

④ "مشکوٰۃ شریف" میں ہے کہ: ایران کے پہلوان جرنیل رستم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا۔ رستم نے کہا کہ: بھیڑ بکریوں کے چرانے والو! اپنے آپ پر ترس کرو، میرے پاس اتنی فوج ہے کہ تم اُس کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا: اِنَّ مَعِیَ قَوْمًا یُحِبُّوْنَ الْقَتْلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَا یُحِبُّ الْفَارِسُ الْخَمْرَ ❶

لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۶﴾:

"تفسیر مدارک، ابو سعود" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: یہاں لَوْ مصدریہ ہے بمعنی اَنْ کے ہے اور بِمُزَحْزِحِهٖ کے لیے اَنْ یُّعَمَّرَ نائب فاعل ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۷﴾:

ربط: بنی اسرائیل کی کج رویوں اور نافرمانیوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔

شانِ نزول: اِس کے شانِ نزول میں اِختلاف ہے:

"رُوح المعانی" میں لکھا ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقعہ پر بیت المدراس یہودیوں کے مدرسے میں تھے۔ عبد اللہ ابن صوریا فدک کا رہنے والا تھا (یہ نام ابن صوریا ہے، شیخ الحدیث مناظر اسلام حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ نے بھی یہی بتلایا تھا اور تفسیر میں بھی یہ لکھا ہے۔) اُس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: مجھ پر وحی اُترتی ہے۔ اُنہوں نے پوچھا: کون وحی لاتا ہے؟ فرمایا کہ: جبرئیل علیہ السلام۔ اِس پر اُنہوں نے کہا کہ: یہ تو ہمارے دُشمن ہیں، اگر میکائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تو ہم اِس کو مان لیتے۔

وہ فرشتے جن کا نام قرآن پاک میں آیا ہے: قرآن پاک میں چھ (۶) فرشتوں کے نام مذکور ہیں: چار (۴) تو اِسی سورۃ میں مذکور ہیں:

① جبرئیل علیہ السلام۔ ② میکائیل علیہ السلام۔ جیسا کہ اِرشاد ہے: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْكٰلَ ۔۔۔ الآیۃ ❷

③ ہاروت علیہ السلام۔ ④ ماروت علیہ السلام۔ جیسا کہ اِرشاد ہے: وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۔۔۔ الآیۃ ❸

⑤ پانچواں رَعد ہے سُوْرَۃُ الرَّعْد میں اِسی کا ذکر ہے: وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ❹

⑥ چھٹا مالک ہے۔ جیسے کہ اِرشاد ہے: یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ۔۔۔ الآیۃ ❺ یہ جہنّم کا اِنچارج ہے اور جنّت کا اِنچارج رضوان ہے۔

"بخاری شریف" کتاب التفسیر میں لکھا ہے کہ: جِبْرَائِیْل مرکب ہے، جَبْر اور ئِیْل سے۔ جَبْر کے معنیٰ: عبد اور ئِیْل کے معنیٰ: اللہ۔ تو معنیٰ: عبد اللہ ہوا۔ اِسی طرح مِیْكَا، اِسْرَا، عِزْرَا کے معنیٰ: عبد کے اور ئِیْل کے معنیٰ: اللہ کے، تو تمام کے معنیٰ ہوں گے: "عبد اللہ"۔

یہ تمام عبرانی زبان کے لفظ ہیں، عزرائیل کا نام نہ قرآن میں ہے، نہ حدیث میں آیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "کتاب العظمۃ للشیخ اصفہانی رحمہ اللہ" کے حوالے سے نقل کیا ہے: عزرائیل فرشتے کا نام ہے۔

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۰﴾:

یہاں سے یہود کی مزید بدعنوانیوں کا ذکر ہے کہ: اُن سے اللہ تعالیٰ نے وعدے لیے اُنہوں نے اُن کو توڑ دیا۔

نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۱﴾:

سوال کتاب اللہ سے کون سی کتاب مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں: ① کتاب اللہ سے مُراد قرآن پاک ہے۔ ② کتاب اللہ سے مُراد تورات ہے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَیْمٰنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۲﴾:

بنی اسرائیل کی ایک اور خرابی یہ تھی کہ: وہ جادو کیا کرتے تھے اور عوام اِس کو کرامت سمجھتی تھی۔

علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" میں کرامت کی چوبیس (۲۴) قسمیں بتائی ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ: وَلِیٌّ یَأْكُلُ طَعَامًا كَثِیْرًا۔ یہ تقریباً ہم سب میں پائی جاتی ہے۔

---

❶ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجہاد، باب الکتاب الی الکفار، ج۲، ص ۳۴۲، طبع میزان، لاہور) ❷ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۹۸) ❸ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۱۰۲) ❹ (سُوْرَۃُ الرَّعْد، ۱۳) ❺ (سُوْرَۃُ الزُّخْرُف، ۷۷)

تَتْلُوْا کے دو (۲) معنی آتے ہیں: باب کی تبدیلی کی وجہ سے معنی تبدیل ہو جاتا ہے۔ اگر مصدر تِلَاوَۃً آجائے تو معنی پڑھنے اور تلاوت کرنے کے ہیں۔ اگر مصدر تِلُوًّا آجائے تو اس کا معنی ہے: پیچھے چلنا۔ اسی طرح ذَکَرَ، یَذْکُرُ، ذِکْرًا ہو تو معنی ہے: زبان سے ذکر کرنا اور اگر مصدر ذُکْرًا ہو تو معنی ہے: دل سے ذکر کرنا۔ اسی طرح ھَجَرَ، یَھْجُرُ، ھَجْرًا مصدر آئے تو معنی ہے: ہجرت کرنا اور اگر مصدر ھُجْرًا آئے تو معنی ہے: لغو باتیں کرنا، بکواس بکنا۔

اِشْکَال: تَتْلُوْا واحد مؤنث کا صیغہ ہے، آگے خلاف قاعدہ اَلِف آیا ہے حالاں کہ واحد کے صیغہ میں اَلِف نہیں آتا؟

جَوَاب: مصحف امام میں یوں لکھا ہے۔ مصحف امام سے مُراد قرآن کا وہ نسخہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھوایا تھا۔ وہ مسقط حکومت نے طبع کرایا ہے، ایک نسخہ میرے پاس بھی موجود ہے۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا ۔۔۔ الآیۃ:

اِس سے مُراد یہ ہے کہ: سلیمان علیہ السلام نے جادو نہیں کیا۔ تعبیر مَا كَفَرَ اِس لیے اختیار فرمائی کہ: جادو کرنا کفر ہے۔ (جس کی تفصیل اور اَقسام "تفسیرِ عزیزی" میں موجود ہیں۔) اور یہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی نسبت کرتے تھے جو کہ درحقیقت کفر ہے۔ اِس لیے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ: سلیمان (علیہ السلام) نے کفر نہیں کیا یعنی جادو نہیں کیا۔

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۔۔۔ الآیۃ:

بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ مثلاً علامہ بیضاوی رحمہ اللہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ: مَآ نافیہ ہے لیکن اُن کی یہ بات صحیح نہیں! کیوں کہ آگے خود آتا ہے: وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ ۔۔۔ الآیۃ● کہ مؤثرِ حقیقی صرف اللہ ہے، باقی سب اَسباب کے درجے میں ہیں۔

واقعہ: بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ نے یہاں پر ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ: ہاروت و ماروت دو (۲) فرشتوں کو حق تعالیٰ نے انسانی طبیعت دے کر زمین پر بھیجا۔ یہ دونوں دُنیا میں آکر ایک زہرہ نامی عورت پر مفتون ہوئے، اُس سے خواہش پوری کرنی چاہی۔ اُس عورت نے کہا کہ: شرک کرو! تو یہ مجھے منظور ہے۔ اُنہوں نے اِس بات کے ماننے سے اِنکار کیا۔ وہ عورت چلی گئی اور پھر واپس آئی کہنے لگی: چلو! اِس بچے کو قتل کر ڈالو تو تمہاری خواہش پوری کر دوں گی۔ اُنہوں نے اِس بات کے ماننے سے بھی اِنکار کیا۔ پھر آئی اور کہنے لگی کہ: چلو! یہ شراب پی لو تو میں یہ کام تمہارے ساتھ کرلوں گی۔ اُنہوں نے اِس شراب پینے کو چھوٹا گناہ سمجھ کر شراب پی لی۔ اِس سے وہ دونوں بے ہوش ہوئے، اِسی بے ہوشی میں اُن سے زنا بھی کروایا اور اُس بچے کو بھی قتل کروایا۔ اِس کے بعد وہ عورت آسمان پر چلی گئی اور زہرہ ستارے کی شکل میں مسخ ہوگئی۔

اِس واقعہ کو اور بھی طریقے سے نقل کیا گیا ہے۔ لیکن بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اِس کے بارے میں لکھا ہے کہ: یہ اسرائیلیات میں سے ہے اور اُن کا مَن گھڑت قصہ ہے۔ "تفسیرِ کبیر" میں اِس واقعہ کی اِمام رازی رحمہ اللہ نے تردید کی ہے کہ: فرشتے معصوم ہوتے ہیں، اُن سے ایسے اَفعال سرزد نہیں ہوتے۔ بہر حال اِس واقعہ کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور فرمایا کہ: اِس کے بارے میں اگرچہ کوئی صحیح متصل مرفوع حدیث نہیں ملی، لیکن اِس واقعہ کی تائید اَقوالِ تابعین رحمہم اللہ سے اور قرآن کے ظاہری الفاظ سے ہوتی ہے۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ)

حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ اور اَکثر ہمارے اَساتذہ جیسے شیخ الحدیث حضرت مولانا رحیم اللہ صاحب رحمہ اللہ اِس واقعہ کی تردید فرماتے ہیں۔

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ شَرَوْا بَاعُوْا کے معنی میں ہے۔ اگر اِشْتَرَوْا کے معنی میں ہو تو اَنْفُسَهُمْ منصوب بنزع الخافض ہے۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝:

"تفسیرِ بیضاوی اور کشاف" میں لکھا ہے کہ: لَوْ اگر شرطیہ ہو تو جزاء محذوف ہوگی۔ اَیْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ لَمَا اشْتَرَوْهُ اور بعض نے کہا ہے کہ: لَوْ تمنی کے لیے ہے، تو اس صورت میں جزاء کی ضرورت نہیں۔

● (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۱۰۲)

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ۔۔۔الآیۃ:

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَوْ شرطیہ ہے جزاء محذوف ہے۔ اَیْ لَاُثِیْبُ اور لَمَثُوْبَةٌ دال بر جزاء ہے۔ علامہ اُندلسی رحمہ اللہ کہتے ہیں: لَمَثُوْبَةٌ جزاء ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا۔۔۔الآیۃ:

ربط: بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا ذکر چلا آرہا ہے۔ آگے بھی اُن کی ایک خاص نافرمانی کا ذکر ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لفظ رَاعِنَا بولتے تھے۔ مطلب یہ لیتے تھے کہ: ہماری رعایت کرو۔ (رِعَایَت، مُرَاعَاةٌ سے ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصد یہ تھا کہ: ہم میں سے بعض شہری، دیہاتی، ذہین، غبی، پڑھے ہوئے، اَن پڑھ بھی ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا طریقہ اختیار فرمائیں کہ: ہم سب کی رعایت ہو۔ یہود اِس کو مروڑ کر رَاعِیْنَا امالہ کرکہ پڑھتے تھے یعنی ہمارے چرواہے۔ جیسا کہ یہود اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کی جگہ اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ کہتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ: ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کیا اور اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ کہا۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا: عَلَیْكَ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ۔ تم پر موت اور لعنت ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: کل تو تم عائشہ (رضی اللہ عنہا) بہت غصے ہوگئی تھی؟ آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سنا نہیں تھا کہ: اُس نے کیا کہا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: میں نے بھی جواب میں کہا: وَعَلَیْكَ کہ تم پر بھی ہو، یعنی موت۔①

لفظ "یارسول اللہ" کہنے کا حکم: یارسول اللہ! کا لفظ مطلقاً جائز بھی نہیں اور مطلقاً حرام بھی نہیں بل کہ اِس میں تفصیل ہے:

اگر کوئی شخص شوقیہ طور پر کہے: یارسول اللہ! اور اُس کا عقیدہ حاضر وناظر کا نہ ہو تو دُرست ہے۔ جیسا کہ "مسلم شریف" میں روایت ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو بچوں اور لونڈیوں نے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)!②

اگر کہنے والے کا عقیدہ حاضر وناظر کا ہو تو پھر کہنا شرک ہے اور حرام ہے۔

اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔۔۔الآیۃ:

مِنْ خَیْرٍ اَیِ الْقُرْاٰنَ، اَلْحَدِیْثَ، اَلنُّصْرَةَ مِنَ اللهِ۔

حسد اور غبطہ میں فرق: "کبیر، روح المعانی، عمدۃ القاری، فتح الباری" میں لکھا ہے کہ: حسد کی مشہور دو (۲) شقیں ہیں:

① ایک یہ کہ: اللہ تعالیٰ نے کسی کو خوبی، مال، حسن وجمال دیا تو دوسرا اپنے قلب میں یہ کہتا ہے کہ: یہ مجھے کیوں نہ ملا؟!! خدا کرے کہ اُس کے پاس بھی یہ نہ رہے خواہ مجھے ملے یا نہ ملے۔ یہ حسد ہے۔

② جب کہ غبطہ یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے کسی کو مال وغیرہ دیا تو دوسرا آدمی یہ کہے کہ: رب تعالیٰ مجھے بھی اِس جیسا دے دیں اور اِس کے پاس بھی باقی رہے۔ یہ جائز ہے اور حسد جائز نہیں۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ۔۔۔الآیۃ:

مَا بمعنی اَلَّذِیْ کے ہے۔

اِشکال: قبلہ کا حکم جب منسوخ ہوا اور تحویل قبلہ کا حکم آیا تو یہود شرارت کے طور پر کہتے کہ: تم کہتے ہو کہ قرآن کتاب اللہ ہے حال آں کہ اِس کتاب کے اَحکام تو رُوزانہ تبدیل کرتے ہو؟ کبھی کہتے ہو کہ: حرام ہے۔ دوسرے دن کہتے ہو کہ: جائز ہے۔ کبھی ایک چیز کو جائز کہتے ہو، دوسرے دن اُس کو حرام قرار دیتے ہو۔ پہلے کافرہ عورت کے ساتھ نکاح جائز تھا، اب کہتے ہو کہ: ناجائز ہے۔ اگر یہ کتاب اللہ ہوتی تو اَحکام تبدیل نہ ہوتے۔ یہود کا یہ عقیدہ تھا کہ: جو حکم منسوخ ہوتا ہے وہ غلط فہمی کی بناء پر ہوتا ہے کہ پہلے ایک حکم دیا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ غلط ہے تو اُس کو تبدیل کیا۔ (نَعُوْذُ بِاللهِ) حق تعالیٰ سے کیسے غلطی ہوجاتی ہے کہ: آج ایک حکم دیا دوسرے دن دوسرا حکم دیا؟!! کلام اللہ میں ایسی غلطی نہیں ہوسکتی؟!! لہٰذا معلوم ہوا کہ: یہ قرآن کتاب اللہ نہیں ہے۔

نیز بعض لوگ کہتے ہیں کہ: اگر نسخ کو مان لیا جائے تو اُس سے حق تعالیٰ کی جہالت لازم آتی ہے؟!!

---

① (مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب السلام، ج ۲، ص ۳۹۸، طبع میزان، لاہور) ② (صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب فی حدیث الھجرۃ، ج ۲، ص ۴۱۹، طبع یادگار شیخ، کراچی)

جواب: اس کے دو (۲) جواب ہیں:

① حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "انتصار الاسلام" میں لکھا ہے کہ: اگر ہم نسخ مان لیں تو اس سے جہالت لازم نہیں آتی۔ مثال کے طور پر ایک بچہ آج پیدا ہوتا ہے، کل مرجاتا ہے، انسان آج تندرست ہوتا ہے، کل بیمار ہوجاتا ہے، آج بادشاہ تو کل گدا، آج امیر تو کل غریب۔ تو جب رب تعالیٰ کو علم تھا کہ: اس بچے کو مارنا ہے تو دیا کیوں؟!!۔۔۔ جب تم تکوینی اُمور میں تغیر کے قائل ہو، تو تشریعی اُمور میں بھی تغیر ہوسکتا ہے، جہالت بھی لازم نہیں آتی۔

② اللہ تعالیٰ حَکِیْم عَلَی الْاِطْلَاق ہے اور حکیم مطلق بیمار کے مزاج کے مطابق نسخ (تبدیلی) دوا میں کرسکتا ہے۔ لہٰذا جس طرح یہاں دوائی کی تبدیلی سے حکیم کی جہالت لازم نہیں آتی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جہالت بھی لازم نہیں آتی کیوں کہ حق تعالیٰ رُوحانی بیماروں کے لیے نسخہ تبدیل کرتا رہتا ہے۔

اَوْ نُنْسِهَا۔۔۔ الآیۃ:

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مَا مِنْ اٰيَةٍ میں مَا شرطیہ ہے، مِنْ اٰيَةٍ، مَا کا بیان ہے۔

سوال نُنْسِهَا کا مجرد مادّہ کیا ہے؟

جواب اس میں دو (۲) گروہ ہیں:

① ایک گروہ کہتا ہے کہ: نُنْسِهَا کا مجرد مادّہ نِسْيَان ہے۔ جس کا معنی ہے: بھلا دینا ہے۔ "فتح الباری اور عمدۃ القاری" میں اس پر خوب بحث ہے۔ حوالے "اظہار الغیب" میں درج ہیں۔ نِسْيَان کا معنی ہے کسی چیز کا عارضی طور پر ذہن سے نکل جانا پھر ذہن میں آجانا۔

② دوسرا گروہ کہتا ہے کہ: اس کا مجرد مادّہ اَلنَّسِيْئَة ہے۔ جس کے معنی ہیں: مؤخر کرنا نُنْسِهَا اَيْ نُؤَخِّرُهَا۔

نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا۔۔۔ الآیۃ:

اس کا مطلب یہ ہے کہ: دوسرے حکم میں بندوں کے لیے آسانی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر پہلے حکم تھا کہ: ایک کے مقابلے میں دس (۱۰) کافر ہوں تو بھاگنا جائز نہیں بل کہ لڑو۔ اس کے بعد حکم آیا کہ: ایک کے مقابلے میں دو (۲) کافر ہوں تو بھاگنا جائز نہیں۔ تو اس حکم میں زیادہ آسانی اور سہولت ہے۔

اَوْ مِثْلِهَا۔۔۔ الآیۃ:

ایک حکم منسوخ ہوا اور دوسرا حکم اُس کی طرح ہو جیسے تحویلِ قبلہ سے پہلے قبلہ بیتُ المقدس تھا پھر منسوخ ہوا اور اُس جیسا حکم آیا کہ اب قبلہ کعبۃ اللہ ہے۔ البتہ کعبۃ اللہ کو قبلہ بنانے میں جو حکمتیں تھیں وہ اپنے مقام پر آئیں گی۔

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ ﴿۱۰۷﴾:

ولی اور نصیر میں فرق: ولی وہ ہے جو زبانی مدد کرے اور نصیر وہ ہے جو عملی طور پر مدد کرے۔ نیز ولی رشتہ دار ہوتا ہے اور نصیر رشتہ دار اور غیر رشتہ دار دونوں ہوسکتا ہے۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۸﴾:

ماقبل میں اہلِ کتاب اور مشرکین دونوں کا ذکر ہوچکا ہے۔ اب اس آیت سے مشرکین اور اہلِ کتاب دونوں مُراد ہوسکتے ہیں:

اگر اس آیت سے اہلِ کتاب مُراد ہوں تو اُن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنا چھٹے پارے میں ذکر ہے: يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ۔۔۔ الآیۃ ❶

اگر اس آیت سے مشرکین مُراد ہوں تو اُن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنا پندرہویں پارے میں ذکر ہے: وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا

❶ (سُورَۃُ النِّسَآء: ۱۵۳)

مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۔۔۔ الآیۃ ❶

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا ۔۔۔ الآیۃ:

علامہ بیضاوی ؒ فرماتے ہیں کہ: عَفْو کہا جاتا ہے: تَرْكُ عُقُوْبَةِ الْمُذْنِبِ یعنی گناہ گار کی سزا کو چھوڑنا اور صَفْح کہا جاتا ہے: تَرْكُ تَثْرِيْبِهٖ۔ اُس پر ملامت کو چھوڑ دینا۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر سے اُن کی نافرمانیوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔

شانِ نزول: جس وقت یہودیوں کا اور نجران کے عیسائیوں کا آپ ﷺ کے سامنے مناظرہ ہوا، اُس وقت یہودیوں نے یہ کہا کہ: یہود کے علاوہ کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا اور نصاریٰ نے کہا کہ: نصاریٰ کے علاوہ کوئی بھی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کا جواب دیا کہ: یہ اُن کی آرزوئیں ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اِس کا واضح ہے کہ ماقبل میں یہود اور نصاریٰ اور اُن کی غلط کاریوں کا ذکر تھا، اب یہاں بھی اُن کی خامیاں بیان فرما رہے ہیں۔ یہود اور نصاریٰ دونوں کا دین اَصل میں حق تھا۔ لیکن دونوں نے ضد کی وجہ سے ایک دوسرے کی مخالفت کرنی شروع کر دی اور ضد میں آ کر دونوں اہلِ کتاب نے اپنی نازل شدہ کتاب کی مخالفت اور اِنکار کیا۔ حق تعالیٰ نے اُن کے درمیان فیصلہ فرما دیا اور فیصلہ دلیل سے ہوتا ہے۔ وہ تو دُنیا میں ہوا اور ایک فیصلہ عمل سے ہوتا ہے وہ آخرت میں ہوگا۔ یہود اور نصاریٰ ضد میں آ کر اَصل راستہ سے ہٹ گئے اور کافر ہوئے۔ جب کہ مشرکین نے اُن دونوں کے دینوں کا اِنکار کیا اور کہا کہ: ہم ملّتِ اِبراہیمی پر ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ تینوں غلطی پر ہیں۔

عَلٰى شَيْءٍ ۔۔۔ الآیۃ:

شَيْءٍ اَيْ عَلٰى شَيْءٍ يُعْتَدُّ بِهٖ۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کے دو (۲) شانِ نزول بیان کیے ہیں:

① مسجدِ اَقصیٰ میں طیطس رُومی کی فوجیں داخل ہوئیں، وہاں کے نمازیوں کو شہید کر دیا۔ اگر یہ آیت مسجدِ اَقصیٰ کے متعلق ہو پھر تو ربط ظاہر ہے کیوں کہ اُوپر یہود کا ذکر ہے۔

② دوسرا شانِ نزول یہ ہے کہ: آپ ﷺ ۶ ھ کو پندرہ سو (۱۵۰۰) صحابہ کرام ؓ کو لے کر عمرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے رُکاوٹ ڈالی اور مکہ میں داخل ہونے نہ دیا۔ اگر شانِ نزول یہ ہے تو آگے وَقَالَ الَّذِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ ❷ سے مشرکین کا ذکر ہے۔

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝:

لَهُمْ سے مُراد اگر مشرکین ہوں تو بھی صحیح ہے کیوں کہ ابوجہل وغیرہ بدر میں ہلاک ہوئے اور بھی کافی ذلتیں اُٹھائیں اور اگر اِس کا مرجع یہود و نصاریٰ ہوں تو مُراد اِس سے قتل اور جزیہ ہے۔ قرآن میں آتا ہے کہ: حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ ❸ رُسوا ہو کر جزیہ دیں گے اور آخرت میں تو اُن کے لیے عذاب ہوگا ہی ہوگا۔

❶ (سُوْرَۃُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْل ۹۰ تا ۹۳) ❷ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ ۱۱۸) ❸ (سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ ۲۹)

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۵﴾:

ربط: اُوپر نسخ کا ذکر تھا اُن میں پہلا نسخ قبلہ کا مسئلہ تھا اِس پر لوگوں نے بہت اِعتراض کیے کہ ہم کس طرف منہ کریں؟ اُس کا جواب دیا:
وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۔۔۔ الآیۃ۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① علامہ ابوالبرکات نسفی رحمہ اللہ "تفسیر مدارک" میں لکھتے ہیں: فِیْ اَیِّ مَکَانٍ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ اِلَی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔
جس طرف سے تم اپنے چہروں کو پھیر دو مسجدِ حرام کی طرف یہ اللہ تعالیٰ کا قبلہ ہے۔

② "تفسیر کبیر، بحر المحیط" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: یہ مسئلہ نفل نماز کے متعلق ہے کہ: جنگل میں سواری کا جس طرف منہ ہو اُس طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۶﴾:

سوال یہ کون لوگ ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں: ① قِيْلَ یہود ونصاریٰ۔ ② قِيْلَ مشرکین۔

اگر یہود ونصاریٰ ہوں تو وہ کہتے تھے: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ❶ اگر مشرکین ہوں تو وہ کہتے تھے: وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ ۔۔۔ الآیۃ ❷ یہود کے متعلق یہ ہے کہ: وہ حد سے تجاوز کرتے ہوئے کہتے تھے کہ: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۔۔۔ الآیۃ ❸

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝:

قٰنِتُوْنَ اَیْ مُطِيْعُوْنَ۔

وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴿۱۱۷﴾:

فَيَكُوْنُ کی دو (۲) قراٴتیں ہیں:

① فَيَكُوْنَ منصوب ہو۔ تو یہ جوابِ اَمر ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ ② فَيَكُوْنُ مرفوع ہو۔ مرفوع ہونے پر اِشکال ہوتا ہے۔

اِشکال: كُنْ اَمر ہے اور فَيَكُوْنُ جوابِ اَمر ہے اور جوابِ اَمر مجزوم ہونا چاہیے حال آں کہ یہاں مضموم ہے؟

جواب: "تفسیر بیضاوی" میں لکھا ہے کہ: مبتدا محذوف ہے۔ اَصل عبارت یوں ہے: كُنْ فَهُوَ يَكُوْنُ تو يَكُوْنُ خبر ہے۔

وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝ ﴿۱۱۹﴾:

جہنمیوں کے بارے میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال نہ ہوگا کیوں کہ اُن کے بارے میں سوال دو (۲) وجہ سے ہوسکتا ہے:

① آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بس میں ہو اِیمان دینا پھر تو سوال ہوگا کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بس میں تھا پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن لوگوں کو کیوں اِیمان سے نہیں نوازا؟

② مَعَاذَ اللّٰه آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ میں کوتاہی کی ہو تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہو کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تبلیغ میں کوتاہی کیوں کی؟

اِن دونوں سوالوں میں پہلا سوال تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس لیے نہیں بنتا کیوں کہ کسی کو اِیمان دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِختیار میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ۔۔۔ الآیۃ ❹ دوسرا سوال اِس لیے نہیں بنتا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

---

❶ (سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ، ۳۰) ❷ (سُوْرَۃُ النَّحْل، ۵۷) ❸ (سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ، ۱۸) ❹ (سُوْرَۃُ الْقَصَص، ۵۶)

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ۔۔۔ الآیۃ:

ہمارے مرشد مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ اس موقع پر فرمایا کرتے تھے: "گفت آیت در حدیثِ دیگراں" سنانا کسی کو ہوتا ہے سمجھانا کسی کو ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اُمت کو سمجھایا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ۔۔۔ الآیۃ:

یہود میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور حضرت اُسد رضی اللہ عنہ و اُسید رضی اللہ عنہ مُراد ہیں اور نصاریٰ میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، تمیم داری رضی اللہ عنہ، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ مُراد ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: "بیان القرآن" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے بھی بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا ذکر تھا اور اب بھی اُن کی نافرمانیوں کا ذکر ہے تا کہ ذہن نشین ہو جائے۔ مثلاً: ایک مقرر ایک مضمون کا عنوان قائم کرتا ہے۔ مثلاً اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ نماز قائم کرو! اِس کے متعلق بیان کرتا رہتا ہے پھر آخر میں اِس مضمون کو دوبارہ دہراتا ہے کہ: اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ! تا کہ ذہن نشین ہو جائے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: "تفسیر کبیر اور ابو سعود" میں یہ ربط لکھا ہے کہ: یہود نے قبلہ کے نسخ کے بارے میں اعتراض کیا۔ اِس سلسلہ میں مسجد حرام سے رُوکنے کا ذکر بھی آیا تھا تو آگے اُس کے بانی کا ذکر ہے۔ مشرکین کہتے تھے کہ: ہم ابراہیمی ہیں۔ تو آگے رب تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے کارنامے ذکر فرمائے ہیں کہ تمہارا ابراہیم علیہ السلام سے کیا تعلق اور واسطہ ہے؟

اِبْتَلٰى۔۔۔ الآیۃ:

"رُوح المعانی اور البحر المحیط" میں لکھا ہے کہ: اِمتحان کی نسبت جب اِنسانوں کی طرف ہو تو اُس کا معنی ہوتا ہے: مَسْئُوْل عَنْهُ کی اِستعداد معلوم کرنا اور جب اِمتحان کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہو تو معنی ہوتا ہے: حاضرینِ مجلس پر مَسْئُوْل عَنْهُ کی فضیلت بیان کرنا۔

بِكَلِمٰتٍ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی مختلف تفاسیر ہیں:

① خصالِ فطرت مُراد ہیں۔ مثلاً: ناخن کاٹنا، زیر ناف بالوں کو کاٹنا، ختنہ کرنا وغیرہ۔

② ابراہیم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا، شام کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں تکالیف برداشت کیں، بیوی بچوں کو بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ۔۔۔ الآیۃ [1] میں چھوڑا۔

③ اِسی طرح اسماعیل علیہ السلام کی عمر بارہ، تیرہ (۱۲، ۱۳) سال کی تھی تو اُن کے ذبح کرنے کا حکم دے دیا۔

④ اِسی طرح باطل کے مقابلے میں حق کا دامن کبھی نہ چھوڑا۔ نمرود سے مقابلہ، باپ ازر سے مقابلہ۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا۔۔۔ الآیۃ:

مَثَابَةً کا معنی ہے: لوٹنے کی جگہ۔ لفظ اَمْنًا سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ اَىْ مَوْضِعَ اَمْنٍ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا۔۔۔ الآیۃ:

رَبَّنَا اَىْ يَا رَبَّنَا۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔۔۔ الآیۃ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار (۴) کام ہیں:

① يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ۔ ② يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔ ③ وَالْحِكْمَةَ۔ ④ وَيُزَكِّيْهِمْ۔

[1] (سُوْرَۃُ اِبْرٰهِيْم، ۳۷)

سوال حکمت سے مُراد کیا ہے؟

جواب "تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری" میں لکھا ہے: اَلْحِكْمَةُ اَلسُّنَّةُ اور ابن القیم رحمہ اللہ نے "کتاب الروح" میں لکھا ہے کہ: اَلْحِكْمَةُ اَلسُّنَّةُ بِاِتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ۔

حدیث وسنّت میں فرق:

① بعض نے کہا ہے کہ: یہ دونوں الفاظ مترادفہ ہیں۔ ② حدیث کا تعلق قول سے ہے اور سنّت کا تعلق فعل وعمل سے ہے۔

وَيُزَكِّيهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں تزکیہ کی اِسناد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مجازاً ہے، حقیقی تزکیہ کرنے والے رب تعالیٰ ہیں۔ جیسا کہ اِرشاد ہے: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّي مَنْ يَّشَاۗءُ ۔۔۔ الآیۃ ①

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۳۰﴾:

پہلے ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ تھا آگے فرمایا کہ: جو اُن کے طریقے سے پھرے گا وہ بے وقوف ہوگا۔ لفظِ يَرْغَبُ کا صلہ جب عَنْ آئے تو اِس کا معنیٰ ہوگا: اِعراض کرنا۔ جیسا کہ اِس آیت میں ہے۔

سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقل پیغمبر ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۔۔۔ الآیۃ ② میں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنے کا کیوں حکم دیا؟ اِس سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقل پیغمبر نہیں ہیں؟

جواب "روح المعانی، بیان القرآن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم علیہ السلام یا دوسروں پیغمبروں کی پیروی کا حکم نہیں دیا بل کہ ملّت کی پیروی کا حکم دیا اور ملّت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک ہے۔

سوال ملّتِ ابراہیم (علیہ السلام) کیوں کہا؟ ملّتِ عیسیٰ (علیہ السلام) یا ملّتِ موسیٰ (علیہ السلام) کیوں نہیں کہا؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب دیے ہیں:

① حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیات متنازع فیہ ہیں۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اور مُسَلَّم شخصیت ہیں۔ یہود، نصاریٰ اور مشرکین سب ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں۔

② حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے بہت سے فُروعی مسائل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے مشترک ہیں۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۳۲﴾:

بَنِيْهِ اَصل میں بَنُوْنَ تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے:

دو (۲) کا ذکر قرآن میں ہے ① اسماعیل علیہ السلام۔ ② اسحاق علیہ السلام اور تورات وغیرہ میں باقی تین (۳) بیٹوں کے نام: ③ مدین۔ ④ مدائن۔ ⑤ قیدار ہیں۔

سوال بِهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب بِهَا کی "هَا" ضمیر مِلَّة کی طرف راجع ہے۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۳۳﴾:

یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتیں اچھی تو ہیں لیکن ہم مجبور ہیں کیوں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے مَرتے وقت نصیحت کی تھی کہ: میرا دین نہ چھوڑنا۔ اُن کی اِس بات کا جواب اللہ تعالیٰ نے اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ ۔۔۔ الآیۃ ③ سے دیا کہ: کیا اُس وقت تم حاضر تھے؟

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ ۔۔۔ الآیۃ:

قاعدہ: مَجْرُوْر بِالْاِضَافَة یا مَجْرُوْر بِحَرْفِ الْجَر پر اگر عطف کیا جائے تو اِعادہ حرفِ جار ضروری ہے۔ بغیر اِعادہ حرفِ جار عطف جائز نہیں۔ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ پر عطف دُرست نہیں کیوں کہ عطف سے مغائرت ہوتی ہے۔ اِس لیے آگے فرمایا: اِلٰهًا وَّاحِدًا تا کہ مغائرت نہ آئے۔

---

① (سُوْرَۃُ النُّوْر، ۲۱) ② (سُوْرَۃُ النَّحْل، ۱۲۳) ③ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۱۳۳)

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ۔۔۔ الآیۃ:

سوال ضمیر تِلْكَ مؤنث ہے ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ وہ دونوں حضرات تو مذکر ہیں۔ اُن کی طرف مؤنث کی ضمیر کیوں لوٹائی؟

جواب تِلْكَ کے بعد خبر اُمَّةٌ مؤنث ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ: مبتدا اور خبر کے درمیان ضمیر دائر ہو یعنی مرجع اور خبر کے درمیان دائر ہو تو مرجع کی بہ نسبت خبر کی رعایت کرنا اَولیٰ ہے۔ تو یہاں بھی خبر کی رعایت کی گئی ہے اور ضمیر تِلْكَ مؤنث لائی گئی۔

قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرٰهِمَ۔۔۔ الآیۃ:

سوال مِلَّةَ پر نصب میں کس وجہ سے ہے؟

جواب اِس میں تین (٣) اَقوال ہیں:

① "تفسیر بیضاوی، کشاف اور البحر المحیط" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: قرآن میں آتا ہے: أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا۔۔۔ الآیۃ ❶ اُس کے جواب میں کہا: بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ۔ تو نَتَّبِعُ کی وجہ سے منصوب ہے۔

② اِس کا نصب تَكُونُ کی وجہ سے ہے۔ اُنہوں نے کہا: كُونُوا اُن کے جواب میں آیا تو تَكُونُ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ۔

③ اِس کا نصب اَلْزِمْ کی وجہ سے ہے۔ أَيْ اَلْزِمْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ۔

وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسٰى۔۔۔ الآیۃ:

أَسْبَاط، سِبْطٌ کی جمع ہے۔ قاموس میں لکھا ہے کہ: اِس کا معنیٰ ہے: وَلَدٌ بَعْدَ وَلَدٍ۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ۔۔۔ الآیۃ:

سوال اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ: ہم نے اُن کے درمیان فرق نہیں کیا اور آگے تیسرے پارے میں ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔۔۔ الآیۃ ❷ اِسی طرح پندرہویں پارے میں ہے: وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلٰى بَعْضٍ۔۔۔ الآیۃ ❸ اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرق ہے؟

جواب "بیضاوی، مدارک اور ابوسعود" میں لکھا ہے کہ: عدمِ تفریق باعتبارِ ایمان کے مُراد ہے یعنی تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ اِس کے دو (٢) قرینے ہیں:

① قُولُوا آمَنَّا۔۔۔ الآیۃ ❹ اِس ایمان کے سلسلے میں تفریق نہیں کرتے۔

② چھٹے پارے میں ہے: يَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ۔۔۔ الآیۃ ❺ نصاریٰ نے تفریق کر دی۔ باقی اُن کے درجات اپنے مقام پر ہیں۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا۔۔۔ الآیۃ:

اِشکال: یہاں لفظِ مِثْل ذکر کیا کہ اگر مَا آمَنْتُمْ بِهٖ کے مثل پر ایمان لائے تو تم نے ایمان لایا اللہ کی ذات اور اُس کی صفات پر اور وہ اُن کے مثل ہو۔ تم یعنی مسلمانوں نے اللہ اور اُس کی کتابوں، جنّت اور دوزخ، اور فرشتوں پر ایمان لایا ہے اور وہ یعنی یہود اُن کے مثل پر ایمان لائے یہ تو کفر ہے؟

جوابِ: اِس کے دو (٢) جواب ہیں:

① صاحبِ جلالین رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: مِثْل کالفظ زائد ہے۔ جیسا کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ میں لفظِ مِثْل زائد ہے۔ "روح المعانی، کبیر" وغیرہ میں ہے کہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءۃ میں لفظِ مِثْل ہے ہی نہیں۔ فَإِنْ آمَنُوا بِمَا آمَنْتُمْ بِهٖ۔

② "جُمل اور کمالین" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: بَاء کالفظ زائد ہے، تو قیف کے لیے ہے اور مَا مصدریہ ہے۔ معنیٰ یہ ہے: فَإِنْ آمَنُوا مِثْلَ إِيمَانِكُمْ۔

وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ۔۔۔ الآیۃ:

تَوَلَّوْا کبھی ماضی کے لیے اور کبھی مضارع کے لیے آتا ہے، اِن دونوں کا فرق سیاق وسباق سے ہوگا۔ جہاں یہ مضارع کے لیے ہوگا وہاں اِس کے آگے پیچھے مخاطب کے صیغے ہوں گے۔ جیسے: وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنِّيْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ○ ❻ اِس آیت میں لفظِ تَوَلَّوْا مضارع ہے

❶(سُورَةُ النَّحْل، ١٢٣) ❷(سُورَةُ البَقَرَة، ٢٥٣) ❸(سُورَةُ بَنِي إِسْرَائِيل، ٥٥) ❹(سُورَةُ البَقَرَة، ١٣٦) ❺(سُورَةُ النِّسَاء، ١٥٠) ❻(سُورَةُ هُود، ٣)

کیوں کہ آگے پیچھے مخاطب کے صیغے ہیں۔ اصل میں تَتَوَلَّوْا تھا اور جہاں ماضی کے لیے ہوگا۔ وہاں اُس کے آگے پیچھے غائب کے صیغے ہوں گے۔
جیسا کہ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا۔۔۔ الآیۃ [1]

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۳۸﴾:

"بیضاوی اور رُوح المعانی" میں لکھا ہے کہ: یہ ایک قسم کا پانی تھا جس سے وہ اپنے آپ کو رنگ دیتے تھے، جس کا نام معمودیہ تھا۔

سوال صِبْغَةَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب "کشاف، بیضاوی" میں صِبْغَةَ کی نصب کی تین (۳) ترکیبیں ہیں:

① اِلْزَمُوْا صِبْغَةَ اللّٰهِ یعنی نَصب عَلَی الْاَغْرَاء۔ ② اِصْبَغُوْا صِبْغَةَ اللّٰهِ۔ ③ مِلَّةَ کے لفظ سے بدل ہے۔

سوال اَحْسَنُ اسمِ تفضیل نفسِ فعل کے معنی میں ہے اگر اس کو حقیقی معنی پر کر دیں تو اس کا معنی ہوگا کہ: اِس سے اچھا تو نہیں لیکن اِس کے برابر تو ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① علّامہ قرطبی نے لکھا ہے اور تفسیر مدارک میں بھی ہے کہ: یہ تاکید کے لیے ہے۔

② لوگ کہتے تھے کہ: ہم صاحبِ حق اور صاحبزادے ہیں۔ فرمایا کہ: نہیں! جب تک اللہ کے رنگ میں اپنے آپ کو نہ رنگاؤ، کوئی فائدہ نہیں۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴۲﴾:

ربط: جب قبلہ کی نسخ کا حکم آیا کہ: مسجدِ اقصٰی کی بجائے بیت اللہ کعبۃ اللہ قبلہ مقرر ہوا تو یہود نے بہت اِعتراضات کیے۔ اُبھی تحویل نہیں ہوئی تھی کہ رب تعالیٰ نے پہلے خبر دی کہ: یہ لوگ بہت کچھ کہیں گے۔

"تفسیر ابن کثیر، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں مشغول تھے، مسجدِ قبلتین میں مقام قبیلۂ بنو سلمٰی تھا، دو (۲) رکعتیں پڑھ چکے تھے کہ وحی نازل ہوئی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا چہرہ کعبۃ اللہ کی طرف پھیر دیں۔

سوال سَيَقُوْلُ میں "سین" کس لیے ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① علّامہ زمخشری کہتے ہیں کہ: "سین" تاکید کے لیے ہے۔ معنی ہے: بالتاکید کہیں گے۔۔۔ الخ۔

② بعض کہتے ہیں کہ: "سین" اِستقبالِ قریب کے لیے ہے۔ معنی ہے: عنقریب کہیں گے۔۔۔ الخ۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴۳﴾:

سوال كَذٰلِكَ کا کیا مطلب ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① علّامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَیْ كَمَا هَدَيْنَا كُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔

② بعض فرماتے ہیں: كَذٰلِكَ اَیْ كَمَا جَعَلْنَا قِبْلَتَكُمُ الْكَعْبَةَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ جیسے ہم نے تمہارا قبلہ کعبہ بہترین بنایا اِسی طرح ہم نے تمہیں اِعتدال والی اُمّت بنایا۔

لفظِ وَسَط اور لفظِ وَسْط میں فرق: لفظِ وَسَط "سین" کے فتح اور جزم دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اگر "سین" کے فتحہ کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا: بالکل درمیان میں اور اگر "سین" کے جزم کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا: مطلقاً درمیان میں۔

لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۔۔۔ الآیۃ:

"بخاری شریف" میں اِس آیت کے ذیل میں منقول ہے کہ: قیامت کا دن ہوگا، اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کو بلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: هَلْ بَلَّغْتَ رِسَالَتَكَ۔

---

[1] (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ۱۳۷)

وہ عرض کریں گے: جی ہاں! اُس کے بعد اُن کی قوم ہوگی وہ اِنکار کرے گی کہ: مَا بَلَّغَنَا یعنی ہمیں نہیں پہنچایا۔ قوم کی حیثیت مُدَّعٰی عَلَیْہ کی ہوگی اور نوح علیہ السلام کی حیثیت مُدَّعِی کی ہوگی۔ اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِی کے تحت حضرت نوح علیہ السلام آپ ﷺ کی اُمت بطورِ گواہ پیش کریں گے۔ پھر اُمتِ محمدیہ ﷺ سے پوچھا جائے گا کہ: کیا نوح علیہ السلام نے رسالت پہنچائی ہے؟ وہ کہیں گے: نَعَمْ۔ قومِ نوح علیہ السلام اعتراض کرے گی کہ: یہ لوگ اُس وقت موجود نہ تھے؟ اُمتِ محمدیہ ﷺ کے لوگ جواب دیں گے کہ: ہم نے ربِ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن پاک میں پڑھا ہے۔ ❶

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ ۔۔۔الآیۃ:

معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ: حق تعالیٰ ظُہورِ واقعہ کے بعد سب کچھ جانتے ہیں۔ جب کہ اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ: وقوع سے پہلے بھی سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ وہ لوگ اِس آیت سے بھی اِستدلال کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہاں علم سے مُرادِ علمِ مشاہدہ اور علمِ ظُہور مُراد ہے۔ حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ظُہور ہمارے ہاں ہے چوں کہ ظُہور سے پہلے ہمارے علم میں نہیں تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ ہمارے جاننے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ: یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے تھا۔

معتزلہ کون ہیں؟: معتزلہ کون ہیں؟ اور کب یہ فرقہ پیدا ہوا؟ تو فرماتے ہیں کہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ بہت وسیع تھا، واصل ابن عطاء نامی ایک آدمی بھی اُس میں موجود تھا۔ کسی نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ: اگر کسی نے گناہ کیا تو وہ کافر ہے یا مؤمن؟ واصل ابن عطاء نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے بولا کہ: وہ نہ مؤمن ہے نہ کافر۔ اُس کو کافی سمجھایا، لیکن وہ نہ مانا، اِنکار کر دیا، اِسی طرح شفاعت، ترازو اور قبر میں جسم سے رُوح کے تعلق کا اِنکار کیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اِعْتَزِلْ مِنَّا۔ ہم سے الگ ہو جا۔ اِس کے ساتھ اور بھی کچھ لوگ مل گئے۔ اِس طرح اِس فرقے کا نام معتزلہ پڑ گیا۔

وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً ۔۔۔الآیۃ:

یہ اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ اِس کی علامت یہ ہے کہ: اِس کی خبر پر لَام آتا ہے۔

سوال كَانَتْ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

جواب دَر اصل بابِ تَفْعِيْل کے دو (۲) مصدر آتے ہیں: وَلّٰی یُوَلِّیْ، تَوَلِّیْ اور تَوْلِیَۃً۔ جلالین تک آپ کو ملے گا کہ: یہاں كَانَتْ کی ضمیر تَوْلِيَةً کی طرف راجع ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۔۔۔الآیۃ:

اِيْمَانَكُمْ اَيْ صَلٰوتَكُمْ۔

شانِ نزول: تحویلِ قبلہ کے بعد مسلمانوں کو اِشکال ہوا کہ: ہم نے پہلے جو مسجدِ اَقصیٰ کی طرف نمازیں پڑھی ہیں اور جو لوگ اب وفات پا چکے ہیں اور اُنہوں نے مسجدِ اَقصیٰ کی طرف نمازیں پڑھیں تھیں۔ کیا اُن کو نمازوں کا ثواب ملے گا؟ اِس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ: اللہ تعالیٰ تمہاری اُن نمازوں کو ضائع نہیں کرے گا۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۔۔۔الآیۃ:

قَدْ جس وقت ماضی پر داخل ہو تو تحقیق کے لیے اور جب مضارع پر داخل ہو تو تقلیل کے لیے آتا ہے۔ لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔

"متن متین اور مغنی اللبیب" میں لکھا ہے: قَدْ مضارع پر داخل ہو کر بھی تحقیق کے لیے آتا ہے۔ جیسے قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ ۔۔۔الآیۃ ❷

سوال فِى السَّمَآءِ میں فِيْ کس معنی میں ہے؟

جواب اِس میں نحاۃ کوفیین اور بصریین کا اِختلاف ہے:

① نحاۃ کوفیین کہتے ہیں کہ: حروفِ جارہ مطلقاً ایک دوسرے کی جگہ پر آتے ہیں بغیر کسی شرط کے اور یہاں بھی فِى السَّمَآءِ بمعنی اِلَى السَّمَآءِ کے ہے۔

② جب کہ بصریین کہتے ہیں: فِيْ اَصل معنی میں ہے اور لفظِ جِهَتْ یہاں پر محذوف ہے۔ عبارت یوں ہے: فِى السَّمَآءِ اَيْ فِيْ جِهَةِ السَّمَآءِ۔

❶ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ کذالک جعلنا کم امۃ وسطا، ج ۲، ص ۶۴۴-۶۴۵، طبع یادگار شیخ، کراچی) ❷ (سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب ۱۸)

أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔۔۔الآیۃ:

سوال أَنَّهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب أَنَّهُ کی "ہٗ" ضمیر تولّی کی طرف راجع ہے۔

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔۔۔الآیۃ:

سوال يَعْرِفُوْنَهٗ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① ایک قول یہ ہے کہ: يَعْرِفُوْنَهٗ کی "ہٗ" ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے یعنی وہ کتاب کو جانتے ہیں۔ جب کتاب کو جانتے ہیں تو لازمی بات ہے کہ صاحبِ کتاب کو بھی جانتے ہوں گے۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ: يَعْرِفُوْنَهٗ کی "ہٗ" ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے۔ قرینہ اِس کا یہ ہے کہ: پہلے خطاب کے صیغے تھے اب غائب کے صیغے ہیں۔ معانی وغیرہ میں اِس کو التفات کہتے ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اِمام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اِس موقع پر کہا تھا کہ: ہم اپنے بیٹوں کے بارے میں تو شک کر سکتے ہیں کہ حقیقی بیٹے نہ ہوں لیکن آپ ﷺ کے بارے میں شک نہیں ہو سکتا۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا۔۔۔الآیۃ:

ربط: اُوپر بھی قبلے کا ذکر تھا اب بھی قبلے کا ذکر ہے۔

سوال لِكُلٍّ میں تنوین کس لیے ہے؟

جواب لِكُلٍّ میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ أَیْ وَلِكُلٍّ مِّنَ الْاُمَمِ۔

لفظ مُوَلِّيْهَا متعدی بہ دو مفعول ہے۔ أَیْ مُوَلِّيْهَا وَجْهَهٗ۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔۔۔الآیۃ:

اُوپر ذکر تھا کہ: آپ (ﷺ) اپنے چہرے کو کعبے کی طرف پھیر دیں تو سوال ہو سکتا تھا کہ: کیا سفر و حضر دونوں میں یہی حکم ہے یا صرف حضر میں ہے؟ تو وضاحت کر دی کہ: سفر میں بھی یہی حکم ہے۔

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ۔۔۔الآیۃ:

سوال اَلنَّاس سے کون مُراد ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① یہود و نصاریٰ مُراد ہیں۔ یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ: ہمارا قبلہ تو مانا ہے۔ مذہب کیوں نہیں مانا؟ نیز یہ کہ پہلی کتابوں میں آپ ﷺ کی صفت نَبِيُّ الْقِبْلَتَيْن بیان کی گئی ہے۔ اگر تحویلِ قبلہ نہ ہوتا تو یہ یہود وغیرہ کہتے کہ: دیکھو! یہ محمد (ﷺ) آخری نبی (ﷺ) نہیں کیوں کہ اِس کی صفت تو نَبِيُّ الْقِبْلَتَيْن ہے اور اِس کا قبلہ تو ایک ہے۔

② اَلنَّاس سے مشرکینِ مکہ مُراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ: مشرکین کہا کرتے تھے کہ: یہ اپنے آپ کو ابراہیمی کہتا ہے حال آں کہ ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تو کعبہ تھا اور اِس کا بیت المقدس ہے تو یہ کیسے کہتا ہے کہ: میں ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہوں؟

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ۔۔۔الآیۃ:

سوال كَمَا کس کے ساتھ مُتَعَلِّق ہے؟

جواب "ابو سعود" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: لِاُتِمَّ کے ساتھ مُتَعَلِّق ہے۔ جیسے ہم نے نعمت مکمل کی کہ تم میں رسول بھیجا اِسی طرح یہ قبلہ ہم نے تمہیں اَعلیٰ دیا تا کہ ہماری نعمت تم پر پوری ہو جائے۔

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝:

اہلِ بدعت کا غلط استدلال: اہلِ بدعت نے اِس آیت سے استدلال کیا ہے کہ: آنحضرت ﷺ سب کچھ جانتے تھے۔ اِس لیے کہ یہاں "مَا" تعمیم کے لیے ہے۔

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① اگر یہاں مَا سے عموم مُراد لیتے ہو تو سُوْرَةُ الْاَنْعَام میں وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ۔۔۔الآیۃ ❶ اہلِ کتاب کے بارے میں ہے۔ تو اِس تعلیل کے مطابق ماننا پڑے گا کہ: تمام یہودی علمِ غیب جانتے ہیں۔

② اُصول سرخسی رحمہ اللہ میں ہے کہ: اَلْمَوْصُوْلَاتُ لَمْ تُوْضَعْ لِلْعُمُوْمِ بَلْ هِيَ لِلْجِنْسِ يَحْتَمِلُ الْعُمُوْمَ وَالْخُصُوْصَ۔ موصولات وضع کے لحاظ سے عموم کے لیے نہیں ہیں، قرینے کے وقت عموم کے لیے آتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۵۳﴾:

ربط: "تفسیر بیان القرآن، سبق الغایات فی نسق الآیات، حقانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: قبلے کا مسئلہ یہود اور مشرکین نے بہت اُچھالا، ابتداء میں مسلمانوں کو اِس سے تکلیف ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: صبر کرو۔ صبر اور نماز کے ذریعے اِسْتِعَانَةْ طلب کرو۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ ﴿۱۵۴﴾:

بَلْ اَحْيَآءٌ میں بَلْ حرفِ اضراب ہے۔ اَمْوَاتٌ اور اَحْيَآءٌ یہ خبریں ہیں، مبتدا محذوف کے لیے اَیْ هُمْ اَمْوَاتٌ بَلْ هُمْ اَحْيَآءٌ۔

اہلِ حق کا عقیدہ یہ ہے کہ: قبر میں اِعَادَةُ الرُّوْحِ اِلَى الْجِسْمِ ہوتا ہے۔ قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رحمہ اللہ: وَاِعَادَةُ الرُّوْحِ اِلَى الْعَبْدِ فِيْ قَبْرِهٖ حَقٌّ لیکن وہ حیات ہمیں محسوس نہیں ہوتی۔ اِس لیے فرمایا: وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ ❷ یعنی حیات تو اِس میں ہے، لیکن تم کو شعور نہیں۔ "شرح مواقف" میں لکھا ہے کہ: اِس میں حیات اِس طرح ہوتی ہے كَمَرِيْضِ السَّكْتَةِ۔

بعض لوگ اِس کی غلط تاویلیں کرتے ہیں کہ: اِس حیات سے مُراد رُوح کی حیات ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ: جسدِ مثالی کی حیات مُراد ہے۔

لیکن دونوں تاویل مَردود ہیں کیوں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ۔۔۔الآیۃ ❸ قتل رُوح کو نہیں کیا جاتا اور نہ ہی جسدِ مثالی کو قتل کیا جاتا ہے بل کہ جسدِ عنصری کو قتل کیا جاتا ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ ﴿۱۵۶﴾:

جب کوئی آدمی مَرتا ہے تو گھر والوں کے ذہن میں دو (۲) باتیں آتی ہیں:

① ایک یہ کہ: کیوں مَرا؟ ② دوسرا یہ کہ: ہم سے جُدا ہو گیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اِنَّا لِلّٰهِ پس! اللہ کا وہ بھی تھا اور ہم بھی ہیں تو اُس کا تھا اُسی نے لے لیا۔ آگے فرمایا: وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ تمہیں بھی اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، ملاقات وہاں ہوگی۔

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۵۷﴾:

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: صَلَوٰتٌ سے خصوصی رحمتیں اور رَحْمَةٌ سے عمومی رحمتیں مُراد ہیں کیوں کہ اَلتَّاْسِيْسُ اَوْلٰى مِنَ التَّاْكِيْدِ۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۵۸﴾:

ربط: ربط کے متعلق دو (۲) باتیں ہیں:

❶ (سُوْرَةُ الْاَنْعَام، ۹۱) ❷❸ (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ۱۵۴)

① "تفسیر کبیر" میں امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: پہلے کعبہ کا ذکر تھا اب اُس کے مناسک کا ذکر ہے۔ یعنی وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا۔۔۔الآیۃ ❶ کے ساتھ اس کا تعلق جوڑتے ہیں کہ یہ مناسکِ حج میں سے ہیں۔

② جب کہ "سبق الغایات فی نسق الآیات" میں یہ ربط لکھا ہے کہ: قبلہ کے ساتھ صفاو مروہ کا تعلق ہے۔

شَعَآئِر، شَعِيْرَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: علامت۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرمایا ہے کہ: بڑے شعائر اللہ چار (۴) ہیں:

① نبی۔ ② قرآن۔ ③ کعبہ۔ ④ نماز۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۵۹﴾:

ربط: اِس کا تعلق ماقبل میں وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ۔۔۔الآیۃ ❷ کے ساتھ ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔۔۔الآیۃ ﴿۱۶۲﴾:

سوال فِيْهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب فِيْهَا کی "هَا" ضمیر لَعْنَة کی طرف راجع ہے۔ اور یہاں مضاف محذوف ہے: اَيْ فِيْ مَحَلِّ اللَّعْنَةِ وَهِيَ جَهَنَّمُ۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۶۳﴾:

ربط: ہمارے مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ یہ ربط بیان فرماتے تھے: اُوپر کتمانِ حق کا ذکر تھا۔ فرماتے ہیں: حق کو چھپانے کی کئی شقیں ہیں سب سے بڑی شق توحید کو چھپانا ہے۔ اب یہاں سے اللہ تعالیٰ توحید کا مسئلہ بیان فرما رہے ہیں۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۶۴﴾:

ربط: اُوپر توحید کا مسئلہ تھا۔ یہاں سے توحید کے دلائل بیان کیے۔

سوال "تفسیر خازن، روح المعانی، کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: قرآن میں سَمٰوٰت جمع لائے ہیں اور اَرْض کہیں بھی جمع ذکر نہیں۔ البتہ سُوْرَةُ الطَّلَاق کے آخر میں ہے وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ۔۔۔الآیۃ ❸ اِس سے زمینوں کا بھی سات (۷) ہونا معلوم ہوتا ہے تو سَمٰوٰت جمع اور اَرْض مفرد کیوں لاتے ہیں؟

جواب اِس کے تفاسیر میں کئی جوابات دیے گئے ہیں:

① سَمٰوٰت کے اَجناس مختلف ہیں اور اَرْض کے اَجناس مختلف نہیں بل کہ جنسِ واحد ہے۔ تو سَمٰوٰت کو تعددِ اَجناس کی وجہ سے متعدد لائے۔

② صاحب نبراس فرماتے ہیں کہ: اگر اَرْض کی جمع آتی تو اَرَضُوْنَ، بِفَتْحَتَيْنِ آتی اور یہ ثقیل ہے۔

③ اَرْض کے وجود کے بارے میں سب قائل ہیں، لیکن آسمان کے بارے میں "فیثا غورث" یونان کا ایک حکیم تھا، اُس کا نظریہ یہ تھا کہ: آسمان کا وجود نہیں بل کہ حدِ نظر کو یہ لوگ آسمان کہتے ہیں۔ تو اُن باطل لوگوں کے اِس نظریہ کو رَد کرنے کے لیے سَمٰوٰت جمع ذکر فرمایا کہ تم ایک آسمان نہیں مانتے حال آں کہ آسمان تو سات (۷) ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا۔۔۔الآیۃ ﴿۱۶۵﴾:

ربط: اُوپر اِثباتِ توحید تھا، اب وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَآءُ کے تحت شرک کا رد ہے۔

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا۔۔۔الآیۃ:

اِس میں لَوْ شرطیہ ہے، جزا محذوف ہے۔ اَيْ لَرَاَوْا اَمْرًا عَظِيْمًا یا اَمْرًا عَجِيْبًا یا اَمْرًا فَزِيْعًا۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ۱۲۸) ❷ (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ۱۴۶) ❸ (سُوْرَةُ الطَّلَاق، ۱۲)

كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ---الآية:

كَذٰلِكَ أَيْ كَمَا أَرَاهُمْ عَذَابًا كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ---الآية۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا---الآية:

ربط: اُوپر شرک کا رَد تھا، اب بعض رُسومِ شرک اور اَفعالِ شرک کا رَد ہے۔

حلال اور طیّب میں فرق: "تفسیر عزیزی" میں شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حلال وہ ہے جس کے اِستعمال کی شریعت نے اِجازت دی ہو۔ جیسے: گائے، بیل وغیرہ۔ اور طیّب وہ ہے جس میں غیر کا حق ملا ہوا نہ ہو۔ جیسے: گائے، مرغی وغیرہ فِيْ نَفْسِهٖ حلال ہیں لیکن اگر یہی چیزیں چوری کی ہوں تو وہ طیّب نہیں کہلائیں گی۔

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ---الآية:

سُوْٓء اور فَحْشَآء میں فرق: "تفسیر کبیر، البحر المحیط، کمالین، قرطبی، خازن" میں یہ فرق لکھتے ہیں:

① سُوْٓء وہ گناہ جس کا تعلق قول کے ساتھ ہو اور فَحْشَآء وہ گناہ جس کا تعلق فعل کے ساتھ ہو۔

② سُوْٓء وہ گناہ جو تنہائی میں اِنسان کر سکے اور فَحْشَآء وہ گناہ جو دوسرے کے ساتھ مل کر کرے۔

③ سُوْٓء ایسا گناہ جس کو چھپ کر کیا جائے اور فَحْشَآء وہ گناہ جو کھلے عام کیا جائے۔

وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا---الآية:

غیر مقلدین کا غلط اِستدلال: اِس آیت کو غیر مقلدین اہلِ حق حضرات کے خلاف پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: تم لوگ اپنے بڑوں کی تقلید کرتے ہو اور قرآن تقلید کی تردید کرتا ہے؟ تو گویا یہ لوگ عدمِ تقلید پر اِس آیت کو پیش کرتے ہیں؟

جواب دیکھو! قرآن نے جس تقلید کی تردید کی ہے اُس کی ہم آپ لوگوں سے زیادہ تردید کرتے ہیں کیوں کہ قرآن نے اِس تقلید کی تردید کی ہے جو منصوص علیہ مسائل میں ہو اور جس میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح حکم کو چھوڑ کر آباء و اَجداد کی پیروی کی جائے۔ ہم جو تقلید کرتے ہیں وہ غیر منصوص علیہ اَحکام میں ہے کہ جس کے بارے میں قرآن میں یا حدیث میں یا قولِ صحابی میں وہ مسئلہ مذکور نہ ہو تو ایسے مسائل میں مجتہد کی تقلید کرنا ضروری ہے اور ایسی تقلید قرآن وسنّت سے ثابت ہے۔

لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً---الآية:

دُعا اور ندا میں فرق:

① بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: یہ دونوں مترادف ہیں۔

② دُعا کہا جاتا ہے ایسی آواز کو جس کے ذریعے دوسرے کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہو۔ ندا کہا جاتا ہے ایسی آواز کو کہ اُس کے اَندر محض پکار ہو کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود نہ ہو۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ---الآية:

مَيْتَة وہ جانور جو فِيْ نَفْسِهٖ حلال ہو لیکن اُس کو ذبح نہ کیا گیا ہو اور وہ مر جائے اور دَم سے دمِ مسفوح مُراد ہے۔

سوال خنزیر تو نجس العین ہے اُس کا ہر عضو ناپاک ہے لیکن اِس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ: صرف گوشت حرام ہے؟

جواب لَحْم کا لفظ ماقبل کی مناسبت سے ذکر کیا ہے ماقبل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ---الآية[1] پاکیزہ چیزیں کھاؤ تو کھانے کی چیزوں میں گوشت بھی آتا ہے اِس لیے لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ کہہ کر خنزیر کے گوشت کی حرمت بتادی، اِس سے خنزیر کے باقی اَعضاء کی حلت ثابت نہیں ہوتی۔

[1] (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ۱۷۲)

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ ۔۔۔الآیۃ:

نسبت کی دو(۲) قسمیں ہیں: ① عرفی۔ ② شرعی۔

عرفی کی مثال یہ ہے کہ: مثلاً یہ گائے زید کی ہے، یہ بکرا خالد کا ہے، یہ عقیقہ اور ذبیحہ کا بکرا ہے۔ یہ نسبت عرفی ہے۔

ایک وہ نسبت ہے جو تقرب کے لیے ہو کہ: آپ کوئی چیز غیرُ اللہ کو اِس لیے دے دیں کہ اگر نہ دوں تو نقصان ہوگا، دوں تو فائدہ ہوگا۔

مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا تو اُس پر اگر بِسْمِ اللّٰہ بھی پڑھی جائے تو بھی حرام ہے حلال نہیں ہوتا۔ بہ شرط یہ کہ تقرب غیر کے لیے ہو اور اگر اِکرامِ ضیف کے لیے ہو تو جائز ہے۔ "فتاویٰ عزیزیہ" میں ہے کہ: مَاکُولَات، مَلْبُوْسَات، مَشْرُوبَات ہمی حکم دارند (یعنی ایک ہی حکم رکھتے ہیں)۔

گیارہویں شریف اگر اِس ارادے سے کرتا ہے کہ: شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بزرگ تھے، ولی تھے، ایصالِ ثواب کے لیے یہ کفر وشرک تو نہیں۔ البتہ بدعت ضرور ہے۔ اِس کے بدعت ہونے کی دو(۲) وجہ ہیں:

① تعیینِ یوم ہے۔

② شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے لوگ ہیں۔ مثلاً اِمامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، اِمام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔ اُن کے لیے ایصالِ ثواب کیوں نہیں کرتے؟

اور اگر گیارہویں شریف تَقَرُّب لِغَيْرِ اللّٰه کے لیے کرتا ہے تو لَا شَكَّ فِيْ كُفْرِهٖ۔ تفصیل "اِتمام البرہان" میں دیکھیں۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ ۔۔۔الآیۃ:

اِمام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: لذّت کے لیے نہیں کھا سکتا اور ضرورت کی مقدار سے زیادہ نہیں کھا سکتا۔

اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بَاغٍ سے مُراد اِسلامی حکومت کا باغی ہے کہ وہ نہیں کھا سکتا اور عَادٍ سے مُراد ڈاکو ہے کہ ڈاکے وغیرہ کے لیے سفر کرے تو بھوک لگنے کی صورت میں نہیں کھا سکتا۔

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۷۴﴾:

اِشکال: اللہ تعالیٰ اُن سے کلام نہیں کریں گے جب کہ دوسری جگہ ہے: فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ❶ تیرے رب کی قسم! ہم سب سے سوال کریں گے۔ اِس آیت سے کلام کا اِثبات معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا دونوں آیتوں میں تعارض ہے؟

جواب: "ابوسعود، مظہری، بیضاوی" وغیرہ میں ہے: دونوں آیتوں کے محل جدا ہیں۔ ایک کلام ہوگا زجر وتوبیخ کا اور دوسرا کلام ہوگا پیار محبت اور شفقت کا۔ لَا يُكَلِّمُهُمْ ۔۔۔الآیۃ ❷ میں شفقت اور محبت کے کلام کی نفی ہے اور فَوَرَبِّكَ ۔۔۔الآیۃ ❸ میں زجر وتوبیخ کے کلام کا اِثبات ہے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۷۷﴾:

ربط: قبلہ کے بارے میں یہود نے بہت پروپیگنڈہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: نیکی صرف قبلے میں بند تو نہیں اور بھی کئی نیکیوں کے راستے ہیں۔

"بیضاوی" میں ہے: لَيْسَ الْبِرَّ مُنْحَصِرَةٌ فِيْ اَنْ تُوَلُّوْا ۔۔۔الآیۃ۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۔۔۔الآیۃ:

اِشکال: قاعدہ یہ ہے کہ: خبر مبتدا کی ہو یا حروفِ مشبہ بالفعل کی ہو یا اَفعالِ ناقصہ کی ہو وہ مبتدا اور اِسم پر محمول ہوتی ہے۔ لیکن یہاں پر وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ میں اَلْبِرَّ اِسم ہے لٰكِنَّ کا جو کہ محض وصف ہے اور مَنْ اٰمَنَ خبر ہے اور ذات ہے تو محض وصف کا ذات پر حمل دُرست نہیں؟

---

❶❸ (سُوْرَةُ الْحِجْر، ۹۲) ❷ (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ۱۷۴)

جواب: اِس کے دو(۲) جواب ہیں:

① صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ: اِسم سے پہلے مضاف محذوف ہے عبارت یوں ہے۔ اَیْ وَلٰکِنَّ صَاحِبَ الْبِرِّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔
لہٰذا ذات کا حمل ذات پر ہوا۔

② خبر مَنْ اٰمَنَ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: وَلٰکِنَّ الْبِرَّ بِرُّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ۔۔۔ الآية:

سوال: حُبِّهٖ کی "ہٖ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب: اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① حُبِّهٖ کی "ہٖ" ضمیر مال کی طرف راجع ہے۔ ② حُبِّهٖ کی "ہٖ" ضمیر لفظِ اللہ کی طرف راجع ہے۔

وَابْنَ السَّبِيْلِ۔۔۔ الآية:

قاعدہ: اِبْنٌ، اَبٌ، اَخٌ کی اضافت جب غیر ذوی العقول کی طرف ہو تو اُس کا معنیٰ "والا" ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابوحنیفہ، دینِ حنفی والا۔ اَبُو الْخَیْر، خیر والا۔
اِبْنُ السَّبِيْل، سفر والا۔

وَفِي الرِّقَابِ۔۔۔ الآية:

اِس کے دو(۲) مطلب ہیں:

① کسی غلام کو آزاد کروانا۔ ② اگر کوئی شخص مقروض ہو تو اُس کا قرض اَدا کرنے میں اُس کی مدد کرنا۔

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ۔۔۔ الآية:

مشہور لغوی امام محمد بن احمد الازہری رحمہ اللہ ۳۷۰ھ میں وفات ہوئے۔ "تہذیب اللغۃ" میں لکھتے ہیں کہ: بَاْسَآء ایسی تکلیف جو مالی طور پر پیش آئے اور ضَرَّآء ایسی تکلیف جو بدنی طور پر پیش آئے۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝:

ربط: ہمارے حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: آگے تقویٰ کی کئی مدّیں بیان کیں، پھر آگے وصیت کا ذکر ہے، اُس کے بعد رُوزے کا، رمضان شریف میں عورتوں کے پاس نہ جانے کی تمام مدّیں تھیں اِس لیے اب اُن کے ساتھ جوڑ دیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ۔۔۔ الآية ۞:

قَتْلٰى، قَتِيْلٌ کی جمع ہے بمعنی مَقْتُوْلٌ کے۔

اِمام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ: حُر کو عَبد کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔

جب کہ اِمام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عَبد کے بدلے قصاص میں حُر کو قتل کیا جائے گا۔ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ جو شافعی المسلک ہیں وہ بھی فرماتے ہیں کہ: حُر کو عَبد کے بدلے قصاص میں قتل کرنا چاہیے۔

زمانۂ جاہلیت میں اگر کسی بڑے خاندان کے غلام کو کوئی چھوٹے خاندان والے قتل کر دیتے تو بڑے خاندان والے قصاص میں اُس کے دو(۲) غلاموں کو یا ایک آزاد کو قتل کرتے یعنی زیادتی کرتے۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: غلام کے بدلے غلام قتل کیا جائے گا تو اِس سے خود بخود دو(۲) غلاموں اور آزاد کی نفی ہوگئی۔ مطلب یہ ہے کہ: جو قتل کرے اُسی کو قتل کیا جائے۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ والی آیت کو تَقَابُلَ الْاَحَدِ بِالْاَحَدِ، اَلْاِثْنَيْنِ بِالْاِثْنَيْنِ پر محمول کیا ہے یعنی ایک کے بدلے ایک اور دو(۲) کے بدلے دو(۲) کو قتل کیا جائے گا۔ یہی اِمام صاحب رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ ۔۔۔ الآیۃ:

سو جس نے تجاوز کرلیا اور تجاوز مِنَ الْجَانِبَیْن ہوسکتا ہے:

① ایک یہ کہ: مقتول کے ورثاء نے دیت لے لی اور معاف کردیا، اُس کے بعد قاتل کو بھی قتل کردیا۔

② دوسرا یہ کہ: قاتل کی طرف سے زیادتی ہو وہ یوں کہ پہلے مقتول کے ورثاء کے پیچھے لگے رہے کہ: ہمیں معاف کرو، دیت دے رہے ہیں۔ پھر جب اُن کو معاف کیا، تو دیت اَدا کرنے میں وہ ٹال مٹول کرتے رہے۔

یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۷۹﴾:

اُولُوْ، ذُوْ کی جمع ہے مِنْ غَیْرِ لَفْظِهٖ۔ جیسے رِكَاب، رَاحِلَة کی جمع ہے مِنْ غَیْرِ لَفْظِهٖ نِسَاء، نِسْوَةٌ اور اِمْرَأَةٌ کی جمع ہے مِنْ غَیْرِ لَفْظِهٖ۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۨالْوَصِيَّةُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸۰﴾:

سوال كُتِبَ فعلِ مذکر کا صیغہ ہے اور اَلْوَصِيَّةُ اِس کا نائبِ فاعل مؤنث ہے، نائبِ فاعل کی مناسبت سے فعل بھی مؤنث لانا چاہیے تھا یہاں فعل مذکر کیوں لائے؟

جواب اِس کے تین (۳) جواب ہیں:

① صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ: اَلْوَصِيَّةُ بمعنی اَلْاِيْصَاءُ کے ہے۔

② وصیت مصدر ہے اور مصدر کے بارے میں قانون یہ ہے کہ: اَلْمَصْدَرُ يُذَكَّرُ وَيُؤَنَّثُ۔

③ جب فاعل ظاہر مؤنث غیر حقیقی ہو اور فعل، فاعل کے درمیان کوئی فاصل آجائے تو فعل مذکر اور مؤنث دونوں اِستعمال کرسکتے ہیں۔

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝:

والدین، اقربین وغیرہ کے لیے وصیت کرنا پہلے فرض تھا بعد میں وراثت کے اَحکام نازل ہوئے تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

چناں چہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ: آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ[1]

سوال حَقًّا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب علّامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ مفعولِ مطلق ہے، اَصل عبارت یوں تھی: حَقَّ حَقًّا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸۳﴾:

ربط: اُوپر تقوٰی کی مدّیں بیان کیں، یہ رُوزہ بھی تقوٰی کی مد میں داخل ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝:

سوال رُوزے کے ذریعے اِنسان کیسے گناہوں سے بچے گا؟

جواب پانی بھی حلال، رزق بھی حلال، باقی حلال چیزیں بھی حلال۔ لیکن صبح صادق کے بعد اِنسان اِن چیزوں کا اِستعمال نہیں کرتا کیوں کہ رب تعالیٰ نے حرام کردی ہیں۔ رات کو بھی اِن چیزوں کا اِستعمال حلال تھا، رمضان سے پہلے بھی حلال تھا، رمضان کے بعد بھی حلال ہوگا۔ جب اِس نقطہ کو اِنسان دیکھے گا کہ: رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق میں نے اِن چیزوں کو حرام سمجھا تو جو چیزیں بارہ (۱۲) مہینے حرام ہیں وہ کیسے حلال ہوسکتی ہیں؟!! مثلاً زنا، شراب، جھوٹ، چوری، غیبت وغیرہ بارہ (۱۲) مہینے حرام ہیں تو اِس ایک نقطہ سے اِنسان سمجھے گا اور اُس کے اَندر تقوٰی کا مادّہ پیدا ہوگا۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸۴﴾:

سوال اَيَّامًا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں: ① لفظِ صِیَامُ مصدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ ② یہاں فعل محذوف ہے اَیْ صُوْمُوْا اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، باب الوصایا، ج ۱، ص ۲۶۵، طبع میزان، لاہور)

اِشکال: منکرین حدیث کہتے ہیں کہ: اَیَّامًا جمع قِلّت ہے، جس کا اِطلاق دس (۱۰) سے کم پر ہوتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ: رمضان شریف کے رُوزے دس (۱۰) سے کم ہیں؟

جواب: اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① قرآنی جواب یہ ہے کہ: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔۔۔الآیۃ❶ اِس سے معلوم ہوا کہ: رُوزے پورا ایک مہینہ ہیں۔

② رضی شارح کافیہ نے تصریح کی ہے کہ: بہت سے مقامات پر جمع قِلّت، جمع کثرت کے معنی میں آتا ہے۔ رضی نحویّت کی اِعتبار سے اِمام ہے، لیکن ہے غالی شیعہ۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا ۔۔۔الآیۃ:

اِس سے مُراد وہ مریض ہے کہ خود اُس کی طبیعت لفی یعنی ترکِ صوم کا فیصلہ کرے اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ: میں رُوزہ نہیں رکھ سکتا۔ رُوزہ ترک کرنے کے لیے تین (۳) شرائط کا ہونا ضروری ہے:

① جو ڈاکٹر ترکِ صوم کا حکم کرتا ہے وہ خود مسلمان ہو۔ ② ڈاکٹر صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو۔ ③ ڈاکٹر ماہرِ فن ہو۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ ۔۔۔الآیۃ:

اِس میں تین (۳) تفسیریں ہیں:

① اِبتداءِ اِسلام میں یہ حکم تھا کہ: چاہے رُوزہ رکھیں یا فدیہ دے دیں۔ لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوا اور فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔۔۔الآیۃ❷ یہ ناسخ ہے۔

② یہاں لَا محذوف ہے۔ اَیْ لَا يُطِيقُونَهُ۔

③ لَا مقدر نہیں بل کہ یہاں بابِ اِفْعَال کا هَمْزَہ سلب کے لیے ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں: مَنْ أَكْرَمَ مُحَمَّدًا فَهُوَ كَافِرٌ وَمَنْ أَبْغَضَ مُحَمَّدًا فَهُوَ مُؤْمِنٌ۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۸۵﴾:

لفظِ رَمَضَان بابِ نَصَرَ، يَنْصُرُ سے ہے۔

سوال: رمضان کو رمضان کیوں کہتے ہیں؟

جواب: اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① لفظِ رمضان کا معنی ہے: "جلا دینا" اور یہ اِنسان کے گناہوں کو جلا دیتا ہے، اِس لیے اِس کو رمضان کہتے ہیں۔

② جب رُوزے فرض ہوئے تھے اُس وقت سخت گرمی تھی، اِس مناسبت سے اِس مہینے کا نام رمضان پڑ گیا۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۸۶﴾:

ربط: حضرت شیخ واُستاذی سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ نے اَز خود یہ ربط بیان فرمایا ہے کہ: میں نے کہیں یہ دیکھا نہیں۔ میرے نزدیک اِس کا ربط یوں ہے کہ: ماقبل میں رُوزوں کا حکم تھا اِس میں یہ حکم ہے کہ: تراویح میں ذکر آہستہ کرو زور سے مت کرو۔

شانِ نزول: "دُرِّ منثور اور معالم التنزیل" میں لکھا ہے کہ: لوگوں نے پوچھا: ہمارا رب قریب ہے یا دُور؟ اگر قریب ہے تو آہستہ سے پکاریں اور اگر دُور ہے تو زور سے پکاریں۔ اِس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ: تمہارا رب قریب ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۸۹﴾:

ربط: ربط کے متعلق دو (۲) باتیں ہیں:

① حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کا ربط تو یہ ہے کہ: ماقبل میں تقویٰ کا بیان تھا، اِس میں بھی تقویٰ کا ذکر ہے۔

❶❷ (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ۱۸۵)

④ امام رازی رحمہ اللہ یوں ربط بیان کرتے ہیں کہ: پہلے رُکوع میں روزے کا بیان تھا جو اَرکانِ اسلام میں سے ہے اور اب حج کا بیان ہے۔ دونوں کا تعلق چاند کے ساتھ ہے۔

قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ۔۔۔الآیۃ:

مَوَاقِيْت، مِيْقَاتٌ کی جمع ہے۔ وقت کی شناخت کے آلے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا۔۔۔الآیۃ:

حج کے لیے جو آدمی جاتا تو اگر فراغت سے پہلے آجاتا تو گھر کے دروازے سے نہ آتا بلکہ پیچھے سے کہیں دیوار سے چھلانگ لگا کر آجاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ کوئی نیکی نہیں۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ ۱۹۰:

۷ھ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عُمْرَةُ الْقَضَاء کے لیے تشریف لے گئے تو اُس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تین (۳) اِشکالات درپیش تھے:

① ہم احرام میں ہیں، اگر کافروں نے حملہ کر دیا تو ہم اُن کو کیا جواب دیں گے؟

② مقام حرم ہے اور حرم میں لڑائی جائز نہیں؟

③ مہینہ حُرمت کا ہے اور اَشْهُرِ حُرُم میں لڑائی جائز نہیں؟

تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ: اگر وہ لوگ حملہ کریں تو تم بھی اُن سے لڑائی کرو۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔۔۔الآیۃ ۱۹۳:

سوال فتنہ سے کیا مُراد ہے؟

جواب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: فتنہ سے مُراد شرک ہے، شرک قتل سے سخت گناہ ہے۔

سوال شرک قتل سے سخت گناہ کیوں ہے؟

جواب صاحبِ خازن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قاتل اگر مستحل نہ ہو تو اُس کی سزا خُلُوْد فِي النَّار نہیں ہے۔ جب کہ شرک کی سزا خُلُوْد فِي النَّار ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ ۱۹۵:

ربط: پہلے قتال و جہاد کا ذکر تھا اور قتال بغیر اَسلحہ کے نہیں ہو سکتا اور اَسلحہ بغیر مال کے نہیں مل سکتا۔ اِس لیے فرمایا کہ: مال خرچ کرو! ہتھیار خریدو!۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔۔۔الآیۃ ۱۹۶:

یہاں سے حج کا ذکر ہے۔

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ۔۔۔الآیۃ:

امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی بھی عذر کی وجہ سے آدمی حج سے رُک جائے تو وہ اِحْصَار کہلاتا ہے۔ مثلاً: بیمار ہو، دُشمن کا خوف ہو وغیرہ وغیرہ۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دُشمن کا خوف ہو تو اِحْصَار ہے۔

وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ۔۔۔الآیۃ:

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اِذَا رَجَعْتُمْ اِلٰى اَوْطَانِكُمْ۔ امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اِذَا رَجَعْتُمْ مِنْ اَفْعَالِ الْحَجِّ وَلَوْ كُنْتُمْ بِمَكَّةَ۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ۔۔۔الآیۃ ۱۹۷:

ربط: پہلے بھی حج کا ذکر تھا اب بھی حج کا ذکر ہے۔

اِشکال: اَلْحَجُّ مبتدا ہے اور اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ خبر ہے۔ تو معنی ہو گا کہ: حج کے معلوم مہینے ہیں حال آں کہ حج تو اَفعال کا نام ہے نہ کہ وقت کا؟

جواب: "تفسیر بیضاوی اور کشاف" میں لکھا ہے کہ: اَلْحَجُّ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: وَقْتُ الْحَجِّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ۔

اِشکال: یہاں اَشْهُرٌ جمع کالفظ لایا اور جمع کا اقلِ عدد تین (۳) ہے تو اِس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ: حج کا وقت تین (۳) ماہ یا اِس سے زائد ہے حال آں کہ حج کا وقت دو (۲) ماہ دس (۱۰) دن؟

جواب: لفظِ اَشْهُرٌ تغلیباً کہا ہے۔

وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی۔۔۔ الآیۃ:

اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: یمن کے کچھ لوگ تھے وہ حج پر جاتے تو سفر کا خرچہ ساتھ نہ لے جاتے۔ وہ کہتے کہ: نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ پھر وہاں جا کر سوال شروع کر دیتے۔ اِس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی یہاں تقویٰ سے مُراد سوال سے بچنا ہے۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰۰﴾:

رَبَّنَآ اٰتِنَا اَیْ يَارَبَّنَآ اٰتِنَا نَصِيْبَنَا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰۴﴾:

ربط: "سبق الغایات فی نسق الآیات" میں یہ ربط لکھا ہے: اِس سے پہلے فَمِنَ النَّاسِ۔۔۔ الآیۃ ❶ میں دو (۲) قِسم کے لوگوں کا ذکر تھا، پہلے وہ تھے: فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ○ ❷ یہاں سے اُن ہی میں سے ایک شخص کا ذکر ہے جو اِس مد کا تھا۔

واقعہ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ۔۔۔ الآیۃ ❸ سے اَخنس بن شریق مُراد ہے۔ اِس کا واقعہ یہ ہے کہ: یہ ایک منافق تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تھا اور خوشامد کرتا کہ حضرت! ہمیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے لوگ ملے ہیں، ہم بہت خوش قِسمت ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دُور ہو جاتے ہیں تو ہماری زندگی اُس مچھلی کی مانند ہوتی ہے جو پانی سے باہر ہو۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ۔۔۔ الآیۃ ❹ حال آں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے چلا جاتا تو لوگوں کے کھیتوں اور مویشیوں کو نقصان پہنچاتا اور زمین میں فساد مچاتا۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ کیا کہ اُس کی باتوں میں نہ آنا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰۷﴾:

ربط: دوسری قِسم میں تھے: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ ❺ اِن ہی لوگوں میں سے ایک بزرگ کا ذکر ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ۔۔۔ الآیۃ ❻ اِس آیت سے مُراد حضرت صہیب رُومی رضی اللہ عنہ ہیں کہ اپنا مال وجائیداد کفار کو دے دیا اور اپنے آپ کو چھڑا کر مدینہ کی طرف ہجرت کی، جس وقت کفار نے آپ رضی اللہ عنہ کو راستے میں گھیر لیا تھا۔ مکمل واقعہ تفسیروں میں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰۸﴾:

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ، حضرت اَسد رضی اللہ عنہ، حضرت اُسید رضی اللہ عنہ اور دیگر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو پہلے یہودی تھے، بعد میں مسلمان ہوئے، اُنھوں نے آپس میں مشورہ کیا تھا کہ: ہم اُونٹ کا گوشت حلال سمجھیں گے لیکن کھائیں گے نہیں تا کہ اِحتیاط پر عمل ہو کیوں کہ یہودیوں کے ہاں اُونٹ کا گوشت حرام سمجھا جاتا تھا۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱۰﴾:

"تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر طبری" وغیرہ میں اِس مقام پر بہت تفصیل ہے اور متقدمین کے نزدیک ایسی صفات اپنی حقیقت پر محمول ہیں یعنی لغوی معنیٰ حق اور کیفیت معلوم نہیں اور متاخرین (محدثین کے ہاں متاخرین سے مُراد تیسری صدی کے بعد والے اَفراد ہیں اور اُس سے پہلے والے متقدمین ہیں اور فقہاء کے ہاں شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ تک کے فقہاء متقدمین اور اُس کے بعد والے متاخرین کہلاتے ہیں) فرماتے ہیں کہ: ایسی صفات اپنی حقیقت پر محمول نہیں بل کہ وہ اِن جیسی صفات کی تاویل کرتے ہیں۔ جیسا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ○ ❼ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ۔۔۔ الآیۃ ❽ وغیرہ۔

❶❷ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۰۰) ❸❹ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۰۴) ❺ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۰۱) ❻ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۰۷) ❼ (سُوْرَۃُ طٰهٰ، ۵) ❽ (سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ، ۶۴)

اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ۔۔۔الآیۃ:

یہاں مضاف محذوف ہے۔تقدیری عبارت یوں ہے: اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ اَمْرُ اللّٰهِ اور اس بات پر قرینہ یہ ہے کہ: سُوْرَۃُ النَّحْل میں ہے: اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ۔۔۔الآیۃ ❶

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۱۱﴾:

ربط: "تفسیر بیان القرآن، سبق الغایات فی نسق الآیات" میں یہ ربط بیان کیا ہے کہ: پہلے عذاب کی دھمکی تھی، اب یہاں وقوعِ عذاب کا بیان ہے۔

سوال اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ سے کیا مُراد ہے؟

جواب اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ سے مُراد وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دیں۔مثلاً: مَن وسَلْوٰی دیا، دریا میں بارہ (۱۲) راستے اُن کے لیے بنائے، اُن میں چار ہزار (۴۰۰۰) پیغمبر آئے تو چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ شکر ادا کرتے لیکن اُنہوں نے ایسا نہیں کیا۔

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا۔۔۔الآیۃ ﴿۲۱۲﴾:

ربط: ماقبل میں بنی اسرائیل کی نافرمانی کا ذکر تھا۔یہاں اُن کی نافرمانی کا ایک سبب ذکر کیا کہ: وہ لوگ دُنیا کی چیزوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔۔۔الآیۃ:

اِتَّقَوْا کا مفعول محذوف ہے۔ اَیْ اِتَّقَوُا الشِّرْكَ وَالْمَعَاصِیَ۔ فَوْقَهُمْ میں فوقیتِ حسّی اور معنوی دونوں مُراد ہیں۔مؤمن جنّت میں حسّی فوقیت بھی رکھتے ہیں اور مرتبہ کے لحاظ سے بھی فوقیت ہوگی اور حسّی فوقیت اور معنوی فوقیت دونوں مؤمنوں کو حاصل ہوں گی۔

وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۝:

"تفسیر ابو سعود" میں لکھا ہے کہ: بِغَیْرِ حِسَابٍ کا لفظ قرآن پاک میں تین (۳) معانی میں مستعمل ہے:

① بِغَیْرِ حِسَابٍ اَیْ بِغَیْرِ عَدَدٍ۔بغیر گنتی وشمار کے۔

② بِغَیْرِ حِسَابٍ اَیْ بِغَیْرِ تَعَبٍ وَّمَشَقَّةٍ۔بغیر مشکل ومشقت کے۔

③ بِغَیْرِ حِسَابٍ اَیْ بِغَیْرِ مُطَالَبَةٍ۔بغیر مطالبہ کے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔۔۔الآیۃ ﴿۲۱۳﴾:

ربط: اِس میں مسلمانوں کو تسلی ہے کہ: کفار اگر دُنیا میں موجود ہیں تو کوئی بات نہیں یہ لوگ پہلے سے ہیں۔حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دو ہزار (۲۰۰۰) سال تک لوگ ایک ہی دین پر تھے۔

سوال جب لوگ ایک دین پر تھے تو انبیاء کرام علیہم السلام کے مبعوث کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب "مستدرک حاکم اور دُرِّ منثور" وغیرہ میں لکھا ہے: یہاں لفظ فَاخْتَلَفُوْا مقدر ہے۔تقدیری عبارت یوں ہے: كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ اور اس پر قرینہ پیش کرتے ہیں: فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ۔۔۔الآیۃ ❷

مَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ۔۔۔الآیۃ:

یہاں سے اِختلاف کا منشاء بیان کر رہے ہیں کہ: یہ اِختلاف غلط فہمی کی بنیاد پر نہیں تھا بل کہ عناداً تھا۔

سوال فِیْهِ کی "ہ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اقوال ہیں:

① فِیْهِ کی "ہ" ضمیر حق کی طرف راجع ہے۔ ② فِیْهِ کی "ہ" ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔ ③ فِیْهِ کی "ہ" ضمیر دین کی طرف راجع ہے۔

مفہوم سب کا ایک ہے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ النَّحْل، ۳۳) ❷ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۱۳)

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اشکال: عربیت کا قاعدہ ہے کہ: کسی کلام میں جب قید ہو تو حکم اِثبات کا ہو یا نفی کا اُس قید کی طرف راجع ہوتا ہے۔مثال کے طور پر مَا جَآءَنِیْ زَیْدٌ رَاکِبًا اب نفی رُکُوب کی طرف راجع ہے۔اب اگر یہ قاعدہ یہاں جاری کردیں تو چوں کہ اِس کلام میں بَغْيًا قید ہے تو معنی ہوگا کہ: اُنہوں نے اِختلاف نہیں کیا سرکشی کی بناء پر اور چوں کہ بَغْیٌ کا متضاد رُشْدٌ ہے، تو معنی ہوگا کہ: اُنہوں نے اِختلاف کیا ہدایت اور رُشد کی بناء پر حال آں کہ یہ معنی اور مطلب بالکل غلط ہے؟

جواب علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "جلالین" میں لکھا ہے کہ: اِس میں تقدیم وتاخیر ہے: بَغْيًا، اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ کے تحت داخل نہیں۔ اَصل عبارت یوں ہے:

وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ۔۔۔ الآیۃ ۞:

ربط: اُوپر کافروں کی سرکشی کا ذکر تھا اور ظاہر بات ہے کہ: اہلِ حق کو بھی جنّت کے حُصول کے لیے کچھ کرنا پڑے گا۔لہٰذا یہاں اُس کا ذکر ہے۔

وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ زُلْزِلُوْا سے حِسّی زلزلہ مُراد نہیں بل کہ دُشمن کا دَفْعَةً وَّاحِدَةً حملہ کرنا مُراد ہے۔یعنی اِیسا حملہ کرنا جیسا کہ زلزلہ آئے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ۞:

ربط: ہمارے مرشد مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ ربط یہ بیان فرماتے تھے کہ: ماقبل میں اُن لوگوں کا ذکر تھا جن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیفیں پیش آئیں تھیں۔ اِس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ: اللہ تعالیٰ کے راستے میں کیا چیز خرچ کریں؟

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ۔۔۔ الآیۃ ۞:

ربط: اُوپر اُن لوگوں کے زلزلوں کا ذکر تھا کہ اُن پر تکلیفیں آئیں۔لہٰذا اُن پر بھی جہاد کو فرض کیا گیا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۔۔۔ الآیۃ ۞:

ربط: ہمارے مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ نے یہ ربط دیا ہے کہ: ماقبل میں تھا: يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ● یہاں بھی ایک سوال کا ذکر ہے اور آگے بھی کچھ سوالات کا ذکر ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کفار وغیرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے۔

شانِ نزول: شانِ نزول اِس آیت کا یہ بیان کرتے ہیں کہ: عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ بھیجا۔ جمادی الاخری کا مہینہ تھا۔ اُنہوں نے یہ سمجھا کہ: جمادی الاخریٰ اَبھی تک ختم نہیں ہوا تو اُنہوں نے عَمرو بن حضرمی کو قتل کیا۔اِس خیال سے کہ یہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن ہے حال آں کہ وہ رجب کا پہلا دن تھا۔اِس پر کفار نے اِعتراضات شروع کیے کہ: دیکھو! حرمت والے مہینے میں بھی یہ لوگ قتال کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

قِتَالٍ فِيْهِ ۔۔۔ الآیۃ:

صاحبِ کشاف نے لکھا ہے کہ: قِتَالٍ فِيْهِ، عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ سے بدل الاشتمال ہے۔

قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ (اِلٰی قَوْلِہٖ) اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ:

كَبِيْرٌ صفتِ مشبہ ہے اور اَكْبَرُ اِسمِ تفضیل ہے۔صفتِ مشبہ میں فِیْ نَفْسِہٖ زیادتی ہوتی ہے اور اِسمِ تفضیل میں بہ نسبت غیر کے زیادتی ہوتی ہے۔

كَبِيْرٌ فِیْ نَفْسِہٖ اپنے دل میں، خیال میں اپنے اَنداز کا بڑا ہے۔اَكْبَرُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ تمام چیزوں سے بڑا ہے۔

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ (اِلٰی قَوْلِہٖ) فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔۔۔ الآیۃ:

مُرتد کا حکم یہ ہے کہ: اُس کا نکاح ختم، وراثت سے محروم، اُس کا ذبیحہ جائز نہیں اور اُس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔ یہ تو دُنیاوی اَحکام میں ہے، اُخروی اَحکام کے اِعتبار سے اُس کے تمام اَعمال ضائع ہوچکے ہیں۔

● (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۱۵)

اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اِمام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ: مُرتد اگر دوبارہ اِسلام قبول کرے تو پہلے اِرتداد کی وجہ سے جو اُس کے اَعمال ضائع ہو چکے ہیں وہ اَعمال اور نیکیاں اُس کو دوبارہ نہیں ملیں گی۔

اِمام صاحب رحمہ اللہ اِس آیت سے اِستدلال کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فرمایا ہے۔

اِمام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: دوبارہ وہ اَعمال و نیکیاں ملیں گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآية ﴿٢١٨﴾:

ربط: جن لوگوں نے اِس حرمت والے مہینے میں جہاد کیا تھا، اُن کو وہم ہوا کہ: آیا! ہمیں اِس جہاد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟!! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا اُن کو ثواب ملے گا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ ۔۔۔ الآية ﴿٢١٩﴾:

ربط: حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ یہ ربط بیان کرتے ہیں کہ: پہلے بھی سوال تھا اب بھی ایک سوال ہے۔

شراب کے متعلق چار (۴) دَور گزرے ہیں:

① پہلا دَور مکی تھا اُس وقت شراب کو نعمتوں میں سے شمار کیا ہے۔ سُوْرَةُ النَّحْل میں ہے: وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ۔۔۔ الآية ❶

② دوسرا دَور وہ ہے جس میں شراب کے کچھ فائدے اور کچھ نقصانات بیان کیے، جو کہ اِس آیت میں ہے کہ: وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۔۔۔ الآية ❷ تو گویا اِس آیت میں ترک کرنے کی ترغیب ہے۔

③ تیسرا دَور وہ ہے جس میں ایک مخصوص وقت یعنی وقتِ نماز میں شراب کو ممنوع قرار دیا۔ فرمایا کہ: لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى ۔۔۔ الآية ❸

④ چوتھا دَور وہ ہے جس میں بالکل ہر وقت میں شراب کو مکمل حرام قرار دیا گیا۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ (اِلٰى قَوْلِهٖ) رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ ۔۔۔ الآية ❹

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ ۔۔۔ الآية ﴿٢٢١﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: جو مُرتد ہوا دُنیا اور آخرت میں اُس کے اَعمال ختم ہوئے۔ آگے اِرتداد کے اَسباب کا ذکر ہے۔ ایک سبب یہ ہے کہ: اِس کے ساتھ نکاح بھی جائز نہیں کیوں کہ مشرکہ کے ساتھ نکاح اِرتداد کا سبب بنتا ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے اِسی آیت کی رُوشنی میں حاشیہ پر لکھا ہے کہ: پہلے مسلمان اور کافر میں نسبت رشتہ ناطہ جاری تھا، اِس آیت سے ٹوٹ گیا اور رشتہ حرام ٹھہرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین (۳) صاحبزادیاں حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا مشرکوں کی نکاح میں تھیں۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۔۔۔ الآية ﴿٢٢٢﴾:

ربط: حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ یہ ربط دیتے تھے کہ: پہلے بھی مشرکین کے کچھ سوالات تھے، اُن میں سے ایک سوال حیض کے بارے میں بھی تھا۔

لفظِ مَحِيْض مصدر میمی بھی بنتا ہے اور ظرفِ مکان بھی بنتا ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۔۔۔ الآية ﴿٢٢٣﴾:

اَنّٰى بمعنی كَيْفَ کے ہے۔ اَیْ كَيْفَ شِئْتُمْ۔

علامہ رضی نے تصریح کی ہے کہ: اَنّٰى بمعنی اَيْنَ قرآن پاک میں کہیں بھی نہیں آیا ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ ۔۔۔ الآية ﴿٢٢٤﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: حیض کی حالت میں تم عورتوں کے قریب نہ جاؤ یعنی ہمبستری نہ کرو اور اِس حرام فعل کو حلال مت سمجھو۔ آگے اِس کے بِالمقابل

❶ (سُوْرَةُ النَّحْل: ٦٧) ❷ (سُوْرَةُ الْبَقَرَة: ٢١٩) ❸ (سُوْرَةُ النِّسَآء: ٤٣) ❹ (سُوْرَةُ الْمَآئِدَة: ٩٠)

یہ بیان فرماتے ہیں کہ: بعض چیزیں حلال ہیں۔ مثلاً: نیکی کرنا، تقویٰ اختیار کرنا، لوگوں کے درمیان صلح کروانا۔ لیکن لوگ اپنی مرضی سے قسم اُٹھا کر اِن چیزوں کو حرام کر دیتے تھے۔ تو یہاں سے اِس بات کی طرف اِشارہ فرمادیا کہ: جو چیز رب تعالیٰ نے حرام کی ہے وہ حرام ہے تمہارے حرام کرنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔

اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ۔۔۔الآیۃ:

اَنْ تَبَرُّوْا کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① صاحبِ جلالین رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں: اَنْ تَبَرُّوْا اصل میں یوں تھا: اَنْ لَا تَبَرُّوْا وَلَا تَتَّقُوْا وَلَا تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ یعنی لَا کو مقدر مانتے ہیں۔

② علامہ آلوسی رحمہ اللہ عَنْ مقدر نکالتے ہیں۔ اَيْ عَنْ اَنْ تَبَرُّوْا۔ اور عَنْ بمعنی آڑ، رک جانا۔ معنی ہے: تاکہ نیکی کرنے سے تم رک جاؤ وغیرہ۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۲۵﴾:

قسم کی تین (۳) قسمیں ہیں:

① یَمِیْنِ لَغْو۔ ② یَمِیْنِ غَمُوْس۔ ③ یَمِیْنِ مُنْعَقِدَہ۔

① یَمِیْنِ لَغْو وہ قسم ہے کہ: بغیر قصد و ارادے کے کوئی قسمیہ لفظ کہے یا گذشتہ زمانہ کے کسی فعل پر قسم اُٹھائے اور اپنے آپ کو سچا سمجھتا ہو۔

② یَمِیْنِ غَمُوْس وہ قسم ہے کہ: زمانۂ گذشتہ کے کسی فعل پر قسم اُٹھائے اور اُس کو معلوم ہو کہ: میں اِس قسم اُٹھانے میں جھوٹا ہوں۔

③ یَمِیْنِ مُنْعَقِدَہ وہ قسم ہے کہ: زمانۂ آئندہ میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم اُٹھائے۔

پہلی دو صورتوں میں کفارہ نہیں، تیسری میں کفارہ ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۲۶﴾:

ربط: پہلے رکوع میں مطلق قسم کا ذکر تھا، اِس میں خاص قسم (اِیْلَاء) کا ذکر ہے۔

اِیْلَاء کا مجرد اَلِیَّۃٌ ہے۔ اِیْلَاء چار (۴) ماہ یا اُس سے زیادہ ہو تو اِیْلَاءِ شرعی ہے اور اِس سے کم ہو تو اِیْلَاءِ لغوی ہے۔ چار (۴) ماہ گزرنے سے پہلے جماع کیا تو کفارہ ہے، اگر چار (۴) ماہ گزر جانے کے بعد جماع کیا تو اِس میں اِختلاف ہے:

اِمام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: چار (۴) مہینے گزرتے ہی ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔

اِمام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حاکمِ وقت شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کرے گا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۲۸﴾:

ربط: اِس سے پہلے طلاق کا ذکر تھا، اب یہاں سے مطلقات یعنی طلاق یافتہ عورتوں کا ذکر ہے۔

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ۔۔۔الآیۃ:

سوال مَا سے کیا مُراد ہے؟

جواب مَا سے مُراد یہ ہے کہ: پیٹ میں بچہ ہو تو نہ چھپائے یا حیض ہو تو نہ چھپائے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۲۹﴾:

ربط: اُوپر بھی طلاق کا ذکر تھا، آگے بھی طلاق کا ذکر ہے۔

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "روح المعانی، قرطبی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اَلِف لَام عہد کے لیے ہے، مُراد دو (۲) طلاقِ رجعی ہے۔

② بعض یہاں صفت محذوف نکالتے ہیں۔ اَيْ اَلطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ مَرَّتٰنِ۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ:

سوال یہ خطاب کن لوگوں کو ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① صاحبِ کشاف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: یہ خطاب حکام کو ہے۔ اَیْ فَاِنْ خِفْتُمْ اَیُّهَا الْحُکَّامُ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ۔

② دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ: اِس سے ولی اور رشتہ دار مُراد ہیں یعنی مرد وعورت کے اَولیاء کو خطاب ہے۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ۔۔۔الآیۃ:

خلع میں تفصیل ہے:

اِمام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو شوہر کے لیے مال لینا جائز ہے۔ لیکن اگر زیادتی شوہر کی طرف سے ہو تو خلع میں مال لینا مکروہ ہے اور مہر سے زیادہ لینا دُرست نہیں۔

اِمام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اِستدلال کرتے ہیں کہ: ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے خلع لیا تھا، دو(۲) باغ خلع میں دینے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: زیادہ بلاء ہے۔ تو اِس سے معلوم ہوا کہ: زیادہ لینا جائز نہیں۔

دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ: مال لینا جائز ہے اور مہر سے زیادہ لینا بھی جائز ہے۔

وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۳۱﴾:

سوال کتاب اور حکمت سے کیا مُراد ہے؟

جواب کتاب سے قرآن پاک اور حکمت سے سنّت مُراد ہے۔

کتاب اور سنّت میں فرق: کتاب اور سنّت دونوں لوحِ محفوظ سے اُترے ہیں۔ لیکن کتاب کے الفاظ بھی وہی ہیں جو لوحِ محفوظ میں ہیں۔ اور سنّت کے الفاظ وہی نہیں ہیں۔ نیز حدیث قدسی میں الفاظ بھی وہی ہیں۔ البتہ اُس میں تواتر اور بلاشبہ نہیں۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۳۲﴾:

ربط: طلاق کے مسائل چل رہے ہیں۔ پہلے ذکر تھا کہ: عدّت ختم نہ ہو تو کیا کریں؟ اب یہاں ذکر ہے کہ: عدّت ختم ہوجائے تو کیا کریں؟

شانِ نزول: معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن (لیلہ یا جمیلہ) کا نکاح ابوالبداح رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ اُنہوں نے طلاق دے دی، عدّت ختم ہوئی تو لوگوں نے بھی اور سابقہ خاوند نے بھی نکاح کا پیغام بھیجا تو بھائی نے منع کردیا۔ جب کہ بیوی کا رُجحان بھی پہلے خاوند کی طرف تھا۔ اِس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ۔۔۔الآیۃ:

اَزْکٰی کا معنی ہے کہ: تمہارا دل بھی صاف ہو۔ اَطْهَرُ کا معنی ہے کہ: تمہارا بدن بھی صاف ہو۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۳۳﴾:

ربط: اُوپر طلاق کا ذکر تھا، اِس سلسلے میں ایک اور مسئلہ پیش آتا ہے کہ: بچے کے دودھ کا کیا بندوبست ہوگا؟ اِس مناسبت سے یہاں رضاعت کا مسئلہ بیان فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۳۴﴾:

ربط: اُوپر طلاق کی عدّت کا بیان تھا، یہاں وفات کی عدّت کو بیان فرمایا۔

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔۔۔الآیۃ:

"تفسیر کشاف و بیضاوی" میں لکھا ہے کہ: اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا اَیْ لَیَالِیَ کیوں کہ قاعدہ یہ ہے کہ: ثَلٰثٌ سے عَشَرَ تک اگر تمیز مذکر ہو تو یہ عدد مؤنث آئے گا۔ مثلاً: ثَلٰثَةُ رِجَالٍ اور اگر تمیز مؤنث ہو تو عدد مذکر آئے گا۔ جیسے: ثَلٰثُ نِسْوَةٍ۔ یہاں عَشْرَ ممیز مذکر ہے تو تمیز لَیَالِیَ مؤنث ہوگی۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ۔۔۔الآیۃ:

ربط: طلاق کا ذکر چل رہا ہے، طلاق کے بعد عورت عدّت گزارتی ہے۔ تو اب یہاں سے اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتے ہیں کہ: عدّت کے دَوران صراحتاً پیغامِ نکاح نہ دو بلکہ اِشارے اور کنایہ سے بات کرو۔ جیسے: اَنْتِ جَمِيْلَةٌ وَاَنْتِ حَسِيْنَةٌ۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ۔۔۔الآیۃ:

ربط: پہلے طلاق کا ذکر تھا، آگے طلاق کے متعلق کچھ اَحکام کا ذکر ہے۔

مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ۔۔۔الآیۃ:

"جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: مَا مصدریہ ظرفیہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ: جس زمانے میں ہمبستری نہیں کی۔

وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ۔۔۔الآیۃ:

مُتْعَه کے تین (۳) معانی آتے ہیں:

① مُتْعَةُ الطَّلَاقِ یعنی مطلقہ کو ایک جوڑا دو۔ صاحبِ ھدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اگر مہر مقرر ہو تو متعہ دینا مستحب ہے اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو دینا واجب ہے۔

② مُتْعَةُ الْحَجِّ یعنی حجِ تمتع مُراد ہے۔

③ مُتْعَةُ الشِّيْعَةِ بغیر نکاح کے عورت کے ساتھ جماع کرنا۔

اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔۔۔الآیۃ:

سوال بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ سے کون شخص مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس سے عورت کا خاوند مُراد ہے کیوں کہ نکاح کی لگام اُس کے ہاتھ میں ہے۔

② حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اگر عورت مجنونہ یا نابالغہ ہو تو اُس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے یعنی بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ سے عورت کا ولی مُراد ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ۔۔۔الآیۃ:

ربط: شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اُوپر معاملات کا ذکر تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: معاملات میں صرف نہ اُلجھو بلکہ نماز کا بھی خیال کیا کرو۔

وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔۔۔الآیۃ:

وُسْطٰی کی تفسیر میں کئی اَقوال ہیں، لیکن راجح قول یہ ہے کہ: اِس سے مُراد نمازِ عصر ہے۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: جس سے عصر کی نماز فوت ہوئی تو گویا اُس کا گھر و مال سارا ضائع ہو گیا۔[1]

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۝:

قٰنِتِيْنَ اَیْ سَاكِتِيْنَ اَوْ طَائِعِيْنَ۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا۔۔۔الآیۃ:

اِمام صاحب رحمہ اللہ اور اِمام بخاری رحمہ اللہ فَرِجَالًا کا معنی کرتے ہیں: قَائِمًا عَلَى الْاَرْجُلِ۔

اِمام شافعی رحمہ اللہ فَرِجَالًا کا معنی کرتے ہیں: مُشَاةً چلتے پھرتے۔

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب المواقیت الصلوٰۃ، باب اثم من فاتتہ العصر، ج۱، ص۷۸، طبع یادگار شیخ کراچی)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو(۲) تفسیریں ہیں:

① پہلے مُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا کی عدّت ایک سال تھی، خواہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ یہ حکم نزول کے اِعتبار سے پہلے کا ہے بعد میں عدّت چار(۴) مہینے دس(۱۰) دن ہوگئی، یہ حکم نزول میں اِس کے بعد کا ہے۔

② حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: عدّت غیر حاملہ کی پہلے بھی چار(۴) مہینے دس(۱۰) دن تھی اور اب بھی ہے۔ البتہ اِس میں اِس بات کی تاکید ہے کہ: شوہر اپنے رشتہ داروں کو کہے کہ: اِس کو (یعنی میری بیوی کو) ایک سال تک گھر سے نہ نکالنا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا میں جہاد کا ذکر ضمناً تھا، یہاں سے جہاد کا ایک واقعہ بیان کیا۔

شانِ نزول: شانِ نزول کے متعلق دو(۲) باتیں ہیں:

① حضرت حزقیل علیہ السلام نے اُن کو جہاد کے لیے آمادہ کیا اور یہ لوگ نہ مانے۔

② یہ لوگ موت سے بھاگے یعنی طاعون کی بیماری تھی اُس سے بھاگے۔

سوال اَلَمْ تَرَ میں رُؤْيَت سے کون سی رُؤْيَت مُراد ہے؟

جواب "تفسیر خازن، ابن جریر طبری اور ابن عوینہ" میں لکھا ہے کہ: یہاں رُؤْيَت سے رُؤْيَتُ الْعَيْن مُراد نہیں یعنی رُؤْيَت سے آنکھ کا دیکھنا نہیں بل کہ دل کا دیکھنا مُراد ہے۔ اَيْ اَلَمْ تَعْلَمْ يَامُحَمَّدُ ﷺ بِاِعْلَامِ اِيَّاكَ۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر قتال کا ذکر تھا اور قتال میں پیسے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں اِنفاق کا ذکر فرمایا۔

سوال اِنْفَاقٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کو قرض کے ساتھ تشبیہ کیوں دی؟

جواب تشبیہ مِنْ كُلِّ الْوُجُوْہ مساوات کو نہیں چاہتی۔ مثلاً: زَيْدٌ كَالْاَسَدِ میں زَيْدٌ کو اَسَد کے ساتھ تشبیہ صرف ایک وصف میں ہے، مِنْ كُلِّ الْوُجُوْہ نہیں ہے، تو یہاں تشبیہ اِس لیے دی کہ جیسے کوئی کسی کو قرض دیتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ مجھے واپس ملے گا، اِسی طرح جو اللہ تعالیٰ کو دیتا ہے اُس کو بھی یقینی طور پر ملے گا۔ تو یہاں ملنے پر تشبیہ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ: نَعُوْذُ بِاللّٰهِ حق تعالیٰ قرض کے محتاج ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى ۔۔۔ الآیۃ:

مَلَاء کے معنی ہیں: جماعت۔ "ابوسعود، بیضاوی" میں مَلَاء کے معنی ہیں کہ: ایسے لوگ، سردار کہ ڈیل ڈول کے لحاظ سے اپنے اَشخاص کے ذریعے لوگوں کی آنکھوں کو پُر کردیں اور اپنے مال، ہیبت اور دبدبے سے اُن کے دلوں کو پُر کردیں۔

اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں سے شمویل علیہ السلام یا اشمویل علیہ السلام بھی آیا ہے، اُن کا واقعہ ہے کہ: وہ بوڑھے تھے، قوم نے اُن سے کہا کہ: ہمارے لیے جرنیل مقرر کردیں۔ تو اُنہوں نے طالوت رحمہ اللہ کو مقرر فرمایا۔

سوال نبی کی موجودگی میں کوئی اور کیسے مَلِك اور کمانڈر بن سکتا ہے؟ نبی تو خود کمانڈ کرتا ہے، تو لوگوں نے کیوں مطالبہ کیا اِبْعَثْ لَنَا مَلِكًا؟

جواب "تفسیرِ کمالین" میں لکھا ہے کہ: شمویل علیہ السلام كَانَ شَيْخًا كَبِيْرًا عمر رسیدہ تھے، اِس لیے لوگوں نے مطالبہ کیا تھا کہ: آپ بوڑھے ہوگئے ہیں ہمارے لیے کوئی جرنیل مقرر کردیں تاکہ ہم اُس کی معیت میں جہاد کریں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۔۔۔ الآیۃ:

سوال یہ طالوت رحمہ اللہ کون تھے؟

جواب اِس کے بارے میں کئی روایات ہیں:

① کَانَ دَبَّاغًا رنگریز تھے۔ ② کَانَ رَاعِیًا چرواہا تھے۔ ③ کَانَ سَاقِیًا ساقی تھے۔

کوئی تعارض کی بات نہیں کیوں کہ مزدور آدمی کبھی ایک کام کرتا ہے، کبھی دوسرا کام کر لیتا ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ إِنَّ اللهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ۔۔۔الآیۃ:

جب طالوت ؒ کو اُن کا جرنیل مقرر کر دیا اور فرشتوں نے اُن کو صندوق پیش کر دیا تو جہاد کے لیے روانہ ہوئے۔ طالوت ؒ بڑے زیرک اور دانا تھے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ: یہ سارے لوگ تو جہاد والے نہیں، اِس لیے اُن کا اِمتحان لیا۔ جالوت کا لشکر ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) تھا۔ طالوت ؒ کے ساتھ تین سو تیرہ (۳۱۳) آدمی تھے۔

فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ۔۔۔الآیۃ:

"روح المعانی، کبیر" میں لکھا ہے کہ: نہر پار کرنے کے بعد دو (۲) فریق بن گئے:

① کَامِلُ الْإِيْمَان۔ ② أَكْمَلُ الْإِيْمَان۔

جو کَامِلُ الْإِيْمَان تھے اُنہوں نے کہا کہ: ہم ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) کے مقابلے میں کیا کریں گے؟!! اور جو أَكْمَلُ الْإِيْمَان تھے اُنہوں نے اَسباب کی طرف نظر نہ کی۔

قَالُوْا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا۔۔۔الآیۃ:

یہ میدان میں جاتے وقت دُعا کی تھی۔

وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوْتَ۔۔۔الآیۃ:

اُس لشکر میں داود علیہ السلام اور اُن کے والد عیشا یا یشا اور اُن کے بھائی بھی تھے۔ جالوت کو داؤد علیہ السلام نے قتل کیا۔ لیکن یہ نبوّت سے پہلے کی بات تھی، اب تک اُن کو نبوّت نہیں ملی تھی۔

وَلَوْ شَآءَ اللهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ۔۔۔الآیۃ:

اللہ تعالیٰ کی مشیت دو (۲) قسم پر ہے: ① تشریعی۔ ② تکوینی۔

① تشریعی یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے سب کو نیکی اور بُرائی کی طاقت دی ہے۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔۔۔الآیۃ [1]

② تکوینی یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اُن سے بُرائی کا مادّہ نہ نکالا، اگر ایسا کرتے تو اِنسان اِنسان نہ رہ جاتا بل کہ فرشتہ بن جاتا۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ۔۔۔الآیۃ:

ربط: "تفسیر کبیر، سبق الغایات فی نسق الآیات، ابوسعود" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے گذرا تھا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا۔۔۔الآیۃ [2] إِنْفَاق فِيْ سَبِيْلِ الله کا ذکر تھا۔ یہاں اِس رُکوع میں بھی اُسی کی ترغیب ہے۔

سوال إِنْفَاق سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① عام مفسرین إِنْفَاق سے مال مُراد لیتے ہیں۔

② اِمام رازی ؒ، علامہ اندلسی ؒ اور علامہ آلوسی ؒ فرماتے ہیں کہ: اِس إِنْفَاق میں علم، قوّتِ بدنی، اِصابت رائے سب شامل ہیں۔

مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ۔۔۔الآیۃ:

"ابوسعود، مدارک، خازن اور بیضاوی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: دُوستی غیر متقین کی نہ ہوگی، متقین کی دُوستی برقرار رہے گی۔

[1] (سُوْرَةُ الْكَهْف ۲۹) [2] (سُوْرَةُ الْبَقَرَة ۲۴۵)

سوال شَفاعت توحق ہے، اِس کی نفی کیوں کر دی؟

جواب اِس کے دو(۲) جواب ہیں:

① شَفاعت نہ ہوگی اِلَّا بِاِذْنِہٖ۔ ② کافروں کے لیے شَفاعت نہ ہوگی۔قرینہ ہے وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ ①

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ۔۔۔الآیۃ:

ربط: اُصل الاصول تین(۳) چیزیں ہیں: ① توحید۔ ② رسالت۔ ③ معاد۔

تِلْكَ الرُّسُلُ میں رسالت کا ذکر تھا اور یہاں سے توحید کا ذکر ہے۔

اٰیَۃُ الْکُرْسِیِّ کی فضیلت: "بخاری شریف" میں روایت کی ہے کہ: جو اِس کو جس وقت پڑھے گا شیطان کے اُثر سے محفوظ ہوگا ②

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ۔۔۔الآیۃ:

قَیُّوْم کے دو(۲) معنی ہیں: ① لازمی۔معنی ہے: قائم رہنے والا اُس پر کوئی زوال نہیں۔ ② متعدی۔معنی ہے: قائم رکھنے والا۔

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ۔۔۔الآیۃ:

بریلوی مسلک کا ایک مولوی محمد عمر اِس آیت سے آپ ﷺ کے لیے علمِ غیب کلی کو یوں ثابت کرتا ہے کہ: یہاں مَا عموم کے لیے ہے۔

جواب اُن کا یہ اِستدلال دو(۲) طریقوں سے باطل ہے:

① اَلْمَوْصُوْلَاتُ لَمْ تُوْضَعْ لِلْعُمُوْمِ بَلْ هِيَ لِلْجِنْسِ يَحْتَمِلُ الْعُمُوْمَ وَالْخُصُوْصَ۔

② اگر مَا کو عموم کے لیے مان لیں تو اِسْتِثْنَاءُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ لازم آتا ہے جو باطل ہے۔لازم یوں آتا ہے کہ: اِس صورت میں معنی ہوگا کہ اِس کا علم اِحاطہ نہیں کرتا کسی چیز پر۔یہ بھی کل پر دال ہے اور بعد میں مَا بھی عموم پر دال ہے۔لہٰذا اِس صورت میں اِسْتِثْنَاءُ الْكُلِّ عَنِ الْكُلِّ لازم آتا ہے جو کہ باطل ہے۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ۔۔۔الآیۃ:

كُرْسِيُّهُ کے معنی عِلْمُهٗ یا اِس سے حقیقی کرسی کا معنی بھی مُراد لیا جا سکتا ہے۔ساتویں آسمان کے اُوپر، عرش کے اُوپر، کرسی ہے۔

اِشکال: سَمٰوٰت کو جمع ذکر کیا اور اَرْض کو مفرد ذکر کیا، جب سَمٰوٰت ، اَرْض کے ساتھ مل گیا تو چاہیے تو یہ تھا کہ: وَلَا یَئُوْدُهٗ کی جگہ وَلَا یَئُوْدُهُنَّ کہہ دیتے کیوں کہ اَرْض اور سَمٰوٰت مل کر جمع ہے اور اِس کے بعد تثنیہ ذکر کر دیا حِفْظُهُمَا؟

جواب: اِمام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سَمٰوٰت کو شَيْء واحد قرار دیا اور اَرْض کو بھی شَيْء واحد قرار دیا۔لہٰذا دو(۲) ہوئے اِس لیے تثنیہ لایا۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۚ۔۔۔الآیۃ:

شانِ نزول: مدینہ منوّرہ میں دو(۲) خاندان کفار کے تھے: ① اوس۔ ② خزرج۔

اُنہوں نے اپنے بیٹے یہود کو دے دیے، وہ اُن کے پاس پڑھتے تھے، اور کھاتے پیتے تھے۔جس وقت یہود مدینہ سے چلے، وہ بچے بھی اُن کے ساتھ چلے، والدین اُس وقت مسلمان ہو گئے تھے۔اُنہوں نے اپنے بیٹوں کو مجبور کر دیا کہ: اُن کے ساتھ نہ جاؤ۔بچوں نے کہا کہ: ہم تو اُنہی کے بیٹے ہیں۔یہاں تک کہ: بعض نے اپنے بیٹوں کو مارا بھی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۚ۔۔۔الآیۃ ③

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ۔۔۔الآیۃ:

سوال طَاغُوْت سے کون مُراد ہے؟

جواب اِس میں مختلف اَقوال ہیں:

① (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ،۲۵۴) ② (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب فضل البقرۃ، ج۲، ص۷۴۹، طبع یادگار شیخ، کراچی) ③ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ،۲۵۶)

①طَاغُوت سے مُراد جادوگر، کاہن، جادو، شیطان یا بُت ہیں۔
②ہمارے خیال میں طَاغُوت کی جامع مانع تعریف امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے کہ: "کُلُّ مَا یَشْغَلُكَ عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوتٌ"۔
③"جلالین شریف" میں لکھا ہے کہ: طَاغُوت جنس ہے یُطْلَقُ عَلَی الْمُفْرَدِ وَالْجَمْعِ۔
④امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کُلُّ مَا یُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَهُوَ طَاغُوتٌ۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔الآیۃ ﴿۲۵۷﴾:

ربط: اُوپر دو (۲) قسم کے لوگوں کا ذکر تھا:
① مؤمنین کا ذکر تھا۔فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ۔۔۔الآیۃ ❶
② کافروں کا ذکر تھا۔وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ۔۔۔الآیۃ ❷
اب یہاں سے اِن دونوں طبقوں کا ذکر ہے۔

یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ۔۔۔الآیۃ:

سوال "تفسیر کبیر اور رُوح المعانی" میں لکھا ہے کہ: ظُلُمَات کو جمع اور نُوْر کو مفرد کیوں لے کر آئے؟

جواب باطل کے طرق کثیرہ ہیں اور ایمان وحق شے واحد ہے اِس وجہ سے ظُلُمَات کو جمع اور نُوْر کو مفرد لے کر آئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۵۸﴾:

ربط: پہلے طاغوت والوں کا ذکر تھا، اب آگے مؤمنوں کا ذکر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَیْ اَلَمْ یَنْتَهِ عِلْمُكَ اِلَی الَّذِیْ۔

ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں جو ظالم وجابر حکمران تھا اُس کا نام "کمالین اور قاموس" والے نے نمروذ بن کنعان (نمرود بن کنعان) لکھا ہے۔
"تفسیر خازن" میں لکھا ہے کہ: چار (۴) بادشاہ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے پوری دُنیا پر حکومت کی ہے، اُن میں سے دو (۲) مسلمان اور دو (۲) کافر تھے: مسلمانوں میں سے ایک حضرت سلیمان علیہ السلام اور ایک سکندر اعظم ذوالقرنین تھے اور کافروں میں سے نمرود اور بخت نصر تھا۔

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ۔۔۔الآیۃ:

"تفسیر کبیر" میں لکھا ہے کہ: اگر نمرود یوں کہہ دیتا کہ: سورج کو مشرق سے میں لاتا ہوں تیرا رب اِس کو مغرب سے طلوع کر کے دیکھائے تو اللہ تعالیٰ اِسی طرح کر دیتا۔

فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ۔۔۔الآیۃ:

اَیْ حُیِّرَ الَّذِیْ كَفَرَ۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۵۹﴾:

اَوْ كَالَّذِیْ کا عطف اَلَمْ تَرَ پر ہے۔

واقعہ: حضرت عزیر علیہ السلام بیتُ المقدس کے قریب سے گزرے، گدھے پر سوار تھے، اُن کے پاس اِنجیل کتاب بھی تھی۔ وہاں بیتُ المقدس کا شہر جو ایرانیوں کے حملوں کی وجہ سے برباد ہو چکا تھا۔ حیرانگی کی حالت میں کہا کہ: یا اللہ! یہ شہر پھر کیسے آباد ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت اُن کو موت دے دی۔ سو (۱۰۰) سال گزرے، عصر کے وقت اللہ تعالیٰ نے اُن کو زندہ کر دیا۔ اُن کا کھانا جو کہ اِنجیر تھا صحیح سالم تھا اور گدھا متغیر ہو چکا تھا، صرف اُس کی ہڈیاں باقی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کر کے دکھلایا۔

وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ۔۔۔الآیۃ:

سوال وَلِنَجْعَلَكَ میں وَاو کون سا ہے؟

---

❶❷ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۵۳)

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ "فوز الکبیر" میں لکھتے ہیں کہ: یہ وَاوْ زائد ہے۔

② "جلالین" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اِس کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ فَعَلْنَا ذٰلِكَ لِتَعْلَمَ۔

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ۔۔۔ الآية:

بعض حضرات نے حضرت عزیر علیہ السلام کے اِس واقعہ سے اِستدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: اگر رُوح کا تعلّق جسم کے ساتھ ہوتا تو ضرور اُن کو سَمَاع ہوتا اور وقت کا اُن کو پتہ چل جاتا؟

جواب اُن کا یہ اِستدلال بالکل باطل اور مبنی برفساد ہے کیوں کہ آپ اِدھر موجود ہیں، زندہ ہیں اور میری بات سنتے ہیں۔ اب میں سوال کرتا ہوں کہ: كَمْ مِنْ اَيَّامٍ لَبِثْتُمْ بَعْدَ الْوِلَادَةِ ! میں اِسی طرح پوچھتا کہ: کتنے گھنٹے ہوئے کہ آپ حضرات اِدھر موجود ہیں تو آپ قطعاً نہیں بتلا سکتے ہیں۔ اگر میرے سوال کا جواب نہ دینے کی وجہ سے میں یہ کہہ دوں کہ: تم سب مُردے ہو سنتے نہیں ہو تو یہ سب غلط ہوگا۔ لہٰذا بالکل اِسی طرح مسئلۂ مذکورہ کا اِس مسئلہ حیات وممات سے کوئی تعلّق نہیں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِمُ رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى۔۔۔ الآية ﴿۲۶۰﴾:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ: یا اللہ! آپ مُردوں کو کس طرح زندہ کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؟ اللہ تعالیٰ نے اِس لیے یہ سوال نہیں کیا کہ: وہ (نَعُوْذُ بِاللہ) گویا کہ مؤمن نہیں تھے بل کہ یہ سوال اِس لیے کیا تاکہ ابراہیم علیہ السلام کا اِیمان واضح ہوجائے۔ جمہور اِس کا یہی معنی کرتے ہیں۔

وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ۔۔۔ الآية:

"تفسیر اتقان" میں لکھا ہے کہ: قَلْبِيْ ابراہیم علیہ السلام کا ایک دُوست تھا۔ اِس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تاکہ میرا دُوست قَلْبِيْ مطمئن ہوجائے کیوں کہ وہ قیامت کے بارے میں متردد تھا۔

جمہور کا قول یہ ہے کہ: قَلْبِيْ سے دل مُراد ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ: میرا دل نفسِ احیاءِ موتیٰ پر مطمئن ہے۔ پس! آپ سے کیفیتِ احیاءِ موتیٰ کا سوال کررہا ہوں تاکہ اِطمینانِ قلب حاصل ہوجائے۔

قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ۔۔۔ الآية:

"تفسیر بیضاوی اور رُوح المعانی" میں لکھا ہے کہ: وہ چار (۴) پرندے یہ تھے:

① مور۔ ② مرغ۔ ③ کبوتر۔ ④ کوا۔

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا۔۔۔ الآية:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اُن تمام کا قیمہ بنا کر، پھر ملا کر مختلف پہاڑوں پر رکھ دیں۔

یہاں بعض حضرات سے ایک غلطی ہوئی ہے اُن میں سے ابوالکلام آزاد بھی ہیں۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ: اُن چار (۴) پرندوں کو کاٹا نہیں تھا بل کہ یوں فرمایا کہ: اُن کو پہاڑوں پر اِسی طرح رکھ دو پھر اُن کو بلاؤ۔ لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ۔۔۔ الآية ﴿۲۶۱﴾:

ربط: "سبق الغایات فی نسق الآیات" میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے اِنفاق کا ذکر تھا، اب اُس کی فضیلت اور اِنفاق کے شرائط کا ذکر ہے۔ قرآن پاک میں ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔۔۔ الآية ❶ لیکن فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ایک نیکی کرنا سات سو (۷۰۰) گنا ثواب ہے۔ علمِ دین کے لیے سفر، حج کے لیے سفر، یہ تمام اِنفاق فِيْ سَبِيْلِ اللهِ میں داخل ہے۔

❶ (سُوْرَةُ الْاَنْعَام: ۱۶۰)

"الترغیب والترہیب" میں روایت ہے کہ: اگر ایک صحیح العقیدہ مسلمان جائز طریقہ سے دوسرے ملک میں مال کماتا ہے بہ شرطیکہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو اُس کو بھی سات سو (۷۰۰) گنا اجر ملے گا۔

اِشکال: مَثَلُ الَّذِیْنَ، اَلَّذِیْنَ مشبہ اور حَبَّۃٌ مشبہ بہ ہے۔ لوگوں کی ذوات کو دانے کے ساتھ تشبیہ کیوں دی؟

جواب: "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: یہاں مضاف محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: مَثَلُ نَفَقَاتِ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ۔

ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی۔۔۔ الآیۃ:

شرائطِ اِنْفَاق فِیْ سَبِیْلِ اللہ: کچھ صدقات کے قبولیت کی شرائط ہیں اور کچھ بقاء کی:

شرائطِ قبولیت یہ ہیں کہ: ایمان ہو اور خرچ کرنی والی چیز حلال اور خداوند تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو۔

بقاء کی شرائط یہ ہیں کہ: اِنْفَاق کے بعد مَنّ اور اَذٰی نہ ہو۔

مال کا پاکیزہ ہونا اِس لیے شرط ہے کیوں کہ حدیث شریف میں آتا ہے: لَا تُقْبَلُ صَدَقَۃٌ مِّنْ غُلُوْلٍ [1]

حرام چیز کو صدقہ کرنے کے بعد اگر ثواب کی نیت کرے تو کافر ہے، یہ حرام چیز غریب کے لیے جائز ہے۔ حرام چیز کے صدقہ کرنے پر تعمیل حکم کا ثواب ملتا ہے صدقے کا نہیں ملتا۔

فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ۔۔۔ الآیۃ:

صَفْوَان کے معنی ہیں: حَجَرٌ اَمْلَسُ ایسا پتھر جو بالکل اُوپر سے ہموار ہو، اُس پر مٹی پڑی ہوئی ہو، اُس مٹی کے اُوپر کچھ بیج کسی آدمی نے بوئے ہوں تو اُمید ہے کہ: اُس آدمی کو کچھ فائدہ پہنچے گا۔ لیکن تیز بارش ہوگئی اور اُس چٹان سے ساری مٹی بہا کر لے گئی۔ جو تم نے صدقہ کیا ہے اُس کی مثال بھی ایسی ہے گویا کہ چٹان کے اُوپر مٹی ہے، تم نے اُس میں بیج بوئے ہوئے ہیں اُمید ہے کہ تمہیں اُس سے فائدہ حاصل ہوگا۔ لیکن اگر تم اِحسان جتلاؤ گے، اَذیت دوگے تو یہ اِحسان اور اَذیت کی بارش سب کچھ بہا کر لے جائے گی اور وہاں پر کچھ بھی نہیں بچے گا۔

کَمَثَلِ جَنَّۃٍۭ بِرَبْوَۃٍ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر کبیر، روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: اُونچی جگہ کی قید اِس لیے لگائی کہ ہر طرف سے دھوپ بھی لگے گی اور ہوا بھی اَچھی لگے گی۔

فَاِنْ لَّمْ یُصِبْھَا وَابِلٌ فَطَلٌّ۔۔۔ الآیۃ:

وَابِل سے کثیر مقدار میں صدقہ کرنا مُراد ہے۔ فَطَل سے قلیل مقدار میں صدقہ کرنا مُراد ہے۔

اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ۔۔۔ الآیۃ:

کھجور اور انگور کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے کیوں کہ اِس کا میوہ دیر تک رہتا ہے۔

فَاَصَابَھَآ اِعْصَارٌ۔۔۔ الآیۃ:

اِعْصَار وہ ہوا جو ستون کی طرح زمین سے لپٹ کر کے اُوپر کی طرف بہت تیزی سے چلتی ہے۔

فَاحْتَرَقَتْ۔۔۔ الآیۃ:

لازمی ہو تو ضمیر جنّت کی طرف راجع ہوگی۔ معنی ہیں: باغ جل گیا اور اگر متعدی ہو تو ضمیر دُوزخ کی طرف راجع ہوگی۔ معنی ہیں: وہ باغ آگ نے جلا دیا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا۔۔۔ الآیۃ:

ربط: پہلے نفقات کی قبولیت کی شرائط کا بیان تھا۔ آگے مال کی صفت بیان کرتے ہیں کہ: مال پاکیزہ ہو۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ۔۔۔ الآیۃ:

مصادر کے تبدیل ہوجانے سے معانی میں تبدیلی آجاتی ہے۔ اگر وَعَدَ، یَعِدُ، وَعِیْدًا ہو تو معنی ہے: "ڈرانا" اور اگر وَعْدًا ہو تو معنی ہے: "وعدہ کرنا"۔

[1] (جامع الترمذی، ابواب الطہارۃ عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء لاتقبل صلوٰۃ بغیر طہور، ج۱، ص۳، طبع قدیمی، کراچی)

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۔۔۔ الآیۃ:

حکمت کی تعریف ہے: اَلْعِلْمُ النَّافِعُ الْمُؤَدِّیْ إِلَی الْعَمَلِ۔

اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ ۔۔۔ الآیۃ:

نَذَر یہ ہے کہ: میرے پروردگار! اگر میرا یہ کام ہوا تو یہ کام کروں گا۔

شریعت میں نَذَر مستحسن چیز نہیں ہے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ سے سودا کرنا ہے۔ نیز جاہل سمجھتا ہے کہ: میرا کام نَذَر سے ہوا۔

نَذَر غیرُ اللہ کے لیے ماننا باطل ہے کیوں کہ نَذَر ایک عبادت ہے اور عبادت غیرُ اللہ کے لیے جائز نہیں۔ نیز جاہل آدمی غیرُ اللہ کو (میت وغیرہ) کو متصرف تسلیم کرلیتا ہے جو کہ دُرست نہیں ہے۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں سے اُن صدقات کی اَدائیگی کے اَوصاف بیان کرتے ہیں۔

سوال "هِيَ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب "هِيَ" ضمیر صدقات کی طرف راجع ہے۔ لیکن یہاں پر مضاف محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعْمَ شَيْءٌ إِبْدَاءُهَا۔

مخفی صدقہ کرنے کی حکمت: مخفی صدقہ کرنے میں ریاکاری نہیں ہوتی اگر آپ مجمع میں دیں گے تو لینے والے کا ضمیر اس کو برداشت نہیں کرے گا۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ: چور دیکھ لے گا کہ اچھا! اتنی تو اس نے زکوۃ دی!! اِس سے کہیں زیادہ اس کے گھر میں موجود ہیں۔ لہٰذا صدقہ خفیہ طور پر دینا چاہیے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر صدقہ دینے کا حکم ہے اور نفلی صدقہ کافروں کو بھی دیا جاسکتا ہے بہ شرط یہ کہ وہ کافر مُحَارِب نہ ہوں۔ تو آپ ﷺ پہلے کافروں کو نفلی صدقہ دیا کرتے تھے پھر آپ ﷺ نے صدقہ کا عمل مَوقوف کر دیا اِس خیال سے کہ: یہ لوگ جب مسلمان ہوں گے تب اِن کو صدقہ دوں گا اور آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ: اِن کو ہدایت حاصل ہوجائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ❶ آپ (ﷺ) کے ذمہ ہدایت دینا نہیں ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: پہلے صدقہ دینے والے کے اَوصاف تھے، پھر صدقہ کے اَوصاف تھے، اب صدقات کے لیے وقت کو بیان کرتے ہیں کہ: صدقہ کے لیے کوئی وقت متعین نہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر صدقات کا ذکر تھا جس سے مال بظاہر کم ہوتا ہے اور اب رِبوا کا ذکر ہے جس سے مال بظاہر زیادہ ہوتا ہے۔ وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ۔

اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۔۔۔ الآیۃ:

اِمام سرخسی رحمہ اللہ "مبسوط" میں فرماتے ہیں کہ: اہلِ سنّت والجماعت کا یہ نظریہ ہے کہ: جنات اِنسان کو تکالیف پہنچاتے ہیں۔

ایک تو اِس آیت سے اِستدلال کرتے ہیں اور ایک ساتویں پارہ میں ہے: كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۔۔۔ الآیۃ ❷

"شمائلِ ترمذی" میں روایت ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آپ ﷺ نے اپنی اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے اِرشاد فرمایا: اَتَدْرُوْنَ مَا خُرَافَةُ؟ کیا تم جانتی ہو خرافہ کیا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے خود ہی اِرشاد فرمایا: كَانَ رَجُلًا مِنْ عُذْرَةَ اَسَرَتْهُ الْجِنُّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَكَثَ فِيْهِمْ دَهْرًا۔ پھر اُس کو رہا کر دیا، پس! وہ لوگوں کو عجیب وغریب باتیں سناتا تھا، اُس کی باتیں لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں تو کہہ دیتے چھوڑ دو خرافات ہیں ❸

❶ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۷۲) ❷ (سُوْرَۃُ الْاَنْعَام، ۷۱) ❸ (شمائل الترمذی، باب ما جاء فی کلام رسول اللہ ﷺ فی السمر، ج ۲، ص ۷، المطبع قدیمی، کراچی)

إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۔۔۔ الآیۃ:

اُلٹی تشبیہ دی کہ بیع اِس لیے حلال ہے کہ رِبٰو احلال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کو رد کیا۔

"مستدرک" کی روایت ہے کہ: جس قوم میں دو باتیں ہوں، اللہ تعالیٰ اِس قوم کو برباد کر دیتے ہیں: ① ایک سود۔ ② دوسرا زنا[1]

فَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞:

"تفسیر روح المعانی اور بیان القرآن" میں لکھا ہے کہ: اگر سود حلال سمجھ کر کرتا ہے اور کھاتا ہے تو کافر ہوگا اور اُس کے لیے خُلُوْد ہوگا اور اگر حرام سمجھ کر کھاتا ہے اور کرتا ہے تو خُلُوْد سے مُراد مَکْثِ طَوِیْل ہے۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سِجْنٌ مُخَلَّدٌ سے مُراد مَکْثِ طَوِیْل ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے سمجھانے کے لیے مثال بیان فرمائی ہے: ایک آدمی بیمار ہے اُس کا بدن سوج گیا ہے، وہ خوش ہوتا ہے کہ: میں پہلوان ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ: تم بے وقوف ہو یہ تو پاؤں سوج گئے ہیں اور تم خوش ہوتے ہو؟! تو رِبٰوا سے بھی بظاہر مال بڑھتا ہوا نظر آتا ہے لیکن دراصل یہ نقصان ہے، صدقات سے موادِ غلیظہ ساقط ہو جاتے ہیں، جیسا کہ جُلاب سے موادِ غلیظہ جسم سے خارج ہو جاتے ہیں۔

وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۸۰﴾:

اِس میں دو (۲) ترکیبیں ہیں:

① قاضی ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نَظِرَةٌ یہ خبر ہے مبتداء محذوف کے لیے أَيْ فَالْحُكْمُ نَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَةٍ۔

② علامہ سیوطی رحمہ اللہ فَنَظِرَةٌ کو مبتدا موخر بتاتے ہیں أَيْ فَعَلَيْكُمْ نَظِرَةٌ۔

وَأَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کے تین (۳) مطلب ہیں:

① بالکل قرضہ معاف کر دو۔ ② بعض قرضہ معاف کر دو۔ ③ مہلت دے دو۔ یہ سب صدقے ہیں۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِذَا تَدَايَنْتُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۸۲﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: اگر تمہارا مدیون تنگ دست ہو تو مہلت دے دو۔ اب اُسی اُدھار کا ضابطہ بیان کر رہے ہیں۔

قرض اور دَین میں فرق: اگر کسی کو نقد پیسے دے دو تو یہ قرض ہے اور اگر کوئی چیز اُدھار بیچ دو تو یہ دین ہے۔

"تفسیر روح المعانی" میں ہے لکھا ہے کہ: کاتب پر لکھنا واجب نہیں اگر اُجرت لینا چاہیے تو لے سکتا ہے۔

"روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: نفسِ شہادت پر اُجرت لینا جائز نہیں، البتہ کھانا پینا اور کرایہ معمول کے مطابق لے سکتا ہے۔

أَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ ۔۔۔ الآیۃ:

گونگا ہے یا زبان نہیں چلتی یا عدمِ استطاعت کی وجہ سے اِملا نہیں کروا سکتا۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۸۳﴾:

سفر کی قید اتفاقی ہے اِحترازی نہیں۔ سفر کا ذکر اِس لیے کیا کیوں کہ رَہن کی ضرورت سفر میں زیادہ پڑتی ہے۔ یہاں رَہن سے اِنتفاع کے متعلق سوال ہے اور بحث ہے۔ میرے خیال میں اِس کے بارے میں "اَحکام القرآن" میں ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے ٹھوس بحث کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ: جو چیز رَہن ہو اِس سے مرتھن نفع نہیں اُٹھا سکتا۔ تمام ائمہ رحمہم اللہ کا اِس پر اتفاق ہے کہ: رَہن صرف ایک وثیقہ ہے، زمین ہے تو راہن کاشت کرے گا وغیرہ۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ لکھا ہے اُس میں اُنہوں نے فقہی طور پر ٹھوس حوالے جمع کیے ہیں کہ مرتھن رَہن سے نفع نہیں اُٹھا سکتا۔

---

[1] (الترغیب والترہیب للمنذری رحمہ اللہ، الترغیب من الربا، ج ۳، ص ۳، ۷، ۳، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت)

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔۔۔الآیۃ ﴿﴾:

ربط: سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ میں بہت سے مسائل مذکور تھے۔ یہاں فرماتے ہیں کہ: آسمان وزمین کے مالک ہم ہیں، جو حکم دیں اُس پر عمل کرو۔

وَاِنْ تُبْدُوْا۔۔۔الآیۃ:

"ابوسعود، مدارک، مظہری" وغیرہ میں اِس کی دو (۲) تفسیریں کی گئی ہیں:

① اِس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہوئے کہ وسوسے تو ہمارے اِختیار میں نہیں ہیں۔ یہ آیت آگے والی آیت: لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔۔۔الآیۃ ❶ سے منسوخ ہے۔

اِشکال: خبر میں نسخ نہیں ہوسکتا کیوں کہ نسخ اِنشاء ہوتا ہے اور یہ خبر ہے؟

جواب: خَبَر مِنْ حَیْثُ الْخَبَر میں نسخ نہیں ہوسکتا۔ البتہ خَبَر مِنْ حَیْثُ الْاِنْشَاء میں نسخ ہوسکتا ہے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ غلط وسوسے اُس میں داخل نہیں، اگر وسوسے کے طور پر کسی گناہ کا خیال ذہن میں آئے تو کوئی گناہ نہیں اور اگر عزم کے طور پر گناہ کا خیال آئے یعنی اِرادہ کرے تو اُس میں گناہ ہے۔

مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ۔۔۔الآیۃ:

مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ سے مُراد وہ خیالات ہیں جو قصداً واِرادۃً تم اپنے دلوں میں رکھتے ہو غیر اِرادی طور پر نہیں۔

"بخاری شریف" کی روایت میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے دلوں کی بات کو معاف فرمایا ہے مَا لَمْ تَكَلَّمْ اور مَا لَمْ تَعْمَلْ ❷

تو جب تک وہ بولے نہیں یا اُس پر عمل نہیں کرے اُس سے پہلے معتبر نہیں اور جو چیز دل کے ساتھ تعلّق رکھتی ہے۔ مثلاً: عقیدہ، اِیمان، حسد وغیرہ۔ اُس کے لیے تکلّم یا عمل ضروری نہیں جب کہ وہ دل اُس پر مطمئن ہو۔

وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ۔۔۔الآیۃ ﴿﴾:

غُفْرَانَكَ یہ مفعول بہ للفعل المحذوف ہے۔ اَیْ اَسْئَلُ غُفْرَانَكَ۔ رضی شارح کافیہ کہتے ہیں کہ: یہ مفعولِ مطلق ہے۔ اَیْ اِغْفِرْ غُفْرَانَكَ۔

فقہی اِختلاف: امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: خطاء کی صورت میں رُوزہ فاسد ہے اور صائم کے ذمہ قضاء ہے۔

اِمام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا تو پھر قضاء بھی واجب نہیں۔ اِمام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: خطاء اور نسیان ایک ہی چیز ہے۔

دلیل اُن کی یہ ہے: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔۔۔الآیۃ ❸

جواب ہم اِس کا جواب دیتے ہیں کہ: یہاں مواخذہ سے اُخروی مواخذہ مُراد ہے، دُنیا کا مواخذہ مُراد نہیں۔

ہم خطاء اور نسیان میں فرق کرتے ہیں: نسیان یہ ہے کہ: نفسِ فعل بھول جائے جیسا کہ رُوزہ کو بھول گیا اور خطاء یہ ہے کہ: نفسِ فعل یاد ہو لیکن غیر اِختیاری طور پر کیا جائے۔

وَاعْفُ عَنَّا۔۔۔الآیۃ ﴿﴾:

ہمارے صغیرہ گناہ معاف فرما۔

وَاغْفِرْ لَنَا۔۔۔الآیۃ:

ہمارے کبیرہ گناہ معاف فرما اور بعض نے اِس کا برعکس معنی بیان کیا ہے۔

---

❶❸ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۸۶) ❷ (صحیح البخاری، کتاب العتق، باب الخطاء والنسیان، ج ۱، ص ۳۴۳، مطبع یادگار شیخ، کراچی)

اٰیَاتُھَا (۲۰۰) (۳) سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ (۸۹) رُکُوْعَاتُھَا (۲۰)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: "تفسیر بیان القرآن، کبیر، ابوسعود، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے: پہلی سورۃ کے آخر میں تھا: فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ○ ❶ مدد و نصرت دو (۲) قسم کی ہوتی ہے: ① بِاللِّسَان یعنی زبانی۔ ② بِالسِّنَان یعنی سیفی۔

اِس سورۃ میں دونوں کا ذکر ہے۔ پہلے نُصْرَتْ بِاللِّسَان کا ذکر ہے کہ: نجران کے عیسائیوں کو زبان سے مغلوب کر لیا۔ پھر آگے نُصْرَتْ بِالسِّنَان کا ذکر ہے جو کہ غزوۂ بدر کی صورت میں آئی۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن ہے۔ عمران بن ماثان حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام تھا۔

الٓمّٓ ○ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ○ ﴿۲﴾:

شانِ نزول: "تفسیر طبری، مدارک اور رُوح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: ہجرت کا نواں سال تھا، رجب کا مہینہ تھا، نجران کے ساٹھ (۶۰) عیسائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ وہاں کچھ مذہبی گفتگو ہوئی اور مناظرہ ہوا۔ اُنہوں نے کہا کہ: عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اِس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا نہ ہونے پر ایسے دلائل پیش کیے کہ اُنہوں نے اِقرار کر لیا۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ: تمہارے قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کو کَلِمَۃُ اللّٰہِ اور رُوْحٌ مِّنْہُ ❷ کہا گیا ہے۔ لہٰذا ہمارے مدّعٰی کے لیے صرف اِتنی بات کافی ہے۔ اِن کی تردید قرآن کریم نے تحقیقی اَنداز میں فرمائی۔

ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷﴾:

قرآن پاک میں دو (۲) قسم کی آیات ہیں:

① جن کا مطلب اور مفہوم بالکل واضح ہے اور اُن کے معنی میں اور کسی معانی کا اِحتمال نہیں ہے، اُن آیات کو مُحْکَمَات کہتے ہیں۔

② وہ آیات ہیں جن کی مُراد واضح نہیں اور کئی معانی کا اِحتمال رکھتی ہیں۔ اُن کو مُتَشٰبِھٰت کہتے ہیں۔

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ ۔۔۔ الآیۃ:

اِمام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہاں وَاوْ مستانفہ ہے۔ اِمام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہاں وَاوْ عاطفہ ہے۔

اِمام صاحب رحمہ اللہ کا مسلک دلائل کے اِعتبار سے قوی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے "اِتمام البرہان" دیکھیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

ربط: پہلے نُصْرَتْ بِاللِّسَان کا ذکر تھا، اب کفار کا ایک مقولہ ذکر کرتے ہیں۔ کفار نے مسلمانوں سے کہا کہ: تم کہتے ہو کہ ہم اللہ کے محبوب ہیں حال آں کہ تمہارے پاس نہ مال ہے نہ اولاد ہے۔

کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱﴾:

دَاْب کہتے ہیں ایسی عادت کو جو لگاتار پہلے سے چلی آ رہی ہو۔ یہ خبر ہے اِس کا مبتدا محذوف ہے۔ اَیْ دَاْبُھُمْ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ یا حَالُھُمْ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَھَنَّمَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲﴾:

غزوۂ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح اور کفار مشرکین کو شکست ہوئی تو یہود مسلمانوں سے کہنے لگے کہ: تم ناتجربہ کار لوگوں سے لڑتے ہو۔ آؤ! ہمارے ساتھ لڑو تا کہ پتہ چل جائے۔ اُن کی اِس بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۔۔۔ الآیۃ۔

❶ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۸۶) ❷ (سُوْرَۃُ النِّسَآء، ۱۷۱)

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۳﴾:

سوال لَكُمْ ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب لَكُمْ ضمیر یہود کی طرف راجع ہے۔

واقعہ: ہجرت کا دوسرا سال تھا، رمضان المبارک کی سترہ (۱۷) تاریخ تھی، جمعہ کا دن تھا۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تین سو بارہ (۳۱۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور تیرہویں آپ ﷺ خود تھے اور کفار ایک ہزار تھے۔ کفار میں سے ہر ایک کے پاس تلوار تھی، نیزہ، تیر کمان وغیرہ سب تھا۔ جب کہ مسلمانوں کے پاس صرف چھ (۶) زرہیں، آٹھ (۸) تلواریں، دو (۲) گھوڑے اور ستر (۷۰) اُونٹ تھے۔ جب لڑائی ہوئی تو ستر (۷۰) کافر مارے گئے اور ستر (۷۰) گرفتار ہوئے، باقی بھاگ گئے۔ چودہ (۱۴) مسلمان بدر کے موقع پر شہید ہوئے۔ جن میں سے (۸) انصار میں سے تھے اور (۶) مہاجرین میں سے تھے۔ اِس کا حوالہ رب تعالیٰ دیتے ہیں کہ: اے یہودیو! تمہارے لیے نشانی ہے دو (۲) گروہوں میں۔

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس میں دو (۲) ترکیبیں ہیں:

① يَرَوْنَ کی "هُمْ" ضمیر مسلمانوں کی طرف راجع ہے یعنی مسلمان نے کافروں کو اپنے آپ سے دُگنا دیکھا۔

② يَرَوْنَ کی "هُمْ" ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے یعنی کافر اپنے آپ کو مسلمانوں سے دُگنا دیکھنے لگے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴﴾:

ربط: پہلے مال کا ذکر تھا اب لوگوں کی اور محبتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ لوگوں میں یہ محبتیں تھیں، اِن چیزوں کی خواہش رکھتے تھے۔

وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ ۔۔۔ الآیۃ:

قَنَاطِيْر، قِنْطَارٌ کی جمع ہے یعنی اَلْمَالُ الْكَثِيْر ۔ مُقَنْطَرَة یہ مبالغہ کے لیے ذکر کیا ہے کیوں کہ عربی کا قاعدہ ہے کہ: جب کسی چیز کو مبالغۃً ذکر کرتے ہیں تو اُسی لفظ سے مشتق نکال کر مبالغہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ جیسے ظِلًّا ظَلِيْلًا، بَدْرٌ مُبَدَّرٌ، لَيْلٌ اَلْيَلُ۔

وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ مُسَوَّمَة کے تین (۳) معانی ہیں:

① خوبصورت گھوڑے۔ ② تام الخلقت گھوڑے۔ ③ نشان لگائے ہوئے گھوڑے۔

وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝:

سوال لفظ مَاٰب کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں: ① لفظ مَاٰب مصدر میمی ہے۔ معنی ہے: اَچھا لوٹنا۔ ② لفظ مَاٰب ظرف مکان ہے۔ معنی ہے: اَچھا ٹھکانا۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸﴾:

اُولُوا الْعِلْمِ سے انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اور علماء کرام مُراد ہیں۔

قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لفظ قَآئِمًا ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① "تفسیر ابن کثیر، جلالین، ابو سعود" وغیرہ میں لکھا ہے: لَآ اِلٰهَ جس فعل پر دال ہے اُس فعل سے لفظ قَآئِمًا حال ہے اور وہ فعل تَفَرَّدَ ہے۔
اَيْ تَفَرَّدَ حَالَ كَوْنِهٖ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ۔

③ "جمل، سمین، کمالین" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اِس کا تعلق سب کے ساتھ ہے، اِس طور پر کہ اللہ تعالیٰ بھی گواہی دیتا ہے، فرشتے بھی اور اُولُوا الْعِلْمِ بھی گواہی دیتے ہیں۔ پس! اِن میں سے ہر ایک گواہی دیتا ہے۔

④ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: شَهِدَ اللّٰهُ میں لفظِ "اللہ" سے حال ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹﴾:

ربط: ربط کے متعلق دو (۲) باتیں ہیں:

① اُوپر یہود کا ذکر تھا، وہ کہتے تھے کہ: ہمارا دین قیامت تک رہے گا۔

② یہ ربط بھی بیان کیا ہے کہ: یہود نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ: تم نے جو غلبہ حاصل کیا ہے وہ صدقِ دین کی وجہ سے نہیں کیا بل کہ مشرکین مکہ ناتجربہ کار تھے اِس لیے تم غالب آگئے ورنہ حقیقت میں دین تو ہمارا سچا ہے۔

پس! جو بھی بات ہو اُن کی اُس بات کی یہاں سے تردید فرمائی کہ: دینِ حق صرف اِسلام ہے۔

اِس آیت کی کئی تفسیریں ہیں:

① بعض نکالتے ہیں: اِنَّ الدِّیْنَ مَرْضِیًّا عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ اِس کا قرینہ ہے: وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔۔۔ الآیۃ ❶

② بعض نکالتے ہیں: اِنَّ الدِّیْنَ كَامِلًا عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ اِس کا قرینہ ہے: اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ❷

③ بعض نکالتے ہیں: اِنَّ الدِّیْنَ مَقْبُوْلًا عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ اِس کا قرینہ ہے: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۔۔۔ الآیۃ ❸

④ بعض نکالتے ہیں: اِنَّ الدِّیْنَ الْمُنْجِیَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ اہلِ کتاب نے سرکشی کی تھی، اُنہوں نے سرکشی کی بناء پر اِختلاف کیا تھا، آگے اُن کی سرکشی کا بیان ہے۔

وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر ابنِ کثیر، روح المعانی اور دُرِّ منثور" میں روایتیں ہیں کہ: یہود نے ایک دن میں تریالیس (۴۳) انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کیا اور اُن کے ایک سو ستر (۱۷۰) حواریوں کو بھی شہید کر دیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۳﴾:

سوال نَصِیْبًا کیوں فرمایا؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① اُن کو الفاظ تو دیے گئے تھے لیکن معنی نہیں دیے گئے تھے۔

② اپنی مرضی اور مطلب کی باتیں کتاب سے لیتے تھے لیکن جو باتیں مرضی کے خلاف ہیں اُن کو نہیں لیتے تھے۔

یُدْعَوْنَ اِلٰی كِتٰبِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال کتاب اللہ سے کون سی کتاب مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اقوال ہیں: ① کتاب سے تورات مُراد ہے۔ ② کتاب سے قرآن مجید مُراد ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۶﴾:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: یہود عنقریب مغلوب ہوں گے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: قیصر و کسریٰ کی سلطنت پر مسلمانوں کا غلبہ ہوگا۔ اِس پر یہود نے پوچھا کہ: مسلمان وہاں کے بادشاہ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ہاں! اِس پر یہود نے قہقہہ لگایا۔ یہاں اُن کا رد ہے۔

❶ ❷ (سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ: ۳) ❸ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن: ۸۵)

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ ۔۔۔ الآیۃ (۲۸):

ربط: اُوپر یہود کے ساتھ گفتگو اور مشرکین کے ساتھ لڑائی کا ذکر تھا، اب یہاں سے کفار کے ساتھ ترکِ تعلقات کی تاکید ہے۔

کفار کے ساتھ تعلّقات کی صورتیں: "بیان القرآن" میں لکھا ہے کہ: کفار کے ساتھ تعلّقات کی تین (۳) صورتیں ہیں:

① مُوَالات۔ ② مُدَارات۔ ③ مُوَاسَات۔

① **مُوَالات** یعنی دُوستی رکھنا۔ یہ تو کسی صورت میں جائز نہیں، حرام ہے۔

② **مُدَارات** یعنی ظاہری خوش خلقی۔ یہ کفار کے ساتھ تین (۳) صورتوں میں جائز ہے:

① اِکرامِ ضیف کی بناء پر ظاہری خوش خلقی اِختیار کرنا۔

② دینی مصلحت کی بناء پر ظاہری خوش خلقی اختیار کرنا۔ یعنی اگر اس بات کی اُمید ہے کہ: اِس عمل سے دین اسلام کی طرف مائل ہوں گے۔

③ دفعِ ضرر کی وجہ سے ظاہری خوش خلقی اِختیار کرنا۔

③ **مُوَاسَات** یعنی مالی ہمدردی و احسان۔ اِس کا حکم یہ ہے کہ: اہلِ حرب کے ساتھ ناجائز ہے اور غیر اہلِ حرب کے ساتھ جائز ہے۔

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۔۔۔ الآیۃ:

اِس میں مُدَارات کی صورت کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

یہاں تُقٰىةً سے وہ شیعوں والا تَقِیَّۃ مُراد نہیں ہے۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ: نو (۹) حصے دین تَقِیَّۃ میں ہے اور کہتے ہیں کہ: لَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا تَقِيَّةَ لَهٗ۔

اِس کی مزید تفصیل دیکھنی ہو تو "بیان القرآن اور اِرشاد الشیعہ" میں دیکھیں۔

مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ ۔۔۔ الآیۃ (۳۰):

اِس کی دو (۲) ترکیبیں ہیں:

① "روح المعانی اور البحر المحیط" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: وَمَا عَمِلَتْ کا عطف پہلے مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ پر ہے اور دونوں مل کر پورا جملہ ہوگا اور تَوَدُّ جملہ مستانفہ ہے۔

② "تفسیر جلالین" میں لکھا ہے کہ: دونوں الگ جملے ہیں اور مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ مبتدا ہے اور تَوَدُّ لَوْ اُس کی خبر ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ ۔۔۔ الآیۃ (۳۱):

ربط: پہلے رُکوع میں توحید کا ذکر تھا، یہاں سے رسالت کا ذکر ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ ۔۔۔ الآیۃ (۳۲):

اِتباع اور اِطاعت میں فرق: اِتباع عمل میں ہوتی ہے اور اِطاعت قول میں ہوتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ ۔۔۔ الآیۃ (۳۳):

یہاں اٰلَ عِمْرٰنَ میں عِمْرٰنَ سے مُراد عمران بن ماثان ہیں جو حضرت مریم علیہا السلام کے والد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا تھے اور آگے اِمْرَاَةُ عمران میں بھی اُس سے اِمْرَاَةُ عمران بن ماثان مُراد ہے۔ جو کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی تھیں۔ جن کا نام حنہ بنت فاقوذ ہے۔

ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۔۔۔ الآیۃ (۳۴):

سوال لفظِ ذُرِّيَّةً کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "تفسیر کشاف" میں لکھا ہے کہ: لفظِ ذُرِّيَّةً، اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

② دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ: لفظِ ذُرِّيَّةً منصوب بنا بر حال ہے۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لفظِ مِحْرَاب کون سا صیغہ ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علّامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لفظِ مِحْرَاب ظرف کا صیغہ ہے۔ معنیٰ ہے: لڑنے کی جگہ۔

② صاحبِ کمالین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ مِحْرَاب اِسمِ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ مِحْرَاب بروزن مِطْعَان بمعنیٰ سخت لڑاکا، سخت جھگڑالو۔

سوال نماز کے اَندر فرشتوں سے گفتگو کرنے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب "عمدۃ القاری، فتح الباری" میں لکھا ہے کہ: فرشتہ رب کی طرف سے آتا ہے اور فرشتہ سے بولنا رب تعالیٰ سے کلام ہے اور نماز میں رب تعالیٰ سے کلام کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ البتہ بندوں سے کلام کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور یہ تو رب کا بھیجا ہوا فرشتہ تھا۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: واضح ہے کہ اُوپر بھی حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر تھا اب بھی اُن ہی کا ذکر ہے۔

وَطَهَّرَكِ ۔۔۔ الآیۃ:

اَفعالِ ذمیمہ سے پاک کر دیا یا مَردوں کی اِختلاط سے پاک کر دیا۔

عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ:

پورے جہان کی عورتوں پر یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر آخری اِنسان تک تمام عورتوں پر جزوی فضیلت ہے اور اپنی ہم عمر اور ہم عصر عورتوں پر کلی فضیلت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ ۔۔۔ الآیۃ:

وجہِ تسمیہ مَسِیْح: یہاں مَسِیْح سے مُراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مَسِیْح کیوں کہتے ہیں؟

جواب اِس کی وجہ یہ ہے کہ: مَسِیْح۔ مَسَحَ، یَمْسَحُ باب فَتَحَ، یَفْتَحُ سے ہے کہ برص کے مَرض والے اور نابینوں کو مسح کرتے تو وہ ٹھیک ہو جاتا۔

سوال "قاموس، عمدۃ القاری اور فتح الباری" میں لکھا ہے کہ: مَسِیْح کا لفظ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی اِستعمال ہوتا ہے اور دجّال کے لیے بھی اِستعمال ہوتا ہے تو فرق کیا ہوا؟

جواب اِس کی دو (۲) جواب ہیں:

① حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے جو مَسِیْح اِستعمال ہوا ہے اُس کا مجرد مادّہ مَسَحَ، یَمْسَحُ، مَسْحًا ہے اور دجّال کے لیے جو مَسِیْح اِستعمال ہوا ہے اُس کا مجرد مادّہ سَاحَ، یَسِیْحُ، سِیَاحَتًا سے ہے۔

② اگر دونوں کا اَصل مادّہ مَسَحَ، یَمْسَحُ ہو تو فَعِیْلٌ کا وزن چوں کہ فاعل اور مفعول دونوں کے لیے آتا ہے۔ تو مَسِیْحٌ بروزن فَعِیْلٌ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے فاعل کے معنیٰ میں ہے اور دجّال کے لیے مفعول یعنی مَمْسُوْحُ الْعَیْنِ الْیُمْنٰی کے معنیٰ میں ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال کِتَاب اور حِکْمَۃ سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقول ہیں:

① کِتَاب سے مُراد کتابت ہے۔

② حضرت مولانا اِدریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: کِتَاب سے مُراد قرآن ہے اور حِکْمَۃ سے مُراد سنّت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قربِ قیامت نازل ہوں گے چالیس (۴۰) سال حکومت کریں گے تو اِس سے معلوم ہوا کہ: آخری زمانے میں اِس کی تعلیم دیں گے۔

وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۹﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار (۴) مُردوں کو زندہ کیا تھا:

① حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کو زندہ کیا تھا۔ ② عازر نامی اپنے ایک دوست کو زندہ کیا تھا۔

③ ایک بڑھیا کے بیٹے کو زندہ کیا تھا۔ ④ ملازم کی لڑکی کو زندہ کیا تھا۔

لیکن سب کچھ بِاِذْنِ اللّٰهِ تھا۔

وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۰﴾:

"تاریخ ابن ہمام" میں مبسوط بحث ہے کہ: حلال حرام کرنا رب کا کام ہے، مخلوق کا کام نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں کہ: حلال اور حرام کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام صرف اُن کو بیان کرنے والے ہیں۔

قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۲﴾:

حواری کا لفظ حور سے مشتق ہے، حور کے معنیٰ "سفید" کے ہیں۔

سوال اِن کو حواری کیوں کہتے ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں: ① بعض کہتے ہیں کہ: اُن کے رنگ سفید تھے۔

② بعض کہتے ہیں کہ: یہ لوگ دھوبی تھے، کپڑے صاف کرتے تھے۔ ③ بعض کہتے ہیں کہ: اُن کے دل سفید تھے۔

اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۵﴾:

مرزائیوں کا غلط اِستدلال: مرزائی اِس آیت کے لفظ مُتَوَفِّیْكَ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے موت پر اِستدلال کرتے ہیں کہ: اُن کو موت دی گئی ہے۔

جواب مُتَوَفِّیْ کا مجرد مادّہ وَفٰی ہے۔ جس کا معنیٰ ہے: پورا پورا لینا۔ مثال کے طور پر اَلْكَرِیْمُ اِذَا وَعَدَ وَفٰی، وَ وُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ کا مجرد مادّہ بھی وَفٰی ہے اور وفات اِس کا معنیٰ مجازی ہے۔ تو یہاں اگر معنیٔ حقیقی لے لیں تو معنیٰ ہوگا کہ: میں تمہیں پورا پورا لوں گا تو اِس میں وفات کا کوئی معنیٰ نہ ہوا اور اگر معنیٔ مجازی یعنی وفات لے لیں تو بھی اہلِ حق پر رَد نہیں ہوتا کیوں کہ مُتَوَفِّیْكَ اَیْ مُمِیْتُكَ یہ اسمِ فاعل ہے، اِسمِ فاعل میں زمانہ استقبال بھی ہوتا ہے۔ تو معنیٰ ہوگا کہ: میں تجھے وفات دوں گا اور اب اپنی طرف اُٹھاتا ہوں اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مُتَوَفِّیْكَ بمعنیٰ مُمِیْتُكَ کے کیے ہیں۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے اور دوبارہ آنے کے بارے میں اَحادیثِ متواترہ و مشہورہ موجود ہیں اور اِس پر اجماع ہے۔

وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ ۔۔۔الآیۃ:

"تفسیر رُوح المعانی اور بیان القرآن" میں لکھا ہے کہ: اِتباع کی دو (۲) قسمیں ہیں: ① اِتباعِ کامل۔ ② اِتباعِ قاصر۔

اِتباعِ کامل مسلمانوں نے کی اور اِتباعِ قاصر نصاریٰ نے کی اور یہاں پر اِتباعِ کامل والوں کی فوقیت کا تذکرہ ہے۔

فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۔۔۔الآیۃ:

اِس سے یہودی مُراد ہیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۹﴾:

ربط: پہلے ذکر کیا تھا کہ وفدِ نجران کے عیسائیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کیا جب دلائل سے عاجز آ گئے تو کہنے لگے کہ: تمہارے قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کو رُوْحٌ مِّنْهُ اور كَلِمَةُ اللّٰهِ کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اگر بیٹے نہیں تو عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون ہے؟

جواب اِس کے تین (۳) جواب ہیں:

① جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا اِسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بغیر باپ کے پیدا کیا۔ تَشْبِیْهُ الْغَرِیْبِ بِالْاَغْرَبِ ہے یعنی آدم علیہ السلام کی نہ ماں تھی نہ باپ تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو ماں ہیں۔

③ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بی بی (مریم علیہا السلام) سے پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے بی بی (حوا علیہا السلام) کو پیدا کیا۔

④ حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیدا کیا پھر آسمان پر اُٹھالیا، پھر زمین پر بھیجا گیا۔ اِسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں۔

ثُمَّ نَبْتَهِلْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۱﴾:

لفظِ نَبْتَهِلْ بابِ اِفْتِعَال سے بھی آتا ہے اور بابِ مُفَاعَلَۃ سے بھی آتا ہے۔ مُبَاہَلَۃ کا معنی ہے: اَلدُّعَآءُ بِالتَّضَرُّعِ عاجزی سے دُعا کرنا۔

شیعوں کے غلط اِستدلالات: ① اِس واقعہ سے شیعہ اِستدلال کرتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی تھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کیوں کہ اگر اور ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو بھی لے کر آتے۔

جواب نہ لانے سے نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین (۳) بیٹے تھے، اُن کو نہیں لائے تھے تو اُن کو نہ لانے سے اُن کا سرے سے اِنکار لازم نہیں آتا کہ تھے ہی نہیں۔ نیز یہ مُبَاہَلَۃ ۹ھ میں ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی ۲ھ میں اور اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی ۹ھ میں اور زینب رضی اللہ عنہا کی ۸ھ میں وفات ہوئی تھی۔

② مباہلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اب آیت میں اَبْنَآء کا لفظ آیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اَبْنَآء میں داخل نہیں ہیں کیوں کہ وہ بیٹے نہیں ہیں اور نِسَآء میں بھی شامل نہیں ہیں کیوں کہ وہ مرد ہیں۔ لہٰذا اَنْفُسَنَا میں شامل ہیں تو جو نفسِ نبی ہوگا وہ ہی خلیفہ ہوگا۔

جواب حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما یہ دونوں حضرات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی بیٹے نہیں ہیں بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجازی بیٹے ہیں، اِسی طرح داماد بھی تو مجازی بیٹا ہوتا ہے۔ تو جس طرح حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو اَبْنَآء میں شامل کرتے ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کرو۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۲﴾:

لفظِ قَصَص یہ مصدر ہے معنی ہے: بیان۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۴﴾:

ربط: "ابوسعود" میں لکھا ہے کہ: مناظرے میں جب اُن کو شکست ہوئی اور مباھلے سے اِنکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہودی بھی موجود ہیں اور نصاریٰ بھی اُن کو کھلے طور پر دعوت دو۔

وَلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۷﴾:

حَنِیْفًا کے معنی ہیں: اَلْمَائِلُ عَنِ الْاَدْیَانِ كُلِّهَا۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۹﴾:

ربط: اُوپر اہلِ کتاب کو دعوت دینے کا بیان تھا، آگے اُن کے شرارتوں کا ذکر ہے کہ: یہ لوگ اِیمان کہاں لائیں گے؟

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۲﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ اہلِ کتاب کی ایک جماعت تمہیں بہکانا چاہتی ہے، اب اُن کے بہکانے کا طریقہ بیان کیا ہے۔ وہ یہ تھا کہ: مالک بن صیف، عادی بن زید اور حارث بن عور یہ تینوں یہودیوں کے پیشوا تھے۔ اُنہوں نے اپنے چیلوں کو سبق دیا کہ دن کے شروع میں زبانی مسلمان بن جاؤ نہ کہ دل کے ساتھ۔ پھر شام کے وقت اِس دین سے یہ کہہ کر پھر جاؤ کہ ہمیں اِسلام میں کوئی اچھی بات نظر نہیں آئی۔ تمہارے اِس عمل کو دیکھ کر دوسرے مسلمان بھی اِسلام سے پھر جائیں گے۔

اٰمِنُوْا۔۔۔ الآیۃ:

اٰمِنُوْا اَیْ اَظْهِرُوا الْاِیْمَانَ۔

وَجْهَ النَّهَارِ۔۔۔ الآیۃ:

اِبتداءِ نَهَار کو وَجْه کے ساتھ اِس لیے تعبیر کیا کیوں کہ ملاقات کے وقت سب سے پہلے چہرے کو دیکھا جاتا ہے۔

اَنْ يُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

"روح المعانی، کبیر، قرطبی" وغیرہ میں اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اَنْ يُّؤْتٰۤى اَحَدٌ یہ یہود کا مقولہ ہے اور لَا تُؤْمِنُوْۤا اَیْ وَلَا تُصَدِّقُوْا کے ساتھ اس کا تعلق ہے یعنی یہ نہیں مانا کہ کوئی دوسرا بھی دیا جائے مثل اُس کے جو تم دیے گئے اور نہ مانا کہ وہ مسلمان تم پر غالب آئے دینِ حق کی تعیین میں۔

② یہ حق تعالیٰ کا مقولہ ہے اور وَقَالَتْ میں قُوْل کے ساتھ اِس کا تعلق ہے یعنی یہ اِس لیے یہ کہتے ہیں کہ: کوئی دیا جائے مثل اس کے جو تم کو دیا گیا ہے۔ یا وہ دینِ حق کی تعیین میں تم پر غالب آ گئے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اِسلام لانے سے پہلے کا ایک واقعہ ذکر فرما رہے ہیں کہ: ایک آدمی نے اُن کے پاس بارہ سو (۱۲۰۰) اُوقیہ سونا اَمانت رکھوایا (ایک اُوقیہ چالیس "۴۰" درہم کا ہوتا ہے یعنی بیس لاکھ "۲۰۰۰۰۰۰" کے قریب رقم۔) کوئی تحریر نہیں لکھی تھی، کچھ دن کے بعد وہ شخص آیا اور اپنی اَمانت واپس مانگی تو اُنہوں نے اُس کی اَمانت اُس کو واپس کر دی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں سے فِنحاس بن عازوراء کا واقعہ ذکر کر رہے ہیں کہ: اُس کے پاس ایک عربی نے ایک دینار اَمانت رکھوایا جب بعد میں اُس نے مانگا تو فِنحاس نے دینے سے اِنکار کر دیا۔

قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لفظِ سَبِيْلٌ پر تنوین کس لیے ہے؟

جواب لفظِ سَبِيْلٌ پر تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے اَیْ سَبِيْلُ الزَّاجِرِ۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: ابورافع یہودی تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے ہیں معبود نہیں اور حضرت عزیر علیہ السلام بھی خدا کے بندے اور رسول تھے۔ اِس پر اُنہوں نے کہا کہ: کیا اپنے آپ کو رب کہتے ہو؟ حق تعالیٰ نے یہاں اُن کی اِس بات کا رَدّ فرمایا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: "سبق الغایات فی نسق الآیات" میں لکھا ہے کہ: اے یہودیو اور مشرکو! تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے حال آں کہ معصوم انبیاء کرام علیہم السلام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے مکلف ہیں۔

سوال انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ وعدہ کب لیا گیا تھا؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "تفسیر خازن" میں لکھا ہے کہ: عالمِ اَرواح میں یہ وعدہ لیا گیا۔

② "تفسیر طبری" میں لکھا ہے کہ: جب کوئی نبی دُنیا میں مبعوث ہوتا تو اُس سے یہ وعدہ لیا جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نُصرت کرنا اور اپنے متبعین کو اِس کی تاکید کرنا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے زمانہ میں آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نُصرت کریں۔

سوال ایمان تو پہلے لانا ممکن ہے لیکن نُصرت پہلے کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب صاحبِ مدارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ شان کو بیان کرنے کے لیے فرمایا کہ: اُن کی نُصرت کرنا بھی تمہاری ذمہ داری ہے۔ عربی کا مقولہ ہے: مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾:

اِس کی دو(۲) تفسیریں کی گئی ہیں:

① جس نے نبی نہ ہو کر اُس سے اِعراض کیا تو وہ فاسق ہوگا۔ اَیْ مَنْ تَوَلّٰى مِنْ غَیْرِ الْاَنْبِیَآءِ بَعْدَ ذٰلِكَ۔

② پس! جس نے اِعراض کیا اُن پیغمبروں میں سے تو وہ فاسق ہے۔

اِشکال: انبیاء کرام علیہم السلام کیسے اِنکار کریں گے اور کیسے وہ فاسق ہو سکتے ہیں؟

جواب: اِس کے دو(۲) جواب ہیں:

① انبیاء کرام علیہم السلام سے اِس چیز کا اِرتکاب ہونا مُحال ہے۔ لیکن اِس کی اہمیت بتلانے کے لیے بالفرض والمحال اگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی اِنکار کر لیں۔ تو وہ بھی گناہ گار ہوں گے۔

② مِنْ حرفِ شرط ہے اور جملہ شرطیہ کا تحقق خارج میں ضروری نہیں۔ جیسا کہ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ۔۔۔ الآیۃ ❶ میں ہے یعنی عَلٰی تَقْدِیْرِ الْفَرْضِ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شرک کیا۔۔۔ الخ حال آں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو خود توحید کے داعی تھے اُن سے شرک کا اِرتکاب کیسے ہو سکتا ہے؟!!

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۰﴾:

صاحبِ جلالین رحمہ اللہ نے اِس آیت کی تفسیر اِس طرح کی ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَیْ بِعِیْسٰی علیہ السلام بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ بِمُوْسٰی علیہ السلام ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا بِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۲﴾:

ربط: "ابو سعود، تفسیر بیان القرآن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: پہلے ذکر تھا کہ کافر اگر قیامت کے دن مِلْءُ الْاَرْضِ جتنا سونا پیش کرے وہ قبول نہ ہوگا اور نہ اُن کو کوئی فائدہ ہوگا۔ یہاں فرمایا کہ: مؤمن دُنیا میں فِیْ سَبِیْلِ اللہ جو خرچ کرے گا اُس خرچ کرنے کا اُن کو ثواب ملے گا اور قیامت میں فائدہ ہوگا۔

سوال لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ میں لفظِ اَلْبِرَّ پر اَلِف لَام کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① لفظِ اَلْبِرَّ پر اَلِف لَام مضاف الیہ کا عوض ہے۔ اَیْ ثَوَابَ الْبِرِّ۔ ② یہاں اَلْبِرَّ کی صفت محذوف ہے۔ اَیْ بِرًّا كَامِلًا۔

حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللہَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾:

سوال مِمَّا تُحِبُّوْنَ میں مَا کون سا ہے؟

جواب مِمَّا تُحِبُّوْنَ میں مَا موصولہ ہے اور مِنْ شَیْءٍ اُس کے لیے بیان ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۳﴾:

ربط: "تفسیرِ کبیر" میں لکھا ہے کہ: اِس کا ربط اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ۔۔۔ الآیۃ ❷ کے ساتھ ہے۔ اِس طور پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کی تھی۔ اِس پر یہود نے اِعتراض کیا کہ: ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی قوم پر اُونٹ کا گوشت حرام تھا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اِس کو حلال سمجھتے ہیں؟

جواب ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں یہ تمام چیزیں حلال تھیں۔ تورات کے نازل ہونے کے بعد بنی اسرائیل پر بعض چیزیں حرام کی گئیں۔ البتہ اُونٹ کا گوشت تو تورات کے نازل ہونے سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اُوپر حرام کیا تھا۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ: اُن کو عِرْقُ النَّسَآءِ کی بیماری تھی تو اُنہوں نے نذر مانی کہ: اگر خدا نے مجھے اِس بیماری سے شفا دی تو میں سب سے محبوب کھانا چھوڑ دوں گا اور اُن کے نزدیک محبوب ترین کھانا اُونٹ کا گوشت تھا۔ لہٰذا خداوند تعالیٰ نے شفا دی اور اُنہوں نے اُونٹ کا گوشت چھوڑ دیا۔ "تفسیر اَحکام القرآن لابی بکر الجصاص رحمہ اللہ اور روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: اِس قسم کی نذر ماننا اُن کی شریعتوں میں جائز تھا، ہماری شریعت میں جائز نہیں۔

---

❶ (سُوْرَةُ الزُّمَر، ۶۵) ❷ (سُوْرَةُ آلِ عِمْرٰن، ۶۸)

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۹۶﴾:

ربط: اُوپر ابراہیم علیہ السلام کا ذکر تھا، آگے اُن کے تعمیر کردہ گھر اور اُس کی تعمیر کا ذکر ہے۔

کعبہ کی تعمیر: ① سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا۔ ② حضرتِ نوح علیہ السلام کے زمانے میں دوسری تعمیر ہوئی۔
③ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام نے تیسری مرتبہ کعبہ کی تعمیر کی۔ ④ قصی ابن کلاب نے چوتھی مرتبہ کعبہ کی تعمیر کی۔
⑤ بنوجرہم نے پانچویں مرتبہ تعمیر کی۔ ⑥ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرِ عزیز پینتیس (۳۵) سال کی تھی اُس وقت قریش نے تعمیر کیا۔
⑦ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے زمانے میں تعمیر کی۔ ⑧ حجاج بن یوسف نے اپنے دَورِ خلافت میں تعمیر کیا۔

بَکَّۃَ: "مکہ" کو مکہ بھی کہتے ہیں اور بَکَّۃ بھی کہتے ہیں۔

"مکہ" کے معنی ناف کے ہیں۔ جیسا کہ بچے کو سُرَّۃ (ناف) کے ذریعہ سے خوراک ملتی ہے اسی طرح تمام عالم کے لوگوں کو رُوحانی خوراک اِس سے ملتی ہے۔

"بَکَّۃ" کے معنی گردن توڑنے کے ہیں۔ جو ابرہہ اور اُس کے ساتھیوں کی گردنیں توڑیں۔ اسی طرح آدمی نماز پڑھتا ہے اُس کی طرف گردن جھکاتا ہے۔

اِشکال: دیانندسرسوتی نے یہ اِعتراض کیا کہ: ہم اگر بُت کو سجدہ کریں تو ہم کافر ہیں اور تم لوگ کعبہ کو سجدہ کرتے ہو لیکن تم کافر نہیں بنتے؟

جواب: اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: کعبہ مَسْجُوْدلَہٗ نہیں بل کہ مَسْجُوْدٌ اِلَیْہِ ہے۔ مَسْجُوْدلَہٗ صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور کعبہ سجدہ کی جہت ہے۔ تم بتوں کو مَسْجُوْدلَہٗ سمجھ کر سجدہ کرتے ہو۔

② کعبہ نہ بھی ہو ہمیں اُس کی سَمت کی طرف مُنہ کرنے کا حکم ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دَور میں تعمیر کے لیے کعبہ کو گرایا گیا۔ اُس وقت کافی دنوں تک نمازیں ہوتی رہیں، لیکن کعبہ موجود نہ تھا۔

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۹۷﴾:

حَجَّ، یَحُجُّ، حَجًّا بابِ نَصَرَ، یَنْصُرُ سے ہے۔ اِس کے معنی ہیں: قصد کرنا۔ شریعت کی اِصطلاح میں کہتے ہیں: قصد کرنا اَفعالِ مخصوصہ کا، اَوقاتِ مخصوصہ میں، مقاماتِ مخصوصہ کی طرف۔

"ترمذی شریف" کی روایت ہے کہ: جس پر حج لازم ہے اور وہ نہ کرے تو چاہے وہ یہودی ہو کر مَرے یا نصرانی ہو کر مَرے [1]

قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۹۹﴾:

ربط: "سبق الغایات فی نسق الآیات" میں لکھا ہے کہ: اُوپر ذکر تھا وَدَّتْ طَّآئِفَۃٌ کہ اہلِ کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ بہکائے۔ اُس کے ساتھ تعلق ہے۔

واقعہ: شاس بن قیس ایک یہودی تھا۔ مسلمانوں کے باہمی اِتفاق ومحبت کو دیکھ کر جلتا تھا۔ ایک دن مسلمانوں کی مجلس لگی تھی۔ جس میں کچھ خزرج کے مسلمان اور کچھ اوس کے تھے۔ اُس یہودی نے اُن کی مجلس میں اَشعار پڑھے اور اُن اَشعار میں اوس وخزرج والوں کی پرانی جنگوں کا تذکرہ کیا، جس کی وجہ سے اُن کے درمیان دوبارہ وہ اِنتقامی جذبہ زندہ ہوا اور ایک دوسرے کو مارا پیٹا۔ اِس کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تو نہایت غمگین ہوئے اور غصے میں آکر دونوں کو ڈانٹا۔ اِس آیت میں پہلے یہودیوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ: تم مسلمانوں کو کیوں لڑاتے ہو اور پھر مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی گئی۔

فائدہ: سَبِیْل کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے اِستعمال ہوتا ہے۔

مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَھَا عِوَجًا ۔۔۔الآیۃ:

سوال ھَا ضمیر ذات اور عِوَجًا مصدر وصف ہے اور وصف کا حمل ذات پر دُرست نہیں ہوسکتا؟

جواب "البحر المحیط، ابوسعود، بیضاوی" وغیرہ میں مندرجہ ذیل ترکیبیں لکھیں ہیں:

① تَبْغُوْنَھَا عِوَجًا اَیْ لَھَا عِوَجًا۔ ② تَبْغُوْنَ فِیْھَا عِوَجًا۔

③ عِوَجًا مصدر بمعنی مفعول کے ہے۔ اَیْ تَبْغُوْنَھَا عِوَجًا اَیْ مُعَوَّجَۃً۔

---

[1] (جامع الترمذی، ابواب الحج عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء من التغلیظ فی ترک الحج، ج۱، ص۱۶۷، طبع قدیمی، کراچی)

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ"اللہ" سے پہلے مضاف محذوف ہے۔لیکن وہ ہے کیا؟ تو اِس میں مختلف اَقوال ہیں:

① بعض حضرات "بِدِيْنِ اللّٰهِ" نکالتے ہیں۔ ② بعض حضرات "بِكَلِمَةِ اللّٰهِ" نکالتے ہیں۔

③ بعض حضرات "بِرَسُوْلِ اللّٰهِ" نکالتے ہیں۔ ④ بعض حضرات "بِحَبْلِ اللّٰهِ" نکالتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ۔۔۔الآیۃ:

ربط: ماقبل میں یہود کو تنبیہ تھی اب مسلمانوں کو تنبیہ ہے۔

سوال حَقَّ تُقَاتِہٖ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب حَقَّ تُقَاتِہٖ منصوب بنزع الخافض ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ:

سوال حَبْل سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں چار(۴) اَقوال ہیں:

① بعض کہتے ہیں کہ: حَبْل سے دین مُراد ہے۔ اَیْ بِدِيْنِ اللّٰهِ۔ اِس کا قرینہ ہے: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔۔۔الآیۃ ❶

② بعض کہتے ہیں کہ: حَبْل سے قرآن مُراد ہے۔ اِس کا قرینہ ہے: وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ ❷

③ بعض کہتے ہیں کہ: حَبْل سے آپ ﷺ مُراد ہیں۔

④ بعض کہتے ہیں کہ: حَبْل سے شریعت مُراد ہے۔

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ۔۔۔الآیۃ:

لفظ شَفَا بِفَتْحِ الشِّيْن کنارے کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ اِس آیت میں ہے۔ اور بِکَسْرِ الشِّيْن صحت کے معنی میں ہے۔ جیسے کہ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ۔۔۔الآیۃ ❸

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ۔۔۔الآیۃ:

یہاں سے اُن لوگوں کو تنبیہ ہے جو نہ اوس سے تھے، نہ خزرج سے تھے۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ۔۔۔الآیۃ:

"تفسیر ابنِ کثیر، مظہری اور دُرِّ منثور" میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ: آپ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ کا مِصداق کیا ہے؟ تو اُن حضرات نے عرض کیا: اللہ اور اُس کا رسول (ﷺ) بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: اِس کا مِصداق اہلِ سنّت والجماعت ہیں اور تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ کا مِصداق اہلِ بدعت والافتراق ہیں۔

"المِلل والنِّحل لعبد الکریم" میں لکھا ہے کہ: آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: یہود میں اِکہتر (۷۱)، نصاریٰ میں بہتر (۷۲) فرقے ہیں اور میری اُمّت میں (۷۳) فرقے ہوں گے، سب دوزخ میں جائیں گے اِلَّا وَاحِدَةً۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ: نجات والے کون ہیں؟ فرمایا: اہلِ سنّت۔ پوچھا گیا؟ اہلِ سنّت کون ہیں؟ فرمایا: مَا اَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَاَصْحَابِيْ ❹

"فتح الباری اور عمدۃ القاری" میں لکھا ہے کہ: بعض ایسے ہوں گے جن کا اِفتراق کفر و شرک پر ہو۔ وہ ہمیشہ دُوزخ میں رہیں گے اور جن کا اِفتراق کفر پر نہ ہو وہ سزا بھگتنے کے بعد نکلیں گے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن، ۱۹) ❷ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن، ۱۰۱) ❸ (سُوْرَۃُ النَّحل، ۶۹)

❹ (جامع الترمذی، ابواب الایمان عن رسول اللہ ﷺ، باب افتراق ھذہ الامۃ، ج۲، ص ۹۳، طبع قدیمی، کراچی)

سوال يَوْمَ تَبْيَضُّ میں يَوْمَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب يَوْمَ تَبْيَضُّ میں يَوْمَ کا نصب عَذَابٌ عَظِيْمٌ میں جو لفظِ عَظِيْمٌ ہے اُس کی وجہ سے ہے۔

اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی کئی تفسیریں ہیں:

① "روح المعانی" میں ہے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اِس سے یہود مُراد ہیں کیوں کہ یہودی مانتے تھے۔ جیسے کہ پہلے ذکر ہوا: كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ [1]

② حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اِس سے منافقین مُراد ہیں۔ اِس طور پر کہ زبان سے تو ایمان لائے لیکن اُن کے دل میں کفر تھا۔

③ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ: اِس سے اہلِ بدعت مُراد ہیں۔

④ بعض حضرات فرماتے ہیں: اِسے تمام کافر مُراد ہیں۔ اِس طور پر کہ عہدِ اَزل میں سب نے مانا تھا۔

⑤ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: هُمُ الْمُرْتَدُّوْنَ اِس سے مُرتد لوگ مُراد ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۰﴾:

ربط: اُوپر یہ بیان تھا کہ ثالث لوگوں کا یہ فریضہ تھا کہ اُن دونوں یعنی اوس اور خزرج کو رُوکتے۔ آگے بیان فرمایا کہ: اَمر بِالْمَعْرُوْف اور نَہِی عَنِ الْمُنْكَر اِس اُمّت کا فریضہ ہے۔ نبوّت کا بوجھ اُمّت کے کندھوں پر ڈالا۔

اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۲﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیر کی گئی ہیں: ① مسلمان ہو جاؤ تو ذلّت سے محفوظ رہو۔ ② مسلمانوں کے زیرِ اَثر رہو۔

"بیان القرآن" میں لکھا ہے کہ: ایک ریاست مسلمانوں کی زیرِ تسلّط تھی تو وہاں کے لوگ عزّت سے رہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۔۔۔ الآیۃ:

مَسْكَنَة کا معنیٰ ہے: اِحساسِ کمتری یعنی اپنی نگاہوں میں بھی حقیر ہونا۔

يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۳﴾:

سوال اٰيٰتِ اللّٰهِ سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "رُوح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اٰيٰتِ اللّٰهِ سے مُراد قرآن کریم کی آیتیں ہیں۔ ② اٰيٰتِ اللّٰهِ سے مُراد تورات ہے۔

اٰنَآءَ الَّيْلِ ۔۔۔ الآیۃ:

اٰنَآءَ یہ اِنًى کی جمع ہے جیسا کہ اَمْعَآءٌ، مِعًآءٌ کی جمع ہے۔ معنیٰ ہیں: وقت۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۶﴾:

ربط: کافروں کو ہمیشہ یہ شبہ رہا کہ اے مسلمانو! تم کہتے ہو: اللہ ہم سے راضی نہیں ہے، اگر اللہ ہم سے راضی نہیں تو ہمیں مال اور اولاد وغیرہ کیوں دی؟ اُن کی اِس بات کا جواب دیا کہ: رزق کا معاملہ جدا ہے۔ رزق ملنے سے بندہ مقبول نہیں ہوتا اور نہ ملنے سے مردود نہیں ہوتا۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۷﴾:

ربط: جب اُنہوں نے سُنا کہ: کفار ہمیشہ جہنّم میں رہیں گے تو اُنہوں نے کہا کہ: کیوں؟!! ہم بھی تو نیک کام کرتے ہیں۔ ہم کیسے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے؟

---

[1] (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن: ۸۶)

تو اس کا جواب دیا کہ: بغیر ایمان کے اِن کاموں کا کچھ بھی فائدہ نہیں۔ آگے اس کی مثال دی کہ جیسے بغیر چھپر کے سبزیاں۔ اگر سردی کے موسم میں چھپر نہ ہو تو سبزیاں ختم اور برباد ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر ایمان کا چھپر نہ ہو تو کفر کی ہوا آدمی کے اعمالِ خیر کو ختم کر دیتی ہے، خیر کے لیے ایمان چھپر ہے۔

كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ ۔۔۔الآیۃ:

"قاموس اور مختار الصحاح" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: صِرٌّ کے معنی ایسی ہوا جس میں بَرْدٌ شَدِيدٌ یا حَرٌّ شَدِيدٌ ہو۔ یہ اسماءِ اضداد میں سے ہیں۔ عموماً یہاں اس کا معنی بَرْدٌ شَدِيدٌ لیا جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱۸﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ یہود، نصاریٰ اور کافروں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اِنکار کیا اور انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا یعنی اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ تو اب مومنو! تمہیں بھی غیرت کرنی چاہیے کہ: اُن کو اپنا دوست اور راز دان نہ بناؤ۔

فائدہ: بِطَانَة کہا جاتا ہے اُس اَستر کو جو کوٹ کے اَندر لگا ہوتا ہے۔ لازمی معنی ہے: راز دان۔

لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۔۔۔الآیۃ:

سوال لفظ خَبَالًا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظ خَبَالًا منصوب بنزع الخافض ہے أي فِي الْخَبَالِ۔

وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ۔۔۔الآیۃ:

سوال مَا کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ: مَا مصدریہ ہے۔ معنی ہے: وَدُّوا عِنَتَكُمْ وہ پسند کرتے ہیں تمہارے مشقت میں پڑ جانے کو۔

② بعض کہتے ہیں کہ: مَا موصولہ ہے تو عَائِد إِلَى الْمَوْصُولِ محذوف ہے۔ أي مَا عَنِتُّمْ فِيهِ جس مصیبت میں تم پڑے ہو وہ اِس کو پسند کرتے ہیں۔

هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱۹﴾:

هَا أَنتُمْ میں لفظِ هَا حرفِ تنبیہ أَنتُمْ مبتدا أُولَاءِ خبر ہے۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲۱﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا کہ اگر تم نے صبر کیا اور تقویٰ کو اِختیار کیا، تو کوئی تدبیر تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ آگے دو (۲) واقعات ذکر فرما رہے ہیں کہ: بدر میں تم نے صبر اور تقویٰ عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ کیا تو کامیابی اور فتح نصیب ہوئی اور اُحد میں یہ کامل طور پر اِختیار نہ کیا۔ جس کی بناء پر شکست ہوئی۔ اگر صبر اور تقویٰ عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ اختیار کرتے تو فتح ہوتی۔ اُحد کا واقعہ ۳ ہجری گیارہ (۱۱) شوال ہفتہ کے دن پیش آیا۔ اِس غزوہ میں ستر (۷۰) مسلمان شہید ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دانت مبارک بھی شہید ہوا۔ عتبہ بن ابی وقاص (۸ ہجری میں مسلمان ہوئے) نے پتھر مارا تھا اور عبداللہ بن اُمیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر تلوار ماری تھی۔

سوال أَهْلِكَ سے کون مُراد ہیں؟

جواب جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گھر میں تھیں۔ تو قرآن پاک نے أَهْل کا لفظ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے اِستعمال کیا۔

تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ ۔۔۔الآیۃ:

تُبَوِّئُ باب تَفْعِيل سے ہے۔ معنی ہے: ٹھکانہ دینا۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲۲﴾:

اُحد میں ایک ہزار (۱۰۰۰) اَفراد تھے جن میں تین سو (۳۰۰) منافقین تھے۔ منافقین کے واپسی کے بعد مسلمانوں کے دو (۲) گروہ بنوحارثہ اور بنوسلمہ نے بھی اِرادہ کیا کہ ہم بھی واپس چلتے ہیں۔ لیکن اِیمان کی وجہ سے اِرادہ بدلا۔ جب حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ: یہ بڑے حضرات یہاں ہیں تو پھر اِرادہ تبدیل کردیا۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲۳﴾:

بدر کے موقعہ پر ایک ہزار (۱۰۰۰)، تین ہزار (۳۰۰۰)، پانچ ہزار (۵۰۰۰) فرشتوں کا ذکر ہے۔ علّامہ آلوسی رحمہ اللہ، امام رازی رحمہ اللہ، مولانا اَشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار (۱۰۰۰) فرشتے اُتارے، اِس لیے کہ کافر ایک ہزار (۱۰۰۰) تھے۔ پھر چوں کہ کافر مسلمانوں سے تین (۳) گنا زائد تھے۔ اللہ نے مسلمانوں کو اِس طرح راضی کیا کہ اگر وہ تین (۳) گنا زائد ہیں تو میں بھی تمہاری مدد کے لیے تین ہزار (۳۰۰۰) بھیجوں گا۔ اور پانچ ہزار (۵۰۰۰) مشروط بشرطِ لشکرِ کرز بن جابر فہری تھے۔ نہ کرز کا لشکر آیا نہ ملائکہ آئے۔ میدانِ بدر کے بارے میں "قاموس" میں لکھا ہے کہ: بدر بن قیس بن صباء ایک آدمی تھا اُس نے کنواں کھودا اُس کا نام بدر رکھا گیا۔ یہ مدینہ منوّرہ سے (۸۰) میل دُور ہے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲۶﴾:

سوال جَعَلَهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب جَعَلَهُ کی "ہٗ" ضمیر يُمْدِدْكُمْ کی طرف راجع ہے۔

سوال فرشتے لڑے یا نہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں: ① فرشتے لڑے نہیں صرف مسلمانوں کی تقویتِ قلب کے لیے آئے تھے۔

② اَکثر حضرات فرماتے ہیں کہ: فرشتے لڑے ہیں۔ یہی قول راجح ہے۔ دلیل: اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝[1]۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲۸﴾:

ربط: اُحد کے بارے میں بات شروع کی تھی اب اُسی پر ختم کر رہے ہیں۔

شانِ نزول: بعض کفار و مشرکین کا نام لے کر آپ ﷺ نے اُن کے لیے بددُعا کی اُس پر یہ نازل ہوئی۔

اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۔۔۔الآیۃ:

اَوْ بمعنی اِلٰی اَنْ کے ہے یا اِلَّا اَنْ کے ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳۰﴾:

ربط: "تفسیر ابوسعود" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: پہلے صبر اور تقویٰ کا ذکر تھا آگے اُن چیزوں کو ذکر کر رہے ہیں جو تقویٰ کو ختم کرنے والی ہیں، اُس میں حرام خوری ہے اور سود سرِ فہرست ہے۔

اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۔۔۔الآیۃ:

یہ قید اِتفاقی ہے، تشنیع کے لیے ہے اِس طور پر کہ: سود تو تھوڑا بھی حرام ہے اور تم بڑھا چڑھا کر کھاتے ہو!!۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳۴﴾:

تعارض: اِس آیت کا ماقبل والی آیت سے بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ تعارض یہ ہے کہ: پہلی آیت میں ہے "وَهُمْ يَنْتَصِرُوْنَ" یعنی وہ اِنتقام لیتے ہیں۔ لیکن یہاں فرمایا کہ: غصے کو پی لیتے ہیں اور معاف کرتے ہیں؟

---

[1] (سُوْرَۃُ الْاَنْفَال، ۱۲)

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔۔۔الآیۃ ❶ یعنی کافروں سے بدلہ لیتے ہیں اور لیکن آپس میں مشفق اور رحم کرنے والے ہیں۔

لہٰذا تعارض نہ رہا۔

② اگر آدمی غلطی کرے اور اُس پر نادم ہو تو معاف کرتے ہیں لیکن اگر غلطی کے بعد اُس پر مُصر ہو تو اُس کو معاف نہیں کرتے۔ اِس میں موضوع الگ الگ ہے لہٰذا تعارض نہیں ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳۷﴾:

ربط: اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کی ہمتیں پست ہوئی تھیں۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ یہاں سے مسلمانوں کو تسلی دے رہے ہیں۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۴۰﴾:

اِس کا عطف لِتَتَّعِظُوْا پر ہے جو کہ مقدر ہے۔ اور یہ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ کے متعلق ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی:

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ لِتَتَّعِظُوْا وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۴۱﴾:

تَمْحِيْص کے معنی سونے کو کھوٹ اور میل کچیل سے صاف کرنا اور خالص کرنا۔

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾:

سوال يَعْلَمَ کس وجہ سے منصوب ہے؟ اِس سے پہلے تو لَمَّا ذکر ہے اور وہ حروف جازمہ میں سے ہے؟

جواب "روح المعانی، کشاف" وغیرہ میں تین (۳) جوابات ہیں:

① اَنْ مقدر ہے۔ وَاَنْ يَّعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۔

② یہ واوِ صرف ہے، اِس کے بعد اَنْ مقدر ہے۔ لَا تَاْكُلِ السَّمَكَ وَتَشْرَبَ اللَّبَنَ۔

③ اِس کا عطف ہے وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ پر اور يَعْلَمْ مجزوم ہے لَمَّا کی وجہ سے۔ تو پھر يَعْلَمَ پر فتح کیوں آیا؟ تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فتح اخف الحرکات ہے۔ صاحب کشاف فرماتے ہیں: یہ پہلے وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ۔ میں لِيَعْلَمَ کی مناسبت سے آیا ہے۔

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾:

اَیْ وَاَنْتُمْ بُصَرَآءُ یا ظاہری دیکھنا مُراد ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۴۴﴾:

ربط: اُوپر سے اُحد کا معاملہ چلا آرہا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا تھا۔ اِس پر فرمایا کہ:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک رسول ہیں۔ اگر وہ دُنیا سے چلے جائیں تو کیا تم دین چھوڑ دو گے؟!!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لفظِ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" قرآن کریم میں چار (۴) جگہ آیا ہے:

① وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۔۔۔الآیۃ ❷

② مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔۔۔الآیۃ ❸

③ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ❹

❶ (سُوْرَۃُ الْفَتْح، ۲۹) ❷ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن، ۱۴۴) ❸ (سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب، ۴۰) ❹ (سُوْرَۃُ مُحَمَّد، ۲)

① مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔۔۔ الآیۃ ❶

اور آپ ﷺ کا نام احمد ایک مرتبہ قرآن میں آیا ہے: بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔۔۔ الآیۃ ❷

لفظِ اَحْمَد اِسمِ تفضیل ہے اور اِسمِ تفضیل کبھی فاعل کے معنی میں اور کبھی مفعول کے معنی میں آتا ہے۔ اَحْمَد اگر فاعل یعنی حَامِد کے معنی میں ہو تو معنی ہوگا: زیادہ تعریف کرنے والا اور جب مفعول یعنی مَحْمُوْد کے معنی میں ہو تو معنی ہوگا: زیادہ تعریف کیا ہوا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔۔۔ الآیۃ:

خَلَتْ کا معنی ہے: زمین کو خالی کیا گیا اس طرح کہ بعض وفات پاگئے، بعض آسمان کو چلے گئے۔

قادیانیوں کا غلط اِستدلال: قادیانی اور عیسائی اس آیت سے وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام پر استدلال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ: تفسیروں میں ہے: قَدْ خَلَتْ اَيْ قَدْ وَفَتْ اور قانون وقاعدہ یہ ہے کہ: جمع پر جب اَلِف لَام آجائے تو جمعیت باطل ہو جاتی ہے اور استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ یہاں بھی اَلرُّسُلُ پر اَلِف لَام داخل ہے۔ تو مطلب ہوگا کہ: تمام رسول جو آپ ﷺ سے پہلے گزرے ہیں اُن کو وفات دی گئی ہے۔ تو اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہو گئے؟

جواب اس کے دو (۲) جواب ہیں:

① یہ قاعدہ کلیہ نہیں بل کہ قواعدِ اکثری میں سے ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اس قاعدہ میں داخل نہیں اور اگر اس کو قاعدہ کلیہ مان کر یہاں بھی اس کو تسلیم کرلیں تو اس سے دوسری جگہ خرابی لازم آئے گی۔ پارہ نمبر ایک (۱) گیارہویں رُکوع میں ہے: وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ۔۔۔ الآیۃ ❸
تو اس قاعدے کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ: تمام رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بعد آئے ہیں حال آں کہ یہ باطل ہے۔

② خَلَتْ کے معنی "وقت" یہ مجازی معنی ہیں۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا۔۔۔ الآیۃ ۱۴۷:

ترکیب: یہاں لفظِ قَالُوْا، اَنْ کی وجہ سے مصدر بن گیا۔ یہ کَانَ کا اِسم مؤخر ہے اور قَوْلَهُمْ یہ خبر مقدم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا۔۔۔ الآیۃ ۱۴۹:

ربط: اُوپر سے اُحد کا ذکر چلا آرہا ہے، اُحد کی لڑائی میں کل آدمی ایک ہزار (۱۰۰۰) تھے۔ جن میں سے سات سو (۷۰۰) مسلمان تھے اور تین سو (۳۰۰) منافق تھے۔ منافقین جب واپس آنے لگے تو اُنہوں نے دوسرے مسلمانوں کو واپس لوٹنے کی ترغیب دی لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کو مضبوط کیا۔

مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا۔۔۔ الآیۃ ۱۵۱:

"تنویر المقباس فی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما" میں لکھا ہے کہ: قرآن پاک میں لفظِ سُلْطَان جہاں بھی آیا ہے اُس سے بادشاہ مُراد نہیں بل کہ بُرھان اور دلیل مُراد ہے اور بادشاہ کے لیے لفظِ مَلِك آیا ہے۔

اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ۔۔۔ الآیۃ ۱۵۲:

تَحُسُّوْنَهُمْ اَيْ تَقْتُلُوْنَهُمْ۔

وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ۔۔۔ الآیۃ ۱۵۳:

صاحبِ کشاف کہتے ہیں کہ: اُخْرٰی، صُفُوْف کی صفت ہے اَيْ فِيْ اُخْرٰی صُفُوْفِكُمْ۔

غَمًّاۢ بِغَمٍّ۔۔۔ الآیۃ:

① ایک غم شکست کھانا۔	② دوسرا غم مالِ غنیمت کا چلا جانا۔

❶ (سُوْرَۃُ الْفَتْح، ۲۹)	❷ (سُوْرَۃُ الصَّف، ۶)	❸ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۸۷)

سوال بِغَمٍّ میں باء کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① باء، عَلٰی کے معنی میں ہے۔ اَیْ غَمًّا عَلٰی غَمٍّ۔

② بِغَمٍّ میں باء سببیت کے لیے ہے کہ: تم نے آپ ﷺ کو غمگین کیا، اِس کے بدلے میں تمھیں یہ تکلیف پہنچی۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُحد کا واقعہ چلا آرہا ہے، یہاں منافقین کی باتوں کا تذکرہ ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: آپ ﷺ کو اُن منافقین کے قول وفعل سے باخبر کردیا کہ: یہ لوگ نرمی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ۔۔۔ الآیۃ:

غیر منصوص چیزوں میں مشورے کی اِجازت ہے۔

فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ مِنْ بَعْدِ خُذْلَانِهٖ۔

وَمَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو(۲) تفسیریں ہیں:

① غزوۂ بدر میں مالِ غنیمت میں سے ایک قیمتی چادر غائب ہوگئی۔ تو بعض نے کہا: آپ ﷺ نے لی ہوگی۔ اُن کی اِس بات کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

② غزوۂ اُحد میں بعض منافقین نے کہا کہ: آپ ﷺ نے مالِ غنیمت میں سے چادر لی ہے۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ۔۔۔ الآیۃ:

اِشکال: هُمْ ضمیر ذات ہے اور لفظِ دَرَجٰت وصف ہے۔ وصف کا ذات پر حمل کیسے ہوا؟

جواب: اِس کے بارے میں دو(۲) اَقوال ہیں: ① هُمْ اَصْحَابُ دَرَجَاتٍ۔ ② لَهُمْ دَرَجَاتٌ۔

اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔۔۔ الآیۃ:

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے "روح المعانی" میں لکھا ہے اور "البحر الرائق، فتاویٰ عالمگیری اور شرح المواحدین" میں بھی ہے کہ: اگر کسی سے یہ پوچھا جائے کہ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَانَ مِنَ الْعَرَبِ اَمْ مِّنْ غَیْرِ الْعَرَبِ، بَشَرًا اَمْ غَیْرَ بَشَرٍ؟ اگر وہ جواب میں کہے: لَا اَدْرِیْ تو یہ کافر ہے۔ وجہ کفر یہ ہے کہ: یہ جاننا ضروریاتِ دین میں سے ہے کہ آپ ﷺ عربی ہیں اور بشر ہیں اور ضروریاتِ دین کے بارے میں یہ کہنا کہ: لَا اَدْرِیْ یہ کفر ہے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ۔۔۔ الآیۃ:

اُحد میں جب ستّر (۷۰) آدمی شہید ہوئے، تو آپس میں کہنے لگے کہ: یہ تکلیف کہاں سے آئی؟ تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ: پریشان نہ ہو کیوں کہ یہ تمہاری وجہ سے ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ۔۔۔ الآیۃ:

سوال اَحْیَآءٌ سے مُراد کیا ہے؟

جواب اِس میں بہت اَقوال ہیں:

① بعض حیاتِ رُوحانی کہتے ہیں۔ ② بعض صورتِ مثالی کا کہتے ہیں۔ ③ بعض حیاتِ جسمانی مُراد لیتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی تفسیر شانِ نزول پر موقوف ہے۔

① **ایک شانِ نزول:** اُحد کے موقع پر جب مسلمانوں نے شکست کھائی تو ابوسفیان نے مسلمانوں کو کہا کہ: آئندہ سال اِسی بدر کے مقام پر لڑائی ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کیا، اگلے سال مسلمان پہنچے، لیکن مشرکین نہ آئے۔ اِس کو بدرِ صغریٰ کہتے ہیں، اِس موقعہ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

② **دوسری شانِ نزول:** جب اُحد میں کفار کو غلبہ ہوا تو واپسی میں اُنہوں نے حمراء الاسد پر پہنچ کر آپس میں کہا کہ: افسوس! مسلمان ویسے ہی کمزور ہو گئے تھے واپس ہو کر اُن کو ختم کر دو۔ اُن کی اِس اِرادے کو سن کر مسلمان وہاں گئے، لیکن کفار مرعوب ہو کر چلے گئے تھے۔

لفظِ اِسْتَجَابُوْا یہاں بابِ اِسْتِفْعَال سے، اِفْعَال کے معنی میں ہے۔ معنیٰ ہوگا کہ: اُنہوں نے حکم مانا۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ نَاس سے نعیم بن مسعود اشجعی مُراد ہے یہ کافروں کا ایجنٹ تھا۔

اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَہٗ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لفظِ اَوْلِیَآءَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ اَوْلِیَآءَ منصوب بنزع الخافض ہے۔ اَیْ یُخَوِّفُ مِنْ اَوْلِیَآءِہٖ۔

مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں سے اللہ تعالیٰ غزوۂ اُحد میں سختی کی وجہ بیان فرما رہے ہیں۔

وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ ۔۔۔ الآیۃ:

اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اَنْبَآءُ الْغَیْبِ دی ہیں۔ لیکن وہ اَنْبَآءُ الْغَیْبِ ہیں غیب نہیں۔ ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْہِ اِلَیْکَ ۔۔۔ الآیۃ ❶ اَنْبَآءُ الْغَیْبِ اور چیز ہے اور علم الغیب اور چیز ہے۔

اہلِ بدعت کا غلط استدلال: وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ اِس آیت سے علمِ غیب کلی پر اِستدلال کرتے ہیں۔ لیکن اُن کا یہ اِستدلال دو (۲) وجہ سے باطل ہے:

① اگر اِس آیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علمِ غیب کلی کو ثابت کریں، تو اِس آیت کے نازل ہونے کے وقت تو پورا قرآن پاک بھی نازل نہیں ہوا تھا۔ سُوْرَۃُ النِّسَآءِ اور سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ اور سُوْرَۃُ التَّحْرِیْمِ وغیرہ تو اِس آیت کے بعد نازل ہوئیں تو گویا اِن سورتوں کا علم نہ تھا، تب تو بعد میں نازل ہوئیں ورنہ نزول کا کیا فائدہ جب پہلے سے علم تھا؟

② اِس آیت سے سارا علمِ غیب ثابت ہو جائے تو اِس کے بعد کی سورتوں میں نفی کیوں ہے؟ مثلاً: لَا تَعْلَمُھُمْ نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ ۔۔۔ الآیۃ ❷۔

مزید باتیں "ازالۃ الریب" میں دیکھیں۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: پہلے منافقوں کا ذکر تھا، اب اُن کے اَصل یعنی یہود کا ذکر ہے۔

وَ اَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝:

اِشکال: لفظِ ظَلَّام پر لَیْسَ داخل ہے اور ظَلَّام مبالغہ کا صیغہ ہے۔ تو معنیٰ ہوگا کہ: اللہ تعالیٰ بندوں پر ظَلَّام تو نہیں البتہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) ظالم ہیں یعنی نفسِ ظلم تو ثابت ہوا؟

جواب: اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

❶ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن، ۴۴) ❷ (سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ، ۱۰۱)

① علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہاں اسمِ مبالغہ نفسِ فاعل کے معنی میں ہے۔ جیسے: تَمَّار، لَبَّان اور حَدَّاد۔

② اِس سے اِس بات کی طرف اِشارہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے لیے ظلم کی صفت ثابت نہیں۔ لیکن بالفرض والمحال اگر اللہ تعالیٰ کے لیے ظلم کی صفت ثابت ہوتی تو وہ صفت کامل درجے کی ہوتی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کمالیہ ہیں۔ تو پھر (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) اللہ تعالیٰ ظالم نہیں بل کہ ظَلَّام ہوتے۔

اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَآ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸۳﴾:

یہود نے کہا کہ: ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ کسی نبی کو اُس وقت تک نہ مانو جب تک وہ قربانی نہ کرے اور وہ قربانی آسمانی آگ آکر نہ جلائے۔ لہٰذا ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قربانی آگ آکر نہ جلائے؟

جواب اِس کے حق تعالیٰ نے دو (۲) جواب دیے: ایک اِلزامی اور ایک تحقیقی۔

تحقیقی جواب: قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ ۔۔۔ الآیۃ ❶ اور پہلے نبیوں نے بھی تو یہ آگ والا معجزہ پیش نہیں کیا تو کیا اُن کو بھی نہیں مانتے؟

اِلزامی جواب: ایسے نبی آئے اُنہوں نے یہ معجزہ پیش کیا پھر بھی تم نے نہیں مانا اور بل کہ اُن کو قتل کر دیا۔ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔۔۔ الآیۃ ❷

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸۴﴾:

سوال شرط سے جزاء کا زمانہ بعد میں ہوتا ہے۔ تمام تفاسیروں میں ہے کہ: جزاء محذوف ہے، اَیْ فَاصْبِرْ اور یہ آگے دلیلِ جزاء ہے۔ یہ فَاصْبِرْ کیوں نکالتے ہیں؟

جواب سُوْرَۃُ الْاَنْعَام میں یہ لفظ خود موجود ہے وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۔۔۔ الآیۃ ❸

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸۵﴾:

سوال نَفْس کا لفظ تو حق تعالیٰ پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۔۔۔ الآیۃ ❹ تو اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ: (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھی موت آئے گی؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① صفت محذوف ہے۔ اَیْ كُلُّ نَفْسٍ مَخْلُوْقٍ۔

② اللہ تعالیٰ پر سے موت دلیلِ قطعی سے ساقط ہے۔ جیسے: اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ❺ یعنی ہمیشہ زندہ رہنے والا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸۷﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ یہود نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں تاکید کی ہے کہ ہم نہ مانیں مگر اُس رسول کو جو قربانی پیش کرے اور اُس کی قربانی کو آگ آکر جلادے۔ اُن کی اِس بات کا جواب دیا کہ: جو وعدہ یہود سے لیا گیا تھا اُس کو تو خود اُنہوں نے پورا نہیں کیا۔

فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸۸﴾:

سوال لفظ مَفَازَةٍ ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "تفسیر بیضاوی، ابوسعود" میں لکھا ہے کہ: مَفَازَةٌ ظرفِ مکان ہے۔ اَیْ بِمَكَانِ فَوْزٍ۔ ② مَفَازَةٌ مصدر میمی ہے، فَوْزٌ کے معنی میں ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹۰﴾:

ربط: اُوپر توحید کا دعویٰ تھا، آگے توحید کے دلائل ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹۱﴾:

لفظ قِیٰمًا مصدر ہے قَآئِمِیْنَ کے معنی میں ہے۔

---

❶❷ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن، ۱۸۳) ❸ (سُوْرَۃُ الْاَنْعَام، ۳۴) ❹ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن، ۲۸) ❺ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن، ۲)

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ۔۔۔الآية:

سوال مُنادی سے کون مُراد ہے؟

جواب اِس میں چار (۴) اَقوال ہیں:

① "تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: منادی سے آپ ﷺ مُراد ہیں۔

② منادی سے قرآن مجید مُراد ہے۔ ③ منادی سے ہر دَور اور علاقے کا مُدلّل مُراد ہے۔ ④ منادی سے عقلِ سلیم مُراد ہے۔

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ:

لفظِ اَبْرَار، بَرٌّ کی یا بَارٌّ کی جمع ہے۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ۔۔۔الآية:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "تفسیر کشاف" میں لکھا ہے کہ: مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰۤى اَلْسِنَةِ رُسُلِكَ۔ ② مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى تَصْدِيْقِ رُسُلِكَ۔

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ۔۔۔الآية:

سوال اِیمان سے حُقوق اللہ تو معاف ہو جاتے ہیں، حُقوق العباد معاف ہوتے ہیں یا نہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) گروہ ہیں: ① ایک گروہ کہتا ہے کہ: معاف ہو جاتے ہیں۔ وہ اِس آیت سے اِستدلال کرتے ہیں۔

② دوسرا گروہ کہتا ہے کہ: نہیں! وہ ایک واقعہ سے اِستدلال کرتے ہیں کہ: ایک شخص مسلمان ہونے کے لیے آیا اُس نے چند قتل کیے تھے اور اُن کا مال و متاع بھی لیا تھا۔ اُس نے کہا کہ: اِسلام لاؤں تو یہ معاف ہوگا؟ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: کفر تو معاف ہوگا، باقی یہ حُقوق آپ کے اور آپ کے رب کا معاملہ ہے۔

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔۔۔الآية:

سوال لفظِ ثَوَابًا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب صاحبِ کمالین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ جَنّٰتٍ سے حال ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِى الْبِلَادِ:

ربط: کافر یہ کہتے بھی تھے اور بعض کم فہم لوگوں کو یہ مغالطہ بھی ہوتا تھا کہ ہم سے رب راضی ہے۔ اگر ہم سے رب ناراض ہوتا تو ہم ٹھاٹھ باٹھ سے کیوں چلتے؟ اُن کی اِس بات کا جواب اِس آیت سے دیا ہے۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ۔۔۔الآية:

اِس کی دو (۲) ترکیبیں ہیں:

① یہ مبتداء مؤخر ہے اور اِس سے پہلے خبر محذوف ہے۔ اَیْ لَهُمْ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ۔

② مَتَاعٌ قَلِيْلٌ موصوف صفت، مبتداء ہے اور لَهُمْ خبر محذوف ہے۔ اَیْ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ لَّهُمْ۔

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔۔۔الآية:

لفظِ نُزُلًا، جَنّٰتٌ سے حال ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ۔۔۔الآية:

ربط: پہلے اہلِ کتاب کا ذکر تھا یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ: اہلِ کتاب میں سب بُرے نہیں ہیں بعض اَچھے بھی ہیں۔

رُکُوْعَاتُھَا (۲۴) (۴) سُوْرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۲) اٰیَاتُھَا (۱۷۶)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: "تفسیر کبیر، بیان القرآن" وغیرہ میں لفظی ربط یہ لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ تقویٰ پر ختم ہوئی اور یہ سورۃ تقویٰ سے شروع ہوئی اور معنوی ربط یہ ہے کہ: پہلی سورۃ میں معاملہ مَعَ الْاَغْیَار کا ذکر تھا، اس سورۃ میں آپس میں یعنی رشتہ داروں کے درمیان معاملے کا ذکر ہے۔ نام اِس سورۃ کا نِسَآء ہے جو کہ اِمْرَاَۃٌ کی جمع ہے مِنْ غَیْرِ لَفْظِہٖ یعنی وہ سورۃ جس میں عورتوں کے حُقوق بیان ہوں گے۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱﴾:

سوال لفظِ اَرْحَام کا عطف کس پر ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① "کشاف، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: لفظِ اَرْحَام کا عطف لفظِ اللہ پر ہے۔ اَیْ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَالْاَرْحَامَ۔ معنیٰ ہوگا کہ: اَرْحَام سے ڈرو یعنی قطع رحمی مت کرو۔

② بِہٖ میں جو "ہٖ" ضمیر ہے اُس کے محل پر اس کا عطف ہے۔ معنیٰ ہوگا کہ: اَرْحَام کے واسطے سے مانگتے ہو۔

وَلَا تَاْکُلُوْۤا اَمْوَالَھُمْ اِلٰۤی اَمْوَالِکُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲﴾:

صاحبِ کشاف فرماتے ہیں: اَیْ وَلَا تَاْکُلُوْۤا اَمْوَالَھُمْ مَضْمُوْمًا اِلٰۤی اَمْوَالِکُمْ۔

فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳﴾:

"فتح الباری" میں تصریح ہے کہ: خوارج کہتے ہیں کہ: اٹھارہ (۱۸) عورتوں کے ساتھ ایک آدمی نکاح کر سکتا ہے۔ اِس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ: مَثْنٰی کے معنیٰ: دو، دو (۲،۲) اور ثُلٰثَ کا معنیٰ: تین، تین (۳،۳)، رُبٰعَ کا معنیٰ: چار چار (۴،۴)۔ تو درمیان میں واؤ عاطفہ کو جمع کے لیے لے کر کل اٹھارہ (۱۸) بنتیں ہیں۔ روافض کہتے ہیں کہ: ایک شخص نو (۹) بیویاں رکھ سکتا ہے۔ وہ بھی اِس آیت سے اِستدلال کرتے ہیں اور واؤ جمع کے لیے لیتے ہیں لیکن اِن میں تکرار نہیں مانتے۔

"بخاری شریف" میں علی رحمہ اللہ بن حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ جن کو امام زین العابدین (رحمہ اللہ) بھی کہتے ہیں فرماتے ہیں کہ: یہاں واؤ بمعنیٰ اَوْ کے ہے۔ تو مطلب ہوگا کہ: دو (۲) یا تین (۳) یا چار (۴)۔ ❶ جیسے: اُولِیْۤ اَجْنِحَۃٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔۔۔ الآیۃ ❷ یہاں پر بھی واؤ بمعنیٰ اَوْ کے ہے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً ۔۔۔ الآیۃ:

سوال وَاحِدَۃً کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب "تفسیر بیضاوی" میں لکھا ہے کہ: فَانْکِحُوْا وَاحِدَۃً ۔ وَاحِدَۃً کے منصوب ہونے کی وجہ بتلائی ہے کہ: فَانْکِحُوْا کی وجہ سے یہ منصوب ہے اور مَثْنٰی وَثُلٰثَ کا عطف معمول پر ہے اَیْ فَانْکِحُوْا مَثْنٰی اَوِ انْکِحُوْا ثُلٰثَ اَوِ انْکِحُوْا رُبٰعَ۔

اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

باندی اور غلام کو مِلْکِ یَمِیْن اِس لیے کہتے ہیں کیوں کہ اَمیرِ لشکر جب کسی کو غلام یا باندی دیتا تھا تو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر دوسرے کے دائیں ہاتھ میں دے دیتا تھا۔

---

❶ (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لایتزوج اکثر من اربع، ج۲، ص۷۶۳، طبع یادگار شیخ، کراچی) ❷ (سورۃ فاطر:۱)

فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا۝ ﴿۴﴾:

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: هَنِيْٓـًٔا کا معنی ہے: مزیدار اور مَرِيْٓـًٔا کا معنی ہے: خوشگوار۔
شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ معنی کرتے ہیں: هَنِيْٓـًٔا کا معنی ہے: رچتا اور مَرِيْٓـًٔا کا معنی ہے: پچتا۔ پچتا کے معنی بھی خوشگوار کے ہے۔

وَارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا۔۔۔ الآیۃ ﴿۵﴾:

یہاں فِیْ، مِنْ کے معنی میں ہے۔ فِيْهَا أَيْ مِنْهَا۔

وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا۔۔۔ الآیۃ ﴿۶﴾:

اِسْرَاف کہتے ہیں جائز مقام میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اور تَبْذِیْر کہتے ہیں ناجائز مقام میں خرچ کرنا۔ بِدَارًا کے معنی ہیں: جلدی کے ساتھ۔
كَبُرَ، يَكْبُرُ باب كَرُمَ، يَكْرُمُ سے ہے۔ معنی ہیں: شان اور مرتبہ کے اعتبار سے بڑا ہونا اور كَبِرَ، يَكْبَرُ باب سَمِعَ، يَسْمَعُ سے ہے۔ معنی ہے: عمر کے اعتبار سے بڑا ہونا۔ یہاں باب سَمِعَ سے ہے یعنی عمر کے اعتبار سے بڑا ہونا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷﴾:

ربط: اُوپر یتیموں کے حق کا ذکر تھا، آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: عورتوں کا بھی حق ہے کیوں کہ جاہلیت میں وراثت عورتوں اور بچوں کو نہیں دیتے تھے۔
اُن کا نظریہ یہ تھا کہ: جو میدانِ جنگ میں لڑ سکتے ہیں اُن کو وراثت دینی چاہیے۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸﴾:

تقسیمِ وراثت کے وقت قریبی رشتہ دار، یتیم اور مسکین وغیرہ آجائیں تو اُن کو مالِ وراثت سے مال دینے کی تین (۳) شرطیں ہیں:
① پہلی شرط یہ ہے کہ: سارے ورثاء بالغ ہوں۔ "فتاویٰ بزازیہ، عالمگیری، قاضی خان" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: نابالغ کی اجازت شرعاً اجازت شمار نہ ہوگی۔
② دوسری شرط یہ ہے کہ: سارے ورثاء حاضر ہوں۔ ③ تیسری شرط یہ ہے کہ: سارے ورثاء راضی ہوں یعنی اجازت دیں۔ ورنہ جائز نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

عموماً جب کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو اُس کی اولاد نابالغ ہوتی ہے، اگر اولاد نابالغ ہو تو یہ تیجہ، ساتواں وغیرہ بدعت ہونے کے علاوہ اُس مالِ مشترک سے صدقہ کرنا مطلقاً حرام ہے۔
حضرت شیخ صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: میں کہتا ہوں کہ جہاد کرنا مشکل ہے لیکن بدعات کا رَدّ کرنا اُس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱﴾:

ربط: اُوپر اجمالی طور پر لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ۔۔۔ الآیۃ ❶ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ۔۔۔ الآیۃ ❷ میں وراثت کا ذکر تھا، اب تفصیلی طور پر وراثت کا ذکر فرمارہے ہیں۔

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔۔۔ الآیۃ:

لڑکوں کا حصہ مَقِیْس اور لڑکیوں کا حصہ مَقِیْس عَلَیْہ بنایا۔ یہ اس لیے کہ لڑکیاں اِس میں اَصل ہیں، اُن کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ نیز اس کو صراحتاً اِس لیے بیان کیا کہ: اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر زمانہ میں لوگ لڑکیوں کی حق تلفی کریں گے۔ کبھی بہانہ بناتے ہیں کہ: لڑکیوں کی شادی اور تعلیم پر خرچ کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ: لڑکیاں عید اور شب قدر میں اپنا حصہ لے جاتی ہیں وغیرہ یہ سب بہانے ہیں۔ کیا اِس میں لڑکا شمار نہیں؟ لڑکے کے بھی تو یہی اخراجات ہیں؟
خمینی نے "کشف الاسرار" میں لکھا ہے کہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (نَعُوْذُ بِاللہ) قرآن پاک کی صریح مخالفت کی ہے۔ قرآن پاک کہتا ہے: لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔۔۔ الآیۃ ❸ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مال سے حصہ نہ دیا؟

---

❶❷(سُوْرَةُ النِّسَآء:۷) ❸(سُوْرَةُ النِّسَآء:۱۱)

جواب اِس کا مفصل جواب "تو" ارشاد الشیعہ" میں مذکور ہے۔ مختصراً عرض یہ ہے کہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قطعی دلیل کو ظنی کے مقابلے میں نہیں چھوڑا بل کہ قطعی کو قطعی کے مقابلے میں چھوڑا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست سُنا تھا اور جو بات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سن لیں تو وہ قطعی ہوتی ہے اور وہ بات یہ تھی کہ: انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی[1]

اِسی طرح پانچ (۵) چیزیں مانعِ میراث ہے: ① قتل۔ ② رق۔ ③ اِختلافِ دین۔ ④ اِختلافِ دار۔ ⑤ أولادِ نبی ہو۔

سوال لڑکے کا حصہ لڑکی کے مقابلے میں دُگنا کیوں ہے؟ بظاہر تو یہ اِنصاف کے خلاف ہے؟

جواب علامہ عثمانی رحمہ اللہ "تفسیر عثمانی" میں لکھتے ہیں کہ: لڑکی کا نان نفقہ اور مہر خاوند کے ذمہ ہے۔ اُس کا خرچہ وہ برداشت کرتا ہے اور لڑکا اپنا بھی اور دوسروں کا بھی خرچہ برداشت کرتا ہے۔ کسی کے ذمہ اُس کا خرچہ نہیں اِس لیے لڑکے کا حصہ لڑکی سے دو گنا ہے۔

مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ ۔۔۔ الآیۃ:

وصیت بعد میں ہے، لیکن پہلے ذکر کیا تا کہ لوگ اُس کو نظر انداز نہ کریں۔

وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲﴾:

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں اُمٍّ کا لفظ ہے۔ أی وَلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ مِّنۡ اُمٍّ۔ "تفسیر روح المعانی" میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ اِس پر اِجماع نقل کیا ہے۔

غَيۡرَ مُضَآرٍّ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کو اِسمِ فاعل اور اِسمِ مفعول دونوں کا صیغہ بنا سکتے ہیں۔ اِسمِ فاعل کا معنی ہوگا کہ: وہ وصیت کرنے والا تکلیف دینے والا نہ ہو۔ اِسمِ مفعول کا معنی ہوگا کہ: وارثوں کو ضرر نہ دیا جائے پورا حصہ دیا جائے۔

وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴﴾:

"بیان القرآن، روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: نافرمانی اگر یوں ہے کہ وراثت کو اِعتقاداً مانتا نہیں تو یہ کافر ہے۔ اِس کو ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کیا جائے گا اور اگر وراثت کو اِعتقاداً مانتا ہے لیکن دیتا نہیں، تو اِس صورت میں خُلُود سے مُراد مَکۡثٍ طَوِیۡل ہے۔

وَالّٰتِیۡ يَاۡتِيۡنَ الۡفَاحِشَةَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ عورتوں کے لیے حُقوق ہیں، اب اِس بات کا ذکر ہے کہ عورتوں پر بھی حقوق ہیں۔ مثلاً: پاک دامنی وغیرہ۔

وَالَّذٰنِ يَاۡتِيٰنِهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۶﴾:

"تفسیر ابن جریر طبری اور روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: اِس میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اِس سے مُراد مَرد اور عورت ہیں جب وہ زنا کریں۔ ② اِس سے دو (۲) مَرد مُراد ہیں جب وہ لواطت کریں۔

سوال لواطت کی سزا کیا ہونی چاہیے؟

جواب اِس میں مختلف اَقوال ہیں:

اِمام صاحب رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ: اُس پر دیوار گرا دیں۔

اِمام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر مُحصن ہو تو رجم کرو، اگر غیر مُحصن ہو تو کوڑے مارو۔ وَبِهٖ قَالَ اَحۡمَدُ بۡنُ مُحَمَّدِ بۡنِ حَنۡبَلٍ رحمہ اللہ۔

اِنَّمَا التَّوۡبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَهَالَةٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۷﴾:

سوال یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ: اُن لوگوں کی توبہ قبول ہوگی جو جہالت سے گناہ کریں اور جو بغیر جہالت کے گناہ کریں تو اُن کی توبہ قبول نہ ہوگی؟

جواب تفسیر روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: جہالت کبھی مَبۡدَاء میں ہوتی ہے اور کبھی مَآل میں ہوتی ہے۔ مَبۡدَاء کا معنی یہ ہے کہ: اُس کو گناہ نہیں سمجھتا

[1] (صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقۃ، ج ۲، ص ۹۹۵ طبع یادگار شیخ، کراچی)

یعنی یہ کام جو میں کر رہا ہوں یہ گناہ ہے یا نہیں؟ اور مآل میں جہالت یہ ہے کہ: اُس کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اِس پر سزا ملے گی یا نہیں؟ اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ: یہ گناہ ہے۔ یہاں مآل میں جہالت مُراد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹﴾:

ربط: اُوپر عورتوں اور اُن کے حقوق کا ذکر تھا اُن میں سے ایک حق یہ بھی ہے۔

اِہم مسئلہ: فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ: اگر ایک آدمی یہ کہے کہ: فلاں کی لڑکی فلاں کی بیٹی اِتنے مہر کے عوض تجھے قبول ہے؟ اور وہ کہے کہ: قبول ہے، تو یہ نکاح نہیں ہوا کیوں کہ اِس میں اِستفہام ہے اور اِستفہام سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ لیکن اگر یوں کہے کہ: فلاں لڑکی فلاں کی بیٹی اِتنے مہر کے عوض میں نے تمہیں دے دی، تمہیں قبول ہے؟ وہ کہے کہ: ہاں! قبول ہے۔ تو نکاح ہوگا۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۲﴾:

مَا بمعنی مَنْ کے ہے۔ اَیْ وَلَا تَنْكِحُوْا مَنْ نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۳﴾:

ربط: پہلے محرمات کا ذکر تھا جن کے ساتھ تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو اُس کے ساتھ نکاح نہ کرو، آگے محرمات کی تفصیل ہے۔

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر مدارک" میں لکھا ہے کہ: عادتاً ایسا ہوتا ہے کہ خاوند اُس کو ساتھ رکھ لیتا ہے۔ لیکن یاد رہے! یہ قید اِتفاقی ہے۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

مِنْ اَصْلَابِكُمْ کی قید متبنّیٰ بیٹے کی بیوی کو نکالنے کے لیے ہے، دُودھ شریک کو نکالنا مقصود نہیں۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۴﴾:

مُحْصَنٰت سے مُراد ذَوَاتُ الْاَزْوَاج ہیں یعنی شوہروں والی عورتیں۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ ۔۔۔ الآیۃ:

"رُوح المعانی، مدارک" وغیرہ میں اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① مَا بمعنی مَنْ کے ہے۔ یعنی پس! وہ عورت جس کے ساتھ تم نے فائدہ اُٹھایا عورتوں کی جنس میں سے۔

② مَا بمعنی طَرِيْق کے ہے۔ یعنی وہ طریق کے فائدہ اُٹھایا تم نے اُس طریق کے ساتھ یعنی اُن کے ساتھ نکاح کیا تو اُن کو مہر دو۔

مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۵﴾:

"تفسیر مدارک" میں لکھا ہے کہ: مُؤْمِنٰت کی قید اِتفاقی ہے اور اِستحباب کے لیے ذکر کیا۔

وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۔۔۔ الآیۃ:

خِدْنٌ کے معنی ہیں: بُرا دوست اور صَدِيْقٌ کے معنی ہیں: اچھا دوست۔

فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ ۔۔۔ الآیۃ:

یہ مسئلہ "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: لونڈی پر رجم نہیں چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو، غلام کو اِس پر قیاس کر لیا۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر کشاف" میں لکھا ہے کہ: اَلْعَنَت کے لفظی معنی ہیں: اَلْعَنَتُ اَيِ الضَّرَارُ وَ الْمُشَقَّةُ اور مُراد اِس سے زنا ہے۔ زنا سے اِس لیے تعبیر کیا کیوں کہ دُنیا میں کوڑے اور آخرت میں سزا ہوگی۔

وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۔۔۔ الآیۃ:

یہ اِس لیے فرمایا کہ: اَولادحریت اور رقیت میں ماں کی تابع ہوتی ہیں۔ ماں آزاد تو اَولاد آزاد، ماں لونڈی تو اَولاد غلام۔ اب تم آزاد ہو اور تم نے لونڈیوں سے نکاح کیا تو تمہاری اَولاد غلام ہوگی۔ پھر لونڈی کے لیے پردہ لازم نہیں ہے۔ بے پردہ بازاروں میں چل سکتی ہے اور غیرت مند آدمی اِس بات کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن قاعدہ ہے کہ !! جب دو(۲) مصیبتوں میں مبتلا ہو تو ہلکی قبول کرو۔ اب ایک طرف تو زنا میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے اور ایک طرف تمہارے بچوں کے غلام ہونے کا خدشہ ہے اور بیوی کا بے پردہ پھرنا ہے، تو صبر کرنا اِس لیے بہتر ہے کہ تمہاری اَولاد بھی غلام نہ ہو اور تمہاری غیرت کو بھی ٹھیس نہ پہنچے۔

یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمۡ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۶﴾:

ربط: "بیانُ القرآن" میں لکھا ہے کہ: حق تعالیٰ نے پہلے وراثت کے اَحکام کو بیان فرمایا، پھر نکاح کے مسائل اور محرمات کا ذکر کیا۔ اب اپنے احسانات کا ذکر فرما رہے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَیۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۹﴾:

ربط: اُوپر نفوس کے حرام ہونے کا ذکر تھا، اب آگے فرمایا کہ: جیسے ایک دوسرے کے نُفوس تمہارے اُوپر حرام ہیں اِسی طرح دوسرے کا مال بھی حرام ہے۔

وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ۔۔۔ الآیۃ:

ایک دوسرے کو قتل مت کرو۔

وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ عُدۡوَانًا وَّظُلۡمًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۰﴾:

عُدۡوَان کے معنی ہیں: "بندے کا حق توڑنا"۔ ظُلۡم کے معنی ہیں: "خدا کا حق توڑنا"۔

اب قتل میں دو(۲) حق ہیں: ① اللہ تعالیٰ کا حق۔ ② بندے کا حق۔

اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ۔۔۔ الآیۃ اب اگر تم قتل کرو گے تو اللہ تعالیٰ کے حق میں تم نے ظُلۡم کیا اور بندے کے حق میں عُدۡوَان کیا۔

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۱﴾:

ربط: پہلے گناہوں کا ذکر تھا۔ آگے فرمایا: اگر بچو گے تو ہم تمہارے گناہ معاف کریں گے۔

اہلِ حق کہتے ہیں کہ: صغیرہ گناہ نیکیوں سے معاف ہوتے ہیں۔ کبائر دو(۲) قِسم کے ہیں: ① حُقوق اللہ۔ ② حُقوق العباد۔

حُقوق العباد پھر دو(۲) قِسم کے ہیں: ① اَدا کرنے سے اَدا ہوتے ہیں۔ ② معاف کرنے سے ساقط ہوں گے۔

اِسی طرح حُقوق اللہ بھی دو(۲) قِسم کے ہیں: ① جس کی قضاء ہوتی ہے۔ ② جس کی قضاء نہیں ہوتی۔

تمام ائمہ کرام رحمہم اللہ کا فتویٰ ہے کہ: حُقوق اللہ توبہ کرنے سے اَدا نہیں ہوتے جب تک کہ اَدا نہ کیے جائیں۔ جیسے نماز، رُوزہ وغیرہ۔

نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَیِّاٰتِكُمۡ ۔۔۔ الآیۃ:

دو(۲) باتیں آسان ہیں جو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "جلالین" میں کی ہیں: ① نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَیِّاٰتِكُمۡ اَیِ الصَّغَائِرَ بِالطَّاعَاتِ۔

② کبائر سے مُراد شرک ہے کہ اگر تم شرک سے اِجتناب کرو گے تو باقی گناہ معاف ہوں گے۔ اور دلیل یہ ہے کہ: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَكَ بِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ❶ اور جمع اِس لیے لایا ہے کہ شرک کی اَقسام زیادہ ہیں۔ غیر اللہ کو، ملائکہ کو، انبیاء کرام علیہم السلام کو، اولیاء کو وغیرہ۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ: صغیرہ گناہ تب معاف ہو جائیں گے جب تم کبائر سے اِجتناب کرو گے۔

اہلِ حق کہتے ہیں کہ: صغیرہ گناہ توبہ کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔

❶ (سُوْرَۃُ النِّسَاۗء، ۴۸)

سوال کبیرہ کون سے گناہ ہیں اور صغیرہ کون سے گناہ ہیں؟

جواب اِس میں قاعدہ یہ ہے کہ: جن گناہوں پر لعنت یا عذاب، حد اور وعید آئی ہو وہ کبیرہ گناہ ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو وہ صغیرہ گناہ ہیں۔

مسئلہ یہاں یہ ہے کہ: معتزلہ کہتے ہیں کہ: کبیرہ گناہ معاف نہیں ہوتے جب تک صغیرہ گناہوں سے اِجتناب نہ کیا جائے کیوں کہ قرآن کریم میں ہے کہ: اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو تمہارے صغیرہ گناہ معاف کر دیں گے۔[1] ظاہری الفاظ سے اُن کی تائید ہوتی ہے۔

ہمارا مسلک یہ ہے کہ: کبیرہ گناہ بھی معاف ہوتے ہیں۔

جواب علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "جلالین" میں لکھا ہے کہ: نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ بِالطَّاعَةِ۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: وضوء سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، حج سے معاف ہوجاتے ہیں۔ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ کا تعلق بِالطَّاعَةِ سے ہے، اِنْ تَجْتَنِبُوْا کے ساتھ نہیں ہے۔

وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا۝:

سوال لفظِ مُدْخَلًا کون سا صیغہ ہے؟

جواب لفظِ مُدْخَلًا میں دو (۲) اِحتمال ہیں:

① ظرف کا صیغہ ہے کیوں کہ اَبوابِ مزید کا ظرف اِسم مفعول کے وزن پر ہوتا ہے۔ تو معنی ہوگا کہ: عزّت کی جگہ میں داخل کرنا۔

② مصدر میمی ہے۔ معنی ہوگا: داخل کریں گے داخل کرنا عزّت کا۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۲﴾:

ربط: اُوپر مَرد عورت کی وراثت کو بیان کیا۔ اِس طور پر کہ عورت کو مَرد کے مقابلے میں نصف ملے گا اور عورتوں کی گواہی بھی نصف ہوتی ہے۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا جن کا نام ہند تھا، عورتوں نے اُن کو وکیل بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ سب کام جہاد، اذان وغیرہ تو مَرد کرتے ہیں، ہمیں تو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو خاوند کرے، عورت اُس کے ساتھ ثواب میں شریک ہے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۳﴾:

زمانۂ جاہلیت میں کوئی ایک دوسرے کا حلیف بن جاتا کہ اگر میرے ساتھ کسی نے لڑائی کی تو تم ساتھ مدد کرو گے اور اگر تیرے ساتھ کسی نے لڑائی کی تو میں تیرے ساتھ ہوں گا۔ تو مَر گیا تو تیرا مال میرا، اگر میں مَرا تو میرا مال تیرا ہوگا۔ اِس کے بعد یہ حکم منسوخ ہوا یعنی اب حلیف کو حصہ نہیں ملتا۔ مَوَالِيَ جمع ہے مَوْلٰی کی، اِس کے بہت معانی آتے ہیں یہاں معنی ہے: وارث۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۴﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۔۔۔ الآیۃ [2] وہاں اِجمال تھا اب یہاں تفصیل ہے۔ فرمایا کہ: مَرد حکمران ہیں اور عورتیں تابع ہیں، مَرد کو عورت پر خلقی طور پر فضیلت ہے۔ دوسرا یہ کہ مَرد کمانے والا ہے، نفقہ خرچ کرنے والا ہے اور عورت اپنے شوہر کے تابع ہے۔

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ ۔۔۔ الآیۃ:

"بیضاوی اور جلالین" میں لکھا ہے کہ: لَام بمعنی فِيْ کے ہے۔ اَيْ حٰفِظٰتٌ فِيْ غَيْبَةِ اَزْوَاجِهِنَّ۔ اَلِف لَام مضاف الیہ کا عوض ہے۔

بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۔۔۔ الآیۃ:

مَا مصدریہ ہے اور بَاء سببیہ ہے۔ اَيْ بِحِفْظِ اللّٰهِ۔

عورتیں تین (۳) قسم کی ہیں: ① شوہر کہتا ہے کہ: میں تیرا شوہر ہوں وہ مانے۔ ② اگر نہ مانے تو اُن کے بستر سے الگ کرو۔

③ اگر زیادہ نافرمان ہو تو پھر وَاضْرِبُوْهُنَّ لیکن ضرب میں خیال کرنا چاہیے کہ بہت سخت نہ ہو۔

[1] (سُوْرَۃُ النِّسَآء، ۳۱) [2] (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۲۸)

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ۔۔۔ الآیۃ:

اور اگر آپ کو خوف ہو کہ یہ مخالفت زیادہ ہوگی، تو ایک ثالث مرد کے اہل اور ایک عورت کے اہل سے منتخب کرو اور وہ دونوں کی باتیں سنے اور اصلاح کرے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر بیویوں کے حقوق کا ذکر تھا۔ آگے فرمایا کہ: تمہارے اُوپر اور بھی حقوق ہیں یعنی حقوق اللہ۔

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں: ① پڑوسی بھی ہو اور رشتہ دار بھی ہو۔ ② وہ پڑوسی جس کا مکان تمہارے مکان کے ساتھ بالکل ملا ہوا ہو۔

وَالْجَارِ الْجُنُبِ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کے بھی دو (۲) مطلب ہیں: ① اُس کا گھر تمہارے گھر سے ہٹا ہو۔ ② تمہارا رشتہ دار نہ ہو لیکن تمہارے پہلو میں ہو۔

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ۔۔۔ الآیۃ:

وہ ساتھی جو تمہارے پہلو میں ہے۔

مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ:

مُخْتَال عملی طور پر تکبر کرنے والا یعنی جو وضع قطع میں عملی طور پر تکبر کرتا ہو کہ پگڑی ٹیڑھی کرے، ناز ناز سے راستہ پر چلے وغیرہ۔ فَخُوْر جو دل میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو۔

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) ترکیبیں ہیں:

① علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ آخر تک مبتدا بنایا ہے اور خبر محذوف نکالی ہے۔ اَیْ لَهُمْ وَعِيْدٌ شَدِيْدٌ۔

② علامہ آلوسی رحمہ اللہ، بیضاوی رحمہ اللہ، علامہ اُندلسی رحمہ اللہ نے اِس کو مُخْتَالًا فَخُوْرًا کی صفت بنایا ہے کیوں کہ یہ نکرہ ہے اور سیاق میں نفی ہے تو اِس میں عموم آ گیا تو اِس وجہ سے اَلَّذِيْنَ۔۔۔ الآیۃ اِس کی صفت بن سکتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ۔۔۔ الآیۃ:

ذَرَّة کے دو (۲) معنی ہیں: ① سرخ رنگ کی چیونٹی کو کہتے ہیں۔ ② دوسرا فضا میں جو ذرّے ہوتے ہیں اُن کو کہا جاتا ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ۔۔۔ الآیۃ:

یہ سارے اَعمال یومِ قیامت میں ظاہر ہو جائیں گے۔ پیغمبروں کی گواہی یہ ہوگی کہ: ہم نے دعوت پہنچائی ہے۔

لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ۔۔۔ الآیۃ:

لَوْ حرف مصدریہ ہے بمعنی اَنْ اور اَلْاَرْضُ، تُسَوّٰی کا نائبِ فاعل ہے۔

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ: قرآن پاک کی بعض آیات میں تعارض ہے کیوں کہ یہاں ہے کہ کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے اور سُوْرَةُ الْاَنْعَام میں ہے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ ● کے الفاظ آتے ہیں کہ وہ لوگ شرک چھپائیں گے؟

جواب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ: اَوقات مختلف ہوں گے اور تناقض کے لیے آٹھ (۸) شرطیں ہیں، ایک شرط زمان ہے اور یہاں زمان ایک نہیں۔

● (سُوْرَةُ الْاَنْعَام. ۲۳)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: "کبیر، ابوسعود اور بیان القرآن" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے تھا وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ۔۔۔ الآیۃ ❶ شرک اتنی بُری چیز ہے کہ شرک اختیاری طور پر تو کیا!! غیر اختیاری طور پر بھی شرک کو رب تعالیٰ پسند نہیں کرتے۔

شانِ نزول: "تفسیر ابن کثیر، ابوداؤد، مسند احمد" وغیرہ میں روایت موجود ہے کہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شادی کی تو اپنے دوستوں کو دعوت دی۔ اُس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدعو کیا تھا۔ کھانے کے بعد شراب پلائی۔ مغرب کی نماز کی جماعت کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آگے کیا۔ اُنہوں نے سُوْرَةُ الْفَاتِحَة کے بعد سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْن پڑھی۔ قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھی یعنی درمیان میں "لَا" کو چھوڑ دیا۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ: نماز کی حالت میں شراب مت پیو۔ تو حق تعالیٰ نے اِس شرک کو جو غیر اختیاری طور پر تھا معاف نہ کیا بل کہ اِس پر تنبیہ فرمائی حال آں کہ یہ شرک غیر اختیاری تھا پھر بھی اللہ تعالیٰ کو گوارا نہیں تھا۔

وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ سُکٰرٰی، سَکْرَانٌ کی جمع ہے۔

حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ: نماز میں جو الفاظ پڑھے جاتے ہیں اُن کا ترجمہ اور مفہوم ضرور یاد ہونا چاہیے۔ آج کل جہالت کا نشہ لوگوں کے اذہان پر غالب آ گیا ہے۔ شراب کا نشہ تو نہیں لیکن جہالت کا نشہ ہے۔

مِنَ الْغَآئِطِ ۔۔۔ الآیۃ:

زمین کا نچلا حصہ یعنی کھڈا۔

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ۔۔۔ الآیۃ:

اِمام شافعی رحمہ اللہ مَسْ بِالْيَد کے قائل ہیں۔ اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اِس سے جماع مُراد لیتے ہیں۔

اِمام صاحب رحمہ اللہ کی دو (۲) دلیلیں ہیں:

① لٰمَسْتُمْ بابِ مُفَاعَلَة سے ہے اور یہ طرفین سے ہوتا ہے۔

② حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر یہ ہے کہ: اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ اَيْ جَامَعْتُمُ النِّسَآءَ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر ذکر تھا اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ ۔۔۔ الآیۃ ❷ اُس میں اجمال تھا یہاں کچھ تفصیل ہے۔ منافقین بخل کرتے تھے اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے تھے، اَصل اُن منافقین کا خمیر یہود تھے تو یہاں سے یہود کی تردید ہے کہ: کیا نہ دیکھا تم نے ۔۔۔ الخ۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ کَلِمَ، کَلِمَةٌ کی جمع ہے۔

سوال مَوَاضِعِهٖ کیوں کہا؟ مَوَاضِعِهَا ہونا چاہیے تھا؟

جواب "تفسیر کبیر" میں علامہ واحدی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ: ایسی جمع جس کے حروف مفرد کے حروف سے کم ہوں، ایسی جمع کی طرف مفرد کی ضمیر راجع کرنا صحیح ہوتا ہے۔ اَيْ يَجُوْزُ تَذْكِيْرُهٗ۔

وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کے دو (۲) معنی ہیں: ① ناگوار اور بُری باتیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہ سنائی جائیں۔ یہ اَچھا معنی ہے۔

❶ (سُوْرَةُ النِّسَآء ۳۶) ❷ (سُوْرَةُ النِّسَآء ۳۷)

② اگر آپ (ﷺ) سن لیں گے تو بہرے ہو جائیں گے۔ یہ بُرا معنی ہے۔
مسلمان پہلا معنی مُراد لیتے تھے اور یہود دوسرا معنی مُراد لیتے تھے۔

وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

رَاعِنَا، رَعُوْنَتْ سے ہے۔

وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

وَانْظُرْنَا کا معنی ہے: ہمارے طرف نظرِ شفقت کریں۔

وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾:

فَتِيْل کھجور کی گٹھلی کے درمیان والے دھاگہ کو کہا جاتا ہے۔ قِطْمِيْر کھجور کی گٹھلی پر جو چھلکا ہوتا ہے اُس کو کہا جاتا ہے۔ نَقِيْر کھجور کی گٹھلی پر جو آنکھ سی ہوتی ہے اُس کو کہا جاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۱﴾:

ربط: پہلے اہلِ کتاب کا ذکر تھا، اب بھی اُنہی کا ذکر ہے۔

شانِ نزول: تجارت کے بہانے یہود کا چالیس (۴۰) آدمیوں کا ایک گروہ کعب بن اشرف کی زیرِ نگرانی مکہ گیا تا کہ اُن کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار کرلے ۔۔۔ مشرکین نے کہا کہ: ہم اِس وقت تک ساتھ نہیں دیں گے جب تک تم جِبْت وطَاغُوْت پر ایمان نہیں لاؤ گے۔ اور یہ بتاؤ! کیا ہمارا دین مسلمانوں کے بہ نسبت اچھا اور حق ہے؟ یہود نے کہا کہ: تمہارا دین حق ہے۔ اِس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۴﴾:

سوال آلِ ابراہیم علیہ السلام سے کون مُراد ہیں؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ ② آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی مُراد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۷﴾:

یہاں سے ماننے والوں یعنی مسلمانوں کے اَجر کا بیان ہے اور پہلے نہ ماننے والے یعنی کفار کا اَنجام اور صلہ بیان کیا۔

لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۔۔۔ الآیۃ:

رُوحانی اور حیض ونفاس وغیرہ سے پاک۔

وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا:

عرب میں سایہ بہت پسند تھا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۸﴾:

ربط: موقوف ہے شانِ نزول پر۔

شانِ نزول: ① "روح المعانی، ابن کثیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: ۸ ھ میں مکہ فتح ہوا۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کعبۃ اللہ کے دربان تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن سے چابی چھین لی۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور مسلمان بھی ہوئے۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: چابی اِن کو دے دو۔ لہٰذا کعبۃ اللہ کی چابی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ہی کے خاندان کے پاس رہی۔ اگر یہ تفسیر لی جائے تو اُوپر کافروں کا ذکر گزر چکا ہے۔

② اگر اِس سے اہلِ کتاب مُراد ہوں تو پہلے اہلِ کتاب کا ذکر آچکا ہے تو یہاں اُن کو خطاب ہے کہ: تم نے آپ ﷺ کے جو اُوصاف اپنی کتابوں میں پڑھے ہیں وہ تمہارے پاس اَمانت ہیں، اُن کو اَدا کرو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۹﴾:

ربط: پہلے ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے، اب عدل کیا ہے؟ اِس کو بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِطاعت کرنا۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ ۔۔۔الآیۃ:

شانِ نزول: ایک صحابی ہیں عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی اِمارت میں ایک لشکر اُن کے ساتھ بھیجا۔ اُس لشکر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ اُمیر لشکر نے گرمی میں جانے کا حکم دیا۔ لوگوں نے کہا کہ: کچھ ٹھہریں گرمی ہے، اِس پر اُنہوں نے کہا کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں اُمیر کا حکم ماننے کا نہیں کہا؟ پھر کہا کہ: جنگل سے لکڑی لاؤ اور اِس کو جلاؤ۔ پھر کہا کہ: اِس آگ میں کود جاؤ۔ اِس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: ہم اِسلام تو اِسی لیے لائے ہیں تاکہ آگ سے بچ جائیں۔ چناں چہ ایک دوسرے کو روک لیا۔ جب آگ ٹھنڈی ہوگئی، تو اُمیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہوگیا۔ اِس واقعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بیان کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: اگر تم اُس آگ میں چھلانگ لگا دیتے تو یہ خودکشی ہوتی کیوں کہ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ ❶

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۰﴾:

ربط: یہاں دو (۲) ربط ہیں: ① اُوپر یہود کا ذکر تھا، آگے جو یہودیت سے نکل کر منافق بنے اُن کا ذکر ہے۔

② اُوپر گذرا کہ اگر تمہارا اِختلاف ہوجائے کسی معاملے میں تو فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۔۔۔الآیۃ ❷ آگے اُس کے متعلق واقعہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک منافق جو بظاہر ایمان کا دعویٰ کرتا تھا۔ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلے کے لیے نہیں آیا۔

شانِ نزول: بشر نامی ایک منافق کا ایک یہودی کے ساتھ زمین پر جھگڑا ہوگیا۔ یہودی نے کہا کہ: فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرواتے ہیں۔ منافق کہتا تھا کہ: کعب ابن اشرف سے کروائیں گے۔ بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کے لیے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ یہودی کے حق میں کردیا۔ اِس کے بعد منافق نے یہودی سے کہا کہ: اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں گے۔ لہٰذا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلہ کے لیے گئے تو یہودی نے یہ بھی کہہ دیا کہ: ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرچکے ہیں۔ اِس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ٹھہرو! میں گھر سے ہوکر آتا ہوں۔ چناں چہ گھر جاکر تلوار لے کر آئے اور اُس منافق کی گردن تن سے جدا کردی۔

اِس کو یہاں بیان فرمایا ہے۔ اُس وقت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب ملا اَلْفَارِقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ بِالسَّيْفِ وَالْعَمَلِ اِس کے بعد منافقین آئے کہ اُن کی بات کا مطلب تو یہ تھا کہ: ہمارے درمیان صلح کرو اور اِس طرح یہ شور مچایا کہ اِس نے ظلم کیا۔

اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ ۔۔۔الآیۃ:

یہاں طاغوت سے مُراد کعب ابن اشرف ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۴﴾:

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اگر بالفرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ فیصلہ کر بھی دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُن کی فوقیت لازم آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کے مُطاع نہ ہوتے بل کہ مُطِیع بن جاتے حال آں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مُطِیع اور مخلوق کے لیے مُطاع ہیں۔

فَلَا وَرَبِّكَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۵﴾:

عربی کا قاعدہ یہ ہے کہ: لفظِ قَسم ہو یا حرفِ قَسم ہو اُس سے پہلے لَا اور مَا زائد برائے تاکید آتے ہیں۔ متعدد مقامات پر ہیں، یہاں حرفِ قَسم وَاوْ ہے۔

معنی یہ ہے کہ: بس! قَسم ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب پر۔

حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ ۔۔۔الآیۃ:

حَاكِم اور حَكَم میں فرق: حَكَم وہ ہوتا ہے کہ فریقین دل سے اُس کو مانیں اور حَاكِم وہ ہوتا ہے کہ فریقین راضی ہوں یا نہ ہوں۔ فیصلہ اُس کا مانا جاتا ہے۔

---

❶ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الامارۃ، ج ۲، ص ۳۲۱، طبع میزان، لاہور) ❷ (سُوْرَةُ النِّسَآء، ۵۹)

حدیث شریف کی حُجیت بھی اِس سے ثابت ہے۔ اِس طور پر کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حَکَم مان لیں اُس چیز میں جس میں اُن کے درمیان جھگڑا پڑے۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فیصلے سے اپنے نفسوں میں تنگی نہ پاویں۔ اگر حدیث شریف حجت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حَکَم ماننے کا حکم نہ دیتے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۹﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مُطاع ہیں۔ اب جنہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اِطاعت کی اُن کا بیان ہے۔

قادیانیوں کا غلط اِستدلال: قادیانی کہتے ہیں کہ: جو بھی اِطاعت کرتا ہے، وہ نبی بن جاتا ہے۔ یہ لفظِ مَنْ سے اِستدلال کرتے ہیں۔

جواب تمام کُتب سے ثابت ہے کہ: یہ مطلب نہیں۔ مثلاً: اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيّٖنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ❶ تو یہاں تو یہ مطلب نہیں ہے کہ تاجر صادق نبی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ: مرزا قادیانی تو مطیع بھی نہ تھا، اُس نے حج نہیں کیا، زکوٰۃ اَدا نہیں کی، پیغمبروں کو گالی دیتا تھا، شراب پیتا تھا، عیسیٰ علیہ السلام کی نانیوں پر تہمت لگا دیتا تھا کہ یہ زنا کار تھیں۔ (اَلْعِيَاذُ بِاللّٰه)

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۱﴾:

ربط: اَبھی آپ نے لفظِ شُهَدَآء پڑھا۔ شہید وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑا ہو۔ اُس کی موافقت کی وجہ سے آگے جہاد کا ذکر کیا۔ اِس طور پر کہ بعض جہاد پر اِکھٹے جاتے ہیں، بعض اَکیلے جاتے ہیں اور بعض تاخیر کرتے ہیں۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۴﴾:

یہاں دو (۲) ترکیبیں ہیں: ① "تفسیر قُرطبی" میں لکھا ہے کہ: فَلْيُقَاتِلْ کا يَشْرُوْنَ فاعل ہے اور يَشْرُوْنَ کا معنی ہے: يَبِيْعُوْنَ پس! چاہیے کہ لڑیں اللہ تعالیٰ کے راہ میں وہ لوگ جو دُنیاوی زندگی آخرت کے بدلے بیچتے ہیں۔

② فَلْيُقَاتِلْ کا فاعل مَنْ ہے اور اَلَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ مفعول ہے۔ مطلب ہوگا کہ: جن لوگوں نے قلیل مال کے عوض اپنے نفسوں (ایمان) کو بیچ دیا ہے اُن کو قتل کردو۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑنا ایمان لانے کی فرع ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۵﴾:

مؤمنوں کو جہاد کی ترغیب ہے۔ فقہ کی مشہور کُتب "فتاویٰ سراجیہ، ہندیہ، البحر الحیط" میں لکھا ہے کہ: اِمْرَأَةٌ سُبِيَتْ فِي الْمَشْرِقِ وَجَبَ عَلٰى أَهْلِ الْمَغْرِبِ أَنْ يُخَلِّصُوْهَا۔ مشرق میں اگر کوئی مسلمان عورت کو کافر قید کرلیں، تو اہلِ مغرب پر اُس کا چھڑانا واجب ہے۔ کشمیر اور افغانستان میں آج کل مسلمان عورتوں کے ساتھ جو ہو رہا ہے مسلمانوں کے چہروں پر غم کا کوئی اَثر بھی پیدا نہیں ہوتا۔ (اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔ آمین)

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال قَرْيَة سے کون سی بستی مُراد ہے؟

جواب قَرْيَة سے مُراد مکہ مکرمہ ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۶﴾:

مؤمنین اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں اور کفار طاغوت کے راستے میں لڑتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۷﴾:

ربط: اُوپر جہاد کا ذکر تھا، اِس سلسلے میں اُن لوگوں کا ذکر فرمارہے ہیں کہ: جب جہاد فرض نہیں تھا لوگ جہاد کی آرزو کرتے تھے، جب فرض ہوگیا تو لوگوں سے ڈرنے لگے۔ اِمام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ لوگ منافقین تھے۔

"تفسیر خازن، ابوسعود، بیضاوی" میں لکھا ہے کہ: یہ لوگ مؤمنین تھے، ان کا جہاد سے ڈرنا طبعی خوف تھا اور طبعی خوف ایمان کے منافی نہیں ہے۔

---

❶ (الترغیب والترہیب للمنذری رحمہ اللہ، الترغیب التاجر فی الصدق، ج ۲، ص ۵۴۳، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت)

وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۔۔۔الآیۃ:

بُرُوْج جمع ہے بُرْجٌ کی۔ معنی ہے: قلعہ۔ اور مُشَيَّدَة کے دو (۲) معنی ہیں:

① چونا گچ کیا ہو قلعہ۔ ② شَيَّدَ بمعنی اِرْتَفَعَ اُونچے قلعے یعنی اُونچے مکانات اور محل۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۔۔۔الآیۃ:

سوال عِنْدِكَ کی "ك" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب عِنْدِكَ کی "ك" ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے۔ عِنْدِكَ اَیِ النَّبِیِّ ﷺ۔

قُلْ كُلٌّ ۔۔۔الآیۃ:

سوال لفظِ كُلٌّ پر تنوین کس لیے ہے؟

جواب لفظِ كُلٌّ پر تنوین مضاف الیہ کا عوض ہے۔ اَیْ كُلٌّ وَاحِدٍ مِّنَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ۔

فَمَالِ هٰۤؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ ۔۔۔الآیۃ:

"تفسیر اتقان" میں لکھا ہے کہ: قرآن پاک کی رسم الخطی بھی توقیفی ہے۔ توقیفی کا معنی یہ ہے کہ: جو پہلے سے چلی آ رہی ہے، ہم اُس کے بدلنے کے مجاز نہیں ہیں۔ اب فَمَالِ میں مَا استفہام کا ہے اور لَامْ جارہ ہے۔ لیکن هٰۤؤُلَاۗءِ سے لَامْ کو جوڑ نہیں سکتے کیوں کہ مصحفِ عثمانی میں ایسا ہی لکھا ہے۔

مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ:

"جلالین" میں لکھا ہے کہ: مَاۤ اَصَابَكَ اَيُّهَا الْاِنْسَانُ۔ اے اِنسان! جو تجھے راحت پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ طَاعَةٌ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اَیْ وَيَقُوْلُوْنَ اَمْرُنَا طَاعَةٌ۔

وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۔۔۔الآیۃ:

اِشکال: اللہ تعالیٰ تو لکھنے وغیرہ سے پاک ہیں، تو خود کیسے لکھتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ خود نہیں لکھتے بل کہ لکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ اَیْ يَاْمُرُ بِالْكِتَابَةِ۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۔۔۔الآیۃ:

ربط: "تفسیر کبیر" میں لکھا ہے کہ: اُوپر منافقین کا ذکر تھا، آگے فرمایا کہ: اُن کے نفاق کی علت یہ ہے کہ اُنہوں نے قرآن کریم میں غور و فکر نہ کیا اگر کرتے تو ایمان لاتے اور سمجھ جاتے۔

اَذَاعُوْا بِهٖ ۔۔۔الآیۃ:

اَمن کی بات اور خوف کی بات کو بیان کرنا، ہر ایک آدمی اِس کا مجاز نہیں ہے کہ اِس کو بیان کرے۔

وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا ۔۔۔الآیۃ:

بَاْسًا کا معنی ہے: عذاب۔ آج سے دو (۲) سال پہلے دُنیا کا کوئی بھی شخص یہ نہ کہہ سکتا تھا اور نہ سوچ سکتا تھا کہ: رُوس کا یہ حال ہوگا جو آج ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ باون لاکھ (۵۲۰۰۰۰۰) اُس کی فوج دُنیا کی سب سے بڑی فوج تھی، اب وہ لوگوں سے روٹی مانگتے ہیں۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۔۔۔الآیۃ[1]

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً ۔۔۔الآیۃ:

اُوپر جہاد کا ذکر تھا اور اَسلحہ کی بات بھی ہوئی۔ اِس کے بعد یہاں سفارش کا ذکر ہے کیوں کہ بعض اَوقات مجاہد کے لیے سفارش کی جاتی ہے۔

[1] (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن: ۱۴۰)

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ۝:

مُقِیْتًا اَیْ مُقْتَدِرًا۔

وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ ۔۔۔الآیۃ ﴿۸۶﴾:

ربط: ظاہری بات ہے کہ سفارش کے لیے جاؤ گے تو سلام کرو گے تو اُس کے اَحکام بیان فرماتے ہیں۔

"ابوداؤد" میں روایت ہے کہ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کرنے والے کو دس (۱۰) نیکیاں اور وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کہنے والے کو بیس (۲۰) نیکیاں اور وَبَرَکَاتُهٗ بھی ساتھ کہے تو تیس (۳۰) نیکیاں اور مَغْفِرَتُهٗ کہنے والے کو چالیس (۴۰) نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔❶

ایک روایت میں طَیِّبُ صَلٰوتُهٗ بھی آیا ہے۔ یہ پانچواں لفظ الادب المفرد للبخاری رحمہ اللہ میں ہے۔❷

فَمَا لَکُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۸۸﴾:

ربط: پہلے بھی منافقین کا ذکر تھا اب بھی اُن کا ذکر ہے۔

شانِ نزول: ① "معالم التنزیل اور دُرِّ منثور" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: کچھ جاسوس آپ ﷺ کے پاس آئے کلمہ پڑھا اور جاتے ہوئے کہا کہ: ہم اپنے بچوں کو ساتھ لے کر ایک ماہ تک آجائیں گے۔ وقت مقررہ پر نہ آنے پر مسلمانوں میں دو (۲) گروہ بن گئے: بعض نے کہا کہ: یہ لوگ منافق تھے، واپس نہیں آئیں گے۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ: نہیں! مسلمان تھے لیکن کچھ مجبوری پیش ہوئی ہوگی۔ اِس اختلاف پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ تمہیں کیا ہوگیا کہ: منافقین کے بارے میں آپس میں اِختلاف کرتے ہو اور دو (۲) گروہ بن گئے۔۔۔الخ۔

② اُحد کے موقع پر جب منافقین واپس چلے گئے تھے اُن کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اِختلاف ہوگیا تھا۔ بعض کہتے تھے کہ: اِنہیں قتل کردو۔ بعض کہتے تھے کہ: یہ لوگ اِیمان دار ہیں۔ اِس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْکُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۹۱﴾:

"تفسیر خازن" میں لکھا ہے کہ: دو (۲) خاندان تھے: ایک کا نام بنو اَسد تھا اور دوسرے کا نام بنو غطفان تھا۔ اُنہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ: ہم تمہارے ساتھ ہیں اور کافروں سے بھی کہا کہ: ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اُن کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْکُمْ وَیُلْقُوْٓا اِلَیْکُمُ ۔۔۔الآیۃ:

یہ یُلْقُوْٓا بھی لَمْ کے تحت داخل ہے۔

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۹۲﴾:

ربط: پہلے کافروں کے ساتھ جہاد کا ذکر تھا کہ اُن کو قتل کرو، اب ذکر ہے کہ مؤمن، مؤمن کو قتل نہ کرے۔ البتہ اگر خَطَاءً قتل ہو تو دیت واجب ہوگی۔

دیت آپ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں سو (۱۰۰) اونٹ یا دس ہزار (۱۰۰۰۰) دراہم یا ہزار (۱۰۰۰) دینار تھی۔

قتل میں دو (۲) حق ہیں: ① ایک حَقُّ اللّٰه ہے۔ یہ حق تب پورا ہوگا جب قاتل مؤمن غلام کو کفارہ میں آزاد کرے گا۔ اگر غلام آزاد نہیں کرسکتا تو دو (۲) مہینے لگاتار (یہ تسلسل مَرد کے لیے ہے، عورت کے لیے نہیں ہے) رُوزے رکھے۔

② دوسرا ورثاء کا حق ہے اور وہ دیت ہے۔

فَاِنْ کَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّکُمْ ۔۔۔الآیۃ:

یہاں لفظِ عَدُو سے مسلمانوں کی آپس میں دُشمنی مُراد نہیں بل کہ اِس عَدُو سے کافر مُراد ہیں یعنی ایک شخص جو دارُ الحرب میں ہے پہلے کافر تھا پھر مسلمان ہوگیا۔ اُس کو اگر کسی نے قتل کردیا تو اُس کے بدلے میں صرف غلام آزاد کرے گا۔ اُس کے ورثاء کو دیت نہیں دی جائے گی کیوں کہ اُس کے سارے ورثاء کافر ہیں۔

❶ (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب کیف السلام، ج۲، ص۶۵۔۳، طبع حسن، لاہور) ❷ (صحیح الادب المفرد للامام البخاری رحمہ اللہ، باب من کتب آخر الکتاب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، ص۴۳۶، طبع دار الصدیق للنشر والتوزیع، جدہ)

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا۔۔۔الآیۃ (۹۳):

"روح المعانی، معالم التنزیل، خازن، کبیر، البحر المحیط" وغیرہ تفسیروں میں خاصی تفصیل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ: اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ: مشرک اور کافر کے علاوہ کسی شخص کے لیے خُلُوْد فِی النَّار نہیں ہے۔ وَلَوْ کَانَ قَاتِلًا مُّتَعَمِّدًا۔ ظاہری طور پر یہ آیت اہلِ حق کے خلاف ہے؟

جواب اِس کے تین (۳) جواب ہیں:

① یہ حکم اُس کے بارے میں ہے جو مؤمن کو مستحیل القتل سمجھ کر قتل کر دے۔

② اس کا بدلہ تو خُلُوْد فِی النَّار ہے یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قاعدے کے مطابق کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۔۔۔الآیۃ ❶ اُس کو ہمیشہ جہنم میں داخل نہ کرے۔

③ اس کا بدلہ تو خُلُوْد فِی النَّار ہے مگر یہ کہ وہ توبہ کرے۔

تو اِن آخری دو (۲) صورتوں میں خُلُوْد بمعنی مَکْثِ طَوِیْل ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ (۹۴):

آپ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا، اُن کی ملاقات ایک مؤمن مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ سے ہوئی وہ مؤمن تھے۔ جس وقت یہ مجاہدین اُن کے قریب گئے تو اُنہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ میرے ہم عقیدہ لوگ آ گئے، اُنہوں نے ہر ایک کو سلام کیا۔ اِن مجاہدین نے یہ سوچا کہ: ہجرت تو فرض ہے، اگر یہ مؤمن ہیں تو ہجرت کیوں نہیں کی؟ اِنہوں نے اُن کے سلام کو مکر سمجھا اور اُن کو شہید کر دیا اور بکریاں وغیرہ سب لے گئے۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ ۔۔۔الآیۃ (۹۵):

ربط: پہلے جہاد کا بیان تھا، درمیان میں مؤمن کا مؤمن کو قتل کرنے کا بیان تھا، اب مجاہدین کا بیان ہے یعنی فَرْقُ بَیْنَ الْمُجَاهِدِیْنَ وَالْقَاعِدِیْنَ ہے۔

غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ ۔۔۔الآیۃ:

اپاہج نہ ہو، عورت نہ ہو، بوڑھا نہ ہو۔

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۔۔۔الآیۃ:

سوال لفظِ کُلًّا پر تنوین کس لیے ہے؟

جواب لفظِ کُلًّا پر تنوین مضاف الیہ کا عوض ہے۔ اَیْ وَکُلَّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُجَاهِدِیْنَ وَالْقَاعِدِیْنَ۔

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ ۔۔۔الآیۃ:

شامی میں لکھا ہے کہ: فرائض کی پابندی جہاد سے افضل ہے۔ مگر یہ کہ جہاد فرضِ عین ہو جائے۔ اگر جہاد فرضِ کفایۃ ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر جانا حرام ہے۔

"بخاری و مسلم شریف" کی روایت ہے کہ: ایک آدمی نے آپ ﷺ سے پوچھا: اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا وَبِرُّ الْوَالِدَيْنِ ثُمَّ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ❷

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۔۔۔الآیۃ (۹۷):

ربط: اُوپر جہاد کا ذکر تھا لیکن بسا اوقات جہاد کی قدرت نہیں ہوتی تو ہجرت کی جاتی ہے۔ یہاں ہجرت کا ذکر ہے اور جو ہجرت نہیں کرتے اُن لوگوں کو ملامت ہے۔

جو حضرات اِس بات کے قائل ہیں کہ رُوح قبض کرنے والے فرشتے متعدد ہیں تو وہ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ سے استدلال کرتے ہیں کہ: رُوح قبض کرنے والے فرشتے بہت ہیں اور مَلَكُ الْمَوْتِ اُن کا انچارج ہے۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً ۔۔۔الآیۃ (۹۸):

اِس کے دو (۲) مطلب ہیں: ① راستہ معلوم نہ ہو۔ ② ہجرت کرنا ہی جانتا نہ ہو۔

❶ (سُوْرَةُ النِّسَاء، ۴۸) ❷ (صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب وسمّی النبی ﷺ الصلوٰۃ عملاً، ج ۲ ص ۱۱۲۳ طبع یادگار شیخ، کراچی)

يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا۔۔۔ الآیۃ:

مُرٰغَمًا ظرف مکان کا صیغہ ہے۔ معنی ہے: مَهْرَبًا۔ أَيْ رَاغَمْتُ فِي الْأَرْضِ إِذَا ذَهَبْتُ۔ زمین میں بھاگنے کی جگہ، چلنے کی جگہ کہ غار وغیرہ پائے گا۔

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا۔۔۔ الآیۃ:

حضرت ضمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ ایک بوڑھے صحابی تھے۔ (ابھی قصے کو اپنی جگہ پر چھوڑ کر "ضَاد" کے متعلق بات سُنیں۔ "تنقید المتین، اتمام البرہان" یہ علم تجوید کے معتبر کتب میں سے ہے۔ اِن میں لکھا ہے کہ: یہ "ضَاد" مشابہ "بِالظَّاء" ہے نہ کہ "بِالدَّال"۔ جیسے: مریض، ناراض، رمضان، راضی، عریض وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ مشابہ "بِالظَّاء" ہے۔) اُنہوں نے ہجرت کو ترک کرنے کی وعید سُنی تو اُن بوڑھے صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے پوتوں اور نواسوں کو کہا کہ: مجھے چار پائی پر اُٹھا کر لے جاؤ۔ اُنہوں نے کہا: کیا آپ اِس سے مستثنیٰ نہیں ہیں؟ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ اُنہوں نے کہا: تم مجھے چار پائی پر اُٹھا کر لے جاسکتے ہو۔ لہٰذا اُن کو لے گئے تو راستے میں وفات پائی۔

فَائِدَہ: مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے انگریزی میلوں کے حساب سے تین سو گیارہ (۳۱۱) میل دُور ہے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر جہاد کا ذکر تھا، پھر ہجرت کا اور دونوں میں سفر کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں سے سفر کے اَحکامات بیان کیے۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ: إِنْ خِفْتُمْ کی قید اتفاقی ہے۔ اگر خوف نہ ہو تو پھر بھی نماز قصر کرو۔ مولانا عبد الشکور رحمہ اللہ اور مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے سفر کی مقدار میں چھتیس (۳۶) میل کا قول نقل کیا ہے۔ لیکن محقق مقدارِ سفر اڑتالیس (۴۸) میل ہے۔ قصر امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے إِلَّا مُسَافِرًا خَلْفَ الْمُقِيْمِ۔

"کبیری، البحر الرائق، فتح الملہم، بذل المجہود" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: حالتِ سفر میں فجر کی سنتیں ہر حال میں ضروری ہیں اور باقی سنتیں قرار کی حالت میں ہیں اِضطرار کی حالت میں نہیں ہیں۔

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ۔۔۔ الآیۃ:

إِذَا كُنْتَ کی قید بھی اِتفاقی ہے نہ کہ اِحترازی۔ (طَرِيْقَتُهٗ كَمَا فِيْ كُتُبِ الْفِقْهِ) سفر میں امام ہر جماعت کو ایک ایک رکعت اور حضر میں دو، دو (۲،۲) رکعت اور مغرب کی نماز میں پہلی جماعت کو دو (۲) اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے گا۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ۔۔۔ الآیۃ:

خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔

إِنَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ میں منافقین کا ذکر تھا اور اب اُن منافقین کا ایک واقعہ بیان کیا۔

واقعہ: بشیر نامی منافق نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے گھر آٹے کا ایک تھیلا جس میں اَسلحہ بھی تھا نقب لگا کر چوری کرلیا اور اَمانت کے طور پر رات کے وقت لبید رضی اللہ عنہ کے گھر رکھوا دیا، اُس تھیلے میں سوراخ تھا، جس سے آٹا گرا اور بشیر کے گھر تک اُس سے زمین پر نشان بن گیا۔ صبح رفاعہ رضی اللہ عنہ نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور کہا کہ: اِس معاملہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کردیں۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے سارا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا۔ منافقین نے آپس میں میٹنگ کی، سارے اِکٹھے ہوگئے۔ عدالت میں دونوں کی باتیں سنی گئیں۔ بشیر کے منافق ساتھیوں و رشتہ داروں نے کہا کہ: ہم قسم کھاتے ہیں کہ!! بشیر بڑا نیک ہے، اِس نے یہ کام نہیں کیا۔ جب اُنہوں نے قسم کھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ تم نے ایک نیک گھرانے پر تہمت لگائی۔ اِن آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تنبیہ فرمائی گئی کہ جلد بازی نہ کیا کریں، اِس کے بعد بشیر نامی منافق مکہ بھاگ گیا اور وہاں مُردار ہوا۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ ۔۔۔الآیۃ (۱۱۵):

اِس آیت سے بشیر نامی منافق مُراد ہے یہ کھلے کفر کی حالت میں مَرا تھا۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔۔۔الآیۃ:

"مفتاح الجنۃ للعلامۃ سیوطی رحمہ اللہ، الرسالۃ للشافعی" یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی اپنی کتاب ہے اِس میں لکھا ہے کہ: امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اجماع تو حجت ہے اور اجماع کے حجت ہونے پر اِس آیت سے اِستدلال کیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ۔۔۔الآیۃ (۱۱۶):

ربط: پہلے گذرا کہ بشیر نامی منافق نے چوری کی اور مکہ چلا گیا اور کھلے طور پر کافر بنا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں سے شرک کی قباحت بیان کی۔ شرک کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات یا اَفعال میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ ۔۔۔الآیۃ (۱۱۷):

یہاں پر اِنْ نفی کا ہے۔

سوال اِنٰثًا سے کیا مُراد ہے؟

جواب یہاں تین (۳) تفسیریں ہیں:

① "خازن، مدارک" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: لفظِ اَللّٰہ مذکر ہے۔ اِس کو مؤنث بنا کر لَات رکھا، عمرو ابن وُد، لات کا نام تھا۔ یہ حاجیوں کو ستو گھول کر پلاتا تھا۔ جب یہ مَر گیا تو لوگوں نے اِس کا مجسمہ بنا لیا اور سختیوں میں اُس سے مدد مانگنے لگے۔ لفظِ مَنَّانٌ مذکر ہے، اِس کو مؤنث بنا کر مَنَات رکھا۔ یہ ایک نیک آدمی تھا۔ لفظِ عَزِيْزٌ مذکر ہے، اِس کو مؤنث بنا کر عُزّٰی رکھا۔ اِمْرَاَةٌ نَاشِرَةٌ رَأْسَهَا۔ یہ ایک پری تھی کبھی ظاہر ہوتی تھی کبھی چھپ جاتی تھی۔

② "روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: عرب کے بعض قبیلوں میں دستور تھا کہ مذکر اُن کا بُت ہوتا تھا۔ محبت کی وجہ سے اُس کو اُنْثٰی بَنِيْ فُلَان کہتے تھے۔

③ یہاں تشبیہ ہے کہ عورتیں صنفِ نازک ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: قوی ذات کو چھوڑ کر ایسی مخلوق کو پکارتے ہیں جو کمزور ہے۔

وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۙ:

مطلب یہ ہے کہ: شیطان کے کہنے پر غیرُ اللہ کو پکارتے تھے گویا کہ شیطان کو پکارتے تھے۔ لفظ مَرِيْد مِیم کے فتحہ سے ہو تو معنی ہوگا: مَردود اور اگر مُرِيْد مِیم کے ضمہ سے ہو تو معنی ہوگا: اِرادہ کرنے والا۔

فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ ۔۔۔الآیۃ (۱۱۹):

"تفسیر کبیر اور روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: مَردوں کے لیے داڑھی منڈوانا بھی اِس حکم میں داخل ہے۔ عورتوں کے لیے سر منڈوانا بھی اِس حکم میں ہے۔ داڑھی مُنڈوانے والے اور ایک مٹھی سے کم کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے۔ "حلیۃ المسلمین" میں دلائل مذکور ہیں۔ اَصل میں یہ چار (۴) عرب علماء کا فتویٰ ہے۔

وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ۝ (۱۲۱):

سوال لفظِ مَحِيْصًا کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لفظِ مَحِيْصًا مصدرِ میمی ہے۔ معنی ہے: چھٹکارا۔ ② ظرف کا صیغہ ہے۔ معنی ہے: چھٹکارے کی جگہ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔۔۔الآیۃ (۱۲۲):

ربط: پہلے شیطان کے حیلوں کا بیان تھا اور اب مخلصین کا بیان ہے۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ○:

"تاج العروس" میں لکھا ہے کہ: قِيْلًا، مَقُوْلَةً، قَوْلًا، مَقَالَةً، وغیرہ یہ سب مصادر ہیں۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲۳﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا شیطان کا۔ شیطان قِسم قِسم کی آرزوئیں دلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: آرزوؤں سے کچھ نہیں بنتا۔

سوال لَيْسَ کا اِسم وخبر کیا ہے؟

جواب لَيْسَ کا اِسم وخبر دونوں محذوف ہیں:

① لَيْسَ الْاَمْرُ مَنُوْطًا بِاَمَانِيِّكُمْ۔ ② لَيْسَ الْاَمْرُ مُتَعَلِّقًا بِاَمَانِيِّكُمْ۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ مَنُوْطًا کے لفظ کو ترجیح دیتے ہیں۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲۷﴾:

ربط: "سبق الغایات فی نسق الآیات اور بیان القرآن" میں ربط یوں لکھا ہے کہ: سورۃ کی ابتداء میں عورتوں کے حُقوق بیان کیے، پھر کچھ دوسرے مسائل کا ذکر تھا، اب پھر عورتوں کے حُقوق کا بیان ہے۔ فَتْوٰی کے معنی "حکمِ قوی" کے ہیں۔

وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ۔۔۔ الآیۃ:

آسان تفسیر جو "بخاری شریف" میں ہے کہ: چچازاد بھائی اپنی چچازاد بہن سے اُس کے حسن کی وجہ سے اُس کے ساتھ نکاح کرتے تھے، بغیر مال کے یعنی مہر وغیرہ پورا ادا نہیں کرتے۔

رَغِبَ کا معنی: جب رَغِبَ کا صلہ فِیْ ہو تو شوق کے معنی میں ہے اور صلہ عَنْ ہو تو اعراض کے معنی میں ہے۔

اِس آیت میں دونوں تفسیریں ہوسکتی ہیں:

① وَتَرْغَبُوْنَ فِيْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اور شوق رکھتے ہو لِحُسْنِهِنَّ وَجَمَالِهِنَّ وَعَقْلِهِنَّ۔

② وَتَرْغَبُوْنَ عَنْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ تم خود نکاح نہیں کرتے دوسروں سے نکاح کرواتے ہو تو اُن کے حقوق کا خیال رکھو۔

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ۔۔۔ الآیۃ:

اور جو بھی خیر کریں۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲۸﴾:

ربط: اُوپر عورتوں کا ذکر تھا آگے بھی اُن ہی کا ذکر ہے۔

اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا۔۔۔ الآیۃ:

مصالحت کی صورت یہ ہے کہ: خرچ میں کمی کردے اور اپنے حق (باری) کو کچھ چھوڑ دیں۔

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ۔۔۔ الآیۃ:

اَلشُّحُّ اَيِ الْبُخْلُ۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲۹﴾:

عورتوں کے درمیان برابری رکھنا تمہارے بس میں نہیں، چاہے ایسا چاہتے بھی ہو یعنی یہ بات اِنسان کے اِختیار سے باہر ہے کہ: وہ قلبی محبت اور لگاؤ میں بیویوں کے درمیان پوری پوری برابری کرے کیوں کہ دل کا جھکاؤ اِنسان کے بس میں نہیں ہوتا۔ لہٰذا محبت میں برابری ضروری نہیں کیوں کہ یہ اِنسان کے اِختیار میں نہیں ہے، البتہ عملی سلوک میں برابری ضروری ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ ۔۔۔ الآية:

ربط: پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام واحسان بیان کیے ہیں اِسے کہتے ہیں "ترغیب" اور آگے آتا ہے اُسے کہتے ہیں "ترہیب"۔ جاپان میں سترہ (۱۷) منٹ زلزلہ آیا تھا۔ حکومت نے کہا کہ: ہم چار (۴) سال میں اپنے نقصان کو بچا نہیں لاسکتے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ ۔۔۔ الآية:

ربط: اُوپر نکاح اور طلاق کے اَحکام تھے اُس میں گواہی کی ضرورت ہوتی ہے، آگے اللہ تعالیٰ نے گواہی کا ذکر فرمایا۔

وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۔۔۔ الآية:

اپنے نفس کے خلاف گواہی دینے کا معنیٰ یہ ہے کہ: اپنے جرم کا اِقرار کرنا۔

اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا ۔۔۔ الآية:

وہ جس کے خلاف آپ نے گواہی دی ہے وہ چاہے غنی ہو یا فقیر۔

اِشکال: حرف اَوْ، اَحَدُ الْاَمْرَیْن کے لیے آتا ہے۔ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا تو آگے فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهٖ کہنا چاہیے تھا نہ کہ بِهِمَا؟

جواب: صاحبِ کشاف فرماتے ہیں: یہاں پر اَوْ بمعنیٰ واؤ کے ہے۔

اَنْ تَعْدِلُوْا ۔۔۔ الآية:

"تفسیر بیضاوی اور کشاف" میں اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① بعض عَنْ محذوف نکالتے ہیں۔ اَیْ عَنْ اَنْ تَعْدِلُوْا۔　② بعض لَا محذوف نکالتے ہیں۔ اَیْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا ۔۔۔ الآية:

سوال اٰمَنُوْا کے بعد پھر اٰمِنُوْا کہنا یہ تحصیلِ حاصل ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) تفسیریں ہیں:

① یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَیْ اَظْهَرُوْا اِیْمَانَكُمْ بِاَلْسِنَتِكُمْ۔

② یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَیْ دَاوِمُوْا عَلَى الْاِیْمَانِ۔

③ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَیْ اَظْهَرُوْا اِیْمَانَكُمْ بِاَلْسِنَتِكُمْ اٰمِنُوْا بِقُلُوْبِكُمْ۔

وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۔۔۔ الآية:

سوال لفظِ کِتٰب پر اَلِف لَام کون سا ہے؟

جواب لفظِ کِتٰب پر اَلِف لَام جنس کے لیے ہے یعنی ہر اُس کتاب پر جو مُنَزَّل مِنَ اللّٰه ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا ۔۔۔ الآية:

"تفسیر روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: آپ ﷺ کے زمانے میں بعض لوگ ایمان لائے پھر مُرتد ہوئے، پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے اور کفر پر مُصر رہے۔ یہ آیات اُن کے بارے میں ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ: یہ آیات اہلِ کتاب کے بارے میں ہیں۔ صاحبِ جلالین رحمہ اللہ نے عبارت یوں نکالی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْاَنْبِیَآءِ السَّابِقِیْنَ ثُمَّ كَفَرُوْا بِمُوْسٰى علیہ السلام ثُمَّ اٰمَنُوْا بِدَاوٗدَ علیہ السلام ثُمَّ كَفَرُوْا بِعِیْسٰى علیہ السلام ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا بِمُحَمَّدٍ ﷺ۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝:

ربط: اُوپر مؤمنوں کا ذکر تھا۔ مؤمنوں کو کہا گیا کہ: سچے دل سے ایمان لاؤ! منافقوں کی طرح اٰمَنَّا پر اِکتفاء مت کرو۔ آگے منافقین کے لیے عذاب کی خوش خبری ہے۔

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۔۔۔ الاٰیۃ:

فِرقِ باطلہ کے جلسوں میں شرکت کرنا بھی گناہ ہے اور یہ شریک ہونے والا اُن کی طرح گناہ گار ہے۔لیکن وہ شخص جس کا ذہن پختہ ہو، عالم ہو اور بات کو سمجھتا ہو اور اِس خیال سے بیٹھے کہ اُن کی باتوں کو سمجھ لوں اور پھر اُس کو رَد کروں تو یہ جائز ہے اور فرقِ باطلہ کی باتوں کو رَد کرنا فرضِ کفایہ ہے جیسے ایک مسلمان کی نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے۔تو اِس خیال سے اگر شریک ہو کہ کسی طرح بھی ہو رَد کروں وغیرہ تو یہ ثواب ہے۔

اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ ۔۔۔ الاٰیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اَیْ لَمْ نَسْتَوْلِ عَلَيْكُمْ ۔ ② اَیْ لَمْ نَسْتَغْلِبْ عَلَيْكُمْ ۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ ۔۔۔ الاٰیۃ:

اَفغانستان میں اکثر سُنّی ہیں یعنی اہلِ سنّت والجماعت ہیں اور شیعہ اُس میں کم ہیں اور یہ شیعہ وقتِ جہاد ایران کو گئے جب فتح ہوئی تو کہتے ہیں۔اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؟!!

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ۔۔۔ الاٰیۃ:

ربط: اُوپر بھی منافقین کا ذکر تھا، آگے بھی منافقین کا ذکر ہے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اَیْ يُخٰدِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔ ② "تفسیر کشاف" میں لکھا ہے کہ: صَنِيْعُهُمْ كَصَنِيْعِ الْمُخَادِعِ ۔

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ ۔۔۔ الاٰیۃ:

یہ منافقین کی علامات ہیں۔خدا کرے کہ ہم ایسے نہ ہوں۔(آمین)

① پہلی علامت: اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۔۔۔ الاٰیۃ ❶۔

② دوسری علامت: يُرَآءُوْنَ النَّاسَ ۔۔۔ الاٰیۃ ❷۔

③ تیسری علامت: وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ❸۔

④ چوتھی علامت: مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۔۔۔ الاٰیۃ ❸۔زبان میں مؤمنوں کے ساتھ اور دل میں کفار کے ساتھ ہوتے ہیں۔

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۔۔۔ الاٰیۃ:

مُذَبْذَبِيْنَ اَیْ مُتَرَدِّدِيْنَ ۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ ۔۔۔ الاٰیۃ:

"تفسیر کبیر، السراج المنیر، ابوسعود، بیضاوی" وغیرہ وغیرہ تفاسیر میں لکھا ہے کہ: جہنّم کے سات (۷) طبقات ہیں: اُوپر والے میں گناہ گار مؤمنین، اُس سے نیچے والے میں نصارٰی، اُس سے نچلے والے میں یہود، اُس سے نچلے میں صابئین، اُس سے نچلے میں مجوسی، اُس سے نچلے میں مشرکین، اُس سے نچلے میں یعنی سب سے آخر میں منافقین ہوں گے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا ۔۔۔ الاٰیۃ:

یعنی نِفاق سے رُجوع کیا۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ ۔۔۔ الاٰیۃ:

اللہ تعالیٰ سزا دے تو کیا اللہ تعالیٰ کو خوشی ہوتی ہے؟!! اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟

---

❶❷❸(سُوْرَةُ النِّسَآء،۱۴۲) ❹(سُوْرَةُ النِّسَآء،۱۴۳)

اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۔۔۔الآیۃ:

اشکال: شکر کو پہلے ذکر کیا ہے اور ایمان کو بعد میں ذکر کیا اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ: کافر کا شکر قبول ہے؟!!

جواب: یہاں واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہے بل کہ مطلق جمع کے لیے ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ ۔۔۔الآیۃ:

ربط: اُوپر منافقین کا ذکر تھا کہ وہ طرح طرح کی باتیں کرتے یعنی طرح طرح کی اذیتیں دیتے اور نفاق کے سلسلے میں جھوٹ بولتے اللہ تعالیٰ ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتا۔

اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۔۔۔الآیۃ:

یعنی کسی کی بُرائی بیان کرنا اور اُس کا عیب ظاہر کرنا اسی کا نام غیبت ہے۔ بہت بُرا کام ہے اور خداوند تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے۔ ہاں! اگر کوئی کسی پر کوئی ظلم کرے تو اُس کا ظلم بیان کرنا اور مظلوم کا ظالم کو بُرا کہنا یا مفتی کے سامنے یہ کہنا کہ: فلاں نے مجھے گالی دی ہے، جائز ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ:

آگے اُن لوگوں کا ذکر ہے جن کے خمیر میں اِسلام کی مخالفت تھی۔

وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۔۔۔الآیۃ:

یہود کہیں گے: آپ ہمارے نبی کو نہیں جانتے ہیں؟ اور نصاریٰ وغیرہ بھی اسی طرح کہیں گے۔ تو فرماتے ہیں کہ: لَمْ يُفَرِّقُوْا بِسِلْسِلَةِ الْاِيْمَانِ یعنی ہم نے انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے میں کوئی فرق نہیں کیا۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ ۔۔۔الآیۃ:

ربط: ابھی اہلِ کتاب کا ذکر پڑھا کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے درمیان فرق کرتے ہیں، آگے اُن کی نافرمانیوں کا ذکر ہے۔

شانِ نزول: یہود کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اُنہوں نے کہا کہ: اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے سچے رسول ہیں تو قرآن کو دَفْعَةً وَّاحِدَةً نازل کریں؟ اِس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ ۔۔۔الآیۃ:

بیتُ المقدس کے دروازے سے داخل ہو جاؤ۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ ۔۔۔الآیۃ:

مَا زائدہ ہے بَاء سببیہ ہے اور اِس کا متعلق محذوف ہے: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ اُن کے اپنا وعدہ توڑنے پر ہم نے لعنت بھیجی۔

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۔۔۔الآیۃ:

کمزور باتیں اِن دلوں میں داخل نہیں ہوتیں، یہ دل مضبوط پردوں میں ہیں۔

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ ۔۔۔الآیۃ:

شام کا ایک صوبہ تھا "یہودیہ" نام تھا۔ رومیوں کی حکومت تھی اُس صوبے کا گورنر ہیڈ ورڈ تھا۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف کہا کہ: اُنہوں نے ہمارے دین کو بگاڑا ہے، گورنر کے سامنے مظاہرے کیے کہ: اِس کو قتل کرو ورنہ ہم خود اِس کو قتل کرتے ہیں۔ گورنر نے مرکز سے رابطہ قائم کیا۔ بادشاہ نے کہا کہ: مت قتل کرو! حوصلے سے کام لو۔ پھر اُنہوں نے مظاہرے کیے اُس گورنر کی نیند اُڑ گئی۔ گورنر نے کہا کہ: یا تو میرا استعفیٰ قبول کرو یا اِس کو قتل کرو۔ اُنہوں نے کہا کہ: جب ایک آدمی کے قتل سے فساد ختم ہوتا ہے تو اُس کو قتل کرو۔ شمعون قُرینی عیسیٰ علیہ السلام کی شکل کے مشابہ تھا اُنہیں قتل کر دیا۔ درحقیقت یہ شمعون منافق تھا، اگرچہ بظاہر عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھا۔

وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

بعض دفعہ ایک شخص دوسرے شخص کے ساتھ شکل میں مشابہ ہوتا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: میں اور میرے بھائی حضرت صوفی عبدالحمید صاحب رحمۃ اللہ علیہ دور سے شکل میں ایک جیسے ہیں۔

انگریز بھی اِس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ: شمعون قُرینی قتل کیا گیا نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ وہ اپنی تاریخ کی کتاب "انسائیکلو پیڈیا برطانیکا جلد ر ۳، صفحہ ر ۱۷۶ اور انسائیکلو پیڈیا اف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ر ۴، صفحہ ر ۸۳۵" میں تصریح کرتے ہیں کہ: جو قتل کیا گیا وہ شمعون قُرینی تھا نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

اُمت کا اِجماع ہے کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور آسمان میں ہیں، قیامت کے قریب آئیں گے اور دجّال کو قتل کریں گے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (۱۵۸):

سوال کیا ایک جسم بھی آسمان پر چڑھ سکتا ہے اور وہاں بغیر رزق کے رہ سکتا ہے؟

جواب اِس آیت سے اللہ تعالیٰ جواب دے رہے ہیں: وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝ (۱۵۹):

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "تفسیر ابن جریری، خازن، مظہری، روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: بِهٖ کی "ہ" ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کے طرف راجع ہے۔ مَوْتِهٖ کی "ہ" ضمیر بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور يَكُوْنُ کی ضمیر بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ اَيْ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اَحَدٌ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ اَيْ بِعِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَبْلَ مَوْتِهٖ اَيْ مَوْتِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: مَوْتِهٖ کی "ہ" ضمیر اہلِ کتاب کی طرف راجع ہے اور يَكُوْنُ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

پہلی تفسیر زیادہ صحیح اور راجح ہے کیوں کہ ضمائر کا مرجع ایک ہے یعنی اِنتشارِ ضمائر لازم نہیں آتا اور دوسری تفسیر دو (۲) وجہوں سے مرجوح ہے:

① اِس میں اِنتشارِ ضمائر ہے۔

② لَيُؤْمِنَنَّ میں دو (۲) تاکید ہیں: ایک لَام تاکید شروع میں ہے اور دُوسرا نُوْن تاکید ثقیلہ آخر میں ہے۔ تو معنی یہ ہے کہ: جو اہلِ کتاب میں سے ہے اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ: اِیمان وہ ہے جو معتبر ہو، اب نزع کی حالت میں ایمان معتبر نہیں تو یہ کہنا ہر عیسائی ہر یہودی مرتے وقت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے دُرست نہیں کیوں کہ نزع کی حالت میں ایمان معتبر نہیں تو مرتے ہوئے کیسے ایمان لائے گا؟

اِن دو (۲) وجوہات کی وجہ سے یہ دوسری تفسیر مرجوح ہے۔

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ ۔۔۔ الآیۃ (۱۶۲):

اِشکال: پہلے ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْتُوْنَ یہ سب رفعی حالتیں ہیں اور درمیان میں وَالْمُقِيْمِيْنَ نصبی یا جری حالت کیسے ہے؟

جوابُ: صاحب کشاف وغیرہ نے اِس کے دو (۲) جواب دیئے ہیں:

① مُقِيْمِيْنَ پر جو نصب ہے اور یہ جو منصوب ہے فعلِ محذوف کی وجہ سے یعنی نَصَبَ عَلَى الْمَدَاحِ ہے اَيْ اَمْدَحُ الْمُقِيْمِيْنَ۔

② یہ مجرور ہے بِمَآ اُنْزِلَ میں مَا پر معطوف ہونے کی وجہ سے اَيْ بِالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ یعنی جو نمازیں قائم کرتے ہیں مؤمنین اُن پر ایمان لاتے ہیں اور وہ نمازیں قائم کرنے والے انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ۔۔۔ الآیۃ (۱۶۳):

ربط: ابھی آپ نے پڑھا يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا ۔۔۔ الآیۃ ❶ اگر آپ دُفْعَةً وَّاحِدَةً کتاب نازل کریں تو ہم ایمان لائیں گے۔ اُن کی نظر میں دُفْعَةً وَّاحِدَةً نزولِ رسالت کی حقیقت تھی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے اُن کی کمزوری بیان کی کہ: یہ بڑی شریر قوم ہے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ النِّسَاء، ۱۵۳)

یہاں اُن کو اللہ تعالیٰ الزامی جواب دے رہے ہیں کہ: کیا پہلے انبیاء کرام علیہم السلام پر کتابیں دَفْعَةً وَّاحِدَةً نازل نہیں ہوئیں تھیں؟!! تو پھر تم لوگوں نے اُن کو کیوں نہ مانا؟ یا یوں کہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بہت پر تو کتابیں بھی نازل نہیں ہوئیں تھیں تم اُن کو مانتے ہو تو ان کو کیوں نہیں مانتے؟ یعنی تمہارا یہ سوال باطل ہے۔

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ۔۔۔ الآیۃ:

وَرُسُلًا اَیْ وَاَرْسَلَ رُسُلًا۔

بریلوی حضرات یہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا غیب عطا فرمایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ تو اُن پر ایک سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ: سارا غیب اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی جانتے ہیں یہ تو شرک ہوا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خُدائی میں شریک ہوئے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ: رب تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ذاتی نہیں بل کہ عطائی ہے۔ لیکن اُن کا یہ کہنا باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ۔۔۔ الآیۃ۔ بعض کا علم نہیں دیا۔ جب رب نے علم نہیں دیا تو کون دے گا؟

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ۔۔۔ الآیۃ:

یہ پہلے رُسُلًا سے بدل ہے، اِس میں عامل اَرْسَلَ ہے۔

سوال نوح علیہ السلام سے پہلے بھی تو نبی گزرے ہیں، تو مِنْۢ بَعْدِهٖ کا لفظ کیوں کہا مِنْ قَبْلِهٖ کیوں نہیں کہا؟

جواب "فتح الباری" اور "عمدۃ القاری" میں لکھا ہے کہ: مشرکین کی طرف سب سے پہلے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام آئے تھے، اُن سے پہلے کوئی اُمت مشرک نہیں تھی، پہلے انبیاء کرام علیہم السلام تعمیری تھے۔

مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ۔۔۔ الآیۃ:

لِئَلَّا يَكُوْنَ سے پہلے اَرْسَلْنَا محذوف ہے۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر ابن جریر طبری" میں لکھا ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: نوح علیہ السلام پر وحی آئی تھی، تو یہود نے کہا کہ: لَا نَشْهَدُ لَكَ بِالنُّبُوَّةِ۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: تم گواہی دیتے ہو یا نہیں!!! اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے: لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ۔۔۔ الآیۃ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر یہود، نصاریٰ اور مشرکین سب کا ذکر تھا، اب یہاں سے اللہ تعالیٰ تمام کو خطاب فرماتے ہیں: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ۔۔۔ الآیۃ۔

وَكَلِمَتُهٗ۔۔۔ الآیۃ:

وہ کلمہ کُنْ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مریم علیہا السلام کی طرف تھا۔

وَرُوْحٌ مِّنْهُ۔۔۔ الآیۃ:

رُوح کی اِسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ یہ نسبت تشریفی ہے کیوں کہ دوسرے لوگوں سے الگ طریقے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں رُوح ڈالی گئی تھی۔

اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ۔۔۔ الآیۃ:

سوال خَيْرًا لَّكُمْ کا نصب کس وجہ سے آیا؟

جواب نحاۃ بصرین کہتے ہیں: اَیْ وَاقْصِدُوْا خَيْرًا لَّكُمْ یعنی یہ خَيْرًا اِنْتَهُوْا کا مفعول نہیں لِاَجَلِ فَسَادِ الْمَعْنٰی۔ عبارت یوں ہے: اِنْتَهُوْا عَنِ التَّثْلِيْثِ وَاقْصِدُوْا خَيْرًا لَّكُمْ۔

کوفیین کہتے ہیں کہ: يَكُنْ کا لفظ محذوف ہے۔ اَیْ يَكُنِ الْاِيْمَانُ خَيْرًا لَّكُمْ۔

"تفسیر کبیر، بیان القرآن، خازن، روح المعانی" میں ہے اور "بیضاوی" کا حاشیہ جو فاضل سیالکوٹی رحمہ اللہ کا ہے اُس میں وہ فرماتے ہیں کہ: نصاریٰ کے تین (۳) گروہ تھے:

① نَسْطُوْرِيَّة: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ❶۔

② يَعْقُوْبِيَّة: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور اللہ تعالیٰ کو گڈمڈ مانتے تھے۔ پادری یہ کہتے ہیں کہ: عیسیٰ علیہ السلام زیادہ عبادت کی وجہ سے اللہ اُن میں حلول کر گیا ہے۔ یہ حلولیہ فرقہ ہے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۔۔۔ الآیۃ ❷ مثال کے طور پر آگ آگ ہے اور لوہا لوہا ہے، لوہا آگ میں پھینک دو تو وہ بھی آگ بن جاتا ہے۔

يَعْقُوْبِيَّة کا عقیدہ یہ ہے کہ: اَلتَّوْحِيْدُ فِي التَّثْلِيْثِ وَالتَّثْلِيْثُ فِي التَّوْحِيْدِ کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے گڈمڈ ہونے کے قائل ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر لٹکنے کے بھی قائل ہیں۔ اب اگر عیسیٰ علیہ السلام سولی پر لٹکائے گئے تو اللہ تعالیٰ بھی ساتھ تھا، تو (نَعُوْذُ بِاللّٰه) دونوں فوت ہو گئے۔

③ مَلْكَائِيَّة: بعض تفسیروں میں مَلْكَانِيَّة لکھا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ: تین (۳) الٰہوں سے دُنیا قائم ہے:

① اللہ تعالیٰ۔ ② عیسیٰ علیہ السلام۔ ③ بقولِ بعض کے مریم علیہا السلام اور بقولِ بعض کے جبرئیل علیہ السلام۔

تینوں کا ذکر قرآن پاک میں ہے، یہ اَقَانِيْمِ ثَلَاثَة ہیں۔ اَقَانِيْم جمع ہے اُقْنُوْم کی، معنی ہے: اَصل و رُکن۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۷۲﴾:

ربط: پہلی آیت میں نصاریٰ کا ذکر تھا۔ مدعی سُست و گواہ چُست۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو عبدیت پر فخر کرتے ہیں اور تم عبدیت سے اُن کو نکالتے ہو۔

"تفسیر کشاف، روح المعانی" میں لکھا ہے: اِسْتِنْكَاف کا معنی ہے: اِمْتَنَعَ وَانْقَبَضَ اَنِفًا ناک چڑھاتے ہوئے کسی کام سے رُک جانا یعنی پوری سمجھ کے بعد کسی چیز سے منع ہونا۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے "بیان القرآن" میں اِسْتِنْكَاف کا معنی "عار سمجھنا" کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بذاتِ خود اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا عار نہیں سمجھتے۔ تم کہتے ہو کہ: وہ اللہ کے بندے نہیں ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۷۴﴾:

سوال بُرْهَان سے کیا مُراد ہے؟

جواب بُرْهَان سے مُراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ ہے۔

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝:

سوال نور سے کیا مُراد ہے؟

جواب تمام مفسرین کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ: نور سے مُراد کتاب اللہ ہے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۷۶﴾:

ربط: یہاں دو (۲) ربط ہیں:

① پہلے آپ نے وراثت کے مسائل پڑھے تھے۔ وہاں اَخیافی بہن بھائیوں کا مسئلہ تھا، یہاں اَعیانی اور علاتی کا بیان ہے۔

② سورۃ کی ابتداء میں کَلَالَۃ کا مسئلہ گذر گیا ہے، اب بھی اُس کے بارے میں ذکر ہے۔

وَلَهٗۤ اُخْتٌ ۔۔۔ الآیۃ:

اُخْتٌ مِنَ الْاَعْيَانِ اَوْ مِنَ الْعَلَّاتِ۔

فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ ۔۔۔ الآیۃ:

فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ عَيَانِيَ اَوْ عَلَّاتِيَ۔

---

❶ (سُوْرَةُ التَّوْبَة، ۳۰) ❷ (سُوْرَةُ الْمَآئِدَة، ۱۷)

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ ـــ الآيۃ:

اَیْ شَرَآئِعَ دِيْنِكُمْ۔

اَنْ تَضِلُّوْا ـــ الآيۃ:

"کبیر، ابوسعود، البحر المحیط، روح المعانی، کشاف، جمل" وغیرہ میں تصریح ہے کہ: اَنْ مضارع پر داخل ہو تو اُس کے بارے میں نُحاۃ کے دو (۲) گروہ ہیں:

کوفیین کہتے ہیں: لِاَنْ لَّا تَضِلُّوْا تا کہ تم بہک نہ ہو جاؤ۔

نحاۃ بصریین یہاں كَرَاهِيَةً کا لفظ مقدر نکالتے ہیں۔ اَیْ كَرَاهِيَةَ اَنْ تَضِلُّوْا اِس بات کی کراہت بیان کی کہ تم گمراہ ہو۔

آيَاتُهَا (۱۲۰) ـ (۵) سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۲) ـ رُكُوْعَاتُهَا (۱۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: "تفسیر کبیر، ابو سعود، سبق الغایات فی نسق الآیات اور بیان القرآن" میں لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں تھا يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ❶ اللہ تعالیٰ اَحکام بیان کرتا ہے۔ اُس نسبت سے یہاں اَحکام بیان کیے کہ کون سے جانور حرام ہیں اور کون سے حلال ہیں یعنی حرام وحلال کی تقسیم ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْمَآئِدَة ہے۔ مَآئِدَة کے معنی ہیں: دسترخوان یعنی وہ سورۃ جس میں مَآئِدَة کا بیان ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۔۔۔ الآیۃ ①:

لفظِ عُقُوْد کا لغوی معنیٰ "گرہ" ہے اور یہاں اِس سے "وعدہ" مُراد ہے۔

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ بَهِيْمَة کے معنی ہیں: چار پاؤں والا۔

سوال لفظِ بَهِيْمَة کی اِضافت اَنْعَام کی طرف کِن سی اِضافت ہے؟

جواب "روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: لفظِ بَهِيْمَة کی اِضافت اَنْعَام کی طرف اِضافتِ بیانیہ ہے یعنی وہ چار ٹانگوں والے جو اَنْعَام کی مد میں ہیں۔

اگر یہ قید نہ ہوتی تو سارے جانور حلال ہوتے۔

غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ ۔۔۔ الآیۃ:

یہ لَكُمْ سے حال ہے۔

وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر بیضاوی" میں لکھا ہے کہ: لفظِ حُرُمٌ، حَرَامٌ کی جمع ہے، مُحْرِمٌ کے معنی میں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ②:

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھا ہے کہ: حلال ہونا یہ تو عام ہے، شَعَآئِرُ اللّٰهِ خاص ہیں اور وہ چار ہیں:

① قرآن۔ ② نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ③ کعبہ۔ ④ نماز۔

اِن میں سے کسی کی بھی بے حرمتی نہ کرو۔

وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس میں اَلِف لَام جنس کے لیے ہے۔

وَلَا الْهَدْيَ ۔۔۔ الآیۃ:

هَدْي کہتے ہیں قربانی کا وہ جانور جو مکہ لے جا کر قربان کیا جائے۔

وَلَا الْقَلَآئِدَ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ قَلَآئِد، قَلَادَةٌ کی جمع ہے۔ حاجی کا جو بڑا جانور ہو اُس کی گردن میں کوئی چیز لٹکائی جائے۔

---

❶ (سُوْرَةُ النِّسَآء ۱۷۶)

اشکال: قلائد کی بے حرمتی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① "تفسیر کشاف" میں لکھا ہے کہ: یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَیْ وَلَا ذَوَاتَ الْقَلَآئِدِ مُراد اُونٹ وغیرہ ہیں۔

② دوسرا معنی ہے کہ: یہ کمالِ مبالغہ ہے کہ پٹے والے جانور کو چھیڑنا تو درکنار اُس کا پٹہ بھی نہ چھیڑو۔

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ شعائر کی بے حرمتی مت کرو۔ آگے فرمایا: جب حلال ہو تو شکار کر سکتے ہو۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ۔۔۔ الآیۃ:

اَنْ صَدُّوْکُمْ میں اَنْ تعلیلیہ ہے۔ اَیْ عَلٰی اَنْ صَدُّوْکُمْ۔

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا۔۔۔ الآیۃ:

اَنْ تَعْتَدُوْا اَیْ عَلٰی اَنْ تَعْتَدُوْا۔ معنی ہے: اُس پر برانگیختہ نہ کریں۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔۔۔ الآیۃ:

کرنے کی چیزیں "بِرّ" میں داخل ہیں اور نہ کرنے کی چیزیں "تَقْوٰی" میں داخل ہیں۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ۔۔۔ الآیۃ ۳:

ربط: اُوپر ذکر تھا: اُحِلَّتْ لَکُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ۔۔۔ الآیۃ ❶ یعنی وہ جانور جو تم پر پڑھے جائیں گے، اب اُن جانوروں کا ذکر کر رہے ہیں۔

وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔۔۔ الآیۃ:

اِس سے مُراد غیرُ اللہ کے نام نامزد کرنا خواہ جس کے لیے نامزد کیا جائے، وہ ملائک ہوں یا انبیاء کرام علیہم السلام ہوں یا پیر وغیرہ ہوں۔

اہلِ بدعت کی غلط تاویل: اہلِ بدعت وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔۔۔ الآیۃ ❷ کی غلط تاویل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ: وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔۔۔ الآیۃ ❸ سے مُراد وہ جانور ہے جو بتوں کے نام نذر کیا جائے۔

جواب: اگر ہم تمہاری بات کو مان لیں، تو آگے آتا ہے: وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ۔۔۔ الآیۃ ❹ مستقل عطف کے ذریعے ہے۔ تو وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔۔۔ الآیۃ ❺ الگ ہے اور وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ۔۔۔ الآیۃ ❻ الگ ہے۔

مسئلہ: جس جانور کو غیر اللہ کے نام نامزد کیا جائے تو حرام ہوگا۔ ذبح کرنے سے حلال نہ ہوگا خواہ بِسْمِ اللّٰهِ بھی پڑھ لی جائے۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ ایسا ہے جیسا کہ کتے کو ذبح کر کے کھانا۔ اِس میں تمام چیزیں داخل ہیں، خواہ جانور ہو یا غیر جانور ہو۔

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ۔۔۔ الآیۃ:

مُنْخَنِقَة کے معنی ہیں: جس کا گلہ گھونٹا گیا ہو۔ مَوْقُوْذَة کے معنی ہیں: جو چوٹ لگ کر مَر گیا ہو۔ مُتَرَدِّیَة کے معنی ہیں: اُوپر سے نیچے گرنے والا۔ نَطِیْحَة کے معنی ہیں: سینگ سے مارا گیا ہو۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ نُصُب، نِصَابٌ کی جمع ہے جیسا کہ کُتُب، کِتَابٌ کی جمع ہے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ ۱) ❷❸❹❺❻ (سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ ۳)

اَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ اَزۡلَام، زَلَمٌ کی جمع ہے۔ تَسۡتَقۡسِمُوۡا کے دو(۲) معنی ہیں:

① "تفسیر کشاف" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: تَسۡتَقۡسِمُوۡا اِس کا مجرد مادہ قِسۡمَت ہے بمعنی تقسیم کرنا۔

② دوسرا معنی ہے: قسمت معلوم کرنا۔

کعبۃ اللہ میں ایک تھیلا تھا اُس میں دس(۱۰) تیر تھے۔ کسی پر نَعَمۡ لکھا تھا، کسی پر لَا ۔ اگر کوئی آدمی کوئی کام کرتا مثلاً: تجارت یا شادی وغیرہ تو تیر نکالتے اور قسمت معلوم کرتے۔ اگر نَعَمۡ کا تیر نکلتا تو کام کرتے اور لَا نکلتا تو کام نہ کرتے۔ آج کل بانڈ وغیرہ بھی بالکل جوا ہے۔

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ ۔۔۔الآیۃ:

ربط: پہلے ذکر تھا حُرِّمَتۡ عَلَیۡکُمۡ ۔۔۔الآیۃ ❶۔ آگے فرمایا کہ: دین کی تکمیل ہم نے کر دی، یہ آیات ہجرت کے دسویں سال کو جمعہ کے دن عصر کے وقت نو(۹) ذی الحجہ کو میدانِ عرفات میں نازل ہوئیں۔ یہ آخری حصہ تھا کہ نازل ہوا، اُس کے بعد اَسّی (۸۰) یا بیاسی (۸۲) دن بعد آپ ﷺ وفات پا گئے۔

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمۡ ۔۔۔الآیۃ ﴿۴﴾:

لوگوں نے شکار کے متعلق سوال کیا تو اُس کا جواب دیتے ہیں۔

وَمَا عَلَّمۡتُمۡ مِّنَ الۡجَوَارِحِ ۔۔۔الآیۃ:

جانور کتا، باز، شکرا، عقاب وغیرہ تو اِن جانوروں کے ذریعے شکار کرنے کے لیے چند شرائط ہیں:

① وہ شکاری جانور جن کو تم نے تعلیم دی ہو جو تمہارے کہنے پر جائے اور واپس آئے یعنی مُعَلَّم ہو۔

② اپنے اِرادے سے اُن کو شکار پر چھوڑا ہو، خود نہ گیا ہو۔ ③ چھوڑتے وقت بِسۡمِ اللہ کہا ہو۔

④ خود نہ کھائے، تمہارے لیے لے کر آئے۔ ⑤ شکاری جانور اُس شکار کو زخمی بھی کرے۔

پہلی چار(۴) شرائط میں تمام ائمہ متفق ہیں۔ آخری میں اِمام صاحب رحمہ اللہ منفرد ہیں کہ وہ شکار کو زخمی بھی کرے اور جَوَارِح کا لفظ اِس بات کی دلیل ہے۔

مُکَلِّبِیۡنَ تُعَلِّمُوۡنَهُنَّ ۔۔۔الآیۃ:

کَلَّبۡتُ الۡکَلۡبَ میں نے کتے کو چھوڑا۔ "روح المعانی اور تفسیر کشاف" میں لکھا ہے کہ: مُکَلِّبِیۡنَ اَیۡ مُرۡسِلِیۡنَ، کَلَّبۡتُ الۡکَلۡبَ اَرۡسَلۡتُ الۡکَلۡبَ عَلَی الصَّیۡدِ۔

وَطَعَامُ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۵﴾:

سوال طَعَام سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① تمام مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس طَعَام سے مُراد ذبیحہ ہے۔

② اِمام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس طَعَام سے مُراد ذبح ہے۔

③ "روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: اِس سے وہ اہلِ کتاب مُراد ہیں:

① جن کے عقیدے وہی ہوں جو اہلِ کتاب کے تھے۔

② ذبح اللہ تعالیٰ کے نام پر ہو۔ مثلاً: اگر یہودی بِاسۡمِ مُوۡسٰی علیہ السلام یا نصرانی بِاسۡمِ عِیۡسٰی علیہ السلام کہے تو ذبیحہ حلال اور جائز نہ ہوگا۔

مُحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ ۔۔۔الآیۃ:

سَفۡح کا معنی ہے: بہاؤ۔ اِس میں یہ بات ہوئی کہ: اُن عورتوں کی وجہ سے آپ کا ایمان نہ جائے یعنی رشتے میں ایمان کا محفوظ ہونا ضروری ہے۔

❶ (سُوۡرَۃُ المَآئِدَۃ:۳)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ ۔۔۔ الآیۃ ۶:

ربط: یہ ہے کہ طہارت کی دو (۲) قسمیں ہیں: ① طہارتِ باطنی۔ ② طہارتِ ظاہری۔
باطنی جس کو ایمان کہتے ہیں، ظاہری جس کو وضو، غسل اور تیمم کہتے ہیں۔ پہلے طہارتِ باطنی کا ذکر تھا، آگے طہارتِ ظاہری یعنی وضوء کا ذکر ہے۔

اِلَی الْمَرَافِقِ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں پر لفظِ اِلٰی، اِسْقَاط مَاوَرَآء کے لیے ہے یعنی کہنیاں دھونے میں داخل ہیں۔

وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کا عطف فَاغْسِلُوْا پر ہے اور یہاں بھی اِلٰی اِسْقَاط مَاوَرَآء کے لیے ہے۔ یعنی ٹخنے دھونے میں داخل ہیں۔

لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ ۔۔۔ الآیۃ:

اللہ تعالیٰ ارادہ نہیں کرتے کہ تم پر تنگی کرے اِس طور پر کہ تم کو طہارت کا طریقہ بھی نہ بتایئے۔

وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ ۔۔۔ الآیۃ ۷:

ربط: اُوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تھا آگے بھی دوسری نعمتوں کا بیان ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۔۔۔ الآیۃ ۸:

ربط: "بیان القرآن" میں لکھا ہے کہ: ماقبل میں اِنسان کو اپنی ذات کے متعلق حکم تھا کہ: وضو، غسل، تیمم کرو۔ یعنی اِنسان کو اپنی ذات کے بارے میں بھی خیر خواہ ہونا چاہیے۔ اب آگے دوسروں کی ذات کے بارے میں حکم ہے کہ: دوسروں کے ساتھ خیر خواہی سے پیش آؤ، دوسروں کے حقوق ملحوظِ خاطر رکھو، گواہی دینی ہو تو صحیح گواہی دو۔

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۔۔۔ الآیۃ:

سوال "هُوَ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب "هُوَ" ضمیر عَدَل کی طرف راجع ہے جو اِعْدِلُوْا میں محذوف ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ ۔۔۔ الآیۃ ۱۱:

ربط: اُوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تھا۔ اِس میں ایک اور نعمت کا ذکر ہے۔

سوال وہ نعمت کیا تھی؟

جواب "تفسیر روح المعانی" میں لکھا ہے: مکہ کے مسلمانوں کے بارے میں کفار مشرکین مکہ نے مشورہ کیا کہ: اِن چند نفوس کو ختم کر دیں نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ ابو البختری ایک کافر تھا اُس نے اُن کو منع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کیے کہ اُن کے اِرادے بدل گئے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۔۔۔ الآیۃ ۱۲:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ لیا۔ آگے فرمایا کہ: تمہارے میثاق کا وہ حشر نہ ہو جس طرح یہود نے میثاق کا حشر کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ اُوپر ذکر تھا کہ: اے اِیمان والو! اُذْکُرُوْا نِعْمَتَ ۔۔۔ الآیۃ [1] اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو وعدہ تم نے کیا تھا اُس کو پورا کرو۔ آگے فرماتے ہیں کہ: وعدہ ہم نے یہود اور نصاریٰ سے کیا تھا تو اُنہوں نے اُس کی قدر نہ کی تو تم اپنے وعدے کو پورا کرو تا کہ تمہارا حشر اُن کے ساتھ نہ ہو۔

وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر کشاف اور لغت کی کتابوں یعنی قاموس، تاج العروس، صراح، لغۃ العرب" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اَلتَّعْزِیْرُ بمعنی اَلْمَنْعُ وَالرَّدُّ تعزیر کے معنی ہیں:

---

[1] (سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ: ۱۱)

رُوکنا اور رَد کرنا۔ ہر اُس سزا کو تعزیر کہتے ہیں جو شریعت نے مقرر کی ہو۔ فقہی طور پر تعزیر اُس سزا کو کہتے ہیں جو قاضی اپنی ثواب دید سے مجرم کو دے۔

تعزیر کی وجہ تسمیہ: تعزیر کو تعزیر اِس لیے کہتے ہیں کیوں کہ وہ مجرم کو گناہ سے رُوکتی ہے۔

لہٰذا لفظی معنی تعزیر کے ہیں: "روکنا، منع کرنا"۔ اور لازمی معنی تعزیر کے ہیں: "عزت کرنا، اِحترام کرنا"۔ مثلاً: میں یہاں بیٹھا ہوں، کوئی شخص مجھ پر حملہ کرنا چاہے تو آپ حضرات اُس کو رُوک لیں گے اور میری جان بچائیں گے، یہ تعزیر ہے۔ یہ تب ہوگی جب اَصل کے ساتھ کچھ اِحترام اور تعظیم کا معاملہ ہو۔ تو اَصل تعزیر کے معنی ہوئے: اَلْمَنْعُ وَالرَّدُّ۔ لہٰذا اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ: یہ وہاں دُشمن کو رُوکتے ہیں جہاں اَصل کے ساتھ کچھ نسبت ہو اور لازمی معنی اِس کا کرتے ہیں کہ: تم اُن کی تعظیم کرو، اِحترام کرو۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ۔۔۔ الآیۃ ۱۳:

بِمَا میں مَا زائدہ ہے اور بَاء سببیہ ہے۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لفظِ خَآئِنَةٍ کیا ہے؟

جواب "کشاف، روح المعانی، بیضاوی، کمالین، جمالین" وغیرہ وغیرہ میں تین (۳) تفسیریں ہیں:

① لفظِ خَآئِنَةٍ مصدر ہے خیانت کے معنی میں ہے۔

② لفظِ خَآئِنَةٍ اِسم فاعل کا صیغہ ہے اور صفت ہے موصوف اِس کا محذوف ہے۔ اَیْ عَلٰى نَفْسٍ خَآئِنَةٍ یا عَلٰى طَائِفَةٍ خَآئِنَةٍ۔

③ لفظِ خَآئِنَةٍ، شَخْصٌ یا فَرْدٌ کی صفت ہے۔ اَیْ عَلٰى فَرْدٍ خَآئِنَةٍ یا عَلٰى شَخْصٍ خَآئِنَةٍ۔

اِشکال: لفظِ شَخْصٌ اور فَرْدٌ تو مذکر ہیں تو خَآئِنَةٍ مؤنث کیوں لائے؟

جواب: لفظِ خَآئِنَةٍ کے آخر میں جو تاء ہے یہ تانیث کے لیے نہیں بل کہ مبالغے کے لیے ہے۔ جیسے: رَجُلٌ عَلَّامَةٌ، رَجُلٌ رَاضِيَةٌ۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ۔۔۔ الآیۃ:

تَرْكُ عُقُوْبَةِ الْمُذْنِبِ کو عَفُو کہتے ہیں اور تَرْكُ تَثْرِيْبِه کو صَفَح کہتے ہیں۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى۔۔۔ الآیۃ ۱۴:

ربط: پہلے یہود کا ذکر تھا، اب نصاریٰ کا ذکر ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ۔۔۔ الآیۃ ۱۵:

ربط: اُوپر یہود اور نصاریٰ کی عہد شکنی کا بیان تھا اور اب دونوں فرقوں کا بیان ہے کہ: تم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾:

یہاں دو (۲) تفسیریں ہیں:

تفسیرِ اوّل: نور سے مُراد قرآن پاک ہے، کِتَابٌ مُّبِيْنٌ عطفِ تفسیری ہے۔ سیاق وسباق سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ اِس پر کئی قرینے ہیں:

① يَهْدِيْ بِهِ۔۔۔ الآیۃ ❶ اِس میں "ہ" ضمیر مفرد ہے۔ اگر نُوْرٌ اور کِتَابٌ مُّبِيْنٌ میں مغایرۃ ہوتی تو بِہٖ میں "ہ" ضمیر مفرد نہ ہوتی بل کہ بِهِمَا تثنیہ کی ضمیر ہوتی۔

② وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ❷ اِس سے مُراد قطعی طور پر قرآن ہے۔

③ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ۔۔۔ الآیۃ ❸

---

❶ (سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ، ۱۶) ❷ (سُوْرَۃُ النِّسَآء، ۱۷۴) ❸ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف، ۱۵۷)

④مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا۔۔۔الآیۃ❶

⑤اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ۔۔۔الآیۃ❷

اِن تمام مقامات پر نُوْر سے مُراد کتاب ہے۔

تفسیرِ ثانی: "روح المعانی، جلالین" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: نُوْر سے مُراد آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات بشر ہے اور آپ ﷺ کی صفت نور ہے، جسم کے لحاظ سے بشر اور وصف کے لحاظ سے نور ہیں۔

علّامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ نور ہیں پھر بعد میں فرماتے ہیں: اَيْ آدَمِيٌّ۔ اِسی طرح "جلالین" والے فرماتے ہیں۔

علّامہ آلوسی رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ: اگر کوئی کہے کہ: میں نہیں جانتا کہ حضور ﷺ بشر ہیں یا غیر بشر وہ آدمی کافر ہے کیوں کہ اُس نے ضروریاتِ دین کا اِنکار کیا۔

اہلِ حق کا عقیدہ ہے کہ: جتنے نبی آئے تمام بشر، آدمی اور انسان تھے۔ اہلِ بدعت میں بعض غالی کہتے ہیں کہ: بشر نہیں تھے۔

اہلِ بدعت کے غلط اِستدلالات: ①اِستدلال اُن کا یہ ہے: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ واؤ مغایرت پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا نور سے مُراد آپ ﷺ ہیں۔ معلوم ہوا کہ: آپ ﷺ نور ہیں بشر نہیں؟

جواب نُوْر سے یہ مُراد لینا کہ: آپ ﷺ بشر نہیں تھے یہ باطل ہے اور نصوصِ قطعی کے خلاف ہے۔

②اہلِ بدعت کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ: حدیث میں آتا ہے کہ "آپ ﷺ کا سایہ نہ ہوتا تھا"❸ یعنی اگر آپ ﷺ بشر ہوتے تو آپ ﷺ کا ضرور سایہ ہوتا؟

جواب آپ ﷺ کا سایہ تھا، جن روایات میں ہے کہ: آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا، اُن روایات کا راوی "عبد الرحمٰن" ہے جو کَذَّابٌ، خَبِيْثٌ، رَافِضِيٌّ، ضَعِيْفٌ، وَاضِعُ الْحَدِيْثُ ہے۔ اور باقی "مسند احمد، مستدرک حاکم، ہادی الاوسط" وغیرہ کتبِ احادیث میں ہے کہ: آپ ﷺ کا سایہ تھا۔

دلائل اہلِ حق: ①هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝❹ ②قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔۔۔الآیۃ❺

مبسوط اور حوالہ جات "تفسیر بما لا مزید علیہ، تنقید متین اور اِتمام البرہان" میں دیکھیں۔

سُبُلَ السَّلٰمِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۶﴾:

"التنقید المفید فی اثبات التقلید" میں لکھا ہے کہ: اِس آیت سے مُراد چار (۴) مذاہب اور حضرات صوفیائے کرام رحمہم اللہ مُراد لیے جاسکتے ہیں۔

وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝:

یہ کھلی راہ ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۷﴾:

ربط: پہلے یَعْقُوْبِیَۃ فرقے کا ذکر تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ میں حلول ہوا ہے اور دو، ایک بن گئے ہیں۔ یہاں سے اُن کا رَدّ فرما رہے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۸﴾:

ربط: پہلے یہود اور نصاریٰ کا بیان تھا، آگے اُن کا ایک باطل نظریہ بیان فرماتے ہیں۔

وَاَحِبَّآؤُهٗ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ اَحِبَّآء، حَبِيْب کی جمع ہے۔ جیسے اَخِلَّآء، خَلِيْل کی جمع ہے۔

---

❶(سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی،۵۲) ❷(سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ،۴۴) ❸(الخصائص الکبریٰ از امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ذکر المعجزات والخصائص فی خلقہ الشریف ﷺ، ج۱، ص۱۱۶، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت)

❹(سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْل،۹۳) ❺(سُوْرَۃُ الْکَہْف،۱۱۰)

يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹﴾:

ایک نبی سے دوسرے نبی تک کے درمیان زمانہ کو فَتْرَۃ کہتے ہیں۔ مثلاً: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پانچ سو پچھتر (۵۷۵) سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تشریف لائے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰﴾:

ربط: "سبق الغایات فی نسق الآیات، بیان القرآن" وغیرہ میں یہ ربط بیان کیا ہے کہ: اُوپر یہود ونصاریٰ کا ذکر تھا اور اُن کی نافرمانیوں کا ذکر تھا۔ یہاں فرمایا کہ: دَورِ حاضر کے یہودیوں نے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو یہ کوئی بعید بات نہیں، اِس سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) غمگین نہ ہوں کیوں کہ ان کے بڑے بھی تو ایسے نافرمان تھے یعنی ان کے بڑے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی موجودگی میں بھی وعدہ پورا نہ کرتے تھے۔

اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ ۔۔۔ الآیۃ:

حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام تک تقریباً چار ہزار (۴۰۰۰) پیغمبر بنی اسرائیل میں آئے تھے۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:

اَرضِ مقدسہ میں "شام، فلسطین، اُردن، اسرائیل" کا علاقہ اور "لیبیا" کا کچھ حصہ بھی تھا۔ اُس سارے علاقے کو شام بھی کہتے تھے۔

واقعہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ (۱۲) آدمی بھیجے۔ ہر خاندان میں سے ایک آدمی کو لے لیا اور کہا کہ: تم اَرضِ مقدس جاؤ اور معلوم کرو کہ ہم کیسے حملہ کریں اور حالات سے اپنے آپ کو باخبر رکھیں؟ اور صرف مجھے اور ہارون علیہ السلام کو بیان کرو، باقی اوروں کو بیان نہ کرو۔ اُنہوں نے اِس وعدے کی پابندی نہ کی دیگر لوگوں کو بھی بیان کیا۔ کالب بن یوقنا، یوشع بن نون علیہ السلام یہ وعدے پر قائم تھے اور اپنے وعدے کی پابندی کی۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۳﴾:

سوال رَجُلٰنِ سے کون مُراد ہیں؟

جواب رَجُلٰنِ سے مُراد یوشع بن نون علیہ السلام اور کالب بن یوقنا ہیں۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام مخلوقات میں تیسرے نمبر پر ہیں:

① سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ② دوسرے نمبر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ③ تیسرے نمبر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۴﴾:

"مسلم شریف" میں روایت ہے کہ: قبیلہ اوس کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بولے: خدا کی قسم! اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو حکم دے دیں تو ہم سمندر میں اپنے گھوڑوں کو ڈال دیں گے۔[1]

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۵﴾:

سوال دُعا میں صرف اپنے آپ کو اور اپنے بھائی کو کیوں ذکر کیا؟ باقی جو دو (۲) تھے یوشع بن نون علیہ السلام اور کالب بن یوقنا اُن کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب ہارون علیہ السلام عمر میں اور علم میں زیادہ تھے اِس لیے ذکر کیا، باقی لوگ بالتبع آ گئے۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۶﴾:

"معالم التنزیل" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: یہ تحریم تشریعی ہے یا تکوینی ہے۔

حرمتِ تشریعی کا معنی یہ ہے کہ: اُس میں داخل ہونا چاہتے تو داخل ہو سکتے تھے۔ جیسے: ہم اگر شراب پینا چاہیں تو پی سکتے ہیں، چوری کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ لیکن شراب پینا، چوری کرنا فِیْ نَفْسِہٖ تو حرام ہے کیوں کہ رب نے حرام کر دیا ہے۔

حرمتِ تکوینی کا معنی یہ ہے کہ: کوشش تو کرتے تھے وادئ تیہ سے نکلنے کی، صبح کو نکلتے شام ہوتی تو کہتے ہم اُس وادی سے نکل آئے لیکن پھر جب صبح ہوتی تو وہیں ہوتے جہاں سے چلے تھے۔

---

[1] (الصحیح لمسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ البدر، ج ۱، ص ۱۰۲، طبع یادگار شیخ، کراچی)

وَ اتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَ ابۡنَیۡ اٰدَمَ بِالۡحَقِّ ۘ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۷﴾:

ربط: "سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: اُوپر ذکر تھا کہ یہود اور نصاریٰ نے کہا کہ: ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ فرمایا کہ: آدم علیہ السلام کا صلبی بیٹا تھا لیکن نافرمان تھا، اپنا باپ اُس کو نہ بچا سکا اور نہ چھڑا سکا، تو تم کو کون چھڑائے گا؟ مطلب یہ ہے کہ: نسب سے کچھ بھی نہیں بنتا۔

سوال: قابیل کفر کی وجہ سے جہنم میں گیا یا نافرمانی کی وجہ سے جہنم میں گیا؟

جواب: علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے سُوۡرَۃُ حٰمٓ السَّجۡدَۃ کی آیت اَرِنَا الَّذَیۡنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ ۔۔۔ الآیۃ [1] کے ضمن میں لکھا ہے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بھی اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ: قابیل مؤمن گناہ گار تھا، کافر نہ تھا، گناہ کی وجہ سے جہنم میں گیا ہے۔

واقعہ: ایسا ہوا کہ آدم علیہ السلام کے دو، دو (۲،۲) بچے پیدا ہوتے، ایک لڑکی اور ایک لڑکا۔ قابیل کے ساتھ اِقلیما پیدا ہوئی اور ہابیل رحمہ اللہ کے ساتھ یلُوا پیدا ہوئی تھی۔ اِقلیما خوبصورت تھی اور یلُوا خوبصورت نہ تھی اور قانون ایسا تھا کہ: وہ لڑکی اور لڑکا جو ایک بطن میں پیدا ہوتے اُن کا نکاح صحیح نہ ہوتا اور دوسرے بطن والے کے ساتھ نکاح صحیح ہوتا۔ تو قابیل کا نکاح یلُوا کے ساتھ اور ہابیل کا نکاح اِقلیما کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ نکاح کا موقع آیا، آدم علیہ السلام نے کہا کہ: آیئے نکاح کرنا ہے۔ تو قابیل نے کہا کہ: میں اِقلیما کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ایسا تو صحیح نہیں۔ اُس نے نہ مانا۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ: اچھا صدقہ کرو، ہابیل نے دُنبہ ذبح کیا اور قابیل نے باجرا وغیرہ کھیت میں رکھا۔ ہابیل کا صدقہ قبول ہوا اور قابیل کا صدقہ قبول نہ ہوا۔ اِس پر غصہ ہو کر اُس نے اپنے بھائی کو قتل کیا۔ گو اُس کا اُستاد بن گیا کہ: باپ تو آپ کے اُستاد بن نہیں سکے۔

اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۹﴾:

اَیۡ بِاِثۡمِ قَتۡلِیۡ۔

مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِکَ ۚ کَتَبۡنَا عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۲﴾:

ناحق قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا۔۔۔ الخ

سوال: اُنہوں نے یہ فساد کیوں کیا؟ کیا اُن کی طرف انبیاء کرام علیہم السلام نہیں آئے؟

جواب: اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: وَلَقَدۡ جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَیِّنٰتِ ۔۔۔ الآیۃ [2]

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۳﴾:

ربط: پہلے قتلِ ناحق کا ذکر تھا اور اب باقی فسادات کا ذکر ہے۔

شانِ نزول: اس آیت کا تعلق عکل اور عُرینہ قبیلوں کے آدمیوں کے ساتھ ہے جنہوں نے ڈاکہ ڈالا تھا۔

ڈاکوؤں کی سزائیں چار (۴) ہیں: اب ڈاکے کی عقلاً چار (۴) صورتیں ہیں اور ڈاکوؤں کی سزائیں چار (۴) ہیں:

① ڈاکہ ڈالا اور آدمی قتل کیا، اُس کی سزا قتل ہے۔　② مال بھی لیا اور قتل بھی کیا، اُس کی سزا سولی پر لٹکانا ہے۔

③ مال لیا، قتل نہیں کیا، دایاں ہاتھ یا بایاں پیر کاٹا جائے گا۔

④ نہ مال لیا اور نہ قتل کیا۔ اِس میں اختلاف ہے اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اِس سے قید کرنا مُراد ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جلاوطنی مُراد ہے۔

سوال: دُنیا کی سزا کافی ہے یا آخرت میں الگ سزا ملے گی؟

جواب: امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی شخص نے اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کر دیا اور اپنے جرم کا اِقرار بھی کر لیا اور ساتھ ساتھ توبہ بھی کر لی پھر اُس کو دنیا میں سزا مل گئی تو اُس کو آخرت میں سزا نہیں ہوگی۔ لیکن اگر اُس نے اپنے جرم کا اِقرار بھی نہیں کیا اور توبہ بھی نہیں کی تو دُنیا کی سزا الگ ملے گی اور آخرت کی سزا الگ ملے گی۔

[1] (سورۃ حٰمٓ السجدۃ ۲۹)　[2] (سورۃ المائدۃ ۳۲)

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ۔۔۔الآیۃ:

"تفسیر جلالین" میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ: ڈاکوؤں نے ڈاکہ ڈالا، قتل بھی کیا، مال بھی لیا اور تم نے یا حکام وغیرہ نے اُن پر قدرت نہیں پائی تھی کہ اُنہوں نے توبہ کر لی۔ اُس توبہ کی وجہ سے حُقوق اللہ ساقط ہو جائیں گے یعنی حد ساقط ہو جائے گی۔ لیکن حُقوق العباد دینا پڑیں گے، قتل کیا تھا تو قتل کیا جائے گا، مال لیا ہو تو مال دینا پڑے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ۔۔۔الآیۃ:

اِتَّقُوا اللّٰهَ اَیْ اِتَّقُوْا عِقَابَ اللّٰهِ۔

ربط: اُوپر جرائم کا ذکر تھا یعنی قتلِ ناحق اور ڈاکہ کا بیان تھا۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تم جرائم سے بچو اور اُس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو یعنی اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو۔

وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔۔۔الآیۃ:

اَیْ بِالطَّاعَاتِ وَبِالْعِبَادَاتِ۔

مسئلہ: اگر کوئی آدمی یوں کہہ دے کہ: اے اللہ! بوسیلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا یہ کام کر دے یا فلاں کی حرمت سے یا فلاں کی برکت سے یا فلاں کے طفیل سے میرا یہ کام کر دے۔ اِس کو توسل کہتے ہیں، توسل نہ مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز ہے۔ اِس کی تین (۳) شقیں ہیں:

① اگر وسیلہ پکڑنے والا جس کا وسیلہ پکڑ رہا ہے اُس کو حاضر و ناظر سمجھتا ہو، تو یہ کفر اور شرک ہے۔

② اگر یہ لفظ بولتا ہے اور کسی چیز کا اعتبار نہیں کرتا تو مکروہ ہے کیوں کہ ذُوْ مَعْنَيَيْنِ لفظ بولنا نہیں چاہیے۔

③ اگر وہ جانتا ہے کہ حاضر ناظر کچھ نہیں۔ صرف اِس لیے کہ مجھے اُس پر ایمان ہے اُس کے ساتھ محبت ہے۔ تو اِس بناء پر نیک آدمیوں کا نام لے کر دُعا کرنا جائز ہے۔ اِس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

یہ خلاصہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے "روح المعانی" میں ذکر فرمایا ہے اور بات کے آخر میں فرمایا ہے: وَبِهٖ اَقُوْلُ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

خُلاصَہ: یہ ہوا کہ ہمارے نزدیک اِن الفاظ سے وسیلہ پکڑنے میں تفصیل ہے یعنی بِطُفَيْلِ، بِجَاهِ، بِبَرَكَةِ، بِحُرْمَةِ۔۔۔الخ تو توسل شرک بھی ہے اور قُرب بھی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور اُن کے تلامذہ عدمِ جواز کے قائل ہیں۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَيْدِيَهُمَا۔۔۔الآیۃ:

ربط: اُوپر ڈاکے کا ذکر تھا، اب چوری کا ذکر ہے۔ ڈاکہ اِعلانیہ طور پر ہوتا ہے، چوری خفیہ طور پر ہوتی ہے۔

اِشکال: ایک ملحد نے کہا کہ: ایک طرف اسلام یہ کہتا ہے کہ: اگر کسی کا ہاتھ کاٹو تو پچاس (۵۰) اُونٹ دیت ہے اور ایک طرف دس (۱۰) درہم چراؤ تو ہاتھ کاٹ دیتے ہیں؟

جواب: علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اے مُلحِدو! تم نے حق و باطل کو گڈمڈ کر دیا لَمَّا كَانَتْ اَمِيْنَةً كَانَتْ ثَمِيْنَةً فَلَمَّا خَانَتْ هَانَتْ یعنی جب یہ ہاتھ امین تھا تو اُس کی قیمت زیادہ تھی اور جب اُس نے چوری کی تو اُس کی قیمت کم ہو گئی اور گر گئی۔

سوال: یہاں چوری کا ذکر کیا تو سَارِق کو مقدم کیا اور سُوْرَةُ النُّوْر میں زنا کا ذکر کیا تو زَانِيَة کو مقدم کیا ہے، اِس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: چوری مَرد کے لیے بھی بُری بات ہے اور عورت کے لیے بھی بُری بات ہے لیکن مَرد کے لیے زیادہ قبیح ہے۔ اِسی طرح زنا مَرد اور عورت دونوں کے لیے قبیح ہے لیکن عورت کے لیے زیادہ قبیح ہے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا۔۔۔الآیۃ:

لفظِ جَزَآءً مفعولِ مطلق ہے۔ اَیْ يُجْزَوْنَ جَزَآءً یا جُوْزُوْا جَزَآءً۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ الآیۃ:

یہ حکم جو ہم نے نافذ کیا ہے تو ہم کو مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ حاصل ہے (یعنی ہمیں زمین و آسمان کی بادشاہت حاصل ہے) تو یہ سزائیں ظالمانہ اور وحشیانہ نہیں ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: پہلے ڈاکے کا ذکر تھا، پھر چوری کا ذکر کیا، آگے زنا کا واقعہ بیان کیا ہے۔

شانِ نزول: خیبر میں ایک شادی شدہ مرد و عورت نے زنا کیا، یہودیوں نے ایک وفد آپ ﷺ کے پاس بھیجا۔ اُن کو کہا کہ: ہماری شریعت سخت ہے۔ آپ ﷺ کا فیصلہ سن لو۔ اگر وہ بھی رجم کا حکم دیں تو نہ مانو اگر رجم کے علاوہ اور کوئی حکم دے دیں تو اُس کو مان لو۔ جب آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے اُن کے عالم عبداللہ بن صوریہ (مدینہ منورہ سے کچھ دُور مقام فلح میں رہتا تھا، بڑا کافر تھا) کو بلایا اور تورات دے دی کہ اِس میں زنا کا حکم سنا دے۔ اُس نے تورات کی اُس عبارت پر ہاتھ رکھا جہاں زنا کا حکم رجم مذکور تھا اور آگے پیچھے عبارت پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ چوں کہ تورات کے ماہر عالم تھے۔ اُنہوں نے فرمایا: كَذَبَ عَدُوُّ اللّٰهِ اِس جگہ کو چھوڑ دیا۔ جب اُس آیت کو پڑھا تو عبداللہ بن صوریہ بڑا ذلیل ہوا۔

اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔۔۔ الآیۃ:

ایسے آدمی کو رقم دینا جو فیصلہ کا مجاز نہیں اُس کو رشوت کہتے ہیں اور اگر فیصلے کا مجاز ہو تو اُس کو سُحت کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ: ایک قاضی خلافِ شرع حکم کرے اور اُس پر پیسے لے۔

اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ۔۔۔ الآیۃ:

اِختیار اب منسوخ ہو گیا ہے اور ناسخ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔۔۔ الآیۃ ● ہے۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر تورات کا ذکر تھا کہ: تورات میں اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ آگے تورات کی اہمیت کا بیان ہے کہ: یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے جو سراسر ہدایت اور نور ہے۔

یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا۔۔۔ الآیۃ:

اَسْلَمُوْا کی قید اِتفاقی ہے اور بعض اِس قید کو اِحترازی لیتے ہیں۔ اگر اِحترازی لیا جائے تو جھوٹے نبیوں سے اِحتراز ہے۔

وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ۔۔۔ الآیۃ:

رَبّٰنِیُّوْن سے مُراد پیر، مشائخ ہیں۔ اَحْبَار جمع ہے حِبْرٌ کی بمعنی علماء۔

وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔۔۔ الآیۃ:

اِس میں خاصی تفصیل ہے، تین (۳) باتیں آسان ہیں:

① علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حکم سے مُراد تصدیق ہے کہ جس نے تصدیق نہ کی بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی تو وہ کافر ہے۔

② مَنْ اور مَا تو اَصل وضع میں عموم کے لیے نہیں ہیں، لیکن اِستعمال میں عموم کے لیے آتے ہیں یعنی ساری چیزوں میں حکم نہ کرے بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔

③ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حکم بمعنی قضاء ہے اَیْ فَمَنْ لَّمْ یَقْضِ۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝:

اِس سے مُراد یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے حکم کو حق نہیں سمجھتا اور انگریزی قانون کو حق سمجھتا ہو تو وہ کافر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے قانون کو حق سمجھتا ہو اور پھر انگریزی قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو تو پھر وہ عملی کافر ہے۔

● (سُوْرَةُ الْمَآئِدَة ۴۸)

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ وَاَنَّ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ۔

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ۔۔۔ الآیۃ:

اِشکال: بعض اعتراض کرتے ہیں کہ: اے مسلمانو اتم کہتے ہو کہ: انجیل منسوخ ہے اور اب ہمارا دین اسلام حق اور ناسخ دین ہے اور قرآن کہتا ہے کہ: منسوخ نہیں ہے کیوں کہ قرآن پاک اِس پر فیصلہ نہ کرنے والوں کو نافرمان اور فاسق کہتا ہے۔ تو جب اِس پر فیصلہ حق ہوا تو منسوخ کیسے ہوگئی؟ کیوں کہ فیصلہ تو وہ حق ہو سکتا ہے جو منسوخ نہ ہو؟

جواب: مولانا رحمت اللہ ہندی رحمہ اللہ نے "مختصر الاستبصار" میں لکھا ہے کہ: "انجیلِ یوحنّا" میں یہ موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ: میں جاتا ہوں اور میرے جانے کے بعد ہمارا سردار آئے گا اور دُنیا کا سردار آئے گا، تو تم اُس کی باتیں مانو۔

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ۔۔۔ الآیۃ:

قرآن پہلی تمام کتابوں کا محافظ و نگران ہے کیوں کہ اگر یہ قرآن نہ ہوتا تو ہمیں انبیاء کرام علیہم السلام کا پسِ منظر معلوم نہ ہوتا کیوں کہ اُن کے حالات تو قرآن بیان کرتا ہے اور ہم کو خداوندِ کریم کی عظمت اور انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت معلوم نہ ہوتی۔

عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ مُعْرِضًا عَمَّا جَآءَكَ۔

عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ مُعْرِضًا عَنْ۔۔۔ الخ

اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ۔۔۔ الآیۃ:

پوری سزا تو قیامت میں ملے گی اور دُنیا میں تھوڑی سی ملتی ہے تاکہ اُس سزا اور یاد دیکھنے والوں کو تنبیہ ہو جائے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر یہود و نصاریٰ کی کاروائی کا ذکر تھا، آگے مؤمنین کو ہدایت ہے کہ: اُن کی بات نہ مانو اور نہ دوستانہ تعلّق رکھو کیوں کہ اگر اعتقادی طور پر دوستی کروگے تو اعتقادی اور اگر عملی طور پر دوستی کروگے تو عملی یہود و نصاریٰ ہو جاؤ گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ۔۔۔ الآیۃ:

پہلے حبطِ اعمال کا بیان تھا اور آگے اِرتداد وغیرہ کا بیان ہے۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔۔۔ الآیۃ:

اَذِلَّةٍ کے معنی ہیں: نرم۔ اَعِزَّةٍ کے معنی ہیں: غالب۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔۔۔ الآیۃ:

یہود سے دوستی نہ کرو بل کہ تمہارا ولی، دوست، ناصر، معاون و امدادی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

دُنیا میں (۴۵) حکومتیں مسلمانوں کی ہیں۔ سارے معدنیات و ذخائر اُن کے پاس ہیں اور تمام دُنیا اُن معدنیات میں مسلمانوں کی محتاج ہے۔ اگر یہ تمام حکومتیں متفق ہو جائیں تو "روس، امریکہ" اِن کا کیا کرلے گا؟!! مسلمانوں کے پاس سب کچھ ہے، نہیں تو وہ ایمان اور اعمالِ صالحہ نہیں، جو نُصرتِ الٰہی کے لیے اصل ہیں۔

وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○:

اس کی دو (۲) تفسیریں ہیں: ① وہ عاجزی کرتے ہیں۔ ② جماعت سے نماز پڑھتے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۷﴾:

ربط: پہلے رُکوع میں گذرا کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دُوستی اور مُوَالَات نہ رکھو تو اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ: کافروں کے ساتھ اگر دُوستی رکھتے ہو تو کوئی حرج نہیں۔ تو اِس رُکوع میں کفار کے ساتھ دُوستی سے بھی منع کیا گیا اور کفار، یہود و نصاریٰ کے ساتھ دُوستی سے منع کرنے کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ:

اَصل وجہ یہ ہے کہ: یہ لوگ آپ (ﷺ) سے مسخرہ کرتے ہیں اور آپ (ﷺ) کے دین کو مسخرہ پکڑتے ہیں۔ جب آپ (ﷺ) اَذان کہتے ہیں تو وہ قِسم قِسم کے مسخرے کرتے ہیں۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۹﴾:

"تفسیر کبیر، ابوسعود، مدارک" وغیرہ میں اس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① علامہ رازی رحمہ اللہ معنی کرتے ہیں: هَلْ تَنْقِمُوْنَ اَیْ هَلْ تُنْكِرُوْنَ مِنَّا۔

② علامہ آلوسی رحمہ اللہ معنی کرتے ہیں: هَلْ تَنْقِمُوْنَ اَیْ هَلْ تَعِیْبُوْنَ مِنَّا کہ تم نے ہم پر عیب نہیں لگائے مگر اس لیے کہ ہم نے ایمان لایا۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۰﴾:

تم تو ہم پر مسخرہ کرتے ہو کہ: حالتِ رُکوع اور حالتِ سجدہ میں ٹھہرے ہوئے ہو، شکل اِس حالت میں بد معلوم ہوتی ہے اور حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح میں منہ کھل جاتا ہے وغیرہ۔ اے یہودیو! مسخرے تم کرتے ہو۔ تو اے یہود بے بہود! اِن حالات میں ہم ٹیڑھے ہوئے ہوں یا منہ کھل جاتا ہو۔ لیکن شکل تو مسخ نہیں ہوتی پھر بھی ہم اِنسان اور آدمی ہیں اور تمہارے بڑے تو اِنتہائی بدشکل کے حیوان یعنی بندر اور خنزیر بن گئے تھے۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۱﴾:

یہ کفر اُن کا خزینہ عظیمہ ہے کہ کبھی بھی اُن کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ آتے ہیں تو بھی کفر پاس ہوتا ہے اور جاتے ہیں تو بھی کفر ساتھ لے جاتے ہیں۔

لَوْلَا یَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۳﴾:

ربط: عام یہود سے خاص یہود کی طرف خطاب ہے یعنی پہلے عوام کی مذمت تھی اب خواص کی مذمت ہے۔

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۴﴾:

اِس میں یہود کے ایک اور قبح کا بیان ہے۔

بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۔۔۔ الآیۃ:

قرآن میں اللہ تعالیٰ کی جتنی صفات ہیں ہم اُن پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن حقیقت ہم کو معلوم نہیں۔

وَلَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال یہ کتاب یعنی قرآن مجید تو خزینہ ہدایت ہے اور رحمت و نصیحت اور مَزِیْدٌ لِلْاِیْمَان ہے تو یہ کتاب اُن کے سرکشی اور کفر کو کس طرح بڑھائے گی؟

جواب علامہ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

باران کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست　　در باغ لالہ رُوید و در شُور بُوم خست

ترجمہ: بارش جب اَچھی جگہ پر برستی ہے تو اَچھی اَچھی چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور اگر خراب جگہ برستی ہے تو خراب اور بے کار چیزیں پیدا ہوتیں ہیں۔

جن کے نام بھی لوگ گندے رکھتے ہیں۔ پس! جیسے وہ حِسّی بارش ہے اِسی طرح یہ قرآن پاک جو سراسر ہدایت اور نور ہے، جب اہلِ اِیمان کے دِلوں اور ذہنوں پر برسے گا تو اُن کے اِیمان و طاعات کو اور بڑھائے گا اور جب کفار کے ٹیڑھے ذہنوں پر برسے گا تو اُن کی طغیانی، سرکشی اور کفر کو اور زیادہ کرے گا۔

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰىةَ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال اِس آیت سے بھی تورات کا منسوخ نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پہلے سوال کی طرح جو انجیل کے بارے میں اعتراض تھا، یہاں بھی ہے؟

جواب تورات میں نبی ﷺ کے سارے حالات موجود تھے کہ آخر میں ہمارا سردار آئے گا تم اُس کی مانو۔ جب اُنہوں نے آپ ﷺ کو نہیں مانا تو تورات کو قائم نہیں کیا۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: "تفسیر کبیر، بیان القرآن" میں یہ لکھا ہے کہ: پہلے رُکوع میں یہ بیان تھا کہ: اُکثریت یہود و نصاریٰ میں بُروں کی ہے اور عموماً اُکثریت بُروں کی ہوتی ہے اور نیک لوگ کم ہوتے ہیں اور جہاں بُرے زیادہ ہوں وہاں حق بیان کرنا مشکل ہوتا ہے۔ تو اِس رُکوع میں بیان فرماتے ہیں کہ: پہنچانا آپ (ﷺ) کا کام ہے اور اگر آپ (ﷺ) نے نہیں پہنچایا تو گویا آپ (ﷺ) نے حکم نہیں مانا۔ پوری تفصیل تفسیر عثمانی: ص ر ۱۵۳، ف ر ۷ میں ہے۔

شیعوں کا سنّیوں پر اِلزام: شیعہ کہتے ہیں کہ: بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ اَیۡ مِنۡ خِلَافَةِ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ کا جملہ سنّیوں نے حذف کیا ہے اور روایات کثرت سے پیش کرتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے سب کی تحقیق کی ہے کہ: اِن روایات کے تمام راوی رافضی ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَ الصّٰبِـُٔوۡنَ ۔۔۔ الآیۃ:

اِشکال: پہلے اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۔۔۔ الآیۃ اِنَّ کا اسم اور وَالصّٰبِـُٔوۡنَ اسمِ اِنَّ پر عطف ہے اِس لیے یہ منصوب ہونا چاہیے تھا تو یہاں مرفوع کیوں ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا یہ بھی مبتدا ہے اور وَ الصّٰبِـُٔوۡنَ بھی مبتدا ہے اور وَ النَّصٰرٰی بھی مبتدا ہے اور مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ خبر ہے۔ یہ سارے مبتدا، خبر مل کر عطف ہیں اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا پر، براہِ راست اِنَّ کا اسم نہیں ہے۔

② وَالصّٰبِـُٔوۡنَ، اٰمَنُوۡا کے لفظ پر عطف نہیں ہے بل کہ محل پر عطف ہے۔

وَ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهِمۡ رُسُلًا ۔۔۔ الآیۃ:

حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار (۴۰۰۰) انبیاء کرام علیہم السلام بنی اسرائیل میں آئے۔

لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں سے فرقہ یَعۡقُوۡبِیَّة کا رد ہے۔

لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں سے فرقہ مَلۡکَائِیَة / مَلۡکَانِیَة کا رد ہے۔

مَا الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس آیت سے اُن تمام فرقوں کو جواب دیتے ہیں کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں مگر رسول۔ وہ نہ خدا تھے اور نہ ثَالِثُ ثَلٰثَة تھے وہ صرف اور صرف اللہ کے رسول تھے۔

كَانَا یَاۡكُلٰنِ الطَّعَامَ ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر کبیر، البحر المحیط" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: جو شخص کھانے، پینے کا محتاج ہے، وہ تقریباً دُنیا کی ہر چیز کا محتاج ہے۔ زمین، ہوا، پانی، سورج، حیوانات اور چاند وغیرہ سب کا حتّٰی کہ کسی بھی چیز کا اُس سے اِستثناء نہیں اور اِن چیزوں کا محتاج رب نہیں ہو سکتا۔ تو ہم اِس طرح اِستدلال کرتے ہیں کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام اَکل وَشُرب کی ضروریات سے مستغنی نہ تھے، جو مشاہدہ اور تواتر سے ثابت ہے۔ پس! جو اَکل وَشُرب سے مستغنی نہ ہو وہ دُنیا کی کسی

چیز سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ پھر تم ہی کہو کہ: جو ذات تمام اِنسانوں کی طرح اپنی بقاء میں عالمِ اسباب سے مستغنی نہ ہو وہ خدا کیوں کر بن سکتی ہے؟
یعنی کھانا کھانا اُلوہیت کے منافی ہے، اگرچہ نہ کھانا اُلوہیت کی دلیل نہیں۔

ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ٥:

لفظِ یُؤْفَکُوْن کا مادّہ اگر اِفْكٌ ہو تو معنی ہوگا: جھوٹ۔ اگر مادّہ اَفْكٌ ہو تو معنی ہوگا: پھیرنا۔ یہاں یُؤْفِكُوْنَ کا مادّہ اَفْكٌ ہے۔

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ۔۔۔ الآیۃ ۷۸:

ربط: اُوپر یہود اور نصاریٰ کے راستہ کا ذکر تھا کہ: اُن لوگوں کا راستہ غلط ہے، آگے اُن پر لعنت کا ذکر ہے۔

كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ۔۔۔ الآیۃ ۷۹:

لفظِ یَتَنَاهَوْنَ بابِ تَفَاعُل سے ہے۔ لازمی بھی آتا ہے اور متعدی بھی آتا ہے۔ اگر لازمی ہو تو معنی یہ ہوگا کہ: بُرائی سے باز نہیں آتے تھے۔
اگر متعدی ہو تو معنی یہ ہوگا کہ: ایک دوسرے کو بُرائی سے منع نہیں کرتے تھے۔

وَلَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِیِّ۔۔۔ الآیۃ ۸۱:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اپنے دَور کے نبی پر ایمان لانا مُراد ہے۔

② "تفسیر دُرِّ منثور، معالم التنزیل" وغیرہ میں لکھا ہے: نبی سے مُراد ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اُن سے مُراد منافقین ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى۔۔۔ الآیۃ ۸۲:

یہ نَصٰرٰی مطلق نہیں بل کہ اِس سے مُراد وہ نصاریٰ ہیں جو آگے آنے والی صفات پر ہوں۔ یہ ستّر (۷۰) آدمی تھے جو حبشہ سے آئے تھے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ۔۔۔ الآیۃ ۸۷:

ربط: "سبق الغایات فی نسق الآیات اور بیان القرآن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اُوپر رُهْبَان کا لفظ تھا، یہ رَاهِب کی جمع ہے۔ عیسائیوں میں بعض لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنے آپ پر بعض چیزیں حرام کی تھیں یعنی از خود حرام کی تھیں، تو اُوپر رُهْبَان کا لفظ تھا۔ آگے اِس بات کا بیان ہے کہ: تم اُن کے نقشِ قدم پر نہ چلو اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام مت کرو کیوں کہ تَحْرِیْم وتَحْلِیْل صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ۔۔۔ الآیۃ ۸۹:

ربط: بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ: اشیاء فِیْ نَفْسِہٖ حلال ہوتی ہیں لیکن کوئی شخص جذبہ میں آکر قسم کھاتا ہے کہ فلاں چیز نہ کھاؤں گا وغیرہ اور وہ چیز اپنے آپ پر حرام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کا حکم بیان فرماتے ہیں۔

بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں سے قَسم کی پہلی قِسم یَمِیْنِ لَغْو کا حکم بتایا ہے۔

یَمِیْنِ لَغْو کا حکم: بے ساختہ زبان سے قَسم نکل جائے یا ماضی کے کسی کام پر اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہوئے قَسم کھالی جائے۔ اِس کا حکم یہ ہے کہ: اِس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ ہے۔

بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں سے قَسم کی باقی دو (۲) قِسموں کا حکم بتاتے ہیں۔

یَمِیْنِ غَمُوْس کا حکم: ماضی کے کسی کام پر جھوٹی قَسم کھانا۔ اِس کا حکم یہ ہے کہ: کفارہ لازم نہیں ہے البتہ گناہ گار ہوگا۔

یَمِیْنِ مُنْعَقِدَہ کا حکم: آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم اُٹھانا۔ پھر بعد میں وہ کام نہیں کیا یا کرلیا تو اِس کا حکم یہ ہے کہ: قسم کا کفارہ ادا کیا جائے گا۔

فَكَفَّارَتُهٗ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ فَکَفَّارَۃُ حِنْثِ الْیَمِیْنِ یا اَیْ فَکَفَّارَۃُ نَقْضِ الْیَمِیْنِ۔

إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: مسکین وہ شخص ہے جو نصاب کا مالک نہ ہو اور فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس ایک دن کی خوراک بھی نہ ہو۔

نصاب کی مقدار: کسی شخص کے گھر میں ضرورت سے زائد چیزیں ہوں۔ اگر اُن چیزوں کی قیمت ساڑھے باوَن (۵۲.۵) تولہ چاندی کی قیمت تک پہنچ جائے اور اُس شخص پر قرض نہ ہو تو وہ مالک نصاب ہے۔ اُس پر قربانی بھی ہے، فطرانہ بھی اور زکوٰۃ بھی لازم ہے۔

کفارہ دینے کے لیے شرائط: کفارہ جس مسکین یا فقیر کو دیا جا رہا ہے اُس کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

① وہ مسکین مسلمان ہو، غیر مسلم نہ ہو۔

② سادات میں سے نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی اَولاد سادات ہیں، اِن حضرات کی اَولاد کو "کفارات، نظر اور واجب صدقات" وغیرہ کی رقم نہیں دی جا سکتی اور نہ ہی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

③ اُصول بھی نہ ہو اور فروع بھی نہ ہو۔

مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کفارہ میں دو (۲) وقت کا کھانا کھلانا ہے یعنی صبح و شام کے وقت۔

اگر گندم وغیرہ کفارے میں اَدا کی جائے تو پونے دو سیر گندم فی کس دی جائے یا اُس کی مالیت دی جائے۔ لیکن ایک مسکین کو دینا جائز نہیں۔ اگر ایک ہی مسکین کو سارا دے دیں گے تو ایک دن کا کفارہ شمار ہوگا۔ اگر ایک مسکین کو دینا چاہتے ہیں تو دس (۱۰) دن میں دیں۔

اَوْ كِسْوَتُهُمْ۔۔۔ الآیۃ:

اِسی طرح کفارے میں اگر مسکین کو لباس دینا ہو تو ایسا لباس ہو جس میں نماز جائز ہوتی ہے یعنی **بِقَدْرِ مَا يَجُوْزُ فِيْهِ الصَّلٰوةُ** لباس دینا ہوگا۔ جوتے اِس میں شامل نہیں ہیں۔

اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ۔۔۔ الآیۃ:

غلام کا آزاد کرنا۔ جس غلام کو کفارہ میں آزاد کیا جا رہا ہے اُس کے متعلق اِمام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: **رَقَبَة مُطْلَقَة** ہے اور اِمام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: **رَقَبَة مُؤْمِنَة** کی قید ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ۔۔۔ الآیۃ:

اِن تینوں میں اگر کسی چیز پر قادر ہو تو رُوزے رکھنا صحیح نہیں ہے۔ جو شخص مذکورہ تینوں چیزوں میں سے کسی پر بھی قادر نہ ہو تو وہ رُوزے رکھ سکتا ہے۔

اِمام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: تین (۳) روزے پے در پے رکھے جائیں گے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت میں بھی **فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ** پے در پے روزے رکھنے کا ذکر ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: اگر بوجہ عَدَمِ قُدْرَتْ عَلَى الْكَفَّارَاتِ الثَّلَاثَة اُس نے روزے رکھنے شروع کیے اور دو (۲) دن روزے رکھے اور ایک روزہ ذمہ پر تھا اور اسی دوران وہ اِن کفارات پر قادر ہو گیا تو اُس کے یہ دو (۲) روزے باطل ہو گئے یعنی کفارہ میں سے نہ ہوئے اور اگر تین (۳) دن پورے رکھے اور اُس کے بعد قادر ہو گیا تو وہ روزے کفارہ میں سے ہیں۔

وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ۔۔۔الآية:

اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① اکثر حضرات "قسموں کو محفوظ رکھنے کا" یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ: اگر اُس قسم پر قائم رہنا جائز ہے یعنی کسی جائز کام کی تم نے قسم کھائی ہے تو اُس قسم کو مت توڑو۔

② علامہ آلوسی رحمہ اللہ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ: قسموں کو محفوظ رکھو یعنی حانث ہونے کے بعد قسموں کا کفارہ دو یہ بھی قسموں کی حفاظت ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ۔۔۔الآية ﴿۹۰﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ حلال چیزیں از خود حرام نہ کرو۔ آگے فرماتے ہیں کہ: یہ چیزیں حرام ہیں، اِن کی تحلیل نہ کرو۔

سوال فَاجْتَنِبُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر مفرد کیوں ذکر کی؟

جواب اِس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① فَاجْتَنِبُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر رِجْس کی طرف راجع ہے۔ اَیْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ۔

② فَاجْتَنِبُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر مَذْكُوْر کی طرف راجع ہے۔ وہ مَذْكُوْر "خَمْر، مَيْسِر، اَنْصَاب اور اَزْلَام" وغیرہ ہیں۔

وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ۔۔۔الآية ﴿۹۱﴾:

سوال فِي الْخَمْرِ میں فِيْ کون سا ہے؟

جواب فِيْ تعلیلیہ ہے۔ اَیْ لِاَجْلِ الْخَمْرِ یعنی تمہارے اندر شراب کی وجہ سے عداوت ڈال دے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا۔۔۔الآية ﴿۹۲﴾:

اَیْ وَاحْذَرُوا الْمُخَالِفَتَهُمَا اَیْ مُخَالِفَةَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ بِالْمَعَاصِی یَا وَاحْذَرُوْا عِقَابَ اللّٰهِ۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا۔۔۔الآية ﴿۹۳﴾:

ربط: اُوپر شراب کی حرمت کا ذکر تھا، آگے یہ بیان فرماتے ہیں کہ: ماقبل میں شراب کی حرمت کے حکم کی وجہ سے بعض لوگوں کو مغالطہ ہوا کہ: اِس حکمِ ممانعت سے پہلے جنہوں نے شراب پی تھی اُن کا کیا ہوگا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اِذَا مَا اتَّقَوْا۔۔۔الآية:

اِتَّقَوْا اَیْ اَلْمُحَرَّمَاتِ۔

وَاٰمَنُوْا۔۔۔الآية:

اَیْ دَاوَمُوْا عَلَى الْاِيْمَانِ۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ۔۔۔الآية ﴿۹۴﴾:

ربط: اُوپر شراب وغیرہ کا ذکر تھا جو اَبدی طور پر حرام کیے گئے ہیں، آگے عارضی طور پر حرام چیزیں بیان فرماتے ہیں: جیسے شکار فِیْ حَالَةِ الْاِحْرَام تو جس طرح اَبدی حرام چیزوں سے بچنا اور اِجتناب کرنا چاہیے۔ اِسی طرح عارضی طور پر حرام کردہ چیزوں سے بھی بچنا چاہیے۔

وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال اِس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ: قتلِ عمد میں تو جزاء ہے اور قتلِ خطاء میں کچھ بھی لازم نہیں اور حال آں کہ قتلِ خطاء میں بھی جزاء ہے؟

جواب جمہور کہتے ہیں کہ: قتلِ عمد میں فعل کا کفارہ اور خطاء میں محل کا بدلہ ہے۔ لیکن عمد میں اللہ تعالیٰ اُس سے اِنتقام لے گا اور خطاء میں اُس سے اِنتقامی سزا اُٹھالے گا تو یہ قیدِ اِتفاقی ہے۔

سوال یہاں جزاء مثل سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِمام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک مثل سے مثلِ معنوی یعنی قیمت مُراد ہے جو جانور مارا ہے اُس کی قیمت دے اور اِمام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مثلِ صوری مُراد ہے۔ مثلاً: شتر مُرغ پر اُونٹ، کبوتر پر بکری یہ مشابہ ہیں کیوں کہ یہ "ھَب" میں مشابہ ہیں یعنی پانی میں مُنہ ڈبو کر پانی پیتے ہیں۔ اور جہاں مثل نہ ہو تو قیمت دینی چاہیے۔ تو احناف کہتے ہیں کہ: جہاں مثل نہ ہو تو جب اُس میں قیمت دی جائے گی تو جہاں مثل ہو وہاں بھی قیمت لازم کر دو یعنی ہر صورت میں قیمت دینی پڑے گی اور یہ قیمت ذَوَا عَدْلٍ لگائیں گے۔

هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ هَدْيًا منصوب ہے بنا بر حال اَز جزاء اور بٰلِغَ اُس کی صفت ہے۔

اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

کفارہ نصف صاع ہے یا ہر نصف صاع کے بدلے ایک رُوزہ رکھو۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کفارہ دے کر آخر میں ربع صاع رہ گیا اُس کا آدھا روزہ رکھ لیں بل کہ اُس کا بھی پورا روزہ رکھنا ہوگا۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: ماقبل میں ذکر تھا کہ: مُحرم کے لیے خشکی کا شکار حرام ہے، اب یہاں سے یہ بیان فرماتے ہیں کہ: مُحرم کے لیے سمندری شکار حلال ہے۔

وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۔۔۔ الآیۃ:

کبھی کبھی سمندر میں مدوجزر کے دَوران مچھلی خود اُوپر آتی ہے تو وہ طَعَام ہے اور اگر آپ خود شکار کریں تو وہ صَيْدُ الْبَحْرِ ہے۔

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۔۔۔ الآیۃ:

اِس سے مُراد یہ ہے کہ: مُحرم شکاری جانور وغیرہ ذبح یا شکار نہیں کر سکتا۔ البتہ گھریلو جانور مثلاً گائے، بکری، اُونٹ وغیرہ ذبح کر سکتا ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ۔۔۔ الآیۃ ❶ میں کعبہ کا ذکر تھا۔ اب کعبہ کی حُرمت وعزت بیان فرماتے ہیں۔

ترکیب: لفظِ كَعْبَة مبدل منہ ہے اَلْبَيْتَ الْحَرَامَ بدل ہے۔ یہ مبدل منہ اور بدل مل کر مفعولِ اوّل ہے جَعَلَ فعل کا اور لفظِ قِيٰمًا مفعولِ ثانی ہے۔

سوال قِيٰمًا لِّلنَّاس سے کیا مُراد ہے؟

جواب "تفسیر کبیر، قرطبی، روح المعانی، کمالین" وغیرہ میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① تمام لوگ جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو کعبہ کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ اِس لیے فرمایا کہ: یہ کعبہ لوگوں کے لیے قیام کا ذریعہ ہے۔

② جب تک کعبہ ہے دُنیا قائم ہے جب کعبہ ختم ہو جائے گا دُنیا بھی ختم ہو جائے گی۔

دلیل: "بخاری شریف" کی حدیث میں ہے کہ: ایک کالے رنگ کا حبشی (جسے ذُوالسُّوَيْقَتَيْنِ کے لقب سے ذکر فرمایا ہے) کعبہ کی عمارت کا ایک ایک پتھر اُکھیڑ کر ڈال دے گا۔❷

---

❶ (سُورَۃُ المَائِدَۃ ۹۵) ❷ (صحیح البخاری، کتاب المناسک، باب قول اللہ تعالیٰ جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس، ج ۱، ص ۲۱۶، طبع یادگار شیخ، کراچی)

پس! جب تک خداوند تعالیٰ کو اِس دُنیا کا نظام قائم رکھنا منظور ہے کوئی طاقتور سے طاقتور قوم جس کا مقصد کعبہ کو مُنہدم کرنا ہو۔ اپنے اِس ناپاک اِرادہ میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اُس شخص کے پاؤں ٹیڑھے ہوں گے اور اُسی وقت حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے۔ تو اِس طریقہ سے یہ کعبہ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ہے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ۔۔۔ الآية ﴿۱۰۰﴾:

اُوپر ابدی اور عارضی محرمات کا ذکر تھا اور آگے فرق بیان فرماتے ہیں کہ: حلال وحرام برابر نہیں ہوسکتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔۔۔ الآية ﴿۱۰۱﴾:

ربط: اُوپر اُن چیزوں کا ذکر تھا جو حسی طور پر حرام تھیں یعنی محسوسات تھیں۔ اب وہ چیزیں بیان فرماتے ہیں: جو معنوی طور پر حرام ہیں۔ مثلاً: بے جا سوال کرنا۔

"تفسیر روح المعانی، مظہری، خازن، تفسیر قرطبی" وغیرہ میں شانِ نزول کے متعلق چند واقعات لکھے ہیں:

① "بخاری شریف" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے پوچھا کہ: میرا والد کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: فلاں شخص ہے۔ اِس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ❶

② "بخاری شریف" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: بعض لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے مقصد سوال کرتے تھے۔ پس! ایک آدمی نے کہا: میرا باپ کون ہے؟ دوسرے آدمی نے کہا کہ: میری اُونٹنی گم ہوگئی ہے وہ اِس وقت کہاں ہے؟ اُن لوگوں کے بے جا سوالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ ❷

③ اِسی طرح ایک شخص نے سوال کیا: مَا فِيْ بَطْنِ نَاقَتِيْ؟ تو اِس کے جواب میں سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ جو ان صحابی تھے اُنہوں نے کہا: میں بتاتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مت پوچھو۔ نَزَوْتَ عَلَيْهَا تو نے اُونٹنی کے ساتھ بدکاری کی ہے اور اِس کے پیٹ میں تیرا نطفہ ہے۔ ❸

اہلِ بدعت کا غلط اِستدلال: بریلوی حضرات نے اِس آیت سے اِستدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اے وہابیو! تم کہتے ہو کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مَا فِي الْاَرْحَامِ کا علم نہیں۔ یہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم بتلا رہا ہے؟ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم کو مَا فِي الْاَرْحَامِ کا علم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطریق اَولیٰ علم ہوگا۔

جواب اُن صحابی رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا تھا وہ درحقیقت جواب نہیں تھا بل کہ ناراضگی تھی۔ مثلاً: آپ حضرات مجھ سے پوچھیں آپ نے رات کو کیا کھایا؟ مَیں جواب میں کہوں تمہارا سر کھایا۔ تو یہ حقیقتاً جواب نہیں بل کہ ناراضگی ہے۔ لہٰذا اِس سے یہ اِستدلال کرنا باطل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مَا فِي الْاَرْحَامِ کا علم ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ۔۔۔ الآية ﴿۱۰۳﴾:

یہاں سے تحریماتِ خود ساختہ کا بیان ہے۔

بَحِيْرَة کے معنیٰ: "بخاری شریف" کتاب التفسیر میں رئیس التابعین سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے یہ تفسیر منقول ہے کہ: بَحِيْرَة وہ جانور جس کا دُودھ غیر اللہ کی نذر کیا گیا ہو۔ ❹

اُس زمانہ میں لات، منات کے نام پر نذر کرتے تھے اور اِس زمانہ میں پیر بابا صاحب، کاکا صاحب وغیرہ کے ناموں پر نذر کرتے ہیں، یہ سب برابر ہیں یعنی اُن کے ناموں پر وقف کیا گیا ہو۔

سَآئِبَة کے معنیٰ: وہ جانور جو غیرُ اللہ کے نام پر وقف کیا جائے ❺ جیسے: یہاں جو گلیوں، کوچوں، سڑکوں میں چلتے پھیرتے ہیں۔ (میں نے اپنے آنکھوں سے بہت دیکھے۔ فضل وہاب)

---

❶ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ لا تسئلوا عن اشیاء، ج ۲، ص ۶۶۵ طبع یادگار شیخ، کراچی) ❷ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ لا تسئلوا عن اشیاء، ج ۲، ص ۶۶۵ طبع یادگار شیخ، کراچی)

❸ (مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفة الصحابة رضی اللہ عنہم، ذکر مناقب سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ، ج ۳، ص ۴۷۲ طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت) ❹ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ ما جعل اللہ من بحیرة، ج ۲، ص ۶۶۵ طبع قدیمی، کراچی)

❺ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ ما جعل اللہ من بحیرة، ج ۲، ص ۶۶۵ طبع یادگار شیخ، کراچی)

وَصِيْلَة کے معنی: وہ مادّہ جانور جس کا ایک مادّہ جانور پیدا ہو گیا اور دوسری مرتبہ بھی مادّہ بچہ پیدا ہوتا تو مشرکین اُس مادّہ کو غیرُ اللہ کے نام پر چھوڑ دیتے تھے[1]

تو وَصِيْلَة کا مطلب یہ ہوا کہ: وہ مادّہ جانور جو مسلسل مادّہ بچہ جنے اور درمیان میں مذکر بچہ نہ آئے۔

حَام کے معنی: اُس مذکر جانور کو کہتے ہیں جو دس (۱۰) مرتبہ تک مادّہ سے جفتی کر چکا ہو، تو وہ کہتے تھے کہ: اِس نے اپنا کام پورا کیا وہ اُس پر سوار بھی نہ ہوتے اور اُس کو غیرُ اللہ کے ناموں پر چھوڑتے[2]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۱۰۵):

ربط: اُوپر حلال اور حرام کی باتیں بیان ہوئیں اور آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے مؤمنو! اپنی جانیں بچاؤ۔

عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ کا مطلب: یعنی ہدایت کی راہ سے نہ ہٹو۔ اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ بھی ہدایت کا ایک جز ہے۔

"ابوداوٗد" کی حدیث ہے کہ: اِئْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰى اِذَا رَاَيْتُمْ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً وَاِعْجَابَ كُلِّ ذِيْ رَاْيٍ بِرَاْيِهٖ فَعَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ[3]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۱۰۶):

ربط: اُوپر آخرت کا ذکر تھا، اب یہ فرماتے ہیں: دُنیاوی باتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع رہو۔

واقعہ: تین (۳) ساتھی تھے۔ بدیل ابن ورقاء رضی اللہ عنہ یہ مسلمان تھے، اِن کے دو (۲) ساتھی غیر مسلم تھے۔ تمیم داری اور عدی ابن بداء یہ بعد میں مسلمان ہوئے۔ یہ تینوں راستے میں جارہے تھے۔ بدیل ابن ورقاء رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔ زندگی سے مایوسی ہوئی کیوں کہ مَرض شدید تھا۔ تو اُنہوں نے اپنا مال واَسباب جمع کیا اور اُس کی فہرست تیار کی اور اُن کو وصیت کی کہ: یہ مال میرے اِہلِ خانہ اور رشتہ داروں کو پہنچاؤ، اُنہوں نے مال پہنچایا، رشتہ داروں نے فہرست دیکھی اُس میں لکھا تھا کہ: اِس میں ایک پیالہ ہے جَامًا مِنْ فِضَّةٍ مُخَوَّصًا بِالذَّهَبِ۔ اُن سے پوچھا کہ: اِس مال میں ایک پیالہ کہاں ہے؟ اُنہوں نے اِنکار کیا کہ: اِس میں تو پیالہ نہیں تھا۔ مقدمہ چلا، کچھ زمانہ بعد وہ پیالہ کسی کے پاس دیکھا۔ اُن سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ: اُن ساتھیوں نے فروخت کیا ہے۔ اُن سے پوچھا گیا کہ: یہ پیالہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ اُنہوں نے کہا: یہ پیالہ اُس نے ہمیں دیا تھا۔ مفصل واقعہ تفاسیر میں دیکھ لیں۔

تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ ۔۔۔ الآیۃ:

اَيْ مِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعَصْرِ۔

مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ ۔۔۔ الآیۃ (۱۰۷):

سوال لفظِ اِسْتَحَقَّ کا فاعل کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اِس کا فاعل اَلْوَصِيَّة ہے یعنی وصیت جن کے خلاف پڑی ہے۔

② صاحبِ کشاف نے دو (۲) باتیں کہی ہیں:

① اِسْتَحَقَّ الْاِيْصَاءُ عَلَيْهِمْ یعنی وہ لوگ جن کے خلاف وصیت پڑی ہے وہ لوگ میّت کے وارث ہیں، اُن لوگوں کو چیز ملنی تھی مگر مل نہ سکی۔

② اِسْتَحَقَّ کی ضمیر اِثْمًا کی طرف راجع ہے۔

عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ:

اَوْلَيٰنِ اَيْ اَقْرَبَانِ اِلَى الْمَيِّتِ۔

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ ما جعل اللہ من بحیرۃ، ج ۲، ص ۶۶۵، طبع یادگار شیخ، کراچی)　[2] (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ ما جعل اللہ من بحیرۃ، ج ۲، ص ۶۶۵، طبع یادگار شیخ، کراچی)

[3] (سنن ابی داوٗد بتغیر الالفاظ، کتاب الملاحم، باب الامر والنهی، ج ۲، ص ۲۴۸، طبع حسن، لاہور)

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ ـــ الآیۃ ﴿۱۰۸﴾:

یہ طریقہ جو بتایا ہے کہ: وارثوں کو قسم کا حق حاصل ہے قریب ہے کہ اَصل آدمی گواہی لائے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ـــ الآیۃ ﴿۱۰۹﴾:

ربط: اَبھی گذرا کہ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا یعنی تم سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اِسی مناسبت سے اب قیامت کا ذکر ہے۔

فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ـــ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اگر یہ سوال پیغمبروں سے ہو تو مطلب ہوگا کہ: مَاذَآ اُجِبْتُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ۔ اے پیغمبرو! تمہیں کیا جواب دیا گیا؟

② اگر یہ سوال انبیاء کرام علیہم السلام کی اُمتوں سے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ: مَاذَآ اُجِبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا؟

قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ـــ الآیۃ:

"ابوسعود، مدارک، سراج المنیر، بیضاوی، روح المعانی" وغیرہ تفسیروں میں اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① حضرت حسن بصری رحمہ اللہ وغیرہ حضرات سے منقول ہے کہ: قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کو ذھول ہو جائے گا اور وہ حضرات کہیں گے: لَا عِلْمَ لَنَا ہمیں کوئی علم نہیں۔

جواب اِمام رازی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ، علامہ اندلسی رحمہ اللہ اور دیگر حضرات نے اِس تفسیر کو رد کیا ہے کیوں کہ قرآن میں آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوں گے لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ ـــ الآیۃ ❶ اُن کو وہ سخت گھبراہٹ پریشان نہیں کرے گی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نیک بندوں کے بارے میں فرما رہے ہیں: اُن کو وہ سخت گھبراہٹ پریشان نہیں کرے گی تو انبیاء کرام علیہم السلام پر ایسی ہیبت کیسے طاری ہو سکتی ہے کہ سب کچھ ذھول ہو جائے؟

② حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: لَا عِلْمَ لَنَا کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تیرا علم کامل و محیط اور تفصیلی ہے اُس کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں۔

③ حضرت ابن جریج رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ: پیغمبروں سے اُمتوں کے بارے میں جب سوال ہوگا تو پیغمبر کہیں گے کہ: اے پروردگار! سارے اُمتی تو ہمارے پاس نہیں تھے۔ بعض اُمتی تو ہماری زندگی میں ہم سے دُور تھے، بعض ہمارے بعد آئے۔ ہمیں کیا معلوم دُور والے اُمتیوں نے کیا کیا؟ اور بعد میں آنے والے اُمتیوں نے کیا کیا؟

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ـــ الآیۃ ﴿۱۱۰﴾:

اَگلے رکوع میں اَصل مقصد یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوال کا ذکر آئے گا، یہاں سے تمہید ہے۔

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا ـــ الآیۃ:

اِشکال: تیسرے پارے میں فَاَنْفُخُ فِيْهِ ـــ الآیۃ ❷ مذکر کی ضمیر ہے اور یہاں فِيْهَا مونث کی ضمیر ہے ایک جگہ مذکر اور دوسری جگہ مونث کی ضمیر ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: صاحبِ کشاف فرماتے ہیں: "هَا" ضمیر كَهَيْـَٔةِ میں جو "ك" ہے اُس کی طرف راجع ہے جو کہ مِثل کے معنی میں ہے۔ اِس لفظِ مِثل نے هَيْـَٔةِ مضاف الیہ سے اِکتساب تانیث کیا ہے۔ اور چوں کہ یہ اِکتساب واجب نہیں صرف جواز کے درجے میں ہوتا ہے۔ اِس لیے تیسرے پارے میں فِيْهِ مذکر کی ضمیر ہے کیوں کہ وہاں اِکتساب تانیث نہیں ہے۔ یہاں پر چوں کہ اِکتساب تانیث ہے اس لیے فِيْهَا مونث کی ضمیر لائے۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات کو کافروں نے سحر جانا۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاء ۱۰۳) ❷ (سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰن ۴۹)

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۱﴾:

سوال اَوْحَیْتُ کا کیا معنی ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① وَحْیُ اِلْھَامٍ ہم نے اُن کو اِلْھَام کے ذریعے وحی کی۔ ② وَحْیُ مَنَامٍ سوتے ہوئے ہم نے اُن کو یہ بات القاء کی۔

هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۲﴾:

یعنی یہ تعبیر کرنا اچھا نہیں کیوں کہ اِس سے اللہ تعالیٰ کی شان میں بے اَدبی ہے۔ سوال اِس طرح کرنا چاہیے تھا کہ: کیا ہماری طاقت ہے کہ ہم کھائیں؟

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۴﴾:

رَبَّنَا اَیْ یَارَبَّنَا۔

تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا ۔۔۔ الآیۃ:

ہمارے اَگلے پچھلے لوگوں کے حق میں عید ہو جائے کہ ہمیشہ ہماری قوم اِس دن کو بطورِ یادگار منایا کرے۔ پچھلوں کے لیے اِس طرح عید کہ وہ فخر کے طور پر کہیں گے کہ: ہمارے بڑوں نے یہ کیا یہ کیا اور اُن کو یہ ملا وغیرہ۔

سوال پہلوں اور پچھلوں سے کون لوگ مُراد ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "کبیر، روح المعانی، قرطبی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: پہلوں سے مُراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دَور کے لوگ ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ نے مَنّ و سَلْوٰی اُتارا تھا۔ اور پچھلوں سے مُراد اُس وقت کے لوگ ہیں جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دُعا مانگ رہے تھے۔

② پہلوں سے مُراد اُس وقت کے لوگ ہیں جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دُعا مانگ رہے تھے۔ اور پچھلوں سے مُراد قیامت تک آنے والے لوگ ہیں۔

فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾:

سوال اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسی سزا دوں گا کہ اُس جیسی سزا عَالَمِیْن میں سے کسی کو نہیں دی حال آں کہ ایسی سزا تو پہلے بھی ہو چکی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِیْرَ ۔۔۔ الآیۃ ❶؟

جواب عَالَمِیْن سے مُراد عَالَمِیِ زَمَانِھِمْ ہیں یعنی اِس وقت میں کسی کو ایسی سزا نہیں دی جائے گی۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۶﴾:

ربط: پہلے رکوع میں تمہید تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا، اب اَصل مقصود کی طرف آتے ہیں۔

لفظِ قَالَ ماضی کا صیغہ ہے، یَقُوْلُ مضارع کے معنی میں ہے، تحقُّقِ وقوع کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے۔ اَیْ اِذْ یَقُوْلُ اللّٰهُ فِیْ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔

وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ۔۔۔ الآیۃ:

اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ ذات مُراد لیتے ہیں اور بعض معلومات مُراد لیتے ہیں۔

اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۸﴾:

اگر اللہ تعالیٰ اہلِ سَمٰوٰت اور اہلِ اَرْض کو سزا دینا چاہے تو دے سکتا ہے، پر دیتا نہیں۔ کرنا اور چیز ہے اور کر سکنا اور چیز ہے، کر سکتا ہے مگر کرتا نہیں۔

تین (۳) اِختلافی مسائل: یہاں تین (۳) مسئلے ایسے ہیں کہ جس میں اہلِ حق کا اہلِ باطل سے اختلاف ہے:

① اِمْکَانِ کِذْب۔ ② خُلْفِ وَعِیْد۔ ③ اِمْکَانِ نَظِیْر۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ، ۶۰)

① **اِمکانِ کِذب**: اِس کا مطلب یہ ہے کہ: آیا خداوند تعالیٰ باطل جملہ یعنی خلافِ واقعہ جملہ کہنے پر قادر ہے کہ نہیں؟ اِہلِ حق کہتے ہیں کہ: قادر ہے، لیکن کہتا نہیں۔ یعنی کہہ سکتا ہے لیکن کہتا نہیں، کہا بھی نہیں اور کہے گا بھی نہیں۔ ایک کرسکتا ہے اور ایک کرنا ہے، کرنا اور چیز ہے کرسکنا اور چیز ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کرسکتا ہے لیکن کرتا نہیں۔

② **خُلفِ وَعِید**: اِس کا مطلب یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف کرسکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً: اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ابولہب کو جہنم میں داخل کروں گا۔ تو اہلِ حق کہتے ہیں کہ: اِس کے خلاف کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے لیکن کرتا نہیں۔

③ **اِمکانِ نَظِیر**: اِس کا مطلب یہ ہے کہ: آیا اللہ تعالیٰ کسی شخص کے مثل ونظیر پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟ مثلاً: آنحضرت ﷺ جیسی شخصیت اللہ تعالیٰ نے نہیں پیدا کی۔ تو آیا اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے مثل اور نظیر پیدا کرنے پر قادر ہے کہ نہیں؟ اِہلِ حق کہتے ہیں کہ: قادر ہے یعنی کرسکتا ہے اور اِہلِ باطل یعنی خوارج، معتزلہ، روافض، بریلوی کہتے ہیں کہ قادر نہیں یعنی اِن سب کاموں پر قادر نہیں۔

اٰیَاتُھَا (۱۶۵) (۶) سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّۃٌ (۵۵) رُکُوْعَاتُھَا (۲۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

ربط: ربط کے متعلق دو (۲) باتیں ہیں:

① یہ پہلے جو سورتیں ہیں اُن میں زیادہ طور پر تردید ہے اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کی، اِس سورۃ میں مجوس، صابئین، مشرکین وغیرہ کا رد ہے۔

تو مناسبت ظاہر ہے کہ: اِس سورۃ میں اور ماقبل سورتوں میں فرقِ باطلہ کی تردید مقصود ہے۔

② ماقبل سورۃ توحید پر ختم ہوئی اِس سورۃ کا آغاز توحید سے ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْاَنْعَام ہے کیوں کہ آگے اِس سورۃ میں جانوروں کے متعلق آئے گا کہ آٹھ (۸) قسم کے جانور ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۔۔۔ الآیۃ ①:

اِمام رازی رحمہ اللہ اور علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس سورۃ میں سنویہ یعنی مجوسی فرقے کا رد ہے۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ: اِلٰہ دو (۲) ہیں:

① ایک کا نام یَزْدَان جو مالکِ خیر ہے۔ ② دوسرے کا نام اَھْرَمَن جو مالکِ شر ہے۔

ایک خالقِ نُوْر اور دوسرا خالقِ ظُلْمَت ہے۔ تو اِس سورۃ میں اللہ تعالیٰ اُن کی تردید کے لیے فرماتے ہیں کہ: مالکِ خیر وشر اور خالقِ نُوْر وظُلْمَت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ④:

سوال اٰیَةٍ سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اٰیَة سے حسی معجزہ مُراد ہے۔ جیسے: شقِ قمر، معراج وغیرہ۔ ② اٰیَة سے معنوی معجزہ مُراد ہے۔ جیسے: قرآن مجید کی آیتیں وغیرہ۔

فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا ۔۔۔ الآیۃ ⑤:

لفظِ اَنْۢبٰٓؤُا، نَبَاٌ کی جمع ہے۔ اِس کے لفظی معنی ہیں: "خبر" اور لازمی معنی ہیں: "حقیقت یا اَنجام"۔

اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ ۔۔۔ الآیۃ ⑥:

ربط: پہلے اِنعامات کا ذکر تھا یعنی ترغیب تھی، اب یہاں سے ترہیب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم نے کتنے قُرُوْن کو ہلاک کیا ہے؟!! تو تم کو ہلاک کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے یعنی پہلے ترغیب اور آگے ترہیب ہے۔

"قاموس، منتہی العرب، مختار الصحاح، النہایہ" وغیرہ لغت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ: قَرْنٌ کے معنی ہیں: طَآئِفَةٌ مِّنَ النَّاسِ۔ بعض فرماتے ہیں: جِیْلٌ مِّنَ النَّاسِ جو ایک زمانہ میں ہو۔

وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ مِدْرَارًا مبالغہ کا صیغہ ہے۔ معنی ہے: کَثِیْرُ الدَّرِّ، کثرت سے بہنے والا۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ ۔۔۔ الآیۃ ⑦:

ربط: پہلے بیان تھا کہ: اُن کے پاس کوئی بھی نشانی ایسی نہیں آئی جس کی اُنہوں نے تکذیب نہ کی ہو یعنی جو نشانی آتی تھی وہ اُس کی تکذیب کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ: ہم پر ملائک کیوں نازل نہیں ہوتے؟ یہاں سے اللہ تعالیٰ اُن کی بات کا جواب دیتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ: ملائک کے نُزول کی دو (۲) صورتیں ہیں:

① وہ اپنی شکل اور اپنی اَصلی صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے لیے بھی اُس کا تحمل نہ کر سکیں گے، اُس کے رُعب وہیبت سے دم نکل جائے۔
یہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہی کی خصوصیت ہے کہ جو اَصلی صورت میں فرشتے کی رُؤیت کا تحمل کر سکتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ: اگر ان لوگوں کی ایسی عظیم الشان، خارقِ عادت فرمائش پوری کر دی جائے اور اُس پر بھی نہ مانے جیسا کہ اُن کے معاندانہ اَحوال واَطوار سے ظاہر ہے، تو سُنَّتُ اللہ یعنی اللہ کے طریقے کے موافق پھر قطعاً مہلت نہیں دی جائے گی اور ایسا عذاب آئے گا جو فرمائش کرنے والوں کو نیست و نابود کر دے گا۔
② اگر اللہ تعالیٰ فرشتے کو انسان کی شکل میں نازل فرمائیں تو پھر یہ لوگ اِشتباہ میں ہوں گے کہ آیا یہ انسان ہے کہ فرشتہ؟!!

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

یہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱﴾:

ربط: اُوپر پڑھ چکے ہیں کہ: كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ۔۔۔ الآیۃ [1] یعنی بہت سے قُرُون کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ آگے فرماتے ہیں کہ: زمین میں پھر کر اُن کی ہلاکت کے اَثرات دیکھو اور دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲﴾:

یہاں سے توحید کا ذکر ہے جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے وہ سب کچھ خَلْقًا وَمِلْكًا وَتَصَرُّفًا اللہ ہی کا ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴﴾:

ربط: پہلے توحید کی بات ہوئی، مشرکین کا ایک وفد آیا اور کہنے لگے کہ: پہلے ہم سب ایک جماعت اور متفق تھے، جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) آگئے تو ہم مختلف مختلف جماعتیں بن گئے اور ہم میں مختلف قِسم کے جھگڑے شروع ہو گئے۔ تو اِس فساد کے ذمہ دار آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا کریں کہ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا کو پکاریں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اِلٰہ کو پکاریں تو اتفاق ہو جائے گا اور اِختلاف ختم ہو جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا۔۔۔ الآیۃ۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ: کیا میں اللہ کے ورے کسی اور کو کارساز بنالوں؟؟!!
ترکیب: لفظِ فَاطِرِ لفظِ اللّٰه سے بدل ہے اور اُس کی صفت ہے۔ فَاطِر کا معنی ہے: بغیر مثل اور نمونہ کے پیدا کرنے والا۔

وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ۔۔۔ الآیۃ:

وہ دوسروں کو کھلاتا ہے اور اُس کو نہیں کھلایا جاتا۔ یہ وَلَا يُطْعَمُ قضیہ سالبہ ہے اور قضیہ سالبہ وُجودِ موضوع نہیں چاہتا، تو یہ ضروری نہیں کہ وہ کھلایا تو نہیں جاتا البتہ وہ خود کھاتا ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۷﴾:

اِے اِنسان! اے مخاطب! وہ مشکل کشا ہے، وہ دستگیر ہے، وہ فریاد رَس ہے۔ یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سواری پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے سوار کیا۔ کچھ دُور چلنے کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور اِرشاد فرمایا: اے لڑکے! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: تم اللہ کو یاد رکھو اللہ تم کو یاد رکھے گا۔ تم اللہ کو یاد رکھو گے تو اُس کو ہر حال میں سامنے پاؤ گے، تم اَمن و عافیت اور خوش عیشی کے وقت اللہ تعالیٰ کو پہچانو گے تو تمہاری مصیبت کے وقت اللہ تم کو پہچانے گا۔ جب تم کو سوال کرنا ہو تو صرف اللہ سے سوال کرو اور مدد مانگنی ہو تو صرف اللہ سے مدد مانگو۔ جو کچھ دُنیا میں ہونے والا ہے قلمِ تقدیر اُس کو لکھ چکا ہے۔ اگر ساری مخلوقات مل کر اِس کی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نفع پہنچا دیں جو اللہ نے تمہارے حصے میں نہیں رکھا تو وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے۔

---

[1] (سُوْرَۃُ الْاَنْعَام، ۶)

اگر وہ سب مل کر اِس کی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نقصان پہنچادیں جو تمہاری قسمت میں نہیں ہے تو ہرگز اِس پر قدرت نہ پائیں گے۔ اگر تم کر سکتے ہو کہ یقین کے ساتھ صبر پر عمل کرو تو ایسا ضرور کرلو۔ اگر اِس پر قدرت نہیں تو صبر کرو کیوں کہ اپنی خلافِ طبع چیزوں پر صبر کرنے میں بڑی خیر و برکت ہے۔ اور خوب سمجھ لو!! اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور مصیبت کے ساتھ راحت اور تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔ ❶

"فتوح الغیب" میں شیخ عبد القادر جیلانی ﷫ نے فرمایا ہے کہ: جو بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں سے سوال کرتا ہے، تو لَا يَسْئَلُهُ اِلَّا لِضُعْفِ اِيْمَانِهٖ یعنی جو غیرُ اللہ سے سوال کرتا ہے تو وہ اُس کی اللہ تعالیٰ پر کمزور اِعتمادی کی وجہ سے ہے۔

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹﴾:

ربط: پہلے ذکر تھا کہ کافروں نے یہ مطالبہ کیا کہ: ہم آپ (ﷺ) کے خدا کو پکاریں گے اور آپ (ﷺ) ہمارے خدا کو پکاریں تو اِس کا جواب پہلے ہوا۔ یہاں سے اُن کا دوسرا مطالبہ ذکر کرتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ: تمہاری اِس دعوت پر اور تمہاری صداقت پر کوئی گواہی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ۔ تو کہہ! ہمارا گواہ اللہ تعالیٰ ہے۔

سوال اللہ تعالیٰ کی طرف سے گواہی کیا ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گواہی یہ ہے جیسا کہ اِرشاد ہے: فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ۔۔۔ الآیۃ ❷ نبوت سے پہلے چالیس (۴۰) سال کا زمانہ میں نے تم میں گزارا ہے، باپ کا سایہ نہیں، دادا کا بھی نہیں، ماں کا بھی نہیں، کوئی بڑا بھائی بھی نہیں اور عموماً ایسا ہوتا ہے کہ: اِس طرح کے بچے آوارہ ہو جاتے ہیں۔ تو مجھے جو اِن تمام چیزوں سے محفوظ رکھا ہے اور عصمت کی زندگی عطا فرمائی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری صداقت کی گواہی ہے، رب ہی نے تو مجھے معصوم بنایا ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے معجزات صادر فرمائے مثلاً: شقِ قمر وغیرہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری صداقت کی گواہی ہے۔

وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ۔۔۔ الآیۃ:

یہ قرآن ایک معجز اور بلیغ کتاب ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری صداقت کی گواہی ہے۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:

ربط: اُوپر وَاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ ❸ میں شرک کا رد تھا، آگے بھی اُن مشرکین کا رد ہے۔

یہاں پر دو (۲) تفسیریں مشہور ہیں:

① علامہ سیوطی ﷫ اور بہت سے مفسرین کرام ﷭ فرماتے ہیں کہ: اِس آیت کا مصداق ایک ہی گروہ ہے۔ وَ مَنْ اَظْلَمُ اَيْ بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ اِلَيْهِ تو اِس سے مُراد ایک ہی گروہ ہے اور وہ مشرکین ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف شریک کی نسبت کرتے ہیں اور رب پر جھوٹ بولتے ہیں اور اُس کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔

② حافظ ابن کثیر ﷫، اِمام رازی ﷫ اور علامہ آلوسی ﷫ وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ: اِس آیت کے مصداق دو (۲) گروہ ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ: میں نبی ہوں اگر بالفرض میں نبی نہ ہوں تو مجھ سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ اور اگر میں نبی ہوں اور تم نہیں مانتے تو تم سے بڑا ظالم کون ہے؟

وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۲﴾:

ربط: یہاں سے قیامت کا اِثبات ہے کیوں کہ مشرکین جس طرح توحید، رسالت وغیرہ کا اِنکار کرتے تھے اِسی طرح وہ قیامت کا بھی اِنکار کرتے تھے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ ﴿۲۳﴾:

مشرکین سے بڑا بے حیاء کوئی نہیں!! اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت ہے، قیامت کا دن ہے، وہاں بھی وہ بے حیاء قسم اُٹھا کر کہیں گے کہ: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۔ اللہ کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے۔

---

❶ (جامع الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ عن رسول اللہ ﷺ، باب بلا ترجمہ، ج ۲، ص ۸۷، طبع قدیمی، کراچی) ❷ (سُوْرَةُ يُوْنُس، ۱۶) ❸ (سُوْرَةُ الْأَنْعَام، ۱۹)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۔۔۔الآية ﴿۲۵﴾:

لفظ يَسْتَمِعُ کے بارے میں صاحب صراح لکھتے ہیں کہ: اَلْاِسْتِمَاع کا معنی ہے: "گوشت داشتن" یعنی کان رکھنا، "سننا" اس کا لفظی معنی نہیں ہے بل کہ لازمی معنی ہے۔

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً ۔۔۔الآية:

لفظ اَکِنَّةٌ، کِنَانٌ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں: "پردہ"۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ٥:

لفظ اَسَاطِیْر، اُسْطُوْرَةٌ کی جمع ہے جیسے اَکَاذِیْب، اُکْذُوْبَةٌ کی، اَضَاحِیْك، اُضْحُوْکَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: کہانی، ناول۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـــَٔوْنَ عَنْهُ ۔۔۔الآية ﴿۲۶﴾:

وہ مشرکین قرآن مجید سے رُوکتے تھے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ ۔۔۔الآية ❶

وَلَوْ تَرٰى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ ۔۔۔الآية ﴿۲۷﴾:

لَوْ شرطیہ ہے جزاء اس کی محذوف ہے۔ اَیْ لَرَاَیْتَ اَمْرًا عَظِیْمًا۔

وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا ۔۔۔الآية:

سوال لفظ نُکَذِّبَ اور آگے لفظ نَکُوْنَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب "کشاف، بیضاوی، روح المعانی، ابو سعود" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: لفظ لَیْتَ حرف تمنی ہے اور لفظ نُکَذِّبَ جواب تمنی ہے اور جواب تمنی منصوب ہوتا ہے اور اسی طرح لفظ نَکُوْنَ ماقبل پر عطف ہے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا ۔۔۔الآية ﴿۲۹﴾:

سوال هِیَ ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

جواب هِیَ ضمیر کا مرجع حیات ہے۔

قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۔۔۔الآية ﴿۳۰﴾:

سوال لفظ هٰذَا کا مشارٌ الیہ کیا ہے؟

جواب ماقبل میں بِمَبْعُوْثِیْنَ میں جو لفظ بَعَث ہے وہ هٰذَا کا مشارٌ الیہ ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۔۔۔الآية ﴿۳۱﴾:

ربط: اُوپر بھی قیامت کا ذکر تھا آگے بھی قیامت کا ذکر ہے۔
بعض ممتحنین مغالطہ دیتے ہیں کہ: بِلِقَآءِ میں جر کیسے آیا؟ یعنی اَکیلے لفظ لِقَاء نہیں کہتے بل کہ مجموعہ بِلِقَآءِ کہتے تو اس سے مغالطہ ہوتا ہے۔

يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۔۔۔الآية:

فَرَّطَ، یُفَرِّطُ، تَفْرِیْطًا۔ اگر یہ باب تَفْعِیْل سے ہو تو معنی ہے: "کوتاہی کرنا"۔ اگر باب اِفْعَال سے ہو تو معنی ہے: "زیادتی کرنا"۔

سوال فِيْهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

❶ (سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة، ۲۶)

①فِيهَا کی "هَا" ضمیر دُنْیَا کی طرف راجع ہے۔اَیْ فِی الدُّنْیَا۔

②فِيهَا کی "هَا" ضمیر سَاعَة کی طرف راجع ہے۔اَیْ فِی السَّاعَةِ اَیْ فِی الْقِیٰمَةِ اور اس تقدیر پر فِیْ تعلیلیہ ہے۔اَیْ لِاَجْلِ السَّاعَةِ۔

وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰی ظُهُوْرِهِمْ۔۔۔الآیۃ:

وِزْر کے معنی ہیں: بوجھ۔وزیر کو بھی وزیر اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ وہ قوم کا بوجھ اُٹھاتا ہے۔وہ بوجھ حسی بھی ہوگا اور معنوی بھی ہوگا۔

حسی کی مثال: مثلاً کسی نے جانور چُرائے ہیں تو وہ اُس کی گردن پر ہوں گے، کپڑے چوری کیے ہیں تو وہ اُس کی گردن پر ہوں گے۔

معنوی کی مثال: مثلاً کوئی کہے میری گردن پر قرض کا بوجھ ہے۔اب ویسے بظاہر تو کوئی چیز نظر نہیں آتی لیکن اُس کے ذمہ میں وہ چیز لازم ہوتی ہے۔

اِسی طرح اگر کوئی کہے کہ: میری کمر پر بچوں کا بوجھ ہے۔اب بوجھ تو کمر پر نہیں رکھا ہوا لیکن اُس کے ذمہ میں واجب ہے۔

وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۲﴾:

لَعِب کہتے ہیں ایسے کھیل کو جس میں آدمی خود مصروف ہو۔لَهْو کہتے ہیں: کنارے پر کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنا۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۳﴾:

"ترمذی شریف" میں حدیث ہے کہ ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ: اِنَّا لَا نُكَذِّبُكَ وَلٰكِنْ نُّكَذِّبُ بِمَا جِئْتَ۔تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ۔۔۔الآیۃ ❶

اشکال: عَلِمَ، یَعْلَمُ کے بعد اَنَّ یعنی مفتوح آتا ہے، اِنَّ یعنی مکسور نہیں آتا تو یہاں پر اور سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْن میں: وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ۔۔۔الآیۃ ❷ اِنَّ یعنی مکسور کیوں ہے؟

جواب: صاحبِ الفیہ فرماتے ہیں کہ: جب اِنَّ کی خبر پر لَامْ آئے تو اِنَّ پڑھا جاتا ہے کیوں کہ وہ مفرد باقی نہیں رہا بل کہ جملہ ہوگیا۔جیسے: وَاعْلَمْ تُقٰی اِنَّهٗ لَذُوْا۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۵﴾:

ربط: اوپر ذکر تھا کہ آپ (ﷺ) گواہ پیش کردیں اور آگے ایک باطل مطالبے کا ذکر ہے۔اُنہوں نے کہا کہ: صفا و مروہ کے پہاڑوں کو سونا بنادیا جائے تو ہم ایمان لائیں گے۔اِس بات سے آپ ﷺ کے دل مبارک میں یہ آیا کہ: اللہ تعالیٰ ایسا کرے تو اچھا ہوگا کیوں کہ یہ کفار ایمان لائیں گے تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی۔اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں سِر یعنی راز ہوتا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ ایسا کرتے تو کفار یہ کہتے کہ: یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے نہیں بل کہ اِس سونے کی وجہ سے ایمان لائے ہیں اور اِسلام کی حقیقت باقی نہ رہتی، قرآن کی صداقت واضح نہ ہوتی۔

فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ۔۔۔الآیۃ:

سوال: فَاِنِ اسْتَطَعْتَ یہ شرط ہے اِس کی جزاء کیا ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

①علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: فَافْعَلْ جزاء ہے۔

②علامہ آلوسی رحمہ اللہ اور علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: فَاْتِیَهُمْ جزاء ہے۔

اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۶﴾:

اَیْ سَمَاعَ اِنْتِفَاعٍ سَمَاعَ تَدَبُّرٍ، سَمَاعَ تَفَكُّرٍ، سَمَاعَ قُبُوْلٍ۔

❶(جامع الترمذی، ابواب التفسیر عن رسول اللہ ﷺ، تفسیر سورۃ الانعام، ج ۲ ص ۱۳۷، طبع قدیمی، کراچی) ❷(سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْن ۱)

وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

جب اُن کا مطالبہ منظور نہ ہوا تو کہنے لگے: وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ ۔۔۔ الآیۃ اِس پر کوئی نشانی نازل کیوں نہیں ہوتی؟

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال کِتَاب سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① کتاب سے لوحِ محفوظ مُراد ہے یعنی ہم نے لوحِ محفوظ میں کسی چیز کی کوتاہی نہیں کی۔ ابتدائے آفرینش سے تا اختتامِ دُنیا سب کچھ اُس میں محفوظ کر رکھا ہے۔

② "تفسیر ابن کثیر، معالم التنزیل، کبیر" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: کتاب سے مُراد قرآن مجید ہے یعنی ہم نے اِس قرآن مجید میں کسی چیز کے اُصول بیان کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ تمام حلال، حرام، جائز، ناجائز کے اُصول، کلیات اور رَوابط ہم نے بیان کیے ہیں۔

اِمام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جَمِيْعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْاٰنِ لٰكِنْ تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر کفار کی ضد کا اور اُن کے غلط مطالبات کا ذکر تھا۔ اب فرماتے ہیں کہ: ہم نے پہلی اُمتوں میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا، اُنہوں نے بھی ضد کی اور اپنی مخالفت پر ڈٹے رہے۔ تو اِن آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے۔

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○:

تَزْيِيْن کی نسبت کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف اور کبھی شیطان کی طرف ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو تو نسبت خلقت کی ہوتی ہے یعنی خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اور جب شیطان کی طرف نسبت ہو تو نسبت سبب کی ہوتی ہے۔

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۔۔۔ الآیۃ:

ہم نے اُن پر ہر قسم کے دروازے کھول دیے یعنی اَولاد وافر دی، مال زیادہ دیا، بادشاہی دی اور بہت کچھ اُن کو دیا۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۔۔۔ الآیۃ:

قوم کی جڑ کٹ گئی۔ جڑ کا لفظ بول کر اِس بات کی طرف اِشارہ کیا کہ: اگر درخت اُوپر کی طرف سے کاٹا جائے تو پھر اُگ جاتا ہے لیکن اگر جڑ سمیت اُکھیڑ دیا جائے تو پھر دوبارہ نہیں اُبھرتا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○:

اگر کسی آدمی کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے اور اُس کا کاٹنا بھی جائز ہو۔ مثلاً: حَدِّ سَرِقَه کی وجہ سے اُس کا ہاتھ کاٹا جائے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰه پڑھی جاسکتی ہے یعنی صحیح ہے۔ اِسی طرح قوم کی ہلاکت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰه پڑھی جاسکتی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں سے شرک کا رَد ہے۔ اَرَءَيْتُمْ کے معنی ہیں: اَخْبِرُوْنِيْ بتاؤ تم مجھے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

ہم ہر پیغمبر کو مُبَشِّر اور مُنْذِر بنا کر بھیجتے ہیں۔ پیغمبر کا کام ہدایت دینا نہیں ہے، ہدایت دینا تو اللہ کا کام ہے۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ (۵۰):

جب کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ: اِن پہاڑوں کو سونا چاندی کر دیں۔ تو وہ مطالبہ تو منظور نہ ہوا، پھر کہا کہ: ایسا تو کریں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی تو بھوک سے نہ مر جائیں، اتنا تو ضرور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ہونا چاہیے۔ تو ارشاد ہوا: قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ۔

صاحبِ صراح یہ کہتے ہیں کہ: لفظِ خَزَآئِن، خَزَانَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: گنجینہ۔

وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ ۔۔۔ الآیۃ:

اردو میں سب سے غلط ترجمہ اَحمد رضا خان بریلوی کا ہے۔ یہاں کہتے ہیں: لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ یعنی میں اَبھی خود غیب نہیں جانتا۔ یعنی "خود" کا لفظ لگاتے ہیں، جس سے ترجمہ بگڑ جاتا ہے اور سب سے صحیح ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ "تنقید متین" میں ہم نے اَحمد رضا خان کی غلطیوں کو جمع کیا ہے، اُس نے اِنتہائی غلط ترجمہ کیا ہے۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ (۵۱):

ربط: اُوپر اَبھی مَا یُوْحٰی کا لفظ پڑھا گیا تو اِس آنے والے رکوع میں بیان ہے کہ: اُس مَا یُوْحٰی پر لوگوں کو ڈراؤ۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ ۔۔۔ الآیۃ (۵۲):

مشرکین نے مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں، "ابو سعود" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: جب وہ عتبہ، شیبہ، عاص بن وائل وغیرہ مجلس میں آتے تھے تو کہتے تھے کہ: اِن کمینہ لوگوں کو مجلس سے نکالیں تو پھر ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بیٹھیں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ: کفار کو دعوت ہے تھوڑے وقت کے لیے اپنے ساتھیوں کو باہر نکال دوں تو کیا مضائقہ ہے؟ یہ خیال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں تھا۔ اگرچہ بہ نسبت شاگرد اور اُستاد کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حق اپنے ساتھیوں پر بہت زیادہ ہے اور اُستاد تو شاگرد کو اُٹھا سکتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بطریقِ اَولیٰ اُٹھا سکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی اَچھا نہ تھا کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو اُن کے ذہنوں میں اپنی اِحساسِ کمتری ہوتی اور پریشان ہوتے۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا ۔۔۔ الآیۃ (۵۳):

لِیَقُوْلُوْۤا میں لَام عاقبت کا ہے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ (۵۶):

مشرکین قدم قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھسلانا چاہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف و مصیبت پہنچانا چاہتے تھے۔ ایک وفد آیا وہ گیا، دوسرا آیا، تیسرا، چوتھا۔ ایک آ گیا کہ: ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اِلٰہ کی پوجا کریں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اِلٰہ کو پکاریں، یہ مطالبہ کیا۔ پھر دوسرا وفد آیا یہ مطالبہ کیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۵۸):

کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں عذاب سے ڈراتے ہیں تو وہ عذاب لے آئیں تاکہ معاملہ صاف ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اِس مطالبے کے جواب میں فرمایا: قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ۔۔۔ الآیۃ (۵۹):

وہ کہتے تھے کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو عذاب سے ڈراتے ہیں وہ عذاب کہاں سے، کب آئے گا لاؤ نا؟ تو فرماتے ہیں کہ: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ۔۔۔ الآیۃ۔

لفظِ مَفَاتِحُ، مِفْتَحٌ اِسمِ آلہ کی جمع ہے یا مَفْتَحٌ اِسمِ ظرف کی جمع ہے۔ اگر اِسمِ آلہ ہو تو معنی ہے: "چابیاں"۔ اگر اِسمِ ظرف ہو تو معنی ہے: "غیب کا خزانہ"۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۰﴾:

تَوَفِّيْ کا معنی ہے: اَلْاَخْذُ بِالْوَفَاءِ یعنی پورا پورا لینا۔ یہاں معنی مجازی ہے: يَتَوَفّٰكُمْ یعنی تم پر نیند طاری کرتا ہے۔ کبھی اس کا معنی موت آتا ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ۔۔۔الآیۃ:

مَا جَرَحْتُمْ جو کماتے ہو۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۱﴾:

ربط: پہلے مشرکین کے غلط سوال کا رد اور ازالہ تھا اور آگے توحید کا بیان ہے۔

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۔۔۔الآیۃ:

لفظ حَفَظَةً، حَافِظٌ کی جمع ہے۔ جیسے: فَجَرَ۔ فَاجِرٌ کی طَلَبَه، طَالِبٌ کی جمع ہے اور طُلَبَاء، طَلِيْبٌ کی جمع ہے۔

طَالِب اور طَلِيْب میں فرق: طَالِب اِسمِ فاعل کا صیغہ ہے، اِسمِ فاعل میں تجدد اور حدوث ہوتا ہے اور طَلِيْب صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے، صفتِ مشبہ میں دوام اور استمرار ہوتا ہے۔ مثلاً: ایک شخص کبھی کبھی سبق میں آجاتا ہے وہ طَالِب ہے اور ایک شخص ہمیشہ سبق میں حاضر رہتا ہے وہ طَلِيْب ہے۔

"تفسیر ابن جریر طبری، روح المعانی، ابن کثیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: انسان کے ساتھ دو (۲) طرح کے فرشتے ہوتے ہیں:

① اَعمال لکھنے والے فرشتے، اُن کو كِرَامًا كَاتِبِيْنَ کہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں اِرشاد ہے: كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿۱﴾

② اِنسان کی جان کی حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲﴾

سوال اب اس آیت میں حَفَظَةً سے کون سے فرشتے مُراد ہیں؟

جواب اِس کے بارے میں دو (۲) طبقے ہیں:

① حَفَظَةً سے كِرَامًا كَاتِبِيْنَ مُراد ہیں۔ دو (۲) فرشتے صبح اور دو (۲) شام کو اُس بندے کے اَعمال کی حفاظت کرتے ہیں یعنی اَعمال لکھتے ہیں۔

② حَفَظَةً سے مُراد وہ فرشتے ہیں جو اِنسان کی جان کی حفاظت کرتے ہیں۔ دس (۱۰) فرشتے رات کو اور دس (۱۰) دن کو آدمی کی جان کی حفاظت کرتے ہیں۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ۔۔۔الآیۃ:

سوال جان نکالنے والا فرشتہ ایک ہے یا متعدد فرشتے ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① جان نکالنے والا فرشتہ ایک ہی ہے یعنی مَلَكُ الْمَوْت۔ جیسا کہ ارشاد ہے: قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۳﴾

② جان نکالنے والے فرشتے متعدد ہیں، مَلَكُ الْمَوْت سربراہ اور انچارج ہیں اُن کے ماتحت بے شمار فرشتے ہیں۔

دلیل: ① تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۴﴾

② اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۵﴾

اِن دونوں جگہ جمع کا صیغہ اِستعمال ہوا ہے، اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ: روح قبض کرنے والے فرشتے متعدد ہیں۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۴﴾:

یہاں تَقْدِيْمُ الْفَاعِلِ لِلْحَصْرِ ہے یعنی لفظِ اَللّٰه فاعل ہے اُسے حصر کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔

﴿۱﴾ (سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَار: ۱۱) ﴿۲﴾ (سُوْرَۃُ الرَّعْد: ۱۱) ﴿۳﴾ (سُوْرَۃُ السَّجْدَۃ: ۱۱) ﴿۴﴾ (سُوْرَۃُ الْاَنْعَام: ۶۱) ﴿۵﴾ (سُوْرَۃُ النِّسَآء: ۹۷)

اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا۔۔۔الآیۃ ﴿۶۵﴾:

آپس میں تم کو لڑائے۔ مسجد اجابہ میں (جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جنوب مغرب کی طرف ہے۔) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین (۳) دُعائیں کیں، دو (۲) قبول ہوئیں اور ایک قبول نہ ہوئی:

① پروردگار میری اُمت پر قحط سالی کا عذاب نہ لا۔ یہ قبول ہوئی۔

② کافر میری اُمت کو ختم نہ کریں۔ یہ بھی قبول ہوئی۔

③ میری اُمت آپس میں نہ لڑیں۔ فَمَنَعَنِيْهَا رَبِّيْ[1]

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۷﴾:

سوال لفظ مُسْتَقَر کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① مصدر میمی ہے یعنی ہر خبر کے لیے قرار ہے۔ ② اِسم ظرف ہے یعنی ٹکنے کی جگہ۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا۔۔۔الآیۃ ﴿۶۸﴾:

ربط: پہلے قرآن پاک کا ذکر تھا اور آگے اُن لوگوں کا ذکر ہے جو قرآن پاک کا اِستہزاء کرتے ہیں۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا۔۔۔الآیۃ ﴿۷۰﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: دین سے مُراد "اِسلام" ہے۔ وہ دین جو اُن کے رب نے ذمے لگایا ہے، اُس دین کو اُنہوں نے تماشا بنایا۔

صاحب الجلالین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَلَّذِيْ كُلِّفُوْاهُ وہ دین جس کے وہ مکلف بنائے گئے ہیں وہ اِسلام ہے۔

① دوسری تفسیر نویں پارہ میں آئے گی کہ: اُن کی عبادت سیٹی اور تالیاں بجانا وغیرہ تھی اپنے دین کو تماشا بنا رکھا تھا۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا۔۔۔الآیۃ ﴿۷۱﴾:

مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے، یہاں سے ایک وفد آیا وہاں سے ایک آیا، قسم قسم کے سوالات و اعتراضات کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اُن کو کہو کہ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ۔

وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ۔۔۔الآیۃ:

ہم اپنی ایڑھیوں کے بل لوٹ آئیں؟

اِشکال: نُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ: (مَعَاذَ الله) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مشرکین کے طریقے پر تھے، پھر وہاں سے نکلے اب پھر (مَعَاذَ الله) لوٹ کر اُن ہی کے طریقے پر جائیں گے؟

جواب: اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① تمام تفاسیر میں لکھا ہے: نُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا جو جملہ ارشاد فرمایا ہے: یہ تغلیباً اِرشاد فرمایا ہے۔ اِس طور پر کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو پہلے کافر اور مشرک ہی تھے بعد میں اِسلام میں داخل ہوئے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو شروع سے مشرک نہ تھے اور یہ ہی انبیاء کرام علیہم السلام کا دستور ہے۔ اِس طور پر کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نبوّت سے پہلے بھی نبوّت کے بعد بھی پلک جھپکنے کے برابر بھی شرک نہیں کرتے۔

② آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمحہ بھی شرک نہیں کیا، یہ بات کافروں کے زعم کے مطابق ہے۔

---

[1] (جامع الترمذی، ابواب الفتن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب سوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثا فی امتہ، ج ۲، ص ۴۰، طبع قدیمی، کراچی)

كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ ۔۔۔ الآیۃ:

اہلِ سنّت کا مسلک یہ ہے کہ: جنات اِنسانوں کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔

دلیل: ① يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۔۔۔ الآیۃ ❶ ② كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ ۔۔۔ الآیۃ ❷

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۔۔۔ الآیۃ:

مَا غَابَ عَنِ الْمَخْلُوْقِ/عَنِ الْخَلْقِ/عَنِ النَّاسِ/عَنِ الْعِبَادِ۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ ۔۔۔ الآیۃ:

مشرکین عرب کا یہ دعویٰ تھا کہ: ہم ابراہیمی ہیں مَسْلَكًا بھی اور نَسَبًا بھی۔ نَسَبًا تو وہ تھے لیکن مَسْلَكًا نہیں تھے کیوں کہ ابراہیم علیہ السلام تو ایک خدا کی عبادت کرتے تھے اور یہ مشرکین بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ اُن کے اِس دعوے کا رَد فرما رہے ہیں۔

سوال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام کیا تھا؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① جمہور کا قول یہ ہے کہ: والد کا نام آزر تھا اور طارح لقب تھا۔ وَالْحَقُّ مَعَ الْجَمْهُوْرِ۔ ② علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: آزر چچا کا نام تھا۔

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۔۔۔ الآیۃ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں دو (۲) طرح کا شرک تھا: ① بُت پرستی۔ ② ستارہ پرستی۔

صَنَم کے معنیٰ: "تفسیر ابن جریر طبری، خازن" وغیرہ میں لکھا ہے: اَلصَّنَمُ الَّذِیْ يُتَّخَذُ مِنَ الذَّهَبِ اَوِ الْفِضَّةِ اَوِ الْحَدِيْدِ اَوِ الْخَشَبِ اَوِ الْمَدَرِ عَلٰى صُوْرَةِ الْاِنْسَانِ وَ كَذٰلِكَ الْوَثَنُ اَيْضًا۔ اگر انسانی شکل میں نہ ہو تو اُسے ہیکل کہتے ہیں۔ یہاں اَصْنَامًا کا لفظ ہے اور بیسویں پارہ میں اَوْثَانًا ۔۔۔ الآیۃ ❸ کا لفظ ہے۔

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ كَمَا اَرَيْنَاهُ اِضْلَالَ اَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ كَذٰلِكَ ۔۔۔ الآیۃ۔

وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ٥:

سوال وَلِيَكُوْنَ میں وَاوْ کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ "الفوز الکبیر" میں فرماتے ہیں کہ: وَلِيَكُوْنَ میں وَاوْ زائدہ ہے اور یہ جملہ ماقبل کی علت ہے۔ معنیٰ ہوگا: "اور ایسے ہی ہم نے دکھلائے ابراہیم علیہ السلام کو آسمان اور زمین کے عجائبات لِيَكُوْنَ تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں"۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: وَاوْ عاطفہ ہے اور معطوف علیہ جملہ محذوف ہے اور وہ جملہ ہے لِيَسْتَدِلَّ بِهٖ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِنَا وَلِيَكُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ۔ اب معنیٰ ہوگا: "ایسے ہی ہم نے دکھلائے ابراہیم علیہ السلام کو آسمان اور زمین کے عجائبات تاکہ ہماری وحدانیت پر اِستدلال کریں اور یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں"۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال کَوْکَب سے کون سا ستارہ مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں: ① اِمام زہری رحمہ اللہ اور اِمام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس سے زُہرہ ستارہ مُراد ہے۔

② صاحب مدارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس سے مشتری ستارہ مُراد ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۷۵) ❷ (سُوْرَۃُ الْاَنْعَام، ۷۱) ❸ (سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْت، ۲۵)

سوال قَالَ هٰذَا رَبِّیْ سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اقوال ہیں:

① "تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: هٰذَا رَبِّیْ بِزَعْمِكُمْ۔ تو یہ تحکم تبکیت ہے کہ تمہارے عقیدہ اور گمان کے مطابق یہ ہے میرا رب؟!!

② یہ استفہام انکاری ہے یعنی کیا یہ ہے رب میرا؟!!

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۸﴾:

اشکال: اَلشَّمْسُ مؤنث، اَفَلَتْ مؤنث تو هٰذَا اسمِ اشارہ مذکر کیوں لائے؟ هٰذِهٖ کیوں نہیں کہا؟

جواب: لفظ رَبِّیْ خبر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ: خبر کی رعایت زیادہ اَولیٰ ہوتی ہے بہ نسبت مشارٌ الیہ کی رعایت کے تو رَبِّیْ مذکر ہے اس لیے اسمِ اشارہ هٰذَا ذکر کیا۔

وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۰﴾:

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں نے ڈرایا کہ: آپ (علیہ السلام) تو ہمارے معبودوں کو باطل سمجھتے ہیں، ہمارے اِلٰہ آپ (علیہ السلام) کو نقصان پہنچائیں گے یعنی وہ مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے معبودوں سے ڈراتے تھے۔ تو اُن کو جواب میں فرماتے ہیں: وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ۔۔۔ الآیۃ۔ میں اُن سے نہیں ڈرتا جن کی تم پرستش کرتے ہو۔

وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۱﴾:

مشرکین اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر نہیں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر کو بھی شریک مانتے ہیں۔ جیسا کہ اِرشاد ہے کہ:

فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا۔۔۔ الآیۃ ❶

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۳﴾:

ربط: اَبھی ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ گزر گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تِلْكَ حُجَّتُنَآ۔۔۔ الآیۃ یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اُن کی قوم کے مقابلے میں دی تھی۔

ترکیب: اِس کی دو(۲) ترکیبیں ہیں:

① صاحبِ جلالین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لفظِ تِلْكَ مبدل منہ ہے، حُجَّتُنَآ بدل ہے اور اٰتَيْنٰهَآ اُن کی خبر ہے۔

② امام رازی رحمہ اللہ "تفسیر کبیر" میں لکھتے ہیں کہ: تِلْكَ مبتداء ہے، حُجَّتُنَآ خبر ہے اور اٰتَيْنٰهَآ اُس خبر کی صفت ہے۔

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۴﴾:

سوال مِنْ قَبْلُ کا کیا مطلب ہے؟

جواب اِس کے دو(۲) جواب ہیں:

① اَیْ مِنْ قَبْلِ اِبْرَاهِيْمَ یعنی ابراہیم علیہ السلام سے پہلے۔

② اَیْ مِنْ قَبْلِ زَمَانِهِمْ یعنی زمانہ سے پہلے۔

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾:

قرآن کریم میں پچیس (۲۵) انبیاء کرام علیہم السلام کے نام آئے ہیں جن میں سے اٹھارہ (۱۸) کے نام اِس رکوع میں ہیں۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۷﴾:

ربط: اُوپر اٹھارہ (۱۸) انبیاءِ کرام علیہم السلام کا صراحتاً نام ذکر کیا، اب یہاں سے تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کا اجمالاً ذکر کر رہے ہیں۔

❶ (سُوْرَۃُ الْاَنْعَام، ۱۳۶)

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾:

آمدم برسرِ مقصود، آگ اور پانی تو جمع ہو سکتے ہیں، لیکن نبی اور شرک جمع نہیں ہو سکتے یعنی ہم نے اُن اٹھارہ (۱۸) انبیاء کرام علیہم السلام کے نام ذکر کیے لَوْ اَشْرَكُوْا اگر بالفرض والمحال یہ شرک کریں تو اُن کے سب اَعمال برباد ہو جائیں گے۔ مثال کے طور پر ایک خم ہے اُس میں اٹھارہ (۱۸) مَن دُودھ ہے، اُس میں ایک نورِ نظر کا ایک تولہ پیشاب گر جائے تو چند قطروں سے وہ خم نجس اور برباد ہو جاتا ہے۔ تو اپنے اَعمال کو مٹکا اور خم سمجھو اور شرک کو پیشاب کا قطرہ سمجھ لو۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۱﴾:

ربط: اوپر انبیاء کرام علیہم السلام کا بیان تھا اور آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اِنکار کا بیان ہے۔

شانِ نزول: مالک ابن سیف یہودی نے کہا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے بشر پر کوئی شے نازل نہیں کی ہے، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بشر ہو کر کیسے دعوئ رسالت کرتے ہیں؟ تو اُن یہود نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کی کیوں کہ نبی کی بے قدری اللہ تعالیٰ کی بے قدری ہے۔

مثال کے طور پر ہمارا ملک کسی دوسرے ملک اپنا سفیر بھیج دے اور سفیر کے لئے جو چیزیں ضروری ہوں وہ اُس کے پاس ہوں، شرائط پر پورا اُترے پھر اِس کے باوجود اُس ملک والے اُس کے کان پکڑ کر اُس کو باہر پھینک دیں تو یہ اَکیلے اُس سفیر کی بے قدری و بے عزّتی نہیں بل کہ تمام ملک کی بے عزّتی شمار ہوگی۔

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى ۔۔۔ الآیۃ:

تم تو موسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتے ہو، وہ بشر تھے اور آپ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی تھی۔

قُلِ اللّٰهُ ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ قُلْ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۲﴾:

اُمُّ الْقُرٰى مکہ مکرمہ کو کہتے ہیں، یہ ہدایت کا منبع ہے، جس طرح ماں اپنے بچے کو دُودھ دیتی ہے اور وہ اپنے بچے کے لیے محبت کا منبع ہوتی ہے، اِسی طرح یہ مکہ مکرمہ ہدایت کا منبع ہے۔

عبداللہ ابن سعد ابن سرحہ مسلمان ہوگیا، اُس کا خط خوبصورت تھا، پھر وہ مُرتد ہوگیا، جب اُس کو مکہ کی زمین میں دفن کیا گیا تو زمین نے اُس کو قبول نہ کیا اور باہر پھینک دیا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۳﴾:

پہلے سچے اور برحق انبیاء کرام علیہم السلام کا بیان تھا اب آگے جھوٹے انبیاء کا بیان ہے۔

اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ۔۔۔ الآیۃ:

اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کی نسبت مجازاً ہے یعنی ہمارے حوالے کرو۔ لفظِ هُوْنِ بِضَمِّ الْهَاءِ بمعنی ذلت، بِفَتْحِ الْهَاءِ بمعنی وقار۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۴﴾:

لفظِ فُرَادٰى یہ فَرْدٌ کی جمع ہے خلاف القیاس کیوں کہ قیاس یہ ہے کہ: یہ فَرْدَانٌ کی جمع ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۵﴾:

ربط: اُوپر شرکاء کا لفظ پڑھا گیا ہے، آگے بیان فرماتے ہیں کہ: جو تم شرک کرتے ہو یعنی جن چیزوں کی تم پوجا اور عبادت کرتے ہو وہ سب مخلوقِ خداوندی اور خداوندِ کریم کی پیدا کردہ ہیں۔

فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ۝:

کہاں بہکے جاتے ہو؟

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ ۔۔۔ الآیۃ:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: ستارے تین (۳) چیزوں کے لیے پیدا کیے گئے ہیں:

① راستہ معلوم کرنے کے لیے بلاواسطہ یا بالواسطہ مثلاً قطب نما کے ذریعے۔ ② زَیَّنَّا السَّمَآءَ۔ آسمان کی زینت کے لیے۔

③ رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ۔ شیاطین کو مارنے کے لیے۔[1]

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۔۔۔ الآیۃ:

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ: اوّل سپرد ہوتا ہے ماں کے پیٹ کو تا کہ آہستہ آہستہ دُنیا کے اثر پیدا کرے، پھر آ کر ٹھہرتا ہے دُنیا میں، پھر سپرد ہو گا قبر کو کہ آہستہ آہستہ اثر آخرت پیدا کرے، پھر جا ٹھہرے گا جنّت میں یا دوزخ میں۔

مُسْتَقَرٌّ اور مُسْتَوْدَعٌ کی چار (۴) تفسیریں ہیں:

① مُسْتَقَرٌّ سے مُراد صُلْبُ الْاَبِ اور مُسْتَوْدَعٌ سے مُراد رَحْمُ الْاُمِّ ہے۔

② مُسْتَقَرٌّ سے رَحْمُ الْاُمِّ اور مُسْتَوْدَعٌ سے اَرض مُراد ہے۔

③ مُسْتَقَرٌّ سے زمین اور مُسْتَوْدَعٌ سے قبر مُراد ہے۔

④ جنّت و دوزخ سے اس طرف مُسْتَقَرٌّ ہے اور اُس طرف مُسْتَوْدَعٌ ہے۔

ساری تفاسیر حق ہیں کسی کا کسی سے تعارض نہیں۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں التفات ہے مِنَ الْغَیْبِ اِلَی التَّكَلُّمِ۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ اللہ مفعول ثانی ہے لیکن عظمت کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر بھی توحید کا اِثبات تھا اور شرک کا رَد تھا آگے بھی توحید کا اِثبات اور شرک کا رَد ہے۔

خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۔۔۔ الآیۃ:

"شرح مقاصد، خیالی" وغیرہ کتابوں میں لکھا ہے کہ: خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ کہنا جائز ہے لیکن خَالِقُ الْخَنَازِیْرِ وَ الْقِرَدَةِ کہنا جائز نہیں ہے۔ مذکورہ بالا بات سے معلوم ہوا کہ: اِجمال کا حکم تفصیل سے مختلف ہوتا ہے یعنی ایک بات کو اِجمالاً بیان کرنا تو دُرست ہوتا ہے لیکن اُس کی تفصیل بیان کرنا ناجائز ہوتا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۔۔۔ الآیۃ:

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ بھی ہے۔ ساری تفاسیر میں لمبی چوڑی باتیں ہیں میں مختصراً عرض کرتا ہوں:

اہلِ حق کا قول: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار یعنی اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھنا یہ حق ہے۔

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب فی النجوم ج ۱ ص ۴۵۴ طبع یادگار شیخ، کراچی)

اہلِ حق کے دلائل: اہلِ حق اِس مسئلہ میں تین (۳) دلائل پیش کرتے ہیں:

① وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ ❶

② أَنَّ النَّاسَ قَالُوا: يَارَسُوْلَ اللهِ (ﷺ)! هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: هَلْ تُضَارُّوْنَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ قَالُوْا: لَا يَارَسُوْلَ اللهِ (ﷺ)! قَالَ: فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذٰلِكَ ❷

③ اجماعِ اُمت۔

معتزلہ کا قول: علامہ زمخشری فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوگا۔

دلیل: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۔۔۔ الآیۃ ❸

جواب "تفسیر بیضاوی، مظہری، روح المعانی، مدارک، السراج المنیر" وغیرہ تمام تفسیروں میں لکھا ہے کہ رُؤْیَت اور اِدْرَاك میں فرق ہے۔ رُؤْیَت کہا جاتا ہے کسی بھی چیز کو دیکھنا اور اِدْرَاك کہا جاتا ہے اَلْاِحَاطَةُ مِنْ كُلِّ جَوَانِبَ۔ کسی بھی چیز کا مکمل اور کلی احاطہ کرنا۔ مذکورہ آیت میں نفسِ رُؤْیَت کی نفی نہیں ہے بل کہ اِدْرَاك کی نفی ہے یعنی آنکھیں اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتیں، اِس بات کے اہلِ حق بھی قائل ہیں۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۴﴾:

ایک ہوتی ہے بَصِیْرَت اور ایک ہوتی ہے بَصَارَت۔ بَصِیْرَت کا معنی ہے: دل کی رُوشنی اور بَصَارَت کا معنی ہے: آنکھ کی رُوشنی۔ یہاں بَصَآئِر کا لفظ ہے جو بَصِیْرَت کی جمع ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ: تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایسی چیزیں آچکی ہیں جو دل میں روشنیاں پیدا کرتی ہیں۔

وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۵﴾:

وَلِيَقُوْلُوْا میں لَام عاقبت کا ہے۔

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴿۱۰۶﴾:

اِعراض کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ تبلیغ نہ کریں بل کہ اگر وہ سَاحِر، مَسْحُوْر، مَجْنُوْن، كَذَّاب وغیرہ کہیں تو آپ (ﷺ) جواب نہ دیں، اگر آپ (ﷺ) جواب دیں گے تو پھر آپ (ﷺ) میں اور اُن میں کیا فرق ہوگا؟

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۸﴾:

ربط: بعض مؤمنوں نے کافروں کے اِلٰہ کو گالیاں دیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وَلَا تَسُبُّوا یعنی منع کرتے ہیں کہ گالیاں نہ دو کیوں کہ اِس کے بدلے وہ تمہارے سچے رب کو گالیاں دیں گے۔ البتہ اِس بات کا اِظہار کرو کہ: صرف اور صرف اِلٰه الله ہے اور وہ معبودانِ باطلہ نہ خالق ہیں، نہ مالک ہیں نہ رازق ہیں اور نہ رب ہیں۔

اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴿۱۰۹﴾:

سوال لَا يُؤْمِنُوْنَ میں لَا کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لَا زائد ہے۔ معنی ہوگا: "تمہیں اے مؤمنین! کس نے بتلایا کہ یہ نشانی آئے گی تو وہ ایمان لائیں گے"۔

② اَنَّ بمعنی لَعَلَّ ہے اَیْ لَعَلَّهَا۔ لَا زائد نہیں ہے۔ معنی ہوگا: "شاید کہ وہ نشانیاں جب آئیں تو یہ ایمان نہ لائیں"۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۱﴾:

ربط: ماقبل میں آپ نے پڑھا کہ: وَاَقْسَمُوْا بِاللهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ❹ یعنی اُنہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ: اگر ہمارے پاس نشانی آئی تو ہم

❶ (سُوْرَةُ الْقِيٰمَة، ۲۲۔۲۳) ❷ (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب فضل السجود، ج ۱، ص ۱۱۱، طبع یادگار شیخ، کراچی) ❸ (سُوْرَةُ الْاَنْعَام، ۱۰۳) ❹ (سُوْرَةُ الْاَنْعَام، ۱۰۹)

ایمان لائیں گے۔ قسمیں کھا کر نشانی طلب کرنا اُن کی ضد وعناد تھا، حقیقت پر مبنی نہ تھا۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر ہم اُن پر ملائک بھی نازل کریں پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ قُبُلًا کے متعلق دو (۲) تفسیریں ہیں:

① لفظِ قُبُلًا مصدر ہے۔ معنی ہے: "ہر چیز اُن کے سامنے معاینتاً ہم لائیں تب بھی یہ نہیں مانیں گے"۔

② لفظِ قُبُلًا قَبِيْلٌ کی جمع ہے۔ قَبِيْل کے معنی ہیں: صِنْفٌ وَنَوْعٌ۔ یعنی ہر چیز کو ہم اَنواع اور اَصناف کے لحاظ سے سامنے لائیں تب بھی یہ نہیں مانیں گے۔

مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ اللهُ ۔۔۔ الآیۃ:

إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ اللهُ أَيْ قَهْرًا وَجَبْرًا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا ۔۔۔ الآیۃ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے، اِس طور پر کہ اگر یہ نہیں مانتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پریشان نہ ہوں۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا كَمَا جَعَلْنَا هٰؤُلَاءِ أَعْدَاءَكَ۔ جیسے ہم نے اُن مشرکین کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دُشمن بنایا تکوینی طور پر اِسی طرح ہر نبی کے لیے دُشمن تھے۔

زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۔۔۔ الآیۃ:

زُخْرُف سونے کو کہتے ہیں، ملمع سازی اِس کا لازمی معنی ہے۔ لفظِ غُرُوْرًا یہ مفعول لہ ہے یُوْحِیْ کے لیے أَيْ لِأَجْلِ غُرُوْرٍ۔

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ o:

سوال مَا يَفْتَرُوْنَ میں مَا کون سا ہے؟

جواب اِس مَا کے متعلق دو (۲) تفسیریں ہیں:

① مَا مصدریہ ہے۔ أَيْ فَذَرْهُمْ وَافْتِرَاءَهُمْ۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کو چھوڑ دیں اور اُن کے اِفْتِرَاء کو بھی چھوڑ دیں۔

② مَا موصولہ ہے اور عَائِدٌ إِلَى الْمَوْصُوْلِ محذوف ہے۔ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَهٗ۔

وَلِتَصْغٰٓى إِلَيْهِ ۔۔۔ الآیۃ:

یہ غُرُوْرًا پر عطف ہے اور یہ بھی یُوْحِیْ کے لیے مفعول لہ ہے۔

أَفَغَيْرَ اللهِ أَبْتَغِيْ حَكَمًا ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو (۲) مطالبے رکھے:

① پہلا مطالبہ یہ رکھا کہ: وہ کہنے لگے جب دو (۲) فریقوں کا جھگڑا ہو تو کسی کو ثالث اور منصف بناتے ہیں، وہ ثالث جو فیصلہ کرے فریقین اُس کو قبول کریں گے۔

② دوسرا مطالبہ یہ رکھا کہ: اگر فریقین کا جھگڑا ہو ایک اپنے آپ کو حق پر سمجھے اور دوسرا اپنے آپ کو حق پر سمجھے تو مردم شماری کی جاتی ہے۔ جس طرف لوگ زیادہ ہوں اُس کا ساتھ دیا جاتا ہے۔

تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی کو ثالث مقرر کریں یا مردم شماری کرائیں۔ اِن دونوں مطالبوں کا یہاں سے جواب دے رہے ہیں۔ پہلے کا جواب أَفَغَيْرَ اللهِ أَبْتَغِيْ حَكَمًا ۔۔۔ الآیۃ ❶ سے ہے یعنی اللہ کے سوا میں کسی اور کو ثالث بنالوں؟!! اور دوسرے مطالبے کا جواب وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ ❷ سے ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ الْاَنْعَام، ۱۱۴) ❷ (سُوْرَۃُ الْاَنْعَام، ۱۱۶)

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ ﴿۱۱۶﴾:

لفظِ خَرْص کا لفظی معنی یہ ہے کہ: درختوں پر پھل لگا ہوا ور کوئی بھی شخص پھل کا اندازہ لگانا چاہتا ہو کہ یہ کتنا ہے؟ تو اِس اندازے کو خَرْص کہتے ہیں یعنی اَٹکل سے بات کرنا۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۸﴾:

آگے مشرکین کا ایک طعنہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک جانور مارے تو تم کہتے ہو کہ: حرام ہے اور خود مارو تو کہتے ہو کہ: حلال ہے اور ساتھ ہی یہ کہتے ہو کہ: ہم اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وہ جانور جو ذبح کیا جاتا ہے اُس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے اِس لیے اللہ کے نام کی برکت سے وہ حلال ہے اور دوسرا وہ جانور جو خود مر جائے وہ اِس سے محروم ہے یعنی اُس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اِس لیے وہ حرام ہے۔

اِمام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اِس کی عقلی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جانور کے اَندر ایک زہریلا مادّہ ہے جو بدن کے لیے بالکل مضر ہے اور جب ذبح کیا جائے تو وہ زہریلا مادّہ نکل جاتا ہے تو اِس وجہ سے وہ حلال ہے اور دوسرا حرام۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲۱﴾:

یہ باتیں شیطانوں نے اپنے دُوستوں کے دلوں میں ڈالی ہیں کہ: اللہ تعالیٰ مارے تو حرام ہے اور تم مارو تو حلال؟!!

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝:

شیطان کی باتوں پر عمل کرنا شرک کی ایک قسم ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲۲﴾:

ربط: اُوپر دو (۲) گروہوں کا ذکر تھا: ① مُهْتَدِيْن۔ ② مُعْتَدِيْن۔

اب آگے اُن دو (۲) گروہوں کے دو (۲) آدمیوں کا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ مَثَلُهٗ زائد ہے۔ معنی ہوگا: "یہ اُس کی طرح ہے جو اندھیروں میں ہے"۔ جیسے: ابوجہل۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲۳﴾:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا كَمَا جَعَلْنَا فُسَّاقَ مَكَّةَ۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲۴﴾:

اِن مکاروں کے پاس جب نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ: لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَاۤ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ❶

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲۵﴾:

سوال: یہ شرط ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ: اِنسان مجبور ہے ہدایت وضلالت دونوں اللہ کے ہاتھ میں ہیں؟

جواب: قرآن مجید میں دیگر مقامات سے اِنسان کے مجبورِ محض ہونے کی تردید ہوتی ہے:

① وَيَهْدِىْۤ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ ❷ یعنی اِنسان مختار ہے کہ جب رب کی طرف جھکے گا تو اللہ اُسے ہدایت دیتا ہے۔

② فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ❸ ③ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ۔۔۔ الآیۃ ❹ یعنی ہدایت میں اِنسان کا دخل ہے۔

كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ۔۔۔ الآیۃ:

یعنی زور سے آسمان پر چڑھنا چاہتا ہو مگر چڑھ نہیں سکتا اِس لیے سخت تنگ دل ہوتا ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ الْاَنْعَام: ۱۲۴) ❷ (سُوْرَۃُ الرَّعْد: ۲۷) ❸ (سُوْرَۃُ الصَّفّ: ۵) ❹ (سُوْرَۃُ النِّسَآء: ۱۱۵)

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ ۔۔۔ الآية:

دَارُ السَّلٰمِ جنّت کے ناموں میں سے ہے۔

سوال جنّت کو دَارُ السَّلٰمِ کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب اس کے دو (۲) جواب ہیں:

① علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جنّت کو دَارُ السَّلٰمِ اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ جب جنّتی اُس میں داخل ہوں گے تو وہاں ملائک، نوکر وغیرہ سلام کریں گے۔

② جب جنّتی جنّت میں داخل ہوں گے تو شرور وفسادات، بیماری وغیرہ نہ ہوگی بل کہ ہمیشہ سلامتی ہوگی۔

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ○:

بِمَا میں بَاء سببیہ ہے۔ دخولِ جنّت کے لیے علت اللہ کی رضا اور عمل سبب ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۔۔۔ الآية:

ربط: یہ دَارُ السَّلٰمِ تو قیامت کے دن ملے گا، تو آگے اسی مناسبت سے قیامت کا ذکر کرتے ہیں۔

وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُمْ مِنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ۔۔۔ الآية:

"روح المعانی، کبیر، خازن، معالم التنزیل" وغیرہ میں دو (۲) تفسیریں مشہور ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: اے جنات کے گروہ! تم نے اِنسانوں کو مشرک بنایا؟ تو اس سلسلے میں اِنسان کہیں گے کہ: ہم نے شرک نہیں کیا بل کہ ہم نے دُنیاوی مفاد کے لیے ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھایا۔ تو اس تفسیر میں شرک کی نفی ہے اور اِثبات ہے کہ ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھایا۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: ہم میں سے بعض نے بعض سے فائدہ اُٹھایا ہے یعنی شرک کیا ہے۔ تو اس دوسری تفسیر میں شرک کا اِثبات ہے۔

قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ ۔۔۔ الآية:

سوال قَالَ کا فاعل کون ہے؟

جواب قَالَ کا فاعل اَللّٰه ہے اور اَلنَّار مقولہ ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔۔۔ الآية:

"تفسیرِ کبیر، مظہری، روح المعانی، دُرِّ منثور" وغیرہ تفاسیر میں اس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: یہاں مَا بمعنی مَنْ کے ہے۔ ہمیشہ اُس نَار میں رہیں گے مگر وہ جس کو اللہ چاہے کیوں کہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی ضلالت اور گمراہی کفر اور شرک تک نہیں پہنچی ہوگی بل کہ معصیت ہوگی۔ تو ایسے لوگ مُخَلَّد فِي النَّار نہیں ہوں گے۔

② علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مَا سے مُراد وقت ہے۔ اب معنی ہوگا: "مگر وہ وقت اَوقات میں سے جو رب چاہے" یعنی اُن کو نَار سے نکال کر زَمْهَرِيْرِيَة میں داخل کردے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۔۔۔ الآية:

ربط: اُوپر قیامت، جنات اور اِنسانوں کا ذکر تھا اور آگے قیامت کا ذکر ہے۔

اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ۔۔۔الآیۃ:

سوال کیا جنات میں بھی پیغمبر آئے ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① ضحاک بن مزاحم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جنات میں بھی پیغمبر آئے ہیں۔ اُن کے علاوہ باقی حضرات فرماتے ہیں کہ: جنّات میں پیغمبر نہیں آئے کیوں کہ نبوّت کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں جنات میں اُس کی اِستعداد موجود نہیں ہے۔

② یہاں رُسُل سے براہِ راست پیغمبر مُراد نہیں ہیں بل کہ پیغمبروں کے نائبین مُراد ہیں۔

سوال اگر جنات میں پیغمبر نہیں آئے تو اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ کا پھر کیا معنیٰ ہوگا؟ حال آں کہ یَاْتِکُمْ کی کُمْ ضمیر انسان اور جنّات دونوں کی طرف راجع ہے؟

جواب "روح المعانی، مدارک" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: اَلَمْ یَاْتِکُمْ اَیْ مِنْ مَجْمُوْعِکُمْ۔ اے گروہِ جن وانس! کیا تمہارے مجموعہ میں پیغمبر نہیں آئے؟

سوال جنّات کو اِنسانوں پر مقدّم کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب اِس کی دو (۲) وجوہات ہیں:

① جنّات کا ذکر پہلے اِس لیے کیا کہ اُن کی خلقت حضرت آدم علیہ السلام سے دو ہزار (۲۰۰۰) سال پہلے تھی۔ ② انسانوں کی بہ نسبت جنّات کی کثرت ہے۔

اِشکال: جنّات تو حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے تھے اور حضرت آدم علیہ السلام سے دو ہزار (۲۰۰۰) سال پہلے جنّات کی حکومت تھی اور وہ مکلّف تھے تو اُن کے پاس اَحکامِ شرعیہ کیسے اور کس طریقہ سے آئے؟

جواب: علّامہ فضل الدین شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے عارضی طور پر ملائک کو تبلیغ کرنے کے لیے جنّات کے پاس بھیجا تھا۔

قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا۔۔۔الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں: ① یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے۔ ② جنّات کا خود اپنا مقولہ ہے۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳۱﴾:

لفظِ قُرٰی سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ اَیْ اَهْلَ الْقُرٰی۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳۲﴾:

وَلِکُلٍّ میں تنوین مضاف الیہ کا عوض ہے۔ اَیْ کُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳۳﴾:

یُذْهِبْکُمْ اَیْ یُفْنِیْکُمْ۔ تم کو فنا کر دے۔

قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳۵﴾:

یٰقَوْمِ اَیْ یَا قَوْمِیْ۔ عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اَیْ عَلٰی طَرِیْقَتِکُمْ۔ اپنے طریقے پر عمل کرو۔

اِشکال: اِعْمَلُوْا اَمر کا صیغہ ہے، تو اِس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ: مَعَاذَ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو شرک اور کفر کا حکم دیا؟

جواب: اَمر کی دو (۲) قسمیں ہیں: ① اَمرِ تکلیفی۔ ② اَمرِ تہدیدی۔

① اَمرِ تکلیفی کہا جاتا ہے کہ: اٰمر مامور بہ کے وُقوع پر راضی ہو۔ جیسے: اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ نماز قائم کرو۔ رب اٰمر، صلوٰۃ مامور بہ ہے۔ صلوٰۃ یعنی نماز قائم کرنے سے رب راضی ہوتا ہے۔

② اَمرِ تہدیدی کہا جاتا ہے کہ: اٰمر مامور بہ کے وُقوع پر راضی نہ ہو۔ جیسے: یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ۔ اُن لوگوں کا کام کفر اور شرک تھا۔ کفر اور شرک ہر پیغمبر کو ناپسندیدہ ہے۔

تو یہاں اَمر تہدیدی ہے تکلیفی نہیں ہے، اِس پر قرینہ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ہے۔

مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر کشاف، بیضاوی، ابوسعود، مدارک" وغیرہ تفسیروں میں عَاقِبَةُ الدَّار کا معنی لکھا ہے کہ: اَلْعَاقِبَةُ الْمَحْمُوْدَةُ فِي الدَّارِ الْاٰخِرَةِ۔
اُچھا انجام آخرت کے گھر میں کس کو حاصل ہوگا؟

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ ۔۔۔ الآیۃ (۱۳۶):

ربط: اُوپر کفار کا ذکر تھا، اب آگے اُن کی شرکیہ رسموں اور اَفعالِ شرکیہ کا ذکر ہے۔
مشرکین ایسا کرتے تھے کہ: اپنی کھیتی کی پیداوار اور غلہ میں سے سب سے پہلے ایک ڈھیر رب تعالیٰ کے لیے متعین کرتے تھے اور پھر ایک لات منات کے لیے متعین کرتے تھے، جب لات، منات کے ڈھیر سے کچھ دانے رب کے ڈھیر میں چلے جاتے تو فوراً نکال لیتے تھے، لیکن رب کے ڈھیر کے دانے لات منات کے ڈھیر میں آجاتے تو اُن کو نہیں نکالتے تھے اور کہتے تھے: رب غنی ہے اور ہم محتاج ہیں۔ اسی طرح کا معاملہ جانوروں میں بھی کرتے تھے یعنی اُن میں بھی اللہ تعالیٰ اور لات، منات وغیرہ کے لیے جانور متعین کرتے تھے۔

فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ:

وَصَلَ، يَصِلُ باب ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہے۔ معنی ہے: پہنچنا۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ (۱۳۷):

مشرکین کا یہ قاعدہ تھا کہ: جس طرح وہ اپنی بیٹیوں کو قتل کرتے تھے اِسی طرح اپنے بیٹوں کو بھی جب وہ دس (۱۰) ہوجاتے تھے تو ایک کو تقرب کے لیے ذبح کرتے تھے۔ اِسی لیے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: اَنَا ابْنُ الذَّبِيْحَيْنِ (۱) ایک تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف اِشارہ ہے اور دوسرا اپنے والد حضرت عبداللہ کی طرف اِشارہ ہے کیوں کہ عبدالمطلب اُن کو ذبح کرنے کے لیے لے گئے تھے۔

لِيُرْدُوْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اَرْدٰى، يُرْدِيْ، اِرْدَاءً باب اِفْعَال سے ہے۔ معنی ہے: "تباہ کرنا"۔

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ ۔۔۔ الآیۃ (۱۳۹):

جب جانور کا زندہ بچہ پیدا ہوتا تو کہتے تھے کہ: خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا۔ اور اگر مُردہ پیدا ہوتا تو عورتوں کو بھی شریک کرتے تھے۔ کیسی سخاوت تھی؟ اُس کی مثال بھی نہیں ملتی۔

سوال هٰذِهِ الْاَنْعَامِ سے کیا مُراد ہے؟

جواب هٰذِهِ الْاَنْعَامِ سے مُراد وہ جانور ہے جو غیرُ اللہ کے نام پر وقف کیا گیا ہو۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ ۔۔۔ الآیۃ (۱۴۱):

ربط: اَبھی پڑھا گیا کہ: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ ۔۔۔ الآیۃ (۲) تو آگے تفصیل سے بیان فرماتے ہیں کہ: یہ تمام چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور تم حصے دوسروں کے لیے بناتے ہو؟ مَعْرُوْشٰت کا معنی ہے: "دوسرے پر بچھائے گئے"۔ مثلاً: خربوز، انگور وغیرہ۔

وَغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ ۔۔۔ الآیۃ:

اپنے تنوں پر قائم ہوں دوسروں کے محتاج نہ ہوں۔

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

اَيْ مِنْ ثَمَرِ الْمَذْكُوْرِ۔

---

(۱) (مستدرک علی الصحیحین، کتاب التواریخ، ذکر من قال ان الذبیح اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام، ج ۲، ص ۶۰۹ طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت)
(۲) (سُوْرَۃُ الْاَنْعَام، ۱۳۶)

وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

بارانی زمین ہو اور ٹیوب ویل یا آبیانہ نہ ہو تو دسواں حصہ ہے۔

سوال حَصَادِهٖ کی "ہ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب حَصَادِهٖ کی "ہ" ضمیر زَرَع کی طرف راجع ہے۔

وَ مِنَ الْاَنْعَامِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴۲﴾:

اَیْ وَاَنْشَأَ مِنَ الْاَنْعَامِ۔ اور مویشیوں میں سے۔

حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ۔۔۔ الآیۃ:

فَرْش چھوٹے قد والے جانور کو کہتے ہیں۔ جیسے: بکری، بھیڑ وغیرہ۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴۳﴾:

یہ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا سے بدل ہے۔

مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۔۔۔ الآیۃ:

ضَاْن کہا جاتا ہے وہ جانور جس پر اُون ہو، سینگ والا ہو، کان والا ہو۔ مَعْز بکری کو کہا جاتا ہے۔

اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۔۔۔ الآیۃ:

بکری اور بھیڑ کا رحم۔ "فتاویٰ سراجیہ، قاضی خان، البحر الرائق" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اَلْجَامُوْسُ نَوْعٌ مِّنَ الْبَقَرِ۔

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴۵﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: مشرکین نے اپنے آپ پر بعض اشیاء حرام کر دی تھیں جیسے وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۔۔۔ الآیۃ (۱) وغیرہ۔ تو اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: قُلْ لَّاۤ ۔۔۔ الآیۃ۔

فَاِنَّهٗ رِجْسٌ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال اِنَّهٗ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو اَقوال ہیں:

① اِنَّهٗ کی "ہٗ" ضمیر خنزیر کی طرف راجع ہے۔ یعنی خنزیر بِجَمِيْعِ اَجْزَاءِهٖ نجس ہے۔ ② اِنَّهٗ کی "ہٗ" ضمیر گوشت کی طرف راجع ہے۔

اَوْ فِسْقًا ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لفظ فِسْقًا مصدر ہے اور لَحْمٌ وغیرہ ذات ہے تو حمل صحیح نہیں؟

جواب "تفسیر کشاف" میں لکھا ہے کہ: یہاں مضاف محذوف ہے اَیْ ذَا فِسْقٍ۔

وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴۶﴾:

اَبھی عارضی طور پر حرام چیزوں کا بیان ہے۔

حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۔۔۔ الآیۃ:

وہ جانور جس کے ناخن کٹے ہوئے نہ ہوں بل کہ جڑے ہوئے ہوں۔ مثلاً: شتر مرغ، بطخ۔

---

(۱) (سُوْرَۃُ الْاَنْعَام، ۱۳۹)

حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ۔۔۔ الآیۃ:

وہ چربی جو پیٹ کے ساتھ یا انتڑیوں کے ساتھ یا ہڈیوں کے ساتھ ہو وہ حرام نہ تھی۔

اَوِ الْحَوَايَآ۔۔۔ الآیۃ:

حَوَايَا، حَوَايَةٌ کی جمع ہے۔ "انتڑی" کو کہتے ہیں۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴۸﴾:

یعنی ہم نے یہ چیزیں جو حرام کی ہیں، شرک کیا ہے، کفر کیا ہے وغیرہ، تو اِن سب باتوں پر رب تعالیٰ راضی ہے اور اگر راضی نہ ہوتا تو ہمیں منع کرتا۔ یہ مضمون سُوْرَۃُ النَّحْل کے پانچویں رکوع میں ہے یعنی مشرکین کا یہ کہنا غلط ہے کہ: خدا کی طرف سے روکا نہیں گیا۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک حسبِ ضرورت و مصلحت حق تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجتا رہا ہے، جن کا کام ہی یہ تھا کہ لوگوں کو شرک و اَعمالِ شرکیہ سے روکیں اور صاف صاف بیان کریں کہ خدا تعالیٰ کو کیا کام پسند ہے، کیا ناپسند اور اُن میں سے ہر ایک کا اَنجام کیا ہے؟ باقی یہ کہ لوگوں کو تکوینی طور پر مجبور کیوں نہ کر دیا گیا کہ: وہ بدی کا راستہ اِختیار ہی نہ کر سکتے؟ تو یہ بات آپس کی حکمت کے منافی تھی۔

فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴۹﴾:

سوال یہ حُجَّةُ الْبَالِغَة کیا ہے؟

جواب تو سُوْرَۃُ النَّحْل رکوع نمبر پانچ (۵) میں ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۝ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۝ ❶ ہم نے ہر قوم میں پیغمبروں کو بھیجا اِس لیے تاکہ تم بعض آؤ۔ یہی حُجَّةُ الْبَالِغَة ہے۔

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ۝:

اگر اللہ تعالیٰ تکوینی طور پر تمام سے کفر کی قوت سلب کرتا تو تمام ہدایت پر آتے مگر یہ حکمت کے خلاف ہے۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵۰﴾:

هَلُمَّ کے متعلق تین (۳) باتیں ہیں:

① "نبراس شرح شرح العقائد" میں صفحہ نمبر اڑتالیس (۴۸) میں لکھا ہے کہ: بصریین کے نزدیک بِفَتْحِ الْهَاءِ وَبِكَسْرِ هَا دونوں صحیح ہے۔ نحاۃ بصریین کہتے ہیں کہ: یہ اَصل میں هَا لُمَّ ہے۔ هَا حرفِ تنبیہ ہے اور لُمَّ، يَلُمُّ سے لُمَّ اَمر کا صیغہ ہے لُمَّ نَفْسَكَ اِجْمَعْ نَفْسَكَ متوجہ کرو۔ پشتو میں کہتے ہیں: "راغونڈ شہ"۔ کوفیین کہتے ہیں کہ: اَصل میں هَلْ اُمَّ تھا، هَلْ حرفِ اِستفہام اور اُمَّ بَابِ نَصَرَ، يَنْصُرُ سے اَمر کا صیغہ ہے بمعنی قصد کرنا۔

اِشکال: هَلْ اِستفہام ہے اور اِستفہام اَمر پر کیسے داخل ہوا؟

جوابؒ: هَلْ يَجِيْئُ لِلطَّلَبِ وَالتَّهْدِيْدِ اور جب لِلتَّهْدِيْد ہو تو جمع ہو سکتے ہیں۔

② پھر علماء حجازیین اِس کو مفرد اِستعمال کرتے ہیں اور علماء نجدیین حسبِ مواضع اِستعمال کرتے ہیں یعنی مذکر کے لیے مذکر وغیرہ، هَلُمَّ، هَلُمَّا، هَلُمُّوْا، هَلْمُمْنَ، مفرد کے لیے مفرد، تثنیہ کے لیے تثنیہ وغیرہ۔

③ کبھی یہ لفظ لازم آتا ہے اور کبھی متعدی آتا ہے۔ لازم ہو تو مفعول کی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر متعدی ہو تو مفعول کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں متعدی ہے۔ معنی ہے: "لاؤ گواہ"۔۔۔ الآیۃ۔ لازم ہو۔ مثلاً: هَلُمَّ اِلَيْنَا۔۔۔ الآیۃ ❷

❶ (سُوْرَۃُ النَّحْل ۳۵-۳۶)　❷ (سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب ۱۸)

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ۔۔۔الآیۃ:

ربط: مشرکین کا رد چلا آرہا ہے، ابھی بھی مشرکین کا رد ہے اِس طور پر کہ اے مشرکین! تم نے اپنے آپ پر بعض اشیاء حرام کی ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ: آؤ میں تم کو محرمات بتاؤں۔

اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا۔۔۔الآیۃ:

اِشکال: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ تو جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا حرام ہے تو مفہوم یہ ہوا کہ: (نَعُوْذُ بِاللهِ) شرک کرو کیوں کہ شرک نہ کرنا تو حرام ہے؟

جواب: اِس کے تین (۳) آسان جواب ہیں:

① "تفسیر بیضاوی، کشاف، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اَنْ لَا میں لَا زائد ہے۔ معنی ہے: "آؤ! میں پڑھوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے کہ شریک ٹھہراؤ"۔

② "سراج المنیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: رَبُّكُمْ پر جملہ ختم ہوا اور عَلَيْكُمْ سے جملہ مستانفہ ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ: "لازم ہے تم پر کہ شرک نہ کرو"۔

③ اَمَرَ کا فعل یہاں مقدر ہے عَلَيْكُمْ پر جملہ ختم ہوا۔ اَمَرَ رَبُّكُمْ اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا۔۔۔الآیۃ۔

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ خَشْيَةَ یہاں محذوف ہے جب کہ دوسری جگہ مذکور ہے: وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ۔۔۔الآیۃ [1] یہ اُن لوگوں کا ذکر ہوگا جو فی الحال مفلس نہیں مگر ڈرتے ہیں کہ جب عیال زیادہ ہوگی تو کہاں سے کھلائیں گے؟

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ۔۔۔الآیۃ:

یتیم کا مال غصب کرنا تو درکنار قریب بھی نہ جاؤ یعنی مبادی اور وسائل سے بھی اِجتناب کرنا چاہیے۔

اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔۔۔الآیۃ:

اَلَّتِيْ کا موصوف محذوف ہے۔ اَيْ بِالْخَصْلَةِ الَّتِيْ / بِالطَّرِيْقَةِ الَّتِيْ۔

حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ۔۔۔الآیۃ:

سوال: لفظِ اَشُدَّ کیا ہے؟

جواب: "صُراح" لغت کی کتاب ہے، اُس کے صفحہ نمبر ایک سو چوتیس (۱۳۴) میں اِس کے متعلق پانچ (۵) باتیں ذکر ہیں:

① یہ مفرد بروزن جمع ہے۔ مثلاً: اُنُكٌ کا لفظ مفرد ہے وزن جمع کا ہے۔ وَلَا نَظِيْرَ لَهُمَا۔ عربی میں اِن دونوں یعنی اَشُدّ اور اُنُك کی کوئی اور نظیر نہیں ہے، اِس طور پر کہ لفظ مفرد ہو اور وزن جمع کا ہو۔

② یہ جمع کا صیغہ ہے اِس کے لفظ سے اِس کا کوئی مفرد نہیں۔ مثلاً: اُوْلُوْا جمع ذُوْ۔ رِكَابٌ جمع رَاحِلَة۔ نِسَآء جمع اِمْرَأَة کی ہے۔

③ علامہ سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ شِدَّةٌ کی جمع ہے۔ جیسے: نِعْمَةٌ کی جمع اَنْعُمٌ ہے۔

④ یہ شَدٌّ کی جمع ہے۔ جیسے: كَلْبٌ کی جمع اَكْلُبٌ ہے۔

⑤ یہ شِدٌّ کی جمع ہے۔ جیسے: ذِئْبٌ کی جمع اَذْؤُبٌ ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ:

تَتَّقُوْنَ کا مفعول محذوف ہے۔ اَيْ تَتَّقُوْنَ عِقَابَهٗ، تَتَّقُوْنَ عَذَابَهٗ۔

---

[1] (سُوْرَةُ بَنِيْ اِسْرَآءِيْل: ۳۱)

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال یہاں ثُمَّ آیا ہے اور یہ تو تعقیب کے لیے آتا ہے؟

جواب تعقیب کی دو (۲) قسمیں ہیں: ① تعقیبِ حقیقی۔ ② تعقیبِ ذکری۔

یہاں ثُمَّ تعقیبِ ذکری ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ: یہ اَحکام تو تم نے سن لیے، پھر یہ ذکر بھی سُن لو کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ: تورات موسیٰ علیہ السلام کو قرآن کے بعد ملی۔

تَمَامًا عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ ۔۔۔ الآیۃ:

"جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: تَمَامًا لِلنِّعْمَۃِ عَلَی الَّذِیْ اَحْسَنَ الْقِیَامَ بِہٖ ۔ہم نے اپنی نعمت مکمل کی اُس پر جس نے صحیح معنوں میں اُس کو قائم کیا۔

وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ۔۔۔ الآیۃ:

اہلِ بدعت کا غلط اِستدلال: اہلِ بدعت کہتے ہیں کہ: قرآن پاک تَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہے اور قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم ہے۔

جواب یہاں لِکُلِّ شَیْءٍ سے مُراد یُحْتَاجُ اِلَیْہِ فِیْ اَمْرِ الدِّیْنِ ہے یعنی دین میں جس چیز کی طرف محتاجی ہو۔

وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر تورات کا ذکر تھا اور آگے قرآن پاک کا ذکر ہے اِس طور پر کہ جیسے ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب اُتاری تھی تو اُسی طرح ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کتاب اُتاری اور یہ کتاب ہم نے اِس لیے نازل کی ہے تاکہ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْکِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیْنِ ۔۔۔ الآیۃ طَآئِفَتَیْنِ سے مُراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ۔۔۔ الآیۃ:

یَنْظُرُوْنَ اَیْ ھَلْ یَنْتَظِرُوْنَ یہ کس چیز کا اِنتظار کرتے ہیں؟

اَوْ یَاْتِیَ رَبُّکَ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① متقدمین فرماتے ہیں کہ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جلوہ اَفروز ہوں گے۔

② متاخرین فرماتے ہیں کہ: اِس سے مُراد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ رَبُّکَ اَیْ اَمْرُ رَبِّکَ۔ قرینہ یہ ہے کہ: سُوْرَۃُ النَّحْل میں یہ لفظ ہے:

اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّکَ ۔۔۔ الآیۃ ❶

اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس آیت سے مُراد یہ ہے کہ: اپنی شان کے مناسب صفا کی پہاڑی کی طرف سے حیوان صفت جانور حاضر ہوگا، اِنسان کی شکل کا ہوگا، وہ دَآبَّۃُ الْاَرْض ہوگا اور وہ لوگوں سے باتیں کرے گا۔ یہ اِس لیے اللہ تعالیٰ بھیجے گا کہ اُن لوگوں نے تو اِنسان کی بات نہ مانی تو دَآبَّہ کی تو سُنیں گے۔

اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِھَا خَیْرًا ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ کَسَبَتْ بھی لَمْ کے تحت ہے اٰمَنَتْ پر عطف ہے۔ اِس سے مُراد سورج کا مغرب سے نکلنا ہے، جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

❶ (سُوْرَۃُ النَّحْل: ۳۳)

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اپنے دین میں سب سے پہلے جس نے تفرقہ ڈالا وہ "عبداللہ بن سبا" یہودی تھا، اُس کے بعد یہ دوسرے فرقے معتزلہ وغیرہ بن گئے۔

"التحریر، مسلم الثبوت" وغیرہ اصول کی کتابوں میں لکھا ہے کہ: اِختلاف دو (۲) قسم کا ہے:

① اُصولی۔ ② فُروعی۔

اُصولی اِختلاف مُضر ہے اور فُروعی اِختلاف اَچھا ہے لیکن فُروعی اِختلاف میں جو اہل ہو، مجتہد ہو، دیانت داری سے کرے تو اَچھا ہے ورنہ پھر بھی مُضر ہے۔

مثلاً: اپنی اَغراض، دُنیاوی جاہ و جلال کے لیے ہو تو مُضر ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ ۔۔۔ الآیۃ:

مَنْ لفظاً مفرد اور معناً جمع ہے۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال دِیْنًا قِیَمًا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ موصوف صفت مل کر اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کے محل سے بدل ہے، اس لیے منصوب ہے۔ صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ، اِلٰى کی وجہ سے مجرور ہے اگر حرفِ جر اِلٰى نہ ہوتا تو صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ منصوب ہوتا۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ۔۔۔ الآیۃ:

تمام تفسیروں میں لکھا ہے کہ: وَازِرَةٌ صفت ہے اِس کا موصوف محذوف ہے۔ اَیْ نَفْسٌ وَّازِرَةٌ۔ اِسی طرح اُخْرٰى صفت ہے اِس کا موصوف محذوف ہے۔ اَیْ نَفْسٌ اُخْرٰى۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی: وَلَا تَزِرُ نَفْسٌ وَّازِرَةٌ وِزْرَ نَفْسٍ اُخْرٰى۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① مطلب یہ ہے کہ: تمہارے بڑے تھے وہ گئے اور تم آ گئے۔

② دوسرا مطلب ہے کہ: خداوند تعالیٰ نے تم کو اپنا نائب بنایا اِس طور پر کہ: تم اُس کے دیے ہوئے اِختیارات سے کام لے کر کیسے کیسے حاکمانہ تصرفات کرتے ہو۔

رُکُوْعَاتُھَا (۲۴) (۷) سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ مَکِّیَّۃٌ (۳۹) اٰیَاتُھَا (۲۰۶)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: "تفسیر کبیر" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پچھلی سورۃ کی آخری آیت میں تھا کہ اللہ تعالیٰ سَرِیْعُ الْعِقَاب اور غَفُوْرُ الرَّحِیْم ہے، اب عِقَاب اور رحم کا محل بتاتے ہیں کہ: اِن کا محل قیامت کا دن ہے۔ جس کا ذکر اِس سورۃ کے پہلے رُکوع میں آ رہا ہے کہ: قیامت کے دن نیکیاں اور بدیاں تولی جائیں گی۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف ہے کیوں کہ اِس سورۃ میں "اَصحاب اَعراف" کا ذکر آئے گا۔

الٓمّٓصٓ ○ ﴿۱﴾:

اَلِف سے مُراد اللہ، لَام سے مُراد لَطِیْفٌ، مِیْم سے مُراد مَالِکٌ، دوسرے مِیْم سے مُراد مُقِیْتٌ، صَاد سے مُراد صَبُوْرٌ۔

"اللہ" تو رب تعالیٰ کا ذاتی نام ہے، باقی لَطِیْفٌ، مَالِکٌ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔

کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲﴾:

لفظِ کِتَاب خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ اَیْ ھٰذَا کِتَابٌ۔

لِتُنْذِرَ بِہٖ۔۔۔ الآیۃ:

نزولِ کتاب کی علّت: یہاں سے اللہ تعالیٰ نزولِ کتاب کی علّت بیان فرما رہے ہیں کہ: یہ کتاب اِس لیے نازل کی گئی تاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اِس کتاب کے ذریعے لوگوں کو ڈرائیں۔

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶﴾:

مطلب یہ ہے کہ: ایسا سوال کہ مَاۤ اُجِبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَ؟

وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ﹰالْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸﴾:

وزنِ اَعمال کے بارے میں اہلِ حق اور معتزلہ کا اختلاف ہے:

اہلِ حق کا قول: تمام اہلِ حق اِس کے قائل ہیں کہ: قیامت کے دن حَسَنَات اور سَیِّئَات ترازو کے ساتھ تولے جائیں گے۔

معتزلہ کا قول: معتزلہ ترازو یعنی وزنِ اَعمال نہیں مانتے۔

معتزلہ کے دلائل: اُن کے دو (۲) دلائل ہیں:

① پہلی دلیل: اِس وزنِ اَعمال سے اللہ تعالیٰ کی جہالت لازم آتی ہے کیوں کہ ترازو تو لوگ اِس لیے رکھتے ہیں کہ چیز نامعلومُ الوزن کا وزن معلوم کریں اور جب اللہ تعالیٰ بھی وزن کرتا ہے تو اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کو اِن اَعمال کا علم اور پتہ نہ تھا؟

جواب اہلِ حق علماء جواب دیتے ہیں کہ: ہاں! ہم مانتے ہیں کہ جہالت لازم آتی ہے لیکن ہم یہ نہیں مانتے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہالت لازم آتی ہے بل کہ یہ جہالت مخلوق کے لیے لازم آتی ہے، نہ کہ خالق کے لیے یعنی اللہ تعالیٰ یہ وزن اِس لیے کرتا ہے تاکہ مخلوق کو دکھائے کہ تم نے فلاں عمل کیا ہے، فلاں کیا، فلاں عمل کیا وغیرہ وغیرہ یعنی لوگوں کو دکھانے کے لیے یہ میزان قائم فرمایا ہے۔

② دوسری دلیل: اَعمال نہیں تولے جاسکتے کیوں کہ اَعمال اَعراض ہیں اور اَعراض تو تولے نہیں جاسکتے، جواہر تو لے جاسکتے ہیں؟

جواب اہلِ حق کی طرف سے اِس دلیل کے تین (۳) جواب ہیں:

① "فوائدِ عثمانیہ" میں لکھا ہے کہ: اَعراض بھی تولے جاسکتے ہیں۔ ہمارے بدن میں بخار ہوتا ہے، تھرمامیٹر کے ذریعے اُس کو معلوم کیا جاتا ہے کہ ہمارے جسم میں اِس وقت اِتنے ڈگری حرارت ہے۔ تو مِقْیَاسُ الْحَرَارَۃِ وَالْبُرُوْدَۃِ وغیرہ یہ سب میزان ہیں۔ تو یہ تولنا عقلاً صحیح ہے۔

② اِس جہاں میں جو چیزیں اَعراض ہیں وہ اگلے جہاں میں اَجسام اور جواہر ہوں گی۔

"ترمذی شریف" میں روایت ہے کہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صحیح اسناد کی اَحادیث ہیں کہ: کوئی ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللهِ کہے تو وہاں ایک درخت لگے گا اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے تو دوسرا اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کہے تو تیسرا [1] تو یہاں اِس نے یہ اَعمال کیے اور وہاں اِس سے جواہر بن گئے اور درخت اور جواہر تو تولے جاسکتے ہیں۔

③ اگر کسی کو یہ سمجھ نہیں آتی ہے تو اُس کو سمجھانے کے لیے کہا جاتا ہے کہ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اِن اَعمال کو کاغذ پر لکھ کر تول دیں گے۔

مثلاً: "موارد الظمآن، ترمذی" وغیرہ میں آتا ہے کہ: ایک شخص جس کے ننانوے (۹۹) دفتر بدیوں کے ہوں گے مگر صرف اُس نے کلمہ پڑھا ہو تو وہ قیامت کے دن کہے گا کہ: کہاں مَیں اور میرے یہ اَعمال؟!! تو اللہ تعالیٰ اُس کے اِس کلمہ کو جو اُس نے پڑھا تھا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ لکھے گا اور تولے گا تو وہ اُن تمام دفاتر پر بھاری ہوگا [2] اِسی طرح اللہ تعالیٰ جب اُن سارے اَعمال کو تولے گا تو کتنا بھاری ہوگا؟ لیکن آپ کو مغالطہ نہ ہو!!

"فتح الباری، ارشاد الساری" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: یہ حکم اُس شخص کا ہے جس نے شرک کے بعد صرف کلمہ پڑھا ہو اور اُس نے دوسرے اَعمال کے لیے وقت نہ پایا ہو۔

لفظِ مَوَازِیْن کی تحقیق: قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ مَوَازِیْن جمع ہے مَوْزُوْنٌ کی یا مِیْزَانٌ کی، دونوں صحیح ہیں۔ اگر مَوْزُوْنٌ کی جمع ہو تو مُراد عمل ہے اور وہ تو زیادہ ہوں گے اور اگر مِیْزَانٌ کی ہو تو پھر بھی صحیح ہیں کیوں کہ اُس دن بہت سے میزان لگے ہوں گے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰﴾:

ربط: آگے اللہ تعالیٰ اپنے اِحسانات بیان فرماتے ہیں یعنی اُوپر ترہیب تھی اب ترغیب ہے۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ مَعَایِشَ جمع ہے مَعِیْشَۃٌ کی۔ اِس کا معنیٰ ہے: رُوزیاں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱﴾:

ربط: اُوپر اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کا ذکر تھا کہ ہم نے تم کو رُوزی دی اور زمین میں قدرت دی وغیرہ، اب آگے خود اِنسان کی خِلْقَت کی نعمت، حضرت آدم علیہ السلام کی اَولاد میں ہونے کی نعمت جن کے سامنے فرشتے بھی سربسجود ہیں ذکر فرماتے ہیں۔ تو اِس سے اِنسان کی شرافت ثابت فرماتے ہیں۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲﴾:

اَلَّا تَسْجُدَ میں لَا زائدہ ہے۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳﴾:

سوال مِنْهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① مِنْهَا کی "هَا" ضمیر جنّت کی طرف راجع ہے۔ یعنی جنّت سے اُتر جاؤ۔

② مِنْهَا کی "هَا" ضمیر سَمٰوٰت کی طرف راجع ہے۔ یعنی آسمانوں سے اُتر جاؤ۔

③ مِنْهَا کی "هَا" ضمیر جماعتِ ملائکہ کی طرف راجع ہے۔ یعنی فرشتوں کی جماعت سے اُتر جاؤ۔

---

[1] (جامع الترمذی، ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲، ص ۱۸۴، طبع قدیمی، کراچی)

[2] (جامع الترمذی، ابواب الایمان عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی من یموت وھو یشھد لا الٰہ الا اللہ، ج ۲، ص ۱۸۴، طبع قدیمی، کراچی)

قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ (۱۴):

شیطان نے اللہ تعالیٰ سے نَفْخَۃُ ثَانِیَۃ تک مہلت مانگی تو آگے آیت میں آتا ہے کہ: قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝ (۱) یہ آیت مجمل ہے جب کہ دوسرے مقام پر قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ (۲) ہے۔ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ کا معنی ہے: نَفْخَۃُ اُوْلٰی تک تجھے مہلت ہے۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ ۔۔۔الآیۃ (۱۶):

بِمَا میں مَا زائدہ ہے اور بَاء سببیہ ہے۔ معنی یہ ہوا کہ: "بہ سبب اس کے کہ تُو نے مجھے گمراہ کیا"۔ یعنی میرا اپنا کوئی قصور نہ تھا، لیکن تُو نے مجھے گمراہ کیا۔

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّھُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَمِنْ خَلْفِھِمْ وَعَنْ اَیْمَانِھِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِھِمْ ۔۔۔الآیۃ (۱۷):

مِنْ فَوْقِھِمْ نہیں کہا کیوں کہ اُوپر کی طرف سے اُس کی طاقت ہی نہیں اور نیچے سے وہ اپنے آپ کو ذلیل سمجھتا ہے۔

لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنْکُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ (۱۸):

اَجْمَعِیْنَ کے دو (۲) معنی لغت کی کتابوں میں مشہور ہیں:

① لفظِ اَجْمَعَ، کُل کے معنی میں آتا ہے جو کہ یہاں مُراد نہیں ہے کیوں کہ اگر کُل کا معنی مُراد لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ: تمام انسان اور جنات دوزخ میں جائیں گے۔ جیسے کہ ارشاد ہے: لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝ (۳) تو پھر جنت میں کون جائے گا؟

② "قاموس، صراح، مختار الصحاح" وغیرہ لغت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ: لفظِ اَجْمَعَ کے معنی اِکھٹے کے ہیں یعنی ایک ساتھ۔

اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَا مَلَکَیْنِ ۔۔۔الآیۃ (۲۰):

حضرت آدم علیہ السلام کی توجہ اِس بات کی طرف نہ گئی کہ اگر ملائک میں سے ہو جائیں تو کیا ہوا؟ یہ تو کوئی بڑی بات نہیں کیوں کہ ملائک آدم علیہ السلام سے اَفضل تو نہیں کیوں کہ اُنہوں نے تو آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔

وَقَاسَمَھُمَآ ۔۔۔الآیۃ (۲۱):

لفظِ قَاسَمَ بابِ مُفَاعَلَۃ سے بمعنی مجرد قَسَمَ کے ہے اَیْ قَسَمَ لَھُمَا۔

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَۃَ ۔۔۔الآیۃ (۲۲):

چکھا، کھایا نہیں۔

وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْھِمَا ۔۔۔الآیۃ:

انجیر کے درخت نے پتے دیے باقی کسی درخت نے نہیں دیے۔

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّۃِ ۔۔۔الآیۃ:

یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَیْ مِنْ وَرَقِ شَجَرِ الْجَنَّۃِ۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۔۔۔الآیۃ (۲۳):

اِس سے اِنسان کی شرافت بیان فرماتے ہیں کہ: حضرت آدم علیہ السلام نے کوئی عذر پیش نہیں کیا بل کہ اِعتراف کیا کہ مجھ سے خطاء ہوگئی۔

سوال حضرت آدم علیہ السلام نے اُس درخت سے کیوں کھایا؟

جواب تفاسیر میں اِس کی تین (۳) وجوہات لکھی ہیں: ① "معالم التنزیل، روح المعانی" میں ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ: قسم سے دھوکہ کھایا۔

② اُنہوں نے یہ خیال کیا کہ: نَھِی ہے لیکن نَھِی تنزیہی ہے، تحریمی نہیں ہے۔

③ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ آدم علیہ السلام نے اُس جنس کا دوسرا درخت کھایا وہ خاص درخت نہیں کھایا۔

(۱) (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف، ۱۵) (۲) (سُوْرَۃُ الْحِجْر، ۳۷، ۳۸) (۳) (سُوْرَۃُ ھُوْد، ۱۱۹)

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

قادیانیوں کا غلط استدلال: قادیانی کہتے ہیں کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔

دلیل: دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو فرمایا: فِيْهَا تَحْيَوْنَ۔ تم زمین میں زندہ رہو گے۔ اس آیت میں فِيْهَا کو مقدم کیا جو کہ حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ: زمین ہی میں زندہ رہو گے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر کیسے زندہ ہیں؟ زمین سے الگ ہو کر کیسے زندہ ہیں؟

جواب سائنس نے اس اشکال کو بھی حل کر دیا، اس طور پر کہ لوگ خلاء میں جاتے ہیں، وہاں سے واپس آتے ہیں تو وہ لوگ وہاں پر زندہ رہے، اسی طرح لوگ چاند پر پہنچ کر زندہ رہے، اب زہرہ پر کمندیں ڈال رہے ہیں، یہ سب لوگ کیسے زندہ ہیں؟ اگر انسان کے ایجاد کردہ ان مصنوعی آلات کے ذریعے کوئی زمین سے علیحدہ رہ کر زندہ رہ سکتا ہے تو خدائے قادر مطلق کی قدرت سے کیوں زندہ نہیں رہ سکتا؟

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اوپر ذکر تھا کہ آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام سے جنت کا لباس چھین لیا گیا، تو انہوں نے درختوں کے پتوں سے اپنا تَسَتُّر۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا ۔۔۔ الآیۃ ❶ ایک طرف تو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حواء علیہا السلام تَسَتُّر کا انتہائی اہتمام کر رہے۔ اس کے برخلاف مشرکین میں قریش کے علاوہ باقی لوگ ننگے طواف کرتے تھے اور اپنے اس فعل کے بارے میں مختلف حکمتیں بیان کرتے تھے:

① کبھی کہتے کہ: جب ہم ماں کے پیٹ سے نکلے تھے تو ہمارے اوپر لباس نہیں تھا، لہٰذا ہم اسی طرح رب کے سامنے پیش ہوتے ہیں جیسے اس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔

② کبھی کہتے کہ: اس لباس میں ہم نے گناہ کیے ہیں لہٰذا ہم اس لباس میں رب کی عبادت نہیں کریں گے۔

③ کبھی کہتے کہ: لباس بھی دنیا کی ایک چیز ہے تو ہم دنیادار ہو کر یعنی دنیا کی چیزیں استعمال کر کے کیوں اللہ کے گھر کا طواف کریں؟

یہاں سے اللہ تعالیٰ ان کی تردید فرما رہے ہیں۔

سوال اَنْزَلْنَا کے کیا معنی ہیں؟

جواب اس کے دو (۲) معنی ہیں:

① اَنْزَلْنَا یہاں خَلَقْنَا کے معنی میں ہے اور عَلَيْكُمْ میں عَلٰی بمعنی لام کے ہے۔ أی قَدْ خَلَقْنَا لَكُمْ لِبَاسًا۔ ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا ہے۔

② اَنْزَلْنَا اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ: ہم نے آسمان سے بارش نازل کی، اس سے کپاس پیدا ہوئی، اس کپاس سے روئی نکلی، اس روئی سے تمہارا لباس بنا۔ اسی آسمان سے بارش برسائی، بارش سے پودے پیدا ہوئے، پھر پودے بھیڑوں اور اونٹوں نے کھائے، جس سے بھیڑوں پر اون اور اونٹوں پر پشم نکلا جس سے تمہارا لباس بنا۔ گویا لباس کا منبع اوپر یعنی آسمان سے اترا ہے۔

وَرِيْشًا ۔۔۔ الآیۃ:

زیبائش کا ذریعہ۔

يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا ۔۔۔ الآیۃ:

يَنْزِعُ کی نسبت شیطان کی طرف مجازی ہے کیوں کہ درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام سے لباس تو اللہ تعالیٰ نے اتارا تھا۔ لیکن ان دونوں کے لباس اتروانے کا سبب شیطان بنا تھا اس لیے يَنْزِعُ کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

بعض حضرات کا مذکورہ آیت سے غلط استدلال: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: جنات کسی بھی انسان کو کسی بھی وقت نظر نہیں آسکتے۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْأَعْرَاف، ۲۲)

دلیل: دلیل کے طور پر قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ: اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ۔۔۔الآیۃ ❶ یعنی شیطان اور اُس کی برادری والے تمہیں دیکھتے ہیں جہاں سے تم اُنہیں نہیں دیکھتے۔ اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ: کسی وقت بھی کوئی جن، کوئی شیطان کسی انسان کو نظر نہیں آسکتا ہے۔

جواب حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنی کتاب "فوائد عثمانیہ" میں لکھتے ہیں کہ: یہ قضیہ مطلقہ ہے، قضیہ دائمہ نہیں ہے۔ یعنی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہم کو دیکھتے ہیں اور ہم اُن کو نہیں دیکھتے اِس کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی وقت بھی کوئی شخص کسی صورت میں اُن کو نہ دیکھ سکے۔ پس! آیت سے رُؤیتِ جن کی بالکلیہ نفی پر اِستدلال کرنا کوتاہ نظری ہے۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۹﴾:

اِشکال: بِالْقِسْطِ تو مصدر ہے اور اَقِیْمُوْا تو فعلِ اَمر ہے اور اَمر کا مصدر پر عطف کیسے دُرست ہوسکتا ہے؟

جواب: اِس کے دو (۲) جوابات ہیں:

① اَقِیْمُوْا کا عطف قِسْط کے لفظ پر نہیں بل کہ قِسْط کے معنی پر ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ اَیْ اَقْسِطُوْا وَ اَقِیْمُوْا۔

② اَقِیْمُوْا کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ اَیْ فَاَقْبِلُوْا وَ اَقِیْمُوْا۔

وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔۔۔الآیۃ:

لفظ مَسْجِدٍ مصدر میمی ہے۔ اِس سے مُراد صلوٰۃ یعنی نماز ہے۔ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اَیْ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۱﴾:

اِنسان کو ایسے لباس میں نماز پڑھنی چاہیے جس لباس میں آدمی بازار میں، شادی بیاہ میں یا کسی اچھی مجلس میں جائے تو اُس مجلس وغیرہ میں آدمی کو اُس لباس کے پہن کر جانے میں کراہت محسوس نہ ہو۔ اسی لیے مسجدوں میں جو ٹوپیاں ہوتی ہیں اُن میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: اِن ٹوپیوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِن ٹوپیوں کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور ہمارے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ اِذَا ابْتُلِیْتَ فِی الْاَمْرَیْنِ فَاخْتَرْ اَهْوَنَهُمَا بجائے ننگے سر پڑھنے کے یہ پہننا اچھا ہے۔

وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا۔۔۔الآیۃ:

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِتنا کم کھانا بھی اسراف ہے جس سے اِنسان کی صحت نہ رہے۔ "فوائد عثمانیہ" میں اِس کی طرف اِشارہ ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۲﴾:

ربط: اُوپر لباس اور کھانے پینے کی چیزوں کا ذکر تھا، تو آگے بیان فرماتے ہیں کہ: یہ کس نے پیدا کی ہیں؟ یہ سب تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں تو تم اپنے آپ سے کیوں حرام کرتے ہو؟

قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔۔۔الآیۃ:

لِلَّذِیْنَ میں لام اِستحقاق کا ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾:

اِشکال: اِذَا شرط ہے یعنی جب آجائے گی اُن کی میعاد۔ جب میعاد آئے گی تو اُس کے بعد مؤخر ہونا تو مُرتّب ہے تو اُس کی نفی صحیح ہے لیکن میعاد آنے پر مقدم ہونا تو مُرتّب نہیں تو لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ کا کیا مطلب ہوا؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ یہ جملہ مستانفہ ہے، پہلے پر عطف نہیں ہے، وَاوْ عطف کے لیے نہیں بل کہ اِستیناف کے لیے ہے۔

② یہ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ پر عطف نہیں بل کہ اِذَا جو شرط ہے اُس تمام جملہ شرطیہ پر عطف ہے۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْأَعْرَاف ۲۷)

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۵﴾:

اِمَّا اَصل میں اِنْ مَا تھا۔"الاقتصاد فی الاعتقاد" میں لکھا ہے کہ: اِس میں اِنْ کا لفظ اس لیے آیا ہے کیوں کہ ترجمہ یہ ہے: "اگر آپ کے پاس آجائے" یعنی شک کے ساتھ ذکر ہے۔ یہ اس لیے کہ کتاب نازل کرنا، رسول بھیجنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جیسا چاہیں ویسا کریں۔

قادیانیوں کا غلط اِستدلال: قادیانی اس آیت کریمہ سے دیگر آیات کی طرح اجرائے نبوّت پر اِستدلال کرتے ہیں کہ: نبوت ختم نہیں ہوئی ہے بل کہ اُبھی بھی جاری ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم میں پیغمبر بھیجے۔ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے پیغمبر ہیں، اُن کے بعد پیغمبروں کا سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی زبانی یہ فرمایا: وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ۔۔۔الآیۃ ❶ میں اپنے بعد صرف ایک ہی رسول کی خوشخبری سناتا ہوں۔ اُن کا نام اَحمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا۔ مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک ہی رسول آئیں گے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ۔۔۔الآیۃ ❷ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوّت ختم ہوگیا۔ جہاں تک بات ہے مذکورہ آیت کی تو یہ اُمم سابقہ کی بات ہے یعنی جب سے نسلِ اِنسانی چلی اُس وقت اُن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: تمہارے پاس پیغمبر آئیں گے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو فرمایا کہ: ان کے بعد صرف ایک پیغمبر آئے گا۔ جب وہ آخری پیغمبر یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو فرمایا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا۔۔۔الآیۃ ﴿۳۷﴾:

یہ تیسری دلیل ہے اُن حضرات کی جو یہ کہتے ہیں کہ: جان نکالنے والے فرشتے متعدد ہیں۔

حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا۔۔۔الآیۃ ﴿۳۸﴾:

اِدَّارَكُوْا اَی تَدَارَكُوْا۔ معنی ہے: "جمع کیے جائیں گے"۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۹﴾:

اِس اُخْرٰی سے مُراد "شاگرد، مُرید، ماتحت" وغیرہ ہیں اور اُوْلٰی سے مُراد "نسلر، پیر، اُستاذ" وغیرہ بڑے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا۔۔۔الآیۃ ﴿۴۰﴾:

ربط: اُوپر سے کافروں کا ذکر چلا آرہا ہے اور آگے بھی کافروں کا ذکر ہے۔

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔۔۔الآیۃ:

"مسند احمد، الترغیب والترہیب" وغیرہ کتابوں میں طویل روایت موجود ہے کہ: اِنسان کی جان جب نکالی جاتی ہے تو رُوح کے فرشتے رُوح کو اُوپر لے جاتے ہیں۔ اگر وہ رُوح مؤمن کی ہو تو اُس سے بڑی خوشبو آتی ہے اور اُس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں یہاں تک کہ اُس رُوح کو عِلِّیِّیْن کے مقام پر پہنچا دیتے ہیں۔ اگر وہ رُوح کسی بدکی ہوتی ہے تو اُس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے پھر اُس رُوح کو ساتوں زمینوں کے نیچے ایک مقام ہے سِجِّیْن وہاں پہنچا دیا جاتا ہے۔❸

اہلِ حق فرماتے ہیں: اُس رُوح کو اُس بدن سے تعلّق ہوتا ہے اور عذاب وغیرہ سب محسوس ہوتا ہے۔ یہ ایک نَوْعٌ مِّنَ الْحَیَاۃِ ہے۔

وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ۔۔۔الآیۃ:

یہ تعلیق بالمحال ہے یعنی جس طرح ایک اُونٹ سوئی کے ناکہ میں سے نہیں گزر سکتا اِسی طرح وہ لوگ جنہوں نے رب کی آیتوں کی تکذیب کی جنّت میں داخل نہیں ہوسکتے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الصَّف:۶) ❷ (سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب:۴۰) ❸ (مسند احمد، مسند الکوفیین، حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ، ج۳۰، ص ۴۹۹ تا ۵۰۳، طبع موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا ۔۔۔ الآیۃ:

اِس آیت میں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مبتداء ہے اور لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا جملہ معترضہ ہے۔ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی خبر ہے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ ۔۔۔ الآیۃ:

جنّت کے اندر مؤمنوں کی دلوں کی کدورت وغیرہ ختم ہوجائے گی۔

أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ٥:

بِمَا میں بَاء سببیہ ہے۔ ایک ہوتی ہے علت اور ایک ہوتا ہے سبب، تو جنّت میں داخلے کی علت وہ رب کا فضل ہے اور عمل اُس داخلے کا سبب ہے۔

"بخاری شریف" میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ وہ اپنے عمل کے بل بوتے پر جنّت میں داخل ہوجائے جب تک کہ رب کا فضل شاملِ حال نہ ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اللہ کے فضل کے بغیر جنّت میں نہیں جاسکتے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اِرشاد فرمایا کہ: مَیں بھی اللہ کے فضل کے بغیر جنّت میں نہیں جاسکتا۔ ● تو جنّت میں داخلے کی علت اللہ تعالیٰ کا فضل اور عمل اُس داخلے کا سبب ہے۔

أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا ۔۔۔ الآیۃ:

سوال أَنْ کون سا ہے؟

جواب اِس کے بارے میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اکثر حضرات فرماتے ہیں: یہ أَنْ تفسیریہ ہے۔ یہی قول حق اور راجح ہے۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں: یہ أَنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ اَصل میں أَنَّهٗ قَدْ وَجَدْنَا تھا۔

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ ۔۔۔ الآیۃ:

اَعراف جنّت اور جہنّم کے درمیان ایک پردہ ہے۔

سوال اَصحابِ اَعراف کون ہیں؟

جواب "کبیر، روح المعانی، کمالین، خازن" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: اَصحابِ اَعراف کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اَقوال ہیں:

① جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ یہاں پر ہوں گے۔
② اِس سے اَصْحَابِ فَتْرَت مُراد ہیں وہ یہاں پر ہوں گے۔
③ اِس سے مُراد مؤمن جن ہیں وہ یہاں پر ہوں گے۔
④ یہاں پر أَطْفَالُ الْمُشْرِكِيْن ہوں گے۔
⑤ أَصْحَابُ الدُّيُوْن یہاں پر ہوں گے۔
⑥ وہ شہداء جو ماں باپ کے نافرمان ہوں گے وہ یہاں پر ہوں گے۔

يَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

ہر ایک اپنی نشانی سے پہچانا جائے گا۔ مثلاً: جنّت والے اُن کے چہرے سفید ہوں گے اور جہنّم والے اُن کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

وَنَادٰٓى أَصْحٰبُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: أَصْحَابُ النَّار، أَصْحَابُ الْأَعْرَاف، أَصْحَابُ الْجَنَّة کا ذکر اُوپر سے چلا آرہا ہے آگے بھی اُس کا تکملہ ہے۔

فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس آیت کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ: آج کے دن ہم اُن کو بھلادیں گے جیسے اُنہوں نے اِس دن کی ملاقات کو بھلادیا۔ اِس معنی کی وجہ سے اِشکال پیدا ہوا۔

● (صحیح البخاری، کتاب المرضی، باب تمنی المریض الموت، ج ۲ ص ۸۴۷ طبع یادگارِ شیخ، کراچی)

اِشکال: اللہ تعالیٰ تو تمام عیوب سے پاک ہیں، نہ اُن کو اُونگ آتی ہے، نہ نیند تو نِسْیَان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں کی گئی؟ اسی طرح کفار نے بھی تو دیدہ دانستہ یعنی جانتے بوجھتے دین کو چھوڑا تھا تو اُن کی طرف بھی نِسْیَان کی نسبت کیسے دُرست ہوسکتی ہے؟

جواب: "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ اَیْ نَتْرُكُهُمْ فِي النَّارِ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا اَیْ بِتَرْكِهِمُ الْعَمَلَ۔ تو یہاں نِسْیَان بمعنی تَرْك کے ہیں۔ یعنی حقیقی معنی کی جگہ مجازی معنی مُراد لیا گیا ہے۔ جہاں حقیقت مُراد نہیں ہو وہاں مجاز مُراد ہوتا ہے اور یہاں نِسْیَان سے تعبیر اس لیے کیا ہے کہ یہ سبب ہے تَرْك کا یعنی اِنسان جب کسی چیز کو بھول جاتا ہے تو وہ چیز اُس سے ترک ہوجاتی ہے یعنی چھوٹ جاتی ہے۔ تو ذکر سبب کا مُراد مسبب ہے۔

كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ ۔۔۔ الآیۃ:

جیسے اُنہوں نے چھوڑا۔

سوال یہ مَا کون سا ہے؟

جواب یہ مَا موصولہ بھی نہیں اور نافیہ بھی نہیں بل کہ یہ مَا مصدریہ ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۴﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ کفار نے کہا: کیا ہمارے لیے کوئی سفارشی ہے؟ اور کفار اپنے معبودانِ باطلہ کی طرف یہ بات منسوب کرتے تھے کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ: آگے جتنے کام آرہے ہیں آسمان، زمین کا پیدا کرنا وغیرہ یہ سب رب نے کیے ہیں۔ تمہارے شرکاء یعنی معبودانِ باطلہ نے کیا کیا ہے؟

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۔۔۔ الآیۃ:

"روح المعانی، معالم التنزیل" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: چھ (٦) دن سے مُراد چھ (٦) دنوں کا زمانہ ہے۔

اِشکال: اللہ تعالیٰ تو یہ سب کائنات ایک آن میں بھی پیدا کرسکتا تھا، تو چھ (٦) دنوں میں کس لیے پیدا کیا؟

جواب: یہ مخلوق کو تعلیم ہے کہ: خالق ایک کام تدریجاً کرتا ہے تو تم تو مخلوق ہو تم تو ضرور تدریجاً تدریجاً کرو اور دَفْعَةً وَّاحِدَةً نہ کرو۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر ابن کثیر، معالم التنزیل" وغیرہ میں اِمام مالک رحمہ اللہ کا مقولہ مشہور ہے کہ: اُن سے اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْش کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنہوں نے فرمایا: اَلْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ وَالْكَيْفِيَّةُ مَجْهُوْلَةٌ وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۵﴾:

سوال ذکر بہ آوازِ بلند کرنا چاہیے یا آہستہ؟

جواب "کبیری، فتح القدیر، روح المعانی" وغیرہ تفاسیر میں طویل بحث ہے، مختصر بات یہ ہے کہ: وہ مقامات جہاں شریعت نے بہ آوازِ بلند ذکر کرنا بتلایا ہے وہاں بہ آوازِ بلند ذکر کرنا چاہیے۔ مثلاً: "تکبیر، اذان، اِقامت، تلبیہ، تکبیراتِ تشریق" یہ سب چیزیں ہیں جن کو شریعت نے بہ آوازِ بلند پڑھنے کو کہا ہے تو لہٰذا ان اَشیاء کو بہ آوازِ بلند کہا جائے گا اور جہاں شریعت نے بلند آواز کے ساتھ ذکر نہیں بتلایا تو آئمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہے اور خاص طور پر اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس معاملے میں بڑے سخت ہیں، وہ فرماتے ہیں: وَرَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَالدُّعَآءِ بِدْعَةٌ مُخَالِفٌ لِلْاَمْرِ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔ بعض لوگ نماز کے بعد اَللّٰهُ اَكْبَر پڑھتے ہیں تو یہ بھی بدعت ہے، یہ معتزلہ کی ایجاد کردہ ہے۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۶﴾:

سوال یہ رَحْمَت اسم ہے اِنَّ کا اور قَرِيْب خبر ہے اور خبر کا تو اسم پر حمل ہوتا ہے، تو لفظِ رَحْمَت مؤنث اور لفظِ قَرِيْب مذکر ہے۔ تو یہاں مذکر کا مؤنث پر کیسے حمل ہوا ہے؟

جواب اِس کے تین (۳) جواب ہیں:

① "جلالین" میں لکھا ہے کہ: رَحْمَتَ کا لفظ مؤنث ہے، مضاف ہے لفظِ "اَللّٰہ" کی طرف، تو اُس نے لفظِ "اَللّٰہ" سے اِکتسابِ تذکیر کیا ہے۔

② قَرِیْبٌ، فَعِیْلٌ کے وزن پر ہے، اِس میں مذکر اور مؤنث برابر ہیں۔ جیسے: اِمْرَاۃٌ ثَقِیْلٌ۔

یہ جواب صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ بات اُس فَعِیْلٌ میں ہے جو بمعنی مفعول ہو۔

③ موصوف محذوف ہے۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ اَمْرٌ قَرِیْبٌ۔

حَتّٰٓی اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ۔۔۔ الآیۃ:

اِشکال: لفظِ سَحَابًا جمع ہے سَحَابَۃٌ کی۔ لفظِ ثِقَالًا جمع ہے ثَقِیْلٌ کی اور سَحَابًا کی صفت ہے۔ تو آگے سُقْنٰهُ میں "ہٗ" ضمیر مفرد کی کیوں ذکر کی؟ سُقْنٰھَا یا سُقْنٰھُنَّ کیوں نہیں کہا؟

جواب: اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① "تفسیر خازن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: لفظِ سَحَابًا اگرچہ جمع ہے لیکن مفرد کے ہم شکل ہے۔ لہٰذا ایسی جمع جو مفرد کے ہم شکل ہو اُس کی طرف مفرد کی ضمیر بھی لوٹ سکتی ہے۔

② "رُوح المعانی" میں لکھا ہے کہ: لفظِ سَحَابًا بہ منزلہ جنس کے ہے۔ اِس لیے لفظِ ثِقَالًا جو کہ جمع ہے اُس سَحَابًا کی صفت ہے اور "ہٗ" ضمیر مفرد اُس سَحَابًا کی طرف راجع ہے۔

وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا۔۔۔ الآیۃ:

نَکِدًا کے دو (۲) معنی ہیں: ① قلیل۔ ② ناقص۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر دو (۲) فرقوں کا بیان تھا: ایک معتدین، دوسرے محسنین، اب آگے اللہ تعالیٰ چند واقعات بیان فرماتے ہیں: ایک طرف معتدین ہیں نہ ماننے والے اور دوسری طرف محسنین ہیں یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اور اُن کے ماننے والے۔ اِن واقعات میں سے پہلا واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرما رہے ہیں۔

"مفتاح السعادۃ" میں لکھا ہے کہ: "عبد الغفار" حضرت نوح علیہ السلام کا اپنا نام تھا، قوم کی حالتِ بد پر نوحہ کرتے کرتے لقب "نوح" پڑ گیا۔

مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ۔۔۔ الآیۃ:

ترکیب: لَکُمْ، مَا کے لیے خبر مقدم ہے، اِلٰهٌ اسم مؤخر ہے اور غَیْرُهٗ، اِلٰهٌ کے محل سے بدل ہے یا اِلٰهٌ کے محل سے صفت ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر بیضاوی، ابو سعود، سراج المنیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: مَلَاٌ کا معنی ہے "پُر کرنا" یعنی مَلَاُ اَبْصَارَ النَّاسِ بِاَشْخَاصِهِمْ وَقُلُوْبَهُمْ بِرُعْبِهِمْ۔ مَلَاٌ کا لازمی معنی ہے: "جماعت"۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝:

اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① اللہ تعالیٰ کے اَحکام جو مجھ پر نازل ہوئے ہیں اُن کو مَیں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

② اِس سے مُراد عذاب ہے یعنی مَیں جانتا ہوں کہ نافرمانی کے بعد تم پر عذاب آئے گا تم نہیں جانتے۔

وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝:

اَیْ وَلِتَتَّقُوا الْعَذَابَ۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۵﴾:

ربط: اب دوسرا واقعہ ذکر فرماتے ہیں کہ: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد جو قوم آئی وہ قومِ عاد تھی، اُن کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام تھے، اُن کا علاقہ اَحقاف تھا۔

وَاِلٰى عَادٍ اَیْ وَاَرْسَلْنَا اِلٰى عَادٍ۔ یہ ماقبل والے اَرْسَلْنَا ۔۔۔ الآیۃ ❶ پر عطف ہے۔

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾:

"تاج العروس، قاموس، قسطلانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اٰلَآءَ جمع اِلْوٌ، اِلْیٌ، اَلْوٌ کی ہے۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۱﴾:

گویا کہ واقع ہوگیا یعنی تحقق و قوع کی وجہ سے لفظِ وَقَعَ پر قَدْ داخل کیا ہے اور اُس کو ماضی سے تعبیر کیا ہے۔

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

"موضح القرآن، کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اُنہوں نے بتوں کے نام رکھے تھے۔ مثلاً: ایک کا نام رازقہ رکھا تھا کہ رزق کے لیے اس سے مدد طلب کریں گے۔ کسی کا نام ماطرہ، کسی کا زواجہ، کسی کا نام والدہ رکھا تھا۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۳﴾:

یہ تیسرا واقعہ ہے۔ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَیْ وَاَرْسَلْنَا اِلٰى ثَمُوْدَ۔ یہ بھی ماقبل والے اَرْسَلْنَا ۔۔۔ الآیۃ ❷ پر عطف ہے۔ قوم تھی ثمود، پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام تھے، علاقہ حجر تھا، چٹان اور سخت زمین سے اُن کے لیے اُونٹنی پیدا کی گئی۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ ۔۔۔ الآیۃ:

یعنی قتل مت کرو۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۵﴾:

لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بدل ہے لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا سے بِاِعَادَةِ الْجَارِ۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۷﴾:

اُن نو (۹) اَفراد کی جماعت کا سردار "قیدار بن سالف" تھا، اُس نے کہا دیا کہ: پہلے ٹانگیں کاٹ دو اور بعد میں قتل کرڈالو۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۷۸﴾:

سوال لفظِ جٰثِمِیْنَ جمع اور دَار مفرد کیوں ذکر کیا ہے؟

جواب وہ مفرد جو "ۃ" سے خالی ہو اور مضاف ہو، وہ جمع کا معنی دیتا ہے، دَار مفرد ہے اور "ۃ" سے خالی ہے لہٰذا یہ بھی جمع کے معنی میں ہے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۹﴾:

سوال اُن کی ہلاکت ہونے کے بعد اُلٹا پھرا یعنی یہاں حرف "فَاء" ہے اور "فَاء" تعقیب کے لیے آتا ہے یعنی اُن کی ہلاکت کے بعد، تو ہلاکت کے بعد اِس تقریر کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب جو حضرات سَمَاعِ مَوْتٰی کے قائل ہیں وہ حقیقت پر محمول کرتے ہیں۔ جیسے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولینِ بدر کو فرمایا تھا اور وہ حضرات جو سَمَاعِ مَوْتٰی کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ: یہ تو بہ طورِ تحسر و فرضی خطاب تھا۔ جیسے: شعراء اور اُدباء دیار و کھنڈرات وغیرہ کو خطاب کرتے ہیں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۰﴾:

سوال لفظِ لُوْطًا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

---

❶❷ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف،۵۹)

جواب لفظِ لُوْطًا کا نصب اَرْسَلْنَا کی وجہ سے نہیں بل کہ وَاذْكُرْ کی وجہ سے ہے۔صاحبِ کمالین، جمل فرماتے ہیں کہ: اِس کے بعد یہ اِذْ جو ہے یہ ظرف ہے اِذْقَالَ لِقَوْمِهٖ۔اگر یہ اَرْسَلْنَا کے تحت آجائے تو معنی یہ ہوتا ہے کہ: وہ پہلے نبی نہ تھے یعنی ہم نے اُن کو اُس وقت نبوت دی جب کہا اُنہوں نے اپنی قوم کو۔

اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ○ ﴿۸۲﴾:

يَتَطَهَّرُوْنَ باب تَفَعُّل سے ہے۔معنی ہے کہ: "یہ لوگ پاک باز بن رہے ہیں"۔حقیقت یہ ہے کہ: وہ پاک باز بن نہیں رہے تھے بل کہ پاک باز تھے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۔۔۔الآیۃ ﴿۸۳﴾:

حضرت لوط علیہ السلام کے بیوی کا نام "واہلہ یا داعلہ" تھا۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۸۴﴾:

حضرت لوط علیہ السلام کے قوم پر چار(۴) قسم کے عذاب آئے تھے:

① اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ ۔۔۔الآیۃ ❶ ② فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ ۔۔۔الآیۃ ❷ ③ جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا ۔۔۔الآیۃ ❸

④ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ○ ❹

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۸۵﴾:

یہ بھی اَرْسَلْنَا کے تحت داخل ہے۔اَیْ اَرْسَلْنَا اِلٰى مَدْيَنَ۔

ربط: پیغمبروں کے واقعات چلے آرہے ہیں، اب یہاں سے حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرما رہے ہیں۔

سوال مدین کس کا نام ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① مدین شہر کا نام تھا۔تو اَهْل کا لفظ محذوف ہے۔اَیْ اَهْلَ مَدْيَنَ۔

② قوم کا نام تھا۔تو اَهْل کا لفظ محذوف نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فَائِدَة: ابراہیم علیہ السلام کے پانچ(۵) بیٹے تھے:

① اسماعیل علیہ السلام۔ ② اسحاق علیہ السلام۔ ③ مدین۔ ④ مدائن۔ ⑤ قیدار۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔۔۔الآیۃ:

سوال بَيِّنَة سے کیا مُراد ہے؟

جواب بَيِّنَة سے مُراد یہ ہے کہ: مَیں جو بات کرتا ہوں، بالکل واضح ہے۔ظاہر میں تو اُن کا کوئی معجزہ نہیں تھا۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۸۶﴾:

مدین شہر کے حدودِ اربعہ کے چاروں طرف جنگل تھے، اِس لیے اُن کو "اَصحاب الایکہ" بھی کہتے ہیں، وہ آنے جانے والوں کو لوٹ لیتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ: اِس شہر میں ایک شخص ہے اُس کی بات نہ مانو۔اُس کا ذکر وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ ۔۔۔الآیۃ سے ہے۔

اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۸۸﴾:

"تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: عَوْد کا معنی ہے: اگر ایک شخص کسی جگہ میں ہو وہاں سے جا کر پھر آئے، اُس دوبارہ آنے کو عَوْد کہتے ہیں۔

اِشْكَال: اِس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ: حضرت شعیب علیہ السلام (نَعُوْذُ بِاللهِ) پہلے کفر اور شرک میں تھے، پھر وہ مؤمن ہو گئے؟

جَوَاب: اِس کے تین(۳) جواب ہیں:

---

❶(سُوْرَةُ الْاَعْرَاف،۸۴) ❷(سُوْرَةُ الْحِجْر،۷۳) ❸(سُوْرَةُ هُوْد،۸۲) ❹(سُوْرَةُ الْقَمَر،۳۷)

① یہ تغلیباً ہے کیوں کہ آپ علیہ السلام کے ساتھی تو بہت تھے، وہ ساتھی پہلے مشرک تھے۔
② "تفسیر بیضاوی، ابوسعود" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: لَتَعُوْدُنَّ اَیْ لَتَصِیْرُنَّ یعنی ہو جاؤ، ہماری ملت میں آجاؤ۔
③ "تفسیر کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: جب تک حضرت شعیب علیہ السلام نے تبلیغ نہ کی تھی اُس وقت تک لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ: یہ پہلے ہمارے ہم مسلک تھے یعنی ہمارے تھے، اب نکل گئے تو وہ اپنے زعم سے کہتے تھے کہ: لَتَعُوْدُنَّ۔ اسی طرح وہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کو صابی بھی کہتے تھے کہ: یہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف نکلا ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۰﴾:

اس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دو گے اور غلط راستے پر چلو گے تو نقصان اُٹھاؤ گے۔
② یہ دھمکی کے طور پر کہا ہے کہ: اگر تم حضرت شعیب (علیہ السلام) کی پیروی کرو گے تو ہم تمہارے ساتھ دیکھیں گے۔

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۲﴾:

كَاَنْ میں اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ اَیْ كَاَنَّهُمْ۔ غَنِیَ، یَغْنٰی باب سَمِعَ، یَسْمَعُ سے "ٹھہرنے" کے معنی میں آتا ہے۔

فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾:

اٰسٰی اَیْ اَحْزَنُ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۴﴾:

ربط: "کبیر، ابوسعود، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ تفسیر میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے چند انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات تفصیل سے گزرے اور اُن کی نافرمان قوم کا بیان بھی ہوا اور اُس قوم کی ہلاکت بھی بیان ہوگئی اور اب اِجمالاً بیان فرماتے ہیں کہ: ہم نے دوسری قوموں میں بھی پیغمبر بھیجے۔

وَقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۵﴾:

یہ تو دُنیا کی عادت ہے، کبھی کسی پر ظلم کر دیتی ہے، کبھی اُسی کو ناز و نعمت میں پرورش ملتی ہے اور یہ ہمارے کوئی گناہ نہیں کہ ہم کو تکلیف ہے۔

فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً ۔۔۔ الآیۃ:

جب وہ تکبر کرنے لگے تو فَاَخَذْنٰهُمْ یعنی ہم نے اُن کو پکڑ لیا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۶﴾:

وَاتَّقَوْا کا مفعول محذوف ہے۔ اَیِ الْكُفْرَ / الشِّرْكَ / الْمَعَاصِیَ۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۹﴾:

"آمدم برسر مقصود" یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات جو تفصیلاً اور اجمالاً بیان ہوئے، دُنیاوی خوشحالی اور عیش کے بعد جو خدا کی ناگہانی پکڑ ہے اُسی کو مَكْرُ اللّٰهِ (خدا کا داؤ) فرمایا۔ عیش و تنعم میں پڑ کر ہی لوگ خدا کی ناگہانی گرفت سے بے فکر ہوتے ہیں جن کی شامت اعمال نے اُنہیں دھوکا دے دیا ہو، مؤمن کی شان یہ ہے کہ: وہ کسی حال میں خدا کو نہ بھولے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۰﴾:

ربط: پہلے قوموں کی تباہی کا ذکر تھا اور جب قرآن پاک کے نزول کا وقت آیا تو فرمایا کہ: یہ قوم ہدایت قبول نہیں کرتی کہ پہلے لوگ جو ہلاک ہو گئے تو وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہو گئے تھے، تو تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے یعنی جیسے پہلوں کو پکڑ لیا، تمہیں بھی پکڑ سکتے ہیں۔ لہٰذا عبرت حاصل کرو۔

وَنَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ۝:

تمام تفسیروں میں لکھا ہے کہ: یہاں سَمَاع سے مُراد سَمَاعَ تَدَبُّرٍ ہے یعنی ایسا سُننا جو غور و فکر کا ہو۔ سَمَاعَ تَفَكُّرٍ/سَمَاعَ اِنْتِفَاعٍ/سَمَاعَ اِتِّعَاظٍ ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ: سُن نہیں سکتے یعنی فہم والا سننا اُن سے منتفی ہے یعنی فہم والا سننا نہیں سنتے۔ اِس کا ظاہری مطلب مُراد نہیں کیوں کہ اگر اِس کا ظاہری مطلب مُراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ: زندہ کافر نہیں سنتے اور یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۱﴾:

مِنْ تبعیضیہ ہے۔ معنی ہے کہ: ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اُن کی خبروں میں سے بعض خبریں بیان کرتے ہیں۔

وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ۝ ﴿۱۰۲﴾:

سوال اِنْ کون سا ہے؟

جواب اِس کے متعلق تین (۳) اَقوال ہیں:

① اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ اَصل میں وَاِنَّهٗ تھا۔ ② یہاں "ہٗ" ضمیر شان محذوف ہے۔

③ یہاں "نَا" ضمیر متکلم اِس میں محذوف ہے۔ اَصل میں وَاِنَّا تھا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۳﴾:

ربط: مجرم قوموں کی ہلاکت کا بیان ہوا اور اب موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے بیان فرماتے ہیں۔

"تفسیر فتح البیان" میں لکھا ہے کہ: قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کثرت سے ہے، اُس کی اَصل وجہ یہ ہے کہ: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو عرب میں پانچ (۵) قِسم کے مذاہب تھے: سب سے زیادہ اُن میں مشرکین تھے، دوسرے نمبر پر یہود، تیسرے نمبر پر نصاریٰ، چوتھے نمبر پر صابئین اور پانچویں نمبر پر مجوس تھے۔ تو موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کثرت سے اِس لیے ہے کہ: عرب میں مشرکین کے بعد یہود کثرت سے تھے۔

مِنْۢ بَعْدِهِمْ اَیْ مِنْۢ بَعْدِ الرُّسُلِ۔

بِاٰيٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ۔۔۔ الآیۃ:

فرعون کا نام "ولید بن مصعب بن ریان" تھا، بڑا ظالم، مکار، ہوشیار تھا۔

حَقِيْقٌ عَلٰٓی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۵﴾:

اَیْ اَنَا حَقِيْقٌ۔ یعنی مَیں زیادہ حق دار ہوں اِس بات کا کہ: اللہ پر مَیں حق بات کہوں۔

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ۔۔۔ الآیۃ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند باتیں پیش کیں۔ رَبِّكُمْ کے لفظ سے توحید، فَاَرْسِلْ یعنی رسول کے لفظ سے رسالت اور چوتھے پارہ میں ہے کہ: قیامت کا ذکر بھی کیا ہے اور اُس کے بعد ایک غلام قوم کی آزادی کا ذکر کیا۔ بڑی اَہم چیز یہ تھی کہ: بنی اسرائیل کو جو انبیاء کرام علیہم السلام کی اَولاد میں سے تھے اور جنہیں فرعونیوں نے ذلیل جانوروں کی طرح غلام بنا رکھا تھا، مظالم و شدائد سے نجات دلائیں۔

فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ۝ ﴿۱۰۷﴾:

سوال کہیں جَآنٌّ (پتلا سانپ) اور کہیں ثُعْبَانٌ کہا، بظاہر اِس میں تعارض معلوم ہوتا ہے؟

جواب "تفسیر کبیر، روح المعانی، البحر المحیط، معالم التنزیل" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: یہ دونوں الفاظ مختلف موقعوں پر ہیں:

① فرعون کے پاس جس وقت گئے تو اُس وقت ثُعْبَانٌ تھا۔

② جب نبوت ملی وادی طویٰ میں اُس وقت میں جَآنٌّ تھا۔

③ابتدائی مرحلہ میں جَآنٌّ (یعنی پتلا سانپ) تھا اور آخری مرحلہ میں ثُعْبَانٌ ہو جاتا۔ تو وقت ایک نہیں لہٰذا تعارض بھی نہیں۔

④وہ حقیقت میں ثُعْبَانٌ تھا اور جَآنٌّ کی طرح تھا یعنی كَاَنَّهَا جَآنٌّ۔۔۔ الآیۃ ❶ كَاَنَّ کا لفظ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ: وہ پتلے سانپ کی طرح تیز چلتا تھا۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝۱۰۹:

ربط: واضح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کا واقعہ چلا آرہا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے معجزات دکھائے تو فرعونی قوم کے سرداروں نے کہا کہ: یہ ساحر ہے اور تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہیں۔

اِس مقام پر تفسیروں میں بڑی عجیب بات لکھی ہے، بالخصوص "تفسیر صاوی" میں کہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو سانپ بن کر فرعون کی طرف بڑھا، فرعون اُونچے تخت پر کرسی پر بیٹھا تھا، بدحواس ہو کر نیچے گر گیا اور اُس کی کرسی اُس کے اُوپر گر گئی۔ "تفسیر صاوی" میں مزید یہ بھی لکھا ہے کہ: ضَرَبَ اَرْبَعَ مِائَةِ ضُرَاطٍ۔ اُس نے چار سو (۴۰۰) ضُرَاط مارے۔

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ۔۔۔ الآیۃ ۝۱۱۱:

لفظ اَرْجِهْ باب اِفْعَال سے ہے۔ معنی ہے: "مہلت دینا" اَیْ اَخِّرْهُ، قراء سبعہ میں بعض کہتے ہیں کہ: یہ اَرْجِهْهُ ہے کہ اُس کو مہلت دو۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ۔۔۔ الآیۃ ۝۱۱۳:

"تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، معالم التنزیل" وغیرہ تفسیروں میں تیس ہزار (۳۰۰۰۰)، چالیس ہزار (۴۰۰۰۰)، ستر ہزار (۷۰۰۰۰)، بہتر ہزار (۷۲۰۰۰) تک تعداد ملے گی۔ اُن جادوگروں نے کہا کہ: ہم کو معاوضہ بھی ملے گا؟ فرعون نے کہا کہ: معاوضہ بھی اور خطابات بھی ملیں گے۔ مثلاً: انگریز کے دَور میں خان بہادر کا لقب ملتا تھا۔

فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا۔۔۔ الآیۃ ۝۱۱۶:

اَلْقَوْا کا مفعول محذوف ہے۔ اَیْ اَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ۔ منقول ہے کہ: ہر جادوگر نے ایک ایک رسی اور ایک ایک لاٹھی زمین میں ڈالی۔

سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ۔۔۔ الآیۃ:

سوال یہ جو جادوگروں نے رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں تو کیا وہ سچ مچ سانپ بن گئیں تھیں یا کوئی نظری دھوکہ تھا؟

جواب اکثر حضرات اور جمہور کہتے ہیں کہ: وہ سچ مچ سانپ بن گئے تھے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: نہیں! بل کہ خیال میں ایسے آئے کہ یہ سانپ ہیں اور يُخَيَّلُ کے لفظ سے دلیل پکڑتے ہیں یعنی اُن لاٹھیوں میں پارہ ڈالا تھا اور پارہ جب گرم ہوتا ہے تو حرکت کرتا ہے۔

فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝۱۱۷:

اِفْكٌ بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ۔ معنی ہے: "جھوٹ، بہتان"۔

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝۱۲۰:

بعض کہتے ہیں کہ: لفظ اُلْقِيَ مجہول بمعنی معلوم کے ہے۔ معنی ہے "گر پڑے"۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مجہول کا معنی کرنا چاہیے کہ: "ڈالے گئے"۔ ڈالنے والا اللہ کا حکم ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ۔۔۔ الآیۃ ۝۱۲۳:

یہ سَاحِر فرعون کے وکیل تھے، جب وکیل ہارتا ہے تو مؤکل خود بہ خود ہار جاتا ہے، لیکن وہ حکومت والا تھا، کہاں یہ ہار مانتا؟ کہا کہ: قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ۔۔۔ الآیۃ۔

---

❶(سُوْرَةُ النَّمْل، ۱۰)

لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲۴﴾:

اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① اکثر مفسرین رحمہم اللہ تو فرماتے ہیں کہ: اِس کا مطلب یہ ہے کہ دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا۔

② بعض حضرات مِنْ تعلیلیہ لیتے ہیں اَیْ لِاَجْلِ خِلَافِکُمْ۔ چوں کہ تم نے میری مخالفت کی ہے، اب تمہاری مخالفت کے نتیجے میں مَیں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا۔ تو اِس تفسیر سے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کا کاٹنا معلوم ہوتا ہے۔

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲۶﴾:

سوال فرعون نے جو دھمکی دی تھی اُس کو عملی جامہ بھی پہنایا یا نہیں؟ یعنی سزا دی یا نہیں؟ اگر دی تو کتنی سزا دی؟

جواب یہ جو دھمکی تھی اُس کو عمل جامہ بھی پہنایا۔ "تفسیر ابن جریر طبری، ابن کثیر اور روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عبید ابن عمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اُس نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنایا ستّر (۷۰) کو سولی پر چڑھایا اور باقی پر حکم موقوف کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو ایمان لائے پہلے جادوگر اور بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابہ ہو گئے، اُن کو فرعون جیسا ظالم ایمان سے نہ پھیر سکا۔ روافض کی کتاب "اصول کافی" میں لکھا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم "ہمہ مرتد گردند مگر سہ یا چہار فرد" (نَعُوْذُ بِاللہ)۔ تو کیا جو جادوگر اُس وقت ایمان لائے وہ اِتنے مضبوط اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو تیئس (۲۳) سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں تھے، کیا وہ مرتد ہو سکتے ہیں؟ اور اُن کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ۔۔۔الآیۃ ① فرمایا ہے۔ یہ اُصولی بات ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲۷﴾:

ربط: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ چلا آ رہا ہے، اب شریر لوگوں کا یہ مشورہ دیکھیے!! ستّر (۷۰) جادوگروں کو اُس نے شہید کر دیا، اُس کے مشیروں نے اُس کو کہا کہ: اَصل جڑ تم چھوڑتے ہو یعنی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو چھوڑتے ہو اور باقی کو قتل کرتے ہو؟!! اَصل میں اِس کا صفایا کرنا ہے۔

وَیَذَرَکَ وَاٰلِهَتَکَ۔۔۔الآیۃ:

فرعون نے کچھ تصویریں بنا رکھی تھیں کہ: یہ بعض اِلٰہ ہیں اور مَیں ربِ اَعلیٰ ہوں۔

سوال کیا فرعون دہریہ تھا یا نہیں؟

جواب حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: وہ دھریہ تھا۔ اِمام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل تھا اور اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا مطلب یہ تھا کہ: مَیں ڈکٹیٹر اَعلیٰ ہوں۔

قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ۔۔۔الآیۃ:

فرعون نے بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) بچے قتل کیے تھے، نوے ہزار (۹۰۰۰۰) عورتوں کے حمل ساقط کیے تھے۔ علّامہ بونی رحمہ اللہ نے تو ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) بچوں تک کی تحقیق کی ہے۔

قَالَ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّهْلِکَ عَدُوَّکُمْ وَیَسْتَخْلِفَکُمْ فِی الْاَرْضِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲۹﴾:

سوال اِس زمین سے کونسی زمین مُراد ہے؟

جواب اِس زمین سے مُراد "مصر" کی زمین ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳۰﴾:

ربط: اللہ تعالیٰ کا اِرشادِ مبارک ہے کہ: ہم نے بنی اسرائیل کو قحط سالی کے ذریعے تباہ کیا اور اِسی طرح پھل بھی پیدا نہ کیے، تو یہ اِس لیے کہ: لَعَلَّهُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ○ ② تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

① (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن، ۱۱۰) ② (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف، ۱۳۰)

وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ۔۔۔ الآیۃ:

تَطَيُّرٌ کے لفظی معنی ہیں: "پرندہ اُڑانا"۔ مشرکین کا یہ طریقہ تھا کہ: جب کسی کام کو کرنا ہوتا تھا، تو وہ اپنے گھر کے قریب جو درخت ہوتا اُس پر پتھر مارتے، پتھر مارنے پر وہ پرندہ جو اُس درخت پر رات گذارنے آیا تھا، ضرور اُڑ جاتا تو اگر وہ پرندہ بائیں طرف اُڑ جاتا تو وہ کہتے کہ: اِس میں ہماری خیر نہیں بل کہ شر ہے اِس لیے وہ کام نہیں کرتے تھے اور اگر دائیں طرف اُڑتا تو اُس کام کو کر لیتے۔ تو يَطَّيَّرُ کا مطلب یہ ہے کہ: بدفالی یا نیک فالی کے لیے پرندہ اُڑانا۔ اَصل یہ معنی ہے کہ: بدفالی حاصل کرنے کے لیے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ: یہ موسیٰ علیہ السلام کی نحوست اور بدفالی کی وجہ سے ہے۔

وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ مَهْمَا حروفِ شرط میں سے ہے۔ معنی ہے "جیسی"۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ۔۔۔ الآیۃ:

طُوْفَان کے تین (۳) معنی ہیں:

① اَلْمَوْتُ الْكَثِيْرُ۔ کثرت سے موتوں کا طوفان۔ ② بارش کا طوفان۔ ③ تیز ہوا کا طوفان۔

وَالْقُمَّلَ۔۔۔ الآیۃ:

قُمَّل، قُمَلَةٌ کی جمع ہے۔ قُمَّل کے دو (۲) معنی ہیں:

① جوں۔ ② گھن کا کیڑا جو فصلوں کو تباہ کر دیتا ہے۔

وَالضَّفَادِعَ۔۔۔ الآیۃ:

ہر چیز میں مینڈک ہی مینڈک تھے، شربت، چائے وغیرہ سب میں۔

وَالدَّمَ۔۔۔ الآیۃ:

ہم غربت کی وجہ سے سالن میں کرکمان (ہلدی) ڈالتے ہیں اور وہ تو مال دار تھے، زعفران ڈالتے تھے۔ جب وہ زعفران، مصالحہ وغیرہ ڈال کر اَچھا سالن تیار کر لیتے جب کھانے لگتے تو وہ خون ہو جاتا۔ اِسی طرح شربت، دُودھ وغیرہ سب خون بن جاتا۔

اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ۔۔۔ الآیۃ:

قرآن مجید میں دو (۲) جگہوں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے نو (۹) بتائے ہیں:

① ایک سُوْرَةُ بَنِيْ اِسْرَآءِيْل میں: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ۔۔۔ الآیۃ ❶۔

② دوسری جگہ سُوْرَةُ النَّمْل میں: فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ۔۔۔ الآیۃ ❷۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ، مولانا اَشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: وہ نو (۹) نشانیاں یہ ہیں:

① حَيَّة۔ ② يَدِ بَيْضَآء۔ ③ سِنِيْن۔ ④ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَات۔

⑤ طُوْفَان۔ ⑥ جَرَاد۔ ⑦ قُمَّل۔ ⑧ ضَفَادِع۔ ⑨ دَم۔

اِمام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اور شیخ سلام اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سِنِيْن اور نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَات دونوں ایک ہیں تو نواں طَمْسُ الْاَمْوَال ہے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ۔۔۔ الآیۃ:

يَمٌّ کہا جاتا ہے "ایسا پانی جو نمکین ہو" اور وہ بحرِ قلزم تھا جس کو دریائے شور کہتے ہیں۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر کبیر، معالم التنزیل، بیان القرآن" میں اِس کی تین (۳) تفسیریں بیان کی ہیں:

❶ (سُوْرَةُ بَنِيْ اِسْرَآءِيْل، ۱۰۱) ❷ (سُوْرَةُ النَّمْل، ۱۲)

① بٰرَکْنَا فِیْهَا سے مُراد "شام" کی زمین ہے۔ظاہری برکت تو یہ تھی کہ: زمین زرخیز تھی، باغات وغیرہ تھے۔ باطنی برکت یہ تھی کہ: بہت سے پیغمبر علیہ السلام اُس سرزمین میں آئے اور اُن کے قبریں بھی وہاں ہیں۔

② بعض حضرات بٰرَکْنَا فِیْهَا سے "مصر" کی زمین مُراد لیتے ہیں۔ ظاہری برکت تو یہ تھی کہ: زمین زرخیز تھی۔ باطنی برکت یہ تھی کہ: حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر وہاں مدفون ہیں۔

③ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ "معالم التنزیل" میں فرماتے ہیں کہ: ایک وقت میں دونوں زمین مُراد ہے۔

وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝:

جو چھتیں بناتے تھے۔

سوال چھتوں سے کیا مُراد ہے؟

جواب اس سے حسی چھتیں مُراد نہیں بل کہ منصوبے مُراد ہیں یعنی اُن کے منصوبوں کو ہم نے تباہ کیا۔

قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۳۸﴾:

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعض ساتھیوں نے کہا"۔ لفظ بعض سے اس لیے ترجمہ کیا کیوں کہ بعض اُن میں موحد بھی تھے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴۲﴾:

پہلے پارے میں گزر چکا ہے کہ: جب بنی اسرائیل دریا کو عبور کر کے "وادیٔ سینائی" پہنچے۔ پہلے اُس کو "وادیٔ تیہ" کہتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ: کوئی بھی قوم بغیر قانون کے نہیں رہتی تو ہمیں بھی ایک قانون دے دیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ: آ و! ایک قانون دے دوں یعنی بنی اسرائیل کی دل جمعی کے لیے آسمانی شریعت دوں۔

"موضح القرآن، تفسیرِ مدارک" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ: پہاڑ پر تیس (۳۰) رات خلوت کرو میں تمہاری قوم کو تورات دوں گا۔ اُس مدت میں اُنہوں نے ایک دن مسواک کی، فرشتوں کو اُن کے منہ کی بُو سے خوشی تھی وہ جاتی رہی۔ اُس کے بدلے دس (۱۰) راتیں اور بڑھا کر مدت پوری کی۔

"معالم التنزیل، کبیر" وغیرہ میں لکھا ہیں کہ: تورات کی دس (۱۰) تختیاں تھیں، تیس (۳۰) راتوں کے بعد ہر رُوز ایک ایک تختی ملتی تھی اِس طرح چالیس (۴۰) راتیں پوری ہوئیں۔ بہر حال وعدہ تیس (۳۰) دن کا تھا اور پورے چالیس (۴۰) دن کیے۔

وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ ۔۔۔ الآیۃ:

حضرت ہارون علیہ السلام عمر میں تین (۳) سال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے اور رُتبہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے تین (۳) سال پہلے ہوئی اور دونوں کی عمر بھی ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی۔

قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴۳﴾:

سوال اَرِنِیْ کا مفعول کیا ہے؟

جواب اِس کے بارے میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اَرِنِیْ کا مفعول نَفْسَكَ ہے۔ اَیْ اَرِنِیْ نَفْسَكَ۔ ② اَرِنِیْ کا مفعول ذَاتَكَ ہے۔ اَیْ اَرِنِیْ ذَاتَكَ۔

سوال اَنْظُرْ کے مجزوم ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب یہ جوابِ اَمر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا ۔۔۔ الآیۃ:

"مسند احمد، ترمذی، مستدرک" وغیرہ میں روایت ہے کہ: چھوٹی اُنگلی خِنْصَر تھی، اُس خِنْصَر کے اُوپر کا جو پورا ہے اُس کا نصف ظاہر کیا تھا۔ اُس پہاڑ کا نام "زبیر" تھا جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا[1]

[1] (مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابہ رضی اللہ عنہم، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ج ۱۹، ص ۲۸۱، طبع موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

مسئلہ رُؤْیَتِ باری تعالیٰ: معتزلہ رُؤْیَتِ باری تعالیٰ کا اِنکار کرتے ہیں، جب کہ اہلِ سنت والجماعت کا یہ مذہب ہے کہ: قیامت کے دن مؤمنین اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور جہاں تک بات ہے دُنیا میں دیدار کی تو رُؤْیَتِ باری دُنیا میں عقلاً ممکن، شرعاً مُمْتَنِعُ الْوُقُوْع ہے اور آخرت میں اِس کا وُقوع نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی رُؤْیَت شبِ معراج میں وہ اِختلافی مسئلہ ہے۔ اُس کا ذکر إِنْ شَآءَ اللہ سُوْرَةُ النَّجْم میں آئے گا۔

وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ـــ الآیۃ ﴿١٤٥﴾:

اَيْ مَا يُحْتَاجُ اِلَيْهِ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ۔

يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ـــ الآیۃ:

سوال بِاَحْسَنِهَا اِسمِ تفضیل ہے تو معنی ہے کہ: "اَحسن پکڑو اور نفسِ حَسن چھوڑ دو"؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① یہ اِسمِ تفضیل نفسِ فعل کے معنی میں ہے۔

② بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ: اُس میں دو (۲) پہلو ہوتے ہیں: ایک پہلو عظیمت یعنی اَحسن ہوتا ہے اور دوسرا پہلو رخصت کا ہوتا ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ: عظیمت یعنی اَحسن کی طرف جاؤ رُخصت کی طرف مت جاؤ۔

سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ۝:

سوال دَارَ الْفٰسِقِيْنَ سے کیا مُراد ہے؟

جواب "تفسیر کبیر، بیضاوی" وغیرہ تفاسیروں میں اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① اِس سے مُراد دوزخ ہے یعنی عنقریب ایسا وقت آئے گا ہم تمہیں دیکھائیں گے کہ: دیکھو! نہ ماننے والے کا حشر کیا ہوتا ہے؟

② شام کی زمین اَرضِ مقدس مُراد ہے، وہاں عمالقہ والے رہتے تھے۔

③ مصر کی زمین مُراد ہے، وہاں فرعون، قارون وغیرہ رہتے تھے، وہ علاقہ ہم اُنہیں دیں گے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى ـــ الآیۃ ﴿١٤٨﴾:

حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں تورات ملنے کا اِنتظار فرما رہے تھے اور یہاں قوم نے سونے کا بچھڑا عبادت کے لیے بنایا۔ بنی اسرائیل کی ایک شاخ تھی "بنوسامرہ" اُس میں ایک شخص تھا "موسیٰ بن ظفر" نام تھا، فرعونیوں کے زیورات وغیرہ بنی اسرائیل کے پاس اَمانت تھے، شادی وغیرہ کے لیے اُن سے عاریتاً لیے تھے، وہ مالِ غنیمت تھا، وہ اُن کے لیے حلال نہ تھا، اُنہوں نے یہ مال پھینکا تو سامری نے اُس مال کو جمع کیا اور اُس سے بچھڑا بنایا۔

مِنْۢ بَعْدِهٖ ـــ الآیۃ:

اَيْ مِنْۢ بَعْدِ ذِهَابِ اِلٰى مِيْقَاتِهٖ۔

عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ـــ الآیۃ:

اِس کی آپ کو دو (۲) تفسیریں ملیں گے:

① صاحبِ جلالین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اُس بچھڑے میں خون، گوشت، ہڈی وغیرہ ہر چیز تھی۔

② "روح المعانی، کبیر، البحر المحیط" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: سونے کا بنایا ہوا تھا اور جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں والی مٹی اُس کے منہ میں ڈال دی تھی، جس کی وجہ سے آواز آنے لگی تھی۔

اِتَّخَذُوْہُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ۝:

اِتَّخَذُوْہُ کا مفعولِ ثانی محذوف ہے۔ اَیْ اِتَّخَذُوْہُ اِلٰھًا۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِیْٓ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴۹﴾:

"تفسیر بیضاوی، مدارک، کبیر، السراج المنیر، ابوسعود، خازن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: جب آدمی پشیمان و پریشان ہوتا ہے، تو اپنے مُنہ کو نیچے کرتا ہے اور اپنے ہاتھ کاٹ لیتا ہے سَقَطَ فَمُہٗ فِیْ یَدِہٖ۔ تو وَلَمَّا سُقِطَ کے لفظی معنی ہیں: "اُن کے منہ اُن کے ہاتھوں میں گرائے گئے" اور لازمی معنی اِس کے ہیں: "پشیمان ہونا، نادم ہونا"۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵۰﴾:

"تفسیر جمل، کمالین" وغیرہ میں اِس کی دو (۲) ترکیبیں لکھی ہیں:

① لفظِ غَضْبَان اور اَسِفًا یہ دونوں حالِ مترادفہ ہیں اِس طور پر کہ: لفظِ مُوْسٰی ذوالحال اور غَضْبَانَ حالِ اَوّل اور اَسِفًا حالِ ثانی ہے۔

② لفظِ غَضْبَان اور اَسِفًا یہ دونوں حالِ متداخلہ ہیں اِس طور پر کہ: لفظِ غَضْبَان ذوالحال اور اَسِفًا اُس سے حال ہے۔ ذوالحال اپنے حال سے مل کر لفظِ مُوْسٰی کے لیے حال ہے۔

وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ ۔۔۔ الآیۃ:

اِشکال: اِس میں تو بہ ظاہر کلامِ اِلٰہی کی توہین لازم آتی ہے؟

جواب: "کبیر، روح المعانی، بیان القرآن" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: جلدی سے ہاتھ فارغ کرنے کے لیے تختیاں نیچے رکھیں، یہاں پر اَلْقٰی کے حقیقی معنی مُراد نہیں ہیں جس میں بے اَدبی اور بے حرمتی کا پہلو ہوتا ہے۔

قَالَ ابْنَ اُمَّ ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ یَا ابْنَ اُمَّ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام عمران رحمہ اللہ اور والدہ کا نام یوحاند رحمہا اللہ تھا۔ گو حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عینی بھائی تھے، مگر ماں کی طرف نسبت کرنے سے اُن کو نرمی اور شفقت پر آمادہ کرنا تھا۔

اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس آیت میں حضرت ہارون علیہ السلام کی معذرت یعنی عذر پیش کرنے کا بیان ہے۔ حاصل اِس کا یہ ہے کہ: مَیں اپنی طاقت کے موافق اُن کو سمجھا چکا لیکن اُنہوں نے میری کچھ حقیقت نہ سمجھی، اُلٹا مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہونے لگے۔ اَب آپ ایسا معاملہ کرکے اُن کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیجیے اور عتاب و غصہ کا اظہار کرتے وقت مجھ کو ظالموں کے ذیل میں شامل نہ کیجیے۔ اِس طرح پکڑنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہم یہ تھا کہ: ہارون (علیہ السلام) نے دعوت نہیں دی ہوگی، اِس لیے دُعا میں دونوں کو شامل کیا جیسے کہ اَگلی آیت میں ذکر ہے کہ: قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۔۔۔ الآیۃ ❶

فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ ۔۔۔ الآیۃ:

دُشمن کہیں گے کہ: دیکھو! چھوٹے بھائی نے بڑے کو پکڑا ہے، یہ دونوں لوگوں کو تبلیغ کرتے ہیں اَبھی دیکھو دونوں بھائی آپس میں گتھم گتھا ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵۲﴾:

ربط: اُوپر بچھڑے کی پوجا کرنے کا بیان تھا، آگے اُن کے لیے سزا کا بیان ہے کہ جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی ہے اُن کو دُنیاوی اور اُخروی عذاب ملے گا اور دُنیا میں رُسوائی ملی۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف،۱۵۱)

سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

یہ غَضَب وہی ہے جس کا ذکر سُوْرَةُ الْبَقَرَة میں گذر چکا یعنی گوسالہ پرستوں کو وہ لوگ قتل کریں جنہوں نے یہ حرکت نہیں کی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ: مُرتد کی سزا دُنیا میں قتل ہے۔

مولانا شبیر اَحمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَنگریز کے وقت غلام محمد قادیانی نے اَفغانستان کو ایک رُقعہ بھیجا کہ ایک نبی پیدا ہوا ہے، تم اُس پر اِیمان لاؤ۔ علماء جمع ہوگئے اور کہا کہ: یہ جھوٹا نبی ہے۔ فلاں ہے فلاں ہے۔۔۔ الخ۔ صبغت اللہ قادیانی اُس وقت پاکستانی وزیر خارجہ تھا، "الشہاب" مولانا صاحب کا رسالہ تھا۔ اُس میں آپ نے جلال سے بیان فرمایا کہ: اِس کا قتل صحیح ہے۔ "ختم نبوّت قرآن وسنّت کی رُوشنی میں" نامی کتاب میں حضرت شیخ صاحب (حضرت صفدر رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ: وہ جو خود مرزائی ہو اور وہ جو پشتی مرزائی ہو، کفر اور الحاد کی وجہ سے اُسے قتل کیا جائے کیوں کہ پہلا مُرتد ہے اور دوسرا زندیق ہے اور زندیق کی سزا بھی قتل ہے۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵۳﴾:

مِنْۢ بَعْدِهَا اَیْ مِنْۢ بَعْدِ التَّوْبَةِ۔

وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵۴﴾:

یہ مصدر ہے مبنی للمفعول کے معنی میں ہے۔ اَیْ مَا كُتِبَ فِيْهَا وَنُسِخَ فِيْهَا۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵۵﴾:

سوال لفظِ قَوْمَهٗ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ قَوْمَهٗ کا نصب بنزع الخافض ہے، اَصل میں مِنْ قَوْمِهٖ تھا۔

فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال یہاں رَجْفَةٌ یعنی زلزلہ اور دوسرے مقام پر "صَاعِقَةٌ" "فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ ۔۔۔ الآیۃ" ❶ یعنی آسمانی بجلی ہے یہ تو تعارض معلوم ہوتا ہے؟

جواب "تفسیر کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: کوئی تعارض نہیں کیوں کہ جب بجلی گرتی ہے تو زمین لرزتی ہے۔

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵۶﴾:

ابن عربی کی ملاقات اِبلیس سے ہوئی، اِبلیس نے کہا: حضرت! آپ نے قرآن پڑھا ہے؟ فرمایا: ہاں! کہا: میرے لیے کوئی گنجائش ہے؟ فرمایا: نہیں! اُس نے کہا کہ: نہیں پڑھا ہے کیوں کہ اِنَّ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ ۔۔۔ الآیۃ فَسَكَتَ الشَّيْخُ۔ حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اگر مَیں ہوتا تو مَیں جواب دیتا کہ: تیرے لیے جو سزا مقرر ہے اُس سے زیادہ دینے پر قادر ہے، لیکن وہ زیادہ نہ دے تو یہ رحمت ہے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: تو رحمت کی چھتری کے سائے میں آیا ہی نہیں۔

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

یہ کتابت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مجازی ہے۔ اَصل مطلب یہ ہے کہ: سَاٰمُرُ بِكِتَابَتِهَا۔ یعنی اُس کو لکھنے کا مَیں حکم کروں گا۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵۷﴾:

"تفسیر ابن کثیر" میں اِس مقام پر خاصی تفصیل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ: حارث ابن ہشام رضی اللہ عنہ اور اُن کے چند ساتھی، شام کے علاقے میں تاجر تھے۔ شام کے قریب ایک "غوطہ" مقام ہے، وہاں ایک بہت بڑی یونیورسٹی تھی۔ وہاں بے شمار طلباء تھے جو کہ پادری تھے۔ یہ حضرات جس وقت بازار میں سودا بیچنے گئے تو وہ پادری بازار میں سودا خریدنے آئے ہوئے تھے۔ اُن پادریوں نے جب اِن حضرات کا حلیہ دیکھا تو اُن کو پتہ چلا کہ یہ لوگ آنے والے

❶ (سُوْرَةُ النِّسَاء، ۱۵۳)

پیغمبر کے ساتھی معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ اُنہوں نے اپنی کتابوں میں پایا تھا۔ اُن پادریوں نے اِن حضرات کی دعوت کی تو اِن حضرات نے دعوت قبول کرلی۔ جب یہ حضرات دعوت پر گئے تو اُن پادریوں نے بڑے اہتمام سے اِن کی دعوت کی۔ دعوت کے بعد وہ پادری ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور آنکھوں کے اِشارے سے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ: اَگلی بات اِن سے کریں یا نہ کریں؟ تو اِشاروں میں اُنہوں نے یہ کہا کہ: بات ہونی چاہیے۔ اُنہوں نے اِن حضرات سے کہا کہ: اب آپ ہمارے ساتھ آئیں۔ یہ حضرات اُن کے ساتھ ہوگئے، اُنہوں نے ایک کمرہ کھولا اُس کمرے میں پیغمبروں کی کچھ تصویریں تھیں۔ پادری کہنے لگے کہ: جو تمہارے ہاں نبی مبعوث ہوئے ہیں اِن تصویروں میں سے اُن کی کوئی تصویر ہے؟ اِن حضرات نے کہا: نہیں! اِن میں نہیں ہے۔ پھر اُنہوں نے دوسرا کمرہ کھولا اُس میں بھی چند پیغمبروں کی تصویریں تھیں۔ کہنے لگے: اِن میں کوئی تصویر ہے؟ اِن حضرات نے کہا: نہیں ہے۔ پھر تیسرا کمرہ کھولا تو آپ ﷺ کی تصویر سامنے آگئی اور آپ ﷺ کے مبارک ٹخنے کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ٹخنے کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تصویر تھی۔ اِن حضرات نے یہ تصویریں دیکھ کر کہا: ہاں! یہ ہیں وہ آخری پیغمبر جو ہم میں مبعوث ہوئے ہیں۔ وہ پادری کہنے لگے: ہاں! اِسی پیغمبر نے آنا تھا۔ پھر وہ پادری کہنے لگے: جو اِن کے ٹخنوں کے ساتھ ہیں اِن کو جانتے ہو؟ یہ حضرات کہنے لگے: ہاں! یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پادریوں نے کہا: قَرْنٌ حَدِیْدٌ یہ لوہے کی لٹھ ہے۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ۔۔۔ الآیۃ :

اَلتَّحْلِیْلُ وَالتَّحْرِیْمُ مِنْ صِفَةِ اللهِ۔ یعنی حلال وحرام کرنا اللہ کا کام ہے۔ پیغمبر جس چیز کو حلال یا حرام کہیں گے تو اُس کے ساتھ اُس کی دلیل قطعی ہوگی اور جہاں تَحْلِیْل وَتَحْرِیْم کی اسناد نبی کی طرف ہو وہ مجازاً ہوگی۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ :

اِصْرَ سے مُراد بوجھ ہے اور وہ بوجھ یہ تھے کہ: تیمم جائز نہ تھا، پلید کپڑا کاٹنا، رُبْعُ الْمَال زکوٰۃ لازم تھی، مالِ غنیمت اِستعمال نہیں کر سکتے تھے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ اِلَيْكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ۞ :

ربط: اُوپر نبی اُمّی کا ذکر تھا، اب اُسی نبی سے اعلان کروایا جارہا ہے کہ: آپ (ﷺ) کہہ دیں کہ: اے عرب وعجم! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۔۔۔ الآیۃ ۞ :

ربط: اُوپر بھی بنی اسرائیل کی بدعنوانیوں اور نافرمانیوں کا ذکر تھا کہ: بچھڑے کی پوجا کی وغیرہ۔ اِسی سلسلے میں اُن کی ایک اور نافرمانی کا ذکر فرماتے ہیں۔

واقعہ: حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ تھا، "اِیلاق" بندرگاہ اسرائیل میں ہے اور سمندر "بحرِ قلزم" تھا، اُس کے کنارے پر یہ بستی آباد تھی اور اِس بستی کا نام "اَیلہ" ہے، یہ مدین اور طور کے درمیان واقع تھی، وہاں کے لوگ دریا کے قریب ہونے کی وجہ سے مچھلی کے شکار کی عادت رکھتے تھے، اُن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ: تم ہفتہ کے دن شکار مت کرو۔ تو اُن کے تین (۳) گروہ بن گئے:

① ایک گروہ نے حوض بنائے۔

② دوسرے گروہ والے نہ اِس عمل شنیع میں شریک ہوئے اور نہ منع کرنے کے لیے زبان کھولی، بالکل علیحدہ اور خاموش رہے۔

③ تیسرا گروہ اُن کے پیچھے پڑ گیا۔

مثلاً: ہمارے تبلیغی حضرات پہلے کہتے ہیں تمام زندگی، یہ نہ ہو تو ایک سال، یہ نہ ہو تو چار مہینے، چلہ ۔۔۔ یعنی چھوڑتے نہیں، ضرور اُس کو تیار کر لیتے ہیں۔ اَچھی جماعت ہے، مگر ہر جگہ اور ہر جماعت میں بعض غلو والے ہوتے ہیں۔ بعض غالی کہتے ہیں کہ: دین صرف تبلیغ ہے، تبلیغ دین کا ایک شعبہ ہے نہ کہ تمام دین اِس میں مدغم ہے۔

بہرحال وہ تیسرا گروہ آخر تک اُن کو تبلیغ کرتا رہا لیکن وہ نہ مانے تو اُن پر عذاب آیا اور وہ بندر اور خنزیر بنا دیے گئے۔

اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا ۔۔۔ الآیۃ :

لفظِ شُرَّعًا، شَارِعٌ کی جمع ہے۔ اِس کا معنی ہے: "ظاہر ہونا"۔

قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ مَعْذِرَةً فعلِ محذوف کا مفعول ہے۔ اَیْ نَعِظُهُمْ مَعْذِرَةً۔ ہم اُن کو نصیحت کرتے ہیں معذرت کے طور پر تا کہ ہم رب کے ہاں عذر پیش کر سکیں کہ ہم نے اُن کو نصیحت کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ ۔۔۔ الآیۃ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے شاگرد عکرمہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ: گروہ تو تین (۳) ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے دو (۲) کا ذکر قرآن پاک میں کیا ہے اور ایک گروہ کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ عکرمہ رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ: وہ گروہ یعنی سَاکِتِیْن بھی عذاب سے بچ گئے اور اُن کو بھی نجات ملی تھی مگر اُن کا یہ فعل محمود نہ تھا تو اِس لیے ذکر بھی نہیں کیا۔

قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً ۔۔۔ الآیۃ:

اُن کے جوان بندر اور بوڑھے خنزیر بن گئے۔ آخر بُرے حال میں تین (۳) دن میں مَر گئے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ۔۔۔ الآیۃ:

"النہایہ، قاموس، تاج العروس" وغیرہ لغت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ: خَلَفَ لَام کے فتحہ سے "صحیح جانشین" کو کہتے ہیں۔ اور لَام کے سکون کے ساتھ "نااہل جانشین" کو کہتے ہیں۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

جس طرح یہ چھت ہمارے سروں پر ہے اِسی طرح پہاڑ کو اُن پر بلند کر دیا۔

سوال یہ تو اِکْرَاہ فِی الدِّیْن ہے؟

جواب یہ اِکْرَاہ فِی الدِّیْن کی مد میں نہیں بل کہ ایک قول کا اِنتہائی اِہتمام، تخویف اور تاکید سے اِقرار لینا ہے اور فَبِمَا نَقْضِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ❶ کی مد میں ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: "بیان القرآن، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات تفصیل و اجمال سے بیان کیے گئے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قدرے تفصیل سے بیان فرمایا، اب آگے بیان فرماتے ہیں کہ: یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اِس لیے بھیجے کہ تمام مخلوقات کو اُس وعدے کی تَذْکِیْر کریں جو میثاق والے دن اُن سے لیا گیا ہے۔

"مسند احمد" وغیرہ میں روایت ہے کہ: عرفات کے میدان میں وادی مُعْرَۃُ النَّعْمَان میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے کمر پر دستِ قدرت پھیرا، چیونٹیوں کی طرح مخلوق پیدا ہوئی اور اُن سے اُن کی اولاد نکالی، سب سے اپنی خدائی کا اقرار کروایا پھر پشت میں داخل کیا ❷ تو اُس وعدہ کو یاد دلانے کے لیے ہم نے پیغمبروں کو بھیجا۔

اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۝:

اِشْکَال: ملحدین نے اشکال کیا ہے کہ: اگر ایسا وعدہ ہوتا تو ہمیں ضرورت معلوم ہوتا؟

جَوَاب: علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے "روح المعانی" میں اور ثناء اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض نے نام بھی لیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، سہل ابن عبد اللہ قسطوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: وہ وعدہ مجھے یاد ہے۔ علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سمجھانے کے لیے فرمایا ہے کہ: جس طرح ایک لیکچرار اور انشاء پرداز کو یقین ہے کہ ضرور اُس کو اِبتدائی عمر میں کسی نے الفاظ بولنے سکھلائے، جس سے ترقی کر کے آج اِس رُتبہ کو پہنچا۔ گو پہلا لفظ سکھلانے والا اور سکھلانے کا وقت، مکان اور دیگر خصوصیات مقامی بل کہ نفس سکھلانا بھی یاد نہیں، تاہم اُس کے موجودہ آثار سے یقین ہے کہ ایسا واقع ضرور ہوا ہے۔ اِسی طرح بنی نوع اِنسان کا عَلٰی اِخْتِلَافِ الْاَقْوَامِ وَالْاَجْبَار عقیدۂ ربوبیتِ الٰہی پر متفق ہونا اِس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز بدءِ فطرت میں کسی معلّم کے ذریعہ سے

❶ (سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ ۱۳) (سُوْرَۃُ النِّسَآء ۱۵۵) ❷ (مسند احمد، مسند بنی ہاشم، مسند عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۴، ص ۲۶۷، طبع موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اُن تک پہنچی ہے۔ باقی تعلیمی خصوصیات واَحوال کا محفوظ نہ رہ سکنا اُس کے تسلیم میں خلل انداز نہیں ہوسکتا۔ اِسی ازلی وفطری تعلیم نے جس کا نمایاں اُثر آج تک اِنسانی نسل میں موجود چلا آتا ہے، ہر اِنسان کو خدا کی حجت کے سامنے ملزم کردیا ہے، جو شخص اپنے الحاد وشرک کو حق بجانب قرار دینے کے لیے غفلت، بے خبری یا آباء واَجداد کی کورانہ تقلید کا عذر کرتا ہے، اُس کے مقابلہ پر خدا کی یہی حجت قاطعہ جس میں اَصل فطرتِ اِنسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، بہ طورِ فیصلہ کن جواب کے پیش کی جاسکتی ہے۔

۱۹۳۸ء کی بات ہے!! روسیوں نے دو (۲) جنازے نکالے، وہ کہتے تھے کہ: ایک جنازہ خدا کا اور دوسرا مذہب کا۔ (اَلْعَیَاذُ بِاللہ) اور دیکھنا ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ: زار روس کا بادشاہ تھا، زار پوٹین تمام پادریوں کا سردار تھا، معمّر اور بوڑھا تھا، پوٹین نے اُس زار روس کی بیوی کو قوانین بتلائے۔ تو اُس نے اُس کے ساتھ بدی کی۔ اِس وجہ سے زار روس مذہب سے متنفر ہوگئے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا۔۔۔ الآيۃ ﴿۱۷۵﴾:

ربط: "ابوسعود، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے وعدے کا ذکر تھا، آگے ایک وعدہ شکن کا ذکر ہے۔

واقعہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک آدمی تھا، نام اُس کا "بلعم بن باعوراء" تھا، اُس کے ہاتھوں عجیب کرشمے ظاہر ہوئے، بڑا مُسْتَجَابُ الدَّعْوٰت شخص تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین اُس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ: دُعا کرو کہ موسیٰ علیہ السلام کا بیڑا غرق ہوجائے۔ اُس نے جواب دیا کہ: میں پیغمبر کے خلاف کیسے بددُعا کروں؟ اُس نے اِنکار کردیا۔ پھر دوسرے دن اُنہوں نے تحائف حاضر کرکے کہا کہ: ایسا کہو کہ اے اللہ! موسیٰ علیہ السلام کا بیڑا غرق کردے۔ تو اُس تحائف کی وجہ سے صرف یہ کہا کہ: "اے اللہ! موسیٰ علیہ السلام کا" تو اُس کی زبان نکلی اور اُس نے آگے کچھ بھی نہ کہا۔ تو اِس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ۔۔۔ الآيۃ ﴿۱۷۶﴾:

لفظِ قَصَص مصدر ہے، اِس کا معنی ہے: "حال سرگزشت"۔ یہ قِصَّۃٌ کی جمع نہیں ہے، قِصَّۃٌ کی جمع قِصَص آتی ہے بِکَسْرِ الْقَاف۔

فَائِدَہ: قرآن کو سمجھنے کے لیے تین (۳) کتابیں اردو کی ضروری ہیں: ① لغات القرآن۔ ② قصص القرآن۔ ③ ارض القرآن۔

سَآءَ مَثَلَا ِۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔۔۔ الآيۃ ﴿۱۷۷﴾:

لفظِ قَوْم، سَآءَ کا مخصوص بالذّم ہے لیکن یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَیْ مَثَلًا مَّثَلُ الْقَوْمِ۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔۔۔ الآيۃ ﴿۱۷۹﴾:

گدھا بہت پلید جانور ہے، وہ بھی اپنے آقا کی بات مانتا اور آواز پہچانتا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔۔۔ الآيۃ ﴿۱۸۰﴾:

ربط: پہلے گذر چکا کہ: اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے آیات کی تکذیب کی، اِس تکذیب میں سرفہرست توحید ہے۔ تو یہاں سے توحید کا ذکر ہے۔ "مظہری" وغیرہ تفاسیروں کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تعداد پانچ ہزار (۵۰۰۰) سے متجاوز ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ۔۔۔ الآيۃ ﴿۱۸۲﴾:

ربط: اُوپر دو (۲) گروہوں کا ذکر تھا: مہتدین، ملحدین۔ اب آگے بھی اُن ملحدین کا بیان ہے۔

علّامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: وہ چیزیں جو خلافِ عادت ہوتی ہیں یعنی خارقِ عادت ہوں وہ چھ (۶) قسم کی ہیں:

① نبوّت سے پہلے نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہو تو "ارہاص" کہلاتا ہے۔

② نبوّت کے بعد ظاہر ہو تو "معجزہ" کہلاتا ہے۔

③ ولی کے ہاتھ سے ظاہر ہو "کرامت" کہلاتی ہے۔

④ مؤمن کے ہاتھ سے ظاہر ہو تو "معونت" یعنی اللہ تعالیٰ کی اِمداد کہلاتی ہے۔

⑤ کافر کے ہاتھ سے ظاہر ہو اور فائدہ کی ہو تو "استدراج"۔ مثلاً: دجّال کے ہاتھ پر عجیب وغریب چیزیں ظاہر ہوں گی، سونا وغیرہ۔

⑨ مقصد کے خلاف ہوتو "اہانت" کہلاتی ہے۔

علامہ ایوبی رحمۃ اللہ علیہ اِس کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ: مسیلمہ کذّاب نے جھوٹی نبوّت کا دعویٰ کیا تھا، اُس کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ: میری آنکھ صحیح نہیں۔ میرے لیے دُعا کرو کہ: ٹھیک ہو جائے۔ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی دُعا کی تھی تو اُن کی آنکھیں ٹھیک ہوگئی تھیں۔ تو جب اُس نے دُعا کی تو اُس کی وہ آنکھ بھی گئی۔

دوسری مثال علامہ ایوبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مسیلمہ کذّاب کی اَفواج جنگ لڑ رہی تھیں، اُن کے ساتھ جو چشمہ تھا اُس میں پانی کم تھا، اُس کے ساتھیوں نے کہا کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ حدیبیہ کے دَوران بھی چشمہ پر ہاتھ مبارک پھیرا تو وہ زیادہ ہوگیا تھا، تو بھی اِسی طرح کرتا کہ لوگ اُس پانی سے سیراب ہوسکیں۔ تو اُس نے بھی اِس طرح کیا تو اُس سے وہ کم پانی بھی بند ہوگیا۔

کرامت کی اَقسام: "طبقات الشافعیۃ" میں لکھا ہے کہ: کرامت کی سترہ (۱۷) قسمیں ہیں، سترویں (۱۷) قسم اَكْلُ الْكَثِيْرِ ہے۔

مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۔۔۔ الآیۃ:

مجنون کبھی چھپا نہیں رہتا۔ ایک شخص "زماد" تھا، مجنون کو دم کر کے فیس لیتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ: بلا فیس دم کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: مَیں مجنون نہیں ہوں! وہ قرآن سن کر مسلمان ہوگیا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر قیامت کا اِجمالی ذکر تھا اب آگے قیامت کا اِثبات ہے۔

اَيَّانَ مُرْسٰهَا اَيْ قِيَامُهَا۔ مُرْسٰهَا مصدر میمی ہے۔

لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ ۔۔۔ الآیۃ:

لِوَقْتِهَآ میں لَام فِيْ کے معنی میں ہے۔ اَيْ فِيْ وَقْتِهَا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۔۔۔ الآیۃ:

حَفِيٌّ کا لفظی معنی ہے: "کھوج نکالنا، چوروں کے پیچھے اُن کے نقشِ قدم کو معلوم کرنا"۔ اِس کے لازمی معنی ہیں: "گویا کہ تو اُس قیامت کو جانتا ہے"۔

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ۔۔۔ الآیۃ:

اگر مَیں غیب جانتا۔

مولوی محمد عمر کا غلط اِستدلال: مولوی محمد عمر نے "مقیاس الحنفیۃ" میں لکھا ہے کہ: حنفی حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کا اِنکار کرتے ہیں حال آں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔

دلیل: مذکورہ آیت: وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ۔ اِس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلایا جا رہا ہے کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیں کہ: اگر مَیں غیب جانتا تو مَیں کثرت سے خیر حاصل کرتا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر خیر کس نے حاصل کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نیکیاں کس کی ہیں؟ معلوم ہوا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں۔

جواب "ازالۃ الریب" میں ہم نے اِس کا تفصیلی جواب دیا ہے، اُس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ: یہاں خَيْر کا تقابل بدی اور شر سے نہیں ہے بل کہ سُوْٓء سے ہے یعنی خَيْر یہاں سُوْٓء کے مقابلے میں ہے۔ نیز یہاں پر خَيْر سے نیکیاں مُراد نہیں ہیں بل کہ راحت بدنی مُراد ہے یعنی اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو مَیں اپنے لیے تکلیف سے بچنے کا اِنتظام پہلے سے کر لیتا۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر قیامت کا ذکر، پھر رسالت کا ذکر اب آگے بھی رسالت کا ذکر ہے جو اُصول الدین ہے۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ ۔۔۔ الآیۃ (۱۹۰):

"تفسیر ابن جریر طبری، خازن، روح المعانی، کبیر" وغیرہ میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "ترمذی اور مستدرک" میں سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کا واقعہ ایسا ہوا کہ جب بچہ پیدا ہوتا تو مُردا ہوتا تھا۔ تو شیطان نے آکر کہا کہ: اگر آپ کا بچہ پیدا ہوجائے تو اُس کا نام عبد الحارث رکھیں، حارث شیطان کے ناموں میں سے ایک ہے یا کھیتی باڑی والے کو کہتے ہیں۔[1]

سوال حضرت آدم علیہ السلام تو پیغمبر تھے اور اِس طرح نام رکھنا تو بہ ظاہر شرک معلوم ہوتا ہے؟

جواب قائل قائل کا فرق ہوتا ہے۔ موحد کہے کہ: أَنْبَتَ الرَّبِيْعُ الْبَقْلَ تو دُرست ہے اور ملحد کہے تو دُرست نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کے ذہن تو صاف تھے، حضرت آدم علیہ السلام زمین میں کاشت کرتے تھے، تو اُن کا بیٹا حارث کا بیٹا ہوگا، اِس سے تو کوئی بھی شرک لازم نہیں آتا۔ دیگر یہ بھی ظاہر ہے کہ: اسمائے اَعلام میں لغوی معنی معتبر نہیں ہوتے اور ہوں بھی تو عَبْد کی اضافت حارث کی طرف اِس کو مستلزم نہیں کہ حارث کو (مَعَاذَ الله) معبود سمجھ لیا جائے۔ ایک مہمان نواز آدمی کو عرب عَبْدُ الضَّيْف کہہ دیتے ہیں یعنی "مہمان کا غلام" اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ گویا میزبان کی پوجا کرتے ہیں۔

سوال حضرت مولانا سید حسین اَحمد مدنی رحمہ اللہ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ: اُن سے کسی نے پوچھا: حضرت! ایک طرف تو آپ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ ہی مشکل کشا ہے اور آپ کے شجرہ میں آتا ہے کہ: "علی مشکل کشا کے واسطے" یعنی اے اللہ! میرا کام کردے علی مشکل کشا کے واسطے۔ تو آپ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہیں تو جائز اور اگر دوسرے کہیں تو شرک وجہ کیا ہے؟

جواب حضرت رحمہ اللہ نے اُن سے فرمایا: دیکھو بھائی! حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھ میں تو قضاء کا کچھ بھی علم نہیں ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے سینے پر اپنا دستِ مبارک مارا اور دُعا بھی دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی برکت سے وہ بہت آسانی سے فیصلہ کر سکتے تھے۔ جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لقب پڑ گیا: حَلَّالُ الْمَعَاقِدِ یعنی گِراہ کھولنے والا۔ مطلب یہ ہے کہ: وہ ہر مشکل سے مشکل مسئلہ کی گِراہ کھول لیتے تھے۔ فارسی والوں نے اِس کا ترجمہ "مشکل کشا" کر دیا۔ تو ہم کہتے ہیں: "علی مشکل کشا" اِس کا یہ معنی نہیں ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ ہماری تکلیف کو دُور کرتے ہیں بل کہ ہم اِس معنی میں کہتے ہیں کہ: وہ اپنے دَور میں مشکل سے مشکل مسئلوں کی گِراہ کھول لیتے تھے۔

پس! اگر عبد الحارث نام رکھنے کا مذکورہ بالا واقعہ صحیح ہے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ: حضرت آدم علیہ السلام نے (مَعَاذَ الله) حقیقتاً شرک کا اِرتکاب کیا، جو انبیاء کرام علیہم السلام کی شانِ عظمت کے منافی ہے۔ ہاں! بچے کا ایسا غیر موزوں نام رکھنا جس سے بہ ظاہر شرک کی بو آتی ہو، نبی معصوم کی شانِ رفیع اور جذبۂ توحید کے مناسب نہ تھا۔ قرآن کریم کی عادت ہے کہ: انبیاء مقربین علیہم السلام کی چھوٹی سی لغزش اور اَدنیٰ ترین خطاء کو حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْن کے قاعدہ کے مطابق اکثر سخت عنوان سے تعبیر کرتا ہے۔ تو یہاں حضرت آدم علیہ السلام کے رُتبہ کے لحاظ سے اِس موہمِ شرک تسمیہ کو تغلیظاً اِن الفاظ میں ادا فرمایا: جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ ۔۔۔ الآیۃ[2]

② "تفسیر ابن جریر طبری، روح المعانی، کبیر" وغیرہ میں دوسری تفسیر یہ ہے کہ: اُوپر حضرت آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کا ذکر تھا اب آگے فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا سے مُراد ہر جوڑا ہے یعنی جب خاوند نے بیوی سے ہمبستری کی تو بیوی کو حمل ہوگیا۔ تو اُنہوں نے کہا: اے اللہ! اگر بچہ پیدا ہوا تو ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے اور جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شرکیہ نام رکھتے ہیں۔ تو اِس سے مُراد ہر جوڑا ہے، حضرت آدم علیہ السلام و حواء علیہا السلام مُراد نہیں ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "فتح الرحمٰن" میں ذکر کیا ہے کہ: اِس پر قرینہ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝[3] ہے کیوں کہ يُشْرِكُوْنَ جمع کا صیغہ ہے۔

سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۱۹۳):

ہندو بھاری بھر کم اور بڑے پتھر اور لکڑی کی پوجا نہیں کرتے بل کہ وہ اُس کو تراشتے تراشتے جب سیر، آدھا سیر رہ جاتا ہے تو اُس کی پوجا کرتے ہیں اور اُس بت کا نام اُس بڑے آدمی کے نام پر رکھتے ہیں جس سے اُن کو عقیدت ہوتی ہے۔ مثلاً: ہبل، ہابیل کا مجسمہ تھا۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۔۔۔ الآیۃ (۱۹۵):

یہ تفسیر بتوں کے متعلق لی جائے تو صحیح اور اگر پیر بابا، جیلانی رحمہ اللہ بزرگ وغیرہ کے متعلق لی جائے تو بھی آیت اپنی جگہ پر صحیح ہے۔ کیا اُن کے ساتھ

---

[1] (جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ومن سورۃ الاعراف، ج ۲، ص ۱۳۸، طبع قدیمی، کراچی)

[2][3] (سُوْرَةُ الْأَعْرَاف، ۱۹۰)

ایسے پاؤں ہیں جو وہاں پہنچیں؟!! یہ وظیفہ بعض لوگ پڑھتے ہیں: یَا سَیِّدِنَا جِیلَانِی (رحمہ اللہ) شَیْئًا لِلّٰہِ۔ یہ غلط ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے "فتاوی رشیدیہ" میں اس کے دو (۲) معنی ذکر کیے ہیں:

① کبھی لَام معطیٰ لہ پر بھی داخل ہوتا ہے تو اس کا معنی ہوا کہ: "اے سیدنا جیلانی (رحمہ اللہ)! آپ اللہ تعالیٰ کو کوئی شے دیں"۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ: حضرت نے دینا ہے اور رب نے وصول کرنا ہے۔ تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ اِس سے تو رب کا محتاج ہونا لازم آتا ہے۔

② لَام توسل کے لیے ہو۔ تو معنی ہوگا کہ: "آپ مجھے دیں اللہ کے واسطے"۔ تو یہ دونوں کفر ہیں۔

پس! اگر یہ کہیں کہ: اللہ تعالیٰ ہمیں دے جیلانی رحمہ اللہ کے طفیل سے۔ تو صحیح ہے۔

وَ تَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹۸﴾:

یہ اِس لیے فرمایا: کیوں کہ اُنہوں نے اُن کی آنکھیں بنائی تھیں۔

خُذِ الْعَفْوَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹۹﴾:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب اور اُمت کو سبق اور تعلیم ہے۔

وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰۰﴾:

نَزْغٌ کا معنی ہے "چوکا مارنا"۔

اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰۱﴾:

طٰٓئِفٌ اُس خیال کو کہتے ہیں جو رات کو آئے۔ پھر مطلق خیال اِس سے مُراد ہے۔

وَ اِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰۲﴾:

اَیْ اِخْوَانُ الشَّیٰطِیْنِ کیوں کہ شیطان پر اَلِف لَام آگیا ہے تو اس میں کثرت آگئی۔

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰۴﴾:

ربط: اُوپر قرآن کا ذکر تھا آگے قرآنِ کریم کے آداب میں سے ایک اَدب ذکر فرمایا ہے۔

آیت کا مصداق: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: یہ آیت اِمام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے میں ہے یعنی اِمام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور اِسْتِمَاع کرو یعنی اِمام کی قرأت کو سنو۔

"فتاوی ابن تیمیہ" وغیرہ میں اِمام اَحمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا قول منقول ہے کہ: قَالَ اَحْمَدُ ابْنُ حَنْبَلٍ اَجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّهَا نَزَلَتْ فِی الصَّلٰوۃِ۔ سب کا اِجماع ہے کہ: یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے، چاہے سری نماز ہو یا جہری نماز ہو۔

وَ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰۵﴾:

لفظِ غُدُو، غُدْوَۃٌ کی جمع ہے اور لفظِ اٰصَالِ، اَصِیْلٌ کی جمع ہے۔

وَ یُسَبِّحُوْنَهٗ وَ لَهٗ یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾:

مسئلہ: اس میں اِختلاف ہے کہ: آیا ترجمہ کرنے سے سجدہ لازم آتا ہے کہ نہیں؟ "شامی" میں قول محقق یہ لکھا ہے کہ: ترجمہ کرنے سے سجدہ لازم نہیں آتا، البتہ آیت پڑھنے سے لازم آتا ہے۔

اٰیَاتُهَا (۷۵) (۸) سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ (۸۸) رُكُوْعَاتُهَا (۱۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

ربط: "سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں آسان ربط یہ لکھا ہے کہ: پہلی سورتوں میں کفار کے ساتھ بات تھی اور شرک کا رد تھا بِاللِّسَان اور اس میں بِالسِّنَان ہے۔ پہلی سورۃ میں لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝ ❶ اور اس سورۃ میں آگے اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ ❷ ہے۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْاَنْفَال ہے۔ اَنْفَال زائد چیز کو کہتے ہیں اور یہ غنیمت کے لیے بھی بولا جاتا ہے کیوں کہ جہاد میں اَصل مقصود اِعْلَاءِ كَلِمَةُ الله ہوتا ہے اور مالِ غنیمت زائد ہوتا ہے۔ یہ سورۃ مدنی ہے، جنگِ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ انگریزی میلوں میں مدینہ مکہ سے تین سو گیارہ (۳۱۱) میل دُور ہے۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ۔۔۔الآیۃ ❶:

واقعہ: بیتُ المال کے کچھ اُونٹ تھے وہ وہاں چراہ گاہ میں کھڑے تھے اور نبی کریم ﷺ کا ایک خادم اُس کی حفاظت کرنے پر مامور تھا، کُرد بن جابر ایک کافر تھا، آپ ﷺ کے خادم کو قتل کر کے اُونٹ لے گیا۔ یہود و مشرکین نے مشورہ کیا کہ: آؤ! ہم اپنے مشترک دُشمن کو قتل کریں۔ مشرکین دو (۲) سفر کرتے تھے: ایک رِحْلَةُ الشِّتَآء اور دوسرا رِحلَیَۃُ الصَّیف۔ ایک شام اور دوسرا یمن کی طرف۔ آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ: دونوں سفروں کی تجارت میں اَصل رقم تو ہر ایک کو مل جائے گی لیکن جو نفع ہوگا وہ چندہ میں جمع کیا جائے گا اور اُس چندے سے اَسلحہ خرید کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے۔ ۲ھ میں آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ: ایک بھاری تجارتی مہم ابوسفیان کے سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے، ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ (۶۰) قریشی، ایک ہزار (۱۰۰۰) اُونٹ اور پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) دینار کا مال تھا۔ جب یہ قافلہ شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم ﷺ کو خبر پہنچی۔ "مسلم شریف" کی ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کہ: آیا اِس جماعت سے تعرض کیا جائے؟ "طبری" کے بیان کے موافق بہت سے لوگوں نے اِس مہم میں جانے سے پہلوتہی کی کیوں کہ اُنہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا، جس کے لیے بڑا اِجتماع و اہتمام کیا جائے۔ دوسرا اَنصار کے نسبت عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ: اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نُصرت وحمایت کا معاہدہ صرف اُس صورت میں کیا تھا کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کردے یا آپ ﷺ پر حملہ آور ہو۔ ابتداً اِقدام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہو اُن کے معاہدہ میں شامل نہ تھا۔ مجمع کا یہ رنگ دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور رئیس انصار حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حوصلہ اَفزاء تقریریں کیں، آخر حضور ﷺ تین سو (۳۰۰) سے کچھ زائد آدمیوں کی جمعیت لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ چوں کہ کسی بڑے مسلح لشکر سے جنگ کرنے کی توقع نہ تھی، اِس لیے جمعیت اور سامان اَسلحہ وغیرہ کا زیادہ اِہتمام نہیں کیا گیا، فی الوقت جو لوگ اِکھٹے ہوگئے سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اِسی لیے "بخاری شریف" کی روایت میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جو لوگ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے اُن پر کوئی عتاب نہیں ہوا کیوں کہ حضور ﷺ صرف تجارتی مہم کے اِرادے سے نکلے تھے، اِتفاقاً خداوند تعالیٰ نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرمادی۔ ابوسفیان کو آپ ﷺ کے اِرادہ کا پتہ چل گیا، اُس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا، وہاں سے تقریباً ایک ہزار (۱۰۰۰) کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے، پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ حضور ﷺ مقامِ صفراء میں تھے، جب معلوم ہوا کہ: ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے اَئِمَّةُ الْكُفْر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر یلغار کرتا چلا آرہا ہے، اِس غیر متوقع صورت کے پیش آجانے پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اِطلاع کی کہ: اِس وقت دو (۲) جماعتیں تمہارے سامنے ہیں: تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر۔ خدا کا وعدہ ہے کہ: دونوں میں کسی ایک پر تم کو مسلط کرے گا۔ تم بتلاؤ کہ: کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو؟ چوں کہ اُس لشکر کے مقابلہ میں تیاری کر کے نہ آئے تھے اِس لیے اپنی تعداد اور سامان وغیرہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ: تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے، مگر حضور ﷺ اِس رائے سے خوش نہ تھے۔ خیر یہ فیصلہ ہوا کہ:

❶ (سُوْرَةُ الْاَعْرَاف، ۲۰۳) ❷ (سُوْرَةُ الْاَنْفَال، ۱)

فوجی مہم کے مقابلہ پر جوہرِ شجاعت دکھلائے جائیں۔ چناں چہ مقام بدر میں دونوں فوجیں بھڑ گئیں، حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عنایت فرمائی، کافروں کے ستر (۷۰) بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر (۷۰) قید ہوئے، اِس طرح کفر کا زور ٹوٹا۔ اِس سورۃ میں عموماً اِسی واقعہ کے اَجزاء و متعلقات کا بیان ہوا ہے۔ اِس غزوہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں بڑا مالِ غنیمت آیا تو وہ اُس کی تقسیم میں رائے مختلف ہوگئی۔ تو فرماتے ہیں کہ:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۔۔۔ الآیۃ۔

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲﴾:

آیتوں کی طرف ایمان کی زیادتی کی نسبت مجازی ہے یعنی یہ آیتیں ایمان کی زیادتی کا سبب ہیں ورنہ درحقیقت رب تعالیٰ ہی ایمان کو زیادہ کرتا ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵﴾:

یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی اَیْ حَالُهُمْ فِیْ كَرَاهَتِهِمْ بِذٰلِكَ كَحَالِهِمْ فِیْ كَرَاهِيَّةٍ مِّنْ خُرُوْجٍ۔ یہ غنیمت کے مال کے بارے میں جو لوگ لڑے وہ طبعی طور پر ناپسند کرتے تھے اِس بات کو کہ یہ مال دوسروں کو ملے۔ اُن کا یہ حال اِس بات کے ناپسند کرنے میں ایسا ہی تھا جیسے آپ ﷺ مدینے سے نکلے تو طبعی طور پر اُنہوں نے اِس نکلنے کو ناپسند کیا۔ تو یہ ایک طبعی کراہت ہے اِس سے ایمان پر زَد نہیں پڑتی۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷﴾:

طَآئِفَتَيْنِ سے مُراد دو (۲) لشکر ہیں: ایک لشکر جو ابوجہل کی قیادت میں ہزار (۱۰۰۰) آدمیوں پر مشتمل تھا اور دوسرا لشکر ساٹھ (۶۰) آدمیوں پر مشتمل ابوسفیان کے قیادت میں تھا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

سوال جَعَلَهٗ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب جَعَلَهٗ کی "ہٗ" ضمیر اِمداد کی طرف راجع ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱﴾:

غزوۂ بدر ہی کا واقعہ ہے۔

واقعہ: تمام مغازی اور تاریخ کے کتابوں میں لکھا ہے کہ: آپ ﷺ جس جہاد میں خود موجود ہوں یا اُس کا حکم دیا ہو وہ غزوہ ہے۔ بدر کے مقام پر جو پانی تھا اُس پر کفار قابض ہوئے تھے۔ حضرت حُباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ جہاد کے فن کے بڑے ماہر تھے، آپ ﷺ ایک جگہ ٹھہرے تو اُنہوں نے کہ: آپ (ﷺ) یہاں رب کے حکم سے ٹھہرے ہیں؟ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: نہیں! رب نے تو قتال کا حکم کیا ہے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: جنگی لحاظ سے ہمارے لیے یہ جگہ موزوں نہیں ہے، وہ آگے جگہ موزوں ہے لہٰذا آگے ہوگئے۔ صورت ایسی پیش آئی کہ: کفار نے پہلے سے اَچھی جگہ اور پانی وغیرہ پر قبضہ کرلیا، مسلمان نشیب میں تھے، ریت بہت زیادہ تھی جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے، گرد و غبار نے الگ پریشان کر رکھا تھا، پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل و وضو کی تکلیف، دوسری طرف تشنگی ستارہی تھی، یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ: بہ ظاہر آثار شکست کے ہیں، شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ: اگر واقعی تم خدا کے مقبول بندے ہوتے ضرور تائیدِ ایزدی تمہاری طرف ہوتی اور ایسی پریشان کُن اور حیرت انگیز صورت حال پیش نہ آتی۔ اُس وقت حق تعالیٰ نے ذاتِ کاملہ سے زُور کا مینہ برسایا جس سے میدان کی ریت جم گئی، غسل و وضوء کرنے اور پینے کے لیے پانی کی بہتات ہوگئی، گرد و غبار سے نجات ملی، کفار کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کیچڑ سے چلنا دُشوار ہوگیا، جب یہ ظاہری پریشانیاں دُور ہوئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کردی، آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف و ہراس جاتا رہا۔ تو عالمِ اَسباب میں کفار کی شکست کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ: وہ کیچڑ میں پھسل گئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵﴾:

زَحْف کے معنی ہوتے ہیں: "ایک دوسرے کو گھسیٹنا"۔ لیکن یہاں لازمی معنی مُراد ہیں اور وہ لازمی معنی ہیں: "میدانِ جنگ"۔

وَمَنۡ یُّوَلِّهِمۡ یَوۡمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوۡ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ فَقَدۡ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۶﴾:

وَمَنۡ یُّوَلِّهِمۡ شرط ہے فَقَدۡ بَآءَ یہ جزاء ہے۔ساٹھ (۶۰) مسلمانوں نے قادسیہ کے مقام پر چھ ہزار (۶۰۰۰) کفار کو شکست دی۔ابودُجانہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، یمامہ کے مقام پر چار ہزار (۴۰۰۰) کو شکست دی۔

وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی ۚ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۷﴾:

"تفسیر ابن جریر طبری، دُرِّ منثور، معالم التنزیل" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی ریت شَاهَتِ الْوُجُوْهُ اَیْ قَبُحَتِ الْوُجُوْهُ پڑھ کر پھینکی۔اب عالمِ اَسباب میں ایک مُٹھی ریت تو انسان کے بس میں نہیں کہ آگے پیچھے اور ہر طرف جائے یہ تو رب نے پہنچائی ہے۔

اہلِ بدعت کا غلط اِستدلال: اہلِ بدعت کہتے ہیں کہ: خدا اور رسول ایک ہوتے ہیں کیوں کہ فرماتے ہیں کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مٹھی نہیں پھینکی مگر ہم نے اور حال یہ ہے کہ وہ مٹھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینکی تھی؟ اِس سے معلوم ہوا کہ: خدا اور رسول ایک ہیں۔

جواب اِس آیت کا پہلا ٹکڑا بھی تو پڑھو اُس میں ہے کہ: فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡهُمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمۡ ۔۔۔ الآیۃ ❶ تم نے قتل نہیں کیا بل کہ اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے حالاں کہ اُن کافروں کو تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قتل کیا تھا تو اُن کو بھی خدا مانو؟ اِس وَمَا رَمَیۡتَ ۔۔۔ الآیۃ کا مطلب یہ ہے کہ: ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اِمداد کی۔

ذٰلِکُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوۡهِنُ کَیۡدِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۸﴾:

ذٰلِکُمۡ مبتدا ہے، خبر اِس کی محذوف ہے۔اَیْ ذٰلِکُمُ الْاِبْلَاءُ حَقٌّ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰﴾:

ربط: اُوپر غزوۂ بدر کا ذکر تھا، اُس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اِطاعت کی مثال قائم کی تو اللہ تعالیٰ آگے فرماتے ہیں کہ: اے اِیمان والو! ہمیشہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔

وَلَا تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَسۡمَعُوۡنَ ۚۖ:

سوال عَنْهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① عَنْهُ کی "ہٗ" ضمیر لفظِ اَللّٰه کی طرف راجع ہے۔

② عَنْهُ کی "ہٗ" ضمیر رَسُوْلَهٗ کی طرف راجع ہے۔

③ عَنْهُ کی "ہٗ" ضمیر اَطِیْعُوْا میں جو اِطَاعَةٌ مصدر ہے اُس مصدر کی طرف راجع ہے اور مصدر یُذَکَّرُ وَ یُؤَنَّثُ یعنی مذکر اور مونث دونوں آسکتا ہے۔

وَهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴿۲۱﴾:

وہ سنتے نہیں یعنی قبول نہیں کرتے۔

وَلَوۡ عَلِمَ اللّٰهُ فِیۡهِمۡ خَیۡرًا لَّاَسۡمَعَهُمۡ ؕ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۳﴾:

اگر اللہ تعالیٰ اُن میں خیر جانتا تو اللہ تعالیٰ اُن کو سَمَاعِ قُبُوْل اور سَمَاعِ اِنْتِفَاع سے نوازتا، لیکن اُن میں تو خیر ہے ہی نہیں۔

اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ ۚ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۴﴾:

اے اِیمان والو! اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مانو جب وہ تمہیں بلائیں اُس چیز کی طرف جو تمہیں حیات بخشتی ہے اور وہ حیات بخشنے والی چیز دین ہے کیوں کہ دین کے ذریعے حیاتِ اَبدی نصیب ہوتی ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ الْأَنْفَال:۱۷)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

یعنی آدمی بدی کرتا ہے تو اِستعدادِ خیر ختم ہوجاتی ہے۔ حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: نیکی اور اطاعت کی وجہ سے اِیمان کا دروازہ کھل جاتا ہے اور معصیت کی وجہ سے اِیمان کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۵﴾:

ایک شخص کی نافرمانی کا وبال پوری قوم پر پڑتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۷﴾:

ربط: اُوپر اِطاعت کا بیان اور آگے ایک صحابی کا واقعہ ذکر کرتے ہیں جن سے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اِطاعت میں تھوڑی کوتاہی ہوگئی تھی۔

واقعہ: روایت میں ہے کہ: یہودِ بنی قریظہ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی اور یہ کہ اُن کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو بنونضیر کے ساتھ ہوا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: نہیں! مَیں تم کو اِتنا حق دیتا ہوں کہ: سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حَکَمْ بنالو، جو فیصلہ وہ تمہاری نسبت کردیں وہ منظور ہونا چاہیے۔ اُنہوں نے حضرت ابولبابہ بن المنذر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اِجازت لے کر اپنے یہاں بُلایا اور دریافت کیا کہ: تمہاری اِس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ ہم سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تَحْکِيْم منظور کریں یا نہ کریں؟ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اَموال اور اہل وعیال بنوقریظہ کے یہاں تھے، اِس لیے وہ اُن کی خیرخواہی کرتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے حلقوم کی طرف ہاتھ سے اِشارہ کیا یعنی اگر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تَحْکِيْم قبول کی تو ذبح ہوجاؤ گے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اِشارہ تو کرگذرے مگر معاً متنبہ ہوئے کہ مَیں نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کی۔ واپس آکر اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ: نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا حتّٰی کہ موت آجائے یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے۔ سات، آٹھ (۷،۸) دن یوں ہی بندھے رہے، فاقہ سے غشی طاری ہوگئی، آخر میں بشارت پہنچی کہ حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی۔ اُنہوں نے کہا: خدا کی قسم! مَیں اپنے آپ کو نہ کھولوں گا جب تک خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے میری رسّی نہ کھولیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے اپنے قیدی کو آزاد کیا۔ اُس ستون کا نام جس کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو باندھا تھا، اُسْطُوَانَةُ التَّوْبَة ہے۔ وہ لکڑی کا ستون تھا۔

وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝:

لفظِ تَخُوْنُوْٓا بھی لَا کے تحت داخل ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۹﴾:

ربط: اُوپر بھی تقویٰ کا ذکر اور آگے بھی اِسی تقویٰ کا ذکر ہے۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۰﴾:

واقعہ: ہجرت سے ایک دن پہلے کفارِ مکہ نے "دارالندوہ" میں جمع ہوکر مشورہ کیا کہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلّق کیا کیا جائے؟ اُنہوں نے ساری قوم کو پریشان کررکھا ہے اور باہر کے کچھ لوگ اُن کے دام میں پھنسے جاتے ہیں۔ کہیں رفتہ رفتہ بڑی طاقت اِکٹھی نہ کرلیں جس کا مقابلہ دشوار ہو؟!! اُس وقت رائیں مختلف تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ: قید کیا جائے۔ دو، تین (۲،۳) نے اُن سے اِتفاق کیا۔ کسی کی رائے تھی کہ: اُنہیں وطن سے نکال دیا جائے۔ دو، تین (۲،۳) نے اُن سے اِتفاق کیا۔ آخر میں ابوجہل کی رائے پر فیصلہ ہوا کہ: تمام قبائلِ عرب میں سے ایک ایک جوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر آنِ واحد میں اُن پر تلوار کا ہاتھ چھوڑیں، یہاں تو وہ اشقیاء یہ تدبیریں گانٹھ رہے تھے، اُدھر اُن کے توڑ میں خدا کی بہترین اور لطیف تدبیر تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتہ نے اِطلاع کی کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لٹا کر اُسی مجمع کی آنکھوں میں جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کے لیے جمع ہوا ہے۔ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ پڑھ کر مٹھی بھر ریت پھینک دیں۔

وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۝ ﴿۳۳﴾:

سوال هُمْ ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① "هُمْ" ضمیر کفار کی طرف راجع ہے۔ کفار دُعا وغیرہ کرتے ہیں اگرچہ اُن کی دُعا دُنیا میں نفع دیتی ہے لیکن آخرت میں اُن کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

② "هُمْ" ضمیر مؤمنین کی طرف راجع ہے۔ یعنی مؤمنین کی اِستغفار کی وجہ سے اُن پر عذاب نہیں آتا۔ قرینہ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ❶ ہے۔

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ـــ الآیۃ ﴿۳۴﴾:

تقویٰ کا اَعلیٰ درجہ شرک سے بچنا ہے اور اَدنیٰ درجہ خلافِ اَولیٰ سے بچنا ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ـــ الآیۃ ﴿۳۵﴾:

مُكَآءً کا معنی ہے: "سیٹیاں بجانا"۔ اور تَصْدِيَةً کا معنی ہے: "تالیاں بجانا"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ ـــ الآیۃ ﴿۳۶﴾:

کفار نے مشورہ کیا کہ: اِس تجارت کا سارا نفع چندہ میں جمع کر کے مسلمانوں کے خلاف مضبوط قوت اِکٹھی کرو۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا ـــ الآیۃ ﴿۳۸﴾:

ربط: اُوپر کافروں کی شکست کا ذکر اور آگے بھی اُن کا ذکر ہے کہ وہ اِسلام کا مقابلہ نہیں چھوڑتے۔ اگر وہ اِسلام کا مقابلہ چھوڑ دیں تو اُن کے ماقبل گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ: اَلْاِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ ❷

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ـــ الآیۃ ﴿۳۹﴾:

اِس آیت میں جہاد اور قتال کی حکمت اور فلسفہ بیان فرما رہے ہیں۔ جہاد کی حکمت یہ ہے کہ: شرک باقی نہ رہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ ـــ الآیۃ ﴿۴۱﴾:

ربط: سورۃ کی اِبتداء میں يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ـــ الآیۃ ❸ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مالِ غنیمت کے بارے میں سوال کیا تھا تو اللہ تعالیٰ اُس کا جواب وَاعْلَمُوْٓا ـــ الآیۃ سے دے رہے ہیں۔

فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ ـــ الآیۃ:

یہ جزا مقدم ہے۔ آگے اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ ـــ الآیۃ ❹ یہ شرط مؤخر ہے۔

سوال اللہ تعالیٰ کے لیے خمس ہے اِس کا کیا مطلب ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① بعض کہتے ہیں: اللہ کا نام بہ طور تبرک کے ذکر کیا ہے۔

② بعض کہتے ہیں کہ: اِس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کے حکم کے مطابق تقسیم ہوگا۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ـــ الآیۃ ﴿۴۳﴾:

بدر کے لڑائی سے چند دن پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ: ہم زیادہ ہیں اور مشرکین کم ہیں، یہ خواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا۔

اِشکال: ہر نبی کا خواب تو سچا ہوتا ہے اور وہ تو کم نہ تھے بل کہ اَکثر تھے؟

جواب: اِمام رازی رحمہ اللہ اور صاحبِ روح المعانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: ایک خواب کی صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت ہوتی ہے۔ حقیقت میں یہ قلت اُن کی شکست کی علامت تھی یعنی عادتاً قلّت والے کو شکست ہوتی ہے۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْفَتْح، ۲۵) ❷ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون الاسلام یھدم ما کان قبلہ، ج۱، ص۷۶، طبع یادگار شیخ، کراچی) ❸ (سُوْرَةُ الْاَنْفَال، ۱) ❹ (سُوْرَةُ الْاَنْفَال، ۴۱)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۵﴾:

ربط: اُوپر غزوۂ بدر کا ذکر تھا، غزوۂ بدر کی کامیابی کے ظاہری اَسباب میں سے تقویٰ اور اِطاعتِ رسول ﷺ تھی۔ آگے فرماتے ہیں کہ: آئندہ بھی ایسا کروگے تو کامیابی پاؤ گے۔

فِئَةً اَیْ فِئَةً كَافِرَةً۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا ۔۔۔ الآیۃ:

اِس میں نماز، دُعا، تکبیر اور ہر قسم کا ذکر اللہ شامل ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا کہ: تین (۳) جگہیں ایسی ہیں جہاں زور سے ذکر کرنا مکروہ ہے:

①عِنْدَ الْحَرْبِ۔ ②عِنْدَ الْجَنَازَةِ۔ ③عِنْدَ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ "فتح الباری" میں لکھتے ہیں کہ: مجاہدین کے لیے نعرۂ تکبیر بلند کرنا جائز ہے، اِس کے علاوہ ذکر آہستہ کرنا چاہیے۔

وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۶﴾:

"قاموس، صراح" وغیرہ لغت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ: رِيْحُكُمْ اَیْ قُوَّتُكُمْ یعنی تمہاری طاقت جائے گی۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۷﴾:

اکثر تفاسیر میں لکھا ہے کہ: مشرکین جب مکہ سے نکلے عورتیں ساتھ لے کر نکلے، اُونٹ ساتھ لیے کہ ہم خوشی کے بعد یہ ذبح کرکے اوروں کو دیں گے اور عورتیں ناچ کریں گی۔ لیکن وہ مسلمانوں کی غنیمت بن گئے اور وہ عورتیں اُن کے شجاعت و بہادری کے گیت بجانے کے بجائے اُن کے مرثیہ پڑھنے لگیں۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۸﴾:

قریش اپنی قوت و جمعیت پر مغرور تھے، لیکن بنو کنانہ سے اُن کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی، خطرہ یہ ہوا کہ: کہیں بنو کنانہ کامیابی کے راستہ میں آڑے نہ آجائیں۔ فوراً شیطان اُن کی پیٹھ ٹھونکنے لگا اور ہمت بڑھانے کے لیے بنو کنانہ کے سردار اعظم سُراقہ بن مالک کی صورت میں اپنی ذریت کی فوج لے کر نمودار ہوا اور ابوجہل وغیرہ کو اِطمینان دلایا کہ: ہم سب تمہاری مدد وحمایت پر ہیں۔ بنو کنانہ کی طرف سے بے فکر رہو، مَیں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بدر میں زُور کا رَن پڑا اور شیطان کو جبرئیل علیہ السلام وغیرہ فرشتے نظر آئے تو ابوجہل کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چُھڑا کر اُلٹے پاؤں بھاگا۔ ابوجہل نے کہا: سراقہ عین وقت پر دغا دے کر کہاں جاتے ہو؟ کہنے لگا: مَیں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا، مجھے وہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جو تم کو نظر نہیں آتیں (یعنی فرشتے) یعنی اُس خدائی فوج کے ڈر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے، اب ٹھہرنے کی ہمت نہیں، کہیں کسی سخت عذاب اور آفت میں نہ پکڑا جاؤں۔

وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں لَكُمُ میں لَام بمعنی عَلٰی کے ہے۔ اَیْ عَلَيْكُمْ۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۹﴾:

ربط: بدر کا واقعہ اُوپر سے چلا آرہا ہے اور یہ آیت بھی بدر کے واقعہ سے متعلق ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب بدر کا موقع آیا صرف آٹھ (۸) تلواریں تھیں۔ تو منافقین نے کہا کہ: اِن لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈالا ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ اِتنی بے سروسامانی کی حالت میں تمام عرب کا مقابلہ کرتے ہیں؟!!

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۰﴾:

لَوْ شرط ہے اِس کی جزا محذوف ہے: اَیْ لَتَرٰی اَمْرًا عَجِيْبًا، عَظِيْمًا۔ نیز یہ چوتھی دلیل ہے اُن حضرات کی جو اِس بات کے قائل ہیں کہ: روح نکالنے والی فرشتے زیادہ ہیں۔

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۲﴾:

یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی۔ بعض نکالتے ہیں: دَأْبُ هٰٓؤُلَآءِ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔ بعض نکالتے ہیں: دَأْبُهُمْ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔ لفظِ دَأْب کے معنی ہیں: "وہ حالت جو لگاتار آتی ہے"۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۳﴾:

سوال نعمت سے کیا مُراد ہے؟

جواب نعمت سے مُراد ایمان کی دولت دینا، انبیاء کرام ﷺ کو مبعوث کرنا ہے۔ اِن دو (۲) چیزوں سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوسکتی ہے؟

اِسی طرح اللہ تعالیٰ کی سنّت یہ ہے کہ: وہ کسی بھی قوم کی حالت اُس وقت تک تبدیل نہیں فرماتے جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔ جیسے کہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ❶ علّامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

خُدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو خیال جس کو اپنی حالت کے بدلنے کا

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۴﴾:

اِشکال: اِس واقعہ میں تکرار ہے اِس طور پر کہ ماقبل میں بھی فرمایا: كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ اور نیچے پھر كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ فرمایا، حال آں کہ کلام کے اَندر بلا کسی فائدے کے تکرار اَچھی بات نہیں؟

جواب: "تفسیر السراج المنیر" اور دیگر تفاسیر میں لکھا ہے کہ: یہاں پر تکرار نہیں ہے بل کہ دونوں میں لفظی فرق بھی ہے اور معنوی فرق بھی ہے:

لفظی فرق یہ ہے کہ: پہلی آیت میں كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ❷ ہے اور اِس آیت میں كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ❸ ہے۔

معنوی فرق یہ ہے کہ: پہلی آیت میں اِجمال ہے اِس طور پر کہ وہاں فرمایا: فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۔۔۔ الآیۃ یعنی اللہ نے اُن کو پکڑا۔ اب اِس آیت میں اُس اِجمال کی تفصیل ہے کہ: وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ یعنی اُن کو غرق کردیا۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۶﴾:

ربط: وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ میں یہود کا ذکر تھا جن کے دلوں میں ضد، عناد، کفر وغیرہ تھا، آگے یہودِ بنو قریظہ جو عہد شکنی کرتے تھے، جب بھی موقع دیکھتے وعدہ توڑ دیتے تھے تو اُن کی عہد شکنی کا ذکر ہے۔

وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۝:

اِس کا مفعول محذوف ہے۔ اَیْ لَا يَتَّقُوْنَ نَقْضَ الْعَهْدِ۔ نقضِ عہد سے باز نہیں آتے۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِى الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۷﴾:

لفظِ شَرَّدَ بابِ تَفْعِيْل سے ہے۔ شَرَّدَ، يُشَرِّدُ، تَشْرِيْدًا معنی ہے: "بھگا دینا"۔ یعنی اُن کو ایسی سزا دے کہ اُن کے پچھلے اُن کو دیکھ کر بھاگ جائیں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۸﴾:

کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو اور خوف یہ ہو کہ وہ اِس عہد کی پابندی نہیں کریں گے تو قولاً یا عملاً اُن کو معاہدے کے ختم ہونے کی اِطلاع کردو۔

عَلٰى سَوَآءٍ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کا مطلب یہ ہے کہ: دونوں قومیں اِس چیز کے جاننے میں برابر ہوجائیں کہ معاہدہ نہ رہا یعنی معاہدے کے ختم ہونے کی دونوں کو اِطلاع ہوجائے۔

❶ (سُوْرَةُ الرَّعْد:۱۱) ❷ (سُوْرَةُ الأنْفَال:۵۲) ❸ (سُوْرَةُ الأنْفَال:۵۴)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۔۔۔الآیۃ (۵۹):

ربط: اُوپر کافروں کی وعدہ شکنی کا ذکر تھا، آگے رب تعالیٰ کافروں کو آگاہ کر رہے ہیں کہ: وہ کافر یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہماری گرفت سے آگے نکل جائیں گے یعنی بچ جائیں گے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ۔۔۔الآیۃ (۶۰):

ربط: اُوپر جہاد کا ذکر تھا اور جہاد کے لیے اَسلحہ تیار کرنا اور مال خرچ کرنا یہ دونوں بنیادی چیزیں ہیں، اِس لیے اِن آیات سے رب تعالیٰ مؤمنین کو حکم دے رہے ہیں کہ: کافروں کے خلاف جہاد کی تیاری کرو۔ اُس زمانے میں تیر اَندازی ایک خاص قوت ہوتی تھی۔ چناں چہ حدیثِ پاک میں آتا ہے:

اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ [1]

وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ ۔۔۔الآیۃ:

اُس زمانے میں گھوڑوں کی بڑی اَہمیت ہوتی تھی۔ چناں چہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ: اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ [2]

اِس ترقی یافتہ دَور میں بھی گھوڑے پہاڑوں میں کام آتے ہیں۔

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ ۔۔۔الآیۃ:

سوال بِهٖ کی "ہ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب بِهٖ کی "ہ" ضمیر مَا اسْتَطَعْتُمْ میں مَا کی طرف راجع ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ ۔۔۔الآیۃ (۶۱):

سَلْمٌ کا لفظ عربی میں مؤنث ہے۔

ربط: اُوپر قتال کا ذکر تھا تو بعض دفعہ صلح کی نوبت بھی آتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے صلح کے لیے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) صلح کی پیش کش نہ کریں، ہاں! اگر وہ پیش کش کریں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مان لیں۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۔۔۔الآیۃ (۶۳):

چوتھے پارہ میں گذر چکا ہے کہ: اوس اور خزرج کے قبیلے ایک دوسرے کے قتل کے درپے تھے، پھر وہ شیر و شکر بن گئے۔ تو اِس لیے فرماتے ہیں کہ: اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) زمین کے خزانے بھی خرچ کر دیتے مگر اُن کے دل میں اُلفت نہیں ڈال سکتے تھے کیوں کہ دلوں میں اُلفت اور محبت ڈالنا اللہ ہی کا کام ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ ۔۔۔الآیۃ (۶۴):

سوال وَمَنِ اتَّبَعَكَ کا عطف کس پر ہے؟

جواب "تفسیر بیضاوی، تفسیر مدارک، ابوسعود، روح المعانی" وغیرہ میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① مَنِ اتَّبَعَكَ میں مَنْ کا عطف حَسْبُكَ کی "كَ" ضمیر پر ہے۔ تو معنی یہ ہوگا کہ: اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! کافی ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ اور اُن لوگوں کو جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں یعنی مؤمنین کو۔

② مَنْ کا عطف لفظِ اَللّٰه پر ہے۔ تو معنی یہ ہوگا کہ: اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ کافی ہے حقیقتاً اور مؤمنین جنھوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کی وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے عالمِ اَسباب میں کافی ہیں یعنی اللہ کی کفایت حقیقی ہے اور مؤمنین کی کفایت عالمِ اَسباب میں ہے۔

---

[1] (صحیح لمسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی، ج ۲، ص ۱۴۳، طبع یادگار شیخ، کراچی)

[2] (صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب الخیل معقود فی نواصیہا الخیر، ج ۱، ص ۳۹۹، طبع یادگار شیخ، کراچی)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۵﴾:

ربط: اُوپر بھی جہاد کا ذکر تھا اور آگے بھی جہاد کا ذکر ہے۔

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ ۔۔۔الآیۃ:

یہ آیت پہلے تھی اب منسوخ ہے۔ پہلے جہاد میں بیس، دوسو (۲۰، ۲۰۰) کے مقابلے میں یعنی ایک، دس (۱، ۱۰) کے مقابلے میں سو، ہزار (۱۰۰، ۱۰۰۰) کے مقابلے میں یعنی ایک، دس (۱، ۱۰) کے مقابلے میں تھا۔

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝:

وہ لوگ سمجھتے نہیں کیوں کہ وہ کافر دُنیا کے لیے یا اپنی ناک کے لیے یا ملک کے لیے لڑتے تھے اور تم اِعْلَاءِ كَلِمَةُ اللّٰه کے لیے لڑتے ہو۔ تمہارے نصب العین اور اُن کے نصب العین میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۶﴾:

یہ آیت ناسخ ہے ماقبل آیت کے لیے۔ اب جہاد میں سو، دوسو (۱۰۰، ۲۰۰) کے مقابلے میں یعنی ایک مسلمان دو کافروں کا مقابلہ کرے۔ اب اگر پیٹھ پھیرے تو گناہ گار ہوگا۔

جنگِ قادسیہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انسٹھ (۵۹) مسلمان لے کر ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) سے مقابلہ کر کے اُن کو شکست دی۔ جنگ کے بعد مسلمانوں کے دس (۱۰) شہید اور اُن کے دس ہزار (۱۰۰۰۰) قتل کیے گئے تھے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۷﴾:

شانِ نزول: غزوۂ بدر میں ستّر (۷۰) کافر مارے گئے تھے۔ ستّر (۷۰) گرفتار ہوئے۔ ستّر (۷۰) گرفتاروں کے بارے میں رائے مختلف ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میری رائے پہلے سنو کہ! اِن کو قتل کرو اور ہاں! ہر ایک اپنی قریبی یعنی راشتہ دار کو قتل کرے۔ "السراج المنیر" میں لکھا ہے کہ: اُن کے ساتھ سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہی تھی، باقی خاموش رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: قتل نہ کرو کیوں کہ یہ قیدی ہیں، اِن کے قتل کرنے میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اِسلام کی بدنامی ہے اور قتل کرنے سے کفار اور غصہ ہو جائیں گے۔ الغرض حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل ہوا کیوں کہ کثرتِ رائے اُدھر تھی اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طبعی رأفت ورحمت کی بناء پر اُسی طرف مائل تھے، چارسو (۴۰۰) درہم فی کس فدیہ اُن سے لیا اور جس کے پاس دراہم نہ تھے اُن کو کہا کہ: تم ہمارے بچوں کو لکھنا سکھاؤ۔

حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ:

اُن کا خون بہائے یا غالب آئے زمین میں۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۸﴾:

"تفسیر روح المعانی، دُرِّ منثور" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: وہاں قریب ایک درخت تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: عنقریب ایک عذاب اِس درخت پر آنا تھا تمام غرق ہوتے سوائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ کے۔

یہ غلطی توفِيْ حَدِّ ذَاتِهٖ ایسی تھی کہ سخت سزا اُن لوگوں کو دی جاتی جنھوں نے دُنیاوی سامان کا خیال کر کے ایسا مشورہ دیا، مگر سزا دہی سے وہ چیز مانع ہے جو خدا پہلے سے لکھ چکا اور طے کر چکا ہے اور وہ کئی باتیں ہو سکتی ہیں۔ چھ (۶) باتیں "تفسیر عثمانی" میں ہیں، "ابن کثیر، ابن جریر طبری، البحر المحیط" وغیرہ میں بھی ہیں:

① مجتہد کو اِس قسم کی اِجتہادی خطاء پر عذاب نہیں ہوتا اور یہ مجتہد تھے۔

② جب تک خدا اَمْرًا وَنَهْيًا کسی چیز کا صاف حکم بیان نہ فرمائے اُس وقت تک اُس کے مُرتکب کو عذاب نہیں دیتا۔

③ اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کی خطاؤں کو معاف فرما چکا ہے اور یہ سب حضرات بدری تھے۔
④ غلطی سے جو روپیہ قبل از وقت اختیار کر لیا گیا یعنی فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینا خدا کے علم میں طے شدہ تھا کہ آئندہ اس کی اجازت ہو جائے گی۔ جیسے کہ ارشاد ہے: فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَآءً ... الآية ❶
⑤ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ: جب تک پیغمبر ﷺ اُن میں موجود ہیں یا لوگ صدقِ دل سے استغفار کرتے ہیں، عذاب نہ آئے گا۔
⑥ اُن قیدیوں میں سے بہت کی قسمت میں اسلام لانا لکھا گیا تھا۔
الغرض اس قسم کے موانع اگر نہ ہوتے تو یہ غلطی اتنی عظیم و ثقیل تھی کہ سخت عذاب نازل ہو جانا چاہیے تھا، یہ چھ (۶) وجوہ تھیں جو عذاب آنے سے مانع تھیں۔

يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِيٓ أَيْدِيكُم ... الآية ﴿٧٠﴾:

ربط: اُوپر بدر کے قیدیوں کا ذکر تھا، آگے اُن قیدیوں کو خطاب ہے۔

وَإِن يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ ... الآية ﴿٧١﴾:

أَيْ خَانُوا اللّٰهَ بِالْكُفْرِ وَالشِّرْكِ۔

سوال خیانت سے کون سی خیانت مراد ہے؟

جواب اس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ لیا تھا اُس کو مان کر پھر انکار کرنا خیانت ہے۔
② "تفسیر کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: بنو ہاشم نے آکر ابوطالب کے در پر بیٹھ کر یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم آپ (ﷺ) کی مدد کریں گے، پھر نہیں کی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا ... الآية ﴿٧٢﴾:

ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ: مہاجرین کے سب رشتہ دار مسلمان نہیں ہوئے تھے اور نہ انصار کے رشتہ دار مسلمان ہوئے تھے۔ تو نبی ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارے کا معاہدہ کیا تھا، اُسے مواخات کہتے تھے۔ پھر بعد میں اکثر مسلمان ہو گئے، تو وہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔
تو اس آیت میں پہلے حکم کی طرف اشارہ ہے کہ: پہلے مواخات کی وجہ سے وراثت ملتی تھی۔

وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا ... الآية:

آوَوْا کا مفعول محذوف ہے أَيِ النَّبِيَّ وَالْمُهَاجِرِينَ۔

مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ... الآية:

وہ جنہوں نے ہجرت کی یعنی ایک بھائی مدینہ کو ہجرت کر گیا اور دوسرا مکہ میں رہا تو میراث جاری نہ ہوگی۔

فائدہ: پانچ (۵) چیزیں میراث سے مانع ہیں:

① اختلافِ دین۔ وارث مسلمان اور مورث کافر ہو یا مورث مسلمان اور وارث کافر ہو دونوں صورتوں میں میراث جاری نہیں ہوگی۔
② اختلافِ دارین۔ دارالحرب میں رہنے والے مسلمان کو دارالاسلام میں رہنے والے مسلمان کی وراثت نہیں ملے گی۔
③ رِقِّیَّت یعنی غلام ہونا۔
④ قتل یعنی کسی وارث نے مورث کو قتل کر دیا تو وارث کو میراث نہیں ملے گی۔
⑤ علامہ شریف جرجانی رحمہ اللہ "شریفیہ" میں لکھتے ہیں کہ: كَوْنُهٗ مِنْ أَوْلَادِ النَّبِيِّ۔ یعنی نبی کی اولاد میں سے ہونا یہ بھی وراثت سے محرومی کی دلیل ہے۔

---

❶ (سُورَةُ مُحَمَّد ۴)

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ۔۔۔ الآیۃ:

یعنی دارُالحرب والا مسلمان دارُالاسلام والے مسلمان سے دین کے سلسلے میں مدد طلب کرے تو دارُالاسلام والے کو اُس کی مدد کرنی چاہیے بہ شرط یہ کہ جس قوم کے خلاف مدد طلب کی جارہی ہے اُس قوم سے کوئی معاہدہ نہ ہو۔

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ۔۔۔ الآیۃ ۞:

سوال تَفْعَلُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب "تفسیر جلالین، جمل" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: تَفْعَلُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ کی طرف راجع ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا۔۔۔ الآیۃ ۞:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دو (۲) طبقے تھے: ① مہاجرین۔ ② انصار۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا۔۔۔ الآیۃ آیت کے اِس حصے سے مہاجرین مُراد ہیں اور وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا۔۔۔ الآیۃ اِس حصے سے انصار مُراد ہیں اور اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔۔۔ الآیۃ آیت کے اِس حصے سے مہاجرین اور انصار دونوں مُراد ہیں۔ اِس طور پر کہ: مہاجرین بھی، انصار بھی پکی بات ہے کہ: یہ دونوں مؤمن ہیں، ایسے مؤمن ہیں کہ: لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ۔۔۔ الآیۃ اُن کی مغفرت ہو چکی ہے۔

فَائِدَہ: اِس آیت میں کہیں بھی بعضیت کے لیے کوئی لفظ اِستعمال نہیں ہوا اور اگر یوں ہوتا وَمِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا۔۔۔ الآیۃ اور وَمِنَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا۔۔۔ الآیۃ یعنی اگر آیت میں مِنْ تبعیضیہ ہوتا تو اِس کا مطلب یہ ہوتا کہ: بعض مہاجرین اور بعض انصار مؤمن ہیں۔ اِسی طرح اگر مِنْ کی جگہ بَعْض کا لفظ ہوتا: وَبَعْضُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا۔۔۔ الآیۃ اور وَبَعْضُ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا۔۔۔ الآیۃ تب یہ مطلب ہوتا کہ: بعض مہاجرین اور انصار مؤمن ہیں اور بعض نہیں ہیں حال آں کہ قرآن پاک میں مطلقاً مہاجرین اور انصار کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔۔۔ الآیۃ یعنی تمام مہاجرین اور انصار پکے مؤمن ہیں۔ اب جو مہاجرین اور انصار کو کافر کہتا ہے وہ خود پکا کافر ہے لَا شَكَّ فِيْ كُفْرِهٖ۔ چاہے خمینی ہو یا روافض ہوں۔

مسئلہ تکفیرِ روافض: مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اپنے رسالے "رَدِّ روافض" میں اُن کی تکفیر کے تین (۳) اُصول بیان کیے ہیں:

① تحریفِ قرآن کرتے ہیں۔

② تکفیرِ صحابہ رضی اللہ عنہم کرتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم تو مؤمنین حقاً ہیں۔

③ یہ اپنے ائمہ کی معصومیت کے قائل ہیں، تو امام اور نبی میں فرق کیا ہوگا؟

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا۔۔۔ الآیۃ ۞:

اُن اوّلین کے بعد جو ایمان لائے اور اُن اوّلین کے ساتھ مل کر جہاد کیا وہ بھی اوّلین کی طرح پکے مؤمن ہیں۔ اُن بعد والے حضرات میں حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ، اَمیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حارث ابن ہشام رضی اللہ عنہ، صفوان ابن اُمیہ رضی اللہ عنہ وغیرہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آگئے یہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ کے مصداق ہیں۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ۔۔۔ الآیۃ:

پہلے مواخات کی وراثت ملتی تھی اِس آیت کے ذریعے مواخات والی وراثت کو منسوخ کر دیا گیا۔

(۹) سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۱۳)

اٰیَاتُھَا (۱۲۹) رُکُوْعَاتُھَا (۱۶)

ربط: "تفسیر کبیر، ابوسعود، سبق الغایات فی نسق الآیات، بیان القرآن" وغیرہ تفسیروں میں حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ ربط لکھا ہے کہ: پچھلی سورۃ میں جہاد کا مضمون تھا اِس سورۃ میں بھی جہاد کا مضمون ہے۔

سوال باقی سورتوں کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھی ہے اِس سورۃ کے شروع میں کیوں نہیں لکھی؟

جواب "تفسیر روح المعانی، بیان القرآن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: قرآن پاک کی تقریباً ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں، تمام سورتوں میں بِسْمِ اللّٰہ ہے اِس سورۃ میں نہیں ہے۔ اِس بارے میں جامع القرآن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: بِسْمِ اللّٰہ کیوں نہیں لکھی؟ تو اُنہوں نے فرمایا کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی اِس لیے نہیں لکھی۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تو جامع القرآن ہیں۔

اِس سورۃ کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ لکھنے کی حکمت: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حکمت بیان فرمائی ہے کہ: برأت کا یہ مقام بِسْمِ اللّٰہ کا نہیں۔

اِس سورۃ کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنے کا حکم: "تفسیر روح المعانی، بیان القرآن" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے: اگر اُوپر سے تلاوت کرتے آرہے ہیں یعنی سُوْرَۃُ الْاَنْفَال پڑھنے کے بعد فوراً اگر سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ شروع کررہے ہیں تو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں پڑھیں گے۔ اگر تلاوت اِسی سورۃ یعنی سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ کے شروع سے یا اِس کے درمیان کے کسی حصے سے شروع کررہے ہیں تو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھیں گے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ یا سُوْرَۃُ الْبَرَآءَۃ۔ اِس سورۃ کا نام بَرَأت اِس لیے ہے کیوں کہ اِس سورۃ میں لفظِ بَرَأت آیا ہے۔ تَوْبَۃ اِس لیے ہے کیوں کہ اِس سورۃ میں آگے تین (۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توبہ کا ذکر آئے گا۔ تَوْبَۃٌ مِّنَ الصَّحَابَۃِ الثَّلَاثَۃِ رضی اللہ عنہم۔

بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱﴾:

عرب کے جو قبائل تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کے ساتھ چار (۴) قسموں کا معاملہ تھا:

① وہ لوگ جن کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر دس (۱۰) سال جنگ بندی کا معاہدہ ہوا تھا لیکن اُنہوں نے عہد کی پاسداری نہیں کی۔

② ایک قبیلے سے معاہدہ تھا اور کوئی مدت متعین نہیں تھی۔

③ قبیلہ بنو مدلج کے ساتھ معاہدہ تھا اور تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ: اِس سورۃ کے نازل ہونے کے وقت اُن کے ساتھ معاہدہ ختم ہونے میں نو (۹) ماہ باقی تھے۔

④ ایک گروہ ایسا تھا جس کے ساتھ کوئی معاہدہ ہی نہیں تھا۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳﴾:

عوام الناس نے اپنی ایک اِصطلاح بنالی ہے کہ: ذی الحجہ کی نو (۹) تاریخ یومِ عرفہ اور جمعہ کا دن دونوں جمع ہوجائیں تو اُس کو حجِ اَکبر کہتے ہیں حال آں کہ شریعت کی اِصطلاح میں حج کو حجِ اَکبر اور عمرہ کو حجِ اَصغر کہتے ہیں۔ حج ۹ھ میں فرض ہوا۔

اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۙ وَرَسُوْلُہٗ ۔۔۔ الآیۃ:

رَسُوْلُہٗ کا عطف ہے لفظِ اَللّٰہ کے محل پر ہے نہ کہ لفظ پر۔

علمِ نحو کی ایجاد کا سبب: ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے، علم النحو کی تدوین کا حکم کس نے دیا؟ اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "متن المتین، تاریخ ابن کامل اُثیر" میں لکھا ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں تشریف فرما تھے، ایک عجمی شخص نے قرآن پاک پڑھا، اُس شخص کا سالم بن عمرو نام تھا، تو اُس نے وَرَسُوْلِهٖ یعنی مجرور پڑھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کانپ اُٹھے، پہلے تو قرآن پاک میں اِعراب نہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد ابوالاسود دُوئلی رحمہ اللہ سے فرمایا کہ: ایسا کرو کہ اَلْفَاعِلُ مَرْفُوْعٌ وَالْمَفْعُوْلُ مَنْصُوْبٌ وَالْمُضَافُ اِلَيْهِ مَجْرُوْرٌ ایسے قواعد کا قصد کر کے جمع کرو، یعنی فرمایا کہ: اُنْحُ نَحْوَهٰذَا قصد کر اِس قسم کی چیزوں کا۔ تو یہ نحو کا لفظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلا تھا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہنے پر ابوالاسود دُوئلی رحمہ اللہ نے اِعراب لگائے۔ ابوالاسود دُوئلی رحمہ اللہ نے ۶۹ ھ میں وفات پائی۔

② یحییٰ ابن یعمر نے حجاج بن یوسف ثقفی کے کہنے پر اِعراب لگائے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔۔۔الآیۃ ﴿۴﴾:

ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عرب قبائل کے ساتھ معاملہ چار (۴) قسموں کا تھا اُن میں سے تیسری قسم یعنی جو معاملہ بنومدلج کے ساتھ ہوا تھا اُن کے بارے میں جیسا کہ پیچھے "تفسیر خازن" کے حوالے سے بات گزر چکی ہے کہ: معاہدہ ختم ہونے میں نو (۹) ماہ باقی تھے اور چوں کہ اُنہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی بھی نہیں کی اِس لیے اِن آیات میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ: اُن کے ساتھ معاہدے کی جو مدت باقی رہ گئی ہے اُس مدت کو پورا کرو۔

وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۵﴾:

كُلَّ مَرْصَدٍ منصوب بنزع الخافض ہے کیوں کہ اُقْعُدُوْا لازمی ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ۔۔۔الآیۃ ﴿۶﴾:

اِشکال: حروفِ شرط اسم پر داخل نہیں ہوتے فعل پر داخل ہوتے ہیں؟

جواب: فعل محذوف ہے۔ اَیْ اِنِ اسْتَجَارَكَ اَحَدٌ۔۔۔الآیۃ۔

ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ۔۔۔الآیۃ:

یعنی پہلے کلام سنا دو اور پھر اُن کو غور و فکر کرنے کا موقع دو۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ ﴿۷﴾:

ربط: اُوپر مشرکین کی عہد شکنی کا ذکر تھا، آگے فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں مشرکین کی عہد شکنی کی کوئی حیثیت نہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔۔۔الآیۃ:

اِس آیت سے بھی قبیلہ بنومدلج والے مُراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: جب تک وہ معاہدے پر قائم رہیں تم بھی معاہدے پر قائم رہو۔

فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ۔۔۔الآیۃ:

اَیْ فَمَا دَامَ اسْتَقَامُوْا۔

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰﴾:

یہ اِلًّا حرفِ اِستثنیٰ نہیں ہے بل کہ یہ اسم ہے قَرَابَةٌ کے معنی میں ہے۔

فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱﴾:

یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اَیْ فَهُمْ اِخْوَانُكُمْ۔

فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲﴾:

اَئِمَّةَ، اِمَام کی جمع ہے۔ معنی ہے: "پیشوا، لیڈر"۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۳﴾:

یہ مؤمنوں کو جہاد کی ترغیب ہے۔

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵﴾:

جب تم مشرکین کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے سے تمہارے دلوں کا غصہ ختم ہوگا اور دل ٹھنڈا ہوگا۔

وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۶﴾:

وَلَجَ، يَلِجُ، اِيْلَاجًا داخل ہونا۔ وَلِيْجَة اُس شخص کو کہتے ہیں جو راز دان ہو، آج کل اُس کو ایجنٹ کہتے ہیں۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۷﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ "قَاتِلُوْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ❶" بعض کفار نے کہا: اُن میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے (جو کہ اُس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) تم نہیں دیکھتے کہ ہم حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں؟!! مساجد بناتے ہیں؟!! ہم سے کیوں لڑتے ہو؟ ہم تو نیک کام کرتے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ اُن کی اِس بات کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: مسجد بنانا اور عبادت کرنا اُس کے لیے توحید شرط ہے اور تم تو شرک کرتے ہو یعنی مسجد بنانا اُن لوگوں کا کام ہے کہ جو اٰمَنَ بِاللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ اللہ پر ایمان لاتے ہیں تم نے تو اپنے آپ اعتراف شرک کیا ہے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹﴾:

اِشکال: مشبہ اور مشبہ بہ برابر ہوتے ہیں، ایک ذات ہو تو دوسرا بھی ذات ہوتا ہے، ایک وصف ہو تو دوسرا بھی وصف ہوتا ہے۔ لیکن یہاں برابر نہیں كَمَنْ اٰمَنَ یہ ذات ہے اور سِقَايَةَ الْحَاجِ وغیرہ وصف ہے تو یہاں مشبہ بہ ذات اور مشبہ وصف ہے؟

جواب: یہاں لفظ اَهْل محذوف ہے۔ اَیْ اَجَعَلْتُمْ اَهْلَ سِقَايَةِ الْحَآجِّ وَاَهْلَ عِمَارَةِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔۔۔ الآیۃ۔

اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰﴾:

اِشکال: لفظ اَعْظَمُ اسمِ تفضیل ہے۔ یہ اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ: جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اُن کا درجہ تو بہت بڑا ہے، البتہ مشرکوں کا بھی کچھ نا کچھ درجہ ہے یعنی فی الجملہ اُن کا عمل کسی نا کسی درجہ میں مقبول ہے؟!!

جواب: اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ آیت کا یہ جُز کافروں سے متعلق نہیں ہے بل کہ اِس سے مُراد یہ ہے کہ: وہ لوگ جو ایمان لائے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اُن لوگوں کا درجہ دوسرے مؤمنین جنہوں نے ہجرت اور جہاد نہیں کیا اُن سے زیادہ ہے۔

② کافروں نے حاجیوں وغیرہ کو پانی پلانے کو نیکی سمجھا، تو اُن سے کہا جا رہا ہے کہ: اگر تمہارے گمان میں حاجیوں کو پانی پلانا نیکی ہے تو ایمان لانا، ہجرت کرنا، جہاد کرنا یہ نیکی اللہ کے ہاں تمہارے اِس عمل سے زیادہ بڑی ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۴﴾:

اٰبَآؤُكُمْ، كَانَ کا اسم ہے اور باقی معطوفات ہیں۔

وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا ۔۔۔ الآیۃ:

اِقْتَرَفْتُمُوْهَا اَیْ اِكْتَسَبْتُمُوْهَا۔

---

❶ (سُورَةُ التَّوبَة، ۱۴)

أَحَبَّ إِلَيْكُمْ ۔۔۔الآية:

قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ ۔۔۔الآية ❶ آیت میں جو لفظ کَانَ ہے أَحَبَّ إِلَيْكُمْ اُس کی خبر ہے۔

فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ ۔۔۔الآية:

سوال بِأَمْرِهٖ سے کیا مُراد ہے؟

جواب: خود آنحضرت ﷺ سے اِس کی تفسیر منقول ہے۔"ابوداؤد، مستدرک، موارد الضمان" وغیرہ میں روایت ہے کہ: ایک خاص قسم کی بیع ہوتی ہے، آپ مطلق بیع مان لیں۔ إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِيْنَةِ وَأَخَذْتُمْ بِأَذْنَابِ الْبَقَرِ وَرَضِيْتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهٗ حَتّٰى تَرْجِعُوْا إِلٰى دِيْنِكُمْ ❷

جب تم خرید و فروخت کے کام میں مصروف ہو اور جانوروں کے باڑے بنالو اور کھیتی باڑی میں تم مصروف ہو جاؤ اور اُن کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ لو اور اللہ کے راستے میں جہاد چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کرے گا اور اُس ذلت کو تم سے نہیں ہٹائے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف لوٹ کرنہ آ جاؤ یعنی وہ جہاد دوبارہ کرنے لگو جس کو تم نے ترک کر دیا تھا۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ ۔۔۔الآية ﴿٢٥﴾:

ربط: اُوپر جہاد کا ذکر تھا آگے اِسی سلسلے میں غزوۂ حنین کا ذکر ہے۔ اَصل بات یہ بتانا مقصود ہے کہ: مؤمن کو کبھی بھی اپنی کثرتِ تعداد اور کثرتِ اسلحہ پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے۔ آیت میں لفظ مَوَاطِنَ، وَطَنٌ کی جمع ہے۔

واقعہ: سن ۸ ہجری رمضان المبارک میں مکہ فتح ہونے کے بعد شوال کے مہینے میں آپ ﷺ کو اِطلاع ملی کہ: ہوازن و ثقیف وغیرہ بہت سے قبائلِ عرب نے ایک لشکرِ جرار تیار کر کے بڑے ساز و سامان سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا اِرادہ کیا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی آپ ﷺ دس ہزار (۱۰۰۰۰) مہاجرین و انصار کی فوجِ گراں لے کر جو مکہ فتح کرنے کے لیے مدینہ سے ہمراہ آئی تھی طائف کی طرف کوچ کیا۔ دو ہزار (۲۰۰۰) طلقاء بھی جو فتحِ مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ: بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) کی عظیم الشان جمعیت کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدانِ جہاد میں نکلی۔ یہ منظر دیکھ کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رہا نہ گیا اور بے ساختہ بول اُٹھے کہ: جب ہم بہت تھوڑے تھے اُس وقت ہمیشہ غالب رہے۔ آج ہماری اِتنی بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہونے والی نہیں۔ یہ جملہ مردانِ توحید کی زبان سے نکلنا بارگاہِ اَحدِیت میں ناپسند ہوا۔ اَبھی مکہ سے تھوڑی دُور نکلے تھے کہ: دونوں لشکر مقابل ہو گئے۔ فریقِ مخالف کی جمعیت چار ہزار (۴۰۰۰) تھی جو سر پر کفن باندھ کر اور سب عورتوں، بچوں کو ساتھ لے کر ایک فیصلہ کُن جنگ کے لیے پوری تیاری سے نکلے تھے۔ اُونٹ، گھوڑے، مویشی اور گھروں کا کل اندوختہ کوڑی کوڑی کر کے اپنے ہمراہ لے آئے تھے اُن کے سردار کا نام دُرید ابن صمہ تھا وہ نابینا تھا، اُس نے جب عورتوں اور بچوں کے شور کی آواز سُنی تو اُس نے کہا: یہ شور کیسا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ: ہم عورتیں اور بچوں کو بھی ساتھ لائے ہیں۔ اِس پر دُرید نے کہا: تم نے بہت بڑی غلطی کی۔ ہوازن کا قبیلہ تیر اندازی کے فن میں سارے عرب میں شہرت رکھتا تھا، اُس کے بڑے ماہر تیر اَندازوں کا دستہ وادی حنین کی پہاڑیوں میں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ "صحیحین" میں براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: معرکہ کے شروع میں کفار کو ہزیمت ہوئی، وہ بہت سا مال چھوڑ کر پسپا ہو گئے۔ یہ دیکھ کر مسلمان سپاہی غنیمت کی طرف جھک پڑے، اُس وقت ہوازن کے تیر اندازوں نے گھات سے نکل کر ایک دم دَھاوا بول دیا۔ آنِ واحد میں چاروں طرف سے اِس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں کو قدم جمانا مشکل ہو گیا۔ اَوّل طلقاء میں بھگدڑ پڑی، آخر سب کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملتی تھی۔ حضور ﷺ مع چند رفقاء کے دُشمنوں کے نرغہ میں تھے، ابوبکر، عمر، عباس، علی، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم تقریباً سو (۱۰۰) یا اَسّی (۸۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعض اہلِ سیر کی تصریح کے موافق کل دس (۱۰) نفوسِ قدسیہ میدانِ جنگ میں باقی رہ گئے جو پہاڑ سے زیادہ مستقیم نظر آتے تھے۔ یہ خاص موقع تھا جب کہ دُنیا نے پیغمبرانہ صداقت و توکل اور معجزانہ شجاعت کا ایک مُحیر العقول نظارہ اِن ظاہری آنکھوں سے دیکھا۔ آپ ﷺ سفید خچر پر سوار ہیں، عباس رضی اللہ عنہ ایک رکاب اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ دوسری رکاب تھامے ہوئے ہیں۔ چار ہزار (۴۰۰۰) کا مسلح لشکر پورے جوشِ اِنتقام

❶ (سُوْرَةُ التَّوْبَة. ۲۴) ❷ (سنن ابی داؤد، کتاب الاجارہ، باب فی النھی عن العینۃ، ج ۲، ص ۱۳۴، طبع حسن، لاہور)

میں ٹوٹ پڑتا ہے، چاروں طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے، ساتھی منتشر ہو چکے ہیں۔ مگر رفیقِ اعلیٰ آپ ﷺ کے ساتھ ہے، زبانی تائید اور آسمانی سکینہ کی غیر مرئی بارش آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے گنے چنے چند رفیقوں پر ہو رہی ہے جس کا اثر آخر کار بھاگنے والوں تک پہنچتا ہے۔ جدھر سے ہوازن اور ثقیف کا سیلاب بڑھ رہا ہے آپ ﷺ کی سواری کا منہ بھی اُسی وقت اُس طرف ہے اور اِدھر ہی آگے بڑھنے کے لیے خچر کو مہمیز دے رہے ہیں، دل سے خدا کی طرف لو لگی ہے اور زبان پر نہایت اِستغناء و اطمینان کے ساتھ أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ: أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ جاری ہے یعنی مَیں جھوٹا نبی نہیں ہوں اور مَیں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

اِسی حالت میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آواز دی: إِلَيَّ عِبَادَ اللهِ أَنَا رَسُوْلُ اللهِ۔ پھر آپ ﷺ کی ہدایت کے موافق حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو نہایت جَهِيْرُ الصَّوْت تھے اُنہوں نے اَصحابِ سَمُرہ کو پکارا، جنہوں نے درخت کے نیچے حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی تھی۔ آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ: بھاگنے والوں نے سواریوں کا رُخ میدانِ جنگ کی طرف پھیر دیا۔ اِسی اَثناء میں حضور ﷺ نے تھوڑی سی مٹی اور کنکریاں اُٹھا کر لشکرِ کفار پر پھینکیں جو خدا کی قدرت سے ہر کافر کے چہرے اور آنکھوں میں پڑیں۔ اُدھر حق تعالیٰ نے آسمان سے فرشتوں کی فوجیں بھیج دیں، کفار کنکریوں کے اَثر سے آنکھیں ملتے رہے۔ جو مسلمان قریب تھے اُنہوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا، آناً فاناً مطلع صاف ہو گیا، ہزاروں قیدی آپ ﷺ کے سامنے بندھے کھڑے ہیں اور مالِ غنیمت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، اِس طرح کافروں کو دُنیا میں سزا دی گئی۔ چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) بھیڑ بکریاں، چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) اُونٹ، منوں کے حساب سونا چاندی مالِ غنیمت کے طور پر حاصل ہوا۔

وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ۔۔۔ الآیۃ:

صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ: یہاں مَا مصدریہ ہے۔ أَيْ بِرُحْبِهَا۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۸﴾:

ربط: اُوپر مشرکین کے ساتھ لڑائی کا ذکر تھا اور آگے اُن کی پلیدی کا ذکر ہے۔

اِشکال: نَجَسٌ کا حمل اَلْمُشْرِكُوْنَ پر صحیح نہیں کیوں کہ نَجَسٌ مصدر اور وصف ہے، اَلْمُشْرِكُوْنَ ذات ہے تو وصف کا حمل ذات پر کیسے ہوا حال آں کہ وصف کا حمل ذات پر دُرست نہیں؟

جواب: اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "تفسیر کشاف" میں لکھا ہے کہ: یہاں مضاف محذوف ہے۔ أَيْ ذُوْو نَجَسٍ یعنی نجاست والے ہیں۔

② مصدر کا حمل مبالغۃً ہے یعنی زَيْدٌ عَدْلٌ، زَيْدٌ صَوْمٌ کے قبیل سے ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۹﴾:

ربط: اُوپر مشرکین کے ساتھ لڑنے کا حکم تھا اور آگے اہلِ کتاب سے لڑائی کا حکم ہے۔

وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ۔۔۔ الآیۃ:

یعنی اللہ تعالیٰ حرام کرتا ہے اور رسول ﷺ اُس کو بیان فرماتے ہیں۔

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ۔۔۔ الآیۃ:

سوال جزیہ کیا چیز ہے؟

جواب مسلمانوں کے ملک میں جو کافر رہتے ہیں اُن کافروں میں بچہ نہ ہو، عورت نہ ہو، بوڑھا نہ ہو، بیمار نہ ہو، کافروں کا مذہبی پیشوا نہ ہو بل کہ جوان تندرست آدمی ہو اور وہ فوج میں بھرتی ہونا چاہے، مسلمان حکومت اُس سے مطمئن بھی ہو تو اُس کو بھرتی کر لے اور اُس سے کوئی جزیہ نہ لے لیکن اگر وہ نوجوان فوج میں بھرتی نہیں ہونا چاہتا یا مسلمان حکومت اُس سے مطمئن نہیں ہے تو اُس سے جزیہ لیا جائے گا۔ جزیہ کی مقدار یہ ہے کہ: اعلیٰ حال والے سے اڑتالیس (۴۸) درہم سالانہ، درمیانہ حال سے چوبیس (۲۴) درہم سالانہ، غریب سے بارہ (۱۲) درہم سالانہ لیے جائیں گے۔

عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۝:

عَنْ یَّدٍ میں تنوین عوضِ مضاف الیہ ہے۔ اَیْ یَدِھِمْ۔ کافر تو جوان اِس جزیہ کو دوسروں کے ہاتھ نہیں بھیج سکتا اور جب اُس سے وہ جزیہ وصول کیا جائے گا تو کافر کا ہاتھ نیچے اور مسلمان کا اُوپر ہوگا۔ صرف بنی تغلب کی عورتوں سے بھی جزیہ لیا جائے گا، باقی عورتوں سے نہیں لیا جائے گا۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۰﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ تم اہلِ کتاب سے لڑائی کرو، آگے اللہ تعالیٰ اِس لڑائی کی علّت بیان فرماتے ہیں کہ: اُن کے ساتھ اِس لیے لڑائی کرو کیوں کہ یہود کہتے ہیں کہ: عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰہِ اور عیسائی کہتے ہیں کہ: مَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ۔ یہود ونصاریٰ کا یہ قول اُن مشرکین کی طرح ہے جو فرشتوں کو بَنَاتُ اللّٰہ یعنی اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ۔۔۔ الآیۃ:

اللہ اُن پر لعنت کرے۔ اَیْ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۱﴾:

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ پہلے مشرک تھے، ۹ ہجری میں مسلمان ہوئے، اِس سے پہلے مشرک تھے پھر عیسائی بنے اور اُن کے پادری بن گئے۔ "ترمذی شریف" کی روایت ہے کہ: جب یہ مسلمان ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا کہ: اِس آیت میں ہے کہ عیسائیوں نے اپنے پیر اور مولویوں کو خدا بنا رکھا ہے، مجھ کو تو نہیں بنایا یعنی میری پوجا تو نہیں کی، مجھ کو سجدے تو نہیں کیے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: اُن کے مولوی اور اُن کے پیر اُن کے لیے جو چیز حلال قرار دیتے ہیں اُس کو حلال سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اُنہوں نے عرض کیا: جی ہاں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: جس چیز کو حرام قرار دیتے ہیں اُس کو حرام سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اُنہوں نے عرض کیا: جی ہاں! [1] تو حلال اور حرام کرنا نہ پیروں کا کام ہے اور نہ مولویوں کا بل کہ حلال اور حرام کرنے والا تو رب ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۲﴾:

وہ اِرادہ کرتے ہیں کہ: اللہ کے نور کو یعنی اِسلام کو مٹا دیں اپنے منہ سے یعنی زبانی باتوں سے اِسلام کو ختم کر دیں، وہ ایسا نہیں کر سکتے۔

مولانا ظفر علی صاحب مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۳﴾:

سوال: لفظِ اَلدِّیْن پر اَلِف لَام کون سا ہے؟

جواب: "تفسیر کشاف، بیضاوی" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: اَلدِّیْن پر اَلِف لَام جنس کے لیے ہے۔ اِس کے معنی ہیں: اَدْیَان کیوں کہ لفظِ کُلّ اُس چیز کی صفت بنتا ہے جو ذُوْ اَجْزَاء ہو چاہے اُس کے حسّی اَجزاء ہوں یا معنوی اَجزاء ہوں۔ لٰہذا یہاں دِیْن بمعنی اَدْیَان کے ہیں یعنی تمام دِین۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۴﴾:

مؤمنوں سے خطاب ہے کہ: لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا وغیرہ یہ باتیں صرف مشرکین میں نہیں تھیں بل کہ اُن کے ساتھ ساتھ تم میں بھی پائی جاتی ہیں۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔۔۔ الآیۃ:

سوال: یُنْفِقُوْنَھَا کی "ھَا" ضمیر کس چیز کی طرف راجع ہے؟

جواب: اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یُنْفِقُوْنَھَا کی "ھَا" ضمیر کُنُوْز کی طرف راجع ہے۔

---

[1] (جامع الترمذی، ابواب التفسیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تفسیر سورۃ توبہ، ج ۲، ص ۱۴۰، طبع قدیمی، کراچی)

③يُنْفِقُوْنَهَا کی "هَا" ضمیر اَموال کی طرف راجع ہے۔

④يُنْفِقُوْنَهَا کی "هَا" ضمیر فِضَّة یعنی چاندی کی طرف راجع ہے۔مطلب یہ ہے کہ: وہ لوگ سونا اور چاندی دونوں جمع کرتے ہیں۔ جب خرچ کرنے کی باری آتی ہے تو چاندی بھی خرچ نہیں کرتے سونا کیا خرچ کریں گے؟!!

فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ۔۔۔الآیۃ:

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سائل یعنی مانگنے والا جب آتا ہے تو پہلے سامنے سے آتا ہے آدمی اگر دینا نہیں چاہتا تو پہلو پھیر لیتا ہے، پھر بھی سائل یعنی فقیر اسرار کرتا ہے تو آدمی پیٹھ پھیر لیتا ہے۔ اسی اعتبار سے پہلے پیشانی، پھر پہلو، پھر پیٹھ کو داغا جائے گا۔

فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ٥:

یہاں ذُوْقُوْا فعلِ اَمر ہے۔ اس کا مفعول جَزَآءَ محذوف ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہے: فَذُوْقُوْا جَزَآءَ مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ یعنی تم چکھو اُس کی سزا کو جو تم خزانہ جمع کرتے تھے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا۔۔۔الآیۃ:

ربط: اُوپر وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ٥ ❶ فرمایا یعنی مشرکین کا ذکر تھا، آگے مشرکین کے ایک باطل طریقے کو بیان فرماتے ہیں کہ: مہینے تو سال میں بارہ (۱۲) ہیں، چار (۴) مہینے اَشْهُرِ حُرُم تھے اُس میں لڑائی ممنوع تھی، وہ چار (۴) مہینے "ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب" تھے، یہ اَمن واَمان کے مہینے تھے۔ یہ مشرکین ایسا کرتے تھے کہ: کسی ماہ کی حرمت دوسرے ماہ کو دے دیتے تھے، رجب میں لڑتے تو اُس کی حُرمت شعبان کو دیتے تھے یعنی جب اُس حرمت والے مہینے میں لڑائی کی نوبت آتی تو وہ اُس میں جنگ کرنا حلال سمجھتے تھے اور جب نوبت نہ آتی تو حرام سمجھتے تھے یعنی کسی سال حلال قرار دیتے اور کسی سال حرام قرار دیتے۔ اُسی کا ذکر ہے۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً۔۔۔الآیۃ:

"تفسیر بیضاوی، تفسیراتِ اَحمدیہ، اَحکام القرآن لابی بکر جصاص رحمہ اللہ، کمالین" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ۔۔۔الآیۃ یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ہے اور ماقبل کے لیے ناسخ ہے۔

سوال لفظ كَآفَّةً ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

①قَاتِلُوْا میں جو اَنْتُمْ ضمیر ہے یہ اُس سے حال ہے یعنی تم سب مل کر مشرکین سے لڑو۔

②لفظ مُشْرِكِيْن سے حال ہے یعنی تمام مشرکین سے لڑو۔

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ۔۔۔الآیۃ:

نَسِيْٓءُ کا معنی ہے: "مؤخر کردینا"۔ نفسِ کفر اُن کا پہلے ہی تھا پھر ان مہینوں کی حرمت وعزّت کو مؤخر کرنا یہ کفر میں اور بھی زیادتی ہے۔

يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا۔۔۔الآیۃ:

سوال يُحِلُّوْنَهٗ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① يُحِلُّوْنَهٗ کی "ہٗ" ضمیر نَسِيْٓء کی طرف راجع ہے۔ یعنی اس حرمت والے مہینوں کی حرمت کے مؤخر کرنے کو ایک سال حلال سمجھتے اور ایک سال حرام سمجھتے۔

② يُحِلُّوْنَهٗ کی "ہٗ" ضمیر اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ کی طرف راجع ہے۔ یعنی اس حرمت والے مہینے کو ایک سال حلال سمجھتے اور ایک سال حرام سمجھتے۔

---

❶(سُوْرَةُ التَّوْبَة،۳۲)

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ ـــ الآية ﴿۳۸﴾:

ربط: "سبق الغايات في نسق الآيات، کبیر" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: پہلے اہلِ کتاب سے جہاد کا حکم گذرا۔ اب جنگِ تبوک کا واقعہ ذکر کرتے ہیں جو کہ اہلِ کتاب کے ساتھ جنگ تھی۔

واقعہ: فتح مکہ و غزوۂ حنین کے بعد ۹ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ: شام کا نصرانی بادشاہ ملکِ غسّان قیصرِ رُوم کی مدد سے مدینہ پر چڑھائی کرنے والا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ: ہم خود حدودِ شام پر اقدام کر کے اُس کا جواب دیں۔ اِس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر مسلمانوں کو حکم دیا کہ: جہاد کے لیے تیار ہو جائیں، گرمی سخت تھی، قحط سالی کا زمانہ تھا، کھجور کی فصل پک رہی تھی، سایہ خوشگوار تھا، پھر اِس قدر بعید مسافت طے کر کے جانا اور نہ صرف ملکِ غسّان بل کہ قیصرِ رُوم کی باقاعدہ سروسامان سے آراستہ اَفواج سے نبرد آزما ہونا، کوئی کھیل تماشا نہ تھا۔ ایسی مہم میں مؤمنین مخلصین کے سوا کس کا حوصلہ تھا کہ جانبازانہ قدم اُٹھا سکتا؟ چناں چہ منافقین جھوٹے حیلے بہانے تراش کر کھسکنے لگے۔ بعض مسلمان بھی ایسے سخت وقت میں اِس طویل وصعب سفر سے کترا رہے تھے، جن میں بہت سے تو آخر کار ساتھ ہو لیے اور گنے چنے آدمی رہ گئے جن کو کسل و تقاعد نے اِس شرفِ عظیم کی شرکت سے محروم رکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً تیس ہزار (۳۰۰۰۰) سرفروش مجاہدین کا لشکرِ جرار لے کر حدودِ شام کی طرف روانہ ہو گئے اور مقامِ تبوک میں ڈیرے ڈال دیے۔ اُدھر قیصرِ رُوم کے نام نامۂ مبارک لکھا جس میں اِسلام کی طرف دعوت دی گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اُس کے دل میں گھر کر گئی، مگر قوم نے موافقت نہ کی اِس لیے قبولِ اسلام سے محروم رہا۔ شام والوں کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرادے کی اِطلاع ہوئی، قیصرِ رُوم سے اِظہار کیا۔ اُس نے مدد نہ کی، اُن لوگوں نے اِطاعت کی مگر اِسلام نہ لائے۔ تھوڑی مدّت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں تمام ملکِ شام فتح ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے غالب و منصور واپس تشریف لائے تو منافقینِ مدینہ بہت فضیحت ہوئے۔ نیز چند سچے مسلمان جو محض سُستی اور کسل کی بناء پر رہ گئے تھے، بے حد نادم و متحیر تھے۔ اِس رکوع کے شروع سے بہت دُور تک اِن ہی واقعات کا ذکر ہے مگر زیادہ منافقین کی حرکات بیان ہوئی ہیں۔

إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ـــ الآية:

اِثَّاقَلْتُمْ بابِ تَفَاعُل سے ہے، اَصل میں تَثَاقَلْتُمْ تھا۔

أَرَضِيتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ـــ الآية:

اِس آیت میں لفظِ مِن عوض اور مقابلے کے لیے ہے۔ معنی ہے: "کیا تم راضی ہو گئے دُنیا کی زندگی پر آخرت کے مقابلے میں؟"

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝:

اِس آیت میں لفظِ فِی مقابلے اور عوض کے لیے ہے۔ معنی ہے: "دُنیا کی زندگی کا ساز و سامان آخرت کے مقابلے میں نہیں ہے مگر تھوڑا سا"۔

وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ـــ الآية ﴿۳۹﴾:

سوال تَضُرُّوهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① تَضُرُّوهُ کی "ہٗ" ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔

② تَضُرُّوهُ کی "ہٗ" ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللهُ ـــ الآية ﴿۴۰﴾:

سوال تَنْصُرُوهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب تَنْصُرُوهُ کی "ہٗ" ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ ـــ الآية:

"دارالندوہ" کے مشورہ کے بعد (جس کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے) نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور مکہ سے تین (۳) میل دُور ہٹ کر غارِ ثور میں قیام فرمایا، یہ غار پہاڑ کی بلندی پر ایک بھاری مجوف چٹان ہے جس میں داخل ہونے کا صرف ایک راستہ تھا، غارِ حِرا والی پہاڑی کا نام اُس وقت جبلِ فاراں تھا اور اب جبلِ نور ہے۔

إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ ـــ الآية:

"تفسیر کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: صَاحِب کی جمع اَصْحَاب اور صَحَابِي کی جمع صَحَابَة آتی ہے۔ اِس آیت سے معلوم ہوا کہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا نص سے ثابت ہے، جو صحابی نہیں ماننا پکا کافر ہے۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ـــ الآية:

حَزَن کہا جاتا ہے: "دوسرے کے لیے غم کرنا"۔ خوف کہا جاتا ہے: "اپنی ذات کے لیے غم کرنا"۔ چناں چہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو نبی کریم ﷺ کے بارے میں غمگین اور پریشان تھے، اپنی ذات کا اُن کو کچھ خیال نہ تھا۔

وَأَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا ـــ الآية:

عبدالرحمٰن ابن سروان ایک راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ: مکڑی آئی جالا بنا دیا اور جنگلی کبوتری نے انڈے دے دیے۔ یہ جالا اور انڈے دیکھ کر سب نے جھٹلایا اور کہنے لگے کہ: یہ مکڑی کا جالا تو محمد (ﷺ) کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ اگر اندر کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا اور انڈے کیسے صحیح سالم رہ سکتے تھے؟

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ـــ الآية ﴿۴۱﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① خَفِیْف یعنی ہلکے کا معنی یہ ہے کہ: "تم غریب ہو، زیادہ سامان تمہارے پاس نہیں ہے تب بھی جاؤ"۔ ثَقِیْل یعنی بھاری کا معنی یہ ہے کہ: "تم امیر ہو تو سہولت کے لیے سامان زیادہ لے جانا چاہو تب بھی جاؤ"۔

② خَفِیْف کا معنی ہے: "اگر بالکل تندرست ہو تب بھی جاؤ"۔ ثَقِیْل کا معنی ہے کہ: "اگر معمولی تکلیف ہے تب بھی جاؤ"۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا ـــ الآية ﴿۴۲﴾:

سوال كَانَ کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① كَانَ کی ضمیر مَا دَعَوْتَهُمْ إِلَيْهِ کی طرف راجع ہے۔

② كَانَ کی ضمیر جہاد کی طرف راجع ہے۔ أَيْ لَوْ كَانَ الْجِهَادُ۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ـــ الآية ﴿۴۳﴾:

ربط: اِسی غزوۂ تبوک میں منافقین آپ ﷺ کی روانگی سے پہلے حاضر ہوئے، قسم قسم کے بہانے کیے کہ: مَیں تو بالکل تیار ہوں ماں مَرنے والی ہے، بھیڑ بکریاں مَر جائیں گی، فلاں اور فلاں، ایسے ایسے بہانے بنائے اور سب جھوٹے تھے۔ آپ ﷺ نے اُن کو اِجازت دے دی، بعض نے بہانے نہیں بنائے کیوں کہ اُن کا خیال تھا کہ: رُوم کے مقابلے میں یہ سب ختم ہو جائیں گے اور واپس نہیں آئیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم نے آپ (ﷺ) کی یہ لغزش معاف فرمائی، آپ (ﷺ) کیوں اِجازت دیتے ہیں؟ یہ تو جاتے ہی نہیں ہیں۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً ـــ الآية ﴿۴۶﴾:

یہ قرینہ ہے کہ: وہ پیچھے رہنے والے لوگوں نے جانے کا اِرادہ ہی نہیں کیا تھا۔ اگر وہ جانے کا اِرادہ رکھتے تو جا سکتے تھے کیوں کہ آپ (ﷺ) نے تو بہت پہلے اِعلان کیا تھا۔ وہ پہلے سے تیار ہوتے حال آں کہ اُنہوں نے تو کچھ بھی تیاری نہیں کی۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا ــــ الآية (۴۷):

لفظِ خَبَالًا کے معنی ہیں: "فساد"۔

وَلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ ــــ الآية:

سوال اِيْضَاع کا کیا معنی ہے؟

جواب "تفسیر بیضاوی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اِيْضَاع کے معنی ہیں: سَيْرُ الْاِبِلِ بِالسُّرْعَةِ ۔"اُونٹوں کو تیزی سے دوڑانا"۔اب لازمی معنی یہ ہوئے کہ: یہ اگر پیچھے رہنے والے تمہارے درمیان ہوتے تو اپنی شرارت کے گھوڑے تمہارے درمیان تیزی سے دوڑاتے۔

سوال لفظِ خِلَال کے کیا معنی ہیں؟

جواب لفظِ خِلَال، بَيْن کے معنی میں ہے یعنی درمیان۔مطلب یہ ہے کہ: وہ البتہ تمہارے درمیان اپنے فتنہ (شرارت) کے گھوڑے تیزی سے دوڑاتے ہیں۔

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ــــ الآية:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① ایسے سادہ لوح اَفراد تم میں موجود ہیں جو اُن کی بات سنتے ہیں اور تھوڑا بہت متاثر ہوتے ہیں۔علامہ جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِذَا جَآءَ الصُّوْفِيُّ فِي السَّنَدِ فَاغْسِلُوْا اَيْدِيَكُمْ لَا تَقْبَلُوْا یعنی یہ لوگ خود سچے ہیں تو دوسروں کو سچا سمجھ لیں گے یعنی تحقیق کا مادّہ اُن میں نہیں ہوتا یعنی نیک دلی کی وجہ سے اُن کی باتیں سنتے ہیں۔

② "تفسیر کبیر، روح المعانی، قرطبی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: تم میں سے بعض لوگ اُن کے جاسوس ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ــــ الآية (۴۹):

جد ابن قیس منافق سے آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: اِس سال نصرانیوں کے جلاوطن کرنے میں تم ہمارا ساتھ دینا۔اُس نے کہا کہ: حضرت (ﷺ)! مجھے تو رہنے دیجیے، رُوم کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں، مَیں اُنہیں دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکوں گا، تو مجھے وہاں لے جا کر گمراہی میں نہ ڈالیے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ لفظ کہہ کر اور اپنے جبن اور کفر پر جھوٹی پرہیز گاری کا پردہ ڈال کر وہ گمراہی کے گڑھے میں گر چکا اور آگے چل کر کفر ونفاق کی بدولت دوزخ کے گڑھے میں گرنے والا ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ــــ الآية (۵۲):

سوال حُسْنَيَيْن سے کیا مُراد ہے؟

جواب حُسْنَيَيْن سے مُراد یہ ہے کہ: شہادت نصیب ہو گی یا غازی ہوں گے۔دونوں صورتوں میں کامیابی ہے۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ــــ الآية (۵۳):

یہ منافق مسلمانوں کو اِعتماد میں لینے کے لیے چندہ وغیرہ بھی دیتے تھے۔تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ــــ الآية۔

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ ــــ الآية (۵۴):

فعل مَنَعَ کا فاعل اَنَّهُمْ كَفَرُوْا ہے۔اَیْ كُفْرُهُمْ۔اللہ تعالیٰ کے اَحکام کا اِنکار یعنی چندہ کی قبولیت سے اِس چیز نے اُن کو منع کیا تھا۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ــــ الآية (۵۵):

ہم یہ کہتے ہیں کہ: یہ مال دار لوگ بڑے سکون میں ہوتے ہیں اور حال یہ ہے کہ: ہمارے پاس اِتنا سکون ہے کہ اُن کے پاس نہیں۔

وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ○ (۵۶):

فَرِقَ، يَفْرَقُ باب سَمِعَ، يَسْمَعُ سے ہے۔معنی ہے: "ڈرنا" یعنی وہ قوم ہے ڈرنے والی۔

لَوْ یَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا ۔۔۔ الآیۃ (۵۷):

مَغٰرٰتٍ، غَارَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "غار" اور مُدَّخَلًا اسمِ ظرف کا صیغہ ہے۔ معنی ہے: "داخل ہونے کی جگہ"۔

وَهُمْ یَجْمَحُوْنَ ○:

"تفسیر مدارک، بیضاوی، ابوسعود" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: **جَمَحَ الْفَرَسُ فِیْ لِجَامِہٖ**۔ یہ اُس وقت بولا جاتا ہے، جب گھوڑا لگام کے باوجود قابو میں نہ آئے۔ مطلب یہ ہے کہ: اگر اِن منافقین کو کوئی چھپنے کی جگہ ملتی تو یہ بے قابو ہو کر وہاں بھاگ جاتے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ ۔۔۔ الآیۃ (۵۸):

یہاں پر مضاف محذوف ہے۔ اَیْ فِیْ تَقْسِیْمِ الصَّدَقَاتِ۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا ۔۔۔ الآیۃ (۵۹):

لَوْ شرطیہ ہے۔ اِس کی جزاء محذوف ہے اور وہ جزاء یہ ہے: لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ ۔۔۔ الآیۃ (۶۰):

ربط: اُوپر صدقات کی تقسیم پر اُن کے اِعتراضات تھے تو آگے اللہ تعالیٰ صدقات کے لیے مصارف بیان فرماتے ہیں۔

فقیر کی تعریف: فقیر وہ ہے مَنْ لَا یَمْلِكُ قُوْتَ یَوْمٍ۔

مسکین کی تعریف: مسکین وہ ہے مَنْ لَا یَمْلِكُ نِصَابًا۔

عامل کون بن سکتا ہے؟ عامل غنی تو ہو سکتا ہے لیکن سید نہیں ہو سکتا۔

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

جمہور فرماتے ہیں کہ: اِبتداءِ اِسلام میں مسلمان تھوڑے تھے اور اِسلام کمزور تھا تو اُس وقت کافروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی تھی تاکہ وہ اِسلام کی طرف راغب ہوں اور اِسلام قبول کرلیں، لیکن اب جمہور کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہے۔ البتہ اِمام شافعی رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ: اب بھی کافروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

وَفِی الرِّقَابِ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① غلاموں کو آزاد کرانا۔

② مقروض کے قرض کو ادا کرنا۔

وَالْغٰرِمِیْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① دو (۲) آدمی یا جماعتوں کا لین دین کے معاملے میں جھگڑا ہو تو ایک تیسرا شخص زکوٰۃ کی رقم اُن کے درمیان صلح کے لیے دے دے۔

② کسی کا مال لُٹ گیا یا سیلاب میں بہہ گیا تو اُس کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ فَرِیْضَةً مفعول مطلق ہے۔ اَیْ فَرَضَ اللّٰهُ فَرِیْضَةً۔

وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۔۔۔ الآیۃ (۶۱):

"تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ تفسیروں میں اس کے دو (۲) مطلب لکھے ہیں:

① وہ آپس میں غلط باتیں کرتے تھے۔ جب دوسرے اُن کو منع کرتے تو کہتے تھے کہ: "وہ کان ہے" یعنی کان تو آلۂ سماع ہے۔ مطلب یہ

ہے کہ: وہ ہماری باتیں سن لیتے ہیں لیکن زیادہ تحقیق نہیں کرتے۔

④وہ کہتے تھے کہ: غلط باتیں مت کرو" وہ تو کان ہے" یعنی خبر اُس کو کسی نہ کسی طرح پہنچ جائے گی۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۲﴾:

اہلِ بدعت کا غلط اِستدلال: اہلِ بدعت کہتے ہیں کہ: اللہ اور رسول ایک ہیں کیوں کہ يُرْضُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر مفرد ہے۔

جواب "کبیر، روح المعانی، اَحکام القرآن، جلالین" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: يُرْضُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر کے مرجع کے بارے میں تین (۳) تفسیریں ہیں:

①يُرْضُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر لفظِ اللّٰه کی طرف راجع ہے اور لفظِ رَسُوْلُهٗ کی خبر اَحَقُّ محذوف ہے۔

② يُرْضُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر لفظِ رَسُوْلُهٗ کی طرف راجع ہے اور لفظِ اللّٰه کی خبر اَحَقُّ محذوف ہے۔

③يُرْضُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر مفرد اِس لیے لائے کیوں کہ لِتَلَازُمِ الرِّضَائَيْنِ یعنی اللہ اور رسول دونوں کی رضا لازم وملزوم ہے۔ اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کی ذاتیں ایک ہیں۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۴﴾:

تبوک کے سفر میں منافقین نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور قرآن کے خلاف واہی تباہی باتیں کیں۔ کسی مؤمن نے سن لیں اور آپ ﷺ سے ذکر کر دیں۔ آپ ﷺ نے اُن کو بلا کر پوچھا؟ تو اُنہوں نے کہا کہ: ہم نے یہ باتیں کیں ہیں لیکن ہمارا اِن باتوں سے مقصود یہ تھا کہ: سفر لمبا ہے باتوں باتوں میں طے ہو جائے گا۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۶﴾:

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اَيْ بَعْدَ اِظْهَارِ اِيْمَانِكُمْ ۔یعنی ایمان کا اِظہار کرنے کے بعد تم نے کفر کیا۔

اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ ۔۔۔الآیۃ:

طَآئِفَة سے مُراد مخشی ابن حمیر رضی اللہ عنہ ہیں یہ پہلے منافق تھے پھر مؤمن ہو گئے اور انہوں نے منافقین کے سارے راز فاش کر دیئے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۷﴾:

ربط: اُوپر منافقین کا اِجمالی ذکر تھا، اب آگے بتاتے ہیں کہ: منافقین میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی ہیں اور اُن کے یہ یہ کارنامے ہیں اور یہ اُن کا نتیجہ ہے۔

وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۔۔۔الآیۃ:

یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۔۔۔الآیۃ:

آیت میں لفظِ نَسُوا، تَرَكُوْا کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: اُنہوں نے رب کو چھوڑ دیا تو رب نے اُن کو چھوڑ دیا۔ نَسُو اللّٰهَ اَيْ تَرَكُوا اللّٰهَ۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۹﴾:

سوال لفظِ كَالَّذِيْنَ ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب كَالَّذِيْنَ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

سوال اب وہ مبتداء محذوف ہے کیا؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① حَالُكُمْ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ۔

② دَأْبُكُمْ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ۔

وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۔۔۔الآیۃ:

سوال لفظِ کَالَّذِيْ ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب اِس کی دو (۲) ترکیبیں ہیں:

① علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ: اَلَّذِيْ جنس کے معنی میں ہے اَلَّذِيْنَ کی جمع نہیں ہے۔

② علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اَلَّذِيْ حرفِ مصدریہ ہے لیکن یہ قول بعض نحات کا ہے اور یہ قول ضعیف ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ معنی کرتے ہیں: وَخُضْتُمْ كَالْخَوْضِ الَّذِيْ خَاضُوْا۔ تم مصروف ہوئے اُس مصروف ہونے کی طرح جیسے پہلے لوگ مصروف ہوئے تھے۔

وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۔۔۔الآیۃ:

مُؤْتَفِكٰت کا معنی ہے: مُنْقَلِبٰت یعنی اُلٹے کیے ہوئے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۔۔۔الآیۃ:

ربط: آگے مؤمنین کا ذکر ہے کیوں کہ اَلْاَشْيَآءُ تُعْرَفُ بِاَضْدَادِهَا یا وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَآءُ۔ اشیاء کی وضاحت اُس کی ضد سے ہوتی ہے تو پہلے منافقین اور منافقات اور اُن کے کارناموں کا ذکر تھا اب مؤمنین اور مؤمنات کا ذکر ہے۔

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۔۔۔الآیۃ:

عَدْن کا معنی ہے: "ہمیشہ"۔ جنّت کے جو باغ ہوں گے نہ تو اُن کے پتے خشک ہوں گے، نہ جھڑیں گے، نہ پھل ختم ہوں گے۔ اِسی طرح جن کو وہ باغ ملیں گے اُن سے کبھی وہ سلب بھی نہیں ہوں گے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۔۔۔الآیۃ:

ربط: اُوپر کفار اور منافقین کا ذکر تھا آگے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار کے ساتھ اور منافقین کے ساتھ جہاد کریں۔ کفار کے ساتھ تو جہاد بِالسَّيْف ہے اور منافقین کے ساتھ جہاد بِاللِّسَان ہے۔

دلیل: "بخاری شریف" کی روایت ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک منافق کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے اجازت دیں کہ میں اِس منافق کی گردن اُڑا دوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرنے سے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا: دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ اَنَّ مُحَمَّدًا (صلی اللہ علیہ وسلم) يَقْتُلُ اَصْحَابَهٗ رضی اللہ عنہم۔ اِس کو قتل نہ کرو۔ لوگ اِس غلط فہمی کا شکار ہوں گے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو قتل کر دیا ہے۔[1]

روافض کا غلط استدلال: روافض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو (نَعُوْذُ بِالله) منافق کہتے ہیں اور استدلال اِس آیت سے کرتے ہیں کہ: اِس آیت میں وَاوٗ بمعنی مَعَ کے ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہے کہ: وَالْمُنٰفِقِيْنَ اَيْ مَعَ الْمُنٰفِقِيْنَ۔ روافض معنی اِس طرح کرتے ہیں کہ: اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جہاد کریں کفار کے مقابلے میں اِن منافقین کو ساتھ لے کر۔ (نَعُوْذُ بِالله)

جواب صاحبِ متن المتین غالی رافضی ہے، رضی بھی غالی رافضی ہے، البتہ یہ دونوں نحو کے امام ہیں تصریح کرتے ہیں کہ: قرآن پاک میں نصاً اور صراحتاً مفعول معہ نہیں آیا ہے۔

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۔۔۔الآیۃ:

غزوۂ تبوک سے واپسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک پہاڑی راستہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، تقریباً بارہ (۱۲) منافقین نے چہرے چھپا کر رات کی تاریکی میں چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ چلائیں اور (مَعَاذَ الله) پہاڑی سے گرا دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تھے۔ عمار رضی اللہ عنہ کو اُنہوں نے گھیر لیا تھا مگر حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مار مار کر اُن کی اُونٹنیوں کے مُنہ پھیر دیے، چوں کہ چہرے چھپائے ہوئے تھے، حذیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اُن کو نہیں پہچانا۔ اِس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو نام بنام اُن کے پتے بتا دیے مگر منع فرما دیا

[1] (صحیح البخاری کتاب التفسیر باب قولہ سواء علیہم استغفرت لہم ام لم تستغفر لہم، ج ۲ ص ۷۲۸، طبع یادگار شیخ، کراچی)

کہ کسی پر ظاہر نہ کریں۔ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جُلَاسؓ بروزن غُرَابؓ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے وہ جنت میں جائیں گے اور اس کے علاوہ تمام منافقین کے لیے یہ حکم ہے کہ: وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔۔۔الآیۃ۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ کو صَاحِبُ السِّرِّ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔۔۔الآیۃ:

مَا نَقَمُوْٓا اَیْ مَا اَنْکَرُوْا وَمَا یَعِیْبُوْا۔

يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔۔۔الآیۃ:

دُنیا میں یہ سزا ملی کہ پیٹ میں سخت مَروڑ پیدا ہو کر مَر گیا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ۔۔۔الآیۃ ﴿۷۵﴾:

تمام تفاسیر میں لکھا ہے کہ: ایک شخص ثعلبہ بن حاطب انصاری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: میرے حق میں دُولت مند ہو جانے کی دُعا فرما دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ثعلبہ تھوڑی چیز جس پر تُو خدا کا شکر اَدا کرے اُس "بہت" سے بہتر ہے جس کے حقوق اَدا نہ کر سکو۔ اُس نے پھر وہی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: اے ثعلبہ! کیا تجھے پسند نہیں کہ میرے نقشِ قدم پر چلو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِنکار پر اُس کا اِصرار بڑھتا رہا، اُس نے وعدہ کیا کہ: اگر خدا مجھ کو مال دے گا تو میں پورے حقوق اَدا کروں گا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی، اُس کی بکریوں میں اس قدر برکت ہوئی کہ مدینہ منوّرہ سے باہر ایک گاؤں میں رہنے کی ضرورت پڑی اور اِتنا پھیلاؤ ہوا کہ اُن میں مشغول ہو کر رفتہ رفتہ جمعہ و جماعت بھی ترک کرنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے المحصّل پہنچے تو کہنے لگا کہ: زکوٰۃ تو جزیہ کی بہن معلوم ہوتی ہے۔ ایک دو دفعہ ٹلا کر آخر زکوٰۃ دینے سے اِنکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین (۳) مرتبہ فرمایا: وَيْحَ ثَعْلَبَة اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ جب اُس کے بعض اَقارب نے اُس کو خبر پہنچائی تو بادلِ ناخواستہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: خدا نے مجھ کو تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ سن کر اُس نے بہت ہائے واویلا کیا مگر دل میں نفاق چھپا ہوا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا تو اُنہوں نے بھی قبول کرنے سے اِنکار فرمایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اُن کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زکوٰۃ پیش کی، دونوں نے اِنکار فرمایا۔ ہر ایک نے یہی فرمایا کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز رَدّ کر دی ہم اُسے قبول نہیں کر سکتے۔ حالتِ نفاق میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں اُس کا خاتمہ ہوا۔

ایک مغالطہ کا بیان: تمام تفاسیر میں ابن حاطب کا نام لیا ہے حال آں کہ یہ ثعلبہ ابن حاطب بدری صحابی تھے منافق نہ تھے۔ ہم نے جب اِس مسئلہ کی تحقیق کی تو اُن تمام کتابوں میں ہے کہ: یہ بنوسلمہ قبیلے کے بدری صحابی ہیں۔ اِس لیے علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ واقعہ جو نقل کرتے ہیں اُن کا نہیں۔ ابن منذر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: یہ واقعہ ثعلبہ ابن ابی حاطب (یہ وہ منافق ہے جو مسجدِ ضرار کے بنانے میں شامل تھا) کا ہے یعنی لفظ "ابی" اِس کے باپ کے نام میں ہے اور ثعلبہ ابن حاطب بدری صحابی ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ۔۔۔الآیۃ ﴿۷۹﴾:

مُطَّوِّعِیْنَ کا معنی ہے: "دل کھول کر"۔

واقعہ: ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار ہزار یا آٹھ ہزار (۴۰۰۰ یا ۸۰۰۰) درہم حاضر کر دیئے۔ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ایک سو (۱۰۰) وَسَق کھجوریں جن کی قیمت چار ہزار (۴۰۰۰) درہم تھی، پیش کیں۔ منافقین کہنے لگے کہ: اِن دونوں نے دکھلاوے اور نام و نمود کے لیے اِتنا دیا۔ ایک غریب صحابی جن کا نام ابوحبحاب بن عُقیل رضی اللہ عنہ ہے جو کہ ایک انصاری صحابی تھے۔ اُنہوں نے گھر آ کر اپنی بیوی سے کہا کہ: گھر میں کچھ ہے کہ نہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ مانگا ہے۔ بیوی نے کہا: نہیں ہے! وہ گئے اور ایک یہودی کے باغ کو پانی دینے کا معاملہ طے کیا۔ وہ مزدوری کی جو کھجوریں تھیں لے کر آئے کچھ گھر میں چھوڑیں اور باقی ایک صاع کھجوریں صدقہ کیں۔ تو منافقین

---

❶ (سُوْرَةُ الْاَعْرَاف: ۴۰)

مذاق اُڑانے لگے کہ: یہ خواہ مخواہ زور آوری سے لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ بھلا اِس کے اِس صدقے کی اللہ کو کیا ضرورت پڑی تھی؟ غرض تھوڑا دینے والا اور بہت خرچ کرنے والا کوئی اُن کی زبان سے بچا نہ تھا۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۰﴾:

واقعہ یہ پیش آیا کہ: مدینہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا اِنتقال ہوا، آپ ﷺ نے قمیص مبارک کفن میں دی کیوں کہ بدر کے قیدیوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اُس نے اپنا کرتا دیا تھا، اُس کے بدلے میں آپ ﷺ نے اُس کو اپنا کرتا دے دیا۔ لعاب مبارک اُس کے بدن پر ملا، نمازِ جنازہ پڑھی اور دُعائے مغفرت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اِس معاملہ میں آڑے آتے تھے اور کہتے تھے کہ: یارسول اللہ (ﷺ)! یہ وہی خبیث تو ہے جس نے فلاں فلاں وقت ایسی ایسی نالائق حرکات کیں، ہمیشہ کفر ونفاق کا عَلَم بردار رہا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۱﴾:

ربط: پہلے تفصیلاً گذرا کہ جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہو گئے تو منافقین نے بہت سے بہانے کیے۔ آگے فرماتے ہیں کہ: اُن کو پیچھے کس چیز نے چھوڑا؟ تو فرماتے ہیں کہ: اُن کے بہانوں نے اُن کو پیچھے چھوڑا، اُن کے نفوس اور شیطان نے اُن کو پیچھے چھوڑا۔

سوال خِلٰفَ کون سا صیغہ ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① خِلٰفَ مصدر ہے اَیْ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

② لفظِ خِلٰفَ یہ ظرف ہے خَلْفَ کے معنی میں ہے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾:

جَزَآءً مفعول مطلق ہے۔ "تفسیر بیضاوی" میں تقدیری عبارت یہ ہے کہ: اَیْ یُجْزَوْنَ جَزَآءً۔ "کمالین" میں تقدیری عبارت یہ ہے کہ: جُوْزُوْا جَزَآءً۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۳﴾:

سوال طَآئِفَة کیوں کہا؟

جواب اِس کی دو (۲) وجوہات ہیں:

① طَآئِفَة اِس لیے کہا کہ: اُن پیچھے رہنے والوں میں بعض مخلصین بھی تھے۔

② یہ بھی ممکن ہے کہ: بعض منافقین آپ ﷺ کی واپسی سے قبل مر گئے تھے اِس لیے اِلٰی طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فرمایا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۴﴾:

ربط: اَبھی گذرا کہ نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن اُبی کا جنازہ پڑھایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: وَلَا تُصَلِّ۔۔۔ الآیۃ یعنی اب اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا۔

اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۶﴾:

طاقت والے یعنی مالی اِعتبار سے بھی طاقت والے اور جسمانی اِعتبار سے بھی طاقت والے۔

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۷﴾:

سوال خَوَالِف کس کی جمع ہے؟

جواب اِس کی جمع کے بارے میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ خَالِفَةٌ کی جمع ہے۔ خَالِفَةٌ اُس عورت کو کہتے ہیں: جو پیچھے رہ گئی ہو۔ تو مطلب یہ ہے کہ: اُنہوں نے پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہنا پسند کیا، مردانہ صفت تو اُن میں ہے ہی نہیں۔

② اِمام بخاری رحمہ اللہ "کتاب التفسیر" میں فرماتے ہیں کہ: یہ خَالِف کی جمع ہے جیسے دَوَاجِن جمع ہے دَاجِن کی، هَوَالِك جمع ہے هَالِك کی،

شَوَاهِق جمع ہے شَاهِق کی، فَوَارِس جمع ہے فَارِس کی تو اِسی طرح یہ خَوَالِف، خَالِف کی جمع ہے۔

② خَوَالِف، خَالِفَةٌ ہی کی جمع ہے لیکن یہ جماعت کی صفت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: یہ منافقین پیچھے رہنے والی جماعتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہیں۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۰﴾:

مُعَذِّرُوْنَ باب اِفْتِعَال سے ہے اَصل میں مُعْتَذِرُوْنَ تھا۔

ربط: غزوۂ تبوک کی روانگی کے وقت شہری منافقین کا ذکر تو ہوا اب آگے دیہاتی منافقین کا ذکر ہے۔ اِن (عذر کرنے والوں) دیہاتی منافقین کے بھی دو(۲) گروہ تھے جیسے شہریوں کے بھی دو(۲) گروہ تھے:

① ایک گروہ جو پہلے آیا کسی نے کہا کہ: بال بچے ہیں، ماں مررہی ہے، مویشی خطرے میں ہیں وغیرہ۔

② دوسرا گروہ وہ تھا جو عذر کرنے والے نہیں تھے۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ: یہ مسلمان تو رُوم کی اَفواج سے لڑنے جارہے ہیں، رُوم والے اِن کو قتل کردیں گے ہم کیوں قبل از وقت عذر کریں؟

تو یہاں اِن دونوں گروہوں کا بیان ہے۔

وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۱﴾:

مَرْضٰی، مَرِيْضٌ کی جمع ہے۔

اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔۔۔ الآیۃ:

اِمام بخاری رحمہ اللہ نَصَحُوْا کا معنی کرتے ہیں کہ: اَخْلَصُوْا اَیْ اَخْلَصُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِخلاص سے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آئیں۔

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ سَبِيْلٍ میں تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے۔ اَیْ سَبِيْلُ الْزَّامِ۔ معنی ہے: "اُن پر الزام کا کوئی راستہ نہیں ہے"۔

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۲﴾:

بنواشعر قبیلہ سے چھ(۶) آدمی آئے کہ: ہمیں تین(۳) سواریاں دے دیں تو بہت اچھا ہوگا، ہم باری باری سوار ہوں گے، وہ نہ ملیں تو دو(۲) مانگیں تاکہ تین، تین(۳،۳) ایک ایک پر باری باری سوار ہوں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: یہ بھی نہیں ہے، تو وہ رُو رُو کر جان کھوئے لیتے ہوئے اور یہ کہتے ہیں کہ: ہم کو اِتنی مقدور اور اِستطاعت کیوں نہ ہوئی کہ اُس محبوب حقیقی کی راہ میں قربان ہونے کے لیے اپنے کو پیش کرسکیں؟

اِنَّمَا السَّبِيْلُ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۳﴾:

لفظ اَلسَّبِيْل میں اَلِف لَام عوض مضاف الیہ ہے۔ اَیْ سَبِيْلُ الْزَّامِ، سَبِيْلُ مُؤَاخَذَةٍ۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۴﴾:

ربط: اَبھی گذرا کہ دیہاتی منافقوں میں سے بعض نے پہلے عذر پیش کیے اور بعض نے کہا کہ: ہم بعد میں عُذر کریں گے تو اُن کا ذکر ہے۔

قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر بیضاوی، روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: مِنْ اَخْبَارِكُمْ لفظ مِنْ تبعیضیہ ہے اَیْ مِنْ بَعْضِ اَخْبَارِكُمْ۔ تمہاری کچھ خبریں بتائی ہیں۔

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ۔۔۔ الآیۃ:

اہلِ بدعت کا غلط اِستدلال: اہلِ بدعت نے اِستدلال کیا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔ ناظر ہونے کی اُن کی دلیل یوں ہے کہ: وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ۔۔۔ الآیۃ کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو دیکھے گا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیکھیں گے۔

جواب اُن کا یہ اِستدلال دو (۲) وجہ سے باطل ہے:

① پہلی وجہ یہ ہے کہ: اگلے رکوع میں آئے گا کہ: وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ❶ جب حضور ﷺ ناظر ہیں پھر تو مؤمنین بھی ناظر ہیں جیسا کہ آیت میں وَ الْمُؤْمِنُوْنَ کے اَلفاظ کے ذریعے مؤمنین کی طرف بھی ناظر کی نسبت ہو رہی ہے۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ: یہ بات منافقین کے بارے میں ہے اور مجرم کے کام پر نگاہ رکھنے سے غیر مجرم کی نگرانی لازم نہیں آتی۔

اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۵﴾:

اِشکال: رِجْسٌ کا حمل اِنَّهُمْ پر صحیح نہیں؟

جواب: اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① اِنَّهُمْ ذُوْو رِجْسٍ۔

② حمل مبالغہ کے لیے ہے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۷﴾:

ربط: اُوپر دیہاتیوں کا ذکر تھا اور آگے بھی اُنہی کا ذکر ہے۔ عموماً دیہاتیوں میں علم کم ہوتا ہے، نفاق اور کفر میں سخت ہوتے ہیں اور نبی ﷺ کی تعلیمات کے کم پابند ہوتے ہیں۔ مجالسِ علم وحکمت سے دُور رہنے کی وجہ سے تہذیب وشائستگی کا اَثر اور علم وعرفان کی رُوشنی بہت کم قبول کرتے ہیں۔

اَعراب یعنی دیہاتیوں کی طبیعت میں بے حکمی، غرض پرستی اور شدید جہالت ہوتی ہے۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے:

مَنْ بَدَا فَقَدْ جَفَا ❷

ترجمہ: جس نے دیہاتی زندگی اِختیار کی اُس نے اپنے اُوپر ظلم کیا۔

آپ ﷺ کا قول بالکل سچا ہے کیوں کہ دیہاتیوں میں علم کم ہوتا ہے، صحت کے لیے ہسپتال نہیں ہوتا وغیرہ۔

لطیفہ: اِمام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ایک ہمارا ساتھی اِمام تھا، اُس نے نماز میں یہ آیت تلاوت کی کہ: اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ ۔۔۔ الآیۃ ❸ تو اُس کے پیچھے ایک اَعرابی نماز پڑھ رہا تھا، جب اُس نے سنا تو اُس کو لاٹھی ماری کہ ہماری بدی بیان کرتے ہو۔ چند دن بعد جب وہ دیہاتی اِتفاقاً آیا تو اِمام یہ دوسری آیت کہ: وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۔۔۔ الآیۃ ❹ پڑھ رہا تھا۔ تو دیہاتی نے کہا کہ: اَلْاٰنَ نَفَعَكَ الْعَصَا۔ اب لاٹھی نے فائدہ دے دیا۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۸﴾:

مَغْرَمًا کا معنی ہے: "نقصان، تاوان"۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۰﴾:

ربط: اُوپر منافقین کا ذکر تھا کہ: اُنہوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر بہانے کیے، آگے مؤمنین کا ذکر ہے کہ وہ غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے۔

سوال سٰبِقُوْن اور اَوَّلُوْن سے کون مُراد ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بعض کہتے ہیں کہ: اِس سٰبِقُوْن اور اَوَّلُوْن کا معنی ایک ہے۔

② بعض کہتے ہیں کہ: ایک نہیں بل کہ اَلتَّاْسِيْسُ اَوْلٰى مِنَ التَّاْكِيْدِ۔ تو مطلب یہ ہوا کہ: سٰبِقُوْن عقیدہ میں سبقت لینے والے اور اَوَّلُوْن عمل میں سبقت لینے والے ہیں۔

---

❶ (سُوْرَۃُ التَّوْبَة، ۱۰۵) ❷ (نیل الاوطار، کتاب المناسک، ابواب دخول مکۃ وما یتعلق بہ، ج ۵، ص ۱۱۵، طبع دار الحدیث، مصر) ❸ (سُوْرَۃُ التَّوْبَة، ۹۷) ❹ (سُوْرَۃُ التَّوْبَة، ۹۹)

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۔۔۔الآیۃ:

اِحْسَان کے معنیٰ ہیں: "اِخلاص"۔

سوال اِتَّبَعُوْهُمْ سے کون لوگ مُراد ہیں؟

جواب "تفسیر کبیر، روح المعانی، مواہب الرحمٰن، البحر المحیط" میں تین (۳) تفسیریں ہیں:

① اِتَّبَعُوْهُمْ سے ایک مہاجرین کا وہ طبقہ ہے جنہوں نے پہلے ہجرت کی اور دوسرا وہ طبقہ ہے جنہوں نے اِتباع کی اور ہجرت بعد میں کی۔ اسی طرح انصار کا ایک وہ طبقہ ہے جنہوں نے پہلے ایمان قبول کیا اور آپ ﷺ کی مدد کی اور دوسرا وہ طبقہ ہے جنہوں نے بعد میں ایمان قبول کیا۔

② اِتَّبَعُوْهُمْ سے مُراد اِصطلاحی تابعین رحمہم اللہ ہیں۔

③ اِتَّبَعُوْهُمْ سے مُراد اِصطلاحی تابعین رحمہم اللہ نہیں بل کہ لغوی ہیں یعنی قیامت تک اُن کی پیروی کرنے والے۔

مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰۱﴾:

اَيْ لَجُّوْا وَاَصَرُّوْا وَاسْتَمَرُّوْا۔ "مُصر ہیں، ڈٹے ہوئے ہیں"۔

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ۔۔۔الآیۃ:

سوال مَّرَّتَيْنِ سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بڑا عذاب دُوزخ کا ہے۔ اُس سے قبل کم اَز کم دو (۲) بار ضرور عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے:

① ایک عذابِ قبر میں۔ ② دوسرا وہ عذاب جو نزع کی حالت میں اُن کو ہوگا۔

② بعض حضرات کہتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے جمعہ کے رُوز منبر پر کھڑے ہوکر تقریباً اسّی (۸۰) آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا: يَا فُلَانُ اُخْرُجْ فَاِنَّكَ مُنَافِقٌ ● یہ رسوائی ایک قسم کا عذابِ اِلٰہی تھا، لیکن اِس کا راوی محمد ابن سائب کلبی ہے جو کہ: كَذَّابٌ، رَافِضِيٌّ، خَبِيْثٌ، يَضَعُ الْحَدِيْثَ ہے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ حقیقی مَرَّتَيْنِ نہیں بل کہ اِس سے مُراد یہ ہے کہ: بار بار اُن کو عذاب دیا جائے گا۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰۲﴾:

ربط: اُن منافقین کا ذکر تھا جنہوں نے مختلف بہانے بنائے، آگے بعض مسلمانوں کا ذکر ہے جو بغیر عذر کے شریک نہ ہوئے۔ "بیہقی، دُرِّ منثور" میں لکھا ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ دس (۱۰) آدمی مخلص مسلمان باقی رہ گئے تھے، سات (۷) عام تھے اور تین (۳) خاص، یہ سُستی کی وجہ سے شریک نہ ہوئے۔ اُن عام کی توبہ جلدی قبول ہوئی اور باقی تین (۳) کی توبہ کا ذکر بعد میں آئے گا۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰۳﴾:

تُطَهِّرُ کا مطلب یہ ہے کہ: مال پاک ہوگا۔ وَتُزَكِّيْهِمْ کا مطلب یہ ہے کہ: نفوس بخل سے پاک ہوں گے۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰۶﴾:

مُرْجَوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ: مؤخر کیے گئے ہیں یعنی تین (۳) لوگوں کی توبہ مؤخر کردی گئی تھی، اُن سے مُراد وہ تین (۳) حضرات "ھلال بن امیہ رضی اللہ عنہ، مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ" ہیں۔ پچاس (۵۰) دن بعد ان حضرات کی توبہ قبول ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰۷﴾:

اَيْ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ یعنی خبر محذوف ہے اور ضِرَارًا مفعول لہ ہے اَيْ لِاَجْلِ الضَّرَرِ۔

● (زاد المسیر فی علم التفسیر، تفسیر سورۃ التوبہ، رقم الآیۃ ۱۰۱، ج ۲، ص ۲۹۹، طبع دار الکتاب العربیہ، بیروت)

شانِ نزول: واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے آئے تو اوّل مدینہ سے باہر بنی عَمرو بن عوف کے محلہ میں فروکش ہوئے۔ پھر چند روز بعد شہر مدینہ میں تشریف لے گئے اور مسجدِ نبوی ﷺ تعمیر کی، اُس محلہ میں جہاں آپ ﷺ پیشتر نماز پڑھتے تھے وہاں کے لوگوں نے مسجد تیار کر لی جو مسجدِ قباء کے نام سے مشہور ہے۔ حضور ﷺ اکثر ہفتہ کے روز وہاں جا کر دو (۲) رکعت نماز پڑھتے تھے اور بڑی فضیلت اُس کی بیان فرماتے تھے۔ بعض منافقین نے چاہا کہ: قباء والوں کی ضد پر اُسی کے قریب ایک اور مکان مسجد کے نام سے تعمیر کریں، اپنی جماعت جدا ٹھہرائیں اور بعض سادہ دل مسلمانوں کو مسجدِ قباء سے ہٹا کر اِدھر لے آئیں، فی الحقیقت اِس ناپاک تجویز کا محرکِ اَصلی ایک شخص ابو عامر راہب خزرجی تھا، ہجرت سے پہلے اِس شخص نے نصرانی بن کر راہبانہ زندگی اِختیار کر لی تھی۔ مدینہ اور آس پاس کے لوگ اِس کے زُہد و دُرویشی کے معتقد تھے اور بڑی تعظیم کرتے تھے۔

یہ ایک بڑا منافق تھا، کفار نے جب بھی اہلِ اِسلام پر حملہ کیا یہ اُن کے ساتھ برابر کا شریک تھا۔ تبوک اور خیبر میں اِس کا ہاتھ تھا۔ حنین کے بعد جب ابو عامر نے محسوس کر لیا کہ اب عرب کی کوئی طاقت اِسلام کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تو بھاگ کر ملکِ شام پہنچا اور منافقینِ مدینہ کو خط لکھا کہ: مَیں قیصرِ رُوم سے مل کر ایک لشکرِ جرار محمد (ﷺ) کے مقابلہ میں لانے والا ہوں جو مسلمانوں کو بالکل پامال کر کے چھوڑے گا۔ (اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہ) تم فی الحال ایک عمارت مسجد کے نام سے بنالو جہاں نماز کے بہانے سے جمع ہو کر اِسلام کے خلاف ہر قسم کے سازشی مشورے ہو سکیں اور قاصد تم کو وہیں میرے خطوط وغیرہ پہنچا دیا کرے اور مَیں بذاتِ خود آؤں تو ایک موزوں جگہ ٹھہرنے اور ملنے کی ہو۔ یہ خبیث مقاصد تھے جس کے لیے مسجدِ ضرار تعمیر ہوئی اور حضور ﷺ کے رُوبرو بہانہ یہ کیا کہ: یا رسول اللہ (ﷺ)! خدا کی قسم! ہماری نیت بُری نہیں بل کہ بارش اور سردی وغیرہ میں بالخصوص بیماروں، ناتوانوں اور اَربابِ حوائج کو مسجدِ قباء تک جانا دُشوار ہوتا ہے اِس لیے یہ مسجد بنائی گئی ہے تا کہ نمازیوں کو سہولت ہو اور مسجدِ قباء میں مکان کی تنگی کی شکایت نہ رہے۔ آپ (ﷺ) ایک مرتبہ وہاں چل کر نماز پڑھ لیں تو ہمارے لیے موجبِ برکت و سعادت ہو۔ یہ کام اُنہوں نے اِس لیے کیا تا کہ حضور ﷺ کا طرزِ عمل دیکھ کر بعض سادہ دل مسلمان حُسنِ ظن کی بناء پر اُن کے جال میں پھنس جائیں۔ آپ ﷺ اُس وقت تبوک جانے کے لیے پابرکاب تھے۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو واپسی پر ایسا ہو سکے گا۔ جب حضور ﷺ تبوک سے واپس ہو کر بالکل مدینہ کے نزدیک پہنچ گئے تب جبرئیل علیہ السلام یہ آیات لے کر آئے جن میں منافقین کے ناپاک اَغراض پر مطلع کر کے مسجدِ ضرار کا پول کھول دیا گیا۔

"معالم التنزیل" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: آپ ﷺ نے مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ اور معن بن عدی رضی اللہ عنہ، وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ اور عامر بن سکن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ: اِس مکان کو گرا کر پیوندِ زمین بنا دو۔ اُنہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اِس طرح منافقین اور ابو عامر فاسق کے سب اَرمان دل کے دل میں رہ گئے اور ابو عامر اپنی دُعا اور حضور ﷺ کی "آمین" کے موافق قنسرین ملکِ شام میں تنہا سخت بے کسی کی موت مَرا۔

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ ـــ الآیۃ:

اِرْصَاد کا معنی ہے: "مورچہ، اڈہ"۔ لِمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ سے مُراد ابو عامر راہب ہے۔

وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰی ـــ الآیۃ:

سوال لفظِ حُسْنٰی ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ حُسْنٰی موصوف محذوف کی صفت ہے۔ اَیْ اَلْفَعْلَةَ الْحُسْنٰی یعنی (کارروائی) اَلْاِرَادَةَ الْحُسْنٰی، اَلْخَصْلَةَ الْحُسْنٰی۔

لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا ـــ الآیۃ ﴿۱۰۸﴾:

آپ ﷺ نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا جن میں معن ابن عدی رضی اللہ عنہ، مالک ابن دخشم رضی اللہ عنہ، عامر ابن سکن رضی اللہ عنہ، وحشی ابن حرب رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ اِن حضرات نے مسجدِ ضرار کو آگ لگا دی۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ ـــ الآیۃ ﴿۱۰۹﴾:

لفظِ شَفَا، شِین کے فتحہ سے ہو تو معنی ہے: "کنارہ" اور اگر شِین کے کسرے سے ہو تو معنی ہے: "صحت"۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔۔۔الآیۃ (۱۱۱):

ربط: اُوپر منافقین کا ذکر تھا جو جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے اور آگے مؤمنین کا ذکر ہے جو غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے تھے۔

سوال: لفظِ اِشْتَرٰی یہاں پر حقیقی معنی میں ہے یا مجازی معنی میں؟

جواب: لفظِ اِشْتَرٰی یہاں پر مجازی معنی میں ہے کیوں کہ شِرَاءُ المِلکِ غیر میں ہوتا ہے اور مؤمنین کی جان بھی رب کی مِلک ہے۔ اِس سے زیادہ سُود مند تجارت اور عظیم الشان کامیابی کیا ہوگی کہ ہماری حقیر سی جانوں اور فانی اَموال کا خداوندِ قدوس خریدار بنا؟!! ہماری جان و مال جو فی الحقیقت اُسی کی مملوک مخلوق ہے محض اَدنیٰ ملابست سے ہماری طرف نسبت کر کے مبیع قرار دیا۔

بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔۔۔الآیۃ:

بِاَنَّ میں بَاء عِوض کے لیے ہے۔

وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ وَعْدًا مفعولِ مطلق ہے۔ اَیْ وَعَدَ اللّٰہُ وَعْدًا۔ اور لفظِ حَقًّا بھی مفعولِ مطلق ہے۔ اَیْ حَقَّ اللّٰہُ حَقًّا۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ۔۔۔الآیۃ (۱۱۲):

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے جانیں خرید لی ہیں، اب مؤمنین کون ہیں؟ اُن کا ذکر ہے۔

سوال: لفظِ تَآئِبُوْن ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب: لفظِ تَآئِبُوْن مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ اَیْ ھُمُ التَّآئِبُوْنَ۔

سوال: لفظِ سَآئِحُوْنَ سے کون لوگ مُراد ہیں؟

جواب: لفظِ سَآئِحُوْنَ کے متعلق "تفسیر کبیر، روح المعانی، ابو سعود، خازن" وغیرہ میں چند تفسیریں لکھی ہیں:

① سَآئِحُوْنَ اَیْ صَآئِمُوْنَ۔ روزے دار مُراد ہیں۔ اِس کی دلیل حدیث شریف ہے کہ: سِیَاحَۃُ اُمَّتِیَ الصَّوْمُ ❶

② سَاحَ، یَسِیْحُ، سِیَاحَۃً چلنے والے۔ اِس سے مُراد ہجرت کرنے والے، جہاد کرنے والے ہیں۔

③ لفظِ سَآئِحُوْنَ سے طلباءِ علم مُراد ہیں۔

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا۔۔۔الآیۃ (۱۱۳):

ربط: مؤمن کافروں سے لڑتے ہیں اور مؤمنوں کی شان یہ ہے کہ: وہ کافروں اور مشرکوں کے لیے دُعا بھی نہ کریں۔

شانِ نزول: بعض روایات میں ہے کہ: یہ آیت آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض اَحادیث میں مذکور ہے کہ: آپ ﷺ کے چچا ابو طالب (عبد مناف نام تھا، ابو طالب کنیت تھی) کے حق میں اُتری۔ "بخاری و مسلم" میں روایت ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ: جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو نبی کریم ﷺ نے پھر بھی اِسلام کی دعوت دی مگر اُس نے قبول نہ کی اور کہا کہ: اے بیٹے! اگر مَیں یہ کلمہ کہہ کر اِسلام قبول کروں تو یہ لوگ مجھے طعنہ دیں گے کہ: دیکھو! آگ سے ڈر گیا یعنی اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا تو مَیں ضرور اِیمان لاتا اور لَاَقْرَرْتُ عَیْنَیْكَ۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اُن کے بہت قصیدے نقل کیے ہیں مثلاً: وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِیْنَ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْ خَیْرِ اَدْیَانِ الْبَرِیَّۃِ دِیْنًا۔

لیکن!!! اِسلام جاننے کا نام نہیں بل کہ ماننے کا نام ہے۔ ایسے بہت سے قصیدے ہیں یعنی وہ نبی ﷺ کو حق سمجھتے تھے۔

بہر حال شانِ نزول کچھ بھی ہو حکم یہ ہے کہ: کفار و مشرکین کے حق میں جن کا خاتمہ کفر و شرک پر معلوم ہو جائے اِستغفار جائز نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُس کی طرف اِشارہ فرماتے ہیں کہ: مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ۔۔۔الآیۃ۔

سوال: اِس آیت سے معلوم ہوا کہ: نبی کو حق نہیں پہنچتا کہ مشرک کے لیے بخشش مانگے حال آں کہ ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنے والد کے لیے مغفرت مانگی تھی؟

جواب: اِس سے اگلی آیت میں اِس کا جواب ہے کہ: وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰھِیْمَ۔۔۔الآیۃ ❷ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے وعدہ کیا تھا کہ: مَیں آپ کے لیے اِستغفار کروں گا لیکن بعد میں وہ اِس عمل سے رُک گئے۔

❶ (روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و سبع المثانی تفسیر سورۃ المائدۃ، رقم الآیۃ ۸۲ تا ۹۶، ج ۴، ص ۹، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت)

❷ (سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ، ۱۱۴)

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱۴﴾:

سوال مِنْهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① مِنْهُ کی "ہٗ" ضمیر آبؑ کی طرف راجع ہے۔

② مِنْهُ کی "ہٗ" ضمیر اِسْتِغْفَار کی طرف راجع ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱۵﴾:

آگے فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے تو اِتمامِ حجت کی ہے یعنی بات مجمل اور گول مول نہیں چھوڑی ہے بل کہ ہر بات واضح طور پر بیان کی ہے۔

وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱۷﴾:

ربط: ماقبل سے غزوۂ تبوک کی بات چلی آرہی ہے تو اُسی کا تتمہ ہے۔

سوال غزوۂ تبوک کو سَاعَةُ الْعُسْرَة کیوں کہتے ہیں؟

جواب غزوۂ تبوک کو سَاعَةُ الْعُسْرَة اِس لیے کہتے ہیں کہ: اِس غزوہ میں سخت گرمی تھی، سفر بہت طویل تھا۔ تمام تفسیروں میں ملے گا کہ: ایک ایک کھجور دو، دو (۲،۲) آدمیوں میں تقسیم ہوتی تھی، ایک اُونٹ دس، دس (۱۰،۱۰) آدمیوں کے لیے ہوتا، بہت پیاس تھی، اکثر لوگوں کی جانیں خطرے میں تھیں۔

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱۸﴾:

ربط: عام لوگوں کی ذمہ داری کم ہوتی ہے، اِس لیے اُن کی توبہ جلدی قبول فرمائی اور خاص کی تو ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے اِس لیے اُن کی توبہ بعد میں قبول فرمائی۔

تو خاص اور عام کا فرق ہوتا ہے، تسبیح میں دیکھو! محراب بھی کہتے ہیں، اِمام بھی کہتے ہیں، یہ خاص ہے اِس کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے۔ دیکھو نا! اِس میں دو (۲) دھاگے ہوتے ہیں اور باقی دانے عام ہیں، ذمہ داری کم ہے اِس لیے ایک دھاگہ ہوتا ہے۔ تو جتنے خاص ہوتے ہیں اتنی ہی پابندیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ یہ تین (۳) اَفراد "کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ اور مُرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ" باوجود مؤمنِ مخلص ہونے کے محض تنِ آسانی اور سہل انگاری کی بناء پر بدونِ عذرِ شرعی کے تبوک میں شرکت سے محروم رہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو نہ اُنہوں نے منافقین کی طرح جھوٹے عذر پیش کیے اور نہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اپنے آپ کو ستونوں سے باندھا۔ جو واقعہ تھا صاف صاف عرض کر دیا اور اپنی کوتاہی اور تقصیر کا اِعلانیہ اِعتراف کیا۔

سوال خُلِّفُوْا کا کیا معنی ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) اَقوال ہیں:

① اُن کے نَفْسِ اَمَّارَة نے اُن کو پیچھے چھوڑ دیا۔

② "بخاری شریف" میں خُلِّفُوْا کا معنی یہ لکھا ہے کہ: اُن کا معاملہ پیچھے چھوڑ دیا گیا اور اُن کی توبہ جلدی قبول نہیں ہوئی۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۠:

پچاس (۵۰) دن بعد اللہ تعالیٰ نے اُن تین (۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توبہ قبول فرمائی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱۹﴾:

ربط: پہلے اُن مخلصین اور اُن منافقین کا ذکر تھا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں دیا اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے اِیمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

وَلَا يَرْغَبُوْا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ۔۔۔ الآیۃ:

رَغِبَ کا صلہ بَاء یا فِیْ آجائے تو معنی ہے: "عزیز سمجھنا" اور اگر عَنْ آجائے تو معنی ہے: "اِعراض کرنا"۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ؀:

سوال: اَحْسَنَ اِسمِ تفضیل ہے اِس کا بہ ظاہر مطلب تو یہ ہوگا کہ: بہت سے اَچھے اَعمال کا بدلہ اُن کو دیں گے اور محض حَسَن یعنی اَچھے اَعمال کا بدلہ نہیں دیں گے؟

جواب: اِس کے تین (۳) جواب ہیں:

① "تفسیر جلالین، کمالین، جمل" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: یہ اِسمِ تفضیل نفسِ فعل کے معنی میں ہے۔

② یہ اَحْسَن، جَزَآءً کی صفت ہے اَیْ جَزَآءً حَسَنًا یعنی اللہ تعالیٰ عملِ اَحْسَن کا اَچھا بدلہ دیتا ہے۔

③ یہ ترغیب ہے کہ بہت اَچھے اَعمال کرو۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے خوب ملامت کردی۔ آگے فرماتے ہیں کہ: اگر نبی کریم ﷺ بہ نفس نفیس جہاد کے لیے تشریف لے جارہے ہوں تو ہر قوم میں سے جو جماعت آپ ﷺ کے ہمراہ نکلے گی وہ حضور ﷺ کی صحبت میں رہ کر اور سینکڑوں حوادث و واقعات میں سے گذر کر دین اور اَحکامِ دینیہ کی سمجھ حاصل کرے گی اور واپس آکر اپنی باقی ماندہ قوم کو مزید علم و تجربہ کی بناء پر بھلے بُرے سے آگاہ کرے گی اور فرض کیجیے کہ اگر حضور ﷺ خود مدینہ میں رُونق اَفروز رہے تو باقی ماندہ لوگ جو جہاد میں نہیں گئے حضور ﷺ کی خدمت سے مستفید ہو کر دین کی باتیں سیکھیں گے اور مجاہدین کی غیر موجودگی میں جو وحی و معرفت کی باتیں سنیں گے اُن کو واپسی کے بعد خبردار کردیں گے۔

مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ۔۔۔ الآیۃ:

سوال: طَآئِفَۃ کا اِطلاق کتنے اَفراد پر ہوتا ہے؟

جواب: اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① اِمام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ایک فرد کو بھی طَآئِفَۃ کہتے ہیں۔

② "تفسیر دُرِّ منثور" میں لکھا ہے کہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَلطَّآئِفَةُ وَاحِدٌ اِلَى الْاَلْفِ۔ طَآئِفَۃ میں ایک سے لے کر ہزار (۱۰۰۰) تک اَفراد ہوتے ہیں۔

③ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اَلطَّآئِفَةُ الرَّجُلُ وَاحِدًا فَصَاعِدًا۔ ایک اور ایک سے زیادہ اَفراد کو طَآئِفَۃ کہا جاتا ہے۔

لِيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ۔۔۔ الآیۃ:

آیت کے اِس جملہ سے معلوم ہوا کہ: تَفَقُّه فِي الدِّيْنِ بڑی چیز ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ؀:

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور عذاب سے بچ جاتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر جہاد کا ذکر تھا، اب آگے جہاد کی ترتیب بتاتے ہیں کہ: جہاد کی ترتیب یہ ہونی چاہیے کہ: پہلے جو کافر تمہارے قریب ہیں اُن کا صفایا کرو پھر دُور والوں کی طرف جاؤ۔

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ۔۔۔ الآیۃ:

چھٹے (۶) پارہ میں شعر گزرا ہے کہ۔

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شور بوم وخست

ترجمہ: بارش سب جگہ ایک ہی جیسی ہوتی ہے لیکن باغ میں پھول اُگاتی ہے اور جنگل میں جھاڑیاں اُگاتی ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲۸﴾:

یعنی جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے پاس آئے ہیں وہ بشر ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور اُن کے حسب ونسب، اَخلاق واَطوار اور دیانت واَمانت سے تم خوب واقف ہو۔

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال یہ مَا کون سا ہے؟

جواب اس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بعض حضرات کہتے ہیں کہ: مَا موصولہ ہے۔ اَیْ مَا عَنِتُّمْ فِيْهِ۔ جس مشقت میں تم مبتلا ہوئے ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار گزرتی ہے۔

② صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ: یہاں مَا مصدریہ ہے۔ تمہارا مشقت میں پڑنا۔

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

جتنے بھی بندے ہیں مسلمان ہو جائیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ جنّت میں جائیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲۹﴾:

"ابوداؤد" میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جو شخص صبح وشام سات سات (۷، ۷) مرتبہ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔ پڑھتا ہے خدا اُس کے تمام ہموم وغموم کے لیے کافی ہو جائے گا اور اُس کی پریشانی دُور ہوگی۔[1]

تَمَّتْ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَحُسْنِ تَوْفِيْقِهٖ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيَّ وَاجْعَلْ لِيْ بَرَاۗءَةً مِّنَ النَّارِ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

[1] (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب مایقول اذا اصبح، ج ۲، ص ۳۵۲، طبع حسن، لاہور)

اٰیَاتُهَا (۱۰۹) (۱۰) سُوْرَۃُ یُوْنُس مَکِّیَّۃٌ (۵۱) رُکُوْعَاتُهَا (۱۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں تین (۳) مضامین:

① کتاب۔ ② رسالت۔ ③ توحید۔

کا ذکر تھا اور اُسی ترتیب سے اِس سورۃ میں اُن تین (۳) باتوں کا بیان ہے یعنی پہلے کتاب، پھر رسالت، پھر توحید کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ یُوْنُس ہے اور یونس بن متّٰی علیہ السلام پیغمبر ہیں۔

الٓرٰ۔۔۔ الآیۃ ①:

اَلِف سے مُراد اللہ، لَام سے مُراد لَطِیْفٌ، رَاء سے مُراد اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ٥:

لفظِ حَكِیْم کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① حکمت والا، دانائی والا۔ ② اَٹل یعنی مضبوط۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ۔۔۔ الآیۃ ②:

لفظِ عَجَبًا، کَانَ کی خبرِ مقدم ہے اور اَنْ اَوْحَیْنَاۤ اِسمِ مؤخر ہے۔

اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① "بخاری شریف" میں کتاب التفسیر میں زید بن اسلم رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ: اِس سے مُراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اَقدس ہے۔

② علامہ سیوطی رحمہ اللہ، علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: قَدَمَ صِدْقٍ اَیْ سَلَفَ صِدْقٍ یعنی وہ نیکی اور سچائی کا عمل جس کو اس نے آخرت کے لیے بھیجا ہے۔

③ قیامت کے دن سچائی کا قدم اُن کو حاصل ہوگا یعنی مستقیم ہوگا اور کانپتا نہ ہوگا۔

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔۔۔ الآیۃ ③:

اِسلام کے بنیادی عقیدوں میں سے یہ ہے کہ: مُتَصَرِّفُ الْاُمُوْر صرف اللہ تعالیٰ ہے اور تمام کاموں کی تدبیر و اِنتظام اُسی کے ہاتھ میں ہے۔

احمد رضا خان بریلوی نے کہا۔

اَحد سے اَحمد کو اور اَحمد سے تجھ کو ہر کُن اور مَہ کُن حاصل ہے یا غوث (اَلْعِیَاذُ بِاللہ)

"حدائق بخشش" میں وہ لکھتا ہے کہ۔

ذی تصرّف بھی ہے مختار بھی، مَاْذُوْن بھی ہے کارِ عالَم کا مدبر بھی ہے عبد القادر

"الامن والعلی" میں لکھا ہے کہ: سورج طلوع نہیں ہوتا جب تک شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کو سلام نہیں کرتا۔

(لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ) حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تو ۴۹۴ھ میں پیدا ہوئے ہیں اور ۵۶۱ھ اُن کی تاریخِ وفات ہے۔ تو اِس سے پہلے جب سورج طلوع ہوتا تھا تو کس کو سلوٹ مارتا تھا؟!!

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۴﴾:

لفظ مَرْجِعُكُمْ مصدرِ میمی ہے یا ظرف کا صیغہ ہے۔

لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۔۔۔الآیۃ:

دیکھیے! دُنیا کی کوئی بھی حکومت ایسی نہیں کہ وفادار اور غدّار کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرے اور وفادار کو وفاداری کی جزاء و اِنعام اور غدّار کو غداری کی سزا نہ دے۔ تو اگر خدانخواستہ قیامت نہ آئے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں ایسے مجرم ہیں کہ اُن کو جرموں کی سزا نہ ملی اور صالحین کو بھی بدلہ نہ ملا۔ تو اگر قیامت نہ آئی تو کیا پتہ لگے گا کہ: یہ صالح ہے اور یہ مجرم ہے؟ یہ نظامِ عالَم جو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے یہ اَندھیر نگری تو نہیں۔ اگر قیامت نہ ہوتی تو پھر حکومتِ ایزدی اندھیر نگری ہوتی۔ تو اِس لیے فرماتے ہیں: لِیَجْزِیَ ۔۔۔ الآیۃ

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً ۔۔۔الآیۃ ﴿۵﴾:

سوال لفظ ضِیَآءً کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "تفسیر کبیر" میں لکھا ہے کہ: ضِیَآءً جمع ہے ضَوْءٌ کی جیسے صِیَاتٌ جمع ہے صَوْتٌ کی، حِیَاضٌ جمع ہے حَوْضٌ کی۔

② ضِیَآءً مصدر ہے تو مضاف محذوف ہے۔ اَیْ ذَاتَ ضِیَآءٍ۔

وَالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ ۔۔۔الآیۃ:

کہتے ہیں کہ: چاند کے دَورے کی تقسیم کر کے اٹھائیس (۲۸) منزلیں علمائے ہیئت نے مقرر کی ہیں، جو بارہ (۱۲) برج پر منقسم ہیں۔

وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾:

لَاٰیٰتٍ کا معنی ہے: "دلائل" اور یَتَّقُوْنَ سے مُراد شرک اور کفر سے بچنا ہے۔ اَیْ یَتَّقُوْنَ الشِّرْكَ وَالْكُفْرَ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۷﴾:

اَلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ۔۔۔ وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۔۔۔ وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا ۔۔۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۔۔۔ یہ سب اِنَّ کے اِسم ہیں اور اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۔۔۔الآیۃ❶ یہ اِنَّ کی خبر ہے۔

دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰﴾:

جیسے ہم سانس لیتے ہیں تو ہمیں کوئی دِقّت تو نہیں ہوتی تو وہاں جنّت میں جنّتیوں کی زبان پر تکوینی طور پر سُبْحَانَ اللہ جاری ہوگا نہ کہ تکلیفی طور پر۔

وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۔۔۔الآیۃ:

صاحبِ جمل رحمہ اللہ تَحِیَّة کا معنی کرتے ہیں: اَلتَّحِیَّةُ اَلدُّعَآءُ بِالْحَیَاةِ یہ لغوی معنی ہے اور اِصطلاح میں مثلاً: "ہر کلہ راشہ، خوش آمدید، جی آیانوں" وغیرہ۔

وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱﴾:

ربط: "تفسیر کبیر، ابوسعود، بیان القرآن، سبق الغایات فی نسق الآیات" میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے گزرا کہ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۔۔۔الآیۃ❷ تو وہ کہتے تھے کہ: لاؤ یہ عذاب تاکہ تمہارے لیے میدان صاف ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اگر اُن کا یہ شر اُن کو جلدی سے پہنچا دیں تو اُن کی اَجل پہلے سے آتی اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم و فرد کے لیے اَجل مقرر کی ہے۔

سوال لفظ اِسْتِعْجَالَهُمْ ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب لفظ اِسْتِعْجَالَهُمْ منصوب بنزع الخافض ہے۔ اِسْتِعْجَالَهُمْ اَیْ كَاسْتِعْجَالِهِمْ۔

---

❶❷ (سورۃ یونس ۸)

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲﴾:

لفظِ اِنْسَان کی صفت اَلْکَافِر محذوف ہے۔ اَیْ اَلْاِنْسَانَ الْکَافِرَ۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ۔۔۔ الآیۃ:

كَاَنْ اَیْ كَاَنَّهٗ۔

وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵﴾:

ربط: "تفسیر کبیر، سبق الغایات فی نسق الآیات" میں یہ ربط لکھا ہے کہ: سورۃ کی ابتداء میں قرآن کا ذکر تھا کہ: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝● اب اُس کتابِ حکیم کے متعلق اِرشاد ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ۔۔۔ الآیۃ:

"ایک اور قرآن لاویں یا اِس میں ترمیم کر کے لاویں" یعنی قرآن پاک کی عام پند و نصیحت تو بہت سے پسند کرتے، لیکن بت پرستی یا اُن کے مخصوص عقائد و رسوم کا رد ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ: اپنے خدا سے کہیں کہ: یا تو دوسرا قرآن آئے جس میں یہ مضامین نہ ہوں اور اگر یہی قرآن رہے تو اتنے حصہ میں ترمیم کر دیجیے جو بت پرستی وغیرہ سے متعلق ہے۔

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ۔۔۔ الآیۃ:

مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اَیْ مِنْ جَانِبِ نَفْسِيْ۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۶﴾:

سوال تَلَوْتُهٗ کی "ۃ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب تَلَوْتُهٗ کی "ۃ" ضمیر مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔۔۔ الآیۃ ● کی طرف راجع ہے۔

وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ اَدْرٰى بابِ اِفْعَال سے ماضی غائب کا صیغہ ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸﴾:

فقہائے کرام بڑی شخصیت ہوتے ہیں، فقہی بننا کوئی آسان کام نہیں۔ علامہ شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "مَا مِنْ فَنٍّ اِلَّا وَلِيْ فِيْهِ رَأْيٌ اِلَّا الْفِقْهَ لَا نَّنِيْ فِيْهِ الْمُقَلِّدُ"۔ تو فقہ ایک مشکل ترین فن ہے اور فقہاء کرام اُمت کے بڑے اَفراد ہوتے ہیں۔

مسئلہ "البحر الرائق، فتاویٰ بزازیہ" میں لکھا ہے کہ: مَنْ قَالَ اَرْوَاحُ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ فَهُوَ كَافِرٌ۔ جس نے کہا کہ: "بزرگوں کے اَروح حاضر ہیں تو وہ کافر ہے"۔

قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① يَعْلَمُ کی ضمیر بسوئے لفظِ اللّٰه راجع ہے۔ معنی ہوگا کہ: "کیا تم اللہ تعالیٰ کو خبر دیتے ہو اُس چیز کی جس کا اللہ تعالیٰ کو علم نہ ہو"، تو جب اللہ تعالیٰ کو اپنے شریک کا علم نہیں، تو اِنتفائے علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا شریک بھی نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر چیز پر علم لازم ہے اور شریک تو بھی کوئی شے ہے تو اُس پر علم ملزوم اور اِنتفائے لازم اِنتفائے ملزوم کو مستلزم ہے۔

② "البحر المحیط، روح المعانی، کبیر" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: يَعْلَمُ کی ضمیر بسوئے مَا راجع ہے۔ معنی ہوگا کہ: "کیا تم خبر دیتے ہو اللہ تعالیٰ کو اُس مخلوق کی جس مخلوق کو علم نہیں آسمان اور زمین کا" اور جس مخلوق کو علم نہ ہو تو وہ معبود کیسے بن گئی؟

● (سُوْرَۃُ یُوْنُس، ۱) ● (سُوْرَۃُ یُوْنُس، ۱۵)

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۔۔۔ الآیۃ (۱۹):

لفظ اُمَّةً وَّاحِدَةً کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ تک لوگ ایک اُمت تھے۔

② حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عمرو ابن لحی ابن قمع تک ایک اُمت تھی۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۲۱):

ربط: اُوپر بھی شرک کا رد تھا اور آگے بھی مشرک لوگوں کی تردید ہے۔

سوال نَاس سے کون لوگ مُراد ہیں؟

جواب نَاس سے مشرکین لوگ مُراد ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ ۔۔۔ الآیۃ (۲۲):

كُنْتُمْ میں خطاب ہے اور بِهِمْ یہ غائب ہے۔ تو اِس کو التفات کہتے ہیں، یہاں مخاطب سے غائب کی طرف التفات کیا ہے۔

"تفسیر ابن کثیر" میں اور صحاح ستہ کی مرکزی کتاب "نسائی شریف" میں روایت ہے کہ: سن ۸ ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا، فتح مکہ کے بعد ابوجہل کا بیٹا حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جو اُس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، مکہ سے بھاگ کر بحری سفر اختیار کیا، تھوڑی دُور جا کر کشتی کو طوفانی ہواؤں نے گھیر لیا، کسی نے کہا يَا لَاتُ اَغِثْنِيْ، يَا عُزّٰى اَغِثْنِيْ۔ ملّاح نے مسافروں سے کہا کہ: ایک خدا کو پکارو، یہاں تمہارے معبود کچھ کام نہ دیں گے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: یہی تو وہ خدا ہے جس کی طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو بلاتے ہیں اور اگر دریا میں ربِّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بدون نجات نہیں مل سکتی تو خشکی میں بھی اُس کی دستگیری اور اعانت کے بغیر نجات پانا محال ہے۔ اے خدا! اگر تُو نے اِس مصیبت سے نکال دیا تو میں واپس جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دوں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ: وہ اپنے اخلاقِ کریمہ سے میری تقصیرات کو معاف فرمائیں گے۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ رضی اللہ عنہ [1]

تو مشرکین سختی میں تو صرف اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے، اب کے لوگ تو مشرکین سے بھی سخت ہیں!! آسانی تو آسانی!! سختی میں بھی اللہ تعالیٰ سے اِمداد طلب نہیں کرتے۔ اِس آیت میں اُن مدعیانِ اسلام کے لیے بڑی عبرت ہے جو جہاز کے طوفان میں گھر جانے کے وقت بھی خدائے واحد کو چھوڑ کر غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔

مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔۔۔ الآیۃ (۲۳):

سوال لفظ مَتَاعَ ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب "تفسیر بیضاوی" میں لکھا ہے کہ: لفظ مَتَاعَ فعلِ محذوف کے لیے مفعول مطلق ہے۔ اَیْ يَتَمَتَّعُوْنَ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ ۔۔۔ الآیۃ (۲۴):

معبرین فرماتے ہیں: خواب میں اگر کوئی شخص پانی دیکھے، اگر وہ پانی صاف ہو تو زندگی صاف اور اگر گندہ ہو تو زندگی گندی ہوگی۔

كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ۔۔۔ الآیۃ:

بعض كَاَنَّهَا لَمْ فرماتے ہیں۔ بعض كَاَنَّهٗ لَمْ فرماتے ہیں۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۔۔۔ الآیۃ (۲۶):

سوال حُسْنٰى اور زِيَادَة سے کیا مُراد ہے؟

جواب "کبیر، روح المعانی، بیضاوی" وغیرہ تفسیروں میں تین (۳) آسان تفسیریں لکھی ہیں:

① حُسْنٰى سے مُراد ایک نیکی اور زِيَادَة سے مُراد نو (۹) نیکیاں اِضافی ملیں گی۔ جیسا کہ اِرشاد ہے:

---

[1] (سنن النسائی، کتاب المحاربۃ تحریم الدم، باب حکم المرتد، ج ۲، ص ۱۶۹، طبع قدیمی، کراچی)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ۔۔۔الآیۃ ❶

اِسی طرح اگر کوئی فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ ایک نیکی کرے تو اُس کو سات سو (۷۰۰) گنا اجر ملتا ہے۔ایک تو اُس نیکی کا جو اُس نے کی ہے اور باقی چھ سو ننانوے (۶۹۹) اللہ اپنی طرف سے دیں گے۔

② "مسلم شریف" میں روایت ہے کہ: حُسْنٰی سے مُراد جنّت اور زِیَادَۃ سے مُراد اَلنَّظْرُ اِلٰی وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔حق تعالیٰ کی ذات کا دیدار ہے۔"زِیَادَۃ" کی تفسیر "دیدار مبارک" سے کئی اَحادیثِ صحیحہ میں وارد ہوئی ہے اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ سے منقول ہے۔

③ "تفسیر دُرِّ منثور" میں لکھا ہے کہ: حُسْنٰی سے مُراد جنّت ہے، زِیَادَۃ سے مُراد حور ہیں۔اللہ تعالیٰ جنّتی کو جوڑ عطا فرمائیں گے اور کچھ دن بعد اور حور دیں گے۔تو جنّتی کہے گا کہ: آپ کہاں سے آئی ہو؟ وہ کہیں گی کہ: اَنَا مِنَ الْمَزِیْدِ۔

كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ۔۔۔الآیۃ ۞:

لفظِ قِطَعًا، قِطْعَةٌ کی جمع ہے۔معنی ہے: "ٹکڑا"۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ ۔۔۔الآیۃ ۞:

سوال مَكَانَكُمْ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب مَكَانَكُمْ کا نصب عَلَی الْاِغْرَاء ہے۔اَیْ اِلْزَمُوْا مَكَانَكُمْ۔

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۔۔۔الآیۃ:

زَيَّلْنَا، مَيَّزْنَا کے معنی میں ہے۔

اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۞:

"تفسیر روح المعانی، مظہری، بیان القرآن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اگر یہ معبود بُت ہوں تو اُن کا غافل ہونا توصحیح ہے اور اگر ملائک اور انبیاء کرام علیہم السلام وغیرہ مُراد لیے جائیں تو اُن کا علم محیط نہیں کہ کون عبادت کرتا ہے؟ کہاں کرتا ہے؟ کب کرتا ہے؟ اور جنّت میں مزوں میں ہے؟ وغیرہ تو اس سے باخبر تو نہیں تو اُن کا غافل ہونا بھی ٹھیک ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ ۞:

ربط: اُوپر شرک کا رد تھا، آگے توحید کا بیان ہے۔فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کی توحید اتنی ظاہر ہے کہ: دیکھو! اللہ تعالیٰ زمین سے غلہ اُگاتا ہے، آسمان سے بارش نازل فرماتا ہے، مُردہ کو زندہ سے اور زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے؟ وغیرہ۔اگر تُو اُن سے پوچھے کہ: یہ کون کرتا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ: یہ سب اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے ظالمو! یہ جانتے بھی ہو کہ: ہر چیز کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے تو شرک سے کیوں باز نہیں آتے؟

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۞:

لفظِ اَللّٰہ فاعل ہے اُس کو یَبْدَؤُا فعل پر مقدم کیا ہے تاکہ حصر کا فائدہ حاصل ہو۔

اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ۔۔۔الآیۃ ۞:

لفظِ یَهِدِّیْ اَصل میں یَهْتَدِیْ تھا۔معنی ہے: "جو ہدایت نہیں پا سکتا"۔

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۚ۔۔۔الآیۃ ۞:

منکرینِ حدیث کا غلط اِستدلال: منکرینِ حدیث (خَذَلَهُمُ اللّٰهُ فِی الدَّارَیْنِ) کہتے ہیں کہ: حدیث ظنی ہے اور قرآن کہتا ہے: اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۔۔۔الآیۃ حق کے مقابلے میں کوئی کفایت نہیں کرسکتا لہٰذا حدیث کا ہم اِنکار کرتے ہیں اور ظنی چیز کا اِنکار کیا جاسکتا ہے۔

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

---

❶ (سُوْرَۃُ الْاَنْعَام، ۱۶۰)

① پہلی بات یہ ہے کہ: تمام اَحادیث کو ظنی کہنا یہ دجل اور تلبیس ہے، اَحادیث متواتر قطعی بھی ہیں۔

تواتر کی چار (۴) قسمیں ہیں:

① تواتر لفظی۔ ② تواتر معنوی۔ ③ تواتر طبقہ۔ ④ تواتر توارث۔

تو تمام اَحادیث کو ظنی کہنے والے بالکل زندیق اور خبیث ہیں۔ "شوقِ حدیث" کتاب میں ہم نے باحوالہ بحث کی ہے۔

② "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: فِیْمَا الْمَطْلُوْبُ فِیْهِ الْعِلْمُ یعنی عقیدہ میں ظن فائدہ نہیں دیتا، عمل میں ظن فائدہ دیتا ہے۔

وَتَفْصِیْلَ الْکِتٰبِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۷﴾:

سوال اِس کتاب سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ اَلْکِتَاب مصدر ہے اور مبنی للمفعول ہے۔ تفصیل ہے اُن اَحکام کی جو لکھے ہوئے ہیں۔

② "تفسیر البحر المحیط، کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اَلْکِتَاب سے لوحِ محفوظ مُراد ہے۔

③ اَلْکِتَاب سے پہلی کتابیں مُراد ہیں۔

وَاِنْ کَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَلَکُمْ عَمَلُکُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۱﴾:

ربط: اُوپر مُکَذِّبِیْن کا ذکر تھا کہ: بَلْ کَذَّبُوْا بِمَا لَمْ۔۔۔ الآیۃ ●۔ آگے بھی اُن مُکَذِّبِیْن کے بارے میں ہے کہ: اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کریں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خفا و پریشان نہ ہوں۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ کَانُوْا لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾:

"مُطَوَّل، مختصر المعانی، اسرار البلاغۃ" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: تشبیہ کے چار (۴) اَرکان ہیں:

① مشبہ۔ ② مشبہ بہ۔ ③ حرفِ تشبیہ۔ ④ وجہ تشبیہ۔

حرفِ تشبیہ کبھی حذف ہوتا ہے، کبھی ذکر ہوتا ہے۔ مثلاً: زَیْدٌ کَالْاَسَدِ، زَیْدٌ اَسَدٌ۔ قرآن کریم میں زندہ کافروں کو تین (۳) چیزوں بہروں، اَندھوں اور اَموات سے تشبیہ دی گئی ہے۔ زندہ کافر مشبہ صُمٌّ، عُمْیٌ، مَوْتٰی مشبہ بہ ہے۔ سارا جھگڑا وجہ تشبیہ میں ہے کہ وہ کیا ہے؟ باقی باتوں میں کسی کا اِختلاف نہیں۔ "الشہاب المبین، المسلک المنصور" میں لکھا ہے کہ: وجہ تشبیہ صرف ایک ہوتی ہے، زیادہ نہیں ہوتیں۔ مثلاً: زَیْدٌ اَسَدٌ میں وجہ تشبیہ شجاعت ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ: مشبہ بہ میں وہ وجہ عَلَی الْاَتَمِّ ہوتی ہے اور مشبہ میں اتنی نہیں ہوتی ہے۔ اَب زندہ کافروں کی تشبیہ صُمٌّ، عُمْیٌ اور مَوْتٰی سے دی گئی ہے، بعض علم سے ناموافق دوست کہتے ہیں کہ: وجہ تشبیہ عَدَمِ سَمَاع ہے (لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ) اگر یہ وجہ تشبیہ مان لی جائے تو اِس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ: زندہ کافر بھی نہیں سنتے یعنی اُن میں بھی عَدَمِ سَمَاع ہوگی اور اِس کا بطلان اَظْهَرُ مِنَ الشَّمْسِ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی یہ حکم خبری ہے، کیوں کر وجہ تشبیہ بن سکتا ہے حال آں کہ حکمِ خبری وجہ تشبیہ نہیں بن سکتا؟ اِس جگہ وجہ تشبیہ عَدَمِ اِنْتِفَاع ہے۔ "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: شَبَّهَهُمْ بِهِمْ فِیْ عَدَمِ الْاِنْتِفَاعِ بِمَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ۔ "جلالین، ابوسعود، بیضاوی" وغیرہ تمام تفاسیروں میں لکھا ہے اور ساتویں پارے میں "جلالین" میں بھی ہے، رکوع چوتھا سُوْرَۃُ الْاَنْعَام کا ختم ہوا ہے۔ "کافیہ" سے نیچے والے طلباء نہیں سمجھ سکتے۔ بعض دوستوں کو یہ مغالطہ ہے۔ شَبَّهَهُمْ بِهِمْ بِعَدَمِ السَّمَاعِ، وجہ تشبیہ عَدَمِ السَّمَاع ہے نہ کہ عَدَمِ سَمَاع یعنی مُعَرَّف بِاللَّام ہے۔ یعنی سَمَاعَ تَفَهُّمٍ وَّاعْتِبَارٍ پر ہے، اَلِف لَام عہدی ہے یا عوض مضاف الیہ ہے۔ مطلق سَمَاع مُراد نہیں یعنی اُس میں اَلِف لَام ہے نکرہ نہیں اور پہلی اُس نے سَمَاع کا معنی کیا ہے کہ: سَمَاعَ تَفَهُّمٍ وَّاعْتِبَارٍ وغیرہ۔

وَلَوْ کَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾:

یہ تشبیہ بھی عَدَمِ اِنْتِفَاع میں ہے۔

● (سُوْرَۃُ یُوْنُس، ۳۹)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ كَاَنَّهُمْ لَمْ يَلْبَثُوْا۔

سوال سَاعَةً، عَشْرًا، يَوْمًا، عَشِيَّةً کے مختلف الفاظ جگہ جگہ آئے ہیں تو ظاہراً تعارض معلوم ہوتا ہے؟

جواب اس کے دو (۲) ہیں:

① تعارض نہیں کیوں کہ قائل مختلف ہیں۔

② امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ تمام الفاظ تقلیل سے کنایہ ہیں۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر ابوسعود، جلالین" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ یہ شرط ہے جزاء اس کی محذوف ہے جو کہ فَذٰلِكَ ہے۔ اَیْ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ فَذٰلِكَ اور نَتَوَفَّيَنَّكَ کی جزاء فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ہے۔

آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝:

اَیْ يُقَالُ آٰلْئٰنَ تُؤْمِنُوْنَ۔ کہا جانے لگا کہ: اب تم ایمان لاتے ہو؟

قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ اِيْ حروفِ ایجاب میں سے ہے اور اس کا معنی ہے: "نَعَمْ (ہاں)" اور وَرَبِّيْٓ میں واؤ قسمیہ ہے معنی ہے: "میرے رب کی قسم یہ حق ہے"۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: واضح ہے اُوپر بھی قیامت کا ذکر تھا اور آگے بھی قیامت کا ذکر ہے۔

مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ۔۔۔ الآیۃ:

اگر اس ظالم نفس کے ساتھ تمام چیزیں اور خزانے ہوتے تو وہ اس دن کی سختی کی وجہ سے اُن سب خزانوں کو فدیہ کے طور پر دے دیتے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ۔۔۔ الآیۃ:

یہ کتاب کی عظمت ہے کہ یہ تمام چیزیں جو بیان کیں یہ نصیحت ہیں، دل کے بیماروں کے لیے نسخہ شفاء ہے، وُصُوْل اِلَى الله اور رضائے خداوندی کا راستہ بتاتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو دُنیا و آخرت میں رحمتِ الٰہیہ کا مستحق ٹھہراتا ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ۔۔۔ الآیۃ:

فضل سے مُراد اسلام ہے اَیْ بِالْاِسْلَامِ۔ رحمت سے مُراد قرآن ہے اَیْ بِالْقُرْاٰنِ۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر قیامت اور چیزوں کو اپنی مرضی سے حلال اور حرام کا ذکر تھا، آگے اللہ تعالیٰ اپنی وسعتِ علمی بیان فرماتے ہیں۔

وَمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ تَتْلُوْا مفرد کا صیغہ ہے۔ اَلِف رسم الخط میں ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝:

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: تقویٰ کا اعلیٰ فرد شرک سے بچنا ہے اور اَدنیٰ فرد خلافِ اَولیٰ سے بچنا ہے وَبَيْنَهُمَا مَرَاتِبُ۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ فِيْ حَالَةِ النَّزْعِ۔ یعنی حالتِ نزع میں اُس کو جنّت کا نقشہ دکھلایا جائے گا۔

وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ؕ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۵﴾:

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) احمقوں اور شریروں کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں، غلبہ اور زور سب خدا کے لیے ہے۔

وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۶﴾:

سوال اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ: جو بھی شرکاء ہیں، یہ مشرکین اُن کی عبادت نہیں کرتے اور حال یہ ہے کہ: مشرکین اُن کی عبادت کرتے ہیں؟

جواب "تفسیر کبیر، مدارک، السراج المنیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: جہاں شرکاء کی نفی ہے تو وہ نَفْسُ الْاَمْر کے اِعتبار سے ہے اِس طور پر کہ حقیقت میں اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ جہاں اثبات ہے وہ بِزَعْمِهِمْ ہے یعنی اُن مشرکین کے گمان میں یہ معبودانِ باطلہ اللہ کے شریک ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۷﴾:

"کشاف اور تمام تفاسیروں میں لکھا ہے کہ: اَبْصَار کی اِسناد نَهَار کی طرف مجازی ہے۔ لِاَنَّهٗ یُبْصَرُ فِیْهِ۔ اِس لیے کہ اُس دن میں دیکھا جاتا ہے وہ دن مُبْصِر نہیں بل کہ مُبْصِر تو خدا ہے۔

اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۸﴾:

یہاں لفظ اِنْ نافیہ ہے اَیْ مَا عِنْدَكُمْ۔

مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۰﴾:

اَیْ لَهُمْ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۱﴾:

ربط: اُوپر کفار کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کا ذکر تھا اب آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے کچھ واقعات بیان فرماتے ہیں کہ: مُكَذِّبِیْن تو دُنیا میں بہت ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی بھی تکذیب کی گئی۔

اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْكِیْرِیْ ۔۔۔ الآیۃ:

میرا ٹھہرنا یعنی میرا تمہارے اَندر رہنا بھاری ہے۔

ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝:

سوال لفظ اِلٰی کس معنی میں ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① کوفیین کے نزدیک اِلٰی بمعنی عَلٰی ہے یعنی تم فیصلہ کرو میرے خلاف۔

② "تفسیر ابو سعود، بیضاوی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: ثُمَّ اقْضُوْۤا اَیْ اَدُّوْۤا اِلَیَّ مجھ تک پہنچاؤ اپنا فیصلہ۔

فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۲﴾:

اگر تم میرے اِس چیلنج سے اِعراض کرتے ہو۔

كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ ﴿۷۴﴾:

یعنی جس طرح ہم نے اُن کے دلوں پر مہر لگائی ہے، اِسی طرح ہم حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی وَهٰرُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۵﴾:

یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے اور اُس کی وجہ گزر گئی ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اِس کثرت سے اِس لیے ذکر کرتے ہیں کیوں کہ سرزمین عرب پر دوسرے نمبر پر یہود کثرت سے تھے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۸﴾:

تَلْفِتَ، تَصَرُّف کے معنی میں ہے۔ اَیْ لِتَصْرِفَنَا تاکہ تُو ہمیں پھیر دے۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۱﴾:

سوال مَا کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① مَا موصولہ ہے۔ اَیْ اَلَّذِیْ جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ۔ جو چیز تم لائے ہو یہ جادو ہے۔

② مَا استفہامیہ ہے۔ اَیْ مَا جِئْتُمْ بِهٖ؟ تم کیا لائے ہو؟ جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ؟ جو چیز تم لائے ہو وہ جادو ہے؟

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۳﴾:

ربط: واضح ہے کہ اُوپر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کا ذکر چلا آ رہا ہے۔

سوال ذُرِّيَّةٌ کے کیا معنی ہیں؟

جواب علامہ بیضاوی رحمہ اللہ، علامہ ابو سعود رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ذُرِّيَّةٌ کے معنی ہیں: "نوعمر بچے" اور اِمام رازی رحمہ اللہ اِس کی معنی طَآئِفَةٌ قَلِيْلَةٌ کے کرتے ہیں۔

عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال مَلَا۟ئِهِمْ کی "هِمْ" ضمیر کہاں راجع ہے؟

جواب اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① فرعون کی فوج سے خوف تھا۔

② ذُرِّيَّة کی طرف راجع ہے یعنی کم عمر جو ایمان لائے تھے اُن کو اپنے بڑوں سے خوف تھا۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴿۸۵﴾:

رَبَّنَا اَیْ یَا رَبَّنَا۔

اِس آیت کے دو (۲) معنی ہیں:

① ہمیں ظالم قوم کے لیے تختۂ مشق نہ بنا۔

② "تفسیر کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: ہمیں اِتنا کمزور نہ بنا تاکہ یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی اِس لیے کمزور ہیں کیوں کہ یہ باطل پر ہیں۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۷﴾:

فرعون نے حکم دیا کہ: کوئی بھی نماز نہ پڑھے۔ اُس نے مسجدیں اور عبادت گاہیں خراب کیں، کوئی باہر نکل کر خدا کی عبادت نہیں کر سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ: اپنے گھروں کو مسجد بنالو۔

وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ۔۔۔ الآیۃ:

قِبْلَةً اَیْ مَسْجِدًا۔

سوال قِبْلَة سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① قِبْلَة سے مُراد یہ ہے کہ: اپنے گھروں کو مسجد بنالو یعنی وہاں نماز پڑھو۔ ② قِبْلَة سے مُراد یہ ہے کہ: گھروں کو قبلہ رُخ بنالو۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۸﴾:

تمام تفاسیر میں لکھا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اُن کے سونے، چاندی، جواہرات کو پتھر میں بدل دیا۔

قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۹﴾:

"تفسیر قرطبی، مظہری" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام دُعا کرتے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمِین کہتے تھے تو اس وجہ سے یہ دونوں کی دُعا ہوئی۔

قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۰﴾:

"ترمذی شریف" میں روایت ہے کہ: حضرت جبریل علیہ السلام نے بحرِ قلزم کے تہہ سے کالے رنگ کا کیچڑ لے کر اُس کے منہ پر پھینکا کیوں کہ محض کلمہ پڑھنا بھی باعثِ رحمت ہے، تو یہ اِس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا رحم اُس پر نہ آئے یعنی وہ کلمہ پڑھنے کی رحمت بھی اُس کو حاصل نہ ہو۔❶

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۲﴾:

اِمام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: نُلْقِیْ بَدَنَكَ عَلٰی نَجْوَةِ الْبَحْرِ۔ یعنی ہم تجھے دریا کے کنارے ڈالتے ہیں۔ جدید تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ: فرعون کی لاش آج تک محفوظ چلی آرہی ہے، لیکن اَلفاظِ قرآنی کی صحت اِس کے ثبوت پر موقوف نہیں۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۳﴾:

ربط: وہی بنی اسرائیل کا واقعہ چلا آرہا ہے۔

سوال بَوَّاْنَا سے کون سا علاقہ مُراد ہے؟

جواب اِس کے بارے میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① "معالم التنزیل" میں لکھا ہے کہ بَوَّاْنَا سے مُراد وادی تیہہ ہے۔ آج کے جغرافیہ میں وادی سینائی نام ہے۔ وہاں مَن وسلویٰ اُترا تھا۔

② شام کا علاقہ مُراد ہے۔

③ مصر کا علاقہ مُراد ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۴﴾:

ہمارے حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہے۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْیَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِیْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۸﴾:

"تفسیر معالم التنزیل، خازن، بیضاوی، روح البیان" وغیرہ اور "تفسیر عزیزی" میں سُوْرَۃُ الْقَلَم کی آیت لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ مَذْمُوْمٌ ○❷ کی تفسیر دیکھی۔ اِن تمام تفاسیروں میں جو کچھ ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ: حضرت یونس بن متّیٰ علیہ السلام سرزمین موصل میں اہلِ نینویٰ کی طرف مبعوث ہوئے۔

"ترمذی شریف" میں روایت ہے کہ: اُس نینویٰ شہر کی آبادی ایک لاکھ بیس ہزار (۱۲۰۰۰۰) تھی، وہاں کے لوگ بت پرست تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام لگاتار سات (۷) سال تک پند ونصیحت کرتے رہے۔ اُنہوں نے ایک نہ مانی اور یَوْمًا فَیَوْمًا اِنکار وتکذیب بڑھتا رہا۔ آخر حضرت یونس علیہ السلام نے تنگ آکر اُن کو آگاہ کیا کہ: باز نہ آئے تو تین (۳) دن، (دوسری روایت میں چالیس (۴۰) دن ہیں) کے اَندر عذاب آنے والا ہے۔ جب تیسری شب آئی حضرت یونس علیہ السلام آدھی رات گذرنے پر بستی سے نکل کھڑے ہوئے کہ: یہ مُعَذَّب قوم ہے یا اِس لیے کہ اگر عذاب نہ آیا تو میں رسوا ہو جاؤں گا۔ یہ حضرت یونس علیہ السلام کی اپنی رائے تھی۔ جاتے جاتے ایک قافلہ آیا اور اُن کی بیوی کو چھین لیا۔ اُنہوں نے کہا کہ: آپ نے میری بیوی کو کیوں لیا؟ یہ تو میری معصوم بیوی ہے۔ مگر اُنہوں نے نہ مانا، مگر کیا کر سکتے تھے؟ وہ جب آگے گئے تو پانی کی ایک ندی آئی۔ اُنہوں نے اپنے ایک بیٹے کو کندھے پر سوار کر کے جب ندی کے درمیان پہنچے تو کنارہ والے بیٹے کو بھیڑیا نے پکڑ لیا۔ وہ کانپنے لگے تو اُن سے اُن کا دوسرا بیٹا بھی اُن کے کندھوں سے گر گیا۔

---

❶ (جامع الترمذی، ابواب التفسیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تفسیر سورۃ یونس، ج ۲، ص ۱۴۳، طبع قدیمی، کراچی) ❷ (سُوْرَۃُ الْقَلَم، ۴۹)

آگے صاحب جمل رحمہ اللہ دِجلہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرات بتاتے ہیں، وہ کشتی میں بیٹھ گئے۔ دریا میں جاتے ہی کشتی کو طوفان نے آلیا اور اُس نے غوطے ہی غوطے شروع کیے۔ ملاح نے کہا کہ: ہمارا تجربہ ہے کہ جو کوئی بھی اپنے آقا سے بھاگتا ہے تو کشتی اُلٹ جاتی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ: ہاں! مَیں ہوں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ: اُس ملاح نے یہ کہا کہ: اِس کشتی میں ہم زیادہ سوار ہیں، ایک کو دریا میں ڈال کر باقی کی جان بچ جائے گی۔ تو قرعہ بھی اُن کی قسمت میں نکل آیا۔ جو بھی ہوا اُن کو دریا میں پھینک دیا ایک مچھلی نے اُن کو نگل لیا۔ وہ اُس کے پیٹ میں چالیس (۴۰) دن، ایک (۱) دن یا تین (۳) یا آٹھ (۸) دن رہے۔ پھر اُن کو مچھلی نے کنارہ پر پھینکا تو انتہائی نازک بدن تھا، کدو کا درخت اُگا، ایک ہرنی آئی یہ سمجھی کہ: یہ میرا بچہ ہے وہ لیٹی اُنہوں نے اُس کا دُودھ پی لیا اور جب آگے آئے تو ایک قافلہ کے ساتھ اپنا بچہ پالیا۔ دوسرے کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے کہا کہ: وہ اِس وادی میں چرواہوں کے ساتھ ہے۔ اُسے بھی لیا اور کچھ دُور ایک قافلہ کے ساتھ اپنی بیوی بھی پالی۔ اُن کی قوم پر عذاب کے اَثرات آئے تھے۔ تو اُنہوں نے اپنی عورتوں، بچوں سمیت بل کہ مویشی اور جانوروں کو بھی ساتھ لے کر جنگل میں نکل آئے اور سچے دل سے خدا کی طرف رُجوع ہوئے۔ اُنہوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمائی۔ تو اِس قوم نے مِنۡ حَیۡثُ الۡقَوۡمِ توبہ کی۔ حضرت شاہ اَنور شاہ کشمیری رحمہ اللہ "فیض الباری" میں فرماتے ہیں کہ: تین (۳) قومیں ایسی ہیں جو مِنۡ حَیۡثُ الۡقَوۡمِ مسلمان ہوئیں یعنی جب مسلمان ہوئے تو اُن میں کوئی بھی کافر نہ رہا:

① عرب قوم جب مسلمان ہوگئی تو ایک بھی کافر نہ رہا۔

② ترکی والے عثمانِ اوّل کے زمانے میں جب مسلمان ہوئے کوئی بھی کافر نہ رہا۔

③ افغانی قوم مِنۡ حَیۡثُ الۡقَوۡمِ سارے مسلمان ہوگئے۔

وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تُؤۡمِنَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ... الآیۃ ﴿۱۰۰﴾:

خدا کی مشیت و توفیق اور حکم تکوینی کے بدون کوئی ایمان نہیں لاسکتا تو آدمی اپنے کام میں متفرد نہیں اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کا اِذن اُس کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرے۔

كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيۡنَا نُنۡجِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۠ ﴿۱۰۳﴾:

ہمارے فقہائے کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے اور "ہدایہ" میں بھی ہے کہ: وَيُكۡرَهُ اَنۡ يَّقُوۡلَ فِيۡ دُعَآءٍ بِحَقِّ فُلَانٍ لِاَنَّهٗ لَا حَقَّ لِلۡمَخۡلُوۡقِ عَلَى الۡخَالِقِ۔ "شرح النقایہ، شرح الوقایہ" میں لکھا ہے کہ: دُعا میں بِجَاہِ فُلَانٍ یہ مکروہ ہے۔

معتزلہ کا غلط اِستدلال: معتزلہ کہتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص نیکی کرے اللہ تعالیٰ پر اُس کا حق اور بدلہ لازم ہے اور اللہ تعالیٰ پر نافرمان کو بھی اُس کے گناہ کا بدلہ دینا لازم ہے۔

آیت میں لفظِ حَقًّا جو ذکر کیا گیا ہے وہ بہ حیثیتِ وعدہ ذکر کیا گیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم نہیں۔

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِيۡ شَكٍّ مِّنۡ دِيۡنِيۡ ... الآیۃ ﴿۱۰۴﴾:

ربط: اُوپر مجرم قوموں کی تباہی کا ذکر تھا، آخر میں اللہ تعالیٰ توحید کا اِثبات فرمارہے ہیں۔

وَاَنۡ اَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ۚ ... الآیۃ ﴿۱۰۵﴾:

لفظِ حَنِيۡفًا وَجۡهَكَ سے یا لفظِ دِیۡن سے حال ہے۔

اٰيَاتُهَا (۱۲۳) (۱۱) سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ (۵۲) رُكُوْعَاتُهَا (۱۰)

بسم الله الرحمن الرحيم ○

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ۔۔۔الآیۃ● یعنی کتاب کا ذکر تھا اور اُسی کتاب سے اِس سورۃ کی اِبتداء ہے۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ هُوْد ہے یعنی وہ سورۃ جس میں حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ ہے۔

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ۔۔۔الآیۃ ﴿۱﴾:

لفظِ كِتٰب مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ اَیْ هٰذَا كِتٰبٌ۔

اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ۔۔۔الآیۃ ﴿۲﴾:

یہ ہے تعلیم اِس کتاب کی یعنی اِس کتاب کی تعلیم کی اِبتداء اِس سے ہے۔

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا۔۔۔الآیۃ ﴿۳﴾:

يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا یہ اِستغفار اور اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرنے کا نتیجہ ہے۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ○:

لفظِ تَوَلَّوْا مضارع کا بھی صیغہ ہے، ماضی کا بھی صیغہ ہے۔ آگے اور پیچھے غائب کے صیغے ہوں تو یہ ماضی ہوگا اور آگے پیچھے خطاب کے صیغے ہوں تو یہ مضارع ہوگا۔ یہاں پر مضارع ہے کیوں کہ آگے اور پیچھے مخاطب کی ضمیریں ہیں۔

اَلَاۤ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ۔۔۔الآیۃ ﴿۵﴾:

شانِ نزول: اِس کے شانِ نزول میں مفسرین کا اِختلاف ہے:

① صحیح ترین روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی "بخاری شریف" میں ہے کہ: بعض مسلمانوں پر حیاء کا اِس قدر حد سے زیادہ غلبہ ہوا کہ اِستنجاء یا جماع وغیرہ ضروریاتِ بشری کے وقت کسی حصۂ بدن کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ آسمان والا ہم کو دیکھتا ہے۔ برہنہ ہونا پڑتا تو غلبۂ حیا سے جھکے جاتے تھے اور شرمگاہ کو چھپانے کے لیے سینہ کو دُہرا کر لیتے تھے۔

② "تفسیر دُرِّ منثور، معالم التنزیل" وغیرہ میں اِس کا شانِ نزول یہ ہے کہ: یہ منافق لوگ اپنی چھاتیوں کو پھیرتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ سے چھپے رہیں۔

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا۔۔۔الآیۃ ﴿۶﴾:

مُسْتَقَر اور مُسْتَوْدَع کی چار (۴) تفسیریں گزر چکی ہیں:

① مُسْتَقَر سے مُراد زمین ہے اور مُسْتَوْدَع سے مُراد قبر ہے۔

② مُسْتَقَر سے مُراد صُلْبُ الْاٰبَاۗءِ ہے اور مُسْتَوْدَع سے مُراد رَحْمُ الْاُمِّ ہے۔

③ مُسْتَقَر سے مُراد رَحْمُ الْاُمِّ ہے اور مُسْتَوْدَع سے مُراد قبر ہے۔

④ مُسْتَقَر سے مُراد زمین ہے اور مُسْتَوْدَع سے مُراد آخرت ہے۔

كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○:

یہ سب کی سب چیزیں لوحِ محفوظ میں موجود ہیں۔

● (سُوْرَةُ يُوْنُس، ۱۰۹)

وَ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷﴾:

اس میں اختلاف ہے کہ اَوَّلُ الْمَخْلُوْقَات کیا ہے؟ "تنقید متین اور اتمام البرہان" میں بسط سے بحث ہو چکی ہے۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

① ایک گروہ کہتا ہے کہ: عرش ہے۔
② دوسرا گروہ کہتا ہے کہ: قلم ہے۔
③ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ: عقل ہے۔
④ چوتھا گروہ کہتا ہے کہ: آنحضرت ﷺ کا نور ہے۔

اَوَّلُ مَا خُلِقَ الْعَرْش والی روایت ضعیف ہے۔ سند کے لحاظ سے قوی روایت "قلم" والی روایت ہے اور اَوّل خلقت آنحضرت ﷺ کے نور کی ہے تو یہ روایت "مصنف عبدالرزاق" میں ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ "نشر الطیب" میں فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ کے نور کو سب سے پہلے تخلیق کرنے سے مُراد رُوحِ نبی ﷺ ہے۔ تمام اَرواح میں سے پہلے آپ ﷺ کی رُوح پیدا ہوئی۔

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

یہ خلق کی علت ہے۔

وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں سے قیامت کا اِثبات ہوتا ہے۔

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸﴾:

"مفردات القرآن" للامام راغب اصفہانی رحمہ اللہ جو قرآن کریم کے مفردات کے بارے میں ایک کتاب ہے، اُس میں اِمام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لفظ اُمَّة تین (۳) معنوں میں آتا ہے:

① مدت۔ جیسے: یہاں مدت کے معنی میں ہے۔
② فرقہ، طبقہ، گروہ۔ جیسے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔۔۔ الآیۃ ❶
③ پیشوا اور مقتدا۔ جیسے: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً ۔۔۔ الآیۃ ❷

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹﴾:

تمام تفاسیر میں آپ کو ملے گا: اَیِ الْاِنْسَانَ الْكَافِرَ۔

ربط: اُوپر بھی لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ۔۔۔ الآیۃ ❸ میں کافروں کا ذکر تھا اور آگے بھی کافروں کا بیان ہے اور اُن کی سزا کا ذکر ہے جو دُنیا میں اُن کو ہوتی رہتی ہے۔

اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾:

فَرِح کا معنی ہے: "دل کے اَندر کی خوشی کا اظہار کرنا"۔ فَخُوْر کا معنی ہے: "ظاہری طور پر فخر کرنا"۔

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱﴾:

مستثنیٰ ہیں وہ لوگ جو صبر کریں۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲﴾:

ربط: اُوپر کتاب کا ذکر، پھر توحید کا ذکر تھا اب آگے نبی ﷺ کو خطاب ہے اور تسلی ہے۔

---

❶ (سُورۃُ آلِ عِمرٰن: ۱۱۰) ❷ (سُورۃُ النّحل: ۱۲۰) ❸ (سُورۃُ ھُود: ۷)

إِنَّمَآ أَنْتَ نَذِيْرٌ۔۔۔ الآية:

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس نہ تو کوئی خزانہ ہے اور نہ ہی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرشتوں کو نازل کرنے والے ہیں بل کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ڈرانے والے ہیں۔

أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ۔۔۔ الآية ۱۳:

ربط: پہلے قرآن پاک کا ذکر تھا، اب آگے قرآن پاک کے بارے میں کفار کی طرف سے شوخیوں کا ذکر ہے۔

کفار کا دعویٰ تھا کہ: یہ قرآن مجید (نَعُوْذُ بِاللّٰه) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے گڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اِس جھوٹے دعوے کے متعلق تین (۳) تعبیریں اِختیار فرمائیں ہیں:

① قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى أَنْ يَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ۔۔۔ الآية ❶ اِس آیت میں فرمایا کہ: اِس قرآن کی طرح لا کر دکھاؤ۔

② قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ۔۔۔ الآية ❷ اِس آیت میں فرمایا کہ: چلو! پورا قرآن ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں رہنے دو صرف دس (۱۰) سورتیں اِس جیسی بنا کر دکھاؤ۔

③ فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔۔۔ الآية ❸ اِس آیت میں فرمایا کہ: چلو! دس (۱۰) سورتیں بھی چھوڑ دو صرف ایک ہی سورۃ اِس قرآن جیسی بنا کر لاؤ۔ آج تک کوئی بھی قرآن جیسی ایک سورۃ بھی نہیں لا سکا۔

فَإِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا۔۔۔ الآية ۱۴:

أَيْ لَمْ يُجِيْبُوْا یعنی اگر یہ چیلنج قبول نہ کر سکے۔

وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا۔۔۔ الآية ۱۶:

سوال فِيْهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① فِيْهَا کی "هَا" ضمیر حَيٰوةُ الدُّنْيَا کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: جو اُنہوں نے دُنیا میں کیا وہ حَبَط ہو جائے گا۔

② فِيْهَا کی "هَا" ضمیر اٰخِرَة کی طرف راجع ہے۔ فِيْ تعلیلیہ ہے۔ مطلب یہ ہو گا کہ: اور حَبَط ہو جائے گی وہ چیز جو اُنہوں نے کی۔ فِيْهَا لِأَجْلِ الْاٰخِرَةِ۔ بعض کفار آخرت کے قائل بھی تھے لیکن ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اُن کے اَعمال باطل ہو جائیں گے۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ۔۔۔ الآية ۱۷:

سوال بَيِّنَة اور شَاهِد سے کون مُراد ہیں؟

جواب اِس کی پانچ (۵) تفسیریں ہیں:

① بَيِّنَة سے مُراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے، شَاهِد سے مُراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

② بَيِّنَة سے مؤمنین مُراد ہیں اور شَاهِد سے حضرت جبریل علیہ السلام مُراد ہیں۔

③ مَنْ كَانَ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مُراد ہیں، بَيِّنَة سے قرآن مجید مُراد ہے اور شَاهِد سے قرآن مجید کا معجز ہونا مُراد ہے۔

④ بَيِّنَة سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مُراد ہیں اور شَاهِد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات مُراد ہیں۔

⑤ بَيِّنَة سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مُراد ہیں اور شَاهِد سے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مُراد ہیں۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ۔۔۔ الآية:

لفظ مَوْعِد اِسمِ ظرف کا صیغہ ہے۔ اگر ظرفِ مکان ہو تو معنیٰ ہے: "وعدہ کی جگہ" اور اگر ظرفِ زمان ہو تو معنیٰ ہے: "وعدہ کا وقت"۔

---

❶ (سُوْرَةُ بَنِيْ إِسْرَآءِيْل، ۸۸) ❷ (سُوْرَةُ هُوْد، ۱۳) ❸ (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ۲۳)

وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۸﴾:

سوال گواہوں سے کون مُراد ہیں؟

جواب "تفسیر روح المعانی، کبیر، معالم التنزیل، خازن" وغیرہ میں اِس کی چار(۴) تفسیریں ہیں کہ:

① اِس سے مُراد پیغمبر ہیں۔ جیسے: وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔۔۔الآیۃ ❶

② اِس سے مُراد فرشتے ہیں۔ جیسے: وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ❷

③ اِس سے مُراد اِنسان کے اپنے اَعضاء، ہاتھ، پاؤں وغیرہ ہیں۔ جیسے: اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ❸

④ اِس سے مُراد اُمتیں ہیں۔ جیسے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۔۔۔الآیۃ ❶

اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۰﴾:

جو حکم اللہ تعالیٰ نازل فرماویں تو وہ اُس حکم کو رُوک نہیں سکتے۔

مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ ۔۔۔الآیۃ:

سَمْعَ اَیْ سَمْعَ قُبُوْلٍ، سَمْعَ تَفَكُّرٍ، سَمْعَ اِتِّعَاظٍ وغیرہ۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾:

سوال لَا جَرَمَ کے کیا معنی ہیں؟

جواب اِس کی تین(۳) تفسیریں ہیں:

① "تفسیر کبیر، روح المعانی، السراج المنیر، مدارک، جمل، کمالین" وغیرہ وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: اِمام خلیل بن احمد رحمہ اللہ اور اِمام سیبویہ رحمہ اللہ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ: یہ مرکب بنائی ہے۔ اَصل میں لَا وَجَرَمَ تھا۔ جیسے خَمْسَةَ عَشَرَ اَصل میں خَمْسَةٌ وَّعَشَرَ تھا اور اِس کے معنی ہیں: حَقَّ۔ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ ۔۔۔الآیۃ یہ جملہ لَا جَرَمَ کا فاعل ہے۔

② اِمام فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس کے معنی ہیں: لَا بُدَّ وَلَا مُحَالَةَ۔

③ "سراج المنیر" میں لکھا ہے کہ: اِس کے معنی ہیں: لَا ظَنَّ وَلَا تَرَدُّدَ۔

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۴﴾:

ربط: اُوپر گزرا کہ دو(۲) فِرقے ہیں: ایک مؤمن اور دوسرا منافق۔ اب اُن کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۵﴾:

ربط: اُوپر دو(۲) فِرقوں مؤمنوں اور کافروں کا ذکر تھا، آگے واقعات بیان فرماتے ہیں۔ اِس میں بھی دو(۲) فِرقوں کی بات ہے: ایک طرف حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے ساتھی اور دوسری طرف کافر۔

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۷﴾:

ہم تمہیں نہیں دیکھتے مگر ہمارے جیسے بشر۔ جس وقت سے کفر چلا آ رہا ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم تھی، اُن کا خیال تھا کہ: بشر پیغمبر نہیں ہوسکتا۔

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا ۔۔۔الآیۃ:

اَرَاذِلُ، رَذِيْلٌ کی جمع ہے چمار، ترکھان، لوہار یعنی کہتے تھے کہ: بھلا اِن موچیوں اور حجاموں کا تابع ہوجانا آپ (علیہ السلام) کے لیے کیا موجبِ فضل وشرف ہوسکتا ہے؟ اور اِن ذلیل لوگوں کا آپ (علیہ السلام) کی پیروی کرنا کس طرح آپ (علیہ السلام) کی صداقت کی دلیل بن سکتا ہے؟ ہمیشہ اِسلام کا ساتھ

❶❶(سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ،۱۴۳) ❷(سُوْرَۃُ قٓ،۲۱) ❸(سُوْرَۃُ یٰسٓ،۶۵)

غریبوں نے دیا ہے، نہ کہ امیروں نے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا ❶

بَادِيَ الرَّأْيِ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لفظِ بَادِيَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ بَادِيَ منصوب بنزع الخافض ہے أَيْ فِيْ بَادِيِ الرَّأْيِ۔

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔ الآیۃ (۲۹):

طَرْد کے معنی ہیں: "بھگا دینا، مجلس سے نکال دینا"۔

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ۔۔۔ الآیۃ (۳۰):

مِنَ اللّٰهِ أَيْ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ، مِنْ عِقَابِ اللّٰهِ، مِنْ بَأْسِ اللّٰهِ، مِنْ نَكَالِ اللّٰهِ۔ مفہوم سب کا ایک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: اللہ کی گرفت سے مجھے کون بچائے گا اگر میں ان کو مجلس سے نکال دوں؟

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ۔۔۔ الآیۃ (۳۱):

وہ کہتے تھے کہ: وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ۔۔۔ الآیۃ ❷ ہم تمہیں افضل نہیں سمجھتے۔ تو فرماتے ہیں کہ: میں نے تو اس کا دعویٰ بھی نہیں کیا اور نہ میں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ: میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ: میں نورانی ہوں یعنی فرشتہ ہوں۔

وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ تَزْدَرِيْ بابِ اِفْتِعَال سے ہے۔ اس کا معنی ہے: "حقیر سمجھنا"۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا۔۔۔ الآیۃ (۳۲):

یہ نہیں کہتے کہ: ہم نے جھگڑا کیا، بلکہ کہتے ہیں کہ: تُو نے جھگڑا کیا۔

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝:

ربط: ماقبل میں حضرت نوح علیہ السلام کا قول ذکر کیا گیا کہ: اُنہوں نے اپنی قوم والوں سے فرمایا کہ: اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ ❸ تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وہ لوگ کہتے ہیں: فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ۔۔۔ الآیۃ پھر لے آ وہ عذاب جس کا تم نے ہم سے وعدہ کیا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ۔۔۔ الآیۃ (۳۵):

"تفسیر کبیر، بیضاوی، جمل، کمالین" وغیرہ وغیرہ تفاسیر میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: یہ درمیان والا جملہ، جملۂ معترضہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: یہ مکہ والے کہتے ہیں کہ: بنا لایا قرآن پاک کو۔ یعنی جس طرح لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی اور اُن کو جھوٹا سمجھا تو اسی طرح یہ مشرکین مکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی جھوٹا سمجھتے ہیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خفا نہ ہوں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ نہیں بل کہ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ ہی ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے دور کے لوگ یہ کہتے رہے کہ: نوح (علیہ السلام) نے (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ) یہ باتیں گڑھی ہیں۔ وَعَلَيْهِ اَكْثَرُ الْمُفَسِّرِيْنَ۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ۔۔۔ الآیۃ (۳۶):

ربط: حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ: آپ (علیہ السلام) پر جنہوں نے ایمان لایا ہے وہ تو ہیں، آئندہ کوئی بھی ایمان نہیں لائے گا تو آپ (علیہ السلام) پریشان نہ ہوں۔

---

❶ (سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب بدأ الاسلام غریبا، ص ۲۸۷، طبع قدیمی، کراچی) ❷ (سُوْرَةُ هُوْد ۲۷) ❸ (سُوْرَةُ هُوْد ۲۶)

سوال حرفِ لَنْ کا کیا معنیٰ ہے؟

جواب حرفِ لَنْ کے متعلق نحاۃ کے دو(۲) گروہ ہیں:

① ایک گروہ کہتا ہے کہ: جب حرفِ لَنْ مضارع پر داخل ہوتا ہے تو معنیٰ تاکید کے ہوتے ہیں۔

② دوسرا گروہ کہتا ہے کہ: جب حرفِ لَنْ مضارع پر داخل ہوتا ہے تو معنیٰ نفی تابید کے ہوتے ہیں۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا۔۔۔الآیۃ:

تورات میں لکھا ہے کہ: جو کشتی بنائی تھی وہ "گوپھر" کی لکڑی تھی۔ جیسے ہندوستان میں "ساگوان" کی لکڑی مضبوط لکڑی ہے، صوبہ سرحد میں "اَخروٹ" کی لکڑی مضبوط لکڑی ہے ایسے ہی وہاں "گوپھر" کی لکڑی مضبوط تھی۔ اُس کشتی کی لمبائی تین سو(۳۰۰) ہاتھ تھی یعنی پانچ سو پچاس (۵۵۰) فٹ لمبی تھی، چوڑائی پچاس(۵۰) ہاتھ اور فٹوں میں اکیانوے(۹۱) فٹ آٹھ(۸) انچ چوڑائی تھی۔ تیس(۳۰) ہاتھ اُونچی تھی یعنی پچپن(۵۵) فٹ تھی۔ یہ پیمائش ہم نے نیاز فتح پوری کی کتاب "من ویزدان" سے لی ہے۔

یہ کشتی سالہاسال میں تیار کی، کشتی کیا تھی ایک بڑا جہاز تھا جس میں الگ الگ درجے تھے۔ پہلے درجہ میں خوراک، درمیان والے میں حیوانات اور اُوپر والے میں انسان تھے۔

"بخاری شریف" کی روایت ہے کہ: حضرت قتادۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أَبْقَى اللهُ سَفِينَةَ نُوحٍ حَتَّى أَدْرَكَهَا أَوَائِلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ۔ اُس کشتی کا ڈھانچہ اِس اُمت کے پہلے لوگوں نے دیکھا تھا[1]

وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ۔۔۔الآیۃ:

وہ اِس طرح اِستہزاء اور مذاق کرتے تھے کہ: دیکھو! دعوت کا فائدہ یہ نکلا کہ: یہ بڑھئی اور ترکھان بن گیا یا یہ کہتے تھے کہ: خشک زمین پر ڈوبنے کا بچاؤ کر رہے ہیں، یہ چلائے گا کہاں ہمارے حوضوں میں؟!! وغیرہ۔

وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝:

صاحبِ جمل وکمالین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ: حَلَّ، يَحُلُّ باب نَصَرَ، يَنْصُرُ سے آئے تو اِس کے معنیٰ ہیں: "اُترنا" اور اگر بابِ ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے آجائے تو معنیٰ ہیں: وَجَبَ وَلَزِمَ "واجب ہونا، لازم ہونا"۔ جن حضرات نے اس کا معنیٰ "اُترنا" کیا ہے وہ مجازی معنیٰ ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ۔۔۔الآیۃ:

سوال تنُّور کے کیا معنیٰ ہیں؟

جواب تنُّور کے معنیٰ میں اِختلاف ہے اور اس کی دو(۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: بعض مطلق روٹی پکانے کا تنور مراد لیتے ہیں۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: "بیضاوی، روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ تنُّور کے معنیٰ وَجْهُ الْأَرْض (سطحِ زمین) کے ہیں۔

قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا۔۔۔الآیۃ:

سوال فِيْهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟ اگر فُلْك کی طرف راجع ہے تو لفظِ فُلْك مذکر ہے اور "هَا" ضمیر مؤنث ہے تو مذکر اور مؤنث میں مطابقت نہیں ہوگی؟

جواب فِيْهَا کی "هَا" ضمیر فُلْك کی طرف راجع ہے جو کہ بمعنیٰ سَفِيْنَةٌ کے ہے۔

مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ كُلٍّ پر تنوین عوضِ مضاف الیہ ہے۔ اَیْ مِنْ كُلِّ نَوْعٍ۔

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب تجری باعیننا جزاء لمن کان کفر ولقد ترکناھا آیۃ فھل من مدکر، ج۲، ص۲۲۷، طبع یادگار شیخ، کراچی)

سوال زَوْجَيْنِ کے بعد اثْنَيْنِ کا لفظ کیوں ذکر کیا؟

جواب "جمل" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: زَوْجَيْنِ کے ساتھ اثْنَيْنِ اس لیے لائے کیوں کہ زَوْجَيْنِ بہت معنوں پر آتا ہے:

① ایک معنی یہ ہے کہ: جفت۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو معنی ہوگا: "چار (۴)" یعنی جفت جوڑا اور جفت بھی دو (۲) ہوں تو چار (۴) ہو گئے اور یہ معنی یہاں مُراد نہیں کیوں کہ کشتی میں اتنی گنجائش تو نہ تھی کہ ہر نوع سے چار (۴) لیتے۔

② دوسرا معنی یہ ہے کہ: ہر ایک شے دوسرے کے ساتھ مل کر اُس کو جفت بنائے۔ یہی معنی مُراد ہے اس لیے اثْنَيْنِ کا لفظ لائے تا کہ ہر نوع سے دو، دو (۲،۲) لیں۔

وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ o:

"تورات، مکاشفہ، انجیل" میں لکھا ہے کہ: حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں صرف سات (۷) اَفراد تھے: چار (۴) بہویں (انگیندے پشتو میں) اور تین (۳) بیٹے تھے۔ لیکن یہ توجیہ تین (۳) وجہ سے صحیح نہیں:

① ذکر ہے کہ: قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ (اِلٰى قَوْلِهٖ) وَمَنْ اٰمَنَ ۔۔۔ الآیۃ سوار کر کشتی میں اپنے گھر والوں کو اور اُن کو جو ایمان لائے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ: کچھ اور لوگ بھی تھے۔

② حضرت نوح علیہ السلام کو لوگ طعنہ دیتے تھے کہ: آپ (علیہ السلام) رَذیل و کمینے ہیں اور آپ (علیہ السلام) کے ساتھی بھی رَذیل و کمینے ہیں اور نبی تو رَذیل نہیں ہوتا، شریف ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ: نوح علیہ السلام کے ساتھ دوسرے لوگ بھی تھے قوم والے اُن لوگوں کو رَذیل خیال کرتے تھے۔

③ وَعَلٰٓى اُمَمٍ ۔۔۔ الآیۃ ❶ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ: دوسرے لوگ بھی تھے۔

پس! معلوم ہوا کہ: دوسرے لوگ بھی تھے۔ البتہ اُن کی تعداد میں پھر اختلاف ہے کہ: چوراسی، پچاسی، نوّے، چورانوے (۸۴، ۸۵، ۹۰، ۹۴) کے لگ بھگ اُن کی تعداد تھی۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۱﴾:

مَجْرٖىهَا سویرے کی رَاء کی طرح یہ پڑھا جاتا ہے اور مَجْرٖىهَا اور مُرْسٰىهَا یہ دونوں مصدر میمی ہیں۔

وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۲﴾:

بیٹے کا نام یام اور کنعان لقب تھا اور کنعان کی والدہ واعلۃ تھی۔ گھر والوں سے یہ دونوں علیحدہ رہے اور غرق ہوئے۔

وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ مَعْزِل ظرف کا صیغہ ہے یا مصدر میمی ہے۔ معنی ہے: "علیحدگی کی جگہ یا کنارہ"۔

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا ۔۔۔ الآیۃ:

بُنَيَّ کے آخر میں یاءِ تصغیر ہے اور یہ شفقت کے لیے بولا جاتا ہے۔ معنی ہے: "اے میرے پیارے بیٹے"۔

قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۳﴾:

سوال اِلَّا حرفِ اِستثنیٰ، عَاصِم مستثنیٰ منہ ہے اور مَنْ رَّحِمَ مستثنیٰ ہے۔ لفظ عَاصِم چوں کہ اِسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور اِلَّا مَنْ رَّحِمَ فاعل بن نہیں سکتا وہ تو مفعول بنے گا یعنی جس کو بچایا گیا وہ معصوم ہے اور جس نے بچایا وہ عَاصِم یعنی اللہ تعالیٰ ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ: عَاصِم مستثنیٰ منہ ہے اور مستثنیٰ معصوم ہے۔ تو مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس میں سے نہیں ہے حال آں کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس میں سے ہونا چاہیے؟

جواب اس کے چار (۴) جوابات ہیں:

① صاحبِ جلالین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ اِلَّا بمعنی لٰكِنَّ ہے، یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ مستثنیٰ منقطع میں جنس ایک ہونا ضروری نہیں۔ جیسے:

جَآءَ نِي الْقَوْمُ اِلَّا حِمَارًا۔

❶ (سُوْرَۃُ هُوْد، ۴۸)

④ "جمل، کمالین" میں لکھا ہے کہ: لفظِ عَاصِمَ اِسمِ فاعل بمعنی مفعول ہے۔جیسے: دَافِقٌ بمعنی مَدْفُوْقٌ، سَاتِرٌ بمعنی مَسْتُوْرٌ تو یہ عَاصِمٌ بمعنی مَعْصُوْمٌ ہے۔اَیْ لَا مَعْصُوْمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ۔

③ یہ فاعل ذی کذا ہے۔یہ فاعل اور مفعول دونوں پر بولا جاتا ہے۔عَاصِمٌ اَیْ ذَا عِصْمَۃٍ، ذِیْ عِصْمَۃٍ۔

④ مَنْ رَّحِمَ سے معصوم مُراد لیں تو معنی یہ ہیں کہ: نہیں کوئی بچانے والا آج کے دن اللہ تعالیٰ کے اَمر سے مگر وہی رب کی ذات جس پر رحم فرمائے۔تو وہی عَاصِمٌ ہے وہی رَاحِم ہے۔

وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۴﴾:

اُس پہاڑ کا نام جودی تھا، آج کل کا جغرافیائی نام اَرارات ہے، ملکِ عراق میں موصل صوبہ تھا، سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) فٹ کی بلندی پر وہ پہاڑ ہے۔
حضرت نوح علیہ السلام سات (۷) مہینے اور سترہ (۱۷) دن تک اُس طوفان میں تھے۔

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّہٗ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۵﴾:

اگر یہاں فَنَادٰی ہوتا تو پھر اشکال آتا ہے کہ: بیٹے کی ہلاکت کے بعد رب کو پکارا؟ تو یہاں وَاوْ ہے ثُمَّ یا فَاء نہیں ہے، وَاوْ مطلق جمع کے لیے ہے، ترتیب کے لیے نہیں ہے۔

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۶﴾:

معلوم ہوا کہ: پیغمبر کی حقیقی اَہل وہی ہوتی ہے جو اُس کی پیروکار ہو۔

اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ۔۔۔الآیۃ:

سوال "ہٗ" ضمیر ذات اور عَمَلٌ وصف ہے تو حمل کیسے صحیح ہے؟

جواب اِس کے تین (۳) جوابات ہیں:

① یہاں مضاف محذوف ہے۔اَیْ اِنَّہٗ ذُوْ عَمَلٍ، صَاحِبُ عَمَلٍ، اَھْلُ عَمَلٍ غَیْرُ صَالِحٍ۔یہ اَچھے عمل والا نہیں ہے۔

② لفظِ عَمَلٌ مصدر ہے اِسمِ فاعل عَامِلٌ کے معنی میں ہے۔اَیْ اِنَّہٗ عَامِلٌ غَیْرُ صَالِحٍ۔

③ "تفسیر بیضاوی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: "ہٗ" ضمیر بیٹے کی طرف راجع نہیں ہے بل کہ اِس سے مُراد یہ ہے کہ: یہ آپ (علیہ السلام) کا پکارنا، سوال کرنا یہ اَچھا نہیں ہے۔

فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ۔۔۔الآیۃ:

سوال آدمی سوال تو اُس چیز کا کرتا ہے جس کا علم اُس کو نہ ہو اور یہاں تو اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا علم نہ ہو اُس کے بارے میں سوال کرنے سے منع فرمایا ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① ایک جواب تو وہ ہے جو شاہ عبد القادر رحمہ اللہ نے "موضح القرآن" میں دیا کہ: سوال تو واقعی ایسی چیز کے بارے میں ہوتا جس کا علم نہ ہو لیکن سوال کرنے والے کو بڑے کا خیال ہونا چاہیے کہ: میرے سوال کرنے سے ناراض تو نہیں ہوگا؟!! یعنی اُس کی مَرضی معلوم کرنی چاہیے۔
تو بڑے کی مَرضی معلوم کیے بغیر سوال کرنا یہ اَچھی بات نہیں ہے۔

② دوسرا جواب یہ ہے کہ: سَئَلَ، یَسْئَلُ، سُؤَالًا کے معنی ہیں: "پوچھنا" اور جب مَسْئَلَۃً مصدر آجائے تو معنی ہیں: "مانگنا"۔تو یہاں مصدر مَسْئَلَۃً ہے تو معنی ہیں: "نہ مانگو مجھ سے اپنے بیٹے کی نجات"۔

وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُھُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۸﴾:

یعنی طوفان کے بعد فائدہ دیں گے۔

تِلْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَآ إِلَيْكَ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۹﴾:

سوال نُوْحِيْهَآ کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب نُوْحِيْهَآ کی "هَا" ضمیر تِلْكَ کی طرف راجع ہے۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۰﴾:

ربط: پہلا واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کا تھا اب دوسرا واقعہ عادیوں کا ہے۔ پیغمبر تھے حضرت ھود علیہ السلام، قوم تھی عاد، اُن پر مقامِ اَحقاف میں عذاب آیا تھا۔

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ٥:

لفظ مُفْتَرُوْن اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اسمِ مفعول کا نہیں ہے اور یہ دراَصل مُفْتَرِيُوْنَ تھا۔

يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۲﴾:

لفظ سَمَآء منصوب بنزع الخافظ ہے۔ أَيْ مِنَ السَّمَآءِ۔

لفظ يُرْسِل جوابِ اَمر کی وجہ سے مجزوم ہے اور مکسور اِس لیے ہے کہ: اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ۔

قَالُوا يَٰهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۳﴾:

یہ بات اُنہوں نے ضد کی وجہ سے کہی۔

وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيٓ ءَالِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ ۔۔۔ الآیۃ:

عَنْ تعلیلیہ ہے۔ أَيْ لِأَجْلِ قَوْلِكَ یعنی تیرے قول کی وجہ سے ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے۔

إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَىٰكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۴﴾:

إِنْ نافیہ ہے اور عَرٰی، يَعْرُو باب نَصَرَ سے بھی آتا ہے اور اِعْتَرَا باب اِفْتِعَال سے بھی آتا ہے یہاں پر بابِ اِفْتِعَال سے ہے۔ معنیٰ ہے کہ: "پیش آچکے ہیں"۔

ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ٥ ﴿۵۵﴾:

یائے متکلم تخفیف کے لیے حذف ہوئی ہے اَصل میں لَا تُنْظِرُوْنِيْ تھا۔

مَّا مِن دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ ءَاخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَآ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۶﴾:

اِمام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أَيْ بِقَبْضَتِهٖ یعنی سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ٥:

اِس آیت کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "تفسیر مدارک" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: إِنَّ رَبِّيْ يَدُلُّ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ بے شک! میرا رب رہنمائی کرتا ہے صراطِ مستقیم کی۔

② "تفسیر روح المعانی، بیضاوی، کبیر" میں لکھا ہے کہ: میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے اگر تم اُس راستے پر چلو گے تو تم رب کو پاؤ گے۔

وَتِلْكَ عَادٌ ۖ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۹﴾:

أَيْ وَتِلْكَ مِنْ اٰثَارِ عَادٍ۔ یہ ہیں قبیلہ عاد کے آثار۔

جَحَدُوا بِـَٔايَٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُۥ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال حضرت ھود علیہ السلام کے زمانے میں اور کوئی نبی نہ تھا تو پھر اللہ تعالیٰ جمع کا صیغہ کیوں اِستعمال کر رہے ہیں؟

جواب تمام تفاسیروں میں لکھا ہے کہ: ایک نبی کی تکذیب تمام نبیوں کی تکذیب کو مستلزم ہے یعنی ایک رسول کی نافرمانی سب رسولوں کی نافرمانی ہے۔

اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾:

رب تعالیٰ کی رضا، رب کی رحمت سے دُوری ہوئی۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۱﴾:

یہاں پر بھی اَرْسَلْنَا فعل محذوف ہے اَیْ وَاَرْسَلْنَا اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا۔ اور واقعات میں سے یہ تیسرا واقعہ ہے، قوم تھی ثمود، پیغمبر تھے حضرت صالح علیہ السلام، حجر علاقہ تھا۔

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ:

اُس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① حضرت آدم علیہ السلام سے تم کو پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ۔۔۔الآیۃ ❶

② دوسرا مطلب یہ ہے کہ: زمین سے فصل اُگتی ہے، وہ ماں باپ کھاتے ہیں، اُس سے منی بنتی ہے، پھر منی سے انسان بنتا ہے۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۲﴾:

رَجَا، يَرْجُوْ، باب نَصَرَ، يَنْصُرُ سے ہے۔ معنی ہے: "اس سے پہلے تو ہم میں تھا اُمید رکھا گیا" یعنی تیری اس تبلیغ سے پہلے ہماری بڑی بڑی اُمیدیں تھیں کہ: پہلے ہم دس (۱۰) کی عبادت کرتے تھے تو تُو ہمارے لیے بیس (۲۰) بنائے گا اور پہلے اگر ایک بت خانہ تھا تو اب پانچ (۵) چھ (۶) اور بنائے گا۔ ہماری تو یہ اُمیدیں تھیں اور تُو تو اُن پہلے والوں کو بھی ڈھاتا ہے۔ کہتا ہے کہ: اُن کی بھی پوجا نہ کرو۔

فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۳﴾:

مِنَ اللّٰهِ اَيْ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ، مِنْ نَكَالِ اللّٰهِ، مِنْ بَأْسِ اللّٰهِ۔

فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝:

خَسَّرَ، يُخَسِّرُ، تَخْسِيْرًا باب تَفْعِيْل سے ہے۔ معنی ہے: "خسارہ میں ڈالنا"۔ مطلب یہ ہے کہ: اگر مَیں تمہاری بات مان لوں تو تمہاری بات کو ماننا ذریعہ اور سبب بنے گا خسارے میں پڑنے کا۔

فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۵﴾:

"تفسیر جمل" میں قاعدہ منقول ہے کہ: لفظ واحد ہو، خالی عَنِ التَّاء ہو، مضاف ہو، وہ جمع کا اور تعمیم کا معنی دیتا ہے۔

یہاں پر دَار کا لفظ مفرد خالی عَنِ التَّاء ہے اور مضاف ہے تو معنی ہوگا کہ: تم اپنے گھروں میں فائدہ اُٹھاؤ۔ بائیسویں (۲۲) پارہ میں سُوْرَةُ الْاَحْزَاب کی آیت ہے: مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ ۔۔۔الآیۃ ❷ یہاں بَنٰتِ عَمِّكَ مفرد ہے اور بَنٰتِ عَمّٰتِكَ جمع ہے، بَنٰتِ خَالِكَ مفرد ہے اور بَنٰتِ خٰلٰتِكَ جمع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ: عَمّ کا لفظ مفرد ہے اور خالی عَنِ التَّاء ہے اور مضاف ہے۔ تو بَنٰتِ عَمِّكَ کا معنی ہوگا: "تیرے چچاؤں کی بیٹیاں"۔ اور بَنٰتِ عَمّٰتِكَ میں عَمَّةٌ مفرد ہے اور تَاء کے ساتھ ہے اس لیے اس کی جمع عَمّٰت لائے۔ تو بَنٰتِ عَمّٰتِكَ معنی ہوگا: "تیری پھوپیوں کی بیٹیاں"۔ یہی مطلب وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ کا ہے۔

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۷﴾:

صَيْحَة سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آواز مُراد ہے۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۸﴾:

كَاَنْ میں حرف اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ اَيْ كَاَنَّهُمْ۔ اور غَنِيَ، يَغْنٰى باب سَمِعَ، يَسْمَعُ سے ہے۔ اِس کا معنی ہے: "ٹھہرنا"۔ اَيْ لَمْ يُقِيْمُوْا فِيْهَا۔

❶ (سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰن، ۵۹) ❷ (سُوْرَةُ الْاَحْزَاب، ۵۰)

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۔۔۔ الآیۃ (۶۹):

ربط: ”تفسیر کبیر، ابوسعود، سبق الغایات فی نسق الآیات“ وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: اصل مقصود تو آگے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا بیان ہے لیکن درمیان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آیا اس کی دو (۲) وجوہات ہیں:

① حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام کے چچا تھے۔ لوط ابن ھاران یا حاران یا فاران ابن آزر۔

② وہ فرشتے جو ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر آئے کہ: اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنا خلیل بنایا ہے اور اس بڑھاپے میں حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے بیٹا عطا کرنے والا ہے، وہی فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس عذاب کی خبر لے کر گئے تھے۔ شام کے علاقہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ حضرت سارہ علیہا السلام تھیں۔

”تفسیر ابن کثیر، معالم التنزیل، ابن جریر طبری، دُرّ منثور“ وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اَرْبَعَةً، خَمْسَةً، سِتَّةً، عَشْرَةً، اِثْنَا عَشَرَةً اُن فرشتوں کی تعداد تھی۔ فرشتوں سے مُراد حضرت جبریل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام، اسرافیل علیہ السلام تھے اور باقی اُن کے معاونین تھے۔

قَالُوْا سَلٰمًا ۔۔۔ الآیۃ:

سوال: سَلٰمًا کا نصب کس وجہ سے ہے؟

جواب: اس کے دو (۲) جوابات ہیں:

① ”تفسیر جمل“ میں لکھا ہے کہ: لفظِ سَلٰمًا قَالُوْا کا مفعول ہے۔ اَیْ قَالُوْا هٰذَا الْقَوْلَ سَلٰمًا۔

② لفظِ سَلٰمًا فعلِ محذوف کا مفعول ہے۔ اَیْ سَلَّمْنَا سَلٰمًا۔

فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝:

حَنِيْذ کے معنی ہے: ”بُھنا ہوا“۔ دوسری جگہ سَمِیْن آیا ہے: فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝● سَمِیْن کے دو (۲) معنی ہیں:

① ایک معنی ہے: گھی میں بُھنا ہوا۔

② دوسرا معنی ہے: بڑے جسم والا، موٹا فربہ۔

وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ اَضْمَرَ فِیْ نَفْسِهٖ۔ مخفی رکھا اُن کی طرف سے دل میں خوف۔ کہا جاتا ہے کہ: اُس وقت اگر کوئی بد ارادے سے آتا تھا تو وہ کھانا نہیں کھاتا تھا اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے اُن کو اُوپرا سمجھا۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ ۔۔۔ الآیۃ (۷۱):

فَضَحِكَتْ کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① حضرت ضحاک ابن مضاحم رحمۃ اللہ علیہ فَضَحِكَتْ کا معنی فرماتے ہیں: فَضَحِكَتْ اَیْ فَحَاضَتْ۔

② دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت پر ہنس پڑی۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: اُس کارروائی پر ہنس پڑی کہ: ہم نے اِن کو انسان سمجھا، بچھڑا تلا اور انہوں نے نہیں کھایا۔

وَهٰذَا بَعْلِیْ شَيْخًا ۔۔۔ الآیۃ (۷۲):

بَعْلِیْ کی جمع بُعُوْلَةٌ آتی ہے۔

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۷۳):

عربی قاعدہ کے لحاظ سے ایک عورت کے لیے جمع مذکر کے صیغے اور ضمائر صحیح ہیں عَلَيْكُمْ وغیرہ۔ ایک عورت کو بھی کُمْ ضمیر سے خطاب کیا جاسکتا ہے۔

● (سُورَۃُ الذّٰرِیٰت، ۲۶)

اب یہاں پہلے کہا: اَتَعْجَبِيْنَ ۔کیا تُو تعجب کرتی ہے؟ مفرد کا صیغہ ہے اور آگے جمع سے خطاب کیا: وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ۔

"بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔ اے گھر والو! تم پر اللہ کی سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو۔[1]

وہاں تنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں پھر بھی آپ ﷺ نے عَلَيْكُمْ سے خطاب فرمایا۔

ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا: ایسا لگتا ہے تیرے اور بھی عورتوں سے تعلقات ہیں اِس لیے تُو گھر میں دیر سے آتا ہے۔ عورتیں وہمی ہوتی ہیں۔

اُس مرد نے کہا: لَوْ شِئْتِ حَرَّمْتُ نِسَآءً سِوَاكُمْ۔ اگر تُو چاہتی ہے تو مَیں تمہارے بغیر سب عورتوں کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں۔

یہاں سِوَاكُمْ کے لفظ سے عورت سے خطاب ہے۔

اَهْلَ الْبَيْتِ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں یَا ء حرفِ ندا محذوف ہے۔ اَیْ یَا اَهْلَ الْبَيْتِ۔

وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰی يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۞:

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت آیت نمبر اکتیس (۳۱) میں وہ جھگڑا آئے گا۔ جب فرشتوں نے کہا: ہم اِس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ سدُوم اُس بستی کا نام تھا جہاں حضرت لوط علیہ السلام رہتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: وہاں تو لوط (علیہ السلام) بھی ہیں۔ جھگڑے سے تکرار وغیرہ مُراد ہے یعنی وہ بحث و تکرار کرنے لگے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا ۔۔۔ الآیۃ ۞:

وہ فرشتے جب حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو اَمْرَد کی شکل میں آئے۔ (اَمْرَد کی جمع مُرْدٌ آتی ہے۔) فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت دی ہے کہ: يَتَشَكَّلُوْنَ بِاَشْكَالٍ مُّخْتَلِفَةٍ۔

سِيْٓءَ بِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ سِيْٓءَ سَآءَ، يَسُوْٓءُ باب نَصَرَ، يَنْصُرُ سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ جیسے بِيْعَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔

وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ ذَرْعًا تمیز ہے اور تمیز مُحَوَّل عَنِ الْفَاعِلِ ہوتی ہے تو درحقیقت فاعل ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ: "اُن کا دل تنگ ہوا"۔

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۔۔۔ الآیۃ ۞:

لفظِ يُهْرَعُوْن کے اِستعمال کے بارے میں دو (۲) باتیں ہیں:

① صاحبِ صراح علامہ جمال الدین قرشی فرماتے ہیں کہ: لفظِ يُهْرَعُوْنَ یہ معروف کے معنیٰ میں ہے لیکن لَا يُسْتَعْمَلُ اِلَّا مَجْهُوْلًا۔ اِستعمال اِس کا مجہول ہے یعنی اِس کا معنیٰ معروف کا ہوگا۔ معنیٰ ہے: آئے اُس کے پاس قوم والے دوڑتے ہوئے۔

② بعض کہتے ہیں کہ: مجہول ہی کا معنیٰ ہوگا۔ معنیٰ ہے: "آئی قوم اُس کی جو دوڑائی جاتی تھی"۔ دوڑانے والی چیز اُن کی خواہشِ نفسانی تھی۔

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر روح المعانی، کبیر، معالم التنزیل، مستدرک، بغوی اور حاکم" کی روایت میں ہے کہ: حضرت لوط علیہ السلام کی تین (۳) بیٹیاں تھیں، حضرت لوط علیہ السلام نے قربانی اور ایثار سے کام لیا۔ تم میں جو ذمہ دار آدمی ہیں میری بیٹیوں میں سے ایک ایک سے نکاح کرلے اور اپنی قوم کو بدی سے بچائے۔ کتنی بڑی قربانی ہے؟!!

سوال بیٹیوں سے کون سی بیٹیاں مُراد ہیں؟

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ لاتدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم، ج ۲، ص ۷۰۷، طبع یادگار شیخ، کراچی)

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "مستدرکِ حاکم" کی روایت میں ہے: اپنی صلبی بیٹیاں نکاح کے لیے پیش کیں۔ اُس زمانہ میں مؤمن اور کافر کا نکاح جائز تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی واعلہ بھی کافرہ تھی۔ نبی ﷺ کے زمانے میں بھی سولہ (۱۶) سال تک جائز تھا، تین (۳) ہجری کے آخر میں منسوخ ہوا۔

② اکثر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: اِس سے قوم کی بیٹیاں مُراد ہیں کیوں کہ پیغمبر قوم کا رُوحانی باپ ہوتا ہے۔ آگے آپ پڑھیں گے: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ۔۔۔ الآیۃ ● آپ ﷺ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ مائیں تب ہوں گی جب آپ ﷺ باپ ہوں گے۔ تو پیغمبر قوم کا رُوحانی باپ ہوتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ: یہ قوم کی بیٹیاں ہیں ان سے نکاح کرو۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝ ﴿۸۰﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① لَوْ کی جزاء محذوف ہے اور وہ لَبَطَشْتُكُمْ ہے۔ یعنی مَیں تمہیں پھر پکڑتا۔

② عالم اَسباب میں یعنی ظاہری اَسباب کی طرف نظر کرتے ہوئے اُنہوں نے یوں فرمایا کیوں کہ اُس وقت سخت گھبراہٹ اور بے حد ضیق کی حالت میں تھے۔

اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝ ﴿۸۱﴾:

حضرت لوط علیہ السلام نے یہاں فرمایا: جلدی عذاب آجائے تو کیا مسئلہ ہے؟ فرشتوں نے کہا: صبح بھی قریب ہے۔ یہ وقت تمہیں اِس لیے دیا جارہا ہے تاکہ تم اِس علاقے سے نکل جاؤ۔ سارے علاقے کو ہم زیر و زبر کردیں گے۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ ﴿۸۲﴾:

سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْد کا معنی ہے: "آگ میں بھنے ہوئے پتھر"۔

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۳﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اُن پتھروں پر کوئی خاص علامت تھی جو اُن پتھروں کو عام پتھروں سے ممتاز کرکے یہ بات ظاہر کرتی تھی کہ: یہ عذابِ الٰہی کے پتھر ہیں۔

② بعض کہتے ہیں کہ: ہر پتھر پر اُس کا نام درج تھا جس کی ہلاکت کا وہ پتھر سبب بنا۔

وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝:

"تفسیر بیضاوی، معالم التنزیل" وغیرہ تفسیروں میں اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: هِيَ کی ضمیر اُس علاقے کی طرف راجع ہے جہاں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تھا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ: وہ قَرْيَة یعنی بستی اِن مکہ کے کافروں سے دُور نہیں ہے، جب جاتے ہیں تو وہاں سے گزرتے ہیں۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: هِيَ کی ضمیر حِجَارَةً کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: جیسے پتھر اُن پر آئے تھے وہ پتھر اِن ظالموں سے بھی بعید نہیں یعنی اِن پر بھی آسکتے ہیں۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۴﴾:

ربط: اُوپر سے انبیاء کرام علیہم السلام کے اور اُن کی قوموں کے واقعات چلے آرہے ہیں اب حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرماتے ہیں۔

مدین مشہور منڈی تھی، یہ تجارت پیشہ لوگ تھے، اِن میں شرک و کفر کے علاوہ یہ تھا کہ: یہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔

● سُوْرَةُ الْاَحْزَاب: ۶

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ مِکْیَال اور مِیْزَان اسمِ آلہ کے صیغے ہیں یا مصدر ہیں۔

اِنِّیْٓ اَرٰىکُمْ بِخَیْرٍ ۔۔۔ الآیۃ:

یعنی اگر غریب شخص ایسا کرے یعنی ناپ تول میں کمی کرے تو اور بات ہے لیکن تم تو مال دار ہو، تم یہ کیوں کرتے ہو؟

بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۶﴾:

لوگوں کو جو اُن کا حق تم دو گے اُس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تمہارے پاس باقی رہ گیا وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۷﴾:

حضرت شعیب علیہ السلام کا لقب خطیبُ الانبیاء علیہم السلام ہے، بڑے فصیح و بلیغ تھے، بڑے عمدہ طریقے سے، ٹھہر ٹھہر کر اور آہستہ آہستہ نماز پڑھتے تھے۔ تو اُنہوں نے طعنہ کے طور پر کہا کہ: اے شعیب! اَصَلٰوتُکَ ۔۔۔ الآیۃ

اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ o:

"بخاری شریف" کتاب التفسیر میں ہے کہ: یہ استہزاء کہتے تھے۔ مثلاً: ایک دُبلا پتلا شخص آرہا ہو تو لوگ کہیں کہ: آیا جی پہلوان۔ اِس طرح ایک شریر شخص آرہا ہو تو لوگ کہیں کہ: آیا جی حضرت جی۔

وَرَزَقَنِیْ مِنْہُ رِزْقًا حَسَنًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۸﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "تفسیر بیضاوی، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: رزقِ حسن سے نبوّت مُراد ہے۔

② رزقِ حسن سے ظاہری رزق مُراد ہے یعنی میرے پاس اگرچہ تمہاری جیسی دُولت نہیں لیکن بھیڑ اور بکریاں وغیرہ اللہ تعالیٰ نے دی ہیں۔

عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ o:

اَنَابَ، یُنِیْبُ، اِنَابَۃً باب اِفْعَال سے واحد متکلم کا صیغہ ہے۔

اَنْ یُّصِیْبَکُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۹﴾:

یہاں عَلٰی حرفِ جر محذوف ہے۔ اَیْ عَلٰٓی اَنْ یُّصِیْبَکُمْ۔

وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْکُمْ بِبَعِیْدٍ o:

مکان کے لحاظ سے بھی دُور نہیں اور وقت و زمانہ کے لحاظ سے بھی دُور نہیں۔

اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ o ﴿۹۰﴾:

وَدَّ، یَوَدُّ، باب سَمِعَ، یَسْمَعُ سے ہے۔ معنی ہے: "محبت کرنے والا"۔

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَہُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۱﴾:

سمجھتے سب کچھ تھے کیوں کہ وہ تو اُن کے ہم لسان تھے لیکن ضد و عناد اور حق پوشی سے ایسا کہتے تھے کہ: ہم تیری بات کچھ نہیں سمجھتے یعنی اِنکار کے لیے کہتے تھے۔

وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۳﴾:

عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اَیْ عَلٰی طَرِیْقَتِکُمْ، عَلٰی خَصِیْلَتِکُمْ۔ یہ اَمر تکلیفی نہیں توبیخی و تہدیدی ہے اور قرینہ یہ ہے کہ: سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ تم عنقریب جان لو گے۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۔۔۔الآیۃ:

كَاَنْ میں اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے اَیْ كَاَنَّهُمْ لَمْ۔

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ٥:

لفظِ بُعْدًا باب كَرُمَ اور سَمِعَ دونوں باب سے آتا ہے یعنی بَعُدَ اور بَعِدَ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ٥:

ربط: سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی قوموں کا ذکر چل رہا ہے اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا بیان ہے۔

سوال: سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے کیا مُراد ہے؟

جواب: سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے مُراد عصیٰ والا معجزہ ہے۔

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۔۔۔الآیۃ:

جس طرح یہاں کفر و تکذیب میں اُن کا اِمام تھا، قیامت کے دن بھی اِمام رہے گا۔ جو لوگ دُنیا میں اُس کی اَندھی تقلید کر رہے تھے وہ اُس کے پیچھے پیچھے آخری منزل جہنم تک پہنچ جائیں گے۔

وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ٥:

وِرْد کا معنی ہے: "پانی کا وہ چشمہ جس میں جانور پانی پیتے ہیں"۔ مَوْرُوْد کا معنی ہے: "اُس میں اُترنا"۔ وہ چشمہ ایسا ہوتا تھا کہ: اُس میں پہلے ایک جانور داخل ہوتا، پھر دوسرا جانور داخل ہوتا، پھر تیسرا وغیرہ وغیرہ۔ اِسی طرح فرعون اور اُس کی قوم والے جہنم میں داخل ہوں گے۔

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً ۔۔۔الآیۃ:

دُنیا میں لعنت یہ ہے کہ: غرق ہوئے۔ اِسی طرح لوگ جو فرعون کا نام لیتے ہیں، ہامان کا نام لیتے ہیں، قارون کا نام لیتے ہیں تو سب اُن کو ملعون ہی سمجھتے ہیں۔

بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ٥:

لفظِ رِفْد کا معنی ہے: "عطیہ"۔ رَفَدْتُهٗ اَیْ اَعْطَيْتُهٗ۔ یہ استہزاء فرمایا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ ۔۔۔الآیۃ:

اَیِ الْمَذْكُوْرُ مِنْ اَنْۢبَآءِ یعنی حضرت نوح علیہ السلام سے اَبھی تک جو بستیوں کی خبریں ہم نے بتائیں۔ "تفسیر بیضاوی" میں لکھا ہے کہ: مِنْ اَنْۢبَآءِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے۔

سوال: نَقُصُّهٗ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب: نَقُصُّهٗ کی "ہٗ" ضمیر ذٰلِكَ کی طرف راجع ہے۔ ہم اُن کو پڑھتے ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، کچھ بستیاں قائم ہیں کچھ کٹی ہیں۔

وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ٥:

تَبَّ، يُتَبُّ، تَتْبِيْب، باب تَفْعِيْل سے ہے۔ معنی ہے: "ہلاکت میں ڈالنا"۔ مطلب یہ ہے کہ: وہ اُن کو ہلاکت میں ڈالنے کا سبب اور ذریعہ بن گئے، حقیقت میں تو وہ ہلاکت میں نہیں ڈال سکتے۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظٰلِمَةٌ ۔۔۔الآیۃ:

ربط: اُوپر حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر اب تک مختلف واقعات سنائے تو اب فرماتے ہیں: اَیْ كَمَا اَخَذْنٰهُمْ۔ جیسے ہم نے اُن کو پکڑا وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ ۔۔۔الآیۃ۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تریسٹھ (۶۳) سال تھی عِشْرُوْنَ شَعْرًا بَيْضَآءَ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی اور سر مبارک

میں تھے۔ایک روایت میں ہے کہ: آپ ﷺ کے ساتھیوں نے عرض کیا کہ: آپ (ﷺ) تو بوڑھے ہوگئے ہیں۔تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مجھے سُوْرَۃُ هُوْد اور اِس جیسی سورتوں نے بوڑھا کردیا ہے۔یعنی اِس غم کی وجہ سے میرے بال سفید ہوگئے۔❶

اب سُوْرَۃُ هُوْد میں جس چیز کی طرف اِشارہ ہے وہ یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے مجرم قوموں کی تباہی کا ذکر کیا اور آگے فرمایا: وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى ۔۔۔ الآیۃ تو اُمّت کی تباہی کے سلسلے میں آپ ﷺ پریشان ہوئے کہ: میری اُمّت میں بھی ایسا عذاب آئے گا، اُن پر بھی تباہی ہوگی۔اِس پریشانی اور غم کی وجہ سے اِنسان جلدی بوڑھا ہوجاتا ہے۔

يَوْمَ يَأْتِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۵﴾:

"تفسیر رُوح المعانی" میں علامہ آلوسی ﷫ فرماتے ہیں اور "تفسیر بیضاوی" میں بھی ہے اور دیگر تفسیروں میں بھی لکھا ہے کہ: يَأْتِيْ سے يَاء تخفیفاً گر گئی بغیر کسی حرفِ جازم اور ناصب کے یعنی يَاء کے گرنے کا کوئی سبب موجود نہیں ہے۔اَصل میں يَوْمَ يَأْتِيْ تھا۔

لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

لَا تَكَلَّمُ اَصل میں لَا تَتَكَلَّمُ تھا اور یہ بابِ تَفَعُّل سے ہے۔

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ۝ ﴿۱۰۶﴾:

"قاموس، مختار الصحاح، صراح، منتہی العرب" میں لکھا ہے اور لغت کی کتابوں سے تفسیروں میں منقول ہے کہ: گدھے کی وہ آواز جو ابتداً زور سے نکالتا ہے اُس کو زَفِيْر کہتے ہیں اور جب آخر میں وہ آواز مدہم ہوجائے تو اُس کو شَهِيْق کہتے ہیں۔

سوال گدھے کی آواز کے ساتھ کیوں تشبیہ دی؟

جواب یہ تشبیہ اِس لیے دی گئی ہے کیوں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝❷ تمام آوازوں میں بُری آواز گدھے کی ہے یعنی بہت خراب آواز اُن کی ہوگی اور گدھے کی طرح وہاں جہنّم میں چیخیں گے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۷﴾:

سوال فِيْهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب فِيْهَا کی "هَا" ضمیر نَار کی طرف راجع ہے۔اَیْ خٰلِدِيْنَ فِي النَّارِ۔

بات بہت طویل ہے میں مختصراً عرض کرتا ہوں کہ: مولانا سیّد سلیمان ندوی ﷫ پہلے غلط نظریہ کے مالک تھے۔"سیرت النبی ﷺ" کی پہلی دو (۲) جلدیں اُن کے اُستادِ محترم مولانا شبلی نعمانی ﷫ نے لکھیں اور تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی (۳، ۴، ۵، ۶) جلد اُنہوں نے لکھی تھی اُس میں اُنہوں نے چند غلطیاں کیں تھیں:

① ایک غلطی یہ ہے کہ: اُنہوں نے لکھا: جہنّم ایک وقت آئے گا فنا ہوجائے گی، جہنّم میں کوئی شے نہیں رہے گی۔اُنہوں نے چودہ (۱۴) دلائل پیش کیے تھے کہ دوزخ ہمیشہ نہیں رہے گی۔اُن میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ: خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۔۔۔ الآیۃ❸ آگ میں رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین رہیں گے۔اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۔۔۔ الآیۃ❹ مگر جو رب چاہے۔اِس سے بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ: دوزخ ہمیشہ نہیں رہے گی۔

② ایک غلطی یہ ہے کہ: معراجِ جسمانی کا اِنکار کیا ہے۔کہا کہ: یہ صرف ایک خواب تھا اور کشف تھا۔(نَعُوْذُ بِاللهِ)

جواب "تفسیر روح المعانی، البحر المحیط، ابو سعود، کبیر" وغیرہ میں لمبی بحث ہے، مَیں تین (۳) باتیں عرض کرتا ہوں:

① پہلی بات یہ ہے کہ: اِلَّا یہ حرفِ اِستثناء نہیں بل کہ بمعنی سِوٰی ہے۔معنٰی ہے: ہمیشہ رہیں گے اُس نَار میں جب تک کہ آسمان اور زمین رہیں سوا اُس کے جو رب تیرا چاہے۔

❶ (شمائل الترمذی، باب ما جاء فی شیب رسول اللہ ﷺ، ص ۳، طبع قدیمی، کراچی) ❷ (سُوْرَۃُ لُقْمٰن ۱۹) ❸❹ (سُوْرَۃُ هُوْد ۱۰۷)

③ دوسری بات یہ ہے کہ: مَا بمعنی مَنْ کے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: وہ جو بدبخت ہیں اُن بدبختوں میں دو (۲) قسم کے لوگ ہوں گے:

① وہ لوگ جن کی بدبختی عقیدۂ کفر اور شرک کی ہوگی وہ لوگ نہیں نکلیں گے۔

② وہ لوگ جو صرف عملی لحاظ سے بدبخت ہوں گے۔ تو معنی یہ ہے کہ: "وہ بدبخت دوزخ میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین ہیں" مگر لَوْ شَآءَ اللہُ مِنَ الْعُصَاۃِ۔ مگر گناہ گاروں میں سے جن کو اللہ چاہے یعنی جو گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں ہوں گے وہ نکل جائیں گے۔

③ تیسری بات یہ ہے کہ: سَمٰوٰت اور اَرْض سے یہ آسمان اور زمین مُراد نہیں بل کہ تیرھویں پارے میں ہے کہ: یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ ۔۔۔ الآیۃ ❶ یعنی قیامت کے دن یہ آسمان بھی بدل دیے جائیں گے اور زمینیں بھی بدل دی جائیں گی۔ نہ یہ فانی آسمان رہیں گے اور نہ فانی زمینیں رہیں گی۔ اور اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۔۔۔ الآیۃ ❷ اِس سے بتادیا کہ: رب اگر اُن کو برقرار نہ رکھنا چاہے، دوام نہ رکھنا چاہے تو کرسکتا ہے لیکن کرتا نہیں۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ بہت وسیع النظر اِنسان تھے، مطالعہ والے تھے۔ اُنہوں نے حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کو خط لکھا کہ: مَیں آپ کی کتابوں سے متاثر ہوں، مَیں آپ کے ہاتھ بیعت کرتا ہوں۔ تو جواب میں حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: مَیں ملحد اور زندیق کو بیعت نہیں کرتا۔ تو اَصل بات یہ ہے کہ: آدمی کو اپنی کمزوری خود معلوم نہیں ہوتی جب تک حزبِ اِختلاف نہ ہو۔ وہ بہت پریشان ہوئے کہ: مَیں اِتنا بڑا تاریخ دان ہوں اور مجھے ملحد کہتے ہیں؟ (شیخ صفدر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: جنہوں نے میرے کتابوں پر تنقید کی ہے مَیں اُن سے بہت خوش ہوں۔) تو اُنہوں نے کہا کہ: مَیں کیسے ملحد ہوں؟ حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: اِس لیے کہ آپ خَلُوْد فِی النَّار نہیں مانتے، معراج بدنی نہیں مانتے۔ وہ مان گئے، ضدی نہ تھے، اپنی اِصلاح کے لیے دل شیشہ تھا۔ اب اُن کی کتابوں میں کوئی غلطی نہیں رہی۔ حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: جاؤ اور اپنی کتاب میں لکھو کہ: مَیں نے فلاں فلاں جگہ غلطی کی ہے اور آئندہ تصحیح کی جائے گی اور آگے بھی نہیں کروں گا۔ اُنہوں نے ایسا ہی کیا اور رُجوع فرمالیا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْہِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۰﴾:

ربط: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر چلا آرہا ہے، آگے بھی اُن کا ذکر ہے کہ: ہم نے اُن کو کتاب دی، پھر اُس میں پھوٹ پڑ گئی اور اِس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ: اگر یہ مشرکین نہیں مانتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خفا و پریشان نہ ہوں۔

وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ ۔۔۔ الآیۃ:

اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات طے شدہ نہ ہوتی۔ کون سی بات؟ لِتَاخِیْرِ عَذَابِھِمْ تو اُن کو فوراً ہلاک کردیا جاتا۔

وَاِنَّھُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ ○:

سوال مِنْہُ کی "ہ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب مِنْہُ کی "ہ" ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔ اَیْ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

وَاِنَّ کُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّھُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَھُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۱﴾:

"البحر المحیط، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: کُلًّا میں تنوین عوض مضاف الیہ ہے اَیْ کُلَّ الْخَلَائِقِ اور لَمَّا اَصل میں لَمَنْ مَا تھا مَنْ موصولہ اور مَا زائدہ تھا۔ نُون کو مِیم کردیا لِقُرْبِ الْمَخْرَجَیْنِ، مِیم کو مِیم میں مدغم کردیا اور ایک مِیم کو حذف کیا تو لَمَّا بن گیا۔ آیت کا معنی ہے: اور بے شک! سب کی سب مخلوق کہ البتہ اللہ تعالیٰ اُن کو ضرور بالضرور دے گا جزائے اَعمال۔

فَائِدَۃ: حرفِ مَنْ لفظاً مفرد ہوتا ہے اور معناً جمع ہوتا ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ اِبْرٰھِیْم، ۴۸) ❷ (سُوْرَۃُ ھُوْد، ۱۰۷)

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۳﴾:

اِس میں کمال مبالغہ ہے یعنی ظلم تو در کنار ظالموں کی طرف جھکو بھی مت۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۴﴾:

جن چیزوں کا بدلہ ہے اُن چیزوں میں نماز سرِ فہرست ہے۔

زُلَفًا یہ زُلْفَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: زُلْفَةٌ اَیْ سَاعَةٌ یعنی رات کی ایک ساعت اور حصہ۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۔۔۔ الآیۃ:

"بخاری شریف" میں اِجمال "ترمذی شریف" میں تھوڑی تفصیل اور "مسند اَحمد" میں اور تفصیل ہے کہ: ایک شخص نے راستے میں عورت کا بوسہ لیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ: مجھ سے یہ غلطی ہوگئی ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے اِعراض کیا۔ تو یہ آیت نازل ہوگئی: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۔۔۔ الآیۃ۔ نیکیاں برائیوں کو دُور کرتی ہیں۔ یہاں برائیوں سے گناہ صغیرہ مُراد ہے نہ کہ کبیرہ۔ ❶

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۶﴾:

ربط: اُوپر بیان تھا کہ: ظالموں کی طرف مت جھکو، آگے بیان فرماتے ہیں کہ: وہ لوگ جنہوں نے دعوت نہیں پہنچائی وہ مجرم ہیں۔

اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ اُولُوْا خَيْرٍ، اُولُوْا فَضْلٍ، اُولُوْا دِيْنٍ، اُولُوْا فَضِيْلَةٍ۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۷﴾:

جب تک قوم میں اِصلاح کرنے والے ہوں اللہ تعالیٰ ہلاک نہیں کرتا۔

"بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اَنَهْلِكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُوْنَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ اِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ ❷ جب خباثت بڑھ جائے گی تو صالحین کا وجود ہلاکت سے مانع نہیں ہوگا یعنی مصلح ہونا عذاب سے مانع ہے صالح ہونا عذاب سے مانع نہیں ہے۔

وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۹﴾:

"تفسیر کشاف" عربیت کے لحاظ سے بڑی تفسیر ہے لیکن خدا کا بندہ نہایت غالی معتزلی تھا۔ یہاں زمخشری بڑا تڑپا ہے کیوں کہ معتزلہ کے نزدیک خیر رب کی طرف سے ہے اور شر بندہ خود کرتا ہے یعنی اَفعالِ عباد کا خالق بندہ خود ہے۔ جب کہ جمہور فرماتے ہیں کہ: بندہ خالق نہیں بل کہ کاسب ہے، خالق تو اللہ تعالیٰ ہے۔

کسب اور خلق میں فرق:

① خلق آلہ کا محتاج نہیں، کسب آلہ کا محتاج ہے۔

② خالق اپنے فعل میں متفرد ہوتا ہے، کاسب اپنے فعل میں متفرد نہیں ہوتا۔

اِس کے علاوہ اور بھی بہت سے فرق ہیں۔

اِس آیت سے چوں کہ علامہ زمخشری اور معتزلہ پر رد ہوتا ہے اس طور پر کہ: وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ❸ ہمیشہ مختلف رہیں گے۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۔۔۔ الآیۃ ❹ مگر جن پر رب رحم فرمائے۔

سوال اب سوال یہ ہے کہ: وَلِذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ کیا ہے؟

جواب اِس میں جمہور اور معتزلہ کا اِختلاف ہے:

---

❶ (صحیح البخاری، کتاب المواقیت الصلاۃ، باب صلوۃ کفارۃ، ج۱ ص۷۵، طبع قدیمی، کراچی) ❷ (صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ ویسئلونک عن ذی القرنین، ج۱ ص۴۷۲، طبع قدیمی، کراچی)

❸ (سُورۃُ هُود، ۱۱۸) ❹ (سُورۃُ هُود، ۱۱۹)

جمہور فرماتے ہیں کہ: وَلِذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ اِختِلَاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اختلاف کے لیے پیدا کیا ہے، اپنی مرضی سے ایمان لاؤ۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔۔۔ الآية ❶

علامہ زمخشری نے کہا کہ: وَلِذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ مَنْ رَّحِمَ ہے۔ اللہ نے رحمت کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ تمام اہلِ حق کے خلاف بات ہے۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○:

"قاموس، صراح، تاج العروس" میں لکھا ہے کہ: اَجْمَعَ یہاں کُلٌّ کے معنی میں نہیں بل کہ اکٹھے کے معنی میں ہے یعنی متفرق کی ضد ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ۔۔۔ الآية ❶٢٠:

بات اور ترکیب سمجھنا۔ چھٹے پارہ میں آپ پڑھ چکے ہیں: ہم نے پیغمبر بھیجے۔ پس اَوَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ۔۔۔ الآية ❷ کچھ پیغمبر ہیں جن کے واقعات ہم نے تمہیں بتائے ہیں کچھ ہیں جن کے واقعات ہم نے تمہیں نہیں بتائے۔

مولوی عمر نے کہا کہ: یہ جو تم معنی کرتے ہو وہ غلط ہے کیوں کہ قرآن کہتا ہے: وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ۔۔۔ الآية ❸ ہم نے تمام پیغمبروں کے واقعات بتائے۔

جواب اُس کا اِستدلال دو (۲) وجھوں سے باطل ہے:

① اوّلاً اِس لیے کہ سُوْرَۃُ النِّسَآء ہے مدنی اور سُوْرَۃُ هُوْد ہے مکی، تو مکی سورۃ میں ہے کہ: "سب" اور پھر مدنی میں ہے کہ: "بعض" تو یہ قرآن کریم کی بات تو نہیں ہوسکتی کہ پہلے کہتے ہیں کہ: "سب" اور بعد میں کہتے ہیں کہ: "بعض"۔

② ثانیاً اِس لیے کہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ، قاضی بیضاوی رحمہ اللہ، علامہ اندلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عامل فعل ہے تو اپنے معمول میں عمل کرسکتا ہے خواہ مقدّم ہو کہ مؤخر۔ تو نَقُصُّ فعل ہے، فعل عاملِ قوی ہوتا ہے اور كُلًّا مفعول ہے مقدّم ہو کہ مؤخر اور كُلًّا میں تنوین عوضِ مضاف الیہ ہے اَيْ كُلَّ نَبَاٍ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ۔ مِنْ تبعیضیہ ہے، مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ یہ صفت ہے، یہ مبدل منہ ہے اور مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ یہ بدل ہے یا عطفِ بیان ہے۔ تو معنی یوں ہوئے کہ: "بیان کرتے ہیں ہم تجھ کو پیغمبروں کی بعض خبروں میں سے ہر ایسی خبر جس میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل کی تسلی ہو"۔ یا یہ معنی ہوا کہ: "ہم انبیاء، رسل میں سے ہر وہ خبر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بتاتے ہیں جس سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل کو ثابت کریں، مضبوط کریں"۔

مولوی عمر عجیب مخلوق ہے!! ہم نے مولیوں میں اِتنا بے حیا نہیں دیکھا۔ ایک مناظرہ ہوا تو اُس نے ایک عبارت پڑھی کہ: مَا بَالُ اَقْوَامًا۔ کیا حال ہے اَقوام کا؟ مولانا مرحوم غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ پنڈی والے اُٹھے اور فرمایا کہ: معنی تو صحیح ہے لیکن لفظ صحیح نہیں پڑھا کیوں کہ اَصل میں مَا بَالُ ہے۔ مَیں خود موجود تھا، تو اُس نے پہلے تو یہ کہا کہ: پہلے بتاؤ کہ اَلْمُنَاظِرَتَيْن کون ہیں؟ تو ہم نے کہا کہ: یہ مصدر ہے مُنَاظِرَيْن ہونا چاہیے؟ نہیں مانے تو ہم نے کہا کہ: ہم تو اپنی طرف سے مَرد لائے ہیں اور اگر آپ کی طرف سے عورت ہو تو ٹھیک ہے۔ اُس نے کہا کہ: "مَن کہ مستّی محمد عمر" (نام رکھنے والا) اور اَصل تو "مسمّٰی" ہوتا ہے، ہم نے تو "مستّی" سنا ہے "مسمّی" نہیں، تو تھانیدار نے کہا کہ: آپ کا مناظرہ بھی ایسا ہوگا۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْكَهْف ۲۹) ❷ (سُوْرَۃُ النِّسَآء ۱۶۴) ❸ (سُوْرَۃُ هُوْد ۱۲۰)

آیاتُھا (۱۱۱)　　(۱۲) سُوْرَۃُ یُوْسُفَ مَکِّیَّۃٌ (۵۳)　　رُکُوْعَاتُھَا (۱۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: ربط کے متعلّق تین (۳) باتیں ہیں:

① پہلی سورۃ کے آخر میں تھا کہ: وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ الآیۃ ❶ اللہ ہی کے لیے ہے غیب آسمان اور زمین میں۔ آگے واقعہ بیان کرتے ہیں کہ: حضرت یعقوب علیہ السلام بڑی شان والے اور جلیل القدر پیغمبر تھے اُن کو بھی غیب کا علم نہ تھا۔ اگر غیب کا علم ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملے میں اِتنا پریشان نہ ہوتے۔

② گزشتہ سورۃ کے آخر میں یہ فرمایا: وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ۔۔۔ الآیۃ ❷ سارا معاملہ رب کی طرف لوٹتا ہے۔ رب کے ہاں طے شدہ تھا کہ: حضرت یوسف علیہ السلام کو اقتدار پر لانا ہے، بھائی کچھ بھی نہ کرسکے۔

③ اللہ پر توکل کرنا بڑی اچھی شے ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی توکل کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی توکل کیا اللہ تعالیٰ نے توکل کا پھل دونوں کے سامنے دیا۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ یُوْسُف ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبر ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ○ ❷:

تاکہ اے عربیو! تم سمجھو۔ قرآن مجید کے اوّلین مخاطب اہلِ عرب تھے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ۔۔۔ الآیۃ ❸:

لفظِ قَصَص مصدر ہے قِصَّۃٌ کی جمع نہیں ہے۔ قِصَّۃٌ کی جمع قاف کے کسرہ کے ساتھ قِصَص آتی ہے۔ معنیٰ ہے: "حال، بیان، سرگذشت"۔

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ○:

اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ بعض اِنَّکَ کُنْتَ اور بعض اِنَّہٗ کُنْتَ کہتے ہیں۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ۔۔۔ الآیۃ ❹:

یٰۤاَبَتِ اَصل میں یَا اَبِیْ تھا تاء بدل از یاء ہے۔ معنیٰ ہے: "اے میرے ابا جی!"۔

اِنِّیْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔۔۔ الآیۃ:

حضرت یوسف علیہ السلام چھوٹے تھے، اُن کی عمر چھ (۶) یا آٹھ (۸) یا دس (۱۰) سال تھی (بنابر اِختلاف)۔ سلسلۂ نسب اِس طرح ہے: "یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام"۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ: گیارہ (۱۱) ستارے، سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ گیارہ (۱۱) ستاروں سے گیارہ (۱۱) بھائی مُراد ہیں، سورج اور چاند سے ماں اور باپ مُراد ہیں۔ آپ علیہ السلام کی والدہ کی وفات ہوچکی تھی اور والد علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کی خالہ "لیۃ" سے نکاح کیا تھا۔

رَاَيْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِيْنَ○:

سجدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ: ایک وقت آئے گا کہ یہ سب تیرے سامنے جھکے ہوں گے اور تیری برتری ہوگی۔

قَالَ يٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ۔۔۔ الآیۃ ❺:

یٰبُنَیَّ کا معنیٰ ہے: اے میرے پتر! یعنی "یاء" اِس میں شفقت کے لیے ہے۔

---

❶❷ (سُوْرَۃُ ھُوْد، ۱۲۳)

وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶﴾:

اَیْ كَمَا اجْتَبَاكَ لِهٰذِهِ الرُّؤْيَا ۔ جیسے: اِس خواب کے لیے رب نے تمہیں چنا اسی طرح رب تمہیں چنے گا اور باتوں کو مآل تک پہنچانے کی تعلیم تمہیں دے گا۔

وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۔۔۔ الآیۃ:

اَحَادِیْث اگر اُحْدُوْثَۃٌ کی جمع ہے تو قیاس کے مطابق ہے۔ معنی ہے: "کہانی"۔ اگر اَحَادِیْث، حَدِیْثٌ کی جمع ہو تو خلاف القیاس ہے۔

سوال تَأْوِيْلِ الْاَحَادِيْث سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① ایک وقت آئے گا کہ آپ کو حکومت ملے گی اور اللہ فیصلہ کا اِختیار دے گا اور بات کو سن کر آپ فوراً نتیجے تک پہنچ جائیں گے۔

② اللہ تعالیٰ آپ کو خوابوں کی تعبیر سکھلائے گا۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۷﴾:

ربط: آنحضرت ﷺ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں لوگوں نے سوالات کیے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے جوابات دیے اور فرمایا کہ: حضرت یوسف علیہ السلام اور اُن کے بھائیوں کے واقعہ میں نشانیاں ہیں۔

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸﴾:

واقعہ: مختصر یہ ہے کہ: بنیامین، حضرت یوسف علیہ السلام سے کچھ چھوٹے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام دونوں اپنے دوسرے بھائیوں سے چھوٹے تھے اور طبعی طور پر ماں باپ کا میلان ومحبت اور اُنس چھوٹوں کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے، اور یہ اِس لیے کہ اُن کی تربیت اچھے طریقے سے ہو جائے۔ اِن دونوں کی ماں فوت ہو چکی تھی اور والد صاحب اُن سے محبت کرتے تھے۔ اُن بھائیوں کو یہ گوارا نہ تھا تو وہ بجائے اس کے کہ یہ کہتے کہ: یہ چھوٹے ہیں، خیر ہے کہ والد صاحب اِن سے محبت کریں بل کہ اُنہوں نے اُلٹا کہا: لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۔۔۔ الآیۃ۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

سوال اِس قَائِل کا کیا نام تھا؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اکثر حضرات نے اِس قَائِل کا نام "یہودا" لکھا ہے۔

② علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اور دیگر حضرات نے اِس قَائِل کا نام "روبیل" لکھا ہے۔

وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۔۔۔ الآیۃ:

غَیَابَۃ کے معنی ہیں: "گہرائی، اَندھیری، تاریکی"۔ جُبّ کا معنی ہے: "کنواں، گڑھا، کھڈا"۔ لہٰذا جن مترجمین نے یہ معنی کیا: "تاریکی میں پھینک دو" وہ بھی صحیح ہے اور جنہوں نے یہ معنی کیا: "کنویں کی گہرائی میں پھینک دو" یہ بھی صحیح ہے۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲﴾:

"قاموس" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: رَتَعَ کا لفظ حیوانات کے لیے اِستعمال ہو جائے تو معنی ہے: "چرنا" اور اِنسانوں کے لیے اِستعمال ہو جائے تو معنی ہے: "کھانا"۔ یہ معنی بھی ہے کہ: "کھلے طور پر پھل اور میوے کھانا"۔

وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۳﴾:

اَلذِّئْب پر اَلِف لَام جنس کے لیے ہے یعنی کوئی بھی بھیڑیا کھا جائے۔ اکثر تفاسیر میں یہ لکھا ہے اور "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: وَكَانَتْ اَرْضُهٗ كَثِيْرَةَ الذِّئَابِ۔ اُن کے علاقے میں بھیڑیے زیادہ تھے۔

وَاَجۡمَعُوۡۤا اَنۡ یَّجۡعَلُوۡہُ فِیۡ غَیٰبَتِ الۡجُبِّ ۚ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۵﴾:

اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ: اِجماع باطل باتوں اور چیزوں پر بھی ہوتا ہے۔ آج کل اَسمبلی والے اِجماع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: یہ حق ہے۔ (لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ)

وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡہِ۔۔۔الآیۃ:

حقیقتاً وحی ہو تو اِس سے نبوت ثابت نہیں ہوتی۔ "تفسیر وہبی" میں لکھا ہے کہ: نبوت بعد میں ملی تھی، یہ قصہ حال کی بشارت تھی۔

وَجَآءُوۡۤ اَبَاہُمۡ عِشَآءً یَّبۡکُوۡنَ ﴿۱۶﴾:

اِس کے متعلق دو (۲) باتیں لکھی ہیں:

① جان بوجھ کر اَندھیرے میں آئے اِس لیے کہ دن کے اُجالے میں باپ کو منہ دکھانا زیادہ مشکل تھا اور رات کی سیاہ چادر بے حیائی، سنگدلی اور جھوٹی آہ و بکا کی کسی حد تک پردہ داری کر سکتی تھی۔

② گھر پہنچتے پہنچتے اَندھیرا ہو گیا۔

حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ "قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کی خانہ تلاشی" میں لکھتے ہیں کہ: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل وہ لوگ تھے جن کے چھوٹے آج کل جو اپنے آپ کو مارتے ہیں، اِن چھوٹوں کے بڑے خود قاتل تھے۔

وَجَآءُوۡ عَلٰی قَمِیۡصِہٖ بِدَمٍ کَذِبٍ ؕ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۸﴾:

تفاسیر میں لکھا ہے کہ: سَخۡلَۃٌ یعنی بکری کا بچہ ذبح کر کے اُس کا خون حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص پر چھڑک لائے تھے، وہ جھوٹا خون پیش کر کے باپ کو یقین دلانے لگے کہ: بھیڑیے کے زخمی کرنے سے کرتہ خون آلود ہو گیا۔

فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ۔۔۔الآیۃ:

یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ اَیۡ فَاَمۡرِیۡ صَبۡرٌ جَمِیۡلٌ یا فَصَبۡرِیۡ صَبۡرٌ جَمِیۡلٌ۔

وَجَآءَتۡ سَیَّارَۃٌ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۹﴾:

دوسری طرف ایک کنعانیوں کا قافلہ آیا وہ مصر جا رہا تھا۔ اُدھر سے مصر تک کا فاصلہ ثَمَانِیَۃَ اَیَّامٍ بھی لکھا ہے، عَشۡرَۃَ اَیَّامٍ بھی لکھا ہے۔ اِس جگہ سے مصر تک آٹھ (۸) دن یا دس (۱۰) دن کی مسافت تھی۔

فَاَرۡسَلُوۡا وَارِدَہُمۡ فَاَدۡلٰی دَلۡوَہٗ ؕ۔۔۔الآیۃ:

اُس زمانہ میں قافلے والے اپنی سہولت کے لیے اپنے ساتھ ایک ملازم رکھتے تھے۔ اُس کا کام ہوتا تھا پانی مہیا کر کے دینا۔ اُس کو کہتے تھے: وَارِد۔ اُس وَارِد کا نام "مالک ابن دغر" تھا۔ قافلے والوں نے وہاں ڈیرہ ڈالا اور اپنے وَارِد کو بھیجا کہ پانی تلاش کرو۔ ڈول اور رسّی اُن کے پاس ہوتی تھی کنواں دیکھا تو اُس نے اپنا ڈول ڈال دیا۔ اُس ڈول کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام چمٹ گئے۔ مالک ابن دغر بڑا طاقتور پہلوان تھا وہ حیران ہوا۔ کہنے لگا کہ: مَیں نے کتنی جگہوں میں پانی کھینچا ہے یہاں کا پانی بڑا بھاری ہے، جب باہر نکلا تو اُس ڈول میں حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ تین (۳) روز تک حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں رہے، اُس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر سترہ (۱۷) برس تھی۔

قَالَ یٰبُشۡرٰی ہٰذَا غُلٰمٌ ؕ۔۔۔الآیۃ:

سوال: بُشۡرٰی سے کیا مُراد ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اکثر حضرات فرماتے ہیں: بُشۡرٰی سے مُراد خوشخبری ہے۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اُس پانی لانے والے کا ساتھی تھا اُس کا نام "بشریٰ" تھا، اُس کو آواز دی۔

وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۔۔۔ الآیۃ:

بِضَاعَة کا معنی ہے: رَأْسُ الْمَال۔

سوال: اَسَرُّوْهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَسَرُّوْهُ کی "ہٗ" ضمیر بھائیوں کی طرف راجع ہے۔

② جمہور کہتے ہیں کہ: اَسَرُّوْهُ کی "ہٗ" ضمیر قافلہ والوں کی طرف راجع ہے۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰﴾:

بیس (۲۰) یا بائیس (۲۲) درہم، دو (۲) جوڑے بھی تھے۔ اگر اپنے چھوٹے بھائی کو شامل نہیں کرتے تو بیس (۲۰) درہم میں ہم میں سے ہر ایک دو، دو (۲،۲) لے گا۔

وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ۝:

زُهْد کا صلہ جب فَاء آجائے تو معنی یہ ہے کہ: "بے رَغبت تھے"۔ جیسے کہا جاتا ہے: زُهْدٌ فِي الدُّنْيَا یعنی دُنیا سے بے رَغبتی کی۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:

ریان بن ولید بادشاہ مصر تھا۔ قطفیر وزیر اعظم تھا، عزیزِ مصر یہی تھا۔ کہتے ہیں کہ: مصر پہنچ کر نیلامی ہوئی، عزیزِ مصر کی بولی پر معاملہ ختم ہوا۔ بیس (۲۰) دینار اور دو جوڑوں پر خریدا۔ اُس نے اپنی عورت زلیخہ یا راحیل سے کہا کہ: نہایت پیارا، قبول صورت اور ہونہار لڑکا معلوم ہوتا ہے، اِس کو پوری عزّت وآبرو سے رکھنا، غلاموں جیسا معاملہ اِس کے ساتھ مت کرنا، شاید بڑا ہو کر ہمارے کام آئے، ہم اپنا کاروبار اِس کے سپرد کردیں گے یا جب اَولاد نہیں ہے تو بیٹا بنالیں گے۔

فائدہ: (بعض نے زلیخا اور راحیل میں یہ ربط بیان کیا ہے کہ: ایک نام اور دوسرا لقب ہے)۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ كَمَا اَخْرَجْنَا يُوْسُفَ مِنَ الْبِئْرِ۔ جیسے ہم نے یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا ایسے ہی ہم نے یوسف علیہ السلام کو اُس زمین میں قدرت دی، وزیر اعظم کے گھر پہنچایا تا کہ ہم باتوں کو مآل تک پہنچانے کا رنگ ڈھنگ اُن کو سکھلا دیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۲﴾:

سوال: حُكْمًا سے کیا مُراد ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① حُكْمًا سے مُراد قوت اور فیصلہ ہے۔

② بعض کہتے ہیں کہ: اِن دونوں سے مُراد نبوّت ہے۔

وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۳﴾:

"تفسیر بیضاوی، کشاف، کبیر، روح المعانی، کمالین، جمل" وغیرہ میں لکھا ہے کہ هَيْتَ کے تین (۳) معنی ہیں:

① اَقْبِلْ متوجہ ہو۔ ② بَادِرْ جلدی کر۔ ③ عَجِّلْ تعجیل کر۔

سوال: لَكَ کس سے متعلق ہے؟

جواب: لَكَ فعلِ محذوف سے متعلق ہے، وہ فعل اَقُوْلُ ہے۔ اَیْ اَقُوْلُ لَكَ اَقْبِلْ۔ مَیں تم سے کہتی ہوں کہ: متوجہ ہوجاؤ۔

قَالَ مَعَاذَاللّٰهِ ـــ الآية:

یہ مفعول مطلق ہے۔ اَیْ اَعُوْذُمَعَاذَاللّٰه۔

اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ـــ الآية:

سوال اِنَّهٗ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① اِنَّهٗ کی "ہٗ" ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: اللہ کی ذات جو کہ میرا آقا ہے اُس نے مجھے اَچھا ٹھکانہ دیا میں اُس رب کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔

② اِنَّهٗ کی "ہٗ" ضمیر اَلَّذِی اشْتَرٰىهُ ـــ الآية ❶ کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: وہ جس نے مجھے خریدا اُس نے میرا ٹھکانہ اَچھا کیا، مجازی طور پر وہ میری تربیت کرنے والا ہے، مَیں اُس کی بیوی سے خیانت نہیں کرسکتا۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ـــ الآية ﴿۲۴﴾:

البتہ تحقیق سے وہ عورت تو یوسف علیہ السلام کا قصد کرچکی تھی اور وہ بھی قصد کر چکتے اگر رب کی برھان کو نہ دیکھ لیتے۔

بعض کہتے ہیں: هَمَّتْ بِهٖ اُس عورت نے اِرادہ کیا اپنی طرف مائل کرنے کا۔ وَهَمَّ بِهَا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اِرادہ کیا اُس کو دفع کرنے کا۔

اُس عورت کا هَمّ اور رنگ کا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا هَمّ اور رنگ کا تھا۔

لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ـــ الآية:

یہ شرط ہے اِس کی جزاء محذوف ہے۔ صاحبِ جلالین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جزاء لَجَامَعَهَا ہے۔ اگر رب کا برھان نہ دیکھتے تو اُس سے ہمبستری کر چکتے۔

سوال یہ برھان کیا تھی؟

جواب اِس میں تین(۳) اَقوال ہیں:

① اِمام رازی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: وہ برھان وصفِ عصمت تھا جو اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ کرام علیہم السلام کو عطا فرمایا ہے۔

② بعض کہتے ہیں کہ: خدا کی قدرت سے اُس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی مثالی شکل سامنے آئی اِس طور پر کہ: اُنگلی دانتوں میں دبائے سامنے کھڑے ہیں۔ وہ شکل حضرت یعقوب علیہ السلام کے مثل شکل تھی اور یہ ہوسکتا ہے لیکن اُس مثالی شکل سے اَصل کو پتہ نہیں ہوتا کہ میری مثالی شکل کہاں ہے؟ کیا کررہی ہے؟ مثلاً: بعض کہتے ہیں کہ: مَیں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا، فلاں ولی کو دیکھا وغیرہ۔

③ بعض نے کہا کہ: کوئی غیبی تحریر پر نظر پڑی جس میں اِس فعل سے رُوکا گیا تھا۔

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا ـــ الآية ﴿۲۵﴾:

خود مُستَغِیث بھی ہے اِس طور پر کہ: قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا ـــ الآية یہ اِستغاثہ ہے اور خود جج بھی ہے اِس طور پر کہ: اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ یہ فیصلہ سنایا۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ـــ الآية ﴿۲۶﴾:

مودودی صاحب کہتے ہیں کہ: یہ شَاهِد جج تھا اور مجسٹریٹ تھا (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه) یعنی اُن کے نزدیک مفہوم یہ ہوا کہ: وزیرِ اعظم جج کے پاس گیا، مجسٹریٹ کے پاس گیا کہ: دیکھو جی! میری بیوی کا یہ حال ہے۔ یہ ہے کوئی عقل کی بات؟ یہ عقل کے خلاف بات ہے اور نقل کے بھی خلاف ہے۔ نقل کے خلاف اِس لیے ہے کہ: اکثر روایتوں میں ہے کہ وہ شَاهِد نابالغ بچہ تھا، شیر خوار تھا۔ اِبْنُ عَمِّهَا بھی لکھا ہے، اِبْنُ خَالَتِهَا بھی لکھا ہے۔ یعنی کسی تفسیر میں آپ کو ملے گا کہ: اُس عورت کا چچا زاد بھائی تھا، کسی تفسیر میں ملے گا کہ: اُس عورت کا خالہ زاد بھائی تھا۔ دُودھ پینے والا بچہ تھا نہ مجسٹریٹ تھا نہ جج تھا۔

---

❶ (سُوْرَۃُ یُوسُف:۲۱)

إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝:

عورتوں کا مکر بڑا اور شیطان کا چھوٹا ہے۔ چوتھے پارہ میں ہے: إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيفًا ۝●

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ نِسْوَةٌ مؤنث غیر حقیقی ہے۔

ہمارا تجربہ ہے کہ: طالب علموں کے پاس جب بات پہنچ جائے تو ٹی وی (T.V) سے بھی جلدی نشر ہو جاتی ہے اور عورتیں بھی اس پہنچانے میں مشہور ہیں۔

تو مصر کی عورتوں میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ: عزیزِ مصر کی بیوی ایک غلام پر فریفتہ ہونے لگی ہے۔ ایسے معزز عہدہ دار کی بیوی؟ کیا کوئی وزیر داخلہ یا وزیر خارجہ نہیں؟ اُن سے کیوں محبت نہیں کرتی؟

وَاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا۔۔۔ الآیۃ:

سِكِّين کا معنی ہے: "چھری"۔

وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ۔۔۔ الآیۃ:

اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ: بے حسی میں اُن کے ہاتھ کٹ گئے۔ لیکن مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے "اَلْجَمَال وَالْكَمَال" میں یہ بات لکھی ہے کہ: قَطَّعْنَ معروف کا صیغہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: اُنہوں نے اپنے ہاتھ قصداً تھوڑے تھوڑے کاٹے تھے تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام قریب آئیں اور ہمارے خون کے بارے میں پوچھیں تو اُن کے قرب سے ہم تلذذ حاصل کریں۔

وَلَيَكُونًا مِّنَ الصّٰغِرِينَ ۝:

لَيَكُونًا میں تنوین نونِ خفیفہ ہے اس نے اَلِف کی صورت اختیار کی ہے۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِيٓ اِلَيْهِ۔۔۔ الآیۃ:

يَدْعُونَنِيٓ جمع مؤنث کا صیغہ اس لیے ہے کہ: اب عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سمجھانا شروع کیا کہ: تم کو اپنی حسینہ اور سیدہ کا کہنا ماننا چاہیے۔ آخر اس غریب پر اِتنا ظلم کیوں کرتے ہو؟ پھر یہ بھی سوچ لو کہ نافرمانی کا نتیجہ کیا ہوگا؟ خواہ مخواہ مصیبت سر پر لینے سے کیا فائدہ؟ کہتے ہیں کہ: بہ ظاہر زبان سے وہ زلیخا کی سفارش کر رہی تھیں مگر دل ہر ایک کا حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا تھا۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ۔۔۔ الآیۃ:

مصر کا بادشاہ ریان بن ولید ایک نیک آدمی تھا، لوگوں نے اُس کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا، اُس زمانہ میں دو (۲) نوجوان قیدی جیل خانہ میں لائے گئے جن میں ایک بادشاہ کا نان بائی اور دوسرا ساقی تھا۔ نان بائی کا نام "یونایا ابروہا" اور ساقی کا نام "مخلب یا غالب" تھا۔ دونوں بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں ماخوذ تھے۔ ساقی وفادار اور باورچی لالچی تھا، اُس نے کھانے میں زہر ملایا تھا۔ ساقی نے کہا کہ: بادشاہ سلامت کھانا مت کھائیں، تو وہ کھانا کھانے سے رک گئے، پھر کھانا ٹیسٹ کیا گیا تو اُس میں زہر تھا۔ باورچی نے کہا: ساقی نے ڈالا ہے۔ ساقی نے کہا: مَیں نے نہیں ڈالا۔ تو جس دن حضرت یوسف علیہ السلام جیل گئے تھے یہ دونوں نوجوان بھی گئے۔ یہ دونوں حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت مانوس ہو گئے اور بڑی محبت کا اِظہار کرنے لگے۔ ایک روز دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنا اپنا خواب بیان کیا اور تعبیر پوچھی۔

قَالَ لَا يَاْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① کبھی کھانا تمہارے پاس نہیں آتا مگر مَیں آنے سے پہلے اُس کی حقیقت پر تم کو مطلع کر دیتا ہوں یعنی آج کیا کھانا آئے گا؟ کس قسم کا ہوگا؟ کڑی ہے؟ گوشت ہے؟ گاجر ہے؟ وغیرہ وغیرہ تعبیر بتلانا کیا مشکل ہے؟

● (سُوْرَةُ النِّسَاء، ۷۶)

② اُس کھانے کے وقت سے پہلے پہلے یعنی سوا بارہ ۱۵ : ۱۲ بجے جو ملتا ہے تو اُس سے پہلے پہلے مَیں آپ کو بتاؤں گا۔
③ تم نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ: پانی پلانے کا اور پرندوں کے سَر کو نوچ کر کھانے کا وغیرہ تو اُس کے وُقوع سے پہلے پہلے میں آپ کو تاویل بتاؤں گا۔

وَاتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ ۔۔۔ الآیۃ:

"الکلام المفید" میں مَیں نے یہ حوالہ ذکر کیا ہے کہ: اَلْاِتِّبَاعُ وَالتَّقْلِیْدُ شَیْءٌ وَّاحِدٌ۔ اِس سے معلوم ہوا کہ: نیک لوگوں کی تقلید بھی ثابت ہے۔

وَقَالَ لِلَّذِیۡ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنۡهُمَا ۔۔۔ الآیۃ:

اپنے آقا، بادشاہ ریان بن ولید کے پاس میرا ذکر بھی کر دینا کہ: سالہا سال سے ایک بے گناہ قیدی پڑا ہوا ہے آپ بادشاہ ہیں اُس کی طرف توجہ کریں۔

فَاَنۡسٰهُ الشَّیۡطٰنُ ذِکۡرَ رَبِّهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ ذِکْرَ یُوْسُفَ عِنْدَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ۔ سات (۷) سال، بارہ (۱۲) سال کا بھی قول ہے کہ: اِتنا عرصہ اُنہوں نے جیل میں گزارا۔

وَقَالَ الۡمَلِكُ اِنِّیۡۤ اَرٰی ۔۔۔ الآیۃ:

بادشاہ ریان بن ولید نے خواب دیکھا کہ: سات (۷) گائیں موٹی اور سات (۷) دبلی ہیں۔ موٹی گائیوں کو دبلی گائیں کھا جاتی ہیں۔ سات (۷) بالیں ہری اور سات (۷) سوکھی ہیں اور وہ سوکھی بالیں ہری بالوں پر لپٹتی ہیں اور اُنہیں خشک کر دیتی ہیں۔ بادشاہِ مصر کا یہ خواب آخر کار حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی اور ظاہری عروج کا سبب بنا۔

سَبۡعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاۡکُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ ۔۔۔ الآیۃ:

بَقَرٰت، بَقَرَۃٌ کی جمع ہے۔ سِمَان، سَمِیْنَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "موٹی تازی" عِجَاف، عَجْفَآءُ کی جمع ہے خلاف القیاس۔

وَسَبۡعَ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ ۔۔۔ الآیۃ:

خُضْر، خَضْرَآءُ کی جمع ہے۔ سُنْۢبُلٰت، سُنْۢبُلَۃٌ کی جمع ہے۔

قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ۔۔۔ الآیۃ:

اَضْغَاث، ضِغْثٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "مٹھی گھاس کی جو ہاتھ میں آئے" یعنی مٹھی بھر گھاس۔ اَحْلَام، حُلْمٌ (بِسُکُوْنِ اللَّامِ) کی جمع ہے۔ معنی ہے: "خیالات"۔ گھاس جو ہوتی ہے اُس میں کوئی لمبی بھی ہوتی ہے، بڑی، چھوٹی، پتلی، موٹی، خشک، تر وغیرہ ہر قسم کی گھاس ہوتی ہے، تو اُس کا معنی کرتے ہیں: "پریشان" اور حُلْم کا معنی ہے: "خیال"۔ تو مطلب یہ ہوا کہ: "پریشان خیالات"۔

وَادَّکَرَ بَعۡدَ اُمَّةٍ ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ بَعْدَ مُدَّۃٍ۔ اِدَّکَرَ بابِ اِفْتِعَال سے ہے۔ اَصل میں اِذْدَکَرَ تھا۔ ذال کو دال کر کے دال کو دال میں اِدغام کر دیا تو اِدَّکَرَ بن گیا۔

اَنَا اُنَبِّئُکُمۡ بِتَاۡوِیۡلِهٖ فَاَرۡسِلُوۡنِ ۝:

فَاَرْسَلُوْهُ فَاَتٰی یُوْسُفَ علیہ السلام فَقَالَ یٰیُوْسُفُ اَیُّهَا ۔۔۔ الخ یہ ایجازِ حذف ہے۔

قَالَ تَزۡرَعُوۡنَ سَبۡعَ سِنِیۡنَ دَاَبًا ۔۔۔ الآیۃ:

حضرت یوسف علیہ السلام نے تاویل یعنی تعبیر بھی بتائی اور تدبیر بھی بتائی۔ سات (۷) تر خوشے اُن سات (۷) سالوں کی طرف اِشارہ ہے جو سرسبز اور پیداوار والے ہیں اور سات (۷) خشک خوشے اُن سات (۷) سالوں کی طرف اِشارہ ہے جس میں کوئی بھی پیداوار نہ ہوگی اور موٹی گائیں سات (۷) اوّل سالوں کی پیداوار اور دُبلی گائیں دوسرے سات (۷) سالوں کی پیداوار ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۵۰﴾:

اب جس وقت بادشاہ نے تدبیر وتعبیر سُنی تو بہت متاثر ہوا اور قاصد بھیجا کہ: اُس کو جیل سے نکال دو۔

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ۔۔۔ الاٰیۃ:

جب قاصد حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس رہائی کا پروانہ لے کر آیا تو اُنہوں نے جیل سے نکلنے سے انکار کر دیا اِس لیے کہ میرا کام تو دعوت ہے اور کل مجھے لوگ کہیں گے کہ: کل ایسے کام کرتے تھے، جیل کاٹ کر آئے ہو اور آج دعوت دیتے ہو؟ اِن لیے اپنی دینی و اخلاقی پوزیشن کی برتری اور صفائی کے لیے یہ فرمایا ہے۔

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۵۱﴾:

حَصْحَصَ الْحَقُّ اَیْ ظَهَرَ الْحَقُّ، وَضَحَ الْحَقُّ، كَشَفَ الْحَقُّ۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۵۲﴾:

سوال یہ کس کا مقولہ ہے؟

جواب اِس کی دو(۲) تفسیریں ہیں:

①ایک تفسیر یہ ہے کہ: یہ زلیخہ کا مقولہ ہے۔معنی یہ ہیں کہ: "تا کہ میرا خاوند جانے کہ مَیں نے اُس کی غیر موجودگی میں حقیقی خیانت نہیں کی"۔

②دوسری تفسیر یہ ہے کہ: یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا مقولہ ہے۔تو اب معنی یہ ہوں گے کہ: "تا کہ عزیزِ مصر جانے کہ مَیں نے اُس کی غیر موجودگی میں خیانت نہیں کی"۔

وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوْٓءِ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۵۳﴾:

تین(۳) قِسم کا نفس ہے: ①نَفْسِ اَمَّارَة۔ ②نَفْسِ لَوَّامَة۔ ③نَفْسِ مُطْمَئِنَّة۔

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۵۵﴾:

حضرت یوسف علیہ السلام کو پیش کش کی گئی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ: مالیات کا کام مَیں اپنے ذمّہ لیتا ہوں تا کہ اُس کے ذریعہ سے عام خلائق کو پورا نفع پہنچا سکوں، بعد میں ریان بن ولید نے تخت وتاج آپ علیہ السلام کو دیا۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۚ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۵۶﴾:

اَیْ كَمَاۤ اَخْرَجْنَاهُ مِنَ السِّجْنِ۔ جیسے ہم نے اُن کو قید خانے سے نکالا تھا ایسے ہی ہم نے اُن کو زمین میں قدرت دی، ٹھکانہ دیا۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۵۸﴾:

پیچھے گزرا کہ: حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی سرزمین کا وزیرِ خزانہ بنایا گیا تھا۔ ابتداءً ایسا ہوا، پھر آخر میں بادشاہ ریان بن ولید تخت سے دستبردار ہو گیا اور کلی اختیارات حضرت یوسف علیہ السلام کو دے دیے۔ پھر خواب کے مطابق سات(۷) برس خوشحالی کے آئے اور ملک اَناج سے بھر گیا، پھر سات(۷) برس قحط کے آئے تو کنعان، شام وغیرہ کے لوگ آتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام ایک ایک اُونٹ کا بوجھ غلہ فی کس دیتے تھے۔ کسی کو ایک اُونٹ سے زیادہ نہ دیتے تھے۔ اِس طرح خلق قحط سے بچی اور بادشاہ کا خزانہ بھر گیا۔ ہر طرف خبر تھی کہ: مصر میں اَناج سستا ہے۔ اُن کے بھائی خریدنے کی غرض سے آئے، اُن کے تن وتوش، ہیئت، وضع قطع میں چنداں تغیر نہ ہوا تھا۔

فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝:

سوال اِس کی کیا وجہ ہے کہ: حضرت یوسف علیہ السلام نے تو بھائیوں کو پہچان لیا لیکن بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے؟

جواب "تفسیر کبیر، روح المعانی" میں اِس کی دو(۲) وجوہات لکھی ہیں:

① بھائیوں کی عمر پختہ تھی اور پختہ عمر والے کی شکل عموماً نہیں بدلتی اور حضرت یوسف علیہ السلام اُس وقت بچے تھے اور نو عمر کی شکل بدل جاتی ہے۔
② حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ تھے وہ پوچھ سکتے تھے کہ: تمہارا نام کیا ہے؟ ولدیت کیا ہے؟ وغیرہ اور عام لوگ تو یہ نہیں پوچھ سکتے تھے۔

اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْکَیْلَ ۔۔۔الآیۃ:

کَیْل کا معنی ہے: "ناپنا"۔ اِس سے مُراد وہ چیز ہے جس کو ناپا جاتا ہے یعنی غلہ۔

وَقَالَ لِفِتْیٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ ۔۔۔الآیۃ:

فِتْیَان، فَتٰی کی جمع ہے۔ معنی ہے: "نوجوان" یعنی اپنے نوجوان خادموں سے فرمایا۔

سوال حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو رقم واپس کیوں کی؟

جواب اِس کے دو (۲) جوابات ہیں:

① اصل مقصد یہ تھا کہ: رقم واپس کرنے کے لیے یہ لوگ آئیں گے تو میرا بھائی بھی آجائے گا۔
② اُن کے بھائی غریب تھے اُن کے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ واپس آئیں اور حضرت یوسف علیہ السلام اس کے مجاز تھے کہ مفت دیں۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَیْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِیْهِ مِنْ قَبْلُ ۔۔۔الآیۃ:

هَلْ استفہامیہ ہے اور اِلَّا استثنائیہ تو معنی اِس کا نفی ہوگا۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ ۔۔۔الآیۃ:

یہ باتیں سامان کھولنے سے پہلے ہوئی تھیں۔

وَنَمِیْرُ اَهْلَنَا ۔۔۔الآیۃ:

نَمِیْر خوراک (خرچہ) کو کہتے ہیں۔

ذٰلِكَ كَیْلٌ یَّسِیْرٌ ۝:

سوال ذٰلِكَ اسمِ اشارہ ہے مشارٌ الیہ کیا ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) جوابات ہیں:

① بعض کہتے ہیں کہ: ایک اُونٹ کا بار بادشاہ پر دینا آسان ہے۔
② بعض کہتے ہیں کہ: ہم جو لے کے آئے ہیں یہ تھوڑا ہے اہل اور کنبہ بڑا ہے۔

"مستدرک حاکم" میں روایت ہے کہ: حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر میں تین سو نوے (۳۹۰) افراد تھے۔

قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ۝:

لفظ اللہ، قَالَ کا فاعل نہیں ہے بل کہ مقولہ ہے اور قَالَ کا فاعل حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔

وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ ۔۔۔الآیۃ:

بَنِیَّ اصل میں بَنُوْنَیَ تھا، اعلال ہوگیا۔

سوال حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ: ایک دروازہ سے داخل مت ہونا بل کہ کئی دروازوں سے داخل ہونا؟

جواب پہلے ایسا ہوتا تھا کہ: شہر کے اِردگرد ایک دیوار ہوتی تھی جو شہر کی حفاظت کے لیے ہوتی تھی اور اُس میں دروازے ہوتے تھے۔ تو اسی طرح شہر مصر کے اِردگرد بھی دیوار تھی جس میں کئی دروازے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ: کئی دروازوں سے داخل ہونا۔ "روح المعانی، کبیر، مواہب الرحمٰن" میں اِس کی دو (۲) وجوہات لکھی ہیں:

① یہ اَچھے صحت والے اور تنومند تھے اور پہلی مرتبہ جو مصر گئے تھے عام مسافروں کی طرح بلا امتیاز شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ لیکن حضرت

یوسف علیہ السلام کی خاص توجہات والطاف کو دیکھ کر یقیناً وہاں کے لوگوں کی نظریں اُن کی طرف اُٹھنے لگی تھیں۔اب دوبارہ جانا خاص شان و اہتمام سے بل کہ کہنا چاہیے کہ:ایک طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت پر تھا اور عزیز مصر نے اُن کا خاص خیال رکھا اور مصر والے اُن کو اچھا خیال نہ کرتے تھے۔تو یہ اِس لیے کہ:مصر والے اُن کو اذیت اور تکلیف نہ پہنچائیں۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ:نظرِ بد نہ لگ جائے۔

حدیث شریف میں ہے:اَلْعَيْنُ حَقٌّ۔نظر حق ہے۔①

نظر کی حقیقت: جب کوئی شخص کسی کے اندر کوئی خوبی دیکھے اور اُس کے دل میں اُس سے کوئی تعجب پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فوراً اُس میں عیب پیدا کر دیتا ہے،اِنسان کا اِس میں کچھ دخل نہیں۔

توکّل کا مطلب: دوسری بات توکّل ہے۔مطلب یہ ہے کہ:عالمِ اَسباب کی چیزوں کو اِستعمال کرنا یعنی تدبیر کرنا توکّل کے خلاف نہیں۔دیکھو! حضرت یعقوب علیہ السلام تدبیر بھی بتلاتے ہیں اور ساتھ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ بھی فرماتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ:کہاں سے آئے ہو؟ اُس نے کہا:فلاں جگہ سے۔ پھر ارشاد فرمایا:سوار کہ پیدل؟ اُس نے کہا:سوار۔اِرشاد فرمایا:کیسی سواری تھی؟ اُس نے کہا:نَاقَةٌ اُونٹنی پر۔اِرشاد فرمایا کہ:وہ کہاں ہے؟ اُس نے کہا کہ:باہر ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:اُسے باندھو اور توکّل کرو۔②

مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں مضاف محذوف ہے۔مِنَ اللّٰهِ اَیْ مِنْ عِقَابِ اللّٰهِ،مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ وغیرہ۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۹﴾:

پہلی دفعہ دس (۱۰) بھائی آئے تھے،اِس دفعہ گیارہ (۱۱) آئے،بنیامین کو بھی لے آئے تھے۔بڑے اَخلاق سے اُن کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام ملے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے باقی بھائیوں سے فرمایا کہ:تم چکر لگاؤ،یہ چھوٹا ہے ذرا آرام کرتے دو۔وہاں خلوت میں آہستہ سے آگاہ کر دیا کہ:مَیں تیرا حقیقی بھائی یوسف (علیہ السلام) ہوں۔جو مظالم اِن علاتی بھائیوں نے ہم پر کیے اِس طور پر کہ:مجھے باپ سے جدا کر کے کنویں میں ڈالا،غلام بنا کر بیچا اور ہمارے باپ بھائی وغیرہ کو فراق کے صدمہ میں مبتلا کیا،اب یہاں آتے ہوئے تمہارے ساتھ کوئی سختی کی،اِن باتوں سے غمگین مت ہو،وقت آگیا ہے کہ:ہمارے سب غم ختم ہو جائیں۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۰﴾:

اَلسِّقَايَةَ اَیْ وِعَاءَ السِّقَايَةِ ۔ پلانے کا پیالہ۔سِقَايَة کے لفظی معنی ہوتے ہیں:"پلانا"۔یہاں وہ برتن مراد ہے جس سے بادشاہ کو پانی اور شراب پلایا جاتا تھا۔کہتے ہیں کہ:سونے کا برتن تھا،مُرَصَّعٌ بِالْجَوَاهِرِ تھا اُس کے کنارے میں جواہر تھے۔پہلے پہل بادشاہ ریان اُس میں پانی اور شراب پیتا تھا،پھر بادشاہ نے اُس کو پیمانہ کے طور پر مقرر کر دیا۔

ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝:

سوال تمام تفاسیر "معالم التنزیل،ابوسعود،کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ:حضرت یوسف علیہ السلام نے خود پیالہ رکھا اور پھر کہتے ہیں کہ:اے قافلے والو! تم چور ہو۔یہ تو پیغمبر کی شان کے لائق نہیں،قبل از نبوّت بھی پیغمبر کے یہ لائق نہیں؟

جواب "معالم التنزیل،بیضاوی،کبیر،روح المعانی" وغیرہ میں دو (۲) آسان جواب ہیں:

① وہ شخص جس کی تحویل میں وہ پیالہ تھا وہ حیرت میں پڑ گیا کہ:پیالہ کہاں گیا؟ سرکاری پیمانہ مجھ سے چوری کیا گیا۔مطلب یہ ہے کہ:پیالہ رکھا حضرت یوسف علیہ السلام نے اور اِعلان کسی اور نے کیا۔جیسا کہ بعد میں آتا ہے:اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ یہ نکرہ ہے۔

② اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ یہ "طوریہ" ہے۔لفظی معنی ہے:"پردہ ڈالنا"۔مطلب یہ ہے کہ:کسی لفظ کا ایک معنی قریب ہو اور ایک معنی بعید ہو سامعین

① (صحیح البخاری،کتاب الطب،باب العین حق،ج ۲،ص ۸۵۴،طبع یادگار شیخ،کراچی) ② (جامع الترمذی،ابواب صفۃ القیامۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،ج ۲،ص ۷۸،طبع قدیمی،کراچی)

قریب والا معنی سمجھیں اور متکلم کی مُراد بعید والا معنی ہو۔

مثلاً: ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جارہے تھے، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پوچھا کہ: یہ کون ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: هٰذَا الرَّجُلُ یَهْدِیْنِی السَّبِیْلَ۔ تو لوگوں نے حسی راہ مُراد لی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حقیقتاً صِرَاطِ مُسْتَقِیْم والا راستہ مُراد لیا۔●

اب سَارِقِیْن کا مطلب یہ ہے کہ: چور تو تم ہو! تم نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو باپ سے چرایا، پھر کنویں میں ڈالا، پھر قافلے والوں پر بیچا یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے بعید کا معنی لیا اور اُنہوں نے قریب کا معنی لیا۔

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ۔۔۔الآیۃ ﴿۷۵﴾:

تمام تفسیروں میں ملے گا کہ: حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کا حکم یہ تھا کہ: جو چور ہو تو اُس چور کو اُس چوری کردہ مالیت کے مقابلہ میں رَقِیْق (غلام) بناتے۔ مثلاً: ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) تو ایک سال، پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) تو چھ (۶) ماہ وغیرہ اور ریان بن ولید کے دین (قانون) میں اُس سے دُگنا مال لیتے تھے۔ مثلاً: ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) تو اُس سے دو لاکھ (۲۰۰۰۰۰) لیے جاتے تھے مگر قید نہیں کیا جاتا تھا۔

كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ○:

ہم اپنی (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی) شریعت میں ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ۔۔۔الآیۃ ﴿۷۶﴾:

بنیامین کے سامان سے پہلے دوسرے بھائیوں کا سامان کھولا، اس لیے کہ اگر اپنے بھائی بنیامین کی خرجی یعنی زنبیل یا بیگ سے شروع کرتے تو وہ کہتے کہ: یہ تو تم نے رکھا تھا اور دیکھو! جلدی برآمد کر دیا۔

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ۔۔۔الآیۃ:

یہ تدبیر ہم نے بتائی۔ حیلے کی کئی قسمیں ہیں:

① ایک حیلہ وہ ہے کہ: جس سے کسی کا حق ٹل جائے۔ یہ حرام ہے۔

② ایک حیلہ وہ ہے کہ: کسی کے مال کو بچالے۔ یہ بھی حرام ہے۔

③ ایک حیلہ وہ ہے کہ: اُس میں نہ حَقُّ اللہ ٹلے اور نہ حَقُّ الْعَبْد ٹلے مگر اُس حیلہ میں خلافِ اَولیٰ کام جواز کی صورت اِختیار کرلے ایسے حیلے کی اِجازت ہے۔

مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ۔۔۔الآیۃ:

یعنی بھائیوں کی زبان سے یہ نکلا کہ: جس کے پاس مال نکلے غلام بنالو، اُس پر پکڑے گئے ورنہ حکومتِ مصر کا قانون یہ نہ تھا۔ اگر ایسی تدبیر نہ کی جاتی کہ وہ خود اپنے اِقرار میں بند ہو جائیں تو مُلکی قانون کے موافق کوئی صورت بنیامین کو رُوک لینے کی نہ تھی۔

وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ○:

اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① ایک مطلب یہ ہے کہ: تمام علم والوں کے اُوپر عَلِیْم ذات ہے یعنی دُنیا میں ایک آدمی سے دوسرا، دوسرے سے تیسرا زیادہ جاننے والا ہے پھر تمام جاننے والوں کے اُوپر ایک جاننے والا ہے وہ اللہ ہے۔

② دوسرا مطلب اِس کا یہ ہے کہ: ہر عالم سے بڑا عالم ہے۔

فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ۔۔۔الآیۃ ﴿۷۷﴾:

یہاں پر تفاسیر میں آپ کو تین (۳) باتیں ملیں گی:

●(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب الہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۱ ص ۵۵۶، طبع یادگار شیخ، کراچی)

① پہلی بات یہ ہے کہ: اکثر تفاسیر میں اور" جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: حضرت یوسف علیہ السلام کے نانا مشرک تھے، اُس نے سونے کے بُت بنائے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ لے کر توڑ دیا تا کہ نانا جی (أَبُ الْأُمّ) شرک نہ کریں۔ تو اُسی طرف بھائیوں نے چوری کا لفظ منسوب کیا ہے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ: حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اہلِ خانہ سے فرمایا تھا کہ: جب کوئی سائل آئے تو وہ خالی ہاتھ نہ جائے۔ ایک سائل آیا، اتفاق سے گھر میں کوئی چیز نہ تھی بھائیوں کی مُرغی تھی، حضرت یوسف علیہ السلام گھر میں تھے اور کوئی نہ تھا، حضرت یوسف علیہ السلام نے اُس مُرغی کو پکڑ کر سائل کو دے دیا۔ جب بھائی آگئے تو اُنہوں نے مُرغی کے بارے میں پوچھا تو حضرت یوسف علیہ السلام ڈر سے جواب نہ دے سکے۔ محلہ والوں سے پوچھا تو محلہ والوں نے کہا کہ: وہ تو یوسف (علیہ السلام) نے پکڑ کر سائل (ملنگ) کو دی ہے۔ تو چوری سے وہ مُراد ہے۔

③ تیسری بات یہ ہے کہ: اِس دوسرے قصہ کی طرح مُرغی کی جگہ اَنڈا منقول ہے کہ: سائل کو اَنڈا دیا تھا یعنی الزام چوری بَیْضَةُ الدَّجَاجَة کا ہے۔ حقیقت میں تو چوری نہ تھی لیکن بھائیوں نے منسوب کی۔

فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال فَأَسَرَّهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب فَأَسَرَّهَا کی "هَا" ضمیر قَالُوْا کے اَندر جو مَقَالَةٌ مصدر ہے اُس مصدر کی طرف راجع ہے۔

قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۔۔۔ الآیۃ:

سوال قَالَ کے بعد جو مقولہ ہے کیا یہ زبان سے کہا تھا؟

جواب اِس کے دو (۲) جوابات ہیں:

① علامہ آلوسی رحمہ اللہ، علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: زبان سے کہا تھا یعنی تم غلط بات کر رہے ہو اور تم نے گھریلوی معاملات شروع کر دیے ہیں کہ وہ چور تھا فلانہ چور تھا وغیرہ، اُن کو گھر میں ہی نمٹاؤ۔ یہ کیا سلسلہ تم نے شروع کر دیا؟ یہاں تو ہمارے پیالے کی بات کرو۔

② حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: دل میں کہا تھا یعنی اپنی چوری تو تم کو نظر نہیں آتی کہ تم نے یوسف (علیہ السلام) کو چرایا اُس کا انڈہ تمہیں نظر آتا ہے کہ: یوسف (علیہ السلام) نے چرایا تھا۔

؎ غیر کی آنکھ کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر دیکھ اپنی آنکھ کا اے غافل ذرا شہتیر

قَالَ مَعَاذَ اللهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۹﴾:

"تفسیر بیضاوی، کشاف" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: لفظِ مَعَاذَ اللهِ مفعول مطلق ہے۔ أَيْ أَعُوْذُ مَعَاذَ اللهِ۔ مَیں اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔

إِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں پر وَجَدَ کا لفظ استعمال کیا سَرَقَ کا لفظ نہ بولا۔

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۰﴾:

حضرت یوسف علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی بتلائی ہوئی تدبیر سے اپنے بھائی کو رُوکا۔ بھائیوں نے بہت کہا کہ: ہم میں سے کسی کو پکڑ لیں اور اِس کو چھوڑ دیں۔

سوال مِنْهُ کی "هٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① مِنْهُ کی "هٗ" ضمیر بھائی بنیامین کی طرف راجع ہے۔ یعنی وہ بنیامین سے نااُمید ہو گئے۔

② مِنْهُ کی "هٗ" ضمیر عزیزِ مصر کی طرف راجع ہے۔ یعنی وہ عزیزِ مصر سے نااُمید ہو گئے کہ وہ نہیں مانتا۔

خَلَصُوْا نَجِیًّا۔۔۔الآیۃ:

سوال نَجِیًّا کیا ہے؟

جواب اِس میں اختلاف ہے۔ چناں چہ دو (۲) اقوال ہیں:

① ایک گروہ والے کہتے ہیں کہ: یہ فَعِیْلٌ صفتِ مشبہ ہے۔

اِشکال: اشکال یہ ہے کہ: خَلَصُوْا جمع ہے اور نَجِیًّا مفرد ہے۔ مفرد جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے لہٰذا دونوں میں مطابقت نہیں؟

جواب: خَلَصُوْا کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْھُمْ نَجِیًّا۔ ہر ایک اُن میں سے سرگوشی کررہا تھا۔

② دوسرے گروہ والے کہتے ہیں کہ: یہ مصدر ہے اور اِس میں مذکر، مؤنث، مفرد، تثنیہ، جمع برابر ہوتے ہیں۔ اِس لیے خَلَصُوْا کا جمع اور نَجِیًّا کا مفرد ہونا کوئی اِشکال کی بات نہیں۔ معنی یہ ہے کہ: "وہ الگ ہوئے آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے"۔

قَالَ کَبِیْرُھُمْ۔۔۔الآیۃ:

اُن میں سے بڑے نے کہا۔ اُن بھائیوں میں عمر کے لحاظ سے بڑا یہودا تھا اور رائے کے لحاظ سے بڑا روبیل تھا۔ وَقِیْلَ بِالْعَکْسِ بعض اِس کا برعکس بتاتے ہیں۔

وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ۔۔۔الآیۃ:

مَا فَرَّطْتُّمْ میں "مَا" زائدہ ہے۔

وَمَا کُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ۝۸۱:

لِلْغَیْبِ میں لَام، فِیْ کے معنی میں ہے۔ اَیْ فِی الْغَیْبِ یعنی ہماری غائبانہ حالت میں اُس نے یہ کام کیا ہے۔

وَسْئَلِ الْقَرْیَۃَ الَّتِیْ کُنَّا فِیْھَا۔۔۔الآیۃ ۸۲:

یہاں پر لفظِ اَھْلَ مضاف محذوف ہے۔ اَیْ وَاسْئَلْ اَھْلَ الْقَرْیَۃِ۔ قَرْیَۃ سے مُراد مصر ہے۔ خوبصورت کی سرزمین سے مصر تک تین (۳) دن یا آٹھ (۸) یا دس (۱۰) دن کی مسافت تھی۔

وَالْعِیْرَ الَّتِیْٓ اَقْبَلْنَا فِیْھَا۔۔۔الآیۃ:

یہاں پر لفظِ اَھْلَ مضاف محذوف ہے۔ اَیْ وَاَھْلَ الْعِیْرِ۔

قَالُوْا تَاللّٰہِ تَفْتَؤُا۔۔۔الآیۃ ۸۵:

تَفْتَؤُا اَیْ لَا تَفْتَؤُا۔

حَتّٰی تَکُوْنَ حَرَضًا۔۔۔الآیۃ:

حَرَض کے معنی ہیں: "گھلنے والا"۔ جیسے: نمک کو پانی میں رکھ دیں تو خود بہ خود گھل جاتا ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ: غم آپ (علیہ السلام) کو گھول کر رکھ دے گا۔

قَالَ اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ۔۔۔الآیۃ ۸۶:

اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب التفسیر میں لکھتے ہیں کہ: بَثّ اُس پریشانی کو کہتے ہیں: جس کا اِظہار آدمی دوسروں کے سامنے کرے۔

بَثَّ، یَبُثُّ، بَثًّا یہ بابِ نَصَرَ، یَنْصُرُ سے ہے۔ معنی ہے: بکھیرنا۔ مطلب یہ ہوا کہ: دوسرے کو اِس کا اِظہار کرے کہ: مجھے یہ تکلیف ہے۔

حُزْن اُس پریشانی کو کہتے ہیں کہ: جو اپنے نفس میں ہو یعنی ذاتی پریشانی۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝:

بعض تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ: اِن دنوں میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو خواب آیا، اُنہوں نے خواب میں اپنے تمام بیٹوں کو مع حضرت یوسف علیہ السلام کے اپنے ساتھ دیکھا۔

وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآية ﴿۸۷﴾ :

مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ أَيْ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۔ یہاں پر رَوْح سے مراد رحمت ہے۔

وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ ۔۔۔ الآية ﴿۸۸﴾ :

لفظ مُزْجَاة کا معنی ہے: "کھوٹا"۔

إِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ٥ :

ایک وہ وقت تھا کہ: جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام ایک ایک کا منہ دیکھ رہے تھے کہ شاید یہ ترس کرے، یہ کرے، وہ کرے اور باپ پر کیا گذرے گی؟ اور ایک یہ وقت کہ: وہ بھاگے بھاگے کھانا لینے کے لیے آئے ہیں۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۔۔۔ الآية ❶ حضرت یوسف علیہ السلام یہ حال سُن کر رُو پڑے۔ شفقت ورحم کا چشمہ دل میں جوش مار کر آنکھوں سے اُبل پڑا، اُس وقت حق تعالیٰ کے حکم سے اپنے تئیں ظاہر نہ کیا کہ مَیں کون ہوں؟ اور تم نے میرے ساتھ جو معاملہ کیا تھا اُس کے بعد مَیں کس مرتبہ پر پہنچا ہوں؟

قَالُوْا تَاللّٰهِ ۔۔۔ الآية ﴿۹۱﴾ :

یہ قسم ہے۔

وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ٥ :

اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ أَيْ وَاِنَّا، وَاِنَّهٗ۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔۔۔ الآية ﴿۹۲﴾ :

"تفسیر روح المعانی" میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثَرَّبَ، يُثَرِّبُ، تَثْرِيْبًا باب تَفْعِيْل سے ہے۔ معنی ہے: إِزَالَةُ الثَّرْبِ، چربی نکالنا۔ جانوروں کے بدنوں کے ساتھ جو چربی ہوتی ہے اُس چربی کو دُور کرنا۔ چربی دُور کرنے کے بعد اُس کا جو گوشت ہے اُس کا دبلا وغیرہ ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ تو اب لازمی معنی کرتے ہیں کہ: جیسے چربی دُور کرنے کے بعد گوشت کا عیب نکلتا ہے کہ: یہ کمزور ہے۔ اِسی طرح لازمی معنی کرتے ہیں کہ: تم پر کوئی عیب نہیں، تم پر کوئی ملامت نہیں، تم پر کوئی طعن نہیں۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ ۔۔۔ الآية ﴿۹۴﴾ :

اب قافلہ مصر سے روانہ ہوا اور جب اپنے آبائی شہر کنعان کو آ رہے تھے جو تین (۳) یا آٹھ (۸) یا دس (۱۰) دن کی مسافت پر تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس اُن کے پوتے وغیرہ بیٹھے تھے اُن سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: مَیں یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو محسوس کرتا ہوں۔

کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا: حضرت! عجیب بات ہے کہ: مصر سے تو آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے کی خوشبو آ گئی اور بنفسِ نفیس یوسف علیہ السلام ڈھائی (۲.۵) میل یا تین (۳) میل کی مسافت پر کنویں میں پڑے تھے تو اُن کی خوشبو نہ آئی؟ فرمانے لگے: ہمارے بس کی بات نہیں۔ وحی کا کرنٹ آئے تو ہمیں دُور کی چیز نظر آ جاتی ہے، وحی نہ آئے تو پاؤں کے اُوپر نیچے کی چیز ہمیں نظر نہیں آتی۔

معراج کا واقعہ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ آگے آئے گا کہ: کفار نے اِمتحانی طور پر پوچھا کہ: مسجدِ اقصیٰ کہاں ہے؟ مینار کتنے ہیں؟ وغیرہ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا تو پھر فَجَلَا اللّٰهُ لِيْ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ اٰيَاتِهٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهِ ❷

ترجمہ: پس! اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس سامنے کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ کر جواب دیتے رہے۔

"مشکوٰۃ، ابوداوٗد، مستدرک حاکم، مسند احمد" وغیرہ میں روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس زمانے میں جوتیوں میں نماز پڑھتے پڑھاتے تھے، جہاد کا موقع تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتیاں اُتاریں اور بائیں طرف رکھ دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بائیں طرف رکھ دیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى اِلْقَاءِ نِعَالِكُمْ؟ کس چیز نے تمہیں جوتیاں اُتارنے

❶ (سورۂ آلِ عمران: ۱۴۰) ❷ (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب حدیث الاسراء، ج ۱، ص ۵۴۸ طبع یادگار شیخ، کراچی)

پرآمادہ کیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: رَاَیْنَاكَ اَلْقَیْتَ نَعْلَیْكَ فَاَلْقَیْنَا نِعَالَنَا۔ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جوتیاں اُتار دیں تو ہم نے کہا کہ: اب جوتیاں اُتار کر نماز پڑھنے کا حکم آیا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسی بات نہیں۔ میرے پاس تو جبریل علیہ السلام آئے تھے اُنہوں نے مجھے کہا کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جوتی کے نیچے غلاظت لگی ہے اِس وجہ سے میں نے جوتیاں اُتار دیں۔[1]

رب دکھائے تو مکہ سے مسجدِ اقصیٰ ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) میل کی مسافت ہے اور اگر نہ دکھائے تو جوتی کے نیچے کی غلاظت جبریل علیہ السلام کی خبر کے بغیر نظر نہ آئے۔

شیخ مصلح الدین شیرازی رحمہ اللہ نے "گلستان شریف" میں خوب نقشہ کھینچا ہے۔

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند — اے روشن گہر پیرِ خردمند

ترجمہ: کسی نے اُس بیٹے گم کیے ہوئے (حضرت یعقوب علیہ السلام) سے پوچھا کہ: اے روشن دل بوڑھے! (یہ کیا بات تھی؟)

زمصرش بوئے پیراہن شنیدی — چرا در چاہ کنعانش ندیدی

ترجمہ: مصر سے (یوسف علیہ السلام کی) قمیص کی خوشبو آپ (علیہ السلام) نے سونگ لی لیکن اُس کنعان کے کنویں میں (جو قریب تھا) کیوں نہیں دیکھا؟

بگفت اَحوالِ ما برقِ جہان است — دمے پیدا و دیگر دم نہان است

ترجمہ: اُنہوں نے فرمایا: ہمارے اَحوال کوندھنے والی بجلی کی طرح ہیں جو ایک سانس میں ظاہر اور دوسرے سانس میں پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم — گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

ترجمہ: کبھی مَیں اُونچے بالاخانے پر بیٹھتا ہوں، کبھی اپنے پاؤں کی پُشت کو بھی نہیں دیکھ سکتا ہوں۔

اگر دُرویش برحالے بماندے — سردست از دو عالم برفشاندے

ترجمہ: فقیر اگر ایک حالت پر باقی (صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو کر) رہتا تو ابھی دُنیا و عقبیٰ پر لات مار دیتا۔ (کہاں سے کہاں پہنچ جاتا۔)

لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝:

"تفسیر کبیر، قرطبی، روح المعانی، کشاف، بیضاوی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: فَنَّدَ، یُفَنِّدُ، تَفْنِیْدًا بابِ تَفْعِیْل سے ہے۔ معنی ہے: اَلتَّفْنِیْدُ اَلنِّسْبَۃُ اِلٰی ضُعْفِ الْعَقْلِ۔ یعنی اگر تم یہ نہ کہو کہ: بوڑھے کی مت ماری گئی ہے۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۶﴾:

"ہدایۃ النحو" وغیرہ میں آپ نے پڑھا ہے کہ: ماضی پر عموماً اَنْ زائد ہوتا ہے اور یہاں پر بَشِیْر سے مُراد یہودا ہے۔ وہ خون آلود کرتہ بھی یہودا لایا تھا اور یہ خوشخبری دینے والا کرتہ بھی یہودا لایا تھا۔

[1] (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ فی النعل، ج۱، ص ۱۰۴۔۱۰۵، طبع حسن، لاہور)

اَلْقُهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۔۔۔الآية:

سوال یہ بَصِيْرًا، فَارْتَدَّ کی خبر ہے اور اَفعالِ ناقصہ تو سترہ (١٧) ہیں اور اِرْتَدَّ تو اُن میں نہیں؟

جواب "متن المتین، مغنی اللبیب، رضی" وغیرہ میں تصریح ہے کہ: یہ بھی اَفعالِ ناقصہ میں سے ہے۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۔۔۔الآية ﴿٩٨﴾:

اِس کے دو (٢) مطلب ذکر کیے گئے ہیں:

① قبولیت کی گھڑی آنے دو، اُس وقت اپنے مہربان خدا کے آگے تمہارے لیے ہاتھ اُٹھاؤں گا۔

② بعض کہتے ہیں کہ: جمعہ کی شب یا تہجد کے وقت کا اِنتظار تھا۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ ۔۔۔الآية ﴿٩٩﴾:

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب والد کی آمد کا پتہ چلا تو شہر سے باہر استقبال کے لیے نکلے، ماں باپ کو اپنے قریب جگہ دی۔

اِس میں مفسرین کا اِختلاف ہے کہ: حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ حیات تھیں یا وفات پا چکی تھیں؟ چناں چہ اس میں دو (٢) اَقوال ہیں:

① بعض کا قول یہ ہے کہ: حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ پیشتر وفات پا چکی تھیں اور یہاں خالہ کا ذکر ہے۔ اُن کا نام "لیہ" تھا اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سوتیلی ماں تھیں۔

② بعض کہتے ہیں کہ: والدہ حیات تھیں اور اُن کا نام راحیل تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر تشریف لائی تھیں۔

وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝:

حضرت یوسف علیہ السلام نے سب کو فرمایا: شہر چلو! قحط وغیرہ کا اب کچھ اندیشہ مت کرو اِنْ شَآءَ اللّٰه بالکل دل جمعی اور راحت واطمینان سے رہو گے۔

وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۔۔۔الآية ﴿١٠٠﴾:

سوال خواب دیکھنے اور تعبیر ظاہر ہونے میں کتنے سال گذرے؟

جواب اِس کے بارے میں دو (٢) روایات ہیں:

① ایک میں چالیس (٤٠) سال کا زمانہ ہے۔ یہ اکثر کا قول ہے۔

② بعض کہتے ہیں کہ: اَسّی (٨٠) سال درمیان میں گذرے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دَور تک سجدۂ تعظیمی جائز تھا اور ہماری شریعت میں ناجائز اور حرام ہے۔

وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ ۔۔۔الآية:

اِس موقع پر اپنے مصائب وتکالیف کا کچھ ذکر نہ کیا، نہ کوئی حرفِ شکایت زبان پر لائے بل کہ بھائیوں کے واقعہ کی طرف بھی ایسے عنوان سے اِشارہ کیا کہ کسی فریق کی زیادتی اور تقصیر ظاہر نہ ہونے پائے۔ یوں نہیں فرمایا: اَخْرَجَنِيْ مِنَ الْبِئْرِ یعنی کنویں وغیرہ کا ذکر تک نہ کیا مبادا بھائی سُن کر مزید شرمندہ ہوں۔ یہ اَخلاق پیغمبروں کے سوا کس کے ہو سکتے ہیں؟!!

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ ۔۔۔الآية ﴿١٠١﴾:

تفسیروں میں آپ کو دونوں باتیں ملیں گی کہ: آیا زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوا یا نہیں ہوا؟

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور اُن کے تلامذہ سختی سے رَد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: نکاح نہیں ہوا۔ دیگر حضرات کی رائے یہ ہے کہ: نکاح ہوا تھا کیوں کہ اُس نے توبہ کی تھی اور اَلتَّآئِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔ پس! اکثر حضرات نکاح ہونے کے قائل ہیں۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔الآية:

لفظِ فَاطِر سے پہلے یاء حرفِ ندا محذوف ہے اَیْ یَا فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۔۔۔ الآیۃ (۱۰۲):

ذٰلِكَ اَیْ ذٰلِكَ الْمَذْکُوْرُ۔

سوال نُوْحِیْهِ کی "ہ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب نُوْحِیْهِ کی "ہ" ضمیر ذٰلِكَ کی طرف راجع ہے۔

وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ (۱۰۵):

ربط: آپ نے سورۃ کی ابتداء میں پڑھا کہ: حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ o ❶ تو آگے فرماتے ہیں کہ: دوسری آیات اور نشانیاں بھی ہیں۔ مثلاً: سورج، چاند، دریا، زمین، آسمان، سب مخلوق یہ تمام نشانیاں ہیں اور ان کے علاوہ بھی بہت نشانیاں ہیں ان نشانیوں سے عبرت حاصل کرو۔ اِن سب نشانیوں کو دیکھتے ہو اور اعراض کرتے ہو عبرت حاصل نہیں کرتے؟!!

اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ o (۱۰۶):

مشرکین مکہ کہتے تھے کہ: ہمارا خالق مالک رب ہے۔ اگر آپ اُن سے سوال کریں کہ: زمین آسمان کس نے پیدا کیا؟ سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا؟ تو کہیں گے: خدا نے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۔۔۔ الآیۃ ❷ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن سے پوچھیں کہ: تم کو کون رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے وغیرہ وغیرہ؟ تو کہیں گے کہ: "اللہ"۔ جیسا کہ ارشاد ہے: قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۔۔۔ الآیۃ ❸ یہ سب بنیادی باتیں مان کر بھی شرک کرتے تھے۔

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ ۔۔۔ الآیۃ (۱۰۷):

غَاشِیَةٌ کا معنی ہے: مُظْلِمَةٌ، مُطْبِقَةٌ۔ چھا جانے والا، گھیرنے والا، اِحاطہ کرنے والا۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ (۱۰۸):

اِمام بخاری رحمہ اللہ کتاب التفسیر میں لکھتے ہیں کہ: لفظ سَبِیْل، یُذَکَّرُ وَیُؤَنَّثُ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یُقَالُ: هٰذَا سَبِیْلِیْ، هٰذِهٖ سَبِیْلِیْ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ ۔۔۔ الآیۃ (۱۰۹):

اُوپر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر تھا اب آگے بیان فرماتے ہیں کہ: پہلے بھی ہم نے آسمان کے فرشتوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجا، انبیاء سابقین علیہم السلام اِنہی اِنسانی بستیوں کے رہنے والے مرد تھے۔ پھر دیکھ لو! اُن کے جھٹلانے والوں کا دُنیا میں کیا حشر ہوا جب اُنہوں نے اُن پیغمبروں کی بات کو نہیں مانا؟

اہلِ حق کا مسلک یہ ہے کہ: جتنے پیغمبر آئے ہیں وہ تمام کے تمام اِنسان اور مرد تھے، کوئی عورت نبی نہیں آئی ہے۔ سب کا اس پر اتفاق ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب "باب سعادتین وطریق الہجرتین" میں لکھا ہے کہ: بعض کہتے ہیں کہ: عورت بھی نبی ہوتی ہے، اسی طرح حیوانات کو بھی وحی ہوتی ہے اور اُن میں بھی نبی ہوتے ہیں۔ وہ حضرات دو (۲) دلیلیں پیش کرتے ہیں:

① وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ۔۔۔ الآیۃ ❹

② وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى ۔۔۔ الآیۃ ❺

جواب وحی کے لفظ سے اُن کو مغالطہ ہوا ہے۔ لیکن دونوں آیتوں میں وحی سے وحی نبوّت اور رسالت مُراد نہیں ہے۔ لہٰذا پیغمبر مرد ہی تھے کیوں کہ پیغمبر اَشراف قوم سے ہوتا ہے، حسب ونسب اور صحت سب کے لحاظ سے اَشرف ہوتا ہے اِس لیے کہ وہ دعوت دیتا ہے اور لوگ اُس کی بات مانتے ہیں جو اَشراف میں سے ہو اور عورت کی بات پر کوئی توجہ نہیں دیتا اور لوگ اُس کے حُسن سے متاثر ہو جاتے بات کی طرف توجہ نہیں کرتے اور عورت رات کو تو نہیں جا سکتی کہ دعوت دے وغیرہ۔

❶ (سُوْرَۃُ یُوْسُف، ۷) ❷ (سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْت، ۶۱) ❸ (سُوْرَۃُ یُوْنُس، ۳۱) ❹ (سُوْرَۃُ النَّحْل، ۶۸) ❺ (سُوْرَۃُ الْقَصَص، ۷)

حَتّٰٓى إِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۰﴾:

سوال: حَتّٰى کیا ہے؟

جواب: اِس کے بارے میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① بعض حضرات کہتے ہیں کہ: حَتّٰى غائیہ ہے۔ معنی ہے: تَأَخَّرَ النَّصْرُ حَتّٰى مدد متاخر ہوگئی۔

② بعض حضرات کہتے ہیں کہ: حَتّٰى اِبتدائیہ ہے۔ ماقبل سے اِس کا تعلق نہیں بل کہ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا۔۔۔ الآیۃ:

قراء سبعہ میں سے تین (۳) قراء اِس کو كُذِّبُوْا پڑھتے ہیں۔ اگر كُذِّبُوْا کی قرأت ہو تو یہاں ظَنَّ بمعنی اِسْتَيْقَنَ ہوگا۔ معنی یہ ہوں گے کہ: "پیغمبروں نے یقین کرلیا کہ اُن کی تکذیب کی گئی"۔

قرأتِ حفص میں كُذِبُوْا کی قرأت ہے۔ اب یہ ظاہر معنی یہ ہوں گے کہ: "اور خیال کیا پیغمبروں نے اَنَّهُمْ بے شک! وہ پیغمبر جو تھے قَدْ كُذِبُوْا تحقیق سے اُن کے ساتھ جھوٹ بولا گیا ہے" یعنی رب نے جو نُصرت کا وعدہ کیا وہ جھوٹا تھا۔

سوال: پیغمبر رب کے بارے میں اِس طرح کیسے خیال کر سکتے ہیں؟

جواب: اِس کے دو(۲) جوابات ہیں:

① "بخاری شریف" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ: كُذِبُوْا اللہ کی طرف سے نہیں بل کہ اَتْبَاعِ رُسُل یعنی جو پیغمبروں کے پیروکار تھے اُن کی طرف سے پیغمبروں کے ساتھ جھوٹ بولا گیا۔ لَمْ يَكُوْنُوْا صَادِقِيْنَ فِيْ دَعْوٰى اِيْمَانِهِمْ۔ وہ اپنے ایمان کے دعویٰ میں سچے نہ تھے جبھی مدد نہیں آئی ❶

② "تفسیر بیضاوی، روح المعانی، قرطبی، کبیر، البحر المحیط" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: وَظَنُّوْٓا کی ضمیر رُسُل یعنی پیغمبروں کی طرف راجع نہیں ہے بل کہ کفار کی طرف راجع ہے اور ماقبل آیات میں کفار کا ذکر فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔۔۔ الآیۃ ❷ کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ: یہاں تک کہ جب پیغمبر مدد کی تاخیر کی وجہ سے نا اُمید ہوگئے اور کفار نے خیال کیا کہ: بے شک! اِن پیغمبروں سے جھوٹ بولا گیا ہے یعنی خدا کی طرف سے اِن پیغمبروں کے ساتھ جو نُصرت کا وعدہ ہے وہ جھوٹا ہے۔

فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ۔۔۔ الآیۃ:

نُجِّيَ یہ متکلم کا صیغہ نہیں بل کہ صُرِّفَ کی طرح ماضی غائب مجہول کا صیغہ ہے اور باب تَفْعِيْل سے ہے، نُوْن اَصل کلمہ سے ہے متکلم والا نہیں ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۱﴾:

سوال: قَصَصِهِمْ کی "هِمْ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب: اِس کے بارے میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① قَصَصِهِمْ کی "هِمْ" ضمیر رُسُل کی طرف راجع ہے۔

② قَصَصِهِمْ کی "هِمْ" حضرت یوسف علیہ السلام اور اُن کے بھائیوں کی طرف راجع ہے۔

وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ۔۔۔ الآیۃ:

اَيْ يَحْتَاجُ فِيْ اَمْرِ الدِّيْنِ۔

---

❶ (صحیح البخاری بغیر الالفاظ، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: لقد کان فی یوسف واخوتہ آیات للسائلین، ج۱، ص۴۸۰، طبع یادگار شیخ، کراچی) ❷ (سُوْرَةُ يُوسُف، ۱۰۹)

اٰیَاتُهَا (۴۳) (۱۳) سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ (۹۶) رُكُوْعَاتُهَا (۶)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں کتاب کا بیان تھا: مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى۔۔۔ الآیۃ [1] اور اِس سورۃ کی اِبتداء بھی کتاب پر مشتمل ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الرَّعْد ہے۔رَعْد فرشتہ کا نام ہے یعنی وہ سورۃ جس میں رعد علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔

الٓمّٓرٰ۔۔۔ الآیۃ ۞۱۞:

اَلِف سے مُراد الله۔ لَام سے مُراد لَطِيْف۔ مِيْم سے مُراد مَالِك، مُقْتَدِر۔ رَاء سے مُراد رَؤُف، رَحِيْم، رَحْمٰن۔

"کتاب الاسماء والصفات للبیہقی" میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: هِيَ مِنْ اَسْمَآءِ اللهِ تَعَالٰى۔ یہ اللہ کے نام ہیں اور اُنتیس (۲۹) سورتوں کی اِبتداء میں ایسے کلمات آتے ہیں۔

وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ اَلْحَقُّ یہ وَالَّذِيْٓ کی خبر ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ۔۔۔ الآیۃ ۞۲۞:

ایمان میں سب سے بڑی چیز توحید ہے تو یہاں سے توحید کا بیان ہے۔

بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا۔۔۔ الآیۃ:

لفظ عَمَد، عِمَادٌ کی جمع ہے۔معنی ہے: "ستون"۔

"تفسیر روح المعانی، کبیر" وغیرہ تفاسیر میں اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اکثر حضرات کہتے ہیں کہ: آسمان کے نیچے نہ ستون ہیں اور نہ تم دیکھتے ہو تو نفی عَمَد کی بھی ہے اور رُؤْیَت کی بھی ہے یعنی مقید اور قید دونوں کی نفی ہے۔

② بعض حضرات کہتے ہیں کہ: ستون تو ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے ہو تو نفی کا تعلق قید سے ہے یعنی: رُؤْیَت کی نفی ہے۔مطلب یہ ہے کہ: وہ نورانی ستون ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے۔

كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى۔۔۔ الآیۃ:

لفظ كُلٌّ پر تنوین عوض مضاف الیہ ہے۔ اَيْ كُلٌّ مِّنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ۔

فَائِدَة: سائنس دانوں کے دو (۲) طبقے ہیں:

① ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ: زمین ساکن ہے اور سورج و قمر حرکت کرتے ہیں۔ وَالْحَقُّ مَعَهَا۔

② دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ: زمین حرکت کرتی ہے اور سورج و چاند ساکن ہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں خاصی بحث کی ہے اور علامہ طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اتنی لمبی بحث کی ہے کہ بندہ پڑھ پڑھ کر تھک جائے۔علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہم بہ حیثیتِ مسلمان ہونے کے قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں۔قرآن پاک کہتا ہے کہ: شمس اور قمر چلتے ہیں۔جیسا کہ اِرشاد ہے: وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ۔۔۔ الآیۃ [2] دوسری جگہ اِرشاد ہے: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ

---

[1] (سُوْرَۃُ یُوسُف، ۱۱۱) [2] (سُوْرَۃُ الرَّعْد، ۲)

وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ○ ❶ ایک اور جگہ فرمایا: لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ○ ❷

فرماتے ہیں کہ: اگر کوئی اِس بات کو کہ سورج حرکت کرتا ہے، چاند حرکت کرتا ہے ماننے کے بعد اگر معقول طریقے سے یہ بات ثابت کردے کہ زمین حرکت کرتی ہے تو ہم مان جائیں گے لیکن سورج اور چاند کی حرکت کو ماننے کے بعد۔ اگر کسی معقول دلیل سے ثابت نہ ہو سکے تو ہم نص کو تمہاری باتوں کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے۔ تمہاری باتیں بنتی بھی ہیں بگڑتی بھی ہیں۔

حضرت مولانا سید سلیمان علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کی تیسری جلد میں معجزات پر بڑی طویل بحث ذکر کی ہے۔ اُس میں اُنہوں نے مسلموں اور غیر مسلموں کے بہت سے اَقوال نقل کیے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ: رب کا جو نظام ہے وہ اَٹل ہے تمہاری باتیں اَٹل نہیں ہیں۔ مثلاً: یونان کا ایک فلسفی اور حکیم تھا "طعلیق ملطی" اُس کا نام تھا۔ اُس کا یہ نظریہ تھا کہ: پانی مفرد اور بسیط ہے۔ ساڑھے تین ہزار (۳۵۰۰) سال پہلے "طعلیق ملطی" کا نظریہ چلتا تھا۔ پھر "کانگس" آیا اُس نے اِس نظریہ کو توڑا، اُس نے یہ کہا کہ: پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہے۔ اب سارے "کانگس" کے نظریہ کو لیتے ہیں۔

لہٰذا تمہاری باتیں بنتی بھی ہیں بگڑتی بھی ہیں رب تعالیٰ کی بات اَٹل ہے اور ہم بہ حیثیت مسلمان ہونے کے اِس بات کے مکلف ہیں کہ: وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ۔۔۔الآیۃ ❸ ہم سورج کی حرکت کو مانیں چاند کی حرکت کو مانیں۔

لاؤڈ اسپیکر میں پہلے سائنس دانوں کی تحقیق یہ تھی کہ: یہ آواز اَصل نہیں ہوتی بل کہ اَصل آواز ختم ہوتی ہے اور اِس میں اُس کا مثل ہوتا ہے جیسے صدا۔ اِس لیے علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی عدمِ جواز کے قائل تھے پھر اُنہوں نے رُجوع کیا۔ لاؤڈ اسپیکر یہ اَصل آواز کو بڑھاتے ہیں اِس لیے پھر فتویٰ دیا کہ: نماز اِس میں جائز ہے۔ اَصل اِختلاف علماء کا نہیں سائنس دانوں کا ہے۔ سائنس دانوں نے بعد میں رُجوع کر کے کہا کہ: یہ اَصل آواز ہے تو سائنس کی باتیں بگڑ بھی جاتی ہیں اور صحیح بھی ثابت ہو جاتی ہیں۔

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ ۔۔۔الآیۃ ❸:

رَوَاسِيَ، رَاسِيَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "مضبوط" اور یہ جِبَالٌ کی صفت ہے جو کہ محذوف ہے۔ یہ رَاسِيَةٌ صفاتِ غالبہ میں سے ہے یعنی وہ صفت جس کا موصوف اکثر محذوف ہوتا ہے۔

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ۔۔۔الآیۃ:

یعنی چھوٹا و بڑا، کھٹا و میٹھا، سیاہ و سفید، گرم و سرد، خشک و تر اور جدید تحقیق کے موافق ہر ایک میں نر و مادّہ پائے جاتے ہیں۔

وَنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ ۔۔۔الآیۃ ❹:

لفظ صِنْوَانٌ، صِنْوٌ کی جمع ہے۔ اِس کا معنی ہے کہ: ایک کھجور کے درخت کا نیچے ایک تنا ہے آگے اُس کی دو (۲) شاخیں دو (۲) ٹہنیاں ہیں۔ غَيْرُ صِنْوَانٍ کا معنی ہے: ایسے کھجور کے درخت بھی ہیں جن کی دو (۲) شاخیں نہیں ہیں ایک ہی اُوپر تک چلی جاتی ہے۔

وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ ۔۔۔الآیۃ:

ایک ہی کھجور کے درخت پر کھجور کے دانے لگتے ہیں۔ خدا کی قدرت بعض دانے زیادہ میٹھے ہوتے ہیں بعض کم میٹھے ہوتے ہیں، بعض پورے ہوتے ہیں بعض اَدھورے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو! ایک ہی زمین ہے، ایک ہی درخت ہے، ایک ہی پانی لگتا ہے لیکن ذائقہ اور مزے میں فرق ہے۔ اِسی طرح ایک ہی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّاء علیہا السلام سے لوگ پیدا ہوئے پھر آگے مَردوں کے مزاج کیا ہیں؟ طبیعتیں کیا ہیں؟ بعض نیک ہیں بعض بد ہیں وغیرہ وغیرہ۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ۔۔۔الآیۃ ❺:

یعنی اگر اُن کی تکذیب سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تعجب کرتے ہیں۔ تو اِس سے زیادہ اُن کا یہ قول تعجب کی بات ہے کہ: ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۔۔۔الآیۃ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا دوبارہ بنائے جائیں گے؟

❶ (سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَاء، ۳۳) ❷ (سُوْرَۃُ یٰسٓ، ۴۰) ❸ (سُوْرَۃُ الرَّعْد، ۲)

وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ اَغْلٰل، غُلٌّ کی جمع ہے غَین کے ضمہ کے ساتھ بمعنیٰ "طوق"۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶﴾:

ربط: اُوپر قیامت کا ذکر تھا اب یہ کہ کفار کہتے تھے کہ: یہ قیامت جو تم کہتے ہو لے آؤ نا؟

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر کشاف" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: مَثُلٰت جمع مَثُلَةٌ وَهِيَ عُقُوْبَةٌ اور عُقُوْبَة کے معنی ہیں: "سزا"۔ تو معنی یہ ہوگا کہ: اُن سے پہلے سزائیں گزر چکی ہیں، کسی کو کوئی سزا دی، کسی کو کوئی۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷﴾:

کفار نے جو یہ کہا تھا کہ: نشانی کیوں نہیں اُترتی؟ تو اِس سے اُن کی مُراد یہ تھی کہ: صفا پہاڑ سونا کیوں نہیں بنتا؟ مروہ پہاڑ سونا کیوں نہیں بنتا؟ اِس کی سونے کی کوٹھی کیوں نہیں ہے؟ باغ کیوں نہیں ہیں؟ یہ آسمان پر کیوں نہیں چڑھتا؟ آسمان سے کتاب کیوں نہیں لاتا؟

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿۷﴾:

"تفسیر البحر المحیط، جمل، کبیر، معالم التنزیل، کمالین، سمین، اکلیل" وغیرہ میں تین (۳) تفسیریں لکھی ہیں:

① آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کی طرف ہم نے پیغمبر بھیجا اِس طرح آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی پیغمبر ہیں۔

② آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ڈرانے والے ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہر قوم کے لیے قیامت تک ہادی ہیں۔

③ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والا اللہ ہے۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۔۔۔ الآیۃ ❶

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸﴾:

ربط: پہلے بھی توحید کا ذکر تھا اور آگے بھی توحید کا ذکر ہے۔

سوال نحوی لحاظ سے فعل پہلے اور فاعل بعد میں ہوتا ہے اور یہاں لفظِ اللہ فاعل مقدم کیا گیا ہے اِس کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ اللہ فاعل کو حصر کے لیے مقدم کیا ہے۔ تو اب معنی ہوگا: اَللّٰهُ يَعْلَمُ ۔۔۔ الآیۃ اللہ ہی جانتا ہے۔

وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۔۔۔ الآیۃ:

یعنی حاملہ کے پیٹ میں ایک بچہ ہے یا زیادہ؟ پورا بن چکا ہے یا نا تمام ہے؟ تھوڑی مدت میں پیدا ہوگا یا زیادہ میں؟ غرض پیٹ کے گھٹنے بڑھنے کے تمام اَسرار و اَسباب اور اَوقات و اَحوال کو پوری طرح جانتا ہے۔

اِس آیت کے دو (۲) مطلب ہیں:

① پہلا مطلب یہ ہے کہ: مثلاً عموماً نو (۹) مہینے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے اور کبھی اُس سے پہلے تو اِس طرح یہ کم ہونا اور زیادہ ہونا ہے۔ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک دو (۲) سال اور شوافع رحمہم اللہ کے نزدیک چار (۴) سال تک بچہ پیٹ میں ہوسکتا ہے۔ ضحاک بن مضاحک رحمہ اللہ جب پیدا ہوئے تو اُن کے ضواحک دانت نکل آئے تھے۔ نوید جاوید میں کہا ہے کہ: پادری "کاکرن" ایک شخص تھا۔ وہ اَسی (۸۰) سال ماں کے پیٹ میں رہا۔

② دوسرا مطلب یہ ہے کہ: پہلے منی ہو تو رحم کم ہوتا ہے اور جب وہ بڑھتا ہے تو رحم بھی بڑھ جاتا ہے۔

وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾:

سَارِبٌ کا معنی ہے: مَاشٍ عَلَى الشَّارِعِ۔ راستے پر چلنے والا۔

---

❶ (سُوْرَۃُ القصص، ۵۶)

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ⓫:

سوال لَهٗ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب "تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ میں دو (۲) باتیں لکھی ہیں:

① لَهٗ کی "ہٗ" ضمیر اُوپر آیت مَنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ ۔۔۔ الآیۃ ❶ میں جو مَنۡ ہے اُس مَنۡ کی طرف راجع ہے یعنی اِنسان۔ معنی یہ ہوا کہ: "اُس اِنسان کے لیے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں"۔

② لَهٗ کی "ہٗ" ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ معنی یہ ہوا کہ: "اُس اللہ کے لیے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں"۔ کچھ اِنسان کے آگے، کچھ پیچھے حفاظت کرتے ہیں۔

اِس آیت کریمہ کی تفسیر میں تفسیر ابن جریر طبری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: دس (۱۰) فرشتے دن کو اور دس (۱۰) فرشتے رات کو اللہ تعالیٰ اِنسان کی حفاظت کے لیے بھیجتے ہیں۔ یہ حدیث مرفوع ہے❷

يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ مِنۡ تعلیلیہ ہے۔ اَیۡ لِاَجۡلِ اَمۡرِ اللّٰہِ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ۔۔۔ الآیۃ:

کسی قوم کی حالت کو اللہ تعالیٰ زبردستی نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود نہ بدلے، اگرچہ اللہ بدلنے پر قادر ہے۔ مثلاً: آپ ابھی بیٹھے ہوئے ہیں، اگر آپ اُٹھنے کا اِرادہ نہ کریں تو رب قادر ہے کہ آپ کو زبردستی کھڑا کر دے، رب کے مقابلے میں تو کسی کی قوت نہیں لیکن رب ایسا کرتا نہیں ہے بل کہ جب آپ خود اُٹھنے کا اِرادہ کریں گے اُسی وقت آپ کو کھڑا کرے گا۔ مَیں نے صرف سمجھانے کے لیے ایک بات کہی ہے۔

علامہ اِقبال رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال اپنی حالت کے بدلنے کا

وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لفظِ مَرَدَّ کیا ہے؟

جواب اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① لفظِ مَرَدَّ مصدر ہے۔ معنی ہے: "ٹلنا نہیں ہے"۔ ② لفظِ مَرَدَّ ظرف کا صیغہ ہے۔ معنی ہے: "ٹلنے کی جگہ نہیں ہے"۔

هُوَ الَّذِيۡ يُرِيۡكُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا ۔۔۔ الآیۃ ⓬:

خَوۡفًا وَّطَمَعًا مفعول لہ ہے۔ اَیۡ لِاَجۡلِ الۡخَوۡفِ وَلِاَجۡلِ الطَّمَعِ۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ⓭:

رَعۡد فرشتہ تسبیح کرتا ہے۔ سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمۡدِہٖ سے رزق کا دروازہ کھلتا ہے اور عِنۡدَ اللّٰہِ یہ محبوب کلام ہے۔

بادلوں سے یہ جو کڑک کی آواز آتی ہے اِس کے بارے میں "ترمذی شریف، مسند احمد" میں روایت ہے کہ: قَالَ: مَلَكٌ مِّنَ الۡمَلَائِكَةِ مُوَكَّلٌ بِالسَّحَابِ مَعَهٗ مَخَارِيۡقُ مِنۡ نَارٍ يَسُوۡقُ بِهَا السَّحَابَ حَيۡثُ شَآءَ اللّٰهُ فَقَالُوۡا: فَمَا هٰذَا الصَّوۡتُ الَّذِيۡ نَسۡمَعُ؟ قَالَ: زَجۡرَةٌ بِالسَّحَابِ اِذَا زَجَرَهٗ۔ ❸ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو کہ بادلوں پر معمور ہے وہ اِن بادلوں کو ہانکتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ یہ جو کڑک کی آواز ہے یہ اُس کے ہانکنے کی آواز ہے۔

---

❶ (سُوۡرَۃُ الرَّعۡد: ۱۰)
❷ (جامع البیان فی تفسیر القرآن للطبری، تفسیر سورۃ الرعد، رقم الآیۃ ۱۱، ج ۱۳، ص ۵۰۷، طبع دار الہجر، بیروت)
❸ (جامع الترمذی، ابواب التفسیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب و من سورۃ الرعد، ج ۲، ص ۱۴۴، طبع قدیمی، کراچی)

فَائِدَۃ: پورے قرآن مجید میں چھ(۶) فرشتوں کا نام آیا ہے اور پچیس(۲۵) پیغمبروں کا نام آیا ہے۔
فرشتوں کے نام یہ ہیں:
① جبریل علیہ السلام۔ ② میکائل علیہ السلام۔ جیسا کہ ارشاد ہے: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ۔۔۔الآیۃ ❶
③ ھاروت علیہ السلام۔ ④ ماروت علیہ السلام۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ۔۔۔الآیۃ ❷
⑤ رعد علیہ السلام۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ۔۔۔الآیۃ ❸
⑥ مالک علیہ السلام۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔۔۔الآیۃ ❹
پیغمبروں کے نام یہ ہیں:

① آدم علیہ السلام۔	② نوح علیہ السلام۔	③ ابراہیم علیہ السلام۔	④ لوط علیہ السلام۔	⑤ اسماعیل علیہ السلام۔
⑥ اسحاق علیہ السلام۔	⑦ یعقوب علیہ السلام۔	⑧ یوسف علیہ السلام۔	⑨ موسیٰ علیہ السلام۔	⑩ ہارون علیہ السلام۔
⑪ ایوب علیہ السلام۔	⑫ شعیب علیہ السلام۔	⑬ ادریس علیہ السلام۔	⑭ الیاس علیہ السلام۔	⑮ زکریا علیہ السلام۔
⑯ یحییٰ علیہ السلام۔	⑰ صالح علیہ السلام۔	⑱ ھود علیہ السلام۔	⑲ داؤد علیہ السلام۔	⑳ سلیمان علیہ السلام۔
㉑ الیسع علیہ السلام۔	㉒ ذوالکفل علیہ السلام۔	㉓ عزیر علیہ السلام۔	㉔ عیسیٰ علیہ السلام۔	㉕ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ۔۔۔الآیۃ:

شانِ نزول: حدیث شریف میں ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک متکبر رئیس زید ابن ربیعہ کے پاس اپنا ایک مبلغ بھیجا کہ: اُسے میرے پاس بُلا لاؤ۔ قاصد نے اُس کو کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے بُلا رہے ہیں۔ کہنے لگا: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہے؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ سونے کا ہے، چاندی کا یا تانبے کا؟ (اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ) تین (۳) مرتبہ یہی بات کی، تیسری مرتبہ جب وہ یہ گستاخانہ کلمات بک رہا تھا تو ایک بادل اُٹھا، فوراً بجلی گری اور اُس کی کھوپڑی سر سے جدا کردی۔ ❺

وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝:

لفظِ مِحَال مِیم کے کسرے کے ساتھ ہو تو معنی ہے: "قوت اور طاقت"۔ مَحَال مِیم کے فتحہ کے ساتھ ہو تو معنی ہے: "وہ چیزیں جو ناممکن ہوں"۔
مُحَالٌ مِیم کے ضمہ کے ساتھ ہو تو معنی ہے: "وہ چیزیں جو جھوٹی ہوں"۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۴﴾:

غیر اللہ کو پکارنے والے کی تشبیہ دیتے ہیں کہ: اُس شخص کی مثال جو غیر اللہ کو اپنی مدد کے لیے بُلاتا ہے ایسی ہے جیسے کوئی پیاسا کنوئیں کے منہ پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ میرے مُنہ میں پہنچ جا۔ ظاہر ہے قیامت تک پانی اُس کی فریاد کو پہنچنے والا نہیں۔ اِسی طرح وہ شخص جو غیر اللہ کو اپنی مدد کے لیے پکارتا ہے تو تمام زندگی ختم ہو جائے گی اور کچھ بھی نہیں ملے گا۔

وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝:

سوال کافر کی دُعا قبول ہوتی ہے کہ نہیں؟

جواب اِس میں دو(۲) گروہ ہیں:
① متکلمین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ: قبول نہیں ہوتی۔ دلیل یہ ہے کہ: وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۔
② علامہ ابوزید دبوسی رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الاسرار" والے وہ فرماتے ہیں کہ: اِس میں تفصیل ہے۔ وہ تفصیل یہ ہے کہ: اگر کافر کسی دُنیاوی چیز کے لیے دُعا کرتا ہے تو اُس کی دُعا منظور ہو جاتی ہے، البتہ اگر حالتِ کفر میں نجات یا عذاب سے چھوٹنے کی دُعا کرے تو وہ دُعا قبول نہیں ہوتی۔

❶ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ،۹۸) ❷ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ،۱۰۲) ❸ (سُوْرَۃُ الرَّعْد،۱۳) ❹ (سُوْرَۃُ الزُّخْرُف،۷۷) ❺ (المعجم الاوسط للطبرانی، باب الف، من اسمہ ابراہیم، ج۳، ص۹۶، طبع دار الحرمین، القاہرۃ)

اِسی طرح فرماتے ہیں: شیطان کا فرِ اعظم ہے اور اُس نے جو دُعا کی تھی: قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ [1] وہ نَفخَۃ اُوْلٰی تک قبول ہوئی۔ جیسا کہ اِرشاد ہے: قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ○ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ○ [2] یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ سے نَفخَۃ اُوْلٰی مُراد ہے۔ اِسی طرح آپ سُوْرَۃُ الْاَنْفَال میں پڑھ چکے ہیں: وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ○ [3]

پس! معلوم ہوا کہ: دُعا تو قبول ہوتی ہے۔ لہٰذا مُراد یہ ہے کہ: دُنیاوی معاملات میں اگر مانگیں تو دُعا قبول ہوسکتی ہے لیکن اللہ کے عذاب سے چھوٹنے کے لیے، خدا کے تقرب کے لیے بہ حالت کفر دُعا قبول نہیں ہوسکتی۔

وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْھًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵﴾:

جبراً کا معنی یہ ہے کہ: مثلاً سائے جھکتے ہیں اور بے اِختیار جھکتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں: بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں خوشی سے مسلمان ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ: طبعاً اُن کا دل تو نہیں چاہتا لیکن قیدی بنا کر لائے جاتے ہیں اور پھر مسلمان ہوجاتے ہیں۔

بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ○:

غُدُوّ، غَدْوَۃٌ کی جمع ہے۔ اٰصَال، اَصِیْلٌ کی جمع ہے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۷﴾:

اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بتاتے ہیں کہ: آسمان کی طرف سے بارش اُتری جس سے ندی نالے بہہ پڑے، ہر نالے میں اُس کے ظرف اور گنجائش کے موافق جتنا خدا نے چاہا پانی جاری کردیا، چھوٹے میں کم بڑے میں زیادہ، پانی جب زمین پر رواں ہوا تو مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے گدلا ہوگیا، پھر میل کچیل اور جھاگ پھول کر اُوپر آیا جیسے تیز آگ میں چاندی، تانبا، لوہا اور دوسری معدنیات پگھلتی ہیں تاکہ زیور، برتن اور ہتھیار وغیرہ تیار کریں، اُس میں بھی اِسی طرح جھاگ اُٹھتا ہے مگر تھوڑی دیر بعد خشک یا منتشر ہوکر جھاگ جاتا رہتا ہے اور جو اَصلی کارآمد چیز تھی یعنی پانی یا پگھلی ہوئی معدنیات وہی زمین میں یا زمین والوں کے ہاتھ میں باقی رہ جاتی ہیں جس سے مختلف طور پر لوگ منتفع ہوتے ہیں۔

یہی مثال حق و باطل کی سمجھ لو!! جب وحی آسمانی دِینِ حق کو لے کر اُترتی ہے تو قلوبِ بنی آدم اپنے اپنے ظرف اور اِستعداد کے موافق فیض حاصل کرتے ہیں۔ پھر حق اور باطل باہم بھڑ جاتے ہیں تو میل اُبھر آتا ہے، بہ ظاہر باطل جھاگ کی طرح حق کو دبالیتا ہے لیکن اُس کا یہ اُبال عارضی اور بے بنیاد ہوتا ہے، تھوڑی دیر بعد اُس کے جوش وخروش کا پتہ نہیں رہتا کہ خدا جانے کدھر گیا؟ جو اَصلی اور کارآمد چیز جھاگ کے نیچے دبی ہوئی تھی یعنی حق وصداقت بس وہی رہ گئی۔ دیکھو! خدا کی بیان کردہ مثالیں کیسی عجیب ہوتی ہیں اور کیسی موثر؟!! یہ سمجھایا کہ دُنیا میں جب حق و باطل بھڑتے ہیں یعنی دونوں کا جنگی مقابلہ ہوتا ہے تو اگرچہ باطل اُونچا اور پھولا ہوا نظر آئے لیکن آخرکار باطل کو منتشر کرکے حق ہی ظاہر و غالب ہوکر رہتا ہے۔

فَسَالَتْ اَوْدِیَۃٌۢ ۔۔۔ الآیۃ:

اَوْدِیَۃ، وَادِی کی جمع ہے۔ معنی ہے: "نالے"۔

وَمِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْہِ ۔۔۔ الآیۃ:

یُوْقِدُوْنَ کا معنی ہے: "تپاتے ہیں"۔

کَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ ○:

جب کسی وقت کفر غالب ہو تو اُس کو جھاگ اور اُوپر والی چیزیں سمجھ کر متاثر نہ ہوں۔

اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹﴾:

ربط: اُوپر حق اور باطل کا ذکر تھا اور آگے دو (۲) طبقوں کا ذکر ہے:

① حق والے۔ ② باطل والے۔

---

[1] (سُوْرَۃُ الْحِجْر، ۳۶) [2] (سُوْرَۃُ الْحِجْر، ۳۷-۳۸) [3] (سُوْرَۃُ الْاَنْفَال، ۳۳)

وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝۲۰:

اور وہ وعدہ کو نہیں توڑتے۔کون سا وعدہ؟ وہ وعدہ جو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ۔۔۔الآیۃ ❶ کے ساتھ کیا گیا تھا۔

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ۔۔۔الآیۃ ۝۲۲:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلے گناہ کرتے تھے اب اُس گناہ کی جگہ نیکی کرتے ہیں تو بدی کو نیکی سے اُنہوں نے ٹالا۔

② اگر کسی نے اُس سے بدی کی تو بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے اُس سے درگزر کرتے ہیں اور حَسَنَة کے ساتھ اُس کا مقابلہ کرتے ہیں۔

فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝۲۴:

لفظ عُقْبٰی مصدر ہے۔اَیْ اَلْعَاقِبَةُ الْمَحْمُوْدَةُ فِي الدَّارِ الْاٰخِرَةِ۔

أُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ۔۔۔الآیۃ ۝۲۵:

"تفسیر بیضاوی اور کشاف" میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① کوفیین فرماتے ہیں: لَام بمعنی عَلٰی ہے کیوں کہ حروفِ جار ایک دوسرے کے معنی میں آتے ہیں۔جیسے: لَهُمُ اللَّعْنَةُ اَیْ عَلَيْهِمُ اللَّعْنَةُ۔

② بصریین فرماتے ہیں: لَام اِختصاص کے لیے ہے یعنی لعنت اُن کے لیے مختص ہے۔جیسے: اَلْجُلُّ لِلْفَرَسِ۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ۔۔۔الآیۃ ۝۲۶:

ربط: اُوپر اہلِ حق اور اہلِ باطل کا ذکر تھا آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اہلِ باطل کو اِس بات سے مغالطہ ہے کہ: ہمارے پاس دُولت ہے۔اور وہ کہتے بھی تھے کہ: اگر ہم سے رب ناراض ہے تو ہمیں دُولت کیوں دیتا ہے؟ دُشمن تو کبھی دُشمن کو نوازتا نہیں۔تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔۔۔الآیۃ اللہ جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے یہ کوئی مقبولیت کا معیار نہیں۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝:

لفظ مَتَاعٌ پر تنوین تقلیل کے لیے ہے اَیْ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ۔۔۔الآیۃ ۝۲۷:

ربط: اُوپر دو (۲) طبقوں کا ذکر تھا اور آگے بھی اُنہی دو (۲) طبقوں کا ذکر ہے یعنی حق اور باطل کا۔

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝:

اَنَابَ، يُنِيْبُ، اِنَابَةً بابِ اِفْعَال سے ہے۔معنی ہے: "جو رجوع کریں"۔

مَیں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ: اللہ تعالیٰ نے اِنسان کے اَندر خیر اور شر دونوں کی قوّت رکھی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو اِختیار دے کر فرمایا: فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۔۔۔الآیۃ ❷ اب جو شخص ایمان کی طرف قدم اُٹھاتا ہے تو وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔۔۔الآیۃ ❸ اور جو غلط راستے پر چلتا ہے تو فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ۔۔۔الآیۃ ❹ پس! جو رب کی طرف رُجوع کرتا ہے تو رب اُس کو ہدایت دیتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ۔۔۔الآیۃ ۝۲۸:

اِس کی دو (۲) آسان ترکیبیں ہیں:

① صاحبِ جلالین رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں: ماقبل میں مَنْ اَنَابَ وہ مبدل منہ ہے اور یہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اُس سے بدل ہے کیوں کہ مَنْ لفظاً مفرد ہے اور معناً جمع ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف،۱۷۲) ❷ (سُوْرَۃُ الْکَہْف،۲۹) ❸ (سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْت،۶۹) ❹ (سُوْرَۃُ الصَّفّ،۵)

②"تفسیر جمل، کمالین" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اَلَّذِيْنَ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور وہ مبتداء هُمْ ہے۔ اَيْ هُمُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

طُوْبٰى لَهُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۹﴾:

طُوْبٰى مصدر ہے۔ معنی ہے: "خوشحالی"۔ یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ: طُوْبٰى جنت میں ایک درخت کا نام ہے۔
"بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: کوئی گھوڑے پر سوار ہو کر سو (۱۰۰) سال تک اُس درخت کے سائے کو طے کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا●

وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝:

سوال لفظ مَاٰب کیا ہے؟

جواب اِس کے بارے میں دو (۲) اقوال ہیں:

①یہ مصدر میمی ہے۔ معنی ہے: "لوٹنا"۔

②اٰبَ، يَؤُبُ باب نَصَرَ، يَنْصُرُ سے ظرف کا صیغہ ہے۔ معنی ہے: "لوٹنے کی جگہ"۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۰﴾:

اَيْ كَمَا اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ فِيْ اُمَمٍ كَذٰلِكَ۔۔۔الآیۃ۔ جیسے ہم نے دوسری اُمتوں میں پیغمبر بھیجے اِسی طرح آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھیجا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۔۔۔الآیۃ:

لِتَتْلُوَا واحد کا صیغہ ہے، اَلِف رسم الخط میں ہے۔

وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ۔۔۔الآیۃ:

صلح حدیبیہ کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ساتھ صلح کی باتیں لکھ رہے تھے، سہیل بن عمرو کافروں کا نمائندہ تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھنے والے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ لکھی۔ اُس نے کہا کہ: لَا نَدْرِيْ مَنِ الرَّحْمٰن ؟ ہم نہیں جانتے رَحْمٰن کیا ہے؟ یہ عربی لفظ ہے، جاہلیت کے زمانہ میں بھی لوگوں کے نام عبد الرحمٰن ہوتے تھے۔ تو خوب سمجھتے تھے لیکن ضد کا کیا علاج ہے؟ اُس نے کہا: یہ لکھو کہ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ۔۔۔الخ۔

وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝:

اصل میں مَتَابِيْ تھا۔ یاء تخفیفاً گر گئی۔ تَابَ، يَتُوْبُ سے مصدر میمی ہے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۱﴾:

سوال لَوْ حرف شرط ہے، اِس کی جزاء کیا ہے؟

جواب لَوْ حرف شرط ہے، اِس کی جزاء محذوف ہے لیکن وہ کیا؟ اِس میں اِختلاف ہے:

①علامہ سیوطی رحمہ اللہ اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ: جب قرآن پڑھا جاتا تو پہاڑ چل جاتے تو لَمَا اٰمَنُوْا یہ جزاء ہے۔ یعنی اگر ایسا ہو بھی جاتا پھر بھی ایمان نہ لاتے۔

②"تفسیر کبیر، روح المعانی، قرطبی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ: اُس سے پہاڑ چلائے جاتے یعنی پہاڑ جیسے غلط عقیدے اپنی جگہ سے ہٹا دیے جاتے۔ تو جزاء یہ ہے کہ: لَكَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ۔ تو وہ یہ ہی قرآن ہے۔ ایک مُردہ قوم نے اِس قرآن پاک کے ذریعے کلام سیکھا تو اَوس وخزرج کے درمیان جو دشمنی کے پہاڑ تھے وہ اِس قرآن پاک کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا۔۔۔الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

●(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ وانہا مخلوقۃ، ج۱، ص۴۶۱، طبع یادگار شیخ، کراچی)

① "تفسیر کبیر، ابوسعود، روح المعانی، خازن، السراج المنیر، معالم التنزیل اور جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: لفظِ یَایْئَس، یَعْلَمُ کے معنی میں ہے۔ اَیْ اَفَلَمْ یَایْئَسِ اَیْ اَفَلَمْ یَعْلَمْ۔ "تفسیر کبیر" میں لکھا ہے کہ: عرب کے مشہور قبیلے بنو نخع اور بنو ھوازن تھے، ھوازن قبیلے میں لفظِ یَئِسَ، یَعْلَمُ کے معنی میں استعمال ہوتا تھا جو فصیح قبیلہ تھا۔ معنی ہے: کیا پس انہیں جانتے وہ لوگ جو ایمان لائے کہ: اللہ تعالیٰ چاہے سب لوگوں کو ہدایت دے دے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: اَیِسَ نا اُمید ہونے کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ: کیا یہ ایمان والے اِس بات سے نا اُمید ہوئے کہ: اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کو ہدایت دے سکتا ہے مگر دیتا نہیں۔ اِس کی اُمید نہ رکھیں۔ رب چاہے جبراً سب کو ایمان پر مجبور کردے تو کرسکتا ہے لیکن کرتا نہیں اِس لیے تاکہ بندے کا اختیار بھی تو باقی رہے۔

بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ ۔۔۔ الآیۃ:

قَارِعَةٌ اَیْ حَادِثَةٌ، مُصِیْبَةٌ۔

اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال تَحُلُّ کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① تَحُلُّ کی ضمیر قَارِعَةٌ کی طرف راجع ہے۔ جیسے مشرکین مکہ پر قحط آیا۔

② تَحُلُّ کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے۔ معنی ہے: "یا تو اُترے"۔ جیسا کہ ۸ ھ میں آنحضرت ﷺ مکہ میں اُترے تو اُن مشرکین کے حواس اُڑ گئے کہ اب کیا ہوگا؟!!

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۲﴾:

ربط: اُوپر رَحْمٰن کا اُنہوں نے اِنکار کیا، اِسی طرح اُنہوں نے کہا کہ: صفا سونا کیوں نہیں بنا؟ نشانی کیوں نہیں اُتری؟ تو اب نبی کریم ﷺ کو تسلی ہے کہ: پریشان اور غمگین مت ہوں آپ (ﷺ) سے پہلے بھی پیغمبر آئے اُن سے بھی اِستہزاء کیا گیا۔

فَكَیْفَ كَانَ عِقَابِ ۝:

لفظِ عِقَابِ اَصل میں عِقَابِیْ تھا، یاء تخفیفاً گرگئی۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۳﴾:

عربی کا قاعدہ ہے کہ: اِستفہام کا مدِّ مقابل جملہ عدیل کہلاتا ہے۔ مثلاً: اَزَیْدٌ جَآءَ اَمْ عَمْرٌو؟ اِس جملے میں اَمْ عَمْرٌو پہلے جملے کا عدیل ہے۔ تو یہاں اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ جو کہ جملہ اِستفہامیہ ہے اُس کا عدیل محذوف ہے اور وہ كَمَنْ لَّیْسَ كَذٰلِكَ ہے۔

اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال یَعْلَمُ کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① یَعْلَمُ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔　② یَعْلَمُ کی ضمیر نَاس کی طرف راجع ہے۔

وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝ ﴿۳۴﴾:

وَقٰی، یَقِیْ، وِقَایَةً بابِ ضَرَبَ، یَضْرِبُ سے ہے، وَاقٍ اِسم فاعل کا صیغہ ہے۔ معنی ہے: "بچانے والا"۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۵﴾:

ربط: اُوپر مشرکین کا ذکر تھا اب آگے مؤمنین کا ذکر ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ اَیْ صِفَةُ الْجَنَّةِ۔ جنّت کی صفت، اُس کا حلیہ، اُس کی حقیقت۔

سوال مَثَلُ الْجَنَّةِ مبتداء ہے اِس کی خبر کیا ہے؟

جواب اِس کی خبر میں اختلاف ہے، چناں چہ دو (۲) اقوال ہیں:

① علامہ سیبویہ رحمہ اللہ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَا نَقُصُّ عَلَيْكُمْ خبر ہے اور تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ۔۔۔ الآیۃ بیان ہے۔

② دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ: خبر محذوف نہیں بل کہ یہ جملہ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ۔۔۔ الآیۃ خبر ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۶﴾:

یعنی اہلِ کتاب میں جو مؤمن ہوئے۔ مثلاً: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وہ بھی اِس کتاب یعنی قرآن پاک کو جانتے ہیں۔

وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ۔۔۔ الآیۃ:

مثلاً: مشرکین میں سے جو لوگ ہیں وہ اِنکار کرتے ہیں بعض کا۔ بعض کا مطلب یہ ہے کہ: توحید کا اِنکار، رسالت کا اِنکار، قیامت کا اِنکار وغیرہ۔ باقی جو چیزیں ہیں اُن کا اِنکار نہیں کرتے یعنی پورے قرآن کا اِنکار نہیں کرتے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۷﴾:

"تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: أَيْ كَمَا أَنْزَلْنَا الْكُتُبَ عَلَى الرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ كَذٰلِكَ۔۔۔ الخ۔ جیسے ہم نے پہلے رسولوں پر کتابیں اُتاریں اسی طرح ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی کتاب اُتاری۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۸﴾:

ربط: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ (۱۱) بیویاں منکوحہ مدخولہ تھیں، نو (۹) بہ یک وقت نکاح میں تھیں۔ اُبھی ذکر ہوا کہ: ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حکم عربی یعنی قرآن پاک اُتارا ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ: اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہیں تو اتنی بیویاں کیوں ہیں؟ اتنی تو بادشاہوں کی نہیں ہوتیں؟ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہیں تو ایک ہوتی؟ تو فرماتے ہیں کہ: اُن کا یہ خیال غلط ہے، ہم نے پہلے بھی رسول بھیجے اُن کی بھی بیویاں تھیں۔ "بائبل" میں لکھا ہے کہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار (۱۰۰۰) بیویاں تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی دوسو (۲۰۰) بیویاں تھیں۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۹﴾:

"البحر المحیط، کبیر، خازن، معالم التنزیل، ابن کثیر، مدارک، ابوسعود" وغیرہ میں دو (۲) آسان باتیں ہیں:

① پہلی بات تو یہ ہے کہ: اِس کا تعلق اَحکامِ شرعیہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ مٹاتا ہے اُس حکم کو جو چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ مثلاً: پہلے قبلہ بیت المقدس تھا، پھر منسوخ کیا گیا، یا کافر عورت کے ساتھ نکاح جائز تھا پھر منسوخ کیا گیا، پہلے ایک مسلمان کا دس (۱۰) کافروں سے مقابلہ تھا پھر منسوخ ہوا وغیرہ وغیرہ۔

② دوسری بات یہ ہے کہ: تقدیر کی دو (۲) قسمیں ہیں: ① مبرم۔ ② معلّق۔

جو نہیں بدلتی وہ مبرم، اٹل اور مطلق ہے اور جو بدلتی ہے وہ معلّق ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: دُنیا میں ہر چیز اَسباب سے ہے، بعض اَسباب ظاہر ہیں یعنی چھپے نہیں ہیں، اَسباب کی تاثیر کا ایک طبعی اَندازہ ہے، جب اللہ چاہے اُس کی تاثیر اَندازہ سے کم یا زیادہ کردے اور جب چاہے ویسی ہی رکھے، آدمی کبھی کنکر سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے اور ایک اَندازہ ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے جو ہرگز نہیں بدلتا۔ اُس اَندازے کو تقدیر کہتے ہیں، یہ دو (۲) تقدیریں ہوئیں۔ مبرم و مطلق کے لیے مثال موت ہے، معلّق کے لیے بیماری وغیرہ ہے۔ يَمْحُوا اللّٰهُ میں معلّق کی طرف اشارہ ہے اور يُثْبِتُ میں مبرم و مطلق کی طرف اِشارہ ہے۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۰﴾:

جزاء محذوف ہے۔ أَيْ فَذٰلِكَ۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۔۔۔الآیۃ (۴۱):

رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرتے ہو۔ ذرا غور تو کرو!! دن بہ دن تمہاری زمین تمہارے قدموں سے نکلتی ہے اُن کے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے آتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: نَاْتِي کے معنی آنے کے ہیں لیکن مُراد نَقْصُدُ الْاَرْضَ ہے یعنی: ہم قصد کرتے ہیں، ارادہ کرتے ہیں زمین پر۔ زمین کے بارے میں ارادہ یہ ہے کہ: اُس کو گھٹاتے ہیں اُس کے اِطراف سے یعنی تمہاری زمین تنگ ہوتی ہے اور اسلام کے رقبہ میں اِضافہ ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۔۔۔الآیۃ:

عَقِب ایڑی کو کہتے ہیں۔ اگر کوئی کسی کے فیصلے کو رَد کر دے تو مطلب یہ ہے کہ: پیچھے پھینک دیا۔ اب لازمی معنی یہ ہیں کہ: "نہیں کوئی رَد کر سکتا اللہ کے فیصلے کو"۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۔۔۔الآیۃ (۴۳):

یعنی تمہارے جھٹلانے سے کچھ نہیں ہوتا جب کہ خداوندِ قدوس میری صداقت کی بڑی بڑی نشانیاں دکھلا رہا ہے؟!! قرآن جو اُس کا کلام ہے جیسے اپنے کلامِ اِلٰہی ہونے کی شہادت دیتا ہے اِسی طرح میرے پیغمبر برحق ہونے کا گواہ ہے۔ اگر آنکھیں کھول کر دیکھو تو سخت ناموافق حالات میں سچ کا اِس شان سے پھیلتے جانا اور دشمنوں تک کے دلوں میں گھر کرنا اور جھوٹ کا مغلوب و مقہور ہو کر سمٹتے رہنا خدا کی طرف سے میری حقانیت کی کھلی ہوئی گواہی ہے۔ اِسی طرح شَقُّ الْقَمَر بھی میرے ہاتھوں کرایا، اِسی طرح عصمت والی زندگی جو مجھے اللہ تعالیٰ نے دی مَیں نے گذار دی۔

وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝:

اِس سے اہلِ کتاب مُراد ہیں، یہود اور نصاریٰ میں سے جو منصف مزاج ہیں۔

آیاتُھا (۵۲) (۱۴) سُوْرَۃُ اِبْرٰھِیْمَ مَکِّیَّۃٌ (۷۲) رُکُوْعَاتُھَا (۷)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات، بیان القرآن" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں آپ ﷺ کی رسالت کا بیان تھا اور اِس سورۃ کی ابتداء میں بھی رسالت کا بیان ہے۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ اِبْرٰھِیْم ہے۔

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ۔۔۔ الآیۃ ۱:

لفظِ کِتٰب مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ اَیْ هٰذَا کِتَابٌ۔

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔۔۔ الآیۃ:

کفر اور شرک کو جمع سے اور اسلام کو مفرد سے تعبیر کیا گیا ہے، اِس کی وجہ گزری ہے۔ نُوْر سے مُراد اسلام اور ظُلُمٰت سے مُراد شرک ہے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔۔۔ الآیۃ ۴:

آگے فرماتے ہیں کہ: یہ قرآن پاک ہم نے عربی میں نازل کیا ہے کیوں کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ: نبی کو اُس قوم کی زبان والوں میں سے بھیجتے ہیں۔

لِیُبَیِّنَ لَهُمْ۔۔۔ الآیۃ:

بَیَّنَ، یُبَیِّنُ، تَبْیِیْنًا باب تَفْعِیْل سے ہے۔ معنی ہے: "خوب واضح کرے"۔

وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ۔۔۔ الآیۃ ۵:

"تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ میں اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: اَیَّام سے مُراد وہ دن ہیں جن میں لوگوں اور قوموں پر عذاب آیا ہے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: اَیَّام سے مُراد وہ اَیَّام ہیں جن میں لوگوں پر رحمت نازل ہوئی ہو۔

دونوں تفسیروں کا قرینہ موجود ہے: آگے شَکُوْر کے لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ: اَیَّام سے مُراد رحمت ہو اور صَبَّار کے لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ: اَیَّام سے مُراد عذاب ہو۔ دونوں تفسیریں حق ہیں کسی کا کسی سے تعارض نہیں۔

بعض طبیعتیں ایسی ہیں کہ: وہ نعمتوں سے متاثر ہوتی ہیں اور بعض عذاب سے یعنی دونوں قسم کے حالات سننے سے شاکر وصابر بندوں کو عبرت حاصل ہوتی ہے کہ: مصیبت کے وقت گھبرانا اور راحت کے وقت اِترانا نہیں چاہیے۔ جو لوگ پہلے کامیاب ہوئے ہیں وہ سختیوں پر صبر اور نعمائے الٰہیہ پر شکر کرنے سے ہوئے ہیں۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ۔۔۔ الآیۃ ۷:

ربط: اُوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیان تھا آگے اُن ہی کے بیان کا تتمہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنا اعلان کر کے سنایا کہ اگر شکر کرو گے تو نعمت زیادہ ہوگی۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ۔۔۔ الآیۃ:

لَاَزِیْدَنَّكُمْ میں لَام تاکید ہے اور نُون تاکید بھی بعد میں ہے، تو یہ تاکید در تاکید ہے۔ معنی یہ ہے: "مَیں ضرور بہ ضرور زیادہ کروں گا"۔

فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ۔۔۔ الآیۃ ۹:

"تفسیر روح المعانی، تفسیر کبیر، بیضاوی، خازن، معالم التنزیل" اور دیگر تفاسیر میں بھی کسی میں دو (۲) کسی میں تین (۳) کسی میں چار (۴) کسی میں پانچ (۵)

کسی میں چھ(٦) تفسیریں ہیں۔علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اختصاراً وہ جمع کی ہیں۔
علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ ہمارے اکابر میں سے تھے اور مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا اُن سے اختلاف تھا، ہم مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے ساتھ تھے، اُن کی بصیرت سیاست میں بہت زیادہ تھی۔"کشف حقیقت" مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی کتاب ہے، مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ ہمارے باپ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ ماں ہیں۔سیاسی لحاظ سے مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اور علمی لحاظ سے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ ہمارے لیے برابر ہیں۔
"تفسیر عثمانی" کی باتیں یہ ہیں:

① کفار فرطِ غیظ سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے۔جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ۔۔۔الآیۃ ❶
② انبیاء کرام علیہم السلام کی باتیں سُن کر فرطِ تعجب سے ہاتھ مُنہ پر رکھ لیے۔
③ ہاتھ مُنہ کی طرف لے جاکر اشارہ کیا کہ: بس! چُپ رہیے۔
④ ہماری اِس زبان سے اِس جواب کے سوا کوئی توقع نہ رکھو جو آگے آرہا ہے:وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ۔۔۔الآیۃ ❷
⑤ پیغمبر کی باتیں سُن کر ہنستے تھے اور ہنسی دبانے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔

یہ پہلی پانچ(٥) تفسیریں اُس وقت ہیں جب کہ أَيْدِيَهُمْ اور رَدُّوا اور أَفْوَاهِهِمْ کی ضمیر کافروں کی طرف راجع ہو۔

⑥ یہ بھی ممکن ہے کہ: أَيْدِيَهُمْ کی ضمیر کفار کی طرف اور أَفْوَاهِهِمْ کی ضمیر رُسُل کی طرف راجع ہو یعنی ملعونوں نے اپنے ہاتھ پیغمبروں کے منہ میں اَڑا دیے تاکہ وہ بالکل بول نہ سکیں۔
⑦ دونوں ضمیریں رُسُل کی طرف ہوں یعنی سخت گستاخانہ طور پر انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاتھ پکڑ کر اُنہی کے منہ میں ٹھونس دیے۔
⑧ بعض کے نزدیک یہاں أَيْدِيَهُمْ سے مُراد نعمتیں ہیں یعنی جو عظیم الشان نعمتیں انبیاء کرام علیہم السلام نے پیش کی تھیں مثلاً شرائع الٰہیہ وغیرہ۔وہ ناقدری سے اُن سے اُن ہی کی طرف لوٹا دیں، کسی کو قبول نہ کیا۔جیسے ہمارے محاورات میں کہتے ہیں کہ: مَیں نے فلاں شخص کی چیز اُس کے منہ پر ماری۔

بہرحال کوئی بھی معنی لیے جائیں سب کا حاصل یہ ہے کہ: اُنہوں نے نعمتِ خداوندی کی ناقدری کی اور انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت قبول نہ کی، اُن کے ساتھ بڑی بے رُخی بل کہ گستاخی سے پیش آئے۔

وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ۔۔۔الآیۃ ⑪:

یعنی تم نے جو مطالبہ کیا ہے کہ: دلیل لاؤ! تو وہ ہمارے بس میں نہیں ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ۔۔۔الآیۃ ⑬:

ربط: پیغمبروں اور اُن کی قوموں کی گفتگو چلی آرہی ہے، اُسی کا تتمہ ہے۔

أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا۔۔۔الآیۃ:

سوال لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا کا کیا مطلب ہے؟

جواب اِس کی تین(٣) تفسیریں نقل کی گئی ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: یہ تغلیباً کہا کہ تمہارے جو ساتھی ہیں وہ تو پہلے کافر تھے تو اِس سلسلے میں پیغمبروں کو اُن کے تابع کر کے کہا ورنہ پیغمبر تو آنکھ جھپکنے کی مقدار بھی کفر و شرک نہیں کرتا۔
② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: عُود کے معنی: صَیرُورَت کے ہیں۔أَيْ لَتَصِيرُنَّ۔تم آجاؤ ہماری ملّت میں۔یہاں عُود کے وہ معنی نہیں ہیں کہ: ایک جگہ تھا پھر گیا پھر دوبارہ آیا۔
③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: جب تک اُنہوں نے تبلیغ نہیں کی تھی کافر یہ سمجھتے تھے کہ: یہ ہمارے ہی ہیں۔تو اب معنی یوں ہوگا کہ:"اُنہوں نے اپنے زعمِ فاسد سے یوں سمجھا کہ اب ہم سے نکل گئے"۔

---

❶ (سورۃ آل عمران، ١١٩)　❷ (سورۃ ابراھیم، ٩)

وَخَافَ وَعِیْدِ ۝﴿۱۴﴾:

اَصل میں وَعِیْدِیْ تھا، یاء تخفیفاً گر گئی۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ۝﴿۱۵﴾:

سوال اِسْتَفْتَحُوْا کا فاعل کیا ہے؟

جواب "تفسیر روح المعانی، ابن کثیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اِسْتَفْتَحُوْا کا فاعل پیغمبر بھی ہو سکتے ہیں اور اس کا فاعل کافر بھی ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ: پیغمبروں نے خدا سے مدد مانگی اور فیصلہ چاہا: رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ۝ ❶ اور کفار نے بھی جب دیکھا کہ: اتنی طویل مدت سے عذاب کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں لیکن اُس کے آثار کچھ نظر نہیں آتے تو استہزاء و تمسخر سے کہنے لگے کہ: وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ۝ ❷ وغیرہ وغیرہ۔ غرض دونوں طرف سے فیصلہ کی جلدی ہونے لگی۔

مِنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۶﴾:

لفظ وَرَآء اَضداد میں سے ہے، قُدَّام کے معنی میں بھی آتا ہے اور خَلْف کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یہاں قُدَّام کے معنی میں ہے۔

وَیُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ۝:

اِنسان کے بدن میں جو خون ہے کبھی پھوڑے وغیرہ کی وجہ سے سفید ہو جاتا ہے اُس کو پیپ کہتے ہیں۔ تو صَدِیْد کا معنی ہے: "پیپ"۔

یَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۷﴾:

یَتَجَرَّعُ کا معنی ہے: "گھونٹ گھونٹ کر کے پینا"۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸﴾:

سوال بعض کفار کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ: آخر ہم نے دُنیا میں بہت سے اَچھے کام صدقہ خیرات کی مد میں کیے، ہماری خوش اَخلاقی لوگوں میں مشہور ہوئی، کیا یہ سب اُس وقت کام نہ آئے گا؟

جواب اُس کا جواب اِس تمثیل میں دیا کہ: اُن کے یہ اَعمال ظاہری طور پر تو نظر آئیں گے مگر اَصل میں کچھ نہیں، ہوا سب کچھ اُڑا دے گی، یہ یتیم خانے، پل، ہسپتال وغیرہ تو نظر آتے ہیں لیکن کفر و شرک کی آندھی نے آ کر یہ سب ختم کر دیئے۔

ترکیب: مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یہ مبدل منہ ہے اور اَعْمَالُهُمْ بدل اِشتمال ہے، دونوں مل کر مبتداء اور كَرَمَادٍ (راکھ) خبر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹﴾:

یہاں سے آگے اللہ تعالیٰ اپنی توحید کے دلائل بیان فرماتے ہیں۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:

ربط: آگے رب تعالیٰ یہ بتاتے ہیں کہ: اے مشرکین! سوچ لو! اللہ نے تمہیں عقل دی ہے اُس عقل سے کام لو! محض کسی کے پیچھے لگ کر گمراہی اختیار نہ کرو یعنی یہ نہ کہو کہ: پیر نے یوں کہا، اُستاد نے یوں کہا، لیڈر نے یوں کہا، کونسلر نے یوں کہا وغیرہ بل کہ عقل کو اِستعمال کرو محض نری پیروی کوئی شے نہیں جب تک کہ حق کی کوئی دلیل نہ ہو۔

وَبَرَزُوْا اَیْ ظَهَرُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۔ سب اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔

اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا ۔۔۔ الآیۃ:

تَبَعٌ، تَابِعٌ کی جمع ہے جیسے حَرَثٌ، حَارِثٌ کی جمع ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف، ۸۹) ❷ (سُوْرَۃُ صٓ، ۱۶)

مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ۠:

سوال لفظ مَحِیْص کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① مَحِیْص مصدرِ میمی ہے۔ معنی ہے: "چھٹکارہ کوئی نہیں"۔

② مَحِیْص ظرفِ مکان ہے۔ معنی ہے: "چھٹکارے کی جگہ کوئی نہیں"۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۲﴾:

ربط: اُوپر تابع اور متبوع کا ذکر تھا آگے اُس میں جو قائدِ اعظم تھا یعنی اِبلیس اُس کا ذکر ہے۔

مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۔۔۔ الآیۃ:

صُرَاخ کے معنی ہیں: "آواز"۔ مُصْرِخ کے معنی ہیں: "آواز دینے والا"۔ ایک شخص دُشمنوں میں پسا جاتا ہے تو آوازیں بلند کرتا ہے کہ: آؤ آؤ! میری مدد کرو اور ایک شخص آ کر کہے کہ: مَیں آ گیا۔ تو اِس آنے والے شخص کو مُصْرِخ کہیں گے۔ یعنی: جو فریادرَس کی آواز سُن کر کہے کہ: مَیں آ گیا تو وہ مُصْرِخ ہے۔ لازمی معنی اِس کے ہیں: "اِمداد کرنے والا"۔

اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر کبیر، روح المعانی، البحر المحیط" میں لکھا ہے کہ: بِمَآ میں بَاءِ سببیہ ہے۔ معنی ہے کہ: "مَیں کافر ہوا اِس لیے کہ تم نے مجھے شریک بنایا یعنی تم نے میری بات مانی"۔ تو مَیں نے کہا کہ: مَیں بھی کچھ ہوں یعنی بڑا ہوں، اِس لیے یہ لوگ میری بات مانتے ہیں۔ مَیں نے سوچا کہ: میری بات بھی چلتی ہے۔ تم میری بات نہ مانتے ہمت شکنی ہوتی مَیں بھی کافر نہ ہوتا۔ لہٰذا میرے کفر کے بھی تم ذمہ دار ہو۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ۠ ﴿۲۴﴾:

كَلِمَةً طَيِّبَةً سے اِصطلاحی كَلِمَةً طَيِّبَةً لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی مُراد ہو سکتا ہے اور ہر اَچھی بات بھی مُراد ہو سکتی ہے۔ مثلاً: مَیں کہتا ہوں کہ: سچ بولو! یہ كَلِمَةً طَيِّبَةً ہے، جھوٹ مت بولو یہ كَلِمَةً طَيِّبَةً ہے۔ تو كَلِمَةً طَيِّبَةً کی مثال ایسی ہے جیسے شَجَرَةً طَيِّبَةً پاکیزہ درخت ہوتا ہے۔

"تفسیر دُرِّ منثور، معالم التنزیل، ابن کثیر" وغیرہ میں روایت ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے خود اِس کی تفسیر فرمائی۔ جیسے کھجور کا درخت ہوتا ہے، اُس کا تنا زمین میں مضبوط ہے اور اُس کی شاخیں آسمان کی طرف دُور تک پھیلی ہوئی ہیں اور اُس کے ساتھ ہر موسم کا پھل لگتا ہے۔

اِسی طرح سمجھو کہ: كَلِمَةً طَيِّبَةً جب وہ دل میں مضبوط ہو تو اُس سے اَعمال یعنی نماز، روزہ وغیرہ کی شاخیں پھوٹتی ہیں اور عبادات پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثمرات مُرتّب ہوتے ہیں وہ پھل ہر وقت ملتے ہیں۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۠ ﴿۲۶﴾:

كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ کی مثال کفر اور شرک ہے، ہر بدی کا کلمہ ایسا ہے جیسا کہ حَنْظَل (اِیلوا) کا درخت۔ اِیلوا کڑوا ہوتا ہے اور اُس کا تنا بھی نہیں ہوتا بل کہ زمین پر بچھا ہوتا ہے اور پھر اُس کو اُکھاڑ بھی دیا گیا ہو۔ اِسی طرح کلمہ کفر ہے کہ: نہ اُس کا تنا ہوتا ہے، نہ اُس کی بلندی ہوتی ہے، نہ اُس کی مضبوطی ہوتی ہے۔ بس اِپڑا رہتا ہے اُس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۸﴾:

ربط: اُوپر کافروں اور ظالموں کا ذکر تھا، آگے فرماتے ہیں کہ: اِن ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قدر نہ کی۔

سوال نعمت سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: نعمت سے مُراد وجودِ نبی کریم ﷺ ہے۔ ② نعمت سے مُراد خدا کی نعمتیں پھل وغیرہ ہیں۔

وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝:

اِس کی تقدیری عبارت میں دو (۲) اِحتمال ہیں:

① بعض نکالتے ہیں: وَبِئْسَ مَکَانُ الْقَرَارِ۔

② بعض نکالتے ہیں: وَبِئْسَ ذَاتُ الْقَرَارِ۔

قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اِس سے پہلے کافروں کا بیان تھا اور آگے مؤمنین کا بیان ہے۔

وَلَا خِلٰلٌ ۝:

خِلٰل کا معنی ہے: "دوستی"۔ اُس قیامت کے دن کوئی دوستی بھی نہ ہوگی۔ جیسا کہ اِرشاد ہے: اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۝ [1]

وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ۔۔۔ الآیۃ:

دَآئِبَیْنِ کا معنی ہے: "تسلسل کے ساتھ چلتے ہوئے"۔

وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ۔۔۔ الآیۃ:

سوال اِس سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ: جو بھی سوال کرتا ہے وہ قبول ہو کر ملتا ہے اور واقع میں ایسا نہیں؟

جواب "تفسیر بیضاوی اور جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مِنْ تبعیضیہ ہے۔ اَیْ وَ اٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ عَلٰی حَسَبِ مُصَالِحِکُمْ۔ جو چیزیں تم نے مانگی اُن میں سے بعض چیزیں تمہارے رب نے دیں تمہاری مصلحتوں کے پیشِ نظر۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: پہلے کفار کا ذکر تھا کہ وہ کفر و شرک کرتے تھے اور آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ: یہ ظالم لوگ تو کہتے ہیں کہ: ہم ابراہیمی ہیں۔ جیسے آج کل اہلِ بدعت کہتے ہیں کہ: ہم حنفی سُنّی ہیں۔ جس اَنداز سے حنفی کتابوں سے کفر و بدعت کی تردید کرتے ہیں اور کوئی اِتنا نہیں کرتا۔ اِسی طرح مشرکین عرب اپنے آپ کو ابراہیمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہتے تھے۔ تو اِس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ: ابراہیم علیہ السلام تو بُت شکن تھے اور تم تو بُت ساز ہو۔

هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا۔۔۔ الآیۃ:

قبیلہ بنو جرہم نے وہاں مکانات بنائے تو وہ شہر آباد بن گیا تھا اس لیے لفظِ اَلْبَلَدَ مُعَرَّف بِاللَّام ہے۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ۔۔۔ الآیۃ:

اِضْلَال کی نسبت بُتوں کی طرف سببی ہے۔

وَمَنْ عَصَانِیْ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ عَصٰی رَبِّیْ۔ میری نافرمانی کی یعنی میرے رب کی نافرمانی کی۔

فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝:

اہلِ حق کا مذہب ہے کہ: اللہ تعالیٰ کفار کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ قادر ہے۔

اہلِ بدعت، روافض، خوارج، معتزلہ کہتے ہیں کہ: قادر نہیں۔

---

[1] (سُورَۃُ الزُّخْرُف، ٦٧)

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ۔۔۔ الآية:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اِس آیت میں مِنْ تبعیضیہ ہے، اگر مِنْ تبعیضیہ نہ ہوتا تو سارے اِنسان مائل ہوتے۔

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝:

اَصل میں دُعَآءِی تھا، یاء تخفیفاً گرگئی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ۔۔۔ الآية:

ربط: اُوپر یومِ حساب (قیامت) کا ذکر تھا اور آگے بھی یہی ذکر ہے کہ: اے مخاطب! یہ خیال نہ کر کہ یہ ظالم جو کام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن سے غافل ہے۔

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝:

تَشْخَصُ کا معنی ہے: "کھلی رہ جائے"۔ معنی یہ ہے کہ: "کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آنکھیں"۔

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ۔۔۔ الآية:

مُهْطِعِيْنَ اَيْ مُسْرِعِيْنَ۔ ایک ہی طرف نگاہ کو ٹکائے ہوئے ہیں۔ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ اَيْ رَافِعِيْ رُءُوْسِهِمْ۔

وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝:

اَيْ خَالِيَةٌ عَنِ الْعُقُوْلِ۔ سمجھ سے خالی ہوگئی۔ جس طرح مجنون ہوتے ہیں لباس وبدن اَچھا ہوتا ہے، قدوقامت بھی ہوتی ہے لیکن دماغ خالی ہوتا ہے عقل نہیں ہوتی۔

وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝:

یہاں دو (۲) قراءتیں ہیں:

① لَتَزُوْلَ لام کے فتحہ کے ساتھ۔ اِس صورت میں اِنْ مخففہ من المثقلہ ہوگا۔ معنی ہے: "بے شک! شان یہ ہے کہ: تھا مکر اُن کا البتہ ٹل جاتے اُس سے پہاڑ"۔

② لِتَزُوْلَ لام کے کسرہ کے ساتھ۔ اِس صورت میں اِنْ نفی کا ہوگا۔ معنی ہے: "اور نہیں ہے مکر اُن کا تا کہ اُس سے پہاڑ ٹل جائیں" یعنی شرائع اِسلامیہ اپنی جگہ پر پہاڑوں کی طرح مضبوط رہیں گے۔ مثلاً: حدِ سرقہ وغیرہ، یہ اُن کی تدبیروں سے نہیں ٹل جاتے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ۔۔۔ الآية:

"ترمذی، مسند احمد" وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! جب یہ زمین بدلی جائے گی تو لوگ کہاں ہوں گے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: پُل صراط پر اور کیفیت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔[1]

پُل صراط کے متعلق "مسلم شریف" میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ: أَنَّ الْجِسْرَ أَدَقُّ مِنَ الشَّعْرَةِ وَأَحَدُّ مِنَ السَّيْفِ۔[2]

ترجمہ: بال سے زیادہ باریک تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝:

اَصْفَاد، صَفَدٌ کی جمع ہے۔ اگر ہاتھ میں ہوں تو ہتھکڑیاں اور پاؤں میں ہوں تو بیڑیاں کہلاتی ہیں۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ۔۔۔ الآية:

سَرَابِيْل، سِرْبَالٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "کرتہ"۔

قَطِرَان کے لغوی معنی جیسا حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیے ہیں اور کسی مفسر نے بیان نہیں کیے۔

---

[1] (جامع الترمذی، ابواب التفسیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ومن سورۃ ابراہیم، ج ۲، ص ۱۴۴، طبع قدیمی، کراچی) [2] (الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربھم سبحانہ وتعالیٰ، ج ۱، ص ۱۰۳، طبع یادگار شیخ، کراچی)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: قَطِرَان کے معنیٰ ہیں: پہاڑوں میں ایک درخت ہوتا ہے جس کو چیڑ کا درخت کہا جاتا ہے، اُس سے رُوغن نکلتا ہے، اُسے جگن بھی کہتے ہیں اور جولہ بھی کہتے ہیں۔ اَصل معنی قَطِرَان کے جگن اور جولہ ہیں، اِسی کو صاف کر کے آگے گندھک اِس سے بنتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے قَطِرَان کے معنیٰ "گندھک" کے کیے ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے بھی قَطِرَان کے معنیٰ "گندھک" کیے ہیں۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۲﴾:

هٰذَا کا مشارٌ الیہ محذوف ہے اور وہ اَلْقُرْآن ہے۔ اَیْ هٰذَا الْقُرْآنُ۔ یہ قرآن کریم ایسی کتاب ہے کہ: لوگوں تک بات پہنچاتی ہے۔

آیاتُھا (۹۹) (۱۵) سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ (۵۴) رُکُوْعَاتُھَا (۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: ربط کے متعلق دو (۲) ہیں:

① "تفسیر بیان القرآن، تفسیر ابوسعود، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں قیامت کا ذکر تھا اور اِس میں بھی قیامت کا ذکر ہے کہ: رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ ❶ جب قیامت آجائے گی تو کافر اِس کو پسند کریں گے کہ: کاش! ہم مسلمان ہوتے۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں قرآن کا ذکر تھا: هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ ۔۔۔ الآیۃ ❷ اِس سورۃ کی اِبتداء میں قرآن کا ذکر ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ○ ❸

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْحِجْر ہے۔ یہ خیبر اور تبوک کے درمیان علاقہ تھا، حضرت صالح علیہ السلام پیغمبر تھے اور ثمود قوم تھی۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ○ ❷:

رُبَمَا کے دو (۲) معنی آتے ہیں: ① تقلیل۔ ② تکثیر۔

① تقلیل۔ تو معنی یہ ہوگا: "کسی وقت پسند کریں گے وہ لوگ جو کافر ہیں۔ کاش! کہ وہ مسلمان ہوتے"۔

سوال "کسی وقت یا تھوڑے وقت" کا کیا مطلب ہے؟

جواب اِتنا عذاب اُن پر ہوگا کہ: اُس عذاب سے اُن کو اِدھر اُدھر دھیان ہی نہیں ہوگا۔ کسی وقت اُس میں تخفیف نظر آئے گی تو پھر یاد آئے گا۔ یہ تقلیل کا معنی ہے۔

② تکثیر۔ تو معنی ہوگا: بسا اَوقات بسیار پسند کریں گے کافر کہ ہم مسلمان ہوتے۔

سوال لَوْ کیا ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ میں جو حرفِ لَوْ ہے اِس کو اَکثر حضرات تمنی کے لیے قرار دیتے ہیں۔ معنی ہے: "کاش! کہ ہم مسلمان ہوتے"۔

② لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ میں جو حرفِ لَوْ ہے اِس کو بعض حضرات شرطیہ قرار دیتے ہیں۔ معنی ہے: "اگر مسلمان ہوتے مَا عُذِّبُوْا تو سزا نہ ہوتی"۔

سوال وہ کون سا وقت ہوگا جب کافر کہیں گے کہ: کاش! ہم مسلمان ہوتے؟

جواب اِس کے بارے میں تفسیروں میں مختلف باتیں لکھی ہیں:

① بعض کہتے ہیں کہ: جان نکلنے کے وقت یہ مقولہ کہیں گے۔

② بعض کہتے ہیں کہ: قبر میں یہ مقولہ کہیں گے۔

③ بعض کہتے ہیں کہ: قیامت میں یہ مقولہ کہیں گے۔

④ بعض کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کے وقت یہ مقولہ کہیں گے۔

⑤ بعض کہتے ہیں کہ: پُل صراط پر یہ مقولہ کہیں گے۔

⑥ بعض کہتے ہیں کہ: محشر میں یہ مقولہ کہیں گے۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْحِجْر، ۲) ❷ (سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْم، ۵۲) ❸ (سُوْرَةُ الْحِجْر، ۱)

⑦بعض کہتے ہیں کہ: دوزخ میں جلنے کے وقت یہ مقولہ کہیں گے۔
⑧بعض کہتے ہیں کہ: جب گناہ گار مؤمنین جہنم سے نکال دیے جائیں گے تو اُس وقت یہ مقولہ کہیں گے۔
تمام تفسیریں حق ہیں کسی کا کسی سے کوئی تعارض نہیں کیوں کہ اَوقات مختلف ہیں، جب وقت مختلف ہو تو تعارض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵﴾:

سوال تَسْبِقُ کا فاعل کیا ہے؟

جواب لفظِ اُمَّةٍ ،تَسْبِقُ کا فاعل اور مِنْ اُمَّةٍ میں مِنْ زائد ہے۔

وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶﴾:

ذِكْرٌ، فُرْقَانٌ، قُرْاٰنٌ، مُعْجِزَةٌ یہ قرآن کریم کے نام ہیں۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾:

مشرکین طعنہ دیتے تھے کہ: یہ شخص جس پر ذکر اُترا ہے مجنون اور دیوانہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تمہارا اِستہزاء وتعنُّت اور قرآن لانے والے کی طرف جنون کی نسبت کرنا قرآن وحامل قرآن پر قطعاً اَثر اَنداز نہیں ہوسکتا۔ یاد رکھو!! اِس قرآن کے اُتارنے والے ہم ہیں اور ہم ہی نے اِس قرآن کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، لفظوں کی بھی، لب ولہجوں کی بھی، ترجمہ کی بھی، تفسیر کی بھی حفاظت ہوئی۔

آج سے تقریباً تین (۳) سال پہلے (۱۹۸۹ء میں) "چاندمل چوپڑا" نامی ایک شخص نے ہندوستان کی ایک عدالت میں مقدمہ دائر کیا، اُس مقدمہ کی دو (۲) شقیں تھیں:

①پہلی شق یہ تھی کہ: قرآن کریم پر پابندی لگائی جائے کیوں کہ یہ لڑنے وغیرہ کا سبق سکھلاتا ہے۔
②دوسری شق یہ تھی کہ: اِس قرآن کی تفسیر یعنی حدیث پر بھی پابندی عائد کی جائے کیوں کہ اِس میں بھی جھگڑے آتے ہیں۔

عدالت کا جج گھبرا گیا کیوں کہ اُس وقت مسلمان بیس کروڑ (۲۰،۰۰۰۰۰۰۰) تھے اور وہ پاکستان کے مسلمانوں سے زیادہ مضبوط تھے، ہر قربانی کے لیے تیار تھے۔ عدالت کا جج گھبرا گیا اور ایک سوچ سوجھی کہ: یہ مطالبہ بھاری ہے اور عدالت اِس کی مجاز نہیں کہ یہ کرے۔ پھر مقدمہ سول جج کو دیا گیا، کلکتہ میں ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کیا گیا۔ ایک ہندو جج نے کہا کہ: یہ اِلہامی کتاب ہے، خدائی کتاب ہے، اِس آسمانی کتاب پر کوئی بھی عدالت پابندی نہیں لگاسکتی اور حدیث اِس کی شرح ہے اُس پر بھی کوئی پابندی نہیں لگاسکتا۔ دوسرے ہندو جج نے کہا کہ: چودہ سو (۱۴۰۰) سال سے یہ قرآن پاک چلا آرہا ہے تو اِس طویل مدت میں اِس طرح پابندی کی کوئی نظیر نہیں ملتی اِس لیے یہ عدالت مجاز نہیں کہ اِس قرآن پاک پر پابندی عائد کرے۔ (پس! یہ قرآن پاک کی صداقت وحفاظت کی نظیر ہے)۔

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾:

اَیْ كَمَا سَلَكْنَا الْاِسْتِهْزَاءَ وَالتَّكْذِيْبَ فِيْ قُلُوْبِ هٰؤُلَاءِ۔

سوال نَسْلُكُهٗ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

①"تفسیر جلالین اور کشاف" میں لکھا ہے کہ: نَسْلُكُهٗ کی "ہٗ" ضمیر تَكْذِيْب کی طرف راجع ہے۔
②علامہ بیضاوی رحمہ اللہ، علامہ اندلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: نَسْلُكُهٗ کی "ہٗ" ضمیر استہزاء کی طرف راجع ہے۔

فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾:

ظَلُّوْا کا معنی ہے: "سارا دن"۔ لفظِ ظَلَّ یہ اَفعال ناقصہ میں سے ہے، اِس میں دن کا معنی ملحوظ ہوتا ہے۔ جیسے بَاتَ میں رات کا معنی ملحوظ ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا۔۔۔الآیۃ ﴿۱۶﴾:

ربط: اُبھی آپ نے سَمَآء کا لفظ پڑھا، آگے بھی اِسی آسمان کے متعلق فرماتے ہیں کہ: ہم نے اُس میں بُرج بنائے اور اُس کو ستاروں سے رُوشن کیا۔

بُرُوْج کے لفظی معنی ہیں: "قلعہ"۔

سوال بُرُوْج کیا ہے؟

جواب اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: "تفسیر کبیر، روح المعانی، طنطاوی" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: بُرُوْج سے مُراد وہ بارہ (۱۲) منازل ہیں جن پر سورج چلتا ہے۔

سمجھانے کے لیے مَیں کہتا ہوں کہ: کراچی سے پشاور کو گاڑی روانہ ہوئی، تو پہلے صوبۂ سندھ طے کرتی ہے اور پھر صوبۂ پنجاب اور پھر صوبۂ سرحد تو جس طرح یہ گاڑی منازل طے کرتی ہے اِس طرح سورج بھی اپنی منازل طے کرتا ہے جو بارہ (۱۲) منازل ہیں۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: بُرُوْج سے مُراد وہ قلعے ہیں جو آسمان میں ہیں، اُن میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حفاظت کے لیے مقرر کیا ہے اور وہ اُس میں پہرہ دیتے ہیں جیسے زمین میں حفاظت کے لیے چوکیاں ہوتیں ہیں۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: بُرُوْج سے مُراد وہ راستے ہیں جن سے فرشتے گزرتے ہیں۔

جمہور کے نزدیک پہلی تفسیر راجح ہے۔

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾:

سَمْع مصدر بمعنی مَسْمُوْع ہے۔

آنحضرت ﷺ پر وحی اُترنے سے پہلے شیطان آسمان پر جاتے تھے، جب وحی اُتری تو اُن پر پابندی لگی، تو وہ جمع ہو گئے اور نصیبین کے مقام پر مشورہ کیا کہ: یہ پابندی کیوں لگی؟ آخر کار اِس نتیجے پر پہنچے کہ وحی کا آغاز ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کیے ہیں، اب اِنتہائی کوشش اُن شیاطین کی یہ ہوتی ہے کہ ایک شیطان سلسلہ قائم کر کے آسمان کے قریب پہنچے اور عالمِ ملکوت کے نزدیک ہو کر اَخبارِ غیبیہ کی اِطلاعات حاصل کرے، اُس پر بھی فرشتوں کے پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں کہ: جب شیاطین ایسی کوشش کریں تو اُوپر سے آتش بازی کی جائے۔ نصوصِ قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ: تکوینی اُمور کے متعلق آسمانوں پر جب کسی فیصلہ کا اِعلان ہوتا ہے اور خداوند کریم اِس سلسلہ میں فرشتوں کی طرف وحی بھیجتا ہے تو وہ اِعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اُوپر سے نیچے کو درجہ بہ درجہ پہنچتا ہے، آخر میں سماءِ دُنیا پر فرشتے اُس کا مذاکرہ کرتے ہیں، شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ اُن معاملات کے متعلق غیبی معلومات حاصل کریں، ناگہاں اُوپر سے بم کا گولہ شہاب ثاقب پھٹتا ہے اور اُن غیبی پیغامات کی چوری کرنے والوں کو مجروح یا ہلاک کر کے چھوڑتا ہے، اِسی دوا دوش اور ہنگامہ دار و گیر میں جو ایک آدھ بات کسی شیطان کو ہاتھ لگ جاتی ہے وہ ہلاک ہونے سے پیشتر بڑی عجلت کے ساتھ دوسرے شیاطین کو اور وہ شیاطین اپنے دُوست اِنسانوں کو پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاہن لوگ اُس اَدھوری بات میں سینکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر عوام کو غیبی خبریں بتلاتے ہیں، جب وہ ایک آدھ سماوی بات سچی نکلتی ہے تو اُن کے معتقدین اُسے اُن کی سچائی کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں اور جو سینکڑوں بنائی ہوئی خبریں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں تو اُن سے اِغماض وتغافل برتا جاتا ہے۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۲﴾:

لَوَاقِحَ، لَاقِحَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "پُر کرنے والی ہوائیں"۔ ہوائیں بھاری بھاری بادلوں کو پانی سے بھر کر لاتی ہیں اور اُن سے پانی برستا ہے۔

فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ۔۔۔الآیۃ:

اِس ترقی کے دَور میں بھی پینے کے لیے بارش کا پانی جمع کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۴﴾:

سوال مُسْتَقْدِمِیْن کے کیا معنی ہیں؟

جواب اس کے بارے میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① تم سے پہلے جو گزر چکے ہیں یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے آج تک اُن کو بھی جانتے ہیں اور جو بعد میں قیامت تک آئیں گے اُن کو بھی جانتے ہیں۔

② جو جماعت کی نماز میں آگے بڑھتے ہیں اُن کو بھی جانتے ہیں اور جو پیچھے رہتے ہیں اُن کو بھی جانتے ہیں۔

"ترمذی شریف، دُرِّ منثور" وغیرہ میں ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بوڑھوں کی صف ہوتی تھی، پھر نامَردوں کی، پھر چھوٹوں کی، پھر عورتوں کی تو بعض پیچھے ہی رہتے تھے اس لیے کہ پہلی صف میں ایک خوبصورت عورت ہوتی تھی جب وہ سجدہ کرنے لگتی تو وہ پیچھے سے دیکھتے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ وَلَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَقۡدِمِیۡنَ مِنۡکُمۡ ۔۔۔ الآیۃ ❶

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۶﴾:

ربط: اُوپر آسمانوں اور زمین کی خلقت اور بارش کے نزول کا بیان تھا آگے انسان کی خلقت کا بیان ہے۔

صَلۡصَال کا معنی ہے: "بجنے والی مٹی"۔

مِنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۚ:

لفظِ حَمَاٍ، حَمِئَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "کیچڑ"۔ لفظِ مَسۡنُوۡن کا معنی ہے: "متغیر"۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ساری زمین سے تھوڑی تھوڑی مٹی لی، قدرت کے ہاتھوں سے گوندھا، پھر وہ پک گئی اور بجنے لگی ❷

مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ﴿۲۷﴾:

علّامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ سَمُوۡم کے معنی ہیں: اَلنَّارُ شَدِیۡدُ الۡحَرِّ۔ ایسی آگ جو سخت حرارت والی ہو۔

فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۲۹﴾:

فَقَعُوۡا کا معنی ہے: "گر پڑے"۔ یہ فعلِ اَمر جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔

فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۰﴾:

کُلُّهُمۡ بھی تاکید ہے اور اَجۡمَعُوۡن بھی تاکید ہے۔ کُلُّهُمۡ کا لفظ یہ چاہتا ہے کہ: فرشتوں میں سے کوئی پیچھے نہیں ہٹا اور اَجۡمَعُوۡن کے معنی ہیں: سب نے اِکھٹے سجدہ کیا۔ جیسے: ہم جماعت کی نماز پڑھتے ہیں۔

قَالَ لَمۡ اَکُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۳﴾:

بشر کو سب سے پہلے شیطان نے حقیر سمجھا، اب جو شخص بشر کو حقیر سمجھے تو وہ اِبلیس سے بھی بدتر ہے اور جو تعظیم کرتا ہے تو وہ فرشتوں سے بھی اچھا ہے۔

قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّکَ رَجِیۡمٌ ﴿۳۴﴾:

سوال مِنۡهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① مِنۡهَا کی "هَا" ضمیر جنّت کی طرف راجع ہے۔

② مِنۡهَا کی "هَا" ضمیر سَمٰوٰت کی طرف راجع ہے۔

وَاِنَّ عَلَیۡکَ اللَّعۡنَۃَ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۳۵﴾:

لفظِ اَللَّعۡنَۃَ میں اَلِف لَام عوض مضاف الیہ ہے۔ اَیۡ لَعۡنَتِیۡ۔

---

❶ (جامع الترمذی، ابواب التفسیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ومن سورۃ الحجر، ج ۲، ص ۱۴۴، طبع قدیمی، کراچی) ❷ "تلاش بسیار کے باوجود بندہ کی مذکورہ حدیث تک رسائی نہ ہوسکی۔ (از مصحح)"

لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ ۔۔۔ الآية:

سوال لَاُزَيِّنَنَّ کا مفعول کیا ہے؟

جواب لَاُزَيِّنَنَّ کا مفعول اَعْمَالَهُمْ ہے۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ٥:

سوال یہ عَلَيَّ کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ ابوسعود رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ: هٰذَا صِرَاطٌ حَقٌّ عَلَيَّ اَنْ اُرَاعِيَهٗ مُسْتَقِيْمٌ، یہ راستہ حق ہے مجھ پر کہ مَیں اُس کی رعایت رکھوں۔

② بعض کہتے ہیں کہ: يَصِلُ اِلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ۔

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ٥:

"تفسیر کبیر، ابوالسعود، السراج المنیر" وغیرہ میں ہے کہ: جہنم کے سات (۷) طبقے ہیں:

① اُوپر کے طبقے میں گناہ گار مؤمن ہوں گے۔
② اُس سے نچلے میں نصاریٰ ہوں گے۔
③ اُس سے نچلے میں یہود ہوں گے۔
④ اُس سے نچلے میں صابئین ہوں گے۔
⑤ اُس سے نچلے میں مجوسی ہوں گے۔
⑥ اُس سے نچلے میں مشرکین ہوں گے۔
⑦ اُس سے نچلے میں منافقین ہوں گے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ٥:

ربط: اُوپر مجرموں کا ذکر تھا، قرآن کریم کا یہ قانون ہے کہ کافروں کا ذکر کرتا ہے تو مؤمنین کا ذکر بھی کرتا ہے، اور جنّت کا ذکر کرتا ہے تو دوزخ کا بھی کرتا ہے، دُنیا کا کرتا ہے تو آخرت کا بھی کرتا ہے، تو فرماتے ہیں کہ: تابع دار لوگ جنّتوں میں ہوں گے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا ۔۔۔ الآية:

سوال لفظِ اِخْوَانًا ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب لفظِ اِخْوَانًا ترکیب میں هِمْ ضمیر سے حال ہے۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ ۔۔۔ الآية:

نَصَب کہتے ہیں کہ: کام کرتے وقت جو آدمی کو تھکاوٹ ہو۔ وہاں کام ہی نہیں کرنا تو تھکاوٹ کس بات کی؟

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ٥:

ربط: اُوپر متقین اور مجرمین کا ذکر تھا اور اب اُن میں سے چند واقعات پیغمبر اور تابعین، متقین اور مجرمین کے ذکر کر رہے ہیں۔

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ ۔۔۔ الآية:

وَجَل کہتے ہیں ایسے خوف کو جس کے آثار چہرے پر نظر آئیں۔ خوف یہ ہے کہ دل کے اَندر کسی کا خوف آئے۔

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ٥:

یہاں پر عَلٰى بمعنی مَعَ ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ٥:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خیال کیا کہ: اگر خوشخبری ہوتی تو ایک فرشتہ آتا اور یہ تو ایک جماعت تین (۳) یا چھ (۶) یا دس (۱۰) اَفراد کی ہے؟ تو اِس وجہ سے فرمایا: مَا خَطْبُكُمْ اَيْ مَا حَالُكُمْ، مَا شَاْنُكُمْ، مَا بَالُكُمْ۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلُوْنَ ۝:

لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے۔

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝:

یعنی اُوپرے لوگ ہو ہم آپ کو پہچان نہیں سکے۔

اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝:

مُصْبِحِيْنَ کے لفظی معنی یہ ہیں کہ: صبح کرنے والے ہوں گے اور صبح کرنا تو اُن کے اِختیار ہی میں نہیں تھا، اس لیے معنی مجازی مُراد ہیں۔ اَىْ دَاخِلِيْنَ فِىْ وَقْتِ الصُّبْحِ۔ یعنی وہ صبح کے وقت میں داخل ہونے والے تھے۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝:

حروفِ وَاوٌ ہے نہ کہ فَاء اور ثُمَّ۔ اُنہوں نے اپنا فرشتہ ہونا پہلے بتایا یا بعد میں وہ آئے ایسا نہیں ہے بل کہ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ پہلے ہے اور وہ اُوپر والی آیت بعد میں ہے۔ تو اس میں ترتیب نہیں کیوں کہ وَاوٌ مطلق جمع کے لیے ہے تو آیات میں تقدیم وتاخیر ہے۔

قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَيْفِىْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝:

فَضِيْحَت اور خِزِى میں فرق: جو شخص اپنی ذات میں کچھ رُسوائی وشرمندگی سمجھے اِس کو فَضِيْحَت کہتے ہیں اور جب دوسروں کی نظر میں رُسوائی حاصل ہو اُس کو خِزِى کہتے ہیں۔ تم اِن کے ساتھ بُرائی کرو گے تو مَیں اپنے دل میں بھی اور دوسروں کی نظروں میں بھی رُسوا ہوں گا کیوں کہ مہمان کی رُسوائی میزبان کی رُسوائی ہوتی ہے۔

قَالُوْۤا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝:

لفظِ عٰلَمِيْنَ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ اَىْ عَنْ ضِيَافَةِ الْعٰلَمِيْنَ۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِىْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝:

یہ جملہ معترضہ ہے، یہ خطاب حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو ہے یعنی تیری جان کی قَسم! لوط علیہ السلام کی قوم غفلت اور مستی کے نشہ میں بالکل اندھی ہو رہی تھی، وہ بڑی لاپرواہی سے حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت بل کہ لجاجت کو ٹھکرا رہے تھے، اُن کو اپنی قوت کا نشہ تھا، شہوت پرستی نے اُن کے دل ودماغ مسخ کر دیئے تھے، وہ حضرت لوط علیہ السلام کی باتوں پر ہنستے تھے اور موت اُنہی کو دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت سی چیزوں کی قسمیں اُٹھائی ہیں، یہاں پر آپ ﷺ کی زندگی کی قَسم اُٹھائی ہے۔ کہیں وَالْعَصْرِ ۝ [1]، کہیں وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ [2]، کہیں وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ [3] وغیرہ مختلف چیزوں کی رب نے قسمیں اُٹھائی ہیں۔ رب تعالیٰ پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا بل کہ قانون تو ہمارے لیے ہے۔

جیسا کہ حدیثِ پاک میں اِرشاد ہے: مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ [4]

تَرْجَمَہ: جس نے غیر اللہ کی قَسم اُٹھائی اُس نے شرک کا اِرتکاب کیا۔

ہم مکلف ہیں رب پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا وہ جس کی چاہے قَسم اُٹھائے۔ اگر کوئی شخص نبی کی قَسم اُٹھاتا ہے، کعبہ کی قَسم اُٹھاتا ہے غرض کسی بھی غیر اللہ کی قَسم اُٹھاتا ہے یہ سب حرام ہے۔

قرآن کی قَسم کا حکم: علامہ فخر الدین زیلعی رحمہ اللہ "تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق" والے فرماتے ہیں کہ: اگر کوئی قرآن کی قَسم اُٹھائے تو قَسم منعقد ہو جائے گی۔ اِس لیے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ کی صفت ہے۔ اَلْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللّٰهِ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ۔ لہٰذا اگر اللہ کی ذات کی یا صفت کی کوئی قَسم اُٹھائے تو قَسم منعقد ہو جاتی ہے۔ مثلاً: کوئی یوں کہے کہ: مجھے رب کی قَسم، مجھے رب کے جلال کی قَسم، مجھے رب کی عزت کی قَسم، مجھے رب کی عظمت کی

[1] (سُوْرَةُ الْعَصْر، ۱) [2] (سُوْرَةُ التِّيْن، ۱) [3] (سُوْرَةُ الْعٰدِيٰت، ۱) [4] (سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور، باب فی کراہیۃ الحلف بالآباء، ج ۲، ص ۱۰۹، طبع حسن، لاہور)

قسم وغیرہ۔ اِن سب صورتوں میں قسم منعقد ہو جاتی ہے۔
اِسی طرح کلام بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن کلام جو اللہ کی صفت ہے وہ کلامِ لفظی نہیں بل کہ کلامِ نفسی ہے جس پر کلامِ لفظی دال ہے۔ یہ جو ہم پڑھتے ہیں یہ کلامِ لفظی ہے لہٰذا قرآن کی قسم منعقد ہے۔
علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جیسے ہم کہتے ہیں کہ: اَلنَّارُ مُحْرِقَةٌ آگ جلاتی ہے۔ تو ہم زبان سے بولتے ہیں یا کاغذ پر لکھتے ہیں۔ وہ جو ہم نے زبان سے بولا وہ صرف آگ کی حقیقت نہیں ہے بل کہ خارج میں بھی اِس کی ایک حقیقت ہے۔ وہ جو خارج میں حقیقت ہے گویا کہ وہ ہے کلامِ نفسی اور یہ ہمارے الفاظ اَلنَّارُ مُحْرِقَةٌ اُس پر دال ہیں۔

قرآن کی قسم کا کفارہ: جمہور کہتے ہیں: جیسے دیگر قسموں کا کفارہ ہے ایسے قرآن کی قسم کا بھی کفارہ ہے۔
"رَحْمَةُ الْاُمَّة" کتاب میں اِمام اَحمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یوں نقل کی گئی ہے کہ: قرآن کی چھ ہزار چھ سو چھیاسٹ (۶۶۶۶) آیتیں ہیں۔ ہر آیت کا الگ الگ کفارہ دینا پڑے گا۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ ﴿۷۳﴾:

صَيْحَة کا معنی ہے: "ڈراؤنی آواز"۔ مُشْرِقِيْن کے معنی ہیں: "سورج چمکا رہے تھے"۔ یہ بھی اِسنادِ مجازی ہے۔ اَیْ دَاخِلِيْنَ فِيْ وَقْتِ الْاِشْرَاق۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ ﴿۷۵﴾:

مُتَوَسِّمِيْن کے معنی ہیں: "علامت لگانا، نشان لگانا"۔

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝ ﴿۷۶﴾:

دائمی سڑک یعنی دن کو بھی چلتے ہیں، رات کو بھی چلتے ہیں۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝ ﴿۷۸﴾:

اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ اَیْ اِنَّهٗ كَانَ۔
جمہور مفسرین کرام فرماتے ہیں: یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم جنگل والے تھے۔ شہر کا نام بھی مدین تھا اور قوم کا نام بھی مدین تھا۔ اِن کو جنگل والے اِس لیے کہتے ہیں کیوں کہ اطرافِ اَربعہ میں وسیع جنگلات تھے۔
حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ دو (۲) الگ الگ قومیں تھیں۔ پہلے حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین والوں کے پاس بھیجا گیا اُنہوں نے جب نافرمانی کی تو اُن پر صَيْحَة کا عذاب آیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جنگل والوں کی طرف بھیجا، اُنہوں نے بات نہ مانی تو اُن پر سائبان کی شکل میں اُوپر سے آگ برسی۔

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴿۷۹﴾:

اِمام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اَلْاِمَامُ اَیِ الطَّرِيْقُ، اَلسَّبِيْلُ۔ وہ راستہ ہے کھلا جس پر وہ چلتے ہیں۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴿۸۰﴾:

ربط: اُوپر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر تھا آگے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے۔
سوال مُرْسَلِيْن جمع کا صیغہ کیوں ذکر کیا؟
جواب مُرْسَلِيْن جمع کا صیغہ لائے اِس لیے کہ: ایک نبی کو جھٹلانا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے جھٹلانے کو مستلزم ہے۔

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝ ﴿۸۲﴾:

يَنْحِتُوْنَ کا معنی ہے: "تراشتے تھے"۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۔۔۔ الآية ﴿۸۵﴾:

ربط: اِن ماقبل کے واقعات کو بیان کرنے کے بعد اب قیامت کا ذکر فرماتے ہیں لیکن قیامت کا مسئلہ بیان کرنے سے قبل اپنی قدرت کو بیان کرتے ہیں کہ:

جو رب آسمان و زمین پیدا کرسکتا ہے وہ قیامت کے لانے پر بھی قادر ہے اور پکی بات ہے کہ: قیامت آکر رہے گی۔ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ ۔۔۔ الآیۃ ❶۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۷﴾:

سَبْعَ مَثَانِي کے مصداق میں اختلاف ہے۔ صحیح اور راجح یہی ہے کہ: اِس سے مُراد سُوْرَةُ الْفَاتِحَة کی سات (۷) آیتیں ہیں، جو ہر نماز کی ہر رکعت میں دُہرائی جاتی ہیں اور جن کو بہ طورِ وظیفہ کے بار بار پڑھا جاتا ہے۔

سوال سُوْرَةُ الْفَاتِحَة سات (۷) آیتیں کیسے ہیں؟

جواب اِس میں اختلاف ہے۔ اِمام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بِسْمِ اللّٰهِ بھی آیت ہے تو اس طریقے سے سات (۷) آیات ہوئیں اور ہمارے نزدیک بِسْمِ اللّٰهِ اِس میں شمار نہیں بل کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ الگ آیت ہے اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ الگ آیت ہے۔

"بخاری شریف" میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُوْرَةُ الْفَاتِحَة کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: یہی سَبْعَ مَثَانِي اور قرآن عظیم ہے جو مجھ کو دی گئی ہے ❷۔

وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۞:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① بعض حضرات فرماتے ہیں: وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ عطف العام علی الخاص ہے کیوں کہ سُوْرَةُ الْفَاتِحَة تو خاص ہے قرآنِ کریم عام ہے۔

② "بخاری شریف" میں سعید ابن معلّٰی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ کا اِطلاق سُوْرَةُ الْفَاتِحَة پر ہے۔ یعنی سُوْرَةُ الْفَاتِحَة ہی قرآنِ عظیم ہے۔ یہ دوسری تفسیر لی جائے تو واؤ عطفِ تفسیری ہے۔

مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۸﴾:

اَيْ اَصْنَافًا وَ اَقْسَامًا وَ اَنْوَاعًا ۔ تم کفاروں کی مختلف اَنواع اور اَقسام تھیں۔ ہندو الگ، سکھ الگ، یہود الگ، مشرکین الگ۔ یہ تمام قسم کے جو کفار ہیں اِن کو جو ہم نے چیزیں دی ہیں اُن کی طرف نگاہ مت کرو وہ دُنیا کی حقیر چیزیں ہیں۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۞:

بازو کو پست رکھنا راضی ہونے اور شفقت کی علامت ہوتی ہے۔

وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۞ ﴿۸۹﴾:

اَيْ مِنَ الْعَذَابِ كَمَآ اَنْزَلْنَا الْعَذَابَ عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ۔

یہاں خاصی تفصیل ہے!! "تفسیر کبیر، معالم التنزیل، خازن، روح المعانی، ابن کثیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: اِس سے مُراد یہود و نصارٰی ہیں اور مُقْتَسِمِيْن سے مُراد اَلْقِسْمَةُ وَالتَّقْسِيْم۔ تقسیم کرنے والے ہیں اور قرآن سے لغوی معنی مُراد ہے یعنی پڑھنے والے، تورات و انجیل وغیرہ جو کتابیں پڑھی جاتی ہیں اُن کتابوں کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے معنی یہ ہیں کہ: جیسے ہم نے عذاب نازل کیا اُن تقسیم کرنے والوں پر جنھوں نے اللہ کی کتابوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ ساتویں پارے سُوْرَةُ الْاَنْعَام میں آپ پڑھ چکے ہیں: تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ ۔۔۔ الآیۃ ❸ اُنھوں نے اللہ کی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: قرآن سے اِصطلاحی قرآن مُراد ہے جو ہمارے سامنے ہے اور مُقْتَسِمِيْن سے مُراد مشرکین مکہ ہیں اور مُقْتَسِمِيْن معنی لغوی ہے تو کیا تقسیم کیا اور کس طرح ٹکڑے کیا؟ تو اُنھوں نے اِس قرآن پاک کو تقسیم کیا اِس طور پر کسی نے کہا: یہ کہانت ہے۔ کسی نے کہا: یہ سحر ہے۔ کسی نے کہا کہ: یہ شعر و شاعری ہے۔ کسی نے کہا کہ: یہ اِفْتِرَاء ہے وغیرہ۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: مُقْتَسِمِيْن سے مُراد مشرکینِ مکہ ہیں اور وہ اِس طرح کہ اُس وقت مکہ کو سولہ (۱۶) راستے جاتے تھے۔ اُنھوں نے راستے تقسیم کیے اِس طور پر کہ وہ کہتے تھے: فلاں راستے پر تم بیٹھ کر او رفلاں پر تم اور فلاں پر تم بیٹھو اور جو بھی لوگ حج کے لیے آئیں اُن کو کہو کہ:

---

❶ (سُوْرَةُ الحِجر، ۸۵) ❷ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب ما جاء فی فاتحۃ الکتاب، ج ۲، ص ۶۴۲، طبع یادگار شیخ، کراچی) ❸ (سُوْرَةُ الْاَنْعَام، ۹۱)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس مت جانا۔
④ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ: مُقْتَسِمِيْن سے مُراد مشرکین مکہ ہی ہیں جو بہ طورِ استہزاء قرآن پاک کی تقسیم کرتے تھے۔ جب سورتوں کے نام سنتے تھے تو ہنس کر آپس میں کہتے تھے کہ: مَیں گائے سے محبت رکھتا ہوں تو اَلْبَقَرَة مَیں لوں گا۔ کسی نے کہا کہ: مجھے عورتوں سے محبت ہے تو اَلنِّسَآء مَیں لوں گا۔ کسی نے کہا کہ: مَیں خوراک سے محبت رکھتا ہوں اِس لیے اَلْمَآئِدَة میرا ہوگا۔ کسی نے کہا: مجھے مویشیوں سے محبت ہے تو اَلْاَنْعَام مَیں لوں گا اور اَلْعَنْكَبُوْت تیری۔ ہر ایک دوسرے کو اِستہزاء کے طور پر یہ کہتا تھا۔
⑤ پانچویں تفسیر یہ ہے کہ: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس سے مُراد یہ تقسیم نہیں بل کہ مُقْتَسِمِيْن کے معنی ہیں: قَسم کھانے والے۔ یعنی اِس سے مُراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے قسمیں کھائی تھیں۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۴﴾:

سو سُنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا۔ صَدَع کا معنی ہے کہ: جب شیشہ ٹوٹ جائے تو اُس کا جوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ معنی یہ ہے کہ: حق کو ایسے طریقے سے بیان کرو کہ: حق اور باطل میں اِشتباہ نہ رہے، جڑ نہ سکیں، حق حق رہے اور باطل باطل رہے دونوں کا آپس میں میل نہ ہو یعنی جس طرح شیشہ جڑنا سخت و مشکل ہوتا ہے اِسی طرح حق اور باطل کا جمع ہونا اِنتہائی مشکل کام ہے اور مُحال ہے۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۙ﴿۹۵﴾:

اِستہزاء کرنے والوں سے مُراد عاص بن وائل، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، عدی بن قیس، اسود بن مطلب وغیرہ ہیں۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۙ﴿۹۷﴾:

یہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے۔

وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۙ﴿۹۸﴾:

نمازیوں میں سے ہو جاؤ۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۠﴿۹۹﴾:

يَقِيْن سے مُراد موت ہے۔ یہ قطعی اور یقینی چیز ہے، زندگی وہمی ہے۔ بعض عارفین نے اِس جگہ يَقِيْن کو کیفیتِ قلبیہ کے معنی میں لیا ہے۔ تفصیل "روح المعانی" میں لکھی ہے۔

اٰيَاتُهَا (۱۲۸) (۱۶) سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ (۷۰) رُكُوْعَاتُهَا (۱۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ربط: ابھی آپ نے قیامت کا ذکر سُنا، کفار کہتے تھے کہ: یہ قیامت کب آئے گی؟ تو فرماتے ہیں کہ: جلدی نہ کر۔ نام اس سورۃ کا سُوْرَةُ النَّحْل ہے۔

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ۔۔۔الآیۃ ۱:

تحقق وقوع کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا۔

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ۔۔۔الآیۃ ۲:

وحی کو رُوح سے تعبیر کیا اس لیے کہ قوموں کی رُوحانی حیات وحی سے ہوتی ہے جس طرح قوموں کی ظاہری حیات رُوح سے ہوتی ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ۔۔۔الآیۃ ۳:

آگے توحید کا بیان فرماتے ہیں۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○ ۴:

اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو ذلیل قطرہ سے پیدا کیا۔ حضرت مولانا شاہ اَنور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِنسان اِنتہائی عجیب چیز ہے لیکن ہم بہت دیکھتے ہیں اس لیے عجیب معلوم نہیں ہوتا۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ ۵:

دِفْءٌ کا معنی ہے: "گرمی"۔

وَمَنَافِعُ کا مطلب یہ ہے کہ: دُودھ، مکھن وغیرہ اِستعمال کرتے ہو اور نسل بھی پیدا ہوتی ہے۔

وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ: براہ راست جانوروں کا گوشت کھاتے ہو یا اُن کو فروخت کر کے اُن کی رقمیں کھاتے ہو۔

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ ۶:

سوال "تفسیر روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: تُرِيْحُوْنَ کو پہلے ذکر کیا اور اَصل میں بعد میں ذکر کرنا چاہیے تھا کیوں کہ واپس لے آنا بعد میں ہوتا ہے لیکن اُس کو پہلے ذکر کیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب اس کی دو (۲) وجہیں ہیں:

① ایک وجہ اِس کی یہ ہے کہ: حیوانات رات کو گوبر وغیرہ گندگی میں بیٹھتے لیٹتے ہیں اور جانور صبح کو جاتے وقت بدنما ہوجاتے ہیں تو اُس میں جمال نہیں ہوتا، جب چر کر وہاں درختوں، چٹانوں وغیرہ سے اپنے آپ کو مَل کر صاف کر دیتے ہیں تو واپسی پر خوبصورتی بڑھ جاتی ہے۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ: واپس آتے ہی خوب سیر ہو کر اُن کے جسم بڑے ہو کر خوبصورت دکھائی دیتے ہیں بہ خلاف جاتے وقت کیوں کہ بھوک کی وجہ سے خوبصورتی نہیں رہ پاتی۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً۔۔۔الآیۃ ۸:

وَالْخَيْلَ اَیْ وَخَلَقَ الْخَيْلَ۔

اِمام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ (وفات ۳۷۰ھ) "اَحکام القرآن" میں فرماتے ہیں کہ:

اَحناف کے نزدیک گھوڑے پہلے حلال اور پھر حرام ہوئے اور اِستدلال حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی روایت سے کیا ہے جو "ابوداؤد شریف" میں ہے کہ:

نَهٰى عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْخَيْلِ (1)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حلال ہیں۔

امام جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے اِس کو پیدا کر کے نعمت کے طور پر لِتَرْكَبُوْهَا۔۔۔ الآیۃ سواری کا ذکر کیا ہے اور یہ چھوٹی نعمت ہے اور اَکل بڑی نعمت ہے تو یہ دلیل ہے کہ حرام ہیں اور حلال نہیں کیوں کہ یہ حکم ذاتِ باری تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ بڑی نعمت بیان نہ کرے اور چھوٹی نعمت بیان کرے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ۔۔۔ الآیۃ (۹):

اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① "تفسیر مدارک، ابوسعود" میں معنی لکھا ہے کہ: اَیْ وَعَلَى اللّٰهِ بَيَانُ قَصْدِ السَّبِيْلِ۔

② دوسرا معنی یہ ہے کہ: اَیْ وَاِلَى اللّٰهِ يَصِلُ قَصْدُ السَّبِيْلِ۔ اللہ تعالیٰ کو پہنچتی ہے سیدھی راہ۔

وَمِنْهَا جَآئِرٌ۔۔۔ الآیۃ:

جَآئِرٌ کا معنی ہے: "ٹیڑھے"۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً۔۔۔ الآیۃ (۱۰):

ربط: اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل ہیں کہ بارش اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے، اُس سے درخت اُگتے ہیں اور اُن درختوں سے آپ لوگوں کے جانور کھاتے ہیں، اِسی طرح بارش کا پانی تمہارے پینے کے کام آتا ہے، اُس سے رب تعالیٰ سبزیاں اُگاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو مسخر کیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا۔۔۔ الآیۃ (۱۴):

سمندر کو مسخر کیا یعنی تم اُس میں سے مچھلی کھاتے ہو۔

وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① صاحبِ کشاف وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ: سمندر سے تم زیور نکالتے ہو، تم پہنتے ہو یعنی تمہاری ایک نوع عورت پہنتی ہے۔

② دوسری تفسیر "تفسیر کبیر، بیان القرآن" وغیرہ میں یہ ہے کہ: مرد بھی پہنتے ہیں یعنی سونا اور چاندی نہیں بل کہ موتی، جواہر وغیرہ، یہ مرد کے لیے بھی جائز ہیں۔

وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ۔۔۔ الآیۃ:

مَخَرَ، يَمْخُرُ باب نَصَرَ، يَنْصُرُ سے ہے اور مَاخِرَةٌ اِس کی جمع ہے، مِيم نفسِ کلمہ سے ہے۔ معنی ہے: شَقَّ پھاڑتی ہوئی، چیرتی ہوئی۔

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ۔۔۔ الآیۃ (۱۵):

اَیْ لِاَنْ لَّا تَمِيْدَ بِكُمْ۔ تاکہ وہ زمین تمہیں لے کر حرکت نہ کرے۔

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ (۱۶):

"بخاری شریف" میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ستارے تین (۳) کاموں کے لیے پیدا کیے ہیں:

① جَعَلَهَا زِيْنَةً لِّلسَّمَآءِ۔ ② وَرُجُوْمًا لِّلشَّيَاطِيْنِ۔

③ وَعَلَامَاتٍ يُهْتَدٰى بِهَا۔ (2)

اِن تینوں کاموں کے علاوہ جس نے اِن سے کوئی چیز حاصل کی تو اپنی عمر اور اپنا وقت ضائع کیا اور لایعنی چیزوں میں پڑا۔

---

(1) (سنن أبي داود، کتاب الأطعمة، باب في أكل لحوم الخيل، ج ۲، ص ۱۷۵، طبع مکتبۃ الحسن، لاہور)

(2) (صحيح البخاري، کتاب بدء الخلق، باب في النجوم، ج ۱، ص ۴۵۴، طبع یادگار شیخ، کراچی)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ (۱۹):

ربط: اُوپر اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق کا ذکر تھا اور آگے اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کا ذکر ہے۔

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۔۔۔ الآیۃ (۲۱):

"تفسیر روح المعانی، بیان القرآن" وغیرہ میں اِس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

① ایک ہے دوام یعنی ہمیشہ کے لیے اَموات بنانا۔ جیسے آسمان۔

② ایک ہے فی الحال اَموات یعنی وہ جو دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔

③ اسی طرح کوئی اَموات ہوں گے بِالْمَآل۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

تو جن کو اللہ کے ورے تم پکارتے ہو تو کوئی دواماً اَموات ہیں، کوئی حالاً اَموات ہیں اور کوئی مآلاً اَموات ہیں۔ جیسے: شیطان ہے بِالْمَآل تو وہ بھی مَرے گا، اِسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بِالْمَآل تو اُن کا بھی وصال ہوگا۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

مولانا محمد حسین شاہ صاحب اُن کا مطالعہ وسیع ہے لیکن اَفسوس بصیرت نہیں ہے۔ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ: تم یہ کہتے ہو یہ پیغمبر، شہید مَرنے کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں اور رُوح کا جسم سے تعلّق ہوتا ہے حال آں کہ صاحبِ جلالین رحمہ اللہ تو یہ معنی کرتے ہیں: اَمْوَاتٌ لَا رُوْحَ فِيْهِمْ۔ اَموات کے معنی تو لَا رُوْح کے ہوتے ہیں پھر تم کیسے کہتے ہو کہ: قبروں میں رُوح کا تعلّق ہے؟!!

جواب: صاحبِ جلالین رحمہ اللہ کی تفسیر تو حق ہے لیکن اُنھوں نے اس کو سمجھا نہیں ہے۔ بات ذرا غور سے سمجھنا! وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ، بِتَآء ہے اور بعض وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ، بِالْيَآء پڑھتے ہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهُمُ الْاَصْنَامُ۔ صاحبِ جلالین رحمہ اللہ نے دُوْنِ اللّٰهِ کا معنی اَصْنَام سے کیا ہے تو آگے اَموات کا معنی تو پھر لَا رُوْحَ فِيْهِمْ ہی ہوگا۔ یعنی: دواماً اُن میں رُوح نہیں ہے۔ صرف ایک لفظِ لَا رُوْحَ فِيْهِمْ مت دیکھو بل کہ ما قبل بھی پڑھو۔

"تفسیر روح المعانی، بیان القرآن" اور جن حضرات نے مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے معنی قانون کے کیے ہیں تو اُنھوں نے یہ معنی کیا ہے کہ: جن کو اللہ کے ورے پکارتے ہیں اَصْنَام بھی ہیں۔ وہ تو دواماً اَموات ہیں اور کچھ فی الحال اَموات ہیں، کچھ فِالْمَآل اَموات ہوں گے۔

اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔۔۔ الآیۃ (۲۲):

توحید کی بات چلی آرہی ہے۔ اُوپر ذکر تھا کہ اللہ کے بغیر نہ کوئی خالق ہے، نہ کوئی مالک ہے، نہ کوئی عالم الغیب، نہ کوئی رازق ہے، نہ اور صفات کے ساتھ متصف ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ: ہمارا اور تمہارا اِلٰہ ایک ہے۔

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔۔۔ الآیۃ (۲۵):

معنی ہے: "نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے بوجھ پورے اُٹھائیں گے قیامت کے دن اور اُن لوگوں کے بوجھوں سے بھی کچھ جن کو بہکایا ہے"۔ اپنے گمراہ ہونے کا اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا بوجھ اُٹھائیں گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا كَانَ لَهُ أَجْرُهَا وَمِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا ❶

اگر کسی نے اچھا طریقہ جاری کیا تو اُس کا ثواب بھی ملے گا اور اگر بد طریقہ جاری کیا تو اُس کا وبال بھی پڑے گا۔

ساتھ ہی حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا واقعہ بھی بیان فرمایا کہ: جو بھی قتل کرتا ہے اُس پر بھی وبال پڑ جاتا ہے لِاَنَّهُ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ ❷

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ (۲۶):

ربط: اُوپر سے مستکبرین کا ذکر ہی چلا آرہا ہے آگے بھی اُن ہی کا ذکر ہے جو حق کو ٹالنے کے لیے مکر کرتے ہیں۔

---

❶ (سنن ابن ماجہ، ابواب السنۃ، باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ، ص ۱۸، طبع قدیمی، کراچی) ❷ (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیت ببعض بکاء اھلہ علیہ اذا کان النوح من سنتہ، ج ۱، ص ۱۷۱، طبع یادگار شیخ، کراچی)

فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ ۔۔۔ الآیۃ:

فَاَتَى اللّٰهُ اَیْ فَقَصَدَ اللّٰهُ۔

فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "معالم التنزیل، دُرِّ منثور، خازن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: بابل کا علاقہ تھا، ابراہیم علیہ السلام کے وہاں سے ہجرت کے بعد، یہ ایک خاص مقام تھا، یہ لوگ شراب نوشی کرتے تھے، ناچتے تھے وغیرہ وغیرہ افعالِ قبیحہ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن پر اُن کے مکانات گرائے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: اُن چھتوں سے مُراد معنوی چھتیں ہیں یعنی اُن کے منصوبے اور فارمولے ختم ہوگئے۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۷﴾:

اُوپر جو ذکر ہوا وہ تو دُنیا کا عذاب تھا اور اب یہاں سے قیامت کا عذاب ذکر کرتے ہیں کہ: ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ ۔۔۔ الآیۃ۔

مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۸﴾:

فرشتوں سے کہیں گے: ہم نے کوئی بُرائی نہیں کی۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۰﴾:

ربط: اُن متکبرین کے بِالمقابل میں متقین ہیں، تو اب متقین کا ذکر ہے۔

سوال لفظِ اِتَّقَوْا کا مفعول کیا ہے؟

جواب لفظِ اِتَّقَوْا کا مفعول محذوف ہے۔ اَیِ الشِّرْكَ، اَلْكُفْرَ، اَلْمَعْصِيَةَ۔

قَالُوْا خَيْرًا ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ خَيْرًا یہ فعلِ محذوف کا مفعول ہے اَیْ اَنْزَلَ اللّٰهُ خَيْرًا۔

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۱﴾:

علّامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: معتزلہ میں سے ایک قاضی ابوالولید معتزلی کا مدّعیٰ یہ ہے کہ: جنّت میں لواطت بھی ہوگی۔

اُس کی ایک دلیل یہ ہے کہ: لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ❶ قرآن کریم میں تعمیم ہے مَا يَشَآءُوْنَ جو وہ چاہیں گے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ: يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ❷ ہے۔

جواب علّامہ آلوسی رحمہ اللہ بڑے جوش میں آکر کہتے ہیں کہ: ذرا ہوش میں آؤ کہ لَهُمْ مَا يَشَآءُوْنَ کی تعمیم میں اگر ایسا ہوتا تو دوسروں کی نامزد شدہ حوریں بھی ملیں گی اور ایسا نہیں ہوسکتا تو اِس سے مُراد وہ ہیں جو فطرت یعنی طبیعتِ سلیمہ اور شریعت کے موافق ہوں اُس میں تعمیم ہے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۴﴾:

تمام تفسیروں میں ملے گا کہ: یہاں مضاف محذوف ہے: فَاَصَابَهُمْ جَزَآءُ سَيِّئَاتِ مَا عَمِلُوْا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۵﴾:

ربط: اُوپر شرک اور باطل کا رد تھا اب یہاں سے اُن باطل اَعذار اور لچر پوچ دلائل کا رد شروع کرتے ہیں جو مشرکین اپنے شرک اور اَعمالِ شرکیہ کا جواز واستحسان ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے تھے۔ اِس طرح کا مضمون آٹھویں پارہ میں گذرا ہے۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ مَنْ يُّضِلُّ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۷﴾:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے۔

❶ (سُوْرَةُ النَّحْل، ۳۱) ❷ (سُوْرَةُ الْوَاقِعَة، ۱۷)

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ (۳۸):

یہاں سے قیامت کا اِنکار کرنے والوں کا بیان ہے۔

بَلٰی وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ وَعْدًا اور حَقًّا دونوں مفعولِ مطلق ہیں۔ اَیْ وَعَدَ اللّٰهُ وَعْدًا، حَقَّ لَهُمْ حَقًّا۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۔۔۔ الآیۃ (۳۹):

اگر قیامت نہ ہوتی تو وفادار اور بے وفا کا کیسے پتہ چلتا؟ تو یہ قیامت اِس لیے آئے گی کہ اُن کو وہ بات جس میں یہ جھگڑتے ہیں معلوم ہو جائے اور کافروں کو اپنے کفر کا پتہ لگ جائے، یہاں تو جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کا قانون رائج ہے۔

اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (۴۰):

اَیْ فَهُوَ يَكُوْنُ۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۔۔۔ الآیۃ (۴۱):

ربط: اُبھی گذرا کہ: جن چیزوں میں اِختلاف تھا تو اِس اِختلاف کو واضح کرنے کے لیے جو عدالت قائم کی جائے گی اُس کا ذکر تھا تو آگے بیان فرماتے ہیں کہ: سچوں کو پتہ لگے گا اور اپنے کیے کی جزاء ملے گی۔

لفظِ فِيْ کے بعد مضاف محذوف ہے۔ فِي اللّٰهِ اَیْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فِيْ رَضَاءِ اللّٰهِ، فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ۔ سب حق ہیں۔

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۔۔۔ الآیۃ:

اچھا ٹھکانا ہے۔ مثلاً: مدینہ منورہ دیا اور ہر مہاجر کو قیامت تک جگہ دے گا۔ مثلاً: افغانستان والوں کو پاکستان وغیرہ۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ ۔۔۔ الآیۃ (۴۳):

ربط: توحید کا ذکر ہو چکا اب رِسالت کا ذکر ہے۔

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝:

اہلِ ذکر سے مُراد اہلِ علم ہیں۔

تقلید کی بات: جو حکم منصوص نہ ہو، قرآن وحدیث، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ سے منقول نہ ہو ایسے مسائل میں اہلِ حق ائمہ کرام میں سے کسی نہ کسی کی تقلید کرتے ہیں اور اُن ائمہ کو معصوم عن الخطاء نہیں سمجھتے اَلْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيْبُ۔ مبسوط بات "الکلام المفید" میں دیکھیں۔

غیر مقلدین کے شیخ مولانا شیخ نذیر حسین دھلوی کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اِس آیت میں یہ کہتے ہیں کہ: مسئلہ خود نہ جانے تو اہلِ علم کی طرف رُجوع کرنا واجب ہے اور یہ شخص اِس کا مکلف نہیں کہ: تمام اہلِ علم سے پوچھے بل کہ ایک سے پوچھے تو اِس آیت کا مفہوم صادق آیا یعنی ایک عالم سے پوچھے۔

جواب ہم نے کہا: اِسی کا نام "تقلیدِ شخصی" ہے۔ اِمام صاحب رحمہ اللہ کی تقلید کیوں کرتے ہیں؟ اِس لیے کہ اِمام صاحب رحمہ اللہ بالاتفاق تابعین رحمہم اللہ میں سے ہیں، باقی ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تابعین میں سے نہیں ہیں اور باقی فقاہت میں اِمام صاحب رحمہ اللہ کا جو مقام ہے وہ اِس کے مستحق ہیں کہ اُن کی تقلید کی جائے۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۔۔۔ الآیۃ (۴۴):

یہاں فعل محذوف ہے۔ اَیْ اَرْسَلْنٰهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ۔

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۔۔۔ الآیۃ (۴۷):

"تفسیر بیضاوی، روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: تَخَوُّف کا معنی ہے: "ڈراتے ڈراتے"۔ پہلے تھوڑا زلزلہ آیا پھر اور زلزلہ آیا تو اُن کو ڈرایا اور پھر ہلاک کر دیا۔

"قاموس" میں یہ معنی ہے کہ: تَنَقُّص آہستہ آہستہ کم کریں یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ: دفعتاً ہلاک نہ کرے، آہستہ آہستہ تم کو گھٹائے اور پست کرتا رہے۔

یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ الشَّمَآئِلِ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۸﴾:

یعنی زبانِ حال پر گویا کہ سجدہ کرتے ہیں۔

سوال لفظِ ظِلٰل جمع اور "ہٗ" ضمیر مفرد کیوں لائے؟

جواب "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا مَا لفظاً مفرد ہے تو "ہٗ" ضمیر اُس کے لفظ کو ملحوظ رکھتے ہوئے مفرد لائے اور معناً جمع ہے تو ظِلٰل کا لفظ اُس کے معنی کی رعایت رکھتے ہوئے جمع ہے۔ لفظ اور معنی دونوں کی رعایت کی گئی ہے۔

سوال یَمِیْن مفرد اور شَمَآئِل جمع کیوں لائے؟

جواب "تفسیر کبیر، جمل، روح المعانی، کمالین" میں دو (۲) جوابات ہیں:

① ایک جواب یہ ہے کہ: اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا میں لفظِ مَا لفظاً مفرد اور معناً جمع ہے، یَمِیْن میں اِس کے لفظ کا خیال ہے اور شَمَآئِل میں اِس کے معنی کا خیال کیا گیا ہے۔

② دوسرا جواب علمِ ریاضی کا ہے۔ کہتے ہیں کہ: جس شہر کا عرض البلد میل کلّی سے کم ہو جیسے مکہ مکرمہ اُس میں گرمی میں سورج دائیں طرف ہوتا ہے اور سایہ چھوٹا ہوتا ہے اور سردی کے زمانے میں سورج بائیں طرف ہوتا ہے اور سایہ لمبا ہوتا ہے جو سایہ مختصر تھا اُس کو یَمِیْن مفرد سے تعبیر کیا اور جو لمبا تھا اُس کو شَمَآئِل جمع سے تعبیر کیا۔

وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۹﴾:

"تفسیر روح المعانی، فوائد عثمانی" میں لکھا ہے کہ: اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ: آسمان میں کئی قسم کے دابے ہیں کیوں کہ یہاں دَآبَّة اور ملائک الگ الگ ذکر کیے ہیں اور اگر یہاں ملائک نہ ہوتے تو دَآبَّة کو معنی لغوی پر حمل کر کے ملائک مُراد ہوتے۔ لیکن یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ: آسمان میں کچھ قسم کے دابے ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَیْنِ اثْنَیْنِ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۱﴾:

ربط: اُوپر بھی شرک کا رد اور توحید کا اِثبات تھا اور آگے بھی توحید کا اِثبات اور شرک کا رَد ہے۔

سوال اِلٰـهَیْنِ کا معنی ہے دو (۲) تو پھر اِثْنَیْنِ کیوں لائے؟

جواب "تفسیر کشاف" میں لکھا ہے کہ: اِلٰـهَیْنِ کا معنی دو (۲) اور اِثْنَیْنِ تاکید ہے کیوں کہ توحید کا مسئلہ اِنتہائی ضروری ہے تو اس لیے تاکید لائے۔

فَاِلَیْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾:

جَئَرَ کا معنی ہے: "آواز بلند کرنا، فریاد کرنا"۔

وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۷﴾:

ربط: اُن لوگوں کا رَد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بناتے ہیں۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا۔۔۔الآیۃ ﴿۵۸﴾:

تفسیروں میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ علامہ سید سلیمان علی ندوی رحمہ اللہ نے سیرت میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ: ایک شخص تھا ابوحمزہ، قوم کا سردار تھا، دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا، ایک لونڈی آئی کہ: مَیں ایک بات کرنے آئی ہوں۔ اُس نے خبر دی کہ: بیٹی پیدا ہوئی ہے، وہ یہ خبر سنتے ہی گیا اور عمر بھر واپس نہیں آیا۔ اُس عورت نے پھر ایک دردناک قصیدہ پڑھا اُس کے چند اَشعار مندرجہ ذیل ہیں ؎

مَا لِاَبِیْ حَمْزَةَ لَا یَأْتِیْنَا — یَظَلُّ فِی الْبَیْتِ الَّذِیْ یَلِیْنَا

غَضْبَانَ اَنْ لَّا نَلِدَ الْبَنِیْنَا — لَیْسَ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا مَا شِیْنَا

وَاِنَّمَا نَأْخُذُ مَا اُعْطِیْنَا — حِكْمَةُ رَبِّیْ ذِی الْجَلَالِ فِیْنَا

وَهُوَ كَظِيْمٌ ۝:

كَظِيْم کا معنی ہے: "دم گھٹنا"۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۱﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: اُنھوں نے رب تعالیٰ کے شریک بنائے، بیٹیاں ٹھہرائیں، آگے فرماتے ہیں کہ: اگر اللہ تعالیٰ اُن کے جرم کی سزا دیتے تو کوئی دَآبَّة بھی نہ رہتا، مگر اُن سب کے لیے وقت مقرر ہے۔

سوال جرم کریں اِنسان اور جنات اور مارا جائے دَآبَّة؟

جواب "تفسیر روح المعانی، کبیر، معالم التنزیل، ابوسعود، مظہری" وغیرہ میں اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① دَآبَّة سے مُراد اِنسان ہیں۔ قرینہ یہ ہے کہ: بِظُلْمِهِمْ، يُؤَخِّرُهُمْ، عَلَيْهَا یہ تمام صیغے ذوی العقول کے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ: دَآبَّة سے اِنسان مُراد ہیں۔

② دَآبَّة سے مُراد جانور ہیں۔ اِنسان کو اللہ تعالیٰ اُن کے جرم کی وجہ سے پکڑیں گے تو اِنسان ہلاک ہوجائے گا۔ جب اِنسان ہلاک ہوجائے گا تو دَآبَّة کس لیے رہے گا؟ کیوں کہ یہ تو اِنسان کی ضرورت کے لیے ہے تو یہ دَآبَّة کو ہلاک کرنا سزا نہیں بل کہ اب اُن کے باقی رہنے کی حکمت نہیں رہی۔

وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝ ﴿۶۲﴾:

مُّفْرَطُوْنَ کا معنی ہے: "دھکیلے جائیں گے"۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۴﴾:

قرآن کریم بیان کرنا بڑا جہاد ہے۔ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ ❶ قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۵﴾:

کہتے ہیں کہ: اِس کتاب کی حیثیت زمین جیسی سمجھو جو خشک ہوجائے، بارش کی ضرورت ہوتی ہے تو جب اُس زمین کے لیے بارش کی ضرورت ہوتی ہے تو ہمارے مُردہ دلوں کو وحی کی بارش کی ضرورت نہیں کیا؟!!

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝:

سَمَاعَ قَبُوْلٍ، سَمَاعَ تَدَبُّرٍ، سَمَاعَ تَفَكُّرٍ وغیرہ۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۶﴾:

یہاں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل ہیں۔

نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال فِيْ بُطُوْنِهٖ میں یہاں واحد مذکر کی ضمیر اَنْعَام کی طرف راجع ہے اور آگے سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن میں نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا ۔۔۔ الآیۃ ❷ مؤنث کی ضمیر اَنْعَام کی طرف راجع ہے، اِس کی کیا وجہ ہے؟

جواب اِمام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ اَنْعَام يُذَكَّرُ وَيُؤَنَّثُ۔

مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا ۔۔۔ الآیۃ:

گوبر اور خون کے درمیان دُودھ آسانی سے اَندر جاتا ہے۔ "تفسیر کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اِس کا یہ مطلب نہیں کہ: ایک طرف گوبر اور دوسری طرف خون ہے بل کہ مطلب یہ ہے کہ: جانور جب چارا کھاتا ہے تو اُس میں سے گوبر بھی بنتا ہے اور خون بھی بنتا ہے پھر اللہ تعالیٰ خون کو دو (۲) حصے کر دیتے ہیں:

---

❶ (سُوْرَۃُ الْفُرْقَان، ۵۲) ❷ (سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن، ۲۱)

① جو بدن کا قوام بنتا ہے۔ ② وہی خون دُودھ کی شکل اِختیار کرتا ہے۔

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۷﴾:

سَكَرًا کا معنی اگر "نشہ" کے ساتھ کیا جائے تو بھی صحیح ہے کیوں کہ مکہ مکرمہ میں شراب حرام نہ تھی اور سورۃ مکی ہے اور بعض معنی کرتے ہیں: "میٹھی چیز"۔ سب سے زیادہ میٹھی چینی کھجور میں ہے، پھر گنے میں، پھر چقندر میں۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۸﴾:

یہاں وحی کے معنی ہیں: "اِلہام کرنا"۔ مطلب یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اُن کی فطرت میں یہ بات ڈالی مثلاً ایک بچے کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے یہ ڈالا کہ ماں کے پستان کو چوسنے کے لیے کوئی سکھانے والا تو نہیں یا جن لوگوں کی نظر نہیں ہوتی تو ہاتھ اُلٹے اُلٹے کرتے ہیں اس لیے کہ اُن کی اُنگلیوں میں ناخن ہوتے ہیں اگر وہ ہاتھ اُلٹے نہ کریں بل کہ سیدھے ہی لے جائیں تو اُن کی آنکھ جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی فطرت میں یہ بات ڈالی ہے۔

فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۹﴾:

ذُلُلًا، ذَلُوْلٌ کی جمع ہے۔ شہد کی مکھی تیس (۳۰) میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کرتی ہے اور اپنے گھر کا راستہ کبھی نہیں بھولتی۔ شہد کی مکھی کو گھروں میں بھی پالتے ہیں۔

يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال شہد کا رنگ مختلف کیوں ہوتا ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① بعض کہتے ہیں: جو پھل کھاتی ہیں اُن کا اَثر ہوتا ہے۔

② بعض کہتے ہیں کہ: بعض علاقوں کی مکھیوں کا سفید، بعض کا سُرخ ہوتا ہے۔

③ بعض کہتے ہیں: جوان مکھی کا رنگ اور ہوتا ہے بوڑھی مکھی کا رنگ اور ہوتا ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: تین (۳) چیزوں میں شِفا ہے: ① شربتِ عسل۔ ② سینگی لگانے میں۔ ③ جلاب کرنا۔[1]

جالینوس حکیم کہتے ہیں کہ: سرد بیماریوں کے لیے علاج شہد ہے لیکن! اَندازہ سے۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۰﴾:

ایک تو وہ وقت تھا کہ: مَیں چھلانگ لگا کر مقابلہ کرتا تھا اور اب اپنی گاڑی میں آتا جاتا ہوں، آپ کے کندھوں پر سوار ہو کر آتا ہوں۔

(تفسیر بالمعنی حضرت صفدر رحمہ اللہ)۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۱﴾:

توحید ہی کے دلائل ہیں، شرک کے رَد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مثال بیان کی ہے۔

بات توجہ سے سمجھنا!!! اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے، کسی کے پاس زیادہ ہے کسی کے پاس کم ہے۔ جن لوگوں کو رزق میں فضیلت دی گئی ہے بعض ایسے ہیں کہ: اپنے غلاموں کو اپنے مال میں برابر کا شریک بناتے ہیں جیسے وہ خود مالک ہیں زمین کے، کارخانوں کے، مکان کے، نقدیوں کے، سونے کے، چاندی کے اس طرح غلام بھی مالک ہوں۔ پس! تو کیا یہ لوگ گوارہ کرتے ہیں کہ غلام بھی اُن کے ساتھ برابر کے شریک ہوں؟!! جب تم اِس کو گوارہ نہیں کرتے حال آں کہ تمہاری جنس ایک ہے دونوں میں صرف اِعتباری فرق ہے اِس طور پر کہ: تم مجازی آقا ہو اور وہ تمہارے غلام ہیں اور کوئی فرق نہیں، وہ بھی اِنسان ہیں اللہ کی مخلوق ہیں۔ تو تم ایک جنس ہوتے ہوئے اپنے غلاموں کو اپنا شریک نہیں کرتے تو ظالمو! خدا کی مخلوق کو اُس کا شریک کیوں بناتے ہو؟

[1] (المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، ابو الخیر مرثد بن عبد اللہ الیزنی عن عقبۃ رضی اللہ عنہ، ج ۱۷، ص ۲۸۸، طبع مکتبۃ ابن تیمیہ، القاہرہ)

فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۔۔۔الآیۃ:

اِشترا کیوں کا غلط اِستدلال: قرآن سے ثابت ہے کہ: رزق میں سب لوگ برابر ہیں لیکن لوگ دیتے نہیں ہیں۔

جواب فَهُمْ میں اگر فَاء نہ ہوتا بل کہ حرفِ وَاوْ ہوتا تو پھر اُن کا اِستدلال صحیح تھا۔ پھر معنی ہوتا: فَمَا الَّذِیْنَ ۔۔۔الآیۃ پس! نہیں ہیں وہ لوگ جن کو فضیلت دی گئی رَدکرنے والے رزق کو اپنے غلاموں پر فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ حال آں کہ وہ اُس میں برابر ہیں۔

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً ۔۔۔الآیۃ (۷۲):

حَفَدَة، حَفِيْدٌ کی جمع ہے۔ وَلَدُ الْوَلَد کو کہتے ہیں یعنی پوتا۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۔۔۔الآیۃ (۷۴):

"تفسیر روح المعانی، مظہری، کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: مشرک اپنے شرک کے اِثبات کے لیے یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ: لات، منات کو ہم خالق نہیں سمجھتے، بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت عالی ذات ہے اور یہ بت ہمارے شُفعاء ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہماری سفارش کریں گے اور مثال یہ پیش کرتے تھے کہ: بادشاہ کے ساتھ کوئی آدمی نہیں مل سکتا اُس کے سیکریٹری کے ذریعہ اُس کے ساتھ مل سکتا ہے اور ہم تو بہت نیچے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت عالی ذات ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۔۔۔الآیۃ یہ قیاس اس لیے صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو تمہاری ہر چیز پر باخبر ہے اور دوسری مثال یہ پیش کرتے تھے کہ: کوئی ایک اُونچے مکان کو بغیر سیڑھی کے نہیں پہنچ سکتا تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کو پہنچنے کے لیے ہم نے یہ سفارشی بنا رکھے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں[1]

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا ۔۔۔الآیۃ (۷۵):

سوال عَبْد کے ساتھ مملوک کیوں ذکر کیا؟

جواب عَبْد لغوی لحاظ سے آزاد پر بھی بولا جاتا ہے وہ بھی خدا کا بندہ ہے، مَمْلُوْكًا کا لفظ لاکر بتایا کہ: وہ بندہ ہے بھی غلام۔

سوال عَبْدًا مَّمْلُوْكًا سے کون مُراد ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① صاحبِ جلالین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عَبْدًا مَّمْلُوْكًا سے اَصْنَام مُراد ہیں اور دوسری طرف اللہ کی ذات ہے۔

② دیگر حضرات فرماتے ہیں: عَبْدًا مَّمْلُوْكًا سے صرف اَصْنَام نہیں بل کہ فرشتے، پیغمبر سب مُراد ہو سکتے ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ رب جو چاہے کر سکتا ہے اور تمہارے معبود کچھ نہیں کر سکتے۔

پس! پہلی مثال یعنی جو غلام کام بگاڑ کر آتا ہے وہ مثال ہے مشرک اور کافر کی اور اُس کے بعد دوسری مثال ہے مواحد اور مؤمن کی ہے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ (۷۷):

ربط: اُوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق میں فضیلت دی اور نعمتوں سے نوازا، یہ نعمتیں سب رب کی ہیں، نعمتیں دینے والا بھی وہ، خالق بھی وہ، مالک بھی وہ، رازق بھی وہ، اسی طرح غیب کا علم بھی صرف رب کے پاس ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۔۔۔الآیۃ (۷۸):

یہاں سے پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا ذکر فرما رہے ہیں۔

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا ۔۔۔الآیۃ (۸۰):

تمہارے لیے جانوروں کے چمڑوں کے گھر بنائے۔ عرب والے کچھ خانہ بدوش تھے، اُنہوں نے اُونٹوں کے چمڑے سے اور بڑے جانوروں کے چمڑوں سے بڑے بڑے خیمے بنائے ہوئے تھے۔ جب یہ لوگ کوچ کرتے تھے تو اُن خیموں کو ہلکا ہونے کی وجہ سے ساتھ لے جاتے تھے۔ ظاہر بات

[1] (سُوْرَةُ قٓ: ۱۶)

ہے کہ: اِن پتھروں کے مکانات کو تو کوئی بھی اُٹھا کر نہیں لے جا سکتا۔ اُن خیموں کو جب وہ کوچ کرتے تھے تو آسانی سے لے جاتے تھے اور جب اقامت ہوتی تھی تو جلدی سے اُن کو گاڑ دیتے تھے۔

وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ ـــ الآیۃ:

اَصْوَاف، صُوْفٌ کی جمع ہے۔ بھیڑ پر جو اُون ہوتی ہے اُس کو صُوْف کہا جاتا ہے۔
اَوْبَار، وَبَرٌ کی جمع ہے۔ بریاں (پشم) جو اُونٹ پر ہوتی ہے اُس کو وَبَر کہتے ہیں، اُس سے کپڑے وغیرہ بنتے ہیں۔
اَشْعَار، شَعْرٌ کی جمع ہے۔ بکریوں پر جو بال ہوتے ہیں اُس کو شَعْر کہتے ہیں، اُس سے رسیاں، بوریاں وغیرہ بنتی ہیں۔

اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ۝:

صاحبِ جمل اَثَاث اور مَتَاع میں فرق بیان کرتے ہیں: اَثَاث اُس سامان کو کہتے ہیں جو گھر میں اور گھر سے باہر بھی استعمال ہوتا ہو۔ جیسے: بوریاں، رسیاں۔ مَتَاع اُس سامان کو کہتے ہیں جو صرف گھر میں استعمال ہوتا ہو۔ جیسے: قالین وغیرہ۔

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا ـــ الآیۃ ﴿۸۱﴾:

اَكْنَانًا، كِنٌّ کی جمع ہے۔ كِنٌّ کا معنی ہے: "غار"۔

وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ ـــ الآیۃ:

سوال یہاں گرمی کا ذکر کیا سردی کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب اِس کی دو (۲) وجہیں ہیں:

① ایک وجہ یہ ہے کہ: ابھی آپ نے پڑھا: وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ ـــ الآیۃ ❶ تو اُون کے کپڑے اور اُونٹوں کے پشم سے سردی دُور ہوتی ہے اور گرمی پہنچتی ہے۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ: سورۃ کی اِبتداء میں آپ نے پڑھا کہ: لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ ـــ الآیۃ ❷ اِن جانوروں میں تمہارے لیے گرمائش کا ذریعہ ہے۔ تو گرم کپڑے دِفْءٌ میں آ گئے اِس لیے آگے صرف گرمی سے بچانے کا ذکر کیا سردی کا ذکر نہیں کیا۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ـــ الآیۃ ﴿۸۴﴾:

ربط: اِجمالی طور پر اُدپر قیامت کا ذکر تھا۔ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ ـــ الآیۃ ❸ اس رُکوع میں قیامت کا ذکر ذرا تفصیل سے ہے کیوں کہ قیامت بھی بنیادی مسائل میں سے ہے اور لوگ نہیں مانتے۔

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ۝:

"تفسیر بیضاوی، مدارک، ابو سعود، سراج المنیر، جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: يُسْتَعْتَبُوْنَ کا مجرد عُتْبٰی ہے بروزنِ بُشْرٰی وَ کُبْرٰی۔ عُتْبٰی کے معنی ہیں: اَلرُّجُوْعُ اِلٰى مَا يَرْضَى اللهُ۔ ایسی چیز کی طرف رُجوع کرنا جو رب کو راضی کرے۔ اِس کے لازمی معنی شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے یہ کیے ہیں: "اور نہ ہوں گے وہ لوگ کہ مطلوب ہو اُن سے توبہ۔"

مثلاً: کسی اِدارے میں طالبِ علم ہوں اور وہ کوئی شرارت کریں اِدارہ اُن کا اِخراج کر دے۔ اُن طالبِ علموں میں بعض ایسے ہوں گے جو فی نفسہٖ شریک تھے اور بعض ایسے ہوں گے کہ وہ دوسروں کے کہنے میں لگ گئے یعنی اُن کی باتوں میں آ گئے۔ اب اِدارہ سمجھتا ہے کہ: اِن کی براہ راست شرارت نہیں ہے، یہ بے چارے پھنس گئے ہیں اَصل شریر تو وہ دوسرے والے ہیں۔ اب اَصل شریر جو ہیں اُن کی بات کو نہیں مانا جائے گا چاہے وہ کچھ بھی کریں، سفارش لائیں، ضمانت دیں وغیرہ اُن کی بات نہیں مانی جائے گی۔ البتہ دوسروں کو راستہ بتایا جائے گا کہ: کوئی شخص ضامن لاؤ! تحریری لکھ کر دو کہ: آئندہ ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ اِن کو چوں کہ رکھنا مقصود ہے اس لیے اِن کو راستہ بتایا اور جن کو نکالنا مقصود تھا اُن کو کوئی راستہ نہیں بتایا گیا بل کہ اُن سے کہا گیا کہ: کچھ بھی کرو تمہارا اِخراج ہے۔

❶ (سُوْرَةُ النَّحْل ۸۰) ❷ (سُوْرَةُ النَّحْل ۵) ❸ (سُوْرَةُ النَّحْل ۷۷)

اسی طرح اُن کافروں سے مطلوب تو یہ نہیں ہوگی اِس لیے اللہ کی طرف رُجوع کرنے کا کوئی طریق اُن کو نہیں بتایا گیا۔

فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞ :

یعنی وہ مشرکین اُن قائلین کی طرف بات کو لوٹائیں گے کہ: تم جھوٹے ہو۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں: ابلیس لعین کہے گا: فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔۔۔ الآیۃ ❶ تو یہ چھوٹے کب مانیں گے جب کہ ابلیس جو کہ اُن کا قائد اعظم تھا وہ نہیں مانا۔

وَأَلْقَوْا إِلَى اللهِ يَوْمَئِذِ السَّلَمَ۔۔۔ الآیۃ ۞ :

اللہ تعالیٰ کی طرف صلح کی باتیں ڈالیں گے۔ اِس طور پر کہ:

① کبھی کہیں گے: وَاللهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ❷

② کبھی کہیں گے: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا۔۔۔ الآیۃ ❸

پس! وہ طرح طرح کے بہانے کریں گے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔۔۔ الآیۃ ۞ :

عربی کا قاعدہ ہے: زِيَادَةُ الْحُرُوْفِ تَدُلُّ عَلٰى زِيَادَةِ الْمَعْنٰى۔ لہٰذا بَیَان کا معنی ہے: "بیان کرنا" اور تِبْیَان کا معنی ہے: "خوب بیان کرنا"۔

إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ۔۔۔ الآیۃ ۞ :

ربط: مختصر ربط "فوائد عثمانیہ" میں یہ لکھا ہے کہ: اُوپر اِجمالاً ذکر تھا کہ: یہ قرآن تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے اور اب آگے الگ الگ حقوق بیان فرماتے ہیں۔

عَدْل کا ایک معنی یہ ہے کہ: "عقیدہ میں اعتدال ہو نہ اِفراط ہو نہ تفریط ہو"۔

اِحْسَان اِحسان کہا جاتا ہے: "اِخلاص سے پیش آنا" اور یہ عدل کے ہم معنی ہے۔

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ۔۔۔ الآیۃ :

فَحْشَآء کہا جاتا ہے: ایسی بے حیائی کو جو عملاً کی جاتی ہو۔ جیسے: زنا، چوری وغیرہ۔

مُنْكَر کہا جاتا ہے: ایسی بے حیائی کو جو قولاً کی جاتی ہو۔ جیسے: جھوٹ، دھوکہ وغیرہ۔

بَغْي کہا جاتا ہے: کسی پر سرکشی کی جائے۔

ایک شیعہ زندیق مقبول اَحمد دہلوی نے کہا ہے کہ: اَلْفَحْشَآء سے مُراد ابو بکر (رضی اللہ عنہ)، اَلْمُنْكَر سے مُراد عمر (رضی اللہ عنہ) اور اَلْبَغْي سے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) مُراد ہیں۔ (اَلْعِيَاذُ بِاللهِ مِنْهَا) اُس کا ترجمہ ہے "ترجمہ مقبول" کے نام سے "تاج کمپنی" نے طبع کرایا ہے، یہ شیعہ تھا، خدا اُس کا ناس کرے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا۔۔۔ الآیۃ ۞ :

یہاں سے اللہ تعالیٰ قسمیں توڑنے والوں کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں:

مکہ میں ایک عورت تھی اُس کا نام "ریطہ بنت سعد" قُریشہ تھا، "خرقاء" لقب تھا۔ اُس بے چاری کے دماغ میں فتور تھا، یہ دن بھر سُوت کاتتی تھی، پھر شام کے وقت توڑ کر پارہ پارہ کر دیتی تھی یعنی عہد باندھ کر، قسم کھا کر توڑ ڈالنا ایسی حماقت ہے جیسے وہ عورت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: معاہدات اور قسموں کو محض کچے دھاگے کی طرح سمجھ لینا کہ جب چاہا کاتا اور جب چاہا اُنگلیوں کی اَدنیٰ حرکت سے بے تکلف توڑ ڈالا۔

مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا۔۔۔ الآیۃ :

"تفسیر کشاف" میں لکھا ہے کہ: اَنْكَاثًا، نِكْثٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "دھاگہ"۔

فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا۔۔۔ الآیۃ ۞ :

سوال لفظِ قَدَمٌ تو مذکر ہے پھر "ثُبُوْتِهَا" میں "هَا" ضمیر مؤنث کی اُس کی طرف کیوں راجع کی ہے؟

---

❶ (سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْم، ۲۲) ❷ (سُوْرَةُ الْاَنْعَام، ۲۳) ❸ (سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن، ۱۰۶)

جواب لفظِ قَدَمٌ عربی میں مؤنث ہے اس لیے "ھَا" مؤنث کی ضمیر راجع کی گئی ہے۔

اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰہِ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۔۔۔الآیۃ:

اِنَّمَا میں اِنَّ مشبہ بالفعل ہے اور مَا موصولہ ہے۔ معنی ہے: "بے شک! وہ چیز جو اللہ کے پاس ہے"۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○:

ربط: اُوپر کتاب کا ذکر تھا کہ: یہ کتاب تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہے۔ اب آگے اُس کے آداب میں سے ایک اَدب بیان فرماتے ہیں۔

"تفسیر کشاف، مدارک، ابوسعود، بیضاوی" تمام تفاسیر میں آپ کو ملے گا کہ: فَاِذَا قَرَاْتَ اَیْ اَرَدْتَ اَنْ تَقْرَءَ الْقُرْاٰنَ۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ ۔۔۔الآیۃ:

ربط: اُوپر قرآن پاک کا ذکر تھا کہ: یہ ہدایت کی کتاب ہے نصیحت ہے۔ آگے قرآن پاک پر اعتراض اور اُس کا جواب ہے۔ جب اِس میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ آیات مُفْتَرٰی ہیں یعنی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود بنائیں ہیں۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ ۔۔۔الآیۃ:

پہلے تمہارے لیے ایک حکم مناسب تھا اب دوسرا حکم مناسب ہے۔

آپ اِس کو اِس طرح سمجھیں کہ: اَبھی سردی کا موسم ہے ہم نے گرم کپڑے پہن رکھے ہیں، اب جب گرمی آئے گی تو یہ کپڑے تو ہم نہیں پہن سکیں گے۔ گرمی میں وہ کپڑے ہوں گے جو گرمی کے ہیں اَبھی سردی میں سردی کے ہیں۔ اِسی طرح سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، خوب جانتے ہیں!! جس حال کے مناسب جو حکم ہو وہ دیتے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ مُفْتَرٍ اَصل میں مُفْتَرِیٌ ہے، اِعلال کے بعد مُفْتَرٍ بن گیا، یہ اِسمِ فاعل کا صیغہ ہے اِسمِ مفعول کا نہ سمجھنا۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُہٗ بَشَرٌ ۔۔۔الآیۃ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رُومی غلام بیٹھتا تھا جس کا نام بعض نے "یعیش" بتایا ہے بعض نے "جبر" بعض نے "نستاس" بعض نے "عائش" کہا ہے، رُومی تھا، عربی نہ تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھتا تھا۔ جب بیمار ہوتا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس تشریف لے جاتے وہ اپنی کچھ رُومی باتیں بھی سناتا تھا تو مشرک کہتے تھے کہ: وہ شخص اِس کو قرآن کریم سکھلاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: جس کی طرف تم نسبت کرتے ہو وہ تو عجمی ہے۔ عربی نہیں بول سکتا یعنی عربی کا ایک حرف بھی نہیں بول سکتا اور یہ قرآن تو فصیح بلیغ عربی میں ہے۔

مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِہٖٓ ۔۔۔الآیۃ:

ربط: اُوپر کفار کا ذکر تھا اب آگے کفر اختیار کرنے یعنی مُرتد ہونے والوں کا ذکر ہے۔ (مَعَاذَ اللّٰہ) جو ایمان لائے اور پھر ایمان کو چھوڑ دے اُس کا حکم ہے۔

ترکیب: مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ ۔ یہ شرط ہے۔ فَعَلَیْھِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ۔ یہ جزاء ہے۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۔ اُس پر عطف ہے۔ درمیان میں اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ جملہ معترضہ ہے۔

اب آیت اَصل یوں ہے: مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ ۔ جس نے اللہ کے حکموں کا اِنکار کیا ایمان کے بعد فَعَلَیْھِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ایسے لوگوں پر خدا کا غضب بھی ہے اور عذابِ عظیم بھی۔

اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ ۔۔۔الآیۃ:

اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ، فَعَلَیْھِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ سے مستثنیٰ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: جو مجبور ہو دل مطمئن بالایمان ہو وہ اِس میں داخل نہیں۔ اَصل بات اُن کی ہو رہی ہے جو کھل کر کفر اختیار کریں اُن کے لیے غضب ہے۔

اب یہاں طویل مسئلہ چلتا ہے!! "تفسیر روح المعانی، اَحکام القرآن ابوبکر جصاص رازی، تفسیراتِ اَحمدیہ، مدارک" وغیرہ میں خاصی تفصیل ہے!!

مختصر بات مَیں عرض کرتا ہوں کہ: اَحناف کے نزدیک اِکراہ کی تعریف یہ ہے کہ: قتل کی دھمکی ہو یا قطعِ عضو کی دھمکی ہو اور دینے بھی ایسا شخص جو اُس کے کرنے پر قادر بھی ہو۔ یہ اِکراہ ہے، اِس صورت میں کلمۂ کفر کہنے کی اِجازت ہے لیکن شرط یہ ہے کہ: اُس کا دل اِیمان پر مطمئن ہو۔ صرف اِجازت ہے یعنی کلمۂ کفر کہنا رُخصت ہے اور نہ کہنا عزیمت ہے۔ البتہ اگر حبس یعنی قید یا ضرب یعنی مارنے کی دھمکی ہو یا مال چھین لینے کی دھمکی ہو تو یہ اِکراہ میں داخل نہیں ہے، اِس صورت میں کلمۂ کفر کہنا جائز نہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اِسی مقام پر دو (۲) واقعے نقل کیے ہیں:

① پہلا واقعہ حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہ ایک اَنصاری صحابی تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورانِ خلافت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں یمامہ کے مسیلمہ کذّاب کے خلاف لڑتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ اُس کذّاب نے قیدیوں سے کہا یعنی ان کو کہا کہ: اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ؟ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ہاں! کذّاب نے کہا کہ: مَیں بھی مانتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اِس کے بعد نبوّت دی ہے کیا تم مجھے نبی مانتے ہو؟ کہا: نہیں! اُس نے دوبارہ دُہرایا۔ اُنہوں نے اِنکار کیا۔ کذّاب نے کہا کہ: اگر نہیں مانتے تو اُقَطِّعُكَ اِرْبًا اِرْبًا میں تمہارے اَعضاء کاٹ دوں گا۔ اُنہوں نے فرمایا: اَنْتَ وَذٰلِكَ۔ تو پھر ایک ایک عضو کٹتے ہوئے اور اِیمان نہ چھوڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

② دوسرا واقعہ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ "یہ فصیح شخص تھے" ہرقل روم نے جب اِن سے کہا: اُزَوِّجُكَ ابْنَتِيْ وَاُشْرِكُكَ فِيْ مُلْكِيْ تَنَصَّرْ۔ فرمایا کہ: کیا کہا؟ اُس نے بات دُہرائی۔ فرمایا کہ: تُو ایک ملک کا بادشاہ ہے، اگر اِس طرح تمام دُنیا کی بادشاہی اور تاج میرے سر پر ہو تو نصرانی ہونے کو تیار نہیں ہوں۔ اُس نے دھمکی دی کہ: گرم تیل جس میں پکوڑے پکائے جاتے ہیں اُس میں ڈالوں گا۔ اُنہوں نے فرمایا: تمہاری مرضی۔ قیدیوں کو ایک ایک کرکے تیل میں ڈالتا گیا، جب اُن کی باری آئی تو وہ رونے لگے۔ ہرقل روم نے کہا کہ: جان تو عزیز ہوتی ہے اِس لیے رُوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نہیں! بل کہ اِس لیے رُوتا ہوں کہ یہ تو میری ایک جان ہے، اگر ہر بال کے بدلے میری ایک جان ہوتی تو مَیں دِین کے لیے دے دیتا اور اِس طرح اُن کو بھی تیل میں ڈالا اور شہید ہو گئے۔

③ تیسرا واقعہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اُن کو مشرکین نے سولی پر لٹکایا، ابوسفیان (جو اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے کہا کہ: تو کہہ دے کہ: کاش! آج میری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سولی پر لٹکا دیئے جاتے۔ اتنا لفظ کہہ دے مَیں تیری رہائی کا ذمہ دار ہوں۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری جگہ سولی پر لٹکایا جائے اِس کا تو مَیں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک میں کوئی کانٹا چبھے۔

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ ﴿۱۱۰﴾:

اَيْ مِنْۢ بَعْدِ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ بَعْدَ الْفِتْنَةِ۔

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا ۔۔۔ الآية ﴿۱۱۱﴾:

ربط: اَبھی آپ نے پڑھا کہ: بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۔۔۔ الآية ❶ یعنی آخرت کا لفظ پڑھا وہاں آخرت کا ذکر تھا اب آگے اُس آخرت کے بارے میں بیان میں فرماتے ہیں کہ: یہ آسان دن نہیں بل کہ سخت دن ہے ہر ایک کو اپنے کیے ہوئے کا بدلہ ملے گا۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا ۔۔۔ الآية ﴿۱۱۲﴾:

یہاں سے رب تعالیٰ اپنی نعمتیں بیان فرما رہے ہیں۔

سوال قَرْيَة سے کون سی بستی مُراد ہے؟

جواب "تفسیر کبیر، معالم التنزیل، خازن، کمالین" وغیرہ میں تین (۳) تفسیریں ہیں:

① قَرْيَة سے کوئی خاص قَرْيَة مُراد نہیں بل کہ ایسی بے شمار بستیاں تھیں۔

---

❶ (سُوْرَةُ النَّحْل: ۱۰۷)

② اس بستی سے مُراد مکہ مکرمہ ہے، یہ لوگ مطمئن تھے، حضرت محمد ﷺ آئے، انہوں نے آپ ﷺ کو جُھٹلایا، سات (۷) سال تک قحط آیا، چمڑے وغیرہ کھائے، سراقہ بن مالک کنانی کے حملے کا خطرہ بھی تھا۔

③ "جمل، کمالین" میں حضرت عائشہ ؓ، حضرت حفصہ ؓ سے روایت منقول ہے کہ: اس سے مدینہ منورہ مُراد ہے، وہ اُمن کی جگہ تھی خارجیوں نے حضرت عثمان ؓ کو شہید کیا پھر یہ حالات بگڑے، پھر سنورے۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۔۔۔ الآیۃ (۱۱۴):

ربط: اُوپر اللہ کی نعمتوں کا ذکر تھا، رزق کشادہ آتا تھا، اب یہاں سے بھی اُن نعمتوں کا ذکر ہے کہ: حلال پاکیزہ رزق کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر اُدا کرو۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۔۔۔ الآیۃ (۱۱۷):

یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ اَیْ لَهُمْ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۔۔۔ الآیۃ (۱۱۸):

ربط: اُوپر حرام اور حلال کی بات گذری اور اب یہودیوں پر اُن کی سرکشی کی وجہ سے جو چیزیں حرام کی گئی ہیں اُن کا بیان ہے۔

ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۱۱۹):

سوال بَعْدِهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب بَعْدِهَا کی "هَا" ضمیر تَوْبَة کی طرف راجع ہے جو کہ تَابُوْا میں محذوف ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً ۔۔۔ الآیۃ (۱۲۰):

ربط: مشرکین کا دعویٰ تھا کہ: ابراہیم علیہ السلام ہمارے والد ہیں۔ ابھی گذرا کہ: فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ❶ تو فرماتے ہیں کہ: تم کیسے ابراہیمی ہو؟ وہ تو شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ❷ تھے، مطیع تھے۔

اُمَّةً کا معنی ہے: "مقتدا، پیشوا، امام"۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۔۔۔ الآیۃ (۱۲۴):

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: ہم نے یہود پر کچھ چیزیں حرام کی تھیں، اُس مناسبت سے اب بیان کرتے ہیں کہ: ہم نے یہود پر ہفتے کے دن پابندی لگائی تھی۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔۔۔ الآیۃ (۱۲۵):

یہاں سے آپ ﷺ کو خطاب ہے کہ: آپ (ﷺ) دعوت دیں۔

دعوت کے تین (۳) طریقے: "تفسیر کبیر، البحر المحیط، روح المعانی" وغیرہ وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: آدمی جو بات بیان کرتا ہے تو لوگوں میں تین (۳) قسم کے طبقے ہوتے ہیں:

① بعض لوگ ایسے ہیں کہ: دعویٰ کیا تو اُس کے ٹھوس حوالے بیان کیے، دلیلیں پیش کیں تو لوگ اُس سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یہ "دعوت بالحکمت" ہے۔

② بعض لوگ ایسے ہیں کہ: مثالوں کے ذریعے سمجھتے ہیں حوالے نہیں جانتے کہ یہ بات کس کتاب میں ہے وغیرہ؟ اُن کو بس ایک مثال کے ذریعے سمجھاؤ تو وہ سمجھ جاتے ہیں۔ یہ "دعوت موعظہ حسنہ" ہے۔

③ بعض لوگ جھگڑالو قسم کے ہوتے ہیں اُن کے سامنے الزامی باتیں ہوں تو متاثر ہوتے ہیں، دوسری باتیں ہوں تو وہ نہیں سمجھتے۔ یہ "دعوت جِدَالٌ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَن" ہے۔

تو جو عقل مند لوگ ہیں اُن کے لیے "حکمت" ہے، عام ذہن کے لوگوں کے لیے "موعظہ حسنہ" ہے، جھگڑالو قسم کے لوگوں کے لیے "جِدَالٌ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَن" ہے۔

---

❶ (سُوْرَةُ النَّحْل ۱۱۲) ❷ (سُوْرَةُ النَّحْل ۱۲۱)

مَیں نے گکھڑ کالج میں چالیس (۴۰) سال تک دَرسِ قرآن پاک دِیا، تقریباً پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) طلباء میرے شاگرد ہوں گے، داڑھی کا مسئلہ مَیں نے اَحسن طریقے سے دلائل دے کر بیان کیا۔ ایک اُٹھا، بوڑھا ماسٹر تھا، کہنے لگا کہ: داڑھی فطرت کے خلاف ہے۔ اِس لیے کہ: جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُس وقت اُس کی داڑھی نہیں ہوتی، اگر فطرت کو منظور ہوتا تو بچہ داڑھی کے ساتھ پیدا ہوتا؟ مَیں نے کہا: ماسٹر صاحب! پھر تو آپ کے دانت بھی توڑ دینے چاہئیں کیوں کہ جب آپ پیدا ہوئے تھے تو دانت بھی تو منہ میں نہیں تھے، آپ کے یہ کپڑے بھی اُتار دینے چاہئیں کیوں کہ جب آپ پیدا ہوئے تھے تو کپڑے بھی تو نہ تھے، آپ کا بولنا بھی خلافِ فطرت ہے، آپ کا رُوٹی کھانا بھی خلافِ فطرت ہے، چلنا پھرنا بھی فطرت کے خلاف ہے۔ یہ طریقہ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ہے یعنی اِس طریقہ سے جدال کرنا اَحسن طریقہ ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲۶﴾:

آپ کو "جلالین" تک میں ملے گا کہ: جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: مَیں اِن کفار میں سے ستّر (۷۰) کو اِسی طرح مثلہ کروں گا۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بدلہ لینا چاہو تو اُتنا لو جتنی تمہیں تکلیف پہنچی ہے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲۷﴾:

اَبھی ذکر ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: مَیں ستّر (۷۰) کو مُثلہ کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بدلہ تو لے سکتے ہیں لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو مقام ہی اُونچا ہے وَاصْبِرْ لہٰذا صبر کریں۔

اٰیَاتُھَا (۱۱۱) (۱۷) سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّۃٌ (۵۰) رُکُوْعَاتُھَا (۱۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: گزشتہ سورۃ میں آپ نے پڑھا تھا کہ: وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○ [1] آپ (ﷺ) غم نہ کھائیں اور یہ جو تدبیریں کرتے ہیں اُس سے تنگی محسوس نہ کریں اِنہی تنگی کے مواقع میں سے ایک واقعہ معراج ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ہے۔ اِس سورۃ میں اُن کے حالات کا بیان ہے۔

واقعہ: رجب کا مہینہ تھا، اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: ستائیسویں (۲۷) رات تھی، نبی ﷺ اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں سو رہے تھے، ایک طرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری طرف حضرت عقیل رضی اللہ عنہ تھے۔ تین (۳) فرشتے آئے اور کہنے لگے کہ: ہمارا مطلوب اِن تینوں میں سے کون ہے؟ ایک نے کہا کہ: درمیان والا اور وہ اچھا ہے، چھت کو پھاڑا گیا، مجھے حطیم میں لے گئے، میرا سینہ چاک کر کے زم زم کے پانی سے دھو کر کدورت ختم کر کے پھر صحیح طریقے سے دل رکھا گیا، مَیں وہاں تھا، پھر ایک جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا وہ بُراق کہلاتا تھا۔ (بُراق بمعنی بجلی)۔ تو وہ کتنا تیز ہوگا؟ سائنس دان کہتے ہیں کہ: اِنسانوں کی بجلی ایک منٹ میں پانچ سو (۵۰۰) مرتبہ زمین کے اِردگرد چکر لگاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی بجلی کا کیا کہنا؟ وہاں سے مجھے بیت المقدس لے گئے۔ "نَسائی شریف" میں روایت ہے کہ: جاتے ہوئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ: اِمامت واپسی پر کر لی اور یہ اِمامت صبح کی نماز کی تھی، جاتے ہوئے آپ ﷺ نے دو (۲) رکعت نفل اَکیلے پڑھے اور بعد میں فجر کی نماز پڑھائی۔ پھر پہلے آسمان پر لے گئے، جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھٹکھٹایا، اَندر سے آواز آئی کہ: کون ہے؟ فرمایا کہ: جبرئیل (علیہ السلام) اور محمد (ﷺ)۔ پھر پوچھا گیا کہ: اللہ تعالیٰ کے اِذن اور اَمر سے آئے ہیں؟ فرمایا: ہاں! پھر دروازہ کھولا گیا، فرشتوں نے مَرْحَبًا، مَرْحَبًا کہا۔ پہلے آسمان پر ایک بزرگ بیٹھے تھے، دائیں اور بائیں طرف سفید چھوٹی چھوٹی تصویریں ہیں، جب دائیں جانب دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو پریشان ہوتے ہیں، مَیں نے کہا کہ: یہ کون ہیں؟ فرمایا کہ: یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور اُن کے دائیں طرف اَولادِ مؤمن اور بائیں طرف اَولادِ کافر ہے، جب دائیں جانب دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو پریشان ہوتے ہیں۔ مَیں نے قریب ہو کر سلام کیا، کہا: کون ہے؟ مَیں نے کہا کہ: آخری پیغمبر محمد (ﷺ) ہوں۔۔۔ پھر دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام۔۔۔ الخ یعنی تمام آسمانوں پر انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ملے۔ ساتویں آسمان پر پہنچے، سِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی تک جو سیر تھی وہ ختم ہوئی، وہاں اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات کے ساتھ تین (۳) باتیں ہوئیں:

① چوبیس (۲۴) گھنٹوں میں پچاس (۵۰) نمازیں فرض کیں۔

② سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ کا تحفہ یعنی سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ کا آخری رکوع دیا گیا۔ بغیر جبریل علیہ السلام کی وساطت کے۔

③ آپ (ﷺ) کی اُمّت میں جو شرک نہ کرے گا مَیں بخش دوں گا اور مغفرت کروں گا۔

آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: مَیں یہ لے کر آیا تو چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے کہا کہ: اَبھی موقع بھی ہے اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر اِن نمازوں کو کم کرنے کی درخواست کریں کیوں کہ مَیں نے بنی اسرائیل کو اِس سے کم میں آزمایا تھا تو اُنہوں نے پورا نہ کیا۔ آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ گئے، درخواست کی تو دربارِ ایزدی سے پانچ (۵) نمازیں کم ہوئیں۔ واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا کہ: اور بھی درخواست کریں۔ دوبارہ جانے پر بھی پانچ (۵) کم ہوئیں۔ اِسی طرح نو (۹) چکر مکمل ہوئے تو پینتالیس (۴۵) نمازیں معاف ہوئیں۔ دسویں چکر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ: پھر بھی جا کر اور کم کرنے کی درخواست کریں تو نبی ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: ہر چکر میں پانچ (۵) معاف ہوئی ہیں ایسا نہ ہو کہ اِس چکر پر بھی پانچ (۵) معاف ہو جائیں تو مَیں اُمّت کے لیے کیا تحفہ لوں گا؟ جب واپس تشریف لے آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

[1] (سُوْرَۃُ النَّحْل، ۱۲۷)

پوچھا کہ: کیا ہوا تھا؟ دروازے کو کنڈی نہیں تھی، چارپائی پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مَیں تو معراج پر گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانا اور کہا: اٰمَنْتُ وَ صَدَّقْتُ۔ جب کہ مشرکین نے نہ مانا بل کہ کہا کہ: ہم تو مسجدِ اقصیٰ تک اپنے جانور چرا چرا کر مشقت کے ساتھ پہنچتے ہیں اُوپر کا تو چھوڑو۔ تو پھر اُنہوں نے سوال کیا کہ: ہاں! تم تو گئے لیکن یہ بتاؤ کہ: وہاں مسجدِ اقصیٰ کے قریب کتنی عمارات تھیں؟ مسجد میں کتنی کھڑکیاں تھیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کیوں کہ آنے کا مقصد یہ نہیں تھا۔ (مَیں نے اپنی اِس مسجد کی بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھی ہے، لیکن مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ کتنے دروازے ہیں؟ کتنی کھڑکیاں ہیں؟ یہ تعداد معلوم نہیں کیوں کہ بنانے کا مقصد یہ نہیں۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِس بات سے انتہائی پریشان ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی شکل حاضر کی تو مَیں اُن کو خبر دینے لگا۔ نقلی طور پر اِس واقعہ پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں مَیں نے مفصل جوابات اپنی کتاب "ضوء السراج فی تحقیق المعراج" میں دیے ہیں۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ۔۔۔الآیۃ (۱):

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عرب سُبْحَان کا لفظ اُس وقت پڑھتے ہیں جب عجیب بات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اِس لیے یہاں سُبْحٰنَ کا لفظ پڑھا کہ یہ واقعہ خواب نہیں بل کہ حقیقت ہے، یعنی بہ حالتِ بے داری بہ جسدِ شریف واقع ہوا کہ اِتنے کم وقت میں اِتنا سفر ہوا تو یہ کتنی عجیب بات ہے؟

دوسری دلیل یہ ہے کہ: بِعَبْدِهٖ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ: عَبْد جو ہے وہ رُوح مَعَ الْجَسَد کو کہتے ہیں یعنی خواب اور کشف وغیرہ نہیں تھا بل کہ جسم کے ساتھ معراج ہوئی۔

بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ ۔۔۔الآیۃ:

ظاہری برکت بھی ہے باطنی برکت بھی ہے۔ ظاہری برکت یہ ہے کہ: چشمے وغیرہ ہیں، زمین زرخیز ہے اور باطنی برکت یہ کہ: بہت سے پیغمبر اُس سرزمین میں گذرے ہیں اور اُن کی قبریں ہیں۔

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۔۔۔الآیۃ:

یہاں مِنْ تبعیضیہ ہے۔ معنی ہے: تاکہ ہم دکھائیں اُس عَبْد کو اپنی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝:

سوال اِنَّهٗ کی "ہٗ" ضمیر کس کی طرف راجع ہے؟

جواب اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① جمہور مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: اِنَّهٗ کی "ہٗ" ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: وہ ذات سَمِیْع، بَصِیْر ہے۔

② صاحبِ روح البیان اسماعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِنَّهٗ کی "ہٗ" ضمیر عَبْد کی طرف راجع ہے۔ یہ تفسیر لے لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ: واقعہ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیکھا سنا وہ سب یاد تھا۔ یہ تفسیر مرجوح ہے۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ۔۔۔الآیۃ (۲):

ربط: اُوپر مسجدِ اقصیٰ کا ذکر تھا، اب آگے اُسی مناسبت سے تورات کا ذکر ہے۔ اِس طور پر کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اُسی علاقے میں بھیجا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی، اُس کتاب کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا۔

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى ۔۔۔الآیۃ:

سوال جَعَلْنٰهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس کے بارے میں دو (۲) اقوال ہیں:

① بعض حضرات کہتے ہیں کہ: جَعَلْنٰهُ کی "ہٗ" ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: وہ کتاب یعنی تورات ہدایت تھی بنی اسرائیل کے لیے۔

۞ بعض حضرات کہتے ہیں کہ: جَعَلْنٰهُ کی "ہٗ" ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لیے ہدایت تھے۔

دونوں اقوال صحیح ہیں کسی کا کسی سے کوئی تعارض نہیں۔

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۔۔۔ الآیۃ ۞:

سوال لفظ ذُرِّيَّةَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظ ذُرِّيَّةَ یاء حرف ندا محذوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اَیْ یَا ذُرِّيَّةَ۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ ۔۔۔ الآیۃ ۞:

ربط: اُوپر بنی اسرائیل کا ذکر تھا، آگے اُن کی شرارتوں کا ذکر ہے۔

لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر کبیر، ابن کثیر، خازن، معالم التنزیل" وغیرہ تفسیروں میں یہاں پر بڑی بحث ہے، خلاصہ یہ ہے کہ: تورات میں یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشن گوئی کی گئی تھی کہ: بنی اسرائیل دو (۲) مرتبہ ملک میں سخت خرابی پھیلائیں گے اور ظلم و تکبر کا شیوہ اختیار کر کے سخت تمرد و سرکشی کا مظاہرہ کریں گے۔

چناں چہ ایسا ہی ہوا اور ہر مرتبہ خدا تعالیٰ کی طرف سے دردناک سزا کا مزہ چکھنا پڑا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا ۔۔۔ الآیۃ ۞:

اَیْ اَلْاُوْلٰی مِنَ الْمَرَّتَيْنِ یعنی مَرَّتَيْنِ میں سے پہلا۔

"تفسیر روح المعانی، حقانی، کبیر، بیان القرآن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: پہلی مرتبہ تو ایسا ہوا بخت نصر ایرانی بادشاہ تھا، اُس نے علاقہ پر حملہ کیا اور لوگوں کو قتل کیا اور مسجد کی بے حرمتی کی۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ ۔۔۔ الآیۃ ۞:

اَیْ اَلثَّانِيْ مِنَ الْمَرَّتَيْنِ یعنی مَرَّتَيْنِ میں سے دوسرا۔

دوسری مرتبہ طیطس رومی نے حملہ کیا۔ بعض حضرات اس کا نام طے طاوس لکھتے ہیں۔ یہ ایک عیسائی تھا، بعض کہتے ہیں: مشرک تھا۔ اُس نے بھی بیت المقدس پر حملہ کیا، مسجد میں گھس کر پہلے کی طرح اُدھم مچائی اور بے حرمتی کی۔

لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

لِيَسُوْٓءٗا میں لام عاقبت کے لیے ہے یعنی نتیجہ یہ ہے۔

وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۔۔۔ الآیۃ ۞:

معنیٰ ہے: "اگر تم لوٹو گے شرارتوں کی طرف، فساد کی طرف تو ہم لوٹیں گے سزا کی طرف"۔ یعنی تم شرارتیں کرو گے تو ہم سزا دیں گے۔

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝:

حَصِيْرًا کا معنیٰ ہے: "قید خانہ، روکنے والی جگہ، محاصرہ کرنے والی جگہ"۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ۔۔۔ الآیۃ ۞:

ربط: اُوپر تورات کا بیان تھا اب اُس کتاب کی مناسبت سے قرآن پاک کا بیان ہے۔

سوال لفظ لِلَّتِيْ صفت ہے اس کا موصوف کیا ہے؟

جواب لفظ لِلَّتِيْ صفت ہے اِس کا موصوف محذوف ہے۔ اَیْ لِلْخَصْلَةِ الَّتِيْ، لِلطَّرِيْقَةِ الَّتِيْ، لِلْفِعْلَةِ الَّتِيْ۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: ہم نے کافروں کے لیے جہنّم بنائی، جو قیامت کے منکر تھے وہ کہتے تھے کہ: وہ جہنّم لاؤ نا! جو ہمارے لیے تم نے قید خانہ تیار کر رکھا ہے کیوں نہیں لاتے؟

"تفسیر روح المعانی، بیضاوی، البحرالمحیط" میں لکھا ہے کہ: يَدْعُ اَصل میں يَدْعُوْا تھا اور واؤ محض تخفیفاً حذف ہے یہاں نہ کوئی عاملِ ناصب ہے اور نہ عاملِ جازم ہے۔ اِسی طرح سُوْرَةُ الشُّوْرٰی میں: وَيَمْحُ اللهُ الْبَاطِلَ۔۔۔الآیۃ ❶ يَمْحُ کا لفظ ہے۔ اِس میں بھی واؤ تخفیفاً گرا ہے عاملِ ناصب اور عاملِ جازم کوئی نہیں۔ اور اِسی طرح سُوْرَةُ الْعَلَق میں: سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ❷ سَنَدْعُ کا لفظ ہے۔ اِس میں بھی واؤ تخفیفاً گرا ہے عاملِ ناصب اور عاملِ جازم کوئی نہیں۔

لفظِ دُعَآءَهٗ یہ منصوب بنزع الخافض ہے۔ اَیْ كَدُعَاءِهٖ بِالْخَيْرِ۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳﴾:

یہ كُلَّ کا نصب اَلْزَمْنٰهُ کے ساتھ ہے۔ یہ اِضْمَار عَلٰی شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْر ہے۔ اَیْ اَلْزَمْنَا كُلَّ اِنْسَانٍ۔ ہر اِنسان پر لازم کر دیا ہم نے پروانہ اُس کا یعنی قیامت کے دن ہر آدمی کا نامۂ اَعمال اُس کی گردن میں ہوگا۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۵﴾:

ربط: پہلے گذرا کہ یہ قرآن کریم ہدایت کے لیے ہے تو آگے ہدایت والوں کا بیان ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا۔۔۔الآیۃ ﴿۱۶﴾:

بہ ظاہر معنی یہ ہے کہ: "جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا اِرادہ کرتے ہیں تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں کو حکم کرتے ہیں، پس! وہ نافرمانی کرتے ہیں، پس! اُن پر بات لازم ہوتی ہے، ہم ہلاک کرتے ہیں"۔

سوال اب سوال یہ ہے کہ: جب رب خود نافرمانی کا حکم دے تو پھر اُن کا کیا گناہ ہے جو اُن کو ہلاک کیا گیا ہے؟

جواب اِس کے تین (۳) جواب ہیں:

① "بخاری شریف" کتاب التفسیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: اَمَرْنَا بمعنی كَثَّرْنَا ہے یعنی جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا اِرادہ کرتے ہیں تو ہم زیادہ کر دیتے ہیں آسودہ حالوں کو تو وہ خود نافرمانی کرتے ہیں تو پھر اُن پر عذاب بھی آتا ہے۔

② دوسرا جواب "معالم التنزیل، ابن جریر طبری، ابن کثیر، دُرِّ منثور، روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: جب ہم اِرادہ کرتے ہیں ہلاک کریں بستی کو تو اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا بِالطَّاعَةِ ہم آسودہ حالوں کو طاعت کا حکم دیتے ہیں لٰكِنْ تَفَسَّقُوْا لیکن وہ نافرمانی کرتے ہیں اِس لیے اُن پر عذاب آتا ہے۔

③ تیسرا جواب یہ ہے کہ: یہاں اَمَرْنَا سے اَمر بھی مُراد ہے۔ لیکن اَمر کبھی تشریعی ہوتا ہے اور کبھی تکوینی ہوتا ہے اور یہاں تکوینی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خیر اور شر کی قوّت دی ہے، جب یہ خود نافرمانی کرتے ہیں تو نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى۔۔۔الآیۃ ❸

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۸﴾:

یہاں عَاجِلَة صفت ہے اِس کا موصوف محذوف ہے۔ اَیْ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الدَّارَ الْعَاجِلَةَ۔

---

❶(سُوْرَةُ الشُّوْرٰی، ۲۴) ❷(سُوْرَةُ الْعَلَق، ۱۸) ❸(سُوْرَةُ النِّسَآء، ۱۱۵)

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ...الآیۃ ⁽¹⁹⁾:

اَیِ الْحَیٰوةَ الْاٰخِرَةَ، اَلدَّارَ الْاٰخِرَةَ۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَاۤءِ وَهٰۤؤُلَاۤءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ...الآیۃ ⁽²⁰⁾:

لفظِ كُلًّا پر تنوین عوض مضاف الیہ ہے۔ اَیْ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا۔ یہ جو طالبِ دُنیا ہے اُس کے لیے بھی اور جو طالبِ آخرت ہے اُس کے لیے بھی یعنی ہر ایک کو ہم مدد دیتے ہیں، دونوں کو رزق ملتا ہے۔

سوال كُلًّا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب كُلًّا کا نصب نُّمِدُّ هٰۤؤُلَاۤءِ کی وجہ سے ہے۔ یہ اِضْمَارٌ عَلٰی شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ ہے۔

وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝:

حَظَرَ، یَحْظُرُ بابِ نَصَرَ، یَنْصُرُ سے ہے۔ معنیٰ ہے: "رُوکنا"۔ فقہ میں جو آپ نے اَلْحَظْرُ وَ الْاِبَاحَةُ کا باب پڑھا ہے وہ اسی سے ہے یعنی رکاوٹ کا باب، اباحت کا باب۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ...الآیۃ ⁽²²⁾:

ربط: ابھی آپ نے سنا کہ: آخرت کے لیے کوشش کرو تو آخرت کے لیے سب سے پہلی کوشش توحید کو ماننا ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ...الآیۃ ⁽²³⁾:

ربط: ابھی آپ نے سنا کہ: آخرت کی کوشش میں سرِ فہرست بات توحید ہے، اِس رُکوع میں آخرت کی کرنے کی چیزیں ہیں اور اگلے رُکوع میں نہ کرنے کی چیزوں کا ذکر ہے۔ اِس رُکوع میں زیادہ اَوَامِر ہیں اور دوسرے رُکوع میں نَوَاهِی ہیں۔

قَضٰى کے معنیٰ اَمَرَ کے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کتاب التفسیر میں لکھتے ہیں کہ: قَضٰى رَبُّكَ اَیْ اَمَرَ رَبُّكَ

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ...الآیۃ:

بڑھاپے کی قید اس لیے لگاتے ہیں کیوں کہ جوانی میں تو انسان اپنے کام خود کر سکتا ہے غیر کا محتاج تو بڑھاپے میں ہوتا ہے۔

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ...الآیۃ:

"تفسیر جمل، کمالین، بیضاوی، کشاف" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اُفٍّ مصدر ہے۔ معنیٰ ہے: تَبًّا وَّقُبْحًا یعنی ہلاکت و قباحت ہو یعنی ایسا لفظ اُن کو نہ کہو جس میں سختی ہو۔

شیخ الہند رحمہ اللہ اور شاہ عبد القادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "ہاں، ہوں" کے لفظ میں قباحت اور خرابی معلوم ہوتی ہے "جی" اَدب کا لفظ ہے۔

"تفسیر روح المعانی، ابن کثیر، ابن جریر طبری" میں سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ: والدین کو ایسی بات کہو کہ جیسے ایک غلام اپنے تند مزاج آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، شفقت کا بازو اُن کے لیے پست رکھو۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ ⁽²⁴⁾:

اَیْ كَمَا رَحِمَانِيْ حِيْنَ رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ ⁽²⁶⁾:

فضول نہ اُڑاؤ۔

اِسراف اور تبذیر میں فرق: اِسراف اور تبذیر میں فرق یہ ہے کہ: جائز مقام پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اِسراف ہے اور ناجائز مقام میں خرچ کرنا تبذیر ہے۔ مثلاً: شادی پر باجے وغیرہ۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۷﴾:

سوال تشبیہ کس بات میں ہے؟

جواب "تفسیر روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: تشبیہ اِس بات میں ہے کہ: شیطان میں خیر کی صلاحیت تھی لیکن اِس نے خدا کی بخشی ہوئی قوّتوں کو عصیان واِضلال میں خرچ کیا، اُس نے بھی حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو نافرمانی میں اُڑایا اور تم بھی اِس طرح کرتے ہو، مال کو شَر میں لگاتے ہو تو اُس کے بھائی ہو۔

فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا ﴿۲۸﴾:

اُن سے نرمی کی بات کہو۔ مثلاً: کوئی مسکین، مسافر وغیرہ آیا اور اُس نے مدد مانگی تو اُس کو نرمی سے ایسا کہو کہ: تنخواہ نہیں ملی، فصل پکی نہیں، پیسے فلاں سے نہیں لیے ہیں وغیرہ یعنی دل شکنی نہ کرو۔

فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾:

لفظ مَلُوْمًا کا تعلق وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً سے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ: اگر تم نے اپنے ہاتھ کو رُوک کر رکھا تو تمہیں ملامت کی جائے گی۔ لوگ کہیں گے کہ: دیکھو! یہ کنجوس ہے، مکھی چوس ہے، بخیل ہے۔

مَحْسُوْرًا کا تعلق وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ سے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ: اگر تم نے اپنے ہاتھ کو بالکل کھلا چھوڑا، سب پیسے تم نے خرچ کر دیے تو اُس وقت تم تھکے ہارے رہ جاؤ گے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۱﴾:

ربط: پہلے رُکوع میں اُن چیزوں کا بیان تھا جو آخرت کے لیے کوشش بنتی تھیں اور اب اِس میں اُن چیزوں کا بیان ہے جو آخرت تک نہیں پہنچتیں ہیں اور نہیں کی جاتی ہیں۔ یعنی پہلے رُکوع میں اَوَامِر کا بیان تھا اِس رُکوع میں نَوَاهِی کا بیان ہے۔

فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۳﴾:

اِسلامی حکومت ہو تو مظلوم کے جو ورثاء ہیں اُن کو قصاص دلوایا جائے گا یا دیت دلوائی جائے گی۔ الغرض حکومت پوری اُن کی اِمداد کرے گی۔

فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ۔۔۔ الآیۃ:

قتل میں اِسراف مت کرو یعنی مجرم کی جگہ غیر مجرم یا ایک کے بدلے دو (۲) کو قتل مت کرو۔

وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۳۵﴾:

اِس کا مَآل اَچھا ہے یعنی لوگوں میں تمہارا دیانت دار ہونا مشہور ہوگا۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۶﴾:

قَفٰی، یَقْفُوْ۔ معنی ہے: "پیچھے پڑ جانا" یعنی وہ بات جس کا علم نہ ہو بیان نہ کرو، ہر سنی ہوئی بات بیان کرنا بھی گناہ ہے۔

"مسلم شریف" کے مقدمے میں روایت ہے کہ: كَفٰی بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ[1]

تَرْجَمَہ: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ: بغیر تحقیق سنی ہوئی بات کو آگے پھیلا دے۔

كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾:

اَیْ كَانَ الْاِنْسَانُ عَنْهُ۔ ہر ایک کے بارے میں اِنسانوں سے سوال ہوگا۔

سوال عَنْهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب عَنْهُ کی "ہٗ" ضمیر سَمَع، بَصَر اور فُؤَاد کی طرف راجع ہے۔ یعنی آنکھ، کان، دل کہاں اِستعمال کیے؟

---

[1] (صحیح لمسلم، مقدمہ، باب النہی عن الحدیث بکل ما سمع، ج ۱، ص ۸، طبع یادگار شیخ، کراچی)

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ۔۔۔الآیۃ:

شرک بہت بری چیز ہے اس لیے اس کو دوبارہ ذکر کیا۔

اَفَاَصْفٰکُمْ رَبُّکُمْ بِالْبَنِیْنَ۔۔۔الآیۃ:

یہاں سے شرک کی اقسام بیان فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّکَّرُوْا۔۔۔الآیۃ:

ربط: ابھی آپ نے پڑھا "ذٰلِکَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْکَ رَبُّکَ۔۔۔الآیۃ (1) "یہ وحی کے ذریعے ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نازل کیا۔ اب اسی وحی کا ذکر ہے کہ: ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر باتیں بیان کیں کبھی نقلی دلیل ہے، کبھی عقلی دلیل ہے، کبھی آسمان کی طرف توجہ دلائی، کبھی زمین کی طرف توجہ دلائی، کبھی فضا کی طرف توجہ دلائی۔

سوال صَرَّفْنَا کا مفعول کیا ہے؟

جواب صَرَّفْنَا کا مفعول محذوف ہے۔ مَثَلًا مِّنْ کُلِّ مَثَلٍ۔

قُلْ لَّوْ کَانَ مَعَہٗٓ اٰلِھَۃٌ۔۔۔الآیۃ:

یہاں سے شرک کا رد ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ۔۔۔الآیۃ:

ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے کوئی بزبانِ قال سے۔ مثلاً: انسان۔ اور کوئی بزبانِ حال۔ مثلاً: درخت تسبیح کرتے ہیں۔

لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۞:

آپ کو اِنْ شَآءَ اللّٰہ "جلالین" تک میں ملے گا: مَسْتُوْرًا اَیْ حِجَابًا سَاتِرًا۔ پردہ کرنے والا یعنی مفعول بمعنی فاعل ہے۔ جیسے اسی سورۃ میں آگے آئے گا: جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۞ (2) یہاں پر مَوْفُوْرًا، وَافِرًا کے معنی میں ہے۔ یعنی مفعول بمعنی فاعل ہے۔ اسی طرح سولہویں پارے میں آئے گا: اِنَّہٗ کَانَ وَعْدُہٗ مَاْتِیًّا ۞ (3) یہاں پر مَاْتِیًّا، اٰتِیًا کے معنی میں ہے۔ یعنی مفعول بمعنی فاعل ہے۔

وَاِذْ ھُمْ نَجْوٰٓی۔۔۔الآیۃ:

سوال "ھُمْ" ضمیر ذات ہے نَجْوٰی مصدر وصف ہے تو یہاں وصف کا ذات پر حمل ہوا ہے جو کہ درست نہیں ہے؟ اسی طرح نَجْوٰی مفرد "ھُمْ" جمع ہے؟

جواب تمام تفسیروں میں ملے گا: نَجْوٰی مصدر ہے اور مصدر میں واحد، تثنیہ اور جمع برابر ہوتے ہیں اور یہ اِذْ ھُمْ مُتَنَاجُوْنَ کے معنی میں ہے یعنی مصدر فاعل کے معنی میں ہے۔

اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۞:

یہاں پر علماء میں ایک اختلاف چلتا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہوا یا نہیں ہوا؟

ایک گروہ کہتا ہے کہ: جادو نہیں ہوا کیوں کہ کفار تو کہتے تھے کہ: تم رَجُلٍ مَّسْحُوْر کی پیروی کرتے ہو۔ تو اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہونے کی بات مان لیں پھر تو کفار کی تائید ہوجائے گی۔

اس گروہ نے غلط فہمی کا شکار ہو کر "بخاری شریف" کی روایت کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ: یہ جعلی روایت ہے، ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ بڑی چوٹی کے بزرگ ہیں ان تک کو یہ مغالطہ ہوا کہ: یہ جعلی روایت ہے۔

بھائی! جب "بخاری شریف" بھی جعلی ہو، "مسلم شریف" بھی جعلی ہو تو "صحیحین" کا تو معنی ہی کچھ نہ رہے گا۔ علماء کی غلطیوں کا نام دین نہیں ہے بڑی سے بڑی شخصیت سے غلطی ہوجاتی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! ہمارے اکابر کا یہ طریقہ ہے کہ: غلط چیز کی تائید نہیں کرتے اور اگر کسی کی بزرگی ثابت ہو، علم ثابت ہو

(1) (سُوْرَۃُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْل ۳۹) (2) (سُوْرَۃُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْل ۶۳) (3) (سُوْرَۃُ مَرْیَم ۶۱)

اور اُس سے کوئی غلطی ہو تو اُس کو کوستے بھی نہیں ہیں بہ شرط یہ کہ صحیح علم ہو ذاتیات پر بات نہ ہو۔
صحیح بات یہ ہے کہ: آپ ﷺ پر جادو ہوا" بخاری اور مسلم" میں روایت ہے کہ: لبید ابن عاصم یہودی نے جادو کیا تھا۔لیکن دینی لحاظ سے قطعاً اُس کا اَثر نہیں ہوا بل کہ کچھ دنوں کے لیے دُنیاوی کاموں میں کبھی کبھی ذھول ہو جاتا تھا۔مثلاً: پانی پیا خیال ہوا نہیں پیا، زوجہ کا حق اَدا کیا خیال ہوا کہ نہیں کیا۔

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُوْرِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۱﴾:

پتھر بن جاؤ، لوہا بن جاؤ یا تمہارے ذہن میں اِس سے بھی زیادہ کوئی سخت چیز ہے تو وہ بن جاؤ، ہیرا بن جاؤ۔(دُنیا میں جو سخت چیزیں ہیں اُن میں ہیرا بہت سخت ہوتا ہے، گھستا نہیں۔) ضرور تم دوبارہ کھڑے کیے جاؤ گے۔

فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

فَسَيُنْغِضُوْنَ اَیْ فَيُحَرِّكُوْنَ۔ يُنْغِضُوْنَ کا معنی ہے: "حرکت دینا"۔

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۲﴾:

سوال فَتَسْتَجِيْبُوْنَ قیامت کے دن قبول ہوگی حمد۔قیامت کے دن حمد کا کوئی اِعتبار نہیں ہے؟

جواب اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما معنی کرتے ہیں: فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ اَیْ بِاَمْرِهٖ۔تم رب کے حکم کو مانو گے۔
② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: تَسْتَجِيْبُوْنَ کا تعلق بِحَمْدِهٖ سے نہیں ہے بل کہ يَدْعُوْكُمْ کے ساتھ ہے۔معنی یہ ہے کہ: جس دن کہ وہ تمہیں بلائے گا بِحَمْدِهٖ وہ اپنی حمد سے متلبس ہے اور رہے گا فَتَسْتَجِيْبُوْنَ تم اُس کا حکم مانو۔
③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: تم وہاں تسبیح کرو گے لیکن وہ تسبیح تمہیں مفید نہ ہوگی۔

کافروں کی حمد کا تو معنی ہی کوئی نہیں ہے اِس لیے یہ تین (۳) تفسیریں ہوئیں۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۳﴾:

ربط: اُوپر کفار کے اُن اَفعال اور اَقوال کا ذکر تھا کہ کون ہمیں زندہ کرے گا؟ تو یہ باتیں سُن کر مؤمنین کو غم اور تکلیف ہوتی تھی، بعض جذباتی لوگ ہوتے ہیں وہ سخت غصے میں آتے ہیں۔یہاں سے اُن کو تسلی ہے۔

وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ ﴿۵۵﴾:

"تفسیر حقانی، بیان القرآن" وغیرہ میں خاص بات لکھی ہے کہ: حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر خصوصیت سے کیوں کیا؟ صاحبِ حقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ ذکر اِس لیے کیا کہ زبور میں آیت نمبر نو (۹) اور گیارہ (۱۱)، باب نمبر سینتیس (۳۷) میں اب بھی آپ ﷺ کی نبوّت کی بشارت موجود ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۶﴾:

یہاں سے شرک کا رَد ہے۔

وَلَا تَحْوِيْلًا ۝:

ایک کی تکلیف دوسرے کو حوالہ کرنا، دوسرے پر ڈالنا۔

يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۷﴾:

تفسیروں میں ہے کہ: طائف اور مکہ کے درمیان ایک پہاڑی راستہ تھا "وج" نام تھا، وہاں جنات کثرت سے رہتے تھے، کوئی متبادل قریب راستہ نہیں تھا، وہ اُس راستہ پر گذرتے تھے تو جنات اُن کو چھیڑتے تھے تو اُنہوں نے عبادت شروع کی۔جن تو مسلمان ہو گئے اور یہ پوجنے والے اپنی جہالت پر قائم رہے، اُن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾:

"تفسیر عثمانی" میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اِس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: یعنی یہ فیصلہ بالکل حتمی اور اٹل ہے جو علم الٰہی میں طے ہو چکا اور لوحِ محفوظ میں لکھا گیا، کوئی طاقت اُسے نہیں روک سکتی۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ہر شہر کے لوگ ایک بزرگ کو پوجتے ہیں کہ ہم اِس کی رعیت ہیں اور اِس کی پناہ میں ہیں۔ سو وقت آنے پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۹﴾:

ربط: اُوپر شرک کا رَد تھا آگے بتاتے ہیں کہ: کوئی کچھ نہیں کر سکتا جو رب چاہے گا وہ ہوگا۔ پھر آگے اُن لوگوں کا رَد ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشانیاں مانگتے تھے۔

مَنَعَ کا فاعل اَنْ كَذَّبَ ہے۔ نہیں رُوکا ہم کو اِس سے کہ ہم نشانیاں بھیجیں مگر اِس چیز نے کہ پہلے لوگوں نے تکذیب کی۔ مطلب یہ ہے کہ: جب منہ مانگی نشانی آتی ہے اور لوگ نہیں مانتے تو عذاب آتا ہے۔ تو ہمارے ہاں طے شدہ یہ ہے کہ: ان کو فی الحال عذاب نہیں دینا اگر ہم ان کی منہ مانگی نشانیاں دیں تو فوراً عذاب آئے گا اور وہ فوراً ہلاک ہو جائیں گے۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۰﴾:

اِذْ شرطیہ نہیں بل کہ ظرفیہ ہے۔ اَیْ وَاذْكُرْ اِذْ قُلْنَا لَكَ۔ یاد کر جب ہم نے تجھ سے کہا۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِىْٓ اَرَيْنٰكَ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ رُءْیَا کا اطلاق آنکھوں کے ساتھ بیداری میں دیکھنے پر بھی ہوتا ہے، صرف خواب کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

"بخاری شریف" میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهٖ إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ [1]

معلوم ہوا کہ: یہ بیداری میں آنکھوں کے ساتھ دیکھنا ہے خواب یا کشف نہیں۔

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال کافر کہتے تھے کہ: ایک طرف تو کہتے ہیں کہ جہنم کی آگ دُنیا کی آگ سے انہتر (۶۹) درجہ زیادہ گرم ہے اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ: اُس میں درخت ہیں؟

جواب یہاں پر تین (۳) باتیں ہیں:

① پہلی بات تو یہ ہے کہ: وَاُمُوْرُ الْاٰخِرَةِ لَا تُقَاسُ بِاُمُوْرِ الدُّنْيَا۔ اُخروی باتیں دُنیاوی باتوں پر قیاس نہیں کی جا سکتیں۔

② دوسری بات یہ ہے کہ: "تفسیر مدارک" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: ترکی میں ایک جانور ہے، نام "سَمَنْدَل" ہے، اُس کی اُون یعنی پشم سے کپڑا بنایا جاتا ہے اور پھر آگ میں جل کر اُس سے میل جاتا ہے اور وہ نہیں جلتا۔ "صراح" والے کہتے ہیں کہ: "سَمُنْدَر" ایک جانور ہے وہ آگ میں ایسا خوش ہوتا ہے جیسے مچھلی پانی میں۔

③ تیسری بات یہ ہے کہ: علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے، سُوْرَةُ الصّٰفّٰت کی تفسیر میں اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِىْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۙ [2] کے تحت ایک اور بات کی ہے کہ: یہ ممکن ہے کہ اُس کا مزاج ہی ناری ہو۔

سہارن پور کے کمپنی باغ میں بعض درختوں کی تربیت آگ کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ تو اگر دُنیا میں اِس طرح کے جانور ہیں تو قیامت کے دن اگر اُس آگ میں درخت اُگے تو کیا بعید بات ہے؟ یعنی کون سے استبعاد کی بات ہے؟

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۱﴾:

یہاں بھی اِذْ ظرفیہ ہے۔

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب المعراج، ج۱، ص۵۵۰، طبع یادگار شیخ، کراچی)

[2] (سُوْرَةُ الصّٰفّٰت، ۶۴)

ربط: اُوپر اُن لوگوں کا ذکر تھا جو کافر تھے اور پہلوں نے بھی تکذیب کی اور اُنہوں نے بھی شجرۂ ملعونہ اور معراج کی تکذیب کی۔ آگے فرماتے ہیں کہ: یہ شیطان کے دھوکے ہیں۔

قَالَ ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِيۡنًا ۝:

سوال لفظِ طِیۡنًا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ طِیۡنًا منصوب بنزعِ خافض ہے۔ اَیۡ مِنۡ طِیۡنٍ۔

قَالَ اَرَءَيۡتَكَ هٰذَا الَّذِىۡ كَرَّمۡتَ عَلَىَّ۔۔۔ الآیۃ ۝:

اَرَءَیۡتَكَ اَیۡ اَخۡبِرۡنِیۡ۔ یہ شیطان کا خطاب ہے۔

لَاَحۡتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝:

اِحۡتِنَاكٌ کے معنیٰ ہیں: "قابو کرنا"۔ "بخاری شریف" میں لکھا ہے کہ: اِحۡتَنَكَ فُلَانٌ مَا عِنۡدَ فُلَانٍ مِنۡ عِلۡمٍ اسۡتَقۡصَاهُ۔

وَاسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ۔۔۔ الآیۃ ۝:

فَزٌّ کہا جاتا ہے: "الگ کرنا، کاٹ دینا"۔ لازمی معنی ہے: "ملا دینا" یعنی اِنسانوں سے الگ کر کے، کاٹ کے اپنے ساتھ، اپنی جماعت کے ساتھ ملا لینا۔

وَاَجۡلِبۡ عَلَيۡهِمۡ بِخَيۡلِكَ وَرَجِلِكَ۔۔۔ الآیۃ:

پہلے زمانہ میں دو (۲) قِسم کی اَفواج ہوتی تھیں:

① پیدل۔ ② سوار۔

پہلے زمانے میں دو (۲) ہی لشکر ہوتے تھے۔ اب ہمارے گناہ زیادہ ہیں اِس لیے فضائی لشکر بھی ہے، دریائی لشکر بھی ہے۔ جوں جوں گناہ بڑھیں گے سرکوبی کے لیے اَسباب بھی زیادہ ہوں گے۔

رَبُّكُمُ الَّذِىۡ يُزۡجِىۡ لَـكُمُ الۡـفُلۡكَ فِى الۡبَحۡرِ۔۔۔ الآیۃ ۝:

یہاں سے رب تعالیٰ توحید کا اِثبات فرماتے ہیں۔ دیکھو! تم اُس رب کو چھوڑ کر شیطان کے گلے لگتے ہو حال آں کہ وہ رب جس نے تمہاری کشتیاں سمندروں میں چلائیں تا کہ تم اُس کے فضل کو تلاش کرو۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ‌ۚ۔۔۔ الآیۃ ۝:

کشتی طوفانوں میں گھری تو اپنے اِلٰہوں کو بلانے لگے۔ تو ملّاحوں نے کہا کہ: تمہارے اِلٰہ تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔

اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ يَّخۡسِفَ بِكُمۡ جَانِبَ الۡبَرِّ۔۔۔ الآیۃ ۝:

یعنی خطرہ کیا دریا میں ہے؟ بل کہ سمندر کے کنارے خشکی میں دھنسا دے۔ مثلاً: زلزلہ آجائے اور زمین شق ہو کر قارون کی طرح اُس میں دھنس جاؤ۔ خلاصہ یہ کہ: ہلاک کرنا کچھ دریا کی موجوں پر موقوف نہیں۔

اَوۡ يُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ حَاصِبًا۔۔۔ الآیۃ:

حَاصِبًا کے دو (۲) معنی ہیں:

① سنگریزے۔ جیسے: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر آئے۔

② تیز و تند ہوا جو چھوٹی چھوٹی کنکریوں کو اُڑائے۔ جیسے: حضرت ہود علیہ السلام کی قوم پر آئے۔

اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ يُّعِيۡدَكُمۡ فِيۡهِ تَارَةً اُخۡرٰى۔۔۔ الآیۃ ۝:

تَارَةً کی جمع تَارَاتٌ، تِیَرٌ آتی ہے۔ تَارَةً اُخۡرٰی اَیۡ مَرَّتَبَةً اُخۡرٰی۔

فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۔۔ الآية:

سوال مَا ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① مَا مصدریہ ہے۔ أَيْ بِكُفْرِكُمْ۔ ② مَا موصولہ ہے۔ أَيْ بِمَا كَفَرْتُمْ بِهٖ۔

ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ۝:

اَصل میں تَبِيْع کہتے ہیں کہ: مثلاً حاکم نے کسی کے خلاف فیصلہ کیا تو وہ شخص اُس کے پیچھے چلتا ہے اور کہتا ہے کہ: مجھے معاف کرو مجھے معاف کرو۔ تو اِس کو تَبِيْع کہتے ہیں۔ اِسی طرح بچھڑا گائے کے پیچھے جاتا ہے اِس لیے تَبِيْع کہتے ہیں۔ یعنی رب سے کوئی باز پُرس کرنے والا نہیں ہے۔

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝:

یہاں خاص تفصیلی بحث ہے!! "تفسیر روح المعانی، قرطبی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: آیا اِنسانوں کی فرشتوں پر بھی فضیلت ہے؟

جمہور کے نزدیک مجموعی حیثیت سے اِنسانوں کی فرشتوں پر فضیلت ہے۔ مجموعی حیثیت کا مطلب یہ ہے کہ: فرشتوں سے تو پیغمبر اَفضل ہیں تو پیغمبروں کی برکت سے مجموعی لحاظ سے اِنسانوں کی فرشتوں پر فضیلت ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ ۔۔۔ الآية:

ربط: پہلے توحید کا ذکر تھا اب آگے قیامت کا ذکر ہے کیوں کہ قیامت بنیادی عقائد میں سے ہے۔

سوال اِمام سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں مختلف اَقوال ہیں:

① "تفسیر معالم التنزیل، خازن، بیضاوی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اِمام سے نبی مُراد ہیں۔ مثلاً: حضرت نوح علیہ السلام کی اُمت آئے گی، حضرت ہود علیہ السلام کی اُمت آئے گی اور ساتھ نبی بھی ہوں گے۔

② اِس سے مُراد مثال کے طور پر اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، اِمام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ ہیں۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ: اِمام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) اور اُن کے ماننے والے آئیں۔

③ اِسی طرح اِمام سے مُراد چاروں سلسلوں کے اِمام بھی لیے گئے ہیں۔ مثلاً: نقشبندی، سہروردی، قادریہ، چشتیہ وغیرہ۔

④ اِسی طرح اِمام سے مُراد خیر وشر بھی لیے گئے ہیں۔

⑤ اِسی طرح اِمام سے مُراد نامۂ اَعمال بھی لیا گیا ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝:

سوال یہاں یہ ہے کہ: وہ اَندھے ہوں گے اور دوسری جگہ اِرشاد ہے کہ: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا ۔۔۔ الآية [1] یہاں سے بصارت ثابت ہوتی ہے اور جب کہ پہلا کلام منفی ہے تو یہ تعارض ہے؟

جواب اِس کے تین (۳) جواب ہیں:

① اِمام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى عَنِ الْحُجَّةِ یعنی حسی اَندھا ہونا مُراد نہیں بل کہ عَنِ الْحُجَّةِ دلیل سے اَندھا ہونا مُراد ہے۔

② قبر سے اُٹھیں گے تو پہلے اَندھے ہوں گے مگر بعد میں نظر واپس آئے گی تو اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ اُس وقت ہوگا۔

③ اَندھے ہوں گے یعنی اُن کو مفید مطلب کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ نہ جنّت کی خوشیاں نظر آئیں گی نہ کوئی اور چیز نظر آئے گی جیسے اَندھوں کو نہیں نظر آتیں۔

---

[1] (سُورَةُ مَرْيَم، ۳۸)

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ بعض لوگ جو دُنیا میں اَندھے ہیں یعنی کافر۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ: باوجود اَندھے ہونے کے دوسرے کو تکلیف میں ڈال دیتے ہیں، مصیبت میں ڈال دیتے ہیں، اُن ہی لوگوں کا ذکر ہے۔

یہاں بڑی تفصیل ہے!! "معالم التنزیل، دُرِّ منثور، رُوح المعانی" وغیرہ تفسیروں میں دو(۲) آسان باتیں لکھیں ہیں:

① طائف کے لوگ، ھوازن اور ثقیف والے آپ ﷺ پاس آئے۔ مطالبہ کیا کہ: جیسا کہ مکہ مکرمہ کا حرم ہے اِس طرح طائف میں بھی بنائیں تو ہم ایمان لاتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے خیال فرمایا کہ اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں تو بہت اَچھا ہوگا اور اللہ تعالیٰ تو ساری زمین کو حرم بنا سکتا ہے تو یہ خیال اللہ تعالیٰ کو گوارہ نہ تھا۔

② دوسری بات "جمل، کمالین، رُوح المعانی، رُوح البیان" میں یہ ہے کہ: یہ لوگ آئے اور کہا کہ: ہم مسلمان ہوتے ہیں لیکن ہماری تین (۳) شرائط ہیں:

① ہم رُکوع سجدہ نہیں کریں گے یعنی نماز نہیں پڑھیں گے۔ ② زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ ③ جہاد نہیں کریں گے۔

آپ ﷺ کے دل میں خیال ہوا کہ: اگر یہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو جہاد بھی کریں گے، نماز بھی پڑھیں گے، زکوٰۃ بھی دیں گے فی الحال اِن کے ساتھ نرمی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی۔

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَیْ ضِعْفَ عَذَابِ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ عَذَابِ الْمَمَاتِ۔ دگنا عذاب دُنیا میں، دگنا عذاب آخرت میں۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر مدارک، بیضاوی" وغیرہ میں دو(۲) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: مشرکین مکہ ہی کے بارے میں ہے کہ اُنہوں نے ایسے حالات پیدا کیے کہ آپ ﷺ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: یہ یہود کے متعلق ہے۔ وہ کہتے تھے کہ: اَرض الانبیاء علیہم السلام شام ہے تو آپ (ﷺ) مدینہ میں کیوں رہتے ہیں؟

وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝:

اَیْ خَلْفَكَ، لفظ خِلٰفَكَ مصدر ہے۔ معنی ہے: بَعْدَكَ۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لفظ سُنَّةَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب اِس کی دو(۲) وجہیں ذکر کی گئیں ہیں:

① یہ منصوب بنزع خافض ہے۔ اَیْ كَسُنَّةِ۔

② علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مفعول مطلق ہے۔ اَیْ سَنَّ سُنَّةً۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر کافروں کی حیلہ سازیوں کا ذکر تھا، آگے بیان فرماتے ہیں کہ: آپ (ﷺ) اُن کی طرف توجہ نہ کریں، دوسری طرف توجہ مبذول نہ کریں۔

لِدُلُوْكِ اَیْ وَقْتَ دُلُوْكِ، لام بمعنی وقت ہے۔

وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لفظ قرآن کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب صاحب کمالین وغیرہ نے اِس کی دو(۲) وجہیں ذکر کیں ہیں:

① اَیْ اَقِمْ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۔ اَقِمْ اِس کا فاعل ہے۔
② یہاں پر نصب علی الاغراء ہے۔ اَیْ اِلْزَمْ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ یا عَلَیْكَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۔

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝:

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ صبح کے وقت تبدیل ہوتے ہیں تو اِس طرح وہ فرشتے جمع ہو جاتے ہیں فجر کی نماز میں، اِس طرح عصر کی نماز میں اس لیے یہ نماز لمبی اور اِس میں قرأت جہر کے ساتھ ہے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۹﴾:

تہجد کا مادّہ هُجُوْد ہے بمعنیٰ نیند سے گریز کرنا۔ لفظِ تَهَجَّدْ چوں کہ بابِ تَفَعُّل سے ہے اور بابِ تَفَعُّل کی ایک خاصیت ہے: اَلتَّجَنُّبُ عَنِ الْمَاْخَذِ اَیْ مِنَ النَّوْمِ ۔ اب لازمی معنیٰ ہے: اَلتَّبَرُّعُ وَالتَّعَبُّدُ ۔
نَافِلَةً کا معنیٰ ہے: ”زائد“۔ اِس میں خاصی تفصیل ہے کہ آپ ﷺ پر تہجد کی نماز فرض تھی یا نہیں؟
ایک گروہ کہتا ہے کہ: تہجد کی نماز آپ ﷺ پر فرض تھی۔ یہ حضرات نَافِلَةً کے لفظ سے اِستدلال کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ: نماز قائم کر اور تہجد بھی پڑھ نَافِلَةً لَّكَ فِي الْفَرِيْضَةِ ۔ یہ زائد ہے تیرے لیے فریضے میں ۔ دوسری بھی نمازیں فرض ہیں یہ بھی مزید فرض ہے۔
دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ: پہلے تہجد کی نماز فرض تھی پھر سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّل کی اِبتدائی آیات کی وجہ سے اور ایک سال تک آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی فرض رہی۔ ”مسلم اور نسائی شریف“ میں تصریح ہے کہ: ایک سال کے بعد اِس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝:

محشر میں ایک مقام ہے جس کا نام مقامِ محمود ہے۔ وہاں جھنڈا ہوگا، اُس کا نام لِوَآءُ الْحَمْدِ ہے۔ آپ ﷺ اور تمام پیغمبر علیہم السلام وہاں جمع ہوں گے۔ جیسے: جلسہ میں اِسٹیج ہوتا ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۰﴾:

سوال لفظِ مُدْخَلَ کیا ہے؟
جواب لفظِ مُدْخَلَ کے متعلق دو (۲) اَقوال ہیں:
① یہ ظرف کا صیغہ ہے۔ معنیٰ ہے: ”داخلے کی جگہ سچائی کی“۔ ② یہ مصدر میمی ہے۔ معنیٰ ہے: ”داخلہ سچائی کا“۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۱﴾:

۸ھ رمضان المبارک میں مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ ﷺ نے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اِرشاد فرمایا کہ: اِن بتوں کو توڑ توڑ کر پھینک دیں۔ پھر خیال آیا کہ: رب تعالیٰ نے مجھے طاقت دی ہے، مَیں خود کیوں نہ توڑوں؟ خود تشریف لے گئے اور توڑ توڑ کر اُن کو پھینکا اور فرماتے جاتے کہ: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۔۔۔ الآیۃ۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۲﴾:

ربط: اُوپر کتاب یعنی قرآن کا بیان تھا اب آگے اُس کے فوائد کا بیان ہے، اُن فوائد میں سے ایک فائدہ قرآن کا لوگوں کے لیے شفاء ہونا ہے۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۴﴾:

لفظِ كُلٌّ پر تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے۔ اَیْ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنَ الْفَرِيْقَيْنِ ۔
اِمام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عَلٰى شَاكِلَتِهٖ اَیْ عَلٰى طَرِيْقَتِهٖ ۔ اپنے اپنے طریقے پر۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۵﴾:

ربط: اُوپر کفار کا ذکر تھا اور یہود کا بھی ذکر تھا، آگے کفار کے اِعتراضات کا ذکر ہے۔

"تفسیر خازن، دُرِّ منثور، معالم التنزیل، ابن جریر طبری" میں لکھا ہے کہ: ایک دفعہ ایک موقع پر لوگوں نے تین (۳) سوال کیے۔ بعض کہتے ہیں کہ: یہ سائلین مشرکین تھے اور بعض کہتے ہیں کہ: یہود تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ: یہود نے مشرکین کو بتائے اور مشرکین نے کیے۔ وہ سوال یہ تھے:

① رُوح کیا ہے؟　② اَصحابِ کہف کون ہیں؟　③ ذوالقرنین کون تھا؟

سوال رُوح کی حقیقت نبی کریم ﷺ جانتے ہیں یا نہیں؟

جواب اس میں اختلاف ہے کہ: نبی کریم ﷺ رُوح کی حقیقت جانتے ہیں کہ نہیں؟ اس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① جمہور کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔

② امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ رُوح کی حقیقت جانتے تھے، اللہ تعالیٰ نے بتادی تھی۔

③ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ "حجۃ اللہ البالغۃ" میں فرماتے ہیں کہ: حقیقت تو رب ہی جانتا ہے لیکن فرماتے ہیں کہ: جِسْمٌ لَطِیْفٌ سَارٍ فِی بَدَنِ الْحَیَوَانِ۔ ایک لطیف سا جسم ہوتا ہے جانداروں کے بدن میں سرایت کیے ہوئے ہے اور جب یہ نکل جائے تو حرکات وغیرہ بند ہو جاتی ہیں۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۶﴾:

ربط: اُوپر کتاب کا ذکر تھا اور آگے بھی بیان فرماتے ہیں کہ: اگر ہم اِس قرآن کریم کو آپ (ﷺ) سے لے لیں تو نہ پائیں گے آپ (ﷺ) ہم پر کوئی ذمہ دار۔ اِمْکَانِ کِذْبٍ، اِمْکَانِ نَذِیْرٍ، خُلْفِ وَعِیْد گذر چکا ہے، کرنا اور ہے اور کرسکنا اور ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر ہم چاہیں! تو چھین سکتے ہیں لیکن نہ قرآن چھینا اور نہ چھینے گا۔ البتہ قدرت بتادی کہ: چھیننے پر قدرت رکھتا ہے۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۷﴾:

لفظِ رَحْمَةً فعلِ محذوف کا مفعول لہ ہے۔ اَیْ اِلَّا اَبْقَیْنَا رَحْمَةً۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۹﴾:

ترکیب: مِنْ كُلِّ مَثَلٍ صفت ہے، موصوف محذوف ہے۔ مَثَلًا مِّنْ جِنْسِ كُلِّ مَثَلٍ۔

حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾:

مکہ مکرمہ میں زم زم تھا اور بعض جگہوں پر بھی تھوڑا تھوڑا پانی تھا مگر وافر نہ تھا، اُن کا مقصد یہ تھا کہ: عام پانی ہو اور وافر مقدار میں ہو۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۲﴾:

لفظِ كِسَفًا، كِسْفَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: قِطْعَةٌ یعنی ٹکڑا۔

اَوْ تَرْقٰى فِی السَّمَآءِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۳﴾:

رَقِیَ، یَرْقٰی بابِ سَمِعَ، یَسْمَعُ سے ہے۔ معنی ہے: "چڑھ جانا"۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾:

یہاں سے اُن سب چیزوں کا جواب دیتے ہیں کہ: پاک ہے میرے رب کی ذات، مَیں نہیں ہوں مگر بشر ہو، رسول ہوں یہ خدائی اختیارات میرے پاس نہیں ہیں۔ یہ کام تو خدا کے ہیں انسانوں کے نہیں ہیں۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۴﴾:

ربط: واضح ہے کہ پیغمبر بشر اور آدمی ہوتے ہیں۔

اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ قَالُوْٓا، مَنَعَ کا فاعل ہے۔ اَیْ قَوْلُهُمْ۔

أَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُولًا ۝:

جس وقت سے شرک چلا آرہا ہے اُس وقت سے یہ عقیدہ بھی چلا آرہا ہے کہ: رسول بشر نہیں ہو سکتا۔

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۹۷﴾:

ہم اُن کو جمع کریں گے قیامت کے دن چہروں کے بَل یعنی سر نیچے اور ٹانگیں اُوپر ہوں گی۔ یہ اِس بات کی علامت ہوگی کہ: دُنیا میں ان کی چال اُلٹی تھی، خدائی تعلیم کے برعکس یہ چلتے تھے۔

سوال سر کے بَل کیسے چلیں گے؟

جواب "بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: جو رب پاؤں پر چلا سکتا ہے تو کیا وہ سر کے بل نہیں چلا سکتا؟

كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝:

آپ نے آگ چولہے میں دیکھی ہوگی، کبھی شعلے نیچے کی جانب چلے جاتے ہیں۔ تو جب آگ بجھنے کے قریب ہو تو اُس کو خَبَتْ کہتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۹۹﴾:

یہاں سے اللہ تعالیٰ توحید کے دلائل بیان کر رہے ہیں۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰۰﴾:

یہاں فعل محذوف نکالتے ہیں کیوں کہ حرفِ شرط اِسم پر داخل نہیں ہوتا اور آگے تَمْلِكُوْنَ اُس کی تفسیر ہے۔ اَیْ قُلْ لَوْ تَمْلِكُوْنَ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝:

قَتُوْرًا کا معنی ہے: تھوڑے دل والا، تنگ دل۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰۱﴾:

ربط: اُوپر قرآن پاک کا ذکر تھا، پھر نہ ماننے والوں کا ذکر تھا اور آگے آپ ﷺ کی تسلی کے لیے فرماتے ہیں کہ: نہ ماننے والے تو ویسے بھی تھے، آپ (ﷺ) پریشان نہ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسی باتیں ہوتی رہیں۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝ ﴿۱۰۴﴾:

اکثر مفسرین کرام یہ معنی کرتے ہیں کہ: "جب قیامت آئے گی تو میدانِ محشر میں رب تعالیٰ سب کو اکٹھا کردیں گے"۔

"تفسیر ابن کثیر" میں حضرت قتادہ رحمہ اللہ کی تفسیر یہ ہے کہ: اے بنی اسرائیل! جہاں جہاں تم رہتے ہو رہو! جب قیامت قریب آئے گی ہم یہاں تمہیں اِکٹھے کرلائیں گے۔

"کیمبل پور" میں مولانا عبدالقدیر (متوفی ۴ر دسمبر 1991 جنازہ مَیں نے پڑھایا۔) ہمارے اُستاد تھے۔ ہم اُن سے "مشکوٰۃ شریف" پڑھتے تھے، اُس میں نزولِ مسیح علیہ السلام کا باب آیا اور یہ آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود سے لڑائی کریں گے، تو ہم نے کہا کہ: یہ لوگ یتیم ہیں اُن کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لڑائی مناسب نہیں، یہ بات سمجھ نہ آئی۔ پچاس (۵۰) سال پہلے کی بات ہے، اُس وقت وہاں بیس (۲۰) پچیس (۲۵) ہزار سے زیادہ یہود نہیں تھے۔

جواب میں اُنہوں نے فرمایا کہ: میاں چیونٹیاں جب مَرنے لگتی ہیں تو پَر اُن کو لگتے ہیں تو "روس، کینیڈا، ہالینڈ، امریکہ، جرمنی" میں یہود اب ساٹھ لاکھ (۶۰،۰۰۰۰۰) ہیں، جب ہلاکت کا وقت آئے گا تو وقت معلوم ہو جائے گی۔ اب فلسطین کے مسلمانوں کو گھر سے پھینکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ہمارا وجود تسلیم کرو۔ قیامت کے قریب سمٹ کر آئیں گے، ابھی وہ وقت ہے کہ وہ جمع ہوئے ہیں۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰۶﴾:

قُرْاٰنًا کا نصب فَرَقْنٰهُ کی وجہ سے ہے۔ اَیْ فَرَقْنٰهُ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ یعنی یہ اِضْمَارٌ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ ہے۔

لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ ۔۔۔ الآیۃ:

مُکْث کا معنی ہے: ”تدریجاً“۔

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۹﴾:

یہ کمالِ مبالغہ ہے کیوں کہ سجدہ تو پیشانی اور ناک پر ہوتا ہے، مبالغے میں جھوٹ نہیں ہوتا۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۰﴾:

کفار نے ایک اور شوشہ چھوڑا کہ: ہمیں تو کہتے ہیں کہ ایک ذات کو پکارو! اور خود کبھی رَحْمٰن اور کبھی اللہ کو پکارتے ہیں، یہ کیا بات ہے؟

لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۝:

”بخاری شریف“ میں روایت ہے کہ پہلے پہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرآن پاک زور زور سے تلاوت کیا کرتے تھے اِس لیے تاکہ لوگ ہدایت قبول کریں۔ تو وہ کفار لوگ اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور اُن مؤمنوں کو گالیاں دیتے تھے۔ تو فرمایا کہ: لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ اَيْ بِقِرَاءَتِكَ ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت آہستہ پڑھنے لگے اِتنا آہستہ کہ پیچھے والے بھی نہ سُن سکیں تو فرمایا: وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۝●

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا۝ ﴿۱۱۱﴾:

لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ قضیہ سالبہ ہے اور قضیہ سالبہ وجودِ موضوع نہیں چاہتا۔ تو یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ: اللہ تعالیٰ کو ذلّت تو ہے لیکن اُس کو بچانے والا کوئی نہیں بل کہ نہ ذلّت ہے اور نہ کوئی ذلّت سے بچانے والا ہے۔

●(صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قول اللہ لا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا، ج ۲، ص ۶۸۶، طبع یادگار شیخ، کراچی)

اٰیَاتُهَا (۱۱۰) (۱۸) سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ (۶۹) رُكُوْعَاتُهَا (۱۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربط: پہلی سورۃ اللہ تعالیٰ کی حمد وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ ۔۔۔ الآیۃ ❶ پر ختم ہوئی اور اِس سورۃ کی اِبتداء حمد باری تعالیٰ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ ۔۔۔ الآیۃ سے ہوئی۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْكَهْف ہے۔ کَہف کے معنی ہیں: "غار"۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ قَيِّمًا ۔۔۔ الآیۃ (۱، ۲):

ترکیب غور سے سمجھنا!! یہاں دو (۲) ترکیبیں ہیں:

① وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا یہ سارا جملہ لفظِ اَلْكِتٰب سے حال ہے اور قَيِّمًا بھی لفظِ اَلْكِتٰب سے حال ہے۔ بعض اِس کو حالِ مترادفہ قرار دیتے ہیں اور بعض اِس کو حالِ متداخلہ قرار دیتے ہیں۔ معنی ہیں کہ: درآں حال یہ کہ اِس قرآن کے لیے کوئی کجی نہیں۔

② وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا یہ ذوالحال ہے قَيِّمًا اِس سے حال ہے۔ پھر یہ سارا جملہ مل کر لفظِ اَلْكِتٰب سے حال ہے۔ معنی ہے: "اور نہیں بنائی اِس کے لیے کجی درآں حال یہ کہ وہ قَيِّم ہے"۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ (۶):

ربط: اُوپر کتاب کا ذکر تھا آگے فرماتے ہیں کہ: لوگ نہیں مانتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اَفسوس کرتے کرتے اپنی جان کو ضائع مت کریں۔

بَاخِعٌ اَیْ هَالِكٌ، قَاتِلٌ۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا ۔۔۔ الآیۃ (۷):

یہاں سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کو بیان فرماتے ہیں۔

مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۞ (۸):

جُرُزًا کے معنی ہیں: "چٹیل بیابان جہاں نہ پہاڑ ہوں، نہ درخت ہو، نہ کوئی جھاڑی ہو"۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ ۔۔۔ الآیۃ (۹):

خلاصہ یہ ہے کہ: ایشیائے کوچک میں ایک شہر تھا جو اِس وقت ترکیوں کے پاس ہے۔ اُس شہر کا نام "اُکسُوس" تھا، آج کل کے جغرافیہ میں "طرطوش" نام ہے۔ بادشاہ کا نام دِقیانوس (دال کے کسرے کے ساتھ صاحب کمالین نے اِس کی تصریح کی ہے۔) تھا، بڑا ظالم تھا، اُس کے زمانے میں چند نوجوان آپس میں گہرے دُوست تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین سے متاثر ہو کر ایک پادری کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ اِبتدأ یہ چھ (۶) اَفراد تھے پھر بعد میں چرواہا بھی مل گیا تو سات (۷) ہو گئے اور آٹھواں اُس چرواہے کا کتا تھا۔ اُن کے نام یہ ہیں:

① یملیخا رحمہ اللہ۔ ② مکسلمینا رحمہ اللہ۔ ③ مشلینا رحمہ اللہ۔ ④ مرنُوش رحمہ اللہ۔ ⑤ وبرنوش رحمہ اللہ۔
⑥ شاذنوش رحمہ اللہ۔ ⑦ کفشطیطوش رحمہ اللہ یہ چرواہا تھا۔ ⑧ کتے کا نام قطمیر تھا۔

یہ چند نوجوان تھے کسی جگہ ملازم تھے، بادشاہ بڑا ظالم تھا اُس کو معلوم ہوا کہ: اِن لوگوں نے کلمہ پڑھا ہے۔ تو اِن کو بلوایا اور اُن سے پوچھا کہ: تم کیا کہتے ہو؟ اُنہوں نے اِقرار کیا۔ بادشاہ نے یہ سوچ کر کہ: اِن کو مہلت دی جائے شاید پھر جائیں۔ بادشاہ نے کہا کہ: اِتنے دن تم کو مہلت ہے بعد میں ہم تم کو رجم کریں گے۔ اُنہوں نے آپس میں کہا کہ: یہ لوگ تو ہمیں اپنے دین میں لوٹا دیں گے یا سنگسار کریں گے تو ہماری نجات کا اور چارا نہیں۔ لیکن ایسا

❶ (سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْل ۱۱۱)

ہوسکتا ہے کہ: کسی غار میں جا کر وہاں رہیں۔ صبح کا وقت تھا، وہ نکلے۔ آگے راستے میں ایک چرواہا ملا، اُس کا نام کفشطیطوش تھا، اُس کے ساتھ کتا بھی تھا، بھیڑیں بھی تھیں۔ اُن سے پوچھا کہ: تم کون ہو؟ وہ تو سچے تھے، پورا قصہ سنایا۔ اُس نے کہا کہ: مَیں بھی تمہارے عقیدہ کا ہوں، مَیں بھی ساتھ چلتا ہوں۔ کتا بھی ساتھ چلا اُس کا نام قطمیر تھا اور اُس کا رنگ زرد تھا، اُس نے کتے پر پتھر برسائے تا کہ چلا جائے، کتے کو اللہ تعالیٰ نے قوّتِ گویائی دی اور کہنے لگا کہ: جس رب کے تم پجاری ہوں اُس کا مَیں بھی ہوں۔ وہ گئے اور غار میں جا گھسے۔ "تفسیر حقانی" میں لکھا ہے کہ: ۲۵۰ء میں غار میں گھس گئے اور آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے بیس (۲۰) سال پہلے تک تھے۔ غار کا شمال کی طرف رُخ تھا، نہ پہلے پہر سورج اُن پر پڑتا اور نہ پچھلے پہر پڑتا تھا تین سونو (۳۰۹) سال وہاں رہے۔ جب اُٹھے تو کہنے لگے کہ: کھانے کے لیے کسی کو بھیجیں؟ کھانا لانے کے لیے یملیخا جو پُھرتیلا نوجوان تھا اُس کو بھیجا اور اُس کو کہا کہ: شہر جاؤ لیکن کسی کو بھی ہمارے بارے میں پتہ نہ چلے۔ وہ وہاں گیا، جو رُوٹی وغیرہ کی دکان تھی وہاں سے رُوٹی اور سالن لیا۔ جب پیسے دیئے تو دُکان دار وغیرہ لوگ کہنے لگے کہ: یہ تو دِقیانوس بادشاہ کے زمانے کے سکے ہیں، اَبھی یہ پیسے نہیں چلتے۔ وہ جان گیا کہ: بادشاہ مَر چکا ہے۔ لوگ جمع ہوئے اور اُس کے ساتھ گئے۔ جب غار والے ساتھیوں نے یہ دیکھا تو پریشان ہوگئے کہ: دیکھو! ہمارے سامنے کچھ لوگ آرہے ہیں۔ یملیخا پہلے گیا اور ساتھیوں کو تسلی دی کہ: یہ تمہاری تعظیم کے لیے آئے ہیں۔ پھر آگے رائے مختلف ہیں: بعض کہتے ہیں کہ: وہاں مَر گئے۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ: اُن پر نیند طاری ہوئی ہے اور وہ سوئے ہوئے ہیں، قیامت کے قریب جاگیں گے اور اِمام مہدی علیہ السلام کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کریں گے۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہ۔

وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ۝:

رَقَمَ، یَرْقُمُ باب نَصَرَ، یَنْصُرُ سے ہے۔ معنی ہے: "لکھنا"۔ رَاقِمٌ کے معنی: "لکھنے والا"۔ مَرْقُوْمٌ کے معنی: "لکھی ہوئی چیز"۔ تو اِن کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جیسے آج کل اِشتہاری مجرم ہوتے ہیں، اُن کا حلیہ، فوٹو وغیرہ مختلف تھانوں میں پہنچا دیے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ: اِس اِس نام والے، اِس اِس حلیہ والے مفرور ہیں۔ تو اُس زمانہ میں اِن اَصحابِ کہف کے نام لکھے گئے تھے اِس لیے اِن کو اَصْحَابُ الرَّقِیْم کہتے ہیں۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِی الْکَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا ۝ ﴿۱۱﴾:

اَیْ نَوَّمْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ۔ پشتو میں معنی ہے: "لالوشہ"۔

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝ ﴿۱۲﴾:

سوال حِزْبَیْنِ سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "تفسیر خازن" میں لکھا ہے کہ: اِس سے مُراد یہ ہے کہ: لوگوں کی آپس میں دو (۲) رائے تھیں: ایک گروہ کہتا تھا کہ: اِتنا عرصہ ٹھہرے ہیں اور دوسرا گروہ کہتا تھا کہ: اِتنا عرصہ ٹھہرے ہیں۔

② بعض کہتے ہیں کہ: یہ دو (۲) گروہ اُنہی اَصحابِ کہف میں سے تھے۔ ایک نے کہا: ہم اِتنے دن ٹھہرے۔ دوسرے نے کہا: ہم اِتنے دن ٹھہرے۔ یہی بات قوی ہے۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸﴾:

تُو اُن کو خیال کرے گا کہ بیدار ہیں اور ہیں وہ سوئے ہوئے۔

بعض ایسے ہوتے ہیں کہ: آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے ۔

فتنہ تو سو رہا ہے　　　　در فتنہ باز ہے

شاعر اپنے محبوب کو کہتا ہے کہ: فتنہ تو سویا ہوا ہے لیکن فتنہ کا دروازہ کھلا ہے۔ تو آنکھیں اُن کی کھلی ہوتی ہیں لوگ خیال کرتے ہیں کہ جاگ رہے ہیں حال آں کہ وہ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۔۔۔ الآیۃ:
ہم اُن کو دائیں بائیں پلٹتے ہیں۔ دیکھیں! ہم لوگ بھی نیند میں کبھی دائیں کروٹ بدلتے ہیں اور کبھی بائیں کروٹ بدلتے ہیں۔ اگر اِتنا عرصہ ایک کروٹ پر سوئے رہتے تو دَوران خون میں کمی آتی۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹﴾:
اَیْ کَمَا ضَرَبْنَا عَلٰی اٰذَانِہِمْ جیسے ہم نے اُن کے کانوں پر تھپکی ماری ایسے ہی ہم نے اُن کو اُٹھایا۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۔۔۔ الآیۃ:
جب وہ سوئے تھے تو صبح کا وقت تھا اور جب بیدار ہوئے تو عصر کا وقت تھا، سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ تو کہنے لگے: اگر وہ دن ہے تو دن بھی پورا نہیں سوئے اور اگر وہ دن ہو چکا ہے اور دوسرا دن ہے تو ایک دن پورا ہو چکا ہے۔ دوسرے نے کہا: رب خوب جانتا ہے غیر ضروری بحث میں مت پڑو۔

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ ۔۔۔ الآیۃ:
لفظِ وَرِق بِفَتْحِ الْوَاوِ وَبِکَسْرِ الرَّاءِ۔ معنی ہے: "چاندی کا سکہ"۔

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا ۔۔۔ الآیۃ:
سوال اَیُّہَآ کی "ھَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟
جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:
① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَیُّہَآ کی "ھَا" ضمیر طعام کی طرف راجع ہے۔ اَیْ اَیُّ الْاَطْعِمَۃِ اَزْکٰی؟ اِن کھانوں میں کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے؟
② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اَیُّہَآ کی "ھَا" ضمیر مدینہ کی طرف راجع ہے اور مضاف یہاں محذوف ہے۔ اَیْ اَیُّ الْاَطْعِمَۃِ الْمَدِیْنَۃِ اَزْکٰی۔
سوال اَزْکٰی کے کیا معنی ہیں؟
جواب اِس کے دو (۲) معنی ہو سکتے ہیں:
① اَزْکٰی کا یہ معنی بھی کرتے ہیں: ایسا کھانا لانا جو پاکیزہ ہو یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو یا اُس میں حرمت کا شائبہ نہ ہو۔
② اَزْکٰی کے ایک معنی یہ بھی کرتے ہیں کہ: ایسا کھانا لانا جس میں غذائیت زیادہ ہو۔
بعض کھانے ایسے ہوتے ہیں اُن میں غذائیت زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً: انڈا، گوشت، دُودھ، مکّی کی رُوٹی وغیرہ۔ اِن میں غذائیت زیادہ ہوتی ہے اور بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن میں غذائیت کا مادّہ کم ہوتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:
اَیْ کَمَا بَعَثْنٰہُمْ۔ جیسے: ہم نے اُن کو نیند سے بیدار کیا ایسے ہی ہم نے لوگوں کو اُن پر مطلع کیا۔

لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۔۔۔ الآیۃ:
کہتے ہیں کہ: اُن دنوں میں قیامت کا مسئلہ چل رہا تھا۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ: قیامت آئے گی۔ جب کہ دوسرا گروہ کہتا تھا کہ: قیامت وغیرہ کوئی شے نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو کھڑا کیا تا کہ قیامت کے جو قائل نہیں ہیں وہ سمجھیں کہ: اِتنا عرصہ سوئے ہوئے اگر اُٹھ سکتے ہیں تو مُردوں کو بھی خدا زندہ کر سکتا ہے۔

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:
کسی نے کہا کہ: مینار بنائیں۔ کسی نے کہا کہ: لائبریری بنائیں۔ لیکن موحدین غالب آئے تو مسجد بنائی کیوں کہ یہ غار والے بھی موحدین تھے۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۲﴾:
یہ تیر مارتے ہیں بن دیکھے یعنی یہ دونوں قول نہیں۔ اِس کے بعد کے قول کی رب نے تردید نہیں کی۔

مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۔۔۔الآیۃ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: یہ آٹھ (۸) ہیں، سات (۷) وہ تھے اور ایک کتا تھا۔ شاگردوں نے پوچھا کہ: دلیل کیا ہے؟ فرمایا کہ: دلیل یہ ہے کہ: اِس کی تردید اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی اور اپنے شاگردوں کو فرمایا کہ: اَنَا مِنَ الْقَلِيْلِ۔ مَیں بھی اُن قلیل میں سے ہوں۔

وَلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ۝:

حضرت عثمانی رحمہ اللہ نے "فوائدِ عثمانیہ" میں ایک لطیفہ نقل کیا ہے کہ: ہمارے زمانہ میں صوبہ زیشوان میں مجھے معلوم نہیں یہ صوبہ کہاں ہے؟ شاید چین میں ہو۔ ایک شخص دوسو باون (۲۵۲) سال کی عمر رکھتا ہے، جس نے چوبیسویں (۲۴) شادی اُبھی حال میں کی ہے تو اَصحابِ کہف (۳۰۰) سال غار میں رہے تو کیا اِستبعاد ہے؟!!

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ ﴿۲۳﴾:

اَصحابِ کہف کا قصہ چلا آرہا ہے، تفسیروں میں لکھا ہے کہ: کفار نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تین (۳) سوال کیے تو فرمایا کہ: کل جواب دوں گا اور اِعتماد وحی پر تھا زبان سے اِنْ شَآءَ اللہ نہ کہہ سکے۔ کل کا دن آیا تو وحی نہ آئی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تَاَخَّرَ الْوَحْيُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا پھر اُس کے بعد یہ وحی اُتری کہ: وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ ۔۔۔الآیۃ۔

وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝ ﴿۲۴﴾:

"تفسیر قرطبی، البحر المحیط، کبیر، رُوح المعانی" وغیرہ تفسیروں میں اِس جملے کے دو (۲) معنی مذکور ہیں:

① اَصحابِ کہف کا قصہ رب نے سنایا، تم نے سنا۔ اِس میں میری صداقت کی دلیل ہے۔ اِسی طرح اور بہت سے واقعات رب بتائے گا۔

② اللہ تعالیٰ نے اَصحابِ کہف کو غار میں جگہ دی، اُن کا غار تو دُور تھا، کئی میل دُور تھا۔ کہتے ہیں: بارہ (۱۲) قوس دُور تھا۔ (ایک قوس تین "۳" میل ہوتا ہے تو بارہ "۱۲" قوس چھتیس "۳۶" میل ہوگئے۔) وہ اَصحابِ کہف تو چھتیس (۳۶) میل دُور تھے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جبلِ ثور کی چوٹی پر غارِ ثور میں تین (۳) دن چھپے رہے۔ یہ ڈھائی میل کا فاصلہ تھا۔ اِس سے بھی قریب تر رب تعالیٰ میری رہنمائی فرمائے گا جیسے کہ اَصحابِ کہف کی غار کی طرف رہنمائی فرمائی۔

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ ﴿۲۵﴾:

اِمام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: قمری سالوں کے حساب سے تین سو نو (۳۰۹) سال اور شمسی سالوں کے حساب سے تین سو (۳۰۰) سال رہے۔

وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۷﴾:

ربط: اِبتدائے سورۃ میں آپ نے کتاب کے متعلق پڑھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ۔۔۔الآیۃ ❶ اب اُس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں کہ: اَصحابِ کہف کا قصہ ہم نے تم کو سنا دیا اب وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۔۔۔الآیۃ رب کی طرف سے جو وحی کی گئی ہے اُس کو پڑھ کر سناؤ۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۔۔۔الآیۃ:

کوئی رب کے فیصلے کو نہیں بدل سکتا۔ وہ رب کا فیصلہ کیا ہے؟ تو دوسری جگہ اِرشاد ہے: وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ❷ اللہ اپنے نور کو مکمل کرے گا یعنی اِسلام غالب آئے گا۔

وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝:

مُلْتَحَدًا کے معنی ہیں: "جائے پناہ"۔

وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۸﴾:

آپ نے ساتویں پارے میں: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۔۔۔الآیۃ ❸ کی تفسیر میں پڑھا ہے کہ:

❶ (سُوْرَةُ الْکَهْف، ۱) ❷ (سُوْرَةُ الصَّفّ، ۸) ❸ (سُوْرَةُ الْاَنْعَام، ۵۲)

مشرکین کا ایک وفد آیا۔ آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ: ہم بھی آپ ﷺ کی باتیں سنیں گے لیکن ان غریبوں کو مجلس سے اُٹھا دیں کیوں کہ ہم سردار ہیں۔ آپ ﷺ اس پر کچھ میلان رکھتے تھے کہ: عارضی طور پر ان کو اُٹھا دوں گا میرے ساتھی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ۔۔۔الآیۃ ❶ رُوکے رکھا اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ جو صبح بھی رب کو پکارتے ہیں شام کو بھی رب کو پکارتے ہیں، رب کی رضا چاہتے ہیں۔ تیری آنکھیں اُن سے نہ ہٹیں اُن ہی کو دیکھتا رہ یعنی ہمیشہ اِن غریبوں کو دیکھتے رہو۔

اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا۔۔۔الآیۃ ﴿۲۹﴾:

لفظِ سُرَادِق جمع کا صیغہ نہیں ہے۔ "صراح" وغیرہ میں ہے کہ: سُرَادِق کے معنی ہیں: "قناط، پردہ"۔ اِس کی جمع سُرَادِقَات آتی ہے۔

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ مُهْل کے صاحبِ کشاف اور بیضاوی رحمہما اللہ دو (۲) معانی کرتے ہیں:

① كَدُرْدِيِّ الزَّيْتِ۔ باقی ماندہ تیل کا زنگ یعنی تل چھٹ۔

② پگھلا ہوا تانبا، پگھلا ہوا سکہ۔ یہ بہت گرم ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تشبیہ حرارت میں ہے۔

وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا○:

سوال سَآءَتْ کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب سَآءَتْ کی ضمیر نار کی طرف راجع ہے۔

يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۱﴾:

اَسَاوِر، اَسْوِرَةٌ کی جمع ہے اور اَسْوِرَةٌ، سِوَارٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "کنگن"۔

ضمن میں ایک مسئلہ سمجھ لیں: "اِمداد الفتاویٰ" میں لکھا ہے کہ: لوہے والی گھڑی کی چین ہو اُس کے ساتھ نماز پڑھنا تو مکروہ تنزیہی اور چمڑے وغیرہ کی ہو تو کوئی حرج نہیں۔

وَيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ۔۔۔الآیۃ:

خُضْرًا، خَضْرَآءُ کی جمع ہے خِضْرٌ کی جمع نہ سمجھنا۔

صاحبِ جمل فرماتے ہیں کہ: سُنْدُس، سُنْدُسَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "باریک ریشم"۔

اِسْتَبْرَق، اِسْتَبْرَقَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "گاڑھا یعنی موٹا ریشم"۔

اَرَآئِك، اَرِيْكَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "نرم آرام دہ کرسی"۔

وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا○:

سوال حَسُنَتْ کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب حَسُنَتْ کی ضمیر جنّت کی طرف راجع ہے۔

لفظِ مُرْتَفَقًا ظرف کا صیغہ ہے معنی ہے: "آرام کی جگہ"۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۲﴾:

ربط: ابھی اُوپر آپ نے پڑھا کہ: تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔۔۔الآیۃ ❷ آگے اِس پر گھمنڈ کرنے والے کا واقعہ ہے۔

سوال یہ واقعہ فرضی ہے یا واقعی میں ایسا واقعہ پیش آیا ہے؟

جواب اِس کے بارے میں دو (۲) اقوال ہیں:

❶ ❷ (سُوْرَۃُ الْکَھْف ۲۸)

① بعض کہتے ہیں کہ: یہ باغ لَاعَلَی التَّعۡیِیۡن ہے۔ یہ فرضی واقعہ ہے۔

② "تفسیر دُرِّ منثور" میں ابو عمرو شیبانی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ: یہ شام کا واقعہ ہے، رملہ شہر تھا، ایک باغ تھا، نہر اُس کے درمیان بہتی تھی، دو (۲) آدمی تھے، ایک مؤمن اور دوسرا کافر تھا۔

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۴﴾:

حَاوَرَ، يُحَاوِرُ، مُحَاوَرَةً باب مُفَاعَلَة سے ہے۔ معنی ہے: "گفتگو کرنا"۔

قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنۡ تَبِيۡدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ ﴿۳۵﴾:

بَادَ، يَبِيۡدُ باب ضَرَبَ، يَضۡرِبُ سے ہے۔ معنی ہے: "ہلاک ہونا"۔ اُس کا خیال تھا کہ: باغ تو پانی نہ ہونے سے تباہ ہوتا ہے یا خادم نہ ہو تو تباہ ہوتا ہے حال آں کہ وہاں تو پانی کثرت سے تھا اور خادم بھی خاصی تعداد میں تھے اور کوئی چھین لینے والا بھی نہ تھا۔

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيۡ وَلَآ اُشۡرِكُ بِرَبِّيۡٓ اَحَدًا ۝ ﴿۳۸﴾:

"تفسیر جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: یہاں پر لفظِ لٰكِنَّا اَصل میں لٰكِنۡ اَنَا تھا، هَمۡزَه درمیان سے حذف کیا گیا اور نُوۡن کو نُوۡن میں اِدغام کردیا۔ اَصل تقدیری عبارت یہ ہے کہ: لٰكِنۡ اَنَا اَقُوۡلُ۔

وَلَوۡلَآ اِذۡ دَخَلۡتَ جَنَّتَكَ قُلۡتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۹﴾:

"عمل الیوم واللیل" ابن سنی رحمہ اللہ کی کتاب کا نام ہے، امام نَسائی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اَدعیہ ثابت ہیں وہ جمع کی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ: مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھا جائے تو نظر نہیں لگے گی۔❶

(تین (۳) دن نفل روزے رکھیں اور اِجازت ہے لیکن شرائط ہوں گی کہ اُجرت زبان اور اِشارہ سے نہ مانگیں مگر از خود کوئی دے تو رد نہ کریں)۔

وَيُرۡسِلَ عَلَيۡهَا حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۰﴾:

صاحبِ کشاف فرماتے ہیں: حُسۡبَانًا، حِسۡبَانَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "بجلی"۔ قاموس والے فرماتے ہیں: حُسۡبَانًا کا معنی ہے: "عذاب"۔

فَاَصۡبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيۡهِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۲﴾:

بعض حضرات یہ معنی کرتے ہیں کہ: "کفِ اَفسوس ملنے لگا"۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ "بیان القرآن" کے منیہ میں لکھتے ہیں کہ: اکثر مفسرین یہ معنی کرتے ہیں: ظَاهِرِ كَفِّهٖ عَلٰى بَاطِنِهٖ وَبَاطِنِهٖ عَلٰى ظَاهِرِهٖ۔

هُنَالِكَ الۡوَلَايَةُ لِلّٰهِ الۡحَقِّ ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۴﴾:

لفظِ وَلَايَة واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہو تو "اِختیار" کے معنی میں ہے اور اگر واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہو تو "دوستی" کے معنی میں ہے۔

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۵﴾:

ربط: اُوپر آپ نے واقعہ سنا ہے کہ: اُس شخص نے دُنیاوی زندگی پر گھمنڈ کیا تو سزا ملی، آگے بیان فرماتے ہیں کہ: اُن کو دُنیاوی زندگی کی مثال بھی بیان کریں کہ اِس کی مثال بارش کی سی ہے کہ آسمان سے اُترتی ہے، زمین اُس کے پانی کو جذب کرتی ہے، پھر اُس سے سبزہ اُگتا ہے، پھر خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح اِنسان کی زندگی ہے، پہلے چھوٹا ہوتا ہے، پھر جوان ہو کر بوڑھا ہو جاتا ہے اور آخر میں موت مہمان بن کر آتی ہے۔

وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ اَمَلًا ۝ ﴿۴۶﴾:

سوال بٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں بہت سے اَقوال ہیں:

① بعض کہتے ہیں کہ: اِس سے تسبیحات مُراد ہیں۔ ② بعض کہتے ہیں کہ: نیک اَولاد مُراد ہے۔

---

❶ (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رحمہ اللہ، باب ما یقول اذا رأی من نفسہ ومالہ ما یعجبہ، ج:۱، ص:۱۷۱، طبع مؤسسۃ علوم القرآن، بیروت)

③ بعض کہتے ہیں کہ: اچھاشاگردمُراد ہے۔ ④ بعض کہتے ہیں کہ: مسجدیں، مدرسے، کتب وغیرہ مُراد ہیں۔
سب تفسیریں حق ہیں کسی کا کسی سے کوئی تعارض نہیں۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۷﴾:

ربط: اُوپر قیامت کا ذکر تھا، اِس طور پر کہ اُس کافر نے کہا: مَیں نہیں خیال کرتا کہ قیامت قائم ہوگی۔ تو جب قیامت کا ذکر ہوتا تو کافر کہتے کہ: اُس دن یہ بڑے بڑے پہاڑ کہاں ہوں گے؟ تو فرمایا کہ: وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ ۔۔۔ الآیۃ۔ اِن پہاڑوں کو ہم چلائیں گے۔

وَعُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۸﴾:

لفظ صَفًّا مصدر بمعنی مفعول ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۹﴾:

لفظ اَلْکِتٰبُ پر اَلِف لَام جنس کے لیے ہے۔ ہر ایک کی کتاب، نامۂ اَعمال سامنے رکھے جائیں گے۔

فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

اَشْفَقَ، يُشْفِقُ، إِشْفَاقًا باب إِفْعَال سے ہے۔ معنی ہے: "ڈرنا"۔ تو مُشْفِقِيْنَ اَيْ خَآئِفِيْنَ۔ جو خوف زدہ ہوں گے۔

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً ۔۔۔ الآیۃ:

مَا استفہامیہ ہے، مَا الگ اور لَام الگ ہے۔

سوال لفظ صَغِيْرَةً کس کی صفت ہے؟

جواب اِس کا موصوف محذوف ہے۔ لیکن وہ کیا ہے اِس میں مختلف اَقوال ہیں:

① بعض حضرات کہتے ہیں کہ: سَيِّئَةً صَغِيْرَةً۔
② بعض حضرات کہتے ہیں کہ: خَصْلَةً صَغِيْرَةً۔
③ بعض حضرات کہتے ہیں کہ: فِعْلَةً صَغِيْرَةً۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۰﴾:

ربط: اُوپر کافروں اور مؤمنوں کا ذکر تھا، آگے بیان فرماتے ہیں کہ: دیکھو! ملائکہ مطیع مخلوق ہیں، اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا اور شیطان جو جن تھا اُس نے حکم نہ مانا تو تم اُس کو اپنا ساتھی بناتے ہو اور رب تعالیٰ کا حکم چھوڑتے ہو تم کو شرم نہیں آتی؟!!

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾:

وَبَقَ، يَبِقُ باب ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہے۔ معنی ہے: مَهْلِكٌ "ہلاکت کی جگہ"۔ لفظی معنی ہے: "خندق"۔

فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۳﴾:

لفظ مُوَاقِعُوْهَا یہ باب مُفَاعَلَة سے ہے اور یہ وَاقِعُوْهَا کے معنی میں ہے یعنی مزید بمعنی مجرد ہے۔ معنی ہے: "اُس میں گریں گے"۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۴﴾:

ربط: اُوپر قرآن کا ذکر تھا کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اِن پر اللہ کی کتاب کو پڑھیں۔ اُسی قرآن کے بارے میں ہے کہ: ہم نے اِس میں مختلف مثالیں بیان کیں ہیں۔

اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۵﴾:

اَنْ تَاْتِيَهُمْ، وَمَا مَنَعَ کا فاعل ہے۔

اَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ○:

لفظِ قُبُلًا، قَبِيْلٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "انواع واقسام"۔

لَنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ○ ﴿۵۸﴾:

اَل، یَؤُلُ باب نَصَرَ، یَنْصُرُ سے ہے۔ معنی ہے: "پھرنے کی جگہ"۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۰﴾:

ربط: "تفسیر کبیر، ابوسعود، بیان القرآن، فوائد عثمانیہ، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ کافروں نے کہا کہ: ان غریبوں، فقیروں کو اُٹھا دیں تو پھر ہم آئیں گے یعنی وہ اپنے سے کم درجہ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر علم حاصل کرنا اپنی رسوائی سمجھتے تھے تو آگے واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ: ایک اعلیٰ درجہ والے نے ایک کم درجہ والے سے علم حاصل کیا ہے اور تم کم درجہ والوں کے ساتھ بیٹھ کر علم حاصل کرنا اپنی رُسوائی سمجھتے ہو؟!!

واقعہ: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو نہایت مؤثر اور بیش بہا نصیحتیں فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے پوچھا: اے موسیٰ (علیہ السلام)! کیا روئے زمین پر آپ (علیہ السلام) اپنے سے بڑا عالم کسی کو پاتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! یہ جواب واقع میں صحیح تھا کیوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُولُو الْعَزْمِ پیغمبروں میں سے ہیں، ظاہر ہے کہ: اُن کے زمانہ میں اسرارِ شریعہ کا علم اُن سے زیادہ کس کو ہو سکتا تھا؟ لیکن حق تعالیٰ کو اُن کے الفاظ پسند نہ آئے۔ گو مُراد صحیح تھی تاہم عنوان جواب کے عموم سے ظاہر ہوتا تھا کہ رُوئے زمین پر مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہِ اپنے کو اَعْلَمُ النَّاس خیال کرتے ہیں۔ خدا کی مَرضی یہ تھی کہ: جواب کو اُس کے (یعنی اللہ تعالیٰ کے) علم محیط پر محول کرتے۔ مثلاً: یہ کہتے کہ اللہ کے مقرب ومقبول بندے، بہت سے ہیں سب کی خبر اُسی کو ہے۔ تب وحی آئی کہ: جس جگہ دو دریا ملتے ہیں اُس کے پاس ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ: مجھے اُس کا پورا پتہ ونشان بتایا جائے تاکہ میں وہاں جا کر کچھ علمی استفادہ کروں۔ حکم ہوا کہ: اُس کی تلاش میں نکلو تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو، جہاں مچھلی گم ہو وہیں سمجھنا کہ وہ بندہ موجود ہے۔ گویا مَجْمَعُ الْبَحْرَيْنِ سے جو ایک وسیع قلعہ مُراد ہو سکتا تھا اُس کی پوری تعیین کے لیے یہ علامت مقرر فرما دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُسی ہدایت کے موافق اپنے خادم خاص حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو ہمراہ لے کر سفر شروع کیا اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو کہہ دیا کہ: مچھلی کا خیال رکھنا، مَیں برابر سفر کرتا رہوں گا یہاں تک کہ منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤں۔ اگر فرض کرو کئی برس اور قرن بھی بدون مقصد حاصل کیے گزر جائیں تو بھی سفر سے نہ ہٹوں گا۔ وہاں پہنچ کر ایک بڑے پتھر کے قریب جس کے نیچے آبِ حیات کا چشمہ جاری تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سو گئے۔ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے دیکھا کہ: بھُنی ہوئی مچھلی بِاِذْنِ اللہ زندہ ہو کر زنبیل سے نکل پڑی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سُرنگ سی بناتی چلی گئی، وہاں پانی میں خدا کی قدرت سے ایک طاق سا کھلا رہ گیا، حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا! انہوں نے چاہا کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوں تو اُن سے کہوں۔ وہ بیدار ہوئے تو دونوں آگے چل پڑے۔ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نہ معلوم کن خیالات میں پڑ کر کہنا بھول گئے؟ ❶

روایات میں ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اُن کو مچھلی کی خبر گیری کے لیے کہا تھا تو اُن کی زبان سے نکلا کہ: یہ کوئی بڑا کام نہیں۔ لہٰذا متنبہ کیا گیا کہ: چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی آدمی کو محض اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔

حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ ۔۔۔الآیۃ:

سوال دو (۲) دریاؤں سے کون سے دریا مُراد ہیں؟

جواب بعض نے کہا کہ: بحرِ فارس اور بحرِ رُوم مُراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ: افریقہ کے دو (۲) دریا مُراد ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مَجْمَعُ الْبَحْرَيْنِ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرات خلیج فارس میں گرتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں نہیں ملتے شاید ملاپ سے مُراد قرب ہوگا یعنی جہاں دونوں کا فاصلہ کم سے کم رہ جائے۔ وَاللہُ اَعْلَمُ۔

اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ○:

لفظِ حُقُبًا، اَحْقَابٌ اِس کی جمع ہے۔ معنی ہے: دَهْرًا طَوِيْلًا۔

❶ (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب ما یستحب للعالم اذا سئل ای الناس اعلم؟ فیکل العلم الی اللہ، ج ۱، ص ۲۳ طبع یادگار شیخ، کراچی)

وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ۔۔۔الآیۃ:

یہاں ایک بحث یہ چلتی ہے کہ: کیا پیغمبر پر بھی شیطان کا کچھ اثر ہوتا ہے؟
"تفسیر روح المعانی، بیان القرآن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: شیطان کا اثر دینی سلسلوں میں قطعاً پیغمبر پر نہیں ہوتا، ہاں! دُنیاوی اُمور میں ہوتا ہے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ۔۔۔الآیۃ:

"اِرشاد الساری، فتح الباری، عمدۃ القاری، تیسیر الباری اور شرح نووی" میں ہے کہ: بلیا ابن ملکان اُن کا نام تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ اب اِس میں اِختلاف ہے کہ: پیغمبر ہیں یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں کہ: پیغمبر ہیں۔ اور اِس میں بھی اِختلاف ہے کہ: زندہ ہیں یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں کہ: زندہ ہیں اور لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ "حیاتِ خضر" اِس پر کتاب لکھی گئی ہے۔ خیالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: چار (۴) انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں، دو (۲) آسمانوں میں ہیں اور دو (۲) روئے زمین پر۔ زمین والے حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام ہیں اور آسمان والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور باقی کی حیات دلائل ظنیہ سے ثابت ہے۔

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ٥:

"بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھ کر پانی پیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ: میرا اور آپ کا بل کہ کل مخلوقات کا سارا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں اتنا ہے جتنا دریا کے پانی میں سے وہ قطرہ جو چڑیا کے منہ کو لگ گیا۔ ❶
یہ بھی محض تفہیم کے لیے تھا ورنہ متناہی کو غیر متناہی کے ساتھ قطرہ اور دریا کی نسبت بھی نہیں۔

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ۔۔۔الآیۃ:

یہاں دو (۲) تفسیریں ہیں:
① ایک تفسیر یہ ہے کہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے ساتھ ملے تو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام واپس ہوئے یعنی وہ چلے گئے اور آگے اِن دونوں کا سفر تھا، اِس لیے فَانْطَلَقَا وغیرہ تثنیہ کے صیغے ہیں۔
② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: وہ بھی ساتھ تھے لیکن وہ تابع تھے اِس لیے اُن کا ذکر نہ کیا۔
"تفسیر رُوح البیان" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اُندلس کا جزیرہ تھا، قرطبہ شہر تھا، اُس قرطبہ شہر میں ایک بادشاہ رہتا تھا۔ "بخاری شریف" میں اُس بادشاہ کا نام "ھُدَد ابن بُدَد" لکھا ہے اور "روح البیان" میں اِس کا نام "جلندی ابن کَرکَر" لکھا ہے۔ وہ صحیح سالم کشتی لے لیتا تھا اِس لیے حضرت خضر علیہ السلام نے اُس کشتی کو پھاڑا تھا۔ یہ بھی آپ کو روایتوں میں ملے گا: بِفَاسٍ یعنی کلہاڑی سے پھاڑا۔ اور آپ کو یہ بھی ملے گا بِقَدُوْمٍ یعنی تیشے سے پھاڑا۔ لیکن خدا کی قدرت پانی اَندر نہ آیا، یہ اُن کا معجزہ تھا۔

وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ٥:

اَرْهَقَ، یُرْهِقُ، اِرْهَاقًا باب اِفْعَال سے ہے۔ معنی ہے: "گھیرنا"۔ مطلب یہ ہے کہ: نہ گھیریئے مجھے میرے معاملے میں سختی کے اَندر، نہ ڈالیے مجھ پر سختی۔
"بخاری شریف" کی روایت ہے کہ: اُنہوں نے کشتی میں سواری کی بِغَیْرِ نَوْلٍ بغیر کرائے کے۔ ❷

حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ۔۔۔الآیۃ:

ایک گاؤں کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے، اُن میں سے ایک کو جو زیادہ خوبصورت اور سیانا تھا۔ پکڑ کر مار ڈالا اور چل پڑے۔ "بخاری شریف" کی روایت میں اُس لڑکے کا نام جَیْسُوْر بروزنِ مَیْسُوْر آیا ہے۔ "روح البیان" میں اُس لڑکے کے باپ کا نام کَاذِبَر اور ماں کا نام سَھْوٰی بروزنِ دَعْوٰی بتایا ہے۔ "بخاری شریف" میں ہے کہ کھوپڑی اُتاری لیکن نہ مرا، پاؤں سے پکڑ کر دیوار پر مارا لیکن نہ مرا پھر چھری نکال کر ذبح کیا۔

---

❶❷ (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب ما یستحب للعالم اذا سئل ای الناس اعلم؟ فیکل العلم الی اللہ، ج ۱، ص ۲۳، طبع یادگار شیخ، کراچی)

سوال وہ لڑکا بالغ تھا یا نہیں؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① بعض کا قول ہے کہ: بالغ تھا اور لفظِ غلام عدمِ بلوغ پر دلالت نہیں کرتا۔ اِمام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اور اِمام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ: وہ بالغ تھا۔

② جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ: نابالغ تھا۔

سوال اگر نابالغ لڑکا تھا تو کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ۔ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے تو اُس کو کیوں قتل کیا؟

جواب طُبِعَ کَافِرًا۔ یہ پیدائشی کافر تھا اِس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔

لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّکْرًا ○:

نُکْرًا کا معنی ہے: ”بڑی نامناسب حرکت“۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ۣاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۷﴾:

مصر کی انطاکیہ بستی تھی، اُس بستی میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے ملے اور چاہا کہ: بستی والے مہمان سمجھ کر کھانا کھلائیں مگر یہ سعادت اُن کی قسمت میں نہ تھی، اُنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام جیسے مقربین کی مہمانی سے اِنکار کیا۔ اُن کا خیال تھا کہ: یہ تو اَندھے اور لنگڑے اور معذور نہیں۔ یہ معاملہ دیکھ کر چاہیے تو یہ تھا کہ: ایسے تنگ دل اور بے مُروّت لوگوں پر غصہ آتا مگر حضرت خضر علیہ السلام نے غصہ کے بجائے اُن پر اِحسان کیا۔ بستی میں ایک بڑی بھاری دیوار جُھکی ہوئی تھی قریب تھا کہ زمین پر گرے، لوگ اُس کے نیچے گزرتے ہوئے خوف کھاتے تھے، حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ لگا کر سیدھی کردی اور منہدم ہونے سے اُس کو بچایا۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِكَ ۚ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۸﴾:

”بخاری شریف“ میں روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: یَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰی لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتّٰی یُقَصَّ عَلَیْنَا مِنْ اَمْرِهِمَا۔[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اگر وہ صبر کرتے تو ہمیں اور بھی نرالی نرالی باتیں معلوم ہوجاتیں۔

اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۹﴾:

یہ لوگ دس(۱۰) کے قریب تھے، اُن کا گذارہ کشتی کی آمدنی پر ہوتا تھا۔

کَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا ○:

جیسا کہ اَبھی مَیں نے عرض کیا کہ: ”بخاری شریف“ میں بادشاہ کا نام ”ھُدَد ابن بُدَد“ لکھا ہے اور ”روح البیان“ میں بادشاہ کا نام ”جلندی ابن کرکر“ لکھا ہے وہ ہر صحیح سالم کشتی کو چھین لیتا تھا۔

وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۰﴾:

حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ: اِلہام تو ظنّی ہے اور قتل کرنا قطعی ہے، قتل دلیل قطعی کو چاہتا ہے اور دلیل قطعی وحی ہے اِس لیے ضرور وحی کی گئی ہوگی۔

فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۱﴾:

تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ: اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک لڑکی عطا کی اُس لڑکی کی نسل سے آگے ستر(۷۰) نبی پیدا ہوئے۔

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۲﴾:

ایک کا نام اَصرم اور دوسرے کا نام صریم تھا۔ باپ کا نام کاشح تھا اور ماں کا نام دُنیا۔

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب ما یستحب للعالم اذا سئل ای الناس اعلم؟ فیکل العلم الی اللہ، ج ۱، ص ۲۳، طبع یادگار شیخ، کراچی)

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا ۔۔۔ الآية:

"روضۃ الریان فی اسورۃ القرآن" میں دو (۲) باتیں لکھی ہیں:

① **پہلی بات:** سوال عبارت میں تفنن کیوں ہے؟ پہلے فرمایا: فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا پھر فرمایا: فَاَرَدْنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا پھر فرمایا: فَاَرَادَ رَبُّكَ تو یہ تفنن کیوں ہے؟

جواب جو چیز ظاہری طور پر بری تھی اور عالم الاسباب میں وہ کر بھی سکتے تھے تو اپنی طرف نسبت کی اور کہا: فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا ۔ اور قتل میں انسان متفرد نہیں ہے رب جان نکالے گا تو جان نکلے گی اس لیے وہاں کہا: فَاَرَدْنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا ۔ اور جو چیز خیر محض تھی اُس کی اسناد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور کہا: فَاَرَادَ رَبُّكَ ۔

② **دوسری بات:** "روضۃ الریان فی اسورۃ القرآن" میں لکھا ہے کہ: مذکورہ تینوں واقعات جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام پر اعتراض کیا تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خود پیش آئے تھے:

① حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں ڈال کر سمندر میں ڈالا تھا اور پانی اندر نہیں آیا۔

② حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قاب نامی آدمی کو گھونسا مارا تھا اور وہ مر گیا تھا۔

③ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کے جانوروں کو بغیر معاوضہ کے پانی پلایا تھا۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے کام پر تعجب کر رہے تھے اور اپنے کام پر اُن کو تعجب نہیں ہوا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ۔۔۔ الآية ﴿۸۳﴾:

ربط: آپ پہلے سُن چکے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہود نے یا اُن کی سازش سے مشرکین نے ایک موقع پر تین (۳) سوالات کیے کہ: اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے پیغمبر ہیں تو رُوح کی حقیقت بتائیں؟ اور دوسرا سوال یہ تھا کہ: اَصحاب کہف کون تھے؟ یہ دونوں سوالات گذر گئے اور تیسرا سوال ذوالقرنین کے بارے میں تھا اِس لیے اب یہاں سے ذوالقرنین کا ذکر کرتے ہیں۔

"تفسیر روح المعانی، کبیر، البحر المحیط، رُوح البیان، خازن" وغیرہ تفسیروں میں خاصی بحث ہے، خلاصہ محقق طور پر یہ ہے کہ: ذوالقرنین کا نام "اسکندر ابن فیل یوس" تھا، یونان کے ایک شہر مقدونیہ کے رہنے والے تھے، مقبولِ خدا پرست اور دین دار بادشاہ تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاصر تھے، حضرت خضر علیہ السلام ان کے وزیر اعظم بھی رہے اِسی واسطے حضرت خضر علیہ السلام کے واقعے کے بعد ذوالقرنین کا واقعہ ذکر کیا گیا۔

سوال ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں؟

جواب اِس میں اِختلاف ہے، اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ: نبی نہیں تھے۔ بہر حال اِن کا مؤمن ہونا یقینی ہے۔

سوال ذوالقرنین کو ذوالقرنین کیوں کہتے ہیں؟

جواب اِس کے بارے میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① قَرْن کنارہ کو کہتے ہیں اور ذوالقرنین کو ذوالقرنین اِس لیے کہتے ہیں کیوں کہ وہ دُنیا کے دونوں کناروں یعنی مشرق و مغرب پر گئے تھے۔

② یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اُن کے پاس علم بھی تھا اور عمل بھی تھا، اِس لیے ذوالقرنین کہتے ہیں۔

③ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اِن کے تاج کے دو (۲) کونے تھے۔

وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۙ﴿۸۴﴾:

لفظِ سَبَبًا کے آپ کو دو (۲) معنیٰ ملیں گے:

① صاحبِ جلالین رحمہ اللہ لفظِ سَبَبًا کا معنیٰ کرتے ہیں: "طَرِيْق یعنی راستہ"۔

② بعض حضرات یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ: "سامان"۔

فَأَتْبَعَ سَبَبًا ۝ (۸۵):

یعنی اُس کے لیے اور سامان تلاش کر لیا اور اگر راستہ معنی لیا جائے تو معنی یہ ہے کہ: اُس سامان کے لیے ایک راستے پر چل پڑے۔

فائدہ: چار (۴) بادشاہ ایسے گزرے ہیں جن کی حکومت ساری دُنیا پر تھی، اُن میں سے دو (۲) مسلمان تھے اور دو (۲) کافر تھے:

دو (۲) مسلمان یہ تھے: ① حضرت سلیمان علیہ السلام۔ ② ذوالقرنین۔

دو (۲) کافر یہ تھے: ① بخت نصر ایرانی۔ ② نمرود بن کنعان۔

حَتّٰٓى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ۔۔۔ الآیۃ (۸۶):

پانی گہرا تھا اور جب پانی گہرا ہوتا ہے تو رنگ کالا معلوم ہوتا ہے اور اصل میں سورج سمندر میں ڈوبتا نہیں بل کہ دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے۔

وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا۔۔۔ الآیۃ:

سوال عِنْدَهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب عِنْدَهَا کی "هَا" ضمیر عَيْنٍ حَمِئَةٍ کی طرف راجع ہے۔ أي عِنْدَ عَيْنٍ حَمِئَةٍ۔

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّآ أَنْ تُعَذِّبَ۔۔۔ الآیۃ:

جن حضرات نے پیغمبر مان لیا ہے تو قُلْنَا سے استدلال کرتے ہیں کہ: اُن کی طرف وحی کی گئی ہے اور جو پیغمبر نہیں مانتے تو کہتے ہیں کہ: یہ اِلہام ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ: وقت کے پیغمبر نے وحی کے ذریعے اُن کو بتلایا ہو۔

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِالْحُسْنٰى۔۔۔ الآیۃ (۸۸):

"تفسیر جمل، کمالین، بیضاوی، روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: اس آیت کی ترکیب یوں ہے: اَلْحُسْنٰى مبتداء مؤخر، لَهٗ خبر مقدم اور مبتداء اور خبر میں جو اِبہام ہے جَزَآء اُس ابہام کو دُور کرنے کے لیے تمیز ہے۔ اب معنی یہ ہے کہ: اَلْحُسْنٰى لَهٗ۔ بھلائی اُس کے لیے ہوگی۔ اب بھلائی اُس کے لیے کیا ہوگی؟ اِس میں اِبہام تھا تو لفظ جَزَاء ذکر کر کے اُس اِبہام کو دُور کر دیا کہ: وہ بھلائی از روئے جزاء ہوگی۔

حَتّٰٓى إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝ (۹۰):

وہاں ایسی قوم تھی کہ: اُنہوں نے مکان نہیں بنائے تھے، کھلے آسمان تلے رہتے تھے، بارش ہوتی تھی یا سردی یا گرمی تو غاروں میں گھس جاتے تھے۔

كَذٰلِكَ ۖ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝ (۹۱):

كَذٰلِكَ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ أي اَلْأَمْرُ كَذٰلِكَ۔

ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ۝ (۹۲):

اب تیسرا سفر شروع کیا لیکن اُس کی جہت متعین نہیں کی۔ اکثر حضرات فرماتے ہیں: یہ شمال کا سفر تھا۔

حَتّٰٓى إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ۔۔۔ الآیۃ (۹۳):

سَدّ کے معنی ہوتے ہیں: "بندش، رکاوٹ"۔ دو (۲) پہاڑ تھے، دونوں کے درمیان کھلا درّہ تھا۔ پہاڑ اتنے اُونچے تھے کہ اُن کے اُوپر سے آنا مشکل تھا۔ اُس طرف رہنے والے لوگوں نے کہا: ہمارے پہاڑ کے دوسری طرف جو لوگ رہتے ہیں وہ ہمیں لوٹتے ہیں آپ اس درّہ کو بند کر دیں تا کہ اُن کے دسترس سے ہم محفوظ ہو جائیں۔

وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝:

وہ قریب نہ تھے کہ اُس کی بات سمجھیں مگر ترجمان کے ذریعہ اُنہوں نے اپنا شکوہ پیش کیا۔

قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ:

"فتح الباری، عمدۃ القاری، اِرشاد الساری، فیض الباری، البدایہ والنہایہ کی آخری جلد" میں بھی یاجوج ماجوج کے بارے میں بڑی تفصیل ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ: اِن کے بارے میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① بعض کہتے ہیں کہ: اِن کا باپ کی طرف سے تو نسب حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے لیکن ماں کی طرف سے حضرت حوا علیہا السلام تک نہیں پہنچتا۔

② بعض کہتے ہیں کہ: جنوں اور اِنسانوں کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے۔

③ جمہور کہتے ہیں کہ: یہ اِنسان ہی ہیں، چین، روس، منگولیا کے لوگ یہ یاجوج ماجوج ہیں۔

اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَھُمْ سَدًّا۝:

یعنی یہ درمیان کا دَرّہ ہے، اِس پردہ آتے ہیں اور فساد کرتے ہیں اور باقی تو بلند پہاڑ ہیں وہاں سے نہیں آسکتے۔

قَالَ مَا مَکَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ ۔۔۔الآیۃ:

یعنی مَیں تمہارے چندے کا محتاج نہیں بل کہ بدنی قوت تم صَرف کرو۔

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ۔۔۔الآیۃ:

اِمام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ زُبَرَ، زُبْرَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "لوہے کا ٹکڑا"۔

حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ ۔۔۔الآیۃ:

اُن دو (۲) پہاڑوں کے درمیان لوہے کی چادریں رکھی گئیں۔ اُس رکھنے کے دو (۲) طریقے ہیں:

① لوہے کے بڑے بڑے تختوں کے اُوپر نیچے تہیں جمائیں۔

② ایک دوسرے کے اُوپر کھڑی کیں۔

فعفوی چین میں جو دیوار ہے مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کا یہی خیال ہے کہ: یہ وہی دیوار ہے جو ذوالقرنین نے بنائی ہے۔

وَعَرَضْنَا جَھَنَّمَ یَوْمَئِذٍ لِّلْکٰفِرِیْنَ عَرْضًا۝:

پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنی شان کے لائق عدالت کے لیے جلوہ اَفروز ہوں گے اور پھر وَ بُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ۝ [1] گمراہوں کے لیے دوزخ ظاہر کی جائے گی وہ دوزخ اُن کو سامنے نظر آئے گی۔

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ ۔۔۔الآیۃ:

ربط: ہمارے حضرت مرحوم مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: جو قرآن شریف مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، مولانا شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ، مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ، مولانا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ پڑھتے تھے وہ یوں ربط بیان فرماتے تھے کہ: دُنیا میں عالی شان والے پیغمبر ہوتے ہیں، پھر ولی ہوتے ہیں اور پھر عادل بادشاہ ہوتے ہیں۔ سُوْرَۃُ الْکَھْف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ گذرا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کچھ علم حاصل کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ: مَیں آپ کے علم کو نہیں جانتا اور آپ کو میرے علم کا پتہ نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی علم غیب نہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی حاضر و ناظر نہیں ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اِتنا سفر کیوں کرتے؟ اِسی طرح اَصحابِ کہف ولی تھے لیکن اُن کو وقت کا پتہ نہ تھا تو علمِ غیب کہاں سے آیا؟ پھر یہ ذوالقرنین عادل بادشاہ تھا اُس کو بھی علم الغیب نہیں تھا۔ تو جب عالم الغیب صرف اللہ ہے اور حاضر و ناظر بھی وہی ذات ہے تو یہ لوگ اللہ کے در سے کس کو پکارتے ہیں؟!!

فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا۝:

"تفسیر کبیر، روح المعانی" میں اِس کے دو (۲) معنی لکھے ہیں:

---

[1] (سُوْرَۃُ الشُّعَرَآء: ۹۱)

① بعض ایسا معنیٰ کرتے ہیں کہ: بعض ایسے کفار ہوں گے کہ اُن کا کوئی بھی عمل نہ ہوگا سوائے کفر کے، کفر ہی کفر ہوگا یعنی حسنات ہیں ہی نہیں تو وزن کیا ہوگا؟

② بعض کفار ایسے ہوتے ہیں کہ نیکیاں تو کرتے ہیں لیکن ایمان نہیں تو بغیر ایمان کے عمل قبول نہیں ہوتا۔

وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝ (۱۰۶):

هُزُوًا بمعنیٰ مَهْزُوًّا کے ہے کیوں کہ مفعولِ ثانی مفعولِ اوّل پر حمل ہوتا ہے اور مفعولِ اوّل ذات ہے۔

كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ (۱۰۷):

لفظِ فِرْدَوْس کا معنیٰ ہے: "ٹھنڈی چھاؤں، ٹھنڈا سایہ"۔ اُن کے خیال میں ٹھنڈا سایہ بڑی نعمت تھی۔ لفظِ نُزُلًا کا معنیٰ ہے: "مہمانی"۔

لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ (۱۰۸):

نہیں چاہیں گے اُن جنات سے پھرنا کیوں کہ ساری نعمتیں موجود ہوں گی اِس لیے وہ اُس کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ ۔۔۔ الآیۃ (۱۰۹):

جغرافیہ دان کہتے ہیں کہ: زمین کے کل سو (۱۰۰) حصے ہیں، اکہتر (۷۱) حصے زیرِ آب ہیں اور اُنتیس (۲۹) حصے خشکی ہیں۔ اُن اُنتیس (۲۹) حصوں میں تمام ممالک آباد ہیں، اگر یہ اکہتر (۷۱) حصے پانی سیاہی بن جائیں اور سارے اِنسان وحیوانات وغیرہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ثناء شروع کریں تو اللہ تعالیٰ کی صفات کا اَلِف بھی ختم نہ ہوگا کیوں کہ یہ تمام چیزیں متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات غیر متناہی ہیں اور متناہی غیر متناہی پر اِحاطہ نہیں کرسکتا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۱۱۰):

بریلوی حضرات میں ایسے بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر مانتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو بشر نہیں مانتے بل کہ تاویلیں کرتے ہیں۔ مولوی عبد الغفور مجھ سے ایک سال چھوٹا تھا بیس (۲۰) سال کا عرصہ ہوا کہ فوت ہوا ہے۔ اُس نے گکھڑ میں تقریر کی، اُس نے وہاں تقریر میں لوگوں کو دو (۲) مغالطے دیے:

① **پہلا مغالطہ:** اُس نے کہا: دیکھو! یہ وہابی کہتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر یا تو خدا نے کہا یا پیغمبر نے خود اپنے آپ کو کہا یا کفار نے کہا۔ اِن وہابیوں سے پوچھو! یہ خدا ہیں؟ اِن سے پوچھو! یہ نبی ہیں؟ جب خدا بھی نہیں، نبی بھی نہیں، تو تیسری شق متعین ہے۔ **(نَعُوْذُ بِاللّٰہ)**

جواب: خیر! ایک رات گزری مَیں نے لوگوں سے کہا: کل وہ بولا تھا آج مَیں بولتا ہوں۔ اگلی رات میں نے مولوی عبد الغفور کی تردید کی۔ مَیں نے کہا: مولانا صاحب نے یہ کہا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر یا تو خدا نے کہا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کہا یا کافروں نے کہا۔ اُس وقت میرا حافظہ بھی بہت اچھا تھا، تو مَیں نے چند حدیثوں کے حوالے دیے۔ مَیں نے کہا: ایک حدیث ہے جو "شمائل ترمذی" میں بھی ہے، "مسند احمد" میں بھی ہے اور بھی حدیث کی کتابوں میں ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب اپنے گھر جاتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟ اُمّی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ ❶ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے۔ اِلٰی آخِرِ الْحَدِیْث۔ مَیں نے کہا کہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ یہ خدا ہیں؟ یا پیغمبر ہیں؟ تو (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) کیا اِدھر بھی تمہارے قاعدے کے مطابق تیسری شق فٹ ہوگی؟

پھر مَیں نے کہا کہ: دیکھو! "ابوداوٗد" میں روایت ہے، "مستدرک حاکم" میں روایت ہے جو کہ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْن ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو باتیں اِرشاد فرماتے تھے تو عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما لکھ لیتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهٗ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا ❷ تم ہر چیز لکھ لیتے ہو در آں حال یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں راضی بھی ہوتے ہیں ناراض بھی ہوتے ہیں۔ مَیں نے کہا: یہ جو اَصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے اِن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اِن کو خدا کہیں؟ یا اِن کو پیغمبر کہیں؟ یا (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) تمہاری قائم کردہ تیسری شق اِن پر فٹ کریں؟!!

فَائِدَۃ: عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ "بخاری" کتاب العلم میں روایت ہے کہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

---

❶ (شمائل ترمذی، باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۲۳، طبع قدیمی، کراچی) ❷ (سنن ابی داوٗد، کتاب العلم، باب فی کتابۃ العلم، ج ۲، ص ۱۵۸، طبع حسن، لاہور)

مجھ سے زیادہ حدیثیں کسی کو معلوم نہیں مگر عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو کیوں کہ فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ ❶ وہ لکھ لیتے تھے میں لکھتا نہیں تھا۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) حدیثیں روایات منقول ہیں۔ "جامع بیان العلم وفضلہ" علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے اُس میں ہم نے پڑھا ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے جو حدیث کا مجموعہ مُرتّب کیا تھا اُس کا نام "صَادِقَة" تھا۔

② **دوسرا مغالطہ:** اُس نے دوسرا شوشہ یہ چھوڑا کہ: قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔۔۔ الآیۃ اِس آیت کا معنی وہابی کرتے ہیں کہ: مَیں بشر ہوں۔ یہ وہابی تو معنی ہی نہیں سمجھتے ؟!! یہاں تو "مَا" نافیہ ہے تو معنی یہ ہے کہ: بے شک! نہیں ہوں مَیں بشر تمہارے جیسا۔

جواب مَیں نے کہا: مولوی صاحب نے یہ جو مغالطہ دیا ہے کہ: قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔۔۔ الآیۃ اِس آیت میں "مَا" نفی کا ہے، اگر اِن کی بات مان لی جائے تو آگے بھی تو أَنَّمَآ إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔۔۔ الآیۃ میں "مَا" ہے تو پھر اُس کا معنی بھی یہ کریں کہ: "نہیں ہے تمہارا اِلٰہ ایک"۔ کانٹا نکل جائے توحید کا بھی رسالت کا بھی۔ یہ کیا وجہ ہے کہ ایک ہی آیت میں پہلا "مَا" نفی کا ہو اور دوسرا "مَا" نفی کا نہ ہو؟ وجہ ترجیح بتاؤ؟

دیکھیں! یہ غلط تاویلیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے۔ (آمین)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، اِنسان ہیں، آدمی ہیں۔ فرق یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ: يُوْحَىٰٓ إِلَيَّ ۔۔۔ الآیۃ اِس وحی نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر سے ممتاز کر دیا اور وحی کے ذریعے وہ درجہ ملا جو خدا کی مخلوق میں کسی کو نہ ملا۔

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ أَحَدًا ۝:

"صراح" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: شے کا لفظ تو عام ہے لیکن عہد کا لفظ خاص ہے اِس کا اِطلاق اُن پر ہوگا جو ذوالعقول میں سے ہیں۔ مثلاً: اِنسان، جنّات، فرشتے وغیرہ۔ یہاں ذوالعقول میں سے کسی کو رب نے بیان نہیں کیا۔ دوسرے مقام پر عموم کی نفی کر دی: وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ۔۔۔ الآیۃ ❷ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہراؤ اور اِس مقام پر ذوالعقول کی نفی کر دی کہ: اِنسان، جنّات، فرشتوں میں سے کسی کو رب کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔

---

❶ (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، ج ۱، ص ۲۲ طبع یادگار شیخ، کراچی) ❷ (سُوْرَةُ النِّسَآء، ۳۶)

آیاتُھا (۹۸) (۱۹) سُوْرَۃُ مَرْیَمَ مَکِّیَّۃٌ (۴۴) رُکُوْعَاتُھَا (۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات اور ابوسعود" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں آپ ﷺ کی رسالت کا بیان تھا کہ: مَیں بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے۔❶ آگے چند پیغمبروں کے واقعات اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ: ہم نے اوروں کی طرف بھی وحی کی اور اُن کو بھی نبی بنایا۔ معلوم ہوا کہ: نبوت کوئی ایسی چیز نہیں جو سمجھ میں نہ آسکے۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ مَرْیَم ہے یعنی اِس میں مریم علیہا السلام کا ذکر ہے۔

کٓھٰیٰعٓصٓ ○ ﴿۱﴾:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اُنتیس (۲۹) سورتوں کی ابتداء میں یہ جو حروف مقطعات آتے ہیں ھِیَ مِنْ اَسْمَآءِ اللہِ تَعَالٰی۔ ایک ایک حرف اللہ تعالیٰ کا نام ہے یا مجموعہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے: کاف سے مُراد کَرِیْمٌ۔ ھَاء سے مُراد ھَادِیٌ۔ یَاء سے مُراد یُحْیِ وَیُمِیْتُ۔ عَیْن سے مُراد عَلِیْمٌ۔ صَاد سے مُراد صَبُوْرٌ۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ○ ﴿۲﴾:

یہ خبر ہے مبتداء اِس کا محذوف ہے۔ اَیْ ھٰذَا ذِکْرُ۔۔۔ الخ۔

ترکیب: لفظ رَحْمَت مصدر ہے اور عَبْدَہٗ اُس کا مفعول ہے اور زَکَرِیَّا اُس سے بدل ہے یا عطفِ بیان ہے۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ○ ﴿۳﴾:

یہاں "تفسیر مظہری" وغیرہ میں خاصی بحث ہے کہ: دُعا آہستہ پسندیدہ ہے۔

حدیث پاک میں بھی آتا ہے کہ: خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیُّ❷

جہاں کہیں بلند آواز سے تعلیم کے طور پر ہے تو وہ مستثنیٰ ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴﴾:

صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ: لفظ عَظْم یہاں جنس کے معنی میں ہے کیوں کہ جسم میں ایک ہڈی تو ہے نہیں بل کہ ہڈیاں ہیں تو عظام ہونا چاہیے تھا۔ اِس لیے اگر جنس کے معنی میں لیں گے تو تعمیم ہوگی۔ معنی یہ ہوں گے کہ: "میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں"۔

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵﴾:

لفظ مَوَالِی، مَوْلٰی کی جمع ہے۔ مَوْلٰی کے متعدد معنی آتے ہیں: "اِبْنُ الْعَمِّ یعنی چچا کا بیٹا، وارث، آقا، غلام، آزاد کردہ"۔ یہاں مُراد یہ ہے کہ: یہ جو میری برادری کے لوگ ہیں اِن سے مجھے خوف ہے۔ خوف کس بات کا ہے؟ بے دینی کا خوف ہے۔

وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا۔۔۔ الآیۃ:

رحمت بی بی حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ تھیں۔

يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶﴾:

یہاں خاصی بحث ہے مختصر بات یہ ہے کہ: رافضی اور قادیانی یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ: پیغمبروں کی وراثت تقسیم ہوتی ہے۔

رافضی تو اِس لیے یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ: پیغمبروں کی وراثت تقسیم ہوتی ہے تا کہ اِس بات کو منوا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

❶ (سُوْرَۃُ الْکَہْف: ۱۱۰) ❷ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب الاذکار، باب ماجاء فی فضل لا الٰہ الا اللہ، ج:۱۰، ص:۸۱، طبع مکتبۃ القدسی، القاہرۃ)

کا ظالم ہونا ثابت ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ: قرآن میں ہے: یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ۔۔۔الآیۃ ❶ اللہ وصیت کرتا ہے اُولاد کے بارے میں۔ تو قرآن تو مطلق ہے، قرآن تو وصیت کرتا ہے اور تم قرآن کے مطلق کو خبرِ واحد سے مقید کرتے ہو؟ یہ اُن کا مؤقف ہے۔

خمینی منحوس نے اپنے کتاب "کشف الاسرار" میں لکھا ہے کہ: قرآن کا پہلا باغی ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) اور دوسرے نمبر پر عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں اور یہ زندیق اور ملحد ہیں۔ (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ) کہتا ہے کہ: جس خدا نے عثمان (رضی اللہ عنہ)، معاویہ (رضی اللہ عنہ)، یزید جیسے غنڈوں اور بدمعاشوں کو حکومت دی ہے مَیں اُس کو رب ماننے کے لیے تیار نہیں۔ (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ) "کشف الاسرار" میں حوالہ وغیرہ دیکھ لیں۔

قادیانی اس لیے یہ دعویٰ کرتے ہیں کیوں کہ اہلِ حق نے اُن سے کہا کہ: بہ قول تمہارے غلام اَحمد قادیانی (مَعَاذَ اللّٰہ) پیغمبر ہے تو اُس نے اپنے باپ غلام مرتضیٰ کی وراثت کیوں لی؟ اور پھر اُس خود کی وراثت آگے بیٹے بیٹیوں میں کیوں چلی؟ حال آں کہ پیغمبروں کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ: اُن کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ "قرۃ العین فی تفضیل الشیخین" کتاب میں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ: لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ۔

اِس قاعدہ کو سامنے رکھتے ہوئے اہلِ حق قادیانیوں سے کہتے ہیں کہ: مرزا قادیانی اگر تمہارے بہ قول (مَعَاذَ اللّٰہ) نبی تھا تو اُس کو وراثت نہیں ملنی چاہیے تھی؟!! تو اس کا جواب قادیانیوں نے یوں دیا کہ: نبی کی وراثت چلتی ہے۔

خُلاصَہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ: رافضیوں نے بھی کہا اور قادیانیوں نے بھی کہا کہ: نبی کی وراثت چلتی ہے اور دونوں نے اِس آیت سے اِستدلال کیا یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ۔۔۔الآیۃ ❷ اور آگے سُوْرَۃُ النَّمْل میں: وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ۔۔۔الآیۃ ❸ اِس سے بھی اِستدلال کیا ہے۔

مَیں نے اِس کے حوالے سے کافی بسط سے بحث "اِرشاد الشیعہ" نامی کتاب میں کردی ہے۔ اِتنی تفصیل اِنْ شَآءَ اللّٰہ آپ کو کسی اور کتاب میں نہیں ملے گی۔ تفصیل وہاں دیکھ لیں یہاں آیت کو سمجھیں۔

اَصل بات یہ ہے کہ: اِس وراثت سے نبوّت کی وراثت مُراد ہے، علم کی وراثت مُراد ہے، مالی وراثت مُراد نہیں ہے۔

سوال اب سوال یہ ہے کہ: مالی وراثت کیوں مُراد نہیں؟

جواب یہاں چار (۴) باتیں ہیں:

① **پہلی بات:** نبی کے یہاں دُنیا کی تو کوئی وقعت نہیں ہوتی، اگر اِس سے مالی وراثت مُراد ہو تو اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ: حضرت زکریا علیہ السلام واویلہ کر رہے ہیں کہ: میرے چچازاد بھائی اور برادری میری وراثت کھا جائے گی اِس لیے اے اللہ! مجھے بیٹا دے دے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) تمہارے اِس قاعدہ کے مطابق تو (مَعَاذَ اللّٰہ) پیغمبر دُنیا کا حریص ثابت ہوگا۔

② **دوسری بات:** حضرت زکریا علیہ السلام کَانَ عَبْدًا نَجَّارًا۔ ترکھانوں کا کام کرتے تھے۔ اگر مشینی دَور ہوتا جیسے آج کل ہے تو پھر بھی سمجھا جاتا کہ: بھئی! مشینی دَور تھا بڑا کچھ کمایا ہوگا۔ مشینی دَور تو تھا نہیں، تبلیغ بھی کرتے، نماز بھی پڑھتے، پھر تیشہ اور آری چلا کر کتنی دولت اکٹھی کر لی ہوگی جس کے لیے فکر مند تھے؟!! اور واویلہ کر رہے تھے کہ: اے اللہ! مجھے اُولاد دے تاکہ اور لوگ نہ کھا سکیں؟!!

③ **تیسری بات:** حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ۔۔۔الآیۃ ❷۔ چلو تمہارے بہ قول حضرت زکریا علیہ السلام کی وراثت تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کو مل گئی تو پھر سارے بنی اسرائیل کی وراثت کیسے ملے گی؟ یہاں تو اٰلِ یَعْقُوْبَ آیا ہے؟!! اِس کی مثال یہ ہے کہ: کوئی سید کہے کہ: اے اللہ! مجھے بیٹا دے دے تاکہ وہ میرا بھی وارث بنے اور تمام سادات کا بھی وارث بنے۔ تو اُس سید کا تو وارث بنے گا لیکن سارے سادات کا کیسے وارث بنے گا؟!!

④ **چوتھی بات:** اِسی طرح اگر حضرت داوٗد علیہ السلام کی وراثت مالی ہوتی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے اُٹھارہ (۱۸) بھائی اور تھے تو آیت اِس طرح ہوتی: وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ وَاِخْوَتُہٗ دَاوٗدَ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور اُن کے بھائی حضرت داوٗد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ مالی وراثت ہوتی تو سب کو ملتی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ: یہاں وراثت سے علم مُراد ہے۔

سوال اب سوال یہ ہے کہ: آیا علم پر بھی وراثت کا اِطلاق ہوتا ہے اور علم بھی وراثتاً تقسیم ہوتا ہے؟

---

❶ (سُوْرَۃُ النِّسَآء: ۱۱) ❷❷ (سُوْرَۃُ مَرْیَم: ۶) ❸ (سُوْرَۃُ النَّمْل: ۱۶)

جواب ہاں! علم کی وراثت تقسیم ہوتی ہے، قرآن سے بھی ثابت ہے حدیث سے بھی ثابت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ۔۔۔ الآیۃ ❶ ہم نے کتاب کا وارث بنایا۔

حدیث پاک میں آتا ہے: اِنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ ❷ انبیاء نے نہ درہم چھوڑے، نہ دینار چھوڑے، انہوں نے تو علم چھوڑا۔

ہم نے یہ حدیث شیعوں کی کتابوں سے بھی نقل کی ہے کہ: تم بھی مانتے ہو۔

خلاصہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ: وراثت صرف مال کے ساتھ مختص نہیں بل کہ کتاب کی وراثت بھی ہے، علم کی وراثت بھی ہے، شرافت کی بھی ہے، سخاوت کی بھی ہے۔ حوالہ "ارشاد الشیعہ" میں دیکھ لیں۔

لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ ﴿۷﴾:

سَمِيًّا کے دو (۲) معنی ہیں:

① اکثر حضرات اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ: "اس کے ہم نام کوئی آپ کو پہلے نہیں ملے گا"۔

② "تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ میں آپ کو یہ معنی بھی ملیں گے کہ: "ان خوبیوں والا، ان صفات والا کوئی نہیں ملے گا"۔ نام اگرچہ یحییٰ ہوسکتا ہے لیکن ان صفات والا آپ کو اس سے پہلے نہیں ملے گا۔

وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ ﴿۸﴾:

لفظ عِتِيًّا کے دو (۲) معانی ہیں: ① کمر کبڑی ہوجانا۔ ② کمر جھک جانا۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹﴾:

اَیِ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ۔

اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ ﴿۱۰﴾:

لفظ سَوِيًّا، تُكَلِّمَ کی ضمیر سے حال ہے یعنی باوجود تندرست ہونے کے کہ زبان پر چھالے وغیرہ نہیں ہوں گے پھر بھی آپ لوگوں کے ساتھ کلام نہیں کرسکیں گے۔

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۶﴾:

ربط: پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ تھا کہ: حضرت زکریا علیہ السلام ہیں خدا کے پیغمبر لیکن اولاد کے لیے رب کے محتاج ہیں۔ رب سے دعا کرتے ہیں: فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ ❸ پیغمبر ہیں خدا سے مانگتے ہیں اور پھر رب سے کہتے ہیں کہ: علامت بھی بتادیں۔ تو ان کو علم غیب نہیں تھا۔ اب آگے مریم علیہا السلام کا واقعہ بیان فرماتے ہیں لیکن یہ دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے۔

اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝:

اپنے مکان کے مشرقی جانب الگ ہوگئی۔ تیرہ (۱۳) برس کی عمر تھی یا پندرہ (۱۵) برس کی عمر تھی۔ شرم کے مارے مجمع سے الگ ہوکر ایک مکان میں چلی گئیں، پردہ کر کے غسل کیا۔

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ ﴿۱۷﴾:

لفظ سَوِيًّا کے معنی ہیں: "ٹھیک ٹھاک"۔ مریم علیہا السلام نے خیال کیا کہ: یہ ایک آدمی ہے اور غلط ارادے سے آیا ہے۔ اس لیے کہا کہ: اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ ۔۔۔ الآیۃ۔

اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ ﴿۱۸﴾:

لفظ تَقِيًّا کے دو (۲) معنی ہیں:

---

❶ (سُوْرَةُ فَاطِر، ۳۲) ❷ (جامع الترمذی، ابواب العلم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، ج ۲، ص ۹۷ طبع قدیمی، کراچی) ❸ (سُوْرَةُ مَرْيَم، ۵)

① بعض کہتے ہیں کہ: لغوی معنیٰ مُراد ہیں یعنی اگر تو متقی ہے۔ ② بعض حضرات کہتے ہیں کہ: تقی الدین ایک شخص تھا غلط افعال کرتا تھا، بدکار تھا۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾:

اہلِ بدعت اور مشرکین کا غلط استدلال: صغریٰ اُن کا یہ ہے کہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے سردار ہیں مگر پیغمبروں کے خادم ہیں، آپ ﷺ کے خادم ہیں۔ کبریٰ یہ بیان کرتے ہیں کہ: جب خادمِ انبیاء کرام علیہم السلام حضرت جبرئیل علیہ السلام بچہ دے سکتا ہے تو آپ ﷺ کیوں نہیں دے سکتے؟

جواب لیکن یہ استدلال باطل ہے کیوں کہ اِن لفظوں پر اُنہوں نے غور نہیں کیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے تو یہ کہا تھا کہ: مَیں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، مَیں خود نہیں دیتا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ لِاَهَبَ کا لفظ اس لیے ذکر کیا کہ: مَیں پیغام سنانے والا ہوں۔ سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن میں آپ نے پڑھا: اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۔۔۔ الآیۃ ❶ اس آیت میں بشارت کا لفظ ہے۔ اے مریم! اللہ تجھے خوش خبری سناتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ: حضرت جبریل علیہ السلام تو قاصد ہیں، اَولاد دینے کے مجاز نہیں ہیں۔ مثلاً: یہ ڈاکیہ آپ کی رقمیں لے کر آتا ہے تو کیا یہ اپنی طرف سے دیتا ہے؟ یا پیچھے آپ کے گھر والے بھیجتے ہیں؟ یہ ڈاکیہ تو قاصد ہے۔

وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰﴾:

وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ اَيْ بِنِكَاحٍ وَتَزْوِيْجٍ۔

قَالَ كَذٰلِكِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:

اَيِ الْاَمْرُ كَذٰلِكِ۔

فَحَمَلَتْهُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۲﴾:

حضرت جبریل علیہ السلام نے اُن کے گریبان میں پھونک ماردی تو وہ حاملہ ہوگئیں۔ اب آپ کو سَاعَةٌ کا لفظ بھی ملے گا یعنی ایک گھنٹے میں، ثَلَاثُ سَاعَاتٍ کے اَلفاظ بھی ملیں گے یعنی تین (۳) گھنٹے میں۔ یہ بھی آپ کو تفسیروں میں ملے گا کہ: جتنا عمومی طور پر عورت نو (۹) مہینے تک بچے کو پیٹ میں اُٹھاتی ہے اُتنا اُٹھایا۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۳﴾:

یہاں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "تفسیر بیضاوی، کشاف، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: جَآءَ لازمی ہے اور اَجَآءَ بابِ اِفْعَال سے فعل متعدی ہے۔ جیسے ذَهَبَ اور اَذْهَبَ۔ تو اَجَآءَ کا معنیٰ ہے: "لایا" اور جَآءَ کا معنیٰ ہے: "آیا"۔ تو معنیٰ یہ ہوا کہ: "لایا اُس کو دَردِزہ"۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: اَجَآءَ کے معنیٰ ہیں: اِضْطَرَّهَا یعنی دَردِزہ نے اُس کو مجبور کر دیا۔

وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ○:

شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ ترجمہ کرتے ہیں کہ: "بھولی بسری"۔

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ○ ﴿۲۴﴾:

لفظ سَرِيًّا کے دو (۲) معنیٰ ہیں: ① "روح البیان" وغیرہ میں اس کے معنیٰ ہیں: "چشمہ"۔

② بعض حضرات اِس کے معنیٰ کرتے ہیں: "سردار"۔ مطلب یہ ہے کہ: بی بی یہ جو تیرا بچہ پیدا ہوگا سردار ہوگا۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ○ ﴿۲۵﴾:

سوال تفسیروں میں آپ کو یہ بھی ملے گا کہ: کھجوروں کا زمانہ نہ تھا اور یہ بھی ملے گا کہ: اُس درخت کا تنا خشک تھا اُس پر کھجور اللہ تعالیٰ نے لگائی تو بغیر حرکت کے گری نہیں، بغیر حرکت دینے کے بھی اللہ تعالیٰ کھجور دے سکتے تھے؟

❶ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن: ۴۵)

جواب عالَم اَسباب میں حرکت ہی میں برکت ہوتی ہے، کھجور کا درخت یہ تو پہلوان بھی نہیں ہلا سکتے مگر مریم علیہا السلام نے ہلایا۔ یہ ہمارے لیے سبق ہے کہ: عالَم اَسباب میں حرکت ہی میں برکت ہے۔

فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۶﴾:

یہاں صَوْم سے اِمْسَاكٌ عَنِ الْكَلَامِ مُراد ہے، اِمْسَاكٌ عَنِ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ مُراد نہیں۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۷﴾:

آپ کو تفسیروں میں یہ بھی ملے گا کہ: ایک دن کے بعد آئیں یا دو (۲) دن کے بعد آئیں یا تین (۳) دن کے بعد آئیں۔

لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝:

"قاموس" والے کہتے ہیں کہ: چمڑا ہو اور اُس چمڑے کو کاٹا جائے لیکن سیدھا نہ کاٹا جائے بل کہ ٹیڑھا کاٹا جائے اُس کو فَرِیّ کہتے ہیں۔ اب فَرِیّ کے معنی ہوں گے: "ٹیڑھی بات"۔

يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۸﴾:

سوال ہارون سے کون مُراد ہیں؟

جواب "تفسیر روح المعانی، کبیر" وغیرہ میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① حضرت ہارون علیہ السلام مُراد ہیں۔ یعنی جس طرح وہ نیک تھے تو یہ بھی اُن کی بہن تھیں۔

② بنی اسرائیل میں ایک دوسرا شخص ہارون تھا۔ تو معنی یہ ہے کہ: اے ہارون جیسی نیک۔

③ اُن کا اپنا بھائی انتہائی نیک تھا۔

اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: تیسرا قول اَحق اور راجح ہے۔

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۰﴾:

ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ اور اِبْنُ اللّٰهِ کہنے والو! وہ تو خود کو عبداللہ کہتے ہیں؟

وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۲﴾:

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد ہوتے تو یہاں وَالِدَتِيْ کی جگہ وَالِدَيَّ فرماتے۔

یہاں مرزا غلام اَحمد قادیانی نے عجیب خباثت کی بات لکھی ہے۔ اُس کی کتاب ہے "کشتی نوح"۔ میرے پاس قادیان کا پُرانا طبع ہے اُس کا صفحہ نمبر چودہ (۱۴) ہے اب نئے نسخے کا صفحہ کچھ اور ہوگا۔ اُس کتاب میں پہلے تو مولویوں کو خوب گالیاں دی ہیں۔ پھر کہتا ہے کہ: یہ بدذات مولوی کہتے ہیں کہ: مَیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزّت نہیں کرتا۔ مجھ سے زیادہ عزّت کرنے والا کون ہوگا؟ مَیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزّت کرتا ہوں، اُن کی ماں مریم علیہا السلام کی عزّت کرتا ہوں، اُن کے چھ (۶) بہن بھائیوں کی عزّت کرتا ہوں، مَیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ "یوسف نجار" کی عزّت کرتا ہوں۔

اس بے ایمان سے کوئی پوچھے کہ: "یوسف نجار" حضرت مریم علیہا السلام کا خاوند کہاں سے آگیا؟ اور بہن بھائی کہاں سے آگئے؟ حضرت مریم علیہا السلام تو فرماتی ہیں کہ: اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ۔۔۔ الآیۃ ❶ میرا بچہ کیسے ہوگا؟ وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ۔۔۔ الآیۃ ❷ اور مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا ہے، ہاتھ نہیں لگایا۔ وَلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ ❸ اور مَیں بدکار بھی نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ کہتا ہے: كَذٰلِكِ۔۔۔ الآیۃ ❶ اِسی طرح ہوگا۔ رب تعالیٰ آپ کو دے گا، آپ کا رب کہتا ہے کہ: یہ میرے لیے آسان ہے۔

بھئی! اِس سے بڑھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا توہین ہوگی کہ: "یوسف نجار" ترکھان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ بنا دیا اور پھر آگے جو کچھ لکھا ہے نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے اور کفر کا بھی ڈر لگتا ہے۔ لیکن! "نقل کفر کفر نہ باشد" کے تحت نقل کرتے ہیں۔ مرزا قادیانی ملعون لکھتا ہے کہ: پہلے اُن کے آپس میں ناجائز تعلقات تھے، پھر جب حمل ہوگیا تو نکاح ہوا۔ (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ)

---

❶ (سُوْرَةُ مَرْيَم: ۲۰) ❷ ❸ (سُوْرَةُ مَرْيَم: ۲۱)

مرزا قادیانی کی "تریاق القلوب" نامی ایک کتاب ہے اُس میں لکھتا ہے کہ: تم کہتے ہو کہ: مَیں عیسیٰ علیہ السلام سے کم ہوں؟ عیسیٰ علیہ السلام کی تو تین (۳) دادیاں، نانیاں زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں۔ (نَعُوْذُ بِاللهِ)

بھئی سوال یہ ہے کہ: عیسیٰ علیہ السلام کی دادیاں کہاں سے آگئیں؟ تو ان کتابوں میں مرزا قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے۔

قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ○:

لفظِ قَوْلَ کا فعل محذوف ہے۔ اَیْ قُلْتُ قَوْلَ الْحَقِّ۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال: اَحْزَاب سے کون مُراد ہیں؟

جواب: "تفسیر روح المعانی، کبیر، البحر المحیط" وغیرہ میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: گروہوں سے مُراد یہود، نصاریٰ، مشرکین ہیں۔ اِس طور پر کہ: یہود نے تو (مَعَاذَ اللهِ) عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نظریہ قائم کیا کہ: یہ حلال زادہ ہی نہیں اور مریم علیہا السلام پر بہتان لگایا۔ جیسا کہ اِرشاد ہے: وَ قَوْلِهِمْ عَلٰی مَرْیَمَ بُهْتَانًا عَظِیْمًا ○ [1] اور عیسائیوں نے نظریہ قائم کیا کہ: عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ جیسا کہ اِرشاد ہے: وَ قَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللهِ ۔۔۔ الآیۃ [2] اور مشرکین نے بھی مذاق اُڑایا۔ جیسا کہ اِرشاد ہے: وَ قَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَیْرٌ اَمْ هُوَ ۔۔۔ الآیۃ [3]

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: اِس سے عیسائیوں کے گروہ یَعْقُوْبِیَّۃ، نَسْطُوْرِیَّۃ، مَلْکَائِیَّۃ وغیرہ مُراد ہیں۔

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ ۚ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: گذشتہ رُکوع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کا قصہ بیان فرما کر نصاریٰ کا رَد کیا گیا تھا جو ایک آدمی کو خدا بنا رہے ہیں۔ اِس رُکوع میں مشرکینِ مکہ کو رُسوا کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سُنایا گیا ہے کہ اُنہوں نے اپنے باپ تک کو کس طرح شرک و بت پرستی سے رُوکا اور آخرکار وطن و اَقارب کو چھوڑ کر خدا کے واسطے ہجرت اِختیار کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سچے نبی تھے۔

یٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ۖ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال: شیطان کی عبادت تو کوئی نہیں کرتا، بُرے سے بُرا آدمی یہ نہیں کہتا کہ: اَعْبُدُ الشَّیْطَانَ۔ تو پھر اِس کا کیا مطلب ہے کہ: لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ؟

جواب: "تفسیر البحر المحیط، کبیر، محب الرحمٰن" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: شیطان کے کہنے سے تُو غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے تو یوں سمجھ کہ تُو شیطان کی عبادت کرتا ہے کیوں کہ تُو نے اُس کی اِطاعت کی۔ تو گویا شیطان کی اِطاعت کرنا اُس کی پوجا کرنا ہے۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰٓاِبْرٰهِیْمُ ۚ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ رَغِبَ کا صلہ عَنْ آجائے تو اُس کے معنی "اِعراض" کرنے کے آتے ہیں۔ معنی یہ ہے کہ: کیا تو اِعراض کرتا ہے میرے معبودوں سے؟

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ ۔۔۔ الآیۃ:

لَاَرْجُمَنَّكَ کے دو (۲) معنی ہیں:

① بعض حضرات معنی کرتے ہیں: سنگسار کرنا۔

② "بخاری، کشاف، روح المعانی" میں اِس کے معنی ہیں: لَاَشْتُمَنَّكَ۔ مَیں تجھے گالیاں دوں گا۔

وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ○:

لفظِ مَلِیًّا کے معنی ہیں: دَهْرًا طَوِیْلًا یعنی لمبا زمانہ۔

---

[1] (سُوْرَۃُ النِّسَآء، ۱۵۶) [2] (سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ، ۳۰) [3] (سُوْرَۃُ الزُّخْرُف، ۵۸)

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ۔۔۔الآیۃ:

علامہ آلوسی رحمہ اللہ وغیرہ اِس سَلٰمٌ عَلَيْكَ کے دو(۲) معنی کرتے ہیں:

① اے اباجی اَسَلٰمٌ مِنِّیْ عَلَيْكَ۔ میری طرف سے آپ کے لیے سلامتی ہے چاہے آپ مجھے ماریں یا پیٹیں۔

② اس سلام سے "سلامِ متارکت" مُراد ہے۔ سلامِ متارکت کے یہ معنی ہیں کہ: کوئی آدمی خواہ مخواہ جھگڑا کرے تو اُس کو کہیں کہ: بابا سلام مَیں جھگڑا نہیں کرتا۔

وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا۝:

لفظِ کُلًّا پر تنوین مضاف الیہ کا عوض ہے۔ اَیْ کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا۔

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا۔۔۔الآیۃ:

یہاں دو(۲) ترکیبیں ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس کا مفعول محذوف ہے۔ اَیْ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا مَالًا وَّوَلَدًا۔ یہ مال اور ولد مفعول ہے۔

② علامہ آلوسی رحمہ اللہ، علامہ اندلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مِنْ رَّحْمَتِنَا ہی مفعول ہے۔

وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۝:

زبان ذکر کا آلہ ہے یعنی سچا ذکر مُراد ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ: ہم نے اُن کو شہرت دی، اپنی رحمتِ خاصہ سے اُن کو بڑا حصہ عنایت فرمایا اور دُنیا میں اُن کا بول بالا کیا اور ہمیشہ کے لیے اُن کا ذکرِ خیر جاری رکھا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰىٓ۔۔۔الآیۃ:

ربط: پیغمبروں کے واقعات چلے آرہے ہیں اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔

"شرح فقہ اکبر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: انبیاء کرام علیہم السلام کے درجوں میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ہے، دوسرے نمبر پر ابراہیم علیہ السلام، تیسرے نمبر پر موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام بڑی شان والے پیغمبر تھے، خدا کی مخلوق میں تیسرے درجہ کی شخصیت تھے۔

وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا۝:

رسول اور نبی کا مفہوم: "نبراس شرح شرح العقائد، فتاوی رشیدیہ، شرح مواقف، مسامرہ" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: رسول اور نبی کا مفہوم ایک ہے یا الگ الگ ہے اِس میں علماء کے دو(۲) گروہ ہیں:

① ایک گروہ کہتا ہے کہ: نبی اور رسول کا ایک ہی مفہوم ہے۔ نبی کا معنی ہے: "خبر دینے والا"۔ نَبَاٌ اِس کا مجرد ہے۔ اِس کے علاوہ اِس کا مجرد مادّہ نَبَاوَۃٌ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ نَبَاوَۃٌ کے معنی ہیں: "بلند"۔ اور نبی کے معنی ہیں اُونچی شان والا۔ اسی طرح نبی کے معنی طَرِیْقٌ بھی آئے ہیں یعنی راستہ۔ مَشَیْتُ عَلَی النَّبِیِّ اَیْ عَلَی الطَّرِیْقِ۔ تو یہ حضرات کہتے ہیں کہ: رسول اور نبی کا ایک ہی مفہوم ہے۔

② دوسرا گروہ کہتا ہے کہ: رسول وہ ہے جو صاحبِ کتاب اور شریعت ہو اور نبی وہ ہے جس کو وحی تو ہوتی ہو لیکن اُس کی الگ کتاب اور شریعت نہ ہو۔

سوال سوال یہ ہے کہ: وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا کا مطلب تو یہ ہوگا کہ: ایک ہی پیغمبر کتاب والے بھی اور شریعت والے بھی اور بغیر کتاب والے بھی اور بغیر شریعت والے بھی یعنی اُن کو کتاب ملی بھی اور نہیں بھی ملی۔ یہ تو اجتماعِ ضدین ہے جو کہ مُحال ہے؟

جواب کوئی تعارض کی بات نہیں فرعون کی غرق آبی سے پہلے نہ کتاب ملی تھی، نہ شریعت ملی تھی بل کہ صرف نبوّت ملی تھی۔ فرعون تباہ ہوا پھر رسالت ملی، شریعت بھی ملی، کتاب بھی ملی۔

مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ اَلْاَيْمَن، جَانِب کی صفت ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر آرہے تھے تو طور اُن کے دائیں جانب تھا۔

سوال جَانِب کا لفظ تو نکرہ ہے تو اَلْاَیْمَن کو اُس کی صفت کیسے قرار دیا حال آں کہ وہ تو مُعَرَّف بِاللَّام ہے؟ اور صفت، موصوف کے اَندر تعریف اور تنکیر میں برابری ضروری ہے؟

جواب لفظِ جَانِب اگر چہ نکرہ ہے لیکن مضاف ہو کر اس نے لفظِ اَلطُّوْر سے اِکتسابِ تعریف کی ہے۔

وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا۝:

لفظِ نَجِيًّا صفتِ مشبہ ہے یا مصدر ہے بمعنی مُنَاجِيًا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۵۴﴾:

صَادِقَ الْوَعْد سچے وعدہ والے کے متعلق آپ کو "جلالین" تک میں ملے گا، اِس کے علاوہ "ابو سعود، مدارک" وغیرہ تمام تفسیروں میں اس کی دو (۲) تفسیریں ملیں گی:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: حضرت اسماعیل علیہ السلام سفر میں تھے، اُن کے ساتھ ایک ساتھی تھا۔ راستے میں کچھ درخت آئے تو ایک درخت کے سائے کے نیچے بیٹھ گئے۔ گاؤں ذرا دُور تھا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے ساتھی کو فرمایا: اِس دیہات سے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لاؤ۔ ساتھی نے کہا کہ: حضرت! آپ تشریف رکھیں میں جا کر لاتا ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: مَیں تمہارے آنے تک یہیں رہوں گا۔ وہ قصبے میں گیا تو وہاں کچھ ایسا ماحول تھا کہ وہاں کی رَونقوں میں کھو گیا اور بھول گیا کہ: مَیں نے چیزیں لے کر واپس جانا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ: تین (۳) دن اور بعض تفسیروں میں ہے کہ: ایک سال اور بعض تفسیروں میں تین (۳) سال کا بھی ذکر ہے کہ: اِتنا عرصہ وہ اُسی قصبے میں رہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پورا ایک سال وہاں ٹھہرے رہے کیوں کہ اُنہوں نے وعدہ کیا تھا کہ مَیں تمہارے آنے تک یہاں رہوں گا تو اُس وعدے کو پورا کیا۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں، اُنہوں نے یہ خواب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سامنے بیان کیا کہ: بیٹے! مَیں نے خواب دیکھا ہے کہ مَیں تجھے ذبح کر رہا ہوں، تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: اے ابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے کر ڈالیں، آپ پائیں گے مجھے اِنْ شَآءَ اللہ صبر کرنے والوں میں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ ہتھکڑیاں ڈالیں، نہ بیڑیاں ڈالیں اور اُن کو ذبح کرنے کے لیے لے گئے۔ دوسری طرف حضرت اسماعیل علیہ السلام نہ دوڑے، نہ بھاگے۔ تو جو وعدہ کیا تھا پورا کیا اور آخر دم تک حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رہے۔

وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۝ ﴿۵۷﴾:

"تفسیر معالم التنزیل، روح المعانی، خازن" وغیرہ تفسیروں میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① حضرت اِدریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ چوتھے آسمان پر اُٹھایا، وہاں وہ زندہ ہیں لیکن یہ اَدلہ قطعیہ سے ثابت نہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں لیکن اُن کی حیات اُدلہ قطعیہ سے ثابت ہے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: مشرکین حضرت اِدریس علیہ السلام کی طرف جادو اور سحر، علمِ رَمل، جفر وغیرہ کی نسبت کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وہ تو اِس سے بلند اور قرب و عرفان کے بہت بلند مقام اور اُونچی جگہ پر پہنچے یعنی مرتبہ اور شان بڑی اور بلند ہے اور یہ علوم تو خراب اور نیچے درجے کے علوم ہیں۔

وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۵۸﴾:

صاحبِ کشاف کہتے ہیں کہ: اِسرائیل نام ہے اور یعقوب لقب ہے، جمہور بالعکس کہتے ہیں۔

خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا۝:

لفظِ سُجَّدًا، سَاجِدٌ کی جمع ہے اور لفظِ بُكِيًّا، بَاكٍ کی جمع ہے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۵۹﴾:

لفظِ خَلْف بِالسُّكُوْنِ اللَّام ہو تو معنی ہے: "نا اہل"۔ نا اہلی کی پہلی بات اِضَاعَتِ صَلٰوۃ ہے۔

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝:

لفظِ غَیًّا کے دو(۲) معنی ہیں: ① گمراہی۔ ② وَادٍ فِي النَّارِ۔ جہنّم کی ایک وادی کا نام ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝:

لفظِ مَاْتِیًّا بابِ ضَرَبَ، یَضْرِبُ سے اِسمِ مفعول بمعنی اِسمِ فاعل ہے، اَیْ اٰتِیًا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ۔۔۔الآیۃ:

شانِ نزول: "بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ: آپ (علیہ السلام) اِس سے زیادہ ہماری ملاقات کے لیے کیوں نہیں آتے؟ تو اللہ تعالیٰ نے گویا ملائک کی زبان سے جواب دیا کہ: وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ۔۔۔الآیۃ۔

ربط: حضرت شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جیسے فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں آتے اِسی طرح جنّت میں بھی بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے نہیں داخل ہوتے۔

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝:

کیا تو رب کے لیے ہم نام جانتا ہے؟ اب قرآن پاک تو یہ کہتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ جیسا نام اور کسی کا نہیں۔

مَیں پہلے بہ حوالہ عرض کر چکا ہوں کہ: "تفسیرِ نعیمی" مفتی احمد یار خان بدایونی، گجراتی کی تفسیر ہے۔ اُس نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: لفظِ "اللہ" یہ آپ ﷺ کا نام بھی ہے۔ تو ہم جس وقت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ پڑھتے ہیں تو آپ ﷺ سے بھی مدد چاہتے ہیں کیوں کہ آپ ﷺ بھی تو اللہ ہوئے۔ اِس کے ثبوت میں کہتا ہے کہ: "دلائل الخیرات شریف" میں یہ لکھا ہے کہ: لفظِ "اللہ" آپ ﷺ کا نام ہے۔

خدا جانے یہ بات کس نے لکھی ہے؟!! "دلائل الخیرات" میں تو نہیں، اگر اُس کے دادا یا نانا نے لکھی ہو تو الگ بات ہے۔ لفظِ "اللہ" رب تعالیٰ کا عَلَم ہے اور عَلَم کی تعریف آپ جانتے ہیں کہ: دوسرے میں وہ نہیں پایا جاتا۔ لفظِ "اللہ" جو ہے عَلَمٌ لِذَاتِ الْوَاجِبِ الْوُجُوْدِ الْمُسْتَجْمِعِ لِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْكَمَالِ۔ اِن ظالموں نے رب کا عَلَم بھی رب کے لیے خاص نہیں رہنے دیا۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝:

ربط: رب کے لیے دو (۲) چیزیں بیان ہوں گی:

① اُوپر مؤمنین کا ذکر تھا، اب کفار کا ذکر ہے۔ قرآن کا یہ اُسلوب ہے کہ: مؤمنوں کا ذکر ہے تو کافروں کا بھی ذکر کرتا ہے اور اگر کافروں کا ذکر ہے تو مؤمنوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔

② اُوپر جہنّم کا ذکر تھا اِس طور پر کہ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ ❶ یعنی اُس غَی کے طبقے میں داخل کیے جائیں گے۔ تو ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو قیامت کے منکر تھے۔

سوال يَقُوْلُ کا فاعل کون ہے؟

جواب بعض نے بہ طورِ مثال نام ذکر کیے ہیں۔ کسی نے کہا: عاص بن وائل تھا، کسی نے کہا: ابو جہل تھا، کسی نے کہا: اُمیہ تھا، کسی نے کہا: اُبی بن خلف تھا وغیرہ۔ یہ صرف مثالیں ہیں۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ۔۔۔الآیۃ:

وَاوْ قَسمیہ ہے۔ معنی ہے: "قسم ہے تیرے رب کی"۔

هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝:

صَلِيَ، يَصْلٰی بابِ سَمِعَ، يَسْمَعُ سے ہے۔ معنی ہے: "داخل ہونا"۔

---

❶ (سُوْرَۃُ مَرْیَم، ۵۹)

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۷۱﴾:

اِس جملہ کو ذرا توجہ سے سمجھنا۔ یہ جملہ قسمیہ ہے۔ معنی ہے: قسم ہے تم میں کوئی بھی نہیں مگر اُس پر وارد ہوگا، یہ تیرے رب کے ذمہ لازم ہے، طے شدہ ہے۔

سوال بہ ظاہر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ: یہاں تو قسم کا کوئی لفظ نہیں تو یہ جملہ قسمیہ کیسے بن گیا؟ وَاوْ حرفِ قسم حرف پر داخل نہیں ہوتا بل کہ اِسم اور فعل پر داخل ہوتا ہے اور یہاں اِنْ حرف ہے تو پھر یہ جملہ قسمیہ کیسے ہے؟

جواب "تفسیر کشاف، قرطبی، روح المعانی" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: پہلے فَوَرَبِّكَ جملہ قسمیہ ہے اور وَاِنْ مِّنْكُمْ میں وَاوْ حرفِ عطف ہے اور یہ فَوَرَبِّكَ جملہ قسمیہ پر عطف ہے اِس لیے یہ جملہ بھی جملہ قسمیہ ہے۔

سوال وُرُوْد سے کیا مُراد ہے؟

جواب "تفسیر معالم التنزیل، خازن، دُرِّ منثور، ابن کثیر" وغیرہ تفسیروں میں یہاں خاصی بحث ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: وُرُوْد بمعنی حضور کے ہے یعنی حاضر ہونا۔

① پہلی دلیل: قرآن کریم میں ہے کہ: وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ ۔۔۔الآیۃ ❶ وَرَدَ کے معنی حَضَرَ کے ہیں یعنی وہ کنویں کے پاس آئے کنویں کے اَندر داخل تھوڑی ہوئے تھے۔

② دوسری دلیل: آگے آپ پڑھیں گے کہ: جو اللہ کے نیک بندے ہیں اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ❷ دوزخ سے دُور رکھے جائیں گے۔ یہ مُبْعَدُوْنَ کا لفظ قرینہ ہے کہ وہاں وُرُوْد سے دُخُوْل مُراد نہیں ہے۔

③ تیسری دلیل: اِسی آیت سے آگے ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۔۔۔الآیۃ ❸ ہے۔ تو نجات تو اُسی صورت میں ہوگی جب اُس کے قریب بھی نہ جائیں۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: وُرُوْد سے دُخُوْل مُراد ہے۔ یعنی جہنم میں داخل ہوں گے۔

① پہلی دلیل: قرآن کریم میں آتا ہے: فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۔۔۔الآیۃ ❹ اِس میں اَوْرَدَ بمعنی اَدْخَلَ کے ہے۔

② دوسری دلیل: حدیث میں آتا ہے کہ: اَلْوُرُوْدُ الدُّخُوْلُ لَا يَبْقٰى بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ اِلَّا دَخَلَهَا فَتَكُوْنُ عَلَى الْمُؤْمِنِ بَرْدًا وَّسَلَامًا۔ ❺ کوئی نیک اور بد نہیں جو دوزخ میں داخل نہ ہو لیکن مؤمنوں کے لیے بَرْدًا وَّسَلَامًا ہے یعنی کوئی تکلیف اُنہیں نہیں ہوگی۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: اِمام نووی رحمہ اللہ، اِمام رازی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: وُرُوْد کے معنی عُبُوْر کے ہیں یعنی پُل صراط کے اُوپر سے اُس جہنم کو عبور کر کے جائیں گے اَندر داخل نہیں ہوں گے۔

كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝:

لفظِ حَتْمًا کا معنی ہے: "لازم" اور لفظِ مَقْضِيًّا کا معنی ہے: "طے شدہ"۔

وَنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝ ﴿۷۲﴾:

لفظِ جِثِيًّا، جَاثٍ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "دوزانوں ہو کر گھٹنوں کے بل بیٹھنا"۔

اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ۝ ﴿۷۴﴾:

لفظِ اَثَاث کا معنی ہے: "سامان"۔ مطلب یہ ہے کہ: جو سامان کے لحاظ سے بھی اَچھے تھے اُن کو بھی ہلاک کیا۔ رِءْيًا کا معنی ہے: "دِکھلاوا"۔ یعنی جو رُوْیَت کے لحاظ سے بھی اَچھے تھے اُن کو ہم نے ہلاک کیا۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۔۔۔الآیۃ ﴿۷۵﴾:

لفظِ فَلْيَمْدُدْ ہے تو اَمر لیکن بمعنی خبر ہے۔ اَیْ فَيَمُدُّ لَهُ الرَّحْمٰنُ۔ یعنی رحمٰن اُس کو مدد دیتا ہے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْقَصَص، ۲۳) ❷ (سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآء، ۱۰۱) ❸ (سُوْرَۃُ مَرْیَم، ۷۲) ❹ (سُوْرَۃُ هُوْد، ۹۸) ❺ (المستدرک علی الصحیحین، کتاب الطلم، ج ۴، ص ۶۳۰، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت)

وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝ (۷۶):

لفظ مَرَدًّا ظرف کا صیغہ ہے۔ معنی ہے: "لوٹنے کی جگہ، پھرنے کی جگہ"۔

سوال لفظ خَيْرٌ اسم تفضیل ہے، اُوپر کفار نے کہا تھا کہ: اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ۔۔۔ الآیۃ (۱) بتاؤ دو (۲) فریقین میں بہتر کون ہے؟ تو یہاں یہ بتایا کہ: جو مؤمن ہیں وہ بہتر ہیں پھر جانے کی جگہ کے اِعتبار سے۔ تو اِس لفظ خَيْر جو کہ اِسم تفضیل ہے سے معلوم ہوتا ہے کہ: مؤمنوں کی جگہ بہت اَچھی ہوگی اور کفاروں کی جگہ بھی فِيْ نَفْسِهٖ اَچھی ہوگی۔

جواب آپ کو "جلالین" تک میں ملے گا کہ: یہ خَيْر کا لفظ کفار کے قول کے سلسلے میں ہے۔ اُن کفار نے کہا تھا: اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ۔۔۔ الآیۃ (۲) تو جس کو وہ خیر سمجھتے تھے اُس کی بہ نسبت یہ بہتر ہے ورنہ فِيْ نَفْسِهٖ اِس میں کوئی خَيْر نہیں۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ (۷۷):

شانِ نزول: حضرت خبّاب بن ارت رضی اللہ عنہ صحابی تھے، تیر، نیزے وغیرہ سیدھے کرتے تھے یعنی لوہار تھے۔ عاص بن وائل کافر تھا اُس نے اُن سے کوئی کام کرایا، جب اُنہوں نے اُجرت مانگی تو اُس نے کہا کہ: تُو اِسلام سے منکر ہو جا تو تیری مزدوری دے دوں گا۔ حضرت خبّاب بن ارت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اگر تُو مرے اور پھر جیئے تو بھی میں منکر نہیں ہوں گا۔ اُس نے کہا کہ: اگر مر کر پھر جیوں گا تو یہی مال و اَولاد وہاں بھی ہوگی تجھ کو مزدوری وہاں دے دوں گا۔ اِس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ۔۔۔ الآیۃ (۷۸):

لفظ اَطَّلَعَ اَصل میں اَاِطَّلَعَ تھا۔

كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ۔۔۔ الآیۃ (۸۲):

لفظ كَلَّا حرفِ ردع ہے۔ معنی ہے: "ہرگز ایسا نہیں"۔

وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝:

لفظ ضِدًّا کا معنی ہے: "مخالف"۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔۔۔ الآیۃ (۸۳):

ربط: واضح ہے کہ اُوپر سے کفار کا ذکر چلا آ رہا ہے، اب اُن کے لیڈر یعنی شیطان کا ذکر ہے جو اُن کو کفر پر اُبھارتا ہے۔

تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۝:

اَزَّ، يَؤُزُّ باب نَصَرَ، يَنْصُرُ سے ہے۔ معنی ہے: "اُبھارنا، برانگیختہ کرنا، آمادہ کرنا"۔

اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۝ (۸۴):

لفظ عَدًّا مفعول مطلق ہے اور مفعول بہٖ محذوف ہے۔ اَيْ نَعُدُّ لَهُمُ الشُّهُوْرَ، اَلْاَيَّامَ، اَللَّيَالِيَ، اَلسِّنِيْنَ، اَلْاَنْفَاسَ۔

یہ سب حق ہیں کسی کا کسی سے کوئی تعارض نہیں۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ (۸۵):

لفظ وَفْدًا، وَافِدٌ کی جمع ہے۔

وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝ (۸۶):

لفظ وِرْدًا، وَارِدٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "پیاسا جانور جو پانی کی طرف جاتا ہے"۔

---

(۱)(۲) سورۃ مریم: ۷۳

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝۸۷:

یعنی جنہوں نے کلمہ پڑھا اور مؤمن ہوئے اُن کی شفاعت کا اِعتبار ہے۔

سوال لَا يَمْلِكُوْنَ کا فاعل کیا ہے؟

جواب لفظِ اَلنَّاس اِس کا فاعل ہے۔

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝۸۹:

لفظِ إِدًّا کا معنی ہے: ثَقِيْلًا بڑی بھاری چیز۔

لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝۹۴:

لفظِ أَحْصَا کے معنی ہیں: "البتہ تحقیق اُن کا اِحاطہ کر رکھا ہے اِحاطہ کرنا قدرت کے لحاظ سے"۔ عَدَّ کا معنی ہے: "اور گن رکھا ہے اُن کو گننا علم کے لحاظ سے"۔

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝۹۶:

وُدًّا کے معنی ہیں: "دوستی"۔ اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُن کی دوستی و محبت ہوگی۔

② اُن مؤمنین کے درمیان آپس میں دوستی ہوگی۔

وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝۹۷:

لفظِ لُدًّا، اَلَدُّ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "سخت جھگڑالو"۔

أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝۹۸:

لفظِ رِكْزًا کا معنی ہے: "اَلصَّوْتُ الْخَفِيْ آہستہ آواز"۔

اٰیَاتُھَا (۱۳۵) (۲۰) سُوْرَۃُ طٰهٰ مَکِّیَّۃٌ (۴۵) رُکُوْعَاتُھَا (۸)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: ربط کے متعلق دو (۲) باتیں مشہور ہیں:

① اُوپر قرآن کا ذکر تھا۔ اِس طور پر کہ: فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ... الآیۃ ❶ اِس سورۃ کے شروع میں مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ○ ❷ سے قرآن کا ذکر ہے۔

② اُوپر آپ ﷺ کی نبوّت کا ذکر تھا۔ اِس طور پر کہ: فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ... الآیۃ ❸ ہم نے تیری زبان پر قرآن کو آسان کیا ہے تُو خوشخبری سنا اور ڈرا۔ اب یہاں آپ ﷺ کی نبوّت کا ذکر ہے کہ: مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ○ ❹ ہم نے آپ (ﷺ) پر قرآن اِس لیے نہیں اُتارا کہ آپ (ﷺ) مشقت میں پڑ جائیں۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ طٰهٰ ہے۔

طٰهٰ ○ ❶:

اِس سورۃ کی یہ پہلی آیت ہے۔

سوال لفظِ طٰهٰ کیا ہے؟

جواب اِس کے متعلق مختلف باتیں لکھی ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ مرکب نام ہے، ہر حرف ایک نام کی طرف مشیر ہے۔ طاء سے طَیِّبٌ مُراد ہے اور ھاء سے ھَادِیٌ مُراد ہے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: یہ آنحضرت ﷺ کا نام ہے اور حرفِ نداء یاء محذوف ہے۔ اَیْ یَا طٰهٰ۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: طاء باب فَتَحَ، یَفْتَحُ سے اَمر کا صیغہ ہے اور "ہٗ" ضمیر اَرض کی طرف راجع ہے یعنی زمین کو کچل دو۔ جب آپ ﷺ نماز پڑھتے پڑھتے تھک جاتے تھے تو پھر دوسرے پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے۔

اِلَّا تَذْکِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ○ ❸:

لفظِ تَذْکِرَۃً فعلِ محذوف کا مفعول ہے۔ اَیْ نَزَّلْنَا تَذْکِرَۃً۔

وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ○ ❹:

لفظِ عُلٰی، عُلْیَا کی جمع ہے۔ معنی ہے: "بلند"۔

وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ○ ❻:

لفظِ ثَرٰی کے معنی ہیں: "گیلی اور تر مٹی"۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ○ ❾:

ربط: "تفسیر کبیر" میں لکھا ہے کہ: اُوپر ذکر تھا کہ ہم نے قرآن اِس لیے نہیں اُتارا کہ تُو مشقت میں پڑ جائے۔ جب آپ ﷺ قرآن کریم پڑھتے تھے تو مشرکین نہیں مانتے تھے، اِس وجہ سے نبی کریم ﷺ کو سخت تکلیف پہنچتی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بتایا کہ: یہ اِنکار کرنے والے پہلے بھی تھے یعنی پہلے لوگوں نے بھی نہ مانا تو آپ (ﷺ) پریشان نہ ہوں۔

❶❸ (سُوْرَۃُ مَرْیَم، ۹۷) ❷❹ (سُوْرَۃُ طٰهٰ، ۲)

فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰﴾:

"البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے کہ: لفظِ اَھْلٌ جمع کے معنی میں ہے اِس لیے اُمْکُثُوْٓا جمع ہے۔ اُن کی بیوی صفورہ اور خادم اور بچہ بھی ساتھ تھے۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ؕ ﴿۱۱﴾:

سوال اَتٰھَا کی "ھَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اَتٰھَا کی "ھَا" ضمیر نَارٌ کی طرف راجع ہے۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾:

رَدِیَ، یَرْدٰی باب سَمِعَ، یَسْمَعُ سے ہے۔ معنی ہے: "ہلاکت"۔

وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾:

لفظِ مَاٰرِبُ، مَارِبَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "فائدہ"۔ لفظِ مَارِبَۃٌ تینوں حرکات کے ساتھ مستعمل ہے۔ مَارِبَۃٌ، مَارَبَۃٌ، مَارُبَۃٌ۔

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۱﴾:

سوال خُذْھَا کی "ھَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① خُذْھَا کی "ھَا" ضمیر عَصٰی کی طرف راجع ہے۔ ② خُذْھَا کی "ھَا" ضمیر حَیَّۃ کی طرف راجع ہے۔

سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى:

معلوم ہوا کہ: معجزہ پیغمبر کے بس میں نہیں ہوتا۔ اگر اُن کے بس میں ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ بھاگتے اور نہ رب تعالیٰ یہ فرماتے: سَنُعِیْدُھَا ہم لوٹائیں گے اِس کو اَصلی حالت پر بل کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: آپ (علیہ السلام) کا کام صرف پکڑنا ہے، باقی بنانا وغیرہ ہمارا کام ہے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾:

ربط: "تفسیر کبیر، روح المعانی، ابوسعود" وغیرہ میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ: فرعون کی بیوی کا نام آسیہ بنت مزاحم رحمہا اللہ تھا، بڑی نیک دل بیوی تھی۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کھیل تماشہ اور لعب تعب کرتا تھا، وہ کبھی اُس کے داڑھی میں ہاتھ دیتے تھے، کبھی کیا، کبھی کیا، فرعون کہتا تھا کہ: یہ بہت خطرناک لڑکا ہے۔ بیوی نے کہا کہ: یہ تو چھوٹا ہے سمجھ نہیں۔ اُس نے ایک بار آپ علیہ السلام کے امتحان کے لیے ایک پلیٹ میں کوئلہ جلتا ہوا اور دوسری میں موتی رکھا، آپ علیہ السلام کا ہاتھ موتی کی طرف گیا تو فوراً جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کا ہاتھ کوئلہ کی طرف لے گئے، کوئلہ نگل گئے، ننھی منی زبان تھی۔ اَثر یہ ہوا کہ: بعض الفاظ اَدا کرنے میں لکنت ہوتی تھی تو اُس کی طرف اِشارہ ہے کہ: قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ۔

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾:

لفظِ سُؤْلَکَ مصدر ہے بمعنی مَسْئُوْلٌ کے۔ جیسے اَکْلٌ بمعنی مَاْکُوْلٌ کے ہے۔ معنی یہ ہے کہ: "جو تُو نے سوال کیا وہ تجھے ملا"۔

اب یہاں ایک بحث چلتی ہے کہ: آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں جو لکنت تھی وہ کلیتاً ختم ہوگئی تھی یا معمولی رکاوٹ باقی تھی؟ اِس میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: "کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: زبان کی رُکاوٹ کلیتاً چلی گئی تھی۔

دلیل: قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ❶ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ: زبان کی رُکاوٹ کلیتاً ختم ہوگئی تھی۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: "روح المعانی، ابوسعود" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اکثر لکنت تو چلی گئی تھی کچھ تھوڑی سی معمولی رُکاوٹ باقی تھی۔

❶ (سُوْرَۃُ طٰہٰ: ۳۶)

دلیل: آگے آپ پڑھیں گے کہ: فرعون نے اپنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تقابل کیا۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۔۔۔الآیۃ ❶ فرعون نے کہا: دیکھتے نہیں مصر کا بادشاہ یہ ہے یا میں ہوں؟ نہریں میرے محلات کے نیچے سے گزرتی ہیں یا اِس کے پاس ہیں؟ اور پھر آگے فرعون نے کہا: وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ○ ❷ قریب نہیں ہے کہ یہ بیان بھی کر سکے جیسے میری زبان چلتی ہے۔ اِس وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ○ ❷ کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں کچھ معمولی رُکاوٹ تھی۔ جب کہ فرعون کی زبان میں نہ تھی اس وجہ سے فرعون تقابل کرتا تھا۔

اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ○ ﴿۳۸﴾:

اَوْحَيْنَآ کا معنی ہے: "اِلہام کیا"۔ اگر وحی تھی تو اس سے نبوّت ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام یوحانذ رحمہا اللہ تھا۔

فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۹﴾:

لفظ فَلْيُلْقِهِ یہ امر بمعنی خبر ہے۔

اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۰﴾:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام مریم یا کلثوم تھا، یہ عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑی تھیں۔ ماں نے کہا کہ: دریا کے کنارے چلو کہ صندوق کہاں جاتا ہے؟ فرعون کا ایک دھوبی یا مچھیرا تھا، صندوق دیکھا، پکڑ کر لے گیا۔ اب سب حیران ہیں کہ کیا ہوگا؟ فرعون نے کہا: قتل کردو۔ آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: قتل نہ کرو۔ فیصلہ یہ ہوا کہ: قتل نہ کیا جائے۔

فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۔۔۔الآیۃ:

جب فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے رُک گیا تو اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دُودھ پلانے کے لیے دائیاں بلائی گئیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی کا دُودھ نہیں پی رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن جو تاک میں تھی بولی کہ: مَیں ایک عورت کو لا سکتی ہوں، اُمید ہے کہ وہ کسی طرح دُودھ پلا کر بچہ کو پال سکیں گی۔ حکم ہوا کہ: بلاؤ! وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو لے کر پہنچی، چھاتی سے لگاتے ہی بچہ نے دُودھ پینا شروع کر دیا، فرعون کے گھر بڑی خوشیاں منائی جانے لگیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے کہا گیا کہ: یہاں کمروں میں رہو، وظیفہ بھی ملے گا، کھانا بھی ملے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ: مَیں یہاں نہیں رہ سکتی اِجازت دو کہ بچے کو اپنے گھر لے جاؤں اور پوری حفاظت و اہتمام سے بچہ کی پرورش کروں۔ آخر فرعون کی طرف سے بہ طورِ دایہ کے بچہ کی تربیت پر مامور ہو کر اپنے گھر لے آئیں اور شاہانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت میں لگی رہیں۔

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ ۔۔۔الآیۃ:

قاب نامی ایک شخص تھا اُسے مُکّا مارا وہ مر گیا۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۔۔۔الآیۃ:

سِنِيْنَ سے مُراد تقریباً دس (۱۰) سال ہیں۔

وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ○ ﴿۴۲﴾:

وَنٰى، يَنِيْ باب ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہے۔ معنی ہے: "سُستی کرنا، کمزوری کرنا"۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۴﴾:

حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے مواعظ میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ: ہارون الرشید (باون لاکھ "۵۲۰۰۰۰۰" مربع میل پر اُس کی حکومت تھی) کے زمانے میں ایک واعظ تھا، وعظ میں بہت مشہور تھا۔ ہارون الرشید کا جو خطیب تھا اُس نے بھی اُس کی شہرت سُنی تھی، ایک مرتبہ وہ واعظ آیا خطیب سے کہا کہ: آج میں وعظ کہوں گا، وعظ کہا۔ ہارون الرشید بھی بیٹھا تھا اور خطیب بھی، وعظ بہت اچھا تھا لیکن اُس میں سختی تھی، کسی کو کہا کہ: فسق کیا، کسی کو کہا کہ: فلاں خرابی ہے۔۔۔الخ۔ خطیب نے واعظ کا کُرتا پکڑا تا کہ بیٹھ جائے، خطبہ جمعہ خطیب نے پڑھا۔ تمام لوگوں کا خیال تھا کہ:

---

❶ (سُورَۃُ الزُّخرُف: ۵۱) ❷❷ (سُورَۃُ الزُّخرُف: ۵۲)

بادشاہ اِس کو ضرور قتل کرے گا کیوں کہ تمام کو فاسق وغیرہ کہا۔ کچھ دیر بعد سرکاری کارندے آئے اُس کو پکڑ کر ہارون الرشید کے دربار میں لے گئے۔ بادشاہ نے اُس کو سامنے کرسی پر بٹھایا، ٹی پارٹی دی۔ بادشاہ نے کہا کہ: آپ بہت اچھے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام؟ اُس نے کہا کہ: مجھے یہ بات سمجھ نہ آئی۔ بادشاہ نے دُہرائی۔ اُس نے کہا کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام اچھے ہیں، بڑی شان والے نبی ہیں۔ پھر بادشاہ نے کہا کہ: مَیں بدتر ہوں یا فرعون؟ اُس نے پہلے کی طرح کہا کہ: مَیں سمجھ نہ سکا۔ تو ہارون الرشید نے کہا کہ: دیکھو! تمہارا سارا کام قرآن کریم کے خلاف ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ دو (۲) پیغمبروں کو فرماتے ہیں کہ: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ۔۔۔ الآیۃ بہتر کو بدتر کے سامنے بھیجتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: نرمی کرو! تو آپ بھی اپنا لہجہ نرم کریں۔ بات میں نرمی ہو، لہجہ میں گرمی نہ ہو یہ تمام واعظوں کے لیے نصیحت ہے۔

لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ○:

لَعَلَّهٗ کے ذریعے جو ترجی ہے یہ بہ نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے تو ترجی ہے لیکن بہ نسبت اِلَی الله یہ ترجی نہیں ہے۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ○ ﴿۴۵﴾:

يَفْرُطَ کا مطلب یہ ہے کہ: قولاً ہم پر زیادتی کرے۔ يَطْغٰى کا مطلب یہ ہے کہ: عملاً ہم پر ہاتھ اُٹھائے۔

اِس پر قرینہ یہ ہے کہ: آگے رب تعالیٰ نے فرمایا: اَسْمَعُ وَ اَرٰى ○ لفظ اَسْمَعُ کا تعلق يَفْرُطَ سے ہے۔ اِس طور پر کہ: سننا قول کا ہوتا ہے اور اَرٰی کا تعلق يَطْغٰى سے ہے۔ اِس طور پر کہ: دیکھنا فعل کا ہوتا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ: اگر وہ قولاً زیادتی کرے گا تو مَیں سنتا ہوں اور اگر فعلاً زیادتی کرے گا تو مَیں دیکھتا ہوں۔

مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ○ ﴿۴۸﴾:

اَیْ كَذَّبَ عَنِ التَّصْدِيْقِ اَوْ عَنِ الْاِيْمَانِ وَتَوَلّٰى عَنِ الْعَمَلِ۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۳﴾:

اِس کو اِلتفات کہتے ہیں۔ اِسی آیت میں پہلے غائب کے صیغے تھے۔ مثلاً: اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ۔۔۔ الآیۃ ، وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۔۔۔ الآیۃ اور اب متکلم کے صیغے ہیں: فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا ۔۔۔ الآیۃ۔

مِنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ○:

لفظ شَتّٰى، شَتِيْتٌ کی جمع ہے جیسے مَرْضٰى، مَرِيْضٌ کی جمع ہے۔ شَتّٰى کے معنی ہیں: "مختلف"۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ○ ﴿۵۴﴾:

مَیں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ: لفظ اُولُوْا جمع ہے ذُوْ کی مِنْ غَيْرِ لَفْظِهٖ۔

"تفسیر بیضاوی، کشاف، رُوح المعانی" میں لکھا ہے کہ: لفظ نُهٰى جمع ہے نُهْيَةٌ کی۔ معنی ہے: "عقل"۔ عقل کے لفظی معنی ہیں: "باندھنے والی چیز"۔ مثلاً: رسّی وغیرہ ہے وہ کسی بھی چیز کو رُوکتی ہے اسی طرح عقل بُرائی سے رُوکتی ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ○ ﴿۵۵﴾:

ربط: اُوپر زمین کا ذکر تھا۔ اِس طور پر کہ: زمین کو ہم نے بنایا اب آگے زمین کے بارے میں فوائد بیان فرماتے ہیں کہ: اِس زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔

فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۸﴾:

لفظ مَوْعِدًا ظرفِ زمان ہے ظرفِ مکان نہ سمجھنا کیوں کہ ظرفِ مکان آگے مذکور ہے۔ معنی یہ ہے کہ: "وعدے کا وقت مقرر کر"۔

لَا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں دو باتیں ہیں:

① پہلی بات تو یہ ہے کہ: لفظِ نُخْلِفُ اِس بات پر قرینہ ہے کہ: لفظِ مَوْعِدًا ظرفِ زمان ہے یعنی یہ جملہ ظرفِ زمان کی تشریح کر رہا ہے۔ اِس طور پر کہ: اُس وعدے کے وقت کی مخالفت نہ ہم کریں، نہ تم کرو۔ جب کہ مَكَانًا سُوًى ○❶ ظرفِ مکان موجود ہے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب سے خود ظرفِ زمان متعین ہے۔ اِس طور پر کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ۔۔۔ الآیۃ ❷ تمہارے وعدے کا وقت عید کا دن ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ: لفظِ مَوْعِدًا ظرفِ زمان مُراد ہے ظرفِ مکان نہ سمجھنا۔

مَكَانًا سُوًى ○:

یہ ظرفِ مکان ہے۔ اَیْ فِیْ مَكَانٍ سَوِیٍّ۔

اِس کے دو (۲) مطلب ہیں: ① جتنے ہم آئیں گے اُتنے تم بھی یعنی فاصلہ برابر ہوگا۔ ② برابر اور ہموار جگہ مُراد ہے۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ۔۔۔ الآیۃ ۝:

يَوْمُ الزِّيْنَةِ سے عید کا دن مُراد ہے کیوں کہ اُس دن چھٹی ہوتی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ: "کثرت سے لوگ جمع ہوں"۔

وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ○:

چاشت کے وقت عموماً لوگ جمع ہوتے تھے۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔۔۔ الآیۃ ۝:

مطلب یہ ہے کہ: مَیں خدا کا پیغمبر ہوں، اللہ میرے ہاتھ پر جو دکھلاتا ہے وہ معجزہ ہے اور جو جادو تم کرتے اور دکھلاتے ہو تو تم معجزے کو نا کام بنانے کے لیے یا حق کو نا کام بنانے کے لیے اِس طرح کرتے ہو اور اِن معجزوں کو پیچھے کرنا اور نا کام بنانے کی کوشش کرنا اِفْتِرَآء عَلَى اللّٰهِ ہے۔

فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ۔۔۔ الآیۃ:

اَسْحَتَ، يُسْحِتُ، اِسْحَاتًا بابِ اِفْعَال سے ہے۔ معنیٰ ہے: "اِهْلَاكٌ یعنی ہلاک کرنا"۔

سوال لفظِ يُسْحِتَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ يُسْحِتَ، لَا تَفْتَرُوْا میں جو نہی ہے اُس کے لیے جواب نہی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ○ ۝:

جادوگروں نے اپنے معاملے میں تنازع کیا۔

سوال تنازع کیا تھا؟

جواب "تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اِختلاف اِس طرح ہوا کہ: اُن میں سے بعض نے کہا کہ: مقابلہ نہ کرو بل کہ ایسا راستہ اِختیار کرو کے مقابلے کی نوبت نہ آئے اور فرعون بھی مطمئن ہو جائے کیوں کہ مقابلے کی صورت میں شرمندگی ہوگی۔ بعض نے کہا کہ: ہم تو بہت دُور سے آئے ہیں، کرایہ دیا ہے، ضرور مقابلہ کریں گے۔

② اِختلاف اِس طرح ہوا کہ: بعض نے کہا کہ: پہلے فرعون کو بُلاؤ اور اُس کو کہہ دو کہ: اگر ہم غالب آجائیں تو پیسے ملیں گے یا نہیں؟ دوسروں نے کہا کہ: نہیں! بل کہ بعد میں دے دے گا کیوں کہ وہ بادشاہ ہے پیسے دے سکتا ہے۔ تو پہلوں نے کہا کہ: وہ بادشاہ تو ہے لیکن ہے ظالم معاوضہ نہیں دے گا۔

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ۔۔۔ الآیۃ ۝:

"جمل، کمالین، مدارک، البحر المحیط، رُوح المعانی، بیضاوی، کشاف" میں کئی ترکیبیں ہیں، مَیں تین (۳) آسان عرض کرتا ہوں:

① ایک ترکیب یہ ہے کہ: اِنْ مثقلہ تھا مخففہ کیا گیا اور لَسٰحِرٰنِ قرینہ ہے۔ معنیٰ یہ ہوا کہ: "بے شک! یہ دو (۲) جادوگر ہیں، اِرادہ کرتے ہیں کہ تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زُور سے نکال دیں"۔

❶ (سُوْرَۃُ طٰہٰ، ۵۸) ❷ (سُوْرَۃُ طٰہٰ، ۵۹)

اِشکال: اِس پر یہ وارد ہوتا ہے کہ: اِنْ تو اسم کو نصب دیتا ہے یہاں ھٰذٰانِ ہے حال آں کہ ھٰذَیْنِ ہونا چاہیے تھا؟
جوابات: بنوالحارث ابن کعب "عرب کا ایک قبیلہ ہے، اُن کے نزدیک تثنیہ کا اِعراب تقدیری ہوتا ہے۔ جیسے: جَآءَنِیْ زَیْدَانِ، وَرَأَیْتُ زَیْدَانِ، وَمَرَرْتُ بِزَیْدَانِ۔ جَآءَنِیْ الْقَاضِیْ، وَرَأَیْتُ الْقَاضِیْ، وَمَرَرْتُ بِالْقَاضِیْ۔
② دوسری ترکیب یہ ہے کہ: اِنْ نفی ہے اور لَسٰحِرٰانِ میں لَام بمعنی اِلَّا ہے۔ اَیْ مَا ھٰذٰانِ اِلَّا سَاحِرَانِ یُرِیْدَانِ۔ معنی ہے: "نہیں ہیں یہ دونوں بھائی مگر جادوگر"۔
③ تیسری ترکیب یہ ہے کہ: اِنْ حروفِ اِیجاب میں سے ہے اور یہ "نَعَم" کے معنی میں ہے۔ ھٰذٰانِ مبتداء اور لَسٰحِرٰانِ خبر ہے۔ معنی ہے: "ہاں! یہ دونوں جادوگر ہیں"۔ لیکن اِس ترکیب پر یہ اِعتراض وارد ہوتا ہے کہ: مبتداء کی خبر پر لَام نہیں آتا۔

وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝:

لفظِ مُثْلٰی، اَمْثَلُ کی مؤنث ہے۔

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝:

اِس مقام پر اِمام رازی رحمہ اللہ نے خاصی بحث کی ہے اور اِمام رازی رحمہ اللہ اِس بات پر مصر ہیں کہ: اُن جادوگروں کی لاٹھیاں سانپ نہیں بنیں تھیں اِس آیت میں لفظِ یُخَیَّلُ سے اِستدلال کرتے ہیں۔ اُن کا فرمانا یہ ہے کہ: وہ زیبک یعنی پارہ تھا اور پارہ کی خاصیت یہ ہے کہ: جب وہ دھوپ میں گرم ہوتا ہے تو متحرک ہوجاتا ہے۔

جواب جمہور کہتے ہیں کہ: آپ نے خود ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ۔۔۔ الآیۃ ❶ کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے کہ: اہلِ سنّت والجماعت کے نزدیک جادو کا یہ اَثر ہوسکتا ہے کہ: اِنسان کا گدھا بن جائے اور گدھے کا اِنسان بن جائے۔ تو اُن لاٹھیوں کا جادو کے ذریعے سانپ بن جانا کوئی بعید بات تو نہیں ہے؟!!

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝:

اَوْجَسَ کا معنی ہے: "محسوس کیا"۔

سوال ایک سوال یہاں پیدا ہوتا ہے کہ: پیغمبر جادوگروں کے مقابلے میں خوف زدہ ہے اور اُن کے مقابلے میں اُس کو خوف ہے تو اِس کا مطلب تو یہ ہے کہ: (مَعَاذَ اللّٰہ) معجزے پر اِعتماد نہیں اور نبوت ورسالت پر بھی کامل یقین نہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مَیں مغلوب ہوجاؤں؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:
① علامہ بغوی رحمہ اللہ "معالم التنزیل" والے فرماتے ہیں کہ: یہ خوف شکست کی وجہ سے نہیں تھا بل کہ خوف اِس لیے تھا کہ: جب اُنہوں نے سانپ بنائے تو نعرے لگانے شروع کیے کہ فرعون زندہ باد وغیرہ۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف اِس بات پر تھا کہ: یہ لوگ تو شور مچا رہے ہیں اور منتشر ہیں اگر مَیں اِس وقت اپنا معجزہ کو ظاہر کروں تو لوگوں کی توجہ نہ ہوگی۔
② اِمام رازی رحمہ اللہ اور علامہ آلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: خوف اِس بات کا تھا کہ مَیں بھی سانپ ظاہر کروں اور اُنہوں نے بھی ظاہر کیا تو کیا پتہ چلے گا کہ: یہ میرا ہے اور وہ اُن کا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝❷

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا۔۔۔ الآیۃ ۝:

"تفسیر بیضاوی، رُوح المعانی، کبیر" وغیرہ میں وَالَّذِیْ میں جو وَاوْ ہے اُس کے متعلق دو (۲) تفسیریں منقول ہیں:
① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: وَاوْ حرفِ عطف ہے اور یہ مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ پر عطف ہے۔ معنی یہ ہوا کہ: "ہم تجھ کو ترجیح نہیں دیتے اُس پر جو ہمارے پاس دلیلیں آچکیں اور اُس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا"۔
② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: وَاوْ قسم کا ہے۔ معنی یہ ہے کہ: "ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے اُن چیزوں پر جو ہمارے پاس واضح دلیل آئیں۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا"۔

❶ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۱۰۲) ❷ (سُوْرَۃُ طٰہٰ، ۶۸)

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى ۔۔۔ الآية ﴿۷۷﴾:

جب فرعونیوں نے میدانِ مقابلہ میں شکست کھائی، جادوگر مشرف بہ ایمان ہوئے، بنی اسرائیل کا پلہ بھاری ہونے لگا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سالہا سال تک اللہ تعالیٰ کی آیاتِ باہرہ دکھلا کر ہر طرح حجت تمام کردی، اُس کے باوجود بھی فرعون حق کو قبول کرنے اور بنی اسرائیل کو آزادی دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ تب حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ: سب بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رات کے وقت مصر سے ہجرت کر جاؤ تاکہ اس طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو، راستہ میں سمندر بحرِ قلزم حائل ہوگا۔ لیکن آپ (علیہ السلام) جیسے اُولُو الْعَزْم پیغمبر کے راستے میں سمندر کی موجیں حائل نہیں ہونی چاہئیں، اُن ہی کے اندر سے اپنے لیے خشک راستہ نکال لو جس سے گذرتے ہوئے نہ غرق ہونے کا اندیشہ کرو اور نہ اس بات کا کہ شاید دشمن پیچھے سے تعاقب کرتا ہوا آ پکڑے۔ چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی ہدایت کے موافق سمندر پہ لاٹھی ماری جس سے پانی پھٹ کر سمندر کے بیچ میں خشک راستہ تیار ہوگیا، جس کے دونوں طرف پانی کے پہاڑ کھڑے تھے۔ بنی اسرائیل اُس پر سے بے تکلف گذر گئے۔ پیچھے سے فرعون اپنے عظیم الشان لشکر کو لے کر تعاقب کرتا آرہا تھا، خشک راستہ دیکھ کر اُدھر ہی گھس پڑا جس وقت بنی اسرائیل عبور کر گئے اور فرعونی لشکر راستہ کے بیچوں بیچ پہنچا تو خدا تعالیٰ نے سمندر کو ہر طرف سے حکم دیا کہ: اِن سب کو اپنی آغوش میں لے لے۔ پھر کچھ نہ پوچھو کہ سمندر کی موجوں نے کس طرح اُن سب کو ہمیشہ کے لیے ڈھانپ لیا؟!!

لَا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ○:

لَا تَخٰفُ دَرَكًا اَیْ اَنْ يُّدْرِكَكَ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ۔ اس بات کا خوف نہ کرنا کہ: فرعون اور اُس کا لشکر تجھ کو پکڑے۔ وَلَا تَخْشٰى اَیِ الْغَرَقَ اور غرق کا خوف بھی نہ کر۔

فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِیْ ۔۔۔ الآية ﴿۸۱﴾:

حَلَّ، يَحُلُّ باب نَصَرَ، يَنْصُرُ سے ہو تو معنی ہے: "اُترنا"۔ اور حَلَّ، يَحِلُّ باب ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہو تو معنی ہے: "لَزِمَ وَ وَجَبَ یعنی لازم ہونا واجب ہونا"۔ یہاں پر بابِ ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہے۔

فَقَدْ هَوٰى ○:

هَوٰى، يَهْوِی، هُوِيًّا۔ معنی ہے: "نیچے گرنا"۔ هَوٰى، يَهْوٰى، هَوِيًّا۔ معنی ہے: "اُوپر چڑھنا"۔ هَوٰى، يَهْوٰى، هَوًا۔ معنی ہے: "چڑھنا"۔ یہاں هُوِيًّا سے ہے معنی ہے: "نیچے گرنا"۔

وَمَاۤ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ○ ﴿۸۳﴾:

حضرت موسیٰ علیہ السلام حسبِ وعدہ نہایت اِشتیاق کے ساتھ کوہِ طور پر پہنچے۔ شاید قوم کے بعض نقباء کو بھی ہمراہ لے جانے کا حکم ہوگا وہ ذرا پیچھے رہ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام شوق میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! ایسی جلدی کیوں کی کہ قوم کو پیچھے چھوڑ آئے؟ عرض کیا کہ: اے پروردگار! تیری خوشنودی کے لیے جلد حاضر ہوگیا اور قوم بھی کچھ زیادہ دُور نہیں، وہ میرے پیچھے چلی آرہی ہے۔

قَالُوْا مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا ۔۔۔ الآية ﴿۸۷﴾:

یہاں آپ کو یہ تفسیر ملے گی کہ: جس وقت بنی اسرائیل ہجرت کر کے آئے تو اُن کے ساتھ فرعونیوں کے زیورات تھے یا تو شادی کے لیے مانگ کر لائے تھے یا اَمانت کے طور پر اُن کے ساتھ تھے۔ پہلی اُمتوں میں غنیمت جائز نہ تھی۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ: اِن زیورات کو زمین میں رکھو یا اُنہوں نے آگ میں ڈالے تاکہ ختم ہوجائیں۔ بہرحال کوئی بھی صورت ہو بنی اسرائیل اُن کا اِستعمال اپنے لیے جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن غضب ہے کہ اُس کا بُت بنا کر پوجنا جائز سمجھا۔

فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِیُّ ○:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اَلْقٰی بمعنی صَنَعَ کے ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ معنی کرتے ہیں: "ڈھالا" یعنی پگھلانا۔ یہ اَلْقٰی بمعنی "ڈھالنے" کے ہے "پھینکنے" کے معنی میں نہیں ہے۔ اگرچہ اَلْقٰی کے ایک معنی "پھینکنے" کے بھی آتے ہیں لیکن یہاں "ڈھالنے" والا معنی مُراد ہے۔

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۔۔۔الآیۃ:

اَلَّا يَرْجِعُ اَیْ اَنَّهٗ لَا يَرْجِعُ۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ ۔۔۔الآیۃ:

حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا خلیفہ بنایا تھا اور اُنہوں نے قوم سے کہا تھا: مِنْ قَبْلُ ۔۔۔الآیۃ [1] اَیْ مِنْ قَبْلِ رُجُوْعِ مُوْسٰی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے سے پہلے کہ: اے قوم! تم فتنے میں ڈالے گئے ہو، رب تمہارا رحمٰن ہے یہ بچھڑا نہیں ہے۔

فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝:

اِتباع کا معنی یہ ہے کہ: عمل میں پیروی کرنا۔ اِطاعت کا معنی یہ ہے کہ: قول میں پیروی کرنا۔ یعنی میرے عمل کی پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۔۔۔الآیۃ:

یہاں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: اَلَّا تَتَّبِعَنِ میں لَا زائدہ ہے اَیْ اَنْ تَتَّبِعَنِ یعنی تُو میری پیروی کرتا اِس سے کس چیز نے تجھے رُوکا؟

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: اَلَّا حرفِ تحضیض میں سے ہے اور ماقبل جملہ ختم ہوگیا ہے۔ معنی یہ ہے کہ: "اے ہارون (علیہ السلام)! تجھے کس چیز نے منع کیا جب تُو نے اُن کو دیکھا کہ یہ گمراہ ہو چکے ہیں تو اَلَّا تَتَّبِعَنِ تو کیوں نہ تُو نے میری اِتباع کی"؟

اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔۔۔الآیۃ:

تفریق کا مطلب یہ ہے کہ: مَیں اگر آپ کے پاس وہاں آتا تو کچھ لوگ جو مؤمن تھے وہ بھی میرے ساتھ آتے اور باقی بچھڑے کے پاس رہتے تو آپ (علیہ السلام) فرماتے کہ: کچھ اپنے ساتھ لے آئے اور کچھ کو پیچھے چھوڑ آئے۔ تو یہ معنی ہے تفریق کا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝:

اب سامری کے پاس گئے، سامری کا نام "موسیٰ بن ظفر" اور قبیلے کا نام "بنوسامرا" تھا۔ بعض کے نزدیک یہ اسرائیلی تھا، بعض کے نزدیک قبطی تھا۔ بہر حال یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ایک منافق تھا اور منافقین کی طرح فریب اور چال بازی سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ سامری نے کہا کہ: مجھ کو ایک ایسی چیز پر نظر پڑی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی یعنی خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو گھوڑے پر سوار دیکھا۔ شاید یہ اُس وقت ہوا ہوگا جب بنی اسرائیل دریا میں کھڑے ہو گئے تا کہ ایک کو دوسرے سے ملنے نہ دیں۔ بہر حال سامری نے کسی محسوس دلیل سے یا وجدان سے یا کسی قسم کے تعارفِ سابق کی بناء پر سمجھ لیا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ اُن کے پاؤں یا اُن کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اُٹھائی تھی اور پھر اُس بچھڑے میں ڈالی تھی۔

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ ۔۔۔الآیۃ:

"جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: اَیْ مِنْ اَثَرِ حَافِرِ فَرَسِ الرَّسُوْلِ۔

فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ مِسَاس بابِ مُفَاعَلَة کا مصدر ہے۔ معنی ہے: "نہ تم مجھ کو ہاتھ لگاؤ اور نہ مَیں تم کو ہاتھ لگاؤں"۔ تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ: جو ہاتھ لگاتا تھا اُس کو بخار چڑھتا تھا اور جب دوسرا لگاتا تھا تو بھی اُسے بخار ہو جاتا تھا۔

وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ ظَلْتَ اَصل میں ظَلَلْتَ تھا۔ معنی ہے: "دن بھر"۔

---

[1] (سُوْرَۃُ طٰہٰ: ۹۰)

لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ۝:

اِشْکَال: بعض زائغین نے اشکال کیا ہے کہ: سونا اور چاندی پگھلتے ہیں اور جلتے نہیں اور یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: مَیں جلاؤں گا تو اِس کا کیا مطلب ہے؟

جَوَاب: اِس کے دو (۲) جوابات ہیں:

① حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت سے معجزے تھے تو اگر یہ سونا، چاندی، خارقِ عادت طور پر جلائے تو کیا اِستبعاد ہے؟

② لوگ سونے اور چاندی کے کُشتے بناتے ہیں اور اُس کو جلا کر راکھ بنا کر اِستعمال کرتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اگر اُس کو جلایا تو کیا اِستبعاد ہے؟

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ۔۔۔الآیۃ ۞:

اَیْ كَمَا قَصَصْنَا نَبَأَ هٰؤُلَآءِ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ اُمَمٍ مَا قَدْ سَبَقَ۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا اِسی طرح دوسری اُمّتوں کا بھی بیان کرتے ہیں۔

وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝ ۞:

لفظِ حِمْلًا مصدر بمعنی مفعول ہے۔

وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ ۞:

لفظِ زُرْقًا، اَزْرَق کی جمع ہے۔ معنی ہے: "نیلی آنکھ والا"۔ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عربی کا محاورہ یہ ہے کہ: جب کوئی شخص اپنے کسی دُشمن کی ذم یعنی بُرائی بیان کرتا ہے تو کہتا ہے کہ: یہ کالے جگر والا ہے، سُرخ مونچھوں والا ہے، اور اَزْرَقُ الْعَيْنِ نیلی آنکھوں والا ہے۔ اِس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ: رُومیوں کی عموماً یہ شکلیں ہوتی تھیں اور عرب اُن سے نفرت کرتے تھے۔

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ ۞:

اَیْ لَيَالِیَ عَشْرًا۔

سوال: بعض کہیں گے: يَوْمًا۔ بعض کہیں گے: عَشْرًا۔ بعض کہیں گے: سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ۔ بعض کہیں گے: عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا۔ یہ تو آپس میں تعارض ہے۔

جواب: "تفسیرِ کبیر" وغیرہ میں اِس کے اُصولی دو (۲) جواب نقل کیے گئے ہیں:

① کہنے والے متعدد ہوں گے۔ جب کہنے والے متعدد ہوں تو کوئی يَوْمًا کہے گا، کوئی عَشْرًا کہے گا، کوئی سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ کہے گا، کوئی عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا کہے گا۔ جب موضوع ایک نہ رہا تو کوئی تعارض بھی نہیں رہا۔

② اِن الفاظ سے قدرِ مشترک قلّت مُراد ہے۔ یعنی آخرت کے مقابلے میں دُنیا میں تھوڑا رہنا ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ۝ ۞:

ربط: اَبھی آپ نے قیامت کا لفظ پڑھا: وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝ تو قیامت کے منکرین کفار بہ طورِ اِنکار یہ کہتے تھے کہ: قیامت تو توڑ پھوڑ کا نام ہے، تو اُس دن یہ پہاڑ کہاں ہوں گے؟

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ ۞:

سوال: يَذَرُهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① يَذَرُهَا کی "هَا" ضمیر اَرض یعنی زمین کی طرف راجع ہے۔ یہاں اگرچہ زمین کا ذکر نہیں لیکن فحوئے کلام سے یہ زمین کی طرف راجع ہے۔ معنی ہے: "چھوڑے گا اِس زمین کو میدان ہموار"۔

② يَذَرُهَا کی "هَا" ضمیر جِبَال کی طرف راجع ہے۔ لیکن مضاف محذوف ہے۔ اَیْ مَوَاضِعَهَا، مَرَاكِزَهَا۔

---

❶ (سُوْرَۃُ طٰہٰ، ۱۰۱)

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۸﴾:

داعی سے مُراد حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں جب وہ بگل پھونکیں گے۔

سوال لَهٗ کی "ہ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب لَهٗ کی "ہ" ضمیر اِتِّبَاع کی طرف راجع ہے جو کہ یَتَّبِعُوْنَ میں مستتر ہے۔ اَیْ لَا عِوَجَ لِلْاِتِّبَاعِ۔

فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝:

اَصل میں جب اُونٹ زمین پر پاؤں رکھتا ہے اور جو پُش کی آواز آتی ہے اُس کو ھَمْس کہتے ہیں۔ تو ھَمْس کے لغوی معنی ہیں: "اُونٹ کے زمین پر پاؤں پڑنے کی آواز"۔ یہاں مطلق پاؤں کی آواز مُراد ہے یعنی مُراد عام ہے۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۝ ﴿۱۰۹﴾:

یہاں دو (۲) آسان باتیں ہیں:

① یہ مَنْ اَذِنَ مفعول ہو کر منصوب ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ: "اُس دن نفع نہیں دے گی شفاعت مگر اُس شخص کو جس کے لیے رحمٰن نے اِجازت دی اور اُس کی بات پر راضی ہوا"۔ تو اِس سے مشفوع لہٗ مُراد ہے۔

② یہ مَنْ اَذِنَ مفعول ہو کر مرفوع ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ: "شفاعت نفع نہیں دے گی مگر اُس کی جس کے لیے رحمٰن نے اِجازت دی ہو"۔
لیکن پھر یہاں مضاف محذوف ماننا پڑے گا تو تقدیری عبارت یوں ہوگی: اَیْ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا شَفَاعَةُ مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۱﴾:

عَنٰی، یَعْنِیْ باب ضَرَبَ، یَضْرِبُ سے بھی آتا ہے۔ معنی ہے: "مُراد لینا"۔ عَنِیَ، یَعْنٰی باب سَمِعَ، یَسْمَعُ سے بھی آتا ہے۔ معنی ہے: "مشقت اُٹھانا"۔ عَنٰی، یَعْنُوْا باب نَصَرَ، یَنْصُرُ سے بھی آتا ہے۔ معنی ہے: "جھک جانا"۔ یہاں باب نَصَرَ، یَنْصُرُ سے ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۳﴾:

بعض حضرات اِس کی تقدیری عبارت یہ نکالتے ہیں: كَمَا اَنْزَلْنَا هٰذِهِ الْاٰيَاتِ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔ لیکن صحیح تقدیری عبارت وہ ہے جو قرطبی وغیرہ میں ہے کہ: كَمَا اَنْزَلْنَا الْكُتُبَ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ مِنْ قَبْلِكَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۴﴾:

"بخاری شریف" وغیرہ میں روایت ہے کہ: پہلے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ پڑھتے تھے تاکہ بھول نہ جائیں ❶ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ۔۔۔ الآیۃ ❷ یہاں اِختصار ہے اور دوسرے مقام پر تفصیل ہے کہ: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ ❸

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۵﴾:

فَنَسِيَ کا معنی ہے: تَرَكَ۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۶﴾:

ربط: اَبھی آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کا نام سنا آگے آپ علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ: اُن سے ایک لغزش سرزد ہوئی تھی۔

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ ﴿۱۱۸﴾:

یہ مطلب نہیں کہ: وہاں بھوک نہیں لگی بل کہ مطلب یہ ہے کہ: ایسی بھوک کہ اُس کے بعد اُس کا کوئی مداوہ نہ ہو۔ اِسی طرح کا مطلب پیاس کا بھی ہے۔ یعنی ایسی پیاس جس کے بعد اُس کا کوئی مداوہ نہ ہو۔

---

❶ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ القیامۃ، ج ۲، ص ۷۳۳، طبع یادگار شیخ، کراچی) ❷ (سُورۃُ طٰہٰ، ۱۱۴) ❸ (سُورۃُ الْقِیٰمَۃ، ۱۶-۱۷)

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ ﴿۱۲۰﴾:

بَلِیَ، یَبْلٰی باب سَمِعَ، یَسْمَعُ سے ہے۔ معنی ہے: "خراب ہونا، ختم نہ ہونا" وغیرہ۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲۴﴾:

ذِکر سے مُراد "یاد" یا "کتاب" ہے۔

فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر معالم التنزیل، خازن" وغیرہ میں دو (۲) آسان باتیں ہیں:

① حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ "طبرانی، مسند بزار" کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ: اس سے مُراد قبر کی تنگی ہے۔

② علامہ آلوسی رحمہ اللہ، علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ایسی زندگی جس میں خیر داخل نہ ہو اگرچہ مال بہت زیادہ ہو۔

وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ○ ﴿۱۲۶﴾:

تُنْسٰی کا معنی ہے: تُتْرَكُ ۔ اَیْ تُتْرَكُ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ○ ﴿۱۲۹﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: ہم نے اُن سے پہلے کئی جماعتوں کو ہلاک کیا، تو آگے فرماتے ہیں کہ: ان کی ہلاکت بھی ہو سکتی ہے۔

"تفسیر بیضاوی، کشاف، البحر المحیط" میں لکھا ہے کہ: اگر نہ ہوتی ایک بات جو تیرے رب کی طرف سے طے ہو چکی ہے بِتَاخِيْرِ الْعَذَابِ عَنْهُمْ اور اُن کا وقت مقرر نہ ہوتا البتہ ہوتا اُن کا ہلاک ہونا لازم۔ لَكَانَ الْاِهْلَاكُ لِزَامًا یعنی اگر تاخیرِ عذاب کی بات اور اُن کے وقتِ مقررہ کی بات پہلے سے تیرے رب کے ہاں طے شدہ نہ ہوتی تو اُن کی ہلاکت لازمی ہوتی۔

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۳۰﴾:

لفظِ اٰنَآء، اِنًا کی جمع ہے۔ اِنًا کے معنی ہیں: سَاعَةٌ یعنی وقت اور اٰنَآء کے معنی ہیں: "سَاعَاتٌ یعنی اَوقات"۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۳۱﴾:

تَمُدَّنَّ کا معنی ہے: "پھیلانا"۔ معنی یہ ہوں گے کہ: "نہ پھیلا اپنی دونوں آنکھوں کو"۔ یہاں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور سبق اُمت کو ہے۔

مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لفظِ زَهْرَةَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب یہاں آپ کو بڑی ترکیبیں ملیں گی۔ چند مَیں عرض کرتا ہوں:

① لفظِ زَهْرَةَ بدل ہے لفظِ اَزْوَاجًا سے اور لفظِ اَزْوَاجًا مفعول ہے۔ لیکن یہاں ایک اشکال ہے۔

اشکال: لفظِ اَزْوَاجًا ذات ہے اور لفظِ زَهْرَةَ وصف ہے۔ ذات کا وصف پر حمل دُرست نہیں۔

جواب: یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَیْ اَصْحَابُ زَهْرَةٍ / ذَوِیْ زَهْرَةٍ۔

② زَهْرَةَ کا لفظ مَا مَتَّعْنَا سے حال ہے۔

③ زَهْرَةَ کا لفظ بِهٖ کی "ہٖ" ضمیر سے حال ہے۔

④ زَهْرَةَ کا لفظ بِهٖ کی "ہٖ" ضمیر سے تمیز ہے۔

⑤ زَهْرَةَ کا لفظ منصوب عَلَی الذَّم ہے۔

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ۔۔۔ الآیۃ:

فِيْهِ کے متعلق بھی دو (۲) باتیں ہیں:

① فِيْ تعلیلیہ ہے۔ أَيْ لِنَفْتِنَهُمْ لِأَجْلِهٖ۔

② فِيْ ظرفیہ ہے۔ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ أَيْ فِيْمَا مَتَّعْنَاهُمْ۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝:

لفظ أَهْل محذوف ہے۔ أَيْ لِأَهْلِ التَّقْوٰى۔

مَا فِي الصُّحُفِ الْأُوْلٰى ۝:

پہلے صحیفوں میں ہے کہ: یہ تمام واقعات جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بیان کرتے ہیں وہ صحیح بیان کرتے ہیں۔ تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل ہے۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ۔۔۔ الآیۃ:

سوال قَبْلِهٖ کی "ہ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب قَبْلِهٖ کی "ہ" ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

اشکال: اگر قَبْلِهٖ کی "ہ" ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے تو اِضْمَار قَبْلَ الذِّکْر لازم آئے گا۔

جواب: یہاں التفات ہے اس طور پر کہ: پہلے خطاب تھا: لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝ ❶ اور اب غائب کے صیغوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ یعنی ذکر پہلے ہوا ہے ایسا نہیں کہ ضمیر بغیر مرجع کے ہے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى ۝:

نَذِلَّ کا معنی ہے: "اپنے نفسوں میں ذلیل ہونا" اور نَخْزٰى کا معنی ہے: "دوسروں کی نظروں میں رسوا ہونا"۔

---

❶ (سُوْرَۃُ طٰهٰ، ۱۳۰)

آیَاتُھَا (۱۱۲) (۲۱) سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآءِ مَکِّیَّۃٌ (۷۳) رُکُوْعَاتُھَا (۷)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا۔۔۔الآیۃ ❶ تھا حساب وکتاب کی دھمکی تھی اوراب اس سورۃ میں اُس کے وُقوع کا بیان ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآءِ ہے۔ وجہ تسمیہ دوسرے رُکوع میں آئے گی کہ: اللہ تعالیٰ سارے انبیاء کرام علیہم السلام کا مجموعی عقیدہ بیان کرتا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱﴾:

تحقیق وُقوع کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا۔

مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲﴾:

اہلِ حق کہتے ہیں کہ: کلامِ لفظی تو قدیم نہیں ہے بل کہ حادث ہے اور کلامِ نفسی قدیم ہے۔

علامہ زمخشری اور معتزلہ کا نظریہ: علامہ زمخشری اور معتزلہ کا نظریہ یہ ہے کہ: قرآن قدیم نہیں ہے بل کہ حادث ہے۔ یہ لوگ کلامِ لفظی اور کلامِ نفسی کی تقسیم نہیں کرتے اور یہاں سے اپنے نظریہ پر اِستدلال کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں لفظِ مُحْدَث ذکر فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ: قرآن حادث ہے۔

جواب علامہ رازی رحمہ اللہ، علامہ اُندلسی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہم کلامِ لفظی کو قدیم نہیں کہتے بل کہ کلامِ نفسی کو قدیم کہتے ہیں۔ رہی بات مذکورہ آیت سے آپ کے اِستدلال کی تو آپ کا یہ اِستدلال صحیح نہیں ہے۔

① پہلی بات یہ ہے کہ: یہاں پر لفظِ مُحْدَث کا معنی ہے: "تازہ"۔

② دوسری بات یہ ہے کہ: مُحْدَث تو یہ الفاظ ہیں اور الفاظ کے حادث ہونے کے ہم بھی قائل ہیں ہم جس کو قدیم کہتے ہیں وہ تو کلامِ نفسی ہے نہ کہ کلامِ لفظی۔

وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ○:

یہ جملہ اِسْتَمَعُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر سے حال ہے۔

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۳﴾:

لفظِ لَاهِيَةً بھی حال متداخلہ یا مترادفہ ہے یعنی قرآن پاک کی بڑی بیش قیمت نصیحتوں کو محض ایک کھیل تماشہ کی حیثیت سے یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ: اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ ❷

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۔۔۔الآیۃ:

اِشکال: "تفسیر کشاف، بیضاوی، البحر المحیط، جمل، کمالین" میں بہت سی باتیں ہیں۔ نحوی قاعدہ یہ ہے کہ: فاعل ظاہر ہو تو فعل مفرد لایا جاتا ہے۔ جیسے: ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ زَيْدَانِ، ضَرَبَ زَيْدُوْنَ۔ یہاں اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فاعل اسمِ ظاہر ہے اور اَسَرُّوا فعل جمع ہے حال آں کہ فعلِ مفرد اَسَرَّ ہونا چاہیے تھا؟

جواب: اِس کے کئی جوابات ہیں۔ ایک جواب اِمام سیبویہ رحمہ اللہ کا ہے۔ اِمام سیبویہ رحمہ اللہ کی کنیت "ابو بشر" تھی۔ "عمرو بن عثمان بن عنبر" نام تھا۔ ایک سو اَسّی (۱۸۰) ہجری میں اِن کی وفات ہوئی ہے۔ سیبویہ کے معنی علامہ تاج کبریٰ زادہ کرتے ہیں: رَائِحَةُ التُّفَّاحِ یعنی سیب کی خوشبو۔

---

❶ (سُوْرَۃُ طٰہٰ: ۱۳۵) ❷ (سُوْرَۃُ الْاَنْعَام: ۲۵)

① امام سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فاعل نہیں ہے بل کہ اَسَرُّوا فعل کے اندر جو "هُمْ" ضمیر مستتر ہے وہ فاعل ہے اور اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اُس "هُمْ" ضمیر فاعل سے بدل ہے۔ اِس چیز کو نحوی حضرات اپنی اِصطلاح میں مِنْ قَبِیْلِ اَكَلُوْنِی الْبَرَاغِیْثُ کہتے ہیں۔ بَرَاغِیْث، بَرْغُوْث کی جمع ہے، بَرْغُوْث "پسو" پشتو میں "رگہ" کو کہتے ہیں۔ اِس جملہ میں اَكَلُوْ کے اَندر جو "هُمْ" ضمیر مستتر ہے وہ فاعل ہے اور لفظِ بَرَاغِیْث یہ فاعل نہیں بل کہ بدل ہے۔

② امام اَخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَسَرُّوا میں واؤ جمع کے لیے نہیں بل کہ یہ علامتِ جمع ہے۔

③ امام کسائی رحمہ اللہ اِن کا نام علی ابن حمزہ تھا۔ ایک سو نواسی (۱۸۹) ہجری میں وفات ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ: اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مبتدأ مؤخر اور اَسَرُّوا النَّجْوٰی خبر مقدم ہے۔

④ اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا یہ ماقبل میں حِسَابُهُمْ کی "هُمْ" ضمیر سے بدل ہے۔ معنی ہے: "قریب آگیا لوگوں کے لیے حساب اُن کا"۔ وہ کون ہیں؟ اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا جنہوں نے ظلم کیا۔

قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۴﴾:

لفظِ رَبِّیْ جو کہ یَعْلَمُ کا فاعل ہے اِس کو حصر کے لیے مقدم کیا ہے۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۔۔۔الآیۃ ﴿۵﴾:

بَلْ حرفِ اِضراب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف متوجہ ہونا۔

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۶﴾:

یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَیْ مِنْ اَهْلِ قَرْیَةٍ۔

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷﴾:

اِس سے تقلیدِ شخصی ثابت ہوتی ہے۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۸﴾:

یہ کفار کے اُس سوال کا جواب ہے جو کہ آگے سُوْرَۃُ الْفُرْقَان میں آرہا ہے۔ کفار نے کہا: مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ۔۔۔الآیۃ [1] اِس نبی کو کیا ہو چکا؟ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟! سُوْرَۃُ الْفُرْقَان کی آیت نزول میں مقدم ہے اور یہ آیت نزول میں مؤخر ہے۔ اگرچہ ترتیب کے لحاظ سے یہ آیت مقدم ہے اور سُوْرَۃُ الْفُرْقَان کی آیت مؤخر ہے۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ نے اُن کفار کو جواب دیا کہ: ہم نے اُن کا ایسا جسم نہیں بنایا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں۔

اِشکال: اشکال دو (۲) شقوں کا ہے:

① ایک شق یہ ہے کہ: جَعَلْنٰهُمْ جمع ہے اور جَسَدًا مفرد ہے۔

② دوسری شق یہ ہے کہ: هُمْ ضمیر ذوی العقول کی ہے اور جَسَدًا غیر ذوی العقول ہے؟

جوابٌ: اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ نے ایک جواب دیا ہے کہ: جَسَدًا بمعنی اَجْسَادًا ہے یعنی جنس کے معنی میں لیتے ہیں۔ لیکن دوسری شق کا جواب حل نہیں ہوا۔

② "تفسیر بیضاوی، کشاف، رُوح المعانی، البحر المحیط" وغیرہ میں اِس کا جواب یہ لکھا ہے کہ: یہاں مضاف محذوف ہے اَیْ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ اَصْحَابَ جَسَدٍ/ذَوِیْ جَسَدٍ/اَرْبَابَ جَسَدٍ۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَةٍ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱﴾:

ربط: اَبھی آپ نے پڑھا کہ: وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۹﴾ [2] ہم نے مسرفین کو ہلاک کر دیا، اب اُس کی مد میں فرماتے ہیں کہ: ہم نے بہت سی گناہ

---

[1] (سُوْرَۃُ الْفُرْقَان، ۷) [2] (سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَاءِ، ۹)

گا ربستیاں ہلاک کیں اور اُن کے بعد دوسرے لوگ پیدا کیے۔

"کشاف، قاموس، صراح" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: قَصَمَ کا معنی ہے: "اَفْزَعُ الْکَسْرِ کسی چیز کو ایسا توڑنا کہ نہ جڑے"۔ اب لازمی معنی یہ ہے کہ: "پیس ڈالنا"۔

اِذَاھُمْ مِّنْھَا یَرْکُضُوْنَ ۞ ﴿۱۲﴾:

رِکْضٌ کے لفظی معنی ہوتے ہیں کہ: "اُونٹ پر یا گھوڑے پر آدمی سوار ہو اور اُس کو جلدی چلانے کے لیے اپنے پاؤں کو اُس کے سینے پر زُور زُور سے مارے"۔ اب لازمی معنی یہ ہے کہ: "بھاگنا، دوڑنا"۔

لَعَلَّکُمْ تُسْئَلُوْنَ ۞ ﴿۱۳﴾:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: سوال کیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ: یہ اِستہزاء کے طور پر کہا گیا ہے یعنی پہلے جب تم تھے تو آ کر لوگ تم سے باتیں پوچھتے تھے، اب بھی وہاں جاؤ تا کہ تم سے تمہارے نوکر پوچھیں کہ: آج کیا کرنا ہے؟ گھر والے پوچھیں: آج کیا کرنا ہے؟ یا سائل آ کر تم سے سوال کرے کہ: مجھے کچھ اِمداد دے دو۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا لٰعِبِیْنَ ۞ ﴿۱۶﴾:

سوال لفظِ لٰعِبِیْنَ ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب لفظِ لٰعِبِیْنَ، خَلَقْنَا کی ضمیر سے حال ہے۔

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَھْوًا لَّاتَّخَذْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّآ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۷﴾:

سوال مِنْ لَّدُنَّآ سے کون مُراد ہیں؟

جواب اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ، علامہ بغوی رحمہ اللہ "السراج المنیر" والے فرماتے ہیں کہ: اِس مِنْ لَّدُنَّآ سے فرشتے اور حور مُراد ہیں یعنی اگر ہمیں تماشہ بنانا ہوتا تو ہم فرشتوں اور حوروں کا تماشہ کرتے۔

② علامہ آلوسی رحمہ اللہ، اِمام رازی رحمہ اللہ، علامہ اُندلسی رحمہ اللہ، علامہ عثمانی رحمہ اللہ، مولانا اَشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مِنْ لَّدُنَّآ سے صفاتِ قدیمہ مُراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ: اگر ہمیں تماشا کرنا ہوتا تو مخلوق کی کیا ضرورت تھی؟! صفاتِ قدیمہ سے تماشا کرتے۔

وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ۞ ﴿۱۹﴾:

آدمی کوئی مشکل کام کرتا ہے تو کام کرتے وقت تو اُسے زیادہ محسوس نہیں ہوتا لیکن جب کام سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر بدن میں تھکاوٹ ہوتی ہے یہ حَسَر کہلاتا ہے اور فرشتے ایسی مخلوق ہیں اُن کو تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ۞ ﴿۲۰﴾:

فُتُوْر کا معنی یہ ہے کہ: "کام کرتے ہوئے آہستہ آہستہ کرے" یعنی کام کے ساتھ ساتھ سُستی کو فُتُوْر کہتے ہیں۔ فرشتے ایسی مخلوق ہیں جن کو سُستی بھی نہیں آتی۔

لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللہُ لَفَسَدَتَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۲﴾:

یہاں لفظی بحث بھی ہے اور معنوی بحث بھی ہے:

"تفسیر کبیر، قرطبی، رُوح المعانی" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: اِلَّا یہاں اِستثناء نہیں ہے بل کہ یہ صفت ہے۔

اِستثناء نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ: اِستثناء کی صورت میں معنی دُرست نہیں بنتا۔ اِستثناء ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ: "اگر آسمانوں، زمینوں میں اِلٰہ ہوتے اِلَّا اللہ بغیر اللہ کے یعنی اللہ کو الگ کر دو اور اِلٰہ ہوں تو لَفَسَدَتَا تو فساد ہوتا"۔

اگر اللہ کو مستثنیٰ نہ کرو اور اِلٰہ متعدد ہوتے تو پھر کوئی خرابی نہیں۔ معنی ہے: "اگر زمین اور آسمان میں متعدد اِلٰہ ہوتے بغیر خدا کے تو فساد ہوتا"۔ تو اِلَّا اِستثناء نہیں بل کہ صفت ہے۔

اِشْکَال: اِلَّا تو حرف ہے اور حرف کبھی صفت نہیں بنتا اور لفظِ اللہ عَلَم ہے اور عَلَم بھی کبھی صفت نہیں بنتا۔

جَوَاب: نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ: حرف اِلَّا اور لفظِ اللہ دونوں مل کر صفت ہیں۔

سوال فساد کیسے ہوتا؟

جواب "شرح عقائد، مقاصد" وغیرہ کتابوں میں اور علمِ کلام کی کتابوں میں تصریح ہے کہ: اگر (مَعَاذَ اللہ) اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور اِلٰہ ہوتا تو وہ وَاجِبُ الْوُجُوْد ہوتا، قادر ہوتا۔ ایک کہتا: مَیں پیدا کرتا ہوں، دوسرا کہتا: مَیں پیدا نہیں ہونے دیتا۔ ایک کہتا کہ: مَیں مارتا ہوں، دوسرا کہتا: مَیں نہیں مارنے دیتا۔ اِس کو بُرْهَانِ تَمَانُع کہا جاتا ہے یعنی تعددِ اِلٰہ فساد کا موجب ہے، پس! اگر یہ تَمَانُع ہوتا تو جہان کا نظام درہم برہم ہوتا۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ ﴿٢٣﴾:

اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی حکم نہیں لاگو کر سکتا۔ ہاتھی حرام کیا ہے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ: اگر یہ حلال ہوتا تو سارے محلہ والے کھاتے اور بٹیر جو چھوٹا ہے حلال کیا ہے، کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ: کیوں حلال کیا ہے؟ وغیرہ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿٢٥﴾:

تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کی سرِ فہرست بات توحید تھی۔ اِس لیے اِس سورۃ کا نام سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآء ہے کیوں کہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کی وحی آتی تھی۔

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ۔۔۔ الآیۃ ﴿٢٨﴾:

اِس آیت کی تفسیر سُوْرَةُ الْمُؤْمِن کی آیتیں ہیں، چوبیسوں (٢٤) پارہ کے پہلے رکوع کی آیت نمبر ٧ تا ٩ ملاحظہ ہو: وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝[1]

وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝:

اَشْفَقَ، يُشْفِقُ، اِشْفَاقًا، بابِ اِفْعَال ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ۔۔۔ الآیۃ ﴿٣٠﴾:

ربط: اُوپر توحید کا بیان اور شرک کا رَد تھا اور آگے بھی یہی بیان ہے اور کچھ دلیلیں ہیں۔ اَوَلَمْ يَرَ اَیْ اَلَمْ يَعْلَمْ۔

اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا ۔۔۔ الآیۃ:

سوال تثنیہ کی ضمیر کیوں ہے؟

جواب اِس کی وجہ گزری ہے کہ: آسمان شے واحد اور ارض شے واحد ہے۔

سوال بند ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب "تفسیر کبیر، خازن، معالم التنزیل، رُوح المعانی" میں دو (٢) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: یہ دونوں بند تھے، اکٹھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قدرتِ کاملہ سے اِن کو جدا جدا کیا۔ زمین کو جہاں رکھنا تھا وہاں رکھا اور آسمان کو جہاں تک اُٹھانا تھا اُٹھالیا۔

---

[1] (سُوْرَةُ الْمُؤْمِن، ٧ تا ٩)

②دوسری تفسیر یہ ہے کہ: آسمان یوں بند تھا کہ بارش نہیں برساتا تھا اور زمین یوں بند تھی کہ اُگاتی نہیں تھی۔ اُوپر سے اللہ نے بارش نازل کی اور زمین کے اندر اُگانے کی قوت رکھ دی۔

وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ۔۔۔ الآیۃ:

حیوانات، نباتات مُراد ہیں یعنی وہ چیز جس کو پانی کی ضرورت ہو۔

وَجَعَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِهِمۡ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۱﴾:

اَیۡ اَنۡ لَا تَمِیۡدَ بِهِمۡ۔

وَجَعَلۡنَا فِیۡهَا فِجَاجًا سُبُلًا ۔۔۔ الآیۃ:

فِجَاجًا، فَجٌّ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "کشادہ کشادہ"۔ آدمی زیادہ ہوں اور راستہ تنگ ہو تو آدمیوں کی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

وَجَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا ۖۚ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۲﴾:

ہم نے آسمان کو چھت بنایا محفوظ یعنی وہ جو نہ گرے، نہ ٹوٹے پھوٹے، نہ بدلی جائے اور شیاطین کے اِسۡتِرَاقِ سَمۡع سے بھی محفوظ ہے۔ چھت اِس لیے کہا کہ: دیکھنے میں چھت کی طرح معلوم ہوتا ہے اور اُس میں نہ ستون ہیں، نہ دیواریں ہیں۔

وَهُمۡ عَنۡ اٰیٰتِهَا مُعۡرِضُوۡنَ ۝:

اتنی مضبوط و محکم اور وسیع چھت قائم ہے اور یہ ستارے ہیں۔ یہ تمام آیات یعنی نشانیاں ہیں۔

كُلٌّ فِیۡ فَلَكٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ۝ ﴿۳۳﴾:

یَسۡبَحُوۡنَ ذوی العقول کا صیغہ لائے کیوں کہ جس طرح ذوی العقول حرکت کرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی حرکت کرتے ہیں۔

وَمَا جَعَلۡنَا لِبَشَرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ الۡخُلۡدَ ؕ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۴﴾:

قادیانیوں کا غلط اِستدلال: قادیانی اِس آیت سے اِستدلال کرتے ہیں کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ: وَمَا جَعَلۡنَا لِبَشَرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ الۡخُلۡدَ ۔۔۔ الآیۃ۔ ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کے لیے خُلۡد نہیں بنایا یعنی ہمیشہ رہنا نہیں بنایا۔

جواب یہ اِستدلال باطل ہے کیوں کہ یہاں اَلۡخُلۡد کا لفظ ہے اور خُلۡد ہمیشہ کو کہتے ہیں۔ اہلِ حق کہتے ہیں کہ: اُن کو خُلُوۡد نہیں وفات ہوگی یعنی خُلُوۡد اُس کو کہتے ہیں کہ: کبھی بھی موت نہ ہو اور اہلِ حق کا نظریہ یہ ہے کہ: وہ فوت ہوں گے۔

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ؕ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۵﴾:

نَفۡس کا لفظ رب تعالیٰ کی ذات پر بھی بولا جاتا ہے اِس لیے تقدیری عبارت یہ ہے: اَیۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَخۡلُوۡقَةٍ۔

اِنۡ یَّتَّخِذُوۡنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۶﴾:

هُزُوًا بمعنی مَهۡزُوًا ہے کیوں کہ یہ مفعول ثانی ہے۔

وَهُمۡ بِذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝:

رَحۡمٰن کا اِنکار کرتے ہیں تو کوئی مسئلہ نہیں!!! اگر پیغمبر اُن کے باطل معبودوں کی تردید کرے تو برستے ہیں غصہ ہوتے ہیں؟!!

سَاُورِیۡكُمۡ اٰیٰتِیۡ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنِ ۝ ﴿۳۷﴾:

خود کفار بہ طورِ اِستہزاء جلدی مچایا کرتے تھے کہ اگر واقعی ہم تمہارے نزدیک مستحقِ عذاب ہیں تو وہ عذاب فوراً کیوں نہیں لے آتے؟ اور کہتے تھے کہ: ہم پر پتھروں کی بارش ہو۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ۔۔۔الآیۃ (۳۹):

لَوْ کے متعلق دو (۲) تفسیریں ہیں:

① لَوْ تمنی کے لیے ہے لہٰذا جزاء کی ضرورت نہیں۔ معنی یہ ہے کہ: "جان لیں وہ لوگ جو کافر ہیں جب نہیں رُوک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ اور اپنی پیٹوں سے اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی"۔

② لَوْ شرطیہ ہے جزاء اِس کی محذوف ہے۔ جزاء اِس کی یہ ہے کہ: مَا قَالُوْا ذٰلِكَ ۔ یہ جزاء ماقبل کفار کے قول کی مناسبت سے ہے۔ کفار نے کہا: مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ۔۔۔الآیۃ ❶ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔۔۔الآیۃ ❷ اَيْ مَا قَالُوْا ذٰلِكَ۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ۔۔۔الآیۃ (۴۱):

آپ ﷺ کو تسلی ہے کہ: صرف آپ (ﷺ) کے ساتھ اِستہزاء نہیں کیا گیا بل کہ آپ (ﷺ) سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی اِستہزاء ہوا۔

حَاقَ کے معنی ہیں: "گھیر لیا"۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ۔۔۔الآیۃ (۴۲):

ربط: پہلے عذاب کی دھمکی تھی اُس کو کہتے ہیں ترہیب اور اب آگے ترغیب ہے۔

كَلَأَ، يَكْلَؤُ باب فَتَحَ، يَفْتَحُ سے ہے۔ معنی ہے: "حفاظت"۔ مِنَ الرَّحْمٰنِ اَيْ مِنْ عَذَابِ الرَّحْمٰنِ۔

وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾:

آپ کو تمام تفسیروں میں اِنْ شَآءَ اللہ ملے گا: صَحِبَكَ اللّٰهُ اَيْ حَفِظَكَ وَ اَجَارَكَ۔ اللہ تیری حفاظت کرے اور تجھے بچائے۔ اب اِس کے لحاظ سے معنی یہ ہوں گے: وَلَا هُمْ مِّنَّا اَيْ مِنْ عَذَابِنَا يُصْحَبُوْنَ اَيْ يُجَارُوْنَ۔ نہ وہ ہمارے عذاب سے محفوظ رکھے جا سکتے ہیں اور نہ بچائے جا سکتے ہیں۔

وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾:

گیارہویں پارہ میں مَیں عرض کر چکا ہوں کہ: شَبَّهَهُمْ بِهِمْ بِعَدَمِ الْاِنْتِفَاعِ بِهٖ۔ یعنی تشبیہ عدمِ اِنتفاع میں ہے۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ۔۔۔الآیۃ (۴۶):

سوال نَفْحَةٌ کے کیا معنی ہیں؟

جواب پنکھے کو ایک بار ہلائیں تو اُس کو چلانے سے جو ہوا آتی ہے اُس کو نَفْحَة کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ: اگر عذابِ اِلٰہی کی ذرا سی بھنک کان میں پڑ گئی یا خدا کے قہر و اِنتقام کی اَدنیٰ بھاپ بھی اُن کو چھوگئی تو آنکھ کان سب کھل جائیں گے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔۔۔الآیۃ (۴۷):

یہاں ایک معنوی بحث ہے اور ایک لفظی بحث ہے۔ معنوی بحث مَیں آٹھویں پارے میں کر چکا ہوں اب لفظی بحث کو سمجھوں۔

سوال لفظِ اَلْقِسْط ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب ترکیب سے متعلق مختلف اَقوال ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

① لفظِ اَلْقِسْط، مَوَازِيْن کی صفت ہے۔

اِشکال: لفظِ مَوَازِيْن تو جمع ہے اور لفظِ اَلْقِسْط مفرد ہے حال آں کہ موصوف صفت میں واحد، تثنیہ، جمع کے اَندر مطابقت ضروری ہے۔

جوابِ: تمام تفاسیر میں اِنْ شَآءَ اللہ آپ کو ملے گا کہ: لفظِ اَلْقِسْط مصدر ہے اور مصدر واحد، تثنیہ، جمع سب معنوں میں اِستعمال ہوتا ہے۔ تو جمع کے معنی اِس میں موجود ہیں۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاۗء، ۳۸) ❷ (سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاۗء، ۳۹)

②علامہ محمد ابن ابراہیم ابو اسحٰق الزجاج النحوی رحمہ اللہ (متوفّٰی ۳۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ: یہاں مضاف محذوف ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ ذَوَاتَ الْقِسْطِ۔

③لفظ اَلْقِسْط مفعول لہ ہے صفت نہیں ہے۔ معنی یہ ہوں گے: وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ لِاَجْلِ الْقِسْطِ۔ ہم مَوَازِیْن کو رکھیں گے وہاں اِنصاف کی خاطر۔

وَاِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ۔۔۔الآیۃ:

سوال کَانَ کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب آپ کو تفسیروں میں ملے گا: اَیْ اِنْ کَانَ الْعَمَلُ۔ معنی یہ ہے کہ: "اگر عمل ہو مِثْقَالَ حَبَّةٍ رائی کے دانے کے برابر ہم اُس کو بھی لے آئیں گے"۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝۴۸:

ربط: اُوپر کفار کے اِستہزاء کا ذکر تھا اب آگے چند پیغمبروں کے واقعات بیان فرماتے ہیں کہ: اِن واقعات کو پیشِ نظر رکھیں، منکرین نے اُن انبیاء کے ساتھ بڑا کچھ کیا۔

سوال یہ ضِیَآء اور فُرْقَان اور ذِکْر ایک ہیں یا الگ الگ ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

①بعض کہتے ہیں کہ: ایک ہیں یعنی یہ تمام تورات کی صفات ہیں۔

②بعض کہتے ہیں کہ: ضِیَآء سے مُراد یَدِبَیْضَاء، ذِکْر سے بقیہ معجزات اور تورات مُراد ہے اور فُرْقَان سے عَصٰی کا معجزہ مُراد ہے۔ جب عَصٰی پھینکا تو فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ یعنی حق اور باطل میں تمیز ہوگئی۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ۝۵۱:

ربط: پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر تھا اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذرا تفصیل سے بیان فرمایا کیوں کہ مشرکین اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے اور اپنی کڑی اُن سے ملاتے تھے۔

سوال مِنْ قَبْلُ کا مضاف الیہ کیا ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

①علامہ محلّی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قَبْلَ بُلُوْغِهٖ۔ اُن کے بالغ ہونے سے پہلے ہی ہم نے اُن کو سمجھ دی۔

②بعض حضرات فرماتے ہیں: قَبْلَ نُبُوَّتِهٖ۔ نبوّت ملنے سے پہلے ہی ہم نے اُن کو سمجھ دی۔

③بعض حضرات فرماتے ہیں: مِنْ قَبْلِ مُوْسٰی وَهَارُوْن۔

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ۔۔۔الآیۃ ۝۵۲:

تَمَاثِیْل، تِمْثَال کی جمع ہے۔ طویٰ بروزنِ طوبیٰ عراق کے اَندر ایک چھوٹا قصبہ تھا آج کل کی جغرافیہ میں اُس کا نام "کرد" ہے، بت خانے تھے اُن میں بہتر (۷۲) بت تھے۔

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ۝۵۳:

بڑی بھاری دلیل بت پرستی کے حق وصواب ہونے کی سو (۱۰۰) دلائل سے وزنی وہ یہ پیش کرتے تھے کہ: اُوپر سے ہمارے باپ دادا اِن کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں پھر ہم اپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں؟!!

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ۝۵۵:

بعض دفعہ اِنسان دوسرے کو ستانے کے لیے ایسی باتیں کہتا ہے جو دل میں نہیں ہوتیں۔ دل لگی ہوتی ہے اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ: آدمی جو کہتا ہے وہی اُس کا عندیہ اور نظریہ ہوتا ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ: ہمیں اور ہمارے آباء کو جو تو گمراہ کہتا ہے یہ دل لگی کرتا ہے یا سچ مچ تیرا عقیدہ یہ ہے؟!!

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيۡدَنَّ اَصۡنَامَكُمۡ ۔۔۔الآیۃ ۵۷:

تاء حرفِ قسم ہے۔

بَعۡدَ اَنۡ تُوَلُّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ ۝:

دوسرے پارہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ: تُوَلُّوۡا کا لفظ متعدی ہوتا ہے۔ اَيْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ۔ تم اپنے چہروں کے پھیر دو حالَ كَوْنِكُمْ مُدْبِرِيْنَ۔

فَجَعَلَهُمۡ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيۡرًا لَّهُمۡ ۔۔۔الآیۃ ۵۸:

لفظِ جُذٰذًا، جُذَاذَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "قِطْعَةٌ یعنی ٹکڑے ٹکڑے"۔

قَالَ بَلۡ فَعَلَهٗ ۔۔۔الآیۃ ۶۳:

اِن کے بڑے نے کی ہوگی پر اِن سے سوال کرو اگر یہ بولتے۔

یہاں تین (۳) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: آپ کو معلوم ہے کہ: جملہ شرطیہ صدق اور کذب کو نہیں چاہتا، شرط کبھی مقدم ہوتی ہے۔ جیسے: اِنْ كَلَّمْتِ فُلَانًا فَاَنْتِ طَالِقٌ۔ اور شرط کبھی موخر ہوتی ہے۔ جیسے: اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ كَلَّمْتِ فُلَانًا۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: بَلْ فَعَلَهٗ میں لفظِ فَعَلَ کے اَندر جو ضمیر ہے وہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ یہ التفات ہے۔ معنی یہ ہے کہ: "بل کہ کیا ہے اُس نے"۔ پہلے ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا ۔۔۔الآیۃ❶ کے الفاظ گزرے ہیں اُس میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہو چکا ہے وہ خطاب تھا۔ اب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو غائب کی ضمیر سے ذکر کر دیا کہ: بَلْ فَعَلَهٗ ہاں اُس نے کیا ہے، بڑا اِن کا یہ ہے سوال کرو۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: فَعَلَهٗ مَنْ فَعَلَ۔ یہ کاروائی کی جس نے کی، بڑا اِن کا یہ ہے اِس سے پوچھو۔

كَبِيۡرُهُمۡ هٰذَا ۔۔۔الآیۃ:

حجم کے لحاظ سے بڑا تھا یا درجہ کے لحاظ سے بڑا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بڑا بت اِس لیے چھوڑا تا کہ اُس سے پوچھیں اور اُس کی طرف لوٹیں۔

فَرَجَعُوۡۤا اِلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ فَقَالُوۡۤا اِنَّكُمۡ اَنۡتُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝ ۶۴:

یہاں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: اُنہوں نے آپس میں کہا: تم ظالم ہو ایک کو چھوڑتے ہو اور اکہتر (۷۱) جو بیکار پتھر ہیں اُن کی پوجا کرتے ہو؟

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: تم نے اِن بتوں کی حفاظت کے لیے کوئی چوکیدار بھی نہیں چھوڑا؟!!

ثُمَّ نُكِسُوۡا عَلٰى رُءُوۡسِهِمۡ ۔۔۔الآیۃ ۶۵:

اپنے سروں کو شرم کی وجہ سے زمین کی طرف نیچے کر دیا۔

قَالُوۡا حَرِّقُوۡهُ وَانۡصُرُوۡۤا اٰلِهَتَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ۝ ۶۸:

لوگوں نے کہا کہ: اِس نے ہمارے دلوں کو جلایا ہے اِس کو آگ میں جلا دو اور اپنے معبودین کی مدد کرو۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے کہ: ایک انجینئر تھا، ہیزن اُس کا نام تھا، اُس انجینئر نے ایک آلہ ایجاد کیا تھا، اُس کا نام منجنیق تھا، بڑے بڑے وزنی پتھر قلعوں پر برساتی تھی، اُس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بٹھایا، کپڑے اُتارے اور نعرے بلند کیے۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ: قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا کیوں کہ دین کی خاطر اُن سے لباس اُتارا گیا۔

❶ (سُورۃُ الانبیاء، ۶۲)

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ ۝:

اُس آگ نے رسیاں وغیرہ تو جلا دیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بال بھی بیگانہ ہوا۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ سے نکلے تو اُن کے والد نے کہا کہ: نِعْمَ الرَّبُّ رَبُّكَ یَآ اِبْرٰھِیْمُ۔ اے ابراہیم! تیرا رب بڑا اچھا رب ہے۔ یہ کہنے کے باوجود بھی نہیں مانتا تھا۔

وَلُوْطًا اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْھَا لِلْعٰلَمِیْنَ ۝:

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے۔ اِن کے والد کے نام میں مختلف اَقوال ہیں: لوط بن فاران یا ہاران یا حاران۔

سوال اَرْض سے مُراد کون سا علاقہ ہے؟

جواب اَرْض سے مُراد شام کا علاقہ ہے وہ زرخیز علاقہ تھا، ہر قسم کی ظاہری و باطنی برکت اُس سرزمین میں تھی۔

وَیَعْقُوْبَ نَافِلَۃً۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ نَافِلَۃً کے دو (۲) معنی ہیں:

① زائد۔ ② "قاموس" والے کہتے ہیں کہ: اِس سے مُراد وَلَدُ الْوَلَد ہے یعنی پوتا۔

وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ اِقَامَ میں اِیْتَآء کی مناسبت کی وجہ سے "ۃ" گر گئی۔ قاعدہ کوئی بھی نہیں۔

وَلُوْطًا اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ اٰتَیْنٰہُ، مَا اُضْمِرَ عَامِلُہٗ عَلٰی شَرِیْطَۃِ التَّفْسِیْر ہے۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ وَاذْکُرْ نُوْحًا۔

مِنْ قَبْلُ اَیْ مِنْ قَبْلِ اِبْرَاھِیْمَ۔ حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے تھا۔

مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ ۝:

سوال کَرْبِ عَظِیْم سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اِس کَرْبِ عَظِیْم سے سیلاب مُراد ہے۔

② کَرْبِ عَظِیْم سے مُراد یہ ہے کہ: قوم کفر اور شرک میں مبتلا تھی تو آپ علیہ السلام اِس کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ وَاذْکُرْ دَاوٗدَ۔

اِذْ نَفَشَتْ فِیْہِ غَنَمُ الْقَوْمِ۔۔۔ الآیۃ:

نَفَشَتْ کے لغوی معنی ہیں کہ: "بغیر چرواہے کے رات کو کسی کی بھیڑ بکریاں کسی کی کھیتی میں داخل ہو جائیں اور کھیت کو خراب کر دیں"۔

حضرت داؤد علیہ السلام باپ تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام بیٹے تھے، دونوں کو اللہ تعالیٰ نے حکومت، قوّتِ فیصلہ اور علم و حکمت عنایت فرمائی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بچپن ہی میں اِس قدر غیر معمولی سمجھ کی باتیں کرتے تھے کہ سننے والا حیران رہ جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص کے کھیت میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں آ گئیں، کھیتی کا نقصان ہوا، حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ: بکریوں کی قیمت اُس مالیت کے برابر ہے جس کا کھیت والے نے نقصان اُٹھایا تھا یہ فیصلہ کیا کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ:

میرے نزدیک کھیتی والا بکریاں اپنے پاس رکھے اور دودھ پیئے اور بکریوں والا کھیت کی آبپاشی وغیرہ کرے۔ جب کھیتی جیسی تھی ویسی ہوجائے تو بکریاں لوٹا دے اور کھیتی لے لے۔ اِس میں دونوں کا نقصان نہیں ہوگا۔ حضرت داوٗد علیہ السلام نے بھی یہ فیصلہ سن کر تحسین فرمائی اور اپنے اجتہاد سے رُجوع کیا۔

گویا اُصولِ فقہ کی اِصطلاح میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اِستحسان کو اپنے قیاس کے مقابلہ میں قبول فرمالیا۔ معصوم مخلوق میں اِختلاف قرآن میں موجود ہے تو غیر معصوم مثلاً ائمہ میں اِختلاف ضرور ہوگا۔ (سُبْحَانَ اللّٰہ کیا دقیق نظر ہے" از راقم الحروف")۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۹﴾:

سوال فَفَهَّمْنٰهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب يَحْكُمٰنِ فعل میں اَلْحُكُوْمَة جو مصدر ہے اُس کی طرف "هَا" ضمیر راجع ہے۔

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ وَسَخَّرْنَا الطَّيْرَ۔

بعض زائغین کی غلط تاویل: بعض زائغین نے یہ کہا ہے کہ: اِس يُسَبِّحْنَ کا مطلب یہ ہے کہ: حضرت داوٗد علیہ السلام پہاڑ کے دامن میں ذکر کرتے تھے تو وہ ذکر کی آواز منعکس ہوتی تھی۔

جواب اگر یہی مُراد ہو تو پھر وَسَخَّرْنَا کا مطلب کیا ہے؟ اگر میرے جیسے گناہ گار نزلہ زکام کا مارا ہوا جا کر وہاں آواز لگائے تو وہ بھی واپس لوٹ جاتی ہے تو اِس میں وَسَخَّرْنَا کا کیا مطلب ہے؟ اِس سَخَّرْنَا کا مطلب ہی یہ ہے کہ: جب حضرت داوٗد علیہ السلام زبور پڑھتے تھے یا خدا کی تسبیح وتحمید کرتے تھے تو پہاڑ اور پرند جانور بھی اُن کے ساتھ آواز سے تسبیح پڑھنے لگتے تھے۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۰﴾:

لَبُوْس کے دو (۲) معنی آتے ہیں:

① زرہ۔ ② مطلق لباس۔

یہاں زرہ مُراد ہے۔ آگے آپ پڑھیں گے کہ: وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ ❶ ہم نے اُن کے لیے لوہا موم کردیا۔

بعض زائغین کی غلط تاویل: یہاں بعض زائغین کہتے ہیں کہ: حضرت داوٗد علیہ السلام پہلے لوہے کو آگ میں گرم کرتے پھر اُس کو کوٹتے تھے پھر جس طرح چاہتے تھے وہ شکل بناتے تھے۔

جواب یہ تو ہمارا لوہار بھی کرتا ہے تو پھر وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ ❷ کا معنی کیا ہوگا؟ اور پھر عام لوہار اور حضرت داوٗد علیہ السلام میں فرق کیا ہوگا؟

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۱﴾:

اَیْ وَسَخَّرْنَا لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ۔۔۔ الآیۃ

سوال یہاں لفظ عَاصِفَةً ہے جس کے معنی ہیں: "اِس حال میں کہ وہ تیز چلتی تھی"۔ جب کہ دوسرے مقام پر ہے کہ: فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۝ ❸ رُخَآءً کے الفاظ ہیں۔ رُخَآءً نرم اور آہستہ ہوا کو کہتے ہیں۔ یہ تو دونوں میں تعارض ہے۔

جواب "تفسیر روح المعانی، کبیر" وغیرہ میں دو (۲) تطبیقیں بیان کی گئیں ہیں:

① یہ دونوں الفاظ صحیح ہیں کیوں کہ وہ بِاَمْرِهٖ تھی یعنی کبھی آہستہ چلتی تھی اور کبھی تیز چلتی تھی۔

② ابتداء کے وقت آہستہ چلتی تھی اور جب جا چلتی تھی تو تیز ہوجاتی تھی۔

تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا۔۔۔ الآیۃ:

سواء کے مقام سے شام کو اور پھر وہاں سے اُسطخ ایران کو اور وہاں سے کابل کو یہ مہینوں کا سفر گھنٹوں میں طے کرتی تھی کہ: وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ۔۔۔ الآیۃ ❹

---

❶❷ (سُوْرَةُ سَبَا، ۱۰) ❸ (سُوْرَةُ صٓ، ۳۶) ❹ (سُوْرَةُ سَبَا، ۱۲)

وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝ ❶:

سوال جنّات حضرت سلیمان علیہ السلام کے کیسے تابع تھے وہ تو ناری مخلوق ہیں؟

جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے اِقتدارِ کامل سے اُن شیاطین کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی قید میں اِس طرح تھام رکھا تھا کہ: جب چاہتے اُن سے کام لیتے تھے اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے ورنہ آدمی کی کیا بساط ہے کہ: ایسی مخلوق کو اپنے قبضہ میں کر لے اور زنجیروں میں جکڑ کر رکھ چھوڑے۔

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ ۔۔۔ الآیۃ ❶:

"تفسیر حقانی، معالم التنزیل، خازن، کتاب مقدس جو چھپن (۵۶) صحیفے ہیں" اُس میں ایک صحیفے کا نام "ایوب" ہے۔ اُس "ایوب" نامی صحیفے میں لکھا ہے کہ: ایشیائے کوچک کا علاقہ تھا جو اب ترکیوں کے قبضہ میں ہے۔ حضرت ایوب بن عیص علیہ السلام وہاں رہتے تھے، نبوّت سے پہلے بہت دُنیا تھی، سات ہزار (۷۰۰۰) بھیڑ بکریاں تھیں، تین ہزار (۳۰۰۰) اُونٹ تھے، پانچ ہزار (۵۰۰۰) جوڑے بیل تھے، سات (۷) لڑکے اور تین (۳) لڑکیاں تھیں، سب شادی شدہ تھے۔ اُن کی بیوی کا نام رحمت بی بی بنت فراسین تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے دُنیا میں اچھی طرح آسودہ رکھا تھا، کھیت، مویشی، لونڈی، غلام، اَولادِ صالح اور عورت مرضی کے موافق عطا کی تھی، حضرت ایوب علیہ السلام بڑے شکر گذار بندے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ: اِمتحان کی پھر کیا وجہ تھی؟

مختلف تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ: اِمتحان کی تین (۳) وجہ تھیں:

① ایک مرتبہ یہ کہا کہ: اتنا مال کس کا ہوگا؟

② ایک غریب نے مدد طلب کی، اُنہوں نے نہیں کی۔

③ ایک مرتبہ بکری ذبح کر لی اور ہمسائے ایسے بھوکے رہے۔

بہر حال کوئی بھی وجہ ہو اللہ تعالیٰ نے اُن کو آزمائش میں ڈالا، کھیت جل گئے، مویشی مر گئے اور اَولاد اکٹھی دب کر مر گئی، دوست آشنا الگ ہوگئے، بدن میں آبلے پڑ گئے، ایک بیوی رفیق آخر میں وہ بیچاری بھی اُکتانے لگی۔ مگر حضرت ایوب علیہ السلام جیسے نعمت میں شاکر تھے ویسی ہی بلاء میں صابر رہے۔ جب تکلیف واَذیت اور دُشمنوں کی شماتت حد سے گذر گئی بل کہ دوست بھی کہنے لگے کہ: یقیناً ایوب (علیہ السلام) نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے جس کی سزا ایسی ہی سخت ہو سکتی تھی۔ تب دُعا کی: اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ❶ رب کو پکارنا تھا کہ دریائے رحمت اُمنڈ پڑا، اللہ تعالیٰ نے مری ہوئی اَولاد سے دُگنی اَولاد دی، زمین سے چشمہ نکالا، اُسی سے پانی پی کر اور نہا کر تندرست ہوئے، بدن کا سارا رُوگ جاتا رہا۔ یہ تو تفسیر عثمانی میں ہے۔

بعض تفسیروں میں آپ کو یہ بھی ملے گا کہ: ایک ایسا وقت آیا کہ کھانے کے محتاج ہوگئے، ایسی بیماری پڑ گئی کہ کیڑے پیدا ہوئے اور لوگ نفرت کرتے تھے فَهٰذِهٖ كُلُّهَا مِنَ الْخُرَافَاتِ۔ "روح المعانی، فتح الباری، نووی" وغیرہ۔

وہ بیوی جا کر کھانے کا اِنتظام کرتی تھی اور چکّی پیستی تھی اور شوہر کو کھلاتی تھی، سب رشتہ دار ختم ہوگئے کیوں کہ پیسے نہ تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ رحمت بی بی گھر کو آرہی تھیں، راستے میں ایک حکیم ملا، لوگ بھی بہت کھڑے تھے اور اپنے اپنے اَمراض بتلاتے تھے۔ رحمت بی بی نے بھی اپنا مطالبہ پیش کیا کہ: میرا شوہر بھی بیمار ہے لیکن پیسے نہیں۔ اُس حکیم نے نام پوچھا کہ: نام کیا ہے؟ تو رحمت بی بی نے شوہر کا نام بتلایا۔ حکیم نے کہا کہ: یہ کہہ دو کہ: شَفَى الطَّبِيْبُ الْمَرِيْضَ۔ وہ صاف دل تھیں، اُنہوں نے کہہ دیا۔ رحمت بی بی کا مطلب یہ تھا کہ: یہ سبب ہے یعنی طبیب شفاء کا سبب بنا ہے۔ وہ شوہر کے پاس گئیں، ماجرا سنایا تو حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ: شرک کرتی ہو؟ وہ تو شیطان لعین تھا۔ میں تجھے سو (۱۰۰) لاٹھیاں ماروں گا۔ پھر رحمت بی بی چلی گئیں۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ: پاؤں سے زمین پر مارو چشمہ پھوٹ پڑے گا، پانی پیو اور غسل کرو۔ آناً فاناً سب بیماریاں دُور ہوگئیں۔ رحمت بی بی جب گھر سے گئیں تھیں تو حضرت ایوب علیہ السلام کا حلیہ اور تھا اور جب واپس آئیں تو حلیہ اور تھا۔ اُنہوں نے کہا: یہاں میرے خاوند تھے وہ کہاں گئے؟ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: مَیں ہی تو ہوں۔ اُنہوں نے کہا: میرے ساتھ اِستہزاء مت کرو مَیں پیغمبر کی بیوی ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: مَیں ہی تو ہوں خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْأَنْبِيَاء، ۸۳)

فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۸۴﴾:

"تفسیر ابن جریر طبری" وغیرہ تفسیروں میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① سابقہ اَولاد زندہ ہوگئی۔

② سابقہ اَولاد تو زندہ نہیں ہوئی بل کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو صحت دی اور اُس سے دُگنی اَولاد عطا کی یعنی بیٹے پہلے سات (۷) تھے اب چودہ (۱۴) ہوگئے اور بیٹیاں تین (۳) تھیں اب چھ (۶) ہوگئیں۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ۔۔۔الآیۃ ﴿۸۵﴾:

ذَا الْكِفْل علیہ السلام کا اَصل نام بشر بن ایوب تھا۔ ذَا الْكِفْل اِس لیے کہتے ہیں کہ: كَفَّلَ سَبْعِيْنَ نَبِيًّا۔ ستر (۷۰) پیغمبروں کی اُنھوں نے کفالت کی۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا۔۔۔الآیۃ ﴿۸۷﴾:

ذَا النُّوْن یعنی مچھلی والے۔ اِس سے مُراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔

فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ۔۔۔الآیۃ:

لفظ ظُلُمٰت، ظُلْمَةٌ کی جمع ہے اور ظُلُمٰت سے مُراد:

① ظُلْمَةُ اللَّيْلِ۔ ② ظُلْمَةُ الْبَحْرِ۔ ③ ظُلْمَةُ بَطْنِ الْحُوْتِ۔

وَكَذٰلِكَ نُـْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾:

"تفسیر مدارک، مستدرک، مسند احمد، ترمذی شریف" وغیرہ میں ہے کہ: اگر کوئی پریشانی میں مبتلا ہو وہ مچھلی والے کی دُعا پڑھے تو پریشانی دُور ہوگی۔[1]

یہ جو کہا جاتا ہے کہ:

سوا لاکھ (۱۲۵۰۰۰) مرتبہ پڑھو وغیرہ یہ صحیح نہیں بل کہ اِخلاص کے ساتھ ایک بار پڑھنا بھی کافی ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ۔۔۔الآیۃ ﴿۹۰﴾:

وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ: بیوی میں خرابی تھی یعنی بانجھ تھی اور حضرت زکریا علیہ السلام میں کوئی خرابی نہ تھی۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا۔۔۔الآیۃ ﴿۹۱﴾:

اَيْ اُذْكُرِ الَّتِيْ۔

سوال فِيْهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب فِيْهَا کی "هَا" ضمیر اَلَّتِيْ کی طرف راجع ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔۔۔الآیۃ ﴿۹۲﴾:

یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام وغیرہ سب اُمَّةً وَّاحِدَةً تھے۔

سوال اُمَّةً وَّاحِدَةً ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب اُمَّةً وَّاحِدَةً حال ہے۔ اَيْ حَالَ كَوْنِهِمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ۔۔۔الآیۃ ﴿۹۴﴾:

ربط: اَبھی آپ نے پڑھا کہ: كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ[2] آگے فرماتے ہیں کہ: اِس لوٹانے کے بعد کیا ہوگا؟ تو اُس کا ذکر ہے۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾:

سوال لفظ حَرٰمٌ کا کیا معنی ہے؟

---

[1] (جامع الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ، باب بلا ترجمہ، ج ۲ ص ۱۸۸، طبع قدیمی، کراچی) [2] (سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآء، ۹۳)

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "صُراح، تاج العروس، قاموس، مختار الصحاح، مغنی اللبیب" میں مشہور لغوی اِمام اَصمعی رحمہ اللہ کے حوالے سے منقول ہے کہ: لفظِ حَرٰمٌ کے معنی وَاجِبٌ کے ہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ حَرٰمٌ کا معنی کرتے ہیں: "اور مقرر (لازم) ہو چکا ہر بستی پر جس کو غارت کر دیا ہم نے کہ وہ پھر نہیں آئیں گے"۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے یہ "مقرر" کے جو معنی کیے ہیں یہ اِمام اَصمعی رحمہ اللہ کے قاعدے کے مطابق معنی کیے ہیں۔

② علامہ بغوی رحمہ اللہ، علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حَرٰامٌ کے معنی حرام کے ہیں لیکن لَا یَرْجِعُوْنَ میں لَاکو زائدہ مانتے ہیں۔ معنی یہ ہے کہ: "اور حرام ہے بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کیا اُن کا لوٹنا" یعنی اُن کا لوٹنا حرام ہے۔ لَا یَرْجِعُوْنَ میں جو لَا ہے وہ زائد ہے کیوں کہ اگر لَا کو زائد نہ مانیں تو معنی خراب بنتا ہے۔ پھر معنی یہ ہوگا کہ: "عدمِ رُجوع حرام ہے"۔ اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ: جب عدمِ رُجوع حرام ہے تو رُجوع لازم آئے گا جو کہ دُرست نہیں۔

حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۶﴾:

اَیْ لَا یَرْجِعُوْنَ حَتّٰی۔ حَتّٰی غائیہ بھی ہے اور ابتدائیہ بھی ہے۔

فَاِذَا ھِیَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۷﴾:

یہ ضمیر قصہ ہے۔

لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۰﴾:

زَفِیْر کہا جاتا ہے: گدھے کی وہ آواز جو زور سے ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾:

"جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: جب ماقبل آیتیں نازل ہوئیں تو عبداللہ بن زبعریٰ جو بعد میں رضی اللہ عنہ بنے، پہلے کافر تھے، زبان دراز آدمی تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ: اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ ۔۔۔ الآیۃ ❶ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اَحبار اور رُہبان کی بھی عبادت ہوئی ہے تو وہ بھی حَصَبُ جَھَنَّمَ ہوں گے یعنی وہ اِکھٹے ہوں گے؟ تو اللہ تعالیٰ رَد فرماتے ہیں: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ ❷ جس کے لیے حُسْنٰی طے ہو چکی ہماری طرف سے وہ دُوزخ سے دُور رکھے جائیں گے۔ یہ تو اُن اِلٰہوں کی بات ہو رہی ہے جنہوں نے اپنی پوجا کروائی اور مشرک تھے۔

لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَھَا ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ حَسِیْس کا معنی ہے: "آہٹ"۔ تنور میں آگ جب شوشو کی آواز کرتی ہے اُس کو حَسِیْس کہتے ہیں۔

یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۴﴾:

"تفسیر ابن کثیر، رُوح المعانی، معالم التنزیل" وغیرہ تفسیروں میں یہاں خاصی تفصیل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ:

① اِسی مقام پر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں، اِمام ابوالحجاج مزّی رحمہ اللہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے خُسر بھی تھے اور اُستاد بھی تھے، یہ اَسمآءُ الرِّجال کے ماہر تھے، "تہذیب الکمال" دوسو (۲۰۰) جلدوں کی کتاب لکھی اور حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب رحمہ اللہ نے "تہذیب التہذیب" بارہ (۱۲) جلدوں کی کتاب لکھی۔ حافظ ابن کثیر صاحب رحمہ اللہ معتدل مزاج آدمی تھے، ابن تیمیہ رحمہ اللہ تیز بھی تھے نرم بھی تھے اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اُن کے بھی اُستاد تھے تو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنے دونوں اُستاذوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ: سِجِل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشی اور کاتب تھا۔ تو ہم آسمان کو ایسے لپیٹیں گے جیسے یہ سِجِل کاتب کتابیں لپیٹ دیتا تھا۔ پھر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: دھوکہ نہ کھانا یہ حدیث جعلی ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث جعلی روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کاتب سِجِل نامی نہ تھا۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآءِ، ۹۸) ❷ (سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآءِ، ۱۰۱)

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: سِجِل ایک فرشتے کا نام ہے۔ آدمی جب مرجاتا ہے تو ہر آدمی کے اَعمال کو وہ لکھ کر سمیٹ دیتا ہے۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: اَلسِّجِلِّ بمعنی بستہ ہے اور لِلْکُتُبِ میں لَام بمعنی عَلٰی کے ہے۔ تو معنی یہ ہوا کہ: "ہم ایسے لپیٹیں گے جیسے بستہ کتابوں پر لپیٹا جاتا ہے"۔

وَعْدًا عَلَیْنَا۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ وَعْدًا مفعولِ مطلق ہے۔ اَیْ وَعَدَ اللّٰهُ وَعْدًا۔

اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝:

علامہ مشرقی حساب کا ماہر تھا، "خاکسار" اُس کی تنظیم کا نام ہے، عظیم فتنہ تھا۔ "تذکرہ مشرق" میں کہتا ہے کہ: اَمریکہ، فرانس، چین والے مسلمان ہیں کیوں کہ قرآن میں ہے کہ: اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اور حکومت زمین کی اُن کے پاس ہے اور یہ مسلمان ہیں حال آں کہ وہ تو كُلُّهُمْ كٰفِرُوْنَ حَقًّا پکے کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان فتنوں سے بچائے۔ (آمِیْن)

جواب اَرض سے جنت کی زمین مُراد ہے۔ سُوْرَۃُ الزُّمَر میں اِرشاد ہے: وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ ② کہیں گے کہ: سب تعریف اللہ کی جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا اور جنت کی زمین کا ہمیں وارث بنا دیا۔ تو اس اَرض سے اَرضِ جنت مُراد ہے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝:

سوال لفظِ رَحْمَةً ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لفظِ رَحْمَةً مفعول لہ ہے۔ اَیْ لِاَجْلِ رَحْمَةٍ۔ معنی ہے کہ: "ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر رحمت کرتے ہوئے جہان والوں پر" یعنی تجھے بھیجنا یہ ہماری رحمت ہے۔

② بعض کہتے ہیں کہ: لفظِ رَحْمَةً، اَرْسَلْنٰكَ کی "كَ" ضمیر سے حال ہے بمعنی رَاحِمًا۔ اَیْ حَالَ كَوْنِكَ رَاحِمًا۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝:

یہ اِستفہام ہے لیکن بمعنی اَمر ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ۔۔۔ الآیۃ:

مطلب یہ ہے کہ: تم بھی جاننے میں برابر ہو میں بھی جاننے میں برابر ہوں۔

وَاِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝:

اِس آیت کے دو (۲) مطلب ہیں:

① وہ عذاب جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے مجھے کچھ علم نہیں کہ قریب ہے یا بعید؟

② قیامت مُراد ہے یعنی قیامت کا مجھے علم نہیں کہ قریب ہے یا بعید؟

● (سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَاء: ۱۰۵) ② (سُوْرَۃُ الزُّمَر: ۷۳-۷۴)

اٰیَاتُهَا (۷۸) (۲۲) سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۳) رُکُوْعَاتُهَا (۱۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

ربط: ماقبل سورۃ کے آخر میں آپ نے قیامت کا ذکر سنا کہ: وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ۔۔۔الآیۃ ❶ اب اِس سورۃ کی اِبتداء میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْحَجّ ہے کیوں کہ اِس میں حج کے اَحکام کا ذکر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ۔۔۔الآیۃ ﴿۱﴾:

یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَیْ اِتَّقُوْا عَذَابَ رَبِّكُمْ، اِتَّقُوْا نَكَالَ رَبِّكُمْ۔

اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝:

ایک زلزلہ تو نَفْخَۂ اُوْلٰی کے وقت ہوگا، اِسرافیل علیہ السلام بگل میں پھونکیں گے، پھر "بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: چالیس (۴۰) سال کے بعد پھر دُوبارہ بگل میں پھونکیں گے وہ نَفْخَۂ ثَانِيَة ہوگا ❷

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ۔۔۔الآیۃ ﴿۲﴾:

"تفسیر کشاف، رُوح المعانی، مدارک، السراج المنیر" وغیرہ میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: یہ حقیقت پر محمول ہے، جو ماں اپنے بچہ کو دُودھ پلا رہی ہوگی اُس کو چھوڑ کر اپنی مصیبت میں اُلجھی ہوگی۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: یہ تشبیہ ہے کہ وہ اِتنی سخت مصیبت ہوگی کہ اگر فرض کرو ایک ماں حاملہ ہو یا اپنے بچہ کو دُودھ پلاتی ہوگی تو وہ اِنتہائی مصیبت کی وجہ سے اپنا بچہ گرادے گی اور وہ ماں اپنے بچہ کو بھول جائے گی۔

سوال تَرَوْنَهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① تَرَوْنَهَا کی "هَا" ضمیر زَلْزَلَة کی طرف راجع ہے۔

② تَرَوْنَهَا کی "هَا" ضمیر سَاعَة یعنی قیامت کی طرف راجع ہے۔

مفہوم دونوں صورتوں میں ایک ہی ہوگا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۳﴾:

بعض "ابوجہل، اُبی، عتبہ" وغیرہ کا نام لیتے ہیں لیکن یہ آیت اِن میں منحصر نہیں ہے۔

فِي اللّٰهِ اَيْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ۔

وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝:

لفظ مَرِيْد "مِيْم" کے فتحہ کے ساتھ ہو تو "مردود" کے معنی میں آتا ہے اور اگر مُرِيْد "مِيْم" کے ضمہ کے ساتھ ہو تو "اِرادہ" کرنے کے معنی میں آتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ۔۔۔الآیۃ ﴿۵﴾:

ربط: اُوپر قیامت کا ذکر تھا آگے قیامت کے قیام پر دو (۲) دلائل بیان فرماتے ہیں۔ قیامت کے قیام پر پہلی دلیل یہ ہے کہ: جو رب نطفہ سے اِنسان پیدا کرسکتا ہے کیا وہ رب قیامت نہیں لاسکتا؟!!

❶ (سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاء، ۱۰۹) ❷ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ ونفخ فی الصور، ج ۲، ص ۷۱۱، طبع یادگار شیخ، کراچی)

مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ ۔۔۔ الآية:

مُخَلَّقَة کا معنی ہے: "صحیح الاعضاء" یعنی ہاتھ، ناک، پاؤں وغیرہ سب بن گئے ہوں اور غَيْرِ مُخَلَّقَة کا معنی ہے: "اُدھورا" یعنی کان، ناک، ہاتھ وغیرہ میں سے کوئی عضو نہ بنا ہو۔

لِنُبَيِّنَ لَكُمْ ۔۔۔ الآية:

علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہاں مفعول محذوف ہے۔ اَیْ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ كَمَالَ قُدْرَتِنَا۔ تا کہ ہم اپنی قدرت کا کمال تمہارے سامنے بیان کریں۔

وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔۔۔ الآية:

بعض نو (۹) ماہ وغیرہ مُراد لیتے ہیں اور کم سے کم چھ (۶) ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو (۲) برس ہے۔ ضحاک ابن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ جب پیدا ہوئے تو دانت بھی اُن کے منہ میں تھے اور پیدا ہوتے ہی ہنسنا شروع کر دیا تھا، اِس وجہ سے اُن کا نام ہی ضحاک رکھ دیا گیا۔

ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ۔۔۔ الآية:

اِشکال: لفظ طِفْلًا مفرد ہے اور نُخْرِجُكُمْ میں كُمْ ضمیر جمع ہے تو طِفْلًا بھی جمع ہونا چاہیے تھا؟

جواب: اِس کے تین (۳) جواب ہیں:

① صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ: لفظ طِفْلًا جنس ہے بمعنی اَطْفَالًا۔

② اِمام مبرد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: لفظ طِفْلًا مصدر ہے واحد، تثنیہ، جمع اِن میں برابر ہیں۔

③ صاحب جمل فرماتے ہیں کہ: نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا اَیْ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْكُمْ طِفْلًا۔

ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۔۔۔ الآية:

سوال لِتَبْلُغُوْٓا میں لَام کس کے متعلّق ہے؟

جواب یہ فعلِ محذوف کے متعلّق ہے اَیْ نُعَمِّرُكُمْ لِتَبْلُغُوْٓا۔ پھر ہم تم کو عمر دیتے ہیں تا کہ تم پہنچو اپنی جوانی کو۔

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً ۔۔۔ الآية:

قیامت کے قیام پر دوسری دلیل یہ ہے کہ: زمین خشک ہوتی ہے، پھر جب اُس پر بارش برستی ہے تو حرکت کرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی تر و تازہ چیزیں اُگاتی ہے۔ تو جو رب ایک خشک زمین سے سبزیاں اُگاتا ہے، درخت اُگاتا ہے، فصلیں اُگاتا ہے کیا وہ قیامت قائم نہیں کر سکتا؟!!

هَامِدَةً اَیْ يَابِسَةً۔ معنی ہے: "خشک"۔

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ ۔۔۔ الآية:

اِهْتَزَّتْ کا معنی ہے: "حرکت کرنا"۔ اَیْ تَحَرَّكَتْ۔

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ ۷:

یہ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ قیدِ اتفاقی ہے اِحترازی نہیں ہے کیوں کہ اگر کوئی مُردے کو جلائے وغیرہ تو وہ بھی اُٹھائے جائیں گے۔ یہ قید اِس لیے لگائی ہے کہ: عربوں میں مُردوں کو جلانے کا رواج نہیں تھا اور چوں کہ قرآنِ کریم اہلِ عرب کے عرف کے مطابق نازل ہوا ہے اِس لیے قبر کا ذکر فرمایا ورنہ چاہے مُردے کو دفنایا جائے یا اُس کو کوئی جانور کھا جائے یا ڈوب کر مر جائے سب کو اللہ اُٹھائے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۔۔۔ الآية ۱۱:

ربط: اُوپر کھلے کافروں کا ذکر تھا اب منافقوں کا ذکر ہے۔

لفظ حَرْف کے دو (۲) معنی ہیں:

① کنارہ۔ ② شک اَیْ عَلٰى شَكٍّ۔

يَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۔۔۔الآیۃ (۱۳):

مَنْ مفعول ہے، مفعول پر لَامْ تاکیدزائدآنا قاعدہ کے مطابق ہے۔

اِشْکَال: پہلی آیت اور اِس آیت میں بظاہر تعارض ہے۔ پہلی آیت میں ہے کہ: يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَ مَا لَا يَنْفَعُهٗ ۔۔۔الآیۃ ❶ اِس سے معلوم ہوا کہ: نہ نفع دیتے ہیں اور نہ ضرر اور اِس دوسری آیت میں ہے کہ: ضرراً قرب ہے مِنْ نَّفْعِهٖ (یعنی نفع سے) کہ نفع بھی دیتا ہے اور ضرر بھی، لیکن ضرراً قرب ہے؟ ماقبل میں ضرر اور نفع کی نفی ہے اور اِس آیت سے اِثبات لازم آتا ہے۔

جَوَاب: "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: يَدْعُوا لِمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ بِتَخَيُّلِهٖ وَ بِزَعْمِهٖ ۔ جو اپنے زعم سے یہ سمجھتا ہے کہ: مجھے اِس سے نفع ہوگا تو کچھ بھی نہیں ہوگا بل کہ غیر اللہ کے پکارنے کا نقصان ہوگا۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۔۔۔الآیۃ (۱۵):

"تفسیر کبیر، رُوح المعانی، ابن کثیر، معالم التنزیل، خازن" وغیرہ میں تین (۳) آسان تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: جو شخص غیر اللہ کو پکارتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ میری مدد نہیں کرے گا۔ اِس لیے مَیں غیر اللہ کو پکارتا ہوں کیوں کہ مَیں تو بہت گھٹیا ہوں، اِس قابل نہیں کہ رب مجھ پر رحمت نازل کرے۔ پس! جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ رب تعالیٰ اُس کی مدد نہیں کرے گا دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تو وہ آسمان تک رَسّی تان لے اگر اُس کے بس میں ہے اور اُوپر سے وہ مدد و نُصرت کا راستہ کاٹ لے۔ دیکھیے! اُس کا غصہ کیا کرتا ہے۔ اِس تفسیر کے لحاظ سے مکلف اُس کا فاعل بنا۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: يَنْصُرَهٗ کی "ہٗ" ضمیر محمد ﷺ کی طرف راجع ہے۔ تو معنی یہ ہوگا کہ: جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی دُنیا و آخرت میں مدد نہیں کرے گا تو اگر اُس کے بس میں ہے تو وہ آسمان تک رَسّی تان لے وہاں سے اللہ کی رحمت کو بند کر دے۔ اب دیکھیے کہ!! اُس کا غصہ، اُس کی تدبیر کیا کچھ کرتی ہے۔ اِس تفسیر کے لحاظ سے اَلسَّمَآء سے حقیقتاً آسمان مُراد ہے۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: جو شخص اِرادہ کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اللہ تعالیٰ مدد نہیں کرے گا دُنیا و آخرت میں تو وہ رَسّی تان لے اِلَى السَّمَآءِ اَیْ اِلٰى سَقْفِ الْبَيْتِ یعنی اپنے مکان کی چھت تک اور اُس رَسّی سے اپنا گلا گھونٹ کر کاٹ لے لِيَقْطَعْ اَیْ لِيَقْطَعْ نَفْسَهٗ مِنَ الْاَرْضِ ۔ زمین سے اپنے پاؤں اُٹھا لے اور گلے میں پھندا ڈال کر مَر جائے۔

وَالْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۔۔۔الآیۃ (۱۷):

بعض کہتے ہیں کہ: مَجُوْس اَصل میں نَجُوْس (پلید) تھا۔ ماں، بہن کے ساتھ زِنا کرتے تھے، حرام و حلال کا فرق نہیں کرتے تھے، کہتے تھے کہ: ہر عورت مصرف بنتی ہے۔ "مِلَلْ وَ نِّحَل" میں اِن کے مذہب پر کلام کیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔۔۔الآیۃ:

یعنی اللہ تعالیٰ عملاً فیصلہ کرے گا دلیل کے لحاظ سے تو فیصلہ کر چکا ہے۔

وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۔۔۔الآیۃ (۱۸):

اَیْ فِیْ نَفْسِهٖ، یہ کثرت فِیْ نَفْسِهٖ ہے اِس میں تقابل کا لحاظ نہیں۔

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۔۔۔الآیۃ:

اَهَانَ، يُهِيْنُ، اِهَانَةً۔ بابِ اِفْعَال سے ہے۔ معنی ہیں: "ذلیل"۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۔۔۔الآیۃ (۱۹):

ربط: اُوپر دو (۲) گروہوں کا ذکر تھا، مؤمنین اور کفار، آگے بھی اُن کا بیان ہے۔

❶ (سُوْرَةُ الحَجّ، ۱۲)

فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ۔۔۔الآیۃ:

یعنی جیسے درزی کپڑے قد کے حساب سے ماپ کر بناتا ہے ایسے ہی اُن کے لیے آگ کے کپڑے کاٹ کر اُن کے قد کے حساب سے اُن پر فٹ کیے جائیں گے۔

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ۝۲۱:

مَقَامِعُ، مَقْمَعَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "ہتھوڑے"۔

سوال: لَهُمْ کی "هُمْ" ضمیر کہاں راجع ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لَهُمْ کی "هُمْ" ضمیر فرشتوں کی طرف راجع ہے جو فحوئی کلام سے متبادر ہے۔ اُن فرشتوں کے پاس ہتھوڑے ہوں گے۔

② لَهُمْ کی "هُمْ" ضمیر کفار کی طرف راجع ہے اور لَام تخصیص کے لیے ہے۔ اَلْجُلُّ لِلْفَرَسِ کی طرح۔ تو معنی ہے کہ: "ہتھوڑے اُن کے لیے مخصوص ہیں"۔

اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔۔۔الآیۃ ۝۲۳:

ربط: اُوپر کافروں کا ذکر تھا اب مؤمنوں کا ذکر ہے۔ وَبِضِدِّهَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَآءُ۔

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ۔۔۔الآیۃ ۝۲۴:

سوال: لفظِ اَلْقَوْل سے کیا مُراد ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بعض کہتے ہیں کہ: کلمہ طیبہ مُراد ہے۔

② بعض کہتے ہیں کہ: ہر نیک اور اَچھی بات مُراد ہے۔

جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ اِۨلْعَاکِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ۔۔۔الآیۃ ۝۲۵:

لفظِ عَاکِف سے مُراد مقیم ہیں اور بَاد سے مُراد دیہات سے آنے والے۔

وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: وہاں اِرادۂ ظلم بھی ظلم ہے اور اُس کے علاوہ مقامات میں ظلم اور بُرائی کا اِرادہ کرنے پر گناہ نہیں ہے بہ شرطیکہ وہ چیز قول یا عمل کے قبیل سے ہو۔ اگر وہ دل میں ہو جیسے: کفر، شرک، بغض، حسد وغیرہ تو اُس کا گناہ ہوگا۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ۔۔۔الآیۃ ۝۲۶:

ربط: اَبھی آپ نے مسجد حرام کا لفظ سنا اور آگے اُس کے اَحکام اور بانی وغیرہ کا ذکر ہے۔

"جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: بَوَّاَ، یُبَوِّءُ، تَبْوِءًا کے معنی ہیں: "جگہ دینا"۔ لازمی معنی ہیں: "بیان کرنا"۔ یہاں لازمی معنی مُراد ہیں۔ بَوَّاْنَا اَیْ بَیَّنَّا۔

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا۔۔۔الآیۃ ۝۲۷:

اللہ تعالیٰ سب کو حج کی توفیق نصیب فرمائیں۔ (آمین) کعبے کے دروازے کے سامنے پہاڑ جبل ابوقبیس ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: سب سے پہلا پہاڑ جبل ابوقبیس ہے، اُس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے اور اِعلان کیا کہ: اے لوگو! تم پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا ہے حج کو آؤ۔ حق تعالیٰ نے یہ آواز ہر طرف پہنچادی، جس کے لیے حج مقدر تھا اُنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز کا جواب دیا: لَبَّیْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ۔ لوگ یہاں پیادہ تکلیفیں اُٹھاتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں اور بہت سے اِتنی دُور سے سوار ہو کر آتے ہیں کہ چلتے چلتے اُونٹیاں تھک جاتی ہیں اور دُبلی ہوجاتی ہیں۔

وَعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝:

علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ ضَامِرٍ، يُطْلَقُ عَلَى الذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى، اُونٹ واُونٹنی دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ چناں چہ لفظِ ضَامِرٍ نکرہ ہے اور اس پر لفظِ كُلِّ داخل ہے تو تعمیم کا معنی دے گا لہٰذا يَّاْتِيْنَ اس کی صفت بن سکتا ہے۔ فَجٍّ کے معنی ہیں: طَرِيْق یعنی راستہ۔ عَمِيْق کے معنی ہیں: بَعِيْد یعنی دُور۔

"تفسیر مدارک" میں محمد بن یٰسین رحمہ اللہ سے یہ واقعہ منقول ہے کہ: مَیں طواف کر رہا تھا، ایک شخص دوسرا بھی تھا، مجھ سے پوچھا کہ: تم کہاں سے آئے ہو؟ مَیں نے کہا کہ: خراسان سے آیا ہوں۔ پھر کہا کہ: کتنی مدت میں پہنچے ہو؟ مَیں نے کہا کہ: پانچ (۵) ماہ میں۔ اُس نے کہا کہ: تم تو حرم کے پڑوسیوں میں سے ہو، مَیں تو پانچ (۵) سال ہوئے کہ آیا ہوں، جب مَیں نکلا تو داڑھی میں کوئی بال بھی سفید نہ تھا، اب دیکھو سفید ہو چکے ہیں۔

وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ ﴿۲۸﴾:

لفظِ بَآئِس کا معنی ہے: "پریشان حال"۔ فقہ کی کتابوں میں آپ نے پڑھا ہے کہ: قَارِن، مُتَمَتِّع اور مُنْفَرِد وغیرہ کی قربانی سے وہ خود بھی کھا سکتا ہے مگر دمِ جنایت سے نہیں کھا سکتا۔

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ ﴿۲۹﴾:

"تفسیر روح المعانی، کبیر" وغیرہ میں لفظِ عَتِيْق کے دو (۲) معنی لکھے ہیں:

① لفظِ عَتِيْق کا ایک معنی ہے: "پُرانا گھر"۔ یہ اس لیے کہ: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ۔۔۔ الآیۃ ❶

② لفظِ عَتِيْق کا دوسرا معنی ہے: "آزاد کیا ہوا گھر"۔ وہ اس لیے کہ: عَتَقَهٗ مِنَ الْجَبَابِرَةِ۔ اللہ تعالیٰ نے جابروں سے اس کو آزاد کیا ہے۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۰﴾:

لفظِ ذٰلِكَ کو خبر بھی بناتے ہیں۔ اَيِ الْاَمْرُ ذٰلِكَ۔ اور مبتداء بھی بناتے ہیں۔ اَيْ ذٰلِكَ كَذٰلِكَ۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔۔۔ الآیۃ:

یہ مِنْ بیانیہ ہے۔ معنی ہے: "بچو تم گندگی سے"۔ وہ گندگی کیا ہے؟ هُوَ الْاَوْثَانُ، "وہ بت ہیں"۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۱﴾:

حُنَفَآءَ، فَاجْتَنِبُوْا کی ضمیر سے حال ہے، غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ بھی حال مترادفہ یا متداخلہ ہے۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝:

یہاں سے اللہ تعالیٰ مشرک کی مثال بیان فرماتے ہیں، اس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① توحید نہایت اعلیٰ اور بلند مقام ہے، اُس کو چھوڑ کر آدمی جب کسی مخلوق کے سامنے جھکتا ہے تو خود اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے اور آسمانِ توحید کی بلندی سے پستی کی طرف گراتا ہے۔ ظاہر ہے کہ! اس قدر اُونچائی سے گر کر زندہ بچ نہیں سکتا، اب یا تو ہوا و اَفکارِ رَدِیہ کے مُردار خور جانور چاروں طرف سے اُس کی بوٹیاں نوچ کر کھائیں گے یا شیطان لعین ایک تیز ہوا کے جھکڑ کی طرح اُس کو اُڑا لے جائے گا اور ایسے گہرے کھڈے میں پھینکے گا جہاں کوئی ہڈی پسلی نظر نہ آئے۔

② یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ: مثال میں دو (۲) قسم کے مشرکوں کا الگ الگ حال بیان ہوا ہے، جو مشرک اپنے شرک میں پوری طرح پکا نہیں مذبذب ہے، کبھی ایک طرف جھک جاتا ہے کبھی دوسری طرف وہ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ کا اور جو مشرک اپنے شرک میں پختہ، مضبوط اور اٹل ہو وہ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ کا مصداق ہے۔

③ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ سے مُراد لوگوں کے ہاتھوں مارا جانا اور تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ سے طبعی موت مرنا مُراد ہے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ آلِ عِمْرٰن: ۹۶)

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ...الآیۃ:

شَعَآئِرَ کا معنی ہے: "علامت"۔

فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ O:

یہاں مضاف محذوف ہے اَیْ فَاِنَّ تَعْظِيْمَهَا۔

ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ O:

بَيْتِ عَتِيْق سے مُراد حرم ہے نہ کہ اکیلے بیت الحرام یعنی بیت اللہ شریف۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا...الآیۃ:

ربط: اُوپر بھی قربانی کا ذکر تھا اور آگے بھی یہی فرماتے ہیں کہ: ہر اُمّت کے لیے ہم نے قربانی مقرر کی ہے۔

لفظِ مَنْسَكًا، بِالْفَتْحِ السِّيْن ہو تو معنی ہے: "قربانی" اور اگر بِالْكَسْرِ السِّيْن ہو تو معنی ہے: "قربانی کی جگہ"۔

وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ...الآیۃ:

لفظِ مُقِيْمِي مضاف ہے اَلصَّلٰوة کی طرف اور یہ اِضافت لفظی ہے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ...الآیۃ:

بُدْن، بَدَنَةٌ کی جمع ہے، معنی ہے: "بڑا، زخام"۔

سوال بَدَنَة کس کو کہتے ہیں؟

جواب اِس میں اِختلاف ہے: اِمام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: صرف اُونٹ کو کہتے ہیں اور اِمام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اُونٹ اور گائے دونوں پر بَدَنَة کا اِطلاق ہوتا ہے۔

ایک دلیل "مسلم شریف" کی روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: بَدَنَة میں سات (۷) آدمی ذبح کر سکتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ: بَقَر میں بھی سات (۷) آدمی ذبح کر سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: کیا یہ بَدَنَة میں سے نہیں ہے؟ [1]

صاحبِ قاموس جو خود شافعی المسلک ہیں وہ فرماتے ہیں کہ: بَدَنَة، بَقَر اور شُتَر کو کہتے ہیں۔

اِمام شافعی رحمہ اللہ کا اِستدلال اِس روایت سے ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: جو شخص جمعہ کے دن پہلے مسجد میں آئے اُس کے لیے اِبل صدقہ کرنے کا اَجر ہے، ثَانِي کو بَقَرَة کا، ثَالِث کو بھیڑ کا اور رَابِع کو دَجَاجَة کا اور خَامِس کو بَيْضَة صدقہ کرنے کا اَجر ہے۔ تو اِس روایت میں اِبل اور بَقَرَة الگ الگ ہیں۔

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ...الآیۃ:

صَوَآفَّ، صَافٌّ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "تین (۳) ٹانگوں پر کھڑا ہو"۔

وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ...الآیۃ:

صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ: عَرَّ، يَعِرُّ۔ باب ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہے۔ معنی ہے: "پیش آنے والا"۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...الآیۃ:

ربط: اُوپر کافروں کا ذکر تھا آگے بیان فرماتے ہیں کہ: جو مسلمانوں کو حرم شریف کی زیارت اور حج وعمرہ وغیرہ سے رُوکتے ہیں اُن رُوکنے والوں سے لڑائی کی نوبت بھی آئے گی۔ تو فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ بھی مؤمنوں کا دفاع کریں گے یعنی خود اللہ نصرت اور اِمداد فرمائے گا اور مؤمنوں کو بھی حکم ہے کہ: مقابلہ کرو۔

---

[1] (الصحیح لمسلم، کتاب الحج، باب الاشتراک فی الھدی، ج ۲، ص ۴۲۴، طبع یادگار شیخ، کراچی)

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ــ الآية:

ربط: ابھی آپ نے سنا کہ: اللہ تعالیٰ مدافعت کرے گا۔ مدافعت کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو جہاد کی اجازت دے دی۔ یہ پہلی آیت ہے جو جہاد کے بارے میں اُتری۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ ــ الآية:

آگے جہاد کا فلسفہ بیان فرماتے ہیں۔

لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ ــ الآية:

پہلے جو بزرگ تھے اُن کے لیے مسجدوں کے قریب کمرے ہوتے تھے، وہ ظاہری علم حاصل کرنے کے بعد رُوحانی علم حاصل کرتے تھے اور وہاں رہتے تھے۔ صَوَامِعُ، صَوْمَعَةٌ کی جمع ہے، عیسائیوں کے عبادت خانے کو کہتے ہیں۔ بِيَعٌ، بِيْعَةٌ کی جمع ہے، یہود کے عبادت خانے کو کہتے ہیں۔ صَلَوٰت تکیہ اور خانقاہوں کو کہا جاتا ہے۔

سوال اہلِ اسلام یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ: اب اسلام ہی دُنیا میں باقی ہے باقی تمام دین منسوخ ہیں حال آں کہ اِس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ: یہود کے گرجے بھی قابلِ قدر ہیں اور اِسی طرح نصاریٰ کے بھی اور خانقاہیں بھی اور مسجدیں بھی قابلِ قدر ہیں۔ پس اجب یہ چیزیں قابلِ قدر ہیں تو پھر باطل کیسے ہیں؟

جواب "تفسیر روح المعانی، کبیر" وغیرہ میں اِس کے دو (۲) جوابات ہیں:

① اِس آیت سے اپنے اپنے دَور میں جہاد کا فلسفہ بتایا ہے، جہاد اِس سے پہلے بھی تھا اور پہلے دَور میں یہود کے عبادت خانے نصاریٰ کے عبادت خانے بھی تھے تو یہ اُن کے اپنے دَور کے اعتبار سے ہے۔

② اگر چہ یہ گرجے اور اُن کے عبادت خانے اُن کی نجات کا ذریعہ تو نہیں لیکن بہ نسبت اُن باغیوں کے جو رب کا نام نہیں لیتے یہ لوگ اچھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ: اِن کی عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے اور اِن کا ذبیحہ حلال ہے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ــ الآية:

جو اللہ کی مدد کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ــ الآية:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: مظلوموں کو جہاد کا حکم ہے تو وہ مظلوم کون ہیں؟ اب اُن کے بارے میں ذکر فرماتے ہیں کہ: اگر ہم اُن کو زمین میں قدرت دیں تو سب سے پہلا اُن کا کام نماز قائم کرنا ہوگا وغیرہ۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ ــ الآية:

شرط کا زمانہ اور ہوتا ہے اور جزاء کا زمانہ بعد میں ہوتا ہے اور یہاں ایک نہیں اِس لیے جزاء فَقَدْ كَذَّبَتْ نہیں بل کہ جزاء اِس طرح ہے کہ: وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَاصْبِرْ۔

"النہایہ" لغت کی کتاب میں لکھا ہے کہ: لفظِ قَوْم عربی میں مذکر بھی آتا ہے مونث بھی آتا ہے۔

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝:

لفظِ نَكِيْرِ مصدر ہے صفت مشبہ نہیں اصل میں نَكِيْرِيْ تھا۔ اَيْ اِنْكَارِيْ عَلَيْهِمْ بِالْعُقُوْبَةِ، بِالْعَذَابِ۔

وَقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝:

"تفسیر بیضاوی، کبیر، روح المعانی" وغیرہ میں اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① مَشِيْدٌ، شِيْدٌ سے ہے اور شِيْدٌ کے معنی ہیں: "چونا" معنی یہ ہوئے کہ: "کتنے محل ہیں چونا گچ"۔

② شَادَ، يَشِيْدُ، شَيْدًا باب ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہے۔ معنی ہے: "بلند" معنی یہ ہوگا کہ: "کتنے محل ہیں اُونچے"۔

وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ (۴۶):

بعض نابینا بینا سے اچھے ہوتے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (۴۹):

ربط: اُوپر توحید کا مسئلہ، رسالت کا مسئلہ اور عذابِ اِلٰہی سے آگاہ کرنے کا مسئلہ تھا۔ اب آگے فرمایا کہ: اِن کو اِعلان کر کے سُنادو کہ: اے لوگو! مَیں واضح طور پر تمہارے لیے ڈرانے والا ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۔۔۔ الآیۃ (۵۲):

"تفسیر کبیر، معالم التنزیل، خازن، فوائدِ عثمانیہ" وغیرہ میں اِس آیت کی دو (۲) تفسیریں ہیں: ایک تفسیر مَردود ہے اور دوسری تفسیر مقبول ہے۔

مَردود تفسیر یہ ہے کہ: آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے، سُوْرَۃُ النَّجْم کی آیتیں پڑھیں، جب لات، مَنات، عُزّٰی کا ذکر آیا تو اَلْعِيَاذُ بِاللهِ شیطان نے آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ نکلوایا کہ: تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاَنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى۔ یہ لات، مَنات، عُزّٰی مرغابی کی طرح صاف ہیں اِن کی شفاعت کی اُمید رکھی جاسکتی ہے۔ یہ تفسیر مَردود ہے۔

یہ جو حدیث ہے اِس کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی ﷫، ملا علی قاری ﷫، علامہ بدر الدین عینی ﷫، علامہ قسطلانی ﷫، اِمام خطابی ﷫، اِمام نووی ﷫ وغیرہ فرماتے ہیں کہ: هٰذَا الْحَدِيْثُ بَاطِلٌ مَوْضُوْعٌ لَا اَصْلَ لَهٗ، مَرْدُوْدٌ وَضَعَتْهُ الزَّنَادِقَه۔ اگر ایک بات شیطان نبی کے منہ سے نکلوا سکتا ہے تو وحی سب باطل ہے۔

مقبول تفسیر یہ ہے کہ: شیطان بعض باتوں کے متعلق بہت سے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اَندازی کر کے شکوک وشبہات پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً: نبی کریم ﷺ نے آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ۔۔۔ الآیۃ [1] پڑھ کر سنائی تو شیطان نے شبہ ڈالا کہ: دیکھو! اپنا مارا ہوا تو حلال ہے اور اللہ کا مارا ہوا حرام ہے؟ یا آپ ﷺ نے "اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۔۔۔ الآیۃ [2]" پڑھا تو شیطان نے شبہ ڈالا کہ: مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام اور ملائکۃ اللہ بھی شامل ہیں وغیرہ تو اِس قرأت اور پڑھنے کے درمیان لوگوں کے دلوں میں شیطان وسوسہ ڈالتا ہے۔

وَالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۵۳):

لفظِ قَاسِيَةِ کا معنٰی ہے: "سخت"۔ معنٰی یہ ہوں گے کہ: "اور جن لوگوں کے دل سخت ہیں"۔

اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝ (۵۵):

عَقِيْمٌ اُس مَرد یا عورت کو کہتے ہیں جس کی اَولاد نہ ہو تو وہ نامبارک ہوتے ہیں اِسی طرح قیامت کا دن کفار کے لیے عذابِ عَقِيْم ہوگا یعنی کفار بھی نامبارک ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ۔۔۔ الآیۃ (۵۸):

ربط: اُوپر بھی نیکوں اور بدوں کا ذکر تھا اور آگے بھی یہی ذکر ہے۔

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۔۔۔ الآیۃ (۵۹):

لفظِ مُدْخَلًا ظرفِ مکان ہے یا مصدر ہے۔

وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ۔۔۔ الآیۃ (۶۰):

ربط: اُوپر اُن لوگوں کا ذکر تھا جن کو قتل کیا گیا یا جنہوں نے ہجرت کی۔ ظاہر بات ہے مہاجرین بھی مظلوم ہیں اور مقتولین بھی مظلوم ہیں۔ اب اُن ظالموں سے بدلہ لینا ہے تو اُس کا کیا سلسلہ ہوگا وہ ذکر فرماتے ہیں۔

---

[1] (سُوْرَۃُ المآئدۃ ۳) [2] (سُوْرَۃُ الاَنبیاء ۹۸)

ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۔۔۔الآیۃ:
یعنی مظلوم نے بہ قدرِ ظلم اپنا بدلہ لیا پھر اُس ظالم نے دوبارہ ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ اُس مظلوم کی مدد کرے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ:
ربط: اُوپر بھی خدا کی توحید اور قدرت کی دلیلیں تھیں اور آگے بھی یہی دلیلیں ہیں۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ ۔۔۔الآیۃ:
ربط: پہلے قربانی کا ذکر تھا اور آگے اُن لوگوں کا ذکر ہے جو عبادت یا قربانی کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ ۔۔۔الآیۃ:
عملی طور پر فیصلہ کے لیے علم کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے فرماتے ہیں کہ: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ ۔۔۔الآیۃ۔

یَكَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۔۔۔الآیۃ:
حق والوں پر بہت سی تکالیف گذری ہیں۔ مولانا محمود حسن رحمہ اللہ جو فاضلِ دیو بند تھے۔ وہ لورالائی بلوچستان میں توحید کی تقریر کر رہے تھے، گوجرانوالہ کا ایک محلہ ہے بختے، اُس کا ایک بدبخت ملازم وہاں تھا اُس نے کہا کہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی سب خبریں یعنی غیب بتائے تھے۔ مولانا صاحب نے بتایا کہ: غیب نہیں دیا غیب کی خبریں دی ہیں۔ بعد میں اُس نے مولانا صاحب کو شہید کر دیا۔ تو حق والوں پر حملے ہوتے ہیں حتیٰ کہ شہید کر دیے جاتے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۔۔۔الآیۃ:
ربط: اُوپر مشرکین کا ذکر تھا کہ: وہ توحید کی آیتیں سنتے ہیں تو چہروں پر اُداسی چھا جاتی ہے اور اہلِ حق پر حملے کرتے ہیں۔ اب آگے فرمایا کہ: اِن کو ٹکا کر توحید بیان کرو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۔۔۔الآیۃ:
یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہیں کوئی فریادرس، نہ مختارِ کل، نہ پیغام رساں۔ "ترمذی شریف" کی روایت ہے: مَنْ لَّمْ یَسْأَلِ اللّٰهَ یَغْضَبْ عَلَیْهِ [1]

وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا ۔۔۔الآیۃ:
ذُبَابٌ، ذُبَابَةٌ کی جمع ہے یا جنس ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ۔۔۔الآیۃ:
یعنی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرو۔

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۔۔۔الآیۃ:
فِی اللّٰهِ اَیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، فِیْ رِضَآءِ اللّٰهِ، فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ، فِیْ حَقِّ اللّٰهِ۔ عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَمَفْهُوْمُهَا وَاحِدٌ۔

مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ۔۔۔الآیۃ:
سوال لفظِ مِلَّةَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟
جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:
① یہاں نَصَب عَلَی الْاِغْرَآء ہے۔ اَیِ الْزِمُوْا مِلَّةَ اَبِیْكُمْ، اِتَّبِعُوْا مِلَّةَ اَبِیْكُمْ۔
② یہ منصوب بنزع الخافض ہے۔ اَیْ كَمِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ۔

[1] (جامع الترمذی، ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲، ص ۱۷۵، طبع قدیمی، کراچی)

هُوَسَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۔۔۔الآیۃ:

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اِس کے دو(۲) مطلب بیان فرماتے ہیں:

① پہلا مطلب یہ ہے کہ: پہلے پارہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: اَسْلِمْ ۔۔۔الآیۃ ❶ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ: اَسْلَمْتُ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے جب اَسْلَمْتُ کہا تو تم تو ملتِ ابراہیم علیہ السلام پر ہو تو تم بھی مسلمان ہوئے۔

② دوسرا مطلب یہ ہے کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے تمہارا یہ نام رکھا تھا جب کہ دُعا میں یہ کہا: وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۔۔۔الآیۃ ❷ تو اِس مُسْلِمَةً کے لفظ سے ہم کو مسلمان قرار دیا گیا ہے یعنی اِس قرآن میں شاید اُنہی کے مانگنے سے یہ نام پڑا ہو۔

فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝:

وہ اَچھا آقا ہے اور اَچھا مددگار ہے۔

❶ (سُوْرَةُ الْبَقَرَة،۱۳۱) ❷ (سُوْرَةُ الْبَقَرَة،۱۲۸)

آیَاتُھَا (۱۱۸) (۲۳) سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَکِّیَّۃٌ (۷۴) رُکُوْعَاتُھَا (۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات، کبیر، بیان القرآن، ابوسعود" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں بھی عبادت کا ذکر تھا کہ: اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو، رب کی عبادت کرو، جہاد کرو وغیرہ۔ تو اس سورۃ میں بھی عبادات کا ذکر ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ: مؤمنوں کے لیے یہ عبادات لازم ہیں، اُن کو یہ عبادات کرنی چاہئیں اِسی لیے اِس سورۃ کا نام سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴿۱﴾:

اَفْلَحَ ماضی کا صیغہ لائے حالانکہ مضارع ہونا چاہیے تھا؟ اِس کی وجہ یہ ہے کہ: تحقق وقوع کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی آئندہ کامیابی ہوگی یوں سمجھ لو کہ وہ کامیابی واقع ہوگئی ہے۔

اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ ﴿۲﴾:

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: خشوع دو (۲) قسم کا ہوتا ہے:

① ظاہری بھی ہوتا ہے۔ ② باطنی بھی ہوتا ہے۔

① ظاہری یہ ہے کہ: کھڑا ہو تو سجدہ کی جگہ نظر ٹکی رہے، قعدہ میں سینہ پر نگاہ ہو اور اپنے کسی عضو سے نہ کھیلے اِدھر اُدھر توجہ و التفات نہ کرے۔

② باطنی یہ ہے کہ: تم ایسی عبادت کرو کہ گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو یہ یقین کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ ﴿۳﴾:

لغو کی دو (۲) قسمیں ہیں:

① لغو قولی۔ ② لغو فعلی۔

① لغو قولی یہ ہے کہ: مثلاً دل آزاری کی باتیں، جھوٹ، غیبت، گالی وغیرہ مؤمن اِن سب سے بھی گریز کرتا ہے۔

② لغو فعلی یہ ہے کہ: ناجائز قسم کے کھیل ہوں یا جائز ہوں لیکن اُن سے عبادات پر اَثر پڑتا ہو وغیرہ مؤمن اِن سب چیزوں سے گریز کرتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ ﴿۴﴾:

سوال: اِس آیت میں زَکٰوۃ سے کیا مُراد ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اِس آیت میں زَکٰوۃ سے زکوٰۃ ہی مُراد ہے اور فٰعِلُوْنَ بمعنی مُؤَدُّوْنَ ہے یعنی زکوٰۃ کی اَدائیگی کا فعل مُراد ہے۔

② علامہ اُندلسی رحمہ اللہ صاحب البحر المحیط اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ صاحب رُوح المعانی فرماتے ہیں کہ: اِس آیت میں زَکٰوۃ سے تزکیۂ نفس بھی مُراد ہے یعنی اپنے نفس کی صفائی کا کام بھی کرتے ہیں یا اپنے نفس کو اَخلاقِ ذمیمہ سے پاک کرتے ہیں۔

فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ ﴿۷﴾:

لواطت، اِسْتِمْنَا بِالْیَد، متعہ، زنا وغیرہ سب چیزیں وَرَآءَ کے تحت داخل ہیں۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ ﴿۸﴾:

اَمَانَات یہاں جمع کا صیغہ لایا تو معنی یہ ہے کہ: "اَمانات بہت ہیں: علم کی اَمانت، باتوں کی اَمانت، مشورہ کی اَمانت، مال کی اَمانت" وغیرہ۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ ﴿۹﴾:

صَلَوٰت بھی جمع کا صیغہ لایا تو معنی ہے کہ: "سب نمازیں اَوقات کے اَندر پڑھتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ بعض نمازیں تو پڑھیں اور بعض نہ پڑھیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ ﴿۱۰﴾:

ماقبل میں مؤمنوں کے اَوصاف بیان فرمائے اب اُن کا نتیجہ یہ ہے کہ: یہ لوگ وارث ہوں گے جنّت الفردوس کے۔

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴿۱۱﴾:

فِرْدَوْس کے معنی ہیں: "ٹھنڈی چھاؤں"۔ یعنی ٹھنڈی چھاؤں والے باغات کے وارث ہوں گے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ﴿۱۲﴾:

ربط: اُوپر جنّت الفردوس کا ذکر تھا اور جنّت الفردوس قیامت میں ملے گی۔ بعض لوگ ایسے تھے کہ: وہ قیامت کا اِنکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ: جب قیامت ہی نہیں تو جنّت کہاں ہوگی؟ دوزخ کہاں ہوگی؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں سے اپنی قدرت کی دلیلیں پیش کیں کہ: جو رب اِنسان اور دیگر چیزوں کو پیدا کر سکتا ہے تو وہ قیامت بھی لا سکتا ہے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہیں۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۴﴾:

خَلْقًا اٰخَرَ کا مطلب یہ ہے کہ: جان ڈالی اور وہ نقل وحرکت کرنے لگا۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝:

معتزلہ کا غلط اِستدلال: معتزلہ کا یہ باطل عقیدہ ہے کہ: بندوں کا جو فعل ہے وہ اُس کا خالق ہیں اور اہلِ حق کہتے ہیں کہ: خالق ہر چیز کا اللہ ہے اور اِنسان کا سب ہے۔ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ سے وہ اِستدلال کرتے ہیں کہ: خَالِقِيْن تو بہت ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اَچھا خَالِق ہے۔

جواب "تفسیر بیضاوی، روح المعانی" وغیرہ تفسیروں میں اہلِ حق کی جانب سے یہ جواب منقول ہے: خَالِقِيْن سے مُراد مُصَوِّرِيْن ہیں کیوں کہ یہ لوگ تو بہت سی صورتیں بناتے ہیں لیکن رُوح ڈال نہیں سکتے یعنی تصویر بنانے والے تو بہت ہیں لیکن رُوح نہیں ڈال سکتے تو وہ خَالِقِيْن کیسے ہوئے؟ تو خَلْق کا معنی ہے: "صورت"۔

خلق اور کسب میں فرق: کسب کے لیے آلہ کی ضرورت ہوتی ہے اور خلق کے لیے آلہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیز خالق اپنے فعل میں متفرد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۷﴾:

لفظِ طَرَآئِق، طَرِيْقَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "راستہ"۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۸﴾:

اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اُتارا پھر اُس پانی کو زمین میں ٹکایا، زمین میں جذب کیا، گڑھوں میں، جھاڑیوں وغیرہ میں ٹکایا ہے جس کو ہم کنواں وغیرہ کھود کر نکالتے ہیں۔

لفظِ قَدَر کا معنی ہے: "ایک اندازے سے"۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۰﴾:

لفظِ شَجَرَةً سے پہلے اَنْشَاْنَا فعل محذوف ہے۔ اَیْ وَاَنْشَاْنَا شَجَرَةً۔

طور سینین بھی کہتے ہیں اور طور بھی کہتے ہیں، اِس کی تخصیص اِس لیے کی ہے کیوں کہ اُس کے زیتون کے درخت بہت عمدہ، اَعلیٰ اور اَچھے قسم کے ہوتے ہیں۔

تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝:

جیسے ہم گھی کھاتے ہیں اِسی طرح عرب زیتون کھاتے ہیں۔ بعض علاقوں میں لوگ گھی بہ طورِ سالن اِستعمال کرتے ہیں، اِسی طرح عرب لوگ زیتون کے

تیل کے ساتھ رُوٹی کھاتے تھے۔ دیسی گھی مفید بھی ہے مضر بھی، اُن لوگوں کے لیے جو کام کرتے ہیں اُن کے لیے اچھا ہے اور مقوی ہے اور جو کام نہیں کرتے اُن کے لیے اچھا نہیں۔

نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۱﴾ :

بُطُوْنِهَا میں "هَا" ضمیر مؤنث ہے کیوں کہ لفظِ اَنْعَام یُذَکَّرُ وَ یُؤَنَّثُ۔ مذکر مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۳﴾ :

ربط: کے متعلق دو(۲) باتیں ہیں:

① ہمارے حضرت مرحوم مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ ربط بیان کرتے تھے کہ: پہلے ذکر تھا کہ: وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝● یعنی کشتی کا ذکر تھا۔ اب اُس پیغمبر کا ذکر ہے جس نے کشتی بنائی اور اُس میں سوار ہوئے تو کشتی کے ذریعے نجات کا سلسلہ شروع ہوا۔

② "تفسیر کبیر، ابوسعود" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے توحید کا مسئلہ تھا اب رسالت کا مسئلہ ہے۔ پس! جس طرح توحید کا مسئلہ اَہم ہے اِسی طرح رسالت کا مسئلہ بھی اَہم ہے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ ﴿۲۶﴾ :

سوال مَا کیا ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① مَا مصدر یہ ہے اَیْ بِتَكْذِيْبِهِمْ اِيَّايَ۔ چوں کہ اُنہوں نے میری تکذیب کی۔

② مَا موصولہ ہے اَیْ بِمَا كَذَّبُوْنَ بِهٖ۔ جس وجہ سے میری تکذیب کی۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۰﴾ :

حضرت نوح علیہ السلام کے اِس واقعے میں نشانیاں ہیں۔

وَاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝ :

یہاں دو(۲) ترکیبیں ہیں:

① وَاِنَّهٗ۔ "ہٗ" ضمیر اِنَّ کا اِسم ہے اور لفظِ اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ ② اِنَّا۔ یہ "نَا" ضمیر متکلم اِنَّ کا اِسم ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۳﴾ :

سوال قَالَ کی "ہٗ" ضمیر کس پیغمبر کی طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں مفسرین کا اِختلاف ہے:

① حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جو پیغمبر آئے وہ حضرت ھود علیہ السلام تھے۔ اکثر مفسرین رحمہم اللہ یہی بیان فرماتے ہیں کہ: نام تو یہاں نہیں لیکن حضرت ھود علیہ السلام کی قوم "قومِ عاد" مُراد ہے۔

② بعض فرماتے ہیں کہ: حضرت ھود علیہ السلام مُراد نہیں بل کہ حضرت صالح علیہ السلام مُراد ہیں کیوں کہ آیات میں بعد میں آیا ہے کہ ہم نے اُن کو صَيْحَة سے ہلاک کر دیا اور حضرت ھود علیہ السلام کی قوم پر تو صَيْحَة کا عذاب نہیں آیا تھا، اِس لیے یہ واقعہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ: صَيْحَة بمعنی مطلق عذاب ہے نہ کہ آواز اور واقعہ حضرت ھود علیہ السلام کا ہے۔ علّامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی معنی لیا ہے کہ: "عذاب نہ کہ آواز"۔

وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔۔۔الآیۃ :

تَرَف کا معنی ہے: "آسودگی" یعنی بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے تھے۔

● (سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن: ۲۲)

اَیَعِدُکُمْ اَنَّکُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ کُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّکُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝:

یہ کیا عجیب بات کرتا ہے کہ: جب تم مرجاؤ گے، فنا ہو جاؤ گے تو پھر قبروں سے نکالے جاؤ گے؟!!

هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝:

سوال یہ هَیْهَاتَ کیا ہے؟

جواب "تفسیر بیضاوی، روح المعانی، کشاف" وغیرہ میں اِس کے دو (۲) جوابات ہیں:

① یہ مصدر کے معنی میں ہے اَیْ بُعْدًا بُعْدًا۔ معنی ہے: "دُوری ہے دُوری ہے"۔

② هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ اِسمِ فعل بمعنی ماضی کے ہے اَیْ بَعُدَ بَعُدَ۔ لِمَا تُوْعَدُوْنَ میں مَا اُس کا فاعل ہے اور لَام زائد ہے۔ لیکن بعض نحات کے نزدیک فاعل پر لَام زائد آنا اچھی بات نہیں مفعول پر تو زائد آ سکتا ہے۔ تو معنی ہے کہ: "بعید ہے بعید ہے وہ بات جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے"۔

اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا ۔۔۔ الآیۃ ۝:

سوال "هِیَ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب "هِیَ" ضمیر حَیَاۃٌ کی طرف راجع ہے۔ اِلَّا حَیَاتُنَا اُس کی تفسیر ہے یعنی کہاں کی آخرت؟!!! اور کہاں کا حساب کتاب؟!!! ہم تو یہ جانتے ہیں کہ: ایک دُنیا کا سلسلہ ہے اور یہی ایک مَرنا ہے اور جینا ہے جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہتا ہے، کوئی پیدا ہوا، کوئی فنا ہوا، آگے کچھ نہیں۔

نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ۝:

مَرتے ہیں اور جیتے ہیں۔

اِشکال: اِس پر ظاہر میں ایک اِشکال وارد ہوتا ہے کہ: مَرنے کے بعد حیات کے وہ قائل تو نہیں تھے اور اِس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قائل تھے؟

جواب: اِس کے دو (۲) مشہور جواب ہیں:

① یہاں حرفِ وَاوْ ہے اور وَاوْ میں ترتیب نہیں ہوتی مطلق جمع کے لیے ہوتا ہے تو نَحْیَا وَ نَمُوْتُ ہوا اور "فَاء" یا "ثُمَّ" یہاں پر نہیں ہے۔

② نَمُوْتُ وَ نَحْیَا اَیْ بِحَیَاۃِ اَبْنَآءِنَا۔ "جلالین" کے بعض نسخوں میں ہے کہ: بِحَیَاۃِ اٰبَآئِنَا یہ نسخہ غَلَطٌ فَاحِشٌ۔ اَصل لفظ اَبْنَآءِنَا ہے نہ کہ اٰبَآئِنَا۔

قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ۝:

عَمَّا میں مَا زائد ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ ۔۔۔ الآیۃ ۝:

"تفسیر جلالین" میں ہے کہ: صَیْحَة کا معنی ہے: "عذاب"۔ یعنی یہاں مطلق عذاب مُراد ہے نہ کہ آواز۔

فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۔۔۔ الآیۃ:

جیسے: سیلاب خس و خاشاک کو بہا لے جاتا ہے اِسی طرح عذابِ اِلٰہی کے سیل میں بہہ چلے گئے۔ تو تشبیہ اِس میں ہے کہ: اُن کی خواہشات بہہ گئیں۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۔۔۔ الآیۃ ۝:

تَتْرَا اَصل میں وَتْرًا تھا۔ اَیْ وَتْرًا بَعْدَ وَتْرٍ۔ اِس کا معنی ہے: "فَرْدًا" یعنی ایک بھیجا، اُس کے بعد دوسرا بھیجا، پھر تیسرا بھیجا۔ تو معنی ہے: "تواتر کے ساتھ، تسلسل کے ساتھ لگاتار ہم نے رسول بھیجے"۔

فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا ۔۔۔ الآیۃ:

پیچھے لگانے کا یہ معنی ہے کہ: "پہلی قوم کو ہلاک کیا، پھر دوسری قوم کو ہلاک کیا، پھر تیسری قوم کو ہلاک کیا"۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۔۔۔الآیۃ:

اگر لفظِ اَحَادِيْث، اُحْدُوْثَةٌ کی جمع ہو جیسے اَضَاحِيْك، اُضْحُوْكَةٌ کی جمع ہے۔ تو قاعدہ کے مطابق جمع ہے یعنی موافق القیاس ہے۔ معنی ہے: "ناول، کہانی، قصہ"۔ یعنی اُن کو قصے کہانی کر دیا۔ اور اگر لفظِ اَحَادِيْث، حَدِيْثٌ کی جمع ہو تو پھر بھی صحیح ہے لیکن خلاف القیاس ہے۔ تو معنی ہے: "باتیں" یعنی باتیں تو اُن کی ہو رہی ہیں۔

فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○:

لفظِ بُعْدًا مفعولِ مطلق ہے۔ اَیْ بَعُدَ بُعْدًا۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۰﴾:

یعنی قدرتِ الٰہی کی نشانی ہے، حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو اِس لیے نشانی کہا کہ: بغیر باپ کے پیدا کیا اور اُمّہٗ (یعنی اُن کی والدہ) کو اِس لیے نشانی کہا کہ: بغیر خاوند کے بیٹا جنا۔

وَاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ○:

رَبْوَةٌ کا معنی ہے: "اُونچی جگہ"۔ صِهْيُوْن بروزن بِرْذُوْن ایک پہاڑ کا نام ہے، اُس پہاڑ پر شہر بیت المقدس آباد ہے اِس لیے رَبْوَة کہا جاتا ہے۔
"مفردات راغب للاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ" میں لکھا ہے کہ: مَعِيْنٍ کے دو (۲) معنی ہیں:
① جاری پانی۔	② وہ پانی جو آنکھوں سے دیکھا جائے۔

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۱﴾:

ربط: اُوپر چند پیغمبروں کے نام لیے، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت ھود علیہ السلام وغیرہ۔ آگے پیغمبروں کو خطاب ہے کہ: پاک چیزیں کھاؤ۔ خطاب تو پیغمبروں کو ہے لیکن اَصل میں اُمّتوں کو سبق ہے۔

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۳﴾:

لفظِ زُبُر، زُبْرَةٌ کی جمع ہے بمعنی قِطْعَةٌ اور اگر لفظِ زُبُر، زَبُوْرٌ کی جمع ہو تو کتاب کے معنی میں ہے۔ یہاں قِطْعَة یعنی "ٹکڑا" مراد ہے۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ○ ﴿۵۵﴾:

یہ مَا موصولہ ہے اور مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ، مَا کا بیان ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ○ ﴿۵۷﴾:

اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل ہے اور آگے تمام معطوفات اِس کا اِسم ہیں۔

وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ○ ﴿۶۰﴾:

وَجِلَةٌ، وَاجِلٌ کی جمع ہے۔ یعنی اُن کے دل خوف زدہ ہوں کہ خدا جانے ہمارے صدقات قبول ہوئے کہ نہیں؟!!

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ○ ﴿۶۱﴾:

یہ اِنَّ کی خبر ہے اور پہلے جمیع معطوفات اسم اِنَّ ہیں۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۲﴾:

یعنی اُوپر جو اَعمال وخصال بیان کیے گئے کوئی ایسا مشکل کام نہیں جن کا اُٹھانا اِنسانی طاقت سے باہر ہو، ہماری یہ عادت نہیں کہ لوگوں کو تَكْلِيْفُ مَا لَا يُطَاقُ دی جائے۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جن کی طرف اگر توجہ کرو تو بہ خوبی حاصل کر سکتے ہو۔

وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ٥:

سوال لفظِ کِتٰب سے یہاں کیا مُراد ہے؟

جواب "تفسیر معالم التنزیل، خازن، کمالین، سمین" وغیرہ تفسیروں میں اِس کی تین (۳) تفسیریں مشہور ہیں:

① اِس کتاب سے لوحِ محفوظ مُراد ہے، لوحِ محفوظ میں جو ہے وہ حق ہے۔

② قرآن پاک مُراد ہے۔

③ اِس سے مُراد ہر شخص کا نامۂ اَعمال ہے۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ ۔۔۔ الآیۃ ۶۴:

سوال یہ حَتّٰٓی کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بعض حضرات فرماتے ہیں: حَتّٰٓی غائیہ ہے اِس کا ماقبل سے ربط ہے۔ معنی یہ ہوگا: "وہ اپنے عمل میں لگے رہتے ہیں لگے رہتے ہیں۔ جب ہم اُن میں سے آسودہ حال لوگوں کو پکڑتے ہیں تو اُس وقت وہ گڑگڑاتے ہیں"۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں: حَتّٰٓی ابتدائیہ ہے۔ اِس کا ماقبل سے ربط نہیں ہے بل کہ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ٥:

جَئَرَ، یَجْئَرُ باب فَتَحَ، یَفْتَحُ سے ہے۔ معنی ہے: "تکلیف کے وقت آواز بلند کرنا"۔

اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ٥ ۶۵:

مِنَّا اَیْ مِنْ عَذَابِنَا۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ٥ ۶۷:

تمام تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ: مُسْتَکْبِرِیْنَ عَنِ الْاِیْمَانِ بِهٖ بِالْبَیْتِ وَالْحَرَمِ۔ تم ایمان سے تکبر کرتے ہو حرم میں رہنے کی وجہ سے یا بیت اللہ میں رہنے کی وجہ سے؟!!

سوال بِهٖ کی "ہ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بِهٖ کی "ہ" ضمیر "بیت اللہ" کی طرف راجع ہے۔ ② بِهٖ کی "ہ" ضمیر "حرم" کی طرف راجع ہے۔

سوال لفظِ سٰمِرًا کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① یہ مصدر ہے فاعل کے معنی میں ہے، واحد، تثنیہ، جمع سب کے لیے آتا ہے۔

② یہ اِسم جنس کے معنی میں ہے۔

سٰمِرًا کا معنی ہے: "رات کو قصہ گوئی کرنا"۔ عرب کا یہ قاعدہ تھا کہ: دن کو سوتے تھے اور رات کو قصہ گوئی کرتے تھے۔

تَهْجُرُوْنَ اَیْ تَتْرُكُوْنَ۔ تو معنی یہ ہوا کہ: "تھے تم لوگ اپنی ایڑیوں کے بل چلتے پھرتے اِس حال میں کہ تم ایمان سے تکبر کرتے تھے اور اِس حالت میں کہ قصہ گوئی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو چھوڑتے تھے"۔

لفظِ تَهْجُرُوْنَ، هَجَرَ، يَهْجُرُ، هَجْرًا باب نَصَرَ، يَنْصُرُ سے ہے۔ معنی ہے: "ترک کرنا"۔

بعض قراَت میں تَهْجُرُوْنَ کی جگہ تُهْجِرُوْنَ ہے یہ اَهْجَرَ، يُهْجِرُ باب اِفْعَال سے ہے۔ معنی ہے: "بکواس کرنا"۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ (۶۹):

کسی آدمی کو نہ جانتے ہوں تو اُس سے دھوکہ ہوسکتا ہے اور جس کو جانتے ہو اُس سے دھوکہ نہیں کھا سکتے یعنی کیا اِس لیے اِعراض وتکذیب پر تلے ہوئے ہیں کہ اُن کو پیغمبر کے اَحوال سے آگاہی نہیں حال آں کہ سارا عرب جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں صادق وامین اور عفیف وپاک باز تھے، جب تعارف نہ ہوتو بہت سی باتیں جو ہیں موہوم ہوتیں۔ وہ خود کہتے تھے کہ: نَعْرِفُ اُمَّهٗ وَاَبَاهُ۔ ہم اِس کی ماں اور والد کو بھی جانتے ہیں۔ تو پھر کیوں دھوکہ کھاتے ہیں؟

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۔۔۔ الآيۃ (۷۱):

حق نہ رہے تو یہ سب نظام درہم برہم ہوجائے کیوں کہ زمین اور آسمانوں کا نظام عدل واِنصاف پر قائم ہے، جب باطل ہی باطل ہو عدل واِنصاف نہ رہے تو آسمان اور زمین کا وجود رب کو گوارہ نہیں۔

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝:

سوال ذِکر سے کیا مُراد ہے؟

جواب ذِکر سے مُراد قرآن پاک ہے۔

اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۔۔۔ الآيۃ (۷۲):

خَرْجًا کا معنی ہے: "وظیفہ، چندہ، معاوضہ"۔

خَرَاج کا معنی ہے: "زمین کی پیداوار سے لیا گیا عطیہ"۔ یہاں مُراد یہ ہے کہ: رب کی جانب سے جو عطیہ ہوگا، ثواب اور بدلہ ہوگا۔

عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝ (۷۴):

لَنٰكِبُوْنَ اَیْ لَعَادِلُوْنَ معنی ہے: "پھرنا، اِعراض کرنا" کیوں کہ اِس کا صلہ عَنْ ہے۔

وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (۷۵):

لَجُّوْا اَیْ اَصَرُّوْا، اِصرار کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ ۔۔۔ الآيۃ (۷۶):

عذاب سے مُراد یہ ہے کہ: سات (۷) سال قحط سالی مسلّط کی، لیکن پھر بھی اُنھوں نے اپنے رب کے آگے نہ عاجزی کی اور نہ گڑگڑائے۔

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۔۔۔ الآيۃ (۷۷):

غزوۂ بدر میں کوڑے اُن پر برسائے اور اُن کو شکست ہوئی۔

وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۔۔۔ الآيۃ (۷۸):

ربط: ماقبل میں عذاب کا ذکر تھا یعنی ترھیب تھی اب ترغیب ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا ذکر فرما کر دِین کی طرف رُغبت دلا رہے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (۷۹):

لفظ ذَرَاَ کے دو (۲) معنی ہیں:

① خَلَقَ معنی ہے: "پیدا کرنا"۔

② بَثَّ معنی ہے: "بکھیرنا"۔

قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (۸۵):

تَذَكَّرُوْنَ اَصل میں تَتَذَكَّرُوْنَ تھا ایک "تاء" گرگئی۔

قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ ﴿۸۷﴾:

اَیْ لَا تَتَّقُوْنَ الشِّرْكَ وَالْكُفْرَ۔

قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۸﴾:

لفظِ مَلَکُوْت کا معنی ہے: "اختیار"۔

وَهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○:

اَجَارَ، یُجِیْرُ، اِجَارَةً باب اِفْعَال سے ہے۔ معنی ہے کہ: "ایسی ذات بتاؤ جو خود پناہ دے سکتی ہو اُس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہ دی جاسکے"۔

قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ○ ﴿۸۹﴾:

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں کہ: کیسا تم پر جادو پڑ گیا ہے؟ یہ ساری باتیں مانتے ہو اور پھر بھی شرک کرتے ہو؟!!

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۱﴾:

خدا کا نہ بیٹا ہے، نہ بیٹی ہے۔

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔۔۔ الآیۃ:

اگر اور اِلٰہ ہوتے تو ہر ایک دوسرے کے خلاف لڑائی اور چڑھائی کرتا۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ ○ ﴿۹۳﴾:

ربط: اُوپر توحید اور قیامت کا ذکر تھا، اُس پر دلائل قائم کیے، اب اِتنی ظاہر چیزیں ہوتے ہوئے عذاب سے نہیں ڈرتے؟ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی پوزیشن اِس طرح صاف کریں قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ۔۔۔ الآیۃ

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ○ ﴿۹۷﴾:

هَمَزٰت کا معنی ہے: "کچوکے اور وسوسے"۔ معنی یہ ہوں گے کہ: "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے کہ: اے میرے رب! مَیں آپ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان کے کچوکے اور وسوسے سے"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور ہم کو سبق ہے۔

وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ○ ﴿۹۸﴾:

لفظِ یَحْضُرُوْنِ اَصل میں یَحْضُرُوْنِیْ تھا۔ معنی ہے: "مَیں پناہ مانگتا ہوں کہ وہ شیاطین میرے پاس آئیں"۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹۹﴾:

حَتّٰی اِبتدائیہ ہے یا غائیہ ہے۔

قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ○:

سوال یہ اِرْجِعُوْن جمع کا صیغہ ہے اور یہ سوال رب سے ہے اور رب تو ایک ہے؟

جواب اِس کے تین (۳) جواب ہیں:

① یہ جمع تعظیمی ہے۔ جیسے: اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا۔۔۔ الآیۃ ❶، اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ ❷

② یہ تکرار کے لیے ہے۔ جیسے: ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ۔۔۔ الآیۃ ❸ یہ تثنیہ تکرار کے لیے ہے۔ تو وہ اِسی طرح بار بار کہیں گے: رَبِّ ارْجِعْ، رَبِّ ارْجِعْ۔

③ رب تعالیٰ حقیقتاً جان نکالتا ہے اور فرشتے بھی اُس کے ساتھ ہیں وہ عالمِ اَسباب میں جان نکالتے ہیں۔ تو رب تعالیٰ اور فرشتوں دونوں کو خطاب کرکے یہ جمع کا صیغہ ہے۔

---

❶ (سورۃ یوسف، ۲) ❷ (سورۃ الحجر، ۹) ❸ (سورۃ الملک، ۴)

لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۰﴾:

یہاں فِیْ مقابلے کے لیے ہے۔ معنی ہے: "مقابلے میں اُس کے جو مَیں چھوڑ چکا"۔

اِنَّهَا کَلِمَۃٌ هُوَ قَآئِلُهَا۔۔۔ الآیۃ:

سوال اِنَّهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِنَّهَا کی "هَا" ضمیر رَبِّ ارْجِعُوْنِ کی طرف راجع ہے۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۞:

یہاں وَرَآء کا معنی ہے: "آگے"۔ کیوں کہ لفظ وَرَآء اَضداء میں سے ہے، "آگے" اور "پیچھے" دونوں معانی اس کے ہو سکتے ہیں۔

بَرْزَخ کا معنی ہے: "پردہ"۔ یہ قبر دونوں جہانوں کا پردہ ہے۔

فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ۞ ﴿۱۰۱﴾:

"بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: ایک آدمی نافع بن ازرق نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ: قرآن کریم کی یہ آیت آئی ہے تو مجھے تعارض نظر آتا ہے۔ یہاں یہ ہے کہ: وَلَا یَتَسَآءَلُوْنَ اور اس کے مدمقابل یہ ہے کہ: فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ۞ ❶ تو ایک جگہ ایک دوسرے سے پوچھنے کی نفی ہے اور دوسری جگہ اِثبات ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا کہ: وقت الگ ہے، پوچھنے کا وقت اور ہے اور نہ پوچھنے کا وقت اور ہے۔

وَهُمْ فِیْهَا کٰلِحُوْنَ ۞ ﴿۱۰۴﴾:

کٰلِحُوْنَ کا معنی ہے: کَرِیْهُ الْمَنْظَرِ، بدشکل۔

"ترمذی شریف" میں روایت ہے کہ: دوزخی کا اُوپر والا ہونٹ پھول کر کھوپڑی تک پہنچ جائے گا اور نچلا لٹک کر ناف تک پہنچ جائے گا اور بڑے بڑے دانت ہوں گے ❷

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۞ ﴿۱۰۷﴾:

لطیفہ: ۱۹۵۳ء میں نیوسنٹرل جیل ملتان میں ہم تھے، تقریباً دس (۱۰) ماہ وہاں تھے، "صرف ایک اِسلام" کتاب وہاں لکھی۔ محمد اسلم نامی ایک ساتھی تھا وہ ہر ایک کے ساتھ لڑتا تھا، ختمِ نبوت کی تحریک کے دوران رمضان کا مہینہ اور شام کا وقت تھا، یہ عاجزانہ دُعا کی کہ: "اے سچے رب! اُتو نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا ہمیں جیل سے نکال"۔

قَالَ اخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُکَلِّمُوْنِ ۞ ﴿۱۰۸﴾:

"تفسیر کشاف" میں لکھا ہے کہ: خَسَئْتُ الْکَلْبَ اِذَا بَعَّدْتَهٗ۔ جب کتا قریب آجائے تو اُس کو دُور کرنے کے لیے خَسَئْتُ الْکَلْبَ بولا جاتا ہے۔

لَا تُکَلِّمُوْنِ اَصل میں لَا تُکَلِّمُوْنِیْ تھا۔ حضرت علامہ حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی میانوالی والی بولی میں آیت کا یہ معنی کرتے ہیں: "چیخے چیو باں نہ کرو"۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِیًّا۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱۰﴾:

جیسے اہلِ بدعت ہمارے تبلیغی ساتھیوں سے مسخرے کرتے ہیں کہ: یہ دُنیا میں جوئیں تقسیم کرتے ہیں اور اپنے بستروں میں پہاڑوں سے لاتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ: داڑھی تو لمبی لیکن ایمان گول ہے، وغیرہ۔

حَتّٰٓی اَنْسَوْکُمْ ذِکْرِیْ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر کبیر، روح المعانی، خازن، معالم التنزیل، بیضاوی" وغیرہ میں اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

---

❶ (سُوْرَۃُ الصّٰفّٰت، ۵۰) ❷ (جامع الترمذی، ابواب التفسیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ومن سورۃ المومنون، ج ۲، ص ۱۵۱، طبع قدیمی، کراچی)

① یہ لوگ اللہ کے بندوں کا ذکر کرتے رہے اور اُن کے ساتھ مسخرے کرتے رہے۔ وہ سبب بنا میرے ذکر کو چھوڑنے کا اُن کے تذکرے نے تمہیں میرا ذکر بھلا دیا۔

② اُنہوں نے تمہیں میرا ذکر بھلا دیا یعنی وہ میرے نیک بندے تھے اُن نیک بندوں کے ساتھ تم نے عداوت کی، یہ اُن کی کرامت تھی کہ میرا ذکر تمہارے ذہنوں سے نکال دیا۔ کرامت بندے کا اپنا فعل نہیں ہوتا اور یہ کوئی اختیاری چیز نہیں۔

فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ۝ :

سوال عَادِّیْن سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) جوابات ہیں:

① عَادِّیْن سے مُراد فرشتے ہیں۔

② بعض تعمیم کا معنیٰ کرتے ہیں کہ: مطلق حساب کتاب کرنے والے مُراد ہیں۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ۔۔۔الآية :

جس نے پکارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اِلٰہ اور ایسا اِلٰہ جس کے لیے کوئی دلیل نہیں۔ آپ کو تمام تفسیروں میں ملے گا کہ: لَا بُرْهَانَ لَهٗ، صِفَةٌ كَاشِفَةٌ لَا مَفْهُوْمَ لَهَا کہ اُس کا مفہوم مخالف نہیں یعنی یہ صفت اِحترازی نہیں ہے بل کہ اِتفاقی ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ: رب تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی ایسا اِلٰہ ہے ہی نہیں جس کی دلیل ہو سکے۔

آیَاتُهَا (۶۴) (۲۴) سُوْرَۃُ النُّوْرِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۰۲) رُکُوْعَاتُهَا (۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ربط: "تفسیر کبیر، ابوسعود، تفسیر بیان القرآن، تفسیر حقانی" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: ابھی آپ نے یہ پڑھا کہ: أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا ۔۔۔ الآیۃ ● کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کیا ہے؟ تو آگے فرماتے ہیں کہ: تمہیں عبث اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا بل کہ ہم نے تم پر پابندیاں لگائیں ہیں۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ النُّوْر ہے۔

سُوْرَةٌ أَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا ۔۔۔ الآیۃ ❶:

لفظ سُوْرَۃٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ أَيْ هٰذِهٖ سُوْرَةٌ۔

یہ سورۃ بعض نہایت ضروری اَحکام وحدود، اَمثال ومواعظ، حقائق توحید اور بہت ہی اَہم تنبیہات واِصلاحات پر مشتمل ہے، اِس کے اَحکامات سخت ہیں اِس لیے ہر آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے آپ کی طرف اِسناد کرتے ہیں۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۔۔۔ الآیۃ ❷:

زانی عورت اور مرد غیر شادی شدہ کے لیے سو (۱۰۰) دُرّے ہیں، ہر شادی شدہ کی سزا رجم اَحادیثِ متواترہ اور اِجماع سے ثابت ہے۔

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ○:

جہاں زانی مرد وعورت کو سزا ہو وہاں مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر ہو تا کہ اُس سزا کو دیکھیں اور آگے بیان کریں تو لوگوں کو اِس سے عبرت حاصل ہو اور بدی اور برائی کا سدِّباب ہو۔

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً ۔۔۔ الآیۃ ❸:

"تفسیر رُوح المعانی، معالم التنزیل، خازن، ابوسعود" وغیرہ میں جو تفسیر لکھی ہے خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ: حضرات ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: زانیہ عورت کے ساتھ غیر زانی مرد کا نکاح جائز ہے لیکن اَچھا نہیں اور اِمام اَحمد ابن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ اِمام اَحمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا اِستدلال اِس آیت اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ ۔۔۔ الآیۃ سے ہے۔

جواب اِمام اَحمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا اِستدلال دُرست نہیں کیوں کہ آیت اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ ۔۔۔ الآیۃ ہے جو کہ نفی یعنی خبر ہے، نہی یعنی اِنشاء نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: زانی نکاح نہیں کیا کرتا مگر زانیہ سے یا مشرکہ سے یعنی زانی کا طبعی رجحان زانیہ کی طرف ہوتا ہے۔ پس! اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اَلْجِنْسُ يَمِيْلُ إِلَى الْجِنْسِ۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

کبوتر با کبوتر باز با باز

لہٰذا معلوم ہوا کہ: زانیہ عورت کے ساتھ غیر زانی مرد کا نکاح جائز ہے، اگر نا جائز ہوتا تو مذکورہ آیت "لَا يَنْكِحُ" کے بجائے "لَا يَنْكِحْ" ہوتی یعنی نفی کے بجائے نہی کا صیغہ اِستعمال ہوتا۔

اِسی طرح اِمام اَحمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اگر کسی مرد نے غیر زانیہ عورت کے ساتھ نکاح کیا اور بعد میں اُن دونوں میں سے کسی نے زنا کا اِرتکاب کیا تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: نکاح نہیں ٹوٹتا۔

● (سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن ۱۱۵)

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ٥:

سوال ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ کیا ہے؟

جواب اِس میں اِختلاف ہے:

① ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح ہے۔

② ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ نکاح نہیں ہے بل کہ زنا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۴﴾:

یہاں سے لعان کا ذکر ہے۔

ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۔۔۔الآیۃ:

پہلی بات یہ ہے کہ: زنا میں عورت کی گواہی شرعاً معتبر نہیں ہے یعنی چار (۴) مرد معتبر ہیں نہ کہ عورت۔

اِشکال: زائغین نے بہت کچھ کہا ہے کہ: مولویوں نے بےنظیر اور عورتوں کی شان گھٹانے کے لیے یہ کہا ہے کہ: عورتوں کی شہادت مقبول نہیں۔ کیا عورتوں کی آنکھیں نہیں ہیں؟!!

جواب: ہم کہتے ہیں کہ: نحو کی کتابوں میں تمیز کا یہ قاعدہ ہے کہ جب عدد ثَلَاثَة سے اُوپر ہو تو اگر عدد مذکر ہو تو تمیز مؤنث اور اگر عدد مؤنث ہو تو تمیز مذکر ہوگی۔ یہاں پر بِأَرْبَعَةِ یعنی عدد بِالتَّاء ہے جو کہ مؤنث ہے تو قاعدہ کے مطابق ہونا چاہیے کہ: چار (۴) مرد مُراد ہوں، اگر عورت مُراد ہوتی تو بِأَرْبَعِ شُهَدَآءَ ہوتا۔ کیا یہ ہم کہتے ہیں؟ ہم عورتوں کی شان گھٹاتے ہیں یا یہ قرآن عظیم الشان کی بات ہے؟ یہ قرآن حکیم سے ثابت ہے، اَحادیث اِس باب میں بہت ہیں۔ آپ نے فقہ کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ: جب یہ گواہ گواہی دیں گے تو کہیں گے کہ: رَاَيْتُ كَالْمِيْلِ فِي الْمُكْحَلَةِ تو کوئی بھی باحیاء عورت ایسی بات جج کے سامنے بیان نہیں کر سکتی، مگر بےنظیر وغیرہ کہہ سکتی ہے۔ تو عقلی اور نقلی دونوں طور پر اُن کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔

وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ ۔۔۔الآیۃ:

محدود فی القذف اِمام صاحب رحمہ اللہ کے اور علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک اگر توبہ کرے تو توبہ کے بعد بھی اُس کی گواہی معتبر نہیں ہوگی کیوں کہ یہاں لفظِ اَبَدًا آیا ہے۔ ہاں! اِس توبہ پر وہ فسق سے باہر ہو جاتا ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک فاسق بھی نہیں رہتا اور گواہی بھی اب قابلِ قبول ہے۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ ۔۔۔الآیۃ ﴿۸﴾:

سوال لفظِ يَدْرَؤُا کا فاعل کیا ہے؟

جواب أَنْ تَشْهَدَ، يَدْرَؤُا کا فاعل ہے۔

وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ ۔۔۔الآیۃ ﴿۹﴾:

لفظِ غَضَب مصدر ہے فعل نہیں ہے۔

سوال غَضَب کا لفظ استعمال کیا، لعنت کا لفظ استعمال کیوں نہیں کیا؟

جواب چوں کہ لعنت عورتوں کا وِرد اور وظیفہ ہے، ہر وقت اُن کی زبان اِس سے تر رہتی ہے تو اِس لیے غَضَب کا لفظ اِستعمال کیا تا کہ کچھ ڈریں۔

اِس لعان کے بعد میاں بیوی کے درمیان تفریق ہوگی اور بچہ ماں کے پاس ہوگا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَأَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ٥ ﴿۱۰﴾:

سوال لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ یہ فعل شرط ہے اِس کی جزاء کیا ہے؟

جواب اِس کی جزاء محذوف ہے۔ اَيْ لَعَجَّلَ لَكُمُ الْعُقُوْبَةَ۔

إِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ـــ الآية (۱۱):

ربط: اُوپر پہلے غیر کی عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے کا ذکر تھا، پھر اپنی عورتوں پر تہمتِ زنا کا ذکر تھا، اب آگے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا واقعہ ہے۔

واقعہ اِفک: واقعہ یہ ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۵ھ شعبان کے مہینہ میں "غزوۂ بنی المصطلق" جس کو "غزوۂ مریسیع" بھی کہتے ہیں اُسے واپس مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ سو، سات سو (۶۰۰، ۷۰۰) اَفراد تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں اور پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سواری کا اُونٹ علیحدہ تھا، وہ ہودج میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں، جمّال ہودج کو اُونٹ پر باندھ لیتے تھے، ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا، کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی جس کے لیے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں، وہاں اِتفاق سے اُن کا ہار ٹوٹ کر گر گیا، اُس کی تلاش میں دیر لگ گئی، یہاں تک کہ پیچھے کوچ ہو گیا۔ جمّال حسبِ عادت اُونٹ پر ہودج باندھنے آئے اور اُس کے پردے پڑے رہنے کی وجہ سے گمان کیا کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اُس میں تشریف رکھی ہوئی ہیں، اُٹھاتے وقت بھی شبہ نہ ہوا کیوں کہ اُن کی عمر تھوڑی تھی اور بدن بہت ہلکا پھلکا تھا۔ غرض جمّالوں نے ہودج باندھ کر اُونٹ کو چلتا کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ نہایت اِستقلال سے اُنہوں نے یہ رائے قائم کی کہ: یہاں سے اب جانا خلافِ مصلحت ہے، جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو یہیں تلاش کرنے آئیں گے۔ آخر وہیں قیام کیا، رات کا وقت تھا، نیند کا غلبہ ہوا، وہیں لیٹ گئیں، حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ گرے پڑے کی خبر گیری کی غرض سے قافلہ کے پیچھے کچھ فاصلہ سے رہا کرتے تھے۔ وہ اُس موقع پر صبح کے وقت پہنچے۔ دیکھا کوئی آدمی پڑا سو رہا ہے۔ قریب آ کر دیکھا کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں کیوں کہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے اُنہوں نے اُمّی عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تھا۔ دیکھ کر گھبرا گئے اور إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی، فوراً چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ حضرت صفوان بن معطل سلمی بعدہ زکوانی رضی اللہ عنہ نے اُونٹ اُن کے قریب لا کر بٹھلا دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اُس اُونٹ پر پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ اُنہوں نے اُونٹ کی نکیل پکڑ کر دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملایا۔ عبداللہ بن اُبَی رئیس المنافقین بڑا خبیث، بدباطن اور دُشمنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا، اُسے ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بدبخت نے واہی تباہی بکنا شروع کیا اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی مثلاً: مَردوں میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت مسطح بن اُثاثہ رضی اللہ عنہ۔ مسطح بن اُثاثہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے، اُنہوں نے کہا کہ: نوجوان لڑکی ہے اگر ایسا ہوا ہے تو کوئی بعید بات نہیں۔ اور عورتوں میں سے حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا منافقین کے مغویانہ پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اِس قسم کے اَفسوس ناک تذکرے کرنے لگے۔ عموماً مسلمانوں اور خود جنابِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس قسم کی واہیات تذکروں اور شہرتوں سے سخت صدمہ تھا۔ ایک مہینہ تک یہی چرچا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے تھے اور بغیر تحقیق کچھ نہ کہتے تھے، مگر دل میں خفا رہتے تھے۔ ایک ماہ بعد اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اِس شہرت کی اِطلاع ہوئی۔ شدتِ غم سے بے تاب ہو گئیں اور بیمار پڑ گئیں۔ شب و رُوز رُوتی تھیں، ایک منٹ کے لیے آنسو نہ تھمتے تھے۔ اِسی دَوران میں بہت سے واقعات پیش آئے اور گفتگو ہوئی جو "صحیح بخاری" وغیرہ میں مذکور ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں۔

آخر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں سُوْرَةُ النُّوْر کی یہ آیتیں: إِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ـــ الآية سے دس (۱۰) آیات نازل فرمائیں جن پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فخر کرتیں تھیں اور بلاشبہ جتنا فخر کرتیں تھیں تھوڑا تھا۔

وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ ـــ الآية:

اِس سے مُراد رئیس المنافقین "عبداللہ بن اُبَی" ہے۔

وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ (۱۵):

عذابِ عظیم کے مستحق کیوں نہ ہوتے؟!! جب کہ تم ایسی بے تحقیق اور ظاہر البطلان بات کو ایک دوسرے کی طرف چلتا کر رہے تھے؟ ایسی سخت بات کو یعنی کسی محصنہ خصوصاً پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ اور مؤمنین کی رُوحانی والدہ اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور لختِ جگر کو متہم کرنا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا سنگین جرم ہے محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا یہ اَصل جرم سے بھی بڑھ کر جرم تھا۔

"حَقُّ الْيَقِيْن" (شیعہ کی کتاب) کے حوالہ سے ہم نے "ارشادُ الشیعہ" میں لکھا ہے کہ: ایک چھوٹا محدث ہے وہ کہتا ہے کہ: حضرت امام مہدی علیہ السلام بغداد سے تین سو (۳۰۰) میل دُور سامرّا غار میں ۲۵۵ھ سے موجود ہیں، جب وہ ظاہر ہوں گے تو اُن کا پہلا کام یہ ہوگا کہ: لوگ امام مہدی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر کے، جنت البقیع جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قبر سے اُن کو نکال کر اُن پر حد نافذ کریں گے اور پھر اِن سنیوں کو قتل کریں گے، پھر عوام کو اور پھر کفار کی طرف متوجہ ہوں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:

ربط: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ چلا آ رہا ہے، اب اُن مخلصین مسلمان کو خطاب ہے جو اس اِفتراء میں پھنس گئے تھے۔

وَلَا يَأْتَلِ اُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۲﴾:

لفظ يَأْتَلِ باب اِفْتِعَال سے ہے، اس کا مجرد مادّہ اَلِيَّةٌ آیا ہے۔ معنی ہے: "قسم"۔

شانِ نزول: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف طوفان اُٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہوئے۔ اُن میں سے ایک حضرت مِسْطَح رضی اللہ عنہ تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے، قصۂ اِفك سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُن کی مدد اور خبر گیری کیا کرتے تھے۔ جب یہ قصہ ختم ہوا اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ آئندہ مِسْطَح رضی اللہ عنہ کی مدد نہیں کروں گا۔ شاید بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ایسی صورت پیش آئی ہو اس پر آیت نازل ہوئی یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دُنیا کی وسعت دی ہے اُنہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں، اُن کا ظرف بہت بڑا اور اُن کے اَخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں، بڑی جوان مردی تو یہی ہے کہ: بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے۔ اَحادیث میں ہے کہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب سنا: اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ۔۔۔ الآیۃ تو فرمایا: بَلٰى! يَا رَبَّنَا اِنَّا نُحِبُّ۔ یہ کہہ کر مِسْطَح رضی اللہ عنہ کی جو مدد کرتے تھے بہ دستور جاری فرما دی اور پہلے سے زیادہ جاری کر دی۔

اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① بعض لَا مقدر مانتے ہیں۔ اَیْ اَنْ لَّا يُّؤْتُوْا۔ ② بعض عَنْ مقدر مانتے ہیں۔ اَیْ مُعْرِضِيْنَ عَنْ اَنْ يُّؤْتُوْا۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۶﴾:

اَلْخَبِيْثٰتُ کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① اَلنِّسَآءُ الْخَبِيْثٰتُ۔۔۔ الآیۃ۔

② اَلْاَفْعَالُ الْخَبِيْثٰتُ۔۔۔ الآیۃ۔

③ اَلْاَعْمَالُ الْخَبِيْثٰتُ۔۔۔ الآیۃ۔

وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ۔۔۔ الآیۃ:

اِسی طرح اَلطَّيِّبٰتُ میں بھی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① اَلنِّسَآءُ الطَّيِّبٰتُ۔۔۔ الآیۃ۔

② اَلْاَفْعَالُ الطَّيِّبٰتُ۔۔۔ الآیۃ۔

③ اَلْاَعْمَالُ الطَّيِّبٰتُ۔۔۔ الآیۃ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۷﴾:

ربط: پہلے ذکر تھا کہ: زانی کو سزا دو اور زانیہ کو بھی سزا دو اور حدِ قذف اور لعان وغیرہ کا ذکر تھا، اب ایسے اَسباب بتاتے ہیں جو زنا کی طرف مُنْجَر یعنی لے جانے والے ہوتے ہیں تو ایسے اَسباب سے منع کر رہے ہیں۔

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا... الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① جن سے تم نے ملنا ہے وہ اگر نہ ہوں تو گھر میں داخل نہ ہو۔ ہاں! اگر اہلِ خانہ اِجازت دیں اور کہیں کہ: آپ یہاں بیٹھ جائیں تو پھر وہاں بیٹھ جاؤ۔

② گھروں میں کوئی ہو ہی نہ تو اُن گھروں میں مت داخل ہو کیوں کہ مِلکِ غیر میں بدونِ اِجازت تصرّف کا کوئی حق نہیں۔ نہ معلوم بے اِجازت چلے جانے سے کیا جھگڑا پیش آجائے؟!!

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ... الآیۃ:

تمہارے لیے ایسے گھروں میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں جہاں عورتیں نہ ہوں۔ جیسے: آپ کے کمرے (یعنی طلباء کے کمرے) اِن میں اِجازت کی ضرورت نہیں۔

تحقیق: (بھائی محمد طاہر کوہاٹی نے بتایا کہ: مَیں نے تفسیر "معارف القرآن" میں دیکھا تو اُس میں اِن کمروں کو مَسْكُوْنَة کہا گیا ہے، اِس لیے اِجازت کی ضرورت ہے۔ مَیں نے اِس سلسلے میں حضرت شیخ سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ کو خط لکھا اور "معارف القرآن" کا حوالہ بھی نقل کیا۔ جواب میں اُنہوں نے تحریر فرمایا کہ: "معارف القرآن" والی بات صحیح ہے اور یہاں ہم سے غلطی ہوئی ہے۔" از راقم الحروف)

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ... الآیۃ:

دوسرا سبب زنا کی طرف مُنْجر ہونے والا یہ ہے کہ: نظروں کی حفاظت کی جائے، چوں کہ آنکھ بدن کا ایک راستہ ہے اور بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے، اِس سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے، قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا اِنسداد کرنے کے لیے پہلے اِسی سوراخ کو بند کر دیا۔

سوال مِنْ کونسا ہے؟

جواب مِنْ تبعیضیہ ہے۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ... الآیۃ:

لفظِ جُیُوْب کا معنیٰ ہے: "گریبان"۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ: "اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالیں"۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ... الآیۃ:

اپنی زینت نہ ظاہر کرو۔ یہاں خاصہ اِختلاف ہے کہ: عورتوں کا چہرہ، اُن کے ہاتھ، اُن کے دونوں پاؤں یہ عورۃ یعنی پردہ میں داخل ہیں یا نہیں؟ نیز نماز اور غیرِ نماز میں فرق ہے یا نہیں؟ اِسی طرح اَجنبی اور غیر اَجنبی کا بھی فرق ہے یا نہیں؟ کافی تفصیلی بحث ہے۔ "کبیری" میں ہے کہ: عورت کا چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں یہ عورۃ یعنی پردہ میں داخل نہیں ہیں۔ نماز اور غیرِ نماز، اَجنبی غیرِ اَجنبی سب کا یہی حکم ہے۔ وَعَلَيْهِ اِتِّفَاقُ الْفُقَهَاءِ۔

أَوْ نِسَآئِهِنَّ... الآیۃ:

یعنی مؤمن عورت کا مؤمن عورتوں سے پردہ نہیں اور کافر عورت مؤمن عورت کے حق میں اَجنبی مرد کے حکم میں ہے۔

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ... الآیۃ:

سوال مذکورہ آیت سے صرف لونڈیاں مُراد ہیں یا غلام بھی اِس میں داخل ہیں؟

جواب اِس میں ائمہ کا اِختلاف ہے:

اِمام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس سے صرف لونڈیاں مُراد ہیں، غلام مُراد نہیں ہیں۔ اِمام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مملوک غلام بھی اِس میں داخل ہیں، سیّدہ کا اُن سے بھی پردہ نہیں ہے۔ "تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، تفسیر مظہری" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: رئیس التابعین عطاء بن رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس سے مُراد لونڈیاں ہیں غلام مُراد نہیں ہیں۔

اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يَظۡهَرُوۡا عَلٰى عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ طِفۡل مصدر ہے یا جنس ہے۔

مَا يُخۡفِيۡنَ مِنۡ زِيۡنَتِهِنَّ ۔۔۔ الآیۃ:

یعنی چال ڈھال ایسی نہیں ہونی چاہیے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے اجنبیوں کو اُدھر میلان اور توجہ ہو۔

"تفسیر بیان القرآن" میں ایک ضابطہ لکھا ہے کہ: ایسا زیور (مثلاً پازیب وغیرہ) جو اندر سے ٹھوس ہو اور ایک دوسرے سے لگ کر آواز پیدا کرے تو جائز ہے اور اگر اندر سے خالی ہو اور اُس میں کنکریاں ڈالیں اور اُس سے آواز پیدا ہوتی ہو تو وہ پہننا جائز نہیں ہے۔

وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۲﴾:

زنا کے اَسباب میں سے ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ: دیر تک نکاح نہیں کرتے۔ اَيَامٰى، اَيِّمٌ کی جمع ہے۔ اَيِّم کہتے ہیں: مَنۡ لَا زَوۡجَ لَهَا۔ جس کا خاوند نہ ہو چاہے وہ باکرہ ہو یا مطلقہ ہو یا مُتَوَفّٰى عَنۡهَا زَوۡجُهَا ہو سب پر اَيِّم کا اِطلاق ہوتا ہے۔

حَتّٰى يُغۡنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۳﴾:

سوال غنی کرنے سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① پہلا مطلب یہ ہے کہ: بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مَرد کی قسمت اَچھی نہیں ہوتی اور عورت کی قسمت اَچھی ہوتی ہے تو عورت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اُس مَرد کو بھی غنی کر دیتے ہیں۔

② دوسرا مطلب یہ ہے کہ: تنہا ہو کر آدمی کام کاج نہیں کرتا کہ کس کے لیے کام کروں؟ نہ بیوی ہے نہ بچے؟ اور جب بیوی آجائے تو اُس کے لیے ضرور کام کاج کرے گا۔

وَالَّذِيۡنَ يَبۡتَغُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَكَاتِبُوۡهُمۡ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر غلاموں کا ذکر تھا اِس لیے آگے غلاموں کے حوالے سے مکاتب کا ذکر ہے۔ اگر کسی غلام کا آقا اُس سے یہ کہے کہ: تم اِتنا کما کر سال بھر میں مجھے دے دو تو تم آزاد ہو۔ اب وہ غلام یَدًا تو آزاد ہے یعنی جو کمائے گا اُس غلام کا ہوگا لیکن رَقَبَةً غلام ہے یعنی اگر ایک درہم بھی اُس پر کتابت کا باقی ہے تو وہ غلام شمار ہوگا۔ چوں کہ پہلے زمانے میں مکاتب کے ساتھ جو معاملات ہوتے تھے وہ لکھت پڑھت کے ساتھ ہوتے تھے اور اِس وجہ سے اِن کو مکاتب کہا جاتا ہے ورنہ اگر لکھت پڑھت نہ بھی ہو تب بھی عقدِ کتابت منعقد ہو جائے گا۔

اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لفظ خَيۡر کا کیا مطلب ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① لفظ خَيۡر کا مطلب یہ ہے کہ: مال مہیا کر سکتا ہو۔

② لفظ خَيۡر کا مطلب یہ ہے کہ: بعض غلام سرکش ہوتے ہیں، آقا سے تو دب جاتے ہیں دوسروں سے نہیں دبتے تو اگر تم اُن کو آزاد کر دو اور وہ قوم کے لیے فتنہ بنیں گے تو پھر بھی آزاد مت کرو کیوں کہ اُن کی آزادی میں خیر نہیں ہے۔

وَلَا تُكۡرِهُوۡا فَتَيٰتِكُمۡ عَلَى الۡبِغَآءِ ۔۔۔ الآیۃ:

جاہلیت میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں سے کسب کراتے تھے۔ عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کے پاس کئی لونڈیاں تھیں" معاذہ، اروا، غمیصہ، قتیلہ" وغیرہ وہ اُن کو مجبور کرتا تھا اور اُن سے بدکاری کرا کے روپیہ حاصل کرتا تھا، اُن میں بعض مسلمان ہو گئیں اور اِس فعلِ شنیع سے اِنکار کیا، اِس پر وہ معلون زدوکوب کرتا تھا، یہ آیت اِسی سلسلے میں نازل ہوئی۔

إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا ۔۔۔ الآیۃ:

یہ شرط اور قید اِتفاقی ہے نہ کہ اِحترازی۔

وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ ۔۔۔ الآیۃ:

دو (۲) واقعات آپ پہلے پڑھ چکے ہیں:

① پہلا یہ کہ: حضرت یوسف علیہ السلام سے عورت نے بدکاری کا مطالبہ کیا اور پھر وہ پریشان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حقیقت واضح کی۔

② دوسرا یہ کہ: حضرت مریم علیہا السلام پر لوگوں کی طرف سے تہمت لگی، وہ بھی پریشان ہوئیں، اُس کو بھی اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا۔ تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اُس کو واضح کیا اِسی طرح آپ بھی اِس مصیبت سے پریشان نہ ہوں۔

اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُبھی آپ نے مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ کا لفظ سنا، آگے اُن متقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ ایک مثال سے بیان فرما رہے ہیں۔

سوال لفظِ نُوْر کیا ہے؟

جواب اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ: لفظِ نُوْر مصدر ہے فاعل کے معنی میں ہے۔ اَیْ اَللّٰہُ مُنَوِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۔۔۔ الآیۃ:

ایک دیوار ہے، اُس دیوار میں ایک طاق ہے، اُس طاق کے اَندر ایک چراغ ہے، اُس کے اُوپر شیشہ ہے، اُس چراغ میں زیتون کا تیل ڈلا ہوا ہے، شفاف ہے، ایسے درخت سے زیتون لیا گیا ہے کہ جو نہ مشرقی سمت پر ہے اور نہ مغربی سمت پر ہے یعنی درمیان میں ہے، یہ تیل صاف ہے اور اُس چراغ کے اُوپر شیشہ ہے جو ستارے کی طرح چمکیلا ہے کہ اگر آگ قریب نہ بھی کریں تو بھی وہ رُوشن ہوتا ہے اور اگر آگ قریب کریں تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْر۔ یہ بدنِ اِنسانی دیوار ہے، سینہ طاق ہے، اُس کے اَندر چراغ ہے جو دل ہے اور اُس میں اِستعدادِ اِیمان اور ہدایت کو قبول کرنے کی قوت زیتون کا تیل ہے، یہ اتنا صاف ہے کہ: اگر مبلغ حق بیان کے لیے نہ بھی آئے تو خود بہ خود وہ رُوشن ہونے کے لیے تیار ہے اور اگر مبلغ آجائے تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْر۔ اور یہ نور حاصل ہوتا ہے اُس جگہ جس کے اُوپر کی منزل میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں یعنی مسجدوں سے حاصل ہوتا ہے۔

يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ یُوْقَدُ صفت ہے مِصْبَاح کی اور لفظِ شَجَرَةٍ سے پہلے مضاف محذوف ہے اَیْ مِنْ زَیْتُوْنَۃِ شَجَرَۃٍ۔

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ ۔۔۔ الآیۃ:

فِیْ بُیُوْتٍ کا متعلق لفظِ مِصْبَاح ہے یا یُوْقَدُ یا یُسَبِّحُ ہے۔ اُونچا کرنے کا معنی یہ ہے کہ: "اُن کی قدر کرو، اِحترام کرو"۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ رِجَالٌ، یُسَبِّحُ کا فاعل ہے۔ تِجَارَۃٌ یعنی سوداگری جو مستقل پیشہ ہو وہ بھی اُن کو اللہ کی تسبیح سے غافل نہیں کرتا۔ بَیْعٌ یعنی عارضی طور پر بیچنا بھی اُن کو غافل نہیں کرتا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ ۔۔۔ الآیۃ:

آگے کافروں کی دو (۲) مثالیں بیان فرماتے ہیں:

① پہلی مثال: اِس سے متعلق دو (۲) اَقوال ہیں:

① بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: یہ اُن منافقین کی مثال ہے جن کو اِسلام کے حق ہونے میں کوئی شبہ بھی نہیں ہے، مانتے تو نہیں لیکن کلمہ پڑھتے ہیں تا کہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچے۔ یہ منافقین ہیں اِن کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کھلا میدان ہو، کھلے میدان میں گرمی کے زمانے میں، گرمی کی حرارت اُوپر اُٹھتی ہے اُس کو سَرَاب کہتے ہیں، دُور سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ پانی ہے آدمی دوڑ کر وہاں گیا کہ پانی ہے

وہاں تو پانی تھا ہی نہیں۔ تو کافروں کی یہ بمد جو منافقین ہیں کلمہ پڑھتے ہیں تا کہ ہمیں اِس سے کوئی فائدہ ہو لیکن چوں کہ اِخلاص نہیں تو وفات کا وقت آ گیا اور سب چیز سلب ہو گئی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

② بعض حضرات کہتے ہیں کہ: اِس سے وہ کافر مُراد ہیں جو کچھ نیکیاں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ: ہمیں قیامت میں فائدہ ہوگا۔ لیکن چوں کہ ایمان نہیں تو جان نکلی تو وہ سب کچھ کیا ہوا سَرَاب کی طرح ہے یعنی اُنہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

بِقِيعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۔۔۔ الآية:

لفظِ قِيعَة، قَاعٌ کی جمع ہے۔ قَاعٌ کے معنی ہیں: "میدان"۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۔۔۔ الآية ۞:

② دوسری مثال: یہ اُن کافروں کی مثال ہے جو قیامت کے قائل نہیں ہیں۔ یہ ایسے ہیں جیسا کہ گہرا سمندر ہو، موج پر موج چڑھی ہوئی ہو، اُوپر بادل کا سایہ ہو وہ کافر اُس کی تہہ میں ہیں، ہاتھ کو دیکھتا ہے تو ہاتھ اُسے نظر نہیں آتا یعنی اُس پر شرک کی تہہ چڑھی ہوئی ہے وہ نہ قیامت کا قائل ہے نہ توحید کا قائل۔ یہ اُس کی مثال ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ الآية ۞:

ربط: اُوپر دو (۲) طبقوں کا ذکر تھا:

① ایک وہ طبقہ جن کو نور سے یعنی نورِ ایمان سے، نورِ اسلام سے فائدہ ہوا۔

② دوسرا طبقہ وہ ہے جو اِس نور سے محروم ہوا۔

اب آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ کا یہ نور حاصل کرنے کے لیے تو دلائل موجود ہیں، کیا تم آسمانوں اور زمینوں کو نہیں دیکھتے؟!! اللہ کی ساری مخلوق اللہ کی حمد اور تسبیح بیان کرتی ہے ذرا غور تو کرو!! وَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهٗ اٰيَةٌ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ وَاحِدٌ۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۔۔۔ الآية:

ہر ایک نے اپنی عبادت یعنی بندگی اور تسبیح پہچان لی ہے، کوئی زبانِ حال سے تسبیح کرتا ہے تو کوئی زبانِ قال سے تسبیح کرتا ہے۔

سوال عَلِمَ کی "هُوَ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① عَلِمَ کی "هُوَ" ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ ② عَلِمَ کی "هُوَ" ضمیر كُلٌّ کی طرف راجع ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا ۔۔۔ الآية ۞:

اَزْجٰى، يُزْجِيْ، اِزْجَاءً باب اِفْعَال سے ہے۔ معنی ہیں: "چلانا" اور لفظِ رُكَامًا کے معنی ہیں: "تہہ بہ تہہ"۔

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۔۔۔ الآية:

وَدْق کے معنی ہیں: "مَطَر یعنی بارش" اور لفظِ خِلَال، خَلَلٌ کی جمع ہے جیسے: جِبَال، جَبَلٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "درمیان"۔

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ ۔۔۔ الآية:

"تفسیر معالم التنزیل، خازن" وغیرہ تفسیروں میں یہاں خاصی تفصیل ہے، میں مختصراً دو (۲) تفسیریں عرض کرتا ہوں:

① یہ جو بارش اُترتی ہے اِس کا منبع بادل ہیں، لیکن اُوپر آسمانوں میں کوئی پہاڑ بھی ہیں، اُن پہاڑوں کا بھی اِن بادلوں کے ساتھ غیر مرئی طریقے پر ربط و تعلق ہے جس کو ہم نہیں جانتے۔

② امام رازی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ: اَصل میں بادل جو ہیں یہ خود پہاڑ نظر آتے ہیں۔ آپ ہوائی جہاز میں ہوں تو آپ کو نیچے بادل ایسے نظر آئیں گے جیسے کہ پہاڑ ہیں۔

سوال لفظِ بَرَد کے کیا معنی ہیں؟

جواب لفظِ بَرَد اگر "رَاء" فتحے کے ساتھ ہوتو اِس کے معنی ہیں: "اُولے، ژالہ باری" اور اگر لفظِ بَرْد "رَاء" کے سکون کے ساتھ ہوتو اِس کے معنی ہیں: "سردی، ٹھنڈک"۔ یہاں چوں کہ "رَاء" کے فتحے کے ساتھ بَرَد ہے تو اِس سے "اُولے" مُراد ہیں۔

یَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝:

حکماء، فلاسفہ وغیرہ کہتے ہیں کہ: بجلی جس وقت چمکے اُس کو نہیں دیکھنا چاہیے کیوں کہ اُس کی تیزی کی وجہ سے اِنسان کے نابینا ہونے کا خطرہ ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۵﴾:

مَآء سے ہر نوع کا نطفہ مُراد ہے۔ مثلاً: اِنسان سے اِنسان، اُونٹ سے اُونٹ، گدھے سے گدھا وغیرہ پیدا ہوگیا۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِیْ عَلٰى بَطْنِهٖ۔۔۔الآیۃ:

یہاں مَنْ بمعنی مَا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۷﴾:

ربط: اُوپر دو (۲) طبقوں کا ذکر تھا: ① خالص مؤمن۔ ② پکے کافر۔

اب تیسرے گروہ کا ذکر آرہا ہے جو منافق ہیں۔

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝ ﴿۴۹﴾:

مُذْعِنِيْنَ کے دو (۲) معنی ہیں:

① مُسْرِعِيْنَ یعنی جب اُن کو کچھ ملنے کی اُمید ہوتی ہے تو تیزی سے چل کر آتے ہیں۔

② مُوْقِنِيْنَ۔ یعنی جب اُن کو کچھ ملنے کی اُمید ہوتی ہے تو یقین کرکے آتے ہیں۔

اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۰﴾:

حَافَ، يَحِيْفُ باب ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہے۔ معنی ہے: "ظلم کرنا"۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۱﴾:

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ یہ منافق جو ہیں جب اللہ اور رسول ﷺ کی طرف دعوت دی جائے تو بھاگتے ہیں اور اِعراض کرتے ہیں اور اِس کے مقابلے میں مؤمنین کو جب دعوت دی جائے تو وہ فوراً دعوت کو قبول کرتے ہیں۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۲﴾:

لفظِ اللہ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ اَیْ يَخْشَ عَذَابَ اللّٰهِ۔ اور لفظِ يَتَّقْهِ کا مفعول محذوف ہے۔ اَیْ مُخَالَفَتَهٗ وَمَعْصِيَتَهٗ۔

سوال خشیت اور تقوٰی میں کیا فرق ہے؟

جواب خشیت کا مفہوم یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی ذات "رَحْمٰن" بھی ہے، لیکن ساتھ ساتھ "قَهَّار، جَبَّار اور شَدِيْدُ الْعِقَاب" بھی ہے۔ تو مؤمنین اللہ کے جبر اور قہر سے خوف کرتے ہیں۔

تقوٰی کا معنی یہ ہے کہ: وہ گناہ جن سے رب نے منع کیا ہے مؤمنین اُن گناہوں کو ترک کرتے ہیں۔

خُلاصَہ: مؤمنین رب کی ذاتی صفت "قَهَّار، جَبَّار اور شَدِيْدُ الْعِقَاب" کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں اور جن گناہوں سے رب نے منع کیا ہے اُن سے بھی بچتے ہیں۔

سوال يَتَّقْهِ کیوں ہے؟ حال آں کہ "یَاء" تو علامتِ مضارع ہے جو کہ زائد ہوتی ہے۔

جواب "علم الصیغہ" میں آپ نے پڑھا ہے کہ: تَقِهِ یہ كَتِفَ کے وزن پر ہے جس کو كَتْفٌ، كَتِفٌ پڑھا جاسکتا ہے۔

وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۔۔۔الآیۃ (۵۳):

اُن منافقین نے اللہ کا مضبوط نام لے کر قسمیں اُٹھائیں کہ: اگر آپ (ﷺ) حکم کریں تو ہم ضرور نکلیں گے۔

سوال لَيَخْرُجُنَّ ضرور نکلیں گے۔ اِس کا کیا مطلب ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① ایک مطلب تو یہ ہے کہ: حضرت! اگر آپ (ﷺ) ہمیں جہاد کے لیے جانے کا کہیں گے تو ہم ضرور جائیں گے۔

② دوسرا مطلب یہ ہے کہ: حضرت! اگر آپ (ﷺ) ہمیں ہجرت کا حکم کریں گے تو ہم ضرور ہجرت کریں گے۔

قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۔۔۔الآیۃ:

طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ کی دو (۲) آسان ترکیبیں ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: طَاعَةٌ موصوف اور مَعْرُوْفَةٌ صفت ہے، موصوف اپنی صفت سے مل کر مبتدا اور خَيْرٌ لَّكُمْ خبر ہے۔

اَیْ طَاعَةٌ مَعْرُوْفَةٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ خَيْرٌ لَّهُمْ۔

② "کمالین" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: طَاعَةٌ میں تنوین عوض مضاف الیہ ہے۔ اَیْ طَاعَتُكُمْ مَعْرُوْفَةٌ یعنی تمہاری اِطاعت معلوم ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ ۔۔۔الآیۃ (۵۴):

تَوَلَّوْا مضارع کا صیغہ ہے کیوں کہ خطاب والے صیغے ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔۔۔الآیۃ (۵۵):

ربط: اُوپر مؤمنوں کا ذکر تھا آگے اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا ذکر ہے۔

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔۔۔الآیۃ:

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا نصاً ذکر ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: ایسی بہترین خلافت اللہ تعالیٰ نے اُن کو دی کہ اُس میں شرک کا نام ونشان نہیں ہے اور اَمن بھی ہے اور ایسی حالت میں کفر کریں تو وہ فاسق ہیں۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: مَنْ كَفَرَ میں مَنْ حرفِ شرط ہے اور شرط خارج میں تحقق کو نہیں چاہتی۔ معنی یہ ہے کہ: "اگر جس نے کفر کیا تو وہ فاسق ہوگا"۔ تو خلفاء نے نہ کفر کیا، نہ اُن پر اِس بات کا اِطلاق ہوا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۔۔۔الآیۃ (۵۸):

ربط: "سبق الغایات فی نسق الآیات، بیان القرآن" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ غیروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اُن سے اِجازت نہ لو۔ اِس کا تعلق بھی اُسی کے ساتھ ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۔۔۔الآیۃ:

ثَلٰثَ مَرّٰتٍ اَیْ ثَلٰثَ اَوْقَاتٍ۔

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوْا ۔۔۔الآیۃ (۵۹):

محلے کے نابالغ بچے اب بالغ ہوگئے، تو پہلے اُن کو اِجازت کی حاجت نہ تھی اب اِجازت لیں گے کیوں کہ کبھی کام کرنے کے دوران عورتوں کے ہاتھ مکمل کپڑوں سے خالی ہوتے ہیں کبھی بال خالی ہوتے ہیں وغیرہ۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا ۔۔۔ الآية ﴿۶۰﴾:

قَوَاعِد، قَاعِدٌ کی جمع ہے یا قَاعِدَةٌ کی جمع ہے ۔ أَيْ قَعَدَتْ عَنِ الْحَيْضِ وَالْوَلَدِ۔ وہ عورت جو کبرِسِنی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اور نہ بچے جنتی ہے۔

فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۔۔۔ الآية:

یعنی پردے کا جو کپڑا ہو وہ نہ رکھے باقی پہن لے تو حرج نہیں۔

وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۔۔۔ الآية:

یعنی بوڑھی عورتیں گھر میں تھوڑے کپڑوں میں رہیں تو دُرست ہے اور پورا پردہ رکھیں تو اور بہتر ہے کیوں کہ چھوٹی بچیاں اُن کو دیکھیں گی کہ ہماری نانی یہ کپڑے رکھ لیتی ہیں تو یہ پہننا فضول ہے تو ہم بھی ایسا کریں۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ ۔۔۔ الآية ﴿۶۱﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ کسی کے گھر میں بغیر اِجازت نہ جاؤ، اب یہ معذور ومحتاج اگر جائیں اور کھانے کا وقت ہو تو کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗ ۔۔۔ الآية:

مَفَاتِح، مِفْتَحٌ کی جمع ہے۔ "تفسیر کبیر، ابو سعود" میں معنی لکھا ہے کہ: "چابی"۔ معنی یہ ہے کہ: "یا اُس گھر سے کہ تم اُس کی چابیوں کے مالک ہو۔ مثلاً: تمہاری ایک دُکان ہے، ایک خادم ہے، اُس کے پاس چابی ہے، مختار ہے، معتمد ہے اور تم کھانے کے وقت وہاں گئے تو تم کھاؤ یعنی اُس کی دل جوئی کرو۔ یا یہ کہ مثلاً: کسی نے اپنی چیز کا وکیل یا محافظ بنا دیا اور بہ قدرِ معروف اُس میں سے کھانے پینے کی اِجازت دے دی تو کھا سکتے ہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۔۔۔ الآية:

اَشْتَاتًا، شِتٌّ کی جمع ہے۔ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جب کھانا حاضر ہو جائے تو اَکیلے نہیں کھاتے ہیں یعنی مہمان کا اِنتظار کرتے یہ غُلُوٌّ فِي الدِّيْنِ ہے۔ اگر مہمان نہیں ہیں تو اَکیلے کھاؤ۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۔۔۔ الآية ﴿۶۲﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ اِجازت کے بغیر داخل نہ ہوں اور مؤمنوں کو چاہیے کہ اِجازت لیں، اب آگے یہ بیان فرماتے ہیں کہ: جب نبی کریم ﷺ تم کو بلائیں تو بغیر اُن کی اِجازت اور چھٹی کے نہ جاؤ۔

تو حاصل یہ ہے کہ!! اُوپر کی آیتوں میں آنے کے وقت اِسْتِيْذَان کا ذکر تھا اور یہاں جانے کے وقت اِسْتِيْذَان کی ضرورت بتلائی ہے۔

علّامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ حکم آنحضرت ﷺ کے بارے میں نصاً ہے اور باقی اَمیرِ مجلس کی اِجازت کے بغیر چلے جانا بھی اَچھا نہیں یعنی قیاساً ثابت ہے۔ آپ حضرات نے اگر نام لکھوائے اور پھر موجود نہ ہوں، پھر اِمتحان کے وقت آئیں اور سند لے لیں تو یہ دُرست نہیں۔ جس مجلس میں ایک داعی بلائے اُس کی اِجازت کے بغیر نہ جاؤ۔

اور یہ اِسْتِيْذَان اِس لیے ضروری تھا کہ: آنحضرت ﷺ کی مجلس دینی تھی اور جب چلے جاؤ گے تو وہ غیرِ دین کے لیے جانا ہوگا تو گویا کہ اُس نے ترجیح دی غیرِ دین کو دین پر، یا فرض کرو کہ دین ہی کا کام ہے لیکن یہ بلانا اَہم ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا بلانا ہے تو یہ اَہم چھوڑ کر غیرِ اَہم کی طرف چلے گئے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۔۔۔ الآية ﴿۶۳﴾:

"تفسیر بیضاوی، جمل، کمالین" وغیرہ میں اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① دُعا سے مخاطب کرنا مُراد ہے۔ مخاطب کرنے میں حضور ﷺ کے اَدب وعظمت کا پورا خیال رکھو کہ: تم آنحضرت ﷺ کو ایسے نہ پکارو جیسے کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو کہ: يَا زَيْد، يَا عَمْرو تو اِسی طرح عام لوگوں کی طرح "يَا مُحَمَّد" وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے بل کہ

یَانَبِیَّ اللہ(ﷺ)، یَارَسُوۡلَ اللہ(ﷺ)، یَاحَبِیۡبَ اللہ(ﷺ) جیسے تعظیمی القاب سے پکارنا چاہیے۔یہ اُس وقت تھا جب نبی کریم ﷺ دُنیا موجود تھے۔

(۲) دُعا سے دعوت مُراد ہے۔جب نبی کریم ﷺ تم کو بلائیں تو حاضر ہوجایا کرو یعنی حضرت ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونا فرض ہوجاتا ہے، آپ ﷺ کا بُلانا اوروں کی طرح نہیں کہ چاہے اُس پر لَبَّیۡك کہیں یا نہ کہیں یعنی نبی کریم ﷺ کے بُلانے کو اپنے بلانے پر قیاس مت کرو۔

(۳) دُعا سے رسول اللہ ﷺ کی دُعا مُراد ہے۔آپ ﷺ کی دُعا کو اپنی دُعاؤں کی طرح نہ سمجھ کیوں کہ آپ ﷺ **مُسۡتَجَابُ الدَّعۡوَات** ہیں یعنی اگر نبی کریم ﷺ کے بُلانے پر حاضر نہ ہوئے تو آپ ﷺ کی بددُعا سے ڈرو کیوں کہ آپ ﷺ کی بددُعا عام اِنسانوں جیسی نہیں ہے۔

قَدۡ یَعۡلَمُ مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡهِ ؕ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۴﴾:

”متن متین اور رضی“ والے نے یہ تصریح کی ہے کہ: جب قَدۡ مضارع پر داخل ہو تو تقلیل کے لیے آتا ہے مگر کبھی تحقیق کے لیے بھی آتا ہے۔

(۲۵) سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ (۴۲) — اٰيَاتُهَا (۷۷) — رُكُوْعَاتُهَا (۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: پچھلی سورۃ کے آخر میں تین (۳) چیزوں کا ذکر تھا: ① قرآن کا ذکر تھا۔ ② رسالت کا بیان تھا۔ ③ توحید کا بیان تھا۔ اُسی ترتیب سے اِس سورۃ میں بیان ہے۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْفُرْقَان ہے یعنی اَلْفَارِقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ، بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ، بَيْنَ الصِّدْقِ وَالْكِذْبِ۔ فُرْقَانٌ، مَوْعِظَةٌ، هُدًى، ذِكْرٰى یہ قرآن پاک کے نام ہیں۔

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ○ ①:

سوال لِيَكُوْنَ کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لِيَكُوْنَ کی ضمیر فُرْقَان کی طرف راجع ہے۔ ② لِيَكُوْنَ کی ضمیر عَبْد کی طرف راجع ہے۔

سوال عَالَمِيْن سے کون مُراد ہیں؟

جواب "تفسیر خازن، معالم التنزیل، کمالین" وغیرہ میں لکھا ہے: امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عَالَمِيْن سے صرف اِنسان اور جنات مُراد ہیں کیوں کہ صرف یہ مکلف ہیں۔ وَعَلَيْهِ الْإِجْمَاع۔ لیکن امام رازی رحمہ اللہ نے جو اِجماع کا دعویٰ کیا ہے وہ صحیح نہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: فرشتے بھی اِس میں داخل ہیں۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ○ ②:

منکرین حدیث میں سے غلام اَحمد پرویز وغیرہ نے بہت فساد برپا کیا ہے۔ اُن کے گندے عقیدے دیکھنے ہوں تو میری کتاب "اِنکارِ حدیث کے نتائج" میں دیکھیں، اُن کے تمام عقائد ہم نے بیان کیے ہیں اور اُن کا رَدّ کیا ہے۔

منکرین حدیث کا دعویٰ: اِن خبیثوں نے یہ دعویٰ کیا کہ: یہ تقدیر کا جو عقیدہ ہے یہ مولویوں نے اپنی طرف سے گڑھا ہے، یہ خدا کا کوئی حکم نہیں ہے اور جوش میں آ کر پرویز نے یہ کہا کہ: اگر یہ تقدیر کا مسئلہ حق ہوتا تو قرآن میں تقدیر کا ذکر ہوتا؟!! قرآن میں نہیں ہے، یہ مولوی خواہ مخواہ یہ بات کرتے ہیں۔

جواب مَیں نے "اِنکارِ حدیث کے نتائج" نامی کتاب میں خاصی بحث کی ہے۔ مَیں نے کہا: پرویز صاحب آنکھیں کھولیں!! قرآن میں ہے کہ: وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ○ ● تقدیر کا تو ذکر ہے، تم کہتے ہو کہ: تقدیر کا ذکر نہیں ہے؟!! تم نے قرآن مانا کب ہے؟ قرآن کو مانتے کب ہو؟ قرآن ہی تو کہتا ہے: فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ○

وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ○ ③:

لفظ نُشُوْرًا کے دو (۲) معنی ہیں:

① لازمی معنی ہیں: "خود اُٹھنے کے، جینے کے اہل نہیں ہیں"۔

② متعدی معنی ہیں: "دوسروں کو اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے"۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ۔۔۔ الآیۃ ⑩:

ربط: اَبھی آپ نے سنا کہ: کفار نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے نبی ہیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے باغ کیوں نہیں؟ تو اِس رُکوع میں اُس کا جواب ہے۔

● (سُوْرَةُ الْفُرْقَان، ۲)

جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: اگر اللہ چاہے تو دُنیا ہی میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے اُن کے فرضی باغ سے اَچھا باغ اور محل بنادے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: قیامت کے دن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اِس سے اَچھا باغ ملے گا۔

"مسلم شریف میں روایت ہے کہ: وسیلہ نامی ایک محل جنت میں ہے، اُس کوٹھی سے اور کوئی بہتر محل نہ ہوگا اور یہ محل صرف ایک شخص کو ملے گا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: میں اُمید رکھتا ہوں کہ وہ ایک آدمی میں ہوں[1]

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ (۱۷):

سوال مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے کون مُراد ہیں؟

جواب مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مُراد فرشتے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھیں گے کہ: کیا تم نے بہکایا میرے اِن بندوں کو؟ تو یہ اللہ تعالیٰ کے بندے کہیں گے کہ: سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ ۔۔۔ الآیۃ[2] اِسی طرح آپ ساتویں پارے میں پڑھ چکے ہیں کہ: وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ۔۔۔ الآیۃ[3] سب کہیں گے: پاک ہے تیری ذات ہمیں کیا مناسب تھا کہ تیرے ورے کارساز بناتے؟!!

وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝ (۱۸):

لفظِ بُوْرًا کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "تفسیر بیضاوی، کشاف، روح المعانی، جمل" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: لفظِ بُوْرًا مصدر ہے مفرد، تثنیہ، جمع سب اِس میں برابر ہیں اور فاعل کے معنی میں ہے۔

② لفظِ بُوْرًا، بَائِرٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: هَالِكٌ۔ تو بُوْرًا کا معنی هَالِكِيْنَ ہے۔

وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝ (۱۹):

سوال ظلم سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ظلم سے مُراد شرک ہے کیوں کہ ظلم کا فردِ کامل شرک ہے اور ظلم یہاں مطلق ذکر ہے۔ دوسرا قرینہ یہ بھی ہے کہ: نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝ یعنی بڑا عذاب تو شرک پر ہوتا ہے۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: عام ظلم مُراد ہے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ ۔۔۔ الآیۃ (۲۰):

ربط: اُوپر اُن کے اِعتراض کا ذکر تھا کہ: یہ کیسا پیغمبر ہے اِس کے باغات نہیں؟ بازاروں میں چلتے پھرتا ہے؟ کھانا کھاتا ہے وغیرہ؟!! تو اب وَمَاۤ اَرْسَلْنَا ۔۔۔ الآیۃ سے اللہ تعالیٰ اُس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔

اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝:

اَتَصْبِرُوْنَ میں "هَمْزَہ" اِستفہام ہے لیکن معنی میں اَمر کے ہے۔ معنی یہ ہے کہ: "صبر کرو"۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ ۔۔۔ الآیۃ (۲۱):

ربط: مشرکین کے اِعتراضات کا سلسلہ جاری ہے، پہلے یہ اِعتراضات تھے کہ: یہ کس طرح نبی ہے کہ کھاتا ہے؟ بازاروں میں چلتا پھرتا اور چکر لگاتا

[1] (الصحیح لمسلم، کتاب الصلوۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، ج۱، ص۱۶۶، طبع یادگار شیخ، کراچی) [2] (سُوْرَۃُ الْفُرْقَان، ۱۸) [3] (سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ، ۱۱۶)

ہے اور اس کے باغ کیوں نہیں؟ اِسی طرح اُن کے اور شوشے بھی تھے کہ: ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے؟ آگے اُن کا یہ شوشہ بیان کرتے ہیں کہ: وہ کہتے تھے کہ: ہم اللہ تعالیٰ کو کیوں نہیں دیکھ سکتے؟ فرشتے ہمارے پاس کیوں نہیں آتے؟ تو لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا... الآیۃ سے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ: اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اِس دُنیا میں کوئی آسان کام نہیں اور فرشتے تو وحی لے کر انبیاءِ کرام علیہم السلام کے پاس آتے ہیں۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ (۲۳):

کفار کو بھی اِس بات پر فخر تھا کہ: ہم بھی کچھ نیک کام کرتے ہیں، چلو! پورے نمبر نہ ملے تو کچھ تو مل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اِقدام کریں گے ہم اُن چیزوں کی طرف جو اُنہوں نے کوئی بھی عمل کیا ہے اُس کو غبار کر دیں گے، مَّنْثُوْرًا بکھیرا ہوا یعنی اِیمان نہ ہو، اِخلاص نہ ہو، اِتباعِ سنّت نہ ہو تو عمل کے اَندر وزن پیدا نہیں ہوتا، بے وزن جیسے گرد و غبار ہے اگر اُس کو اُڑا دیا جائے تو کچھ بھی نہیں ہوتا، اِسی طرح اُن کے اَعمال ہوں گے۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝ (۲۴):

مُسْتَقَر کے معنی ہیں: "ٹکنے کی جگہ" اور مَقِيْلًا کے معنی ہیں: "قیلولہ کی جگہ"۔

اشکال: خَيْرٌ اور اَحْسَنُ اِسمِ تفضیل ہے اور اِس میں زیادتی ہوتی ہے، بہ ظاہر اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ: جنّت والے از رُوئے مُسْتَقَر و مَقِيْل بہت بہتر ہوں گے اور من جملہ کفار کی جگہ میں بھی کوئی خیریت ہوگی اور اُن کے قیلولہ کی جگہ حسن ہوگی؟ وَالْاَمْرُ لَيْسَ كَذٰلِكَ حال آں کہ معاملہ ایسا نہیں ہے؟!!

جواب: تمام تفسیروں میں ملے گا کہ: اِس سے مُراد دُنیا کا ٹھکانہ ہے یعنی دُنیا میں کافروں کا جو ٹھکانہ ہے اور قیلولہ کی جگہ ہے اُس سے بہت بہتر مؤمنوں کو جنّت میں ملے گی۔

وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ (۲۵):

فرشتے تھوڑے تھوڑے وقفے سے اُتریں گے۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ... الآیۃ (۲۷):

"تفسیر جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: عقبہ بن ابی معیط کی دوستی اُبی بن خلف کے ساتھ تھی، عقبہ بن ابی معیط نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متأثر ہو کر اِیمان لایا۔ اُبی بن خلف نے اُسے مجبور کر کے اِسلام سے پھیر دیا۔ تو یہاں اَلظَّالِمُ سے مُراد مثلاً: عقبہ بن ابی معیط وغیرہ ہیں کہ اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کر کھائیں گے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ (۳۰):

"تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ تفسیروں میں اِس کی دو (۲) تفسیریں منقول ہیں:

① اُوپر سے چوں کہ قیامت کے دن کا ذکر چلا آ رہا ہے تو یہاں قَالَ بمعنی يَقُوْلُ ہے یعنی ماضی بمعنی مضارع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ: اے میرے رب! میری قوم نے اِس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔

② قَالَ اپنے معنی میں ہے کہ: یہاں دُنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحسر اور اَفسوس کے طور پر فرمایا کہ: مَیں نے قرآن پیش کیا اور اُنہوں نے نہ مانا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ... الآیۃ (۳۱):

اَیْ كَمَا جَعَلْنَا اَهْلَ مَكَّةَ اَعْدَآءَكَ جیسے ہم نے اہلِ مکہ کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دُشمن بنایا اِسی طرح تکوینی طور پر ہم نے ہر نبی کے لیے دُشمن بنائے ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پریشان نہ ہوں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً... الآیۃ (۳۲):

یہ کفار کا ایک اور شوشہ ہے کہ: یک بارگی قرآن کیوں نہیں اُترا؟

كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ... الآیۃ:

لفظِ كَذٰلِكَ مفعول ہے اور فعل اِس کا محذوف ہے اَیْ نَزَّلْنٰهُ كَذٰلِكَ۔ ہم نے اُتارا اِس قرآن کو اِسی طرح تھوڑا تھوڑا۔ اگر غور کرو گے تو اِس طرح

نازل کرنے میں بہت سے فوائد ہیں جو دَفعَۃً وَّاحِدَۃً نازل کرنے کی صورت میں پوری طرح حاصل نہیں ہوتے۔ مثلاً: اِس صورت میں قرآن پاک کا حفظ کرنا زیادہ آسان ہوا، سمجھنے میں سہولت رہی، کلام پوری طرح منضبط ہوتا رہا اور جن مصالح وحِکَم کی رعایت اِس میں کی گئی تھی لوگ موقع بہ موقع اُن کی تفاصیل پر مطلع ہوتے رہے وغیرہ۔ ذٰلِكَ مِنَ الْفَوَائِدِ۔ اور اِسی طرح یہ فائدہ بھی ہے کہ: اگر ایک مرتبہ قرآن پاک نازل ہوتا تو پھر وحی نہ آتی اور آپ ﷺ کا ربط اللہ تعالیٰ سے منقطع ہو جاتا۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۴﴾:

سر نیچے اور پاؤں اُوپر ہوں گے۔ پاؤں اُوپر ہونا یہ علامت ہوگی کہ اُنہوں نے دُنیا میں اُلٹے اَعمال کیے ہیں۔
بعض نے یہ سوال کیا کہ: سر پر اِنسان کیسے چل سکتا ہے؟!! "بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: نبی ﷺ نے جواب دیا کہ: وہ رب جو پاؤں پر چلا سکتا ہے وہ سر پر بھی چلا سکتا ہے۔❶

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۵﴾:

ربط: کافروں کے طرح طرح کے اِعتراضات کا ذکر سنا کہ: یہ کیسا نبی ہے کھانا کھاتا ہے؟ بازاروں میں چلتا ہے وغیرہ اِن باتوں سے آپ ﷺ نہایت پریشان ہوتے تھے اور آپ ﷺ کو طبعی کوفت ہوتی تھی۔ آگے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی تسلی کے لیے فرماتے ہیں کہ: صرف آپ (ﷺ) کی تکذیب نہیں کی گئی بل کہ آپ (ﷺ) سے پہلے بھی بہت سے انبیاء کرام ﷩ کی تکذیب کی گئی ہے۔

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾:

دَمَّرَ، يُدَمِّرُ، تَدْمِيْرًا بابِ تَفْعِيْل سے ہے۔ معنی ہے: "ہلاکت"۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۷﴾:

لفظِ رُسُل جمع لانے کی وجہ آپ سن چکے ہیں کہ: ایک نبی کی تکذیب سب کی تکذیب کو مستلزم ہے۔ مفصل وجہ پہلے گذر چکی ہے۔

سوال لفظِ "قَوْمَ" کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ "قَوْمَ" کا نصب اَغْرَقْنٰهُمْ کی وجہ سے ہے اور یہ مَا اُضْمِرَ عَامِلُهٗ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ ہے۔

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۸﴾:

اَیْ دَمَّرْنَا عَادًا وَّثَمُوْدَ۔ اَصْحٰبُ الرَّس یعنی کنوئیں والے۔

سوال اَصْحٰبُ الرَّس کون لوگ تھے؟

جواب اِس کے بارے میں کئی تفسیریں ہیں اور اِختلافات بھی ہیں۔ "تفسیر معالم التنزیل، خازن، کبیر، روح المعانی، دُرِّ منثور اور تفسیر ابن کثیر" وغیرہ میں بہت کچھ لکھا ہے: ایک تفسیر یہ ہے کہ: یمن کا علاقہ تھا، حنظلہ ابن صفوان ﷤ پیغمبر مبعوث ہوئے، اُنہوں نے اپنی قوم کو تبلیغ کی، قوم نے نہ مانا۔ البتہ عَبْدٌ حَبْشِيٌّ اَسْوَدٌ ایک کالے رنگ والے غلام نے اُن کی بات کو مان لیا۔ شہر کے باہر ایک غیر آباد کنواں تھا۔ لوگوں نے مشورہ کیا کہ: اِس نبی کو اُس کنویں میں بند کر کے اُوپر ایک بھاری پتھر رکھا جائے تا کہ اُس کو ہوا بھی نہ پہنچ سکے اور وہاں مَر جائے۔ وہ عبدِ حبشی اَسود روزانہ رات کو وہاں جاتے تھے، کھانا وغیرہ پیش کرتے تھے اور اُن کو کہتے تھے کہ: مَیں بھی آتا ہوں تو اُنہوں نے منع کیا کہ: مجھ کو تو ظالموں نے پھینکا ہے، آپ اپنے آپ کو خود ہلاک نہ کریں۔ وہ لوگ بہت دن بعد ناچتے کودتے وہاں گئے کہ کیا حال ہے؟ پتھر ہلایا تو کہنے لگے: مَا شَاْنُكَ يَا ابْنَ صَفْوَانَ؟ اُنہوں نے فرمایا کہ: يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ وہ کہنے لگے کہ: مَرا بھی نہیں اور اپنی بات کو چھوڑا بھی نہیں، تو اُنہوں نے مٹی سے وہ کنواں پاٹ کر اُس کو زندہ زیرِ زمین دفن کیا۔ وہ ناچتے کودتے خوشی خوشی واپس آ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ کا عذاب آیا اور وہ سارے کے سارے ختم ہو گئے۔

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۹﴾:

سوال لفظِ "كُلًّا" کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ "كُلًّا" کا نصب ضَرَبْنَا کی وجہ سے ہے اور یہ مَا اُضْمِرَ عَامِلُهٗ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ ہے۔

---

❶ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: الذین یحشرون علی وجوھھم الی جھنم، ج ۲، ص ۷۰۱، طبع یادگارِ شیخ، کراچی)

وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْ أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۔۔۔ الآیۃ:

قَرْيَة سے حضرت لوط علیہ السلام کی بستی مُراد ہے۔آج کے جغرافیہ میں اِس کا نام "بحرِ اسود" ہے، پہلے اُس کا نام "سدوم" تھا۔

وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ يَتَّخِذُوْنَكَ إِلَّا هُزُوًا ۔۔۔ الآیۃ:

هُزُوًا اَیْ مَهْزُوًّا۔یعنی مسخرے کرتے ہیں۔

أَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ○:

مطلب یہ ہے کہ: ایک بڑے آدمی کو یہ نبوت کیوں نہ ملی؟ آگے پچیسویں پارہ میں ہے: قَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ (1)

إِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۔۔۔ الآیۃ:

اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے اَیْ اِنَّهٗ كَادَ۔

لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① حقیقتاً یہ کہتے تھے کہ: یہ زبان کے لحاظ سے اچھا ہے، حُلْوُ اللِّسَان ہے۔قریب تھا ہمیں پھیر دیتا لیکن ہم بھی بڑے جفاکش ہیں، ہم ڈٹے رہے نہ پھرے۔

② یہ اِسْتِهْزَاء کے طور پر کہتے تھے کہ: یہ ہمیں پھیرنے آیا تھا ہم ڈٹے نہ رہتے تو ہمیں پھیر دیتا۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهٗ هَوَاهُ ۔۔۔ الآیۃ:

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِلٰهَهٗ اور هَوٰهُ یہ دونوں مفاعیل ہیں اور معرفہ کی طرف مضاف ہیں، جب معرفہ کی طرف مضاف ہوں تو جس کو چاہے مقدم کریں جائز ہے، اِس لیے اِلٰهَهٗ یہ مفعولِ اوّل اور هَوٰهُ اپنی جگہ پر مفعولِ ثانی ہے۔جب کہ علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِلٰهَهٗ مفعولِ ثانی ہے اور هَوَاهُ مفعولِ اوّل ہے۔

اِشکال: مفعولِ ثانی کو کیوں مقدم کیا گیا؟

جواب: علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِلٰہ کا مرتبہ مقدم ہے اِس لیے مقدم کیا گیا۔

اِیسی خواہش جو شریعت کے حکم سے ٹکراتی ہو وہ بھی شرک ہے۔اقبال مرحوم فرماتے ہیں کہ۔

نہیں ہے دہریت کیا بندۂ حرص وھوٰی ہونا　　قیامت ہے مگر اوروں کو سمجھا دہریہ تُو نے
زباں سے کرلیا توحید کا دعوٰی تو کیا حاصل　　بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تُو نے

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کا یہ معنیٰ نہیں کہ: "اَکثر کافر نہیں سنتے" بل کہ اِس سے مُراد سَمَاعَ قَبُوْلٍ، سَمَاعَ تَفَهُّمٍ، سَمَاعَ تَدَبُّرٍ ہے۔تو نفسِ سَمَاع کی نفی نہیں ہے بل کہ وصفِ زائد کی نفی ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ: اُن کفار نے کہا کہ: اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۔۔۔ الآیۃ (2) یہ ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکانا چاہتا تھا اگر ہم ڈٹے نہ رہتے۔آگے ربِ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے کیوں کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ نے کیے ہیں اور تمہارے اِلٰہ نے کچھ بھی نہیں کیا۔

---

(1) (سُوْرَۃُ الزُّخْرُف، ۳۱)　(2) (سُوْرَۃُ الفُرْقَان، ۴۲)

سوال اِلٰی رَبِّكَ کے کیا معنی ہیں؟

جواب اس کی دو(۲) تفسیریں ہیں:

① علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِلٰی فِعْلِ رَبِّكَ۔ ② امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اِلٰی صَنِيْعِ رَبِّكَ یعنی کارروائی۔

وَلَوْشَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۔۔۔الآیۃ:

"تفسیر کبیر" وغیرہ میں اس کی دو(۲) تفسیریں منقول ہیں:

① صبح سے طلوعِ شمس تک سب جگہ سایہ رہتا ہے یعنی طلوعِ شمس سے پہلے رُوشنی نہیں ہوتی، اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیتا اور سایہ کو پھیلاتا رہتا تو یہی سایہ قائم رہتا مگر اُس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس سے دُھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بہ تدریج ایک طرف کو سمٹنے لگا، اگر دھوپ نہ آتی تو سایہ کو ہم سمجھ بھی نہیں سکتے تھے کیوں کہ ایک ضد کے آنے سے ہی دوسری ضد پہچانی جاتی ہے۔

② طلوعِ شمس کے وقت ہر چیز کا سایہ لمبا پڑتا ہے، پھر جس طرف سورج چلتا ہے اُس کے مقابل سایہ چھوٹا ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ سایہ زوال کے وقت جڑ میں آلگتا ہے اور نہ ہونے کے برابر ہوجاتا ہے۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝:

قَبْضًا يَّسِيْرًا کا معنی ہے: "تھوڑا سمیٹنا"۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۔۔۔الآیۃ:

رَحْمَت سے مُراد بارش ہے۔ بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں اندازہ ہوتا ہے کہ بارش ہوگی۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۝:

وَاَنْزَلْنَا سے غائب سے مخاطب کی طرف اِلتفات ہے۔

لِنُحْیِ ۦ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ مَیْت مخفف ہو یا مشدد ہو یعنی مَیْت ہو یا مَیِّت ہو یہ فَعِیْل کا وزن ہے، اس میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ بَلْدَةً مَّيْتَةً کیوں نہیں ہے؟ چناں چہ اِمْرَأَةٌ قَتِيْلٌ وَرَجُلٌ قَتِيْلٌ دونوں صحیح ہیں، لہٰذا بَلْدَةً کی صفت مَيْتًا لانا دُرست ہے۔

وَنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ۝:

سوال لفظِ اَنَاسِيَّ کس کی جمع ہے؟

جواب اس کے بارے میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① امام سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اَنَاسِيَّ، اَنَاسِيْنَ کی جمع ہے، نُون کو یاء سے بدل کر اور یاء کو یاء میں مدغم کیا اور اَنَاسِيْنَ، اِنْسَان کی جمع ہے۔

② امام فراء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اَنَاسِيَّ، اِنْسِيّ کی جمع ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۔۔۔الآیۃ:

لِيَذَّكَّرُوْا اصل میں لِيَتَذَكَّرُوْا تھا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۝:

مشیت اور چیز ہے اور اَمر دوسری چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں نذیر بھیجتے لیکن ہم نے ہر بستی کے بجائے ہر قوم کی طرف نذیر بھیجا۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ ۔۔۔الآیۃ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور اِس سے اُمّت کو سمجھانا مقصود ہے۔

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝:

ربط: اُوپر قرآن کا ذکر تھا کہ: اُن کافروں نے کہا کہ: لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۔۔۔الآیۃ ❶ تو یہاں آپ ﷺ کو خطاب ہے کہ: اِس قرآن کے ساتھ آپ (ﷺ) اب اُن کفار کے ساتھ جہاد کریں، جہادِ کبیر کریں یعنی اُن کو قرآن سنانا بھی جہاد ہے، قرآن کی تعلیم دینا بھی جہاد ہے اور جہادِ کبیر ہے کیوں کہ مکہ میں جہاد بِالسَّیْف شروع نہیں ہوا تھا اُس وقت قرآن بیان کرنے کو اللہ تعالیٰ نے جہادِ کبیر سے تعبیر فرمایا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ ۔۔۔الآیۃ ۝:

"تفسیر کبیر، رُوح المعانی، معالم التنزیل" وغیرہ میں بڑی تفصیل ہے اور "بیان القرآن" میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے دو (۲) معتبر علماء کی شہادتیں نقل کی ہیں کہ: "اراکان" سے "چاٹگام" تک دریا کی شان یہ ہے کہ اُس کے دونوں جانب بالکل الگ الگ نوعیت کے دو (۲) دریا نظر آتے ہیں، ایک کا پانی سفید ہے ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور موج ہوتی ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے، کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا مُلْتَقٰی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ: سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا ہے۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مجھ سے "باریسال" کے بعض طلباء نے بیان کیا کہ: "ضلع باریسال" میں دو (۲) ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلتی ہیں، ایک کا پانی کھارا اور بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے۔

یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل ضلع سورت) سمندر تقریباً دس بارہ (۱۰، ۱۲) میل کے فاصلے پر ہے، اِدھر کی ندیوں میں برابر مد و جزر ہوتا رہتا ہے، بہ کثرت ثقات نے بیان کیا ہے کہ: مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھارا پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اُس وقت بھی دونوں پانی مُخْتَلَط نہیں ہوتے، اُوپر کھارا رہتا ہے اور نیچے میٹھا۔ جَزْر کے وقت اُوپر سے کھارا اُتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے تو یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھو کہ: پانی میں تو سیلان ہے لیکن اُس کے باوجود نہیں ملتا تو یہ کام صرف حق تعالیٰ کا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ ۔۔۔الآیۃ ۝:

سوال مَآء سے کیا مُراد ہے؟

جواب مَآء سے منی مُراد ہے۔

فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۔۔۔الآیۃ:

صاحبِ کشاف معنی کرتے ہیں: ذَا نَسَبٍ وَّذَا صِهْرٍ کیوں کہ لفظِ نَسَب اور صِهْر کا "ہٗ" ضمیر پر عطف دُرست نہیں ہے۔

وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۝:

اِس کی دو (۲) تفسیریں مشہور ہیں:

① عَلٰى کو اپنے معنی میں لیں تو معنی یہ ہوگا کہ: "کافر اپنے رب کے مقابلے میں شیطان کی مدد کرتا ہے"۔ أَيْ ظَهِيْرًا لِلشَّيْطَانِ۔

② عَلٰى بمعنی اِلٰی ہے تو معنی یہ ہے کہ: "کافر اپنے رب کی طرف پیٹھ پھیرتا ہے یعنی حکم نہیں مانتا ہے"۔ جیسا کہ پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ: حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: أَرَهْطِيْٓ أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۔۔۔الآیۃ ❷ یعنی تم نے اپنے رب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا ہے۔

قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝:

مَا کا لفظ عموماً غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور مَنْ ذوالعقول کے لیے آتا ہے۔ تو یہ لوگ ایسے خبیث ہیں کہ مَنْ کا لفظ بھی اِستعمال نہیں کرتے بل کہ کہتے ہیں کہ: وَمَا الرَّحْمٰنُ؟ رحمٰن کیا چیز ہوتی ہے؟

سوال زَادَ کے اَندر "هُوَ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب زَادَ کے اَندر "هُوَ" ضمیر اُس قَوْل کی طرف راجع ہے جو قَالُوْا میں ہے۔ معنی ہے: "یہ قول اُن کی نفرت کو زیادہ کرتا ہے"۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْفُرْقَان، ۳۲) ❷ (سُوْرَةُ هُوْد، ۹۲)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا ۔۔۔الآیۃ:

ربط: اُوپر بھی توحید کے دَلائل تھے اور آگے بھی اِسی توحید ہی کے دلائل بیان فرماتے ہیں۔

وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ؁:

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: چوتھے آسمان میں سورج ہے اور پہلے آسمان میں چاند ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً ۔۔۔الآیۃ:

لفظ خِلْفَةً، خَلِيْفَةٌ سے ہے۔ "تفسیر کبیر، ابن کثیر، بیضاوی" وغیرہ میں خلیفہ کا معنی ہے کہ: مثلاً ایک شخص رات کو عبادت کرتا تھا کسی وجہ سے رات کو نہ کرسکا پھر وہ اُس عبادت کو دن میں اَدا کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کو رات کی عبادت جتنا اُجر دیں گے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ۔۔۔الآیۃ:

ربط: اُوپر رَحْمٰن کا ذکر تھا آگے عِبَادُ الرَّحْمٰن کا ذکر ہے۔

ترکیب: یہ عِبَادُ الرَّحْمٰن مبتداء ہے اور اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ ۔۔۔الآیۃ[1] خبر ہے اور درمیان میں سوائے دو (۲) جملوں کے باقی عِبَادُ الرَّحْمٰن کی صفات ہیں اور وہ دو (۲) جملے "جملہ معترضہ" ہیں جو کہ یہ ہیں: اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا[2] وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ؁[3]

لفظ هَوْن اگر "هَاء" کے فتحے کے ساتھ هَوْن ہو تو معنی ہیں: "وقار کے ساتھ" یعنی نہ بیماروں کی طرح آہستہ آہستہ اور نہ متکبرین کی طرح تکبر کے ساتھ۔

اگر لفظ هَوْن اگر "هَاء" کے ضمہ کے ساتھ هُوْن ہو تو معنی ہیں: "ذلّت"۔ جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ۔۔۔الآیۃ[4]

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ؁:

اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① ایک مطلب یہ ہے کہ: سلامتی کی بات کرتے ہیں اور اُلجھنے کی بات نہیں کرتے یعنی کم عقل اور بے اَدب لوگوں کی بات کا جواب عَفْو اور صَفْح سے دیتے ہیں۔

② دوسرا مطلب یہ ہے کہ: جب کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو یہ کہتا ہے کہ: بابا سلام! مَیں جھگڑا نہیں کرتا یعنی سلام متارکت ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ؁:

لفظ سُجَّدًا، سَاجِدٌ کی جمع ہے اور لفظ قِيَامًا مصدر ہے قَائِمِيْنَ کے معنی میں ہے۔

اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا:

یہ بھی جملہ معترضہ ہے۔

سوال: عَذَابَهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب: عَذَابَهَا کی "هَا" ضمیر جَهَنَّم کی طرف راجع ہے۔

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ؁:

مُسْتَقَر کا معنی ہے: "مستقل طور پر ٹھکانہ" اور مُقَام کا معنی ہے: "عارضی طور پر ٹھکانہ"۔ وَقِيْلَ بِالْعَكْس۔ اُن جہنم والوں کا مستقل ٹھکانہ تو جہنم کی آگ ہے اور کبھی زَمْهَرِيْر کی طرف بھی لے آئیں گے تو یہ زَمْهَرِيْر اُن کا مقام ہے اور بعض کا مستقل ٹھکانہ زَمْهَرِيْر ہے اور بہت چیخ وپکار کی وجہ سے وہ جہنم میں پھینک دیے جائیں گے تو جہنم اُن کا مقام ہے۔

وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ؁:

قَوَامًا کا معنی ہے: "خرچہ، گزران"۔

---

[1] (سُوْرَةُ الْفُرْقَان، ۷۵) [2] (سُوْرَةُ الْفُرْقَان، ۶۵) [3] (سُوْرَةُ الْفُرْقَان، ۶۸) [4] (سُوْرَةُ الْاَنْعَام، ۹۳)

وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿۶۸﴾:

یہ بھی جملہ معترضہ ہے۔لفظِ آثَامًا کے دو(۲) معنی ہیں:

① جو گناہ کیا ہے وہ ملے گا۔

② جہنّم کے ایک طبقہ کا نام ہے۔

وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿۶۹﴾:

اَهَانَ، يُهِيْنُ، اِهَانَتًا باب اِفْعَال سے ہے۔معنی ہے: "حقیر، ذلیل، اہانت کیا ہوا"۔

فَأُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۷۰﴾:

"تفسیر معالم التنزیل" وغیرہ میں تین (۳) آسان باتیں ہیں:

① توبہ کرنے سے پہلے جن اَوقات میں وہ گناہ کرتا تھا اُن اَوقات میں توبہ کے بعد نیکی کرے گا۔

② اللہ تعالیٰ اُن کے ملکہ سَیِّئَات کو مٹا کر ملکہ حَسَنٰت پیدا کرے گا۔

③ ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی سَیِّئَات کو حَسَنٰت میں بدل دیں گے۔

فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾:

لفظِ مَتَابًا مصدر میمی ہے۔معنی ہے: "رُجوع کرنا"۔

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ۔۔۔الآیۃ ﴿۷۲﴾:

"تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ میں اِس کے دو(۲) معنی ہیں:

① جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

② جھوٹ کے مقام پر اور جھوٹ کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا:

اور جب بے ہودہ چیزوں پر گزرتے ہیں تو شریفانہ گزرتے ہیں۔مثلاً: کوئی تاش کھیلتا ہے تو اُس سے اُلجھتے بھی ہیں اور اُس میں دلچسپی بھی نہیں لیتے کہ کیسے کھیلتے ہیں وغیرہ۔

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۷۴﴾:

قُرَّةَ أَعْيُنٍ کا معنی ہے: "آنکھوں کی ٹھنڈک"۔

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا:

جو متقیوں کا اِمام ہوگا تو وہ اَتقٰی ہوگا۔

أُولٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا۔۔۔الآیۃ ﴿۷۵﴾:

یہ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کی خبر ہے۔غُرْفَة کا معنی ہے: "بالاخانہ"۔

سوال مَا کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① مَا مصدریہ ہے۔اَیْ بِصَبْرِهِمْ۔

② مَا موصولہ ہے۔اَیْ بِمَا صَبَرُوْا بِهٖ۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝۷۶:

مستقل طور پر ٹھکانہ ہوگا اور عارضی ٹھکانہ ہوگا۔ جیسے: دُنیا میں آپ کی مستقل رہائش گاہ ہے اور پھر آپ اپنے دوستوں سے ملنے چلے جاتے ہیں اسی طرح جنت میں بھی ہوگا۔ یعنی مستقل قیام گاہ اور عارضی قیام گاہ دونوں اچھے ہوں گے۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ ۔۔۔ الآية ۝۷۷:

تم حقیقت کو جھٹلاتے ہو۔

فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝:

لفظِ لِزَامًا مصدر ہے بمعنی لَازِمًا کے ہے۔

اٰیَاتُھَا (۲۲۷) (۲۶) سُوْرَۃُ الشُّعَرَآءِ مَکِّیَّۃٌ (۴۷) رُکُوْعَاتُھَا (۱۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ربط: "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات، بیان القرآن" میں یہ ربط لکھا ہے کہ: ابھی آپ نے پڑھا: فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ○ ❶ یعنی مکذبین کا ذکر تھا، آگے اُن مکذبین کے متعدد واقعات بیان فرماتے ہیں، اُن میں ایک طرف آپ ﷺ کو تسلی ہے کہ: اگر یہ تکذیب کرتے ہیں تو آپ (ﷺ) پریشان نہ ہوں اور دوسری طرف مکذبین کو دھمکی ہے کہ: جو حشر اُن لوگوں کا ہوا تھا وہ تمہارا بھی ہوسکتا ہے، اُن پر عذاب آیا تھا تو اِن موجودہ کافروں کو دھمکی ہے کہ: تم پر بھی اُن جیسا عذاب آسکتا ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الشُّعَرَآء ہے۔ اَیِ الَّتِیْ یُذْکَرُ فِیْهِ الشُّعَرَآءُ۔

طٰسٓمّٓ ○ ❶:

طاء سے طَیِّبٌ، سِیْن سے سَمِیْعٌ، مِیْم سے مَالِكٌ اور مُقْتَدِرٌ مراد ہے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ ❸:

بَاخِعٌ اَیْ قَاتِلٌ نَفْسَكَ، مُهْلِكٌ نَفْسَكَ۔

فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ○ ❹:

اِشکال: ظَلَّتْ ماضی سے تعبیر کیا ہے حال آں کہ تَظَلُّ یعنی مضارع ہونا چاہیے تھا؟

جواب: تحقق الوقوع کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے۔

فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ ❻:

لفظ اَنْبَآء، نَبَاءٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "خبریں"۔ لازمی معنی ہیں: "انجام"۔

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ○ ❼:

زَوْجٍ کا معنی ہے: "قسم"۔ مثلاً: سرخ ہیں تو سبز بھی ہیں وغیرہ۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ❽:

تمام تفسیروں میں، یہاں تک کہ "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: امام سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: کَانَ کا لفظ زائد ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ اور علامہ اندلسی رحمہ اللہ کَانَ کے لانے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ: اُن لوگوں کا عمل یہ تھا۔ اُن کے عمل کو بتانے کے لیے کَانَ کا لفظ لائے ہیں۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى ۔۔۔ الآیۃ ❿:

ربط: جن مکذبین قوموں کو ہلاک کیا گیا اُن میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے۔

اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا يَتَّقُوْنَ ○ ⓫:

سوال قَوْمَ فِرْعَوْنَ میں لفظ قَوْمَ ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب لفظ قَوْمَ پہلے اَلْقَوْمَ سے بدل ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ الْفُرْقَان، ۷۷)

فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴿١٦﴾:

سوال لفظِ رَسُوْلُ کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لفظِ رَسُوْلُ مصدر ہے بمعنی رِسَالَۃ کے ہے۔ ② لفظِ رَسُوْلُ اسمِ جنس ہے۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ ﴿١٨﴾:

فرعون نے کہا کہ: کیا تجھ کو ہم نے نہیں پالا جب کے تو بچہ تھا؟ اور تیس (۳۰) سال تم ہم میں رہے اب تم ہم کو تبلیغ کرتے ہو؟!!

وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴿١٩﴾:

اور تو ناشکری کرنے والوں میں سے ہے۔ تمھیں یہ کہنا چاہیے تھا کہ: مَیں آپ کا مشکور ہوں کہ مَیں چھوٹا تھا اور تم نے میری پرورش کی اور میری تربیت کی۔ یہ بات کہنے کے بجائے تم آتے ہو اور مجھے تبلیغ کرتے ہو اور دعوت دیتے ہو؟!!

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ ﴿٢٠﴾:

یعنی قبطی کا خون مَیں نے دانستہ نہیں کیا تھا، غلطی سے ایسا ہو گیا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ: ایک مُکا مارنے میں جو تادیب کے لیے تھا اُس کا دم نکل جائے گا؟ کیوں کہ ایک مُکا مارنے سے عموماً کوئی نہیں مَرتا اور میرا ارادہ بھی مارنے کا نہ تھا مگر تقدیر اُوہ مَر گیا۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ ۔۔۔ الآیۃ ﴿٢٢﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① علامہ اَخفش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: هَمْزَة اِستفہام مقدر ہے۔ اَیْ اَوَ تِلْكَ نِعْمَةٌ۔

② بعض دوسرے حضرات "هَمْزَة" کو مقدر نہیں مانتے، لیکن لہجہ اِستفہامیہ ہے اور یہ نعمت ہے کہ: میری ساری برادری کو تُو نے غلام بنا رکھا ہے اور اُن سے تُو سخت محنت لیتا ہے اور مجھے تم نے پالا ہے یعنی بچپن میں میری پرورش کا اِحسان جتلانا تجھے زیب نہیں دیتا۔ ظالم! اگر مَیں تیرے گھر میں پلا ہوں تو تیری شرارت کے نتیجے میں پلا ہوں، تُو بچوں کو قتل کرنے کا حکم نہ دیتا تو میری ماں مجھے دریا میں نہ پھینکتی۔ میرے دیگر بہن بھائی تو تیرے گھر میں نہیں پلے، مَیں جو تیرے گھر میں پلا ہوں تو تیرے ظالمانہ حکم کے نتیجہ میں پلا ہوں۔ یہ کوئی اِحسان ہے؟!!

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴿٢٣﴾:

حرف مَا سے حقیقت، ماہیت اور جنسیت کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ تو فرعون یہ کہنا چاہتا تھا کہ: رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟ اب جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام رب تعالیٰ کی حقیقت اور ماہیت بیان کرتے ہیں اِس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ماہیت اور حقیقت کوئی بھی نہیں جانتا ہے مگر صفات جانتے تھے اِس لیے صفات سے جواب دیتے ہیں۔ تو یہ وجہ ہے عُدُوْل عَنِ الْحَقِيْقَةِ کی صفات کی طرف۔

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿٢٤﴾:

قَالَ کا فاعل حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور رَبُّ السَّمٰوٰتِ اُس کا مَقُوْلَه ہے۔

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ﴿٢٦﴾:

لفظِ رَبُّكُمْ بھی مَقُوْلَه ہے فاعل نہ سمجھنا۔

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝ ﴿٢٧﴾:

فرعون نے کہا کہ: مَیں ماہیت کے بارے میں سوال کرتا ہوں اور یہ صفات بتاتے ہیں تو یہ تندرست نہیں بل کہ ضرور یہ باؤلا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ: فرعون نے ملاحسن، حمد اللہ وغیرہ پڑھی ہیں اُس حقیقت کے سوال پر حضرت موسیٰ علیہ السلام جواب میں صفات بتاتے ہیں کیوں کہ حقیقت تو کسی کو بھی معلوم نہیں۔ تو فرعون نے کہا کہ: یہ رسول پاگل ہے کیوں کہ مَیں حقیقت کا سوال کرتا ہوں اور یہ صفت بتاتا ہے۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ۔۔۔الاٰیۃ (۲۸):

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ بھی مَقُوْلَه ہے فاعل نہ سمجھنا۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۙ (۳۴):

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دونوں معجزے "عَصٰی" اور "یَدِ بَیْضَاء" پیش کیے تو فرعون نے اپنے وزیرِاعظم ہامان اور اپنی کابینہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: یہ بڑا جادوگر ہے اور یہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں یہاں سے نکالنا چاہتا ہے تو تم بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۙ (۳۶):

اِرْجَاء کے معنی ہیں: "مہلت دینا، مؤخر کرنا"۔

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ (۵۲):

ربط: واضح ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بقیہ قصہ ہے۔ رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ: اَرضِ مقدسہ کی طرف ہجرت کرواور روانگی سے قبل اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرما دیا تھا کہ: تمہارا پیچھا کیا جائے گا، فرعون اور اُس کا لشکر تمہارے پیچھے آئے گا ڈرنا مت۔

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۙ (۵۴):

شِرْذِمَةٌ، شَرَاذِمَةٌ اس کی جمع ہے۔ معنی ہے: "طَآئِفَةٌ قَلِیْلَةٌ تھوڑی جماعت، گروہ"۔

اس مقام پر علامہ محلی رحمہ اللہ قِیْلَ کے ساتھ لکھتے ہیں کہ: بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار (۶۷۰۰۰۰) تھی اور فرعون کا صرف مُقَدِّمَةُ الْجَيْش سات لاکھ (۷۰۰۰۰۰) تھا۔ لیکن علامہ محلی رحمہ اللہ نے اس کو قِیْلَ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کیوں کہ اُس زمانہ میں اِتنی مخلوق کہاں سے آگئی؟!! بہر حال اِتنی بات یقینی ہے کہ: فرعونی زیادہ تھے اور بنی اسرائیلی کم تھے۔

وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ۙ (۵۶):

لفظِ حٰذِرُوْنَ کی چار (۴) تفسیریں ہیں:

① مُتَيَقِّظُوْنَ۔ ہم بیدار مغز ہیں۔ ② مُسْتَعِدُّوْنَ۔ ہم مستعد ہیں۔ ③ مُسَلَّحُوْنَ۔ ہم مسلح ہیں۔

④ ہم اِن سے خوف بھی کھاتے ہیں کہ: یہ ایک چھوٹا سا طائفہ ہے اور انہوں نے ساری حکومت کو پریشان کیا ہے، ہمیں بس یہ خوف ہے کہ یہ بدمزگی پھیلائیں گے۔

كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ ؕ (۵۹):

اَیْ کَانَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ۔ یعنی معاملہ ایسا ہی تھا۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ (۶۰):

مُشْرِقِيْنَ کے لفظی معنی: "سورج کو چمکانے والے ہیں"۔ اشراق کی طرف اُس کی اسناد مجازی ہے۔ اَیْ دَاخِلِیْنَ فِیْ وَقْتِ الْاِشْرَاقِ۔

فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۚ (۶۳):

اَیْ کَالْجَبَلِ الْعَظِیْمِ۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۘ (۶۹):

پہلا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تھا اور دوسرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے کیوں کہ عرب کے اکثر لوگ اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے۔

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۙ (۷۲):

عبارت حذفِ مضاف کے اِعتبار سے ہے۔ اَیْ هَلْ يَسْمَعُوْنَ اَصْوَاتَكُمْ، هَلْ يَسْمَعُوْنَ نِدَآئَكُمْ، هَلْ يَسْمَعُوْنَ دُعَآئَكُمْ۔

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝:

مشرکین کہتے تھے کہ: ہمارے پاس بڑی دلیل موجود ہے کہ ہم نے اپنے آباء کو ایسا ہی پایا ہے۔

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝:

سوال "اِلَّا" استثناء متصل ہے یا منقطع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ اِلَّا مستثنیٰ منقطع ہے۔ معنی ہے: "جس کی تم عبادت کرتے ہو اور تمہارے آباء عبادت کرتے ہیں وہ سب ہمارے دُشمن ہیں لیکن رب العالمین دُشمن نہیں ہے"۔

② علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِلَّا مستثنیٰ متصل ہے کیوں کہ یہ مشرکین اپنے معبودین کی طرح رَبُّ الْعٰلَمِيْن کی بھی عبادت کرتے تھے تو مَا تَعْبُدُوْنَ میں رب بھی داخل ہے۔ لہٰذا اِستثناء متصل بھی ہوسکتا ہے۔ معنی ہیں: "جس کی تم اور تمہارے آباء عبادت کرتے ہو وہ سب میرے دُشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝:

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مَرض کی اِسناد اپنی طرف اِس لیے کی کہ عموماً مَرض کا سبب بندہ خود اِختیار کرتا ہے یعنی بیماری اِنسان کی اپنی خود کی کوتاہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

حکیم حارث بن کلدہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے اُن سے پوچھا گیا کہ: بیماری کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: رَأْسُ الدَّآءِ الْبِطْنَةُ وَرَأْسُ الدَّوَآءِ الْحِمْيَةُ۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝:

سوال حکم سے کیا مُراد ہے؟

جواب حکم سے مُراد ہجرت کا حکم ہے۔

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝:

لِسَان کے لفظی معنی "زبان" کے ہوتے ہیں۔ لیکن چوں کہ بیان، ذکر زبان سے ہوتا ہے اِس لیے یہاں لِسَان کے معنی "ذکر، شہرت، تذکرہ" وغیرہ کے ہیں۔

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝:

وَرَثَة، وَارِث کی جمع ہے۔

وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے وعدہ کیا تھا: سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۔۔۔الآیۃ [1] میں آپ کے لیے اِستغفار کروں گا۔ تو اِس آیت میں اُس وعدہ کی تکمیل کا ذکر ہے اور گیارہویں پارہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ: فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۔۔۔الآیۃ [2] آخر میں بے زاری کا اِعلان کیا۔

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝:

اَيْ سَلِيْمٌ مِّنَ الشِّرْكِ، سَلِيْمٌ مِّنَ الشَّكِّ، سَلِيْمٌ مِّنَ الْكِبْرِ، سَلِيْمٌ مِّنَ الْحَسَدِ۔ وغیرہ اِن اَمراضِ قلبیہ سے پاک ہو۔

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ۝:

لفظ كُبْكِبُوْا رباعی مجرد سے دَحْرَجَ کے وزن پر ہے۔ معنی ہے: "اُلٹا کیا جانا"۔ پھر اُوندھے منہ اُس جَحِيْم میں گرائے جائیں گے۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝:

اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ اَيْ اِنَّا كُنَّا، اِنَّهٗ كُنَّا۔

---

[1] (سُوْرَةُ مَرْيَم، ۴۷) [2] (سُوْرَةُ التَّوْبَة، ۱۱۴)

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ ِالْمُرْسَلِيْنَ ۞:

تیسرا واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہے۔

اِشکال: لفظِ قَوْم مذکر ہے اور كَذَّبَتْ فعل مؤنث ہے۔ لہٰذا تذکیر و تانیث میں مطابقت نہیں ہے؟

جواب: اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: قوم بمعنی قبیلہ کے ہے، جماعت کے ہے۔ اَیْ كَذَّبَتْ قَبِيْلَةُ نُوْحٍ وَجَمَاعَةُ نُوْحٍ۔

② "مصباح اللغات" لغت کی کتاب، "النہایہ" وغیرہ میں تصریح ہے کہ: لفظِ قَوْم یُذَکَّرُ وَیُؤَنَّثُ۔ یہاں كَذَّبَتْ فعل مؤنث ہے جب کہ سُوْرَۃُ هُوْد میں آپ پڑھ چکے ہیں: وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ ...الآیۃ ● وہاں فعل جَآءَ مذکر ہے۔ لہٰذا کسی تاویل کی ضرورت نہیں، جَآءَهٗ قَوْمُهٗ بھی صحیح ہے، كَذَّبَتْ قَوْمُ بھی صحیح ہے۔

قَالُوْا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۞:

اَنُؤْمِنُ لَكَ اَیْ اَنُصَدِّقُ لَكَ۔ کیا ہم تیری تصدیق کریں؟

سوال: وَاؤ کون سا ہے؟

جواب: وَاؤ حالیہ ہے۔ معنی ہیں: "کیا ہم تیری تصدیق کریں درآں حال یہ کہ تیرے ساتھ کمینے لوگ ہیں"۔ یعنی کوئی بڑھئی ہے، کوئی دھوبی ہے، کوئی موچی ہے وغیرہ۔

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞:

سوال: مَا کون سا ہے؟

جواب: "تفسیر سمین، جمل" وغیرہ میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: مَا اِستفہامیہ ہے۔ معنی ہے: "مجھے کیا معلوم ہے کہ یہ کیا کرتے ہیں"؟

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: مَا نافیہ ہے۔ معنی ہیں: "جو پیشے اُن کے ہیں مَیں نہیں جانتا"۔

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۞:

سوال: لَوْ کون سا ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لَوْ شرطیہ ہے اور لَكُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ اُس کے لیے جزاء ہے۔

② لَوْ تمنی کے لیے ہے۔ کاش! وہ سمجھ جاتے۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ۞:

اَصل میں كَذَّبُوْنِيْ تھا، فواصل کی رعایت کی وجہ سے "یَاء" گر گئی۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۞:

مَشْحُوْن کا معنی ہے: "بھری ہوئی"۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِالْمُرْسَلِيْنَ ۞:

چوتھا واقعہ ہے، قوم ہے عاد اور پیغمبر تھے حضرت ہود علیہ السلام۔ كَذَّبَتْ عَادٌ اَیْ قَبِيْلَةُ عَادٍ۔ مرسلین کی تکذیب کی یعنی ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب کو مستلزم ہے۔

● (سُوْرَۃُ هُوْد: ۷۸)

أَتَبۡنُوۡنَ بِكُلِّ رِيۡعٍ اٰيَةً تَعۡبَثُوۡنَ ۝:

رِیۡعٍ کے معنی ہیں: "مکانِ مرتفع، اُونچی جگہ"۔

تَعۡبَثُوۡنَ کے دو (۲) معنی ہیں:

① محض کھیل اور تماشا کے طور پر نہ کہ رہنے کے طور پر کیوں کہ اُن لوگوں کو اُونچے اور مضبوط مینارے بنانے کا بڑا شوق تھا، جس سے کچھ کام نہ نکلے مگر نام ہو جائے اور رہنے کی عمارتیں بھی مال ضائع کرنے کے لیے بڑے تکلف کی بناتے تھے۔

② علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: تَعۡبَثُوۡنَ بِمَنۡ يَّمُرُّ بِكُمۡ۔ تم لوگوں کے پاس سے جو لوگ گذرتے ہیں تو تم اُن کا مذاق اُڑاتے ہو۔

وَتَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ۝:

اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① "تفسیر قرطبی، روح المعانی" وغیرہ میں مصدری معنی ہیں کہ: "بناتے ہو تم کاریگریاں گویا کہ تم ہمیشہ رہنے والے ہو"۔

② دیگر حضرات معنی کرتے ہیں کہ: "اور تم بناتے ہو حوض بڑے بڑے گویا کہ تم ہمیشہ رہنے والے ہو"۔

مَصَانِعَ، مَصۡنَعٌ کی جمع ہے۔ لَعَلَّكُمۡ اَیۡ كَاَنَّكُمۡ۔

أَوَعَظۡتَ أَمۡ لَمۡ تَكُنۡ مِّنَ الۡوٰعِظِيۡنَ ۝:

هَمۡزَہ استفہامیہ ہے اور وَعَظَ، يَعِظُ بابِ ضَرَبَ، يَضۡرِبُ سے ہے۔

إِنۡ هٰذَآ إِلَّا خُلُقُ الۡأَوَّلِيۡنَ ۝:

"تفسیر کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: یہ ہمارا عقیدہ پر ڈٹے رہنا پہلوں کی عادت ہے، ہم چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

سوال هٰذَآ کا مشارٌ الیہ کیا ہے؟

جواب هٰذَآ کا مشارٌ الیہ وعظ ہے یعنی پہلے بھی وعظ کرتے آئے ہو، کوئی مانتا تھا کوئی نہیں مانتا تھا، اِختلاف ہوتے تھے خواہ مخواہ لوگوں کو ڈراتے ہو۔

كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝:

پانچواں واقعہ ہے، قوم ہے ثمود اور پیغمبر ہیں حضرت صالح علیہ السلام۔

أَتُتۡرَكُوۡنَ فِيۡ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيۡنَ ۝:

وہ بات جو حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو کی یہ ہے کہ: کیا اِن دُنیاوی چیزوں میں تم ہمیشہ رہو گے؟

وَّزُرُوۡعٍ وَّنَخۡلٍ طَلۡعُهَا هَضِيۡمٌ ۝:

کھجور کے درخت پر ابتداً جو پھول لگتا ہے اُس کو طَلۡعٌ کہتے ہیں، اُس کے بعد تھوڑا بڑھتا ہے اُس کو اَغۡرِیۡضٌ کہتے ہیں اور جب تھوڑا سا بڑھ جائے تو اُس کو بَلَحٌ کہتے ہیں اور جب وہ کھلے تو زَهۡوٌ کہتے ہیں، جب اُس سے کھجور کا دانہ بن جائے تو اُس کو بُسۡرٌ کہتے ہیں اور جب یہ بڑھ کر نرم ہو جاتا ہے تو اُس کو رَطۡبٌ کہتے ہیں اور جب پک جائے تو اُس کو تَمۡرٌ کہتے ہیں۔ هَضِيۡمٌ کے معنی ہیں: "نرم"۔

وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا فٰرِهِيۡنَ ۝:

فٰرِهِيۡنَ کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① حَاذِقِيۡنَ۔ مطلب یہ ہے کہ: کیا مضبوط اور سنگین عمارتیں تم کو خدا کے عذاب سے بچا لیں گی؟!!

② تَرَفُّه۔ تلذّذ اور لذّت حاصل کرنے والے۔ مطلب یہ ہے کہ: کیا یہ خیال ہے کہ اسی طرح عیش و آرام اور باغ و بہار کے مزے لوٹو گے؟!! اور پہاڑوں کو تراش کر جو پُرتکلف مکان تیار کیے ہیں اُن سے کبھی نہ نکلو گے؟!! اِس سودائے خام کو دل سے نکال ڈالو اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر میرا کہا مانو، مَیں تمہارے بھلے کے لیے کہتا ہوں۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝:

دراصل وہاں ایک چشمہ تھا اور اُن کے لیے اِس طرح باری مقرر کی گئی کہ: ایک دن اُونٹنی کی باری ہے تم اور تمہارے جانور نہیں آئیں گے اور ایک دن تمہاری باری ہے اُونٹنی نہیں آئے گی۔

لفظ شِرْبٌ اگر بِكَسْرِ الشِّيْن ہو تو معنی ہیں: "پانی پینے کی باری"۔ اگر شُرْبٌ بِضَمِّ الشِّيْن ہو تو معنی ہیں: "پانی پینا"۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝:

یہ چھٹا واقعہ ہے۔ قوم ہے قومِ لوط اور پیغمبر ہیں حضرت لوط علیہ السلام۔

أَتَأْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝:

یہاں لفظ شَهْوَةً مفعول محذوف ہے کیوں کہ دوسرے مقام پر شَهْوَةً کا لفظ موجود ہے کہ: أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً۔۔۔ الآیۃ ❶

قَالَ إِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ۝:

قَلٰی، يَقْلِيْ باب ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے اِسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ معنی ہیں: "بغض رکھنا" یعنی مَیں تمہاری اِس کارروائی پر اُن لوگوں میں سے ہوں جو بغض رکھتے ہیں۔

كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝:

مَیں نے چوتھے پارہ میں بات عرض کی تھی کہ: اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ: اَصحاب ایکہ اور مدین والے ایک ہیں۔ مدین شہر اور قوم کا نام تھا اور ایکہ اُن کے اِردگرد وسیع جنگلات تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ بزرگ فرماتے ہیں کہ: یہ دو (۲) قومیں تھیں کیوں کہ مدین والوں پر الگ نوعیت کا عذاب آیا تھا اور ایکہ والوں پر الگ عذاب آیا تھا۔

وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِيْنَ ۝:

جِبِلَّة کے معنی ہیں: "خَلَائِق، مخلوق"۔ جَبِيْلٌ بروزن قَدِيْمٌ۔

وَإِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝:

اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ أَيْ وَإِنَّهٗ، وَإِنَّا۔

فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ۔۔۔ الآیۃ ۝:

كِسَفًا، كِسْفَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "ٹکڑا"۔

فَكَذَّبُوْهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ۔۔۔ الآیۃ ۝:

تمام تفاسیر میں آپ کو ملے گا کسی میں اِجمال اور کسی میں تفصیل ہے کہ: سخت گرمی تھی، سانس تک بھی نہیں لے سکتے تھے، بادل کا ایک ٹکڑا نظر آیا، وہاں جمع ہو گئے، وہاں اُن کو ٹھنڈک محسوس ہوئی، دوسروں کو بھی بلا لائے، جب سب کے سب جمع ہو گئے تو اُس بادل سے آگ برسی، نیچے سے زمین میں زلزلہ آیا اور سخت ہولناک آواز آئی، اِس طرح پوری قوم تباہ ہو گئی۔

وَإِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝:

ربط: آپ نے سورۃ کی اِبتداء میں پڑھا تھا کہ: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ ❷ اُس کے بعد مجرم قوموں اور مُكَذِّبِيْن کے واقعات بیان فرمائے، قوموں کے ذکر کے بعد پھر قرآن کی طرف عود ہے کہ یہ قرآن کریم ربُّ العالمین کی طرف سے اُتاری گئی کتاب ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ ۝:

رُوْحُ الْأَمِيْن سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْأَعْرَاف، ۸۱)(سُوْرَةُ النَّمْل، ۵۵) ❷ (سُوْرَةُ الشُّعَرَآء، ۲)

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝

"تفسیر خازن، روح المعانی، ابو سعود" وغیرہ میں اس کے دو (۲) مطلب لکھے ہیں:
① مضاف محذوف ہے۔ أَيْ إِنَّ ذِكْرَهُ۔ اِس کتاب کا ذکر پہلی کتابوں میں تھا۔
② قرآن حکیم اپنے اُصولی عقائد" توحید، رسالت، قیامت" وغیرہ کے لحاظ سے پہلی کتابوں میں تھا یعنی" توحید، رسالت، قیامت" وغیرہ تمام بنیادی عقائد پہلی کتابوں میں بھی تھے قرآن حکیم میں بھی ہیں۔
لفظ زُبُر، زَبُوْرٌ کی جمع ہے۔ یہ لکھا ہے پہلوں کی کتابوں میں۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْأَعْجَمِيْنَ ۝

سوال أَعْجَمِيْنَ کس کی جمع ہے؟
جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:
① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أَعْجَمِيْنَ، أَعْجَم کی جمع ہے۔
② دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ: أَعْجَمِيْنَ، أَعْجَمِيٌّ کی جمع ہے۔

فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝

اگر یہ قرآنِ حکیم ہم کسی دوسری زبان والے پر اُتارتے اور وہ عجمی اِن عربی والوں پر پڑھتا تو وہ اُس پر ایمان نہ لاتے کیوں کہ وہ کہتے کہ: ہم عربی ہیں اور یہ عجمی ہے۔

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

سوال سَلَكْنٰهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟
جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:
① سَلَكْنٰهُ کی "ہٗ" ضمیر تکذیب کی طرف راجع ہے۔
② سَلَكْنٰهُ کی "ہٗ" ضمیر اِنکار کی طرف راجع ہے۔

مَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝

یعنی سالہا سال کی مہلت بھی جو دی گئی تھی اُس وقت کچھ کام نہ آئے گی، اُس وقت یہ برسوں کی مہلت کالعدم معلوم ہوگی اور سمجھیں گے کہ: واقعی بہت ہی جلدی پکڑے گئے۔

ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

لفظ ذِكْرٰى مفعول لہ ہے۔ أَيْ لِأَجْلِ الذِّكْرِ۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: یہ قرآن پاک رُوح الامین علیہ السلام لے کر آتے تھے، جب کہ کفار کہتے تھے کہ: شیاطین لے کر آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی اُمّ جمیل یا اُمّ جمیلہ عوراء بنت صخر اُس کا نام تھا، ابولہب کی بیوی تھی۔ جس وقت دو، تین (۲، ۳) دن وحی نہیں آئی تو اُس نے کہا: قَدْ تَرَكَكَ شَيْطَانُكَ۔ تجھے تیرے شیطان نے چھوڑ دیا ہے۔ تو اِس آیت میں جواب دیا کہ: اِس قرآن کو شیاطین نے نہیں اُتارا اور نہ ہی وہ طاقت رکھتے ہیں۔

وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ ۝

"بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: نبوّت کے پانچ (۵) سال بعد یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کی چٹانوں پر لوگوں کو جمع کیا۔ سراقہ بن مالک کنانی کے حملہ کی بات بھی مشہور کی تھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: اگر میں یہ کہوں کہ: اِس پہاڑ کے پیچھے سے دُشمن آرہا ہے تم پر حملہ

کرنے کی غرض سے تو تم میری اِس بات کی تصدیق کروگے یا نہیں؟ سب نے کہا کہ: ضرور کریں گے! ہم نے کبھی بھی آپ (ﷺ) سے جھوٹ نہیں سنا ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم سب کہو کہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ تو فلاح پاؤ گے۔ اِس پر ابولہب، عبد العزّٰی اُس کا نام تھا اُٹھ گیا آپ ﷺ کے منہ کے قریب ہاتھ لے گیا اور کہا کہ: تجھے ہلاکت ہو اِس لیے ہمیں جمع کیا تھا؟ تو اِس پر یہ آیتیں آئیں کہ: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۝●

اَلَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ۝:

سوال حِيْنَ تَقُوْمُ کا کیا معنی ہے؟

جواب اِس کی چار (۴) تفسیریں ہیں:

① حِيْنَ تَقُوْمُ لِلصَّلٰوةِ۔ ② حِيْنَ تَقُوْمُ فِي اللَّيْلِ۔ ③ حِيْنَ تَقُوْمُ لِلتَّبْلِيْغِ۔ ④ حِيْنَ تَقُوْمُ مِنْ مَنَامِكَ۔

مَیں کہتا ہوں کہ: یہ سب حق ہیں کسی کا کسی سے تعارض نہیں کیوں کہ نبی کریم ﷺ یہ سارے کام کرتے تھے۔

تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ۝:

لفظِ تَنَزَّلُ بابِ تَفَعُّل سے ہے، اَصل میں تَتَنَزَّلُ تھا ایک "تاء" کو حذف کردیا۔ اَفَّاكٍ، اِفْكٌ سے ہے۔ معنی ہے: "بہتان تراش"۔

يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ۝:

لفظِ سَمْعَ مصدر بمعنی مَسْمُوْع ہے۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ۝:

سترہویں پارہ میں سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآء میں آپ نے پڑھا ہے کہ: بَلْ هُوَ شَاعِرٌ۔ الآیۃ ● وہ آپ ﷺ کو شاعر کہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ اُن کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: شعراء کے تابعین غَاوٗن یعنی بے راہ، گمراہ ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کے تابعین اَلْهَادِيْنَ وَالْمَهْدِيِّيْنَ ہیں۔

یہ شعراء کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ "دیوان متنبی" والے نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا۔ تفصیل دیکھنی ہو تو "اَحمۂ تلبیس" نامی کتاب میں دیکھیں۔ اُس نے کہا کہ: مَیں پیغمبر ہوں اور میرے دو (۲) معجزے ہیں:

① ایک یہ کہ: چاول کے دانہ پر بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝ مع سُوْرَةُ الْاِخْلَاص لکھتا ہوں اور پڑھی بھی جاسکتی ہے۔

② دوسرا یہ کہ: انڈہ کو تنگ شیشی میں گھساتا ہوں۔

اُس نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ: میرا لقب "لَا" ہے۔ جب اُس پر مقدمہ چلا تو عدالت نے اُس کو طلب کرکے کہا کہ: سنا ہے کہ تو نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے؟ اُس نے کہا: ہاں! عدالت نے پھر پوچھا: کس دلیل سے؟ اُس نے اپنا پہلا معجزہ بتایا اور پھر دوسرا بتایا تو چاول کا دانہ اور شیشی وغیرہ طلب کرلیے گئے۔ اُس نے دونوں کام کردیے اور کہا کہ: اگر مَیں نبی نہیں ہوں تو تم ایسا کرکے دیکھاؤ؟ قاضی نے پھر کہا کہ: تو قرآن کو مانتا ہے؟ اُس نے کہا: ہاں! پھر پوچھا: حدیث کو مانتا ہے؟ اُس نے کہا: ہاں! قاضی نے کہا کہ: حدیث میں تو آتا ہے کہ: اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا نَبِيَّ بَعْدِيْ؟ تو اُس نے کہا کہ: یہ تو میری تائید ہے کیوں کہ مَیں "لَا" ہوں اور حدیث میں ہے کہ: "لَا" میرے بعد نبی ہوگا۔ (اَلْعِيَاذُ بِاللهِ) قاضی نے جلادوں میں سے جو اچھا اور ماہر تھا اُس کو حکم دیا تو اُس نے متنبی کو لٹا کر کوڑے لگائے، پھر اُس نے اپنے اِس جھوٹے دعویٰ سے اِنکار کیا۔

"دیوان متنبی" میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ: متنبی کہتا ہے۔

اَلْخَيْلُ وَاللَّيْلُ وَالْبَيْدَآءُ تَعْرِفُنِيْ
وَالسَّيْفُ وَالرُّمْحُ وَالْقِرْطَاسُ وَالْقَلَمُ

یعنی گھوڑے مجھے جانتے ہیں، میدان مجھے جانتا ہے، تلواریں مجھے جانتیں ہیں، گھوڑے مجھے جانتے ہیں وغیرہ۔ ایک دفعہ دُشمنوں کے نرغے میں پھنس گیا،

● (سُوْرَةُ اللَّهَب، ۱) (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب وانذر عشیرتک الاقربین، ج ۲، ص ۷۰۲، طبع یادگار شیخ، کراچی) ● (سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآء، ۵)

اُس کا شاگرد بھی ساتھ تھا۔ متنبی نے بھاگنا شروع کیا تو شاگرد نے کہا کہ: آپ کا تو یہ شعر ہے۔ اَلْخَیْلُ وَاللَّیْلُ۔۔۔الخ شاگرد کی بات سن کر وہ کھڑا ہو گیا اور وہیں مارا گیا۔

تو یہ شعراء کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں یعنی گفتار کے غازی ہیں اور کردار میں کچھ بھی نہیں۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۲۷﴾:

اِس آیت سے یہ بتا رہے ہیں کہ: سب شاعر برے نہیں۔ جیسے: حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ۔ جب کفار اَشعار کہتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو حکم فرماتے تھے کہ: اَجِبْ یعنی جواب دو۔

آیَاتُھَا (۹۳) (۲۷) سُوْرَۃُ النَّمْلِ مَکِّیَّۃٌ (۴۸) رُکُوْعَاتُھَا (۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

ربط: ربط کے بارے میں دو (۲) باتیں ہیں:

① پہلی سورۃ میں کافروں اور مؤمنوں کا ذکر تھا اور اس سورۃ میں آگے اِسی طرح مؤمنوں اور کافروں کا ذکر ہے۔

② پہلی سورۃ کے آخر میں کتاب کا ذکر تھا اور اس سورۃ میں بھی کتاب کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ النَّمْل ہے۔ نَمْل، نَمْلَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "چونٹی"۔

طٰسٓ ۔۔۔ الآیۃ ❶:

طٰسٓ اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ طَاء سے مُراد طَیِّبٌ اور سِیْن سے مُراد سَمِیْعٌ ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ ۔۔۔ الآیۃ ❸:

اس مقام پر امام رازی رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ وغیرہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ: نماز تو مکہ میں فرض ہو چکی تھی کیوں کہ معراج کا واقعہ مکہ میں ہجرت سے تین (۳) سال پہلے پیش آیا، اِسی طرح زکوٰۃ کا حکم بھی مکہ میں نازل ہو چکا تھا کیوں کہ یہ سورۃ مکی ہے لیکن زکوٰۃ کا نصاب مقرر نہیں ہوا تھا۔ سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّل میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بسط سے بحث کی ہے کہ: زکوٰۃ کا نصاب مدینہ میں مقرر ہوا تھا اور نفسِ زکوٰۃ مکہ میں فرض ہوئی تھی، مکہ میں یہ سلسلہ تھا کہ: جو ضرورت سے زائد رقم ہوتی تھی وہ زکوٰۃ میں دے دیتے تھے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَھُمْ اَعْمَالَھُمْ فَھُمْ یَعْمَھُوْنَ ٥ ❹:

اِشکال: یہاں تَزْیِیْن کی اِسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور آگے تَزْیِیْن کی اِسناد شیطان کی طرف ہے۔ وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ ۔۔۔ الآیۃ ❶ اِس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی طرف اِسناد اِس وجہ سے کی ہے کہ: خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ھُوَ اللہُ اور شیطان کی طرف اِسناد سببی ہے کیوں کہ وہ تَزْیِیْن کا سبب ہے۔

وَاِنَّکَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ عَلِیْمٍ ٥ ❻:

تُلَقّٰی کے معنی ہیں: "شدت" یعنی تجھ پر یہ قرآن بڑی شدت کے ساتھ اُترتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ٥ ❷ اِسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے کہ: سردی کے زمانے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اُترتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ آجاتا تھا ❸

اَوْ اٰتِیْکُمْ بِشِھَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّکُمْ تَصْطَلُوْنَ ٥ ❼:

بعض کہتے ہیں کہ: بیوی کے بچہ پیدا ہونے کا وقت تھا اور اُس وقت آگ کی ضرورت ہوتی ہے۔

فَلَمَّا جَآءَھَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَھَا ۔۔۔ الآیۃ ❽:

"تفسیر کمالین، جمل" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اَنْ بُوْرِکَ کا معنی ہے: "برکت ڈالی گئی"۔

سوال جَآءَھَا کی "ھَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب جَآءَھَا کی "ھَا" ضمیر نَار کی طرف راجع ہے۔

سوال مَنْ فِی النَّارِ میں نَار سے کیا مُراد ہے؟

---

❶(سُوْرَۃُ النَّمْل ۲۴) ❷(سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّل ۵) ❸(صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۱، ص ۲ طبع یادگار شیخ، کراچی)

جواب علامہ بغوی رحمہ اللہ "معالم التنزیل" والے اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ: آیت میں نَار سے نور مراد ہے۔نَار سے اِس لیے تعبیر کیا کیوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: إِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۔۔۔الآیۃ ❶

سوال مَنْ فِي النَّارِ میں حرف فِيْ کے بعد کیا مقدر ہے؟

جواب اس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ فِيْ کے بعد لفظ مَكَان محذوف ہے۔أَيْ فِيْ مَكَانِ النَّارِ۔یعنی اُن پر بھی برکت ہو جو آگ میں ہیں یعنی فرشتے اور اُن پر بھی برکت ہو جو اُس کے آس پاس ہیں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: فِيْ کے بعد لفظ طَلَب محذوف ہے۔أَيْ فِيْ طَلَبِ النَّارِ۔یعنی اُن پر بھی برکت ہو جو آگ کی طلب میں ہیں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن پر بھی برکت ہو جو اُس کے آس پاس ہیں یعنی فرشتے۔

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰﴾:

اِس سے معلوم ہوا کہ: اُن چیزوں سے ڈرنا اور بھاگنا جو مضر ہوں، نبوّت کے خلاف نہیں یعنی یہ طبعی خوف تھا جو نبوّت کے منافی نہیں ہے۔

إِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱﴾:

سوال إِلَّا استثناء متصل ہے یا منقطع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ جن میں علامہ محلی رحمہ اللہ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ: إِلَّا استثناء منقطع ہے اور لٰكِنْ کے معنی میں ہے۔أَيْ لٰكِنْ مَنْ ظَلَمَ۔پس اَمَنْ ظَلَمَ، مُرْسَلُوْن میں شامل نہیں ہے۔

② صاحب کمالین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: إِلَّا استثناء متصل ہے اور ظُلْم کے لفظ سے خطاء اجتہادی، لغزش مراد ہے یعنی حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْن۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳﴾:

أَيْ حَالَ كَوْنِهَا مُبْصِرَةً۔درآں حال یہ کہ وہ نشانیاں بصیرت پیدا کرتیں تھیں۔لفظ مُبْصِرَةً حال ہے اور یہ اسنادِ مجازی ہے۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۴﴾:

اُن کے دلوں میں اِس بات کا یقین تھا کہ: یہ پیغمبر ہے، لیکن ظلم، غرور اور تکبر کی وجہ سے اِنکار کرتے تھے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۵﴾:

ربط: "بیان القرآن، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: سورۃ کی ابتدا میں مؤمنین کا ذکر تھا اور پھر فاسقین اور مفسدین کا ذکر تھا۔اب آگے اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہیں: جو مؤمنین میں سے تھے اور ملکہ سباء اور اُس کی قوم کا ذکر فرمایا کہ وہ ایمان لائے اور اُخروی عذاب سے بچ گئے اور اُس سے آگے قومِ ثمود اور دیگر اقوام یعنی مفسدین کا بیان ہے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۶﴾:

اِس وراثت سے علمی وراثت مراد ہے۔

وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۔۔۔الآیۃ:

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ کا مطلب یہ ہے کہ: وہ چیزیں جو اُن کی شان اور حال کے لائق و مناسب تھیں وہ سب دیں تھیں۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۸﴾:

سوال یہ وادیٔ نَمل کہاں تھی؟

---

❶ (سُوْرَةُ النَّمْل، ۷)

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① یہ وادیِ نَمل طائف کے قریب تھی۔ ② یہ وادیِ نَمل شام کے علاقے میں تھی۔

شام والا قول صحیح ہے کیوں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام شام میں تھے۔

قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

ہمارے لیے سبق ہے کہ: یہ لنگڑی لیکن قوم کے بچاؤ کا اِتنا خیال ہے، خدا کرے کہ: ہم کو قوم کے عذاب جہنم اور گناہوں سے بچاؤ کی فکر اور خیال ہو۔ (آمین) لنگڑی چیونٹی تھی، مُنْذِرَةٌ یا طَاعَةٌ اُس کا نام تھا۔ اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ: داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ: حضرت سلیمان علیہ السلام چلتے ہوئے تم کو کچل دے۔ اِمام صاحب رحمہ اللہ سے اُن کے اُستاذ نے پوچھا کہ: نَمْلَةٌ مؤنث ہے یا مذکر؟ فرمایا کہ: مؤنث ہے کیوں کہ قَالَتْ نَمْلَةٌ میں قَالَتْ مؤنث کا صیغہ ہے اور بعد میں مِنْ قَوْلِهَا میں بھی ضمیر مؤنث کی ہے اور یہ قَالَ مُعَاوِيَةُ وغیرہ جیسا نہیں۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹﴾:

تَبَسُّم کہتے ہیں: ہونٹ سے ہونٹ جدا ہو کر ہنسنا اور ضِحِك یہ ہے کہ: آواز نکل آئے لیکن دوسرے نہ سن سکیں اور قَهْقَهَة جو دوسرے بھی سن لیں۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰﴾:

لفظ تَفَقَّدَ باب تَفَعُّل سے ہے۔ "تفسیر جمل" وغیرہ میں اِس کے لفظی معنی ہیں: "طلبِ مفقود کرنا"۔ لازمی معنی یہ ہیں کہ: "حاضری لی"۔ "تفسیر روح البیان" میں لکھا ہے کہ: اُس ہُدہُد کا نام یعفور تھا اور یہ ہُدہُدوں کا سردار تھا۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۲﴾:

تھوڑا ٹھہرے یعنی زیادہ زمانہ نہ گزرا۔

فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس آیت سے بھی یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ: انبیاء کرام علیہم السلام کو علمِ غیب نہیں ہوتا۔ جبھی تو ہُدہُد نے کہا کہ: مَیں ایسی خبر لے کر آیا ہوں جو آپ (علیہ السلام) کے علم میں نہیں ہے۔ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے مذاقاً فرمایا کہ: اِس سے معلوم ہوا کہ: وہ ہُدہُد وہابی تھا۔

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۳﴾:

عورت کا بادشاہ اور سربراہِ ملک بننا ایسی وحشت اور حیرانی کی بات ہے کہ جانور بھی اِس سے حیران ہوتے ہیں۔ اُس کا نام: بلقیس بنت شراحبیل ابن مالک ابن ریّان تھا۔

وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۔۔۔ الآیۃ:

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا مقولہ ہے ایک شاگرد نے کہا کہ: اُس کو سب کچھ ملا تھا، کیا داڑھی، مونچھیں بھی تھیں؟ تو جواب دیا کہ: نہیں! بل کہ وہ چیزیں دی گئی تھیں جو اُس کی شان کے لائق تھیں، داڑھی، مونچھیں، مردانہ قوت وغیرہ نہیں ملی تھی۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۴﴾:

دوسری بات حیرانی کی یہ ہے کہ: وہ سورج یعنی غیر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ تو یہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا ایسا بدتر اور حیران کن ہے کہ جانور بھی اِس پر حیرانی ظاہر کرتا ہے۔

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۵﴾:

سوال اَلَّا يَسْجُدُوْا میں لَا کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ لَا زائد ہے، اَصل میں اَنْ لَا تھا۔ معنی ہیں: "پس! وہ نہیں ہدایت پاتے اِس کی کہ وہ سجدہ کریں اُس ذات کے لیے"۔

②قِيْلَ کے ساتھ آپ کو یہ بات بھی ملے گی کہ: فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ پر جملہ ختم ہوگیا اور آگے اَلَّا حروفِ تخصیص میں سے ہے۔ معنی ہیں: "کیوں نہیں سجدہ کرتے اُس ذات کو"۔

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞۲۷:

غیر حاضر بہ وقت حاضری بڑے بڑے بہانے بناتے ہیں، اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ: ہم دیکھتے ہیں کہ تُو سچوں میں سے ہے یا جھوٹا ہے؟

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ۞۲۸:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک خط لکھ کر ہدہد کے حوالے کیا کہ ملکہ سبا کو پہنچا دو اور جواب لے کر آؤ اور خط پہنچا کر وہاں سے ایک طرف ہٹ جانا کیوں کہ قاصد کا وہیں سر پر کھڑا رہنا آدابِ شاہانہ کے خلاف ہے۔ وہ خط لے کر گیا، جب بلقیس کے ہاں آیا تو بلقیس اکیلی سو رہی تھی، رُوشندان میں سے اندر آیا، جب اُس کی آنکھ کھلی تو ہدہد نے اُڑ کر اُس کے سینہ پر خط رکھ کر دیا۔

قَالَتْ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۞۳۲:

ملکہ نے اپنی کابینہ کو طلب کیا اور کہا: اَفْتُوْنِيْ یعنی حکم دو کیا کرنا ہے؟ قَاطِعَةً بمعنی قطعی۔ یعنی میں قطعی طور پر فیصلہ نہیں کر سکتی جب تک تم حاضر نہ ہو۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۞۳۳:

اس سے معلوم ہوا کہ: وہ لوگ جنگ کو تیار تھے لیکن جنگ کا معاملہ بہت سخت ہوتا ہے اس لیے اُس پر ہی یہ معاملہ ڈال دیا۔

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ ۔۔۔ الآیۃ ۞۳۵:

ہدیہ سے مُراد غلام، لونڈیاں، چاندی، سونا وغیرہ ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ ۔۔۔ الآیۃ ۞۳۶:

بعض یہاں ایسا مغالطہ دیتے ہیں کہ: لفظ سُلَيْمٰنَ فاعل ہے اور یہ منصوب ہے تو وجہ کیا ہے؟ یہ مغالطہ ہے، اَصل میں جَآءَ کا فاعل اَلرَّسُوْلُ یعنی قاصد ہے اور سُلَيْمٰنَ مفعول ہے۔

فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا ۔۔۔ الآیۃ ۞۳۷:

لَا قِبَلَ لَهُمْ اَيْ لَا طَاقَتَ لَهُمْ۔

قَالَ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا ۔۔۔ الآیۃ ۞۳۸:

سوال اِس قَالَ کا فاعل کون ہے؟

جواب اِس قَالَ کے فاعل حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ۞۳۹:

عِفْرِيْت اِس کی جمع عَفَارِيْت آتی ہے۔ معنی ہے: "بڑے قد والے"۔ "تفسیر ابو سعود" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اُس جن کا نام "صخر یا ذکوان" تھا۔ اُس نے کہا کہ: اِس سے پہلے کہ آپ (علیہ السلام) اپنے دربار اور مجلس سے اُٹھ کر جائیں مَیں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے بھی جلدی چاہتے تھے۔

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ ۔۔۔ الآیۃ ۞۴۰:

یہ شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی یعنی مؤمن تھے۔ "السراج المنیر، بیضاوی" وغیرہ میں اِن کا نام آصف بن برخیا بیان کیا گیا ہے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر تھے، کتبِ سماویہ کے عالم اور اللہ کے اسماء اور کلام کی تاثیر سے واقف تھے، اِسمِ اَعظم کا علم رکھتے تھے۔

اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ ۔۔۔ الآیۃ:

نگاہ لوٹنے کا معنی یہ ہے کہ: مثلاً میں اِس ستون کو دیکھ رہا ہوں، تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ: ستون کو دیکھنے سے آپ کی نگاہ پیچھے نہیں پلٹے گی کہ میں وہ تخت حاضر کر دوں گا۔

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ ۔۔۔الآیۃ:

سوال رَاٰهُ کے اندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ کس طرف راجع ہے؟ اور جو "ہٗ" ضمیر بارز ہے وہ کس طرف راجع ہے؟

جواب رَاٰهُ کے اندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور جو "ہٗ" ضمیر بارز ہے وہ عرش کی طرف راجع ہے۔ معنی ہیں:
"جب دیکھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس عرش کو"۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا ۔۔۔الآیۃ:

نَكِّرُوْا کے معنی ہیں: "متغیر کرو، تبدیل کرو" یعنی موتی وغیرہ اُتار دو۔

نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ○:

ہم دیکھتے ہیں کہ: کیا وہ اپنے تخت کو پہچانتی ہے؟

وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ○:

مِنْ قَبْلِهَا کا معنی ہے: "ہمیں اِس واقعے سے پہلے علم تھا"۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ:

سوال صَدَّ کا فاعل کون ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① صَدَّ کا فاعل مَا كَانَتْ تَعْبُدُ ہے۔ معنی ہیں: "رُوکا تھا اُس بلقیس کو اُس چیز نے جس کی وہ اللہ تعالیٰ کے ورے عبادت کرتی تھی"۔

② صَدَّ کا فاعل حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ معنی ہیں: "حضرت سلیمان علیہ السلام نے رُوکا اُس کو اُس سے جس کی وہ عبادت کرتی تھی اللہ کے ورے"۔
اِس صورت میں مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مفعول بن جائے گا۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۔۔۔الآیۃ:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے محل کے صحن میں حکمتِ عملی سے شیشہ لگوایا جو پانی جیسا معلوم ہوتا تھا اور اُس سے کمرے میں آنے کا مطالبہ کیا تو اُس نے پانی میں گھسنے کے لیے پائنچے چڑھا لیے۔ جیسے عام قاعدہ ہے کہ: پانی کی گہرائی پوری طرح معلوم نہ ہو تو گھسنے والا شروع میں پائنچے چڑھا لیتا ہے۔

سوال حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کام کس لیے کیا؟

جواب "تفسیر معالم التنزیل، خازن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: چوں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اُس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے تھے اور یہ سنا تھا کہ: اُس کی پنڈلیوں پر بال ہیں اور پنڈلیوں پر بال ہونا خوبصورتی کو کم کرتا ہے۔ اِس لیے یہ کام کیا تا کہ یہ معلوم کریں کہ اُس کی پنڈلیوں پر بال ہیں یا نہیں؟
اِمام رازی رحمہ اللہ، علامہ اُندلسی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ، علامہ عثمانی رحمہ اللہ، مولانا اَشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اِس پر رَد کیا ہے اور فرمایا کہ: یہ صحیح نہیں!! بل کہ وجہ یہ ہے کہ: اُس کو اپنی عقل کا قصور معلوم ہو کہ تم نے سورج کی رُوشنی دیکھ کر عبادت کرنا شروع کی اور یہ تیری عقل کا فیصلہ ہے اور عقل تو اتنی خراب شے ہے کہ شیشے پر پانی کا گمان کیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۔۔۔الآیۃ:

ربط: پہلے نیک بندوں کا ذکر تھا اور اب فساد والوں کا ذکر ہے۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۔۔۔الآیۃ:

اِطَّيَّرْنَا اَصل میں تَطَيَّرْنَا تھا۔ معنی ہیں: "بدفالی لینا"۔ بدفالی اِس طرح لی کہ: پہلے ہم متحد اور اِکھٹے تھے، آپ (علیہ السلام) کے آنے کے بعد اِختلاف پیدا ہو گیا، اِس لیے کہ: تم منحوس ہو۔ (اَلْعِيَاذُ بِاللّٰه)

قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ:

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تم منحوس ہو۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ○:

یہ نو(۹) اَفراد شاید جماعتوں کے سردار ہوں گے، جن کا کام ملک میں فساد پھیلانے اور خرابی ڈالنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اِسی طرح مکہ میں بھی کافروں کے نو(۹) سردار تھے جو ہمہ وقت اِسلام کی بیخ کنی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دُشمنی میں ساعی رہتے تھے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ: وہ نو(۹) اَفراد تھے، اُن میں قیدار بن سالف سردار تھا، گربہ چشم تھا، شریر آدمی تھا۔ "تفسیر خازن، معالم التنزیل" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: ایک عورت تھی عنیزہ بنت غنم اُس عورت کا نام تھا، اُس کا خاوند فوت ہوگیا تھا، اُس کی جوان بیٹیاں تھیں۔ اُس کے جانور بھیڑ، بکریاں، گائے، اُونٹ وغیرہ کثرت سے تھے۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ: ایک دن اُونٹنی پانی پیتی تھی اور ایک دن قوم والوں کے جانور پانی پیتے تھے۔ اِس عورت کے جانور زیادہ تھے اِس وجہ سے باری والے دن سب جانوروں کو پانی پینے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اُس عورت نے اِن نو جوانوں سے کہا کہ: اِس اُونٹنی کو راستے سے ہٹا دو، جس لڑکی سے تم کہو گے مَیں تمہاری شادی کردوں گی۔ اُن نو(۹) آدمیوں نے قسم اُٹھائی کہ: ہم اُونٹنی کو ہلاک کریں گے اور اِس کی جو علّت ہے حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کے گھر والے اُن کو رات کو جاکر ہلاک کریں گے، اُن پر شب خون ماریں گے۔

ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ ۔۔۔الآیۃ:

سوال لفظِ مَهْلِكَ کیا ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① مصدرِ میمی ہے۔ معنٰی ہیں: "اُن کی ہلاکت کے وقت ہم نہ تھے"۔

② ظرفِ مکان ہے۔ معنٰی ہیں: "ہم اُن کی ہلاکت کی جگہ میں تھے ہی نہیں"۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا ۔۔۔الآیۃ:

اُنہوں نے تدبیر کی حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں کو قتل کرنے کی اور ہم نے تدبیر کی حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں کو بچانے کی۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ ۔۔۔الآیۃ:

یہاں لفظِ لُوْط سے پہلے اُذْكُرْ فعل مقدر نکالیں گے اَرْسَلْنَا فعل نہیں نکالیں گے کیوں کہ آگے اِذْ ظرف ہے۔ اَیْ وَاذْكُرْ لُوْطًا۔

وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○:

اِس آیت کے دو(۲) مطلب ہیں:

① تم صاحبِ بصیرت ہو، سمجھ والے ہو۔

② ایک دوسرے کو دیکھتے ہو اور بدفعلی کرتے ہو شرم نہیں آتی؟ وہ اتنے بے حیاء تھے کہ ایک دوسرے کے سامنے بدفعلی کرتے تھے۔

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۔۔۔الآیۃ:

آیت میں لفظِ رِجَال عام ہے، صِبْيَان یعنی بچے بھی اِس میں شامل ہیں۔ وہ لوگ بابا باز تھے، مسافر کو بھی نہیں چھوڑتے تھے۔

اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ○:

يَتَطَهَّرُوْنَ بابِ تَفَعُّل سے ہے۔ معنٰی ہے: "پاک باز بننا"۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔۔۔الآیۃ:

ربط: پہلے اُن قوموں کا ذکر تھا جن کو ہلاک کیا گیا۔ پس! جب عضوءِ فاسد کٹ جاتا ہے تو وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! کا مصداق ہوتا ہے، اِسی طرح اِن ظالموں کا ختم ہوجانا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! کا مصداق ہے۔ اِصْطَفٰی اَیْ اِصْطَفٰهُمْ۔

آللّٰہُ خَیْرٌ أَمَّا یُشْرِکُوْنَ O:

آللّٰہُ اَصل میں أَأَللّٰہُ تھا، ایک ھَمْزَہ استفہام ہے اور دوسرا لفظِ اللہ کا ھَمْزَہ ہے۔ معنی ہے: "کیا اللہ بہت بہتر ہے یا جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں؟"

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ۔۔۔الآیۃ (۶۰):

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ: اللہ بہت بہتر ہے یا وہ جس کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں؟ اِسی سلسلے میں یہ بھی توحید کی دلیل ہے۔

فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ۔۔۔الآیۃ:

لفظ حَدَآئِق، حَدِیْقَۃٌ کی جمع ہے۔ حَدِیْقَۃ اُس باغ کو کہتے ہیں جس کے اردگرد اینٹوں یا درختوں کی دیوار ہو اور اگر دیوار نہ ہو تو وہ رَوْضَۃ اور بُسْتَان کہلاتا ہے۔ بَهْجَة کا معنی ہے: "رونق والے"۔

بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ O:

"تفسیر کبیر" وغیرہ میں تصریح ہے کہ: جب عَدَلَ کا صلہ بَاء ہو تو اِس کا معنی ہوتا ہے: "شریک ٹھہرانا" اور اگر صلہ میں عَنْ ہو تو اِس کا معنی ہوتا ہے: "اِعراض کرنا"۔ پس! جو حضرات صلہ "بَاء" نکالتے ہیں وہ معنی کرتے ہیں: "بل کہ وہ قوم ہے جو شرک کرتی ہے"۔ اور جو حضرات صلہ "عَنْ" نکالتے ہیں وہ معنی کرتے ہیں: "بل کہ وہ قوم ہے جو اعراض کرتی ہے"۔

وَجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا۔۔۔الآیۃ (۶۱):

لفظ خِلٰل، خَلَل کی جمع ہے۔

وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا۔۔۔الآیۃ:

حَاجِزًا کا معنی ہے: "پردہ، آڑ، بندھ"۔ دو (۲) دریاؤں کے درمیان بندھ کس نے باندھا کہ میٹھا اور کھارا ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملتا؟!!

أَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ۔۔۔الآیۃ (۶۲):

دست گیر کون ہے؟ فریاد رس کون ہے؟ مختارِ کل کون ہے؟

وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ۔۔۔الآیۃ:

خُلَفَآءَ الْأَرْضِ میں اِضافت بمعنی فِیْ کے ہے۔ اَیْ خُلَفَآءَ فِی الْأَرْضِ۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَیْبَ إِلَّا اللّٰهُ۔۔۔الآیۃ (۶۵):

ربط: یہاں تک اللہ تعالیٰ کی خَلَق کی صفت تھی اور آگے علم کی صفت کا بیان ہے۔ مَیں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ: غیب کی خبریں اور چیز ہیں اور علمِ غیب اور چیز ہے۔

بَلِ ادّٰرَکَ عِلْمُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ۔۔۔الآیۃ (۶۶):

إِدّٰرَکَ اَصل میں تَدَارَکَ تھا۔ تَاء کو دَال سے تبدیل کیا اور دَال کو دَال میں مدغم کر دیا۔ ابتداء بِالسُّکُوْن مُحال ہونے کی وجہ سے ھَمْزَہ وصل شروع میں لائے تو اِدّٰرَکَ ہو گیا۔

اب یہاں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: تَدَارَکَ کے معنی ہیں: "تَلَاحَقَ یعنی مل جانا"۔ صاحبِ جلالین علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: بَلْ بمعنی هَلْ ہے۔ اَیْ هَلِ ادّٰرَکَ۔ معنی ہیں: "کیا مل چکا ہے علم اُن کا آخرت کے بارے میں؟" اور فِیْ بمعنی بَاء ہے یعنی آخرت کا علم اُن کے ساتھ نہیں مل چکا ہے۔

اِشکال: دوسرے حضرات محققین علامہ محلی رحمہ اللہ کی اِس تفسیر پر خوب برسے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: بَلْ بمعنی هَلْ نہ لغت میں آیا ہے اور نہ نحو میں آیا ہے۔ تو علامہ محلی رحمہ اللہ نے بَلْ کے معنی هَلْ کیوں کیے؟

جواب: صاحب کمالین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ: علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے دو(۲) قرأتیں ہیں:
① حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت: أَءِدَّرَكَ عِلْمُهُمْ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ هَمْزَة استفہام نکالتے ہیں۔
② حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت: أَمْ اِدَّرَكَ عِلْمُهُمْ۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ أَمْ نکالتے ہیں۔
یہ دونوں صحابی رضی اللہ عنہم ہیں تو اس قاعدہ سے علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ نے بَلْ بمعنی هَلْ کیا ہے۔
② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بَلْ اپنے معنی میں ہے۔ تَدَارَكَ بَنُوْ فُلَانٍ اَیْ تَسَاقَطَ یعنی گر گئے فلاں ہلاکت میں۔ اب آیت کے معنی ہوں گے: "بل کہ گر چکا اُن کا علم آخرت کے بارے میں"۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ○ ﴿۶۷﴾:

ربط: واضح ہے کہ اُوپر بھی قیامت کا ذکر تھا اور آگے بھی قیامت کا بیان ہے۔ کفار کہتے ہیں کہ: جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہوجائیں گے تو دوبارہ کیسے زندہ کیے جائیں گے؟!!

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○ ﴿۷۰﴾:

اِس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ ﴿۷۵﴾:

سوال لفظِ غَآئِبَة کیا ہے؟
جواب اِس کے متعلق تین (۳) اَقوال ہیں:
① لفظِ غَآئِبَة مصدر ہے۔ ② لفظِ غَآئِبَة نفس کی صفت ہے۔ ③ لفظِ غَآئِبَة، شَيْءٌ کی صفت ہے۔
اشکال: اگر لفظِ غَآئِبَة، شَيْءٌ کی صفت ہے تو شَيْءٌ مذکر ہے اور غَآئِبَة مؤنث ہے تو موصوف صفت میں مطابقت نہیں ہے؟
جواب: یہ تاء اِس میں تانیث کے لیے نہیں بل کہ مبالغہ کے لیے ہے۔
سوال كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ سے کیا مُراد ہے؟
جواب كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ سے لوحِ محفوظ مُراد ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ ﴿۷۶﴾:

اَكْثَرَ کا لفظ اِس لیے اِستعمال کیا کیوں کہ بعض وہ چیزیں ہیں جو بنی اسرائیل کی شریعت میں تھیں اب منسوخ ہیں تو اُن کو ذکر کرنے کا کوئی معنی ہی نہیں اِس لیے اَكْثَرَ کا لفظ اِستعمال کیا۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ ﴿۸۰﴾:

مَیں نے پہلے کہا تھا کہ: خدا گواہ ہے کہ ہمارا مقصد بعض نظریات کی اِشاعت نہیں ہے بل کہ ہمارا مقصد صرف قرآن پاک سمجھانا ہے۔ اگر ہمارا مقصد اُن نظریات کی اِشاعت ہوتا تو ہم ایک ہی مسئلے کو لے کر سمجھاتے رہتے۔ بعض جگہوں میں مخصوص مسائل پر ہفتوں مہینوں تک بحث چلتی ہے اور باقی مسائل تابع ہوتے ہیں وہ مقصود نہیں ہوتے۔ مَیں تھوڑی سی تشریح کرتا ہوں غور سے سمجھنے کی کوشش کریں۔
پہلے مَیں نے اِشارہ کیا تھا کہ: سَمَاعِ مَوْتٰی کی دو(۲) شقیں ہیں:
① ایک شق یہ ہے کہ: انبیاءِ کرام علیہم السلام قبور کے پاس سے صَلٰوة وَالسَّلَام وغیرہ کا سَمَاع کرتے ہیں یا نہیں؟
② دوسری شق یہ ہے کہ: عام مُردے سنتے ہیں یا نہیں؟
① پہلی شق کہ: انبیاءِ کرام علیہم السلام قبور کے پاس سے صَلٰوة وَالسَّلَام وغیرہ کا سَمَاع کرتے ہیں یا نہیں؟ اہلِ حق دُور سے سَمَاع کے قائل نہیں ہیں، دُور سے اگر کوئی صَلٰوة وَالسَّلَام پڑھتا ہے تو فرشتے پہنچاتے ہیں اور قبر کے پاس اگر کوئی کلام کرے تو سنتے ہیں یا نہیں سنتے؟ تو اِس مسئلے میں اُمت کا کوئی اِختلاف نہیں ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ "فتاوی رشیدیہ" میں تصریح فرماتے ہیں کہ: انبیاء کرام علیہم السلام کے سَمَاع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ "اِمداد الفتاویٰ" میں لکھتے ہیں کہ: قبور کے پاس سے انبیاء کرام علیہم السلام کے سَمَاع پر اُمّت کا اِتفاق ہے، اِس میں کسی کا کوئی اِختلاف نہیں۔

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں "تعلیم القرآن" رسالہ چھپتا تھا، اُس میں تصریح کی ہے کہ: اِس مسئلے میں جو اِس وقت دو (۲) گروہ ہیں، اِس پہلی شق میں فریقین کا کوئی اِختلاف نہیں تھا، یہ شق تو بالکل اِتفاقی تھی۔ اب کوئی اختلاف کرتا ہے تو اُس کی ذمہ داری اُس پر ہے۔

۲ دوسری شق یہ ہے کہ: عام مُردے سنتے ہیں یا نہیں؟ اِس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تاحال اِختلاف چلا آرہا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سَمَاع کی قائل نہ تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عمر رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سَمَاع کے قائل تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ "فتح الباری" میں، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ "عمدۃ القاری" میں، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ "تفسیر ابن کثیر" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مسلک نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "وَخَالَفَهَا الْجُمْهُورُ" جمہور نے اُن کی مخالفت کی ہے۔

اب اِس سلسلے میں جو حضرات کہتے ہیں کہ: عام مُردے نہیں سنتے تو وہ قرآن کریم کی بعض آیات سے بھی اِستدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن کا اِستدلال صحیح نہیں ہے۔ اِستدلال صحیح نہ ہونے کی وجہ سمجھنے سے پہلے یہ سمجھیں کہ: تشبیہ کے اَرکان چار (۴) ہیں۔

آپ "تلخیص المفتاح" اُٹھا کر دیکھیں، "مختصر المعانی" دیکھیں، "مطول" دیکھیں، "اِسرار البلاغۃ" دیکھیں، "دلائل الاعجاز" دیکھیں اِن سب کتابوں میں موجود ہے کہ: تشبیہ کے اَرکان چار (۴) ہیں۔ شیخ عبد القاہر جرجانی رحمۃ اللہ علیہ پیر ہیں جو فن کے موجد ہیں اور اُنہی سے لوگوں نے آگے یہ فن لیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ: تشبیہ کے چار (۴) اَرکان ہیں: ۱ مُشَبَّه۔ ۲ مُشَبَّه بِهٖ۔ ۳ حَرْفِ تَشْبِيْه۔ ۴ وَجْه تَشْبِيْه۔

یاد رکھیے کہ: وَجْه تَشْبِيْه، مُشَبَّه اور مُشَبَّه بِهٖ میں ایک ہوگی دو (۲) نہیں ہوں گی۔ ہم جو کہتے ہیں: زَيْدٌ كَالْأَسَدِ۔ تو یہاں زید مُشَبَّه ہے، اَسَد، مُشَبَّه بِهٖ ہے اور شجاعت وَجْه تَشْبِيْه ہے۔ تو یہ وَجْه تَشْبِيْه مُشَبَّه اور مُشَبَّه بِهٖ میں ایک ہوگی، دو (۲) نہیں ہوں گی یہ مسلّم قاعدہ ہے، اِس میں کوئی اِختلاف نہیں کر سکتا جو علم کو مانتا ہے۔

اب یہاں دیکھیے کہ: رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں زندہ کافروں کو دو (۲) چیزوں کے ساتھ تشبیہ دی: ۱ مَوْتٰی۔ ۲ صُمٌّ، عُمْیٌ۔ اللہ تعالیٰ نے زندہ کافروں کو مَوْتٰی، صُمٌّ، عُمْیٌ سے تشبیہ دی ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ: زندہ کافر مُشَبَّه ہے اور مَوْتٰی، صُمٌّ، عُمْیٌ مُشَبَّه بِهٖ ہیں۔

اب یہ سمجھیں کہ: وَجْه تَشْبِيْه کیا ہے؟ اِس مسئلے کے نزاع کا سارا مدار اِس پر ہے کہ: وَجْه تَشْبِيْه کیا ہے؟

جو لوگ عَدَمِ سَمَاع کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ: وَجْه تَشْبِيْه، عَدَمُ السَّمَاع ہے۔

لیکن اُن کا یہ کہنا بالکل غلط فاحش ہے کیوں کہ اگر مَوْتٰی میں وَجْه تَشْبِيْه، عَدَمُ السَّمَاع ہے تو وہی وَجْه تَشْبِيْه آپ کو زندہ کافروں میں بھی ماننی پڑے گی، تسلیم کرنا پڑے گا کہ: زندہ کافر بھی نہیں سنتے۔ اگر یہ کہہ دیں کہ: ہاں! واقعی زندہ کافر بھی نہیں سنتے تو پھر بات اور ہے۔ لیکن کوئی عقل مند اِس کا دعویٰ نہیں کرے گا کہ: زندہ کافر نہیں سنتے۔ اگر زندہ کافر سنتے نہیں تو پھر مکلّف کس بات کے؟

ایک بات یہ بھی یاد رکھیں کہ: لَا تُسْمِعُ یہ عَدَمِ سَمَاع حکم خبری ہے، حکم خبری کیسے وَجْه تَشْبِيْه بن سکتا ہے؟ تو وَجْه تَشْبِيْه قطعاً یہ نہیں ہے۔ پھر وَجْه تَشْبِيْه کیا ہے؟ "جلالین" میں موجود ہے، "بیضاوی" میں موجود ہے، "السراج المنیر" میں موجود ہے، "ابو السعود" میں موجود ہے، "خازن" میں موجود ہے کہ: وَجْه تَشْبِيْه "شَبَّهَهُمْ بِهِمْ فِيْ عَدَمِ الْاِنْتِفَاعِ بِمَا يُتْلٰى عَلَيْهِ" ہے یعنی وَجْه تَشْبِيْه، عَدَمِ اِنْتِفَاع ہے۔

اب دیکھیے! دُور جانے کی ضرورت نہیں دوسری لائن میں ہے: "اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝" ماقبل میں لَا تھا یہاں اِنْ ہے، وہاں بھی تُسْمِعُ تھا یہاں بھی تُسْمِعُ ہے۔ معنیٰ ہے: "اِنْ تُسْمِعُ تو نہیں سناتا، اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ مگر صرف اُنہیں کو جو مؤمنین ہوں"۔

تو اِس سے تو معلوم ہوا کہ: صرف مؤمنین سنتے ہیں کافر نہیں سنتے حال آں کہ معاملہ تو ایسا نہیں ہے۔ تو لامحالہ آپ کو یہ کہنا پڑے گا کہ: کافر نہیں سنتے سَمَاعِ اِفْهَام، سَمَاعِ تَدَبُّر۔ بس! جو معنیٰ یہاں یعنی اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ میں کیا ہے وہی معنیٰ وہاں یعنی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی میں ہوگا۔

بس! تمام تفسیروں میں یہ معنیٰ لکھا ہے: سَمَاعِ اِفْهَام، سَمَاعِ تَدَبُّر، سَمَاعِ اِنْتِفَاع۔ تو جیسے زندہ کافروں سے سَمَاعِ اِنْتِفَاع کی نفی ہے ویسے اُن مُردوں سے بھی سَمَاعِ اِنْتِفَاع کی نفی ہوگی۔

اِسی لیے صاحبِ حقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِن آیات میں عَدمِ سَماع کا اِشارہ تک موجود نہیں ہے۔
مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ "معارف القرآن" میں لکھتے ہیں کہ: اِن آیات میں عَدمِ سَماع پر کوئی دال نہیں۔
اِنہیں آیتوں کو پیش کر کے علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وَالْحَقُّ اَنَّ الْمَوْتٰی تَسْمَعُ"۔
سیّد مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سَماع پر اَحادیثِ متواترہ موجود ہیں۔
مولانا شبیر اَحمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سَمَاعِ مَوْتٰی یہ ثابت ہے بِالْاَحَادِیْثِ الْکَثِیْرَۃِ الصَّحِیْحَۃِ۔
حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ "فیض الباری" میں فرماتے ہیں کہ: وَذَخِیْرَۃُ الْاَحَادِیْثِ تَدُلُّ عَلٰی سَمَاعِ مَوْتٰی۔
بعض حضرات یوں مغالطہ دیتے ہیں کہ: جی! اَحادیث ظنی ہے اور قرآن قطعی ہے۔ اتنی بات تو ٹھیک ہے لیکن تعارض ہو تو تب؟ تناقض ہو تو تب؟
تعارض اور تناقض ہو تو قطعی کو ظنی پر ترجیح دیں گے اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ: تعارض کے لیے آٹھ (۸) شرطیں ضروری ہیں۔

در تناقض ہشت وحدت شرط داں   وحدت موضوع ومحمول ومکاں
وحدت شرط واضافت جزو کل   قوت وفعل است در آخر زماں

یہاں نہ موضوع ایک ہے، نہ محمول ایک ہے کیوں کہ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی میں موضوع ہے: سنانے والا اور محمول ہے: اَلْمَوْتٰی اور اَحادیث میں اَلْمَیِّتُ یَسْمَعُ ہے، وہاں موضوع ہے: میت۔ تو سنانے والا اور میت ایک تو نہیں ہے، جب وحدتِ موضوع نہیں تو تعارض کہاں سے آیا؟ پھر محمول بھی ایک نہیں اِس طور پر کہ: یہاں قرآن میں ہے: "تُسْمِعُ" بابِ اِفْعَال سے ہے اور وہاں اَحادیث میں ہے: "یَسْمَعُ" بابِ سَمِعَ، یَسْمَعُ سے ہے۔ تو دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ جب موضوع اور محمول ایک نہیں ہے تو تعارض کہاں سے آ گیا؟!! تو قرآن اپنی جگہ پر حق ہے اور "بخاری ومسلم" کی اَحادیث اپنی جگہ پر دُرست اور صحیح ہیں۔
پھر یہ لوگ کہتے ہیں کہ: فقہ میں آتا ہے "اَلْمَوْتٰی لَا تُسْمِعُ" بے شک آتا ہے۔ حافظ ابن ہمام رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" اور شاہ اسحاق صاحب رحمہ اللہ نے "مائۃ مسائل" میں اِس میں زیادہ بسط سے بحث کی ہے کہ: مُردے نہیں سنتے اور نظیر یہ پیش کرتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص قسم اُٹھائے کہ مَیں اِس سے کلام نہیں کروں گا تو مَرنے کے بعد اگر اُس سے کلام کیا تو حانث نہ ہوگا۔
ہم نے سَمَاعِ مَوْتٰی کے آخر میں مستقل عنوان دیا ہے اور ٹھوس حوالے پیش کیے ہیں کہ: قسم کا معاملہ عرف پر ہے۔ اگر کوئی شخص قسم اُٹھائے کہ: لَا اٰکُلُ رَأْسًا۔ مَیں سر نہیں کھاؤں گا، اب اگر اُس نے چڑیا کا سر کھایا تو حانث نہ ہوگا۔ اِسی طرح اگر کوئی کہے کہ: لَا اَرْکَبُ الدَّآبَّۃَ میں دَابَّۃ پر سوار نہیں ہوگا۔ پھر کافر پر جو کہ: شَرُّ الدَّوَابِ ہے سوار ہوا تو حانث نہ ہوگا کیوں کہ اَیْمَان یعنی قسموں کا معاملہ عرف پر ہے۔ اب اگر کوئی شخص قسم اُٹھائے کہ: مَیں اِس سے کلام نہیں کروں گا تو عرف میں یہ مقصد ہوتا ہے کہ: میرا زندہ سے کلام کرنا مُراد ہے، مُردہ سے نہیں۔
پھر عجیب بات ہے!! حافظ ابن ہمام رحمہ اللہ اَلْمَوْتٰی لَا تَسْمَعُ یہ جزئیہ پیش کرتے ہیں اور خاصی تفصیل کرتے ہیں اور اِسی "فتح القدیر" میں فرماتے ہیں کہ: مُردے دو (۲) چیزیں سنتے ہیں: ① قَرْعُ النِّعَالِ بھی سنتے ہیں۔ ② اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ بھی سنتے ہیں۔
شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ نے کئی صفحات اِس پر لکھے ہیں، پھر اِسی "مائۃ مسائل" میں ہے کہ: مُردے کو قبر کے پاس سے سلام کریں تو وہ سنتا ہے یا نہیں؟
تو شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں! سلام سنتا ہے۔
پھر بہت سے حضرات کو یہ شبہ ہے کہ: بہت سے حضرات سَمَاعِ مَوْتٰی کے منکر ہیں۔ بے شک! لیکن مَیں یہ دیانتاً کہتا ہوں کہ: کلیتاً اِنکار کوئی نہیں کرتا۔ اِسی میں حافظ ابن ہمام رحمہ اللہ، شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ، شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ، حضرت مولانا رشید اَحمد گنگوہی رحمہ اللہ، ہمارے حضرت مرشد مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ یہ سَمَاعِ مَوْتٰی کے منکر تھے، لیکن کلیتاً اِنکار نہیں کرتے تھے۔
حضرت مولانا رشید اَحمد گنگوہی رحمہ اللہ "کوکب الدری" میں فرماتے ہیں کہ: "اَلْحَقُّ اَنَّ الْمَوْتٰی لَا تَسْمَعُ"۔ لیکن "فتاویٰ رشیدیہ" میں فرماتے ہیں کہ: تلقینِ میت صحیح ہے کیوں کہ اَکثر اَحادیث اِس پر دلالت کرتی ہیں۔
شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: قبر کے پاس مُردوں کو سلام کرنا اَحادیث سے ثابت ہے۔
حضرت حسین علی صاحب رحمہ اللہ "بلغۃ الحیران" میں فرماتے ہیں کہ: رُوح سنتی ہے۔ تو جیسے مَیں نے عرض کیا کہ: یہ حضرات بھی مطلقاً اِنکار نہیں کرتے۔

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾:

تُو تو سُناتا ہے اُس کو جو یقین رکھتا ہو ہماری باتوں پر یعنی جو ایمان لائے۔ اِس کا مفہوم نکلے گا کہ: کافر نہیں سنتے۔ تو پھر کافروں کے نہ سننے کا کیا مطلب ہے؟ یعنی قبول نہیں کرتے۔ اِنْتِفَاع حاصل نہیں کرتے۔ پس اِسْمَاع سے مُراد سَمَاعِ اِفْهَام، سَمَاعِ تَدَبُّر ہے۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۲﴾:

"تفسیر خازن، معالم التنزیل" وغیرہ میں خاصی تفصیل ہے، خلاصہ یہ ہے کہ: قیامت سے پہلے مکہ کا صفا پہاڑ پھٹے گا، اُس میں سے بیل کی طرح ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے اور سچے ایمان والوں کو اور چھپے منکروں پر نشان لگا کر جدا کرے گا۔
"مسلم شریف" میں روایت ہے کہ: جس دن دَآبَّةُ الْاَرْض نکلے گا اُس دن مغرب سے سورج طلوع ہوگا۔ شاید دَآبَّةُ الْاَرْض کے ذریعہ سے یہ دکھلانا ہو کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانتے تھے، آج وہ ایک جانور کی وجہ سے ماننی پڑ رہی ہے یعنی تم حیوان صفت ہو۔ اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْسِ۔ اُس وقت اِنسان کی شکل تو اِنسانی ہوگی لیکن صفات حیوان کی ہوں گی۔

وَیَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۳﴾:

ربط: واضح ہے! اُوپر بھی قیامت کا بیان تھا اور آگے بھی قیامت ہی کا بیان ہے۔

مِّمَّنْ یُّكَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ۝:

یُوْزَعُوْن کا معنی ہے: "گروہ در گروہ"۔ مطلب یہ ہے کہ: ہر گناہ والوں کے جتھے اور جماعتیں الگ الگ ہوں گی۔ مثلاً: زانیوں کی الگ جماعت ہوگی، چوروں کی الگ جماعت ہوگی وغیرہ۔

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ ۝ ﴿۸۵﴾:

نافع بن ازرق نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ: قرآن شریف میں تعارض ہے۔ ایک جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ: فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ ۝ ❶ وہ کچھ نہیں بول سکتے؟ جب کہ دوسرے مقام پر ہے کہ: وہ کہیں گے کہ: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ۝ ❷ معلوم ہوا کہ بولیں گے؟!! حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا جواب گذر چکا ہے کہ: اَوقات مختلف ہیں۔

فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۷﴾:

سوال اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کا مصداق کیا ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: حوریں اور فرشتے اِس کا مصداق ہیں۔
② علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اِس کا مصداق جبرئیل علیہ السلام، عزرائیل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام ہیں۔
③ قِیْلَ کے ساتھ منقول ہے کہ: اِس کے مصداق شہداء ہیں۔

وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۸﴾:

یہ کافروں کے اِعتراضات کے جوابات ہیں۔ کفار کہتے تھے کہ: توڑ پھوڑ کا دن جب آئے گا تو یہ پہاڑ کہاں ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں اُن کے اِعتراض کا جواب دیا ہے۔
اِس آیت کی دو (۲) تفسیریں ہیں:
① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: آج تو دیکھتا ہے اِن پہاڑوں کو تو خیال کرتا ہے جمے ہوئے، ٹکے ہوئے لیکن ایک وقت آئے گا یہ ایسے چلیں گے جیسے بادل چلتے ہیں۔

---

❶ (سُوْرَةُ النَّمْل، ۸۵) ❷ (سُوْرَةُ الْاَنْعَام، ۲۳)

②دوسری تفسیر یہ ہے کہ: جس وقت پہاڑ نقل وحرکت کریں گے۔اے مخاطب! اگر تُو اُس وقت ہوتو پہاڑوں کو دیکھے گا تو خیال کرے گا کہ اپنی جگہ ٹکے ہوئے ہیں لیکن وہ چل رہے ہوں گے کیوں کہ بڑی چیز جو ہوتی ہے اُس کی حرکت نمایاں نہیں ہوتی۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ أَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ۔۔۔الآیۃ:

صُنْعَ اللّٰه مفعولِ مطلق ہے۔أَیْ صَنَعَ اللّٰهُ صُنْعًا۔

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا۔۔۔الآیۃ ﴿۹۱﴾:

بَلْدَة سے مُراد مکہ مکرمہ ہے اور اَلَّذِیْ، رَب کی صفت ہے بَلْدَة کی نہ سمجھنا۔

آیَاتُھَا (۸۸) (۲۸) سُوْرَۃُ الْقَصَصِ مَکِّیَّۃٌ (۴۹) رُکُوْعَاتُھَا (۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

ربط: "تفسیر کبیر، ابو سعود، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں تھا کہ: وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ o ❶ یعنی گمراہوں کا ذکر تھا اور آپ ﷺ کے مُنْذِرِیْن میں سے ہونے کا ذکر تھا، اب اِس سورۃ میں یہ بتاتے ہیں کہ: مَنْ ضَلَّ کے مصداق فرعون، ہامان وغیرہ ہیں اور مُنْذِرِیْن کے مصداق حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْقَصَص ہے۔ لفظِ قَصَص مصدر ہے۔ معنی ہے: "سرگذشت اور حال"۔ آگے حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ذکر آئے گا: وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ۔۔۔ الآیۃ ❷ اِس وجہ سے اِس سورۃ کا نام قَصَص ہے کیوں کہ اِس میں سرگذشت ہے۔

طٰسٓمٓ o ﴿۱﴾:

طاء سے مُراد طَیِّبٌ، سین سے مُراد سَمِیْعٌ اور میم سے مُراد مَالِکٌ ہے۔

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ o ﴿۳﴾:

مِنْ نَّبَاِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے اور بِالْحَقِّ، نَتْلُوْا کے ساتھ متعلق ہے۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴﴾:

عَلَا کو حرفِ جر نہ سمجھنا، یہ فعل ہے۔ عَلَا، يَعْلُو باب نَصَرَ، يَنْصُرُ سے دَعَا، يَدْعُوْ کے وزن پر ماضی کا صیغہ ہے۔ معنی ہے: "سرکشی کرنا"۔

وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا۔۔۔ الآیۃ:

انگریزوں کے دَور میں یہ بات مشہور تھی کہ: آپس میں لڑاؤ اور حکومت کرو۔ اِس پر ہر حکومت عمل کرتی ہے کہ: ان کو آپس مین لڑاؤ تا کہ یہ آپس میں اُلجھے رہیں اور اِن کا اِتحاد و اِتفاق ہمارے خلاف کوئی کاروائی نہ کر سکے۔ اِس سیاست کا موجد اور اُستاد فرعون تھا کہ اُس نے وہاں کے باشندوں کو گروہ بنادیا تا کہ یہ آپس میں لڑتے رہیں اور رُخ فرعون کی طرف نہ ہو۔

وَنُرِيْدُ أَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْأَرْضِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵﴾:

مَنَّ، يَمُنُّ باب نَصَرَ، يَنْصُرُ سے ہے۔ معنی ہے: "اِحسان کرنا"۔

وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ o وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶﴾:

لفظِ نَجْعَلَهُمْ، نُمَكِّنَ، نُرِيَ یہ سب معطوفات ماقبل میں جو حرف "أَنْ" ہے اُس کے تحت داخل ہیں اور اِسی وجہ سے منصوب ہیں۔

وَأَوْحَيْنَا إِلٰى أُمِّ مُوْسٰى أَنْ أَرْضِعِيْهِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷﴾:

سوال وحی سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① بعض کہتے ہیں: وَحْيُ إِلْهَامٍ۔ اِلہام قطعی نہیں ہوتا بل کہ ظنی ہوتا ہے۔ ② بعض کہتے ہیں: وَحْيُ مَنَامٍ۔ خواب کوئی حجت نہیں ہوتے۔

③ بعض کہتے ہیں کہ: حقیقۃً وحی تھی لیکن اِس سے نبوت ثابت نہیں ہوتی۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ: حضرت جبرائیل علیہ السلام مریم علیہا السلام کے پاس آئے تو فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔۔۔ الآیۃ ❸ اور مریم علیہا السلام کو وہ چیزیں بتائیں جو اُن کی ذات تک محدود تھیں، نہ تو اُن کو نبوت ملی، نہ رسالت ملی۔

---

❶ (سُوْرَۃُ النَّمْل، ۹۲) ❷ (سُوْرَۃُ الْقَصَص، ۲۵) ❸ (سُوْرَۃُ مَرْیَم، ۱۷)

فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ ۔۔۔الآیۃ:

یہ آیت مجمل ہے اور پہلے اِس کی تفسیر آپ پڑھ چکے ہیں کہ: أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ ۔۔۔الآیۃ ❶ اِس کو صندوق میں ڈال دے اور صندوق کو سمندر میں ڈال دے۔ سمندر سے مُراد "بحرِ شور" ہے۔

وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۔۔۔الآیۃ:

أَيْ وَلَا تَخَافِي غَرَقَهٗ۔ اِس کے ڈوبنے کا خوف نہ کرنا۔ وَلَا تَحْزَنِي فِرَاقَهٗ۔ اِس کی جدائی کا بھی غم مت کرنا۔

فَالْتَقَطَهٗ آلُ فِرْعَوْنَ ۔۔۔الآیۃ ❽:

اِلْتِقَاط کے معنی ہیں: "چننا، اٹھانا"۔ اگر وہ چیز غیر ذوالعقول ہو تو اُس کو لُقْطَہ کہتے ہیں اور اگر بچہ وغیرہ ہو تو اُس کو لَقِيط کہتے ہیں۔

سوال یہ اُٹھانے والا کون تھا؟

جواب "تفسیر معالم التنزیل، خازن" وغیرہ میں آپ کو مختلف نام ملیں گے کہ: فرعون کا دھوبی تھا یا مالی تھا یا مچھیرا تھا۔

لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا ۔۔۔الآیۃ:

لِيَكُونَ میں لَام عاقبت کے لیے ہے یعنی اُٹھانے کا نتیجہ یہ ہوا۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ۝:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "تفسیر کبیر، روح المعانی، البحر المحیط، بیضاوی، قرطبی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اِس لیے خطاء کار تھے کیوں کہ اُنہوں نے بچے قتل کروائے، لوگوں کی بے حرمتی کی، عورتوں کی تلاشیاں لیں یہ کام اُن کا گناہ تھا۔

② قِيلَ کے ساتھ آپ کو یہ تفسیر بھی ملے گی کہ: وہ تکوینی طور پر خطار کار تھے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھر میں رکھنا یہ اُن کی خطاء تھی۔

مولانا رومی رحمہ اللہ کی "مثنوی شریف" میں ایک واقعہ ہے کہ: ایک اَمیر تھا، بڑا مال دار تھا، اُس وقت تو صندوق اور بیگ وغیرہ نہ تھے، روپے وغیرہ گھر میں تھے، گھر بہت مضبوط تھا، دروازے بہت مضبوط تھے، ڈاکوؤں نے مشورہ کرلیا کہ: یہ تو مضبوط دروازے ہیں کاٹنے، پھاڑنے کے تو نہیں لیکن ایسا کرلو کہ دن کو ایک آدمی گھس کر وہاں چھپ جائے یعنی گھر میں کسی چھپی ہوئی جگہ بیٹھے، رات کو ایک وقت مقرر کیا گیا کہ اُس وقت کو ہم آئیں گے تم دروازہ اُس وقت کھول دو اور ہم اَندر آ کر اپنا کام کرلیں گے۔ اُس نے رات کو دروازہ کھول دیا اور اُس کے ساتھیوں نے اَندر آ کر لوٹ لیا۔ مولانا روم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

در ببست دُزد اَندر خانہ بود

حیلۂ فرعون زین اَفسانہ بود

اُس نے دروازہ بند کردیا اور چور اندر ہی تھا، اِسی لیے فرعون کی تدبیر کہانی ہے کہ جس کا خطرہ ہے وہ گھر میں پڑا ہے۔ مولانا رُومی رحمہ اللہ صوفیانہ اَنداز میں فرماتے ہیں کہ: لوگ زبان سے توبہ توبہ کرتے ہیں لیکن اَندر سے چور کو باہر نہیں کرتے یعنی نیتِ معصیت اور عزمِ معصیت کو باہر نہیں نکالتے۔

وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوهُ ۔۔۔الآیۃ ❾:

فرعون کی بیوی کا نام آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن ریان بن ولید تھا۔ اُنہوں نے فرعون یعنی ولید بن ریّان کو کہا کہ: اِس بچے کو قتل نہ کرو یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝:

فرعون کو یہ معلوم نہ تھا کہ: بڑا ہو کر یہ بچہ کیا کرے گا؟ عمل کا دارومدار نیت پر ہے، بیوی کی نیت اَچھی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اِیمان کی دَولت نصیب کی۔

---

❶ (سُوْرَۃُ طٰهٰ، ۳۹)

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا ۔۔۔الآیۃ ۝:

امام ابوعبید لغوی رحمہ اللہ ، ان کا نام بعض "عبید" اور بعض "عبیدۃ" لکھتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "بخاری شریف" میں جہاں جہاں مفسر کا نام لکھا ہے وہ تو ٹھیک ہے لیکن جہاں مفسر کا نام ذکر نہیں کیا وہ تمام تفاسیر امام ابوعبید لغوی رحمہ اللہ سے منقول ہیں۔ یہ بڑی چوٹی کے امام ہیں۔

سوال فٰرِغًا سے کیا مُراد ہے؟

جواب اس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① امام ابوعبید لغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل فٰرِغًا مِّنَ الْحُزْنِ غم سے فارغ ہوا۔

② جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ: دل میں غم طبعی طور پر تھا۔ أَيْ فٰرِغًا مِّنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ ذِكْرِ مُوْسٰى۔ "بخاری شریف" کتاب التفسیر تک میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کا خیال رہا اور سب چیزوں سے دل فارغ ہوگیا۔ آیت میں آگے کے الفاظ اِنْ كَادَتْ ۔۔۔الآیۃ ❶ قریب تھا کہ: وہ ظاہر کر دیتی اُس کو اگر ہم اُس کے دل کو مضبوط نہ کرتے۔ ان الفاظ سے بھی جمہور کی تائید ہوتی ہے۔

اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا ۔۔۔الآیۃ:

اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ اَيْ اِنَّهٗ كَادَتْ۔ وہ تو ماں تھی اور ماں کی ماما کہاں چین سے رہنے دیتی؟!! رہ رہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیال آتا تھا، دل سے قرار جاتا رہا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یاد کے علاوہ کوئی چیز دل میں باقی نہیں رہی، قریب تھا کہ صبر وضبط کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور عام طور پر ظاہر کر دے کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈالا ہے کسی کو خبر ہو تو لاؤ۔ لیکن خدائی الہام اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ ۔۔۔الآیۃ ❷ کو یاد کر کے تسلی باقی تھی۔

وَقَالَتْ لِأُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ ۔۔۔الآیۃ ۝:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا: لِأُخْتِهٖ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کو جس کا نام کلثوم یا مریم تھا۔ قَصَّ، يَقُصُّ، معنی ہے: "تلاش کرنا"۔ عَنْ جُنُبٍ اَيْ عَنْ بُعْدٍ وَّاجْتِنَابٍ۔

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن دُور سے صندوق کو دیکھ رہی تھی لیکن اس طرح کہ کبھی صندوق کو دیکھتی، کبھی دوسری طرف دیکھتی اس طرح اُن کو خبر نہ ہوئی کہ: یہ لڑکی کیا کر رہی ہے؟

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ ۔۔۔الآیۃ ۝:

مِنْ قَبْلُ اَيْ مِنْ قَبْلِ مَجِيْئِهٖ اِلٰى اُمِّهٖ۔

سوال لفظ مَرَاضِع کیا ہے؟

جواب "تفسیر کشاف، بیضاوی" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: اس میں دو (۲) احتمال ہیں:

① مَرَاضِع، مُرْضِعٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "دودھ پلانے والی"۔ چوں کہ دودھ پلانا عورت کی صفات مختصہ میں سے ہے۔ عربی کا یہ قاعدہ ہے کہ: جو صفات مختصہ بِالنِّسَاءِ ہوں تو اُن میں تمیز کے لیے تاء کا لانا ضروری نہیں ہے۔ جیسے: حَائِضٌ، حَامِلٌ، حَائِلٌ، مُرْضِعٌ۔ اس لیے یہاں "تاء" کی ضرورت نہیں۔

② مَرَاضِع، مُرْضَعٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "دودھ پینے کی جگہ یعنی پستان"۔

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ ۔۔۔الآیۃ:

سوال قَالَتْ کا فاعل کون ہے؟

جواب قَالَتْ کا فاعل اُخت یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہے۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْقَصَص-۱۰) ❷ (سُوْرَةُ الْقَصَص-۷)

وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳﴾:

وہ وعدہ یہ تھا کہ: إِنَّا رَآدُّوْهُ إِلَيْكِ ۔۔۔الآیۃ ❶

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۴﴾:

جب اپنی جوانی کو پہنچے اور بالکل سیدھے ہو گئے۔ اطباء کہتے ہیں کہ: تیس (۳۰) سال سے چالیس (۴۰) کے درمیان اِنسان کے تمام قوائ عروج پر ہوتے ہیں، جتنی قوتیں اِنسان کو رب نے دی ہوتیں ہیں وہ اپنے عروج پر ہوتی ہیں، پھر چالیس (۴۰) سال بعد اُن میں اِنحطاط شروع ہو جاتا ہے، آہستہ آہستہ غیر مرئی طور پر وہ کم ہوتی رہتیں ہیں۔

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۔۔۔الآیۃ:

سوال: حکم سے کیا مُراد ہے؟

جواب: علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حکم سے نبوّت مُراد ہے۔

لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں کیوں کہ نبوّت تو دس (۱۰) سال بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس آ رہے تھے اُس وقت راستہ ہی میں ملی تھی۔ پس! یہاں حکم سے مُراد نبوّت نہیں ہے بل کہ قبل از نبوّت پیغمبر کی شان کے لائق جو علم اور قوتِ فیصلہ وغیرہ ہوتا ہے وہ مُراد ہے۔

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۵﴾:

حضرت موسیٰ علیہ السلام تیس (۳۰) سال تک فرعون کے پاس شہر مصر میں رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آبائی مقام شہر سے دُور تھا، فرعون کی الگ جگہ مُنف تھی، یہ کالونی مصر سے تقریباً چھ (۶) میل دُور تھی جہاں فرعون اور اُس کے وزراء وغیرہ رہتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دوسری طرف رہتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر سے نکل کر فرعون کے گھر جانے لگے، وہ دوپہر کا وقت تھا، عموماً دوپہر کے وقت لوگ قیلولہ کرتے ہیں۔

فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۔۔۔الآیۃ:

"تفسیر معالم التنزیل، خازن، کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: فرعون کا باورچی خانہ تھا، اُس کا ایک اِنچارج تھا، نام اُس کا فاتون یا فلتیون یا قاب تھا۔ یہ ایسا کرتا تھا کہ بازار سے آٹا وغیرہ سودا خرید تا اور اسرائیلی سے بیگار لے کر وہ بوری اُٹھواتا تھا اور فرعون کے مطبخ میں لے جاتا اور وہ پیسے اپنی جیب ہی میں رکھ لیتا تھا اِسرائیلی کو مزدوری نہیں دیتا تھا۔ ایک دن اُس اِنچارج نے لکڑی کا گٹھڑ اور بوری خریدی تھی، اُس وقت اُس کے پاس جو اِسرائیلی تھا وہ کمزور تھا۔ اُس نے کہا کہ: کسی دوسرے کو کہو کہ وہ اُٹھالے۔ اُس اِنچارج نے نہ مانا بل کہ کہا کہ: تم ہی لے جاؤ۔ تو اِس پر اِسرائیلی نے کہا کہ: روزانہ پیسے خود لیتے ہو اور کام ہم سے کراتے ہو؟ تو وہ جان گیا کہ: یہ میرے راز کو جانتا ہے، فیصلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے لایا گیا، اِسرائیلی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات کرنے لگا کہ: مَیں کمزور ہوں اور یہ ظلم کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس اِنچارج سے فرمایا کہ: جب ایسا کرتے ہو تو مزدوری دو۔ اُس نے کہا کہ: اِس سے تو تم خود کھاتے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: مجھے کیا پتہ ہے کہ تم ایسا ظلم کرتے ہو؟ اور اُس کو ایک مُکّا مارا فَقَضٰى عَلَيْهِ تو وہ مَر گیا۔

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۔۔۔الآیۃ:

شِيْعَتِهٖ سے مُراد اسرائیلی ہے اور عَدُوِّهٖ سے مُراد قبطی ہے۔

فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۔۔۔الآیۃ:

"قاموس" میں لکھا ہے کہ: فَقَضٰى عَلَيْهِ أَيْ مَاتَ۔ پس! مُکّا نہ آلۂ قتل ہے اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اِرادہ قتل کا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کی تادیب و گوشمالی کے لیے ایک گھونسہ رسید کیا تھا۔

فَلَنْ أَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾:

فریادی یعنی اِسرائیلی مجرم تو نہیں تھا لیکن جرم کا سبب بنا تھا اِس لیے اُس کو مجرم کہا۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْقَصَص، ۷)

فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸﴾:

پس! صبح کی دیکھتے تھے کہ وہاں سے پولیس تو نہیں آئی کیوں کہ قتل کا معاملہ تھا۔

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ۝:

لَغَوِيٌّ میں لَام الگ ہے غَوِيٌّ الگ ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم تو بڑے گمراہ ہو کھلے طور پر۔ تم روزانہ لوگوں سے لڑتے ہو اور روزانہ آواز دیتے ہو، یہ کیا سلسلہ ہے؟

فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹﴾:

مسلّمہ بات ہے کہ: أَنْ کا لفظ ماضی پر زائد ہوتا ہے۔

قَالَ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَن تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال قَالَ کا فاعل کون ہے؟

جواب "تفسیر معالم التنزیل، خازن" وغیرہ میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: یہ وہ شخص ہے جس نے امداد کے لیے بلایا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس سے سخت کلامی کی تو اُس نے سمجھا کہ: زبان سے مجھ پر غصہ کیا ہے تو ہاتھ بھی مجھ پر چلائیں گے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکڑوانا نہیں چاہتا تھا لیکن اُس نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے بات اُگل دی۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: قَالَ کا فاعل وہ شخص ہے جو اسرائیلی کے ساتھ اُلجھا ہوا تھا اور یہ اِلزام کے طور پر کہا کہ: آپ نے کل ایک قتل کیا ہے حال آں کہ اُس کو حقیقت کا علم نہیں تھا۔ پس! دفاع کے لیے اُس نے کہا تھا کہ: کل جو قتل ہوا تھا معلوم ہوتا ہے کہ: وہ بھی تیری کارروائی تھی، آج تُو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰﴾:

اُس رَجُل کا نام حزقیل رحمہ اللہ تھا، یہ فرعون کے چچا زاد بھائی تھے اور اُس کی کابینہ میں تھے، نیک دل آدمی تھے، وہ دوڑتے ہوئے آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اِطلاع کر کے مشورہ دیا کہ: آپ (علیہ السلام) فوراً شہر سے نکل جائیں۔

قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ ۔۔۔ الآیۃ:

اِمام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَلْإِيتِمَارُ أَيِ التَّشَاوُرُ یعنی مشورہ۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:

سوال مِنْهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب مِنْهَا کی "هَا" ضمیر مَدِيْنَة یعنی شہر مصر کی طرف راجع ہے۔

قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝:

قوم کو ظالم اِس لیے کہا کیوں کہ اُنہوں نے بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) بچے قصداً و اِرادتاً قتل کیے، اپنا ظلم تو اُن کو نظر نہیں آتا اور مجھ سے خطاً ایک شخص مر گیا تو میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۲﴾:

مدین ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام تھا، اُس کے نام پر یہ شہر آباد ہوا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے پانچ (۵) بیٹے تھے:

① اسحٰق علیہ السلام۔ ② اسماعیل علیہ السلام۔ ③ مدین۔ ④ مدائن۔ ⑤ قیدار۔

مصر سے مدین آٹھ (۸) یا دس (۱۰) دن کی مسافت پر ہے اور مصر سے مغرب کی طرف ہے۔ وہاں الگ حکومت تھی، مصر کے قانون وہاں نہیں تھے۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدۡيَنَ وَجَدَ عَلَيۡهِ أُمَّةٗ مِّنَ ٱلنَّاسِ يَسۡقُونَ ۔۔۔ الآیۃ:

مدین شہر سے باہر مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے ایک کنواں تھا۔ یَسۡقُونَ کا مفعول محذوف ہے۔ اَیۡ مَوَاشِیَهُمۡ۔

وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ ٱمۡرَأَتَيۡنِ تَذُودَانِۖ ۔۔۔ الآیۃ:

تَذُوۡدٰنِ کا مفعول محذوف ہے۔ اَیۡ اَغۡنَامَکُمَا۔ وہ اپنی بھیڑ بکریوں کو روکے ہوئے کھڑی تھیں۔

قَالَ مَا خَطۡبُكُمَاۖ قَالَتَا لَا نَسۡقِي حَتَّىٰ يُصۡدِرَ ٱلرِّعَآءُۖ وَأَبُونَا شَيۡخٞ كَبِيرٞ٥:

مَا خَطۡبُکُمَا اَیۡ مَا شَانُکُمَا وَمَا حَالُکُمَا۔ اَصۡدَرَ، یُصۡدِرُ باب اِفۡعَال سے ہے۔ معنی ہے: "واپس چلے جائیں"۔ یُصۡدِرُ کا مفعول مَوَاشِیَهُمۡ محذوف ہے۔ اَیۡ حَتّٰی یُصۡدِرَ الرِّعَآءُ مَوَاشِیَهُمۡ۔ رِعَاء، رَاعِی کی جمع ہے۔ معنی ہے: "چرواہے"۔ شَیۡخٌ سے مُراد حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ وہ دو (۲) لڑکیاں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں۔ ایک کا نام صفورہ تھا، یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ متعین ہوئی اور دوسری کا نام صفیرہ تھا۔ وہ کہنے لگیں: ہمارا بھائی نہیں اور ہمارا باپ بوڑھا ہے۔ جب یہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جاتے ہیں پھر ہم اپنے جانوروں کو پانی پلاتیں ہیں۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ: حضرت شعیب علیہ السلام سے قوم کی بڑی عداوت اور دُشمنی تھی ورنہ اگر تھوڑی سی سمجھ بھی کسی کو ہو اور ایک جگہ سارے مَرد ہی مَرد ہوں صرف دو (۲) بیبیاں ہوں جو کوئیں سے پانی نہ نکال سکتی ہوں، تو اگر تھوڑی سی مُروت بھی ہو تو مَرد کہتے ہیں کہ: پہلے عورتوں کو پلانے دو، پھر ہم اپنے جانوروں کو پانی پلالیں گے۔ اُن لوگوں کے اِس طرزِ عمل سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی حضرت شعیب علیہ السلام سے بڑی عداوت تھی۔

فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰٓ إِلَى ٱلظِّلِّ ۔۔۔ الآیۃ:

فَسَقٰی لَهُمَا اَیۡ فَسَقٰی لِمَوَاشِیۡهِمَا۔

سوال وہ درخت کون سا تھا؟

جواب بیری کا یا کیکر کا درخت تھا۔

فَجَآءَتۡهُ إِحۡدَىٰهُمَا تَمۡشِي عَلَى ٱسۡتِحۡيَآءٖ ۔۔۔ الآیۃ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے ایک حیاء کے ساتھ آئی۔

"مسند دارمی" اور دیگر تفاسیر میں ہے کہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس کے ساتھ چلے تو اُس لڑکی کی ایک جراب پھٹی ہوئی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کو پیچھے کر دیا، اُس کے جُراب کے پھٹے ہوئے حصے کو دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا۔

فَلَمَّا جَآءَهُۥ وَقَصَّ عَلَيۡهِ ٱلۡقَصَصَ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال جَآءَهٗ کے اندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ کس طرف راجع ہے؟ اور جو "هٗ" ضمیر بارز ہے وہ کس طرف راجع ہے؟

جواب جَآءَهٗ کے اندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور جو "هٗ" ضمیر بارز ہے وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

قَالَ لَا تَخَفۡۖ نَجَوۡتَ مِنَ ٱلۡقَوۡمِ ٱلظَّٰلِمِينَ٥:

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: نجات پا گیا تُو ظالم قوم سے، یہ اور حکومت ہے اور وہ اور حکومت تھی یعنی مدین فرعون کی حدودِ سلطنت سے باہر تھا۔

إِنَّ خَيۡرَ مَنِ ٱسۡتَـٔۡجَرۡتَ ٱلۡقَوِيُّ ٱلۡأَمِينُ٥:

قوت اُس کی پانی پلانے کے وقت معلوم کی تھی اور اَمانت اُس کی راستے میں آنے کے وقت معلوم کی تھی۔

قَالَ إِنِّيٓ أُرِيدُ أَنۡ أُنكِحَكَ إِحۡدَى ٱبۡنَتَيَّ هَٰتَيۡنِ ۔۔۔ الآیۃ:

بڑی کا نام صفورہ ہے اُن کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا۔

عَلَىٰٓ أَنۡ تَأۡجُرَنِي ثَمَٰنِيَ حِجَجٍ۔۔۔ الآیۃ:

حِجَجٍ، حِجَّةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "سال"۔

یہاں ایک بحث یہ چلتی ہے کہ: آیا خدمت مہر بن سکتی ہے یا نہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: تعلیمِ قرآن، خدمت وغیرہ مہر بن سکتے ہیں۔ وہ اِس عَلَىٰٓ أَنۡ تَأۡجُرَنِي سے اِستدلال کرتے ہیں۔

امام صاحب رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ: خدمت، تعلیمِ قرآن، تعلیمِ دین وغیرہ مہر نہیں بن سکتے، مال مہر بنتا ہے۔

دلیل: قَدۡ عَلِمۡنَا مَا فَرَضۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيٓ أَزۡوَٰجِهِمۡ۔۔۔ الآیۃ ● معلوم ہوا کہ: مہر مال ہونا چاہیے۔ رہی بات اِس آیت کی تو یہاں پر عَلٰی شرط کے لیے ہے معاوضے اور مقابلے کے لیے نہیں ہے یعنی یہ نکاح کی شرط ہے اِس سے مہر مُراد نہیں ہے۔

اب یہاں ایک بات یاد رکھیں کہ!! امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک لَا مَهۡرَ أَقَلُّ مِنۡ عَشَرَةِ الدَّرَاهِمِ۔ دس (۱۰) درہم سے کم مہر نہیں ہو سکتے۔ ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے، اِس طرح دس (۱۰) درہم پینتیس (۳۵) ماشہ چاندی بنتے ہیں۔

"فتاوی قاضی خان" وغیرہ میں تصریح ہے کہ: نکاح اِن لفظوں سے منعقد نہیں ہوتا کہ: "کوئی شخص یوں کہے: فلاں لڑکی، فلاں کی بیٹی اِتنے مہر کے عوض میں تجھے قبول ہے؟ اُس نے کہا: مجھے قبول ہے"۔ تو لَا يَنۡعَقِدُ النِّكَاحُ یعنی نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ آج کل بعض جاہل نکاح خواں اِن ہی الفاظ سے نکاح پڑھاتے ہیں، اِس سے نکاح نہیں ہوتا کیوں کہ یہ اِستفہام ہے اور اِستفہام سے نکاح نہیں ہوتا۔ اَصل میں یوں کہنا چاہیے کہ: "فلاں کی لڑکی، فلاں کی بیٹی اِتنے مہر کے عوض میں مَیں نے اپنی وکالت سے تمہارے نکاح میں دے دی"۔ پھر مَرد یوں کہے: "قَبِلۡتُ۔ مَیں نے قبول کرلی"۔ تو نکاح ہو جائے گا۔

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى ٱلۡأَجَلَ وَسَارَ بِأَهۡلِهِۦٓ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۹﴾:

سعید ابن جبیر رحمہ اللہ تابعین میں سے ہیں۔ اُن کو حیرہ کے علاقہ میں ایک یہودی عالم ملا، اُس یہودی عالم نے کہا کہ: یہ تو بتاؤ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ (۸) سال پورے کیے یا دس (۱۰) سال پورے کیے؟ سعید ابن جبیر رحمہ اللہ نے کہا کہ: مجھے علم نہیں ہے، مَیں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤں گا اور اُن سے پوچھوں گا۔ چناں چہ اُنہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا؟ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اَکمل میعاد پوری کی، اِن دونوں مدّتوں میں سے جو بہتر مدّت ہے وہ دس (۱۰) ہے اور پیغمبر جو بات کہتا ہے اُس کو کامل درجہ میں پوری کرتا ہے۔ پس! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس (۱۰) سال گزارے، اُس کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی اِجازت سے اپنی بیوی، ایک بچہ اور ایک خادم کو ساتھ لے کر مصر کی طرف چلے۔

ءَاتِيكُم مِّنۡهَا بِخَبَرٍ أَوۡ جَذۡوَةٍ مِّنَ ٱلنَّارِ۔۔۔ الآیۃ:

جَذۡوَة کہا جاتا ہے لکڑی کا ایسا حصہ جس میں آگ ہو اور دھواں نہ ہو اور اِس کے لفظی معنی ہیں: "شعلہ"۔

فَلَمَّآ أَتَىٰهَا نُودِيَ مِن شَٰطِيِٕ ٱلۡوَادِ ٱلۡأَيۡمَنِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۰﴾:

اَلۡأَيۡمَنِ، شَاطِئِ کی صفت ہے اور اِس نے لفظِ وَادِ سے اِکتسابِ تعریف کیا ہے۔ دائیں سے مُراد یہ ہے کہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر جا رہے تھے تو اُس وادی کی مشرقی سمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب تھی۔ تو وادی کو جو اَيۡمَن کہا ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے يَمِين یعنی دائیں طرف کے اِعتبار سے کہا ہے۔

فِي ٱلۡبُقۡعَةِ ٱلۡمُبَٰرَكَةِ مِنَ ٱلشَّجَرَةِ۔۔۔ الآیۃ:

سوال اُس درخت کا کیا نام تھا؟

جواب تفسیروں میں آپ کو اُس درخت کے مختلف نام ملیں گے: ① عُنَّاب۔ ② غُوۡسَج۔ ③ عَلِيق۔

وَٱضۡمُمۡ إِلَيۡكَ جَنَاحَكَ مِنَ ٱلرَّهۡبِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۲﴾:

اور ملا اپنے بازو کو اپنے پہلو سے خوف کی وجہ سے۔ اِس سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ: یہ تیسری الگ نشانی ہے۔ لیکن جمہور مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ زائد نشانی نہیں ہے یعنی بازو کو پہلو سے ملالو سانپ وغیرہ کا ڈر جاتا رہے گا۔ معجزے دو (۲) تھے: ① عَصَا۔ ② يَدِ بَيۡضَاء۔

● (سُوۡرَةُ الۡأَحۡزَاب: ۵۰)

فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُّصَدِّقُنِيْٓ ۔۔۔الآیۃ:

رِدْءًا کے معنی ہیں: "مُعِيْنًا وَنَاصِرًا یعنی امدادی، مددگار"۔

فَلَا يَصِلُوْنَ إِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَآ أَنْتُمَا ۔۔۔الآیۃ:

سوال بِاٰيٰتِنَآ کس کے متعلق ہے؟

جواب مفسرین نے یہاں مختلف فعل نکالے ہیں لیکن قوی بات یہ ہے کہ: اِذْهَبَا فعل مقدر ہے کیوں کہ اِس مضمون کا لفظ سولہویں پارہ میں آپ پڑھ چکے ہیں: اِذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ ۔۔۔الآیۃ [1] تو جب اِذْهَبْ کے الفاظ خود قرآن میں موجود ہیں تو وہی محذوف نکالیں گے۔ اَیْ اِذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ۔

وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۔۔۔الآیۃ:

اَیِ الْعَاقِبَةُ الْمَحْمُوْدَةُ فِي الدَّارِ الْاٰخِرَةِ۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓأَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرِيْ ۔۔۔الآیۃ:

سوال کیا فرعون دہریہ تھا؟

جواب حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: فرعون دہریہ تھا رب کے وجود کا قائل نہ تھا۔ اِس آیت سے اِستدلال کرتے ہیں۔

اِمام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: وہ دہریہ نہ تھا بل کہ اِس قول کا مطلب یہ ہے کہ: مَیں مُلکِ مصر کا ڈکٹیٹر اعلیٰ ہوں یعنی بات صرف میری چلے گی۔ رب کے وجود کا منکر نہ تھا۔ وَالْحَقُّ مَعَ الرَّازِيْ۔

فَأَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ أَطَّلِعُ إِلٰٓى إِلٰهِ مُوْسٰى ۔۔۔الآیۃ:

مطلب یہ ہے کہ: پہلے پکی اِینٹیں بناؤ اور اُس سے ایک بلند محل تیار کرلو جو آسمان کے قریب پہنچ جائے تاکہ مَیں موسیٰ (علیہ السلام) کے رب کو جھانک آؤں کہ کہاں ہے؟ اور کیسا ہے؟ کیوں کہ زمین میں تو مجھے کوئی خدا اپنے سوا نظر نہیں آتا۔

سوال فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا کا کیا مطلب ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ: یہ اِستہزاءً کہا ہے کیوں کہ آسمان تک کوئی بھی محل نہیں پہنچا سکتا۔

② قِيْلَ سے منقول ہے کہ: فرعون نے حقیقۃً کہا کہ: محل بناؤ تا کہ مَیں جان لوں کہ موسیٰ (علیہ السلام) کا رب کہاں ہے؟ آسمان میں بھی میرا ایسی خیال ہے کہ کوئی نہیں ہوگا، تاہم موسیٰ (علیہ السلام) کی بات کا جواب ہوجائے گا۔ تو حقیقۃً بھی ممکن ہے کہ: اِس قدر بدحواس وپاگل ہوگیا تھا کہ اِس طرح کی لچر پوچ اور مضحکہ خیز تجویز کے بارے میں سوچنے لگا۔

وَجَعَلْنٰهُمْ أَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ إِلَى النَّارِ ۔۔۔الآیۃ:

فرعون کی سرداری وہاں بھی برقرار رہے گی یعنی وہاں ضلالت وطغیان میں دوزخیوں کے آگے اِمام بنا کر رکھا جائے گا۔ جیسے سُوْرَۃُ هُوْد میں ہے:

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ [2]

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝:

مَقْبُوْحِيْنَ یہ بابِ نَصَرَ، يَنْصُرُ اور بابِ كَرُمَ، يَكْرُمُ دونوں سے آتا ہے۔ معنی ہیں: "قباحت اور بُرائی بیان کی گئی"۔

---

[1] (سُوْرَۃُ طٰهٰ، ۴۲) [2] (سُوْرَۃُ هُوْد، ۹۸)

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى ۔۔۔ الآیۃ:

فرعون کے غرق ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی، وہ کتاب تورات تھی۔

سوال قُرُوْنِ اُوْلٰی سے کون مُراد ہیں؟

جواب قُرُوْنِ اُوْلٰی سے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم وغیرہ مُراد ہے۔

بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ ۔۔۔ الآیۃ:

بَصَآىِٕر، بَصِیْرَۃٌ کی جمع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: تورات ہم نے دی لوگوں کے دلوں میں رُوشنی پیدا کرنے کے لیے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ کی کیا ترکیب ہے؟

جواب آپ نحو کی کتابوں میں پڑھ چکے ہیں کہ: نحاۃ کے دو (۲) گروہ ہیں: ① کوفیین۔ ② بصریین۔

① کوفیین کے نزدیک موصوف کی اِضافت صفت کی طرف جائز ہے۔ پس! یہاں جَانِب موصوف اور غَرْبِی صفت ہے۔ وَالْحَقُّ مَعَ الْكُوْفِیِّیْنَ۔

② بصریین یہاں تأویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: یہاں مضاف محذوف ہے جو کہ جَبَل، مَكَان وغیرہ ہے۔ اَیْ بِجَانِبِ جَبَلِ الْغَرْبِیِّ، بِجَانِبِ مَكَانِ الْغَرْبِیِّ۔

وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ o:

یہ سب ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت ہیں کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں نہیں تھے اور پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہے اور یہ اطلاع صرف بہ ذریعۂ وحی ہوئی ہے۔

وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لفظِ رَحْمَةً کیا ہے؟

جواب لفظِ رَحْمَةً، اَرْسَلْنَاكَ فعل محذوف کے لیے مفعول ہے۔ اَیْ لٰكِنْ اَرْسَلْنَاكَ رَحْمَةً۔

مَاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ o:

مطلب یہ ہے کہ: قریب کے زمانے میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے اِن کو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ زمانہ پہلے عمرو بن لُحی بن قُمَع ایک شخص تھا، یہ بنوخزاعہ قبیلہ کا تھا، اُس نے شرک کی اِبتدا کی اور پھر ترویج کی۔ تو قریب کے زمانہ میں کوئی نَذِیْر یعنی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔

وَلَوْلَاۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

"جلالین" تک میں ملے گا کہ: وَلَوْلَاۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ شرط ہے اور اِس کی جزاء لَمَّاۤ اَرْسَلْنَاكَ اِلَیْهِمْ رَسُوْلًا محذوف ہے۔

قَالُوْا لَوْلَاۤ اُوْتِیَ مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰى ۔۔۔ الآیۃ:

یہ بھی کفار کا ایک شوشہ تھا کہ: اِن کو وہ نشانی کیوں نہ ملی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی، اِن کی لاٹھی سانپ کیوں نہیں بنتی؟ اِن کو یَدِ بَیْضَاء کیوں نہیں دیا گیا؟

قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۔۔۔ الآیۃ:

تَظٰهَرَا اَصل میں تَتَظَاهَرَا تھا۔ معنی ہے: "ایک دوسرے کی اِمداد اور تائید کرتے ہیں، ہم دونوں کو نہیں مانتے"۔

سوال سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا سے کیا مُراد ہے؟

جواب "تفسیر بیضاوی، کشاف، ابوسعود، مدارک" وغیرہ وغیرہ میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب ملی یعنی تورات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کتاب ملی یعنی قرآن مجید، اِن دونوں کتابوں کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ: یہ جادو ہیں۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وہ کہتے تھے کہ: یہ دونوں جادوگر ہیں، ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔
پہلی تفسیر راجح ہے یعنی سِحْرَانِ تَظَاهَرَا سے تورات اور قرآن مجید مُراد ہے اور بعد والی آیت قُلْ فَأْتُوا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللهِ هُوَ أَهْدٰى مِنْهُمَا ۔۔۔ الآیۃ ❶ اِس بات پر قرینہ ہے کہ: سِحْرَانِ تَظَاهَرَا سے یہ دونوں کتابیں مُراد ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴿۵۱﴾:

ربط: پہلے فرعون کا واقعہ بیان کیا، اب آگے مزید ظالم قوموں کا ذکر ہے، جنہوں نے خواہشات کی پیروی کی۔

سوال اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ: اِن لوگوں کو جو ہلاک کیا گیا تو کیا اِن کو رب کی تعلیم نہیں پہنچی تھی؟

جواب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَصَّلْنَا، وَصَّلَ، يُوَصِّلُ، تَوْصِيلًا، بابِ تَفْعِيل سے ہے۔ معنی ہے: "تاکید کے ساتھ پہنچانا"۔ اب لازمی معنی یہ ہیں کہ: وَصَّلْنَا أَيْ بَيَّنَّا لَهُمُ الْقَوْلَ۔ تحقیق سے ہم نے بیان کیا اُن کے لیے اِس طور پر کہ پہلے ایک پیغمبر آیا، پھر دوسرا پیغمبر آیا، پھر تیسرا آیا اِس طرح لگا تار ہم نے اُن تک اپنی بات پہنچائی۔

أُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۴﴾:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اُن اہلِ کتاب کا ایمان دو (۲) مرتبہ ہوا تو اُن کو اَجر بھی ڈبل ملے گا۔ ایک تو اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بالذات اور بالاستقلال اور تفصیلی ایمان لانے کی وجہ سے اَجر ملے گا اور دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اِجمالی ایمان لانے کا اَجر ملے گا۔ تو اِس طرح ڈبل اَجر ملے گا۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۶﴾:

جن لوگوں کے دل میں کچھ تھوڑا بہت اِنصاف تھا اُنہوں نے قرآن کو مانا، جنہوں نے نہیں مانا تو خدا کا پیغمبر بھی نہیں منوا سکتا۔

شانِ نزول: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا نام عبد مناف تھا اور ابوطالب اُن کی کنیت تھی۔ دُنیا کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت خیال رکھتے تھے۔ تاریخ میں آپ کو اِیسا چچا نہیں ملے گا، اڑتیس (۳۸) سال یا بیالیس (۴۲) سال اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے واسطے بہت سعی کی کہ: مرتے وقت کلمہ پڑھ لیں۔ جب بیمار ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں گئے، ابوجہل عمرو بن ھشام بھی بیٹھا ہوا تھا، عبداللہ بن اَبی اُمیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا برادرِ نسبتی بھی وہاں تھا، یہ اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی تھا، بعد میں مسلمان ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ: یہ لوگ اُٹھیں تو اِن کو دعوت دوں، وہ نہ اُٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی موجودگی میں اُس کو دعوت دی اور فرمایا کہ: یہ کلمہ پڑھیں تاکہ مَیں آپ کی سفارش کرسکوں۔ اُنہوں نے کہا کہ: اگر اِن لوگوں کا طعنہ نہ ہوتا تو مَیں ایمان لاتا لیکن یہ لوگ طعنہ دیں گے کہ: آگ سے ڈر گیا، اِس لیے قبول نہ کیا۔ "بخاری شریف" میں بھی ہے اور "مسلم شریف" میں بھی ہے کہ: اُس وقت یہ آیت اُتری کہ: إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ ۔۔۔ الآیۃ۔

وَقَالُوْٓا إِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا ۗ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۷﴾:

پھر کافروں نے یہ شوشہ بھی چھوڑا کہ: اگر ہم ایمان لائیں تو ہم اِس زمین سے مار بھگائے جائیں گے اور لوگ ہم کو یہاں نہیں چھوڑیں گے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۸﴾:

ربط: پہلے ترغیب تھی اب آگے ترہیب ہے۔

سوال مَعِيْشَتَهَا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب "تفسیر جمل، کمالین، کشاف، بیضاوی" میں آپ کو تین (۳) ترکیبیں ملیں گی:

① یہاں فِيْ کا لفظ محذوف ہے۔ أَيْ بَطِرَتْ فِيْ مَعِيْشَتِهَا۔ تو یہ منصوب بنزع الخافض ہے۔

② یہاں لفظِ أَيَّامَ مضاف محذوف ہے۔ أَيْ بَطِرَتْ أَيَّامَ مَعِيْشَتِهَا۔

③ مَعِيْشَتَهَا کا نصب تمیز کی وجہ سے ہے۔ معنی یہ ہے کہ: "وہ بستی اِترا چکی تھی، تکبر کرتی تھی اَز رُوئے معیشت کے"۔

---

❶ (سُورَۃُ القصص: ۴۹)

حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا ۔۔۔ الآية:

جو مرکزی بستی ہو یعنی صدر مقام۔ صدر مقام کی تخصیص شاید اس لیے کی کہ وہاں کا اثر دور تک پہنچتا ہے اور شہروں کے لوگ نسبتاً سلیم و عقیل ہوتے ہیں۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۔۔۔ الآية:

پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ: قرآن کریم کی رسم الخطی توقیفی ہے۔ اب یہاں یَتْلُوْا جو کہ واحد کا صیغہ ہے، اس میں وَاوْ کے بعد اَلِف آیا ہے تو یہ رسم الخط کے اعتبار سے ہے، ہم اس کو بدلنے کے مجاز نہیں ہیں۔

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ:

وَاَهْلُهَا یہ اَلْقُرٰى پر عطف ہے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔۔۔ الآية:

اس کی ترکیب یہ ہے کہ: مَآ موصولہ ہے اور مِنْ شَيْءٍ اُس کا بیان ہے اور یہ مبتدا ہے اور فَمَتَاعُ اُس کی خبر ہے۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ ۔۔۔ الآية:

ربط: ابھی آپ نے دُنیا کی زینت کا پڑھا، آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: یہ دُنیاوی زینت کیا ہے؟ اَصل زینت آخرت کی ہے، دُنیا کا یہ سارا سازوسامان جو ملا ہے وہ آخرت کی کامیابی کی طرح کیسے ہوسکتا ہے؟!!

رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ ۔۔۔ الآية:

"تفسیر جمل، کمالین" وغیرہ میں اس کی ترکیب یوں لکھی ہے کہ: هٰٓؤُلَآءِ موصوف ہے، اَلَّذِيْنَ موصول ہے، اَغْوَيْنَا صلہ، موصول صلہ مل کر صفت، موصوف مع صفت مبتدا، اَغْوَيْنٰهُمْ اُس کی خبر ہے اور كَمَا غَوَيْنَا اُس خبر کے لیے قید ہے۔ اگر كَمَا غَوَيْنَا نہ ہوتا تو اَغْوَيْنٰهُمْ خود ہی خبر ہوتا اور خود ہی مبتداء ہوتا اور فائدہ کچھ بھی نہ ہوتا۔ جیسے: زَيْدٌ زَيْدٌ، اِنْسَانٌ اِنْسَانٌ کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ ۔۔۔ الآية:

رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ: بلاؤ نا! اپنے شرکاء کو؟!! تو وہ پکاریں گے: یَا لَاتُ اَغِثْنِيْ، یَا مَنَاتُ اَغِثْنِيْ وغیرہ تو کوئی بھی اُن کی بات کو نہیں سنے گا۔

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ:

مشتبہ ہوجائیں گی اُس دن اُن پر خبریں یعنی کوئی معقول جواب نہ دے سکیں گے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۔۔۔ الآية:

بے وقوف لوگ غیروں کو حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، دست گیر اور خدا جانے کیا کیا سمجھتے ہیں؟!! رب تعالیٰ نے فرمایا: تیرا رب ہی پیدا کرتا ہے اور تیرا رب ہی اختیار رکھتا ہے۔

"مختارِ کل" کے معانی: اہلِ بدعت آنحضرت ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں کہ: آپ ﷺ "مختارِ کل" ہیں۔

"دل کا سرور" نامی کتاب میں ہم نے بسط سے بات لکھی ہے، خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ: لفظ "مُخْتَار" بابِ اِفْتِعَال سے ہے، اس میں تین (۳) احتمال ہیں:

① لفظ مُخْتَار اِسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ ② لفظ مُخْتَار اِسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ ③ لفظ مُخْتَار کے معنی ہیں: "چنا ہوا، منتخب کیا ہوا"۔

① اگر لفظ مُخْتَار اِسمِ فاعل کا صیغہ ہو تو اَصل میں مُخْتَيِرٌ تھا۔ معنی ہیں: "اختیار رکھنے والا"۔ اگر یہ عقیدہ ہو کہ: سارے جہاں کے اختیارات محمد ﷺ کو ہیں تو یہ کفر ہے۔

② اگر لفظ مُخْتَار اِسمِ مفعول کا صیغہ ہو تو اَصل میں مُخْتَيَرٌ تھا۔ معنی ہیں: "اختیار دیا ہوا"۔ اگر یہ عقیدہ ہو کہ: آپ ﷺ کو تمام چیزوں کا اختیار دیا گیا ہے تو یہ کفر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے خدائی اختیارات کسی کو نہیں دیئے ہیں۔

③ اگر لفظ مُخْتَار کے معنی ہوں: "چنا ہوا، منتخب کیا ہوا"۔ اگر یہ عقیدہ ہو کہ: آپ ﷺ کو تمام مخلوق میں منتخب اور چنا گیا ہے تو یہ صحیح ہے۔

پس! اگر کوئی شخص "مختارِ کل" کا لفظ بولے تو اُس سے پوچھو کہ: کون سا معنی مُراد ہے؟ اگر پہلے دو (۲) معانی ہوں تو باطل ہے اور اگر تیسرا معنی ہو تو صحیح ہے۔

سوال رَبُّكَ کا فاعل کیا ہے؟

جواب رَبُّكَ، يَخْلُقُ فعل کا فاعلِ مقدّم ہے، حصر کی وجہ سے مقدّم کیا گیا ہے۔ معنیٰ ہے: "اور تیرا رب ہی پیدا کرتا ہے"۔

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ۔۔۔الآية:

سوال لَهُمْ کی "هُمْ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لَهُمْ کی "هُمْ" ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے۔ معنی ہے: "مشرکوں کو کوئی اِختیار نہیں ہے"۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں کیوں کہ اِس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ: مشرکوں کو تو اختیار نہیں باقی دوسروں کو اِختیار ہے، ولیوں کو اِختیار ہے؟!! حال آں کہ اِیسی بات قطعاً نہیں ہے۔

② صحیح بات وہ ہے جو "تفسیر کبیر، روح المعانی، البحر المحیط" میں لکھی ہے کہ: لَهُمْ کی "هُمْ" ضمیر تمام مخلوق کی طرف راجع ہے یعنی مخلوق کو اِختیار نہیں ہے۔

لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ۔۔۔الآية ﴿۷۰﴾:

پہلے مَیں عرض کر چکا ہوں کہ: یہ صفاتِ غالبہ میں سے ہے اور صفاتِ غالبہ میں یہ ہوتا ہے کہ: اُس کا موصوف اَکثر محذوف ہوتا ہے۔ پس! اُولیٰ اور اٰخِرَۃ، دَار کی صفت ہے۔ اَيْ اَلدَّارُ الْأُولٰى، اَلدَّارُ الْاٰخِرَةِ۔ یعنی اِس جہاں میں بھی اُس رب کی تعریف ہے اور آخرت میں بھی اُس رب کی تعریف ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا۔۔۔الآية ﴿۷۱﴾:

اَرَءَيْتُمْ اَيْ اَخْبِرُوْنِيْ۔

أَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝:

اَلَّيْل یعنی رات کی مناسبت کی وجہ سے تَسْمَعُوْنَ لایا کیوں کہ رات کو آدمی دیکھ نہیں سکتا لیکن سُن سکتا ہے۔

أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝﴿۷۲﴾:

اَلنَّهَار یعنی دن کی مناسبت کی وجہ سے "تُبْصِرُوْن" لائے کیوں کہ دیکھا دن میں جاتا ہے۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴿۷۳﴾:

اِس آیت میں "لِتَسْكُنُوْا" کا تعلق "لَيْل" کے ساتھ ہے اور "لِتَبْتَغُوْا" کا تعلق "نَهَار" کے ساتھ ہے۔

إِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى۔۔۔الآية ﴿۷۶﴾:

ربط: اَبھی آپ نے كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔۔۔الآية ❶ پڑھا، اب اِس مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کا ایک واقعہ ذکر کر رہے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: قارون کا نام "متوّر" تھا اور قارون قَرَنَ، يَقْرَنُ سے ہے۔ معنی ہیں: "ملانا"۔ اِس کو قارون اِس لیے کہتے ہیں کہ: یہ پیسے ملاتا تھا یعنی جمع کرتا تھا۔

اِمام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون دونوں چچازاد بھائی تھے۔ شجرۂ نسب یوں ہے کہ: "موسیٰ بن عمران بن قاہس بن لاوابن یعقوب علیہ السلام اور قارون (مُتوّر) بن یصہر بن قاہس بن لاوابن یعقوب علیہ السلام"۔

إِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ۔۔۔الآية:

لِتَنُوْٓءَ اَيْ لِتُثْقِلُوْا۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْقَصَص: ٦١)

سوال مَفَاتِح کس کی جمع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① مَفَاتِح، مِفْتَحٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "چابی"۔ ② مَفَاتِح، مَفْتَحٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "خزانہ"۔

سوال عُصْبَة کسے کہتے ہیں؟

جواب "صراح، قاموس" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: عُصْبَۃٌ اور عِصَابَۃٌ کہا جاتا ہے ایسی جماعت کو جس میں دس (۱۰) سے لے کر چالیس (۴۰) یا ستر (۷۰) تک اَفراد ہوں۔

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ۔۔۔ الآیۃ ۷۷:

یہاں "فِي" مقابلہ کے لیے ہے۔ معنی ہیں: "تلاش کر اُس چیز کے مقابلہ میں، اُس کے عوض میں، اُس کے بدلے میں جو رب نے تجھے دی ہے آخرت کا گھر" یعنی آخرت کے لیے مال خرچ کر۔

وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔۔۔ الآیۃ:

علامہ جاحظ نے "کتاب البخلاء" نامی ایک کتاب لکھی ہے، کہتے ہیں کہ: قارون جب روٹی کھاتا تھا تو سالن کو روٹی پر رکھ لیتا تھا اور روٹی کھاتا تھا، سالن رکابی میں نہیں ڈالتا تھا۔

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ۔۔۔ الآیۃ ۷۸:

یعنی مَیں ہنرمند تھا، کمانے کا سلیقہ رکھتا تھا، اپنی لیاقت وقابلیت یا کسی خاص علمی مہارت سے مجھے یہ دُولت حاصل ہوئی۔ تاجر تھا، لکھا پڑھا تھا اور بخیل بھی تھا تو اِس سلسلہ میں کیوں خزانہ جمع نہ کرتا؟!!

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اِس بات تردید کرتے ہیں کہ: وہ سونا یا چاندی بناتا تھا یعنی اُس کے پاس علمِ کیمیا تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ صحیح نہیں کیوں کہ سونا نہیں بن سکتا بل کہ یہ ملمع سازی تھی، اُس کا کام کیا کرتا تھا۔ "التھذیب التھذیب" میں لکھا ہے کہ: حیوہ بن شریح رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے، اُن کے ہاتھ میں پتھر اللہ تعالیٰ نے سونا بنا یا تھا۔

وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ۝:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ: وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ۝ اِس آیت کا دوسری آیت سے ظاہراً تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اِس طور پر کہ دوسری آیت یہ ہے: فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ ❶ پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ: گناہ گاروں سے اُن کے گناہ نہیں پوچھے جائیں گے اور دوسری آیت سے اِس کا اِثبات معلوم ہوتا ہے؟

جواب پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ: ایسا سوال نہ ہوگا کہ کیا تُو نے یہ کیا ہے؟ یعنی اِستِخبار کے طور پر سوال نہیں ہوگا کیوں کہ یہ سوال تو تب ہوتا ہے جب معلوم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہے بل کہ اِس طرح سوال ہوگا کہ: یہ تم نے کیوں کیا ہے؟ مَیں نے منع کیا تھا پھر یہ کام کیوں کیا ہے؟ تو دونوں آیتوں میں حیثیت مختلف ہے کوئی تعارض نہیں ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ۔۔۔ الآیۃ ۷۹:

یعنی لباسِ فاخرہ پہن کر بہت سے حشم وخدم کے ساتھ بڑی شان وشوکت اور ٹیپ ٹاپ سے نکلا، جسے دیکھ کر طالبینِ دُنیا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کہنے لگے کہ: کاش! ہم بھی دُنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے جو اِس کو حاصل ہوا۔

وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ۝ ۸۰:

اُوپر ذکر تھا: ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ۔۔۔ الآیۃ ❷ تو وہ ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنّت کی صورت میں ملے گا مگر صابرین کو ملے گا۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْحِجْر، ۹۲) ❷ (سُوْرَۃُ الْقَصَص، ۸۰)

سوال يُلَقّٰهَآ کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب يُلَقّٰهَآ کی "هَا" ضمیر جَنَّة کی طرف راجع ہے۔ اَلْمَثَابَةُ بِهَا۔ جو اللہ کی طرف سے بدلے کے طور پر ملے گی۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۱﴾:

"تفسیر معالم التنزیل، خازن" وغیرہ وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب وعظ فرماتے تھے تو اُن کی یہ عادت تھی کہ: بتا دیتے تھے کہ فلاں جگہ پر ہم اِس مسئلہ پر مزید بحث کریں گے اور فلاں جگہ پر اِس مسئلہ پر بحث ہوگی۔ اِس وعظ میں فرمایا کہ: آئندہ فلاں جگہ زنا اور چوری کے مسئلہ پر بحث کریں گے۔ تو قارون نے ایک بازاری عورت کو پیسے دے کر کہا کہ: جب وہ زنا کی بحث شروع کریں کہ: زنا بُری چیز ہے وغیرہ تو تم اُٹھ کھڑی ہو کر کہو کہ: تم تو خود ایسا کرتے ہو یعنی میرے ساتھ یہ کیا ہے اور یہاں مذمت بیان کرتے ہو؟ وہ عورت مجلس میں گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام زنا کی بُرائی بیان کر رہے تھے، وہ اُٹھی اور کہا کہ: ٹھہرو! تم نے جو میرے ساتھ یہ کیا ہے یعنی میرے ساتھ زنا کیا ہے (نَعُوْذُ بِاللہ)۔ لوگ یہ سن کر سب حیران ہو گئے کہ: یہ کیا معاملہ ہے؟ ہمیں تو یہ بیان کرتے ہیں اور خود ایسے ہیں؟ جب لوگوں نے عورت سے مزید پوچھ کر احوال دریافت کیے؟ تو وہ بات نہ کر سکی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کچھ نہ کہہ سکی اور باقی باتیں کر سکتی تھی۔ تو اُس نے کہا کہ: یہ تو مجھے قارون نے پیسے دیئے تھے اِس لیے مَیں نے یہ کہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا کہ: اِسے زمین میں دھنسا دے تو اللہ تعالیٰ نے اُسے زمین میں دھنسا دیا۔ اِس پر اُس نے کہا کہ: تُو میرا چچا زاد بھائی ہے، میرے مال کے لیے ایسی بددعا کی ہے۔ اِس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر سوال کیا کہ: اِس کا سارا مال، بھیڑ بکریاں وغیرہ سب اِس کے سر پر ہوں۔ پس! وہ اُس کے سر پر رکھ دیے گئے اور وہ زمین میں دھنس گیا۔ اِس لیے فرماتے ہیں کہ: فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ ۔۔۔ الآیۃ ❶۔

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۲﴾:

یہ مَكَانَهٗ مصدر میمی ہے ظرف نہ سمجھنا۔ مَكَانَهٗ اَیْ كَوْنَهٗ۔ معنی یہ ہے کہ: "جنہوں نے کل اُس جیسے ہونے کی آرزو کی تھی"۔

يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال وَيْكَاَنَّ کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① اِمام سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ اور اِمام خلیل بن احمد رحمۃ اللہ علیہ (متوفّٰی ۲۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ: یہ وَیْ اِسم فعل ہے بمعنی اَعْجَبُ اور كَاف بمعنی لَام کے ہے۔ تو معنی یہ ہے کہ: اَعْجَبُ لِاَنَّ اللّٰهَ ۔۔۔ الآیۃ یعنی مَیں تعجب کرتا ہوں اِس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے رزق اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔

② بصریین کہتے ہیں کہ: وَیْ اِسم فعل ہے بمعنی اَعْجَبُ اور كَاَنَّ حرفِ تشبیہ ہے۔ تو معنی یہ ہے کہ: اَعْجَبُ كَاَنَّ اللّٰهَ ۔۔۔ الآیۃ یعنی مَیں تعجب کرتا ہوں گویا کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہے اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۳﴾:

ربط: ابھی آپ نے طالبِ دُنیا کا ذکر سنا اب آخرت کا ذکر ہے۔

معتزلہ کا غلط اِستدلال: معتزلہ کا کہنا ہے کہ: جنّت بھی موجود نہیں اور دوزخ بھی موجود نہیں ہے۔ معتزلہ اِس آیت سے اِستدلال کرتے ہیں کہ: اِس آیت میں ہے "نَجْعَلُهَا" ہم لوگوں کے لیے وہاں بنائیں گے۔ معلوم ہوا کہ: جنّت اور دوزخ موجود نہیں ہیں۔

جواب اہلِ حق فرماتے ہیں کہ: اگر تم کہتے ہو کہ جنّت بھی موجود نہیں، دوزخ بھی موجود نہیں تو قرآن میں جو جنّت کے متعلق اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ❷ ہے اور دوزخ کے متعلق اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ❸ ہے، اِسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو جنّت میں بسایا گیا، پھر وہاں سے نکالا گیا وغیرہ تو پھر اِن نصوص کا کیا مفہوم ہے؟ اور رہی بات کہ: اِس آیت میں جو "نَجْعَلُهَا" کا لفظ ہے اُس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ: جنّت اور دوزخ اُس وقت پیداء ہوں گی بل کہ مطلب یہ ہے کہ: جنّت اور دوزخ پیداء تو ابھی ہیں لیکن فیصلہ قیامت کے دن ہوگا کہ: اہلِ جنّت کون ہیں اور اہلِ دوزخ کون ہیں؟

❶ (سُوْرَةُ الْقَصَص، ۸۱) ❷ (سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰن، ۱۳۳) ❸ (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ۲۴)

إِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ إِلٰی مَعَادٍ ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۸۵﴾:

ربط: ربط کے بارے میں دو(۲) باتیں ہیں:

① "تفسیر کبیر، روح المعانی، ابوسعود" وغیرہ تفسیروں میں یہ ربط لکھا ہے کہ: مَعَاد کا معنی ہے: "لوٹنے کی جگہ" یعنی مَعَاد سے قیامت مُراد ہے۔اب ربط یہ ہوا کہ: اُدپر تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ ۔۔۔ الاٰیۃ ❶ میں بھی قیامت کا ذکر تھا اَبھی بھی قیامت کا ذکر ہے۔

② ہمارے حضرت مرحوم مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ یہ ربط بیان فرماتے تھے کہ: "بخاری شریف" کی روایت میں مَعَاد سے مُراد "مکہ مکرمہ" ہے۔ پس! جس رب نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قرآن نازل کیا ہے وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فاتحانہ طور پر مکہ مکرمہ کو واپس لائے گا۔اب ربط یہ ہوا کہ: پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا کہ جس رب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین سے مصر واپس پہنچایا تو وہ رب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مکہ مکرمہ واپس لائے گا۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا أَنْ يُّلْقٰٓى إِلَيْكَ الْكِتٰبُ ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۸۶﴾:

بریلوی حضرات میں سے مفتی اَحمد یار خان کہتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پیدائش سے پہلے ہی قرآن پاک یاد تھا یعنی شکمِ مادر میں یاد تھا۔

جواب اگر معاملہ ایسا ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے چالیس (۴۰) سال کے بعد قرآن پاک کا نزول کیوں ہوا؟ اور قرآن پاک تو کہتا ہے کہ: وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْ أَنْ يُّلْقٰٓى إِلَيْكَ الْكِتٰبُ ۔۔۔ الاٰیۃ ❷ تجھے تو اس کی اُمید بھی نہ تھی کہ تیری طرف کتاب ڈالی جائے گی۔مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِیْمَانُ ۔۔۔ الاٰیۃ ❸ تُو کتاب نہیں جانتا تھا، ایمان کی تفاصیل نہیں جانتا تھا۔وَ إِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ○ ❹ تو اس سے پہلے بے خبر تھا۔اگر معاملہ ایسا ہے جیسا آپ نے کہا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکمِ مادر میں قرآن پاک یاد تھا تو پھر اِن نصوص کا کیا معنی ہے؟!!

كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۸۸﴾:

وَجْہ سے مُراد ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْقَصَص،۸۳) ❷ (سُوْرَۃُ الْقَصَص،۸۶) ❸ (سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی،۵۲) ❹ (سُوْرَۃُ یُوْسُف،۳)

آیَاتُهَا (۶۹) (۲۹) سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ (۸۵) رُكُوْعَاتُهَا (۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: "تفسیر کبیر، ابوسعود، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ تفسیروں میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں تھا کہ: وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۔۔۔ الآیۃ ❶ رب کی طرف دعوت دے۔ یہ دعوت دینا تو بڑا مشکل کام ہے، اِس میں بڑی آزمائشیں ہیں، بڑے بڑے فتنے آئیں گے، بڑی بڑی مصیبتیں پیش آئیں گی، صرف اِتنی بات پر خلاصی نہیں ہوگی کہ: اٰمَنَّا کہہ دیا اور باقی ویسے ہی بیٹھے رہے بل کہ دعوت اِلی اللہ کے سلسلہ میں بڑی تکالیف آئیں گی۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت ہے۔ عَنْكَبُوْت مفرد ہے عَنَاكِب اس کی جمع آتی ہے اور عَنْكَبُوْت مکڑی کو کہتے ہیں۔

الٓمّٓ ۝ ❶:

الٓمّٓ کے پانچ (۵) مطلب میں سُوْرَةُ الْبَقَرَة کے شروع میں مَیں عرض کر چکا ہوں کہ:

① بعض حضرات نے اِن کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ: "هُوَ سِرٌّ فِيْمَا بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ"۔

② اَکثر مفسرین نے یہ تفسیر بیان کی ہے کہ: وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ۔

③ اَلِف سے اللہ، لَام سے جبرئیل علیہ السلام اور مِیم سے محمد ﷺ مُراد ہیں یعنی اللہ کی طرف سے، جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے سے، نبی کریم ﷺ پر اس قرآن کا نزول ہوا۔

④ اَلِف سے مُراد آلَاءُ اللّٰهِ اَيْ نَعِيْمُ اللّٰهِ۔ لَام سے مُراد لُطْفُ اللّٰهِ۔ مِیم سے مُراد مُلْكُ اللّٰهِ۔

⑤ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اِسْمٌ مِّنْ اَسْمَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ ❸:

معتزلہ کا باطل عقیدہ وخیال: معتزلہ کا باطل اور فاسد خیال یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ چیزوں کے وقوع سے پہلے اُن کو نہیں جانتا، جب چیزیں واقع ہو جاتی ہیں تب اللہ کا علم اُن سے متعلق ہوتا ہے۔

اہلِ حق کہتے ہیں کہ: چیزوں کا تو کیا کہنا، اُن کے بنانے سے پہلے سب کچھ رب کے علم میں ہے۔

زمخشری اِس مقام پر بڑا خوش ہوا ہے، بڑا غالی معتزلی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ: دیکھو! قاعدہ نحوی یہ ہے کہ: جس وقت نُوْن تاکید ثقیلہ یا خفیفہ مضارع پر داخل ہو تو پھر مضارع اِستقبال کے ساتھ مختص ہو جاتا ہے، اُس میں حال کے معنی باقی نہیں رہتے۔ پس! یہاں لَيَعْلَمَنَّ پر نُوْن تاکید ثقیلہ داخل ہوا ہے تو معنی یہ ہیں کہ: "البتہ اللہ ضرور جان لے گا سچوں کو اور البتہ اللہ ضرور جان لے گا جھوٹوں کو"۔ معلوم ہوا کہ: اللہ کو اَبھی علم نہیں بل کہ بعد میں جان لے گا۔

اِس مقام پر زمخشری بہت خوش ہو رہا ہے اور گرامر کے اُصول سے فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ اِسی لیے علامہ تاج کبریٰ زادہ رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ: معتزلہ ظواہر قرآن سے دھوکا کھاتے ہیں، ظاہری الفاظ پکڑ لیتے ہیں اور اُن پر چلتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما "تنویر المقباس فی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما" میں لکھتے ہیں اور دیگر تفاسیر میں بھی ہے کہ: لَيَعْلَمَنَّ کے معنی ہیں: "اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے گا اُن کو جو سچے ہیں اور اور ظاہر کر دے گا اُن کو جو جھوٹے ہیں"۔

پس! یہاں علم سے علمِ ظہور مُراد ہے، علمِ ظہور کے معنی میں دوسرے پارے میں وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ ۔۔۔ الآیۃ ❷ کی تفسیر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے حوالے سے عرض کر چکا ہوں کہ: حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ظہور ہمارے ہاں ہے چوں کہ ظہور سے پہلے ہمارے علم میں نہیں تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ ہمارے جاننے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ: یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے تھا۔

❶ (سُوْرَةُ الْقَصَص،۸۷) ❷ (سُوْرَةُ الْبَقَرَة،۱۴۳)

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴﴾:

اب اُن لوگوں کا ذکر ہے جو مسلمانوں کو تکالیف پہنچاتے ہیں، جو فتنہ میں ڈالنے والے ہیں۔

فَإِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵﴾:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو میعاد مقرر ہے وہ ضرور آئے گی یعنی قیامت ضرور آئے گی۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۷﴾:

سوال أَحْسَنَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظ أَحْسَنَ منصوب بنزع الخافض ہے۔ أي بِأَحْسَنِ۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸﴾:

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ: جو لوگ صرف اٰمَنَّا پڑھتے ہیں تو صرف اِس کہنے پر اُن کو نہیں چھوڑا جائے گا بل کہ اُن پر تکالیف آئیں گی۔ اُن تکالیف کے سلسلے میں یہ واقعہ ہے۔

واقعہ: سعد بن مالک بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رشتہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے، آپ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے، چوتھے نمبر پر مسلمان ہوئے، فاتح ایران تھے، والد اُن کے فوت ہوئے، اُن کا بھائی عُتبہ تھا، ۸ھ میں عُتبہ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہوئے۔ حمنہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ اُن کی والدہ تھیں، وہ بعد میں مسلمان ہو گئیں تھیں۔

"مسلم، ابوداؤد، نسائی" وغیرہ اور تمام تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی والدہ نے جو مشرکہ تھی لوگوں سے یہ خبر سن کر کہ تیرا بیٹا صابی ہوا ہے، وہابی بنا ہے۔ ماں نے اُن کو بڑا سمجھایا مگر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایمان چھوڑنے والے نہ تھے۔ اُن شریروں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کو کہا کہ: تو بھوک ہڑتال شروع کر دے۔ اُن کی والدہ نے کہا کہ: دانہ پانی کچھ نہ چکھوں گی اور نہ چھت کے نیچے آرام کروں گی تاوقت یہ کہ سعد (مَعَاذَ اللّٰہ) اسلام سے نہ پھر جائے۔ چناں چہ کھانا پینا ترک کر دیا اور بالکل نڈھال ہو گئی، لوگ زبردستی مُنہ چیر کر کھانا پانی دیتے تھے، وہ اُگل دیتی تھی۔ مگر اِس سے کام نہ بنا تو لوگوں نے کہا کہ: تو گلی میں جا کر لیٹ جا، لوگ تجھ سے پوچھیں گے تو کہنا کہ: میرا بیٹا نافرمان ہے۔ وہ دھوپ میں جا کر لیٹ گئی۔ لوگ گزرتے تو کہتے کہ: مائی کیا حال ہے؟ وہ کہتی کہ: میرا بیٹا نافرمان ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ: تُو کس کی ماں ہے؟ اُس نے کہا: سعد کی۔ لوگوں نے کہا: سعد تو بڑا نیک ہے۔ اُس نے کہا کہ: نیک تھا اب بڑا نافرمان ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اندر لے کر جاتے وہ پھر نکل جاتی اور کہتی کہ: مَیں تب کھانا کھاؤں گی، تب سائے میں جاؤں گی جب تُو کلمہ چھوڑ دے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: مَیں تو کلمہ نہیں چھوڑوں گا۔ اِس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بڑے پریشان ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: ماں تو پہلے ایسا کرتی تھی اور اب گلی میں بیٹھی ہے اور یہ کہہ رہی ہے۔ تو اِس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا اُن کا جو اِمتحان میں کامیاب ہوئے اور آگے ذکر ہے اُن کا جو ناکام ہوئے۔

جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ:

اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر محسوس کرتے ہیں۔

وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

یعنی اگر مسلمانوں کی کوئی کامیابی اور عروج دیکھیں تو باتیں بنانے لگے کہ: ہم تو تمہارے ساتھ تھے اور اب بھی تمہارے اسلامی بھائی ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲﴾:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس کفار کا ایک وفد آیا۔ کہنے لگے کہ: اے سعد! یہ تو ماں اور بیٹے کا جھگڑا ہے، تمہارے گھر کی بات ہے ہم دخل نہیں دیتے لیکن اِتنا کرو کہ: اپنی ماں کی بات مان لو! اگر اِس ایمان چھوڑنے کا وبال ہو تو اُس کے ہم ذمہ دار ہیں۔ اِسی کی طرف آیت میں اِشارہ ہے۔

وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۔۔۔الآیۃ:

نَحْمِلْ اَمر بمعنی خبر ہے۔

وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳﴾:

اِشکال: ماقبل آیت میں آپ نے پڑھا کہ: وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔۔۔الآیۃ ❶ اور وہ کچھ نہ اُٹھائیں گے اُن کے گناہ، اور اُس کے بعد والی آیت میں ہے کہ: وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۔۔۔الآیۃ ❷ اور البتہ اُٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے بوجھ کے۔ تو ظاہراً دونوں آیتوں کے درمیان تعارض معلوم ہوتا ہے؟

جواب: تمام تفاسیر میں آپ کو ملے گا کہ: اِس طرح اُٹھائیں اُن کے بوجھوں سے کہ یہ اَصل مجرمین فارغ الذمہ ہوجائیں تو یہ نہ ہوگا بل کہ اِضلال کا جو گناہ اور وبال ہے وہ اپنے بوجھ کے ساتھ اُٹھائیں گے۔ تو نفی اِس بات کی ہے کہ: دوسروں کا گناہ ایسے طریقے سے اُٹھائیں کہ وہ بری الذمہ ہوجائیں ایسا نہیں ہوگا اور اثبات اِس بات کا ہے کہ: گمراہ کرنے کا جو وَبال اور گناہ ہے وہ ملے گا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهٖ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۴﴾:

ربط: اَبھی آپ نے پڑھا کہ: وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔۔۔الآیۃ ❸ ہم نے اُن سے پہلے لوگوں کو بھی آزمائش میں ڈالا، حضرت نوح علیہ السلام آزمائش میں ڈالے گئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام آزمائش میں ڈالے گئے، حضرت لوط علیہ السلام آزمائش میں ڈالے گئے، حضرت شعیب علیہ السلام آزمائش میں ڈالے گئے تو اب اُن مِنْ قَبْلِهِمْ میں سے سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرماتے ہیں۔

فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا ۔۔۔الآیۃ:

"تفسیر جمل وغیرہ میں "عَامٌ" اور "سَنَةٌ" کا فرق یہ لکھا ہے کہ: "عَامٌ" ہر اُس سال کو کہتے ہیں جس میں فراخی ہو اور "سَنَةٌ" اُس سال کو کہتے ہیں جس میں تنگی ہو یعنی خشک سالی ہو۔

وَجَعَلْنٰهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾:

سوال جَعَلْنَاهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جَعَلْنَاهَا کی "هَا" ضمیر اَلْفَعْلَةُ کی طرف راجع ہے۔ یعنی اُس کاروائی کو ہم نے نشانی بنایا۔

② دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ: جَعَلْنَاهَا کی "هَا" ضمیر سَفِيْنَةٌ کی طرف راجع ہے۔ یعنی ہم نے اُس کشتی کو نشانی بنایا۔

وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۶﴾:

لفظِ ابراہیم سے پہلے اَرْسَلْنَا فعل محذوف ہے۔ اَیْ وَاَرْسَلْنَا اِبْرَاهِيْمَ۔

إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَوْثَانًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۷﴾:

إِنَّمَا مرکب نہیں ہے بل کہ اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل ہے، مَا موصولہ ہے، تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ صلہ ہے، موصول صلہ مل کر اِنَّ کا اِسم اور أَوْثَانًا، اِنَّ کی خبر ہے۔

وَإِنْ تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۸﴾:

"تفسیر خازن، معالم التنزیل، کبیر" وغیرہ میں آپ کو اِس کی دو (۲) تفسیریں ملیں گی:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: یہ جملہ معترضہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بات ذکر فرمائی ہے۔ معنی ہے: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر یہ تکذیب کرتے ہیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) گھبرائیں مت"۔

❶(سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت، ۱۲) ❷(سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت، ۱۳) ❸(سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت، ۳)

④دوسری تفسیر یہ ہے کہ: اِس جملہ کے مخاطب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی ہیں۔ معنیٰ ہے: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم (علیہ السلام)! اگر یہ تکذیب کرتے ہیں تو آپ (علیہ السلام) پریشان نہ ہوں آپ (علیہ السلام) سے پہلی اُمتوں نے بھی تکذیب کی تھی"۔ قومِ ثمود، قومِ عاد اور قومِ نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے گذر چکی ہیں اِس لیے اُن کا حوالہ دیتے ہیں کہ: پہلی اُمتوں نے بھی تکذیب کی تھی۔

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۹﴾:

شروع تو دیکھتے ہو دُہرانا اُسی سے سمجھ لو، سمندر کو دیکھو، ساری مخلوقات کو دیکھو۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۳﴾:

ربط: اُوپر اُن لوگوں کا ذکر تھا جو نافرمان تھے آگے بھی اُنھی لوگوں کا ذکر ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۴﴾:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر اُوپر سے چلی آ رہی ہے، اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے نتیجے میں قوم کا جواب کیا تھا؟ اُس کا ذکر ہے کہ: قوم والوں نے کہا کہ: اِس کو قتل کر دو یا جلا دو۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○:

بے شک! اِس میں کئی نشانیاں تھیں اُس قوم کے لیے جو ایمان لاتی۔

اکثر مفسرین کرام یہ فرماتے ہیں کہ: مثلاً یہ نشانی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، آگ نے رسیاں جلا دیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بال اور بدن کو کچھ بھی نہیں ہوا۔ یہ بھی اللہ کی قدرت کی نشانی ہے کہ: اتنی بڑی آگ اور بدن نہ جلے۔

علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اُس آگ میں ہی اللہ تعالیٰ نے باغ بنا دیا اور اُس باغ و بہار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے پھرتے تھے۔ یہ بھی اللہ کی قدرت کی نشانی ہے اور اللہ کی ذات سے کچھ بعید نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اِس واقعہ سے سمجھا دیا کہ: اللہ اپنے نیک بندوں کو کس طرح بچا لیتا ہے؟ نیز یہ معلوم ہوا کہ: ہر چیز کی تاثیر اُس ایک اکیلے اللہ کے حکم سے ہے۔

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۵﴾:

دو (۲) آسان ترکیبیں مَیں عرض کرتا ہوں:

①پہلی ترکیب یہ ہے کہ: اِنَّمَا میں اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل ہے، مَا موصولہ ہے اور اِتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا یہ صلہ ہے، مَوَدَّةَ مفعول لہ ہے، اِنَّ کی خبر محذوف ہے وہ لَا يَنْفَعُكُمْ ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہوگی: اَیْ لِاَجْلِ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لَا يَنْفَعُكُمْ ۔ بے شک! وہ چیز جو تم نے بنائی اللہ کے ورے اوثان تمہاری آپس کی دُوستی کی وجہ سے وہ تمہیں نفع نہیں دے گی۔

فَائِدَة: مفعول لہٗ کبھی فعل کا سبب ہوتا ہے اور کبھی فعل کا نتیجہ ہوتا ہے۔

مفعول لہٗ فعل کا سبب ہو اُس کی مثال: قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا ۔ مَیں لڑائی سے بیٹھ گیا بزدلی کی وجہ سے۔ تو یہ جُبْن لڑائی سے بیٹھنے کا سبب بنا۔

اب یہاں اگر مَوَدَّةَ مفعول لہٗ فعل کا سبب ہو تو معنیٰ ہوگا کہ: "یہ جو تمہاری آپس میں دُوستی ہے اِس دُوستی کی وجہ سے تم نے بنایا اوثان کو معبود اللہ کے ورے"۔ مطلب یہ ہوا کہ: تمہاری جو دُوستی ہے یہ شرک کا سبب بنی۔

مفعول لہٗ فعل کا نتیجہ ہو اُس کی مثال: ضَرَبْتُهٗ تَاْدِيْبًا ۔ مَیں نے اُس کو مارا ادب سکھانے کے لیے۔ مارنے کا نتیجہ ادب سکھانا ہے۔

اب یہاں اگر مَوَدَّةَ مفعول لہٗ فعل کا نتیجہ ہو تو معنیٰ ہوگا کہ: "تم نے یہ جو اوثان بنائے اِس لیے کہ اُن اوثان کی محبت حاصل ہو تو تمہارا کام بن جائے گا"۔ تو اوثان کی محبت کا نتیجہ شرک ہے۔

②دوسری ترکیب یہ ہے کہ: اِنَّمَا میں مَا مصدریہ ہے، اُس نے اِنَّ کو عمل سے روک دیا ہے تو اِنَّ کی خبر کی ضرورت نہیں۔ تقدیری عبارت یہ ہوگی کہ: اَیْ اِنَّ اِتِّخَاذَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا لِاَجْلِ الْمَوَدَّةِ بَيْنِكُمْ ۔ تمہارا یہ بنانا بتوں کو دُوستی کی وجہ سے جو تمہارے درمیان ہے دُنیا کی زندگی میں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۸﴾:

اَیْ وَاذْکُرْ لُوْطًا۔ اَرْسَلْنَا نہیں نکالتے کیوں کہ بعد میں اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ میں اِذْ ظرفیہ ہے۔ اگر اَرْسَلْنَا نکالیں تو معنی یہ ہوگا کہ: "ہم نے لوط علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا اُس وقت جس وقت اُنہوں نے اپنی قوم سے فرمایا" حال آں کہ وہ پہلے بھی نبی تھے۔ اس لیے اُذْکُرْ نکالتے ہیں۔

وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۹﴾:

"تم راستہ کاٹتے ہو"۔ اس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① یہ جا کر راستے میں بیٹھتے تھے اور مسافروں سے بدفعلی کرتے تھے اور اُن کو لوٹتے تھے۔

② اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کا راستہ عورت بنایا ہے تم اُس کو قطع کرتے ہو اور مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى۔۔۔الآیۃ ﴿۳۱﴾:

ربط: اُوپر حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر تھا اور آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ کے ساتھ بیان کرنے کی دو (۲) وجوہات ہیں:

① حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔

② وہی فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس گئے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے۔

قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ۔۔۔الآیۃ:

اُس قَرْيَة کا نام سدوم تھا۔ آج کل جغرافیہ میں "آبِ سیاہ" کہتے ہیں۔

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا۔۔۔الآیۃ ﴿۳۳﴾:

مسلّمہ بات ہے کہ: ماضی پر اَنْ کا لفظ زائد ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ۔۔۔الآیۃ:

فرشتوں نے کہا کہ: اپنی ذات کا خوف نہ کر اور نہ ہمارے بارے میں کوئی غم کر۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾:

سوال مِنْهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب "تفسیر ابو سعود" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: مِنْهَا کی "هَا" ضمیر قَرْيَة یعنی بستی کی طرف راجع ہے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۸﴾:

سوال عَادًا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب عَادًا، اَهْلَكْنَا فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔ اَیْ وَاَهْلَكْنَا عَادًا۔

وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ:

سوال مُسْتَبْصِرِيْنَ کے کیا معنی ہیں؟

جواب اِس میں مختلف اَقوال آپ کو ملیں گے:

① اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ: مُسْتَبْصِرِيْنَ کے معنی ہیں: "بصیرت والے، ہوشیار، سمجھ دار"۔

② امام بخاری رحمہ اللہ "بخاری شریف" کتاب التفسیر میں امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ: مُسْتَبْصِرِيْنَ کے معنی ہیں "ضَلَلَةٌ" یعنی گمراہ تھے۔

③ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "قاموس، مختار الصحاح" لغت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ: مُسْتَبْصِرِيْنَ کا لفظ اَضداد میں سے ہے۔ اِس کے معنی "گمراہ اور ہوشیار" دونوں کیے جاسکتے ہیں۔

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ ۔۔۔ الآية:

سوال فَكُلًّا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب فَكُلًّا، أَخَذْنَا کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ اِضْمَار عَلٰی شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْر۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۔۔۔ الآية:

حَاصِبًا کے دو (۲) معنی ہیں:

① تیز ہوا۔ جیسے قومِ عاد پر آئی۔ ② سنگریزے۔ جیسے قومِ لوط علیہ السلام پر برسے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۔۔۔ الآية:

قومِ شعیب علیہ السلام اور قومِ صالح علیہ السلام پر چیخ کا عذاب آیا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ۔۔۔ الآية:

قارون کو زمین میں دھنسایا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا ۔۔۔ الآية:

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور فرعون اور اُس کے لشکر کو غرق کیا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۔۔۔ الآية:

آگے اللہ تعالیٰ مشرکوں کی مثال دیتے ہیں۔ "تفسیر کبیر، البحر المحیط، قرطبی، مواہب الرحمٰن، سمین" وغیرہ میں اِس مثال اور تشبیہ کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں:

① مکڑیوں کا جالا نہ سردی سے بچاتا ہے اور نہ گرمی سے یعنی ضرر سے نہیں بچا سکتا۔ اِسی طرح غیر اللہ کو جو پکارتے ہیں اور اللہ کے علاوہ کسی کو بچانے والا اور محافظ سمجھتے ہیں وہ اللہ کی مشیت کے علاوہ نہ تو ضرر دے سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے۔

② مکڑی عموماً مکان کے نیچے یا درخت کے نیچے جالا بناتی ہے، اِس اَحمق سے پوچھو کہ: اتنی بڑی عمارت تیرے لیے کافی نہیں کہ الگ اپنے لیے جالا بناتی ہے؟ اِسی طرح مشرک رب کو مان کر نیچے اپنے لیے کا کا صاحب، بابا صاحب بناتا ہے یعنی غیر اللہ کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔

③ مکڑی کے پیٹ سے ایک لعاب خارج ہوتا ہے، اُس سے تار نکلتا ہے اور اُس سے وہ گھر بنا لیتی ہے تو اُس گھر کے لیے مادّہ خارج سے نہیں آتا، اِسی طرح مشرک کے لیے اپنی بات پر دلیل خارج سے نہیں آتی مگر اُس کے منہ سے نکلتی ہوئی بات ہوتی ہے۔ جیسا کہ اِرشاد ہے:

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۔۔۔ الآية ● وہ اپنے منہ سے بڑی باتیں نکالتے ہیں لیکن اُن کے پاس اپنی بات کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔

پاکستان بننے کے وقت ایک بریلوی مشرک نے تقریر کی کہ: جب بارش ہوتی ہے تو اولیاء آسمان کو پہنچتے ہیں۔ تو مَیں نے کہا کہ: یہ مسلمان ذبح کیے جارہے ہیں تو یہ اولیاء اُن کو بچاتے کیوں نہیں؟ ایک بوڑھا مشرک اُٹھا اور کہا کہ: وہ حج پر گئے ہیں۔ ایسا جواب سرے سے غلط تھا: ایک وجہ تو یہ کہ وہ حج کے ایام نہ تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ: اولیاء تو مر گئے تھے اور وہ مکلف نہیں تھے۔

أُتْلُ مَآ أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ ۔۔۔ الآية:

ربط: "تفسیر کبیر، ابو سعود، بیان القرآن" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے شرک کی تردید تھی اور مشرکوں کی یہ باتیں سُن سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت پریشان ہوتے تھے۔ تو فرماتے ہیں کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کی طرف توجہ نہ دیں، صرف وحی کی طرف متوجہ رہیں اور اُسی طرف دیکھیں۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۔۔۔ الآية:

یہ آیت کریمہ صاف طور پر بتلاتی ہے کہ: نماز کی ذاتی تاثیر یہ ہے کہ وہ بے حیائی اور برائی سے رُوکتی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ: ہم نماز بھی پڑھتے ہیں اور بے حیائی و برائی میں بھی مبتلاء ہیں۔ اب دو (۲) شقیں ہیں:

● (سُوْرَةُ الْكَهْف، ۵)

① اللہ تعالیٰ کا اِرشاد صحیح نہیں۔ ② ہماری نماز نماز نہیں۔

پہلی شق سرے سے باطل ہے کیوں کہ اللہ ربُّ العزّت کا اِرشاد کبھی غلط نہیں ہوسکتا، لہٰذا دوسری شق متعین ہے یعنی ہماری نماز میں کمی ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا أَهْلَ الْكِتٰبِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ ۔۔۔الآيۃ ❶ :

ربط: اُوپر کتاب کا ذکر تھا، آگے فرماتے ہیں کہ: اہلِ کتاب کے ساتھ جھگڑا مت کرو مگر ایسے طریقے سے جو عمدہ ہو۔ ہاں! جو ظالم ہیں اُن کے ساتھ جدال اَحسن کرو یعنی دلیل سے بات کرو۔

وَ كَذٰلِكَ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۔۔۔الآيۃ ❷ :

كَذٰلِكَ اَيْ كَمَآ اَنْزَلْنَا الْكُتُبَ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ مِنْ قَبْلِكَ۔

وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۔۔۔الآيۃ :

هٰٓؤُلَآءِ سے مُراد اہلِ عرب ہیں۔ معنی ہیں: "اور اُن اہلِ عرب میں سے بھی کچھ ہیں جو ایمان لاتے ہیں"۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ ❸ :

اگر آپ ﷺ پڑھے لکھے ہوتے تو پہلی کتابوں میں تو اَلرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ آیا ہے۔ تو یہ اہلِ کتاب اِنکار کرتے کہ: ہماری کتابوں میں تو اِن کی صفات میں "اُمّی" مذکور ہے اور اسی طرح اہلِ عرب بھی کہہ سکتے تھے کہ: یہ پڑھا لکھا آدمی ہے اور پڑھا لکھا آدمی تھوڑا تھوڑا مضمون جوڑ کر پیش کرسکتا ہے۔

"تفسیر ابن کثیر" وغیرہ میں اِس مقام پر ایک بحث چلتی ہے کہ: صلح حدیبیہ میں صلح نامہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھنے والے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: لکھو! هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللهِ ﷺ۔ سہیل بن عمرو اُس وقت کافر تھا، کافروں کا نمائندہ تھا، اُس نے کہا کہ: "رسول اللہ" کا لفظ مٹاؤ اور ابن عبد اللہ لکھو۔ اگر ہم آپ (ﷺ) کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ (ﷺ) سے جنگ کیوں کرتے؟ آپ (ﷺ) کو کعبہ سے کیوں روکتے؟ خاصی دیر بات کے بعد حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: اے علی (رضی اللہ عنہ)! اِسے مٹا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: وَاللهِ لَآ اَمْحُوْا اَبَدًا۔ اللہ قسم! میں "رسول اللہ" کے لفظ کو نہیں مٹاؤں گا۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: لاؤ مجھے دیکھاؤ! آپ ﷺ نے "رسول اللہ" کا لفظ مٹایا اور ابن عبد اللہ لکھ دیا۔ تو حدیثوں میں "كَتَبَ مُحَمَّدٌ ﷺ" کا لفظ آتا ہے کہ: آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے، اِس سے معلوم ہوا کہ: خود لکھا ہے۔

پس! اگر یہ کہا جائے کہ: لکھنے والے آپ ﷺ تھے تو اَنَا ابْنُ عَبْدِ اللهِ لکھنے سے کاتب اور پڑھا لکھا ہونا ثابت نہیں ہوتا اور جمہور حضرات فرماتے ہیں کہ: كَتَبَ کا معنی ہے: اَمَرَ بِالْكِتَابَةِ۔ لکھنے کا حکم دیا۔

سوال مِنْ قَبْلِهٖ کی "ہٖ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب مِنْ قَبْلِهٖ کی "ہٖ" ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔ اَيْ مِنْ قَبْلِ الْقُرْاٰنِ۔

سوال بِيَمِيْنِكَ یہ قیدِ اِتفاقی ہے یا اِحترازی ہے؟

جواب بِيَمِيْنِكَ یہ قیدِ اِتفاقی ہے۔ عموماً لوگ دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔۔۔الآيۃ ❺ :

کفار نے اِعتراض کیا کہ: اِس پر نشانی کیوں نہیں اُترتی؟ اللہ تعالیٰ اُس کے تین (۳) جوابات دیتے ہیں:

① قُلْ إِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللهِ ۔۔۔الآيۃ ❶ آپ (ﷺ) فرمادیجئے! نشانی تو اللہ کے پاس ہے مَیں تو صرف ڈرانے والا ہوں۔

② أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ۔۔۔الآيۃ ❷ یہ معجز کتاب نشانی کے طور پر کافی نہیں ہے؟!!

③ قُلْ كَفٰى بِاللهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۔۔۔الآيۃ ❸ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی اور شہادت کے لیے کافی ہے۔ میری زبان پر اور ہاتھوں پر قدرت کے وہ خارق عادت نشان ظاہر کیے جاتے ہیں جن کی نظیر پیش کرنے سے تمام جن واِنس عاجز ہیں، پتھروں نے کلام کیا، درخت چل کر آئے، شقِ قمر ہوا، معراج وغیرہ یہ اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے۔ کیا میری صداقت پر اللہ تعالیٰ کی یہ گواہی کافی نہیں ہے؟!!

❶ (سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت:۵۰) ❷ (سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت:۵۱) ❸ (سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت:۵۲)

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۳﴾:

ربط: کفار نے کہا کہ: تُو اگر اچھی نشانی نہیں دِکھلا سکتا، باغ تیرے لیے نہیں ہوسکتا تو پھر تو جس عذاب کی دھمکی دیتا ہے وہ عذاب ہی لے آنا؟!! کچھ تو کر؟!! تو اللہ تعالیٰ اُن کی اِس بات کا یہاں سے جواب دے رہے ہیں۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴿۵۴﴾:

عذاب کیوں مانگتے ہیں؟ دُوزخ تمھیں بن مانگے ملے گی۔

وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴿۵۵﴾:

ذُوْقُوْا فعل اَمر ہے اِس کا مفعول محذوف ہے۔ اَیْ ذُوْقُوْا جَزَآءَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴿۵۶﴾:

ربط: اُوپر کفار کا ذکر تھا، آگے مؤمنوں کا ذکر ہے۔ قرآن مجید کا یہ اُسلوب ہے کہ: جب جنّت کا ذکر کرتا ہے تو دُوزخ کا بھی ذکر کرتا ہے، جب دُنیا کا ذکر کرتا ہے تو آخرت کا بھی ذکر کرتا ہے، جب کفار کا ذکر کرتا ہے تو مؤمنوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۸﴾:

غُرَفًا، غُرْفَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "بالاخانہ"۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۰﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ میری زمین کشادہ ہے ہجرت کرو۔ تو سوال یہ ہے کہ: جب ہجرت کر کے جائیں گے تو کھائیں گے کہاں سے؟ یہاں تو اپنا مکان ہے اور کاروبار وغیرہ ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ: اِس کی فکر نہ کرو! کتنے جانور ہیں جو اپنا رزق نہیں اُٹھائے پھرتے، اللہ تعالیٰ اُن کو بھی رزق دیتا ہے تمھیں بھی دے گا۔ چیونٹی کے علاوہ جو جانور ہیں وہ خوراک ذخیرہ نہیں کرتے۔

"السراج المنیر شرح جامع الصغیر للعزیزی رحمہ اللہ" میں ایک واقعہ ہے جو مشہور ہے کہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ: یہ قریب سمندر ہے اِس کی مخلوق کو مَیں ایک دن کھانا دُوں گا، اِجازت مل گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں وغیرہ کو حکم دیا گیا کہ: خوراک تیار کرلیں، دسترخوان دریا کے کنارے پر بچھائے گئے۔ بحری مخلوق سے ابتداء کی تو ایک مچھلی وہیل نامی آئی اور سارا کھانا کھالیا اور کہا کہ: اور بھی دو! ایسے تو مجھے میرا رب رُوزانہ تین (۳) لقمے دیتا ہے۔

واقعہ مشہور ہے تو خوب سمجھ لو کہ!! رازقِ حقیقی وہی ہے جو سب کی باتیں سنتا ہے اور دِلوں کے اِخلاص کو جانتا ہے، ہر ایک کا ظاہر و باطن اُس کے سامنے ہے، جو لوگ اُس کے راستہ میں وطن چھوڑ کر نکلے ہیں اُنہیں ضائع نہیں کرے گا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۱﴾:

ربط: اُوپر کافروں کے مسلمانوں کے ساتھ اِختلاف کا ذکر تھا، جس کی وجہ سے مسلمان ہجرت پر مجبور ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے ظالمو! اے کافرو! بنیادی باتیں تو تم بھی مانتے ہو کہ: آسمان اللہ نے پیدا کیا، زمین اللہ نے پیدا کی وغیرہ تو پھر اُلجھتے کیوں ہو؟

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۴﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، یہ دُنیا عارضی ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ: یہ دُنیاوی زندگی کھیل اور تماشا ہے۔ تو آدمی کو چاہیے کہ: یہاں کی چند رُوزہ زندگی سے زیادہ آخرت کی فکر کرے کیوں کہ اَصلی اور دائمی زندگی وہی ہے، دُنیا کے کھیل تماشے میں غرق ہو کر عاقبت کو بھول نہ بیٹھے۔ ہمارے تو کارخانے اور کوٹھیاں نہیں ہیں لیکن ہم تماشا کرتے ہیں اور اِسی میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اور سفرِ آخرت کے توشہ سے غافل ہیں۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۵﴾:

وہ مشرک تھے لیکن پھر بھی تکلیف کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

لِيَكْفُرُوْا میں لام عاقبت کے لیے ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا ۔۔۔ الآیۃ:

اَیْ جَاهَدُوْا فِیْ حَقِّنَا، جَاهَدُوْا فِیْ طَلَبِنَا، جَاهَدُوْا فِیْ رِضَآئِنَا، جَاهَدُوْا فِیْ سَبِيْلِنَا، جَاهَدُوْا فِیْ طَاعَتِنَا۔ یہ سب کے سب حق ہیں کسی کا کسی سے کوئی تعارض نہیں۔

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ سُبُلَنَا جمع کا صیغہ ہے۔ "مالکی، حنفی، شافعی، حنبلی، چشتی، نقشبندی، سہروردی، قادری" اس کے مصداق ہیں۔

آیَاتُهَا (۶۰) (۳۰) سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ (۸۴) رُكُوْعَاتُهَا (۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ربط: "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں تھا کہ: اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ○ ❶ کافروں کا ٹھکانا جہنم ہے وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ ❷ اور اللہ تعالیٰ کی مدد محسنین کے ساتھ ہے۔ تو آخرت میں کافروں کو جہنم ملے گی اور مؤمن اللہ تعالیٰ کی معیت و مدد سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ اِس سورۃ میں یہ بتایا ہے کہ: آخرت میں تو مؤمنوں کی کامیابی اور کافروں کی ناکامی حق ہے ہی، دُنیا میں بھی اللہ تعالیٰ حق والوں کو غلبہ عطا فرماتا ہے اور ظالموں کو رب شکست دیتا ہے اور اُن کو ناکامی حاصل ہوتی ہے۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الرُّوْم ہے۔

الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ (۲-۱):

شانِ نزول: "تفسیر خازن، معالم التنزیل، دُرِّ منثور، روح المعانی" وغیرہ وغیرہ تفسیروں میں یہ شانِ نزول مذکور ہے۔ واقعہ ایسا ہوا کہ: آپ ﷺ کے دَور میں زمانہ کی بڑی بھاری دو (۲) سلطنتیں فارس جسے ایران کہتے ہیں یہ مجوسی، آتش پرست تھے اور رُوم جو مسلکاً عیسائی اہلِ کتاب تھے مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آئیں تھیں۔ ۶۰۲ء سے لے کر ۶۱۴ء کے بعد تک اُن کی حریفانہ نبرد آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا جیسا کہ "انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا" کی تصریحات سے ظاہر ہے۔ ۵۷۰ء میں نبی کریم ﷺ کی ولادت شریفہ اور چالیس (۴۰) سال بعد ۶۱۰ء میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ مکہ والوں میں جنگِ روم و فارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اِسی دَوران میں نبی کریم ﷺ کے دعوائے نبوت اور اِسلامی تحریک نے اُن لوگوں کے لیے اِن جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی۔ فارس کے آتش پرست مجوس کو مشرکین مکہ مذہباً اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے اور روم کے نصاریٰ اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے بھائی یا کم اَز کم اُن کے قریبی دوست قرار دیئے جاتے تھے۔ جب مشرکین مکہ فارس کے غلبہ کا فال لیتے اور خوش آئند توقعات باندھتے تھے تو مسلمانوں کو بھی طبعاً صدمہ ہوتا کہ عیسائی اہلِ کتاب آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں۔ اِدھر اُن کو مشرکین مکہ کی شماتت کا ہدف بننا پڑتا، آخر ۶۱۴ء کے بعد جب کہ ولادتِ نبوی ﷺ کو قمری حساب سے تقریباً پینتالیس (۴۵) سال اور بعثت کے پانچ (۵) سال گذر چکے تو خسرو پرویز ثانی کے عہد میں فارس نے رُوم کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی۔ شام، مصر، ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رُومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ہرقل قیصر رُوم کو ایرانی لشکر نے قسطنطنیہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کر دیا اور رُومیوں کا دارالسلطنت بھی خطرہ میں پڑ گیا۔ بڑے بڑے پادری قتل یا قید ہو گئے۔ بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین لے اُڑے۔ قیصر رُوم کا اِقتدار بالکل فنا ہو گیا۔ بہ ظاہر کوئی اَسباب یا کوئی صورت رُوم کے اُبھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی باقی نہ رہی۔ یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب بغلیں بجائیں، مسلمانوں کو چھیڑنا شروع کیا۔ بڑے بڑے حوصلے اور توقعات قائم کرنے لگے حتیٰ کہ بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رُومیوں کو مٹا دیا ہے اور کل ہم بھی تمہیں اِسی طرح مٹا ڈالیں گے۔ اُس وقت قرآن نے سلسلۂ اَسبابِ ظاہری کے بالکل خلاف عام اِعلان کر دیا کہ: بے شک! اِس وقت رُومی فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں لیکن نو (۹) سال کے اَندر اَندر وہ پھر غالب و منصور ہوں گے۔ اِسی پیشن گوئی کی بناء پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعض مشرکین سے شرط باندھ لی (اُس وقت تک ایسی شرط لگانا حرام نہ ہوا تھا) کہ: اگر اِتنے سال تک رُومی غالب نہ ہوئے تو میں سو (۱۰۰) اُونٹ تم کو دوں گا ورنہ اُسی قدر اُونٹ تم مجھ کو دو گے۔ شروع میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے بِضْعِ سِنِيْنَ کی میعاد کچھ کم رکھی تھی بعد میں نبی کریم ﷺ کے اِرشاد سے بِضْعِ کے لغوی مدلول یعنی نو (۹) سال پر معاہدہ ٹھہرا۔ اُدھر ہرقل قیصر رُوم نے اپنے زائل شدہ اِقتدار کو واپس لینے کا تہیہ کر لیا اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فارس پر فتح دی تو "حِمص" سے پیدل چل کر "اِیلیا" (بیت المقدس) تک جاؤں گا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ!! قرآنی پیشن گوئی کے مطابق ٹھیک نو (۹) سال کے

❶ (سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت: ۶۸) ❷ (سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت: ۶۹)

اَندر یعنی ہجرت کا ایک سال گذرنے پر عین بدر کے دن جب کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے فضل سے مشرکین پر نمایاں فتح ونصرت حاصل ہونے کی خوشیاں منارہے تھے یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ رُومی اہلِ کتاب کو خدا تعالیٰ نے ایران کے مجوسیوں پر غالب فرمایا اور اس ضمن میں مشرکین مکہ کو مزید خُذلان وخسران نصیب ہوا۔ قرآن کی اس عظیم الشان اور محیر العقول پیشن گوئی کی صداقت کا مشاہدہ کرکے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سو (۱۰۰) اُونٹ مشرکین مکہ سے وصول کیے جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ: صدقہ کردیے جائیں۔

وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ ﴿۳﴾:

غَلَبِ مصدر مبنی للمفعول ہے۔ معنی ہے: وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَغْلُوْبِيَّتِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ۔ اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے۔

فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴﴾:

بِضْع کا لفظ تین (۳) سے لے کر نو (۹) سال پر بولا جاتا ہے۔

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝:

اُس دن مؤمنین خوش ہوں گے۔ یعنی ایک تو بدر میں بھی کامیابی ہوگی اور شرط بھی پوری ہوجائے گی یعنی رُومی فارس والوں پر غالب آجائیں گے۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸﴾:

ربط: اَبھی فرمایا کہ: وہ لوگ آخرت سے غافل ہیں، تو آگے آخرت کے اِثبات کے لیے دلائل ذکر فرماتے ہیں۔

وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹﴾:

أَثَارَ، يُثِيْرُ، إِثَارَةً بابِ إِفْعَال سے ہے۔ معنی ہے: "ہل چلانا"۔ لازمی معنی ہیں: "نشانات"۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ أَسَآءُوا السُّوْٓأٰى۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

سوال عَاقِبَةَ کے منصوب ہونے کی وجہ کیا ہے؟

جواب عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ أَسَآءُوْا، كَانَ کی خبرِ مقدم ہے اس وجہ سے منصوب ہے اور السُّوْٓأٰى اِسمِ موخر ہے۔

أَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللهِ۔۔۔ الآیۃ

سوال یہ أَنْ کون سا ہے؟

جواب یہ أَنْ تفسیریہ ہے۔

اَللهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴿۱۱﴾:

ربط: اَبھی آپ نے آخرت کا ذکر سنا کہ منکرین قیامت آخرت کو ایک مسخرہ سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ آگے اپنی قدرت کی نشانیاں بتاتے ہیں۔

فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ۝ ﴿۱۵﴾:

سوال يُحْبَرُوْنَ کے کیا معنی ہیں؟

جواب "تفسیر خازن، کبیر، کشاف، معالم التنزیل" وغیرہ میں مندرجہ ذیل تفسیریں موجود ہیں:

① اِمام ابوعبید لغوی رحمہ اللہ يُحْبَرُوْنَ کے معنی کرتے ہیں: "يُسَرُّوْنَ یعنی وہ خوش کیے جائیں گے"۔

② حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما معنی کرتے ہیں: "يُكْرَمُوْنَ یعنی اُن کی عزت کی جائے گی"۔

③ اِمام مجاہد رحمہ اللہ معنی کرتے ہیں: "يُنَعَّمُوْنَ یعنی اُن کو نعمتیں دی جائیں گی"۔

④ اِمام اَوزاعی رحمہ اللہ معنی کرتے ہیں کہ: "اُن کو وہاں گیت اور نظمیں سُنائی جائیں گی"۔

یہ سب معنی صحیح ہیں، کسی کا کسی سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ ﴿۱۷﴾:

"تفسیر کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: حِيْنَ تُمْسُوْنَ سے مغرب اور عشاء اور تُصْبِحُوْنَ سے صبح کی اور عَشِيًّا سے عصر اور حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ سے ظہر کی نمازوں کی فرضیت پر اِستدلال کیا جاتا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰﴾:

ربط: واضح ہے کہ اُوپر قیامت کا اِثبات تھا، آگے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی اور نشانیاں بتاتے ہیں۔

ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝:

پھر تم بکھرے ہوئے ہو، کوئی مشرق میں ہے، تو کوئی مغرب میں ہے، تو کوئی شمال میں ہے، تو کوئی جنوب میں ہے۔

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:

شادی ہونے کے بعد اِبتدائی مرحلہ مَوَدَّة کا ہوتا ہے اور بوڑھے ہونے کے بعد مرحلہ رحمت اور شفقت کا ہے۔

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۲﴾:

پنجابی میں "مہتر" بوڑھے کو کہتے ہیں اور چترالی میں "سردار" کو کہتے ہیں۔ "نائی" حجام کو کہتے ہیں اور مدراسی زبان میں "کتے" کو کہتے ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝:

زبانوں کا جاننا چوں کہ عالم کا کام ہے اِس لیے عٰلِمِيْنَ کہا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۴﴾:

سوال خَوْفًا ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب خَوْفًا، يُرِيْكُمْ کا مفعول لہٗ ہے۔ اَیْ لِاَجْلِ الْخَوْفِ۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۵﴾:

زمین اور آسمان اُس کے حکم سے قائم ہے۔

ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۔۔۔ الآیۃ:

یعنی اِسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے۔

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ ﴿۲۶﴾:

سوال كُلٌّ پر تنوین کون سا ہے؟

جواب كُلٌّ پر تنوین مضاف الیہ کا عوض ہے۔ اَیْ كُلٌّ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۷﴾:

یہاں ایک لفظی بحث ہے اور ایک معنوی بحث ہے۔

① لفظی بحث یہ ہے کہ:

سوال "هُوَ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب "هُوَ" ضمیر يُعِيْدُ فعل میں جو اِعَادَةٌ مصدر ہے اُس مصدر کی طرف راجع ہے۔

فَائِدَة: مصدر مذکر اور مؤنث دونوں ہو سکتا ہے خصوصاً وہ مصدر جو تاء والا ہو۔ جیسے: مُنَاظَرَةٌ، مُقَابَلَةٌ، مُجَادَلَةٌ، تَبْصِرَةٌ۔

② معنوی بحث یہ ہے کہ: اَهْوَنُ اسم تفضیل ہے۔ معنی یہ ہے کہ: "اللہ تعالیٰ ابتداً مخلوق پیدا کرتا ہے اور پھر لوٹاتا ہے تو اعادہ اَهْوَن یعنی آسان ہے"۔

اِشکَال: مفہوم یہ نکلا کہ: ابتداً پیدا کرنا مشکل ہے بہ نسبت اعادہ کے اور حال تو یہ ہے کہ سب خواہ ابتداءً ہو یا اعادہ ہو اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہیں؟!!

جَوَاب: "تفسیر بیضاوی، کبیر، خازن" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو سمجھانے کے لیے اِس طرح فرمایا ہے کیوں کہ مخلوق کے علم میں کسی چیز کا نمونہ دیکھ کر بنانا آسان ہوتا ہے بہ نسبت اِبتداً بغیر نمونہ کے بنانے کے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابتداً بنانا اور لوٹانا دونوں برابر ہیں۔لیکن تمہاری فہم اور سمجھ کے لیے ذکر فرمایا کہ: جو رب ابتداً پیدا کر سکتا ہے تو سمجھ لو کہ لوٹانا اُس پر آسان ہے ورنہ فِیْ نَفْسِہٖ رب تعالیٰ پر دونوں باتیں آسان ہیں۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔۔۔الآیۃ ❶:

ربط: اَبھی آپ نے پڑھا کہ: وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى۔۔۔الآیۃ ❷ پہلے رُکوع میں قیامت کا اِثبات اور اِس رُکوع میں توحید کا بیان ہے۔

هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ۔۔۔الآیۃ:

چودھویں پارہ میں گذرا ہے کہ: غلاموں اور آقاؤں میں صرف اِعتباری فرق ہے یعنی اے آقاؤ! تم برائے نام آقا ہو، باقی تقاضۂ بشری وغیرہ میں اُن کے اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اِس کے باوجود کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہارے غلام اور لونڈیاں تمہاری زمین میں، تمہارے کارخانوں میں، تمہاری صنعت میں، تمہاری تجارت میں، تمہارے مکان میں شریک ہو جائیں؟!! کیا ایسی بات ہے؟ پس! جب تم اپنے جیسے اِنسانوں کو اپنی دُولت میں برابر کا شریک نہیں بنانا چاہتے تو رب تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کو اُس کے کارخانے میں شریک ٹھہراتے ہو حال آں کہ رب تعالیٰ اور مخلوق کی نہ جنس ایک، نہ صِنف ایک، نہ اور کوئی مشابہت، لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔۔۔الآیۃ ❸ اِس کے باوجود تم رب تعالیٰ کے ساتھ اُس کی مخلوق کو شریک ٹھہراتے ہو تو اِس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟!!

تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ۔۔۔الآیۃ:

دو (۲) شریک ہوں ایک کام میں اور مال میں تصرف کرتے ہوں تو ہر شریک کو یہ فکر ہوتی ہے کہ: اگر مجھ سے حساب کتاب میں غلطی ہوئی تو میرا شریک مجھ پر اِعتراض کرے گا۔ تو کیا تم اپنے غلام سے ایسا ڈرتے ہو جیسا کہ دوسرے سے ڈرتے ہو؟ پس! جب تم اپنے غلام کو اپنے کارخانے میں، اپنے کاروبار میں شریک نہیں ٹھہراتے تو خدا کے بندوں کو، خدا کی مخلوق کو خدا کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟!!

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔۔۔الآیۃ ❷:

دلیل تو اُن کے پاس کچھ بھی نہیں بل کہ اُنھوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا۔۔۔الآیۃ ❸:

سوال لفظِ حَنِيْفًا ترکیب میں کس سے حال ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں: ① وَجْهَكَ کی "كَ" ضمیر سے حال ہے۔ اَیْ حَالَ كَوْنِكَ حَنِيْفًا۔

② لفظِ دِیْن سے حال ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔۔۔الآیۃ:

لفظِ فِطْرَتَ مفعول ہے اَیْ فَطَرَ فِطْرَتَ اللّٰهِ، اَلْزِمُوْا فِطْرَتَ اللّٰهِ۔

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ:

گکھڑ کالج میں چالیس (۴۰) سال تک مَیں نے دَرسِ قرآن دیا، یہ آیت آئی تو ایک صاحب نے پوچھا کہ: اللہ کی فطرت میں تبدیلی نہیں آتی حال آں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تبدیلی تو بہت سی چیزوں میں آتی ہے؟ فلاں جگہ لڑکی لڑکا بن گئی۔ مَیں نے کہا کہ: آپ نے آیت کا مفہوم نہیں سمجھا ہے۔ قرآن میں جو فطرت کا ذکر ہے اُس فطرت سے "دین" مُراد ہے، اِسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ ❹ یہاں بھی فطرت سے "دین" مُراد ہے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الرُّوْم، ۲۷) ❷ (سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی، ۱۱) ❸ (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ، ج ۱، ص ۱۸۱، طبع یادگار شیخ کراچی)

مُنِيْبِيْنَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ ۔۔۔ الآیۃ (۳۱):

مُنِيْبِيْنَ، وَجْهَكَ اور اُس پر جو عطف ہے اُس سے حال ہے۔ بات غور سے سمجھنا! وَجْهَكَ معطوف علیہ ہے اور وَمَنِ اتَّبَعَكَ اُس پر عطف ہے۔ معنی ہیں: "اور جنہوں نے تیری پیروی کی"۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ وَمَنِ اتَّبَعَكَ تو بھی قائم کر اپنے چہرے کو اور جنہوں نے تیری پیروی کی وہ بھی حَالَ كَوْنِكُمْ مُنِيْبِيْنَ إِلَيْهِ۔

وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝:

یہاں بحث غیر متعلق بھی ہے اور طویل بھی ہے۔ میں مختصر اُعرض کرتا ہوں کہ: یہاں دو (۲) باتیں ہیں:

① پہلی بات: جو شخص نماز چھوڑتا ہے یعنی نماز کو سمجھتا ہے اور سُستی سے ترک کرتا ہے وہ کافر ہو گا یا نہیں؟ اس میں اِختلاف ہے: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: ایسا شخص کافر نہیں ہوتا۔ امام اَحمد ابن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ایسا شخص کافر ہو جاتا ہے۔

دلائل: امام اَحمد ابن حنبل رحمہ اللہ دلیل میں قرآن مجید کی یہ آیت اور ایک حدیث پیش کرتے ہیں:

قرآن مجید کی آیت یہ ہے: وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ❶ نماز قائم کرو اور نہ ہو تم مشرکوں میں سے۔ تو گویا نماز نہ پڑھنا کفر اور شرک ہے۔

جواب اِس آیت سے تَارِكِ صَلٰوةٍ مُتَعَمِّدًا کی تکفیر ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ آیت میں وَاو عطف کے لیے ہے۔ معنی ہے: "قائم کرو نماز اور نہ ہو شرک کرنے والوں میں سے"۔ پس! اگر وَاو نہ ہوتا تو پھر آپ کا اِستدلال تام ہوتا لیکن یہاں وَاو ہے، لہٰذا دونوں کا حکم الگ الگ ہے، "نماز قائم کرو" الگ حکم ہے اور "مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ" الگ حکم ہے۔

حدیث یہ ہے: "طبرانی الاوسط" میں روایت ہے کہ: مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جِهَارًا ❷

جواب اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ حدیث صحیح ہے۔ لیکن یہ حدیث خبرِ واحد ہے، تکفیر کے لیے دلیل قطعی شرط ہے جب کہ خبرِ واحد ظنی ہوتی ہے۔ پس! حدیث صحیح ہونے کے باوجود خبرِ واحد ہے، لہٰذا اِس سے تکفیر کا حکم ثابت نہیں ہو گا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے بہت سے دلائل ہیں: "ابوداؤد، نسائی، مشکوٰۃ" وغیرہ حدیث کی کتابوں میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: جس شخص نے وضوء کیا، وضوء کر کے اُس نے نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ کا عہد ہے کہ اُسے بخش دے گا اور جس نے نماز کی پابندی نہ کی تو اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے، إِنْ شَآءَ غَفَرَ لَهٗ وَإِنْ شَآءَ عَذَّبَهٗ ۔ چاہے تو سزا دے چاہے تو معاف کر دے ❸

② دوسری بات: تَارِكِ صَلٰوةٍ مُتَعَمِّدًا کی سزا کیا ہے؟ اِس میں اِختلاف ہے:

اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: تَارِكِ صَلٰوةٍ مُتَعَمِّدًا کی سزا یہ ہے کہ اُس کو قید کیا جائے گا، یہاں تک کہ یا تو سچے دل سے توبہ کر لے یا وہیں مر جائے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: تَارِكِ صَلٰوةٍ مُتَعَمِّدًا کی سزا یہ ہے کہ اُس کو قتل کیا جائے گا۔ لیکن قتل کرنے کی علت اور وجہ کیا ہے؟ اِس میں ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا آپس میں اِختلاف ہے: اِمام شافعی رحمہ اللہ، اِمام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ قتل کرنا تعزیر کے طور پر ہے۔ اِمام اَحمد ابن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ قتل کرنا اُس کے مُرتد ہونے کی وجہ سے ہے۔

إِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ۝ (۳۶):

يَقْنَطُوْنَ باب سَمِعَ، يَسْمَعُ سے ہے۔ معنی ہے: "نا اُمید ہو جاتے ہیں"۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۔۔۔ الآیۃ (۳۸):

ربط: اُوپر یہ ذکر تھا کہ: تم فائدہ اُٹھاؤ اور یہ فائدہ تو نیکی سے اُٹھایا جاتا ہے اور پھر رزق کا ذکر تھا تو آگے اُس کے مصرف کا ذکر فرماتے ہیں کہ: اُس رزق میں سے ذَوِالْقُرْبٰى، مِسْكِيْن اور اِبْنِ سَبِيْل کو دو۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الرُّوْم: ۳۱) ❷ (المعجم الاوسط للطبرانی، باب المیم، من اسمہ جعفر، ج ۳، ص ۳۴۳، طبع دار الحرمین، القاہرۃ) ❸ (سنن أبی داود، کتاب الصلوۃ، باب فی المحافظۃ علی وقت الصلوات، ج ۱، ص ۶۲، طبع مکتبۃ الحسن، لاہور)

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِىٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ (۳۹):

"تفسیر مدارک، ابوسعود، بیضاوی، روح المعانی" وغیرہ میں دو (۲) تفسیریں مشہور ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: مَآ اٰتَيْتُمْ جو دیتے ہو تم سود خوروں کو سود تا کہ لوگوں کے یعنی سود خوروں کے مال بڑھیں، پس! وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتے۔ یعنی تم سود خوروں کو جو مال دیتے ہو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔ اِس تفسیر کے مطابق رِبًا سے سود ہی مُراد ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اِسی آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ: سود کی مثال ایسی ہے جس طرح کسی شخص کا بدن سوجھ گیا اور دن بہ دن وہ بڑھتا ہے، وہ اِس سے خوش ہوتا ہے حال آں کہ وہ اُس کی ہلاکت کا سبب ہے اور زکوٰۃ دینے والے کی مثال ایسی ہے کہ: جُلاب سے اُس کا بدن تو بہ ظاہر کمزور ہو گا لیکن اِس سے اُس کا بدن قوی ہو گا۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: تم کسی کو تحفہ دیتے ہو، ہدیہ دیتے ہو اِس خیال سے کہ وہ تمہیں اِس سے زیادہ دے، تو یہ کہتے ہیں کہ: یہ رِبًا اُس مطلوب کے لحاظ سے ہے یعنی تم تحفہ دیتے ہو زیادہ حاصل کرنے کے لیے تو یہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا کیوں کہ تمہاری نیت صاف نہیں لہٰذا ثواب بھی نہیں ملے گا۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ ۔۔۔الآیۃ (۴۱):

ربط: اُوپر شرک کا رد تھا، آگے اُسی شرک کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں کہ: ہم نے اُن مشرکین کو تباہ کیا۔

یاد رکھیں!! پہلے تو گناہ کم تھے، پہلے تو گناہ پاؤں پر، اُونٹوں وغیرہ پر چلتے تھے، اب تو راستوں پر چلتے ہیں، جہازوں پر چلتے ہیں۔ پس! ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَالْجَوِّ وَالْخَلَاۤءِ وَالْفَضَاۤءِ وَتَحْتَ الْبَحْرِ وَتَحْتَ الْاَرْضِ۔ اب تو ہر جگہ فساد ہی فساد ہے۔

لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ○:

لِيُذِيْقَهُمْ اَىْ جَزَآءً۔ تا کہ چکھائیں اُن کو اُن کے اَعمال کا کچھ بدلہ۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر ابن کثیر میں نقل کیا ہے کہ: ابن زیاد کا زمانہ ایسا تھا کہ گندم کا ایک دانہ بصرہ کی کھجور کی ایک گٹھلی کے برابر تھا۔ ہم نے کسی وقت وہ گٹھلیاں تولیں تو ایک تولہ بھی نکلیں اور نو (۹) ماشہ بھی نکلیں۔ اُن کے اُوپر لکھا تھا کہ: نُبِتَتْ فِىْ زَمَانِ الْعَدْلِ۔ یہ عدل کے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں۔

اِمام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے ایک سنگترہ دیکھا ہے کہ اُس کا آدھا حصہ خچر کے ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف پر لدا ہوا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو ایسی برکت اور اُمن کا زمانہ ہو گا کہ ایک بکری جب دُودھ دے گی تو وہ کئی اَفراد کو کافی ہو گا، اَنار کا ایک دانہ کئی اَفراد کو کافی ہو گا، اَنار کے دانہ کا خول اِتنا ہو گا کہ دس دس (۱۰،۱۰) اَفراد اُس کے نیچے آ جائیں گے، چھوٹے بچے سانپوں سے کھیلیں گے، بیل وغیرہ شیروں سے کھیل کود کرتے ہوئے ایک دوسرے کو کوئی بھی نقصان نہ پہنچائیں گے۔

"البدایہ والنہایہ" ابن کثیر رحمہ اللہ کی کتاب ہے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ: موسیٰ ابن اعین ایک بزرگ تھے، بڑے دین دار تھے اور غریب بھی تھے، اُن کا کام جانوروں کا دُودھ دوہنا تھا، اُس سے اپنا گزارہ کرتے تھے۔ اُن کو پتہ چلا کہ ایک قافلہ آیا ہے اور اُس کے ساتھ بہت سے جانور ہیں۔ اُن قافلے والوں سے جا کر جانوروں کا دُودھ نکالنے کا معاملہ طے کر لیا۔ پس! وہ جا کر وہاں دیکھتے ہیں کہ: تیس (۳۰) بھیڑیے اُن جانوروں کے ساتھ ہیں۔ اُنہوں نے پوچھا کہ: کتوں کا کیا کرتے ہو بھیڑ بکریوں کی حفاظت کے لیے تو ایک کتا کافی تھا؟ اُن قافلے والوں نے جواب دیا کہ: یہ کتے نہیں بل کہ بھیڑیے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ: ایسا کب سے ہوا کہ بھیڑیے بھی بکریوں کے ساتھ چلتے ہیں؟ اُس نے کہا کہ: تجھے معلوم نہیں ہے کہ خلیفہ راشد عمر ابن عبد العزیز (رحمہ اللہ) کا دَور ہے، اَمن اور عدل و انصاف کا زمانہ ہے۔ پھر ایک رات کو ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کر کے اُس کو پھاڑ دیا۔ وہ گڈریا رُونے لگا اور کہا: مَاتَ صَاحِبُ الْعَدْلِ۔ عدل والا بادشاہ مر گیا۔ جب پتہ چلا تو عین اُسی رات کو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ دُنیا سے رُخصت ہو چکے تھے۔

"الامامۃ والسیاسۃ" لابن قطبہ دینوری رحمہ اللہ میں لکھا ہے کہ: مدینہ طیبہ کے کچھ تاجر شام گئے، وہاں ایک شخص تھا مدینہ والوں کا بہت اِحترام کرتا تھا اور

اُن کے لیے صبح وشام ایک بکری ذبح کرتا تھا۔ ایک دن ایک گڈریے نے اُس کو کہا کہ: بھیڑیے نے ایک بکری پھاڑ ڈالی۔ وہ رُونے لگے، ہم حیران ہوگئے کہ: رُوزانہ ہمارے لیے ذبح کرتے ہیں اگر ایک کو بھیڑیا لے گیا تو کیا ہوا؟ اُس نے کہا: اِس پر نہیں رُوتا کہ بھیڑیا بکری کو کھا گیا بلکہ اِس پر رُوتا ہوں کہ عدل والا بادشاہ دُنیا سے رُخصت ہوگیا۔ عدل کی بہت بڑی برکت ہوتی ہے۔ آج جو دُنیا ظلم سے بھری ہوئی ہے یہ ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہے۔ اُن کے زمانہ میں چالیس، چالیس (۴۰، ۴۰) دن وقفے وقفے کے ساتھ بارش ہوتی تھی۔

علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ مصلّے پر بیٹھ کر ذکر وعبادت کرتے تھے اور اُن کی بھیڑ بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ اکٹھے چرتی تھیں۔ کسی نے پوچھا کہ: کب سے آپ کی بھیڑ بکریوں نے بھیڑیوں کے ساتھ اِتحاد کیا ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ: جب سے مَیں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اِتحاد کیا ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ۔۔۔الآیۃ (۴۳):

سوال: مَرَدَّ کیا ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① ظرف کا صیغہ ہے۔ معنی ہے: "ٹلنے کی جگہ نہیں ہے"۔ ② مصدر ہے۔ معنی ہے: "ٹلنا نہیں ہے"۔

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ○ (۴۴):

تَمْهِيْد کا معنی ہے: "اپنے سونے کے لیے جگہ تیار کرنا"۔ تو یہاں معنی ہوں گے: "اپنا سامان تیار کرنا"۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ۔۔۔الآیۃ (۴۵):

سوال: لِيَجْزِيَ کس کے متعلق ہے؟

جواب: ماقبل میں يَصَّدَّعُوْنَ کے متعلق ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ أَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ۔۔۔الآیۃ (۴۶):

اب یہاں سے رب تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں بیان کرتے ہیں۔

وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهٖ۔۔۔الآیۃ:

اُس وقت بادبانی کشتیاں تھیں، وہ ہوا سے چلتی تھیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلٰى قَوْمِهِمْ۔۔۔الآیۃ (۴۷):

ربط: قیامت کا ذکر بھی ہوچکا، توحید کا ذکر بھی ہوچکا اب رسالت کا ذکر ہے کیوں کہ منکرین جو تھے وہ رسالت پر بھی سختی سے رَد کرتے تھے۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○:

گیارہویں پارہ میں مَیں عرض کرچکا ہوں کہ: حَقّ کا وہ معنی نہیں جو معتزلہ کہتے ہیں کہ: "اللہ پر واجب اور لازم ہے"، کیوں کہ وجوب کے بعد اِختیار باقی نہیں رہتا۔ پس اِیہ حق، بِحَسْبِ الْوَعْدَة ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ○ (۴۹):

سوال: إِنْ کون سا ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ "معالم التنزیل" والے، علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ "جلالین" والے فرماتے ہیں کہ: إِنْ بمعنی قَدْ ہے۔ أَيْ وَقَدْ كَانُوْا" اور تحقیق سے تھے وہ اِس سے پہلے کہ اُن پر وہ بارش اُتاری جاتی "مِنْ قَبْلِهٖ یہ تاکید ہے یعنی اِس بارش کے نزول سے نااُمید۔

اِشکال: بعض دوسرے مفسرین رحمہم اللہ نے اِعتراض کیا ہے کہ: یہ تفسیر صحیح نہیں کیوں کہ إِنْ معنی قَدْ نہیں آتا۔ پھر اِن دونوں حضرات نے إِنْ بمعنی قَدْ کیوں کیا؟

جوابُ: مجھے اِس پر بہت خلجان تھا، مَیں نے لغت کی کتابیں دیکھیں تو "قاموس" میں بھی ملا اور "تاج العروس" میں بھی ملا کہ: إِنْ بمعنی قَدْ آتا ہے،

وَقَدْ وَرَدَ فِي الْقُرْاٰن قرآن میں بھی ہے کہ: فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ❶ أَيْ قَدْ نَفَعَتِ الذِّكْرٰى ۔لہٰذا یہ تفسیر غلط نہیں بل کہ صحیح ہے۔

② بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ: إِنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ أَيْ وَإِنَّهُ كَانُوْا ۔۔۔ الآیۃ ۔اور بے شک! شان یہ ہے کہ: تھے وہ اِس سے پہلے کہ بارش اُن پر اُتاری جاتی، تھے البتہ اِس سے پہلے نااُمید۔

وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ۝ ﴿۵۱﴾:

سوال فَرَأَوْهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب "تلخیص المفتاح، مختصر المعانی اور بدیع" کی کتابوں میں ہے کہ: اِس کو اِقتضاب کہتے ہیں۔ اِقتضاب کا معنی ہے کہ: پہلے ایک چیز ذکر ہو اور ضمیر اُس کے متعلق سے وابستہ ہو یعنی ضمیر اُس کی طرف نہ لوٹے بل کہ اُس کے متعلق کی طرف لوٹے۔ یہاں پر فَرَأَوْهُ کی "ہٗ" ضمیر "أَثَرِ رِيْح" کی طرف راجع ہے کیوں کہ "رِيْح" کا لفظ تو مؤنث ہے تو اُس کی طرف مذکر کی ضمیر راجع نہیں ہوسکتی۔ تقدیری عبارت یہ ہوگی کہ: فَرَأَوْهُ أَيْ فَرَأَوْا أَثَرَ الرِّيْحِ۔ أَثَرِ رِيْح سے مُراد نباتات یعنی جو سبزی اُگتی ہے اِس میں ہوا کا دخل ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۴﴾:

ربط: اُوپر بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل تھے آگے بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی کے دلائل ہیں کہ: بچہ پیدا ہو جائے تو کمزور ہوتا ہے، پھر جوان ہو کر قوت کو پہنچتا ہے اور پھر بوڑھا ہو کر ضعف تک پہنچ جاتا ہے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۵﴾:

قیامت کے دن مجرمین قسمیں کھائیں گے کہ: ہم نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی۔ اِس لمبی مدت کے بارے میں کوئی يَوْم کہے گا، کوئی عَشِيَّة کہے گا، کوئی غَيْرَ سَاعَة کہے گا، کوئی عَشْرًا کہے گا۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ ﴿۵۷﴾:

يُسْتَعْتَبُوْنَ کا مجرد مادہ عُتْبٰی بروزن بُشْرٰی، كُبْرٰی ہے۔ معنی ہے: اَلرُّجُوْعُ إِلٰى مَا يَرْضَى اللّٰهُ۔ مَیں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ معنی کرتے ہیں کہ: "اور نہ ہوگی مطلوب اُن سے توبہ"۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۸﴾:

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ صفت ہے۔ أَيْ مَثَلًا مِّنْ كُلِّ مَثَلٍ۔

وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝ ﴿۶۰﴾:

جو چیز بھاری ہوتی ہے وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی اور جو ہلکی اور خفیف ہو وہ ہل سکتی ہے۔ تو معنی یہ ہے کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا وزن ڈالیں تا کہ اُن کے عقیدے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی جگہ سے نہ ٹلا سکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور سبق ہم کو ہے کہ: اپنے ایمان و عملِ حسنہ کا پورا وزن اپنی جگہ پر رکھو۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْأَعْلٰى ۹)

اٰیَاتُھَا (۳۴) (۳۱) سُوْرَۃُ لُقْمٰنَ مَکِّیَّۃٌ (۵۷) رُکُوْعَاتُھَا (۴)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: ربط کے متعلق دو (۲) باتیں ہیں:

① "تفسیر کبیر، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں قرآن پاک کا ذکر تھا: وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ ۔۔۔ الآیۃ ❶ اِسی طرح اِس سورۃ میں بھی قرآن پاک کی عظمت کا ذکر ہے: تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ○ ❷

② اِسی طرح پہلی سورۃ میں بھی دو (۲) گروہوں کا ذکر تھا: ① ماننے والے۔ ② نا ماننے والے۔ اِس سورۃ میں بھی دو (۲) گروہوں کا ذکر ہے، اُن میں سے ایک قرآن کو مانتا ہے اور دوسرا نہیں مانتا۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ لُقْمٰن ہے۔

الٓمّٓ ○ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ○ (۲):

حکیم کے دو (۲) معنی ہیں: ① محکم، اٹل۔ ② حکمت اور دانائی سے پُر۔

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ ۔۔۔ الآیۃ (۴):

یہاں سے مفلح لوگوں کا بیان ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ ۔۔۔ الآیۃ (۶):

ربط: پہلے مفلح لوگوں کا بیان تھا اور آگے مفسدین کا بیان ہے۔

شانِ نزول: تمام تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ: نضر ابن حارث جو رُؤسائے کفار میں سے تھا بہ غرض تجارت عراق کے علاقے حیرہ جاتا تھا، وہ وہاں سے شاہانِ عجم کے قصص و تواریخ خرید کر لایا اور قریش سے کہا کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں، آؤ! میں تم کو رُستم واسفندیار اور شاہانِ ایران کے قصے سناؤں۔ بعض لوگ اُن کو دلچسپ سمجھ کر اُدھر متوجہ ہوجاتے تھے، نیز اُس نے ایک گانے والی لونڈی خرید رکھی تھی جس کو دیکھتا کہ: اِس کا دل نرم ہوا اور اِسلام کی طرف جھکا تو اُس کے پاس لے جاتا اور کہہ دیتا کہ: اِسے کھلا پلا اور گانا سناؤ۔ پھر اُس شخص کو کہتا کہ: دیکھ! یہ اُس سے بہتر ہے جدھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں کہ: نماز پڑھو، رُوزہ رکھو اور جان سے مارو۔ اِس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا ۔۔۔ الآیۃ (۱۰):

یہاں سے توحید کا بیان ہے۔

فَاَنْۢبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ ○:

ہر قسم کے جوڑے یعنی گرم وسرد اور میٹھی و کڑوی وغیرہ۔

فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ ۔۔۔ الآیۃ (۱۱):

اَرُوْنِیْ اَیْ اَخْبِرُوْنِیْ۔ معنی ہے: "تم بتاؤ"۔

بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○:

یہ بَلْ حرفِ اِضراب ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ الرُّوْم، ۵۸) ❷ (سُوْرَۃُ لُقْمٰن، ۲)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ۔۔۔الآیۃ (۱۲):

ربط: اُوپر توحید کا اِثبات اور شرک کا رد تھا، اب آگے بیان فرماتے ہیں کہ توحید اِتنی ظاہر اور فطری بات ہے کہ: حضرت لقمان رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ: لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ [1] یعنی عقل سے بھی معلوم ہوسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص پہاڑ میں ہو اور بالغ ہوجائے اور موقع بھی فکر کرنے کا نہ پائے تو اُس سے توحید کے بارے میں پوچھا جائے گا کیوں کہ یہ فطری چیز ہے۔

"رُوح البیان وغیرہ" میں حضرت لقمان رحمہ اللہ کا سلسلہ نسب یوں ہے: "لقمان بن باعور بن ناحور رحمہ اللہ"۔

سوال حضرت لقمان نبی تھے یا نہیں تھے؟

جواب "تفسیر خازن، روح المعانی، کبیر" وغیرہ دیگر تفسیروں میں بڑا کچھ لکھا ہے۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ: جمہور کے نزدیک یہ پیغمبر نہیں تھے۔ صرف عکرمہ رحمہ اللہ جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں۔ کہتے ہیں کہ: حضرت لقمان نبی تھے۔ اِن کے علاوہ کوئی صحابی، تابعی، تبع تابعی ان کی نبوّت کا قائل نہیں ہے، یہ ایک نیک، متقی، پارسا مؤمن اور وقت کے ولی تھے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کے زمانے میں تھے، حضرت داوٗد علیہ السلام کو اُنہوں نے دیکھا ہے۔

اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۔۔۔الآیۃ:

اِس میں اَنْ تفسیریہ ہے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ ۔۔۔الآیۃ (۱۳):

سوال بیٹے کا نام کیا تھا؟

جواب اِس میں مختلف اَقوال ہیں:

① بعض کہتے ہیں کہ: ثَوْرَان نام تھا۔ ② بعض کہتے ہیں کہ: اَنْعُم نام تھا۔ ③ بعض کہتے ہیں کہ: مُشْكَم نام تھا۔

سوال بیٹا مشرک تھا یا مُوَحِّد تھا؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① ایک قول یہ ہے کہ: بیٹا مشرک تھا اُس کو سمجھا کر راہِ راست پر لانا چاہتے تھے۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ: بیٹا مسلم اور مُوَحِّد تھا، اُسے توحید پر خوب مضبوط کرنے اور جمائے رکھنے کی غرض سے یہ وصیت فرمائی۔

وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ:

يٰبُنَيَّ میں "یاء" تصغیر کی ہے جو کہ شفقت کے لیے ہے۔ معنی ہے: "اے میرے پیارے بیٹے! اے میرے پتر"۔

سوال بِاللّٰهِ میں "باء" کونسا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ باء برائے قسم ہے۔ معنی کرتے ہیں: "اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کی قسم! شرک مت کرنا"۔

② جمہور فرماتے ہیں کہ: یہ باء، تُشْرِكْ کا صلہ ہے۔ اَیْ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اَحَدًا، شَيْئًا۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○:

ظُلْم کے معنی ہیں: وَضْعُ الْحَقِّ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّهٖ۔

اِشکال: بعض ملحدین نے یہ اشکال کیا ہے کہ: مسلمان یہ کہتے ہیں کہ جو شخص شرک کرتا ہے یہ ظلم عظیم ہے، اُس کا کوئی عمل قابل قبول نہیں۔ تو ملحدین نے یہ کہا کہ: یہ عدل و انصاف کی بات نہیں کہ شرک کرے ایک سال وغیرہ اور سزا ہمیشہ کی ملے؟!!

جواب: اللہ جزائے خیر دے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ جیسے اَکابرین کو جنہوں نے اِس کا جواب دیا کہ: مشرک نے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات پر ڈاکہ ڈالا، غیب کی صفت، حاضر و ناظر کی صفت، اَولاد دینے کی صفت وغیرہ اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات غیر متناہی ہیں یعنی اُن کی ایک زمانہ تک کوئی حد

[1] (سُورَةُ لُقمٰن، ۱۳)

معلوم نہیں تو مشرک نے غیر متناہی صفات پر ڈاکہ ڈالا اِس لیے اُس کو سزا غیر متناہی ملے گی اور یہ عین اِنصاف ہے کہ: سزا بہ قدرِ جرم ہو اور باقی اشیاء متناہی ہیں لہٰذا اُن کی سزا بھی متناہی ہوگی۔

حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۴﴾:

سوال لفظِ وَهْنًا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ وَهْنًا منصوب بنزعِ الخافض ہے۔ اَیْ فِیْ وَهْنٍ۔

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۵﴾:

"الکلام المفید" میں باحوالہ بسط سے بات کی ہے کہ: اِتباع اور تقلید دونوں ایک ہیں۔ تو معنی یہ ہے کہ: "تقلید کرو اُن کی جو میری طرف رُجوع کریں" اور ائمہ سے بڑھ کر کون اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرے گا؟!!

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۶﴾:

آپ کو "جلالین" تک میں ملے گا: اِنَّهَآ اَیْ اَلْخَصْلَةَ السَّيِّئَةَ یعنی بیٹے! بے شک! بری خصلت اگر رائی کے دانے کے برابر ہو اور وہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو تو بیٹے! یاد رکھنا! يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ۔۔۔الآیۃ (۱) اُس خصلتِ سَیِّئَۃ کو رب ضرور لائے گا۔ یہ ہے تصوف۔ اِس سے تصوف بھی سکھایا کہ: خدا کو نہ بھولنا، بس! ہر وقت اُسی کو یاد کرنا۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۸﴾:

صَعَّرَ، يُصَعِّرُ، تَصْعِيْرًا۔ بابِ تَفْعِيْل سے ہے۔ اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① تَصْعِيْر کا ایک معنی ہے: "مائل کرنا"۔ علامہ محلی رحمہ اللہ معنی کرتے ہیں کہ: وَلَا تُمِلْ نہ مائل کر اپنا رخسار۔ لِلنَّاسِ میں لَام بمعنی عَنْ ہے۔ اَیْ لَا تُمِلْ خَدَّكَ عَنِ النَّاسِ۔ مطلب یہ ہے کہ: کوئی آدمی تم سے کوئی بات پوچھے تو تکبر کرتے ہوئے اپنے رُخسار کو اُن سے مائل نہ کرو۔

② تَصْعِيْر کا دوسرا معنی ہے: "پھلانا یعنی نہ پھلا اپنا رُخسار"۔ یہ معنی حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کرتے ہیں کہ: اگر کوئی تم کو بُلاوے تو لوگوں کو حقیر سمجھ کر متکبّروں کی طرح بات نہ کر بل کہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے مِل۔

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۹﴾:

قَصَدَ، يَقْصِدُ، بابِ ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے بھی آتا ہے اور قَصَدَ، يَقْصُدُ بابِ نَصَرَ، يَنْصُرُ سے بھی آتا ہے۔ معنی ہے: "درمیانی چال" یعنی نہ پاگلوں کی طرح دوڑو اور نہ بیماروں کی طرح پاؤں گھسیٹ کر چلو بل کہ درمیانہ چال چلو۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۰﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ: لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ۔۔۔الآیۃ (۲) یعنی توحید کا اِثبات فرمایا اور شرک کا رد کیا۔ آگے فرماتے ہیں کہ: توحید کے دلائل تو بڑے واضح ہیں! دیکھتے نہیں!! یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کیں ہیں۔

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً۔۔۔الآیۃ:

کھلی نعمتیں جو حواس سے مدرک ہوں یا بے تکلف سمجھ میں آجائیں۔ مثلاً: آنکھ، کان وغیرہ۔ چھپی وہ جو عقل غور وفکر سے دریافت کی جائیں۔ مثلاً: علم، اَخلاقِ حسنہ، فراست، شعور وغیرہ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔۔۔الآیۃ:

یہاں بعض نے ابوجہل کا نام لیا ہے، بعض نے عتبہ ابن معیط کا نام لیا ہے، بعض نے اُبی بن خلف کا نام لیا ہے۔ یہ صرف مثال ہے کہ: نزولِ قرآن کے وقت یہ لوگ جھگڑا کرتے تھے۔ ایسے جھگڑالو تو قیامت تک آتے رہیں گے۔

---

(۱) (سُوْرَۃُ لُقْمٰن، ۱۶) (۲) (سُوْرَۃُ لُقْمٰن، ۱۳)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا۔۔۔ الآیۃ (۲۱):

جب اُن کفار سے کہا جاتا ہے: مَا اَنْزَلَ اللهُ کی پیروی کرو۔ تو کہتے ہیں: ہم اَنْزَلَ اللهُ کی پیروی نہیں کریں گے بل کہ ہم اُس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے اٰباء کو پایا ہے۔

مَیں نے دوسرے پارہ میں قدرِ تفصیل سے بات عرض کر دی ہے کہ: ایک ہے تقلید جائز اور ایک شرک ہے۔ قرآنِ کریم میں جس مسئلہ کا ثبوت نہ ہو، حدیث میں نہ ہو، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے نہ ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ ہو تو ایسے مسئلہ میں کسی اِمام کی بات کو ماننا یہ ہے اہلِ اِسلام کی تقلید اور اہلِ اسلام اِمام کو معصوم نہیں سمجھتے بل کہ مجتہد مانتے ہیں اور اَلْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيبُ۔

اہلِ اِسلام اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں تقلید کو جائز نہیں سمجھتے۔ اِن آیات میں جس تقلید کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے اُس تقلید کا اہلِ اِسلام میں کوئی قائل نہیں ہے۔ قرآن نے اُس تقلید کی تردید کی ہے جو منصوص علیہ مسائل میں ہو اور جس میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح حکم کو چھوڑ کر اٰباء واَجداد کی پیروی کی جائے۔ تو دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ مبسوط بحث "الکلام المفید" کتاب میں دیکھیں۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ۔۔۔ الآیۃ (۲۵):

تو کہہ دے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اتم اِقراری مجرم ہو۔

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ۔۔۔ الآیۃ (۲۷):

یہاں سے یہ بات فرماتے ہیں کہ: مشرکوں نے رب تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی کو نہیں سمجھا۔ جس وقت سے زمین بنی ہے شمال تا جنوب، مشرق تا مغرب اُس وقت سے جتنے درخت ہیں اُن کو تراش تراش کر لکھنے والے قلم بنائے جائیں یعنی اُن تمام درختوں کو نہ جلایا جائے، کوئی عمارت وغیرہ نہ بنائی جائے بل کہ قلم بنائے جائیں۔ جغرافیہ دان کہتے ہیں کہ: دُنیا کے سو(۱۰۰) حصے ہیں، اُن سو(۱۰۰) حصوں میں سے اکہتر(۷۱) حصے آب اور اُنتیس(۲۹) حصے خشکی کے ہیں، اُن اُنتیس(۲۹) حصوں میں دُنیا کے تمام ممالک آباد ہیں اور یہ سب سمندر سارے کے سارے سیاہی بن جائیں، پھر پیچھے سے سات(۷) سمندر اور اُس کی کمک پر آ جائیں، تمام اِنسان، جنّات، فرشتے، غرض تمام مخلوق اللہ کی صفات، خوبیاں اور کمالات لکھنا شروع کریں، لکھنے والوں کی عمریں ختم ہو جائیں گی، قلم گھس گھس کر ٹوٹ جائیں گے، سیاہی ختم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک اَلِف بھی ختم نہ ہوگا کیوں کہ سمندر بھی محدود اور متناہی ہیں، مخلوق بھی محدود اور متناہی ہے، قلم بھی محدود اور متناہی ہیں، درخت بھی محدود اور متناہی ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کی صفات غیر محدود، غیر متناہی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ: متناہی، غیر متناہی کا اِحاطہ تو نہیں کر سکتا۔ ایسی ذات کے ہوتے ہوئے کسی اور سے مانگنا کتنا بڑا ظلم ہے؟!!

اَکبر الٰہ آبادی کہتے ہیں۔

اُس سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اکبرؔ
یہی وہ در ہے کہ ذلّت نہیں سوال کے بعد

ایک اور شاعر کہتا ہے۔

دینا ہے اپنے ہاتھ سے اے بے نیاز دے
کیوں مانگتا پھرے تیرا سائل جگہ جگہ

"ترمذی شریف" کی روایت ہے: مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ[1]

ترجمہ: جو رب سے نہیں مانگتا رب اُس سے ناراض ہوتا ہے۔

دیکھیے! سمجھانے کے لیے مَیں بات عرض کرتا ہوں کہ: گھروں میں بیبیاں بھی ہیں، بچے بھی ہیں، بچیاں بھی ہیں، سب کے گھروں میں ہیں۔ فرض کرو! کسی کا بچہ بجائے باپ سے مانگنے کے محلے میں کہے: مجھے کتاب لے دو، مجھے سلیٹ لے دو، مجھے جوتی لے دو، مجھے کرتا لے دو، مجھے ٹوپی لے دو۔ تو غریب سے غریب آدمی بھی اِس کو گوارہ نہیں کرتا۔ کیوں؟ اِس لیے کہ وہ کہے گا: مَیں باپ ہوں! مَیں چوری کر کے لاؤں، ڈاکہ ڈال کر لاؤں مجھ سے

[1] (جامع الترمذی، ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲، ص ۱۷۵، طبع قدیمی، کراچی)

مانگو! لوگوں سے نہ لو۔ فرض کرو! کسی کی بیوی محلے میں کسی کو کہے کہ: مجھے کنگی خرید دو، مجھے جوتی خرید دو، مجھے شلوار خرید دو۔ کوئی ہے غیرت مند جو اس کو گوارہ کرے؟!!

تو اَلْعَیَاذُ بِاللہ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ: رب تعالیٰ کو ہم نے اَلْعَیَاذُ بِاللہ ثُمَّ اَلْعَیَاذُ بِاللہ ایک نکمی چیز سمجھا۔ نَعُوْذُ بِاللہ۔ اُس رب کی صفات تو ایسی ہیں کہ ساری زندگی ختم ہو، سب دریا ختم ہو جائیں، قلمیں گھس جائیں، اُس کی تعریف ختم ہونے والی نہیں ہے۔

یہاں ایک اور بات بھی سمجھیں!! بعض ملحدین نے ایک اِشکال کیا ہے۔

اِشکال: ایک آدمی شرک کرتا ہے بالغ ہونے کے بعد ایک (۱) ہفتہ یا ایک (۱) مہینہ یا ایک (۱) سال یا دس (۱۰) سال یا بیس (۲۰) سال یا تیس (۳۰) سال یا چالیس (۴۰) سال یہ تو محدود زمانے میں کرتا ہے اور تم کہتے ہو کہ: سزا اُس کی غیر محدود ہوگی، آبَدًا آبَدًا ہوگی۔ یہ تو انصاف کے خلاف ہے کہ: جرم تو محدود زمانے میں ہو اور سزا غیر محدود زمانے میں ہو؟!!

جواب: علماءِ حق فرماتے ہیں: دیکھو! تم نے بات کو نہیں سمجھا۔ اللہ تعالیٰ کی جو صفات ہیں وہ غیر محدود ہیں، علم، قدرت، سَمَاع، بَصَر وغیرہ وغیرہ۔ مشرک نے ڈاکہ ڈالا ہے غیر محدود دولت پر، رب کی غیر محدود صفات میں اَوروں کو شامل کیا ہے تو سزا بھی غیر محدود ہوگی۔ اِس کے علاوہ باقی گناہ محدود ہیں تو سزا بھی محدود ہوگی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۱﴾:

ربط: واضح ہے کہ: اُوپر بھی توحید، رب تعالیٰ کی قدرت کے دلائل کا ذکر تھا اور آگے بھی قدرت کے دلائل ہیں۔

وَاِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۲﴾:

ظُلَل، ظُلَّۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "سائبان"۔

فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۔۔۔ الآیۃ:

مُقْتَصِد کا معنی ہے: "درمیانی چال چلتا ہے" یعنی رب کو بھی پکارتے ہیں اور لات منات کو بھی پکارتے ہیں۔

وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ o:

خَتَّار کا معنی ہے: "وعدہ شکن"۔

لَا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۳﴾:

وَالِدٌ کا معنی ہے: "جننے والا"۔ ماں، باپ دونوں کو شامل ہے۔

وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ o:

لفظِ غَرُوْر بروزن رَسُوْل "بِالْفَتْحِ الْغَیْن" صفت کا صیغہ ہے۔ معنی ہے: "دھوکہ دینے والا"۔ "غُرُوْر" "بِالضَّمِّ الْغَیْن" مصدر ہے۔ معنی ہے: "دھوکہ"۔ جیسے: وَضُوْء اور وُضُوْء، طَهُوْر اور طُهُوْر۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۴﴾:

"تفسیر خازن، معالم التنزیل، ابن کثیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: عَمرو ابن حارث ایک شخص تھا، اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کیئے:

① پہلا سوال یہ کیا کہ: جس قیامت کا تو ذکر کرتا ہے وہ کب آئے گی؟ ② دوسرا سوال یہ کیا کہ: میری فصل لگی ہوئی ہے بارش کب ہوگی؟

③ تیسرا سوال یہ کیا کہ: میری بیوی حاملہ ہے وہ حمل کیا ہے؟ لڑکا ہے یا لڑکی؟

④ چوتھا سوال یہ کیا کہ: مَیں نے جو آج کام کیا ہے وہ تو مجھے معلوم ہے، آئندہ کل میں کیا کروں گا؟

⑤ پانچواں سوال یہ کیا کہ: جس زمین مَیں پیدا ہوا ہوں وہ تو مجھے معلوم ہے، لیکن جس زمین مَیں مروں گا وہ معلوم نہیں؟

تو یہ آیت اُس کے سوالات کا جواب ہے۔

یہاں بحثیں بڑی طویل ہیں، میں اُن میں نہیں پڑنا چاہتا، صرف ایک دو اِشارے کر دیتا ہوں:

① پہلی بحث: اِن آیات میں جن چیزوں کا ذکر ہے "ازالۃ الریب" میں ہم نے حوالے نقل کیئے ہیں کہ: اُن کے کلیات کو اللہ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ بعض جزئیات کو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ بتادے تو قطعی طور پر پیغمبر جان سکتا ہے۔ کشف و اِلہام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کسی ولی کو بعض جزئیات بتادیں تو وہ کشف و اِلہام ظنی ہوتے ہیں، علم نہیں کہلاتے اور وہ بھی جزئیات ہیں کلیات نہیں ہیں، اِن اُمور کے کلیات صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔

② دوسری بحث: "اِزالۃ الریب" میں میں نے "فتح الباری، عمدۃ الباری، تفسیرات اَحمدیہ اور تفسیر منار" وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ: اِن پانچ (۵) چیزوں سے پانچ (۵) عَالَم مُراد ہیں اور کوئی شے اِن سے خارج نہیں ہے۔

③ تیسری بحث: "ابو سعود، مدارک، مظہری، روح المعانی" وغیرہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ: ابو جعفر منصور عباسیوں کا خلیفہ تھا، اُس ظالم نے اِمام صاحب رحمہ اللہ کو ڈیڑھ سو (۱۵۰) کوڑے مارے یعنی اُس کے حکم سے مارے گئے اور اُس کے حکم سے اِمام صاحب رحمہ اللہ کو چار (۴) سال قید کیا گیا اور اُس کے حکم سے اِمام صاحب رحمہ اللہ کو زہر دے کر شہید کیا گیا، یعنی وہاں قید میں زہر خورانی کی وجہ سے شہید ہوئے۔ اُس جعفر نے خواب میں دیکھا کہ: مَلَکُ الْمَوْت سے ملاقات ہوئی تو اُس نے مَلَکُ الْمَوْت سے پوچھا کہ: کتنا عرصہ میں اِس دُنیا میں رہوں گا؟ تو اُس نے اپنا پنجہ کھڑا کیا۔ صبح کو معبرین خواب بُلائے گئے۔ کسی نے کہا کہ: پانچ (۵) دن باقی ہیں، کسی نے پانچ (۵) ہفتے کا جواب دیا اور کسی نے پانچ (۵) ماہ اور کسی نے پانچ (۵) سال بتائے۔ وہ تو بادشاہ تھا، ترپن لاکھ (۵۳۰۰۰۰۰) میل پر اُس کی حکومت تھی۔ اُس نے کہا کہ: میں اِن تعبیرات سے مطمئن نہیں ہوں۔ خادم کو کہا کہ: اِمام صاحب رحمہ اللہ کو بُلاؤ۔ اِمام صاحب رحمہ اللہ آئے اور فرمایا کہ: كَذَبَ كُلُّهُمْ۔ اَصل میں مَلَکُ الْمَوْت کا پنجہ کھڑا کرنے کا مطلب یہ تھا کہ: موت کا علم اُن پانچ (۵) چیزوں میں سے ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، تو اِس لیے اِس کا علم واجب تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ ثُمَّ قَرَأَ: إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ ۔۔۔ الآیۃ۔

آیاتُھا (۳۰) (۳۲) سُوْرَۃُ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۷۵) رُکُوْعَاتُھَا (۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں نبوّت کا ذکر تھا۔ اِس طور پر کہ: پوچھنے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا اِمتحان لیا کہ یہ بتا تو تب نبی مانیں گے ورنہ نہیں۔
اِس سورۃ میں آگے نبوّت کا ذکر ہے کہ: ہم نے تجھ پر کتاب اُتاری تاکہ تو لوگوں کو ڈرائے۔
نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ السَّجْدَۃ ہے۔

سوال اِس سورۃ کو سُوْرَۃُ السَّجْدَۃ کیوں کہتے ہیں؟

جواب تمام تفسیروں میں لکھا ہے کہ: اِس سورۃ کو سُوْرَۃُ السَّجْدَۃ اِس لیے کہتے ہیں کیوں کہ اِس میں سجدے کا ذکر ہے۔
لیکن اِس جواب سے دل مطمئن نہیں ہوتا کیوں کہ سجدہ کا ذکر تو دوسری سورتوں میں بھی ہے۔ ایک بات مَیں اپنی طرف سے بتاتا ہوں، اِنْ یَّکُنْ صَوَابًا فَمِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَاِنْ یَّکُنْ خَطَأً فَمِنِّیْ وَمِنَ الشَّیْطَانِ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ وہ بات یہ ہے کہ: اِس سورۃ میں اِیسے سجدہ کا ذکر ہے جس کے لیے گرم نرم بستر ترک کر کے اِنسان پڑے اور اللہ کے حضور کھڑا ہو یہ ذرا دشوار کام ہے۔ باقی سورتوں میں سجدے کا ذکر تو ہے لیکن اِس وصف کے ساتھ نہیں ہے۔

❁ اگر کوئی وجہ تسمیہ آپ کو تفسیروں میں ملے تو ہمیں بھی مطلع کریں، اگر زندہ نہ رہوں تو مَیں سَمَاعِ مَوْتٰی کا قائل ہوں آ کر قبر پر سنائیں۔

❁ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وصیت کی تھی کہ: انگریزوں کے خلاف ہم نے بہت کوششیں کیں ہیں، تو جب انگریز اِس ملک سے چلا جائے تو ہماری قبر پر اِطلاع دیں۔

❁ اِسی طرح ایک دفعہ ایک مسلمان لڑکی کا ایک مرزائی کے ساتھ لاعلمی سے نکاح ہوا تھا، وہ جب سُسرال چلی گئی تو دیکھا کہ: سب مرزائی ہیں۔ وہ گھر آئی اور باپ، بھائی وغیرہ سے بہت ناراض تھی کہ: مجھے کافروں کو دے دیا۔ اُنہوں نے کہا: کیوں؟ اُس نے کہا کہ: وہ سب مرزائی ہیں۔ اُنہوں نے عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ اُس وقت حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ تھے، جج کو مقدمہ پیش کیا، اُس وقت فیصلہ نہ ہوا اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو نکاح توڑنے کے حق میں تھے۔ اُنہوں نے اپنے اَحباب سے فرمایا کہ: اگر فیصلہ ہمارے حق میں ہوا اور مَیں زندہ نہ تھا تو کوئی آئے اور قبر پر کہہ دے۔

بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا ۔۔۔ الآیۃ ۳:

لِتُنْذِرَ ← تَنْزِیْل یعنی اِس کتاب کے نازل کرنے کی علّت ہے۔

مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ ۔۔۔ الآیۃ:

اُن کے پاس نَذِیْر نہیں آیا تجھ سے پہلے یعنی قریب کے زمانے میں۔ یہ جو اہلِ عرب تھے اِن کی طرف ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آیا، ہزارہا سال تک اُن کا دین برقرار رہا۔ سب سے پہلے ایک بدبخت اِنسان تھا "عمرو ابن لُحی ابن قمع"۔ "بخاری شریف" میں اِس کا نام اِسی طرح آیا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً ڈھائی سو (۲۵۰) سال پہلے یہ شرک رائج کیا، اُس سے پہلے سب توحید پر تھے۔ یہ "عمرو ابن لُحی" اِتنے گرے ہوئے اَخلاق کا تھا کہ "بخاری شریف" ہی میں موجود ہے کہ: حج کے دنوں میں اِس نے ایک کونڈی بنائی تھی، یہ طواف کرتا تھا تو طواف کرتے وقت جس کی چادر وغیرہ اچھی لگتی تو وہ کنڈی ساتھ اٹکا دیتا تھا۔ لوگ چوں کہ وہاں اللہ کی رضا کے لیے جاتے ہیں، پس! اللہ کی طرف توجہ ہوتی تھی۔ تو جن کو معلوم نہ ہوتا تو جلدی سے اُس کو تھیلی میں ڈال لیتا اور جو کوئی دیکھ لیتا تو کہتا کہ: معاف کرنا یہ کنڈی آ گئی تھی۔ تو یہ خبیث تھا جس نے شرک کی اِبتداء کی۔ بس! عرب میں قریب کے زمانے میں کوئی نہیں آیا بہ خلاف حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل کے کہ اُن کی نسل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار (۴۰۰۰) پیغمبر آئے ہیں۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۞٥

سُوْرَةُ الْحَجّ میں اِس مضمون کی آیت آئی تھی: وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ۔۔۔الآیۃ (1) مَیں نے کہا تھا: إِنْ شَآءَ الله، سُوْرَةُ السَّجْدَة میں اِس کے متعلق بہ قدرِ ضرورت بات ہوگی، اِس آیت کو ذرا توجہ سے سمجھیں!!

آیت کا ترجمہ یہ ہے: يُدَبِّرُ الْأَمْرَ۔۔۔الآیۃ کام کی تدبیر کرتا ہے آسمان سے زمین تک، پھر وہ اَمر چڑھتا ہے اللہ کی طرف ایسے دن میں جس کی مقدار ہزار (۱۰۰۰) سال ہے جو تم گنتے ہو۔

"تفسیر ابن جریر طبری، روح المعانی، کبیر" وغیرہ میں بڑی بحث ہے، مَیں مختصراً عرض کرتا ہوں، اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① **پہلی تفسیر:** يَوْم سے مُراد قیامت کا دن ہے۔ اِس تفسیر کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہے کہ: اب دُنیا میں یہ نظام رب تعالیٰ چلاتے ہیں، پھر یہ اَمر لوٹ جائے گا قیامت کے دن اور وہ قیامت کا دن ہزار (۱۰۰۰) برس کا ہے تمہاری گنتی کے حساب سے۔

اِشکال: یہاں أَلْفَ سَنَةٍ ہے اور آگے خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ (2) ہے یہ تو تعارض ہے؟ دوسرا یہ کہ: حدیث میں آتا ہے کہ: وہ دن مسلمان مؤمن پر ایسا گذرے گا جیسا ایک فرض نماز کا وقت (3) مثلاً: ظہر کا وقت تین (۳) گھنٹے تو اِتنا ہوگا۔

جواب: "تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، معالم التنزیل، خازن" تمام تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ: یہ معاملہ مجرموں کے حساب سے ہوگا۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: مؤمنوں کے لیے وہ وقت اِتنا ہوگا "كَوَقْتِ صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ"۔ ایک فرض نماز کا وقت (4)

جو "کافر" ہوگا اُس کے لیے دن ہزار (۱۰۰۰) سال کا ہوگا اور "کافر گر" یعنی جس نے اوروں کو کافر بنایا اُس کے لیے وہ دن پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) سال کا ہوگا۔ سمجھانے کے لیے مَیں کہتا ہوں کہ: آج کل راتیں لمبی ہیں، ایک وہ شخص ہے کہ: جس کی صحت اَچھی ہے اور رات کو اَچھا کھانا ملے، خوب سیر ہو کر عشاء کے بعد سویا، صبح کو جب اُٹھتا ہے تو کہتا ہے کہ: اَبھی سویا اور اُٹھ گیا۔ اِسی طرح ایک وہ شخص ہے کہ: کبھی نیند آتی ہے اور کبھی نہیں آتی، اُس کو یہ رات لمبی معلوم ہوتی ہے اور ایک وہ شخص ہے کہ: جس کے بدن میں دَرد ہو، اُسے کہیں کہ: رات کیسی گزری؟ وہ کہتا ہے کہ: یہ تو صدی گزری۔ یہاں رات تو ایک ہے لیکن ایک پر چھوٹی اور ایک پر لمبی گرزی۔ اِسی طرح ایک ہوگا "کافر"، ایک ہوگا "کافر گر" اور ایک ہوگا "مؤمن"۔ تو "کافر" کے لیے وہ دن ہزار (۱۰۰۰) سال ہوگا اور "کافر گر" کے لیے پچاس (۵۰۰۰۰) ہزار سال ہوگا اور "مؤمن" کے لیے فرض نماز کے برابر ہوگا۔

② **دوسری تفسیر:** يَوْم سے مُراد دُنیا ہی میں تدبیر ہے۔ پس! اگر يَوْم سے مُراد دُنیا ہی کا يَوْم ہو تو اِس کی چار (۴) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: حضرت مجاہد بن جبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ ہزار (۱۰۰۰) سال کے اِنتظامات و تدابیر فرشتوں کو اِلقاء کرتا ہے اور یہ اُس کے ہاں ایک دن ہے، پھر فرشتے جب اُنہیں اَنجام دے کر فارغ ہو جاتے ہیں تو آئندہ ہزار (۱۰۰۰) سال کے اِنتظامات اِلقاء فرما دیتا ہے، یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ جب کوئی کام کرتے ہیں تو قادرِ مطلق تو ہیں ہی لیکن اُن کی سنّت یہ ہے کہ: اُس کام سے پہلے ہزار (۱۰۰۰) سال تک اُس کے مبادی تیار ہوتے ہیں۔ وہ ہمارے حساب سے ہزار (۱۰۰۰) سال ہیں جب کہ رب تعالیٰ کے ہاں وہ ایک دن ہے۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: زمین سے آسمان تک اگر کوئی چل کر جائے تو پانچ سو (۵۰۰) سال کی مسافت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ: فرشتہ ایک لمحہ میں یہ مسافت طے کر لیتا ہے۔ پس! اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین پر حکم اُترتا ہے، پھر اُس کی تکمیل کے بعد اِس آسمان کے اُوپر جگہ ہے وہاں تک وہ حکم پہنچتا ہے۔ تو ہمارے حساب سے پانچ سو (۵۰۰) سال آنے کے اور پانچ سو (۵۰۰) سال جانے کے اِس طرح کل ہزار (۱۰۰۰) سال ہوئے جو کہ رب تعالیٰ کے ہاں ایک دن ہے۔

④ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ: شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایک ہزار (۱۰۰۰) سال تک ایک طریقہ رہتا۔ مثلاً: کوئی پیغمبر تشریف لائے، اُن کا نام و نسب ہزار (۱۰۰۰) سال تک باقی رہا۔ اِسی طرح بڑے بڑے نامی گرامی بادشاہ دُنیا میں آئے پھر ہزار (۱۰۰۰) سال کے بعد اُن کا دَور، اُن کے اَثرات ختم ہو گئے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر گئے۔

---

(1) (سُوْرَةُ الْحَجّ، ۴۷) (2) (سُوْرَةُ الْمَعَارِج ۴) (3) (4) (شعب الایمان، باب حشر الناس، فصل قال البیہقی رحمہ اللہ: ذکر اللہ عزوجل فی کتابہ ما یکون فی الارض من زلزلھا و تبدیلھا، ج ۳، ص ۲۷۶، طبع مکتبۃ الرشد، ریاض)

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷﴾:

یہ خَلَقَهٗ فعلِ ماضی ہے اور شَیْءٍ کی صفت ہے لیکن یہ صفت اتفاقی ہے کیوں کہ تمام اَشیاء اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾:

اُن کافروں نے پھر ایک شوشہ چھوڑا، کہنے لگے: جس وقت ہم رَل مِل جائیں گے، خلط ملط ہو جائیں گے، زمین میں جب ہمارے اَجزاء مل جائیں گے تو کیا پھر ہم نئے سرے سے اِنسان بنائے جائیں گے؟!! یہاں اللہ تعالیٰ نے "بَلْ" سے اُن کی بات کا رَد کر دیا اور آگے اِنْ شَآءَ اللہ آپ پڑھیں گے: قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ❶

ہم جانتے ہیں کہ: اُن کے بدنوں سے جو اَعضاء جدا ہوتے ہیں، اُن کو زمین کتنا گھٹاتی ہے؟ یہ ہمارے علم میں ہے۔

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱﴾:

اِشکال: "تفسیر خازن، کبیر، روح المعانی، ابو سعود" وغیرہ میں ایک اشکال ہے کہ: تَوَفّٰی کی اِسناد یہاں مَلَكُ الْمَوْتِ کی طرف ہوئی ہے اور دوسری جگہ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ۔۔۔ الآیۃ ❷ میں فرشتوں کی طرف ہوئی ہے اور آگے اِنْ شَآءَ اللہ آپ پڑھیں گے: اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ ۔۔۔ الآیۃ ❸ میں اللہ کی طرف اِسناد ہے۔ یہ تو تعارض ہے؟!!

جواب: حقیقت میں تَوَفّٰی تو اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے لیکن انچارج اُس پر مَلَكُ الْمَوْتِ ہے اور فرشتوں کی طرف اِس لیے نسبت ہے کیوں کہ فرشتے مباشرین بالفعل ہیں یعنی بقیہ فرشتے مَلَكُ الْمَوْتِ کے معاون و اَنصار ہیں۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲﴾:

ربط: اُوپر قیامت کا اِنکار کرنے والوں کا ذکر تھا اور آگے بیان فرماتے ہیں کہ: تم دیکھو گے کہ قیامت کے دن مجرم اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔

سوال: وَلَوْ تَرٰٓی یہ شرط ہے اِس کی جزاء کیا ہے؟

جواب: اِس کی جزاء محذوف ہے۔ اَیْ لَتَرٰی اَمْرًا عَظِیْمًا اَوْ عَجِیْبًا۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾:

جَزَآءً اَیْ یُجْزَوْنَ جَزَاءً۔

وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:

آخرت کا عذاب تو اپنی جگہ، ہم اُن کو تھوڑا سا دُنیا کا بھی عذاب چکھائیں گے، کبھی قحط سالی، سیلاب، بیماریاں، قتل، قید، اولاد وغیرہ کی تباہی وغیرہ وغیرہ۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۳﴾:

ربط: اَبھی آپ نے مُکَذِّبِیْن کا ذکر سنا، آگے حضور ﷺ کو تسلی ہے کہ: آپ (ﷺ) پریشان نہ ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی مُکَذِّبِیْن تھے۔

فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر کبیر، معالم التنزیل، مدارک، السراج المنیر، بیضاوی، روح المعانی، ابو سعود، قرطبی" وغیرہ میں دو (۲) تفسیریں منقول ہیں:

① لِقَآئِهٖ کی "ہٖ" ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے، ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی پس! تو نہ ہو شک میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے بارے میں۔ آپ ﷺ کی شبِ معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو ملاقات ہوئی تھی وہ سچی حقیقت ہے کوئی دھوکہ یا نظر بندی نہیں تو اِس میں شک نہ کرو، وہ بالکل صحیح اور حق ہے۔

② لِقَآئِهٖ کی "ہٖ" ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تو تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ملنے میں شک نہ کرو۔

❶ (سُوْرَةُ قٓ، ۴) ❷ (سُوْرَةُ الْاَنْعَام، ۶۱) ❸ (سُوْرَةُ الزُّمَر، ۴۲)

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝:

سوال جَعَلْنٰهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① جَعَلْنٰهُ کی "ہٗ" ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔

② جَعَلْنٰهُ کی "ہٗ" ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۴﴾:

یعنی ہم نے اُن میں سے پیشوا بنائے جب اُنہوں نے صبر کیا۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۶﴾:

یہاں سے ترہیب ہے، ترہیب کا معنی ہے: "ڈرانا"۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۷﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اَلْاَرْضِ الْجُرُز سے ہر ایک خالی زمین مُراد ہے جو نباتات سے خالی ہو۔

② بعض نے خاص سرزمین مصر کو اَلْاَرْضِ الْجُرُز کا مِصداق قرار دیا ہے اور نَسُوْقُ الْمَآء سے دریائے نیل کا پانی مُراد لیا ہے۔ لیکن یہ تخصیص مثال کے طور پر کی گئی ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴿۲۸﴾:

بعض نے اِس فَتْح سے "فتحِ مکہ" مُراد لی ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیوں کہ "فتحِ مکہ" کے بعد تو ایمان معتبر ہے، لہٰذا اِس فَتْح سے مُراد قیامت ہے۔ اِس پر قرینہ مابعد والی آیت قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ❶ ہے۔ پس! یَوْمَ الْفَتْح سے مُراد قیامت ہے کیوں کہ اُس دن ایمان لانا معتبر نہیں اور یہ صرف قیامت کا دن ہوسکتا ہے، فتحِ مکہ کے دن تو ایمان معتبر تھا لہٰذا فتح سے یومِ فیصلہ مُراد ہے نہ کہ فتحِ مکہ کا دن۔

---

❶ (سُوْرَةُ السَّجْدَة، ۲۹)

آيَاتُهَا (۷۳) (۳۳) سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ (۹۰) رُكُوْعَاتُهَا (۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: اُبھی آپ نے پڑھا کہ: کفار کا ذکر تھا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ❶ اُن سے اِعراض کر۔ اعراض کا یہ معنی نہ سمجھنا کہ: "اُن کو تبلیغ نہ کر" بل کہ اِعراض کا یہ معنی ہے کہ: وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ ❷ کافروں اور منافقوں کی اِطاعت نہ کر۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْاَحْزَاب ہے، یہ حِزْبٌ کی جمع ہے۔ وجہ تسمیہ آئے گی کہ: مختلف گروہ حضور ﷺ کے خلاف لڑے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ ❶:

اِشکال: اِتَّقِ اَمر ہے اور اِنشاء ہے اور اِنشاء کا معنی یہ ہے کہ: "پہلے فعل نہ ہو اَمر کے بعد اُس کی اِیجاد کی جائے"۔ اِس سے تو بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ: آپ ﷺ میں پہلے تقویٰ نہ تھا بل کہ اب متقی بننے کا حکم ہے، اور یہ صحیح نہیں؟!!

جواب: آپ کو اِنْ شَآءَ اللّٰهُ "جلالین" تک میں اِس کا معنی ملے گا کہ: اِتَّقِ اللّٰهَ اَیْ دُمْ عَلٰی تَقْوَاهُ۔ اِس کے تقویٰ پر قائم اور دائم رہیں۔ تو یہاں اَمر دوام کے لیے ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ❹:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: کافروں، منافقین کی بات نہ مانو اور آگے بھی اُنہیں کے بارے میں ذکر ہے۔

اِس آیت کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① منافقین یہ کہتے تھے کہ: حضور ﷺ کے دو (۲) دل ہیں، ایک ہماری طرف اور دوسرا اللہ کی طرف ہے۔

② ابو معمر جمیل بن اَسد ایک کافر تھا، وہ کہتا تھا کہ: تم حضور ﷺ کی بات مانتے ہو؟!! میری بات مانو کیوں کہ میرے بھی دو (۲) دل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تمام باتوں کی تردید کر دی۔

تو جس طرح ایک آدمی کے سینہ میں دو (۲) دل نہیں ہو سکتے ایسے ہی ایک شخص کی حقیقۃً دو (۲) مائیں یا ایک بیٹے کے دو (۲) باپ نہیں ہو سکتے۔ جاہلیت کے زمانہ میں کوئی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو ساری عمر کے لیے اُس سے جدا ہو جاتی تھی گویا اِس لفظ سے وہ حقیقی ماں بن گئی اور کسی کو منہ بولا بیٹا بنالیتا تو سچ مچ بیٹا سمجھا جاتا تھا اور سب اَحکام اُس پر بیٹے کے جاری ہوتے تھے۔

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ یہ ظِہار ہے۔ اِمام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک ظِہار کا رُکن تشبیہ ہے۔ مثلاً: "مانند" وغیرہ تشبیہ کے الفاظ ہیں۔ ظِہار میں اگر طلاق کی نیت کرے تو صحیح ہے اور اگر نہ کرے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اَدْعِيَاءُ، دَعِيٌّ کی جمع ہے۔ دَعِيٌّ کے معنی ہیں: اَلْمُلْصَقُ بِالْقَوْمِ وَلَيْسَ مِنْهُمْ۔ جو قوم کے ساتھ ملایا گیا ہو، قوم میں سے نہ ہو۔ اِس کے لفظی معنی ہیں: "منہ بولا بیٹا" یعنی کسی کو اپنا بیٹا بنالیا جائے اور حقیقت میں وہ بیٹا نہ ہو۔ جاہلیت کے زمانے میں یہ طریقہ تھا کہ: جس کو پیار سے بیٹا کہہ دیتے تو اُس کے تمام حقوق وہ سمجھے جاتے جو بیٹے کے ہوتے تھے۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے اپنا مُتَبَنّٰی بنایا تھا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ اپنے آپ کو زید بن حارث بولتے تھے نہ کہ زید بن محمد ﷺ۔

❶ (سُوْرَةُ السَّجْدَة، ۳۰) ❷ (سُوْرَةُ الْاَحْزَاب، ۱)

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ۔۔۔الآیۃ ۵:

اُدْعُوْهُمْ اَیْ اَنْسِبُوْهُمْ۔

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۔۔۔الآیۃ:

اِخْوَانُكُمْ خبر ہے مبتدا محذوف کی۔ اَیْ فَهُمْ اِخْوَانُكُمْ۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔۔۔الآیۃ ۶:

یعنی جتنی خیر خواہی مؤمن اپنے لیے سوچتا ہے اُس سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے لیے سوچتے ہیں۔

اہلِ بدعت کا غلط اِستدلال: بعض اہل بدعت نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی ایک مجمل عبارت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہیں۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اَوْلٰی کے معنی کرتے ہیں: "قریب ہے"۔ اِس عبارت کو لے کر اہلِ بدعت کہتے ہیں کہ: تمہارے بابا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہیں اور اے وہابیو! تم نہیں مانتے؟ وہ کہتے ہیں کہ: "قریب ہے" تو اِس کا مطلب حاضر و ناظر تو ہے۔

جواب ہم نے اِس کا مفصل جواب "تبرید النواظر" میں دیا ہے۔ مَیں نے کہا کہ: گول مول عبارتوں سے اِستدلال کرنے والو! حضرت رحمہ اللہ کا اپنا فتوای سنو۔ "فیوض قاسمی" حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی کتاب ہے، میرے پاس طبع دوم ہے "مکتبہ رحیمیہ" کی، اُس کا صفحہ نمبر اٹھائیس (۲۸) ہے۔ اُس میں کسی نے حضرت رحمہ اللہ سے پوچھا ہے کہ: حضرت! اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللهِ اِن الفاظ سے دُرود شریف پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ: یہ دُرود شریف کے الفاظ ہیں اور فرشتے پہنچاتے ہیں تو صحیح ہے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھے تو اسلام کیا بل کہ کفر ہے۔

تو اِس سے ثابت ہوا کہ: اَوْلٰی کے معنی جو "قریب" کے کیے ہیں اِس سے حضرت رحمہ اللہ کی مُراد حاضر و ناظر نہیں ہے بل کہ "قریب" کا معنی یہ ہے کہ: "خیر خواہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہیں اپنے نفس سے"۔ لہٰذا یہ اِستدلال صحیح نہیں کیوں کہ لفظِ "قریب" میں حاضر و ناظر کا صرف اِحتمال ہے اور وہ اِحتمال اُس کے لفظ سے رَفع ہو جاتا ہے۔

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۔۔۔الآیۃ:

"تفسیر ابن کثیر، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: مائیں حرمتِ نکاح میں ہیں یعنی اُن کے ساتھ نکاح حرام ہے، باقی اَحکام میں مائیں نہیں ہیں کیوں کہ اگر اُمتی مرے تو اُن کو وراثت نہیں ملتی یا وہ مر گئیں تو اُمتی کو وراثت نہیں مل سکتی۔ پردے کے مسئلے میں بھی مائیں نہیں، اُن کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح کے سلسلے میں بھی مائیں نہیں۔ صرف اور صرف حرمتِ نکاح میں مائیں ہیں یعنی صرف اُن کے ساتھ نکاح حرام ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ۔۔۔الآیۃ ۷:

"تفسیر مدارک، خازن" اور بھی تفسیروں میں منقول ہے کہ: اُوپر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ذکر تھا، آگے فرمایا کہ: حق کا بیان اور سچ کے بیان کا وعدہ، ہم نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا، حضرت نوح علیہ السلام سے بھی لیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی لیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی لیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی لیا۔

فَائِدَۃ: پانچ (۵) انبیاء کرام علیہم السلام اُولُو الْعَزْم پیغمبروں میں سے ہیں:

① آپ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ② حضرت نوح علیہ السلام۔ ③ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ ④ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ ⑤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ ۔۔۔الآیۃ ۹:

ربط: اَبھی آپ نے پڑھا کہ: کافروں کے لیے ہم نے عَذَابًا اَلِیْمًا تیار کیا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ: آخرت کا عذاب تو اپنی جگہ، دُنیا میں بھی یہ ہمارے عذاب کا شکار ہوں گے، اَکیلے قیامت میں عذاب نہیں بل کہ دُنیا میں بھی عذاب ہے جس کی ایک نظیر "غزوۂ خندق" ہے۔

غزوۂ خندق کو غزوۂ اَحزاب بھی کہتے ہیں۔ "خندق" اِس لیے کہتے ہیں کیوں کہ مدینہ منورہ کے ایک طرف حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے خندق کھودی گئی تھی، اِتنی گہری کہ کوئی اُس کے اُوپر سے کود نہ سکے اور نہ کوئی گھوڑا اُس سے چھلانگ لگا کر پار ہو جائے اور اگر کوئی اُس میں اُتر جائے تو وہ پھر چڑھ نہ سکے۔ "اَحزاب" اِس لیے کہتے ہیں کیوں کہ مختلف خاندان اِس غزوۂ میں شریک ہوئے تھے۔

واقعہ: ہجرت کا چوتھا سال تھا یا پانچویں سال کی اِبتداء تھی۔ یہود بنی نضیر جو مدینہ سے نکالے گئے تھے ہر قوم میں پھرے اور اُن کو اُبھار کر، اُکسا کر قریشِ مکہ، بنی فزارہ اور غطفان وغیرہ قبائل عرب کی متحدہ طاقت کو مدینہ پر چڑھا لانے میں کامیاب ہو گئے۔ تقریباً بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) کا لشکرِ جرار پورے ساز وسامان سے آراستہ اور طاقت کے نشہ میں چور تھا۔ یہود بنی قریظہ جن کا ایک مضبوط قلعہ مدینہ کے مشرقی جانب تھا پہلے سے مسلمانوں سے معاہدہ کیے ہوئے تھے۔ بنونضیر کی ترغیب وترہیب سے آخر کار وہ بھی معاہدے کو بالائے طاق رکھ کر حملہ آوروں کی مدد کے لیے کھڑے ہو گئے۔ مسلمانوں کی جمعیت کل تین ہزار (۳۰۰۰) تھی جن میں ایک بڑی تعداد اُن منافقین کی تھی جو سختی کا وقت آنے پر جھوٹے حیلے بہانے کر کے میدان جنگ سے کھسکنے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے مشورہ فرمایا۔ نوجوانوں نے کہا کہ: ہم میدان میں نکلتے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ اِس کے حق میں نہ تھے کیوں کہ سخت سردی تھی اور خیمے وغیرہ ساتھ نہیں تھے، جب کہ کفار مال دار تھے، سردی سے بچنے کا اِنتظام کر سکتے تھے اور مسلح تھے۔ آخر حضرت سلمان فارسی ؓ کے مشورہ سے شہر کے اِرد گرد جدھر سے حملہ کا اَندیشہ تھا خندق کھودی گئی، سخت جاڑے کا موسم تھا، غلہ کی گرانی تھی، بھوک کی وجہ سے صحابہ کرام ؓ اور خود سرکارِ دو عالم ﷺ کے پیٹ سے پتھر بندھے ہوئے تھے، مگر عشقِ اِلٰہی کے نشہ میں سرشار سپاہی اور اُن کے سالارِ اَعظم آپ ﷺ اُس سنگلاخ زمین کی کھدائی میں حیرت اَنگیز قوت اور ہمتِ مَردانہ کے ساتھ مشغول تھے۔ مجاہدین پتھریلی زمین پر کدال مارتے اور کہتے۔

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

اُدھر سرکارِ دو عالم حضرت محمد ﷺ سے جواب ملتا۔

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

جب خندق تیار ہو گئی تو اِسلامی لشکر نے دُشمن کے مقابل مورچے جمادیے۔ تقریباً بیس پچیس (۲۰، ۲۵) رُوز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ درمیان میں خندق حائل تھی، باوجود کثرتِ تعداد کے کفار سے بن نہ پڑا کہ شہر پر عام حملہ کر دیں، البتہ دُور سے تیر اَندازی ہوتی رہی اور گاہ بہ گاہ فریقین کے خاص خاص اَفراد میدانِ مبارزۃ میں دو، دو ہاتھ دکھانے لگتے تھے۔ مشرکین اور یہود بنی قریظہ کے درمیان مسلمانوں کی جمعیت محصورین کی حیثیت رکھتی تھی تاہم اُنہوں نے سب عورتوں اور بچوں کو شہر کی مضبوط ومحصور حویلیوں میں پہنچا کر بڑی پامردی اور اِستقامت کے ساتھ شہر کی حفاظت ومدافعت کا فرض اَنجام دیا۔ آخر کار نعیم ابن مسعود الاشجعی ؓ کی ایک عاقلانہ اور لطیف تدبیر سے مشرکین اور یہود بنی قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی، اُدھر کفار کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کا غیر مَرئی لشکر مَرعوب کر رہا تھا۔ اِسی اَثناء میں اللہ تعالیٰ نے ایک رات سخت خوفناک جھکڑ ہوا کا چلا دیا، تیز ہوا سے ریت اور سنگریزے اُڑ کر کفار کے منہ پر لگتے تھے، اُن کے چولھے بجھ گئے تھے، دیگچیاں زمین پر جا پڑیں، کھانے پکانے کی کوئی صورت نہ تھی، ہوا کے زُور سے خیمے اُکھڑ گئے، گھوڑے چھوٹ کر بھاگ گئے، لشکر پریشان ہو گیا، سردی اور اَندھیرا ناقابلِ برداشت بن گئے۔ آخر کار ابوسفیان نے جن کے ہاتھ میں تمام لشکروں کی اَعلیٰ کمان تھی طبلِ رحیل بجادیا، چاروناچار سب اُٹھ کر بے نیل ومرام واپس چل دیے۔ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ ❶ یہ "جنگِ اَحزاب" کہلاتی ہے اور اِس کو "جنگِ خندق" بھی کہتے ہیں۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

"جب وہ آئے تمہارے اُوپر سے بھی اور نیچے سے بھی"۔ مدینہ منوّرہ نیم پہاڑی علاقہ ہے، کچھ جگہیں اُونچی ہیں، کچھ جگہیں نیچی ہیں۔

بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ حَنَاجِر، حَنْجَرَةٌ کی جمع ہے۔ معنیٰ ہے: "ہنسلی کی ہڈی"۔

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝:

"تفسیر اِتقان" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: یہاں پر لفظِ "ظُنُوْن" مفعول ہے اور مفعول تو نکرہ کے معنیٰ میں ہوتا ہے، جب کہ یہاں پر لفظ "اَلظُّنُوْن" پر اَلِف لَام آیا ہے۔ اِسی طرح آگے اِسی سورۃ میں آئے گا "اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝" ❷ اِس میں بھی لفظ "اَلرَّسُوْل" پر اَلِف لَام ہے۔ اِسی سورۃ میں آئے گا "فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝" ❸ اِس میں بھی لفظ "اَلسَّبِيْل" پر اَلِف لَام ہے۔ اِن تینوں مقامات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

❶ (سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب، ۲۵) ❷ (سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب، ۶۶) ❸ (سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب، ۶۷)

كَذَا فِي الْإِمَامِ۔ اِمام کا معنی ہے: وہ نسخہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھوا کر تقسیم کیا تھا۔ اُس کو "اِمام" بھی کہتے ہیں "مصحف" بھی کہتے ہیں۔ یہ الفاظ اسی طرح چلے آئے ہیں ہم اِن کو بدلنے کے مجاز نہیں ہیں۔

وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾:

زلزلہ سے حِسّی زلزلہ مُراد نہیں ہے بل کہ زلزلے جیسی کیفیت اُن پر طاری کر دی گئی تھی۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾:

غزوۂ اُحد کے اختتام پر حمراء الاسد کے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: آج کے بعد کفار تمہارے خلاف حملہ نہ کر سکیں گے اور اگر کریں تو غلبہ ہم حاصل کریں گے، اگر چہ وہ زیادہ کیوں نہ ہوں، تو کفار نے یہ پہلا جملہ نقل کر دیا اور دوسرا چھوڑ کر وہاں مسلمانوں کے کانوں میں ڈال دیا۔ جب اُنہوں نے حملہ کیا تو منافقین کہنے لگے کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ جھوٹا وعدہ کیا ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ: وہ تمہارے خلاف حملہ نہ کر سکیں گے اور یہ تو آ گئے؟

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۳﴾:

"جب کہا اُن میں سے ایک گروہ نے"۔ اوس ابن قیظی ایک منافق تھا۔ یہاں کہنے والے سے وہ منافق مُراد ہے۔

يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ ۔۔۔ الآیۃ:

يَثْرِب مدینہ منوّرہ کا پرانا اور پہلا نام تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے مَدِيْنَةُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ہو گیا۔ "مصنف عبد الرزاق" میں ہے کہ: اب مدینہ کو یَثْرِب کہنا اچھا نہیں کیوں کہ تَثْرِیْب ملامتی کو کہتے ہیں۔ اِس بارے میں مزید معلومات کے لیے علامہ سمھودی رحمہ اللہ کی کتاب "وفاء الوفاء فی اخبار دار المصطفیٰ" بے نظیر کتاب ہے۔ اِس میں مدینہ کے حالات بڑی بسط سے ذکر کیے ہیں۔

لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ مُقَام مصدر میمی ہے۔

يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

یہ اجازت لینے والے بھی منافق تھے۔ کہنے لگے کہ: ہمارے گھر کھلے مقام پر ہیں، ماں بیمار ہے، وغیرہ۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴﴾:

آیت کا مطلب یہ ہے کہ: اُبھی یہ جو لڑائی ہو رہی ہے یہ منافقوں کی مرضی کے خلاف ہے۔ اگر بالفرض اِسی مدینہ میں اَطراف سے کوئی لشکر داخل ہو جائے اور اِن منافقوں کی مرضی کا ہو، اِن منافقوں کا دل اُس لشکر میں شامل ہونے کو چاہے تو فوراً اُس لشکر میں چلے جائیں گے، پھر اُس وقت اِن کے گھر بھی بے پردہ نہیں ہوں گے اور نہ کوئی خطرہ ہو گا۔ لیکن اب چوں کہ اِن کی مرضی کے خلاف ہے اِس لیے بہانے کرتے ہیں۔

سوال دُخِلَتْ کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب دُخِلَتْ کی ضمیر یَثْرِب یعنی مدینہ کی طرف راجع ہے۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۷﴾:

مِنَ اللّٰهِ اَيْ مِنْ بَأْسِ اللّٰهِ، مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔ اللہ کی گرفت اور اللہ کے عذاب سے تم کو کون بچائے گا؟!!

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸﴾:

عَوَّقَ، يُعَوِّقُ، تَعْوِيْقًا بابِ تَفْعِيْل سے ہے۔ معنی ہے: "روکنا"۔

فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹﴾:

اَلْسِنَةٍ لِسَانٌ کی جمع ہے۔ حِدَادٍ، حَدِيْدٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "تیز"۔ اَشِحَّةً کے معنی ہیں: "بڑے حریص ہیں مال پر"۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۱﴾:

غزوۂ خندق کا ذکر چلا آرہا ہے، منافقوں نے جان بچانے کے لیے طرح طرح کے بہانے کیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تمہارے لیے آپ ﷺ کی ذاتِ اَقدس بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے خندق کھودی، مٹی نکالی، سردی بھی برداشت کی، سب کچھ کیا اور تم ایمان کا دعویٰ کرتے ہو اور پھر اپنے گھروں میں آرام کرتے ہو!! یہ کوئی تماشہ ہے؟!!

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۳﴾:

"بخاری شریف" وغیرہ کی روایت کے مطابق یہ آیات غزوۂ اُحد سے متعلّق ہیں۔

واقعہ: غزوۂ اُحد میں کچھ مؤمن تھے جنہوں نے سچ کر دیکھایا جو اللہ سے وعدہ کیا تھا۔ حضرت انس بن نظر رضی اللہ عنہ جو کے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا تھے وہ بدر کے موقع پر حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ اُنہوں نے قسم کھائی کہ اب اگر لڑائی کا موقع آیا تو اِنْ شَآءَ اللّٰه میں اپنی جان کی قربانی دوں گا۔ جو وعدہ رب سے کیا تھا اُسے پورا کیا، غزوۂ اُحد میں اتنی دل جگری سے لڑے کہ اُن کے بدن پر تلواروں، نیزوں، تیروں کے اَسّی (۸۰) سے زیادہ زخم آئے تھے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ ۔۔۔الآیۃ:

نَحْبَهٗ کے دو (۲) معنی ہیں:

① "تفسیر مدارک" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: نَحْبَهٗ اَیْ نَذْرَهٗ۔ یعنی جو نذر مانی تھی کہ: اگر آئندہ لڑائی ہوئی تو مَیں جان کی قربانی دوں گا، اُس کو پورا کیا۔

② "تفسیر حسینی" جو کہ فارسی میں ہے اُس میں اِس کا معنی لکھا ہے کہ: نَحْبَهٗ بمعنی قرار داد یعنی جس نے پوری کی اپنی قرار داد۔

لِیَجْزِیَ اللّٰهُ الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِهِمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۴﴾:

سوال لِیَجْزِیَ کا لَام کس سے متعلّق ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لِیَجْزِیَ کا لَام، یَنْتَظِرُ سے متعلّق ہے۔

② لِیَجْزِیَ کا لَام، بَدَّلُوْا سے متعلّق ہے۔

لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۵﴾:

"نہ حاصل کر سکے جو اُن کے حق میں خیر تھی"۔ خیر سے مُراد یہ ہے کہ: مسلمانوں کا صفایا بھی نہ کر سکے اور نہ اِسلام کو مٹا سکے۔

وَکَفَی اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ۔۔۔الآیۃ:

"اللہ نے مؤمنوں کی کفایت کی لڑائی سے"۔ یعنی عام لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۶﴾:

مدینہ میں یہودِ بنی قریظہ تھے، اِس خندق کی لڑائی میں اُن کا بھی خاصہ ہاتھ تھا، وہ مشرکین مکہ کے ساتھ ملے اور اُن کی مسلمانوں کے خلاف مدد کی۔ تو اِن آیات میں اُن کا ذکر ہے جنہوں نے مشرکین مکہ کی مدد کی تھی۔

مِنْ صَیَاصِیْهِمْ ۔۔۔الآیۃ:

صَیَاصِیْهِمْ، صِیْصَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "قلعہ"۔

وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۷﴾:

سوال اِس زمین سے کون سی زمین مُراد ہے؟

جواب اِس سے خیبر کی زمین مُراد ہے جو اِس کے دو (۲) برس بعد ہاتھ لگی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا۔۔۔ الآية (۲۸):

ربط: اُوپر لَمْ تَطَئُوْهَا۔۔۔ الآية (۱) میں خیبر کا ذکر تھا، آگے یہ بیان بھی اُس کے بارے میں ہے کہ: خیبر فتح ہونے کے بعد مسلمانوں کو بہت غنیمت ملی تو حضور ﷺ کی اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے دیکھا کہ: لوگ آسودہ ہوگئے، تو اُنہوں نے بھی چاہا کہ: ہم بھی آسودہ ہوں۔ اُن میں بعض نے آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی کہ: ہم کو مزید نفقہ اور سامان دیا جائے جس سے عیش وترفہ کی زندگی بسر کرسکیں کیوں کہ بہت سے لوگ مال دار ہوگئے، اُن کے کپڑے اَچھے، کھانا اَچھا اور ہم اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ ہیں۔ اُن کا مطالبہ صحیح تھا، حضرت ﷺ کو یہ باتیں شاق گزریں، آپ ﷺ نے قسم کھالی کہ: ایک مہینہ تک گھر نہیں جائیں گے، مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں علیحدہ فروکش ہوگئے۔ آپ ﷺ کے ناراض ہونے اور ایک مہینہ گھر نہ جانے پر یہ آیت اُتری: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ۔۔۔ الآية۔

سوال اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا مطالبہ صحیح تھا پھر آپ ﷺ نے کیوں نہ مانا؟

جواب "فتح الباری، عمدۃ القاری، اِرشاد الساری" میں اِس کی کئی حکمتیں بیان کی گئیں ہیں:

① آپ ﷺ نے اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا مطالبہ نہ مانا، یہ بھی صحیح تھا کیوں کہ اگر حضور ﷺ اُن کا مطالبہ مانتے تو مدینہ میں یہود ونصاریٰ کی عورتیں بھی تھیں، منافق بھی تھیں، تو وہ سب عورتیں اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو دیکھتیں تو کہتیں کہ: دیکھو! یہ تکالیف جو گزارتے تھے یہ اپنی بیویوں کے زیورات کے لیے تھی۔

② دوسری حکمت یہ بھی تھی کہ: آپ ﷺ کی اُمت میں ایسی بیبیاں ہیں اور پہلے بھی تھیں اور قیامت تک ہوں گی جن کو اَچھا لباس اور اَچھا کھانا میسر نہیں ہوتا، تو اِس میں اُن کو تسلی ہے کہ ہماری مائیں بھی ایسی تھیں۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔۔۔ الآية (۳۰):

بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ کے دو (۲) مطلب ہیں:

① اِس سے (اَلْعِيَاذُ بِاللهِ) بدکاری مُراد ہے۔ لیکن مَنْ حرفِ شرط ہے اور شرط کے لیے خارج میں تحقق وقوع ضروری نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ: اگر بالفرض والحال کوئی اِس طرح اِرتکاب کرے گی تو اُس کے لیے دوگنا عذاب ہوگا۔

② اِس سے ایسا سوال مُراد ہے جو اُبھی گذرا یعنی ایسا سوال کریں جس سے حضور ﷺ ناراض ہوں، آپ ﷺ کی دل آزاری ہو۔

نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ۔۔۔ الآية (۳۱):

ایک اَجر حضور ﷺ کی بیوی ہونے کی وجہ سے ملے گا اور ایک اَجر مؤمن ہونے کی وجہ سے ملے گا۔

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (۳۲):

"نرمی سے بات مت کرنا کیوں کہ طمع کرے گا وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہے"۔

یہاں خطاب اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہے لیکن سبق اُمت کی بیبیوں کو ہے کہ: جب کسی غیر محرم سے بات کرو تو پیار کی بات نہ ہو، نرمی کی بات نہ ہو۔ اِس لیے کہ اگر تم نے پیار اور نرمی کی بات کی تو غلط کار آدمی کچھ اور طمع کرے گا، باتوں کو اور طول دے گا، خرابیاں پیدا ہوں گی۔ لہٰذا جب غیر محرم سے بات کرو تو رُوکھی رُوکھی بات کرو، لیکن بات بھلی ہو، گالی وغیرہ نہ ہو، بس! اَنداز رُوکھا ہو تاکہ پھر سامنے والے کو بات کرنے کی جرأت نہ ہو۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ۔۔۔ الآية (۳۳):

قَرْنَ، بابِ ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے قَرَّ يَقِرُّ ہے اَصل میں اِقْرِرْنَ تھا۔ بعض حضرات نے بابِ سَمِعَ، يَسْمَعُ سے اِقْرَرْنَ ذکر کیا ہے۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔۔۔ الآية:

سوال تَبَرُّجَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب تَبَرُّجَ کا نصب علیٰ نزعِ الخافض ہے۔ اَيْ كَتَبَرُّجِ الْجَاهِلِيَّةِ۔

---

(۱) (سُوْرَةُ الْأَحْزَاب، ۲۷)

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝:

روافض کا غلط اِستدلال: روافض کہتے ہیں کہ: اِس آیت میں اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کا مصداق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسین رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

① ایک دلیل اُن کی یہ ہے کہ: وَيُطَهِّرَكُمْ میں ضمیر جمع مذکر کی ہے تو حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ مُراد ہیں۔

جواب سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ: سب اہلِ بیت رضی اللہ عنہم مُراد ہیں اور تمہارا اِستدلال "كُمْ" کی ضمیر سے باطل ہے کیوں کہ "كُمْ" کی ضمیر مؤنثات کی طرف بھی راجع کرنا صحیح ہے۔ قرآن پاک میں جمع مذکر کی ضمیر مؤنث کی طرف راجع ہوئی ہے۔ تو ہم نے بہت سے دلائل بیان کیے ہیں کہ: واحد مؤنث کو جمع مذکر کی ضمیر راجع ہوتی ہے۔ "حماسہ" کا ایک شعر بتایا تھا: اِنْ شِئْتِ حَرَّمْتُ سِوَاكُمْ شاعر اپنی بیوی کو "كُمْ" سے خطاب کرتا ہے۔ توقرآن وحدیث اور لغت عرب یہ چاہتے ہیں کہ: مؤنث کی طرف "كُمْ" ضمیر جمع مذکر کی راجع ہو۔

② روافض کی دوسری دلیل یہ ہے کہ: ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے کمبل میں بٹھا کر اِرشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ [1]

جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں لے کر "اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ" [2] وغیرہ فرمانا اِس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے تھا کہ: گو آیت کا نزول بہ ظاہر اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں ہوا اور اُن ہی سے تخاطب ہو رہا ہے، مگر یہ حضرات بھی بہ طریقِ اَولیٰ اِس لقب کے مستحق اور فضیلتِ تطہیر کے اَہل ہیں۔

سوال لفظِ اَهْلَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ اَهْلَ کا نصب يَاءِ حرفِ نداء محذوف ہونے کی وجہ سے ہے۔ اَيْ يَا اَهْلَ الْبَيْتِ۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۴﴾:

اَلْحِكْمَةُ اَيِ السُّنَّةُ۔ حکمت سے یہاں سنّت مُراد ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۵﴾:

ربط: اُوپر اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا ذکر تھا، آگے عام مؤمنین ومؤمنات کا ذکر ہے۔

اِیمان اور اِسلام میں فرق: بعض حضرات "حدیثِ جبریل" کے پیشِ نظر جو کہ "بخاری شریف" وغیرہ میں ہے اِیمان اور اِسلام میں فرق کرتے ہیں کہ: حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: مَا الْاِيْمَانُ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَبِلِقَآئِهٖ وَرُسُلِهٖ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ۔ گویا کہ اِعتقادات کو اِیمان سے تعبیر کیا۔ پھر جبریل علیہ السلام نے پوچھا: مَا الْاِسْلَامُ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ [3] گویا کہ اَعمال کو اِسلام سے تعبیر کیا۔

خُلاصۃ: اِیمان عقائد کا نام ہے اور اِسلام اَعمال کا نام ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۶﴾:

ربط: اُوپر مؤمنین اور مؤمنات کا ذکر تھا کہ: وہ قانِت ہوتے ہیں۔ آگے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک مؤمن اور ایک مؤمنہ سے پہلے غلطی ہوئی پھر اُنہوں نے اِطاعت کا حکم مانا اور قِیل قال چھوڑ دیا۔

واقعہ: حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اُمیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن اور قریش کے اَعلیٰ خاندان سے تھیں، اُن کے بھائی کا نام عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ: حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کردیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ اَصل سے شریف عرب تھے لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم اِن کو پکڑ کر لایا اور غلام بنا کر مکہ کے بازار میں بیچ دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خرید لیا اور کچھ دنوں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کردیا۔ جب یہ سمجھ دار ہوگئے تو ایک تجارتی سفر کی تقریب سے گذرے، وہاں اِن کے اَعزّہ کو پتہ لگ گیا، اِن کے والد، چچا اور بھائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) معاوضہ لے کر اِن کو ہمارے حوالہ کردیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:

---

[1][2] (جامع الترمذی، ابواب التفسیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ومن سورۃ الاحزاب، ج ۲، ص ۱۵۶، طبع قدیمی، کراچی) [3] (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل علیہ السلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام، ج ۱، ص ۱۲، طبع یادگار شیخ، کراچی)

معاوضہ کی ضرورت نہیں، اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے تو خوشی سے لے جاؤ۔ اُنہوں نے حضرت زید ؓ سے دریافت کیا تو حضرت زید ؓ نے کہا کہ: مَیں حضور ﷺ کے پاس سے جانا نہیں چاہتا، آپ ﷺ مجھے اَولاد سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں اور ماں باپ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اُن کو آزاد کر دیا اور مُتَبَنّٰی بنالیا۔ چناں چہ لوگ اُس زمانے کے رواج کے مطابق زید بن محمد ﷺ کہہ کر پکارنے لگے تا آں کہ یہ آیت "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ ❶" نازل ہوئی۔ اُس وقت زید بن محمد ﷺ کی جگہ زید بن حارثہ ؓ بن گئے۔ چوں کہ قرآن کے حکم کے موافق اُن کے نام سے اِس نسبتِ عظیمہ کا شرف جدا کرلیا گیا تھا، شاید اِس کی تلافی کے لیے تمام صحابہ کرام ؓ کے مجمع میں سے حضرت زید ؓ کو یہ خاص شرف بخشا گیا کہ اُن کا نام قرآن میں تصریحاً وارد ہوا۔

بہ ہر حال حضرت زینب ؓ کی خاندانی حیثیت چوں کہ بہت بلند تھی اور زید بن حارثہ ؓ بہ ظاہر داغ غلامی لے کر آزاد ہوئے تھے اِس لیے اُن کی، نیز اُن کے بھائی کی مرضی زید ؓ سے نکاح کرنے کی نہ تھی لیکن اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو منظور تھا کہ: اِس طرح کی موہوم تفریقات، اِمتیازات نکاح کے راستہ میں حائل نہ ہوا کریں اِس لیے آپ ﷺ نے زینب ؓ اور اُن کے بھائی پر زُور دیا کہ وہ اِس نکاح کو قبول کرلیں۔ اُس وقت یہ آیت اُتری اور اُن لوگوں نے اپنی مرضی کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مرضی پر قربان کر دیا اور زینب ؓ کا نکاح زید بن حارثہ ؓ سے ہوگیا۔

سوال لَهُمُ الْخِيَرَةُ میں "هُمْ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب "هُمْ" ضمیر مُؤْمِن اور مُؤْمِنَة کی طرف راجع ہے۔ جو نکرہ ہے اور سیاقِ نفی میں ہے تو اِس وجہ سے اِس میں عموم آیا ہے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۷﴾:

سوال تَقُوْلُ کا مفعول کیا ہے؟

جواب اَمْسِكْ عَلَیْكَ یہ تَقُوْلُ کا مفعول ہے۔

سوال اِنعام سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِنعام یہ ہے کہ: حضرت زید ؓ غلام تھے اُن کو آزاد کر دیا۔

وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۔۔۔الآیۃ:

"وہ چیز جو تُو چھپاتا تھا اپنے دل میں"۔ وہ چیز یہ تھی کہ: اگر طلاق کی نوبت آگئی تو عِدّت کے بعد مَیں خود نکاح کرلوں گا تا کہ بی بی کی دل جوئی ہو، لیکن! لوگوں کے پروپگنڈے سے ڈرتے تھے کیوں کہ اُس وقت مُتَبَنّٰی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۰﴾:

ربط: اَبھی فرمایا کہ: منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹے نہیں بن سکتے۔ اِس لیے فرماتے ہیں کہ: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ۔۔۔الآیۃ ❷

آپ ﷺ کے تین (۳) نرینہ بچے تھے:

① قاسم۔　② عبداللہ۔ لقب: طیب، طاہر تھا۔　③ ابراہیم۔

وہ فوت ہوچکے تھے۔ اِس لیے فرمایا کہ: آپ (ﷺ) مَردوں کے باپ نہیں ہیں۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۔۔۔الآیۃ:

سوال رَسُوْلَ اللّٰهِ فرمایا نَبِیَّ اللّٰهِ کیوں نہیں فرمایا؟

جواب ایک اِصطلاح کے مطابق رسول صاحبِ شریعت اور صاحبِ کتاب ہوتا ہے، آپ ﷺ دونوں تھے۔

سوال خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ کہا خَاتَمُ الرُّسُل کیوں نہیں کہا؟

جواب اگر خَاتَمُ الرُّسُل کہا جاتا تو یہ شبہ ہوتا کہ آپ ﷺ تو اُن پیغمبروں کے خَاتَم ہیں جو صاحبِ شریعت تھے، غیر تشریعی نبیوں کے تو خَاتَم نہیں ہیں۔ اِس لیے ربِ تعالیٰ نے خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ فرما کر یہ بتلا دیا کہ: آپ ﷺ غیر تشریعی نبوت کے بھی خَاتَم ہیں۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْأَحْزَاب:۵)　❷ (سُوْرَةُ الْأَحْزَاب:۴۰)

سوال لفظِ خَاتَم کون سا صیغہ ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) جوابات ہیں:

① اکثر مفسرین کرام یہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ خَاتَم اِسمِ آلہ کا صیغہ ہے۔ جیسے: عَالَم، مَا یُعْلَمُ بِہٖ، اِسی طرح خَاتَم، مَا یُخْتَمُ بِہٖ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، مہر لگائی، نبوت ختم ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلہ پر مہر لگ گئی، اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی۔

② امام مبرد رحمہ اللہ کے حوالے سے تفسیر "روح المعانی" میں منقول ہے کہ: لفظِ خَاتَم یہ بابِ مُفَاعَلَة سے ماضی کا صیغہ ہے۔ معنی یوں کرتے ہیں کہ: "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور اُس نے نبیوں کو ختم کر دیا"۔ خَاتَمَ بروزنِ قَاتَلَ، ضَارَبَ۔ حوالے "ختمِ نبوت قرآن وسنت کی رُوشنی میں" کتاب طبع شدہ ہے اُس میں دیکھیں۔

قادیانیوں کے غلط اِستدلالات: قادیانی یہاں بڑی طویل بحث کرتے ہیں:

① قادیانی کہتے ہیں کہ: خَاتَم کے معنی ہیں: "مہر"۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے خَاتَم ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر سے نبوت چلتی ہے، مہر لگتی ہے آگے نبوت چلتی ہے تو (نَعُوْذُ بِاللہ) مرزا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر سے نبی بنا۔

جواب ہم مختصر جواب دیتے ہیں کہ: "تریاق القلوب" مرزا کی کتاب ہے۔ اُس میں وہ لکھتا ہے کہ: مَیں اپنے والدین کے لیے خَاتَمُ الْاَوْلَاد ہوں۔ مجھ سے پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام تھا جنت بی بی اور اُس کے بعد یہ مرزا خود دوزخ خان آ گیا۔

تو ہم پوچھتے ہیں کہ: جناب! آپ کے نزدیک خَاتَم کا معنی ہے: "مہر لگانا"۔ تو خَاتَمُ الْاَوْلَاد کا معنی یہ کریں گے کہ: آپ کی ماں کے مخصوص مقام پر مہر لگاتے ہیں بچے آتے ہیں، مہر لگاتے ہیں بچے آتے ہیں۔ پس! اگر آپ کے ہاں خَاتَمُ الْاَوْلَاد کا یہ معنی ہے کہ: آپ کے بعد کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تو اِسی طرح یہاں سمجھیں کہ: خَاتَمُ النَّبِیّٖن کا معنی ہے کہ: "کوئی نبی نہیں آئے گا"۔

② قادیانی کہتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم خَاتَمُ النَّبِیّٖن ہیں تو تم یہ کیوں کہتے ہو کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت میں آئیں گے؟

جواب مَیں ایک مثال دیتا ہوں کہ: مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس دُنیا میں سو (۱۰۰) پیغمبر آنے تھے۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے نمبر پر حضرت نوح علیہ السلام چلتے چلتے ننانوے (۹۹) نمبر پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے اور سوویں (۱۰۰) نمبر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِس دُنیا میں تشریف لائے۔ اب اگر عیسیٰ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوبارہ آجائیں تو کیا اُن کا نمبر بڑھے گا؟ مَیں کہتا ہوں کہ: اگر موسیٰ علیہ السلام بھی آجائیں تو گنتی نہیں بڑھے گی بل کہ سارے پیغمبر آجائیں تو بھی گنتی اُتنی ہی رہے گی۔ یہ خلاف اِس کے کہ: کوئی اور نبی آئے تو اُس میں گنتی بڑھے گی، تعداد بڑھے گی، ختمِ نبوت پر زد پڑے گی، جب کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے ختمِ نبوت پر کوئی زد نہیں پڑے گی، نبی پہلے کے ہیں بعد میں آنے سے اُن کا وہی عدد رہے گا۔

③ قادیانی کہتے ہیں کہ: ہم تو مرزا کو نبی مانتے ہیں لیکن غیر تشریعی نبی مانتے ہیں شریعت والا نبی نہیں مانتے۔

جواب یہ بھی اُن کی غلط بیانی ہے۔ مرزا صاحب نے اِعلان کیا کہ: مَیں ایک کتاب لکھ رہا ہوں جس کی چالیس (۴۰) جلدیں ہوں گی اور مجھے چندے کی ضرورت ہے۔ لوگوں نے چندہ دیا اُس نے چار (۴) نمبر لکھے: "① اربعین نمبر ایک۔ ② اربعین نمبر دو۔ ③ اربعین نمبر تین۔ ④ اربعین نمبر چار"۔ چار (۴) نمبر لکھ کر وہ سکوت اِختیار کر گیا، آگے کچھ نہیں لکھا، اِسی طرح کئی سال گزر گئے۔ لوگوں نے کہا: آپ نے تو چالیس (۴۰) جلدیں لکھنے کا کہا تھا؟ یہ تو پہلے ہی چھوٹی چھوٹی جلدیں ہیں لیکن چلو چار (۴) تو آگئیں باقی کہاں گئیں؟ تو مرزا نے جواب دیا کہ: چار (۴) مَیں نے لکھ دی ہیں زیرو، صفر (۰) تم ڈال دو چالیس (۴۰) ہو جائیں گی۔

تو وہ اِس "اربعین" کے "چوتھے نمبر" میں لکھتا ہے کہ: "مَیں نبی ہوں اور صاحبِ شریعت ہوں کیوں کہ شرعی نبی اُس کو کہتے ہیں جس کی وحی میں اَمر بھی ہو نہی بھی ہو، میری وحی میں اَمر بھی ہے اور نہی بھی ہے"۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۝۴۱:

ربط: اُوپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر تھا کہ: وہ اُمت کے رُوحانی باپ ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ: اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، اللہ تعالیٰ نے تم پر بڑا اِحسان کیا ہے کہ تم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی بنایا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَ مَلٰٓئِکَتُهٗ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۳﴾:

جب لفظِ صَلٰوۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اِس سے مُراد رحمت ہوتی ہے اور جب فرشتوں کی طرف ہو تو اِس سے مُراد رحمت کی دُعا کرنا ہوتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۵﴾:

شَاهِدًا کے معانی:

① علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ معنیٰ کرتے ہیں کہ: شَاهِدًا لِلّٰهِ بِوَحْدَانِیَّتِهٖ۔

② عام مفسرین معنیٰ کرتے ہیں کہ: اُمت پر گواہ۔

③ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ معنیٰ کرتے ہیں کہ: شَاهِدًا اَیْ مُعَلِّمًا۔

④ اَحمد رضا خان نے یہاں لکھا ہے کہ: شَاهِدًا کا معنیٰ ہے: حاضر و ناظر۔

جواب قرآن کا لفظی ترجمہ اُمت میں کسی شخص نے اِتنا نہیں بگاڑا جتنا اِس شخص نے بگاڑا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ: آپ "حاضر و ناظر" لکھتے ہیں اور تمام فقہاء کرام رحمہم اللہ اِس کو کفر کہتے ہیں، تو کفر کی بات قرآن میں کیسے آئی ہے؟ اور اُس نے اپنے ترجمہ کا نام رکھا ہے "کنز الایمان" یہ تو "کنز الکفر" ہے۔

وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۸﴾:

لفظِ اَذٰىهُمْ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ اَیْ وَدَعْ جَزَآءَ اَذٰىهُمْ۔ اُن کی اَذیت کا بدلہ چھوڑ دے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۹﴾:

ربط: اُوپر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کا ذکر تھا، اب آگے نکاح کے کچھ مسائل بیان فرماتے ہیں۔

وَمَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۰﴾:

یعنی لونڈیاں، باندیاں جو غنیمت میں ہاتھ لگی ہوں وہ بھی حلال ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو (۲) لونڈیاں تھیں:

① ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا۔ ② ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا۔

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ۔۔۔ الآیۃ:

مَیں پہلے یہ ضابطہ عرض کر چکا ہوں کہ: لفظ مفرد ہو، خالی عَنِ التَّاء ہو اور مضاف ہو تو تعمیم کے لیے ہوتا ہے۔

الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ۔۔۔ الآیۃ:

سوال یہ ہجرت کی قید کیوں لگائی؟

جواب اِس کے جواب کو سمجھنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعددِ اَزواج کی حکمت کو سمجھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعددِ اَزواج کی حکمت: اِس کی بہت سے حکمتیں ذکر کی گئیں ہیں، مَیں دو (۲) عرض کرتا ہوں:

① آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس لیے بہت سی عورتوں سے نکاح کیا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت مَردوں کے لیے بھی ہے اور عورتوں کے لیے بھی ہے۔ عورتوں کے بعض ایسے مسائل ہیں کہ: مَرد نہ تو اُن کو بیان کر سکتا ہے اور نہ عورت پوچھ سکتی ہے، لیکن ہیں وہ دین کے مسئلے!! تو عورتوں کے ذریعے ہی اُن کی تبلیغ ہوگی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعددِ اَزواج کی ایک حکمت یہ تھی کہ: عورتوں میں بھی کثرت سے دین پھیلے۔

② آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک نظریہ تھا کہ: مختلف قبیلوں کی دُشمنی ختم ہو، ہر قبیلے کی بی بی گھر میں ہے تو اِس نکاح کے ذریعے وہ دُشمنی ختم کر دی۔ اب وہ کہتے تھے کہ: ہمارے داماد ہیں، ہمارے خاندان کی بی بی ہے۔ تو اَصل مقصود یہ تھا کہ: دُشمنی ختم ہو۔

اب بات سمجھیں کہ!! جس بیوی نے ہجرت نہیں کی تو اُس نے دین کیا سمجھا ہوگا؟!! مکہ میں رہ کر تو دین نہیں سمجھا جا سکتا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہجرت کر کے مدینہ میں آگئے تھے تو اِس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جنہوں نے ہجرت کی ہے وہ عورتیں حلال ہیں۔

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

اگر تنہائی میں کوئی بی بی آپ ﷺ سے کہہ دے کہ: وَهَبْتُ نَفْسِيْ لَكَ ۔ اور آپ ﷺ فرمادیں کہ: مجھے قبول ہے تو بغیر گواہوں کے نکاح جائز ہے۔ لیکن اُمت میں سے کوئی تنہائی میں یعنی بغیر گواہوں کے نکاح کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۱﴾:

جن بیویوں کو آپ (ﷺ) نے باری دی ہے اُن میں سے کسی سے باری ہٹادیں تو آپ (ﷺ) کو اس کی اجازت ہے، کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر کسی کی باری ہٹادی ہے اور پھر آپ (ﷺ) دوبارہ اُس کو باری دے دیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۲﴾:

اس کے بعد اب کوئی بی بی آپ (ﷺ) کے لیے حلال نہیں کیوں کہ عرب میں اسلام پھیل چکا، دین پھیل چکا، دین سیکھنے والی بیبیاں گھر میں آگئیں۔ اور یہ بھی آپ (ﷺ) کے لیے جائز نہیں کہ بیبیاں بدل دیں۔ بدلنے کا یہ معنی ہے کہ: ان میں سے کسی بڑھیا کو طلاق دے دی اور کسی اور سے نکاح کرلیا یہ بھی جائز نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۳﴾:

ربط: آپ نے پڑھا کہ: زَوَّجْنٰكَهَا ۔۔۔ الآیۃ ❶ "یعنی اُس بی بی کا نکاح ہم نے آپ (ﷺ) کے ساتھ کیا ہے جو کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ تو آگے اُس نکاح کے بعد کا واقعہ ذکر فرماتے ہیں۔

واقعہ: جب حضور ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوتِ ولیمہ دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گوشت سے خوب سیر ہو کر چلے گئے، پردے کا حکم ابھی تک نہیں آیا تھا، تین (۳) آدمی بیٹھے تھے، اُن کا خیال تھا کہ: یہ ہمارے لیے باعثِ فخر ہے کہ ہم حضور ﷺ کے گھر میں بیٹھے ہیں۔ نبی ﷺ کو گوارہ نہ تھا کیوں کہ بیبیاں ہیں، کھانا کھانا ہے، برتن دھونے ہیں اور ہر کام میں حرج واقع ہو رہا ہے۔ حضور ﷺ نے بہ زبان تو کچھ نہیں فرمایا لیکن عملی طور پر آپ ﷺ خود اُٹھ کر باہر تشریف لے گئے۔ بار بار چکر لگاتے کہ: یہ لوگ چلے گئے یا بیٹھے ہیں؟ لیکن وہ حضرات آپ ﷺ کی منشاء کو نہ سمجھ سکے تو اللہ تعالیٰ نے اِس پر تنبیہ فرمائی کہ: پہلی بات یہ ہے کہ: نبی کریم ﷺ کے گھروں میں مت جاؤ اور دوسری بات یہ ہے کہ: جب کھانا کھا چکو تو اپنے آپ چلے جاؤ۔

غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۔۔۔ الآیۃ:

اَنٰی، يَأْنِي باب ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہے۔ معنی ہے: "پکنا"۔

فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا ۔۔۔ الآیۃ:

فَانْتَشِرُوْا میں جو "فَاء" ہے یہ تعقیب بلامہلت کے لیے آتا ہے۔

وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۔۔۔ الآیۃ:

اس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: اس سے تم مانوس نہ ہو کہ ہم آپ ﷺ کے گھر میں بیٹھے ہیں۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: آپس میں باتیں کرنے کے لیے یہاں نہ بیٹھو کیوں کہ نبی کریم ﷺ شرم کی وجہ سے تم کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔

وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ حَقِّ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ مِنَ الْحَقِّ اَیْ مِنْ بَيَانِ الْحَقِّ۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس موقع پر پردے کا حکم نازل ہوا۔ جب پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے گھر جاتے تھے اور اشیاء مانگتے تھے۔

---

❶ سُورَۃُ الاَحزَاب، ۳۷

جب پَردہ کا حکم نازل ہوا تو پَردہ کے باہر سے مانگتے تھے، اِس میں جانبین کے دِل ستھرے اور صاف رہتے ہیں اور شیطانی وساوس کا اِستیصال ہوجاتا ہے۔

وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۔۔۔ الآیۃ:

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے آپ کو"طلحہ رضی اللہ عنہ" اور"عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ" کا نام بھی آپ کو تفسیروں میں ملے گا۔ اِن حضرات کو مسئلہ کا علم نہیں تھا، اِنہوں نے یہ خیال کیا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اگر وفات ہوگئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بعد عدّت نکاح کروں گا۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اَزواج سے کبھی بھی نکاح نہ کرو۔

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝:

تم اَزواج مطہرات رضی اللہ عنہن اُمّہات المؤمنین کے ساتھ نکاح کرتے ہو، یہ اللہ کے ہاں بڑی چیز ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۵﴾:

ربط: اَبھی آپ نے پڑھا کہ: اب اَزواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے کوئی چیز مانگنی ہے تو پَردے کے باہر سے مانگو۔ تو سوال یہ ہے کہ: کیا سب لوگوں سے پَردہ کریں؟ تو اِس کے بارے میں اِرشاد ہے کہ:"باپ، بیٹے، بھائی، بھتیجے" وغیرہ وغیرہ کے بارے میں کوئی حرج نہیں۔

وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال اِس آیت کے تحت غلام اور باندیاں دونوں داخل ہیں یا صرف باندیاں داخل ہیں؟

جواب اِس میں اِمام صاحب رحمہ اللہ اور اِمام شافعی رحمہ اللہ کا اِختلاف ہے:

اِمام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اِس سے مُراد لونڈیاں ہیں۔

اِمام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک لونڈیاں بھی مُراد ہیں اور غلام بھی مُراد ہیں۔

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۔۔۔ الآیۃ:

اِتَّقِيْنَ جمع مؤنث، اَمر حاضر کا صیغہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۶﴾:

یہاں پر بڑی تفصیل ہے!! مَیں صرف دو (۲) باتیں عرض کرتا ہوں:

① پہلی بات یہ ہے کہ: اِہلِ بدعت کا یہ خیال ہے کہ جو دُرود ہم پڑھتے ہیں اُس میں قرآن کا مفہوم پورا ہوتا ہے اور تم جو دُرود پڑھتے ہو اُس میں قرآن کا مفہوم پورا نہیں ہوتا۔ تم پڑھتے ہو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ اِس سے قرآن کا مفہوم پورا نہیں ہوتا گو کہ اِس کی فضیلت موجود ہے لیکن قرآن کا مفہوم پورا نہیں ہوتا اور ہم جو دُرود پڑھتے ہیں: اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اِس میں صَلٰوة کا لفظ بھی آگیا اور سَلَام کا لفظ بھی آگیا۔ لہٰذا ہمارے دُرود سے قرآن کا مفہوم پورا ہوگیا۔

جواب "اِخفاء الذکر" نامی کتاب میں ہم نے خاصی بحث کی ہے۔ ہم نے کہا کہ: آپ مغالطہ میں ہیں۔ ہم جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی لیتے ہیں تو کہتے ہیں "صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" ہمارے جیسا اِس پر عمل کرنے والا تو ہے ہی کوئی نہیں، حدیثیں ہم زیادہ پڑھاتے ہیں، تفسیریں ہم زیادہ پڑھاتے ہیں، جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی آتا ہے تو ہم کہتے ہیں: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو صَلّٰی بھی کہتے ہیں اور سَلَّمَ بھی کہتے ہیں۔

② دوسری بات یہ ہے کہ: یہاں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "بیہقی" کے حوالے سے روایت نقل کی ہے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهٗ [1] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: تَفَرَّدَ بِهٖ۔ یہاں "محمد ابن مروان السدی الصغیر" منفرد ہے اور یہ رافضی بھی ہے، یہ يَضَعُ الْحَدِيْثَ بھی ہے۔

اِس کو ہمارے مماتی حضرات کہتے ہیں: دیکھو جی! تم کہتے ہو قبر کے پاس سے سنتے ہیں وہ تو حدیث ہی جعلی ہے؟!!

---

[1] (شعب الایمان، باب تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واجلالہ وتوقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۳ ص ۱۴۰، طبع مکتبۃ الرشد، ریاض)

جواب: ہم نے "تسکین الصدور" نامی کتاب میں بڑی بہ حوالہ بحث کی ہے۔ہم نے کہا کہ: ہمارا مستدل یہ روایت نہیں ہے بل کہ ہمارا مستدل "جلاء الافہام" میں ابن قیم رحمہ اللہ نے جو روایت پیش کی ہے شیخ ابو اصبہانی کے طریق پر وہ روایت ہے۔تمام راوی ہم نے بتائے ہیں کہ: اُس کے تمام راوی ثقہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ۔علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ۔ملّا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سَنَدٌ جَيِّدٌ۔ مولانا عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ۔مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إِسْنَادٌ جَيِّدٌ۔نواب صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ وغیرہ وغیرہ۔تو ہمارا مستدل وہ روایت ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۔۔۔ الآیۃ (۵۸):

ربط: پہلے اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے کا بیان تھا کہ: یہ گناہ ہے۔آگے عام مؤمنین ومؤمنات کو اذیت دینے کا بیان ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ (۵۹):

ربط: اُبھی آپ نے اُوپر یہ پڑھا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں سے جو چیز مانگنی ہے تو پردہ کے ساتھ باہر سے مانگو۔تو بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ: پردہ کا حکم صرف اُن کے لیے ہے۔آگے فرماتے ہیں کہ: یہ حکم سب کے لیے ہے۔

روافض کا غلط نظریہ: بَنٰتِكَ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی نہیں تھی بل کہ بیٹیاں تھیں۔روافض کہتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی بیٹی تھی اور یہ اِس لیے کہتے ہیں تاکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت نہ ہوجائے۔ہمارے نزدیک معتبر کتب "صحاح ستہ" ہیں اور شیعوں کے نزدیک چار (۴) کتابیں ہیں، اُن میں "اُصول کافی" اوّل نمبر پر ہے، اِس میں ایک باب قائم کیا ہے "بَابُ مَوْلِدِ النَّبِيِّ وَاَوْلَادِهٖ"۔کہتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس (۲۵) سال تھی اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی چالیس (۴۰) سال تھی، وہ دو (۲) دفعہ پہلے بیوہ ہوچکی تھیں۔اُس کتاب میں بعد میں یہ تصریح ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں تھیں۔تو ہماری چھوڑو! ہماری بات نہ مانو اپنی تو مانو؟!!

يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۔۔۔ الآیۃ:

جَلَابِيْب، جِلْبَابٌ کی جمع ہے۔معنی ہے: "بڑی چادر"۔

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① یہاں لفظِ "لَا" مقدر ہے۔مطلب یہ ہے کہ: اِس میں بہت قریب ہے کہ نہ پہچانی جائیں۔

② لَا مقدر نہیں ہے۔مطلب یہ ہے کہ: پہچانی جائیں گی کہ یہ حَرَائِر ہیں۔

وَالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ ۔۔۔ الآیۃ (۶۰):

صاحب صراح فرماتے ہیں کہ: اِرْجَاف کا معنی ہے "خبر دروغ آفگندن"۔جھوٹی خبر کو پھیکنا، چلانا۔

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

یعنی جو بیبیوں کو چھیڑتے ہیں اُن کو سزا دے گا۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۔۔۔ الآیۃ (۶۲):

سُنَّةَ اللّٰهِ اَيْ كَسُنَّةِ اللّٰهِ۔"بیضاوی شریف" میں ہے کہ: سُنَّةَ اللّٰهِ اَيْ سَنَّ اللّٰهُ سُنَّةً۔

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۔۔۔ الآیۃ (۶۳):

ربط: اُبھی آپ نے پڑھا کہ: لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔۔۔ الآیۃ [1] یعنی آخرت کا ذکر تھا تو منکرین قیامت نے کہا کہ: وہ آخرت کب آئے گی؟ تو آگے اُسی آخرت کا بیان ہے۔

---

[1] (سُوْرَةُ الْاَحْزَاب: ۵۷)

لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ○:

قَرِيْبًا کے مختلف معنی کرتے ہیں: ① شَيْئًا قَرِيْبًا۔ ② أَمْرُهَا قَرِيْبًا۔ ③ قِيَامُهَا قَرِيْبًا۔ ④ مَجِيْئُهَا قَرِيْبًا۔

وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ أَبَدًا ۚ۔۔۔ الآیۃ:

سَعِيْرًا کے معنی ہیں: "شعلہ زن آگ"۔

اشکال: لفظ "سَعِيْرًا" مذکر ہے تو اس کی طرف "فِيْهَا" مؤنث کی ضمیر کیوں راجع کی ہے؟

جواب: آگ مؤنث سماعی ہے اس لیے "فِيْهَا" مؤنث کی ضمیر راجع کی ہے۔

وَقَالُوْا رَبَّنَآ إِنَّآ أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا۔۔۔ الآیۃ:

سَادَ، سَيِّدٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "مذہبی پیشوا"۔ كُبَرَآءَ، كَبِيْرٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "سیاسی پیشوا اور لیڈر"۔

رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ۔۔۔ الآیۃ:

اِس کا مطلب یہ ہے کہ: اے اللہ! ہمارا عذاب بھی اُن کو دے دے۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اَذیت مت پہنچاؤ۔ اب آگے فرماتے ہیں کہ: اے مؤمنو! اُن لوگوں کی طرح مت ہوں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستایا۔

فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۚ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر کبیر، روح المعانی، روح البیان، کمالین" وغیرہ میں تین (۳) باتیں ہیں:

① آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام حیا کی وجہ سے زمانہ کے دستور کے خلاف چھپ کر غسل کرتے تھے۔ اِس پر لوگوں نے کہا کہ: اِن کے بدن میں کچھ عیب ہے، برص کا داغ ہے یا خصیہ پھولا ہوا ہے یعنی گُدڑی کی بیماری ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: کچھ بیماری نہیں۔ لیکن لوگوں نے نہیں مانا۔ ایک رُوز حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے نہانے لگے، کپڑے اُتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے، وہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام عَصٰی لے کر اُس کے پیچھے دوڑے، جہاں سب لوگ دیکھ رہے تھے وہاں پتھر رُک گیا۔ سب نے برہنہ دیکھ کر معلوم کرلیا کہ: بے عیب ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پتھر سے اپنے کپڑے لے کر پتھر کو مارنے لگے، اُس پر نشان پڑ گئے، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

② آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ: قارون نے ایک عورت کو رقم دی تھی اور کہا تھا کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بیان کرتے ہیں اور زنا کے قبائح بیان کرتے ہیں تو وہاں اُٹھ کر اُن کو متہم کر۔ حق تعالیٰ نے آخرکار قارون کو زمین میں دھنسا دیا اور اُس عورت کی زبان سے اِس تہمت کی تردید کرائی۔

③ "مستدرک حاکم" میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ ہمیں ہارون علیہ السلام کی رُوح قبض کرنی ہے لیکن اُس کو نہ بتانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کو لے جا کر جنگل میں ایک چارپائی پر لیٹنے کا حکم دیا، وہ لیٹ گئے، مَلَكُ الْمَوْت نے اپنی کاروائی شروع کی، اُس وقت حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ: اے موسیٰ (علیہ السلام)! تم نے تو دھوکہ کیا، پھر چارپائی لے کر گئے۔ تو بعض مفسد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگانے لگے کہ: حضرت ہارون علیہ السلام کو جنگل میں قتل کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خارق عادت طریقے سے اِس کی تردید کردی اور جب حضرت ہارون علیہ السلام کا جسم دیکھا تو اُس پر قتل کا کوئی نشان نہیں تھا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ○:

ربط: اُوپر مؤمنوں کا ذکر تھا، آگے فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر بڑی اَمانت رکھی ہے، اِیسی اَمانت جو زمین، آسمان، اور پہاڑ قبول نہیں کرسکے وہ مؤمنوں نے اُٹھائیں۔

اِس آیت کی دو(۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین اور پہاڑوں کو کہا کہ: مَیں تمہیں اِدراک، عقل اور شعور دوں گا اور تمہیں اَمانت دوں گا جو شرعی اَحکام ہیں یہ دینی اَمانت ہیں، اگر پورا کروگے تو ثواب ملے گا اور نافرمانی کی صورت میں عذاب ملے گا۔ تو اُنہوں نے اِنکار کر دیا کہ: ہمیں شعور بھی نہیں چاہیے، عقل کی بھی ہمیں ضرورت نہیں، تو اِس اَمانت کو اِنسان نے برداشت کرلیا اور اپنے ذمے لے لیا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں فرماتے ہیں کہ: "ظَلُوْم" اُس کو کہتے ہیں جس میں عدل واِنصاف کی اِستعداد ہو پھر عدل نہ کرے اور "جَهُوْل" اُس کو کہتے ہیں جس میں علم حاصل کرنے کی اِستعداد ہو پھر علم نہ سیکھے۔

تو مطلب یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اِنسان میں اِس اِستعداد کو رکھا ہے اِس لیے یہ اَمانت دی اور اِنسان نے برداشت کی۔

اِشکال: جب رب تعالیٰ نے آسمان، زمین اور پہاڑوں سے خود فرمایا کہ: مَیں تمہیں اِستعداد دوں گا تو پھر تو اُن میں اِستعداد آ گئی پھر اِنسان نے اُس اَمانت کو کیوں اُٹھایا؟

جواب: ظَلُوْمًا اور جَهُوْلًا، فَعُوْلٌ کے وزن پر صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے، اِس میں دوام اور اِستمرار ہوتا ہے۔ پس! اگر آسمان، زمین اور پہاڑوں کو اَمانت ملتی تو عارضی طور پر ملتی، جب کہ اِنسان میں دوام اور اِستمرار کے ساتھ یہ صفت پائی جاتی ہے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: صاحبِ مدارک اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: حَمَلَهَا کے معنی ہیں: خَانَهَا۔ اور لغت کی کتابوں میں "قاموس، صراح، مختار الصحاح" وغیرہ میں حَمَلَ بمعنی خیانت بالکل موجود ہے۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ: "ہم نے اَمانت کو آسمانوں، زمینوں پر اور پہاڑوں پر پیش کیا، اُنہوں نے اِنکار کیا اَنْ یَّحْمِلْنَهَا اَیْ یَخُنَّهَا کہ خیانت کریں، وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اَیِ الْاِنْسَانُ الْكَافِرُ اور اِنسانِ کافر نے خیانت کی"۔

اٰیَاتُھَا (۵۴) (۳۴) سُوْرَةُ سَبَاٍ مَّکِّیَّةٌ (۵۸) رُکُوْعَاتُھَا (۶)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔۔۔الآیۃ ❶ کے الفاظ تھے۔ ایمان کی بنیاد تین (۳) چیزوں پر ہے:

① توحید۔ ② رسالت۔ ③ معاد یعنی قیامت۔

اِس سورۃ کے شروع میں پہلے توحید کا ذکر ہے، پھر قیامت کا ذکر ہے، پھر آنحضرت ﷺ کی رسالت کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ سَبَا ہے۔ نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ: سَبَا قوم کا نام تھا، پھر قوم کے نام سے جگہ کا نام بھی تھا جس کا ذکر اِنْ شَآءَ اللّٰہ دوسرے رُکوع میں آ رہا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ۔۔۔الآیۃ ۞ ❶:

سب تعریف اللہ کی جس کے لیے آسمان اور زمین کی چیزیں ہیں اور اُسی کی تعریف ہے دارِ آخرت میں۔ دُنیا میں تو اوروں کی تعریف بھی لوگ کرتے ہیں، ڈرتے ہوئے یا طمع کے لحاظ سے لیکن! آخرت میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوگی۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ۔۔۔الآیۃ ۞ ❷:

جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اُس کو بھی جانتا ہے۔

سوال زمین میں کیا چیز داخل ہوتی ہے؟

جواب "تفسیر کبیر، روح المعانی، خازن، معالم التنزیل" وغیرہ وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: مثلاً: مُردوں کو زمین میں دفن کرتے ہیں، بارش کے قطرات زمین میں داخل ہوتے ہیں، کیڑے مکوڑے اور بے شمار چیزیں زمین میں داخل ہوتی ہیں، دانے اور بیج لوگ زمین میں دفن کرتے ہیں، یہ ساری چیزیں اِس کا مصداق ہیں اور یہ سب چیزیں خدا کے علم میں ہیں۔

وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا۔۔۔الآیۃ:

"اور جو چیز زمین سے نکلتی ہے"۔ مثلاً: زمین سے پانی بھی نکلتا ہے، پیٹرول نکلتا ہے، تیل نکلتا ہے، سونا چاندی نکلتا ہے، کیڑے مکوڑے نکلتے ہیں، درخت نکلتے ہیں، سب رب کے علم میں ہیں۔

وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ۔۔۔الآیۃ:

"اور جو چیزیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں"۔ مثلاً: بارش بھی نازل ہوتی ہے، وحیٔ الٰہی بھی نازل ہوتی ہے، اللہ کی رحمت بھی نازل ہوتی ہے، قربِ قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نازل ہوں گے، یہ سب چیزیں خدا کے علم میں ہیں۔

وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا۔۔۔الآیۃ:

"اور جو چیز آسمان میں چڑھتی ہے"۔ مثلاً: فرشتے اُوپر چڑھتے ہیں، مؤمنین کی اَرواح اُوپر جاتی ہیں، مؤمنوں کے نیک اعمال اُوپر جاتے ہیں، جیسے آگے اگلی سورۃ میں آئے گا کہ: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ۔۔۔الآیۃ ❷ آپ ﷺ معراج پر گئے، اِسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے۔ پس! یہ سب چیزیں جو اُوپر جانے والی ہیں رب کے علم میں ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عٰلِمِ الْغَيْبِ۔۔۔الآیۃ ۞ ❸:

ربط: اُوپر توحید کا ذکر تھا، اب قیامت کا ذکر کرتے ہیں کہ: کافروں نے کہا کہ: ہم پر قیامت نہیں آئے گی، وہ لوگ قیامت کے منکر تھے۔ تو اللہ تعالیٰ

❶ (سُوْرَةُ الْاَحْزَاب: ۷۳) ❷ (سُوْرَةُ فَاطِر: ۱۰)

نے اُن کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّکُمْ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں کیوں نہ آئے گی؟!! میرے رب کی قسم! البتہ قیامت ضرور آئے گی۔

وَرَبِّیْ میں وَاوْ قسمیہ ہے اور عٰلِمِ الْغَیْبِ، رَبِّیْ کی صفت ہے۔ معنی ہیں: "وہ رب میرا عالم الغیب ہے"۔

لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴﴾:

لِیَجْزِیَ میں لَام، لَتَاْتِیَنَّکُمْ کے ساتھ متعلق ہے۔ یعنی قیامت ضرور آئے گی۔ کیوں آئے گی؟ اِس لیے آئے گی تاکہ بدلہ دے اُن کو جو یقین کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ﴿۵﴾:

علامہ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: رِجْز کا معنی ہے: سَیِّئُ الْعَذَابِ۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ، شیخ الہند رحمہ اللہ معنی کرتے ہیں: "بلا کا دردناک عذاب" یعنی اُن کو بلا کا عذاب ہے دردناک۔

ہر زبان کی اپنی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں، اُردو میں جب کسی چیز کی بڑائی کو بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ: "بلاء کا ذہین ہے" یعنی اِنتہائی ذہین ہے۔ جیسے پشتو والے کہتے ہیں کہ: "فلاں کا فرملا دے" وغیرہ۔

وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ھُوَ الْحَقَّ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶﴾:

وَیَرَی کی دو (۲) ترکیبیں ہیں:

① ایک ترکیب یہ ہے کہ: یہ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔۔۔ الآیۃ ❶ میں لِیَجْزِیَ پر عطف ہے۔ تو معنی یہ ہوگا کہ: "قیامت اِس لیے آئے گی تاکہ بدلہ دے اُن کو جو ایمان لائے اور تاکہ دیکھ لیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا کہ وہ چیز جو تیرے رب کی طرف سے نازل کی گئی تھی وہ حق ہے"۔

② دوسری ترکیب یہ ہے کہ: یہ جملہ مستانفہ ہے۔ تو معنی یہ ہے کہ: "اور دیکھتے ہیں، جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں وہ لوگ جن کو ملی ہے سمجھ کہ جو تجھ پر اُترا وہ حق ہے"۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھَلْ نَدُلُّکُمْ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُکُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷﴾:

ربط: اُوپر توحید کا ذکر تھا، پھر قیامت کا ذکر کیا، اب رسالت کا ذکر ہے۔ کافر لوگ اِس بات کو بہت بعید سمجھتے تھے کہ: ہم لوگوں کو پھٹ کر، ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اور ریزہ ریزہ ہو کر پھر نئے سرے سے بننا ہے۔ اِسی لیے اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ شوشہ چھوڑا۔

اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَمْ بِہٖ جِنَّۃٌ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸﴾:

اَفْتَرٰی اَصل میں اَاِفْتَرٰی تھا، ایک ھَمْزَہ اِستفہام کا ہے اور ایک ھَمْزَہ بابِ اِفْتِعَال کا ہے، ایک ھَمْزَہ قاعدہ کے مطابق گرا دیا۔

بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ۔۔۔ الآیۃ:

اللہ تعالیٰ نے صرف اِضراب سے جواب دیا۔

اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹﴾:

یہاں سے اللہ تعالیٰ یہ بتا رہے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، اُن کو سزا دے سکتا ہے لیکن مہربان بھی ہے۔ آگے پیچھے یہ آسمان و زمین ہیں تو کیا یہ لوگ اَندھے ہو گئے ہیں کہ آسمان و زمین بھی نظر نہیں آتے؟!! جو آگے پیچھے ہر طرف نظر ڈالنے سے نظر آ سکتے ہیں، اِن کو تو وہ بھی مانتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ پھر جس نے بنایا اُس کے لیے توڑنا کیا مشکل ہے؟!! اِس طور پر کہ: تم کو زمین میں دھنسا دے یا آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے تم پر گرا دے، تو کیا یہ چیز اللہ تعالیٰ سے بعید ہے؟!! بالکل نہیں!! تو اُسی ذات کو اِنسانی جسم کا بگاڑ دینا اور بنانا کیا مشکل ہوگا؟!! وہ لوگ ڈرتے نہیں کہ:

❶ (سُوْرَۃُ سَبَا: ۴)

اُسی کے آسمان کے نیچے اور زمین کے اُوپر رہ کر ایسے گستاخانہ کلمات زبان سے نکالتے ہیں؟!! حال آں کہ خدا چاہے تو اَبھی اُن کو زمین میں دھنسا کر یا آسمان سے ایک ٹکڑا گرا کر نیست و نابود کر دے اور قیامت کا چھوٹا سا نمونہ دکھلا دے۔

وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ:

یہ اَمَام اور خَلْف جو ہے یعنی آگے اور پیچھے یہ اِضافی چیزیں ہیں۔ مثلاً: میرا رُخ جنوب کی طرف ہے تو میرے آگے اَقْصٰی جنوب تک اَمَام ہے اور میرے پیچھے اَقْصٰی شمال تک خَلْف ہے۔ اِسی طرح آپ کا منہ میری طرف ہے تو آپ کے آگے اَقْصٰی شمال تک اَمَام ہے اور آپ کے پیچھے اَقْصٰی جنوب تک خَلْف ہے۔ اِسی پر باقی جہتوں کو بھی قیاس کر لیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝:

لفظِ مُنِیْب، اَنَابَ، یُنِیْبُ، اِنَابَةً بابِ اِفْعَال سے ہے۔ معنی ہیں: "رُجوع کرنا"۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۔۔۔ الآیۃ ۝١٠:

ربط: اُوپر دو (۲) طبقوں کا ذکر تھا:

① ایک طبقہ: بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۔۔۔ الآیۃ ❶

② دوسرا طبقہ: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝ ❷

اب یہاں سے پہلے رب تعالیٰ اپنے دو (۲) مُنیب بندوں کا ذکر فرماتے ہیں:

① حضرت داوٗد علیہ السلام۔ ② حضرت سلیمان علیہ السلام۔

پھر آگے اُن لوگوں کا ذکر فرمائیں گے جو لوگ کافر تھے یعنی "قومِ سبا" کا ذکر فرمائیں گے۔

یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ ۔۔۔ الآیۃ:

اَبَ، یَؤُوْبُ بابِ نَصَرَ، یَنْصُرُ سے ہے۔ معنی ہیں: "لوٹنا"۔ اَوْب کے لفظی معنی ہوتے ہیں: "رُجوع کرنا"۔ اَوَّبَ، یُؤَوِّبُ، تَأْوِیْبًا بابِ تَفْعِیْل سے اِس کے معنی ہوتے ہیں: "لوٹانا" تو اَوِّبِیْ کے لفظی معنی ہیں: "رَجِّعِیْ، لوٹاؤ"۔ اِس کے لازمی معنی کرتے ہیں: "تسبیح کرو"۔ جب داوٗد علیہ السلام کہیں سُبْحَانَ الله تو اے پہاڑو! تم بھی کہو سُبْحَانَ الله، وہ الفاظ لوٹاؤ، دھراؤ جو اُنہوں نے کہے ہیں۔

سوال لفظِ طَیْرَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ جِبَال کے محل پر اِس کا عطف ہے، لفظِ جِبَال منادیٰ مبنی مفرد ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، لیکن! یہ محلاً منصوب ہے کیوں کہ یاءِ حرفِ نداء "اُطْلُبُ، اَدْعُوْ، دَعُوْ" فعل کے معنی میں ہوتا ہے، اِس لیے لفظِ جِبَال کا جو محل ہے وہ منصوب ہے، اُس پر لفظِ طَیْر کا عطف ہے۔ اب آیت کے معنی یہ ہیں کہ: "دَعَوْنَا الْجِبَالَ وَدَعَوْنَا الطَّیْرَ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا اور پرندوں کو حکم دیا"۔

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ۝:

حضرت داوٗد علیہ السلام کے حق میں ہم نے لوہے کو موم کی طرح نرم کر دیا، بدونِ آگ اور آلاتِ صناعیہ کے لوہے کو جس طرح چاہتے ہاتھ سے توڑ موڑ لیتے تھے اور اُس کی زِرہیں تیار کر کے فروخت کرتے تھے تا کہ قوتِ بازو سے کما کر کھائیں، بیت المال پر اپنا بار نہ ڈالیں۔

بعض زائغین کا غلط معنی: بعض زائغین نے یہ معنی کیا ہے کہ: "آگ میں گرم کر کے لوہا نرم ہوتا تھا"۔

جواب ہم جواب دیتے ہیں کہ: اگر ایسا ہوتا تو ہمارے لوہار بھی ایسا کرتے ہیں تو فرق کیا ہوگا؟ اور اِس اَلَنَّا لَهٗ کی خصوصیت کا کیا فائدہ ہوگا؟!!

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ ۔۔۔ الآیۃ ۝١١:

سٰبِغٰت، سَابِغَةٌ کی جمع ہے یعنی ایسی زِرہیں کہ سر سے پاؤں تک ہوں، بدن پر پوری فِٹ آجائیں، بدن کا کوئی حصہ نہ رہ جائے۔

❶ (سُورۃُ سَبا، ۸) ❷ (سُورۃُ سَبا، ۹)

وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ... الآیۃ:

"اور کڑیاں ملانے میں اندازہ کر"۔ مطلب یہ ہے کہ: حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کی کڑیوں کو جوڑ کر زِرہ بناتے تھے، تو ایسا نہ ہو کہ: ایک تو بڑا کڑا ہو دوسری چھوٹی کڑی ہو، ایک کشادہ ہو ایک تنگ ہو بل کہ سلیقہ کے ساتھ، اندازے سے اُن کڑیوں کو جوڑ و۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ ... الآیۃ ﴿۱۲﴾:

ربط: اُوپر ایک عَبْدٍ مُنِيْبٍ کا ذکر فرمایا یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کا، اب یہاں سے دوسرے عَبْدٍ مُنِيْبٍ کا ذکر فرماتے ہیں یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کا۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ اَيْ وَسَخَّرْنَا لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ۔ دوسرے مقام پر سَخَّرْنَا کے الفاظ موجود ہیں: فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ ... الآیۃ [1]

غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ... الآیۃ:

تمام تفسیروں میں، حتّٰی کہ "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: یہاں مضاف محذوف ہے۔ سَيْرُ غُدُوِّهَا شَهْرٌ وَسَيْرُ رَوَاحِهَا شَهْرٌ یعنی اُس ہوا کی رفتار پہلے پہر اور پچھلے پہر ایک مہینہ کی تھی۔ مثلاً: سبا سے شام کو پہلے پہر اُڑتا تو پچھلے پہر وہاں پہنچتا۔ حاصل یہ ہوا کہ: ایک ماہ کی مسافت ہوا کے ذریعے آدھے دن میں طے ہوتی تھی۔

وَاَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ... الآیۃ:

قِطْر کے معنی ہیں: "تانبہ"۔ اب آیت کا معنی یہ ہے کہ: "بہایا ہم نے اُن کے لیے تانبہ کا چشمہ"۔ جیسے پانی بہتا ہے ویسے اُن کے لیے رب نے زمین سے تانبہ بہا دیا۔

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ... الآیۃ:

اشکال: جنّات کیسے تابع ہوئے؟ وہ تو نارِی مخلوق ہیں؟

جواب: مذکورہ آیت میں ہی بِاِذْنِ رَبِّهٖ کے الفاظ موجود ہیں، پس! معلوم ہوا کہ: وہ جنّات رب کے حکم سے تابع تھے۔

وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ o:

اشکال: زائغین کہتے ہیں کہ: جنّات نارِی مخلوق ہیں تو اُن کو آگ میں کیسے سزا ملے گی؟!!

جواب: اس کے دو (۲) جواب ہیں:

① اِلزامی جواب یہ ہے کہ: ایک شخص مٹی کا ڈھیلا لے کر دوسرے کو مارتا ہے، پتھر سے نہیں مٹی سے تو وہ دوسرا شخص اُس سے زخمی ہو جاتا ہے اور اُس کو درد محسوس ہوتا ہے حال آں کہ یہ تو مٹی تھی اور خاکی کو لگی پھر بھی تکلیف ہوئی، تو اسی طرح اللہ تعالیٰ اُس نارِی مخلوق یعنی جنات کو آگ میں عذاب دیں گے۔

② محققانہ جواب یہ ہے کہ: جہنّم کی آگ دُنیا کی آگ کی بہ نسبت اُنہتر (۶۹) درجہ زیادہ ہے، اِتنا تفاوت ہے، جنّات دُنیا کی آگ سے بنائے گئے ہیں، اُن کو جہنّم کی آگ میں سزا ملے گی اور محسوس ہوگی۔ اگر یہ بات نہیں سمجھ آتی تو یہ سمجھو کہ: جہنّم میں زَمْهَرِيْر کا طبقہ بھی تو ہے!! تو جنّات کو گویا کہ زَمْهَرِيْر کے طبقہ میں سزا ہوگی۔ پس! سزا ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ... الآیۃ ﴿۱۳﴾:

لفظِ مَحَارِيْب، مِحْرَابٌ کی جمع ہے۔ صاحبِ کمالین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ مِحْرَاب اِسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ حَرْب کے معنی ہیں: "لڑائی" اور مِحْرَابٌ کے معنی ہیں: "زیادہ لڑاکا" تَسْمِيَةٌ بِاِسْمِ صَاحِبِهٖ، اَصل میں لڑاکا تو وہ ہے جو مِحْرَاب میں کھڑا ہوتا ہے یعنی اِمام۔ لیکن! اُس جگہ کا نام مِحْرَاب رکھ دیا گیا، اَصل میں یہ اِسمِ فاعل کا صیغہ ہے، مُراد اِس سے وہ کمرے ہیں جو وہ لوگ بناتے تھے۔

تَمَاثِيْل، تِمْثَالٌ کی جمع ہے، تِمْثَال کے معنی ہیں: "تصویریں"۔ یہاں آپ کو دو (۲) تفسیریں ملیں گی:

---

[1] (سورۃ ص، ۳۶)

③ یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ: ماقبل شریعتوں میں جاندار کی تصویر بنانا جائز ہوتا تھا ہماری شریعت میں حرام ہے۔ تو یہاں تَمَاثِيْل سے جاندار کی تصویریں بنانا مُراد ہے۔

④ یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ: تَمَاثِيْل سے غیر جاندار چیزوں کی تصویریں مُراد ہیں یعنی درختوں، پھولوں وغیرہ کی۔

جِفَان، جَفْنَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "پیالہ"۔

جَوَاب، جَابِيَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "حوض"۔ اتنے بڑے بڑے پیالے ہوتے تھے جیسے حوض ہوتے ہیں۔

قُدُوْر، قِدْرٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "ہانڈی"، یہاں "دیگ" مُراد ہے۔

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۔۔۔ الآيۃ:

لفظِ اٰل کے بعد یَاء حرفِ نداء محذوف ہے۔ اَیْ یَا اٰلَ دَاوٗدَ۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ ۔۔۔ الآيۃ ⑭:

یہاں تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک شیش محل تھا، اُس محل میں وہ پہلے بھی کافی دیر تک کھڑے ہوکر عبادت کرتے تھے۔ چوں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں کے ہاتھوں مسجد بیت المقدس کی تجدید کرا رہے تھے۔ جب اُن کو معلوم ہوا کہ: میری موت آ پہنچی تو جنوں کو نقشہ بتا کر آپ علیہ السلام اُس شیشہ کے مکان میں دروازہ بند کرکے عبادتِ اِلٰہی میں مشغول ہوگئے یعنی ایسا ہوا کہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ (علیہ السلام) کی عمر پوری ہوگئی ہے، تو وہ پریشان ہوگئے کہ: مَیں نے تو اِس مسجد کا کام شروع کیا ہے اور جب مَیں نہیں ہوں گا تو یہ جنّات کیسے کام کریں گے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: شیشہ کا محل بناؤ اور لاٹھی کے سہارے کھڑے ہوجاؤ، اُنہوں نے ایسا ہی کیا، مَلَكُ الْمَوْت آیا، اپنی کارروائی کی اور آپ علیہ السلام کی نعش مبارک لکڑی کے سہارے کھڑی رہی۔ کسی کو آپ علیہ السلام کی وفات کا اِحساس نہ ہوسکا، وفات کے بعد ایک مدت تک جنّات یہ دستور تعمیر کرتے رہے، قریب تو نہیں آسکتے تھے کیوں کہ بادشاہ ہے، جب تعمیر پوری ہوئی تو جس عَصٰی پر ٹیک لگایا ہوا تھا، گھن کے کھانے سے ٹوٹ گیا تو وہ گر گئے، تب سب کو وفات کا حال معلوم ہوا۔ اِس سے جنّات پر خود اپنی غیب دانی کی حقیقت کھل گئی اور اُن کے معتقد اِنسانوں کو بھی پتہ لگ گیا کہ: اگر اِنہیں غیب کی خبر رہتی تو کیا اِس ذلّت آمیز تکلیف میں پڑے رہتے؟!! حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کو محسوس کرتے ہی کام چھوڑ دیتے۔ اِسی سے ہی یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ: شیاطین وغیرہ کی تسخیر کچھ حضرت سلیمان علیہ السلام کا کسبی کمال نہ تھا، محض فضلِ ایزدی تھا جو اللہ تعالیٰ چاہے تو موت کے بعد ایک لاش کے حق میں بھی قائم ہوسکتا ہے۔

مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ ۔۔۔ الآيۃ:

سوال اَرْض کے کیا معنی ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① جمہور کے نزدیک یہاں اَرْض کے معنی "زمین" کے نہیں ہیں بل کہ اَرْض کے معنی ہیں: "کریدنے والا" یعنی وہ کیڑا جو لکڑی کو کھاتا ہے یعنی دیمک۔

② یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ: اَرْض کے معنی "زمین" کے ہیں۔ تو "دَآبَّةُ الْاَرْضِ" کے معنی ہوئے: "وہ کیڑا جو عموماً زمین میں ہوتا ہے"۔ مفہوم وہی نکلے گا یعنی مُراد وہ ہی دیمک کا کیڑا ہوگا۔

تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۔۔۔ الآيۃ:

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں: اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ۔۔۔ الآيۃ ● تو نَسِيْٓءٌ کا معنی ہے: "اُدھار"۔ اب یہ مِنْسَاَت اِسمِ آلہ کا صیغہ ہے۔ لفظی معنی ہیں: "پس! وہ جو اُن کا آلہ تھا پیچھے ہٹانے والا"۔ اب لازمی معنی ہیں: "لاٹھی"۔ لاٹھی ہو تو آدمی کتے کو پیچھے ہٹاتا ہے اور کوئی مارنے کو آئے تو اُس کو پیچھے ہٹاتا ہے۔

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝:

"جس وقت وہ گرے تو جنّات پر اُس وقت واضح ہوا کہ: بے شک اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو نہ ٹھرتے ایسے عذاب میں جو رسوا کرنے والا ہے"۔

● (سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ، ۳۷)

جنات اپنی مرضی کے خلاف کام کرتے تھے یعنی نہ چاہتے ہوئے کام کرتے تھے کیوں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ تھے، جنات اُن کے قابو آئے ہوئے تھے۔ پس! جنات چوں کہ اپنی مرضی کے خلاف کام کرتے تھے اس لیے اِس طرح کام کرنے میں اُن کے لیے ذلت تھی۔ اب جب حضرت سلیمان علیہ السلام گرے تو پتہ چلا کہ وہ تو دُنیا سے رُخصت ہوگئے۔ جنات کا یہ دعوٰی تھا کہ: ہم غیب جانتے ہیں، تو اب حقیقت کھلی کہ اگر غیب جانتے ہوتے تو اتنی مدت نہیں ٹھہرتے۔

سوال حضرت سلیمان علیہ السلام لاٹھی کے سہارے کتنا عرصہ ٹھہرے رہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① ایک سال کا قول بھی آپ کو ملے گا۔ یہ اکثر حضرات کا قول ہے۔

② بعض تفسیروں میں آپ کو ثَلَاثَ سِنِیْنَ کے الفاظ بھی ملیں گے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵﴾:

ربط: اُوپر اُن بندوں کا ذکر تھا جو مُنِیْب تھے اب آگے اُن لوگوں کا ذکر ہے جو نافرمان تھے۔

"سبا" قوم کا نام تھا، اُسی کے نام سے یہ شہر مشہور ہوا۔ یہ قوم یمن کی بڑی دولت مند اور ذی اقتدار قوم تھی، جو صدیوں تک بڑے جاہ وجلال سے ملک پر حکومت کرتی رہی، اِنھوں نے ایک شہر آباد کیا تھا، اُس کے دائیں بائیں ہر طرف باغات میلوں دُور نظر آتے تھے، ہر طرف خوشبو ہی خوشبو رہتی تھی، اُس میں سانپ، جوں، بچھو وغیرہ نہیں تھے۔ کہتے ہیں کہ: ایک شخص نو وارد جوؤں والا آتا تو وہ جوئیں خوشبو سے مر جاتیں اور پسو (ورگے) بچھو وغیرہ کچھ نہ تھے۔ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے اَحکام کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر عذاب کے لیے چوہے مسلط کردیے۔ کہا جاتا ہے کہ: ایک پہاڑ تھا "جبل اَبلق" اُس پہاڑ کے دامن میں اُنھوں نے بند باندھا تھا، اُن چوہوں نے اُن بندوں میں جو اُنھوں نے بنائے تھے سوراخ کردیے، پھر اتنا سیلاب آیا کہ: سب باغات برباد ہوگئے اور سب ہلاک ہوگئے اور بعض شام کی طرف چلے گئے اور بعض مدینہ آگئے، اوس اور خزرج کے جو بڑے تھے وہ اِنہی لوگوں سے تعلق رکھتے تھے۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾:

لفظِ عَرِم، عَرِمَۃٌ کی جمع ہے۔ اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① لفظِ عَرِم کے معنی ہیں: "بند"۔

② لفظِ عَرِم کے معنی ہیں: "زور کا سیلاب"۔

ذَوَاتَیْ ذَوَاتٌ کا تثنیہ ہے۔ اُكُلٍ اَیْ صَاحِبَا تَا اُكُلٍ۔ وہ دونوں باغ خوراک والے تھے۔

خَمْط ایسی خوراک کو کہتے ہیں جو کچھ کڑوی بھی ہو اور کچھ ترش بھی ہو یعنی بدمزہ ہو، کھاتے ہوئے اِنسان کا منہ بگڑ جائے۔

اَثْل کا معنی ہے: "جھاؤ کا درخت"۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸﴾:

وہ "سبا" کا شہر تھا، وہاں سے شام کا شہر "ایختہ" بہت دُور تھا۔ سبا سے لے کر شام تک ایک ماہ کا سفر تھا۔ تو یہ برکت والی بستیاں ملکِ شام کی ہیں یعنی اُن کے ملک سے شام تک راستے مامون تھے، سڑک کے کنارے دیہات کا سلسلہ ایسے اَنداز ے اور تناسب سے چلا گیا تھا کہ مسافر کو ہر منزل پر کھانا، پانی اور آرام کرنے کا موقع ملتا تھا، آبادیوں کے قریب ہونے اور جلدی جلدی نظر آنے سے مسافر کا جی نہیں گھبراتا تھا اور نہ ہی چوروں اور ڈاکوؤں کا خوف تھا، سفر کیا تھا ایک طرح کی سیر تھی۔

سوال بَيْنَهُمْ کی "هُمْ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟ اور قُرٰی سے کون سی بستی مُراد ہے؟

جواب بَيْنَهُمْ کی "هُمْ" ضمیر قومِ سبا کی طرف راجع ہے اور قُرٰی سے شام کی بستی مُراد ہے۔

فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹﴾:

یعنی ہم نے شیرازہ بکھیر دیا اور اُن کو پارہ پارہ کر ڈالا، اکثر خاندان اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے، کوئی ایک طرف کوئی دوسری طرف نکل گیا، کوئی شام کو چلے گئے کوئی مدینہ آ گئے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۰﴾:

ربط: اُوپر کافروں کا ذکر تھا، آگے بیان فرماتے ہیں کہ: کافروں کے ساتھ شیطان نے جو اٹکل بات کی تھی اور گمان کیا تھا وہ سچا کر دکھایا۔

آپ کو "تفسیر ابن جریر طبری، معالم التنزیل، دُرِّ منثور" وغیرہ میں ملے گا کہ: حضرت آدم علیہ السلام کا ڈھانچا جب بنا تو شیطان اُس کے اِرد گرد پھرتا رہا کہ: یہ مخلوق جو پیدا ہو رہی ہے اس کے بڑے تو یہ ہیں، تو مَیں اِن میں اپنے خیالات کیسے ڈالوں گا؟!! ٹانگیں بھی ٹھوس ہیں، اَعضاء بھی ٹھوس ہیں، خیالات کہاں سے جائیں گے؟ پھر شیطان کو منہ نظر آیا، ناک نظر آئی تو شیطان کہنے لگا کہ: میرے لیے بھی راستہ ہے، میرے ماننے والے بھی ہو جائیں گے۔

اِس لیے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ: سچا کر دکھایا ابلیس نے اپنا وعدہ یعنی میرے چیلے بھی بن گئے کیوں کہ خیالات ڈالنے کے لیے راستہ مجھے بھی مل گیا۔

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:

لِنَعْلَمَ اَیْ عِلْمَ ظُهُوْرٍ۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۲﴾:

ربط: ماقبل رُکوع کے پہلے حصے میں "توحید، قیامت، رسالت" کا ذکر تھا، پھر آگے ماننے والوں کا ذکر تھا، نہ ماننے والوں کا نتیجہ تھا، اِس رُکوع میں بھی "توحید، رسالت، قیامت" کا ذکر ہے، پہلے شرک کا رد اور توحید کا اثبات ہے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۳﴾:

مشرکین کہتے تھے کہ: یہ بُت ہمارے سفارشی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: سن لو! رب کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش فائدہ نہیں دے گی۔

حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

یہ فرشتوں کا حال بیان فرمایا کہ: فرشتے ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے حاضر باش ہیں۔ جب اُوپر سے اللہ تعالیٰ کا حکم اُترتا ہے تو مَیں مثال کے طور پر سمجھاتا ہوں کہ: ایسی آواز آتی ہے جیسے صاف چکنے پتھر پر زنجیر کھینچی جائے یا جیسے گھنٹی بجتی ہے۔ جو مقرب فرشتے ہیں وہ سنتے ہیں سمجھتے ہیں اور اُن کے علاوہ جو فرشتے ہیں وہ دہشت اور خوف ورُعب سے تھر تھرا جاتے ہیں اور تسبیح کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ جب یہ حالت رفع ہو کر دل کو تسکین ہوتی ہے اور کلام اُتر چکا ہوتا ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا؟ رب نے کیا فرمایا؟ اُوپر والے فرشتے نیچے والوں کو درجہ بہ درجہ بتلاتے ہیں، ظاہر ہے!! وہاں معقول اور واجبی بات کے سوا کیا چیز ہو سکتی ہے؟ پس! جس کے علو وعظمت کی یہ کیفیت ہو کہ: حکم دے تو فرشتوں کا مارے ہیبت وجلال کے یہ حال ہو جائے، وہاں کس کی ہمت ہے کہ: اَز خود سعی وسفارش کے لیے کھڑا ہو جائے؟ تو یہ رَدّ ہوا مشرکین کا، وہ کہتے تھے کہ: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اُن کی سفارش تو ضرور قبول ہو گی۔

فُزِّعَ بابِ تَفْعِيْل سے ہے اور بابِ تَفْعِيْل کے خواص میں ایک خاصیت سلب کی ہے، تو فُزِّعَ کا معنی ہے: "جس وقت گھبراہٹ دُور کی جاتی ہے فرشتوں کے دلوں سے"۔

قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظ حَقّ فعلِ محذوف کا مفعول ہے۔ اَیْ قَالَ الْحَقَّ۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۴﴾:

لفظِ "اللہ" فعل محذوف کا فاعل ہے۔ قُلِ اللّٰهُ اَیْ يَرْزُقُ اللّٰهُ۔

وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ؀:

یہ تبلیغ کا طریقہ ہے، اگر کسی کو یہ کہا جائے کہ: تو گمراہ ہے اور وہ سچ مچ گمراہ ہوتو وہ ضد کرے گا، لڑے گا۔ لیکن! اگر اُس کو یوں کہا جائے کہ: بھائی دیکھو! ایک طرف تم ہو ایک طرف ہم ہیں، ایک طرف ہدایت ہے، ایک طرف گمراہی ہے۔ غور کرو! تم ہدایت پر ہو یا ہم ہیں؟ تم گمراہی پر ہو یا ہم ہیں؟!! اب یہاں بات تو کہہ دی لیکن اِس طریقے سے بات کرنے میں اَصل بات بھی ہوگئی اور چڑ وعداوت بھی پیدا نہیں ہوئی۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ؀ ﴿۲۵﴾:

"تُو کہہ دے کہ: تم نہیں سوال کیے جاؤ گے اُس چیز کے بارے میں جو ہم نے جرم کیا"۔ یعنی اَجْرَمْنَا اَیْ بِزَعْمِكُمْ۔ مطلب یہ ہے کہ: ہم تو فِیْ نَفْسِہٖ مجرم نہیں ہیں پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ: ہمارا یہی جرم ہے کہ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا۔۔۔الآیۃ ❶ ہم اِیمان لائے۔ پس! اگر اِیمان لانا تمہارے زعم میں جرم ہے تو تم سے اِس کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔۔۔الآیۃ ﴿۲۸﴾:

ربط: پہلے شرک کا رد اور توحید کا اِثبات تھا، اب آگے رسالت کا بیان ہے۔

ترکیب: لفظِ كَآفَّةً کی دو (۲) ترکیبیں ہیں:

① نحاۃ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ: لِلنَّاسِ ذوالحال ہے اور كَآفَّةً اُس سے حال ہے۔

اِشکال: ذوالحال مجرور ہو بالحرف یا بالاضافۃ تو اُس کا حال مقدم نہیں ہوتا اور یہاں لِلنَّاسِ میں ذوالحال حرفِ جر لَام کی وجہ سے مجرور ہے تو اِس لیے یہ ترکیب صحیح نہیں ہے۔

جواب: رضی، علامہ اُندلسی ؒ، ابن مالک ؒ "الفیہ" والے فرماتے ہیں کہ: ہم نہیں مانتے کہ مجرور بالحرف ہو تب بھی اور بالاضافت ہو تب بھی اُس کا حال مقدم ہوتا ہے۔

② دوسرا گروہ جو کہ جمہور ہیں اور اِمام زجاج ؒ بھی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ كَآفَّةً، اَرْسَلْنٰكَ میں "ك" ضمیر سے حال ہے۔ اِس کے معنی ہیں: "جَامِعًا"۔ كَفَّ، يَكُفُّ کے معنی ہیں: "رُوکنا، جمع کرنا"۔ اب آیت کے معنی یہ ہوئے کہ: "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا حَالَ كَوْنِكَ جَامِعًا لِّلنَّاسِ" سب لوگوں کو اِکٹھا کرنے والا ہے یعنی سب لوگوں کے لیے تو بھیجا گیا ہے۔ جیسے آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔۔۔الآیۃ ❷

اِشکال: ذوالحال مذکر ہے اور لفظِ كَآفَّةً جو کہ حال ہے اُس میں "تاء" ہے جو تانیث کی علامت ہے؟

جواب: كَآفَّةً میں "تاء" مبالغہ کے لیے ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۱﴾:

ربط: اُوپر آپ ﷺ کی رسالت کا ذکر تھا، آپ ﷺ قرآن پاک پڑھتے تھے، تو آگے اِس کا بیان ہے کہ کفار نے کہا کہ: ہم اِس پر اِیمان نہیں لاتے یعنی اِس کو مانتے نہیں۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔۔۔الآیۃ:

لَوْ حرفِ شرط ہے، اِس کی جزاء محذوف ہے۔ اَیْ لَتَرٰى اَمْرًا عَظِيْمًا، لَرَاَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا۔

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ؀:

پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ: لَوْلَا حرفِ شرط ہے، یہ ضمیر، اسم وغیرہ پر داخل نہیں ہوتا بلکہ یہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ یہاں پر صَدَدْتُمْ فعل محذوف ہے۔ اَیْ لَوْلَا صَدَدْتُمْ اَنْتُمْ۔ اگر تم نہ رُوکتے تو ہم مؤمن ہوتے۔ اِس پر قرینہ نَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى۔۔۔الآیۃ ❸ ہے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف، ۱۲۶) (سُوْرَۃُ الْمَائِدَۃ، ۵۹) ❷ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف، ۱۵۸) ❸ (سُوْرَۃُ سَبَا، ۳۲)

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۔۔۔الآیۃ:

اَیْ مَکْرٌ فِی الَّیْلِ وَالنَّھَارِ۔ وہ تدبیریں جو رات اور دن میں تم کرتے تھے، آج تم اُن کا اِنکار کرتے ہو؟!! تم آتے تھے اور ہمارے پاس جلسہ وغیرہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ: ہم پیغمبروں کے اِرشاد کے موافق خدا کو ایک نہ مانیں بل کہ بعض مخلوقات کو بھی اُس کے مماثل اور برابر کا شریک سمجھیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝:

یہاں سے اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو تسلی دے رہے ہیں کہ: پہلے لوگ بھی ایسے تھے اب بھی ایسے ہی ہیں۔

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۔۔۔الآیۃ:

یہ اُن آسودہ حال لوگوں کی دلیل تھی کہ: معلوم ہوا کہ خدا ہم سے خوش اور راضی ہے ورنہ اِتنا مال و اَولاد کیوں دیتا؟ جب وہ خوش ہے تو ہمیں کسی آفت کا اَندیشہ نہیں، تم فضول عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۔۔۔الآیۃ:

یہاں سے اللہ تعالیٰ نے اُن کی مذکورہ بالا بات کا جواب دیا کہ: یہ رزق، مال اور اَولاد مقبولیت کی دلیل نہیں بل کہ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۔۔۔الآیۃ۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى ۔۔۔الآیۃ:

ربط: واضح ہے کہ کافروں نے کہا تھا: نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۔۔۔الآیۃ [1] تو آگے اُن کی اِس بات کا جواب ہے۔

بِالَّتِیْ کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① بِخَصْلَةِ الَّتِیْ۔ ② بِالطَّرِيْقَةِ الَّتِیْ۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۔۔۔الآیۃ:

يُخْلِفُهٗ کے تین (۳) معنی ہیں:

① بعض حضرات معنی کرتے ہیں کہ: "جو چیز بھی تم خرچ کرو گے اللہ تم کو اُس کا خلیفہ دے گا"۔

② بعض حضرات معنی کرتے ہیں کہ: "جو چیز بھی تم خرچ کرو گے اللہ تم کو اُس کا ثواب دے گا"۔

③ بعض حضرات معنی کرتے ہیں کہ: "جو چیز بھی تم خرچ کرو گے اللہ تم کو اُس چیز سے بہتر دے گا"۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝:

بہت سے مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، بہت سے اُن کی شکلیں بنا کر پرستش کرتے تھے بل کہ بعض نے لکھا ہے کہ: اَصْنام کی پرستش کی اِبتداء ملائکہ پرستی ہی سے ہوئی اور عمرو ابن لُحَی ابن قمعہ یہ رسم قبیح شام سے حجاز میں لایا۔ آج بھی بعض جاہل لوگ یا جِبْرَائِیل وغیرہ کہتے ہیں، ملائک سے اِمداد مانگتے ہیں۔

بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۔۔۔الآیۃ:

جنّات کی عبادت کا یہ معنی ہے کہ: جنّات کے کہے میں لگتے تھے، اُن کا کہنا سنتے تھے۔ جیسے: آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے میں پڑھ چکے ہیں کہ: يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۔۔۔الآیۃ [2] وہاں میں نے با حوالہ عرض کیا تھا کہ: شیطان کے کہنے میں لگنا یہ گویا کہ اُس کی عبادت میں لگنا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ۝:

عمرو ابن لُحَی ابن قمعہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد شرک کی بنیاد قائم کی تھی اور اُن انبیاء کرام علیہم السلام کے زمانے میں وہ صحیح العقیدہ تھے۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ: "نہیں آیا اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا تجھ سے پہلے قریب کے زمانے میں"۔

---

[1] (سُوْرَۃُ سَبَا، ۳۵) [2] (سُوْرَۃُ مَرْیَم، ۴۴)

وَمَابَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۵﴾:

"قاموس، تاج العروس" اور دوسری لغت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ: اَلْمِعْشَارُ جُزْءٌ مِّنَ الْعَشْرَةِ وَكَالْعُشْرِ وَالْعَشِيْرِ۔ تو مِعْشَار کا معنی "دسواں حصہ" جیسے عَشِیْر اور عُشُر کا معنی دسواں حصہ ہے۔

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝:

نَكِيْرِ اصل میں نَكِيْرِيْ تھا۔ اَیْ اِنْكَارِیْ بِالْعُقُوْبَةِ۔ اُنہوں نے جو میرا انکار کیا تو میری نکیر کا بدلہ کیسا رہا؟!!

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۶﴾:

ربط: اُوپر اس کا ذکر تھا کہ: اُنہوں نے آپ ﷺ کے بارے میں کہا کہ: یہ تمہیں آباء کی تقلید سے رُوکتا ہے، اِس کے پاس جو کچھ ہے جھوٹ ہے، اِفْتِرٰی ہے، سحر ہے۔ اِس لیے آگے فرماتے ہیں کہ: آؤ! میں تمہیں ایک خصلت کی، ایک کلمہ کی نصیحت کرتا ہوں کہ: تم قائم ہو جاؤ اللہ کے لیے دو، دو اور اَکیلے اَکیلے۔

بِوَاحِدَةٍ کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① بِخَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ۔ ② بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ۔

سوال قائم ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب قائم ہونے کے معنی "کھڑے" کے نہیں ہیں بل کہ مطلب یہ ہے کہ: تم اُس پر ڈٹ جاؤ! بعض دفع ایسا ہوسکتا ہے کہ اَکیلا آدمی رائے پیش کر سکتا ہے، جب کہ بعض دفع ایسا ہوتا ہے کہ اَکیلا آدمی رائے نہیں دے سکتا بل کہ ایک نے الگ رائے دی، دوسرے نے الگ رائے دی، سب کی رائے مل کر نتیجے پر پہنچے۔ تو تم اِس پر قائم رہو دو، دو، اَکیلے اَکیلے، پھر غور کرو کہ: تمہارا ساتھی مجنون نہیں ہے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۸﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ، علامہ بیضاوی رحمہ اللہ، علامہ بغوی رحمہ اللہ اور بے شمار مفسرین فرماتے ہیں کہ: يَقْذِفُ کا معنی ہے: "القاء کرتا ہے، وحی کرتا ہے"۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: يَقْذِفُ کا معنی ہے کہ: اللہ تعالیٰ حق کو گویا باطل کے سر پر پھینکتا ہے اور باطل کا سر اُس سے زخمی ہوتا ہے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ: بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ ۔۔۔الآیۃ ● حق کا گولہ باطل پر پڑتا ہے تو اُس کا دماغ پھاڑ دیتا ہے۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝ ﴿۴۹﴾:

اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① "تفسیر کبیر، روح المعانی، قرطبی" وغیرہ میں ملے گا کہ: باطل سے باطل ہی مُراد ہے اور يُبْدِئُ متعدی ہے۔ معنی ہیں: "وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ لِاَهْلِهٖ خَيْرًا وَمَا يُعِيْدُ" باطل، باطل پرستوں کے لیے خیر کو ظاہر نہیں کر سکتا اور نہ لوٹا سکتا ہے۔

② باطل شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ: "شیطان نہ تو کسی چیز کی ابتداء کر سکتا ہے اور نہ دوبارہ لوٹا سکتا ہے"۔

③ علامہ محلی رحمہ اللہ اور اکثر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: يُبْدِئُ بابِ اِفْعَال ہے اور يُعِيْدُ بھی بابِ اِفْعَال ہے لیکن مزید یہاں مجرد کے معنی میں ہے۔ معنی کرتے ہیں کہ: "نہیں ظاہر ہوسکتا باطل اور نہیں باقی رہتا"۔

خُلَاصَة: خلاصہ یہ ہے کہ: بابِ اِفْعَال لازمی معنی میں ہے، متعدی کے معنی میں نہیں ہے۔

وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝ ﴿۵۲﴾:

اَلتَّنَاوُشُ اَیِ التَّنَاوُلُ۔ معنی ہیں: "دُور سے پکڑنا"۔ یعنی اب اُن کا ہاتھ اِتنی دُور کہاں پہنچ سکتا ہے جو وہاں سے ایمان کو اُٹھا لائیں؟ جو وقت تھا تو انکار پر تلے رہے اور یوں ہی اَٹکل کے تیر چلاتے رہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ: ایمان کا محل تو دُنیا تھی وہاں سے لانا چاہیے تھا اب کیا فائدہ؟

● (سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاء ۱۸)

وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝ (۵۳):

"پھینکتے ہیں تیر بغیر نشانے کو دیکھنے کے دُور کی جگہ سے" یعنی یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے کہ: یہ ساحر، کاہن، مسحور وغیرہ ہے اور قرآن کے بارے میں کہتے تھے کہ: شعر، شاعری، جھوٹ، سحر وغیرہ ہے۔

وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ ـــ الآیۃ (۵۴):

"تفسیر بیضاوی، کبیر" وغیرہ میں اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: اِس کا ماقبل سے تعلق ہے۔ اب معنی ہوں گے کہ: "رُکاوٹ ڈال دی جائے گی"۔ لفظِ حِيلَ ماضی کا صیغہ ہے لیکن قیامت کی بحث چلی آرہی ہے، اِس لیے ماضی بمعنی مضارع ہے کیوں کہ قیامت آئے گی گزری تو نہیں۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اب معنی یہ ہوئے کہ: "دُنیا میں رُکاوٹ ڈال دی جائے گی اُن کے اور اُس چیز کے درمیان جس کو وہ چاہتے تھے"۔ وہ دُنیا کے عروج چاہتے تھے کہ ہمیں بادشاہت ملے گی، (اَلْعَيَاذُ بِاللهِ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرو، اِسلام کو مٹادو۔ تو وہ عروج جو وہ چاہتے تھے وہ اُن کو نہ ملا۔

آیَاتُهَا (۴۵) (۳۵) سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ (۴۳) رُكُوْعَاتُهَا (۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: اَبھی آپ نے پڑھا کہ: کافر قیامت کے دن کہیں گے: اٰمَنَّا بِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ● یعنی ہم ایمان لائے، اب ایمان کی بنیادی چیزوں میں:

① توحید۔ ② رسالت۔ ③ قیامت۔

اِن تینوں کا ذکر اِس رُکوع میں بہ دستور ہو رہا ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ فَاطِرٍ ہے۔ معنی ہیں: "بغیر نمونہ اور مثال کے پیدا کرنا"۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔۔۔ الآیۃ ❶:

اَجْنِحَة، جَنَاحٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "پروں والے"۔ اُولِیْ، ذُوْ کی جمع ہے۔ وَثُلٰثَ میں وَاوْ بمعنی اَوْ ہے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۔۔۔ الآیۃ ❷:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ میں مَا موصولہ ہے اور مِنْ رَّحْمَةٍ میں مِنْ بیانیہ ہے۔

فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

مِنْ بَعْدِهٖ کا یہ معنی نہیں سمجھنا کہ: "اللہ کے بعد"۔ مَعَاذَ اللہ اللہ کے بعد کون ہوگا؟!! پس! آپ کو "جلالین" تک میں ملے گا کہ: مضاف محذوف ہے

اَیْ مِنْ بَعْدِ اِمْسَاكِهٖ یعنی اللہ کے رُوکنے کے بعد۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۔۔۔ الآیۃ ❹:

ربط: یہاں تک توحید کا بیان تھا اب آگے رسالت کا بیان ہے۔

سوال اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ شرط ہے اس کی جزاء کیا ہے؟

جواب اِس کی جزاء فَاصْبِرْ محذوف ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۔۔۔ الآیۃ ❺:

ربط: یہاں سے تیسری بات یعنی قیامت کا بیان ہے۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۔۔۔ الآیۃ ❽:

ربط: اُوپر دو (۲) طبقوں کا بیان ہوا: مؤمن اور کافر کا، آگے بھی اِن ہی دو (۲) طبقوں کا بیان ہے۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ استفہام ہے، اِس استفہام کا مدِ مقابل اور عدیل محذوف ہے۔ "جلالین" تک میں ملے گا کہ: اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ كَمَنْ هَدَاهُ اللّٰهُ،

یہ استفہام کا عدیل ہے۔ قرینہ اس کا یہ ہے: فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۔۔۔ الآیۃ ❷ معنی ہیں: "ایک وہ شخص ہے جس کے

بُرے اَعمال مزین کیے گئے، اُس نے اُن اَعمال کو اَچھا دیکھا یہ اُس کی طرح ہے جس کو اللہ نے ہدایت دی"۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ ۔۔۔ الآیۃ ❾:

ربط: یہاں سے توحید کا بیان ہے۔

اِشْکَال: فَسُقْنٰهُ کی "ہٗ" ضمیر مفرد ہے وہ سَحَابًا کی طرف کیسے راجع ہے، جب کہ سَحَابًا تو سَحَابَةٌ کی جمع ہے؟

● (سُوْرَةُ سَبَا، ۵۲) ❷ (سُوْرَةُ فَاطِر، ۸)

جواب: آٹھویں پارہ میں ہم "تفسیر خازن" وغیرہ کے حوالے سے عرض کر چکے ہیں کہ: لفظِ سحاب جنس ہے اور جنس میں وحدت و کثرت دونوں چیزیں ہوتیں ہیں۔

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

"اُوپر چڑھتے ہیں پاکیزہ کلمات اور عملِ صالح جو ہے اُس کو رب اُٹھاتا ہے"۔

سوال: كَلِمُ الطَّيِّب سے کیا مُراد ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اِصطلاحی کلمہ طیبہ مُراد ہے۔

② ہر پاکیزہ بات سُبْحَانَ الله، اَلْحَمْدُ لِله، لَا اِلٰهَ اِلَّا الله، یہ سب کلمات خود اُوپر چڑھتے ہیں۔

سوال: کلماتِ طیبہ تو خود اُوپر چڑھتے ہیں اور عمل صالح کو رب اُٹھاتا ہے، اِس فرق کی کیا وجہ ہے؟

جواب: چوں کہ یہ کلماتِ طیبہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، اِن میں ذاتی طور پر صُعُود اور عُلُو ہے۔ اِس لیے یہ کلمات خود بہ خود چڑھتے ہیں اور عمل تو بندہ یعنی عامل کی صفت ہے، ذاتی طور پر اُس میں کوئی بلندی نہیں اِس لیے اُس کو رب تعالیٰ اُٹھاتا ہے۔

أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ۝:

بَارَ، يَبُورُ باب نَصَرَ، يَنْصُرُ سے ہے۔ معنی ہے: "ہلاکت"۔

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱﴾:

اِشکال: عُمُرِهٖ کی "ہ" ضمیر مُعَمَّر کی طرف راجع ہے، مُعَمَّر زیادہ اور بڑی عمر والے کو کہتے ہیں۔ تو ایک طرف وہ مُعَمَّر ہے اور دوسری طرف کمی کی بات ہے تو اِس کا کیا معنی ہوا؟!!

جواب: "تفسیر خازن، ابن کثیر، معالم التنزیل، ابوسعود، السراج المنیر" وغیرہ میں اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: مُعَمَّر کی عمر کم کرنے کا یہ معنی ہے کہ: مثلاً ایک شخص کی عمر ہے سو (۱۰۰) سال، ایک دن گزرا تو فرشتے لکھتے ہیں: مَضٰى يَوْمًا، نَقَصَ يَوْمًا۔ دو (۲) دن گزرے تو فرشتے لکھتے ہیں: نَقَصَ يَوْمَانِ۔ تین (۳) دن گزرے تو فرشتے لکھتے ہیں: نَقَصَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ۔ اِسی طرح نَقَصَ اُسْبُوْعًا، نَقَصَ شَهْرًا، نَقَصَ سَنَةً۔

② حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ساٹھ (۶۰) سال کی عمر کا شخص مُعَمَّر ہے، ساٹھ (۶۰) سال سے کم ہو تو اُس کی عمر يُنْقَصُ کی مصداق ہے۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ: میری اُمت کے اکثر اَفراد ساٹھ (۶۰) سَتّر (۷۰) سال کے درمیان رہیں گے، اُوپر تجاوز کرنے والے کم ہیں● تو مُعَمَّر ہے ساٹھ (۶۰) سالہ اور يُنْقَصُ وہ ہیں جن کی عمر ساٹھ (۶۰) سال سے کم ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲﴾:

یہ تشبیہ ہے مؤمن اور کافر کی۔ پس! جب دو (۲) سمندر برابر نہیں ہو سکتے تو مؤمن اور کافر، حق اور باطل، سنّت اور بدعت، سچ اور جھوٹ کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟!!

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

مَوَاخِرَ، مَاخِرٌ کی جمع ہے۔ مَخَرَ، يَمْخُرُ باب نَصَرَ، يَنْصُرُ سے ہے۔ معنی ہیں: "چیرنا"۔

مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ ﴿۱۳﴾:

کھجور کی گٹھلی پر جو لفافہ ہوتا ہے اُس کو قِطْمِیْر کہتے ہیں۔ عربی والے جب کسی چیز کی قلّت کی طرف اشارہ کرتے تھے تو یہ لفظ استعمال کرتے تھے۔

● (جامع الترمذی، ابواب الزھد عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی فناء اعمار ھذہ الامۃ ما بین الستین الی السبعین، ج ۲، ص ۵۹، طبع قدیمی، کراچی)

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَ كُمْ ۔۔۔ الآیۃ ⑭:

بعض لوگوں کا غلط استدلال: بعض لوگ اِس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ: مُردے نہیں سنتے۔

دلیل یہ دیتے ہیں کہ: قرآن میں آتا ہے کہ: اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَ كُمْ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ① اگر پکارو تو تمہاری پکار کو نہیں سنتے۔

جواب یہ استدلال بالکل باطل اور قطعاً غیر متعلق ہے۔ "الشہاب المبین" میں ہم نے کافی بحث کی ہے کہ: یہ استدلال اس لیے دُرست نہیں ہے کیوں کہ تَدْعُوْهُمْ کی "هُمْ" ضمیر مُردوں کی طرف راجع ہی نہیں ہے بل کہ ماقبل میں وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ② اللہ کے ورے تم جن کو پکارتے ہو۔ تو مِنْ دُوْنِ اللهِ کی طرف تَدْعُوْهُمْ کی "هُمْ" ضمیر راجع ہے اور مِنْ دُوْنِ اللهِ میں صرف مُردے داخل نہیں بل کہ اس میں تو تمام مخلوق داخل ہے۔ اگر آپ کی بات مان لی جائے تو پھر تو مطلب یہ ہوگا کہ: "نہ انسان سنتے ہیں، نہ جن سنتے ہیں، نہ فرشتے سنتے ہیں"۔

"تفسیر مظہری، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: جن کو تم پکارتے ہو اگر اَهْلِ سَمَاع ہیں اور دُور ہیں تو تمہاری پکار نہیں سنتے، اگر قریب ہیں اور سنتے بھی ہیں تو تمہارا کام نہیں کر سکتے۔

مثال: اب دیکھیں! مَیں آپ کے پاس ہوں، آپ بات کہیں تو مَیں سن سکتا ہوں، مَیں بات کہوں تو آپ سن سکتے ہیں لیکن! کیا یہ کسی کے بس میں ہے کہ: مَیں اُس کو کہوں کہ: دیکھو جی! میرے گھٹنوں میں دَرد ہے، میرے گھٹنوں کا دَرد دُور کر دو؟!! سننے کے بعد کیا آپ کچھ کر سکتے ہیں؟!! ہیں تو آپ بھی مِنْ دُوْنِ اللهِ، مِنْ دُوْنِ اللهِ ہیں یا نہیں؟!! مانتے ہیں اپنے آپ کو مِنْ دُوْنِ اللهِ یا نہیں؟!! تو میرے دَرد کے بارے میں سن کر بھی آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اِسی طرح یہاں بھی مُردوں کی بات ہی نہیں بل کہ تَدْعُوْهُمْ کی "هُمْ" ضمیر کا مرجع مِنْ دُوْنِ اللهِ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللهِ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُوپر آپ نے پڑھا کہ: مِنْ دُوْنِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ③ یعنی مِنْ دُوْنِ اللهِ کا ذکر تھا کہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اختیار نہیں، آگے فرماتے ہیں کہ: تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، فرشتے، پیغمبر، ولی سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ: کیا نیک کو بھی اللہ دوزخ میں ڈال سکتا ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا ؂

اگر ہمہ بہ دُوزخ فرستاد جائے اعتراض نیست

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا ۔۔۔ الآیۃ ⑱:

لفظِ وَازِرَةٌ صفت ہے اِس کا موصوف محذوف ہے۔ اَیْ نَفْسٌ وَازِرَةٌ۔

لفظِ مُثْقَلَةٌ کا معنی ہے: "بوجھ والا نفس"۔

لفظِ حِمْل بمعنی مَحْمُوْل ہے یعنی مصدر، مبنی للمفعول ہے اور "هَا" ضمیر "نفس" کی طرف راجع ہے۔

لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۔۔۔ الآیۃ:

کوئی کسی کے بوجھ میں سے کچھ نہیں اُٹھائے گا اگر چہ وہ اُس کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ سب کو نَفْسِيْ نَفْسِيْ یعنی اپنی پڑی ہوگی، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۙ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۙ ④ محض اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت سے بیڑا پار ہوگا۔

سوال مِنْهُ کی "هٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب مِنْهُ کی "هٗ" ضمیر حِمْل کی طرف راجع ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ ⑲:

پس! جس طرح اَندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے تو موحد اور مشرک کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟!!

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۙ ㉔:

"کوئی اُمت نہیں مگر اُن میں گزرا ہے نذیر"۔

① (سُوْرَۃُ فَاطِر، ۱۴) ②③ (سُوْرَۃُ فَاطِر، ۱۳) ④ (سُوْرَۃُ عَبَس، ۳۴ تا ۳۶)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "أنفاس العارفین" میں، مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں خاصی طویل بحث کی ہے۔ اِن حضرات سے کسی نے پوچھا کہ: قرآن پاک میں آتا ہے کہ "کوئی اُمّت نہیں مگر وہاں نذیر گزرا ہے"۔ تو حضرت! ہندوستان میں کون نذیر آیا تھا؟ تو یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ: احتمال ہے، اِمکان ہے کہ: جس کی ہندو پوجا کرتے ہیں "گوتم بدھ" یہی ہوں، اِن کی تعلیمات کو ہندوؤں نے مسخ کر دیا۔ اِسی طرح اِحتمال ہے کہ: "وِدّ" ہوں جو کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے بیٹے تھے، اِن لوگوں نے اُن کی تعلیم کو مسخ کر دیا، اِسی طرح اِحتمال ہے کہ: "برھما راج" ہوں۔ عبد الکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ گزرے ہیں، اُن کی کتاب ہے "الانسان الکامل" اُس میں وہ لکھتے ہیں کہ: "برھما راج" وہ ہی ہیں جن کو ہم "ابراہیم" کہتے ہیں، یہود و نصاریٰ "ابراھام" کہتے ہیں، یہ ہندو اُن کو "برھما راج" کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ: قرآن بھی اِس کی تائید کرتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا: اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ۔ الآیۃ ● لوگوں کے لیے مَیں تجھے اِمام بناؤں گا۔ تو ؔاس میں ہندوستانی لوگ بھی تو ہیں۔ پس! جیسے مشرکینِ مکہ نے ابراہیم علیہ السلام کے توحید کے دین کو بگاڑ کر رکھ دیا، اِسی طرح اِنہوں نے بھی اُن کے دین کو بگاڑ دیا۔

تنبیہ: یہ ساری بات اِحتمال اور اِمکان کے درجے میں ہے، اِن حضرات نے ذکر فرمانے کے بعد فرمایا کہ: قطعی طور پر ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، بس! اتنی بات یقینی ہے کہ: "کوئی اُمّت نہیں مگر اُن میں گزرا ہے نذیر"۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ۔ الآیۃ ﴿۲۷﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: کافروں نے تکذیب کی۔ پس! اُنہوں نے جن چیزوں کی تکذیب کی تھی اُس میں سرِ فہرست توحید ہے تو آگے توحید کا بیان ہے۔

فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهَا ؕ۔ الآیۃ:

آیت کی اِبتداء میں اَنۡزَلَ غائب کا صیغہ تھا، اب اَخۡرَجۡنَا متکلم کا صیغہ استعمال کیا، یہ غائب سے متکلم کی طرف اِلتفات ہے۔

وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيۡضٌ وَّحُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا وَغَرَابِيۡبُ سُوۡدٌ ۝:

جُدَدٌ، جُدَّةٌ کی جمع ہے۔ جُدَّةٌ کے مختلف معنی ہیں:

① جُدَّةٌ، قِطۡعَةٌ یعنی ٹکڑا۔

② "کشاف" والے معنی کرتے ہیں کہ: جُدَّةٌ، اَلطَّرِيۡقُ بَيۡنَ الۡجَبَلَيۡنِ۔ پہاڑوں کے درمیان راستہ، درّہ۔

بِيۡضٌ، بَيۡضَآءُ کی جمع ہے اور حُمۡرٌ، حَمۡرَآءُ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "بعض پہاڑ سرخ اور بعض سفید ہیں"۔

مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا کا مطلب یہ ہے کہ: سفیدی اور سُرخی میں اُن کی رنگتیں مختلف ہیں، اِس طور پر کہ: ایک اَدنیٰ درجہ کا سفید ہے، دوسرا متوسط درجہ کا سفید ہے، تیسرا اعلیٰ درجہ کا سفید ہے، اِسی طرح ایک اَدنیٰ درجہ کا سرخ ہے، دوسرا متوسط درجہ کا سرخ ہے، تیسرا اعلیٰ درجہ کا سرخ ہے۔

غَرَابِيۡبُ، غِرۡبِيۡبٌ کی جمع ہے۔ غِرۡبِيۡب، غُرَابٌ سے لیا گیا ہے، غِرۡبِيۡبٌ کے معنی ہیں: "کوے کی طرح سیاہ"۔

سُوۡدٌ، سَوۡدَآءُ کی جمع ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ۔ الآیۃ ﴿۲۸﴾:

اِنسانوں کا ہمیں یہاں پاکستان میں ظاہراً فرق معلوم نہیں ہوتا لیکن اِحج میں جب ہر نوع کے اِنسان، ہر خطے سے وہاں حاضر ہوتے ہیں تو فرق معلوم ہوتا ہے، ایک طرف "الجیریا" کا یا "سوڈان" کا کالا، دوسری طرف "انڈونیشیا" کا گندمی رنگ والا، بعض بڑے قد والے، بعض چھوٹے قد والے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ بعض اِنسان بڑے، بعض چھوٹے، بعض کالے اور بعض گورے ہیں۔

اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ۔ الآیۃ:

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اُس کے بندوں میں سے علماء ہیں۔ علماء وہ جو رب تعالیٰ کی ذات و صفات پر یقین رکھتے ہیں اور ڈرتے ہیں۔ پس! علم وہ ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہو۔

● (سُوۡرَةُ الۡبَقَرَة، ۱۲۴)

يَرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾:

لَنْ تَبُوْرَ اَیْ لَنْ تَهْلِكَ۔ تمہیں ہلاک نہ کرے۔

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۰﴾:

سوال لِيُوَفِّيَهُمْ کس کے متعلق ہے؟

جواب یہ يَرْجُوْنَ کے متعلق ہے۔ معنی ہیں: "اُمید رکھتے ہیں تاکہ اُن کو اُن کے اَجر پورے پورے دے اور تاکہ اپنے فضل سے کچھ مزید دے"۔ ایک نیکی کی تو نو (۹) اپنی طرف سے دیتا ہے، ایک نیکی فِیْ سَبِیْلِ اللہ کرے تو چھ سو ننانوے (۶۹۹) درجہ زیادہ ثواب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے دیتا ہے، یہ فضل ہے۔

اُجُوْرَهُمْ اَیْ جَزَآءَ اُجُوْرِهِمْ، ثَوَابَ اُجُوْرِهِمْ۔

وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۱﴾:

ربط: اُوپر کتاب کا ذکر تھا، اب اُس کتاب کی اہمیت کا ذکر ہے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۲﴾:

پھر ہم نے وارث بنادیے کتاب کے وہ لوگ جن کو چُن لیا ہم نے اپنے بندوں سے۔ یقین جانیں ہمیں اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان مند ہونا چاہیے، اُس کا فضل ہے، اُس کا احسان ہے کہ: ہم جیسے گناہ گاروں کو اِس کتاب کے پڑھنے پڑھانے کے لیے، سمجھنے سمجھانے کے لیے چنا، یہ بہت بڑی دولت ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ:

فَضْلِ کَبِیْر کا محل جنّت ہے جو کہ اگلی آیات میں ذکر فرمایا ہے۔

الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۵﴾:

لفظِ مُقَامَة اگر مِیْم کے ضمہ کے ساتھ ہو تو یہ مصدر ہوگا یعنی اِقَامَة۔ اگر مِیْم کے فتحہ سے آجائے تو یہ ظرف کا صیغہ ہوگا۔ معنی ہوں گے کہ: "ہم نے اُس اِقامت کے گھر میں اُتارا"۔ پس! جنّت میں داخل ہونے کا سبب عمل ہے اور علّت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ:

نَصَب اور لُغُوْب میں فرق: کام کرتے کرتے جو مشقت یا تکلیف ہوتی ہے اُس کو نَصَب کہتے ہیں اور کام کرنے کے بعد جو تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے اُس کو لُغُوْب کہتے ہیں۔ وہاں تو کام نہیں ہوگا سوائے کھانے، پینے اور جائز کاموں کے، رُوزی کا غم، دُشمنوں کا ڈر اور رنج و مشقت جنّت میں سب ختم ہوجائیں گے۔

وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۶﴾:

سوال عَذَابِهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب عَذَابِهَا کی "هَا" ضمیر جہنّم کی طرف راجع ہے۔

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۷﴾:

صَرَخَ يَصْرُخُ بابِ نَصَرَ، يَنْصُرُ سے ہو تو معنی ہیں: "آواز بلند کرنا"۔ جب بابِ اِسْتِفْعَال پر چلا گیا تو زِيَادَةُ الْحُرُوْفِ تَدُلُّ عَلٰى زِيَادَةِ الْمَعَانِيْ یعنی زیادتِ الفاظ زیادتِ معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ اب جب یہ بابِ اِسْتِفْعَال سے آئے گا تو معنی ہوں گے: "چلائیں گے، آوازیں نکالیں گے"۔

وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ۔۔۔ الآیۃ:

سوال نَذِیْر سے کیا مُراد ہے؟

جواب "تفسیر کبیر، بیضاوی، رُوح البیان" وغیرہ تفسیروں میں اِس کے متعلق مختلف اَقوال ہیں:

① نَذِيْر سے مُرادرسول و نبی ہے۔
② نَذِيْر سے مُرادقرآن ہے۔
③ نَذِيْر سے مُرادعقل ہے۔یعنی ہم نے تم کو عقل دی تھی جس کے ذریعہ تم سمجھتے۔
④ نَذِيْر سے مُرادمبلّغ ہے۔مثلاً: اِس وقت مَیں قرآن آپ لوگوں کو سمجھارہا ہوں، پھر آپ لوگ دوسروں کو سمجھائیں گے۔
⑤ نَذِيْر سے مُرادسفید بال یعنی بڑھاپہ ہے۔مطلب یہ ہے کہ: ہم نے تمہیں کافی عمر دی جس میں اگر سوچنا چاہتے تو سب نیک و بد سوچ کر سیدھا راستہ اِختیار کرسکتے تھے حتّٰی کہ تم میں سے بہت سے تو ساٹھ (۶۰)، ستّر (۷۰) برس دُنیا میں زندہ رہ کر مَرے۔
⑥ نَذِيْر سے مُرادپوتا، پوتی ہیں۔پوتے بھی تمہارے پیدا ہوئے پھر بھی تم نے کچھ تیاری نہ کی۔
یہ سب تفسیریں حق ہیں، کسی کا کسی سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝:

تو کیا اِس کے بعد بھی کوئی عُذر باقی رہا؟ اب بُرے عذاب کا مزہ چکھتے رہو اور کسی کی طرف سے مدد کی توقع نہ رکھو۔یہ جواب دُوزخیوں کو دیا جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ ۝:

ربط: اُوپر نیک اور بد کا بیان تھا اور آگے اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ سے نیکی اور بدی نہیں چھپ سکتی ہے، سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ ۝:

اُس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔اِس طور پر کہ: پہلے لوگوں کو فنا کیا تمہیں لا کھڑا کیا، تمہارے بعد اور کو لا کھڑا کرے گا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ ۝:

یہاں سے شرک کا رد ہے۔"مشکل کشا، حاجت روا، فریادرس، مختارِ کل" وغیرہ سوائے اللہ کے کوئی نہیں ہے۔

بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝:

نہیں وعدہ کرتے ظالم بعض بعض سے مگر دھوکے کا یعنی صرف شکوک و شبہات ہیں عقلی یا نقلی دلیل کوئی نہیں۔بات صرف اِتنی ہے کہ: اُن میں سے بڑے چھوٹوں کو اور اگلے پچھلوں کو شیطان کے دھوکہ دینے کی وجہ سے یہ وعدہ بتلاتے چلے آئے کہ: هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ ❶ یہ بت وغیرہ اللہ کے ہاں ہمارے شفیع بنیں گے اور اُس کا قرب عطا کریں گے حال آں کہ یہ خالص دھوکہ اور فریب ہے۔یہ تو کیا شفیع بنتے ؟!! بڑے سے بڑا مقرب بھی وہاں کفار کی سفارش میں زبان نہیں ہلاسکتا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ۔۔۔الآیۃ ۝:

جو حضرات زمین و آسمان کے ساکن ہونے کے قائل ہیں وہ قرآن کی اِس آیت سے بھی اِستدلال کرتے ہیں کہ: آسمانوں کو رب نے رُوکا ہے، زمینوں کو رب نے رُوکا ہے اِس بات سے کہ وہ اپنی جگہ کو چھوڑیں۔
دوسرے حضرات جو زمین کے متحرک ہونے کے قائل ہیں وہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ: اَنْ تَزُوْلَا کا مطلب یہ ہے کہ: اپنے مرکز سے ہٹیں یعنی یہ زمین و آسمان اپنے مرکز سے نہیں ہٹتے، وہ اگر حرکت کرتے بھی ہیں تو اپنے مرکز، محور پر حرکت کرتے ہیں، یہ اُن حضرات کی تاویل ہے۔
مَیں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ: اگر کوئی شخص سورج کی حرکت کو مانتا ہے، چاند کی حرکت کو مانتا ہے، اِن دونوں کی حرکات تو قطعی ہیں، نص سے ثابت ہیں، پھر اِس کے ساتھ ساتھ بہ قولِ علامہ آلوسی ؒ کہ: اگر کسی وزنی اور معقول دلیل سے یہ بات ثابت کردے کہ: زمین متحرک ہے تو ہم مان لیں گے۔
لیکن! اگر کوئی یہ کہے کہ: سورج اور چاند ساکن ہیں زمین گھومتی ہے تو لَا نُسَلِّمُ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے۔

وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۔۔۔الآیۃ:

اگر یہ زمین و آسمان اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو کون رُوکے گا اِن کو مِنْۢ بَعْدِهٖ اَيْ مِنْۢ بَعْدِ اِذَا الَتِهٖ اِن کے اپنی جگہ سے ہٹنے کے بعد۔

❶ (سورۂ یونس، ۱۸)

وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۳﴾:

اُنہوں نے بری تدبیریں کیں۔ وہ تدبیر کیا تھی؟ وہ تدبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ تھا۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝:

تَبْدِيْل اور تَحْوِيْل میں فرق: تَبْدِيْل کا معنی ہے: "بدلنا" اور تَحْوِيْل کا معنی ہے: "ٹلنا"۔ اللہ کا جو دستور مجرموں کی نسبت سزا دینے کا رہا ہے نہ وہ بدلنے والا ہے، اِس طور پر کہ: بجائے سزا کے ایسے مجرموں پر اِنعام واِکرام ہونے لگے اور نہ ٹلنے والا ہے، اِس طور پر کہ: مجرم سے سزا کو ٹال کر غیر مجرم کو وہ سزا دے دی جائے۔

مثال: مثال کے طور پر زید کو بخار ہے، اُس بخار کو دُور کر کے صحت طاری کی جائی، یہ تَبْدِيْل ہے اور اگر اُس کا بخار اُس سے دُور کر کے دوسرے پر ڈال دیا جائے اور دوسرے کے حوالے کیا جائے تو یہ تَحْوِيْل ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ: مجرم قوموں پر جو عذاب ہے وہ رحمت سے نہیں بدلا جاسکتا اور نہ دوسری قوموں پر ڈالا جاسکتا ہے۔

اٰیَاتُھَا (۸۳) (۳۶) سُوْرَۃُ یٰسٓ مَکِّیَّۃٌ (۴۱) رُکُوْعَاتُھَا (۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ربط: "تفسیر کبیر، ابو سعود، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: ابھی آپ نے پڑھا کہ: کفار نے قسمیں کھائیں کہ: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۔۔۔الآیۃ ❶ اگر ان کے پاس نَذِيْر آیا تو اُس کو مانیں گے، آگے فرماتے ہیں کہ: نَذِيْر تو ہم نے بھیجا ہے تم نے نہیں مانا۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ یٰسٓ ہے۔

یٰسٓ ○ ❶:

یٰسٓ کے متعلق کئی باتیں کہی گئیں ہیں، چند مندرجہ ذیل ہیں:

① "تفسیر معالم التنزیل، خازن، السراج المنیر" وغیرہ تفسیروں میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: لغتِ بنی طے میں یٰسٓ سے مُراد "اِنسان" ہے۔ اَیْ یَآ اَیُّهَا الْاِنْسَانُ الْکَامِلُ۔

② "تفسیر اکلیل للسیوطی رحمہ اللہ" میں لکھا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر (۷۰) نام قرآن مجید میں آئے ہیں، یہ یٰسٓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔

③ "تفسیر کبیر" میں لکھا ہے کہ: یٰسٓ سے مُراد سَیِّدُ الْبَشَرِ ہے۔ اَیْ یَا سَیِّدَ الْبَشَرِ۔

④ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: یٰسٓ سے مُراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یعنی یٰسٓ سے سَمِیْعٌ مُراد لیا جائے۔ اَیْ یَا سَمِیْعُ۔

⑤ اِس سورۃ کا نام ہے۔

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ○ ❺:

تَنْزِيْلَ فعل محذوف جو کہ نَزَّلْنَا ہے اُس کے لیے مفعول ہے۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ○ ❻:

اُن کے پاس قریب کے زمانے میں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا یعنی "ڈر" نہ سنا اُن کے باپ دادوں نے قریب کے زمانے میں۔

لِتُنْذِرَ سے نُزولِ قرآن کی علت بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ ۔۔۔الآیۃ ❽:

اَغْلٰلًا، غُلٌّ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "طوق"۔

اِمام رازی رحمہ اللہ "تفسیر کبیر" میں فرماتے ہیں کہ: "طوق اگر چھوٹا ہو تو اُس میں سر نیچے بھی ہو سکتا ہے اور اگر بڑا ہو تو سر نیچے نہیں ہو سکتا"۔ تو کیا ان میں اِتنا تکبر ہے حق کے خلاف کہ: یہ سر نیچے کر ہی نہیں سکتے تا کہ راہ ہدایت کو دیکھ سکیں، اُن کا تکبر اپنے عروج پر ہے، گویا کہ: تکبر کا وہ طوق ٹھوریوں تک ہے وہ سر نیچے نہیں کر سکتے۔

فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ○:

مُقْمَحُوْنَ کے معنی ہیں: "سر اُٹھائے ہوئے ہوں گے"۔

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ ۔۔۔الآیۃ ❿:

عَلَيْهِمْ فرمایا، عَلَيْكَ نہیں فرمایا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو تبلیغ کا اَجر ملے گا۔

---

❶ (سُوْرَۃُ فَاطِر، ۴۲)

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ⓬:

نَكْتُبُ اَیْ نَأْمُرُ بِالْكِتَابَةِ یعنی ہم فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیتے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَةِ ۔۔۔ الآیۃ ⓭:

ربط: اُبھی آپ نے مُكَذِّبِیْن کا ذکر سنا کہ: آنحضرت ﷺ آئے تو اُنہوں نے تکذیب کی، آگے تسلی کے لیے واقعہ پیش فرماتے ہیں کہ: نہ ماننے والے تو آخر دم تک ہوتے ہیں۔

سوال قَرْیَة سے کون سی بستی مُراد ہے؟

جواب اِس قَرْیَة کا نام اِنطاکیہ ہے، یہ مصر کا شہر ہے۔

سوال رُسُل سے کون مُراد ہیں؟

جواب دو (۲) تفسیریں ہیں:

① رُسُل سے مُراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابی ہیں۔ "تفسیر بیضاوی، مدارک، روح المعانی" میں لکھا ہے کہ: پہلے اُن کے پاس دو (۲) گئے، ایک کا نام یونس اور دوسرے کا یحییٰ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ: ایک کا نام بولس اور دوسرے کا نام یوحنیٰ تھا، اُنہوں نے پہلے جا کر لوگوں کو تبلیغ کی اور لوگوں کو ڈرایا، وہ نہ مانے تو تیسرا جس کا نام شمعون صغار تھا گیا اور اُن دونوں کی تائید کی۔ تینوں نے کہا کہ: ہم خود نہیں آئے، اللہ کے رسول کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اُن کو جھٹلایا گیا۔

② علامہ آلوسی رحمہ اللہ "تفسیر روح المعانی" میں، علامہ اُندلسی رحمہ اللہ "تفسیر البحر المحیط" میں، اِمام رازی رحمہ اللہ "تفسیر کبیر" میں اور علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ "تفسیر ابن کثیر" میں فرماتے ہیں کہ: یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے اور اِس سے براہِ راست رُسُل مُراد ہیں نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور نمائندے۔ قرینہ یہ ہے کہ: جب اُنہوں نے کہا کہ: ہم بھیجے گئے ہیں، تو لوگوں نے کہا: مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۔۔۔ الآیۃ ❶ تم نہیں ہو مگر ہمارے جیسے بشر۔ کافروں کا یہ عقیدہ تھا کہ: پیغمبر جو رب کی طرف سے ہو وہ بشر نہیں ہوتا، پیغمبروں کے شاگرد اُن کے نمائندوں کی بشریت کے منکر نہ تھے یعنی وہ پیغمبروں کی بشریت کے منکر تھے نمائندوں کی بشریت کے منکر نہ تھے۔ تو یہاں اُن نبیوں کو یہ کہنا کہ: مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۔۔۔ الآیۃ ❷ یہ قرینہ ہے کہ: یہ براہ راست رب کی طرف سے پیغمبر تھے۔ بہ ظاہر اِن کی تفسیر اچھی معلوم ہوتی ہے۔

قَالُوْا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ⓲:

"ہم نے تم کو نامبارک پایا" ۔ تکذیبِ مرسلین اور کفر و عناد کی شامت سے قحط وغیرہ پڑا یا مرسلین کے سمجھانے پر آپس میں اِختلاف ہوا، کسی نے مانا کسی نے نہ مانا۔ اِس بات کو اُنہوں نے نامبارک کہا یعنی تمہارے قدم کیا آئے کہ قحط اور نا اِتفاقی کا طلاطم آیا، یہ سب تمہاری نحوست ہے۔ (اَلْعِیَاذُ بِاللہ)

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ ۔۔۔ الآیۃ ⓴:

سوال اِس مردِ صالح کا کیا نام تھا؟

جواب اِس مردِ صالح کا نام حبیب ابن اسماعیل النجار تھا، بڑھئی کا کام کرتا تھا، شہر کے پرے عبادت میں مشغول رہتا تھا اور کسبِ حلال سے کھاتا تھا۔ لوگوں نے اُس کو کہا کہ: وہاں لوگ نبی کو شہید کر رہے ہیں اور تم یہاں آرا چلا رہے ہو؟ وہ یہ قصہ سنتے ہی مرسلین کی تائید و حمایت اور مکذبین کو نصیحت کے لیے دوڑتا ہوا آیا کہ مبادا! یہ اَشقیاء اپنی دھمکیوں کو پورا کرنے نہ لگیں۔

وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ ㉒:

اُن کو خطاب نہیں کیا تا کہ چڑھ پیدا نہ ہو، یہ نہیں کہا کہ: وَمَا لَكُمْ لَا تَعْبُدُوْنَ؟ بل کہ اپنے آپ کو خطاب کیا کہ: وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ ۔۔۔ الآیۃ ❸ مجھے کیا ہو چکا ہے کہ: اُس رب کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اَصل تو یوں کہنا چاہیے تھا کہ: وَمَا لَكُمْ لَا تَعْبُدُوْنَ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ۔ چوں کہ اِس طرح کہنے میں چڑھ اور عداوت پیداء ہوگی، اِس لیے یہ طرز اِختیار کیا تا کہ بات بھی سمجھ آجائے اور اُن کو ناگوار بھی نہ ہو۔

❶❷ (سُوْرَۃُ یٰسٓ، ۱۵) ❸ (سُوْرَۃُ یٰسٓ، ۲۲)

لَا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ۝ (۲۳):
وَلَا یُنْقِذُوْنِ اَیْ وَلَا یُنْقِذُوْنِیْ۔ اَصل میں خطاب اُن کو ہے کہ: اگر عذاب اور تکلیف آئے تو تم کو اُن کی سفارش کچھ کام نہ آئے گی اور نہ وہ تم کو چھڑا سکیں گے۔ لیکن یہ تبلیغ کا اُصول ہے کہ: سخت لفظ نہ نکالے، نرمی سے کام لے اور اُس کو مخاطب نہ بنائے تاکہ چڑ ھ اور عداوت پیدا نہ ہو۔

اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝ (۲۵):

سوال سَمَاع ذات کا تو نہیں ہوتا؟

جواب آپ کو تمام تفسیروں میں ملے گا، حتّٰی کہ "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: اَیْ فَاسْمَعُوْا قَوْلِیْ، فَاسْمَعُوْا صَوْتِیْ یعنی میری بات سنو! کیوں کہ سماعت قول کی ہوتی ہے نہ کہ ذات کی۔

قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۔۔۔الآیۃ (۲۶):
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اُس کو اُلٹا کر کے اُس کے پیٹ پر چھلانگ لگائی اور اَنتڑیاں پاخانے کے راستے سے نکلیں، نہایت بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ اِدھر شہادت واقع ہوئی اُدھر سے حکم ملا کہ: فوراً بہشت میں داخل ہو جا جیسا کہ اَرواحِ شہداء کی نسبت اَحادیث سے ثابت ہے کہ وہ قبل اَز محشر جنّت میں داخل ہوتی ہیں۔

بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ ۔۔۔الآیۃ (۲۷):
بِمَا غَفَرَ لِیْ اَیْ بِمَا غَفَرَ بِهٖ رَبِّیْ۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً ۔۔۔الآیۃ (۲۹):
"جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: اَیْ اِنْ كَانَتْ عُقُوْبَتُهُمْ ۔ یعنی اُن کی سزا نہیں تھی مگر ایک ڈراؤنی آواز۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک ڈراؤنی آواز دی جہاں جہاں تھے سب کے کلیجے پھٹ گئے۔

فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝:
آگ جل رہی ہو اور اُس کی شعائیں نکل رہی ہوں، اگر اُس پر پانی ڈال دیا جائے تو جیسے وہ آگ بجھ جاتی ہے اِسی طرح وہ بھی ختم ہو جائیں گے۔

وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ (۳۲):
یہاں دو (۲) قرائتیں ہیں:
① ہماری قراءتِ حفص میں لَمَّا مشدّد ہے، تو اِنْ نفی کا ہے اور كُلٌّ میں تنوین عوضِ مضاف الیہ ہے۔ اَیْ كُلُّ الْخَلَائِقِ، لَمَّا بمعنی اِلَّا ہے۔ تو اِن نفی کا ہوگا اور مخففہ من المثقلہ نہیں ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ: "اور اُن سب میں کوئی نہیں مگر سب کے سب اِکٹھے ہو کر حاضر ہوں گے ہمارے پاس پکڑے گئے"۔
② قراءِ سبعہ میں بعض نے لَمَا مخفف پڑھا ہے تو پھر اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ تو معنی یہ ہوا کہ: "بے شک! شان یہ ہے کہ سب کے سب"۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۔۔۔الآیۃ (۳۳):
ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: سب ہمارے پاس جمع ہوں گے یعنی قیامت کا بیان تھا۔ منکرینِ قیامت قیامت کو بہت بعید اور محال بات سمجھتے تھے، آگے اللہ تعالیٰ قیامت کو بیان فرماتے ہیں اور اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلاتے ہیں کہ: جب اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے تو قیامت کو لانے پر بھی قادر ہے۔
ترکیب: اَلْاَرْضُ الْمَیْتَةُ مبتداء مؤخر ہے اور وَاٰیَةٌ لَّهُمْ خبر مقدّم ہے۔

اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ ۝:
لفظِ حَبّ جنس کے لیے بھی آتا ہے اور اِس میں تعمیم بھی ہوتی ہے۔ اِسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: لفظِ حَبّ، حَبَّةٌ کی جمع ہے۔

لِیَاْکُلُوْا مِنْ ثَمَرِہٖ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۵﴾:

سوال ثَمَرِہٖ کی "ہٖ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب ثَمَرِہٖ کی "ہٖ" ضمیر اَلْمَذْکُوْر کی طرف راجع ہے۔یعنی ماقبل میں جو پھل مذکور ہیں وہ کھاؤ۔

وَمَا عَمِلَتْہُ اَیْدِیْہِمْ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ ۝:

معنی ہیں: "اور اِس مذکور کو اُن کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، ہم نے بنایا ہے۔شکریہ نہیں اَدا کرتے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّہَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۶﴾:

پاک ہے وہ ذات جس نے جوڑے پیداء کیے جس کو زمین اُگاتی ہے، زمین میں جوڑے یہ ہیں کہ: سُرخ بھی ہیں سفید بھی ہیں، گرم بھی ہیں سرد بھی ہیں، میٹھا بھی ہے کڑوا بھی ہے۔

وَمِنْ اَنْفُسِہِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ۝:

اوراُس مخلوق میں بھی جوڑے ہیں جن کو وہ نہیں جانتے، چاہے زمین کی تہہ میں ہوں یا سمندر کی تہہ میں ہوں۔

فَاِذَا ہُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ ﴿۳۷﴾:

مُظْلِمُوْنَ کے لفظی معنی ہیں: "اَندھیرا کرنے والے"۔

صاحبِ کشاف معنی کرتے ہیں: اَیْ دَاخِلُوْنَ فِی الظَّلَامِ۔ اندھیرے میں داخل ہوگے۔یعنی مجازی معنی مراد ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۹﴾:

یہ اِضْمَارٌ عَلٰی شَرِیْطَۃِ التَّفْسِیْرِ ہے۔معنی ہیں: "اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں۔

سوال چاند کی کتنی منازل ہیں؟

جواب چاند کی کل اٹھائیس (۲۸) منزلیں ہیں، مہینہ اگر اُنتیس (۲۹) دن کا ہو تو چاند ایک رات غائب ہوتا ہے اور اگر تیس (۳۰) کا ہو تو دو (۲) راتیں غائب ہوتا ہے۔

حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝:

عُرْجُوْن کہتے ہیں کہ: "کھجور کی ٹہنی پرانی ہو تو وہ ٹیڑھی اور پتلی ہوتی ہے"۔تو چاند کو کھجور کی ٹہنی کے ساتھ "پتلے اور ٹیڑھے" ہونے میں تشبیہ دی گئی ہے۔

وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝ ﴿۴۰﴾:

لفظِ کُلٌّ پر تنوین عوض مضاف الیہ ہے۔اَیْ کُلٌّ مِّنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ۔

وَخَلَقْنَا لَہُمْ مِّنْ مِّثْلِہٖ مَا یَرْکَبُوْنَ ۝ ﴿۴۲﴾:

"اور ہم نے اُن کے لیے پیدا کیا اُس فُلْکِ مَشْحُوْن کے مثل سے جس پر تم سوار ہوتے ہو"۔

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جب طوفان آیا تو حضرت آدم علیہ السلام کی نسل کو اُس بھری ہوئی کشتی پر سوار کرلیا گیا جو حضرت نوح علیہ السلام نے بنائی تھی ورنہ اِنسان کا تخم باقی نہ رہتا، پھر اُسی کشتی کے نمونہ کی دوسری کشتیاں اور جہاز تمہارے لیے بنادیئے جن پر تم آج تک لدے پھرتے ہو۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس سے مُراد یہ ہے کہ کشتیوں جیسی دوسری سواریاں پیدا کردیں جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ مثلاً: اُونٹ جس کو عرب سَفِیْنَۃُ الْبَرِّ کہا کرتے تھے۔

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۳﴾:

پہلے گزر چکا ہے کہ: صَرِيْخ اُس کو کہتے ہیں جو کسی مظلوم کی آواز پر آواز بلند کرے کہ: ہاں! میں آیا۔ اِس کے لازمی معنی ہیں: "اُن کا کوئی اِمدادی نہ ہوگا"۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾:

لفظِ رَحْمَةً فعلِ محذوف کے لیے مفعول ہے۔ اَیْ اَنْقَذْنَاهُ رَحْمَةً۔ اور لفظِ مَتَاعًا مفعول مطلق ہے۔ اَیْ مَتَّعْنَاهُمْ مَتَاعًا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۵﴾:

یہاں ایک لفظی بحث ہے اور دوسری معنوی بحث ہے:

لفظی بحث: لفظی تو یہ ہے کہ: "جلالین، ابوسعود، مدارک" وغیرہ تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ شرط ہے، اِس کی جزاء محذوف ہے جو کہ اَعْرَضُوْا ہے۔ اِس پر قرینہ اگلی آیت ہے کہ: وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۱﴾

معنوی بحث: معنوی بحث یہ ہے کہ:

سوال مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے کیا مُراد ہے؟

جواب "تفسیر معالم التنزیل، روح البیان، کبیر" وغیرہ میں اِس کی آپ کو تین (۳) تفسیریں ملیں گی:

① مَا بمعنی مَنْ کے ہے۔ معنی ہیں: "ڈرو اُس ذات سے جو تمہارے آگے بھی ہے، تمہارے پیچھے بھی ہے"۔

② مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ سے اُخروی عذاب مُراد ہے اور مَا خَلْفَكُمْ سے دُنیاوی عذاب مُراد ہے۔

③ سُوْرَۃُ سَبَا رکوع نمبر ایک (۱) کے آخر میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ: اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲﴾ کیا یہ لوگ اندھے ہو گئے کہ آسمان و زمین بھی نظر نہیں آتے جو آگے پیچھے ہر طرف نظر ڈالنے سے نظر آ سکتے ہیں؟ اِس کو تو وہ بھی مانتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے اِن کو بنایا ہے، پھر جس نے بنایا ہے اُس کے لیے توڑنا کیا مشکل ہے؟

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾:

"تفسیر کبیر، معالم التنزیل، جمل" وغیرہ میں اِس کے متعلق تین (۳) اقوال لکھے ہیں:

① یہ کفار کا مقولہ ہے کہ کفار مؤمنوں کو کہتے ہیں کہ: اے مؤمنو! تم کھلی گمراہی میں ہو، اِس طور پر کہ: ہم سے اپنے لیے مانگتے ہو اور ہم سے تمہارا رب مانگتا ہے۔

② یہ مؤمنوں کا مقولہ ہے کہ مؤمن کافروں کو یہ کہتے ہیں کہ: اِنْ اَنْتُمْ يٰۤاَيُّهَا الْكُفَّارُ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ نہیں ہو تم اے کافرو! مگر کھلی گمراہی میں۔

③ یہ رب تعالیٰ کا مقولہ ہے کہ: اے کافرو! تم کھلی گمراہی میں ہو۔

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾:

يَخِصِّمُوْنَ اَصل میں يَخْتَصِمُوْنَ تھا، تاء کو صَاد کر کے صَاد کو صَاد میں اِدغام کر دیا۔ معنی ہے: "جھگڑا کریں گے"۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾:

ربط: واضح ہے کہ اُوپر قیامت کا بیان تھا، اِس طور پر کہ: کفار نے کہا کہ: یہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا؟ تو اسی سلسلہ میں آگے بھی یہی بیان ہے کہ: لو! سن لو!

اَجْدَاث، جَدَث کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "قبر"۔

مَیں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ: مشرکین اپنے مُردوں کو جلاتے بھی نہ تھے، پانی میں بھی نہیں بہاتے تھے بل کہ دفن کرتے تھے، تو قرآن پاک نے اُن کو

---

① (سُورۃُ یٰسٓ، ۴۶) ② (سُورۃُ سبا، ۹)

سمجھانے کے لیے فرمایا کہ: قبروں سے نکلیں گے۔ اب جن کو جلایا گیا وہ بھی آئیں گے، جن کو پرندوں نے کھایا وہ بھی آئیں گے، جن کو مچھلیوں نے کھایا وہ بھی آئیں گے، کوئی نہیں رہے گا۔

قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ؕ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۲﴾:

هٰذَا سے پہلے وقف لازم ہے تاکہ یہ هٰذَا، مَرْقَدِ کی صفت نہ بنے۔ پس! هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ ۔۔۔ الآیۃ جملہ مستانفہ ہے۔

معتزلہ کا غلط استدلال: معتزلہ کا کہنا یہ ہے کہ: مَرْقَد کے معنی ہیں: "سونے کی جگہ" اور نیند تو تب آتی ہے جب آرام ہو عذاب نہ ہو، عذاب ہو تو کون سو سکتا ہے؟ تکلیف ہو تو نیند تو نہیں آتی۔

جواب یہاں آپ کو تفسیروں میں تین (۳) باتیں ملیں گی:

① "تفسیر کبیر، روح المعانی، قرطبی، البحر المحیط" وغیرہ میں یہ ملے گا کہ: لفظ مَرْقَد جو ہے اِس میں "تجرید" ہے یعنی مرکب معنی تو ہے: "سونے کی جگہ" لیکن جب تجرید لیں گے تو "سونے" کا معنی نہیں ہوگا بل کہ یہ معنی ہوگا کہ: "کس نے اُٹھایا ہمیں ہماری اِس جگہ سے"۔

فَائِدَۃ: کسی لفظ کا مرکب معنی ہو اُس میں سے ایک کو لے لو اور ایک کو چھوڑ دو اِس کو معانی والے تجرید کہتے ہیں۔

② علامہ محلی رحمہ اللہ اور دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ: بَیْنَ النَّفْخَتَیْنِ یعنی نَفْخَۃُ اُوْلٰی اور نَفْخَۃُ ثَانِیَۃ کے درمیان عذاب رفع کر دیا جائے گا، اُس وقت وہ آرام کر رہے ہوں گے، نَفْخَۃُ اُوْلٰی سے پہلے تو عذاب ہوگا۔

③ قیامت کا ہولناک منظر دیکھ کر عذابِ قبر کو اَهْوَن یعنی ہلکا سمجھیں گے اور اُس کو نیند سے تشبیہ دیں گے۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۳﴾:

سوال كَانَتْ کی "تَاء" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب كَانَتْ کی "تَاء" ضمیر بَعَثَنَا میں جو بَعَثَتْ فعل ہے اُس کی طرف راجع ہے۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْیَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۚ ﴿۵۵﴾:

فٰكِهُوْنَ اَیْ مُتَلَذِّذُوْنَ، یعنی نعمتوں سے فائدہ اُٹھا رہے ہوں گے۔

سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ۝ ﴿۵۸﴾:

اِس جملے کی کئی ترکیبیں ہیں، مَیں تین (۳) آسان عرض کرتا ہوں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ سَلٰمٌ مبتداء ہے اور لفظِ قَوْلًا خبر ہے۔ مِنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ اُس سے متعلق ہے۔

اِشْکَال: اگر لفظِ قَوْلًا خبر ہے تو منصوب کیوں ہے؟

جَوَابٌ: یہ منصوب بنزع الخافض ہے۔ اَیْ سَلَامٌ بِالْقَوْلِ۔

② صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ: لفظِ سَلٰمٌ ماقبل میں وَلَهُمْ مَّا یَدَّعُوْنَ ۚ● میں جو مَا ہے اُس مَا سے بدل ہے اور لفظِ قَوْلًا حال ہے۔ اَیْ حَالَ كَوْنِهٖ قَوْلًا۔

③ لفظِ سَلٰمٌ خبر ہے هُوَ مبتداء محذوف کی۔ اَیْ هُوَ سَلَامٌ حَالَ كَوْنِهٖ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۰﴾:

اِشْکَال: شیطان کی عبادت تو کوئی نہیں کرتا تو یہاں شیطان کی عبادت کا کیا معنی ہے؟

جَوَابٌ: شیطان کے کہے لگ کر اُس کی اِطاعت کرنا گویا کہ اُس کی عبادت کرنا ہے۔

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا ؕ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶۲﴾:

جِبِلًّا، جَبِیْلٌ کی جمع ہے، معنی ہے: "خَلْق" یعنی مخلوق، تو جِبِلًّا کا معنی ہوا: "خَلَائِق" یعنی مخلوقات۔

● (سُورۃُ یٰسٓ، ۵۷)

فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ۔۔۔ الآیۃ:

فَاسْتَبَقُوا اَیْ فَابْتَدَرُوْا۔

فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا۔۔۔ الآیۃ:

مَضٰی، یَمْضِیْ باب ضَرَبَ، یَضْرِبُ سے مصدر میمی ہے۔ معنی ہے: "چلنا"۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْہُ نُنَکِّسْہُ فِی الْخَلْقِ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: اُبھی آپ نے پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اگر ہم چاہیں تو اُن کو مسخ کر دیں، مسخ کرنا کوئی بعید تو نہیں ہے؟!! تو آگے اُس کی ایک مثال اور نظیر بیان فرماتے ہیں۔

مثال: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں اُس کو خلقت میں اُوندھا کر دیتے ہیں، پہلے جوان ہوتا ہے تو سیدھا ہوتا ہے، پھر کبڑا ہو جاتا ہے، آنکھوں کی بینائی کم ہو جاتی ہے، کانوں سے سن نہیں پاتا، منہ میں دانت نہیں رہتے، حافظہ نہیں رہتا۔ پس! جو رب یہ کر سکتا ہے وہ مسخ بھی کر سکتا ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَہٗ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سورۃ کی ابتداء میں تھا کہ: "وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝ اس کا تعلق اُس کے ساتھ ہے"۔ اسی طرح سورۃ کی ابتداء میں تھا کہ: اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وہاں خطاب کا صیغہ استعمال فرمایا تھا، اب یہاں خطاب سے غائب کی طرف التفات ہے، اس طور پر کہ: وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ۔۔۔ الآیۃ "ہم نے اُن کو شعر نہیں سکھایا اور اُن کی شان کے لائق بھی نہیں ہے"۔ پس! یہاں غائب کی طرف التفات ہے۔

کفار کی بات کا رد: کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے کہ: یہ شاعر ہے۔ لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ کے الفاظ اگلی سورۃ میں اِنْ شَآءَ اللہ آئیں گے اور صرف لفظِ شَاعِر کے الفاظ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ: بَلْ ھُوَ شَاعِرٌ۔۔۔ الآیۃ تو مطلب یہ ہوا کہ: اگر پیغمبر شاعر ہے تو (نَعُوْذُ بِاللہ) قرآن شعر و شاعری ہوا۔ تو اس بات کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "ہم نے نہیں تعلیم دی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کی"۔

اہل بدعت کی بات کا رد: اہل بدعت کہتے ہیں کہ: "اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب کلی دیا تھا" یہ بات کہنا شرک نہیں ہے یعنی ہمارا یہ دعویٰ غلط نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علمِ غیب دیا ہے وہ "عطائی" ہے جب کہ وہ علمِ غیب جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ عطائی نہیں بل کہ ذاتی ہے۔

تو یہ بات اُنہوں نے نکالی ہے کہ: ہم ذاتی نہیں کہتے بل کہ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ یہ عطائی صفت ہے۔

جواب آپ کا یہ کہنا کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب کلی ہے اور عطائی ہے" یہ بھی دُرست نہیں کیوں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ: وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ۔۔۔ الآیۃ ۝ "اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کی تعلیم نہیں دی"۔ پس! جب اشعار کی تعلیم نہیں دی تو کلی کی بھی نفی ہوگئی، نیز عطائی کی بھی نفی ہوگئی۔ کلی کی نفی تو اس طرح ہوئی کہ: "جب اشعار کی تعلیم نہیں دی تو علمِ غیب کلی کہاں سے آ گیا؟" اور عطائی کی نفی اس طرح ہوئی کہ: "جب رب نے دی ہی نہیں تو عطاء کہاں سے آ گئی"۔

اہل بدعت کی طرف سے مذکورہ آیت کی تاویل: اہل بدعت مذکورہ آیت کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ: "اس آیت میں ملکۂ شعر کی نفی ہے یا اس سے خیالی شعر و شاعری مُراد ہے"۔

جواب ہم جواب دیتے ہیں کہ: آپ کچھ بھی تاویل کریں، پس! علمِ غیب کلی کا جو آپ کو دعویٰ ہے وہ باقی نہیں رہتا۔

اس کے متعلق تفصیلی بحث ہم نے "ازالۃ الریب" میں کر دی ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَھُمْ۔۔۔ الآیۃ:

اب یہاں سے توحید کا بیان ہے۔

(سُوْرَۃُ یٰسٓ ۲) (سُوْرَۃُ یٰسٓ ۶۹) (سُوْرَۃُ الصّٰفّٰت ۳۶) (سُوْرَۃُ الانبیاء ۵)

مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ اَنۡعَامًا ۔۔۔ الآیۃ:

اِشکال: یہاں اَیۡدِیۡنَا جمع ذکر فرمایا جب کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ: بَلۡ یَدٰہُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ ۔۔۔ الآیۃ ❶ یہاں مفرد ذکر کیا؟

جواب: میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ: یہ متشابہات میں سے ہے، کَمَا یَلِیۡقُ بِشَانِہٖ، جو رب کی شان ہے۔

وَذَلَّلۡنٰہَا لَہُمۡ فَمِنۡہَا رَکُوۡبُہُمۡ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۲﴾:

بڑے طاقت والے جانور ہم نے تابع کیے ہیں۔

وَلَہُمۡ فِیۡہَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۳﴾:

مثلاً: دودھ، مکھن، دہی، چمڑے، وغیرہ۔

وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اٰلِہَۃً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۴﴾:

اُن ظالموں نے اللہ کے ورے اور معبود اور حاکم بنائے ہیں اور اُن کی عبادت کرتے ہیں اور یہ جانور وغیرہ سب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں۔

لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَہُمۡ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۵﴾:

اِس کے دو (۲) مطلب ہیں: ① نہ کر سکیں گے اپنی مدد۔ ② نہ کر سکیں گے اُن کی مدد۔

وَہُمۡ لَہُمۡ جُنۡدٌ مُّحۡضَرُوۡنَ ؀:

"تفسیر بیضاوی، کشاف، کبیر، السراج المنیر، روح المعانی، جمل" وغیرہ میں اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① ہُمۡ کی ضمیر اٰلِھَه کی طرف راجع ہے اور لَہُمۡ کی ضمیر عَابِدِیۡن کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ: یہ اٰلِھَه اُن عَابِدِیۡن کی مدد کے لیے لشکر ہیں بِزَعۡمِہِمۡ اُن کے گمان میں۔

② ہُمۡ کی ضمیر عَابِدِیۡن کی طرف راجع ہے اور لَہُمۡ کی ضمیر اٰلِھَه کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: یہ عَابِدِیۡن اپنے اٰلِھَه کے لیے ہیں، اُن معبودوں کی کوئی توہین کرے تو اکٹھے ہو کر پڑ جاتے ہیں۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں: مَنۡ فَعَلَ ہٰذَا بِاٰلِہَتِنَاۤ ۔۔۔ الآیۃ ❷ ہمارے الٰہوں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟ تو اُس وقت اُنہوں نے ادھم مچایا اور کہا کہ: وَانۡصُرُوۡۤا اٰلِہَتَکُمۡ ۔۔۔ الآیۃ ❸

③ لَہُمۡ میں جو لام ہے یہ بمعنی عَلٰی کے ہے اور ہُمۡ ضمیر اٰلِھَه کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: "اور وہ اٰلِھَه، عَلَیۡہِمۡ یعنی اُن کے خلاف لشکر ہوں گے"۔ جیسے کہ سُوۡرَۃُ مَرۡیَم میں ہے: وَیَکُوۡنُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ ضِدًّا ؀ ❹ وہ معبود اِن کے مخالف ہوں گے۔

فَلَا یَحۡزُنۡکَ قَوۡلُہُمۡ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷۶﴾:

واقعہ: تفسیروں میں خاص طور پر عاص ابن وائل، ابی بن خلف، ابو جہل کا نام ملے گا، یہ منکرین قیامت تھے، نام مختلف ہونا کوئی تعارض کی بات نہیں، سب منکرین اس میں داخل ہیں۔ مثلاً: ایک دفعہ ابو جہل بھی آنحضرت ﷺ کی مجلس میں آیا اور ایک پُرانی سر کی کھوپڑی بھی ساتھ لایا، آنحضرت ﷺ کی مجلس میں لوگ ہوتے تھے، اُس کو دیکھا تو لوگ اور بھی جمع ہوئے۔ تو اُس نے کہا کہ: اے محمد (ﷺ)! اِس کو ہاتھ لگاؤ۔ آپ ﷺ نے ہاتھ مبارک لگایا، وہ تو بوسیدہ ہڈی تھی ریزہ، ریزہ ہو گئی۔ اِس پر ابو جہل نے قہقہہ لگایا اور کہا کہ: اِن بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟!! اللہ تعالیٰ نے اِس کے تین (۳) جواب دیے:

① اللہ تعالیٰ نے پہلا جواب اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ۔۔۔ الآیۃ ❺ سے دیا کہ: جس رب نے نطفے سے پیدا کیا ہے وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

② اللہ تعالیٰ نے دوسرا جواب الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا ۔۔۔ الآیۃ ❻ سے دیا کہ: وہ ذات زندہ کرے گی جس سبز درخت سے آگ نکالی۔

---

❶ (سُوۡرَۃُ الۡمَآئِدَۃ، ۶۴) ❷ (سُوۡرَۃُ الۡاَنۡبِیَآء، ۵۹) ❸ (سُوۡرَۃُ الۡاَنۡبِیَآء، ۶۸) ❹ (سُوۡرَۃُ مَرۡیَم، ۸۲) ❺ (سُوۡرَۃُ یٰسٓ، ۷۷) ❻ (سُوۡرَۃُ یٰسٓ، ۸۰)

③اللہ تعالیٰ نے تیسرا جواب اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۔۔۔الآیۃ❶ سے دیا کہ: جو ذات آسمان اور زمین کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ دوبارہ پیدا کرے؟!!

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۔۔۔الآیۃ ﴿۷۹﴾:

سوال اَنْشَاَهَاۤ کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اَنْشَاَهَاۤ کی "هَا" ضمیر عِظَام کی طرف راجع ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۸۰﴾:

بعض سلف نے شَجَرِ اَخْضَر (سبز درخت) سے خاص وہ درخت مُراد لیے ہیں جن کی شاخوں کو آپس میں رگڑنے سے آگ نکلتی ہو۔ تین (۳) درختوں کے نام تفسیروں میں آپ کو ملیں گے: ①مَرَخ۔ ②کَلَخ۔ ③عَفَار۔

تازہ ٹہنی کو ٹہنی سے رَگڑا جائے تو آگ نکلتی ہے، خدا کی قدرت تھی کہ: جب وہ ٹہنی خشک ہو جاتی تو آگ نہیں نکلتی۔ یہ مشرکین لوگ جب سفر کرتے تھے تو اُس درخت کی سبز ٹہنی اپنے ساتھ کپڑوں میں لپیٹ لیتے تھے۔

---

❶(سُوْرَۃُ یٰسٓ،۸۱)

اٰیَاتُہَا (۱۸۲) (۳۷) سُوْرَۃُ الصّٰٓفّٰتِ مَکِّیَّۃٌ (۵۶) رُکُوْعَاتُہَا (۵)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؁

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں توحید کا بیان تھا کہ: فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ۔۔۔ الآیۃ ❶ ہر چیز کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

اور اس سورۃ میں بھی توحید ہی کا بیان ہے: اِنَّ اِلٰـهَكُمْ لَوَاحِدٌ ❷

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الصّٰٓفّٰت ہے۔ پہلی آیتِ کریمہ میں یہی لفظ ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ ❶:

"اُن جماعتوں کی قسم جو صف باندھتی ہیں صف باندھنا"۔

سوال لفظِ صّٰٓفّٰت کیا ہے؟

جواب لفظِ صّٰٓفّٰت، جَمَاعَات کی صفت ہے۔ یعنی جماعتیں جو صف باندھتی ہیں۔

سوال جماعتیں جو صف باندھتی ہیں وہ کونسی ہیں؟

جواب "تفسیر کبیر، جمل، معالم التنزیل، روح المعانی، قرطبی، روح البیان، خازن، مواہب الرحمٰن" وغیرہ میں یہاں چار (۴) باتیں لکھیں ہیں:

① اگر اِس سے فرشتوں کی صفیں مُراد ہیں تو مطلب یہ ہے کہ: فرشتے حکمِ الٰہی سننے کے وقت اپنے اپنے مقام پر درجہ بہ درجہ صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

② اگر اِس سے نمازیوں کی صفیں مُراد ہیں تو مطلب یہ ہے کہ: نمازی اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔

③ اگر اِس سے مجاہدین کی صفیں مُراد ہیں تو مطلب یہ ہے کہ: جو دُشمن کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ❸ جیسا کہ آہنی دیوار۔

④ اگر اِس سے واعظین اور مبلغین، علماء کی صفیں مُراد ہیں تو مطلب یہ ہے کہ: یہ حضرات باطل فرقوں کے مقابلے میں صفیں باندھ کر مقابلہ کرتے ہیں۔

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ ❷:

"پس! جھڑکتی ہیں جھڑکنا"۔

یہاں بھی وہی ماقبل کی چار (۴) باتیں ہیں:

① اگر اِس سے فرشتے مُراد ہیں تو مطلب یہ ہے کہ: وہ بادلوں کو جھڑکتے اور ہانکتے ہیں۔

② اگر اِس سے نمازی مُراد ہیں تو مطلب یہ ہے کہ: نَفْسِ اَمَّارَۃ کو، شیطان کو، غلط دُوستوں کو بھگاتے ہیں۔

③ اگر اِس سے مجاہدین مُراد ہیں تو مطلب یہ ہے کہ: کافروں کو جھڑکتے ہیں۔

④ اگر اِس سے واعظین اور مبلغین مُراد ہیں تو مطلب یہ ہے کہ: گناہ گاروں کو نافرمانوں کو رب کی نافرمانی کرنے پر جھڑکتے ہیں۔

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ ❸:

"پس! تلاوت کرتے ہیں ذکر کی"۔

یہاں بھی وہی ماقبل کی چار (۴) باتیں ہیں:

① اگر اِس سے فرشتے مُراد ہیں تو وہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ ہر وقت پڑھتے رہتے ہیں۔

---

❶ (سُوْرَۃُ یٰسٓ، ۸۳) ❷ (سُوْرَۃُ الصّٰٓفّٰت، ۴) ❸ (سُوْرَۃُ الصَّف، ۴)

③ اگر اس سے نمازی مُراد ہیں تو وہ بھی اَللّٰہُ اَکْبَر سے لے کر اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ تک اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

مسئلہ: یہ مسئلہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا اِس میں فقہاء کا اختلاف ہے لیکن محقق قول، مفتٰی بہ قول "ھدایہ، شامی، درمختار، فتاویٰ عالمگیری" وغیرہ میں یہ ہے کہ: جب آدمی نماز پڑھتا ہے اور کانوں سے بہرا نہ ہو تو نماز تب دُرست ہوگی جب اپنے کان سنیں، اگر اپنے کانوں سے نہیں سنا تو مفتٰی بہ قول کے مطابق نماز نہیں ہوگی۔

④ اگر اِس سے مجاہدین مُراد ہیں تو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًاۙ ① جہاد کے موقع پر اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ تو مجاہدین اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور نعرۂ تکبیر تو ویسے بھی بلند کرتے ہیں۔

⑤ اگر اِس واعظین اور مبلغین مُراد ہوں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، اِس طور پر کہ قرآن پڑھیں گے، حدیث پڑھیں گے لوگوں کو سمجھائیں گے۔

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌؕ ④:

وَ الصّٰٓفّٰتِ صَفًّاۙ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًاۙ فَالتّٰلِیٰتِ ذِكْرًاۙ یہ تمام قسمیں ہیں اور عربی کے قاعدہ کے مطابق تاکید کے لیے آتی ہے۔ تو یہ تمام جماعتیں بہ زبانِ قال اور بہ زبانِ حال یہ کہتی ہیں کہ: اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌؕ اِلٰہ صرف ایک ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا وَ رَبُّ الْمَشَارِقِؕ ⑤:

سوال قرآن مجید میں تین (۳) تعبیریں ہیں:

① رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ ۔۔۔الآیۃ ① مفرد کے ساتھ ہے۔

② رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَیْنِۚ ② تثنیہ کے ساتھ ہے۔

③ وَ رَبُّ الْمَشَارِقِؕ ③ جمع کے ساتھ ہے۔

اِس کی کیا وجہ ہے؟

جواب اِمام رازی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: تینوں تعبیریں صحیح ہیں۔ جہاں مفرد ہے اُس سے سمت، جہت مُراد ہے۔ جہاں تثنیہ ہے تو مَشْرِقُ الصَّیْف اور مَشْرِقُ الشِّتَآء مُراد ہے اور مَغْرِبُ الصَّیْف اور مَغْرِبُ الشِّتَآء مُراد ہے۔ جہاں جمع کا لفظ ہے اُس سے ہر دن کا مشرق مُراد ہے، رُوزانہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ الگ الگ ہوتی ہے، ہم چوں کہ سورج سے دُور ہیں اور درمیان میں بڑا فاصلہ ہے اِس لیے ہمیں محسوس نہیں ہوتا۔

وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍۚ ⑦:

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حِفْظًا مفعول مطلق ہے۔ اَیْ وَحَفِظْنَا حِفْظًا۔

لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى ۔۔۔الآیۃ ⑧:

لَا یَسَّمَّعُوْنَ اَصل میں لَا یَسْتَمِعُوْنَ تھا، تاء کو سین کر کے سین کو سین میں ادغام کر دیا۔ اِسْتِمَاع کے معنی ہیں: "گوشت داشتن" یعنی کان رکھنا۔

وَ یُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍۗ:

پہلے گزر چکا ہے کہ: فرشتے کلام کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کا فلاں کے بارے میں یہ فیصلہ ہے" فرشتے وہ فیصلہ ایک دوسرے کو القاء کرتے ہیں، تو یہ چور جن وہاں سنتے ہیں، جس کی وجہ سے فرشتے اُن کو شِهَابٌ ثَاقِبٌ مارتے ہیں تو کوئی مر جاتا ہے، کوئی زخمی ہو جاتا ہے، کوئی بچ جاتا ہے، مگر اپنے کام کو نہیں چھوڑتا۔

دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌۙ ⑨:

لفظ دُحُوْرًا، یُقْذَفُوْنَ فعل کے لیے مفعول لہ ہے۔ اَیْ یُقْذَفُوْنَ لِاَجْلِ الدُّحُوْرِ۔ اُن کو مارا جاتا ہے بھگانے کی خاطر۔

---

① (سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب، ۴۱) ② (سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّل، ۹) ③ (سُوْرَۃُ الرَّحْمٰن، ۱۷) ④ (سُوْرَۃُ الصّٰفّٰت، ۵)

إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ ۔۔۔ الآیۃ ۱۰:

فرشتوں نے بات کی، اُس جن نے بات کو اچک لیا اور وہ بات کاہن کے کان میں ڈال دی، وہ کاہن اُس بات میں سو (۱۰۰) جھوٹ ملا لیتا ہے؟

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۔۔۔ الآیۃ ۱۱:

یہاں عقلاء کی غیر ذوی العقلاء پر تغلیب ہے۔ پس امَّنْ میں فرشتے بھی داخل ہیں، حوریں بھی داخل ہیں، جنّات بھی داخل ہیں، آسمان بھی داخل ہیں، زمین بھی داخل ہے، پہاڑ بھی داخل ہیں، اس لیے یہاں مَنْ جو کہ ذوی العقول کے لیے آتا ہے اُس کی غیر ذوی العقول پر تغلیب کی گئی ہے۔ اب معنی یہ ہیں: "تو اہلِ مکہ سے پوچھ کہ: کیا یہ خلقت میں زیادہ سخت ہیں یا وہ مخلوق جس کو ہم نے پیدا کیا ہے"؟!!

إِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ○:

لَازِب کے معنی ہیں: لیس دار، ہاتھوں سے چپکنے والی۔

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ○ ۱۲:

بَلْ حرفِ اِضراب ہے، اور عَجِبْتَ فعل کا مفعول محذوف ہے: أَيْ عَجِبْتَ تَكْذِيْبَهُمْ۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کی تکذیب پر تعجب کرتے ہیں اور وہ آپ کے تعجب پر مسخرے کرتے ہیں۔

وَإِذَا رَأَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ○ ۱۴:

سوال اٰيَةً سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اٰيَةً سے معنوی آیت یعنی قرآن پاک مُراد ہے۔ اِس کو بھی وہ جادو کہتے تھے۔

② اٰيَةً سے حسی آیت یعنی معجزہ مُراد ہے۔ شقِ قمر کا معجزہ دیکھا تو کہا جادو ہے۔

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۔۔۔ الآیۃ ۱۹:

سوال "هِيَ" ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① صاحبِ کشاف اور علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ "هِيَ" ضمیر مبہم ہے۔ جیسے: رُبَّهٗ رَجُلًا اور زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ اُس کی تفسیر ہے۔

② علامہ اُندلسی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ، صاحبِ جمل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: هِيَ کی ضمیر ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○ ① میں جو بَعْثَة مصدر ہے اُس مصدر کی طرف راجع ہے۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَأَزْوَاجَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ۲۲:

ربط: واضح ہے کہ اُوپر بھی قیامت کا ذکر تھا اور آگے بھی قیامت کا ذکر ہے۔

اُحْشُرُوْا أَيْ يَقُوْلُ اللهُ لِلْمَلَائِكَةِ اُحْشُرُوْا أَيُّهَا الْمَلَائِكَةُ۔ اللہ تعالیٰ ملائک کو فرمائیں گے کہ: اے فرشتو! جمع کرو اُن کو جنھوں نے ظلم کیا۔

سوال أَزْوَاج سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ: مثلاً: ہندو کو ہندو کے ساتھ، سکھ کو سکھ کے ساتھ، یہودی کو یہودی کے ساتھ، نصرانی کو نصرانی کے ساتھ جمع کریں گے۔

② یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ: خاوند کو بیوی کے ساتھ، بیوی کو خاوند کے ساتھ، اِسی طرح جو کافر اور مشرک ہیں اُن کو بھی جمع کریں گے اور اُن کے معبودوں کو بھی جمع کریں گے۔

---

① سُوْرَۃُ الصّٰفّٰت: ۱۶

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝۲۵:

تَنَاصَرُوْنَ اَصل میں تَتَنَاصَرُوْنَ تھا۔ بابِ تفاعُل کی ایک تاء کو حذف کر دیا۔

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝۲۶:

بَلْ حرفِ اِضراب ہے۔ مُسْتَسْلِمُوْنَ کا معنی ہے: "مُنْقَادُوْنَ، مُطِيْعُوْنَ" یعنی کوئی سرکشی نہیں کر سکے گا۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝۲۷:

اور متوجہ ہوں گے اُن کے بعض بعض پر، یعنی شاگرد اُستادوں کی طرف، ووٹر کونسلروں کی طرف، مُرید پیروں کی طرف، رعایا حکمرانوں کی طرف متوجہ ہوں گے یعنی سب اِتباع اپنے متبوعین سے پوچھیں گے۔

قَالُوْۤا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝۲۸:

"تفسیر کبیر، روح المعانی، بیضاوی، کشاف" وغیرہ میں یَمِیْن کے دو (۲) مشہور معنی لکھے ہیں:

① یَمِیْن کا معنی "قوت" کے ہیں۔ داہنے ہاتھ میں عموماً طاقت اور قوّت زیادہ ہوتی ہے اس لیے اُس کو بھی یَمِیْن کہتے ہیں یعنی تم ہی تھے جو ہم پر چڑھے آتے تھے بہکانے کے لیے، زور دِکھلا کر اور مرعوب کر کے کہ: ہماری پارٹی قوت والی ہے۔ وغیرہ۔

② یَمِیْن کے معنی "قسم" کے ہیں۔ یعنی تم دُنیا میں قسمیں اُٹھاتے تھے کہ: ہماری پارٹی سچی ہے، ہم سچے ہیں، تو ہم نے تمہاری باتوں کو مانا ہے، تم کچھ تو کرو؟!!

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۲۹:

بڑے کہیں گے کہ: ہم سے کچھ مت کہو، تم خود مؤمن نہ تھے۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَاۤ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ۝۳۱:

لَذَآئِقُوْنَ کا مفعول محذوف ہے۔ وہ اَلْعَذَاب ہے اور قرینہ آگے آ رہا ہے کہ: اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝❶

فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝۳۳:

بے شک! وہ اُس دن عذاب میں مشترک ہوں گے۔ اُستاذ بھی شاگرد بھی، ووٹر بھی کونسلر بھی، غرض تمام متبوعین اور اتباع سب شریک ہوں گے۔

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۷:

بَلْ حرفِ اِضراب ہے۔ یعنی نہ شاعر ہیں، نہ مجنون ہیں بل کہ حق لے کر آئے ہیں اور اُنہوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝۴۵:

مَعِیْن کے معنی ہیں: "خالص شراب" اور وہ شراب سفید رنگ کی ہوگی۔ دُنیا کی شراب ہم نے ایک دفعہ دیکھی ہے، قہوہ کی شکل کی ہوتی ہے، لیکن جنّت کی شراب سفید رنگ کی ہوگی۔

لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝۴۷:

غَوْل کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اِمام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: غَوْلٌ وَجَعُ الْبَطْنِ کو کہتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ: دُنیا کی شراب پیٹ میں درد اور مروڑ پیدا کرتی ہے۔ جب کہ جنّت کی شراب ایسی نہیں ہے۔

② غَوْل کا معنی ہے: "دردِ سر یعنی اَلصُّدَاع"، دُنیا کی شراب سرگردانی پیدا کرتی ہے، نشہ چڑھاتی ہے، قے لاتی ہے، پھیپھڑے وغیرہ خراب کرتی ہے، جنّت کی شراب میں یہ نہیں ہوتا۔

❶ (سُوْرَةُ الصّٰفّٰت، ۳۸)

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ (۴۸):

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ کے معنی ہیں: "نیچی نگاہ والی"۔
عِيْنٌ، عَيْنَآءُ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "بڑی بڑی آنکھوں والی"۔

سوال "نیچی نگاہ" کا کیا مطلب ہے؟

جواب "تفسیر کبیر، روح المعانی، بیضاوی" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: نیچی نگاہ کا مطلب یہ ہے کہ: "اُن میں شرم ہوگی"۔ "بخاری" کتاب التفسیر میں ہے کہ: قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عَلٰى أَزْوَاجِهِنَّ یعنی اُن کی نظریں اپنے شوہروں پر ٹکی رہیں گی اور اپنے اَزواج کے سوا کسی دوسرے کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھیں گی۔ جیسے: دُنیا میں بعض شاملات ہوتی ہیں کہ: اُن کی نظر نیچی نہیں ہوتیں، ہر کسی کو دیکھتی ہیں تو اُن جیسی نہ ہوں گی یعنی صرف اپنے شوہروں کو دیکھیں گی۔

كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝ (۴۹):

یہاں بعض نے نُعَامَۃ شتر مرغ کا لفظ نکالا ہے، "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا۔ پس! جس طرح شتر مرغ کا انڈا رنگت میں صاف ہوتا ہے، اِس طرح صفائی رنگت میں وہ حوریں ہوں گی۔ یعنی صفائی رنگت میں یہ تشبیہ دی ہے۔
"تفہیم القرآن" میں یہاں مودودی صاحب نے ایک عجیب بات کہی ہے کہ: "یہ جو حوریں ہیں یہ کافروں کی لڑکیاں ہیں، وہ لڑکیاں جو سن رشد کو نہیں پہنچیں تھیں یعنی بالغ تو نہیں ہوئیں تھیں البتہ قریب البلوغ تھیں"۔
اُس زمانے میں علماء نے مودودی صاحب سے رابطہ قائم کیا کہ: آپ کہتے ہیں کہ حوریں کافروں کی لڑکیاں ہوں گی حال آں کہ سلف صالحین تو کہتے ہیں کہ: حوریں وہیں کی مخلوق ہوں گی؟ مودودی صاحب کا ایک رسالہ نکلتا تھا "ایشیاء" اُس میں مودودی صاحب نے یہ کہا کہ: "سلف کا بھی ایک قیاس ہے میرا بھی ایک قیاس ہے"۔

جواب ایک چھوٹا سا رسالہ مَیں نے لکھا تھا "مودودی صاحب کے غلط فتوے" طبع شدہ رسالہ ہے۔ اُس میں مَیں نے کہا کہ: دیکھیں! پہلے تو یہ بات ہے کہ سارے سلف کے مقابلے میں ایک آدمی سینہ تان کر کھڑا ہو کہ "سلف کا بھی ایک قیاس ہے میرا بھی ایک قیاس" یہ کس دلیل سے ثابت ہے"؟!! پھر ہم نے کہا کہ: دیکھیے! آپ کا یہ کہنا غلط ہے، حدیثِ مرفوع موجود ہے، ہم نے حوالے بھی دیئے ہیں کہ: "مسند احمد، مجمع الزوائد، الترغیب والترہیب، موردالزمان، عمل الیوم واللیلۃ لابن سُنّی" اِن حدیث کی کتابوں میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایتیں ہیں، کسی میں آتا ہے کہ: خُلِقَتِ الْحُوْرُ مِنْ زَعْفَرَانٍ۔ حوریں زعفران سے پیدا ہوئی ہیں۔ کسی میں ہے: مِنْ كَافُوْرٍ۔ کسی میں ہے: مِنْ مِسْكٍ۔ کسی میں ہے: مِنْ عَبْقَرِيٍّ۔ حوریں تو خاکی مخلوق نہیں ہیں، اُس پر یہ حدیثیں ہیں، اِن حدیثوں کو کہاں لے جاؤ گے؟ جب کہ دُنیا کی تو تمام عورتیں خاکی ہیں۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ ... الآیۃ (۵۱):

یعنی مشرکین ایک دوسرے کو کہیں گے۔

ءَإِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ۝ (۵۳):

دَانَ، يَدِيْنُ باب ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہے۔ معنی ہیں: "جزاء، بدلہ"۔ أَيْ الْمَجْزِيُّوْنَ۔

قَالَ تَاللّٰهِ إِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۝ (۵۶):

سوال إِنْ کیا ہے؟

جواب اِس کے متعلق آپ کو دو (۲) باتیں ملیں گے: ① إِنَّهٗ بھی آپ کو ملے گا۔ ② إِنَّكَ بھی آپ کو ملے گا۔

سوال لَتُرْدِيْنِ کے کیا معنی ہیں؟

جواب أَرْدٰى، يُرْدِيْ، إِرْدَآءً باب إِفْعَال سے ہے۔ معنی ہیں: "ہلاک کرنا"۔ مطلب یہ ہے کہ: اگر مَیں تیری بات مان لیتا تو جس طرح تو دوزخ میں پڑا ہے مَیں بھی اِس طرح ہلاک ہوتا۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝ (۵۸):

اِس اِستفہام کو اِستفہامِ تَلَذُّذ کہتے ہیں۔ موحدین لوگ جنّت میں جب داخل ہوں گے تو کہیں گے کہ: اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝ کیا اب ہم نہیں مَریں گے؟

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ (۶۵):

سوال: شَیٰطِیْن سے کون مُراد ہیں؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: شَیٰطِیْن سے یہاں ایسے سانپ مُراد ہیں جو بڑے بدشکل اور ڈراؤنے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ: اُس درخت کی شاخوں کو اُن سانپوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: شَیٰطِیْن سے یہاں چڑیلیں مُراد ہیں۔ جنّات کی جو مادّہ جنیاں ہوتی ہیں اُن کو کہیں چڑیل کہتے ہیں، کہیں ڈائن کہتے ہیں، کہیں بلا کہتے ہیں، کہیں پری کہتے ہیں، کہیں غول بیابانی کہتے ہیں۔ پس! جیسے چڑیلوں کے بکھرے ہوئے بال ہوتے ہیں تو اُس درخت کی شاخوں کو چڑیلوں کے بالوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا ۔۔۔ الآیۃ (۶۶):

سوال: مِنْهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب: مِنْهَا کی "هَا" ضمیر شَجَرَةُ الزَّقُّوْم کی طرف راجع ہے۔

ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ (۶۷):

جب وہ زَقُّوْم کھائیں گے تو پیاس تنگ کرے گی، پانی طلب کریں گے؟ تو اُن کے لیے شَجَرَةُ الزَّقُّوْم پر ملاوٹ ہوگی گرم پانی کی۔

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۝ (۶۸):

"پھر بے شک! اُن کے لوٹنے کی جگہ جَحِیْم ہے"۔ اِس لفظ کے بارے میں "تفسیر کبیر، روح المعانی، بیضاوی، ابوسعود، مظہری" وغیرہ میں بڑی بحث ہے، دو (۲) آسان باتیں مَیں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ: وہ لوگ دوزخ میں جلتے رہیں گے، جس وقت پانی کی ضرورت ہوگی تو آگ سے نکال کر اُن کو پانی کی طرف لے جایا جائے گا، اُس پانی کی جگہ میں آگ نہیں ہوگی، پھر جب پانی پلا دیا جائے گا تو پھر جہنّم کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

② دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ: اگر علامہ محلی رحمہ اللہ کی تفسیر لی جائے تو اِس سے بہ ظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ: اُن کو عذاب میں تھوڑا سا وقفہ مل گیا حال آں کہ نصوص چاہتی ہیں کہ اُن کو وقفہ نہ ملے گا۔ لہٰذا اِس کا مطلب یہ ہے کہ: جس وقت وہ آگ میں جلیں گے، واویلا کریں گے، وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۔۔۔ الآیۃ ❶ کے الفاظ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اِسی طرح لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۝ ❷ گدھے کی طرح آوازیں نکالیں گے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ: اِن کو زَمْهَرِيْر میں داخل کر دو، زَمْهَرِيْر میں داخل ہوں گے لیکن وہاں بھی صبر نہیں ہو سکے گا، پھر دوزخ میں داخل کیے جائیں گے۔ پس! عذاب سے چھٹکارا نہیں ہوگا۔

فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ۝ (۷۰):

بارہویں پارے میں مَیں عرض کر چکا ہوں کہ: جمال قرشی رحمہ اللہ "صراح" والے اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ: لفظِ يُهْرَعُوْنَ جو ہے لَا يُسْتَعْمَلُ اِلَّا مَجْهُوْلًا۔ یہ مجہول اِستعمال ہوتا ہے لیکن اِس کے معنی معروف کے ہوتے ہیں۔ معنی ہیں: "اُن کے پیچھے یہ تیزی سے چلتے ہیں"۔

---

❶ (سُوْرَۃُ فَاطِر، ۳۷) ❷ (سُوْرَۃُ هُوْد، ۱۰۶)

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝۷۵:

فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ أَيْ لَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ نَحْنُ۔ لفظِ نَحْنُ مخصوص بالمدح ہے۔

ربط: ابھی آپ نے دو(۲) طبقوں کا ذکر پڑھا:

① مُنْذِرِيْن یعنی ڈرانے والے۔

② مُنْذَرِيْن یعنی جن کو ڈرایا گیا۔ اب اُن مُنْذِرِيْن میں سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام تھے تو اُن کا اور اُن کی قوم کا ذکر ہے۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَأَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝۷۶:

سوال کَرْبِ عَظِيْم سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① "تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: حضرت نوح علیہ السلام کو جو قوم کے شرک کی وجہ سے تکلیف تھی، قوم کو شرک کرتے دیکھ کر اُن کو سخت کوفت ہوتی تھی، جب اللہ تعالیٰ نے قوم کو تباہ کر دیا تو وہ سب تکلیف رفع ہوگئی۔

② کَرْبِ عَظِيْم سے سیلاب مُراد ہے یعنی سیلاب میں حضرت نوح علیہ السلام کو اور مؤمنوں کو بچایا اور دیگر لوگوں کو تباہ کر دیا۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝۷۷:

"اور ہم نے اُس کی ذریت کو باقی چھوڑا"۔ حضرت نوح علیہ السلام کے چار(۴) بیٹے تھے، بیٹی کوئی نہ تھی۔ بیٹوں کی تفصیل یہ ہے:

① کنعان۔ "یام" اُس کا نام تھا اور "کنعان" لقب تھا وَقِيْلَ بِالْعَكْس۔ یہ تو تباہ ہوا، غرق ہوگیا۔

② سام۔ یہ عرب والوں کا، ایران والوں کا اور رومیوں کا باپ ہے۔

③ حام۔ یہ حبشہ والوں کا، سوڈان والوں کا باپ ہے۔

④ یافث۔ یہ ترکی والوں کا، افغانیوں کا، یاجوج ماجوج کا باپ ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝۷۸:

تَرَكْنَا کا مفعول محذوف ہے۔ أَيْ تَرَكْنَا ثَنَآءً حَسَنًا، ذِكْرًا جَمِيْلًا۔

وَإِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَإِبْرٰهِيْمَ ۝۸۳:

بے شک! حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے گروہ میں سے تھے۔

سوال یہ تشبیہ کس بات میں ہے؟

جواب اِس کے متعلق دو(۲) تفسیریں ہیں:

① جس طرح حضرت نوح علیہ السلام پیغمبر اور مُنْذِر تھے، اِسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی پیغمبر اور مُنْذِر تھے۔

② جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے گھر میں اُن کا بیٹا نافرمان تھا، بیوی نافرمان تھی، اِسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ اُن کے مخالف تھے۔

إِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝۸۴:

بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ أَيْ سَلِيْمٌ مِنَ الشَّكِّ، سَلِيْمٌ مِنَ التَّرَدُّدِ، سَلِيْمٌ مِنَ الرَّيْبِ۔

أَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝۸۶:

ترکیب: تُرِيْدُوْنَ کا مفعول بہ اٰلِهَةً ہے اور إِفْكًا مفعول لہ ہے۔ تو معنی یہ ہے کہ: تم اللہ کے ورے إلٰہ چاہتے ہو لِأَجْلِ الْإِفْكِ إفک کی خاطر، جھوٹ کی خاطر۔

فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝ ❸:

"بخاری" وغیرہ کتابوں میں حدیث ہے: لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ إِلَّا ثَلَاثًا ❶ یہاں كَذَبَ کا جولفظ ہے یہ سامعین کے ذہن کے لحاظ سے ہے ورنہ نَفْسُ الْاَمْر میں یہ جھوٹ نہیں ہے یعنی سامعین نے اپنے زعم میں اس کو واقعہ کے خلاف سمجھا ورنہ فِي نَفْسِه ایسا معاملہ نہیں تھا۔

سوال وہ تین (۳) باتیں کیا تھیں؟

جواب وہ تین (۳) باتیں یہ ہیں:

① ایک تو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ: بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هٰذَا ۔۔۔ الآية ❷

② دوسری بات جو اس آیت میں ہے کہ: إِنِّي سَقِيمٌ ۝ ❸ میں بیمار ہوں۔

امام رازی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ: تمہاری اس ستارہ پرستی کو دیکھ کر طبعی کوفت ہے جیسے بیمار ہوں۔ تو سَقِيمٌ سے مُراد یہ ہے کہ: تمہاری اس کاروائی کو دیکھ کر مجھے سُقْم حاصل ہوا ہے۔

③ تیسری بات یہ ہے کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اُن کی اہلیہ حضرت سارہ علیہا السلام تھیں، ایک ظالم، جابر بادشاہ تھا، اُس کا قاعدہ یہ تھا کہ: اگر کسی عورت کے ساتھ اُس کا خاوند ہوتا تو اُس خاوند کو قتل کر دیتا تھا۔ تو اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ: یہ کون ہے؟ تو اُنہوں نے فرمایا: میری بہن ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام سے فرمایا کہ: تم کہنا کہ: میرا بھائی ہے، أَنْتِ أُخْتِ فِي دِيْنِ اللّٰهِ۔ اللہ کے دین کے سلسلے میں تو میری بہن ہے۔

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۝ ❸:

بِالْيَمِينِ أَيْ بِالْقُوَّةِ۔ معنی ہیں: "بڑی قوت سے مارا"۔

فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ۝ ❸:

يَزِفُّونَ أَيْ يُسْرِعُونَ۔ معنی ہیں: "بڑی تیزی سے چلتے ہوئے"۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۝ ❸:

یعنی "اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم عمل کرتے ہو اُس کو"۔

اہلِ حق کہتے ہیں کہ: خالقِ اَفعال اللہ ہے اور بندہ کاسبِ اَفعال ہے، کاسب إلٰہ کا محتاج ہوتا ہے اور خالق محتاج نہیں ہوتا، خالق متفرد ہوتا ہے اور کاسب متفرد نہیں ہوتا تو ان سارے اَعمال کا خالق صرف اللہ ہے۔

اہلِ حق کا ایک استدلال یہ ہے کہ: وَمَا تَعْمَلُونَ میں اگر "مَا" مصدریہ مان لیں تو مطلب یہ ہے کہ: "اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا وَعَمَلَكُمْ اور تمہارے عمل کو بھی پیدا کیا ہے"۔ وَمَا تَعْمَلُونَ میں اگر "مَا" موصولہ یا موصوفہ لیا جائے تو عائد محذوف ہے أَيْ وَمَا تَعْمَلُونَهُ۔ جو عمل تم کرتے ہو اُس کا خالق بھی اللہ ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ ۔۔۔ الآية ❸:

"پھر جب پہنچا اُس کے ساتھ دوڑنے کو"۔

اب یہاں آپ کو تفاسیر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر کے حوالے سے مختلف اَقوال ملیں گے:

① سات (۷) سال۔ ② بارہ (۱۲) سال۔ ③ تیرہ (۱۳) سال۔

قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّي أَرٰى فِي الْمَنَامِ ۔۔۔ الآية:

يٰبُنَيَّ میں یاءِ تصغیر شفقت کے لیے ہے۔ معنی ہیں: "اے میرے پتر!"۔

---

❶ (صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا، ج ۱، ص ۴۷۳، طبع یادگار شیخ، کراچی) ❷ (سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآء، ۶۳) ❸ (سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰت، ۸۹)

فَلَمَّآ اَسْلَمَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰۳﴾:

جب دونوں فرمابردار ہوگئے، یعنی باپ قربانی کرنے پر اور بیٹا قربان ہونے پر۔ پس! دونوں نے رب کا حکم مان لیا۔

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۝:

تَلَّ کے معنی ہیں: "پچھاڑا، گرایا"۔ جَبِیْن کے معنی ہیں: "کن پٹی"۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۝ ﴿۱۰۷﴾:

"تفسیر خازن، معالم التنزیل" وغیرہ میں اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① حضرت جبرئیل علیہ السلام جنّت سے وہ دنبہ لائے جو ہابیل نے قربانی کے طور پر پیش کیا تھا۔

② حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو قربانی تھی وہ اللہ تعالیٰ کو ایسی مقبول ہوئی کہ قیامت تک اُس کو برقرار رکھا۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ: حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ قربانی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ، یہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔[1]

اہلِ بدعت اور مشرکین کے دعوے کا رَد: اہلِ بدعت اور مشرکین یہ کہتے ہیں کہ: پیغمبر غیب جانتے ہیں اُن سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔

جواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نبی ہونے میں تو شک ہی کوئی نہیں ہے، کون اِنکار کرسکتا ہے؟ اگر ہم اُن کا مذکورہ بالا دعویٰ مان لیں تو نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا کوئی اَثر رہتا ہے اور نہ حضرت اِسماعیل علیہ السلام کے قربان ہونے کا کوئی اَثر رہتا ہے۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے سے علم ہوتا کہ میرے بچے نے قربان نہیں ہونا، صرف ہم نے ایک ڈرامہ کھیلنا ہے تو پھر اُن کی قربانی کا کیا نتیجہ اور فائدہ تھا؟!!! اِسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اگر پہلے ہی سے پتہ ہوتا کہ: میری قربانی نہیں ہونی ویسے ہی ایک کھیل اور ایک سین ہے، ایک ڈرامہ ہے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قربان کا بھی کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

پس! معلوم ہوا کہ: علمِ غیب نہ تھا، حضرت اِبراہیم علیہ السلام سمجھتے تھے کہ مَیں نے قربانی کرنی ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھتے تھے کہ میری قربانی ہونی ہے۔

قربانی کس کی ہوئی؟ یہاں پر ایک اور بات بڑی توجہ سے سمجھیں!! پادری صاحبان اِس پر مُصر ہیں کہ: قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نہیں ہوئی بل کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی ہوئی ہے۔ اُن کے اِصرار کی وجہ یہ ہے کہ: اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی ثابت ہوجائے تو فضیلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منتقل ہوجائے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں اور اُن کو یہ گوارہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی والے کی نسل میں سے ہوں۔

اِس کے علاوہ یہاں بعض ہمارے اپنوں کو بھی مغالطہ ہوا ہے، سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ اولیاء میں اَکابر میں سے ہیں، لیکن! "غنیۃ الطالبین" میں مصر ہیں کہ: "قربانی حضرت اسحاق علیہ السلام کی ہوئی ہے"۔ صوفیاء میں چوں کہ تنقید کا مادّہ نہیں ہوتا اِس لیے اُنہوں نے یہود کی وہ روایات جو یہود نے گڑھی ہیں کثرت سے دیکھ کر یہ قول اِختیار کیا کہ: "قربانی حضرت اسحاق علیہ السلام کی ہوئی ہے"۔ مَیں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ: "غنیۃ الطالبین" میں موضوع روایتوں کی بھرمار ہے، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی "میزان الاعتدال" میں یہ شکوہ کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی "اللسان" میں یہ شکوہ کیا ہے۔

پادری صاحبان کا حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ کے ترجمہ سے غلط اِستدلال: اب جو بات مَیں عرض کرنا چاہتا ہوں اُس کو سمجھیے!!

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے کہ: "يٰبُنَيَّ ۔۔۔ الآیۃ"[2] اے میرے چھوٹے بیٹے"۔

اب پادری صاحبان صغریٰ کو لے کر یہ کہتے ہیں کہ: تمہارے مُسلّم مفسر تو یہ کہتے ہیں کہ: "یہ قربانی چھوٹے بیٹے کی ہوئی"۔ اور پھر کبریٰ ہم سے پوچھتے ہیں کہ: تم بتاؤ! حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے تھے یا حضرت اسحاق علیہ السلام بڑے تھے؟ یہ تو ہم کہتے ہیں کہ: "حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے تھے حضرت اسحاق علیہ السلام چھوٹے تھے"۔ اِس پر وہ کہتے ہیں کہ: صغریٰ کبریٰ ملانے کے بعد نتیجہ تو یہ نکلا کہ: "قربانی حضرت اسحاق علیہ السلام کی ہوئی ہے"۔

جواب مَیں قرآن کریم کی رُوشنی میں صرف دو (۲) باتیں عرض کرتا ہوں، ذرا غور سے سمجھنا:

① اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا: فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۝[3] "پس! ہم نے غلام حلیم کی بشارت دی"۔ پھر آگے اُنہی کی قربانی کا ذکر فرمایا۔

اُس کے بعد آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ ۔۔۔ الآیۃ[4] "اور ہم نے اُس کو خوشخبری دی اسحاق علیہ السلام کی"۔ یہاں وَبَشَّرْنٰهُ ۔۔۔ الآیۃ[5] میں واؤ عطف کا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ: جس کی قربانی ہوئی وہ اور تھے، حضرت اسحاق علیہ السلام اور ہیں۔

---

[1] (سنن ابن ماجہ، ابواب الاضاحی، باب ثواب الاضحیۃ، ص۲۲۶، طبع قدیمی، کراچی) [2] (سُوْرَۃُ الصّٰفّٰت، ۱۰۲) [3] (سُوْرَۃُ الصّٰفّٰت، ۱۰۱) [4] [5] (سُوْرَۃُ الصّٰفّٰت، ۱۱۲)

Ⓒ آپ پہلے سُوْرَۃُ هُوْد میں پڑھ چکے ہیں کہ: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ ❶ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری سنائی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی۔ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ ❷ کے الفاظ بھی اِس بات کا واضح قرینہ ہیں کہ: قربانی حضرت اسحاق علیہ السلام کی نہیں ہوئی۔ اِس لیے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علم میں ہے کہ: میرا بیٹا ابھی قربان ہو جائے گا تو پھر آگے اُس کی نسل کہاں سے چلے گی؟ حضرت یعقوب علیہ السلام کہاں سے آئیں گے؟ پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی جو خوشخبری سنائی گئی اِس کا کیا مطلب ہوگا؟!!

باقی رہی یہ بات کہ جو حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ نے "يٰبُنَيَّ ۔۔۔ الآية ❸ اے میرے چھوٹے بیٹے" سے ترجمہ کیا ہے تو یہ یاء تصغیر کا ترجمہ ہے جو کہ شفقت کے طور پر بولا جاتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں: "اے میری پتری"۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ ﴿۱۰۸﴾:

تَرَكْنَا کا مفعول محذوف ہے۔ اَيْ تَرَكْنَا ثَنَآءً حَسَنًا، ذِكْرًا جَمِيْلًا۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ○ ﴿۱۱۴﴾:

ربط: مُنْذِرِيْن اور مُنْذَرِيْن کا ذکر چلا آرہا ہے اُن میں چند کے نام گذرے اب آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر ہے۔

وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ○ ﴿۱۱۵﴾:

سوال كَرْبِ الْعَظِيْم سے نجات دینے سے کیا مُراد ہے؟

جواب كَرْبِ الْعَظِيْم سے نجات دینے سے مُراد یہ ہے کہ: بحرِ قلزم میں غرق ہونے سے بچایا اور فرعون کے مظالم سے نجات دی۔

وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ○ ﴿۱۱۷﴾:

سوال کتاب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی تو پھر اٰتَيْنٰهُمَا میں "هُمَا" تثنیہ کی ضمیر کیوں لائے؟

جواب اَصل میں کتاب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی لیکن حضرت ہارون علیہ السلام بھی اُس کی تبلیغ پر مامور تھے، اِس لیے اٰتَيْنٰهُمَا میں "هُمَا" تثنیہ کی ضمیر لائے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ ﴿۱۱۹﴾:

تَرَكْنَا کا مفعول محذوف ہے۔ اَيْ تَرَكْنَا ثَنَآءً حَسَنًا، ذِكْرًا جَمِيْلًا۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ ﴿۱۲۳﴾:

"اور بے شک! الیاس علیہ السلام پیغمبروں میں سے تھے"۔

علّامہ خیالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: چار (۴) پیغمبر زندہ ہیں، دو (۲) آسمان میں اور دو (۲) زمین میں ہیں: آسمان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام اور زمین میں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام ہیں۔

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ○ ﴿۱۲۵﴾:

"تفسیر اتقان" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: "بعل" ایک آدمی کا نام ہے جو لوگوں میں بڑا مشہور تھا، بڑا نیک تھا، اُس کا اُن لوگوں نے مجسمہ بنایا اور اُس کی پوجا شروع کردی، اُسی کے نام پر شہر کا نام بَعْلَبَكّ پڑ گیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو اُن کی طرف بھیجا، حضرت الیاس علیہ السلام نے اُن کو خدا کے غضب اور بت پرستی کے انجامِ بد سے ڈرایا۔

سَلٰمٌ عَلٰى اِلْ يَاسِيْنَ ○ ﴿۱۳۰﴾:

سوال اِلْ يَاسِيْنَ سے کون مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

❶❷ (سُوْرَۃُ هُوْد، ۷۱) ❸ (سُوْرَۃُ الصّٰفّٰت، ۱۰۲)

① إِلْ يَاسِيْنَ سے حضرت الیاس علیہ السلام مُراد ہیں۔ یعنی حضرت الیاس علیہ السلام پر سلام ہو۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو الیاس بھی کہتے ہیں اور إِلْ يَاسِيْنَ بھی کہتے ہیں۔ جیسے طور سیناء کو طور بھی کہتے ہیں اور طور سینین بھی کہتے ہیں۔

② إِلْ يَاسِيْنَ سے حضرت الیاس علیہ السلام کے پیروکار مُراد ہیں یعنی الیاسیوں پر سلام۔

مُلّا باقر شیعوں کا اِمام گذرا ہے "حیاۃ القلوب" اُس کی کتاب ہے، اُس میں وہ کہتا ہے کہ: إِلْ يَاسِيْنَ سے مُراد یہ ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسل پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ: اُن پر سلام بھیجیں، لیکن چوں کہ رب جانتا تھا کہ: ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) بڑے ہوشیار ہیں اِس لیے "آلِ" بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ نہ پڑھا بل کہ "إِلْ" بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ پڑھا تا کہ اُن کو پتہ نہ چلے کیوں کہ اگر پتہ چلے گا تو وہ اپنا حق چھین لیں گے۔ (اَلْعِيَاذُ بِاللهِ) خلاصہ یہ کہ: "حیات القلوب" میں اُس نے یہ لکھا ہے کہ: رب کو اَصل "آلِ" بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ کہنا تھا لیکن اِن دونوں سے خطرہ تھا اس لیے "إِلْ" بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ ذکر کیا تا کہ پڑھتے بھی رہیں اور سمجھیں بھی نہ۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔

وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝:

إِنَّكُمْ سے اہلِ مکہ کو خطاب ہے۔ معنی ہے: اے مکہ والو! تم گذرتے ہو عَلَيْهِمْ اَيْ عَلٰى مَوَاضِعِهِمْ۔ اُن کی جگہوں پر صبح کے وقت، کبھی رات کے وقت، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

وَإِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝:

ربط: واضح ہے کہ مُنذرین کا ذکر چلا آ رہا ہے، یاد ہوگا سُوْرَةُ يُوْنُس میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا تھا۔ اب یہاں سے بھی حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

إِذْ اَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝:

سوال جس دریا میں کشتی چلی وہ کون سا دریا تھا؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علّامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "دریائے فرات" تھا۔ ② صاحب کمالین رحمہ اللہ والے فرماتے ہیں کہ: "دریائے دجلہ" تھا۔

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝:

پھر قرعہ ڈال دیا۔ اِس قرعہ ڈالنے کی دو (۲) وجہیں لکھی ہیں:

① جب کشتی طوفان میں پھنس گئی تو ملّاحوں نے کہا کہ: کوئی غلام آقا سے بھاگ کر آتا ہے تو ایسا ہوتا ہے۔ اِس وجہ سے قرعہ اَندازی ہوئی اور حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔

② ملّاحوں نے کہا کہ: ایک آدمی زائد ہے۔ اِس لیے کئی مرتبہ قرعہ اَندازی کی گئی، ہر بار حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔

مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ اَيْ مِنَ الْمَغْلُوْبِيْنَ فِي السِّهَامِ۔

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝:

"تفسیر روح المعانی، کشاف، بیضاوی" وغیرہ میں مُلِيْم کے یہ معنی لکھے ہیں: "اَتٰى مَا يُلَامُ عَلَيْهِ، ایسی کاروائی کی جس پر اُن کو ملامت ہوئی"۔ اب اِس کے لازمی معنی یہ ہوئے کہ: "اِلزام خوردہ تھے" یعنی وہ اِلزام کھایا ہوا تھا اور اِلزام یہی تھا کہ: خطائے اِجتہادی سے حکمِ اِلٰہی کا اِنتظار کیے بغیر بستی سے نکل پڑے اور عذاب کے دن کی تعیین کی۔

لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝:

سوال حضرت یونس علیہ السلام کتنا عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رہے؟

جواب اِس کے متعلق آپ کو مختلف اَقوال ملیں گے: ① تین (۳) دن رہے۔ ② چھ (۶) دن رہے۔ ③ چالیس (۴۰) دن رہے۔

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌۚ (١٤٥):

ہم نے اُن کو چٹیل میدان میں پھینکا درآں حال یہ کہ وہ بیمار تھے کیوں کہ مچھلی کے پیٹ میں ہوا نہ لگی تھی، خوراک نہ ملی تھی تو اس وجہ سے بیمار ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ: دھوپ کی شعاع اور مکھی وغیرہ کا بدن پر بیٹھنا بھی ناگوار ہوتا تھا۔

وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍۚ (١٤٦):

وہاں کدو کا درخت اُگ آیا، اُس کے پتوں نے اُن کے جسم پر سایہ کر دیا اور اِسی طرح قدرتِ خداوندی سے غذا وغیرہ کا سامان بھی ہو گیا۔

سوال کدو کی تو بیل ہوتی ہے درخت نہیں ہوتا؟

جواب آپ کو تمام تفسیروں میں ملے گا کہ: اللہ تعالیٰ نے خرقِ عادت کے طور پر کدو کا تنا اُگا یا، یہ حضرت یونس علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَۚ (١٤٧):

یہاں اَوْ بمعنی بَلْ کے ہے۔ معنی ہیں: "ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) بل کہ اُس سے زیادہ کی طرف"۔ یہ آبادی نینوا شہر کی تھی۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ۔۔۔الآیۃ (١٤٩):

ربط: یہاں تک منذرین کا بیان تھا، اب کفار کا بیان ہے۔ معنی ہیں: "اِن مکہ والوں سے پوچھو کہ: کیا تمہارے رب کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں؟

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَۚ (١٥٣):

اَصْطَفٰى اَصل میں أَءْصْطَفٰی تھا۔ ایک هَمْزَه اِستفہام ہے اور دوسرا هَمْزَه بابِ اِفْعَال کا ہے۔ ایک هَمْزَه کو حذف کر دیا۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا۔۔۔الآیۃ (١٥٨):

سوال جِنَّة سے کون مُراد ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جِنَّة سے فرشتے مُراد ہیں۔ اِس لیے کہ وہ آنکھوں سے چھپے ہوئے ہوتے ہیں، پس! لغوی معنی کے اِعتبار سے فرشتے مُراد ہیں۔

② حضرات جمہور فرماتے ہیں کہ: جِنَّة سے جن مُراد ہیں۔

"بخاری شریف" کتاب التفسیر میں روایت ہے کہ: جب اُن لوگوں سے یہ سوال ہوا کہ "تم کہتے ہو کہ: فرشتے رب کی بیٹیاں ہیں" تو اُن کی مائیں کون ہیں؟ کہنے لگے کہ: "پریاں یعنی جنات کی مؤنث اُن کی مائیں ہیں"۔❶

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ (١٦٠):

سوال یہ اِستثناء کس سے ہے؟

جواب "تفسیر جمل" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: یہ ماقبل میں لَمُحْضَرُوْنَۙ❷ سے اِستثناء ہے۔ معنی ہیں: "مگر جو اللہ کے مخلص بندے ہیں وہ نہیں حاضر کیے جائیں گے"۔

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَۙ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَۙ (١٦٢):

یہاں بڑی طویل بحث ہے، مَیں دو (۲) آسان باتیں عرض کرتا ہوں:

① مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ کی "ہ" ضمیر لفظ "الله" کی طرف راجع ہے جو کہ ماقبل میں لفظِ عِبَاد کا مضاف الیہ ہے۔ معنی ہیں: "پس! بے شک! تم اور جس کی تم عبادت کرتے ہو، نہیں اللہ کے مقابلے میں کسی کو گمراہ کرنے والے، مگر وہ جو خود ہی دوزخ میں داخل ہونے والا ہو"۔

❶ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الصافات، ج ۲، ص ۷۰۹، طبع یادگار شیخ، کراچی) ❷ (سُوْرَةُ الصّٰفّٰت، ١٥٨)

② مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ کی "ہٗ" ضمیر مَا تَعْبُدُوْنَ میں جو "مَا" ہے اُس کی طرف راجع ہے۔ تو معنیٰ "معبود" کے ہوں گے۔ پس! جب معنیٰ معبود کے ہوں گے تو یہاں مضاف محذوف ہوگا۔ اب تقدیری عبارت یوں ہوگی: فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ اَيْ عَلٰى عِبَادَتِ الْمَعْبُوْدِ۔ بے شک! تم اور جن کی عبادت کرتے ہو، نہیں ہو تم باوجود اپنے معبود کی عبادت کرنے کے کسی فتنے میں ڈالنے والے، مگر اُس کو جو اپنی مرضی سے دوزخ میں داخل ہونے والا ہو۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝:

ربط: تم فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہو تو فرشتوں کی طرف سے اُن کا بیان بھی سن لو۔ پس! فرشتوں کا ذکر ہے، یہ کلام اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف سے گویا اُن کی زبان سے بیان فرمایا کہ: "فرشتے کہتے ہیں کہ: ہمیں حکمِ الٰہی سے ذرا تجاوز کرنے کی گنجائش نہیں، یعنی ہر فرشتہ کی ایک حد مقرر ہے، اُس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۝:

وَاِنْ كَانُوْا اَيْ وَاِنَّهُمْ كَانُوْا۔ معنیٰ ہیں: "بے شک! شان یہ ہے کہ یہ مکہ والے"۔

اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝:

سوال سوال یہ ہے کہ: رب تعالیٰ نے فرمایا کہ: "ہم نے اپنے پیغمبروں کے لیے یہ بات طے کردی ہے کہ اُن کی مدد ہوگی اور اُن کا لشکر ہی غالب ہوگا"۔ اِس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اور اُن کے پیروکاروں کو ہمیشہ غلبہ ہوتا ہے، اُن کو شکست نہیں ہوتی حال آں کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے، شکست تو ہوئی، "غزوۂ اُحد" میں شکست ہوئی، اِسی طرح پیغمبروں کے پیروکار ہجرت کر کے بھی گئے، بعض رُسُل ایسے ہیں جو شہید کردیے گئے، جیسے: حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام۔ تو منصور کو ہجرت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ نیز اُن کو پھر شہید کیوں کیا گیا؟

جواب اِس کا جواب اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ... الآیۃ ❶ کی تفسیر میں اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی باحوالہ آئے گا۔

وَاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝:

اَبْصِرْهُمْ کے دو (۲) معنیٰ ہیں:

① صاحبِ قاموس معنیٰ کرتے ہیں کہ: "اَنْظِرْهُمْ" اُن کو مہلت دیں۔

② بعض حضرات کہتے ہیں کہ: یہ اپنے معنیٰ میں ہے کہ "اُن کو دیکھتا رہ"۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْمُؤْمِن، ۵۱)

اٰیَاتُھَا (۸۸) (۳۸) سُوْرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ (۳۸) رُکُوْعَاتُھَا (۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: کے متعلق دو (۲) باتیں ہیں:

① ایک ربط یہ ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں مرسلین کا ذکر تھا، تو اس سورۃ میں بھی آگے جاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر ہے۔

② دوسرا ربط یہ ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں مکذبین یعنی نہ ماننے والوں کا ذکر تھا، اس سورۃ میں بھی آگے کفار اور مکذبین کا ذکر ہے کہ: اُنہوں نے بھی حق کو جھٹلایا۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ صٓ ہے۔

صٓ ۔۔۔ الآیۃ ❶:

سوال یہ صٓ کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بعض حضرات کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام صَبُوْرٌ ہے۔ یہ صٓ اُس کا مخفف ہے۔

② بعض حضرات کہتے ہیں کہ: یہ صٓ، صَدَقَ کا مخفف ہے۔ اَیْ قَدْ صَدَقَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝:

"قسم ہے اِس قرآن کی جو نصیحت والا ہے"۔

سوال وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝ قسم ہے اِس کا جوابِ قسم کیا ہے؟

جواب "تفسیر جمل، کمالین، بیضاوی، البحر المحیط" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اِس میں مفسرین کرام رحمہم اللہ کے دو (۲) گروہ ہیں:

① مفسرین کرام رحمہم اللہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ: وَالْقُرْاٰنِ جملہ قسمیہ ہے اور جوابِ قسم مذکور ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ: جوابِ قسم مذکور تو ہے لیکن وہ کیا ہے؟ تو اِس میں مختلف اَقوال ہیں:

① کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ❶ یہ جوابِ قسم ہے۔

② اِنْ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ ۔۔۔ الآیۃ ❷ یہ جوابِ قسم ہے۔

③ اِنَّ ذٰلِکَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝ ❸ یہ جوابِ قسم ہے۔

④ صٓ ۔۔۔ الآیۃ ❹ یہ جوابِ قسم ہے جو کہ صَدَقَ کا مخفف ہے۔ اَیْ قَدْ صَدَقَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم۔

② مفسرین کرام رحمہم اللہ کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ: جوابِ قسم محذوف ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ: جوابِ قسم محذوف تو ہے لیکن وہ کیا ہے؟ تو اِس میں مختلف اَقوال ہیں:

① علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ: اِنَّهٗ لَمُعْجِزٌ جوابِ قسم محذوف ہے۔

② علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مَا الْاَمْرُ کَمَا قَالَ کُفَّارُ مَکَّۃَ مِنْ تَعَدُّدِ الْاٰلِهَۃِ جوابِ قسم محذوف ہے۔

③ جمل والے کہتے ہیں کہ: اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ جوابِ قسم محذوف ہے۔

④ علامہ حوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: قَدْ جَآءَکُمْ بِالْحَقِّ جوابِ قسم محذوف ہے۔

⑤ ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مَا الْاَمْرُ کَمَا تَزْعُمُوْنَ جوابِ قسم محذوف ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ صٓ، ۳) ❷ (سُوْرَۃُ صٓ، ۱۴) ❸ (سُوْرَۃُ صٓ، ۶۴) ❹ (سُوْرَۃُ صٓ، ۱)

بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ ۝ (۲):

عِزَّۃ کا معنی ہے: "تکبر"۔ شِقَاق کا معنی ہے: "اِختلاف"۔

فَنَادَوۡا وَّ لَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ ۝ (۳):

وَلَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ کے متعلق بھی طویل بحث ہے، مَیں مختصراً تین (۳) باتیں عرض کرتا ہوں:

① امام سیبویہ رحمہ اللہ اور اُن کے شاگرد خلیل ابن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لَاتَ میں جو لَا ہے یہ مشابہ بلیس ہے، تَاء اِس میں زائدہ ہے۔ جیسے: رُبَّت اور ثَمَّت میں تَاء زائدہ ہے اور اِسم اِس کا محذوف ہے، وہ یہ ہے کہ: "وَلَاتَ الۡحِیۡنُ حِیۡنَ مَنَاصٍ اور نہ تھا وقت، وقت چھٹکارے کا"۔

② امام فراء اور امام اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لَا نفی جنس کا ہے اور تَاء زائد ہے، حِیۡنَ مَنَاصٍ مضاف مضاف الیہ اسم ہے اور لَهُمْ خبر ہے جو کہ محذوف ہے۔

③ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: یمن والوں کی لغت میں لَاتَ بمعنی لَیۡسَ ہی کے ہے لیکن اِس میں تَاء اَصل ہے، لہٰذا لَاتَ مرکب نہیں بل کہ مفرد ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَشَیۡءٌ یُّرَادُ ۝ (۶):

اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① اپنے اِلٰہوں پر جمار ہنا ہماری مُراد ہے اُن کو مت چھوڑو۔

② یہ جو تمہیں تبلیغ کرتا ہے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم) اِس کی ایک مُراد ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارا مذہب مٹ جائے، اِس کے ایک اللہ والا مذہب چلے۔ ہم اِس کی مُراد کو پورا نہیں ہونے دیں گے۔

مَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِی الۡمِلَّۃِ الۡاٰخِرَۃِ ۔۔۔ الآیۃ (۷):

فِی الۡمِلَّۃِ الۡاٰخِرَۃِ کے دو (۲) معنی ہیں:

① فِی الۡمِلَّۃِ الۡاٰخِرَۃِ سے آباء و اَجداد مُراد ہیں۔ یعنی وہ لوگ کہتے تھے کہ: ہمارے آباء و اَجداد بھی تو تعدُّدِ آلِهہ کے قائل تھے، ایک کے تو قائل نہیں تھے؟!!

② پہلی ملتوں میں سے جو آخری ملت ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملت ہے۔ تو وہ لوگ کہتے تھے کہ: عیسائی بھی تو تَثۡلِیۡث کے قائل ہیں ایک کے قائل نہیں ہیں؟!!

اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا اخۡتِلَاقٌ ۝:

اِخۡتِلَاق کے معنی ہیں: "گھڑی ہوئی بات"۔

بَلۡ لَّمَّا یَذُوۡقُوۡا عَذَابِ ۝ (۸):

عَذَابِ اَیۡ عَذَابِیۡ، یاء تخفیفاً گر گئی۔

فَلۡیَرۡتَقُوۡا فِی الۡاَسۡبَابِ ۝ (۱۰):

پس! اُن کو چاہیے کہ: سیڑھی لگا کر اوپر چڑھیں اور وحی کا راستہ بند کر دیں۔

جُنۡدٌ مَّا هُنَالِکَ مَهۡزُوۡمٌ مِّنَ الۡاَحۡزَابِ ۝ (۱۱):

لفظ جُنۡدٌ نکرہ ہے اور مَا تقلیل کے لیے ہے۔ معنی ہیں: "لشکر چھوٹا سا"۔

وَفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝ (۱۲):

اَوْتَاد، وَتَدٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "میخ"۔

سوال فرعون کو ذُو الْاَوْتَاد کیوں کہتے؟

جواب اِس کی تین (۳) وجوہات ذکر کی گئی ہیں:

① "تفسیر مدارک اور بیضاوی" میں لکھا ہے کہ: جو بھی فرعون سے اِختلاف کرتا تھا تو فرعون اُس اِختلاف کرنے والے کو پھانسی دیتا تھا اور اُس پر میخیں ٹھوکتا تھا، اِس لیے اُس کا نام "ذُو الْاَوْتَاد، میخوں والا" پڑ گیا۔

② فرعون چوں کہ بہت زور وقوّت اور لاؤلشکر والا تھا، جس نے دُنیا میں اپنی سلطنت کے کھونٹے گاڑ دیئے۔ اِس لیے اُس کا نام "ذُو الْاَوْتَاد، میخوں والا" پڑ گیا۔

③ فرعون جب سیر کے لیے جاتا تھا تو اپنے ساتھ خیمے لے جاتا تھا اور اُس کو سونے کی میخوں سے باندھتا تھا۔ تو جب وہ گزرتا تھا تو لوگ کہتے تھے کہ: میخوں والا بادشاہ آ گیا۔ اِس لیے اُس کا نام "ذُو الْاَوْتَاد، میخوں والا" پڑ گیا۔

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً ۔۔۔ الآیۃ (۱۵):

ربط: اُوپر کفارِ مکہ کا ذکر تھا، آگے بھی اُنہی کا ذکر ہے کہ: قرآن جیسی کتاب آ گئی، آپ ﷺ جیسے پیغمبر آ گئے، اب کس چیز کا اِنتظار کرتے ہو؟ اِس چیز کا کہ: اسرافیل علیہ السلام بگل میں پھونکیں؟ نَفْخَة ہو؟ پس! جب نَفْخَة ہوگا تو اُس میں وقفہ نہیں ہوگا۔

مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝:

فَوَاق کے معنی ہیں: "اُونٹنی کا دُودھ نکالو یا بکری کا دُودھ نکالو تو جس وقت تھنوں کو نچوڑتے ہیں اور پھر دوبارہ ہاتھ ڈالتے ہیں تو بَيْنَ الْحَلْبَتَيْنِ جو تھوڑا سا وقفہ ہوتا ہے اُس کو فُوَقَة بھی کہتے ہیں، فَوَاق بھی کہتے ہیں، لازمی معنی ہیں: "وقفہ"۔ تو مطلب یہ ہے کہ: وہ بگل یعنی نَفْخَة وقفہ کے ساتھ نہیں ہوگا بل کہ مسلسل، لگاتار ہوگا۔

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝ (۱۶):

قِطّ "پکے کاغذ" کو کہتے ہیں یعنی وارنٹ وغیرہ جو مجرم کو بھیجا جاتا ہے، تو یہ لوگ یہ بات اِسْتِهْزَاءً یہ کہتے تھے کہ: وہ وارنٹ لاؤ! ہمیں دو نا! وارنٹ کیوں نہیں آتا؟

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْاَيْدِ ۔۔۔ الآیۃ (۱۷):

اَیْد کے دو (۲) معنی ہیں:

① اَیْد کے معنی "ہاتھوں" کے بھی کرتے ہیں "ہاتھوں والے تھے"۔ مطلب یہ ہے کہ: اپنے ہاتھوں سے عمل کرتے تھے، زرہیں بناتے تھے، اُسی کو فروخت کر کے اپنے گھر کا خرچ چلاتے تھے، سلطنت کا مال نہ کھاتے تھے۔

② اَیْد کے معنی "قوّت" کے بھی کرتے ہیں۔ قوّت کا مطلب یہ ہے کہ: اُن کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝ (۲۰):

فَصْلَ الْخِطَاب کا مطلب یہ ہے کہ: جب بولتے تھے تو نہایت فیصلہ کن تقریر ہوتی تھی۔ علّامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت داود علیہ السلام خَلِيْفَةُ الْاَرْض تھے تو بڑی بات دو تین لفظوں میں بیان کرتے تھے یعنی مختصر الفاظ میں بات فرما دیتے تھے۔ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ: اُن کی گفتگو میں مغز کی بات کم ہوتی ہے پھیلاؤ زیادہ ہوتا ہے۔ مودودی صاحب کی عبارتوں میں بھی پھیلاؤ زیادہ ہے مغز کی بات کم ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ (۲۱):

تَسَوَّرُوا، سُوْر کے لفظ سے ہے۔ سُوْر کے معنی ہیں: "دیوار"، تَسَوَّر کے معنی ہیں: "دیوار کو پھاندنا"۔

اِس آیت کی تین (۳) تفسیریں ہیں: ایک تفسیر مَردود ہے اور ایک مَرجوح ہے اور ایک مقبول ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

① مَردود تفسیر یہ ہے کہ: "کتابِ مقدّس" چھپن (۵۶) صحیفے والی یہود و نصاریٰ کی ہے، اُس میں کہتے ہیں کہ: حضرت داؤد علیہ السلام کا محل تھا، یہ محل اُونچا تھا، قریب ہی ایک پڑوسی تھا، نام اس کا "اُوریا حطّی" تھا، وہ مجاہد تھا، جہاد کے لیے گیا تھا، اُس کی بیوی گھر میں تھی، نام اُس کا "بُت سبو" تھا، وہ اپنے صحن میں پھر رہی تھی، حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے گھر کی چھت سے دیکھا، نہایت حسین اور خوبصورت تھی، نوکروں سے کہا کہ: اس کو میرے پاس لے آؤ، وہ لے آئے۔ (نقلِ کفر کفر نہ باشد) رات کو ہمبستری ہوئی، اُس سے وہ حاملہ ہوئی، اُس کی نسل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جب حاملہ ہوئی تو نہایت پریشان ہوئی کہ: جب میرا شوہر جہاد کے لیے گیا تھا تو میرا حمل نہ تھا اور جب وہ آئے گا اور میرا حمل دیکھ لے گا تو کیا ہوگا؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: فکر مت کرو۔ اُمیر و بادشاہ تو مَیں ہوں، اُس کو ایسی جگہ جنگ کے لیے بھیجوں گا کہ وہ واپس بھی نہ آسکے۔ اَلْعَیَاذُ بِاللهِ ثُمَّ الْعَیَاذُ بِاللهِ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس سات سو (۷۰۰) بیویاں اور تین سو (۳۰۰) لونڈیاں بھی ہوں اور پڑوسیوں سے یہ کام کرتے ہوں؟!! یہ نبی کی شان کے لائق نہیں ہے۔ یہ مَردود تفسیر ہے لیکن اِس کو اہلِ تفسیر نے اِس لیے نقل کیا ہے تاکہ لوگوں کو یہ علم ہو کہ اِس قسم کی خرافات بھی ہیں۔

② مرجوح تفسیر یہ ہے کہ: حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک عورت دیکھی، اُس کے حسن و جمال کو دیکھ کر یہ خیال آیا کہ: اگر یہ میری بیویوں میں شامل ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا؟ تو صرف یہ خیال آیا کوئی فعل نہیں کیا۔ لیکن یہ تفسیر بھی مرجوح ہے کیوں کہ پیغمبر کے ذہن میں ایسا خیال آنا بھی مُحال ہے۔

③ مقبول تفسیر یہ ہے کہ: "مستدرک حاکم" میں روایت ہے وَسَنَدُہٗ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: حضرت داؤد علیہ السلام نے تین (۳) دن کی باری رکھی تھی: ایک دن دربار اور فصلِ خصومات کا، ایک دن اپنے اہل و عیال کے پاس رہنے کا، ایک دن خالص اللہ کی عبادت کا۔ اُس دن خلوت میں رہتے تھے اور اپنے گھر کا اِنتظام بھی بنالیا تھا کہ: فلاں گھنٹے میں فلاں بیوی عبادت کرے گی اور فلاں میں فلاں اور اپنے لیے سحری کا وقت مقرر کیا تھا۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنے اِس حسنِ تدبیر پر اَنَانِیَّت محسوس ہوئی کہ: چوبیس (۲۴) گھنٹے کا وقت کا کتنے اچھے طریقے سے اِنتظام کیا؟!! یہ چوں کہ اللہ تعالیٰ کو گوارا نہ تھا اِس لیے اُس عبادت کے دن دربان کسی کو آنے نہ دیتا تھا، عبادت میں مشغول تھے کہ ناگاہ کئی شخص دیوار پھاند کر اُن کے پاس آکھڑے ہوئے، حضرت داؤد علیہ السلام باوجود اپنی قوت و شوکت کے یہ ناگہانی ماجرا دیکھ کر گھبرا اُٹھے کہ یہ آدمی ہیں یا کوئی اور مخلوق ہے؟ آدمی ہیں تو بے وقت آنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ دربانوں نے کیوں نہیں رُوکا؟ اگر دروازے سے نہیں آئے تو اِتنی اُونچی دیواروں کو پھاندنے کی کیا سبیل کی ہوگی؟ خدا جانے ایسے غیر معمولی طور پر کس نیت اور کس غرض سے آئے ہیں؟ غرض اَچانک یہ عجیب و مہیب واقعہ دیکھ کر خیال دوسری طرف گیا اور عبادت میں جس یکسوئی کے ساتھ مشغول تھے قائم نہ رہ سکی۔ یہ اپنے حسنِ تدبیر پر اَنَانِیَّت کا نتیجہ تھا۔

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۴﴾:

حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ گئے کہ: ہم نے اُن کو آزمائش میں ڈالا۔ اپنی عبادت پر جو غرور تھا، عین اُن کی عبادت کے موقع پر عبادت ذہن سے نکل گئی۔ یہ تفسیر راجح، مقبول ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۷﴾:

ربط: اَبھی آپ نے یَوْمُ الْحِسَابِ کا لفظ پڑھا، درمیان میں اُسی یَوْمُ الْحِسَابِ کے بارے میں بیان فرمایا کہ: یہ آسمان و زمین وغیرہ ہم نے ویسے نہیں بنائے بل کہ یہ ایک مدرسہ ہے، اِس کا ایک نصابِ تعلیم ہے، بعد میں اِمتحان ہوگا۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۸﴾:

یعنی ہمارے عدل و حکمت کا اِقتضاء یہ نہیں کہ نیک ایمان دار بندوں کو شریروں اور مفسدوں کے برابر کردیں، اِسی لیے ضروری ہوا کہ: کوئی وقت حساب و کتاب اور جزا و سزا کا رکھا جائے۔ لیکن دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ: بہت سے نیک اور ایمان دار آدمی قسم قسم کے مصائب و آفات میں مبتلا رہتے ہیں اور کتنے ہی بدمعاش بے جا مزے اُڑاتے ہیں۔ مثلاً: ہمارا یہ ایمان و عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نیکی کا صلہ دُنیا میں نہیں ملا اور ایسے بہت سے مجرم ہیں جن کو

اپنے جرم کی سزا نہیں ملی، تو اگر قیامت قائم نہ ہو تو محسن اور مجرم کا کیا پتہ چلے گا؟ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ: موت کے بعد دوسری زندگی کی جو مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے عین مقتضائے حکمت ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

لفظِ کِتَاب مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اَیْ هٰذَا كِتٰبٌ۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ:

ربط: اُوپر يَوْمَ الْحِسَابِ ۝ کا ذکر کیا، کتاب کا ذکر کیا جس میں یَوْمُ الْحِسَاب کا ذکر تھا، پھر آگے حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر شروع کیا۔

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ:

"تفسیر ابن جریر طبری، روح المعانی، ابن کثیر، خازن" وغیرہ وغیرہ سب تفسیروں میں آپ کو دو (۲) تفسیریں ملیں گی، دونوں تفسیریں صحیح ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے جہاد کی خاطر گھوڑے رکھے تھے۔ ایک دن خیال ہوا کہ مَیں اُن گھوڑوں کا معائنہ کرلوں کہ: آیا! خادم اُن کو کھلاتے، پلاتے بھی ہیں یا ویسے ہی باندھے ہوئے ہیں؟ سرکاری طور پر آئے تو گھوڑے بہت زیادہ تھے، دیکھتے دیکھتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ اُن کی عصر کی نماز قضاء ہوگئی۔ تو فرمانے لگے کہ: میری عصر کی نماز قضا ہونے کا سبب گھوڑے بنے ہیں۔ اُس زمانے میں گھوڑے کی قربانی بھی دُرست تھی تو سب کو ذبح کردیا کیوں کہ یہ رب کی یاد سے رُکاوٹ کا ذریعہ بنے ہیں۔

اِس میں پھر آگے روایتیں چلتی ہیں کہ: اُن کے لیے سورج لوٹا، یہ ہوا وہ ہوا۔ لیکن! صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ: صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے سورج روکا گیا تھا۔ باقی یہ جو آتا ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عصر کی نماز فوت ہوئی تھی تو اُن کے لیے سورج لوٹایا گیا۔ اِس میں خاصہ کلام ہے، اِمام طحاوی رحمہ اللہ "مشکل الآثار" میں، قاضی عیاض رحمہ اللہ "الشفاء" میں اِس کی تصحیح کرتے ہیں، جب کہ دیگر حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن قیم رحمہ اللہ، اِمام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ اِس روایت کو جعلی قرار دیتے ہیں۔ "دل کا سرور" نامی کتاب میں ہم نے باحوالہ طویل بحث کردی ہے، طبع شدہ کتاب۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو پہلے دُور سے دیکھا، پھر فرمانے لگے کہ: اُن کو پھر لوٹاؤ! مَیں ہاتھ لگا کر دیکھنا چاہتا ہوں۔ پھر ہاتھ لگا کر پنڈلیاں دیکھیں، گردنیں دیکھیں، اَچھی طرح سے دیکھا۔ پھر فرمایا: مجھے اِن گھوڑوں سے جو محبت ہے عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ اَيْ لِاَجْلِ ذِكْرِ رَبِّيْ یعنی عَنْ تعلیلیہ ہے اس لیے کہ یہ آلہ جہاد ہیں۔ اِس تفسیر میں نہ ذبح کرنے کا ذکر ہے، نہ سورج کے ڈوبنے کا ذکر ہے۔

صٰفِنٰت، صَافِنَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "ایسا گھوڑا جس کے تین (۳) پاؤں زمین پر لگے ہوں اور چوتھے پاؤں کا کنارہ لگا ہو یعنی اَصیل اور شائستہ"۔

جِيَاد، جَوَادٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "تیز رفتار"۔

حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ:

اگر پہلی تفسیر لی جائے تو تَوَارَتْ کی ضمیر شَمْس یعنی سورج کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ سورج پردے میں غائب ہوگیا۔ اگر دوسری تفسیر لی جائے تو تَوَارَتْ کی ضمیر اَلصّٰفِنٰتُ الْجِيَاد کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: گھوڑے پہلے دُور سے دیکھے پھر پردے کے اَندر اُصطبل میں داخل ہوگئے۔ پھر فرمانے لگے کہ: اُن کو میرے پاس واپس لوٹاؤ اور لگ پڑے اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں چھونیں۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰي كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ:

اِس آیت کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر جو کہ مرجوح بل کہ متروک ہے وہ یہ ہے کہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کی کئی بیویاں تھیں، ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کسی کام کے لیے گئے اور اپنی اَنگشتری اپنی ایک بیوی جس کا نام امینہ رحمہا اللہ تھا کو دی اور آپ علیہ السلام کی حکومت چوں کہ اَنگشتری کے زور سے چلتی تھی، ایک جن صخر نامی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل میں اُس کے پاس آکر اَنگشتری مانگنے لگا، اُس نے دے دی، وہ اَنگشتری لے کر گیا، حکومت خراب ہوگئی۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام آئے اَنگشتری مانگی تو اُس بیوی نے کہا کہ: مَیں نے آپ کو دی ہے۔ پس! وہ جن جا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر

---

❶ (سورۂ ص، ۲۶)

بیٹھ گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہٹانے لگا۔ اِسی کو یہاں جَسَدًا (دھڑ) سے تعبیر کیا ہے۔ چالیس (۴۰) دن تک اُس نے حکومت کی، پھر اُس پر رُعب پڑ گیا، اُس نے وہ اَنگشتری سمندر میں ڈال دی، وہ مچھلی نے کھالی، مچھلی بازار میں فروخت ہوئی حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملی تو اُس کے پیٹ میں سے اَنگشتری مل گئی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كُلُّهُمْ مِنَ الْخُرَافَاتِ، تو یہ تفسیر مَرجوح بل کہ متروک ہے۔

② دوسری تفسیر جو راجح ہے وہ یہ ہے کہ: ایک موقع پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ: فلاں مقام پر جنگ کے لیے جاؤ! وہ نہیں گئے کہ وہاں تو گرمی ہے، فلاں، فلاں وغیرہ۔ تو حدیث صحیح میں آتا ہے کہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے قسم کھائی اور کہا کہ: تم لوگوں کی کیا ضرورت؟ مَیں آج اپنی تمام عورتوں کے پاس جاؤں گا جو تعداد میں ستر (۷۰) یا نوے (۹۰) یا سو (۱۰۰) کے قریب تھیں اور ہر ایک عورت ایک بچہ جنے گی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ فرشتہ نے القاء کیا کہ: اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کہہ لیجیے مگر باوجود دل میں موجود ہونے کے زبان سے نہ کہا۔ خدا کا کرنا تھا کہ: اُس مباشرت کے نتیجے میں ایک عورت نے بھی بچہ نہ جنا، صرف ایک عورت سے اَدھورا بچہ پیدا ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ: دایہ نے وہی اَدھورا بچہ اُن کے تخت پر لا کر ڈال دیا کہ: لو! یہ تمہاری قَسم کا نتیجہ ہے۔ اِسی کو یہاں جَسَدًا (دھڑ) سے تعبیر کیا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رُجوع کیا اور اِنْ شَآءَ اللّٰهُ نہ کہنے پر اِستغفار کیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ: اگر وہ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کہہ دیتے تو بے شک! اللہ ویسا ہی کر دیتا جو اُن کی تمنا تھی۔ یہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے، یہ تفسیر راجح ہے۔

وَاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝:

اَصْفَاد، صَفَدٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "زنجیر"۔ ہاتھ میں ہوں تو ہتھکڑیاں کہا جاتا ہے اور پاؤں میں ہوں تو بیڑیاں کہا جاتا ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ... الاٰية ۝:

حضرت ایوب بن عیص علیہ السلام کا مفصل واقعہ گزر رہا ہے۔ آپ کو تفسیروں میں تین (۳) چیزیں ملیں گی جو حضرت ایوب علیہ السلام کی اِس حالت اور بیماری کا سبب بنیں:

① اللہ تعالیٰ نے بڑا مال دیا، اُس پر ناز کیا، اِس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو آزمائش میں ڈالا۔

② اُنہوں نے بکری ذبح کر لی، اپنوں کو کھلائی اور پڑوس میں لوگ بھوکے رہ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈالا۔

③ ایک دفعہ وہ کسی کام کے واسطے تیزی سے جا رہے تھے اور ایک مظلوم کے پاس سے گذر ہوا، اُس نے مدد طلب کی، حضرت ایوب علیہ السلام نے اُس کی طرف نہ دیکھا اِس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو اِمتحان و اِبتلاء میں ڈالا۔

نوٹ: یہ بات یاد رکھیں کہ!! جو اَفسانے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے متعلق بیان کیے گئے ہیں اُن میں مبالغہ بہت ہے، ایسا مَرض جو عام طور پر لوگوں کے حق میں تنفر اور استقذار کا موجب ہو انبیاء کرام علیہم السلام کی وجاہت کے منافی ہے۔ لہٰذا اُسی قدر بیان قبول کرنا چاہیے جو منصبِ نبوت کے منافی نہ ہو۔

هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ ... الاٰية ۝:

مُغْتَسَلٌ کے معنی ہیں: "غسل کا پانی"۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ... الاٰية ۝:

رحمت بنت فراشین بی بی حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ تھیں۔ شَفَى الطَّبِيْبُ الْمَرِيْضَ والی بات پہلے گزری ہے۔ اُس کی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام نے جو قَسم کھائی تھی اُس کا ذکر ہے۔

حیلہ کہاں جائز ہے کہاں جائز نہیں؟ "خزائن السنن" میں ہم نے بیان کیا ہے کہ: جس حیلہ سے کسی حکم شرعی یا مقصدِ دینی کا اِبطال ہوتا ہو وہ جائز نہیں۔ جیسے: اِسقاطِ زکوٰۃ وغیرہ کے حیلے لوگوں نے نکالے ہیں، ہاں! جو حیلہ حکم شرعی کو باطل نہ کرے بل کہ کسی معروف کا ذریعہ بنتا ہو اُس کی اِجازت ہے۔

اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝:

اِس کا مطلب یہ ہے کہ: عمل یا معرفت والے جو ہاتھ پاؤں سے بندگی کرتے ہیں اور آنکھوں سے خدا کی قدرتیں دیکھ کر یقین و بصیرت زیادہ کرتے ہیں۔

اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝:

ذِكْرَى الدَّارِ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اَيْ هِيَ ذِكْرَى الدَّارِ۔

لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ۝:

مُصْطَفَیْنَ یہ اسمِ مفعول جمع کا صیغہ ہے تثنیہ کا نہ سمجھنا اَصل میں مُصْطَفَیُوْنَ تھا۔

وَ کُلٌّ مِّنَ الْاَخْیَارِ ۝:

اَخْیَار، خَیْرٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "چُنے ہوئے"۔

وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۝:

"جلالین" میں سُوْرَۃُ النَّبَاء کی آیت وَ کَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۝ ❶ کی تفسیر میں آپ کو ملے گا کہ: لفظِ اَتْرَاب، تِرْبٌ کی جمع ہے بِکَسْرِ التَّاء وَسُکُوْنِ الرَّاء۔

هٰذَا ۔۔۔ الآیۃ:

سوال یہ هٰذَا کیا ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: هٰذَا مبتداء ہے اور اِس کی خبر محذوف ہے۔ اَیْ هٰذَا الْمَذْکُوْرُ اور اِس کا قرینہ یہ وَاِنَّ لِلطّٰغِیْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝ ❷ ہے۔

② هٰذَا فعل محذوف کا فاعل ہے۔ اَیْ حَقًّا هٰذَا، جَآءَ هٰذَا۔

③ "تفسیر جمل، کمالین" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: هٰذَا فعل محذوف کا مفعول ہے۔ اَیْ خُذْ هٰذَا۔

فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ۝:

غَسَّاقٌ کہا جاتا ہے: جب زخم کو دھویا جائے تو اُس سے جو گندہ پانی نکلتا ہے یعنی زخموں کا گندہ پانی پیپ وغیرہ مُراد ہے۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

مُقْتَحِمٌ کا معنی ہے: "داخل ہونے والی ہے"۔

وَ قَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا ۔۔۔ الآیۃ:

دُوزخ میں کچھ لوگ جو جل رہے ہوں گے وہ کہیں گے کہ: ہمیں کیا ہوا کہ ہم اُن لوگوں کو جن سے ہم دُنیا میں مسخرے کرتے تھے نہیں دیکھتے؟!! مثلاً: مَیں سمجھانے کے لیے کہتا ہوں کہ: ہمارے تبلیغی حضرات سے اہلِ بدعت مسخرے کرتے ہیں، تو ایسے اہلِ اللہ جن کے ساتھ لوگوں نے مسخرہ کیا ہے وہ ہمیں یہاں نظر نہیں آتے۔

کُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝:

اَشْرَار، شَرِیْرٌ کی جمع ہے۔

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِیًّا ۔۔۔ الآیۃ:

اَتَّخَذْنٰهُمْ اَصل میں اَاِتَّخَذْنٰهُمْ تھا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: پہلے پیغمبروں کا ذکر تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، وغیرہ تو اب فرماتے ہیں کہ: تو کہہ دے جیسے وہ مُنْذِر تھے مَیں بھی مُنْذِر ہوں، جیسے اُنہوں نے ڈرایا مَیں بھی ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

---

❶ (سُوْرَۃُ النَّبَاء ۳۳) ❷ (سُوْرَۃُ صٓ ۵۵)

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝ (۶۷):

سوال "هُوَ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب "تفسیر روح المعانی، کبیر، جمل، کمالین" وغیرہ میں اس کے مرجع کے متعلق تین (۳) اقوال ہیں:

① "هُوَ" ضمیر توحید کی طرف راجع ہے۔ جو کہ ماقبل میں مذکور ہے: وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ ❶

② "هُوَ" ضمیر يَوْمُ الْحِسَابِ کی طرف راجع ہے۔ جو کہ ماقبل میں مذکور ہے: هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ ❷

③ "هُوَ" ضمیر قرآن پاک کی طرف راجع ہے۔ جو کہ ماقبل میں مذکور ہے: هٰذَا ذِكْرٌ ۔۔۔ الآیۃ ❸

یہ سب حق ہیں، کسی کا کسی سے تعارض نہیں۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ (۶۹):

یہاں تفسیر "در منثور، خازن" وغیرہ میں بڑی بحث ہے۔ اُس میں یہ روایت ہے کہ: ایک موقع پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ (اس میں اختلاف ہے کہ: کوئی شخص رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ جمہور اِس کے قائل ہیں کہ: دیکھ سکتا ہے۔) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فِيْ مَا يَخْتَصِمُ مَلَأُ الْاَعْلٰى ؟ یہ بالائی جماعت جو فرشتوں کی ہے کس بات میں اختلاف کرتے ہیں؟ مَیں نے کہا: مجھے علم نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ مبارک جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے وہ میری چھاتی پر رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ: بَيْنَ كَتِفَيَّ۔ میرے کندھوں کے بیچ میں رکھا۔ فَوَجَدْتُ بَرْدَهٗ بَيْنَ ثَدْيَيَّ۔ ہاتھ پیچھے رکھا اُس کی ٹھنڈک سینہ میں محسوس کی۔ پھر مَیں نے کہا: ہاں! اِن چیزوں میں جھگڑتے ہیں کہ: کیا چیز گناہوں کو معاف کرنے والی ہے؟ کثرت سے سجدوں کی طرف آنا، سلام کرنا، نیکی کا حکم کرنا۔

اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝ (۷۵):

اَسْتَكْبَرْتَ اَصل میں اَءَسْتَكْبَرْتَ تھا، هَمْزَہ کا اِستفہام باقی رہا اور نفسِ کلمہ کا هَمْزَہ گر گیا۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝ (۸۴):

سوال فَالْحَقُّ ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① ایک گروہ کہتا ہے کہ: یہ مبتداء ہے، اِس کی خبر محذوف ہے۔ اَیْ فَالْحَقُّ مِنِّيْ۔

② دوسرا گروہ کہتا ہے کہ: یہ خبر ہے، اِس کا مبتدا محذوف ہے۔ اَیْ اَنَا الْحَقُّ۔

سوال وَالْحَقَّ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب اَقُوْلُ فعل کے لیے مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

---

❶(سُوْرَةُ صٓ، ۶۵) ❷(سُوْرَةُ صٓ، ۵۳) ❸(سُوْرَةُ صٓ، ۴۹)

اٰيَاتُهَا (۷۵) — (۳۹) سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ (۵۹) — رُكُوعَاتُهَا (۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں قرآن پاک کا ذکر تھا: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (1) اِس سورت کی اِبتداء میں قرآن کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الزُّمَر ہے۔ زُمَر، زُمْرَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "طَآئِفَةٌ ایک طبقہ"۔ آگے سورۃ کے آخر میں آئے گا کہ: دوزخ کی طرف بھی لوگ گروہ در گروہ چلائے جائیں گے اور جنّت کی طرف بھی گروہ در گروہ چلائے جائیں گے۔

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ ﴿۲﴾:

دین کے معنی ہیں: "بندگی، عبادت، توحید"۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳﴾:

مَا نَعْبُدُهُمْ سے پہلے بعض قَالُوْا فعل محذوف نکالتے ہیں اور بعض يَقُوْلُوْنَ فعل محذوف نکالتے ہیں۔

یاد ہوگا! هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ (2) کی تفسیر میں بات عرض کی تھی کہ: ایسا تقرب، ایسا سفارشی بنانا بھی شرک ہے۔ کیوں؟ اِس لیے کہ: اُس کو حاضر ناظر سمجھنا پڑتا ہے، علم غیب کی صفت اُس کے لیے ماننی پڑتی ہے، تَصَرُّف فِي الْاُمُوْر کا اِعتقاد ہوتا ہے حال آں کہ وَاِعْتِقَادُ بِذٰلِكَ كُفْرٌ۔

یہی تو کفر ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی صفات غیر اللہ کو دے دیں۔ تو مَافَوْقَ الْاَسْبَاب سفارش یہ سب اِس میں داخل ہیں۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴﴾:

اگر بالفرض اللہ تعالیٰ چاہتا کہ اَولاد بنالے تو ایک کیا!!! اِتنے بنالیتا کہ زمین بھر جاتی۔ لیکن سُبْحٰنَهٗ وہ اِس سے بالکل پاک ہے، اُس کی شان کے لائق ہی نہیں ہے۔

يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵﴾:

يُكَوِّرُ کے دو (۲) معنی آپ کو تفسیروں میں ملیں گے:

① تَكْوِيْر کے معنی ہیں: "لپیٹنا، اڑھا دینا"۔ یہ معنی لیا جائے تو عَلٰی اپنے معنی میں ہے۔

② بعض يُكَوِّرُ کو يُوْلِجُ کے معنی میں لیتے ہیں تو پھر عَلٰی بمعنی فِيْ ہے۔

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶﴾:

اَنْزَلَ بمعنی خَلَقَ کے ہے۔ اَيْ خَلَقَ لَكُمْ۔

فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۔۔۔ الآیۃ:

"تین (۳) اندھیروں کے اندر":

① ظُلْمَةُ الْبَطْنِ، پیٹ کا اندھیرا۔

② ظُلْمَةُ الرِّحْم، ماں کے رحم کا اندھیرا۔

③ ظُلْمَةُ الْمَشِيْمَة جھلی کا اندھیرا۔ یعنی وہ جھلی جس کے اَندر بچہ ہوتا ہے وہ جھلی بچہ کے ساتھ نکلتی ہے۔

---

(1) (سُوْرَةُ صٓ، ۸۷) (2) (سُوْرَةُ يُوْنُس، ۱۸)

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ۔۔۔ الآية ﴿٨﴾:

مَسَّ الْاِنْسَانَ اَیِ الْاِنْسَانَ الْكَافِرَ۔

ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ ۔۔۔ الآية:

خَوَّلَ، يُخَوِّلُ، تَخْوِيْلًا بابِ تَفْعِيْل ہے۔ اَیْ اَعْطٰی یعنی اِنسان کی حالت عجیب ہے کہ: مصیبت پڑنے پر تو ہمیں یاد کرتا ہے، پھر جہاں اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ذرا آرام اور اِطمینان نصیب ہوا تو وہ پہلی حالت کو بھول جاتا ہے جس کے لیے اُبھی اُبھی ہم کو پکار رہا تھا۔ عیش وتنعم کے نشہ میں ایسا مست وغافل ہو جاتا ہے کہ: گویا کبھی ہم سے واسطہ ہی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسرے جھوٹے یا مَن گھڑت خداؤں کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے۔ مثلاً: اگر مقدمہ میں پھنس جاتا ہے تو اللہ کو پکارتا ہے اور جب اُس سے چھٹکارا حاصل ہو تو کہتا ہے کہ: میرا وکیل بڑا ماہر وکیل تھا۔ یا مَرَض میں مبتلا ہو کر ہم کو پکارتا ہے لیکن جب صحت ملتی ہے تو ڈاکٹر کی تعریف شروع کرتا ہے اور جب کوئی مَرتا ہے تو کہتے ہیں کہ: خدا کو ایسا منظور تھا۔ تو اِنسان کمزور پہلو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے اور قوی پہلو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا ۔۔۔ الآية ﴿٩﴾:

سوال هَمْزَه اِستفہام کا عدیل کیا ہے؟

جواب علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كَمَنْ هُوَ عَاصٍ بِالْكُفْرِ۔ عدیل محذوف ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۔۔۔ الآية ﴿١٠﴾:

ربط: اُوپر فرمایا کہ: قَانِت اور نافرمان برابر نہیں ہیں، اب اُن ہی اللہ کے بندوں کے متعلق ہے کہ: "تُو کہہ دے یٰعِبَادِ اے میرے بندو!"۔

اَحمد رضا خان کا باطل عقیدہ: یہاں سے اَحمد رضا خان نے یہ باطل عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ: "اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! تُو کہہ دے اے میرے بندو!"۔ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ: "تُو کہہ دے اے میرے بندو!"۔ تو "عبدالرسول" نام ہو، "عبدالنبی" نام ہو، "عبدالمصطفیٰ" نام ہو تو یہ جائز ہے۔

جواب اِس کے متعلق دو (۲) باتیں عرض کرتا ہوں:

① پہلی بات تو یہ ہے کہ: اُس کا یہ کہنا قطعاً باطل ہے، یہاں تو اللہ تعالیٰ اِعلان کرواتے ہیں کہ: "تُو میرے بندوں سے کہہ دے: يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا"۔ دلیل، قرینہ کیا ہے؟ یہ اُبھی آپ اِس رکوع میں پڑہیں گے: يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝ ● اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو۔ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۔۔۔ الآية ● اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ تو اِس رکوع میں دو، تین (۲، ۳) دفع یہ لفظ آتا ہے جس میں صرف رب کے بندے ہیں، تو یہاں بھی رب کے بندے ہیں۔

② دوسری بات یہ ہے کہ: آپ تیسرے پارے میں پڑھ چکے ہیں کہ: کسی بشر کو یہ حق نہیں جس کو اللہ نے کتاب دی ہو، حکمت دی ہو، نبوّت دی ہو کہ: وہ لوگوں کو یہ کہہ دے کہ میرے بندے بن جاؤ۔ پس! جب کسی بشر کو یہ حق نہیں تو آپ کیسے کہتے ہیں کہ: رسول کے بندے ہیں؟!!

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۝ ﴿١٤﴾:

سوال یہاں جملہ اسمیہ لائے قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ۔ اَعْبُدُ اللّٰهَ جملہ فعلیہ ذکر نہیں فرمایا اِس کی کیا وجہ ہے؟

جواب یہاں جملہ اسمیہ لائے قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ۔ اَعْبُدُ اللّٰهَ جملہ فعلیہ ذکر نہیں کیا یہ حصر کی وجہ سے ہے۔ معنیٰ ہیں: "تُو کہہ دے مَیں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں"۔

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۔۔۔ الآية ﴿١٥﴾:

یہاں اَمْرْ تَهْدِيْد اور تَوْبِيْخ کے لیے ہے تکذیب کے لیے نہیں یعنی تم کو اِختیار ہے جس کی چاہو پوجا کرو لیکن اِتنا سوچ لینا کہ: وہاں اَنجام کیا ہوگا؟

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۔۔۔ الآية ﴿١٦﴾:

"اُن کے اُوپر آگ کے سائے ہوں گے اور نیچے بھی سائے ہوں گے"۔

● ● (سُوْرَةُ الزُّمَر، ١٦)

اِشکال: اشکال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ: سائے تو اُوپر سے ہوتے ہیں نیچے سے نہیں ہوتے تو مِنْ تَحْتِهِمْ سے کیا مُراد ہے؟

جواب: "تفسیر جمل، کمالین" وغیرہ تفسیروں میں اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① یہ مشاکلت کی وجہ سے ہے۔ جیسے: وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ ۔۔۔ الآیۃ ❶ کہ سَيِّئَةٌ کا بدلہ سَيِّئَةٌ ہوگا۔ اِسی طرح یہاں ہے کہ اُوپر والا ذکر کیا تو نیچے والا بھی ذکر کیا۔

② جہنّم کے اُوپر اور نیچے بہت درجے ہیں۔ تو یہاں مطلب یہ ہے کہ: اُوپر درجے والوں کے پاؤں کے نیچے جو آگ ہوگی وہ نیچے درجے والوں کے لیے سایہ ہوں گے۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ۝ (۱۹):

ربط: پہلے عذاب کا بیان تھا، آگے عذاب والوں کا بیان ہے۔

اب یہاں دیکھیں! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "جس پر عذاب کا فیصلہ لازم ہو چکا ہو تو کیا تُو دوزخ والوں کو چھڑا سکتا ہے"؟ یہ باطل قسم کے لوگ شعر پڑھتے ہیں۔

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد   محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

جواب اُن کے اِس نظریہ کی تردید قرآن کریم اور مختلف واقعات سے ہوتی ہے:

① قرآن کریم کی اِس آیت کو دیکھیں! اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ۝ ❷ خدا کا پکڑا ہوا ہے اُس کے بارے آپ ﷺ کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "جس پر عذاب کا فیصلہ لازم ہو چکا ہو تو کیا تُو دوزخ والوں کو چھڑا سکتا ہے"؟ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نہیں چھڑا سکتے۔

② اِسی رئیس المنافقین عبد اللہ ابن ابی کو آپ ﷺ نے اپنی قمیص کفن کے لیے دی، بدن پر لعابِ دہن ملا، نماز جنازہ پڑھائی، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ ❸

یہاں بھی دیکھیں خدا نے پکڑا آپ ﷺ نہیں چھڑا سکے۔

③ اِسی طرح آپ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے لیے اِنتہائی کوشش کی کہ کلمہ پڑھ لیں، لیکن اُنہوں نے کلمہ نہیں پڑھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ❹ یہاں بھی دیکھیں خدا نے پکڑا آپ ﷺ نہیں چھڑا سکے۔

فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ (۲۱):

يَنَابِيْعَ، يَنْبُوْعٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "چشمے"۔

ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ۔۔۔ الآیۃ:

يَهِيْجُ اَىْ يَيْبَسُ۔ یعنی عقل مند آدمی کھیتی کا حال دیکھ کر نصیحت حاصل کرتا ہے کہ: جس طرح اس کی رونق اور سرسبزی چند روزہ تھی پھر چورا چورا کیا گیا یہی حال دُنیا کی چہل پہل کا ہوگا، چاہیے کہ آدمی اِس کی عارضی بہار پر مفتون ہو کر انجام سے غافل نہ ہو جائے، جیسے کھیتی مختلف اَجزاء سے مرکب ہے، مثلاً: اُس میں دانہ ہے جو آدمیوں کی غذا بنتا ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کا چارہ بنتا ہے اور ہر ایک جزء سے منتفع ہونا بدوں اِس کے ممکن نہیں کہ دوسرے اَجزاء سے اُس کو اَلگ کریں اور اپنے اپنے ٹھکانہ پر پہنچائیں، اِسی طرح دُنیا کو سمجھ لو کہ: اِس میں نیکی بدی، راحت تکلیف وغیرہ سب ملی جُلی ہیں، ایک وقت آئے گا کہ: یہ کھیتی کٹ جائے گی اور خوب چورا چورا کی جائے گی، پھر اِس میں سے ہر ایک جزء کو اُس کے مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے گا، نیکی اور راحت اپنے مرکز و مستقر پر پہنچ جائیں گے اور بدی یا تکلیف اپنے خزانہ میں جا ملے گی۔ غرض کھیتی کے مختلف اَحوال دیکھ کر عقل مند لوگ بہت مفید سبق حاصل کر سکتے ہیں، نیز مضمونِ آیت میں اِدھر بھی اِشارہ ہو گیا کہ: جس خدا نے آسمانی بارش سے زمین میں چشمے جاری کر دیے وہی جنّت کے محلات میں نہایت قرینہ کے ساتھ نہروں کا سلسلہ جاری کر دے گا۔

❶ (سُوْرَةُ الشُّوْرٰى، ۴۰) ❷ (سُوْرَةُ الزُّمَر، ۱۹) ❸ (سُوْرَةُ التَّوْبَة، ۸۴) ❹ (سُوْرَةُ الْقَصَص، ۵۶)

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔۔۔ الآیۃ (۲۲):

ربط: اوپر دو (۲) طبقوں کا ذکر تھا: ایک اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ۔۔۔ الآیۃ ❶ یعنی کافروں کا ذکر تھا اور دوسرے لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ۔۔۔ الآیۃ ❷ میں مؤمنوں کا ذکر تھا۔ آگے بھی اِن دونوں طبقوں کا ذکر ہے۔ ایک وہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا ہے، اپنے رب کی طرف سے وہ نور پر ہے۔

سوال اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ میں هَمْزَہ اِستفہام کا عدیل کیا ہے؟

جواب هَمْزَہ اِستفہام کا عدیل محذوف ہے۔ لیکن وہ ہے کیا؟ اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ نے یہ بیان کیا ہے: اَیْ كَمَنْ طُبِعَ عَلٰی قَلْبِهٖ۔ هَمْزَہ اِستفہام کا عدیل ہے۔

② دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ: كَمَنْ قَسِیَ قَلْبُهٗ، هَمْزَہ اِستفہام کا عدیل محذوف ہے، اور قرینہ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔۔۔ الآیۃ ❸ ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا۔۔۔ الآیۃ (۲۳):

ربط: اِبتداء میں کتاب کا ذکر تھا، آگے اُس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں۔

یہ کتاب اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ ہر لحاظ سے ہے، معنی کے لحاظ سے ہے، مفہوم کے لحاظ سے ہے، لفظ کے لحاظ سے ہے اور دُنیا میں کوئی بات اِس کتاب کی باتوں سے بہتر نہیں۔

مُتَشَابِهًا مَّثَانِيَ۔۔۔ الآیۃ:

یہاں مُتَشَابِہ کا وہ معنی نہیں جو آپ نے تیسرے پارے میں پڑھا: وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ۔۔۔ الآیۃ ❹ کہ "جن کا معنی نہ سمجھ آئے" بل کہ مُتَشَابِہ کا یہ معنی ہے کہ: يَشْبَهُهٗ بَعْضُهٗ بَعْضًا۔ اِس کے مضمون ایک دوسرے کے مشابہ ہیں تائید میں۔

مَثَانِي، مَثْنٰی کی جمع ہے۔ معنی ہے: "دہرائی جاتی ہے، پڑھی جاتی ہے"۔ جتنا قرآن پڑھا جاتا ہے، دُنیا میں کوئی اور کتاب نہیں پڑھی جاتی۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔۔۔ الآیۃ (۲۴):

یہاں دو (۲) باتیں سمجھیں:

① **پہلی بات:** هَمْزَہ اِستفہام کا عدیل کیا ہے؟

هَمْزَہ اِستفہام کا عدیل محذوف ہے۔ اَیْ كَمَنْ اٰمَنَ مِنْهُ۔

② **دوسری بات:** آیت کی تفسیر کیا ہے؟

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: ایک وہ شخص ہے کہ: قیامت کے دن اپنے چہرے کے ذریعے برے عذاب سے بچنے کی کوشش کرے گا، اُس کا چہرہ پہلے دوزخ میں ہوگا۔ جیسا کہ اِرشاد ہے: اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖ۔۔۔ الآیۃ ❺ پس! جب چہرہ پر عذاب آئے گا تو کہے گا کہ: میرا باقی جسم بچ جائے تو اچھا ہے حال آں کہ چہرہ بڑا قیمتی ہے۔ لیکن وہ عذاب سے بچے گا نہیں۔

② دوسری تفسیر یہ کہ: یہاں دُنیا میں ایک وہ شخص ہے جو اپنے چہرے کو قیامت کے دن کے برے عذاب سے بچاتا ہے یعنی ایمان لاتا ہے، اَعمالِ صالحہ کرتا ہے۔ پس! کیا یہ شخص یعنی مؤمن اور دوسرا وہ شخص جو یہاں دُنیا میں اَمن سے ہے یعنی کافر برابر ہو سکتے ہیں؟

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔۔۔ الآیۃ (۲۵):

یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ الزُّمَر، ۱۹) ❷ (سُوْرَۃُ الزُّمَر، ۲۰) ❸ (سُوْرَۃُ الزُّمَر، ۲۲) ❹ (سُوْرَۃُ آلِ عِمْرٰن، ۷) ❺ (سُوْرَۃُ الْمُلْك، ۲۲)

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝:

يَتَّقُوْنَ اَيْ يَتَّقُوْنَ الشِّرْكَ، يَتَّقُوْنَ الْكُفْرَ، يَتَّقُوْنَ النَّكَالَ، يَتَّقُوْنَ الْعَذَابَ۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۔۔۔الآیۃ:

کئی حصہ دار ہیں جو ایک غلام یا نوکر میں شریک ہیں، یعنی غلام ایک ہے اور آقا اُس کے کئی ہیں۔ مثلاً: چار (۴) یا پانچ (۵) ہیں، آپس میں سخت ضدی ہیں۔ ہر ایک چاہتا ہے کہ: غلام تنہا اُس کے کام میں لگا رہے، دوسرے شرکاء اِس سے سروکار نہ رکھیں۔ مثلاً: ایک کہتا ہے کہ: میرے کپڑے دھولو، دوسرا کہتا ہے کہ: پانی لاؤ، تیسرا کہتا ہے کہ: بازار سے سودا لاؤ، چوتھا کہتا ہے کہ: میرا بدن دباؤ، پانچواں کہتا ہے کہ: بازار سے نسوار لاؤ، تو اس کھینچا تانی میں ظاہر ہے غلام سخت پریشان اور پراگندہ دل ہوگا، وہ بہ یک وقت کیا کرے گا؟ برخلاف اِس کے جو غلام پورا کسی ایک کا ہو، اُسے ایک طرح کی یکسوئی اور طمانینت حاصل ہوگی اور کئی آقاؤں کے خوش رکھنے کی کشمکش میں گرفتار نہ ہوگا اور آقا جو بھی حکم کرتا ہے وہ اپنے وقت پر ہی کر لیتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ: یہ دونوں غلام برابر نہیں ہو سکتے۔

پہلی مثال مشرک کی ہے اور دوسری مثال موحد کی ہے۔ پس! اِسی طرح مشرک اور موحّد کو سمجھ لو، مشرک کا دل کئی طرف بٹا ہوا ہے، کبھی وہ اجمیر شریف جاتا ہے، کبھی بابا صاحب اور کبھی کاکا صاحب، کوئی بھی اُس کی حاجت پوری نہیں کر سکتا، اور کتنے ہی جھوٹے معبودوں کو خوش رکھنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اِس کے برخلاف موحد کی کل توجہات وخیالات کا ایک مرکز ہے، وہ پوری دلجمعی کے ساتھ اُس کے خوش رکھنے کی فکر میں ہے اور سمجھتا ہے کہ: اُس کی خوشنودی کے بعد کسی کی خوشنودی کی ضرورت نہیں۔

مُتَشٰكِسُوْنَ کے دو (۲) معنی کرتے ہیں:

① اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اَلتَّشَكُّسُ اَلرَّجُلُ الَّذِيْ لَا يَرْضٰى بِالْاِنْصَافِ۔ "جو انصاف پر راضی نہ ہو"۔

② شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ معنی کرتے ہیں: "ضدی، ایک دوسرے کے مخالف"۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ۔۔۔الآیۃ:

ربط: پہلے آپ نے مشرک اور موحّد کی مثال پڑھی کہ: ایک موحّد ہے اور ایک مشرک ہے۔ آگے اُس مشرک کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: مشرک سے بڑھ کر کون برا ہے؟ اُس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ بولا بِنِسْبَةِ شَرِيْكِهٖ اِلَيْهِ یعنی اللہ کا شریک بنایا۔

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝:

ربط: اُوپر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تھا کہ: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ [1] اب یہاں وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ ۔۔۔الآیۃ [2] سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مُراد ہے۔

وَصَدَّقَ بِهٖ کی تفسیر میں بڑا کچھ لکھا ہے:

① اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مُراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وَصَدَّقَ بِهٖ سے مُراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ "جو ذات سچائی لائی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جس نے سچائی کی تصدیق کی یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ"۔ اِس صورت میں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ میں جمع کی ضمیر جمع تعظیمی ہے۔

② دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ: وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مُراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وَصَدَّقَ بِهٖ سے مُراد سارے مؤمنین ہیں تو پھر مفرد بمعنی جمع ہے اور قرینہ اِس کا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ہے۔

(حضرت شیخ صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے) حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: مَیں کہتا ہوں کہ دونوں تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مُراد ہوں تو بھی صحیح ہے اور اگر مؤمنین مُراد ہوں تو بھی صحیح ہے۔

---

[1] (سُوْرَۃُ الزُّمَر ۳۰) [2] (سُوْرَۃُ الزُّمَر ۳۳)

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○:

اِشکال: اَسْوَءَ اور اَحْسَنَ اِسمِ تفضیل ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ: بہت بُرے جو اَعمال ہوں اللہ اُن سے مٹا دے گا اور جو بہت بُرے نہ ہوں وہ چھوڑ دے گا، اور جو بہت اَچھے اَعمال ہیں اُس کی جزا دے گا اور جو بہت اَچھے نہ ہوں اُس کی جزا نہ دے گا؟

جواب: "جلالین" تک میں ملے گا کہ: اَسْوَءَ بمعنی سَآءَ اور اَحْسَنَ بمعنی حَسُنَ ہے یعنی فعل کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: اللہ متقین ومحسنین کو اُن کے بہتر کاموں کا بدلہ دے گا اور غلطی سے جو بُرا کام ہوگیا ہو معاف کرے گا، تو شاید یہاں اَسْوَءَ اور اَحْسَنَ صیغہ اِسمِ تفضیل اس لیے اِختیار فرمایا کہ: بڑے درجہ والوں کی اَدنیٰ بھلائی اوروں کی بھلائیوں سے اور اَدنیٰ بُرائی اوروں کی بُرائیوں سے بھاری سمجھی جاتی ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۔۔۔ الآية:

یہاں سے اُن لوگوں کا رَد ہے جو آنحضرت ﷺ کو ڈراتے تھے کہ: دیکھو اتم تو اَکیلے ہو، تمہارے ساتھی کم ہیں، ہمارے اِلٰھوں کی تم تردید کرتے ہو، یہ ہمارے الٰہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے، ہم تیری خیرخواہی کے جذبے سے کہتے ہیں کہ: اس کو چھوڑ دو۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: اِن کی باتوں سے آپ (ﷺ) متأثر نہ ہوں، اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۔۔۔ الآية کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۔۔۔ الآية:

یعنی ایک طرف تو خداوند قدوس جو خود تمہارے اِقرار کے موافق تمام زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور دوسری طرف پتھر کی بے جان مورتیاں یا عاجز مخلوق جو سب مل کر بھی خدا کی بھیجی ہوئی اَدنیٰ سے اَدنیٰ تکلیف وراحت کو اُس کی جگہ سے نہ ہٹا سکے یعنی یہ جھگڑا کیوں کر رہے ہیں؟ یہ سبق تو تم دیتے ہو اور قائل ہو اُس کے جس کے ہم قائل ہیں، تو تم ہی بتاؤ! دونوں میں سے کس پر بھروسہ کیا جائے؟ اور کس کو مدد کے لیے کافی سمجھا جائے؟

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۔۔۔ الآية:

ربط: اُوپر قرآن پاک کا ذکر تھا، آگے بھی قرآن پاک کا ذکر ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔۔۔ الآية:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کا خالق پروردگار ہے اور نفع وضرر کا مالک بھی پروردگار ہے۔ آگے یہ بیان فرماتے ہیں کہ: جان دینے والا بھی پروردگار ہے اور رُوح نکالنے والا بھی پروردگار ہے۔

يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ یہ نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقی ہے اور مَلَكُ الْمَوْتِ کی طرف نسبت مجازی ہے کیوں کہ وہ جانیں کھینچ لینے پر موکل ہے۔

"تفسیر معالم التنزیل، خازن، دُرِّ منثور" وغیرہ وغیرہ تفسیروں میں یہاں دو (۲) باتیں لکھی ہیں:

① آدمی کے بدن میں دو (۲) رُوحیں ہوتی ہیں، ایک نیند کے وقت نکل جاتی جب کہ دوسری رہتی ہے اور موت کے وقت وہ دوسری رُوح بھی نکل جاتی ہے۔

② آدمی کے بدن کے اَندر رُوح تو ایک ہی ہے لیکن اُس بدن سے تعلق دگنا ہے:

① ایک تعلق یہ ہے کہ: نیند کی حالت میں نبض بھی چلے گی، اُس میں سانس بھی آئے گا، کھانا بھی ہضم ہوگا، ناخن بھی بڑھیں گے، بال بھی بڑھیں گے لیکن چوں کہ نیند کی غفلت ہے تو وہ بے داری کی طرح ہوش نہیں ہوگا۔

② دوسرا تعلق یہ ہے کہ: موت کے وقت اِس رُوح کو ایسے کھینچ لیا جاتا ہے کہ اُس میں یہ تعلقات جو زندگی میں تھے نہیں رہتے، نہ نبض چلتی ہے، نہ سانس لیتا ہے، نہ کھانا ہضم ہوتا ہے، نہ ناخن بڑھیں گے، نہ مونچھیں بڑھیں گی، نہ بال بڑھیں گے، کچھ بھی نہیں ہوگا۔

غلط فہمی کا اِزالہ: یہاں لوگ اِس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ: اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مَرنے کے بعد حیات نہیں ہوگی۔

● (سُوْرَةُ الزُّمَر: ۳۶)

دلیل: فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ۔۔۔الاٰیۃ ① اُن رُوحوں کو رُوک لیتا ہے جن پر موت کا فیصلہ کرتا ہے۔ پس! جب رُوح رُوک لی گئی تو حیات تو نہ ہوئی۔ معلوم ہوا کہ: اَرواح کا اَبدان سے کوئی تعلق نہیں ہے، جزا سزا سب رُوح سے متعلق ہے۔

جواب یہ سُوْرَۃُ الزُّمَر مکی ہے، سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ مدنی ہے، سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن بھی مدنی ہے۔ اگر آیتِ کریمہ کا یہ مطلب ہوتا کہ: "رُوحوں کو روک لیا جاتا ہے اور حیات حاصل نہیں ہوتی" تو آپ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ۔۔۔الاٰیۃ ② سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن میں بھی آپ پڑھ چکے ہیں: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ۔۔۔الاٰیۃ ③ اگر فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ۔۔۔الاٰیۃ ④ اِس آیت کا یہ مطلب ہوتا کہ: اِس سے حیات کی نفی ہے تو اِس سُوْرَۃُ الزُّمَر کے بعد جو سورتیں اُتریں ہیں اُن میں بَلْ اَحْیَآءٌ۔۔۔الاٰیۃ ⑤ کیوں ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ: "وہاں اَحْیَآءٌ سے روح مُراد ہے یا جسد مثالی مُراد ہے"۔ تو یہ کہنا غلط ہے کیوں کہ آیت میں حکم ہے کہ: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ۔۔۔الاٰیۃ ⑥ جس کو قتل کیا جاتا ہے اُس کو تم مُردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں، قتل رُوح کو نہیں کیا جاتا، جسد مثالی کو قتل نہیں کیا جاتا بل کہ جسد عنصری کو قتل کیا جاتا ہے۔ تو نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ: شہداء کی حیات اِن اَبدان کے ساتھ ہے، ہاں! وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ ⑦ ہمارے شعور سے بالاتر ہے۔ پس! یہ معنی کرنا کہ: "مَرنے کے بعد عذاب رُوح کو ہوتا ہے" یہ اِن نصوص کے بھی خلاف ہے، اَحادیثِ متواترہ کے بھی خلاف ہے اور اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فتوے کے بھی خلاف ہے۔ اِمام صاحب رحمہ اللہ "فقہ اکبر" میں لکھتے ہیں کہ: وَاِعَادَۃُ الرُّوْحِ اِلَی الْعَبْدِ فِیْ قَبْرِہٖ حَقٌّ۔

باقی رہی بات فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ۔۔۔الاٰیۃ ⑧ اِس آیت کی، تو سوال یہ ہے کہ: کس چیز کو روکتے ہیں؟ مَیں نے "تسکین الصدور" نامی کتاب میں "تحفۂ اثنا عشریہ" کے حوالے سے مبسوط بحث کی ہے کہ: یہ اِمْسَاك اِس چیز کا ہے کہ: "بدن کی نشونما ہو"۔ موت کے بعد گو بدن محفوظ ہے، لیکن بعض کے تو نہیں ہوتے؟ تو جن کے محفوظ ہیں اُن کے اَبدان میں نشونما نہیں ہوتی، وہ جتنے تھے اُس سے بڑھتے نہیں، اُس میں تنویہ اور تقفیہ جو ظاہری طور پر ہوتا ہے کہ: بال بڑھ جائیں، ناخن بڑھ جائیں وغیرہ ایسا نہیں۔ اگر ایسی کوئی بات خلافِ عادت نظر آئے تو وہ اُن کی کرامت ہوتی ہے۔ تو یہ اِمساک تنویہ وتقفیہ کے لحاظ سے ہے نہ کہ حیات کے لحاظ سے، حیات تو قطعی دلیلوں سے ثابت ہے۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ ۚ۔۔۔الاٰیۃ ﴿۴۵﴾:

اِشْمَاَزَّتْ اَیْ اِنْقَبَضَتْ۔ سکڑتے ہیں، منقبض ہوتے ہیں اُن کے دل جو آخرت پر اِیمان نہیں لائے۔

مشرکین کا یہ ایک طریقہ اور خاصہ ہے کہ: بعض وقت زبان سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت کا اِعتراف کرتے ہیں لیکن اُن کا دل اَکیلے خدا کے ذکر اور حمد وثنا سے خوش نہیں ہوتا، ہاں! دوسرے دیوتاؤں یا جھوٹے معبودوں کی تعریف کی جائے تو مارے خوشی کے اُچھلنے لگتے ہیں، جس کے آثار اُن کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ اَفسوس ہے کہ! یہ حال آج بہت سے نام نہاد مسلمانوں کا دیکھا جاتا ہے کہ خدائے واحد کی قدرت وعظمت اور اُس کے علم کی لامحدود وسعت کا بیان ہو تو چہروں پر اِنقباض کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، مگر کسی پیر فقیر کا ذکر آ جائے اور جھوٹی سچی کرامات بیان کر دی جائیں تو چہرے کِھل پڑتے ہیں اور دلوں میں جذبات مسرّت واِنبساط جوش مارنے لگتے ہیں بل کہ بسا اَوقات توحید خالص کا بیان کرنے والا اُن کے نزدیک منکرِ اولیاء سمجھا جاتا ہے۔ آپ تجربہ کریں قرآن پڑھائیں تو ایسے لوگ منقبض ہوں گے اور موحّدین خوش ہوں گے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔الاٰیۃ ﴿۴۶﴾:

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ اَیْ یَا فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ۔۔۔الاٰیۃ ﴿۴۷﴾:

ربط: اُوپر یَوْمُ الْاٰخِرَۃ کا ذکر تھا، آگے فرماتے ہیں کہ: وہ بہت بڑا دن ہے۔ پس! اگر اُن کافروں کو قیامت کے دن سارے خزانے مل جائیں اور اُتنے اور بھی مل جائیں تو عذاب سے بچنے کے لیے وہ فدیہ کے طور پر دے دیں گے۔

---

①④⑧ (سُوْرَۃُ الزُّمَر ۴۲) ②⑥⑦ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ ۱۵۴) ③ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن ۱۶۹) ⑤ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ ۱۵۴)(سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن ۱۶۹)

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۔۔۔ الآیۃ (۴۸):

یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَیْ وَبَدَا لَهُمْ جَزَآءُ سَيِّئَاتِ۔

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝:

جس عذاب کا مذاق اُڑایا کرتے تھے وہ اُن پر اُلٹ پڑے گا۔ جیسے کہ وہ کہتے تھے کہ: جہنم میں شَجَر کیسا ہوگا؟ غِسْلِیْن کیسا ہوگا؟ سانپ کیسا ہوگا؟ وغیرہ، آج تو یہ استہزاء کرتے ہیں لیکن کل پتہ چل جائے گا۔

بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۴۹):

سوال "هِيَ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "هِيَ" ضمیر نعمت کی طرف راجع ہے۔ یعنی وہ نعمت اُس کے لیے فتنہ ہے۔

② "هِيَ" ضمیر مبہم ہے لفظ فِتْنَة اُس کی تفسیر ہے۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ (۵۰):

قَدْ قَالَهَا اَیِ الْمَقُوْلَةَ، اَلْكَلِمَةَ۔ یہ کلمہ، یہ بات پہلے لوگوں نے بھی کی تھی۔ مثلاً: قارون وغیرہ۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۔۔۔ الآیۃ (۵۱):

یہاں مضاف محذوف ہے۔ سَيِّاٰتُ اَیْ جَزَآءُ سَيِّئَاتِ مَا كَسَبُوْا۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ (۵۳):

ربط: پہلے نافرمانوں کا ذکر بھی تھا، فرماں برداروں کا ذکر بھی تھا، اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: میری طرف سے میرے بندوں کو کہہ دو! جنھوں نے اِسراف کیا اپنے نفوس پر اللہ کی رحمت سے نا اُمید مت ہو۔ آیت اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْن کی رحمتِ بے پایاں اور عفو و درگزر کی شانِ عظیم کا اِعلان کرتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۔۔۔ الآیۃ:

غلط فہمی کا ازالہ: یہاں عوام تو کیا بعض خواص بھی ایک غلط فہمی کا شکار ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ: توبہ سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

جواب اِس میں تفصیل ہے! گناہ دو (۲) قسم کے ہیں:

① **پہلی قسم:** وہ گناہ جن کی قضاء لازم نہیں ہے۔ مثلاً: شراب پی لی، زنا کر لیا وغیرہ تو یہ ایسے گناہ ہیں اِن میں سچے دل سے توبہ کرے گا تو معاف ہوجائیں گے۔

② **دوسری قسم:** وہ گناہ جن کی قضاء لازم ہے۔ مثلاً: نماز چھوٹی ہے، روزے چھوٹے ہیں وغیرہ۔ تو آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ: نمازوں کی قضاء اور روزوں کی ادائیگی کے بغیر محض توبہ سے معاف نہیں ہوں گے۔

"مدارج السالکین لابن قیم، درمختار، ردالمحتار، نبراس الساری، بیضاوی" وغیرہ میں اِس کی تصریح موجود ہے کہ: اگر بالغ ہونے کے بعد نماز رہتی ہے تو اُس کی قضاء ضروری ہے، روزہ رہتا ہے اُس کی قضاء ضروری ہے۔ اگر محض توبہ سے معاف ہوجاتے تو محدثین کرام کو، فقہاء کرام کو "باب قضاء الفوائت" قائم کرنے کی ضرورت نہ تھی، یہ کہہ دیتے کہ: پہلے کے لیے توبہ کرلو اور آئندہ کے لیے قضاء نہ کرنا۔ قطعاً آئمہ اربعہ میں کوئی اِس کا قائل نہیں ہے۔

مسئلہ مثلاً: آپ کے ذمے فجر کی پچاس (۵۰) نمازیں ہیں، جب تک تعین نہ کریں وہ اَدا نہیں ہوسکتیں۔ تعین کی دو (۲) صورتیں ہیں:

① ایک صورت یہ ہے کہ: میرے ذمے جو پچاس (۵۰) نمازیں ہیں اُن میں پہلی نماز، یا اُن میں آخری نماز وغیرہ اَدا کرتا ہوں تو اُس وقت اَدا ہوسکتی ہے۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ: یوں کہنا کہ: مَیں اُن پچاس (۵۰) نمازوں میں سے ایک پڑھتا ہوں تو اَدا نہیں ہوسکتی، قطعاً؟ اَدا نہیں ہوسکتی۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔۔۔ الآية ﴿۵۵﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں آپ کو ملیں گی:

① اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کتابیں اُتریں اُن تمام میں قرآن کریم اَحسن ہے۔

② جو اَحکام رب کی طرف سے نازل کیے گئے ہیں اُن میں سے اَحسن کی پیروی کرو، یعنی ترغیب ہے کہ: عزیمت کو اِختیار کرو، رخصت کی طرف مت آؤ۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآية ﴿۵۶﴾:

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ کی تین (۳) ترکیبیں ہیں:

① کوفیین کہتے ہیں: لِاَنْ لَّا تَقُوْلَ۔

② بصریین کہتے ہیں: كَرَاهِيَةَ اَنْ تَقُوْلَ۔

③ علامہ اندلسی رحمہ اللہ، علامہ محلی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بَادِرُوْا قَبْلَ اَنْ تَقُوْلَ النَّفْسُ۔ اُس نیکی کی طرف مبادرت کرو، جلدی کرو قبل اِس کے کوئی نفس یہ کہے۔

فَرَّطَ، يُفَرِّطُ، تَفْرِيْطًا بابِ تَفْعِيْل سے ہے۔ معنی ہیں: "کمی"۔ اَفْرَطَ، يُفْرِطُ، اِفْرَاطًا بابِ اِفْعَال سے ہو تو معنی ہیں: "زیادتی"۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۔۔۔ الآية ﴿۶۰﴾:

ربط: پہلے قیامت کا ذکر تھا، اب جو مکذّب ہیں اُن کا حشر بیان فرماتے ہیں۔

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۔۔۔ الآية ﴿۶۱﴾:

اِتَّقَوا الشِّرْكَ، اِتَّقَوا الْكُفْرَ، اِتَّقَوا الْمَعَاصِيَ۔

مَفَازَة کے متعلق دو (۲) اَقوال ہیں:

① یہ ظرفِ مکان ہے۔ بِمَكَانِ فَوْزِهِمْ۔ ② یہ مصدر میمی ہے۔ بِفَوْزِهِمْ۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ الآية ﴿۶۳﴾:

لفظِ مَقَالِيْد کے آپ کو تین (۳) مفرد ملیں گے:

① لفظِ مَقَالِيْدُ، مِقْلِيْدٌ کی جمع ہے۔ ② لفظِ مَقَالِيْدُ، مِقْلَادٌ کی جمع ہے۔ ③ لفظِ مَقَالِيْدُ، اِقْلِيْدٌ کی جمع ہے۔

یہ سب اِسمِ آلہ کے صیغے ہیں۔ معنی ہیں: "چابیاں"۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾:

ربط: اُوپر کافروں کا ذکر تھا وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآية [1]، آگے اُن کافروں کے ایک منصوبہ کا ذکر ہے کہ: کافر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ: صلح صفائی سے رہنا بڑی اَچھی بات ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے معبود کی عبادت کریں، ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معبود کی عبادت کریں گے۔ اُن کی اِس بات کا یہاں سے جواب دیا ہے۔

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ۔۔۔ الآية ﴿۶۵﴾:

اگر تُو بھی شرک کرے تو تیرے اَعمال اَکارت ہو جائیں گے۔

اِشکال: عَمَلُكَ کا معنی: "سب اَعمال" کیوں کیا؟ حال آں کہ یہ لفظ تو مفرد ہے؟

جواب: لفظ مفرد ہو، خالی عَنِ التَّاء ہو، مضاف ہو تو جمع کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے: خَالُكَ، عَمُّكَ۔

---

[1] (سُوْرَةُ الزُّمَر، ۶۳)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۸﴾:

اِس سے نَفخۂ اُولیٰ مُراد ہے۔

وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۔۔۔الآیۃ:

سوال مَنْ شَآءَ اللّٰهُ میں کون داخل ہیں؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① اس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام، اِسرافیل علیہ السلام اور عزرائیل علیہ السلام مُراد ہیں۔

② اِس سے شہداء مُراد ہیں۔ ③ اِس سے حوریں مُراد ہیں۔

فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ:

قِیَام مصدر ہے اور قَآئِمِیْن کے معنی میں ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ ۔۔۔الآیۃ ﴿۶۹﴾:

اَلِف لَام جنس کے لیے ہے۔ سب کے اَعمال نامے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔

وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ ۔۔۔الآیۃ:

جِايْٓءَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے بروزنِ بِیْعَ، جَآءَ، یَجِیْئُ باب ضَرَبَ، یَضْرِبُ سے ہے۔ پس! انبیاءِ کرام علیہم السلام اور دوسرے گواہ دربار میں حاضر ہوں گے۔

سوال شُهَدَآء سے کون مُراد ہیں؟

جواب شُهَدَآء سے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے علاوہ فرشتے، اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگ اور اِنسان کے اعضاء ہاتھ، پاؤں وغیرہ سب مُراد ہو سکتے ہیں۔ کسی کا کسی سے تعارض نہیں۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۷۱﴾:

ربط: اُوپر قیامت کا ذکر تھا اب قیامت میں اُصولی دو (۲) گروہ ہوں گے:

① ایک مؤمنین۔ ② دوسرے کافر۔

سِیْقَ بروزنِ بِیْعَ، سَاقَ، یَسُوْقُ باب نَصَرَ، یَنْصُرُ سے ہے، وَاوُ حرفِ عطف ہے، اَصل کلمہ میں سے نہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا ۔۔۔الآیۃ:

جب جہنّم کے پاس جائیں گے تو دروازے کھولے جائیں گے کیوں کہ جہنّم قید خانہ ہے اُس کے دروازے بند ہوتے ہیں، جب قیدی اُس میں داخل کیا جاتا ہے تو پھر بند کر دیا جاتا ہے۔

قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ ۔۔۔الآیۃ:

خَزَنَۃُ، خَازِنٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "دربان"۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۷۳﴾:

یعنی گروہ در گروہ، نمازیوں کا ایک گروہ ہے، روزہ داروں کا ایک گروہ ہے، یہ مثال کے طور پر ہے۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ایمان وتقویٰ کے مدارج چوں کہ متفاوت ہیں اِس لیے ہر درجہ کے مؤمنین ومتقین کی جماعت اَلگ اَلگ ہوگی اور اُن سب جماعتوں کو نہایت شوق دلا کر جلدی جلدی جنّت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔

حَتّٰٓى إِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا ۔۔۔ الآیۃ:

جنّت مہمان خانہ ہے تو اِس لیے پہلے سے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے۔

وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿٧٤﴾:

یعنی جنّت کی زمین کا وارث بنا دیا، سُوْرَۃُ الْأَنْبِيَآء میں جو زمین مذکور تھی وہ یہی تھی۔

آیَاتُھَا (۸۵) (۴۰) سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنِ مَکِّیَّۃٌ (۶۰) رُکُوْعَاتُھَا (۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: "تفسیر ابو سعود، سبق الغایات فی نسق الآیات، کبیر" وغیرہ تفسیروں میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں تھا کہ: کافر جہنم میں جائیں گے اور مؤمن جنّت میں جائیں گے، وہاں آخرت کی ناکامی اور کامیابی کا ذکر تھا، اس سورۃ میں یہ بتانا ہے کہ: کافر دُنیا میں بھی عذاب کا شکار ہوں گے اور مؤمن جو ہیں اُن کے لیے دُنیا میں رب کے فرشتے دُعائیں کرتے ہیں۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْمُؤْمِن ہے۔ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔۔۔ الآیۃ ● میں رَجُلِ مُؤْمِن کا ذکر آرہا ہے اُسی کے نام پر سورۃ کا نام ہے۔

حٰمٓ ۞ ❶:

حَا سے مُراد: حَمِیْدٌ، مِیْم سے مُراد: مَجِیْدٌ۔

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ۔۔۔ الآیۃ ❷❸:

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مبتداء ہے اور مِنَ اللّٰہِ خبر ہے۔

اِشکال: لفظِ "اَللّٰہ" عَلَم ہے، عَلَم معرفہ ہوتا ہے، لفظِ اَلْعَزِیْز بھی مُعَرَّف بِاَلّام ہے، معرفہ ہے اور لفظِ اَلْعَلِیْم بھی مُعَرَّف بِاَلّام ہے، معرفہ ہے اِن کا تو لفظِ "اَللّٰہ" کی صفت بنتا تو ٹھیک ہے لیکن غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ کا صفت بنا ٹھیک نہیں ہے کیوں کہ لفظِ غَافِرِ اور قَابِلِ اِسمِ فاعل ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ: "مشتق کی اِضافت تعریف کا فائدہ نہیں دیتی"۔ تو لفظِ "اَللّٰہ" جو کہ موصوف ہے وہ معرفہ ہے اور غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ نکرہ ہے تو نکرہ معرفہ کی صفت کیسے بنا؟

جواب: مشتق کی اِضافت جب عَلَی الْاِسْتِمْرَار اور عَلَی الدَّوَام ہو تو وہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے اور لفظی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مضاف سے تنوین گر جاتا ہے۔ یہاں غَافِرِ الذَّنْۢب کا معنی ہے: "اللہ گناہ کو ہمیشہ دوام کے ساتھ بخشتا ہے"، اِسی طرح قَابِلِ التَّوْب کا معنی ہے: "اللہ ہمیشہ دوام کے ساتھ توبہ کو قبول کرتا ہے"۔

اِشکال: لفظِ "شَدِیْد" صفت مشبہ ہے، صفت مشبہ میں دوام کا فائدہ بھی ہو، اِستمرار کا فائدہ بھی ہو تو بھی تعریف کا فائدہ نہیں دیتا بل کہ نکرہ ہی رہتا ہے۔

لفظِ شَدِیْد بروزنِ فَعِیْل صفتِ مشبہ ہے، اِس میں دوام اور اِستمرار کا معنی ہو بھی تب بھی یہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتا بل کہ نکرہ ہی ہے رہتا ہے تو اِس کا لفظِ "اَللّٰہ" جو کہ نکرہ ہے اُس کی صفت بننا کیسے صحیح ہوگا؟

جواب: لفظِ "شَدِیْد" جو کہ صفت مشبہ ہے یہاں فاعل مُشَدِّدٌ کے معنی میں ہے۔ جیسے: عَظِیْمٌ، مُعَظِّمٌ کے معنی میں ہے۔ پس! جب لفظِ شَدِیْد فاعل کے معنی میں ہے تو اِس میں دوام اور اِستمرار ہوگا اور یہ تعریف کا فائدہ دے گا۔ لہٰذا اِس کا لفظِ "اَللّٰہ" کی صفت بننا دُرست ہے۔

ذِی الطَّوْلِ۔۔۔ الآیۃ:

طَوْل کے دو (۲) معنی ہیں: ① اِنعام و احسان۔ ② قدرت والا، طاقت والا۔

کَذَّبَتْ قَبْلَھُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِھِمْ۔۔۔ الآیۃ ❺:

یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ: پہلے لوگوں نے بھی اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پریشان نہ ہوں۔

● (سُوْرَۃُ الْمُؤْمِن: ۲۸)

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ ﴿۵﴾:

لفظ عِقَاب اَصل میں عِقَابِی تھا یاء تخفیفاً گر گئی۔

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۶﴾:

اَیْ كَمَا حَقَّ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ كَذٰلِكَ حَقَّتْ۔

وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ ﴿۷﴾:

وَقٰى، يَقِيْ سے قِ اَمر کا صیغہ ہے اور وَاؤ حرفِ عطف ہے۔

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۹﴾:

سَیِّاٰت کے معنی ہیں: "پریشانیاں، مصائب"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۱۰﴾:

ربط: پہلے کفار کی دُنیاوی سزا کا ذکر تھا اب آگے اُن کی اُخروی سزا کا بیان ہے۔

قیامت کا دن ہوگا، کافر اپنی جان پر بڑے سخت ناراض ہوں گے۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں: وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ ۔۔۔ الاٰیۃ ❶ ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کر کھائے گا۔ تو اِس سے زیادہ بدن سے ناراضگی اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہ واسطہ فرشتوں کے پکارا جائے گا، فرشتے کہیں گے کہ: لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۔۔۔ الاٰیۃ ❷ آج تمہیں جتنی ناراضگی اپنے اَبدان سے ہے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اِس سے بہت زیادہ ہے، اِس لیے کہ تمہیں دُنیا میں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تم اِنکار کرتے تھے۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۱۱﴾:

"تفسیر کبیر، روح المعانی، ابوسعود، مدارک" وغیرہ تمام تفاسیر میں ہے کہ: پہلے پارہ کے تیسرے رُکوع میں ہے: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ❸ کہ ماں کے پیٹ میں شکل بن گئی نَر یا مادہ کی (مذکر یا مؤنث) رُوح نہ تھی تو اَموات ہیں۔ پھر ماں کے پیٹ ہی میں رُوح ڈالی گئی، پھر زندگی دی گئی، پھر اُس کے بعد موت ہوگی اور اُس کے بعد پھر حیات ہوگی۔

تو اِس میں دو (۲) حیات اور دو (۲) ممات ہیں۔

وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۱۳﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① بارش کے لیے رزق کا لفظ بولا گیا کیوں کہ بارش سببِ رزق ہے۔ تو مجاز کے علاقوں میں سے ایک علاقہ یہ ہے کہ: سبب بول کر مسبب مُراد لیا جائے۔

② مطلب یہ ہے کہ: اُوپر سے حکم اُتارتا ہے اور تم کو رزق ملتا ہے۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۱۵﴾:

اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① لازمی معنی ہیں: "اللہ تعالیٰ بلند درجوں والا ہے"۔

② متعدی معنی ہیں: "وہ مؤمنوں کے درجوں کو بلند کرنے والا ہے"۔

يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۔۔۔ الاٰیۃ:

رُوح سے مُراد وحی ہے اور وحی کو رُوح اِس لیے کہتے ہیں کیوں کہ جیسے رُوح سے جاندار جسموں کی حیات ہوتی ہے اِسی طرح وحی سے قلوب کی حیات ہوتی ہے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْفُرْقَان، ۲۷) ❷ (سُوْرَۃُ الْمُؤْمِن، ۱۰) ❸ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۲۸)

لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝:

تَلَاق بابِ تَفَاعُل سے ہے۔ معنی ہیں: "ملاقات"۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ (۱۶):

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا کہ: "ملک آج کس کا ہے"؟ دُنیا میں کہتے تھے نا! میری سلطنت، میری بادشاہی۔ اب بتاؤ! کس کا ملک ہے؟ کوئی جواب نہیں دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آئے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ (۱)

② یہ بھی آپ کو تفسیروں میں ملے گا کہ: جس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ۔۔۔ الآیۃ (۲) تو تمام مخلوق جواب دے گی: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ (۳)

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ۔۔۔ الآیۃ (۱۸):

ربط: اُوپر چوں کہ قیامت کا ذکر تھا اِس لیے آگے اُسی کا ذکر ہے۔

اٰزِفَة بابِ سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے، یہ عموماً صفاتِ غالبہ میں سے ہے یعنی صفت بنتا ہے اور موصوف اِس کا مذکور نہیں ہوتا أی اَلسَّاعَةِ الْاٰزِفَةِ یعنی وہ گھڑی جو نزدیک آنے والی ہے۔ جیسے: اَزِفَ الرَّحِيْلُ اِذَا قَرُبَ تو یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ۔۔۔ الآیۃ:

حَنَاجِر، حَنْجَرَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "ہنسلی کی ہڈی"۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ۔۔۔ الآیۃ (۲۱):

ربط: اُوپر آخرت کے عذاب کا بیان تھا، آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: یہ لوگ چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ اِن سے پہلوں کا کیا انجام ہوا؟ کیا اُن پر عذاب نہیں آیا؟ اپنے مال پر گھمنڈ کرتے ہو؟!!

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝:

مِنَ اللّٰهِ أی مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ، مِنْ بَأْسِ اللّٰهِ۔

وَاقٍ اِسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ وَقٰى، يَقِيْ، وِقَايَةً۔ معنی ہیں: "بچانا"۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۲۳):

اب یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذرا بسط سے بیان فرما رہے ہیں۔

فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ (۲۴):

ترکیب: لفظِ سٰحِرٌ خبر ہے اِس کا مبتداء محذوف ہے۔ لیکن وہ مبتداء ہے کیا؟ تو بعض "هُوَ" نکالتے ہیں۔ أی هُوَ سٰحِرٌ كَذَّابٌ اور بعض "هٰذَا" نکالتے ہیں۔ أی هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ۔۔۔ الآیۃ (۲۶):

آپ سُوْرَةُ النَّمْل میں پڑھ چکے ہیں کہ: قارون، فرعون، ہامان اِن تمام کے دلوں میں یقین تھا کہ یہ معجزے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ۔۔۔ الآیۃ (۴) یعنی اُن کے دلوں میں یقین تھا کہ یہ معجزے ہیں۔ پھر انکار کیوں کیا؟ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا۔۔۔ الآیۃ (۵) اب دلوں میں تو یقین تھا کہ یہ معجزے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ لانے والے پیغمبر ہیں۔ اب فرعون براہ راست موسیٰ علیہ السلام پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا، لیکن تھا بڑا ہوشیار!! اب کسی کو یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ: قتل کر دو! کیوں کہ اُس کو تو پتہ تھا کہ اگر اِس طرح کہوں گا کہ: قتل کر دو۔ تو یہ خدا کے پیغمبر ہیں، پیغمبر کو قتل کرنا آسان

(۱)(۲)(۳) (سُوْرَةُ الْمُؤْمِن، ۱۶) (۴)(۵) (سُوْرَةُ النَّمْل، ۱۴)

بات تو نہیں ہے۔ اگر قتل کر دیا تو فوراً عذاب میں مبتلاء ہو جاؤں گا، اسی طرح اگر کسی کو حکم دیا کہ: موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کرو اور اُس نے حکم کی تعمیل نہ کی تو میری خفت ہوگی، وہ کہہ گا: جی! میں نہیں قتل کر سکتا آپ خود قتل کر دیں۔ تو فرعون نے کہا کہ: "مجھے چھوڑو میں قتل کرتا ہوں"۔ لوگوں کو اُبھارنے کے لیے یہ چال چلی تا کہ وہ کہیں کہ: آپ تکلیف نہ کریں ہم کر دیتے ہیں۔ بڑا خبیث تھا، مَلْعُوْنُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ۝:

ہر ملک میں اُصولی طور پر دو (۲) ذہن ہوتے ہیں:

① ایک ہوتا ہے دینی ذہن، جو بھی اُن کا دین ہو۔ ② دوسرا ہوتا ہے سیاسی ذہن۔

فرعون نے اِن دونوں طبقوں کے جذبات کو اُبھارا۔ اِس طور پر کہ فرعون نے کہا کہ: میں موسیٰ (علیہ السلام) کو اِس لیے قتل کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے خوف ہے کہ: "تمہارے دین کو بدلے گا"۔ یہ کہہ کر دینی ذہنیت والے لوگوں کو ابھارا۔ پھر فرعون نے کہا کہ: "یہ زمین میں فساد برپا کرے گا"۔ یہ کہہ کر سیاسی لوگوں کو اُبھارا۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ...الآیۃ ﴿۲۸﴾:

ربط: جس وقت فرعون نے کہا کہ: میں موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کرتا ہوں۔ تو اُس کی کابینا میں اُس کا چچازاد بھائی بھی تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور فرماتے ہیں کہ: اُس کا نام حزقیل تھا۔ بعض نے شمعون اور بعض نے حبیب بھی نقل کیا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حزقیل نام تھا اِبْنُ عَمِّ فِرْعَوْن یہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا۔ اِس نے یہ خیال کیا کہ: میری موجودگی میں پیغمبر کے قتل کا منصوبہ پیش ہو رہا ہے، اگر میں خاموش رہتا ہوں تو قیامت کے دن کیا جواب دوں گا؟ اور اگر بولتا ہوں تو فرعون بڑا ظالم ہے؟ لیکن ایمان غالب آ گیا۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ۝ ﴿۳۰﴾:

یعنی جیسا اُن پر عذاب آیا تھا ویسا تم پر بھی آ سکتا ہے۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ۝ ﴿۳۲﴾:

تَنَاد کا معنی ہے: "پکار کا دن"۔

سوال پکار کا دن کون سا ہے؟

جواب اِس میں آپ کو مختلف تفسیریں ملیں گی:

① جب رب کا عذاب دُنیا میں آئے گا تو تم عذاب سے رہائی کے لیے دوسروں سے فریاد کرو گے کہ: مجھے بچاؤ۔ تو اُس دن سے تمہیں کون بچائے گا؟

② اُس دن جب مشرکین اپنے معبودوں کو پکاریں گے لیکن وہ اُن کی بات کو نہیں سنیں گے۔

③ جس وقت تمام جنّتی جنّت میں داخل ہو جائیں گے حتّٰی کہ آخری دوزخی بھی نکل آئے گا اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: یٰٓاَهْلَ الْجَنَّةِ آ و نظارہ دیکھو، یٰٓاَهْلَ النَّارِ آ و نظارہ دیکھو! پھر جنّت اور دوزخ کے درمیان موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔

یہ سب تفسیریں حق ہیں، کسی کا کسی سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ...الآیۃ ﴿۳۳﴾:

لفظِ تُوَلُّوْنَ کا مفعول وُجُوْهَكُمْ محذوف ہے کیوں کہ یہ فعلِ متعدی ہے۔ اَیْ تُوَلُّوْنَ وُجُوْهَكُمْ۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ...الآیۃ ﴿۳۴﴾:

سوال یہاں یوسف سے کون مُراد ہیں؟

جواب اِس میں اکثر حضرات کا اتفاق ہے کہ: یہاں یوسف سے حضرت یوسف علیہ السلام مُراد ہیں۔ لیکن کیا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک زندہ رہے؟

اِس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت یوسف علیہ السلام کو لمبی عمر دی گئی تھی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دَور تک زندہ رہے۔ تو یہ رَجُلِ مُؤْمِن کہتا ہے کہ: دیکھتے نہیں! حضرت یوسف علیہ السلام تمہارے پاس آئے، تو جَآءَ كُمْ میں كُمْ ضمیر سے خطاب حاضرین سے ہے۔

② امام رازی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ، اُندلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جَآءَ كُمْ کا مطلب یہ ہے کہ: تمہارے بڑوں کے پاس آئے۔ یہ قرآن میں کثیر الاستعمال ہے۔ مثلاً: وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى۔۔۔ الآية ❶ مَنّ اور سَلْوٰى اُن کے بڑوں پر اُترا تھا۔

حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا۔۔۔ الآية:

عربی میں لفظ هَلَكَ ہو، مَاتَ ہو، قَضٰى عَلَيْهِ ہو اِن تمام کے معنی ہیں: "دُنیا سے رُخصت ہونا"، یہ ہماری اِصطلاح میں ہے کہ کوئی حادثہ میں مَرجائے تو کہتے ہیں کہ: "ھلاک ہوگیا" لیکن عربی کی اِصطلاح میں ایسا نہیں ہے۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ:

مُسْرِفٌ نکرہ ہے اور مُرْتَابٌ بھی نکرہ ہے، نکرہ میں تعمیم ہوتی ہے اِس لیے اگلی آیت میں اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ۔۔۔ الآية ❷ اِس کی صفت بن سکتا ہے۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝:

سوال عربی کا قاعدہ ہے کہ: لفظِ كُلّ نکرہ کی طرف مضاف ہو تو عمومِ اَفراد کے لیے آتا ہے اور اگر معرفہ کی طرف مضاف ہو تو عمومِ اَجزاء کے لیے آتا ہے۔ یہاں لفظِ قَلْب نکرہ ہے اور لفظِ كُلّ اُس کی طرف مضاف ہے تو قاعدہ کے مطابق ترجمہ یہ ہے کہ: "مہر لگا دیتا ہے اللہ متکبر جبار کے سب دلوں پر" تو اِس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ: فاجر، جبار کے کئی دل ہوتے ہیں اور یہ صحیح نہیں کیوں کہ پہلے گزرا ہے کہ: مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ۔۔۔ الآية ❸؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ: یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَيْ عَلٰى كُلِّ ذِيْ قَلْبٍ۔

② دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ: نکرہ، معرفہ کے معنی میں ہے یعنی یہ تعمیم ضلال کی ہے قلوب کی تعمیم نہیں ہے۔ معنی ہیں: "دل کے تمام اَجزاء پر ضلال چھا گئی ہے"۔

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝:

تَبَّ، يَتِبُّ، تَبًّا۔ معنی ہیں: "ہلاکت"۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝:

رَجُلِ مُؤْمِن نے فرعون کا پیچھا نہ چھوڑا، جس سے معلوم ہوا کہ: باطل کی تردید "فرض کفایہ" ہے۔ فرعون نے کہا تھا کہ: قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝ ❹ میری بات مانو! مَیں بھلائی کے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہوں۔ رَجُلِ مُؤْمِن نے اُس کا جواب دیا کہ: اے میری قوم! میری بات مانو! بھلائی کا راستہ تو مَیں بتاتا ہوں۔

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ۔۔۔ الآية:

لفظِ مَتَاعٌ پر تنوین تقلیل کے لیے ہے۔ معنی ہیں: "تھوڑا سا سامان"۔

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝:

لوگوں نے فرعون کو خوش کرنے کے لیے اُس رَجُلِ مُؤْمِن کو اپنی طرف دعوت دی۔ تو رَجُلِ مُؤْمِن نے اُن کی اِس بات کا جواب دیا کہ: "اے میری قوم! مَیں تمہیں نجات کی دعوت دیتا ہوں تم مجھے نَار کی دعوت دیتے ہو"۔

❶ (سُوْرَةُ الْبَقَرَة، ۵۷) ❷ (سُوْرَةُ الْمُؤْمِن، ۳۵) ❸ (سُوْرَةُ الْاَحْزَاب، ۴) ❹ (سُوْرَةُ الْمُؤْمِن، ۲۹)

اَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ:

سوال لفظِ مَرَدّ کیا ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① لفظِ مَرَدّ مصدرِ میمی ہے۔معنیٰ ہے:"لوٹنا"۔

② لفظِ مَرَدّ ظرف کا صیغہ ہے۔معنیٰ ہے:"لوٹنے کی جگہ"۔

فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا۔۔۔الآیۃ:

یہاں تفسیروں میں بڑا کچھ لکھا ہے،"ساوی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ:رَجُلِ مُؤْمِن نکل کر پہاڑ کی طرف چلا گیا کیوں کہ فرعون نے حکم دیا تھا کہ:اِس کو قتل کردو۔ایک ہزار(۱۰۰۰) آدمی فرعون نے اُس کے پیچھے بھیجے کہ:جہاں ملے اُس کو قتل کردو۔یہ لوگ جب پہاڑ پر گئے تو شیر، چیتے ،جانور وغیرہ اُس کی حفاظت کررہے تھے۔جب قریب بڑھے تو شیر اور چیتوں نے بعض کو پھاڑا اور باقی وہاں سے بھاگ گئے۔جب وہ فرعون کے پاس آئے اور فرعون کو ساری بات بتائی،تو فرعون نے کہا کہ:تم نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی،اُن باقیوں کو تیر مار کر ختم کردیا۔

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۚ:

اب ایک اور بات سمجھیں:

سوال آلِ فرعون پر جو عذاب آیا یہ صرف رُوح پر آیا یا صرف جسم پر آیا یا رُوح وجسم دونوں پر آیا؟

جواب اَگلی آیت میں اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا۔۔۔الآیۃ❶ میں يُعْرَضُوْنَ کی ضمیر "آلِ فرعون" کی طرف راجع ہے۔معلوم ہوا کہ:عذاب جسم اور رُوح دونوں پر آیا۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ۔۔۔الآیۃ:

تمام متکلمین عذابِ قبر کے سلسلے میں اِس آیت سے بھی اِستدلال کرتے ہیں۔"شرح عقائد،شرح مقاصد،شرح مواقف،شرح عقائد جلالی،خیالی" وغیرہ تمام کتابوں میں ہے کہ:"فرعونیوں کو گھیرا بُرے عذاب میں"۔وہ عذاب کیا تھا؟ وہ آگے ذکر ہے کہ:"جس پر پیش کیئے جاتے ہیں صبح شام"۔اِسی کا نام ہے"عذابِ قبر"اِسی کا نام ہے"عذابِ برزخ"۔

اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝:

یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے۔اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرمائے گا کہ:"داخل کرو فرعونیوں کو سخت عذاب میں"۔

فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا۔۔۔الآیۃ:

تَبَعًا، تَابِعٌ کی جمع ہے۔معنیٰ ہیں:"پیروکار"۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔۔۔الآیۃ﴿٥١﴾:

ربط:اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بچایا،حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی بچایا اور رَجُلِ مُؤْمِن کو بھی بچایا۔آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:بے شک! ہم اپنے پیغمبروں اور مؤمنوں کی مدد کرتے ہیں۔

سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰت،آیت نمبر ایک سو بہتر(۱۷۲) کے تحت مَیں نے عرض کیا تھا کہ:اِس کی بحث آگے آئے گی۔بات توجہ سے سمجھنا!

"تفسیر ابن جریر طبری،ابن کثیر،البحر المحیط،قرطبی" وغیرہ تمام تفسیروں میں یہ سوال جواب موجود ہے اور تمام نے ابن جریر طبری سے نقل کیا ہے کیوں کہ وہ اَقدم ہیں،۳۱۰ھ میں اُن کی وفات ہوئی ہے اور باقی بعد کے مفسر ہیں سب نے اُنہی سے نقل کیا ہے۔قَالَ الطَّبْرِيُّ كَذَا، قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ كَذَا۔کوئی طبری کہہ دیتا ہے،کوئی ابن جریر کہہ دیتا ہے۔تو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بھی ابن جریر طبری کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔

---

❶(سُوْرَةُ الْمُؤْمِن:٤٦)

سوال رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۔۔۔ الآیۃ ❶ "ہم پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں اور مؤمنوں کی"۔ بہ ظاہر تو یہ واقعات کے خلاف ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کیا گیا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا گیا۔ اسی طرح آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ: وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۔۔۔ الآیۃ ❷، وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۔۔۔ الآیۃ ❸ اور یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک دن میں ترالیس (۴۳) انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کیا گیا۔ تو پیغمبر شہید بھی ہوئے اور اُن کی نُصرت بھی نہیں کی گئی۔ اِس کے علاوہ پیغمبروں نے ہجرت بھی کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر ہیں وہ ہجرت کر کے شام گئے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف چلے گئے۔ پس! جو غالب ہو وہ ہجرت تو نہیں کرتا، وہ قتل تو نہیں ہوتا؟!!

جواب اِس کے تین (۳) جواب ہیں، دو (۲) جواب علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے دیئے ہیں اور ایک مولانا سلام اللہ دھلوی رحمہ اللہ نے دیا ہے:

① رُسُلَنَا اگرچہ جمع کا صیغہ ہے لیکن یہاں اِس سے بعض رُسُل مُراد ہیں سب رُسُل مُراد نہیں ہیں۔ عربی میں اِس کی بہ کثرت مثالیں موجود ہیں کہ: لفظ جمع ہو لیکن اُس سے بعض مُراد ہو۔

مَیں اپنی طرف سے آپ کو سمجھانے کے لیے دو (۲) مثالیں عرض کرتا ہوں:

① پہلے پارہ کے گیارہویں رکوع میں ہے: وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۔۔۔ الآیۃ ❹۔ یہاں بِالرُّسُلِ جمع ہے اور یہاں سارے رُسُل مُراد نہیں کیوں کہ سب تو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نہیں، یہ جمع ہے لیکن مُراد بعض ہیں۔ تو یہ بات صحیح ہے کہ جمع بول کر بعض مُراد لیے جائیں۔

② دوسری بات اٹھارویں پارہ سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن کے پہلے رکوع میں ہے کہ: وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ❺ مَا مَلَکَتْ میں لفظِ مَا عام ہے جو کہ لونڈیوں اور غلاموں سب کو شامل ہے لیکن اِس سے مُراد بعض ہیں یعنی صرف لونڈیاں مُراد ہیں۔ تو اُن کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ذکر ہو عام کا اور مُراد خاص ہو۔

② لَنَنْصُرُ میں جو نصرت ہے بمعنی انتقام ہے یعنی اِس سے مُراد اِنتقام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: اگر اُن کو یہ تکالیف پہنچائی گئی ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن سے اپنے اولیاء کا اِنتقام لیے بدون نہیں چھوڑتا۔

③ صاحبِ کمالین مولانا سلام اللہ دھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِن رُسُل سے مُراد وہ ہیں جن کو جہاد کا حکم تھا اُن کی مدد کی اور جو شہید ہوئے اُن کو جہاد کا حکم نہیں تھا۔

وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۙ:

سوال اَشْهَادُ سے کون مُراد ہیں؟

جواب اَشْهَادُ سے "پیغمبر، فرشتے، مؤمنین، اپنے اعضاء" مُراد ہیں؟

وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۲﴾:

سوال یہ لَام کون سا ہے؟

اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں: ① یہ لَام بمعنی علیٰ کے ہے۔ ② یہ لَام تخصیص کے لیے ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۵﴾:

اِشکال: پیغمبر معصوم ہوتے ہیں، گناہ تو غیر معصوم سے ہوتے ہیں تو اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: "تفسیر روح المعانی، کبیر" وغیرہ میں اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطاب تَعْلِیْمًا لِلْاُمَّۃِ تھا۔

② پیغمبر سے کبیرہ گناہ بھی سرزد نہیں ہوتے اور صغیرہ بھی سرزد نہیں ہوتے بل کہ لغزش، اجتہادی غلطی یا زَلّت ہوتی ہے، چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بہت اُونچا ہے اِس لیے اُس لغزش اور زَلّت پر اِستغفار کرنے کا حکم ہے۔ لیکن اِس کی وجہ سے عصمت کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔

❶ (سُوْرَۃُ الْمُؤْمِن، ۵۱) ❷ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن، ۱۸۱) ❸ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن، ۲۱) ❹ (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، ۸۷) ❺ (سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن، ۵، ۶)

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ۔۔۔ الآیۃ (۵۷):

یہاں سے قیامت کا اِثبات ہے، قیامت کے منکر قیامت کو بھاری سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قیامت کے منکرو! آسمان کا پیدا کرنا، زمین کا پیدا کرنا اِنسان کے پیدا کرنے سے بہت بڑا ہے، جب اللہ نے آسمان کو پیدا کیا تو تمہارے چھوٹے سے وجود کو پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ (۶۰):

سوال اُدْعُوْنِيْٓ کے کیا معنی ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بعض حضرات اُدْعُوْنِيْٓ کا معنی کرتے ہیں کہ: "تم میری عبادت کرو"۔ قرینہ یہ بیان کرتے ہیں کہ: يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ ۔۔۔ الآیۃ [1]
جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں۔ تو رب تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ: تم میری عبادت کرو میں تمہاری عبادت کو قبول کروں گا۔

② علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ "معالم التنزیل" والے، علامہ اُندلسی رحمۃ اللہ علیہ "البحر المحیط" والے فرماتے ہیں کہ: یہاں اُدْعُوْنِيْٓ سے مُراد "پکارنا" ہے۔
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں اِسی معنی کو ترجیح دیتے ہیں کہ: رب نے فرمایا: مجھے پکارو میں تمہاری پکاریں سنتا ہوں، جو میری پکار سے تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔

حدیثیں ہم نے "گلدستۂ توحید" میں باحوالہ نقل کردی ہیں: ① اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ [2] پکارنا عبادت کا مغز ہے۔
② لَيْسَ شَيْءٌ اَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَآءِ [3] پکارنے سے زیادہ رب کو کوئی شے عزیز نہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۔۔۔ الآیۃ (۶۱):

ربط: اُوپر ذکر تھا مجھے پکارو، مجھ سے مانگو، آگے فرماتے ہیں کہ: یہ ساری چیزیں رب کی پیدا کردہ ہیں، کوئی اور پیدا کرسکتا ہے کیا؟!!

ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۶۷):

سوال لِتَبْلُغُوْٓا کا لام کس کے متعلق ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بعض يُبْقِيْكُمْ فعل محذوف نکالتے ہیں۔ اَيْ ثُمَّ يُبْقِيْكُمْ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ۔ معنی ہیں: "پھر تمہیں باقی چھوڑتا ہے تاکہ تم پہنچوں اپنی جوانی کو"۔

② بعض يُعَمِّرُكُمْ فعل محذوف نکالتے ہیں۔ اَيْ ثُمَّ يُعَمِّرُكُمْ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ۔ معنی ہیں: "پھر تمہیں عمر دیتا ہے تاکہ تم پہنچوں اپنی جوانی کو"۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ (۶۹):

ربط: اُوپر توحید کا ذکر تھا، اِس طور پر کہ: یہ سارے کام تو رب نے کیئے ہیں، اب یہ بتاتے ہیں کہ: بعض ایسے بھی ہیں جو رب کے بارے میں جھگڑتے ہیں، آیتوں کے بارے میں بھی جھگڑتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ ۔۔۔ الآیۃ (۷۰):

سوال کتاب سے کون سی کتاب مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: کتاب سے جنس کتاب مُراد ہے یعنی تمام کتابیں مُراد ہیں اور لفظِ اَلْكِتَاب پر اَلِف لَام جنس کے لیے ہے۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: کتاب سے قرآن کریم مُراد ہے۔
پس! اُنہوں نے قرآن کریم کو بھی جھٹلایا اور جو کتابیں گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوئیں اُن کو بھی جھٹلایا۔

---

[1] (سُوْرَةُ الْمُؤْمِن، ۶۰) [2] [3] (جامع الترمذی، ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی فضل الدعاء، ج ۲، ص ۱۷۵، طبع قدیمی، کراچی)

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾:

سَلٰسِل، سِلْسِلَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "زنجیر ہتھکڑیاں"۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾:

اِمام راغب اصبہانی رحمہ اللہ "مفردات" میں فرماتے ہیں کہ: "فَرَح" اُس خوشی کو کہتے ہیں جو دل اور چہرے تک محدود ہو۔ "مَرَح" وہ خوشی جس کا اثر بدن سے بھی ظاہر ہو۔ مثلاً: خوشی کے موقع پر بعض تالیاں بجاتے ہیں، بعض ناچتے کودتے ہیں وغیرہ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ ... الآیۃ ﴿۷۸﴾:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے۔

مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ ... الآیۃ:

یہ سورۃ مکی ہے اور سُوْرَۃُ النِّسَآء مدنی ہے، دونوں میں یہ آیت موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ: جب اللہ تعالیٰ نے یہ علم نہیں دیا تو عطائی کیسے ہوا؟ لہٰذا عطائی کی نفی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا ... الآیۃ ﴿۷۹﴾:

ربط: اُوپر بھی توحید کا ذکر تھا، اب بھی توحید کا ذکر ہے۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ... الآیۃ ﴿۸۳﴾:

"اُن کے پاس رسول آئے واضح دلائل لے کر، خوش ہوئے وہ اُس چیز پر جو اُن کے پاس تھی علم کی"۔

اِشکال: کفار کو تو علم حاصل ہی نہیں کیوں کہ علم وہ ہے جس سے رب کی رضاء ہو۔ مولانا رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

علم دین فقہ است تفسیر وحدیث ہر کہ خواند جز ازیں گردد خبیث

"علم صرف، نحو، منطق" وغیرہ ضرور پڑھیں، کیوں کہ "ھدایہ، خیالی، شرح عقائد" کیسے سمجھیں گے؟ یہ کتابیں اُس وقت سمجھیں گے جس وقت یہ علوم ہوں، لیکن مقصود بالذات نہ ٹھہراؤ۔ پس! جب کفار کو علم حاصل ہی نہیں تو یہ کیوں فرمایا کہ: فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؟

جواب: اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: فَرِحُوْا کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہے اور عِنْدَهُمْ کی ضمیر رُسُل کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: کافر خوش ہوئے اُس چیز پر جو پیغمبروں کے پاس علم تھا۔ پس! یہ خوش ہونا اِستہزاء تھا۔

② اِمام رازی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ، علامہ اُندلسی رحمہ اللہ وغیرہ وغیرہ بزرگ فرماتے ہیں کہ: کافروں کے پاس ایک علم ہوتا ہے یعنی دُنیاوی علم وہ اُس پر فخر کرتے ہیں۔ سُوْرَۃُ الرُّوْم کی چند آیتیں چھوڑ کر ساتویں آیت یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۖ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ❶ کا مطلب ہے کہ: یہ لوگ دُنیاوی زندگی کی ظاہری سطح کو جانتے ہیں، یہاں کی آسائش و آرائش، کھانا پینا، پہننا، اوڑھنا، پیسہ کمانا، مزے اُڑانا، بس یہی اُن کے علم و تحقیق کی اِنتہاء ہے، اُن کو اِس کی خبر ہی نہیں کہ اِس زندگی کی تہہ میں ایک دوسری زندگی کا راز چھپا ہے تو یہ لوگ دُنیا کا ظاہر جانتے ہیں۔ پس! مجازی طور پر اُن پر علم کا اِطلاق ہوا ہے ورنہ نفس الامر میں یہ علم نہیں ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ الرُّوْم، ۷)

آیَاتُھَا (۵۴) | (۴۱) سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۶۱) | رُکُوْعَاتُھَا (۶)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: "تفسیر کبیر، ابو سعود، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں توحید اور تہدید یعنی عذاب کی دھمکی تھی اور اِس سورۃ میں بھی توحید اور تہدید اُسی ترتیب سے ہیں۔ توحید تو اگلے رکوع سے شروع ہو جائے گی: قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ۔۔۔ الآیۃ ❶ اور تہدید اُس سے آگے شروع ہوگی: فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صٰعِقَۃً مِّثْلَ صٰعِقَۃِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ○ ❷

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃ ہے۔

فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ○ ﴿۴﴾:

سَمَاعَ قُبُوْلٍ، سَمَاعَ اِنْتِفَاعٍ، سَمَاعَ تَدَبُّرٍ، سَمَاعَ تَفَکُّرٍ۔ تو نفی سَمَاع کی نہیں بل کہ قُبُوْل و اِنْتِفَاع کی نفی ہے۔ قاعدہ یہ ہوا کہ: جس حکم میں قید ہو تو نفی بہ سوئے قید راجع ہوتی ہے، یہاں بھی نفی اِس طرح ہے۔

وَمِنْ بَیْنِنَا وَبَیْنِکَ حِجَابٌ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵﴾:

عناد کا، جحود کا اور اِنکار کا پردہ، اُنہوں نے خود پردے ڈالے ہیں اور اِس پر فخر کرتے ہیں۔ تو قاعدہ یہ ہے کہ: نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی۔۔۔ الآیۃ ❸

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶﴾:

ربط: اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ: پہلے یہ تھا کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ: ہمارے کانوں میں ڈاٹھ اور دلوں پر پردے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ: اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ۔۔۔ الآیۃ ❹ یعنی مَیں بشر ہوں خدا نہیں ہوں، یہ دلوں سے پردے ہٹانا خدا کا کام ہے بشر کا کام نہیں ہے، آنکھوں سے پردہ ہٹانا خدا کا کام ہے بشر کا کام نہیں ہے، کانوں سے ڈاٹھیں ہٹانا خدا کا کام ہے بشر کا کام نہیں ہے۔ مَیں نے کب خدائی دعوٰی کیا ہے؟!! میرے بس میں ہوتا تو حقیقت یہ ہے کہ کوئی کافر کفر پر نہ مَرتا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے رحیم تھے، بڑے شفیق تھے، لیکن سب کو راہ راست پر لے آنا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بس میں نہیں تھا۔ جیسا کہ اِرشاد ہے: اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔۔۔ الآیۃ ❺

لَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ○ ﴿۸﴾:

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ "تفسیر روح المعانی" میں اور اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ "تفسیر کبیر" میں مَمْنُوْن کے دو (۲) معنی بیان فرماتے ہیں:

① مَمْنُوْن بمعنی منقطع ہے۔ یعنی اَجر اُن کا منقطع نہیں ہوگا۔

② مَمْنُوْن بمعنی اِحسان ہے۔ یعنی اُس اَجر کا اِحسان نہیں جتلایا جائے گا کیوں کہ اِحسان جتلانے میں وہ مزہ باقی نہیں رہتا۔

قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹﴾:

ربط: "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات" میں یہ ربط لکھا ہے کہ: اُوپر شرک کا رد تھا، آگے توحید کا اِثبات ہے اور تہدید ہے۔

فِیْ یَوْمَیْنِ اَیْ فِیْ یَوْمِ الْاَحَدِ وَالْاِثْنَیْنِ یعنی اتوار اور پیر کے دن زمین کا مادّہ بنایا۔

وَجَعَلَ فِیْھَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِھَا وَبٰرَکَ فِیْھَا وَقَدَّرَ فِیْھَآ اَقْوَاتَھَا فِیْٓ اَرْبَعَۃِ اَیَّامٍ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

سوال بٰرَکَ فِیْھَا میں فِیْھَا کی "ھَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

❶ (سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃ، ۹) ❷ (سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃ، ۱۳) ❸ (سُوْرَۃُ النِّسَآء، ۱۱۵) ❹ (سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃ، ۶) ❺ (سُوْرَۃُ الْقَصَص، ۵۶)

① فِيْهَا کی "هَا" ضمیر رَوَاسِیَ کی طرف راجع ہے۔یعنی پہاڑوں میں رب نے برکت ڈالی، عموماً پہاڑوں میں درخت، جھاڑیاں، چشمے بہ نسبت میدانوں کے زیادہ ہوتے ہیں۔
② فِيْهَا کی "هَا" ضمیر اَرْض کی طرف راجع ہے۔یعنی زمین میں رب نے برکت ڈالی، کسی میں کم، کسی میں زیادہ۔
اَقْوَاتَ، قُوْتٌ کی جمع ہے۔معنی ہے: "خوراک"۔
فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ اَیْ فِیْ تَمَامِ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ۔یہ سب کام چار(۴) دن میں ہوئے، دو(۲) دنوں میں یعنی اتوار اور پیر کے دن میں زمین پیدا کی گئی اور دو(۲) دنوں میں یعنی منگل اور بدھ کے دن میں اُس کے متعلقات کا بندوبست ہوا۔

سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ○:

سَوَآءً مفعول مطلق ہے۔اَیْ اِسْتَوَتْ سَوَآءً۔یہ چار(۴) دن برابر ہوئے سائلیں کے لیے، نہ کمی ہوئی، نہ بیشی ہوئی۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ ۔۔۔الآیۃ ⑪:

اِسْتَوٰی کا صلہ اِلٰی ہوتو "قصد" کا معنی ہوتا ہے۔

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا ۔۔۔الآیۃ:

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان سے فرمایا: خوشی سے بنتے ہو کہ ناخوشی سے؟

قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ○:

سوال یہاں زمین و آسمان کو ذوی العقول سے کیوں تعبیر کیا حال آں کہ یہ تو غیر ذوی العقول ہیں؟

جواب یہاں زمین و آسمان کو ذوی العقول سے اِس لیے تعبیر کیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں اِدراک وشعور رکھا ہے، اُنھوں نے کہا کہ: پروردگار ہم اطاعت کرتے ہوئے بنیں گے۔

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ ۔۔۔الآیۃ ⑫:

آسمان دو(۲) دنوں میں پیدا کیے۔تو اِس طرح اتوار اور پیر کو زمین بنائی، منگل اور بدھ کو پہاڑ وغیرہ بنائے، جمعرات اور جمعہ کو آسمان وغیرہ بنائے۔

سوال قَضٰهُنَّ کی "هُنَّ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① قَضٰهُنَّ کی "هُنَّ" ضمیر سَمَآء کی طرف راجع ہے۔

لفظِ سَمَآء کی تحقیق:

① قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ سَمَآء جمع ہے سَمَآءَةٌ کی اور سَمٰوٰت کی جمع الجمع ہے۔لہٰذا اُس کی طرف جمع کی ضمیر لوٹ سکتی ہے۔
② دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ: لفظِ سَمَآء جنس ہے اور جنس کی طرف واحد، جمع وغیرہ کی ضمیر لوٹ سکتی ہے۔

② صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ: قَضٰهُنَّ کی "هُنَّ" ضمیر مبہم ہے، اِس کا مرجع بائیں طرف ہوتا ہے۔جیسے: رُبَّهٗ رَجُلًا۔تو "هُنَّ" ضمیر سَبْعَ سَمٰوَاتٍ کی طرف راجع ہے۔

وَحِفْظًا ۔۔۔الآیۃ:

لفظِ حِفْظًا مفعول مطلق ہے۔اَیْ وَحَفِظْنَاهَا حِفْظًا۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ○⑬:

ربط: یہاں تک توحید کا ذکر تھا اب آگے تہدید ہے۔

صٰعِقَة کے دو (۲) معنیٰ ہیں: ① مطلق عذاب۔ ② بجلی۔
یہاں "مطلق عذاب" مُراد ہے کیوں کہ عاد اور ثمود پر بجلی نہیں گری تھی۔

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ ---الآية ﴿۱۴﴾:

آگے اور پیچھے کی تین (۳) تفسیریں ہیں:
① آگے اور پیچھے سے مُراد مُقْبِلِیْن اور مُدْبِرِیْن ہیں۔ پیغمبر اُن کے سامنے سے بھی آئے، پیچھے سے بھی آئے حق بیان کیا۔
② اُن کے آگے بھی پیغمبر آئے اور پیچھے بھی پیغمبر آئے۔ مثلاً: حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام آئے اور حضرت ہود علیہ السلام کے بعد بھی پیغمبر آئے۔
③ پیغمبر اُن کو ماضی اور مستقبل کی باتیں سمجھاتے ہوئے آئے، کوئی جہت اور پہلو نصیحت و فہمائش کا نہیں چھوڑا۔

قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ---الآية:

کافروں نے کہا کہ: اگر رب چاہتا تو نوری مخلوق کو اُتار دیتا، فرشتہ آتا۔ یہ بشر ہو کر نبی کیسے بن گیا؟ اِس کا جواب آپ پندرہویں پارہ میں پڑھ چکے ہیں کہ:
قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ ❶ زمین کی خلافت اِنسان کو دی ہے تو رسول بھی اُنہی میں سے ہوگا۔

وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ---الآية ﴿۱۵﴾:

وہ لوگ بہت بڑے قد آور اور تنومند تھے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ ---الآية ﴿۱۶﴾:

بعض لوگوں کا غلط اِستدلال: بعض لوگ یہاں سے اِستدلال کرتے ہیں کہ: دنوں میں سَعَد بھی ہوتے ہیں، نَحِس بھی ہوتے ہیں۔ دیکھو! قرآن میں آتا ہے۔

جواب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور بعض دیگر علماء کے کچھ مقولے نقل ہیں، اُن کا نام ہوتا تھا "اَغلاط العوام" اب اُس کا نام رکھا ہے "غلط مسئلے" طبع شدہ کتاب ہے۔ اُس میں ہم نے یہ پڑھا کہ: بعض لوگ کہتے ہیں۔

منگل بدھ نہ جاویں پہاڑ   جیتی بازی آویں ہار

منگل بدھ کو پہاڑ کا سفر نہ کرنا ورنہ اگر تو جیتا بھی ہے تو ہار کر آئے گا۔

یہ کہاوتیں اُس میں موجود ہیں اور بھی عجیب عجیب ٹوٹکے وہاں بتائے ہیں۔ آگے ایک اور آیت بھی آئے گی جس میں فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ○ ❷ کے الفاظ موجود ہیں۔ تفصیل تو بڑی ہے! مَیں دو (۲) باتیں عرض کرتا ہوں:

① یہاں اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ میں اِبہام ہے، قرآن کریم میں دوسرے مقام پر آتا ہے کہ: سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ---الآية ❸ سات (۷) راتیں آٹھ (۸) دن ہم نے اُن پر بادِ صرصر چلائی۔ اب اِس سے تو یہ ثابت ہوا کہ: آٹھوں دن منحوس ہیں تو پھر آپ بتائیں سَعَد کون سے دن ہیں؟!!

② اِنہی دنوں میں حضرت ہود علیہ السلام اور اُن کے مؤمن ساتھی بچے، جیسا کہ ارشاد ہے: نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ---الآية ❹ اگر دنوں میں نحوست ہوتی تو یہ لوگ کیوں بچے؟

معلوم ہوا کہ: دنوں میں ذاتی طور پر نحوست نہیں، وہ نحوست اُن کے کفر و شرک اور اِنکار کی تھی۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ ---الآية ﴿۱۷﴾:

معنیٰ ہیں: "اور ہم نے اُن کو راستہ بتایا"۔

---

❶ (سُوْرَةُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْل، ۹۵) ❷ (سُوْرَةُ الْقَمَر، ۱۹) ❸ (سُوْرَةُ الْحَآقَّة، ۷) ❹ (سُوْرَةُ هُوْد، ۵۸)

سوال یہاں هِدَايَة سے هِدَايَة کی کون سی قسم مُراد ہے؟

جواب یہاں هِدَايَة سے مُراد اِرَاءَةُ الطَّرِيْق ہے اِيْصَال اِلَى الْمَطْلُوْب مُراد نہیں ہے۔

فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ ۔۔۔ الآية:

شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ معنی کرتے ہیں کہ: "پکڑا اُن کو ذلّت والے عذاب کی کڑک نے"۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ (۱۹):

ربط: اُوپر کفار کے دُنیا کے عذاب کا ذکر تھا۔ آگے فرماتے ہیں کہ: اِس پر نجات نہیں ملے گی بل کہ آخرت میں بھی عذاب ہوگا۔

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا ۔۔۔ الآية (۲۰):

ماضی پر عموماً بعض حروف زائد ہوتے ہیں، یہاں مَا زائد ہے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ ۔۔۔ الآية (۲۲):

سوال یہ کس کا مقولہ ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① یہ اَعضاء کا مقولہ ہے کہ: تم اِس سے چھپ تو سکتے نہیں تھے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں، تمہارے چمڑے تمہارے خلاف گواہی دیں۔

② یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے کہ: یہ تمہارے اَعضاء نے جو تمہارے خلاف گواہی دی اِس لیے کہ تم اُن سے چھپ تو سکتے نہیں تھے۔

وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝:

یہی تمہارا خیال تھا کہ: اللہ تعالیٰ نہیں جانتا بہت ساری اُن چیزوں کو جو تم کرتے ہو۔ یعنی تم نے عمل ایسے اَنداز سے کیا کہ: گویا کہ رب نہیں جانتا ورنہ رب کے علم کے بارے میں تو کوئی شک ہے ہی نہیں۔

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ ۔۔۔ الآية (۲۳):

اَرْدٰى، يُرْدِيْ، اِرْدَاء، بابِ اِفْعَال سے ہے۔ معنی ہیں: "ہلاک کرنا"۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۔۔۔ الآية (۲۵):

یہ جو نافرمان ہیں ہم نے مسلط کیے ہیں اُن پر اُن کے قَرِيْن۔

سوال قَرِيْن سے کون مُراد ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① قَرِيْن سے شیطان مُراد ہے۔ ② قَرِيْن سے وہ ساتھی مُراد ہیں جو اِنسان ہو کر ورغلاتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ ۔۔۔ الآية (۲۶):

ربط: اُوپر کفار کا ذکر تھا کہ: اُن کے ساتھی اُن کے لیے چیزیں مزیّن کرتے ہیں، آگے اُنہی کا یہ مقولہ ہے کہ: کافروں نے کہا کہ: اِس قرآن کو مت سنو! جب قرآن پڑھا جائے تو شور مچاؤ تا کہ کوئی اور بھی نہ سنے۔

وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝:

لَغِيَ، يَلْغٰى بابِ سَمِعَ، يَسْمَعُ سے ہے۔ معنی ہیں: "شور"۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۔۔۔ الآية (۲۹):

آپ کو تمام تفاسیر میں اِس کی دو (۲) تفسیریں ملیں گی:

① ایک تفسیر تو یہ ہے کہ: قابیل حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا جس نے سب سے پہلے اِنسانوں میں گناہ کی ترویج کی اور اُس کے مقابلے میں ابلیس۔ تو ایک قابیل اور دوسرا ابلیس ہے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: یہاں دو (۲) فرد مُراد نہیں ہیں بل کہ دو (۲) نوعیں مُراد ہیں، یعنی جو جنوں کی نوع میں سے ہیں اور جو انسانوں کی نوع میں سے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۰﴾:

نزع کی حالت میں جنّت کا نقشہ حاضر کرے گا تا کہ دُنیا کی جدائی اُس کو شاق نہ ہو۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾:

تَدَّعُوْنَ اَیْ تَتَدَعُوْنَ۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۳﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ کافروں نے کہا کہ: لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ ۔۔۔الآیۃ [1] یعنی اِس قرآن کے سننے پہ کان نہ دھرو اور اگر ہو تو شور و غل مچاؤ۔ اب حالات یہ ہوں کہ: سننے والے نہ ہوں یا ہوں لیکن شور و غل ہو تو بیان کرنے والے کی دل شکنی ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: دل شکستہ مت ہو، ہمّت مت ہارو کہ: یہ لوگ سنتے نہیں، کان نہیں دھرتے، توجہ نہیں دیتے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ نہ دیکھیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنا کام کریں خواہ وہ لوگ توجہ دیں یا نہ دیں۔

وَقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ:

اِس چیز کی دعوت دو کہ: اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ یعنی اِسلام کی دعوت دو، عسائیت، یہودیت کی نہ دو۔ سلف میں فَعَّال زیادہ اور قَوَّال کم تھے اور ہم میں قَوَّال زیادہ اور فَعَّال کم ہیں، اِس وجہ سے اُن کے زمانہ میں اِسلام تھا، مسلمانی تھی۔ اِس لیے نری دعوت نہ ہو بل کہ عملِ صالح بھی ہو۔

ایک انگریز گزرا ہے اُنکی کا "جارج ہرناڈ شاہ" مورخ تھا، ناول نگار تھا، اُس کی کتابوں کی انگریزوں میں بڑی وقعت تھی، آج آٹھ (۸) سال ہوگئے مَر گیا ہے۔ اُس نے ایک مجلس میں کہا کہ: مَیں دُنیا کے حالات سے آگاہ ہو کر اِس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ: اِسلام سچا مذہب ہے اور سو (۱۰۰) سال کے اَندر اَندر یہ ملکوں میں پھیلے گا، اِس کے اُصول اَچھے ہیں، اَعمال سچے ہیں، عبادات سچی ہیں، یہ دُنیاوی اُمور کو بھی فراموش نہیں کرتا اور اُخروی اُمور کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے، اِسلام سچا مذہب ہے پھیلے گا۔ دوسروں نے اُس کو کہا کہ: تُو اِسلام کے گیت گاتا ہے مسلمان کیوں نہیں ہوتا؟!! جارج ہرناڈ شاہ نے جواب دیا، اُس کے جواب کو دیکھ کر ہماری گردنیں ندامت کے مارے جھک جاتی ہیں۔ اُس نے کہا کہ: اِسلام سچا تو ہے اور میری پیشن گوئی ہے کہ بہت سے ملکوں میں یہ پھیلے گا، مَیں خود مسلمان اِس لیے نہیں ہوتا کیوں کہ مجھے اِن مسلمانوں میں اُٹھنا بیٹھنا گوارا نہیں۔ بڑا آدمی تھا! اُمیروں میں اُٹھتا بیٹھتا ہوگا وہ مسلمان شرابی بھی، زانی بھی، اُن کے اَخلاق کو دیکھ کر مَیں اِسلام نہیں لاتا ورنہ فِیْ نَفْسِہٖ اِسلام سچا مذہب ہے۔

آج ہمارا وجود اِسلام سے مانع ہے۔ ہم نے کتابوں میں پڑھا "خطیب بغدادی، نقد المطلق لابن تیمیہ" وغیرہ میں کہ: ایک وہ زمانہ تھا کہ اِمام اَحمد ابن حنبل رحمہ اللہ کے جنازہ میں سولہ لاکھ (۱۶۰۰۰۰۰) اَفراد شریک ہوئے تھے، اُن کے اِس اخلاص کو دیکھ کر بیس ہزار (۲۰۰۰۰) یہود و نصاریٰ اور مجوسی بغیر دعوت کے مسلمان ہوئے۔

تو ایک وہ زمانہ تھا کہ: مسلمان کو دیکھ کر لوگ بغیر دعوت کے مسلمان ہوتے تھے، آج وہ دَور ہے کہ: ہرناڈ شاہ کہتا ہے کہ: اِسلام سچا ہے!! یہ مسلمان جو آج کے ہیں اِن کے اَخلاق بُرے ہیں اِس لیے مَیں مسلمان نہیں ہوتا۔

اِمام اَوزاعی رحمہ اللہ تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ: "آج اگر کوئی صحابی آجائے تو ہمیں دیکھ کر کہے کہ: یہ مُرتد کہاں سے پیدا ہوگئے؟!! اور ہم صحابی کو دیکھ کر کہیں گے کہ: یہ مجنون کہاں سے آگئے"؟!!

"ابوداؤد" میں روایت ہے کہ: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بصرہ کے گورنر تھے، گرمی کے زمانے میں ننگے سر ننگے پاؤں ریت پر پھرتے تھے۔ دیکھنے

[1] (سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃ ۲۶)

والوں نے دیکھا کہ: یہ تو ہمارے گورنر صاحب معلوم ہوتے ہیں، لیکن عین دو پہر میں یہ ننگے سر ننگے پاؤں ریت میں کیا کرتے ہیں؟ جب قریب جا کر دیکھا تو فَإِذَا هُوَ فُضَالَةُ بْنُ عُبَيْدٍ۔ سچ مچ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ تھے۔ اُن لوگوں نے کہا: حضرت! یہ کیا معاملہ ہے؟ أَنْتَ أَمِيْرُنَا۔ آپ ہمارے گورنر ہیں، لوگ آپ کو دیکھ کر کیا کہیں گے؟!! حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: لوگوں کو کہنے دو! مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص حاکم بنے تو اُس کو ننگے سر اور ننگے پیر بھی چلنا چاہیے تاکہ غریبوں کی غربت کا اِحساس ہو۔❶

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۴﴾:

علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ فِيْ جُزْئِيَّاتِهِمَا نیکی اور بدی اپنی جزئیات میں برابر نہیں، نیکی اَعلیٰ درجے کی بھی ہے، درمیانہ درجہ کی بھی ہے، اَدنیٰ درجہ کی بھی ہے، اِسی طرح بدی اَعلیٰ درجے کی بھی ہے، درمیانہ درجہ کی بھی ہے، اَدنیٰ درجہ کی بھی ہے تو نیکی اور بدی کے جو اَفراد ہیں اُن میں برابری نہیں۔

وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۶﴾:

ربط: اَبھی آپ نے سُنا کہ: اُس شخص سے اَچھی بات کس کی ہوسکتی ہے جو دَعْوَت إِلَى اللهِ دیتا ہے؟ آگے اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر دَاعِي إِلَى اللهِ کی اِصلاح کرتے ہیں کہ: دَاعی کو دعوت کا مقام سوچنا چاہیے۔

وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ﴿۳۸﴾:

فرشتے نہیں تھکتے، اُکتاتے نہیں کیوں کہ وہ نوری مخلوق ہیں۔

فَإِذَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۹﴾:

اِهْتَزَّتْ أَيْ تَحَرَّكَتْ۔ رَبَتْ پھولتی ہے، کھلتی ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۰﴾:

اِلْحَاد کا معنی ہے: "کج روی" یعنی غلط معانی۔ جو لوگ سلفِ صالحین کے خلاف معنی وغیرہ کرتے ہیں، آج کل تو سب اِس کے مصداق میں آتے ہیں، کہتے ہیں کہ: سود حلال ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۱﴾:

ذِكْر قرآن پاک کا نام ہے۔

ترکیب: یہ سارا جملہ إِنَّ کا اِسم ہے اور خبر محذوف ہے۔ أَيْ نُجَازِيْهِمْ۔

لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۲﴾:

میدانِ جنگ میں جو شخص کھڑا ہو تو دُشمن یا تو آگے سے حملہ کرے گا یا پیچھے سے حملہ کرے گا، قرآن کریم ایسی کتاب ہے کہ باطل نہ تو اُس کے آگے سے حملہ آور ہوسکتا ہے نہ اُس کے پیچھے سے حملہ آور ہوسکتا ہے۔

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۳﴾:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ: یہ کبھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساحر کہتے ہیں، کبھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مجنون کہتے ہیں، کبھی کچھ کبھی کچھ، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پریشان مت ہوں دوسرے پیغمبروں سے بھی ایسی باتیں کی گئیں ہیں۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَ أَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۴﴾:

قرآن کریم کو عربی میں نازل کرنے کی حکمت: علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: کتاب عجمی اور قوم عربی ہو یا پیغمبر عربی ہو اور کتاب عجمی ہو تو یہ کیا جوڑ اور مناسبت ہے؟ اِس لیے ہم نے اِتمامِ حجت کے لیے عربی زبان میں نازل کیا، اُس کے بعد بھی نہیں سنتے اور نہیں مانتے تو اُن کے کانوں میں ڈاٹ ہے۔

❶ (سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، ج ۲، ص ۲۲۰، طبع مکتبۃ الحسن، لاہور)

اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ۝:

اُن کے جسم قریب ہیں لیکن دل اُن کے دُور ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۵﴾:

ربط: "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: اُوپر قرآن پاک کا ذکر تھا اور کفار کی تکذیب کا ذکر تھا، آگے حضور ﷺ کی تسلی کے لیے فرماتے ہیں کہ: ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تو بنی اسرائیل نے بھی تکذیب کی۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ۔۔۔ الآیۃ:

اگر ایک بات تاخیرِ عذاب کی پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی تو فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ۝:

سوال مِنْهُ کی "ہُ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب مِنْهُ کی "ہُ" ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔ اَیْ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۷﴾:

ربط: "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات، بیان القرآن" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے ذکر تھا کہ کسی نے اچھا عمل کیا تو اپنے لیے، برا کیا تو اُسی پر پڑے گا، اب یہ بات ذکر فرماتے ہیں کہ: جس دن اچھے اور برے عمل کا نتیجہ نکلے گا وہ قیامت کا دن ہے، یعنی قیامت کے دن پورا پورا بدلہ ملے گا۔ آگے قیامت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ۔۔۔ الآیۃ [1] یعنی اُسی کو خبر ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ بڑے سے بڑا نبی اور فرشتہ بھی اُس کے وقت کی تعیین نہیں کر سکتا، جس سے دریافت کرو گے یہی کہے گا کہ: مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّآئِلِ۔

"مستدرک حاکم، موارد الظمآن" میں روایت ہے، وَقَالَ الذَّهَبِيُّ عَلٰى شَرْطِهِمَا، آنحضرت ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: معراج کی رات انبیاء کرام علیہم السلام ایک آسمان پر جمع ہو گئے تو قیامت کا ذکر ہوا، اُنہوں نے آپس میں کہا کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام خَلِيْلُ اللهِ ہیں شاید اُن کو علم ہوگا، اُن سے پوچھا گیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ: مجھے علم نہیں۔ اِسی طرح کہا گیا کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام كَلِيْمُ اللهِ ہیں شاید اُن کو علم ہو۔ پوچھا گیا تو جواب دیا کہ: علم نہیں۔ بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ: قیامت کب آئے گی؟ تو اُنہوں نے بھی یہی فرمایا کہ: صحیح گھڑی معلوم نہیں اِتنا معلوم ہے کہ: مَیں آخر میں نازل ہوں گا وغیرہ وغیرہ علامات بتائیں [2] پس اِمعلوم ہوا کہ: قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا۔۔۔ الآیۃ:

اَکْمَام، کِمٌّ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "چھلکا"۔ جیسے: کیلے پر چھلکا ہوتا ہے، اَخروٹ پر چھلکا ہوتا ہے، ہر پھل پر کوئی موٹا کوئی پتلا چھلکا ہوتا ہے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ۔۔۔ الآیۃ:

جس دن رب فرمائے گا کہ: میرے شریک کہاں ہیں؟! بِزَعْمِكُمْ تمہارے گمان کے مطابق، ورنہ نَفْسُ الْاَمْر میں تو وہ ہیں ہی نہیں۔

قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ۔۔۔ الآیۃ:

اٰذَنّٰكَ اَيْ اَعْلَمْنٰكَ یعنی ہم تجھے بتاتے ہیں۔

وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ۝ ﴿۴۸﴾:

لفظ مَحِيْص کے متعلق دو (۲) اَقوال ہیں:

① مصدرِ میمی ہے۔ معنی ہیں "چھٹکارا"۔

② ظرف کا صیغہ ہے۔ معنی ہیں: "چھٹکارے کی جگہ"۔

---

[1] (سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃ، ۴۷) [2] (المستدرک علی الصحیحین، کتاب الفتن والملاحم، وا ماحدیث عقیل بن خالد، ج ۴، ص ۵۸۸ طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت)

لَا یَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۹﴾:

اِنسان دُعائے خیر سے تھکتا نہیں ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ: لَوْ کَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰی ثَالِثًا[1]

ترجمہ: اگر ابن آدم کو دو (۲) میدان مال سے بھرے ہوئے مل جائیں تو یہ سیر نہیں ہوتا، کہے گا کہ ایک اور میدان بھی ہونا چاہیے۔

وَاِنْ مَّسَّہُ الشَّرُّ فَیَئُوْسٌ قَنُوْطٌ o:

"تفسیر السراج المنیر" وغیرہ میں فرق بیان کیا ہے کہ: یَئُوْس اُس نا اُمیدی کو کہتے ہیں جو دل میں ہو اور قَنُوْط اُس نا اُمیدی کو کہتے ہیں جس کے آثار ظاہر پر بھی نمایاں ہوں۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ رَحْمَۃً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْہُ لَیَقُوْلَنَّ ھٰذَا لِیْ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۰﴾:

لَیَقُوْلَنَّ ھٰذَا لِیْ یعنی مَیں اِس کا حق دار ہوں، یہ میرے عمل کا نتیجہ ہے۔

وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْٓ اِنَّ لِیْ عِنْدَہٗ لَلْحُسْنٰی۔۔۔الآیۃ:

اُن کی منطق یہ تھی کہ: مجھ کو یہ دُولت دی گئی ہے تو مَیں یہ نتیجہ اَخذ کرتا ہوں کہ پہلے تو قیامت ہے نہیں اور اگر ہو تو مجھے وہاں بھی اللہ یہ دُولت دے گا۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِہٖ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۱﴾:

اور جب ہم اِنعام کرتے ہیں اِنسان پر تو وہ اِعراض کرتا ہے یعنی اِنعامات کا شکریہ اَدا نہیں کرتا۔

وَاِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ o:

"تفسیر کبیر" میں اِمام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عَرِیْض کا معنی ہے: "طول" یعنی لمبی چوڑی دُعا۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللہِ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۲﴾:

سوال کَانَ کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب کَانَ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔

سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ۔۔۔الآیۃ ﴿۵۳﴾:

آفاق میں نشانی یہ ہے کہ: کبھی زلزلہ، کبھی سیلاب، کبھی دُشمن کا حملہ، کبھی قحط سالی وغیرہ۔

وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ۔۔۔الآیۃ:

اُن کے نفوس میں نشانی یہ ہے کہ: کبھی بیماری ہوگی، کبھی صحت ہوگی وغیرہ۔

[1] (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب ما یتقی من فتنۃ المال، ج۲، ص۹۵۲ طبع یادگار شیخ، کراچی)

آیاتُہا (۵۳) (۴۲) سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ (۶۲) رُکُوعَاتُہا (۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں توحید کا ذکر تھا: اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ○ ❶ یعنی ہر چیز پر احاطہ کرنے والا صرف اللہ ہے۔ آگے بھی توحید کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کی توحید سب پر مقدم ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الشُّوْرٰى ہے۔ یہ مصدر ہے معنی ہے: "مشورہ کرنا"۔ آگے اِنْ شَآءَ اللّٰه مؤمنوں کی ایک صفت مشورہ کرنے کا بیان آئے گا۔

حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ ○ ﴿۱-۲﴾:

حَاء سے مُراد حَمِيْدٌ، مِيْم سے مُراد مَجِيْدٌ، عَيْن سے مُراد عَظِيْمٌ، سِيْن سے مُراد سَمِيْعٌ، قَاف سے مُراد قَدِيْرٌ۔

كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں: ① اکثر مفسرین تقدیری عبارت یہ نکالتے ہیں: كَمَآ اَوْحَيْنَا مِنْ قَبْلِكَ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ۔

② علامہ محلی رحمہ اللہ تقدیری عبارت یہ نکالتے: مِثْلَ ذٰلِكَ الْاِحْيَاءِ۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵﴾:

"تفسیر کبیر، جمل، روح المعانی، خازن، البحر المحیط، مواہب الرحمٰن" وغیرہ تفسیروں میں بڑا کچھ لکھا ہے، آسان تفسیریں میں نقل کرتا ہوں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: باوجود اِس کے کہ فرشتے نوری مخلوق ہیں، اُن کا ہماری طرح وزن نہیں ہوتا لیکن اِس کثرت سے ہیں کہ آسمان اُن کے بوجھ سے پھٹ جائے گا۔ تو یہ فرشتوں کی کثرت کا بیان ہے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں تو اُن کے ذکر کی عظمت اور کثرت کی وجہ سے آسمان پھٹ جائے گا۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: سولھویں پارہ سُوْرَةُ مَرْيَم کے آخری رکوع میں ہے: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ○ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ○ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ○ ❷ مطلب یہ ہے کہ: اُن لوگوں نے رحمٰن کے لیے ولد ٹھہرائے، یہ اِتنی ناراضگی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر زمین و آسمان کا نظام درہم برہم کر دے گا۔

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ۔۔۔ الآیۃ:

اِمام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَنْ حصر کے لیے ہے، عموم کے لیے نہیں ہے یعنی اِس سے صرف مؤمن مُراد ہیں کہ: فرشتے صرف مؤمنوں کے لیے اِستغفار کرتے ہیں۔ قرینہ قرآن کی آیت: وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔ الآیۃ ❸ ہے۔

لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى۔۔۔ الآیۃ ﴿۷﴾:

اُمُّ الْقُرٰى سے "مکہ مکرمہ" مُراد ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔۔۔ الآیۃ ﴿۸﴾:

"اور اگر چاہتا اللہ تو سب لوگوں کو کرتا ایک ہی فرقہ" اگر چاہتا سب کو مومن یا سب کو کافر بنا دیتا، لیکن وجہ گذری ہے کہ: اُس کی حکمت اِسی کو مقتضی ہوئی کہ اپنی رحمت و غضب دونوں قسم کی صفات کا اِظہار فرمائے، اِس لیے بندوں کے اَحوال میں اِختلاف و تفاوت رکھا، کسی کو اُس کی فرماں برداری کی وجہ سے اپنی رحمت کا مُورد بنایا اور کسی کو اُس کے ظلم و عصیان کی بناء پر رحمت سے دُور پھینک دیا۔

❶ (سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة: ۵۴) ❷ (سُوْرَةُ مَرْيَم: ۸۸ تا ۹۰) ❸ (سُوْرَةُ الْمُؤْمِن: ۷)

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: کیا اُنہوں نے اللہ کے ورے کارساز بنائے؟ اللہ کارساز ہے، آگے فرماتے ہیں کہ: جس طرح کارساز وہی ذات ہے حاکم بھی وہی ہے۔

فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ اَیْ مَرْدُوْدٌ اِلَى اللّٰهِ، مُفَوَّضٌ اِلَى اللّٰهِ، مُوَكَّلٌ اِلَى اللّٰهِ۔ مفہوم سب کا ایک ہے۔

يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱﴾:

سوال فِيْهِ کی "ہٖ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ: فِيْهِ کی "ہٖ" ضمیر جَعَلَ میں جو مصدر جَعْل ہے اُس مصدر کی طرف راجع ہے۔

② صاحبِ کمالین فرماتے ہیں کہ: فِيْهِ کی "ہٖ" ضمیر بَطْن کی طرف راجع ہے۔ ③ فِيْهِ کی "ہٖ" ضمیر رَحِم کی طرف راجع ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔۔۔الآیۃ:

تمام تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ: كَمِثْلِهٖ میں ک زائد ہے، اگر یہ زائد نہ لیا جائے تو مقصود کے خلاف ہوگا، معنی اور مطلب یہ ہوگا کہ: "اللہ کے مثل کی مثل نہیں ہے"۔ اِس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مثل ہے حال آں کہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳﴾:

جب حکم اُس کا ہے تو شریعت اور قانون بھی اُسی ہی کا ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں بل کہ یہ کہنا چاہیے کہ: فی الحقیقت تشریعی اَحکام کا سلسلہ اُنہی سے شروع ہوا اور آخری نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر سلسلۂ رسالت و نبوّت منتہی ہوا۔ درمیان میں جو انبیاء و رسل علیہم السلام آئے اُن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ تین (۳) زیادہ مشہور ہوئے جن کے نام لیوا ہر زمانے میں بہ کثرت موجود رہے۔ اِن پانچوں کو اُولُو الْعَزْم پیغمبر کہتے ہیں۔

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝:

يَجْتَبِيْ کا معنی ہے: "چُن لیتا ہے"۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کا مفہوم اِس طرح بیان فرمایا ہے کہ: مثلاً ایک ملک میں یونیورسٹیاں، کالج وغیرہ ہیں، اُن میں جو ذہین بچے ہوتے ہیں ملک اُن پر اپنے پیسے خرچ کرتا ہے، دوسرے ممالک میں اُن کو بھیجتا ہے یعنی چُن لیتا ہے اور باقی کے لیے کالج وغیرہ بنوائے جاتے ہیں، تو اِسی طرح اللہ تعالیٰ بعض کو چُن لیتے ہیں اور باقی کے لیے ہدایت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ لیکن! اللہ تعالیٰ ہدایت مُنِيْب کو دیتا ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۵﴾:

سوال ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ کیا ہے؟

جواب ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ توحید ہے۔ اَیْ فَلِذٰلِكَ التَّوْحِيْدِ۔

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔۔۔الآیۃ:

کچھ جھگڑا نہیں ہم میں اور تم میں، ہم جھگڑا نہیں کرتے، اگر تم کرتے ہو تو ہم مدافعت کریں گے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۶﴾:

فِي اللّٰهِ اَیْ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ، فِيْ نَبِيِّ اللّٰهِ۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ۔۔۔الآیۃ:

اِس کی آسان دو (۲) تفسیریں ہیں:

① امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لَهٗ کی ضمیر لفظِ "الله" کی طرف راجع ہے۔ معنی یہ ہوا کہ: وہ لوگ جنہوں نے جھگڑا کیا اللہ کے بارے میں بعد اس کے، جان گئے یہ لوگ کہ اُن کا جھگڑا باطل ہے۔

② علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لَهٗ کی ضمیر "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم" کی طرف راجع ہے کیوں کہ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وغیرہ کی ضمائر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو راجع ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۔۔۔ الآیۃ (۱۷):

سوال اس میزان سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "روح المعانی، بیضاوی، کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اِس سے حسی میزان مُراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ماڈی ترازو اُتارا جس میں اَجسام تلتے ہیں۔

② اِس سے مُراد عملی ترازو ہے جسے عقلِ سلیم کہتے ہیں، جس سے جھوٹ، سچ وغیرہ تلتے ہیں اور اَخلاقی ترازو بھی جسے صفتِ عدل وانصاف کہا جاتا ہے۔

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ۝:

اَيْ لَعَلَّ إِتْيَانُ السَّاعَةِ، لَعَلَّ مَجِيْءُ السَّاعَةِ۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۔۔۔ الآیۃ (۲۰):

ربط: اُوپر قیامت کا ذکر تھا آگے فرماتے ہیں کہ: جو آخرت کی کھیتی کا اِرادہ کرے گا، لیکن نرا اِرادہ ہی نہیں۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ: وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا ۔۔۔ الآیۃ[1] اِن سب باتوں کو ملحوظ رکھنا ہے کہ: آخرت کا اِرادہ بھی ہے، اُس کے لیے کوشش بھی ہے اور مؤمن بھی ہے، ہم اُس کی کھیتی میں اِضافہ کریں گے، ایک خرچ کرے گا نو (۹) اپنے پاس دیں گے، فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ایک خرچ کرے گا چھ سو ننانوے (۶۹۹) اپنے پاس سے دیں گے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۔۔۔ الآیۃ (۲۱):

ربط: یہاں سے توحید کا بیان ہے۔

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا ۔۔۔ الآیۃ (۲۲):

آج تُو اُن کو خوش دیکھتا ہے اپنے کرتوتوں کے نتائج سے اُس دن ڈرتے ہوں گے اور خوف زدہ ہوں گے، اور یہ ڈر اُن پر ضرور پڑے گا، کوئی رہائی کا راستہ نہ ہوگا۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۔۔۔ الآیۃ (۲۳):

روافض کا غلط اِستدلال: "تفسیر کبیر، روح المعانی، جمل، کمالین" وغیرہ میں خاص لمبی بات ہے مَیں مختصراً عرض کرتا ہوں: رافضیوں نے یہاں سے اِستدلال کیا ہے کہ مَوَدَّة سے یہ مُراد ہے کہ: مَیں تم سے تبلیغ کا کوئی بدلہ نہیں مانگتا، بس! اِتنا چاہتا ہوں کہ میرے اَقارب کے ساتھ محبت کرو یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی اَولاد سے محبت کرو، تو گویا کہ صرف اُن کی محبت مقصود ہے اِس لیے ہم اُن کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔

جواب اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! کوئی شبہ نہیں کہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اور اَقاربِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وتعظیم اور حقوق شناسی اُمت پر لازم اور واجب اور جزءِ ایمان ہے اور اُن سے درجہ بہ درجہ محبت رکھنا حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر متفرع ہے۔ لیکن! آیتِ ہذا کی تفسیر اِس طرح کرنا شانِ نزول اور روایاتِ صحیحہ کے خلاف ہونے کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رفیع کے مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ یہ عقلاً بھی باطل ہے اور نقلاً بھی باطل ہے۔

عقلاً اِس لیے باطل ہے کیوں کہ اِس سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ مُراد نہیں کیوں کہ یہ مکی سورۃ ہے اور اُس وقت تو اُن کے والدین کا نکاح بھی نہ ہوا تھا، اُن کا نکاح بدر کے بعد ہوا تھا۔ یہ عقلاً بطلان تھا۔

---

[1] (سُوْرَةُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْل ۱۹)

نقلاً اس لیے باطل ہے کیوں کہ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ: قرآن جیسی دولت تم کو دے رہا ہوں اور ابدی نجات وفلاح کا راستہ بتلاتا ہوں اور جنّت کی خوشخبری سناتا ہوں، یہ سب محض لِوَجْهِ اللهِ ہے، اِس خیر خواہی اور اِحسان کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا، صرف ایک بات چاہتا ہوں کہ: تم سے جو میرے نبی کے خاندانی تعلقات ہیں کم اَزکم اُن کو نظر اَنداز نہ کرو، آخر تمہارا معاملہ اَقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟!! ایسا اَوقات اُن کی بے موقع بھی حمایت کرتے ہو۔ میرا کہنا یہ ہے کہ: تم اگر میری بات نہیں مانتے تو نہ مانو، میرا دین قبول نہیں کرتے یا میری تائید وحمایت میں کھڑے نہیں ہوتے تو نہ سہی، لیکن! کم اَزکم قرابت ورحم کا خیال کرو اور ظلم واَذیت رسانی سے باز رہو اور مجھ کو اِتنی آزادی دو کہ مَیں اپنے پروردگار کا پیغام دُنیا کو پہنچاتا رہوں، کیا اِتنی دُوستی اور فطری محبت کا بھی مَیں مستحق نہیں ہوں؟!!

اِشکال: نحوی اشکال ہے کہ: اَجر اور چیز ہے اور مَوَدَّة اور چیز ہے تو یہ اِستثناء کیسے ہوا؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِلَّا بمعنی لٰکِنْ ہے اور مستثنیٰ منقطع ہے تو جنس کا ایک ہونا ضروری نہیں۔

② صاحبِ جمل وغیرہ فرماتے ہیں کہ: اِستثناء متصل ہے اور اِس میں مبالغہ ہے کہ: مَیں اَجر نہیں مانگتا، اگر مانگتا تو یہ مَوَدَّة مانگتا۔

فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ۔۔۔ الآیۃ ❶:

بات تو لمبی ہے لیکن دو (۲) آسان تفسیریں مَیں عرض کرتا ہوں، "تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ تفسیروں میں آپ کو دو (۲) تفسیریں ملیں گی:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: کیا یہ کہتے ہیں کہ نبی نے اللہ پر جھوٹ اِفتراء باندھا ہے؟!! پس! اگر اللہ چاہے تو يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ بِالصَّبْرِ عَلٰى اَذَاهُمْ۔ مہر لگا دے تیرے دل پر اُن کی اَذیت کو برداشت کرنے کی، صبر کرنے کی، وَقَدْ فَعَلَ اور اللہ نے ایسا کیا۔ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ۔۔۔ الآیۃ ❶ جملہ مستانفہ ہے اور واؤ تخفیفاً گر گیا ہے بغیر کسی عامل ناصب اور عامل جار کے۔

② پس! اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیرے دل پر مہر لگا دے یعنی (مَعَاذَ اللهِ) تجھ سے نبوّت چھین لے۔ جیسے آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ: وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ۔۔۔ الآیۃ ❷ اگر اللہ چاہے تیرے دل پر مہر لگا دے اور مٹا دے اللہ باطل کو اور حق کو اللہ ثابت کرے۔ اِس تفسیر کے مطابق يَمْحُ کا جو واؤ گرا ہے وہ اِنْ حرفِ شرط پر عطف ہونے کی وجہ سے گرا ہے۔

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ۔۔۔ الآیۃ ❶:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں: ایک راجح ہے، دوسری مرجوح ہے:

① راجح یہ ہے کہ: يَسْتَجِيْبُ کا فاعل اللہ ہے اور اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مفعول ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے دُعا اُن کی۔

② مرجوح یہ ہے کہ: يَسْتَجِيْبُ کا فاعل اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ہے۔ یعنی یہ لوگ اپنے رب کا حکم سنتے ہیں۔

یہ تفسیر مرجوح ہے، اِس لیے کہ يَزِيْدُهُمْ کی ضمیر اور آگے ضمائر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں، اب اگر یہ ضمیر راجع نہ کی جائے تو اِنتشارِ ضمائر کو لازم کرتا ہے اِس لیے مرجوح ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ۔۔۔ الآیۃ ❶:

علامہ عثمانی رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ: زمین کی طرح آسمانوں پر بھی جانوروں کی قسم کی کوئی مخلوق پائی جاتی ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ۔۔۔ الآیۃ ❶:

ربط: اُوپر ترغیب تھی کہ: اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے، بارش نازل کرتا ہے وغیرہ۔ آگے ترہیب ہے کہ: مصیبت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ: جو تکالیف آتی ہیں وہ اپنے ہاتھوں کے کیے کی وجہ سے آتی ہیں، مگر انبیاء کرام علیہم السلام اِس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: اَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ قَالَ: اَلْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ فَيُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ۔ أَوْ كَمَا قَالَ ﷺ ❸

❶ (سُوْرَةُ الشُّوْرٰی، ۲۴) ❷ (سُوْرَةُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْل، ۸۶) ❸ (جامع الترمذی، ابواب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فی صبر علی البلاء، ج ۲، ص ۵۸، طبع قدیمی، کراچی)

پیغمبر ﷺ، پوچھا گیا کہ: سب سے زیادہ تکالیف کس کو دی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: انبیاء کرام علیہم السلام کو اور پھر اُن کو جو انبیاء کرام علیہم السلام کے قریب تر ہوں۔

سوال پیغمبروں پر تکالیف کس وجہ سے آتی ہیں؟!!

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① رفعِ درجات کے لیے تکالیف آتیں ہیں۔

② لوگوں کے نمونہ کے لیے تاکہ لوگ دیکھیں کہ: جس طرح پیغمبروں پر تکالیف آئیں تو اُنہوں نے اُس کا مقابلہ صبر کے ساتھ کیا اِسی طرح لوگ بھی صبر کریں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝:

جَوَار، جَارِیَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "کشتیاں"۔

اَعْلَام، عَلَمٌ کی جمع ہے۔ پانی کا جہاز دُور سے ایسا نظر آتا ہے جیسے پہاڑ یعنی جس طرح زمین کی سطح پر پہاڑ اُبھرے ہوئے ہیں، سمندر کی سطح پر بڑے بڑے جہاز اُبھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۔۔۔الآیۃ:

رَوَاكِدَ، رَاكِدَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "ٹھہری ہوئی" اُس زمانہ میں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں۔

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا ۔۔۔الآیۃ:

سوال هُنَّ کی ضمیر اَلْجَوَار کشتیوں کی طرف راجع ہے، معنی ہیں کہ: "یا کشتیوں کو ہلاک کرے تمہارے کسب کی وجہ سے" تو کشتیوں کو ہلاک کرنے کا کیا معنی ہے؟!!

جواب "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: لفظ اَهْلٌ مقدر ہے۔ اَیْ یُوْبِقْ اَهْلَهُنَّ۔ "کشتی والوں کو ہلاک کرے" کیوں کہ کسب اَہل کا ہے نہ کہ کشتیوں کا۔

وَيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۔۔۔الآیۃ:

سوال لفظِ يَعْلَمَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟!!

جواب اَصل میں فعل محذوف ہے اُس پر عطف ہے۔ اَیْ يُغْرِقْهُمْ لِيَنْتَقِمَ مِنْهُمْ وَيَعْلَمَ۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۔۔۔الآیۃ:

اُن چیزوں میں مشورہ کرتے ہیں جو منصوص نہ ہوں، اگر منصوص ہوں یعنی قرآن، حدیث اور اِجماع تو اِس مسئلہ میں مشورہ نہیں ہوتا، یعنی منصوص کاموں میں رائے وہ مشورہ کے کوئی معنی نہیں، ایسے کاموں میں مشورہ ہونا چاہیے جو مہتم بالشان ہوں، ہر چھوٹے بڑے کام میں اگر مشورہ ہوا کرے تو پھر تو کوئی کام نہ ہو سکے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝:

اِشکال: اِس آیت کا پہلی آیت وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ ❶ سے تعارض ہے۔ پہلی آیت میں ہے کہ: اللہ کے بندے وہ ہیں غصہ ہوں تو معاف کرتے ہیں، اِس آیت میں ہے کہ زیادتی ہو تو بدلہ لیتے ہیں اور چوتھے پارہ میں آیت ہے کہ: وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۔۔۔الآیۃ ❷ اُس کے ساتھ بھی تعارض ہے؟

جواب: "تفسیر کبیر، رُوح المعانی" کے حوالے سے دو (۲) آسان باتیں مَیں عرض کرتا ہوں:

① مؤمنوں کا ایک معاملہ ہوتا ہے مؤمنوں کے ساتھ اور ایک معاملہ ہوتا ہے کفار کے ساتھ۔ جب معاملہ مؤمنوں کے ساتھ ہو تو رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔۔۔الآیۃ ❸

❶ (سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی، ۳۷) ❷ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن، ۱۳۴) ❸ (سُوْرَۃُ الْفَتْح، ۲۹)

ہیں اور جب کفار کے ساتھ ہوتو اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ ۔۔۔الآیۃ ● ہیں یعنی اُن کفار سے اِنتقام لیتے ہیں۔لہٰذا دونوں آیتوں کے محل جدا جدا ہیں۔

② اگر دونوں آیتوں کے محل ایک ہوں تو مطلب یہ ہے کہ: مثلاً ایک شخص وہ ہے جو غلطی کرے اور اُس کی حرکت پر غصہ آجائے اور اُس آدمی نے ندامت کے ساتھ اپنے عجز وقصور کا اِعتراف کرلیا تو اُس کو معاف کر دینا یہ محمود ہے اور جہاں بدلہ لینا مصلحت ہو مثلاً کوئی شخص خواہ مخواہ چڑھتا ہی چلا آئے اور ظلم وزور سے دبانے کی کوشش کرے یا جواب نہ دینے سے اُس کا حوصلہ بڑھتا ہے یا ہماری شخصی حیثیت سے قطع نظر ہو کر دین کی اہانت یا جماعتِ مسلمین کی تذلیل ہوتی ہے تو ایسی حالت میں بدلہ لیتے ہیں وہ بھی بہ قدر اُس کی زیادتی کے، جرم سے زائد سزا نہیں دیتے۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ ۔۔۔الآیۃ ۞:

لفظِ ظُلْم مصدر مبنی للمفعول ہے۔اَیْ بَعْدَ مَا ظُلِمَ بِهٖ۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ ۔۔۔الآیۃ ۞:

اِنَّمَا السَّبِيْلُ میں لفظِ سَبِيْل پر اَلِف لام مضاف الیہ کے عوض ہے۔اَیْ سَبِيْلُ الْزَّامِ۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ ۔۔۔الآیۃ ۞:

ربط: ابھی آپ نے اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ ۔۔۔الآیۃ ● پڑھا یعنی سرکشوں کا ذکر تھا، آگے بھی اُنہی کا ذکر ہے۔

بَعْدِهٖ کی "ہٖ" ضمیر مضاف الیہ کا عوض ہے۔اَیْ مِنْ بَعْدِ اِضْلَالِهٖ۔

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا ۔۔۔الآیۃ ۞:

سوال عَلَيْهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب عَلَيْهَا کی "هَا" ضمیر عذاب کی طرف راجع ہے جو کہ نَار پر دال ہے۔

وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۞:

اور نہیں تمہاری طرف سے کوئی اِنکار کرنے والا۔مثلاً جب کوئی کسی شخص کو سزا دینے میں تکلیف پہنچائے تو لوگ کہتے ہیں کہ: تم نے زیادتی کی، تو اِس طرح ہماری سزا پر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا یعنی ہماری سزا اور گرفت پر اِنکار کرنے والا کوئی نہیں۔

اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۔۔۔الآیۃ ۞:

لفظِ اِنْسَان جنس ہے، لفظاً مفرد ہے اور معنیً جمع ہے،فَرِحَ میں اُس کے لفظ کا لحاظ کیا گیا ہے اور تُصِبْهُمْ میں اُس کے معنی کا لحاظ کیا گیا ہے۔

اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ ۔۔۔الآیۃ ۞:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے شیعوں کے خلاف ایک کتاب "الاجوبۃ الاربعین" کے نام سے لکھی ہے، اُس میں اُنہوں نے حوالے نہیں دیے ہیں اور ہم نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! حوالے دیے ہیں۔حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے رافضیوں کی کتاب "نوبختی" سے حوالہ دیا ہے کہ: روافض کے ہاں "مردوں کا مردوں سے نکاح جائز ہے" دلیل یہ ہے کہ: يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا ۔۔۔الآیۃ ● اُن کم عقلوں نے یہ بات نہیں سمجھی کہ یہ نکاح کی بات نہیں بل کہ خلقت کی بات ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا ۔۔۔الآیۃ ۞:

ایک صورت وحی کی یہ ہے کہ: بہ واسطہ فرشتہ کے حق تعالیٰ کلام فرمائیں، مگر فرشتہ آنکھوں کے سامنے نہ آئے بل کہ براہِ راست نبی کے قلب پر نزول کرے اور قلب ہی سے فرشتہ کا اور صَوت کا اِدراک ہوتا ہو۔

ایک حدیث شریف میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: يَأْتِيْنِيْ مِثْلُ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ ●

جیسے تار گھر میں کٹ کٹ کی آواز آتی ہے، ہم نہیں جانتے اس کا کیا مطلب ہے؟ لیکن وہ جانتے ہیں جن کا کام ہوتا ہے۔اِسی طرح نبی فرشتہ کو نہیں دیکھتا مگر اُس کے دل اَندر القاء ہوتا ہے، یہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق گذرتی تھی۔

● (سُوْرَۃُ الْفَتْح، ۲۹) ● (سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی، ۴۲) ● (سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی، ۵۰) ● (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب طیب عرقہ صلی اللہ علیہ وسلم والتبرک بہ، ج ۲، ص ۲۵۷، طبع یادگار شیخ، کراچی)

اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ۔۔۔ الآیۃ:

دوسری صورت وحی کی یہ ہے کہ: پسِ پردہ وحی ہو۔ جیسے: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پسِ پردہ خطاب کیا۔

اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ۔۔۔ الآیۃ:

تیسری صورت وحی کی یہ ہے کہ: فرشتہ مُتَجَسِّد ہوکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے اور اِس طرح خدا تعالیٰ کا کلام پہنچادے جیسے ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام دو (۲) مرتبہ اپنی اَصلی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اُس کے علاوہ کبھی اِنسان کی شکل میں آتے تھے، اَکثر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے تھے۔

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۲﴾:

یہاں رُوح کے معنی ہیں: "قرآن"۔

وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔۔۔ الآیۃ:

"اور اِیمان کی تفاصیل نہیں جانتا تھا"۔ نفسِ اِیمان تو تھا، پیغمبر پہلے سے مؤمن ہوتا ہے۔ علّامہ باقلانی رحمہ اللہ کا قول قاسم ابن قطلوبغا رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ ہے کہ: پیغمبر ایک لحہ کے لیے شرک نہیں کرتا، لیکن تفاصیل جو ہیں پیغمبر کو وہ معلوم نہیں ہوتیں، وہ تو وحی کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں۔ عقائد کی کتابوں میں تصریح ہے "شرح عقائد، مسامرہ، شرح مواقف، مقاصد" میں ہے کہ: اِیْمَانُ مُجْمَلٍ لَا یَنْحَطُّ عَنْ اِیْمَانٍ۔ ماننے کے لیے اِیمانِ مجمل کافی ہے، اِس میں وہ تفصیلی اِیمان سے گرتا نہیں ہے۔ اب بے شمار چیزیں ہیں جن کی تفصیل ہمیں معلوم نہیں لیکن اُن پر اِیمان ہے۔ تو اِیمان تو پہلے تھا تفاصیل معلوم نہیں تھیں۔

اٰیَاتُھَا (۸۹) (۴۳) سُوْرَۃُ الزُّخْرُفِ مَکِّیَّۃٌ (۶۳) رُکُوْعَاتُھَا (۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: "تفسیر کبیر، سبق الغایات فی نسق الآیات" میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں رسالت کا ذکر تھا، توحید کا ذکر تھا، قرآن پاک کا ذکر تھا، اِس سورۃ میں بھی رسالت کا ذکر ہے، توحید کا ذکر ہے، قرآن پاک کا ذکر ہے۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الزُّخْرُف ہے، معنی ہیں: "سونا"۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲:

وَاوْ قسمیہ ہے۔ معنی ہے: "قسم ہے کتاب کی جو کھول کر بیان کرتی ہے"۔

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا۔۔۔ الآیۃ ۳:

پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ: اہلِ حق کا عقیدہ یہ ہے کہ: اَلْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللّٰهِ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ۔ لیکن! کلام اللہ سے کلامِ نفسی مُراد ہے کلامِ لفظی مُراد نہیں ہے۔

یہاں زمخشری بہت خوش ہوا ہے، کہتا ہے کہ: دیکھو! جَعَلْنَا فرمایا اور مَجْعُوْل جو ہوتا ہے وہ مخلوق ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ: قرآن مخلوق ہے تو تم کیسے اُس کو غیر مخلوق کہتے ہو؟!!

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: الفاظ کو تو ہم بھی مخلوق کہتے ہیں، کلامِ لفظی کو تو ہم بھی مخلوق کہتے ہیں، لہٰذا یہ ہمارے خلاف تو نہیں ہے۔ ہم تو کلامِ نفسی جس پر کلامِ لفظی دال ہے اُس کو غیر مخلوق کہتے ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝:

اِس لیے ہم نے قرآن پاک کو عربی میں اُتارا تاکہ تم سمجھو! چوں کہ مخاطبین عربی تھے وہ عربی میں ہی سمجھ سکتے تھے۔

وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ۔۔۔ الآیۃ ۴:

یہ قرآن کریم اُمُّ الْکِتَاب یعنی لوحِ محفوظ میں اِنتہائی شان والی ہے، لوحِ محفوظ میں دوسری کتابیں بھی ہیں لیکن قرآن جیسی نہیں ہیں۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا۔۔۔ الآیۃ ۵:

اِس آیت کو دو (۲) تفسیریں ہیں:

① علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ "معالم التنزیل" میں اور علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ "جلالین" میں فرماتے ہیں کہ: اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمْ اَیْ اَفَنُمْسِكُ عَنْكُمْ "کیا ہم روک لیں گے تم سے قرآن کو؟" تو یہ حضرات نَضْرِبُ کا معنی نُمْسِكُ کرتے ہیں۔

② صاحبِ کشاف معنی کرتے ہیں کہ: اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمْ اَیْ اَفَنُنَحِّیْ عَنْكُمْ۔ "کیا ہم پھیر دیں گے تم سے قرآن کو؟"

لفظِ صَفْحًا کی تحقیق: لفظِ صَفْحًا مصدر ہے اور نَضْرِبُ کے لیے مفعول لہ ہے اور صَافِحِیْنَ کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ: "کیا ہم روک لیں گے تم سے قرآن کو حَالَ كَوْنِنَا صَافِحِیْنَ دراں حال یہ کہ ہم پہلو تہی کرنے والے ہوں گے، اِس لیے کہ تم قوم ہو مسرف"۔ یعنی تم مسرف قوم ہو اِس لیے ہم قرآن پاک کو رُوک لیں گے تم تک نہیں پہنچائیں گے؟!! ایسا نہیں ہے! ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ: ہم اِتْمَامِ حُجَّۃ کرتے ہیں، لہٰذا تمہارے مسرف ہونے کی وجہ سے ہم قرآن کو نہیں رُوکیں گے، تمہارے کانوں تک پہنچائیں گے۔

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۰:

وہ ذات ہے جس نے بنایا زمین کو بچھونا، تمہارے لیے راستے بنائے تاکہ تم اپنے مقصود کی منزلوں تک رہنمائی حاصل کرو۔

فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۔۔۔ الآیۃ (۱۱):

لفظِ مَیْتًا جو ہے یُذَکَّرُ وَیُؤَنَّثُ اس لیے بَلْدَةً کی صفت واقع ہوا ہے، مُراد خشک علاقہ ہے۔

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۱۳):

اشکال: لفظِ ظُهُوْرِهٖ میں "ہٖ" ضمیر مفرد ہے اور لفظِ ظُهُوْر جمع ہے تو یہ جمع کس لحاظ سے ہے اور مفرد کس لحاظ سے ہے؟!!

جواب: "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: لفظِ مَا لفظاً مفرد ہے اور معنیً جمع ہے، تو ظُهُوْرِهٖ میں "ہٖ" ضمیر مفرد لائے لفظِ مَا کے لفظ کی رعایت کرتے ہوئے اور لفظِ ظُهُوْر جمع لائے، لفظِ مَا کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝:

مُقْرِنِيْنَ کے دو (۲) معنی ہیں:

① امام بخاری ﷫ مُقْرِنِيْنَ کا معنی کرتے ہیں: مُطِيْقِيْنَ یعنی ہم طاقت نہیں رکھتے۔

② دیگر حضرات مُقْرِنِيْنَ کا معنی کرتے ہیں: قابو نہیں کرسکتے۔ گھوڑے اور اُونٹ میں کتنی طاقت ہے؟!! اور اِنسان کی طاقت اُس کے مقابلے میں کیا ہے؟!! رب تعالیٰ ہی نے یہ سب قابو کیے ہیں اور اِن کو ہمارا تابع کر دیا ہے تو سوار ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کا اِحسان دل سے یاد کرو۔

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ (۱۴):

سوال: اِس آیت کا پچھلی آیت سے جوڑ کیا ہے؟

جواب: اِس سفر سے آخرت کا سفر یاد کرو، جب تم سفر کرتے ہو اور سواری تلاش کرتے ہو تو آخرت کے سفر کے لیے بھی سواری تلاش کرو، آخرت کے سفر کے لیے کرایہ "نماز، روزہ اور زکوٰۃ" ہیں اور "نفلی عبادات" سفر کا خرچہ ہے۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۔۔۔ الآیۃ (۱۵):

جس خداوندِ عزیز کی قدرت تو یہ ہے کہ: آسمان و زمین کا خالق ہے، بارش نازل کرنے والا ہے، سب چیزوں کا خالق ہے، اِن ظالموں نے اللہ کی مخلوق کو اُس کا جز بنا دیا۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ۝ (۱۶):

ربط: واضح ہے کہ: اَبھی آپ نے سنا کہ ظالموں نے فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں بنایا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے فرشتوں کو بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے بنائے؟ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنے لیے بیٹے اور ایک نہ بل کہ بہت سارے بناتا، یہ کیا اِنصاف ہے؟!!

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ۔۔۔ الآیۃ (۱۷):

مَثَلًا اَيْ صِفَةً، شَبَهًا اَلْوَلَدُ يُشْبِهُهُ الْوَالِدُ۔

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ ۔۔۔ الآیۃ (۱۸):

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا اَيْ اَوَيَجْعَلُوْنَ مَنْ يُّنَشَّؤُ۔ کیا یہ ٹھہراتے ہیں ایسوں کو جو پرورش پاتی ہیں زیور میں یعنی عورت۔

وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۝:

اور وہ جھگڑے کے اَندر بات کو بیان بھی نہیں کرسکتیں۔ جیسے مَرد ہر بات کو بیان کرسکتا ہے عورتوں میں شرم کا مادّہ ہوتا ہے وہ ہے بات کو کھول کر نہیں بیان کرسکتیں۔ تو ایسی مخلوق جو جھگڑے کے وقت بات کو بیان نہ کرسکے اُس کو تم خدا کے لیے تجویز کرتے ہو؟!!

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۲۰):

کفار نے شوشہ چھوڑا کہ: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم نہ عبادت کرتے فرشتوں کی۔ چودھویں (۱۴) پارہ میں تفصیلاً اور آٹھویں (۸) پارہ میں اِجمالاً گزر چکا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے تو یہ چاہتا، تشریعی طور پر پیغمبر بھیجے، کتابیں بھیجیں، منع کرنے والے بھیجے، اگر رب چاہتا تو پیغمبر کیوں بھیجتا؟!! کتابیں کیوں نازل کرتا؟ مبلغ کیوں بھیجتا؟ ہاں! تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ نے مجبور کسی کو نہیں کیا۔

وَ كَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ ۔۔۔الآیۃ:

ترکیب: ترکیب کے حوالے سے دو (۲) قول ہیں:

① علامہ ابو سعود رحمہ اللہ متاخرین میں خاصے نکتہ رس مفسر تھے، وہ فرماتے ہیں کہ: كَذٰلِكَ خبر ہے اور مبتداء محذوف ہے اَيِ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ۔ مَاۤ اَرْسَلْنَا ۔۔۔الخ جملہ مستانفہ ہے۔

② دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ: جملہ ایک ہی ہے۔ معنی ہیں: "ایسے ہی ہم نے نہیں بھیجا تجھ سے پہلے کسی قَرْيَة میں اَيْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَا جس طرح ہم نے تجھے بھیجا اسی طرح ہم نے تجھ سے پہلے کوئی نذیر نہیں بھیجا مگر انہوں نے یہ بات کہی"۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۔۔۔الآیۃ:

سوال: قَالَ کی "هُوَ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب: قَالَ کی "هُوَ" ضمیر نَذِيْر کی طرف راجع ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ ۔۔۔الآیۃ:

کفار نے یہ کہا تھا کہ: ہم اپنے آباء کے طریقے پر چلتے ہیں، آگے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا۔ محققین فرماتے ہیں کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کی دو (۲) وجہ ہیں:

① تم اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے ہو، وہ لوگ کہتے تھے کہ: ہم ابراہیمی ہیں، تو دیکھو! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا فرمایا؟ اور تم کیا کہتے ہو؟ تم کیسے ابراہیمی ہو؟

② تم نے اگر اپنے آباء کی پیروی کرنی ہے تو کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام تمہارے اَبْ یعنی باپ نہیں ہیں؟ اُن کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ ان قریب کے آباء کی، جاہلین کی پیروی کیوں کرتے ہو؟ پیروی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کرو! وہ تمہارے اَبْ ہیں، سچے ہیں۔

اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ٥:

بَرَآءٌ مصدر ہے "واحد، تثنیہ، جمع" سب کے لیے آتا ہے، اور یہ اسم فاعل بَرِيْءٌ کے معنی میں ہے۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً ۔۔۔الآیۃ:

سوال: جَعَلَهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب: جَعَلَهَا کی "هَا" ضمیر اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اس مقولہ اور کلمہ کی طرف راجع ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ٥:

یعنی اگر قرآن پاک کو اُترنا تھا تو ان دو (۲) شہروں میں کسی سردار پر کیوں نہ اُترا؟!!

سوال: قَرْيَتَيْن سے کون سی بستیاں مُراد ہیں؟

جواب: ایک قَرْيَة سے مُراد "مکہ مکرمہ" ہے وہاں ولید بن مغیرہ تھا، یہ مشہور صحابی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا والد تھا اور دوسری قَرْيَة سے مُراد طائف ہے، وہاں عروہ بن مسعود ثقفی تھا۔ طائف مکہ مکرمہ سے پچھتر (۷۵) کلومیٹر دور ہے۔

سوال: لفظِ رَجُل موصوف ہے اور عَظِيْم صفت ہے، تو موصوف صفت کے درمیان فاصلہ نہیں آنا چاہیے حال آں کہ یہاں فاصلہ ہے؟

جواب: لفظِ رَجُل موصوف ہے اور عَظِيْم صفت ہے، صفت موصوف میں اُجنبی کا فاصلہ آنا چاہیے، لیکن! نحاۃ نے تصریح کی ہے کہ: جار مجرور کا فاصلہ کوئی فاصلہ نہیں ہوتا۔

لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا۔۔۔الآیۃ ﴿۳۲﴾:

یہاں مَیں تھوڑی سی بات عرض کرتا ہوں:

سوال سُخْرِيًّا کا مجرد مادّہ کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اِس کا مجرد مادّہ ہے جس کا مصدر تَسْخِیْر آتا ہے "دوسرے کو مسخر کرنا یعنی قابو کرنا"۔

② اِس کا مجرد مادّہ مَسْخَرَہ ہے۔

اہلِ بدعت کا غلط دعوٰی: اہلِ بدعت کا غلط دعوٰی ہے کہ: آپ ﷺ "قاسم رزق اللہ" ہیں، جتنا کسی کو کچھ ملتا ہے سب آپ ﷺ تقسیم کرتے ہیں، اللہ نے سب رزق وغیرہ آپ ﷺ کے حوالے کر دیا ہے، آپ ﷺ تقسیم کرتے ہیں۔

دلیل: "بخاری شریف" کی روایت ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں "کتاب العلم" میں روایت ہے کہ: مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ أَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِي ❶ اِس سے وہ یہ مُراد لیتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سارا رزق دیا ہے، اب آپ ﷺ تقسیم کرتے ہیں اَلْقَاسِمُ أَيِ الْقَاسِمُ رِزْقِ اللهِ۔

جواب "دل کا سرور" نامی کتاب میں مبسوط بحث دیکھ لینا، یہاں مختصر سی بات مَیں عرض کرتا ہوں: اِس حدیث کا یہ مطلب لینا کہ آپ ﷺ رزق وغیرہ تقسیم کرتے ہیں یہ قرآن کے بھی خلاف ہے، حدیث کے بھی خلاف ہے، عقل کے بھی خلاف ہے:

قرآن کے خلاف: قرآن کے خلاف اِس طرح ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔۔۔الآیۃ ❷ نَحْنُ ضمیر حصر کی وجہ سے مقدّم لائے۔ معنی ہیں: "ہم ہی نے تقسیم کی اُن کے درمیان اُن کی روزی دُنیا کی زندگی میں"۔ اب اگر حدیث کا یہ معنی لو کہ: آپ ﷺ تقسیم کرتے ہیں تو اِس نص کے خلاف ہے۔

حدیث کے خلاف: حدیث کے خلاف اِس طرح ہے کہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے رویت ہے کہ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ:

إِنَّ اللهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ وَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُّحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ وَلَا يُعْطِي الدِّيْنَ إِلَّا لِمَنْ أَحَبَّ۔ أَوْ كَمَا قَالَ ﷺ ❸

رب نے اَخلاق بھی خود ہی تقسیم کیے ہیں جیسے رزق تقسیم کیا ہے، اللہ دُنیا اُن کو بھی دیتا ہے جن سے اللہ محبت نہیں کرتا اور جن سے اللہ محبت کرتا ہے، لیکن! دین صرف اُس کو دیتا ہے جس سے رب محبت کرے۔

عقل کے خلاف: عقل کے خلاف اِس طرح ہے کہ: رزق حلال بھی ہے حرام بھی، آنحضرت ﷺ مکلف ہیں رب غیر مکلف ہے، اگر آنحضرت ﷺ (مَعَاذَ اللهِ) قَاسِمُ رِزْقِ اللهِ ہوں تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ: (مَعَاذَ اللهِ) چور کو چوری کا مال دیتے ہیں، شرابی کو شراب دیتے ہیں وغیرہ۔ یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ یہ تو آپ ﷺ کی ذات پر بڑا حرف ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔۔۔الآیۃ ﴿۳۳﴾:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اِس دُنیاوی مال کی ہمارے ہاں کوئی قدر نہیں اور نہ اِس کا دیا جانا قربِ اِلٰہی کی دلیل ہے، یہ بالکل بے قدر چیز ہے، اگر ایک خاص مصلحت مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں کے مکانوں کی چھتیں، زینے، دروازے، چوکھٹ وغیرہ سب چاندی اور سونے کی بنا دیتا۔ اگر ہم ایسا کرتے تو کم فہم لوگ یہ سمجھیں گے کہ: یہ کافر عِنْدَ اللهِ مقبول ہیں اِس لیے یہ مال دیا گیا ہے، تو اِس صورت میں لوگ یہ دیکھ کر کہ کافروں کو ایسا سامان ملتا ہے عموماً کفر کا راستہ اِختیار کر لیتے اور یہ چیز مصلحتِ خداوندی کے خلاف ہوتی اِس لیے ایسا نہیں کیا گیا۔

سوال وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ کی تقدیری عبارت کیا ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

---

❶ (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین، ج۱، ص۱۶، طبع یادگار شیخ، کراچی) ❷ (سُوْرَۃُ الزُّخْرُف ۳۲) ❸ (مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابہ رضی اللہ عنہم، مسند عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ج۶، ص۱۸۹، طبع موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

① اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: تقدیری عبارت یہ ہے: وَلَوْلَاۤ خَوْفُ اَنْ یَّکُوْنَ۔

② بعض فرماتے ہیں کہ: تقدیری عبارت یہ ہے: لَوْلَا خَشْیَۃُ۔

③ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: خوف کے لفظ سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خوف آتا ہے اِس لیے وہ تقدیری عبارت ایسی نکالتے ہیں وَلَوْلَا اَنْ یَرْغَبُوْا فِی الْکُفْرِ لیکن! اِس خوف والے لفظ کی تقدیری عبارت بھی صحیح ہے کیوں کہ یہ خوف رب کے بارے میں نہیں بل کہ اُن کے بارے میں کفر کا ہے۔

وَاِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔۔۔الآیۃ ﴿۳۵﴾:

لَمَّا بمعنی اِلَّا ہے۔

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۶﴾:

ربط: اُوپر کفار کا ذکر تھا آگے بھی کفار کا ذکر ہے کہ: جو اَندھا ہوتا ہے رحمٰن کے ذکر سے تو ہم اُس کے لیے شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔

یَعْشُ میں مَنْ کے لفظ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ لَہٗ میں مفرد کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع ہے اِس لیے کہ مَنْ لفظاً مفرد ہے۔

وَاِنَّہُمْ لَیَصُدُّوْنَہُمْ عَنِ السَّبِیْلِ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۷﴾:

لَیَصُدُّوْنَہُمْ میں ہُمْ ضمیر مَنْ کی طرف راجع ہے جو معناً جمع ہے۔

اَیْ سَبِیْلِ ہِدَایَۃٍ، سَبِیْلِ حَقٍّ۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۸﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① مشرقین اِس کو تغلیباً کہتے ہیں اِس سے مشرق اور مغرب مُراد ہیں۔ جیسے: اَبَوَیْن، عُمَرَیْن۔

② اِس سے مَشْرِقُ الشِّتَآءِ وَالصَّیْف مُراد ہے۔

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَآ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۵﴾:

"تفسیر معالم التنزیل، خازن، روح المعانی، ابو سعود، ابن کثیر، مدارک" وغیرہ میں بڑی بحث ہے، مَیں دو (۲) آسان تفسیریں عرض کرتا ہوں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: پوچھ اُن رسولوں سے جو بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے، یہ اِرشاد اُس وقت ہے جس وقت اُن سے ملاقات ہو جائے۔ یہ سورۃ معراج کے واقعہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ تو معنی یہ ہے کہ: "معراج کی رات جن پیغمبروں سے ملاقات ہوگی اُن سے پوچھو" اِس تفسیر میں براہِ راست انبیاء کرام علیہم السلام سے پوچھنا ہے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: یہاں مضاف مقدر ہے اَیْ وَاسْئَلْ اُمَمَ مَنْ اَرْسَلْنَا یعنی یہود و نصاریٰ، صابئین سے پوچھو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِہٖ۔۔۔الآیۃ ﴿۴۶﴾:

ربط: ربط دو (۲) ہیں:

① پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا کیوں کہ مشرکین عرب یہ دعویٰ کرتے تھے کہ: ہم اِبراہیمی ہیں، اب اِتْمَامِ حُجَّۃ کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کیوں کہ جزیرۂ عرب میں مشرکین کے بعد یہود کی کثیر تعداد تھی اور یہ مشرکین اُن کے واقعات کو سنتے تھے۔

② اُوپر رسالت کا ذکر تھا کہ: ہم نے کئی رسول بھیجے اب اُن میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔

وَمَا نُرِیْہِمْ مِّنْ اٰیَۃٍ اِلَّا ہِیَ اَکْبَرُ مِنْ اُخْتِہَا۔۔۔الآیۃ ﴿۴۸﴾:

اور جو دکھلائی ہم نے اُن کو نشانی سو وہ پہلی سے بڑی تھی۔

حضرت مولانا سلام اللہ دہلوی رحمہ اللہ "کمالین" والے فرماتے ہیں کہ: اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلی سے دوسری بڑی تھی اور دوسرے سے تیسری بڑی تھی حال آں کہ اِس طرح نہیں ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ: یہ عربی کا مقولہ ہے: هُمَا اَخَوَانِ كُلٌّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَكْبَرُ عَلٰى صَاحِبِهٖ۔ ایک دوسرے سے بڑی نہیں تھی بل کہ فِيْ نَفْسِهٖ بڑی تھی۔

وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۹﴾:

سوال جادوگر کیوں کہا؟!!

جواب اِس کی دو (۲) وجوہات مفسرین نے ذکر کی ہیں:

① بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہتے تھے یعنی یہ اِس طرف اِشارہ ہے کہ: ہم تجھ کو نبی اب بھی نہیں سمجھتے، صرف ایک ماہر جادوگر سمجھتے ہیں۔

② بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: یہ احترام اور تعظیم کی وجہ سے ہے کیوں کہ اُن کے محاورات میں عالم کو کہتے تھے اور بڑا علم اُن کے نزدیک یہی سحر تھا۔

وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۱﴾:

مِنْ تَحْتِيْ اَيْ تَحْتَ قُصُوْرِيْ یعنی میرے محلوں کے نیچے سے گزرتی ہے۔

اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۲﴾:

تمام تفاسیر میں آپ کو ملے گا کہ: اَمْ تُبْصِرُوْنَ فَحِيْنَئِذٍ اَنَا خَيْرٌ۔

مَهِيْنٌ یعنی اِس کی کچھ عزت نہیں۔ یہ اِس لیے کہا کہ: اِس کے پاس کوٹھیاں نہیں تھیں، فوجیں نہ تھیں، حکومت نہ تھی وغیرہ۔

فَلَوْلَاۤ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۳﴾:

اُس زمانے میں سردار کے کنگن ہوتے تھے، وہ خود جواہرات کے کنگن پہنتا تھا۔

اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ○:

مُقْتَرِنِيْنَ کے معنی ہیں:

"جڑے ہوئے"۔ جس طرح دُنیاوی بادشاہ کے ساتھ دونوں طرف فوجیں ہوتی ہیں اِس کے ساتھ کیوں نہیں آئیں؟!!

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۴﴾:

شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ، شیخ الہند رحمہ اللہ معنی کرتے ہیں کہ: "عقل کھو ڈالی، عقل ضائع کردی، مت ماردی اپنی قوم کی"۔ فَاسْتَخَفَّ کے لفظی معنی ہیں: "ہلکا سمجھنا"۔

فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵۵﴾:

اٰسَفُوْنَا اَيْ اَغْضَبُوْنَا۔

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ○ ﴿۵۶﴾:

سَلَفًا، سَالِفٌ کی جمع ہے جیسے خَدَمٌ، خَادِمٌ کی، حَرَثٌ، حَارِثٌ کی، شَهَدٌ، شَاهِدٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "گیا گزرا"۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ○ ﴿۵۷﴾:

ربط: پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ: عرب کی سرزمین پر مردم شماری کے لحاظ سے پہلے نمبر پر مشرک، دوسرے نمبر پر یہود اور تیسرے نمبر پر نصاریٰ تھے یعنی کثرت کا تناسب یہ تھا۔ پہلے دونوں کا ذکر ہوا اب تیسرے کا ذکر ہے۔

يَصِدُّوْنَ، صَدَّيٰ، يَصِدُّيٰ بابِ ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے آجائے تو معنی ہیں: "چلانا" اور اگر صَدَّيٰ، يَصِدُّيٰ بابِ نَصَرَ، يَنْصُرُ سے آجائے تو معنی ہیں "روکنا" ہوگا۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: يَصِدُّوْنَ کا معنی ہے: تَصْدِيَة یعنی "تالی بجانا"۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ ۔۔۔ الآیۃ (۵۹):

اِنعام اِس طرح کیا کہ: بغیر باپ کے پیدا کیا، نبوت دی، بہت سے معجزات دیئے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِى الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ○ (۶۰):

"تفسیر بیضاوی، ابوسعود، مدارک، روح المعانی" وغیرہ وغیرہ تفسیروں میں اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: مِنْكُمْ میں مِنْ عوض اور مقابلے کے لیے ہے اور آپ دسویں پارہ میں مِنَ الْاٰخِرَةِ ۔۔۔ الآیۃ ❶ کے الفاظ پڑھ چکے ہیں کہ: مِنْ تعویضی ہے۔ معنی ہوں گے: "اگر ہم چاہیں تو کر دیں تمہارے عوض اور مقابلے میں فرشتے، اُن کو زمین کا خلیفہ بنا دیں، تمہیں فنا کر دیں، تمہاری جگہ فرشتوں کو لا دیں، اگر ہم چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں"۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: مِنْ عوض اور مقابلے کے لیے نہیں بل کہ اپنے معنی میں ہے "یعنی" سے "کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ: "اگر ہم چاہیں تو البتہ بنا دیں تم میں سے فرشتے" یعنی ایسے لوگ پیدا کریں جو تم میں سے سارے کے سارے فرشتوں کی طرح معصوم ہوں، جیسے فرشتے معصوم ہیں ایسے لوگ اگر ہم پیدا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، لیکن! حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ: اِنسان اپنی مرضی سے خیر و شر کرے۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ۔۔۔ الآیۃ (۶۱):

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ آنا قیامت کی علامت ہوگی۔ بعض قراء اِس کو لَعَلَمٌ پڑھتے ہیں تو پھر معنی ہے: "نشانی"۔

اِس مقام پر "تفسیر ابن جریر طبری، البحر المحیط، ابن کثیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور نزول کے بارے میں اَحادیثِ متواترہ موجود ہیں، جو اُن کو نہیں مانتا وہ پکا کافر ہے کیوں کہ یہ ضروریاتِ دین میں سے ہیں۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ ۔۔۔ الآیۃ (۶۵):

سوال اَحزَاب سے کون مُراد ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اَحزَاب سے مُراد یہ ہے کہ مثلاً: یہود نے کہا کہ: (مَعَاذَ الله) حضرت عیسیٰ علیہ السلام حلال زادے ہی نہیں ہیں، عیسائیوں نے رب کا بیٹا اور شریک بنا دیا، مشرکین نے اُن سے مذاق شروع کر دیا۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اَحزَاب سے عیسائیوں ہی کے گروہ مُراد ہیں:

① یَعْقُوْبِیَة۔ ② نَسْطُوْرِیَة۔ ③ مَلْکَائِیَة۔

ایک نے اِبْنُ الله کہا، دوسرے نے عَیْنُ الله کہا، تیسرے نے ثَالِثُ ثَلٰثَة کہا۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ○ؕ (۶۷):

اَخِلَّآء، خَلِیْلٌ کی جمع ہے جیسے اَطِبَّآء، طَبِیْبٌ کی جمع اور اَجِلَّآء، جَلِیْلٌ کی جمع ہے۔ اُس دن دُوست دُوست سے بھاگے گا کہ اُس کے سبب سے کہیں مَیں نہ پکڑا جاؤں۔ دُنیا کی سب دُوستیاں ختم ہو جائیں گی البتہ جن کی محبت اور دُوستی اللہ کے واسطے تھی وہ کام آئے گی۔

"بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: قیامت کے دن بعض لوگ ایسے ہوں گے اُن کے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُن کو جہنم میں ڈالیں گے تو اُن کے ساتھی جو مؤمن ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پُر زور اپیل کریں گے کہ: پروردگار! كَانُوْا يُصَلُّوْنَ مَعَنَا وَيَصُوْمُوْنَ مَعَنَا یہ تو ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، آپ نے اِن کو دوزخ میں ڈال دیا؟!! تو رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ: اِن کی بدیاں غالب ہیں سزا بھگت کر آجائیں گے تم جنت میں چلے جاؤ!! وہ کہیں گے کہ: پروردگار! ہم اپنے دُوستوں کے بغیر نہیں جائیں گے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ: ایسا کرو تم دُوزخ میں داخل ہو جاؤ! تمہارے لیے دُوزخ بَرْدًا وَّسَلَامًا ہوگی، جن جن کو ہاتھ پکڑ کر لے جانا چاہتے ہو لے جاؤ ❷

❶ (سُورۃُ التَّوبَة، ۳۸) ❷ (صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ: وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ، ج ۲، ص ۱۱۰۷، طبع یادگار شیخ کراچی)

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ۔۔۔الآیۃ ۶۸:

ربط: واضح ہے کہ اُوپر جنّت اور متقین کا ذکر تھا آگے بھی اُن متقین کا ذکر ہے۔

یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۔۔۔الآیۃ ۷۱:

صِحَاف، صَحْفَۃٌ کی جمع ہے۔ معنیٰ ہیں: "رکابی"۔ ایک ہے صُحُف جس کا مفرد صَحِیفَۃٌ آتا ہے۔ اَکْوَابٍ، کُوْبٌ کی جمع ہے۔ معنیٰ ہیں: "وہ برتن جس کا دستہ نہ ہو"۔ دستے والے برتن کو اَبْرِیق کہتے ہیں۔

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۷۴:

ربط: اُوپر متقین کا ذکر تھا اب متقین کے مقابلے میں مجرمین کا ذکر ہے وَبِضِدِّهَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَآءُ۔

لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ۷۵:

لَا یُفَتَّرُ اَیْ لَا یُخَلَّفُ۔

سوال فِیْهِ کی "ہٖ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب فِیْهِ کی "ہٖ" ضمیر عذاب کی طرف راجع ہے۔ معنیٰ ہیں: "اُس عذاب میں نااُمید ہو کر بیٹھیں گے"۔

وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ۔۔۔الآیۃ ۷۷:

لِیَقْضِ عَلَیْنَا اَیْ لِیُمِتْنَا۔ جہنم کے اُنیس (۱۹) بڑے بڑے اِنچارج ہیں لیکن اُن سب کا اِنچارج "مالک" ہے جیسے جنّت کا اِنچارج "رضوان" ہے۔

اَمْ اَبْرَمُوْۤا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ۷۹:

اَبْرَمَ، یُبْرِمُ، اِبْرَامًا۔ معنیٰ ہیں: "مضبوط کرنا"۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۔۔۔الآیۃ ۸۱:

یہاں سے اُن لوگوں کا رد ہے جو رحمٰن کی اُولاد مانتے ہیں، فرشتوں کو بیٹیاں، حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے۔

"تفسیر روح المعانی، ابن کثیر، کبیر، خازن، ابو سعود" وغیرہ وغیرہ تفسیروں میں آپ کو دو (۲) تفسیریں ملیں گی:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: اِنْ حرفِ شرط ہے۔ معنیٰ ہے: "تُو کہہ دے اگر بالفرض والمحال رحمٰن کی اُولاد ہوتی سب سے پہلے مَیں اُس کی عبادت کرتا"۔ اِنْ حرفِ شرط ہے یہ جملہ شرطیہ ہے خارج میں تحقیق کو نہیں چاہتا۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: اِنْ نفی کا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس کو ترجیح دی ہے اور تمام تفسیروں میں بھی یہی ہے۔ معنیٰ ہیں: اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ اَیْ مَا كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ رحمٰن کے لیے نہیں ہے کوئی اُولاد، فَاَنَا اَوَّلُ الْجَاحِدِیْنَ منکروں میں مَیں پہلا منکر ہوں۔

لغوی تحقیق: عَبَدَ، یَعْبُدُ باب نَصَرَ، یَنْصُرُ سے آئے تو معنیٰ ہیں: "مَیں پہلا انکار کرنے والا ہوں"۔

وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ ۔۔۔الآیۃ ۸۶:

اب اُن لوگوں کا رد ہے جو کہتے تھے کہ: یہ معبود ہمارے سفارشی ہیں۔ جیسا کہ اِرشاد ہے: وَیَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔۔۔الآیۃ ① اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تمہارے لیے کوئی سفارشی نہیں۔ کیوں سفارشی نہیں؟ اس لیے کہ: وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ ۔۔۔الآیۃ ② نہیں مالک وہ جن کو پکارتے ہیں اللہ کے ورے شفاعت کے لیے۔ لات، منات، عزّت یہ شفاعت کے مالک نہیں ہیں۔ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ ۔۔۔الآیۃ ③ مگر وہ شفاعت کرے گا جس نے حق کی گواہی دی۔ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ④ اور وہ جانتے ہیں۔ کیا جانتے ہیں؟ "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا: وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ اَیْ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ بِقُلُوْبِهِمْ مَا شَهِدُوْا بِهٖ بِاَلْسِنَتِهِمْ وہ جو زبان سے گواہی دیتے ہیں حق کی وہ دل سے بھی جانتے ہیں۔

① (سُوْرَۃُ یُوْنُس ۱۸) ②③④ (سُوْرَۃُ الزُّخْرُف ۸۶)

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۸﴾:

وَاوْ قَسمیہ ہے۔ معنی ہے: پیغمبر کے قول کی قسم۔

وَقُلْ سَلٰمٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۹﴾:

سَلٰمٌ اَیْ سَلَامٌ مِنِّیْ، مِنِّیَ السَّلَامُ۔

اٰيَاتُهَا (۵۹) (۴۴) سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ (۶۴) رُكُوْعَاتُهَا (۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

ربط: "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں رسالت کا ذکر تھا کہ: پیغمبر نے قسم اُٹھائی کہ یہ میری قوم ایمان نہیں لاتی۔ آگے بھی مُنْذِرِیْن اور مُرْسِلِیْن کے لفظ سے رسالت کا ذکر ہے، اِس طور پر کہ: پیغمبر آتے رہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی پیغمبر ہیں۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الدُّخَانِ ہے۔ معنی ہیں: "دھواں"۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳﴾:

سوال لَیْلَہ مُبَارَکَہ سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① جمہور محققین کہتے ہیں کہ: اِس سے لَيْلَةُ الْقَدْر مُراد ہے جو رمضان میں ہوتی ہے اور آخری طاق راتوں میں ہوتی ہے۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ: اِس سے مُراد شبِ برأت یعنی پندرھویں شعبان کی رات ہے۔

اِشکال: اشکال یہ ہے کہ: قرآن پاک تو نازل ہوا لَيْلَةُ الْقَدْر میں تو شبِ برأت کیسے مُراد ہوسکتی ہے؟!!

جواب: حضرت عثمانی رحمہ اللہ نے "فوائد عثمانی" میں اور اِمام رازی رحمہ اللہ نے "تفسیر کبیر" میں تطبیق یہ دی ہے کہ: اِس رات میں قرآن کریم لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر اُتارا گیا، پھر یہ بتدریج تئیس (۲۳) سال میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترا، نیز اِسی شبِ برأت میں فیصلے ہوئے کیوں کہ روایت میں ہے کہ: اِس رات کو "رزق، عمر" وغیرہ کا فیصلہ ہوا اور عملی طور پر نزول لَيْلَةُ الْقَدْر میں ہوا۔

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ ﴿۴﴾:

سال بھر کے متعلّق قضاء وقدر کے حکیمانہ فیصلے اِسی عظیم الشان رات میں لوح محفوظ سے نقل کر کے اُن فرشتوں کے حوالے کیے جاتے ہیں جو شعبہ ہائے تکوینیات میں کام کرنے والے ہیں۔

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵﴾:

اَيْ حَالَ كَوْنِهٖ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا۔ درآں حال یہ کہ اَمر ہماری طرف سے ہے ہم بھیجنے والے ہیں۔

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶﴾:

لفظِ رَحْمَةً کی دو (۲) ترکیبیں ہیں:

① لفظِ رَحْمَةً مفعول لہ ہے۔ اَيْ لِاَجْلِ الرَّحْمَةِ۔

② لفظِ رَحْمَةً، مُرْسِلِیْن کا مفعول ہے۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴿۱۰﴾:

"بخاری شریف" کتاب التفسیر میں اور تمام تفسیروں میں دو (۲) تفسیریں منقول ہیں:

① ایک تفسیر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے کہ: اِس دُخَان سے وہ دُخَان مُراد ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے حق میں بددُعا فرمائی کہ: اَللّٰهُمَّ سَبْعٌ كَسَبْعِ يُوْسُفَ۔ اے اللہ! اِن پر سات (۷) سال ایسے مسلط کر جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ وہ لوگ جب اُٹھتے تھے تو سامنے بھوک کی وجہ سے دھواں دھواں نظر آتا تھا حَتّٰى اَكَلَ الْمَيْتَةَ وَالْعِظَامَ وَالْجُلُوْدَ۔ تو اُس سے وہ دھواں مُراد ہے۔

② حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اس دھوئیں سے وہ دھواں مُراد ہے جو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ: ساری دُنیا پر دھواں چھا جائے گا۔
مَیں (حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ: کسی تفسیر کا کسی سے تعارض نہیں زمانے الگ الگ ہیں مکہ والوں کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوا اور قیامت سے پہلے بھی دھواں ہوگا۔

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝ ﴿۱۴﴾:

"اور کہنے لگے کہ: یہ رسول مُعَلَّم ہے، مجنون ہے۔ مُعَلَّم کیوں ہے؟ چودھویں پارہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ: اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۔۔۔ الآیۃ ❶ اِس کو فلاں شخص سکھلاتا ہے۔ اُس کا نام "نسطاس، یعیش، عائش یا جبر" تھا۔

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۶﴾:

جب پکڑیں گے ہم بڑی پکڑ۔

اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸﴾:

اِس جملہ کی دو (۲) تفسیریں آپ کو تفسیروں میں ملیں گی:
① ایک تفسیر یہ ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: اَدُّوْٓا اِلَيَّ حوالے کرو میرے عِبَادَ اللہ اللہ کے بندوں کو اور عباد اللہ سے بنی اسرائیل مُراد ہیں۔ اَيْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ۔
② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: اَدُّوْٓا اِلَيَّ مَا دَعَوْتُكُمْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ ۔ اے اللہ کے بندو! فرعونیو! قبطیو! تم اَدا کرو میری طرف وہ چیز جس کی مَیں تمہیں دعوت دیتا ہوں یعنی ایمان لاؤ۔ اِس تفسیر کے مطابق عِبَادَ اللہ سے فرعونی قبطی مُراد ہیں۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝ ﴿۲۳﴾:

لَيْلًا اَيْ فِيْ لَيْلٍ۔
اگر لفظِ لَيْلًا نہ ہوتا تو اَسْرِ ی کا معنی ہوتا "رات کو لے چل"۔ لیکن! اب تجرید کریں گے کہ: "لے چل میرے بندوں کو رات کو"۔

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۴﴾:

رَهْوًا اَيْ سَاكِنًا یعنی "تھما ہوا چھوڑ دو"۔

وَنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ ﴿۲۷﴾:

فٰكِهِيْنَ اَيْ مُتَلَذِّذِيْنَ۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۹﴾:

"تفسیر ابن کثیر، درّ منثور، معالم التنزیل اور ابن جریر طبری" میں روایت ہے کہ: مؤمن جس وقت مَرتا ہے تو اُس کے لیے آسمان کے دو (۲) دروازے روتے ہیں: ایک وہ دروازہ جس سے اُس کی نیکیاں اور اَعمالِ صالحہ اُوپر جاتے تھے اور دوسرا وہ جس سے اللہ کی رحمت اُترتی تھی۔ زمین روتی ہے جس پر وہ عبادت کرتا تھا۔ کافر جب مَرتا ہے تو نہ آسمان رُوتا ہے نہ زمین رُوتی ہے، وہ تو خوشی مناتے ہیں، يَسْتَرِيْحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ مِنْ فِرْعَوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۰﴾:

ربط: اُوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا آگے بھی اُنہی کی قوم کا ذکر ہے۔
مِنْ فِرْعَوْنَ کی دو (۲) ترکیبیں ہیں:
① مِنْ فِرْعَوْنَ حال ہے۔ معنی ہے: "ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو عَذَابِ مُهِيْن سے اِس حالت میں کہ جو فرعون کی طرف سے ہونے والا تھا" اَيْ حَالَ كَوْنِهٖ كَائِنًا مِنْ فِرْعَوْنَ۔

❶ (سُوْرَةُ النَّحْل: ۱۰۳)

③ مِنْ فِرْعَوْنَ، عَذَابِ مُّهِيْنِ سے بدل ہے۔ معنیٰ ہیں: "جو فرعون تھا وہ خود عذابِ مجسّم تھا"۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۳۲):

ہم نے اُن کو اُس زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت دی، تقریباً چار ہزار (۴۰۰۰) انبیاءِ کرام علیہم السلام اُن میں سے آئے، اللہ تعالیٰ نے مَنّ وَسَلْوٰی اُن پر نازل فرمایا وغیرہ۔

اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى۔۔۔الآیۃ (۳۵):

هِيَ ضمیر آگے لفظِ مَوْت کی تفسیر ہے۔ اَیْ اِنِ الْمَوْتَتُهٗ۔

اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ۔۔۔الآیۃ (۳۷):

پورے قرآن میں لفظِ تُبَّع دو (۲) مقام پر آیا ہے: ایک یہاں آیا ہے اور دوسرا سُوْرَۃُ قٓ میں آیا ہے وَقَوْمُ تُبَّعٍ۔۔۔الآیۃ ①

"ابوداؤد، مستدرکِ حاکم" وغیرہ میں روایت ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: مَا أَدْرِي تُبَّعٌ أَنَبِيًّا كَانَ أَمْ لَا؟ مَیں نہیں جانتا کہ: تُبَّع نبی تھے یا نہیں؟ ②

کیوں کہ لفظِ قوم کی اِضافت نبی کی طرف بھی ہوتی ہے۔ جیسے: قومِ نوح، قومِ ھود، قومِ صالح۔ اِسی طرح لفظِ قوم کی اِضافت کافروں کی طرف بھی ہوتی ہے۔ جیسے: قومِ فرعون۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: مجھے علم نہیں ہے کہ تُبَّع نبی تھے یا نہیں تھے؟

"تفسیر خازن، معالم التنزیل، روح البیان، کبیر" وغیرہ تفسیروں میں تُبَّع کے متعلّق جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ: تُبَّع کا نام "اسعد ابن ملیک ابو کرب" بعض نے "ابو کریب" بھی لکھا ہے، یہ اُس کی کنیت تھی، حمیر قبیلہ کا تھا، یمن کے علاقہ میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے نوسو (۹۰۰) سال پہلے پیدا ہوا، بڑا نیک دل آدمی تھا، اُس کی قوم نے مدینہ پر حملہ کی اُس کو ترغیب دی، جب وہ مدینہ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ: یہ تو وہ شہر ہے جو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہوگا یہاں مَیں حملہ نہیں کرسکتا۔ ایک خط بھی اُس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لکھا کہ: "حقیر بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف میرا یہ خط ہے"۔ اور لمبا چوڑا قصیدہ بھی لکھا تھا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

شَهِدْتُ عَلٰى أَحْمَدَ أَنَّهٗ　　رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بَارِي النَّسَمْ

ترجمہ: مَیں احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اِس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ: وہ اللہ کی طرف سے پیغمبر ہیں جو روحوں کو پیدا کرنے والا ہے۔

فَلَوْ مُدَّ عُمْرِيْ إِلٰى عُمْرِهٖ　　لَكُنْتُ وَزِيْرًا لَّهٗ وَابْنَ عَمْ

ترجمہ: اگر میری عمر اُس وقت تک لمبی کی جائے تو مَیں اُن کا وزیر ہوتا، معاون ہوتا اور جیسے چچازاد بھائی ہوتے ہیں مَیں ویسا ہوتا۔

وہی خط حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے خاندان کے پاس تھا اور اُن کے اِیمان لانے کا سبب بھی وہی تُبَّع کا خط تھا جو کہ بڑا عقیدت مندانہ خط تھا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ (۴۳-۴۴):

ربط: واضح ہے کہ: اُوپر قیامت کا ذکر تھا: اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ۔۔۔الآیۃ ③ اُس دن کافروں کے ساتھ کیا ہوگا؟ تو آگے یہ بیان ہے۔

ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ (۴۹):

یہاں آپ کو تفسیروں میں ملے گا کہ: ابوجہل کے یہ الفاظ ہیں: مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا أَعَزُّ مِنِّيْ وَأَكْرَمُ۔ اِس مکہ کے دو (۲) پہاڑوں کے درمیان مجھ سے عزّت والا اور اِکرام والا کوئی نہیں ہے۔ تو حکم ہوگا کہ: ذُقْ مزا چکھ بڑا عزیز کریم بنتا تھا۔ مکہ میں دو (۲) پہاڑ ہیں، مشرق کی طرف "جبلِ ابوقبیس" اور مغرب کی طرف "جبل قعیقعان" ہے۔

كَذٰلِكَ۔۔۔الآیۃ (۵۴):

كَذٰلِكَ اَیْ اَلْاَمْرُ كَذٰلِكَ۔

---

① (سُوْرَۃُ قٓ ۱۴)　② (المستدرک علی الصحیحین، کتاب الایمان، ج ۱، ص ۹۲ طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت)　③ (سُوْرَۃُ الدُّخَان ۴۰)

وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝:

لفظِ حُوْر، حَوْرَآء کی جمع ہے۔ معنی ہیں: ”آنکھ کی سفیدی بہت زیادہ سفید ہو اور سیاہی بہت زیادہ سیاہ ہو“۔

سوال زَوَّجْنٰهُمْ کے کیا معنی ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ کی ایک خاصی جماعت اِس زَوَّجْنٰهُمْ کا معنی کرتے ہیں کہ: اَنْكَحْنٰهُمْ ہم اُن سے نکاح کروائیں گے۔

② بعض حضرات کہتے ہیں کہ: یہ نکاح تکلیفی زندگی کے آثار میں سے ہے کہ اِیجاب بھی ہو اور قبول بھی ہو وغیرہ جب کہ جنّت میں تکلیفی زندگی نہ ہوگی۔ اِس لیے یہ حضرات زَوَّجْنٰهُمْ کا معنی کرتے ہیں: قَرَنّٰهُمْ، ہم جوڑ دیں گے اُن کے ساتھ حوریں، ملا دیں گے اُن کے ساتھ حوریں۔

اٰیَاتُهَا (۳۷) (۴۵) سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ (۶۵) رُكُوْعَاتُهَا (۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: ربط دو(۲) ہیں:

① "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات" میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں قیامت کا ذکر تھا اِس سورۃ میں آگے توحید کا ذکر ہے، "توحید، قیامت رسالت" اِن کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔

② پہلی سورۃ کے آخر میں بھی قرآن کا ذکر تھا، فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ۔۔۔الآیۃ ❶ اِس میں بھی قرآن کا ذکر ہے: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ ❷

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْجَاثِيَة ہے۔ جَاثِيَة کے دو(۲) معنی ہیں:

① جَاثِيَةٌ اَیْ مُجْتَمِعَةٌ جمع ہونا۔ ② گھٹنوں کے بل بیٹھنے والا۔

وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۵﴾:

بارش اور پانی آسمان کی طرف سے اُتارا جاتا ہے جو سبب ہے رزق کا تو مسبب پر سبب کا لفظ بولا جاتا ہے۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ ﴿۶﴾:

بَعْدَ اللّٰهِ اَیْ بَعْدَ حَدِيْثِ اللّٰهِ۔ اللہ کی بات کے بعد کس بات پر وہ ایمان لائیں گے؟!!

مِنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ○ ﴿۱۱﴾:

رِجْز کا معنی ہے: سَيِّئُ الْعَذَابِ۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲﴾:

ربط: اِبتداء میں توحید کا ذکر قدرِ اِجمالی تھا اب تفصیل سے توحید کا ذکر شروع کر دیا۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳﴾:

ترکیب: جَمِيْعًا حال ہے مَا سے اور مِنْهُ خبر ہے مبتداء محذوف کی اَیْ هِيَ مِنْهُ۔ معنی ہیں: "اُس نے مسخر کیا تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے، جو کچھ زمین میں ہے" حَالَ كَوْنِ مَا جَمِيْعًا سب کچھ هِيَ مِنْهُ اُس کی طرف سے ہے۔

لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۴﴾:

سوال اللہ کے دنوں سے کیا مُراد ہے؟

جواب "تفسیر کبیر" وغیرہ میں دو(۲) اَقوال لکھے ہیں:

① عذاب کے دن مُراد ہیں۔ ② وہ دن جن میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور رحمت ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۶﴾:

سوال لفظِ اَلْكِتٰب پر اَلِف لَام کون سا ہے؟

جواب لفظِ اَلْكِتٰب پر اَلِف لَام جنس کے لیے ہے کیوں کہ اُن کے پاس تورات تھی پھر انجیل بھی آ گئی اور حضرت داود علیہ السلام کے ذریعے زبور بھی دی گئی۔

---

❶ (سُوْرَةُ الدُّخَان:۵۸) ❷ (سُوْرَةُ الْجَاثِيَة:۲)

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝:

اگر یہ فضیلت کلی ہوتو اُس زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی گئی اور اگر جزوی فضیلت ہوتو سب پر فضیلت دی گئی۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۔۔۔ الآية ۝:

مِنَ الْاَمْرِ اَیْ مِنْ اَمْرِ الدِّیْنِ۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ ۔۔۔ الآية ۝:

هٰذَا اَیْ هٰذَا الْقُرْاٰنُ۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ ۔۔۔ الآية ۝:

یہاں سے اُن لوگوں کا ذکر ہے جو مؤمن اور کافر کو برابر مانتے ہیں۔ کیا ایک بدمعاش آدمی اور ایک مردِ صالح کے ساتھ خداوند تعالیٰ یکساں معاملہ کرے گا؟ اور دونوں کا انجام برابر کردے گا؟ ہرگز نہیں!!

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۔۔۔ الآية ۝:

ربط: اُوپر توحید کے دلائل تھے یہاں بھی توحید کے دلائل ہیں، پھر آگے شرک کا رد ہے۔ زمین وآسمان اللہ تعالیٰ نے حق بنائے ہیں یوں ہی بیکار اِن کو پیدا نہیں کیا بل کہ ایک مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ ایسا فرض کریں کہ: یہ دُنیا ایک کالج ہے، بعد میں اِمتحان ہوگا اور نمبر ملیں گے، اور اِس کالج کے لیے ایک کورس بھی ہے وہ اِس طرح کہ یہ ایک خاص مقصد کے لیے بنایا گیا ہے تاکہ اُن کے اَحوال میں غور کرکے لوگ معلوم کرسکیں کہ: بے شک! جو چیز بنائی گئی ہے ٹھیک موقع سے بنائی گئی ہے اور تاکہ اندازہ کرلیا جائے کہ ضرور ایک دن اِس کارخانہ ہستی کا کوئی عظیم الشان نتیجہ نکلنے والا ہے اُسی کو آخرت کہتے ہیں جہاں ہر ایک کو اُس کی کمائی کا پھل ملے گا۔

وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ۔۔۔ الآية ۝:

سوال عَلٰى عِلْمٍ ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ آلوسی رحمہ اللہ "تفسیر روح المعانی" میں اِسی مقام پر لکھتے ہیں کہ: عَلٰى عِلْمٍ حال ہے لفظِ اللہ سے جو کہ فاعل ہے۔ اللہ نے اُس مَنْ کو بہکایا حَالَ کَوْنِ اللّٰهِ عَالِمًا۔

② عَلٰى عِلْمٍ حال ہے "هٗ" ضمیر سے۔ اللہ نے بہکایا اُس مَنْ کو حَالَ کَوْنِهٖ عَالِمًا درآں حال یہ کہ وہ علم پر تھا، جانتا تھا۔ مطلب اِس دوسری ترکیب کا یہ ہے کہ: دیدہ و دانستہ گمراہی اِختیار کی۔

فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآية:

مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَیْ مِنْۢ بَعْدِ اِضْلَالِهٖ، مِنْۢ بَعْدِ خَتْمِهٖ۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا ۔۔۔ الآية ۝:

اِشکال: اِس سے تو بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ: وہ موت کے بعد حیات کے قائل تھے حال آں کہ وہ تو موت کے بعد اُٹھائے جانے کے منکر تھے؟!!

جواب: اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① واؤ مطلق جمع کے لیے ہے ترتیب کے لیے نہیں ہے۔ ② نَمُوْتُ وَنَحْيَا اَیْ اَبْنَآئُنَا۔

وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۔۔۔ الآية:

سوال مشرکین عرب دھریہ تو نہ تھے تو اِس کا کیا مطلب ہے؟!!

جواب "تفسیر کبیر، روح المعانی، مواہب الرحمٰن" وغیرہ میں اِس کے متعلق طویل بحث ہے، مَیں مختصر بات عرض کرتا ہوں کہ: اِس کے متعلق دو (۲) طبقے ہیں:

① ایک طبقہ کہتا ہے کہ: یہ دھریہ لوگ تھے، خدا کے وجود کے قائل نہ تھے۔
② دوسرا طبقہ مثلاً علامہ شبلی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ: وہ سب دھریہ نہ تھے۔ ہاں! اگر کسی خاص فرقہ کے بارے میں کہا جائے تو یہ کہنا دُرست ہے کہ وہ دھریہ تھے لیکن! اگر یہ کہا جائے کہ: سارے عرب رب کے وجود کے قائل نہ تھے تو نصوص کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔۔۔الآیۃ [1]

اِسی طرح لفظِ دَھَر کے متعلق بھی طویل بحث ہے، حدیث میں آتا ہے کہ: لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ [2] زمانے کو بُرا مت کہو اللہ ہی زمانہ ہے۔

سوال فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ "اللہ ہی زمانہ ہے" اِس سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① حضرت مولانا سیّد محمود شاہ صاحب رحمہ اللہ کا "فیض الباری" میں یہ رجحان ہے کہ: "دَھَر" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے یعنی وہ اِس کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں۔

② دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ: اِس کا مطلب ہے أَنَا مُصَرِّفُ الدَّهْرِ، مُقَلِّبُ الدَّهْرِ ہے یعنی یہ تاویل کرتے ہیں۔ معنی ہیں: مَیں "دَھَر" کو پھیرنے والا ہوں تم زمانے کو بُرا کہو گے تو بُرائی کی نسبت میری طرف ہوگی۔

مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا۔۔۔الآیۃ ﴿۲۵﴾:

مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ، كَانَ کی خبر مقدم ہے، أَنْ قَالُوا یہ اِسمِ مؤخر ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۷﴾:

ربط: پہلے قیامت کا اِنکار کرنے والوں کا بیان تھا، آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: قیامت سے اِنکار کا کیا مطلب ہے؟ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں، دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، تو قیامت کا اِنکار کیوں کرتے ہو؟!!

إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا۔۔۔الآیۃ ﴿۳۲﴾:

اِشکال: یہ تو اِسْتِثْنٰی عَنْ نَفْسِهٖ ہے حال آں کہ نفس شے سے اِستثناء نہیں ہوتا ہے۔ اِس طور پر کہ: یہاں نَظُنُّ مستثنیٰ منہ بھی ظن ہے اور آگے ظَنًّا بھی ظن ہے تو یہ اِستثناء کیسے ہوا؟!!

جواب: "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: امام مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَصل عبارت یوں ہے: إِنْ نَّحْنُ إِلَّا نَظُنُّ ظَنًّا۔

اِمام مبرد رحمہ اللہ کا تعارف: "مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ" میں لکھا ہے کہ: اِن کا نام تھا: "محمد"۔ والد کا نام: "یزید" کنیت: "ابو العباس" تھی۔ ۲۸۵ھ میں وفات ہوئی ہے۔ لفظِ "مُبَرِّد" کو بصریین بِکَسْرِ الرَّاء "مُبَرِّد" پڑھتے ہیں اور کوفیین بِفَتْحِ الرَّاء "مُبَرَّد" پڑھتے ہیں۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۴﴾:

نَنْسٰكُمْ أَيْ نَتْرُكُكُمْ۔

---

[1] (سُوْرَۃُ العَنْكَبُوت:۶۱) [2] (صحیح مسلم، کتاب الالفاظ، باب النھی عن سب الدھر، ج ۲، ص ۲۳۷، طبع یادگار شیخ، کراچی)

آیاتُھا (۳۵) (۴۶) سُوْرَۃُ الْاَحْقَافِ مَکِّیَّۃٌ (۶۶) رُکُوْعَاتُھَا (۴)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں توحید کا ذکر تھا: وَلَہُ الْکِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ ❶ اور اِس سورۃ میں بھی توحید کا ذکر ہے۔
نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْاَحْقَاف ہے۔وجہ تسمیہ اِنْ شَآءَ اللہ آگے آئے گی۔

مَاخَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۔۔۔الآیۃ ۞:

حق کے ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ: یہ ایک مکتب ہے اِس میں تمہارے سپرد عبادات ہیں، اَعمال ہیں۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ○:

جو کفار ہیں اِس چیز سے اِعراض کرتے ہیں جس سے اُن کو ڈرایا گیا ہے یعنی قیامت سے یا عذاب سے اِعراض کرتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللہِ ۔۔۔الآیۃ ۞:

اَرَءَیْتُمْ اَیْ اَخْبِرُوْنِیْ۔

اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ ھٰذَآ اَوْ اَثٰرَۃٍ مِّنْ عِلْمٍ ۔۔۔الآیۃ:

اِمام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اُصولاً دلیل دو (۲) قسم کی ہوتی ہے: ① نقلی۔ ② عقلی۔
بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ ھٰذَآ سے نقلی دلیل، اَوْ اَثٰرَۃٍ مِّنْ عِلْمٍ سے عقلی دلیل مُراد ہے یعنی اگر اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی آسمانی کتاب سے دلیل بتاؤ یا کسی عقلی مسلمہ قانون کو پیش کرو۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللہِ ۔۔۔الآیۃ ۞:

منکرین سَمَاعِ مَوْتٰی کا غلط اِستدلال: یہاں بھی اُن لوگوں کو مغالطہ ہوا ہے وہ اِس آیتِ کریمہ کو اِس پر پیش کرتے ہیں کہ: یہ قبور والے جو ہیں موتی وہ غافل ہیں سنتے نہیں ہیں۔
مَیں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ: اُن کا اِستدلال اِس آیت سے ناتمام ہے وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللہِ ۔۔۔الآیۃ ❷ مِنْ دُوْنِ اللہ کے الفاظ ہیں، مِنْ دُوْنِ اللہ میں صرف مُردے تو نہیں زندہ بھی ہیں، فرشتے بھی ہیں، جنّات بھی ہیں، پیغمبر بھی ہیں۔اگر تم اِس سے یہ ثابت کرو کہ: مُردے نہیں سنتے تو یہ بھی کہنا پڑے گا کہ: زندہ بھی نہیں سنتے۔

وَھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَ ○:

”وہ اُن کی دُعا سے غافل ہیں“۔
اِس آیت کی دو (۲) تفسیریں ہیں:
① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مِنْ دُوْنِ اللہ میں صرف اصنام ہیں۔تو اِس تفسیر کے مطابق بتوں کا غافل ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔
② علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مِنْ دُوْنِ اللہ عام ہے، اِس میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں، ملائکہ بھی ہیں، غافل اِس لیے ہیں لِبُعْدِ دُور ہیں، وہ دُور سے کیا سنیں گے؟!! اگر قریب بھی ہوں تو وہ اپنے شغل میں ہیں تو ظاہر بات ہے کہ!! قریب بھی ہو اور اپنے کام میں لگا ہو تو سنے گا کیا؟!!

❶(سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃ،۳۷) ❷(سُوْرَۃُ الْاَحْقَاف،۵)

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷﴾:

ربط: اُوپر کتاب کا ذکر تھا آگے بھی اُس کتاب کا ذکر ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ؀:

اُن لوگوں نے قرآن پاک اور معجزات کو جادو کہہ کر ٹال دیا۔

فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸﴾:

مِنَ اللّٰهِ اَیْ مِنْ بَأْسِ اللّٰهِ، مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔

هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۔۔۔ الآیۃ:

تُفِيْضُوْنَ اَیْ تَشْغُلُوْنَ۔ معنی ہیں: "جن باتوں میں تم مشغول ہو وہ اللہ خوب جانتا ہے"۔

كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فصاحت و بلاغت والی کتاب نازل کی ہے، شقِ قمر جیسا معجزہ میرے ہاتھ سے صادر کروایا، چالیس (۴۰) سال عصمت والی زندگی مَیں نے تمہارے درمیان گزار دی۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹﴾:

تُو کہہ دے مَیں کوئی نیا نبی تو نہیں ہوں، نبی تو سارے مجھ سے پہلے گذرے ہیں، مَیں تو خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ ہوں، نئی چیز ہو تو تعجب ہوتا ہے۔

وَمَآ اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

احمد رضا خان کا غلط نظریہ: احمد رضا خان نے اپنی کتاب "نَفْلُ الْفَیْ" میں لکھا ہے کہ: آپ ﷺ کو اپنی بخشش اور مغفرت کا علم نہ تھا جب سُوْرَۃُ الْفَتْح کی آیت: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ۔۔۔ الآیۃ ❶ نازل ہوئی تو پھر آپ ﷺ کو اپنی بخشش اور مغفرت کا علم ہوا۔

جواب "ازالۃ الریب" میں ہم نے مبسوط بحث کی ہے، مَیں یہاں مختصر بات عرض کرتا ہوں:

سُوْرَۃُ الْفَتْح ہجرت کے چھٹے سال نازل ہوئی، اِس سے پہلے تیرہ (۱۳) سال مکہ معظمہ میں اور چھ (۶) سال مدینہ منورہ میں اِس طرح کل اُنیس (۱۹) سال تک یہ قول خان صاحب کے آنحضرت ﷺ کو اپنی مغفرت اور بخشش کا علم ہی نہیں تھا، اِس سے بڑی آنحضرت ﷺ کی گستاخی کیا ہوگی؟!!

یاد رکھیں!! یہ تفسیر اگرچہ بعض سلف سے منقول ہے لیکن امام رازی رحمہ اللہ "تفسیر کبیر" میں اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ "تفسیر روح المعانی" میں اور اِن کے علاوہ دیگر حضرات نے تصریح کی ہے کہ: "پیغمبر جس دن نبی بنتا ہے اُسی دن سے اُسے اپنی مغفرت کا یقین ہوتا ہے، پس! اگر نبی کریم ﷺ کو اپنی مغفرت کا یقین نہ ہو تو لوگوں کو مغفرت کی دعوت دینے کا کیا معنی ہے"؟

سوال اب سوال یہ ہے کہ پھر آیت کا کیا مطلب ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① ایک مطلب یہ ہے کہ: دُنیا میں میرے ساتھ کیا ہوگا؟ تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟ مَیں نہیں جانتا۔ مَیں بیمار ہوں گا یا تندرست ہوں گا، فتح ہوگی یا شکست ہوگی، بارش برسے گی یا قحط سالی ہوگی، کیا ہوگا؟ مَیں نہیں جانتا۔

② دوسرا مطلب یہ ہے کہ: اگر اِس آیت کا تعلق آخرت کے ساتھ ہو تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ: آخرت میں مغفرت اور بخشش کی جو تفاصیل ہیں وہ میں نہیں جانتا۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْفَتْح ۲)

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ⓾:

سوال شَاهِدٌ سے کون مُراد ہے؟

جواب اس کی چار(۴) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: شَاهِدٌ سے مُراد حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ ہیں۔ عَلٰى مِثْلِهٖ میں لفظِ مِثْل زائد ہے۔ مِثْلِهٖ اَيْ عَلَيْهِ۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: شَاهِدٌ سے تنہا حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ مُراد نہیں بل کہ جو بھی اہلِ کتاب کے لوگ تھے وہ مُراد ہیں۔ مثلاً: حضرت اَسد رضی اللہ عنہ، حضرت اُسید رضی اللہ عنہ، حضرت ابن یامین رضی اللہ عنہ، حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ، عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: شَاهِدٌ سے حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی مُراد ہے، آج بھی تورات میں موجود ہے کہ: حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے خطاب کرکے فرمایا کہ: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اَولاد سے ایک پیغمبر پیدا ہوگا اور یہ اُن کی خوبیاں ہوں گی۔

④ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ: عَلٰى مِثْلِهٖ میں لفظِ مِثْل زائد نہیں ہے۔ معنی ہیں: "تُو کہہ دے! اگر یہ قرآن ہے اللہ کی طرف سے اور تم اِس کا انکار کرتے ہو اور بنی اسرائیل کے گواہ نے اِس جیسی کتاب پر گواہی دی ہے وہ تورات ہے، زبور ہے، اِنجیل ہے اور اُس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا ذکر ہے۔

سوال اِنْ كَانَ ۔۔۔ (اِلٰى قَوْلِهٖ) ۔۔۔ وَاسْتَكْبَرْتُمْ یہ شرط ہے اِس کی جزاء کیا ہے؟

جواب اِس کی جزاء محذوف ہے۔ لیکن وہ محذوف کیا ہے اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① صاحبِ کشاف اور علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَلَسْتُمْ ظٰلِمِيْنَ جزاء ہے۔

② قاضی بیضاوی رحمہ اللہ، علامہ محلی رحمہ اللہ، علامہ ابوسعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: فَقَدْ ظَلَمْتُمْ جزاء ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔ الآیۃ ⑪:

ربط: اُوپر فَاٰمَنَ ۔۔۔ الآیۃ ● میں اِیمان کا ذکر تھا وہ تو اِیمان لایا اور تم ظالموں اِیمان نہیں لاتے، اِس اِیمان کے سلسلے میں کافروں نے اُن لوگوں کے بارے میں جو اِیمان لاچکے تھے کہا کہ: اگر اِیمان بہتر ہوتا تو نہ سبقت لے جاتے یہ ہم سے۔ ہم نہیں سمجھ سکے اور یہ سمجھ گئے؟!!

لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال كَانَ میں جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ کس طرف راجع ہے؟

جواب كَانَ میں جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ اِیمان کی طرف راجع ہے۔ معنی ہیں: "اگر یہ اِیمان بہتر ہوتا تو نہ سبقت لے جاتے یہ ہم سے"۔

"تفسیر ابن کثیر" میں اِسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: "وَاَمَّا اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَيَقُوْلُوْنَ فِيْ كُلِّ فِعْلٍ وَقَوْلٍ لَمْ يَثْبُتْ عَنِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ هُوَ بِدْعَةٌ لِاَنَّهٗ لَوْ كَانَ خَيْرًا لَسَبَقُوْنَا اِلَيْهِ لِاَنَّهُمْ لَمْ يَتْرُكُوْا خَصْلَةً مِنْ خِصَالِ الْخَيْرِ اِلَّا وَقَدْ بَادَرُوْا اِلَيْهَا"۔

وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال بِهٖ کی "ہ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① بِهٖ کی "ہ" ضمیر اِیمان کی طرف راجع ہے۔ ② بِهٖ کی "ہ" ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۔۔۔ الآیۃ ⑮:

ربط: اُوپر توحید کا ذکر تھا، توحید کے ساتھ والدین کا بھی حق ہے، آگے والدین کے حقوق بیان فرماتے ہیں۔ حقیقی رازق تو صرف اللہ ہے لیکن مجازی طور پر والدین بھی ہیں۔

● (سُوْرَةُ الْاَحْقَاف: ۱۰)

وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا ۔۔۔الآیۃ:

حمل اور دُودھ چھڑانے کے عموماً تیس (۳۰) مہینے ہوتے ہیں۔

وَالَّذِیۡ قَالَ لِوَالِدَیۡهِ اُفٍّ لَّکُمَاۤ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۷﴾:

لفظ اُفٍّ مصدر ہے۔ معنی ہیں: "سَبًّا وَّقُبۡحًا یعنی برا بھلا کہنا"۔

وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۹﴾:

ربط: اُوپر نیک اور بد کا ذکر تھا آگے بھی اُن ہی کا ذکر ہے۔

سوال لِکُلٍّ میں تنوین کس لیے ہے؟

جواب لِکُلٍّ میں تنوین عوض مضاف الیہ ہے۔ اَیۡ لِکُلٍّ وَّاحِدٍ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ وَغَیۡرِ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔

وَاذۡکُرۡ اَخَا عَادٍ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۱﴾:

ربط: ابھی آپ نے کافروں کا ذکر سنا، اب ایسے کافروں کا ایک واقعہ عبرت کے لیے پیش کرتے ہیں کہ: دیکھو! کیسے اُنہوں نے انکار کیا حق کا اور اُن کا حشر کیا ہوا؟ اُخروی عذاب تو الگ رہا دُنیا میں اُن کا کیا حشر ہوا؟

سوال اَخَا عَادٍ سے کون مُراد ہے؟

جواب حضرت ھود علیہ السلام مُراد ہیں۔

اِذۡ اَنۡذَرَ قَوۡمَهٗ بِالۡاَحۡقَافِ ۔۔۔الآیۃ:

اَحۡقَافٌ، حِقۡفٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "ریت کے ٹیلے"۔

عربی کی کتابیں تو بے شمار ہیں اردو میں تین (۳) کتابیں ہیں جو مشہور ہیں:

① "ارض القرآن" علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔ قرآن کریم میں جہاں زمین کا ذکر آیا ہے اس کتاب میں اُنہوں نے اُس زمین کا جغرافیہ کے لحاظ سے محلِ وقوع اور اُس کے خواص ذکر کیے ہیں۔

② "قصص القرآن" مولانا حفیظ الرحمٰن سہاروی رحمہ اللہ کی کتاب ہے، اِس میں اُنہوں نے قرآن کریم میں جو قصص آئے ہیں اُن کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

③ "لغات القرآن" مولانا عبدالرشید عثمانی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔ اُس میں اُنہوں نے قرآن کے الفاظ کے معانی کو جمع کیا ہے۔

مؤلف "ارض القرآن" بِلَادُ الۡاَحۡقَاف کے تحت لکھتے ہیں کہ: یمامہ، عمان، بحرین، حضر موت اور مغربی یمن کے بیچ میں جو صحرائے اعظم "الدھنا" یا "ربع خالی" کے نام سے واقع ہے یہ اَحقاف کا محلِ وقوع ہے، گو وہ جگہ آبادی کے قابل نہیں لیکن اُس کے اَطراف میں کہیں کہیں آبادی کے لائق تھوڑی تھوڑی زمین ہے خصوصاً اُس حصہ میں جو حضر موت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے، گو اِس وقت بھی وہ آباد نہیں تاہم عہدِ قدیم میں اِسی حضر موت اور نجران کے درمیان حصہ میں عادِ ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا جس کو خُدا نے اُس کی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا۔

قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِتَاۡفِکَنَا عَنۡ اٰلِهَتِنَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۲﴾:

لِتَاۡفِکَنَا اَیۡ لِتَصۡرِفَنَا۔ معنی ہیں: "تاکہ تُو ہمیں پھیر دے ہمارے اِلٰہوں سے"۔

فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ ۔۔۔الآیۃ:

وَعَدَ یَعِدُ، سے وَعِیۡدًا مصدر آجائے تو معنی ہیں: "دھمکی دینا" اور اگر وَعۡدًا مصدر آجائے تو معنی ہیں: "وعدہ کرنا"۔

فَلَمَّا رَاَوۡهُ عَارِضًا مُّسۡتَقۡبِلَ اَوۡدِیَتِهِمۡ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۴﴾:

سوال رَاَوۡهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب رَاَوْهُ کی "ہ" ضمیر بِمَا تَعِدُنَآ۔۔۔الآیۃ ❶ میں جو مَا ہے اُس مَا کی طرف راجع ہے۔

"ترمذی شریف" میں روایت ہے کہ اُس بادل سے یہ آواز آئی: رَمَادًا رِمْدِدًا لَا تَذَرُ مِنْ عَادٍ أَحَدًا ❷

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى۔۔۔الآیۃ ﴿۲۷﴾:

ربط: اُوپر قدرے تفصیل سے قومِ عاد کا ذکر تھا، آگے اِجمال کے ساتھ قومِ عاد اور دیگر قوموں کا ذکر ہے۔

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً۔۔۔الآیۃ ﴿۲۸﴾:

ترکیب: اِس کی دو (۲) آسان ترکیبیں ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِتَّخَذُوْا کا مفعول اوّل محذوف ہے جو "هُمْ" ضمیر ہے اور "هُمْ" ضمیر اَلَّذِيْنَ کی طرف راجع ہے، قُرْبَانًا مفعول ثانی ہے اور اٰلِهَةً بدل ہے۔

② ابوالبقاء رحمہ اللہ، الحوفی رحمہ اللہ، علامہ اندلسی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِتَّخَذُوْا کا مفعول اوّل محذوف ہے جو "هُمْ" ضمیر ہے اور اٰلِهَةً مفعول ثانی ہے اور قُرْبَانًا مفعول لہ ہے۔

فائدہ: "شیخ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: میری نصیحت نہ بھولو! علم کے لیے صرف، نحو اور علم ادب بہت ضروری ہیں، یہ تین (۳) بنیادی چیزیں ہیں، ان میں مہارت حاصل کرو"۔

وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝:

سوال مَا کون سا ہے؟

جواب یہ مَا موصولہ ہے یا مصدریہ ہے، نافیہ نہیں ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۹﴾:

ربط: "تفسیر بیان القرآن" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے اِنسانوں کا ذکر تھا، اِنسان اَشْرَفُ الْمَخْلُوْقَات ہے، اِس نے حق کو نہ مانا تباہ ہوا، اِس کے مدِمقابل جنّات کا ذکر کیا کہ: اُنہوں نے پہلی مجلس میں حق کو قبول کیا حال آں کہ جنّات میں بہ نسبت اِنسانوں کے اِستعداد خیر کم ہے۔

شانِ نزول: بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جنّات کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہوجاتی تھیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنا شروع ہوئی تو وہ سلسلہ تقریباً بند ہوگیا یعنی اُن پر پابندی لگائی گئی اور بہت کثرت سے شِہَابِ ثَاقِب کی مار پڑنے لگی۔ "الجزائر" میں ایک مقام ہے "نصیبین" وہاں اُنہوں نے مشورہ کیا، عالمی کانفرنس ہوئی کہ: ضرور کوئی نیا واقعہ ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمانی خبروں پر بہت سخت پہرے بٹھائے گئے ہیں۔ اِسی کی جستجو کے لیے جنّات کے مختلف گروہ مشرق ومغرب میں پھیل گئے، ایک گروہ "شام" کی طرف گیا، ایک "اُردن" وغیرہ ممالک کی طرف گیا تاکہ حقیقت معلوم کرے، اور ایک گروہ "ارضِ تہامہ" یعنی "حجازِ مقدس" کی طرف گیا، اُن کی تعداد پانچ (۵) یا سات (۷) یا نو (۹) تھی، اُن پانچوں کے نام ابن دُرید رحمہ اللہ کے حوالے سے "مواہب لدنیہ" میں ہیں: ① منشاء۔ ② ناشی۔ ③ مناصین۔ ④ ماضد۔ ⑤ اُحقب رضی اللہ عنہم۔

اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، یہ صحابی ہیں، وہاں اِتفاق سے اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، مکہ مکرمہ سے طائف "پچھتر (۷۵) میل دُور ہے، وہ طائف جارہے تھے، "بطن نخلہ" ایک مقام ہے وہاں قرآن سننے کے لیے اُدھر اپنا رخ پھیر دیا، قرآن کی آواز اُنہیں، بہت عجیب اور موثر و دلکش معلوم ہوئی اور اُس کی عظمت وہیبت دلوں پر طاری ہوگئی، آپس میں کہنے لگے کہ: چُپ رہو اور خاموشی سے یہ کلام پاک سنو، آخر قرآن کریم نے اُن کے دلوں میں گھر کرلیا، وہ سمجھ گئے کہ: یہی نئی چیز ہے جس نے جنّات کو آسمانی خبروں سے رُوکا ہے، بہرحال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ کر فارغ ہوئے تو یہ لوگ اپنے دلوں میں ایمان وایقان لے کر واپس گئے اور اپنی قوم کو نصیحت کی۔
اَحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ: اِس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے آنے جانے اور سننے کا پتہ نہیں چلا، ایک درخت نے بِاِذْنِ اللّٰه کچھ اِجمالی اِطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی کہ: یہاں جن آئے تھے اور قرآن سنا اور مفصل حال اُس کے بعد وحی کے ذریعہ سے بتایا گیا اور سُوْرَۃُ الْجِنّ نازل ہوئی۔

❶ (سُوْرَۃُ الْاَحْقَاف، ۲۴) ❷ (جامع الترمذی، ابواب التفسیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ومن سورۃ الذاریات، ج ۲، ص ۱۶۳، طبع قدیمی، کراچی)

فَلَمَّا حَضَرُوْهُ۔۔۔الآیۃ:

سوال حَضَرُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① حَضَرُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔

② حَضَرُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے۔ تو پھر التفات ہے کیوں کہ ابھی غائب کا صیغہ ہے۔

قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا۔۔۔الآیۃ:

یہ جنّات نہایت اَدب والے تھے۔ خارج اَز نماز قرآن سننا مستحب ہے اور نماز میں چاہے نماز جہری ہو کہ سرّی ہو اگر مقتدی پڑھے تو گناہ گار ہے۔ "اَحسن الکلام" مَیں نے لکھی ہے، اُس کتاب کے لکھنے کی اَصل وجہ یہ ہے کہ: غیر مقلدین نے یہ چیلنج کیا کہ جو بھی سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃ نہ پڑھے وہ کافر ہے، اُس کی نمازیں نہیں ہوتیں۔

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى۔۔۔الآیۃ ﴿۳۰﴾:

بعض تفسیروں میں آپ کو یہ ملے گا کہ: یہ جنّات یہودی تھے کیوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام لیا اور اُن کی کتاب کا نام لیا، اگر یہ عیسائی ہوتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیتے۔ لیکن محققین کہتے ہیں کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی اَصل اپنی کتاب تورات تھی اور اِنجیل ضمیمہ تھی۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۳﴾:

ربط: اُوپر توحید، رسالت، قرآن کا اِثبات تھا اور آگے قیامت کا اِثبات ہے۔

اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝:

اِشکال: قرآن کریم پر دیانند سرسوتی نے بہت سے اِعتراضات کیے ہیں، یہ بڑا شیطان تھا، اپنی قوم کا سردار تھا، اپنی کتاب میں قرآن شریف پر اِعتراضات کرتے ہوئے یہ لکھتا ہے کہ: اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پر یہ اِعتراض ہے کہ اگر تم یہ کہتے ہو کہ: اللہ اپنی ذات پر قادر ہے تو وہ معیوب ہو جاتا ہے اور معیوب تو رب نہیں ہو سکتا؟ اور اگر یہ کہتے ہو کہ: قادر نہیں تو یہ آیت باطل ہے؟!!

جواب: حضرت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے "اِنتصار الاسلام" میں یہ جواب دیا ہے کہ: تم نے یہ سوال کیا ہے کہ رب چوری پر قادر ہے، چوری تو ہوتی ہے غیر کی ملک میں، تم ایسا کرو کہ غیر کے لیے ملک ثابت کرو تو ہم چوری ثابت کر دیں گے۔ زنا کے لیے اَعضاءِ اِنسانی ضروری ہیں تو تم یہ اَعضاء ثابت کرو ہم زنا ثابت کر دیں گے اور تم یہ ثابت نہیں کر سکتے۔

بَلٰغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۵﴾:

یہ خبر ہے اور مبتداء محذوف ہے اَیْ هٰذَا الْقُرْاٰنُ بَلٰغٌ۔

آیَاتُہَا (۳۸) (۴۷) سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَدَنِیَّۃٌ (۹۵) رُکُوْعَاتُہَا (۴)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: "تفسیر بیان القرآن، سبق الغایات فی نسق الآیات، ابوسعود" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں تھا: فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ● تو کفار نے یہ کہا کہ: ہم کیوں ہلاک ہوں گے؟ ہم تو اچھے کام کرتے ہیں؟ حج کرتے ہیں؟! راستے بناتے ہیں؟!! صدقہ خیرات وغیرہ کرتے ہیں، مسکینوں کو کھانا وغیرہ کھلاتے ہیں؟!! تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ: وہ اعمال جن کو وہ نیک سمجھ رہے ہیں بہ وجہ عدمِ ایمان کے مقبول نہیں ہیں۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ ہے کیوں کہ آپ ﷺ کا اسمِ گرامی آیا ہے۔ اِس سورۃ کا ایک نام سُوْرَۃُ الْقِتَالِ بھی ہے کیوں کہ اس میں قتال اور جہاد کا ذکر ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲﴾:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یہ مبتداء ہے كَفَّرَ عَنْهُمْ خبر ہے، درمیان میں جو جملہ ہے وہ جملہ معترضہ ہے۔

وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ○:

بَالَهُمْ اَیْ شَانَهُمْ، حَالَهُمْ، قَلْبَهُمْ۔ یہ سب بَال کے معنی ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳﴾:

سوال کافروں کے عمل کیوں اَکارت ہیں اور مؤمنوں کے کیوں مقبول ہیں؟

جواب کافروں کے عمل اِس لیے اَکارت ہیں کیوں کہ وہ باطل کے پیروی کرتے ہیں اور مؤمنوں نے حق کی پیروی کی اس لیے اُن کے عمل مقبول ہیں۔

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ○:

اَمْثَالَهُمْ اَیْ اَحْوَالَهُمْ۔

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: کافر تو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں ایسے روکنے والوں کے ساتھ تم لڑو۔ اب آگے فرماتے ہیں کہ: جب تم کافروں سے میدان جہاد میں ملو تو اُن کی گردنیں مارو۔

فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۔۔۔ الآیۃ:

فَضَرْبَ الرِّقَابِ مفعولِ مطلق ہے۔ اَیْ فَاضْرِبُوْا ضَرْبَ الرِّقَابِ۔

حَتّٰی اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

تم اُن پر غالب آجاؤ یا کثرت سے اُن کو قتل کر چکو۔

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً ۔۔۔ الآیۃ:

مَنًّا مفعول مطلق ہے اَیْ تَمُنُّوْنَ مَنًّا۔

قیدیوں کے متعلق چار (۴) درجے ہیں:

① قیدیوں کا قیدیوں سے تبادلہ کرو۔

● (سُوْرَۃُ الْاَحْقَافِ: ۳۵)

اِس جز میں ہمارے احناف کا آپس میں اِختلاف تھا:

① ایک گروہ کہتا ہے کہ: قیدیوں کا تبادلہ نہ کرو، اپنے قیدیوں کو چھڑاؤ اور اُن کے قیدیوں کو قتل کرو۔

② دوسرا گروہ کہتا ہے کہ: بعض دفع حالات ایسے ہوتے ہیں کہ تبادلہ کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا تبادلہ کرو۔

③ تم اُن پر اِحسان کرتے ہوئے اُن کو مفت میں رہا کر دو۔

④ تم اُن سے فدیہ لے کر رہا کر دو۔

⑤ تم اُن کو غلام بنالو۔

ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللهُ ۔۔۔الآیۃ:

ذٰلِكَ کی دو (۲) ترکیبیں ہیں:

① ذٰلِكَ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ اَیْ اَلْاَمْرُ ذٰلِكَ۔

② ذٰلِكَ مبتداء ہے اِس کی خبر محذوف ہے۔ اَیْ ذٰلِكَ كَذٰلِكَ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۷﴾:

سوال اللہ کی مدد سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: تَنْصُرُوا اللهَ اَیْ تَنْصُرُوْا رَسُوْلَ اللهِ۔ اللہ کے رسول ﷺ کی مدد مُراد ہے۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: تَنْصُرُوا اللهَ اَیْ تَنْصُرُوْا دِيْنَ اللهِ۔ اللہ کے دین کی مدد مُراد ہے یعنی دین پر چلنا دین کی مدد ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۸﴾:

لفظِ تَعْسًا بابِ سَمِعَ يَسْمَعُ سے مفعول مطلق ہے۔ اَیْ تَعِسَ تَعْسًا۔ معنی ہیں: "ہلاکت"۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰﴾:

ربط: یہاں سے اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں کہ: کافروں کو اپنے کفر پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے، یہ اپنی قوت پر، مال پر، کثرت پر، اسلحہ پر گھمنڈ کرتے ہیں، کیا یہ زمین پر چل کر دیکھتے نہیں کہ پہلے لوگوں کو ہم نے کیسے ہلاک کیا؟!!

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا۝:

دَمَّرَ، يُدَمِّرُ، تَدْمِيْرًا بابِ تَفْعِيْل سے ہے۔ معنی ہیں: "ہلاک کرنا"۔

سوال اَمْثَالُهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اَمْثَالُهَا کی "هَا" ضمیر عَاقِبَة کی طرف راجع ہے۔

اِنَّ اللهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲﴾:

ربط: اوپر ذکر تھا کہ: اللہ تعالیٰ کافروں کو سزا دے گا، اب آگے مؤمنوں کا ذکر ہے کہ مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ اُن باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ ۔۔۔الآیۃ:

تَمَتُّع کے معنی ہیں: "فائدہ اُٹھانا"۔ مطلب یہ ہے کہ: وہ دُنیا سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

سوال آیت میں جو تشبیہ ہے اُس کی وجہ تشبیہ کیا ہے؟

جواب اِس کی دو (۲) وجہ تشبیہ ہیں:

① ایک وجہِ تشبیہ یہ ہے کہ: جس طرح جانور حلال اور حرام کی تمیز نہیں کرتا اِسی طرح یہ لوگ بھی حلال اور حرام کی تمیز نہیں کرتے۔

② دوسری وجہِ تشبیہ یہ ہے کہ: اب اِس زمانے میں تو کھڑے ہو کر حیوانات کی طرح کھاتے ہیں حال آں کہ اِس کے متعلق حدیثِ نہی موجود ہے۔ "مسلم، ترمذی" وغیرہ میں روایت ہے کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: کیا کوئی کھڑے ہو کر پانی پی سکتا ہے؟ تو اُنہوں نے فرمایا: اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا ❶ مگر آبِ زم زم اور وضوء میں لوٹے کے اندر جو پانی باقی رہ جائے تو وہ کھڑے ہو کر پی سکتے ہیں۔ کھانے کے متعلق فرمایا: ذَاكَ اَشَدُّ۔ وہ تو بہت سخت ہے۔ اور "مجمع الزوائد" میں مرفوع روایت ہے کہ: نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا وَعَنِ الْاَكْلِ قَائِمًا ❷

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝ ﴿١٣﴾:

سوال اَهْلَكْنٰهُمْ کی "هُمْ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب تمام تفاسیر میں ملے گا کہ: مِنْ قَرْيَةٍ میں اَهْل کا لفظ مقدر ہے اَیْ مِنْ اَهْلِ قَرْيَةٍ تو اَهْلَكْنٰهُمْ کی "هُمْ" ضمیر عِصیٰ کی طرف راجع ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا ۔۔۔ الآیۃ ﴿١٤﴾:

لفظِ مَنْ معنی میں جمع ہے اِس لیے اِتَّبَعُوْٓا جمع کا صیغہ لائے۔ لفظِ مَنْ لفظاً مفرد ہے اِس لیے لفظِ عَمَل مفرد لائے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿١٥﴾:

مَثَلُ الْجَنَّةِ اَیْ صِفَةُ الْجَنَّةِ۔

فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ ۔۔۔ الآیۃ:

غَيْرِ اٰسِنٍ اَیْ غَيْرَ مُتَغَيِّرٍ یعنی جو متغیر نہ ہوگا۔ آپ نے دیکھا ہوگا جہاں پانی رکا ہوا ہو اُس کا رنگ کچھ عرصہ بعد بدل جاتا ہے، جنّت میں ایسا نہیں ہوگا۔

وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۔۔۔ الآیۃ:

یعنی تم کیا پوچھتے ہو بلکہ ہر قسم کے میوے ہوں گے۔

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ ۔۔۔ الآیۃ:

"جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی اَیْ اَفَمَنْ هُوَ فِيْ هٰذِهِ النِّعَمِ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ۔

وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لفظِ سُقُوْا کو جمع لانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ سُقُوْا کو جمع اس لیے لائے کیوں کہ كَمَنْ هُوَ ۔۔۔ الآیۃ ❸ میں لفظِ مَنْ معناً جمع ہے۔

فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝:

اَمْعَآء، مِعًا کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "انتڑیاں"۔ مطلب یہ ہے کہ: اُس پانی کی وجہ سے اُن کی انتڑیاں پاخانے کے راستے سے باہر آجائیں گی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ﴿١٦﴾:

ربط: اُوپر کافرین اور مؤمنین کا ذکر تھا اب آگے منافقین کا ذکر ہے۔

سوال مِنْهُمْ کی "هُمْ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب مِنْهُمْ کی "هُمْ" ضمیر کَافِرِیْن کی طرف راجع ہے کیوں کہ یہ منافقین کافر ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۔۔۔ الآیۃ:

اِس آیتِ کریمہ کے دو (٢) مطلب لیے گئے ہیں:

---

❶ (سنن ابن ماجہ، ابواب الاشربۃ، باب الشرب قائما، ص ٢٤٤، طبع قدیمی، کراچی) ❷ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل قائما، ج ٥، ص ٢٥، طبع مکتبۃ القدسی، القاہرۃ) ❸ (سُوْرَۃُ مُحَمَّد: ١٥)

① جب یہ مجلس سے اُٹھ کر جاتے ہیں تو اہل علم سے کہتے ہیں کہ: اس شخص یعنی پیغمبر ﷺ نے ابھی ابھی کیا بیان کیا تھا؟ شاید اس دریافت کرنے سے مقصود اُدھر تعریض کرنا ہوگا کہ ہم اُن کی بات کو لائق اعتناء نہیں سمجھتے اور نہ توجہ سے سنتے ہیں۔

② اُن کے پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ: اس شخص کی بات نے ان مؤمنوں پر کیا اثر کیا؟ اس لیے پوچھتے ہیں۔

فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ ... الآیۃ ﴿۱۸﴾:

لفظ شرط میں دو (۲) لغات ہیں:

① اگر لفظ شَرَطٌ بِفَتْحِ الرَّاء آجائے اُس کی جمع اَشْرَاط آتی ہے۔ معنی ہیں: "علامت، نشانی"۔ اِس آیت میں لفظ اَشْرَاط کا یہی مفرد ہے۔ معنی ہیں: "قیامت کی نشانیاں آگئیں" یعنی شَقِّ قَمَر ہوگیا، نبی آخر الزمان ﷺ تشریف لے آئے، قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب آگئی۔

② اگر لفظ شَرْطٌ بِسُكُوْنِ الرَّاء آجائے تو اس کی جمع شُرُوْطٌ اور شَرَائِطُ آتی ہے یعنی مَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ الشَّيْئُ۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ ... الآیۃ ﴿۱۹﴾:

ہر ایک کا ذَنْب یعنی گناہ اُس کے مرتبے کے موافق ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کے حق میں لغزش ہے اور مؤمنین کے حق میں صغیرہ وکبیرہ وغیرہ ہیں یعنی نبی کریم ﷺ کی شان بڑی ہے اس لیے لغزش کو بھی ذَنْب کہا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ۧ:

اس آیت کی چار (۴) تفسیریں ہیں:

① مُتَقَلَّب سے صُلْبِ اَب مُراد ہے، مَثْوٰی سے رَحِمِ اُم مُراد ہے۔

② مُتَقَلَّب سے دن میں چلنے پھرنے کی جگہ مُراد ہے اور مَثْوٰی سے رات کو ٹھکانہ حاصل کرنا مُراد ہے۔

③ مُتَقَلَّب سے زمین یعنی قبر سے پہلے کی زندگی مُراد ہے اور مَثْوٰی سے قبر اور قبر کے بعد کے مراحل مُراد ہیں۔

④ مُتَقَلَّب سے جنّت دُوزخ سے پہلے کے جتنے مَراحل ہیں وہ مُراد ہیں اور مَثْوٰی سے جنّت یا دُوزخ مُراد ہے۔

سب تفسیریں حق ہیں کسی کا کسی سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الآیۃ ﴿۲۰﴾:

ربط: اُوپر منافقوں کا ذکر تھا آگے بھی منافقوں کا ذکر ہے مگر قدرے تفصیل سے ہے۔

لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ ... الآیۃ:

ایمان والے کہتے ہیں کہ: ایسی سورۃ کیوں نازل نہیں ہوتی جس میں جہاد کی اجازت ہو۔ اَیْ ذُكِرَ فِيْهِ الْقِتَال۔

يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ ... الآیۃ:

لفظ نَظَر منصوب بنزع الخافض ہے۔ اَیْ كَنَظَرِ الْمَغْشِيِّ۔ جیسے موت کی غشی والا دیکھتا ہے۔

فَاَوْلٰى لَهُمْ ۚ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ ... الآیۃ ﴿۲۱﴾:

یہاں تفسیروں میں آپ کو تین (۳) تفسیریں ملیں گی:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "لَهُمْ" میں "لَام" بمعنی "بَاء" کے ہے۔ معنی ہیں: فَاَوْلٰى بِهِمْ طَاعَةٌ "اُن کے لیے مناسب تھی اطاعت کرنی"۔ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ موصوف صفت مل کر مبتداء حَسَنٌ لَكَ یہ خبر محذوف ہے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: اَوْلٰى مبتداء لَهُمْ خبر ہے اور طَاعَةٌ میں تنوین عوض مضاف الیہ ہے اَیْ طَاعَتُهُمْ۔ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ اُس پر عطف ہے۔ معنی ہیں: "خرابی ہو اُن کے لیے اُن کی اطاعت بھی معلوم ہے قول بھی معلوم ہے یعنی کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں"۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: فَاَوْلٰى لَهُمْ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ۔ یہ پورا ایک ہی جملہ ہے۔ معنی ہیں: "اُن کے لیے مناسب تھی اطاعت اور قول معروف"۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۲﴾:

تَوَلَّيْتُمْ کے دو (۲) معنی ہیں:

① تَوَلَّيْتُمْ کے ایک معنی ہیں: "اعراض کرنا"۔ اگر یہ معنی لیے جائیں تو آیت کے معنی ہوں گے: "کیا تم سے توقع ہے کہ تم اگر ایمان سے اِعراض کرو گے تو یہی توقع ہے زمین میں فساد مچاؤ گے قطع رحمی کرو گے۔" پس! اِس معنی کے اِعتبار سے تقدیری عبارت یہ ہوگی: "تَوَلَّيْتُمْ عَنِ الْاِيْمَانِ"۔

② تَوَلَّيْتُمْ کے دوسرے معنی ہیں: "زمین کا والی اور حاکم بننا"۔ اگر یہ معنی لیے جائیں تو آیت کے معنی ہوں گے: "کیا تم سے توقع ہے کہ تم زمین کے والی بن جاؤ گے، اِقتدار تمہارے ہاتھ آجائے تو زمین میں فساد مچاؤ گے اور قطع رحمی کرو گے"۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۴﴾:

تم منافق کیوں ہوتے ہو؟!! تَدَبُّر فِي الْقُرْاٰن کرو۔

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۵﴾:

ترکیب: لفظِ شَيْطٰن مبتداء ہے اور سَوَّلَ لَهُمْ خبر ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾:

لفظِ اِسْرَار باب اِفْعَال کا مصدر ہے۔ معنی ہیں: "اللہ تعالیٰ اُن کی راز کی باتوں کو جانتے ہیں"۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۹﴾:

ربط: اُوپر بھی منافقین کا ذکر تھا اور آگے بھی اُن کا ذکر چل رہا ہے۔

اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾:

اَضْغَان، ضِغْنٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "کینہ"۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۰﴾:

مولوی محمد عمر کا غلط اِستدلال: مولوی محمد عمر نے "مقیاسِ حنفیت" میں لکھا ہے کہ: وہابی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ منافقین کو نہیں پہچانتے تھے اور اِستدلال اُس آیت سے کیا ہے جو سُوْرَۃُ التَّوْبَة میں ہے کہ: لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ① اور یہاں تو یہ ہے کہ: فَلَعَرَفْتَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ② تو معلوم ہوا کہ: آپ ﷺ جانتے تھے۔

جواب: یہاں دو (۲) باتیں ہیں:

① پہلی بات تو یہ ہے کہ: سُوْرَۃُ مُحَمَّد پہلے نازل ہوئی ہے اور سُوْرَۃُ التَّوْبَة بعد میں نازل ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ: اے مولوی صاحب! پہلی سورۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَلَعَرَفْتَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ③ اور بعد میں فرماتے ہیں کہ: لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ④ نہیں جانتے؟!!

② دوسری بات یہ ہے کہ: ایک ہے علم، وہاں علم کی نفی ہے اور ایک ہے عَرَفَ یعنی قرینہ اور طرزِ گفتگو سے یا نشانیوں سے جان پہچان ہے تو جس چیز کی نفی ہے اُس کا اِثبات نہیں بل کہ اِثبات ایک چیز کا ہے اور نفی دوسری چیز کی ہے۔ مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ گوجرانوالہ میں پہلے دیوبندی عالم تھے، ایک دن اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ: یہ ایک مسافر ہے اور یہ غیر مقلد ہے، حوض کے پاس جب وہ آدمی بیٹھا، کچھ آرام کیا، پھر اُس کے بعد پیشاب وغیرہ کیا، وضوء کیا اور نماز پڑھی تو وہ واقعی غیر مقلد نکلا کیوں کہ رَفْعُ الْيَدَيْن وغیرہ کیا۔ میں نے کہا کہ: بات تو سچی نکلی آپ کو کس طرح پتہ لگا؟ فرمایا کہ: آؤ! یہ اِس لیے کہ اِس کے کان بڑے ہیں۔ تو یہ تجربہ سے اُنہوں نے پہچان لیا، نشانیوں سے پہچاننا اَلگ چیز ہے اور علم اَلگ چیز ہے۔

①④ (سُوْرَۃُ التَّوْبَة، ۱۰۱) ②③ (سُوْرَۃُ مُحَمَّد، ۳۰)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۱﴾:

ہم جان لیں مجاہدین کو علمِ ظہور کے ذریعے۔

وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○ ﴿۳۳﴾:

اپنے اَعمال کو باطل نہ کرو، نہ ریاکاری کے ذریعے اور نہ مَن وَاِحْسَان کے ذریعے، نہ کفر ونفاق کے ذریعہ۔

نفلی عبادات شروع کرنے کے بعد کوئی توڑ دے تو اُس پر اُس کے قضاء لازم ہے یا نہیں؟

اَحناف کا قول: اَحناف کے نزدیک قضاء لازم ہے، اِس میں اِمام مالک رحمہ اللہ بھی اَحناف کے ساتھ ہیں۔

اِمام شافعی کا قول: اِمام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: قضاء لازم نہیں ہے۔

احناف کی دلیل: "ترمذی شریف" وغیرہ وغیرہ میں روایت ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو (۲) بیویاں تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا۔ اُن کا نفلی روزہ تھا، توڑ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: اِقْضِيَا يَوْمًا اٰخَرَ مَكَانَهٗ [1]

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۵﴾:

ربط: اُوپر جہاد کا ذکر تھا آگے بھی اُس کے بارے میں ذکر ہے کہ قتال میں سُستی نہ کرو۔

وَتَدْعُوْٓا، لَا کے تحت داخل ہے۔ اَيْ وَلَا تَدْعُوْا۔

وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ○:

وَتَرَ، يَتِرُ بابِ ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہے۔ معنی ہیں: "کمی کرنا"۔

وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ○ ﴿۳۶﴾:

اَيْ جَمِيْعَهَا۔ سارا مال نہیں مانگتا، زکوٰۃ، عشر، فطرانہ وغیرہ نہیں مانگتا۔

وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ○ ﴿۳۷﴾:

تمہارے دلوں کے کینے نکال دے کہ: کون مخلص ہے اور کون نہیں؟

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۸﴾:

ترکیب: هَاء حرفِ تنبیہ ہے، اَنْتُمْ مبتداء اور هٰٓؤُلَآءِ خبر ہے۔

وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

عَنْ تعلیلیہ ہے۔ اَيْ لِاَجْلِ نَفْسِهٖ۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اگر تم ہمارے حکموں سے اِعراض کرو گے، اِیمان نہ لاؤ گے، تقویٰ اِختیار نہ کرو گے، جہاد نہ کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم لائے گا۔

ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ○:

وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے یعنی وہ مطیع اور فرماں بردار ہوں گے۔

---

[1] (جامع الترمذی، ابواب الصوم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی ایجاب القضاء علیہ، ج ۲، ص ۱۵۵، طبع قدیمی، کراچی)

اٰیَاتُھَا (۲۹) (۴۸) سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۱) رُكُوْعَاتُھَا (۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں اِنفاق کا ذکر تھا اور اُس اِنفاق کے مواقع میں سے ایک جہاد بھی ہے اِسی لیے آگے جہاد کا بیان ہے۔

نام اِس سورۃ کا **سُوْرَةُ الْفَتْح** ہے۔ اِس سورۃ کی مختلف آیات میں متعدد واقعات کی طرف اِشارہ ہے۔

شانِ نزول: آنحضرت ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، اُس کے بعد تین (۳) لڑائیاں براہِ راست کفارِ مکہ کے ساتھ ہوئیں:

① بدر۔ ② اُحد۔ ③ خندق۔

آپ ﷺ نے خواب دیکھا کہ: ہم مکہ میں داخل ہوئے، طواف کیا، بعضوں نے سر منڈوائے، بعضوں نے بال کتروائے۔ آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ: ہم عمرہ کو جائیں، اُس وقت حج فرض نہیں ہوا تھا لیکن پھر خیال آیا کہ: اگر کفار پھر جنگ کریں تو کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے سوچا کہ اگر ہم زیادہ سے زیادہ جائیں تو کفار پر رُعب پڑے گا، اگر لڑائی کی نوبت بھی آئی تو ہم لڑ بھی سکیں گے۔ آپ ﷺ نے یہ خواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیان کیا، گو آپ ﷺ نے مدت کی تعیین نہیں فرمائی تھی مگر شدتِ اِشتیاق سے اَکثر کا خیال اِس طرف گیا کہ: اِسی سال عمرہ میسر ہوگا اور اِتفاقاً آپ ﷺ کا قصد بھی عمرہ کا ہوگیا۔ آپ ﷺ تیرہ سو یا چودہ سو یا پندرہ سو (۱۳۰۰ یا ۱۴۰۰ یا ۱۵۰۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر بہ غرضِ عمرہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا، ہجرت کا چھٹا (۶) سال تھا، ہدی بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھی، ذوالحلیفہ سے اِحرام باندھا۔ (جس کو اب "بِئْرِ عَلِی" کہتے ہیں اور یہ مدینہ منورہ سے چھ (۶) میل دُور ہے۔) قریش کو یہ خبر پہنچی تو قریش نے بہت سا مجمع لے کر اتفاق کر لیا کہ: آپ (ﷺ) کو مکہ میں نہ آنے دیں گے حالانکہ اُن کے ہاں حج و عمرہ سے دُشمن کو بھی نہیں رُوکا جاتا تھا۔ بہرحال مقامِ حدیبیہ پر پہنچ کر جو مکہ کے قریب ہے آپ ﷺ کی اُونٹنی بیٹھ گئی اور کسی طرح اُٹھنے کا نام نہ لیا۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ۔ اور اِرشاد فرمایا کہ: خدا کی قسم! اہلِ مکہ مجھ سے جس بات کا مطالبہ کریں گے جن میں حرمات اللہ کی تعظیم قائم رہے میں منظور کر دوں گا۔ آخر آپ ﷺ نے وہیں قیام فرمایا، اُس مقام کو آج کل "شمیسیہ" کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے مکہ والوں کے پاس قاصد بھیجا کہ: ہم لڑنے نہیں آئے، ہم کو آنے دو عمرہ کر کے چلے جائیں گے۔ جب اُس کا کچھ جواب نہ ملا تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہی پیغام دے کر بھیجا اور بعض مسلمان مرد اور عورتیں جو مکہ میں مغلوب و مظلوم تھیں اُن کو بشارت پہنچائی کہ: اب عنقریب مکہ میں اِسلام غالب ہوجائے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش نے رُوک لیا، اُن کی واپسی میں دیر لگی، یہاں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ اُس وقت آپ ﷺ نے اِس خیال سے کہ شاید لڑائی کا موقع آجائے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر جہاد کی بیعت لی۔ جب قریش نے بیعت کی خبر سُنی تو ڈر گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیا۔ پھر مکہ کے چند رؤساء بہ غرضِ صلح آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح نامہ لکھنا قرار پایا۔ اِس سلسلہ میں بعض اُمور پر بحث و تکرار بھی ہوئی اور مسلمانوں کو غصہ اور جوش آیا کہ تلوار سے معاملہ ایک طرف کر دیا جائے لیکن آخر کار حضور ﷺ نے مکہ والوں کے اِصرار کے موافق سب باتیں منظور فرمالیں۔ مثلاً:

① اِس سال عمرہ نہیں کریں گے اور آئندہ سال کریں گے۔

② آئندہ سال عمرہ کے بعد صرف تین (۳) دن یہاں رہیں گے۔

③ اگر مکہ سے کوئی مدینہ آئے تو آپ (ﷺ) اُسے واپس کریں گے اور اگر مدینہ سے کوئی مکہ آجائے تو ہم اُسے واپس نہیں کریں گے۔

④ فریقین میں دس (۱۰) سال تک لڑائی نہ ہوگی۔

یہ صلح کی بعض باتیں تھیں اور مسلمانوں نے اِنتہائی ضبط اور تحمل سے کام لیا اور صلح نامہ تیار ہوگیا۔ صلح کا تمام معاملہ طے ہوجانے پر آپ ﷺ نے

حدیبیہ ہی میں ہدی کا جانور ذبح کیا اور حلق و قصر کر کے احرام کھول دیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ اِس صلح نامہ سے بعض کو پریشانی ہوئی کیوں کہ یہ برابر کی شرائط نہ تھیں، اِس موقع پر سُوْرَۃُ الْفَتْح نازل ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: أَفَتْحٌ هُوَ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ہاں! یہ پورا واقعہ سن ۶ ھ میں پیش آیا۔ حدیبیہ سے واپس تشریف لا کر سن ۷ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کیا جو مدینہ سے شمال کی جانب چار (۴) منزل پر شام کی سمت یہود کا ایک شہر تھا، اِس حملہ میں کوئی شخص اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ شریک نہ تھا جو حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ سال آئندہ یعنی ذیقعدہ سن ۷ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ معاہدہ عُمْرَۃُ الْقَضَاء کے لیے تشریف لے گئے اور اَمن و اَمان کے ساتھ مکہ پہنچ کر عمرہ اَدا فرمایا، عہد نامہ میں جو دس (۱۰) سال تک لڑائی بند رکھنے کی شرط تھی قریش نے نقضِ عہد کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کر دی اور رمضان ۸ ھ میں اُس کو فتح کر لیا اور اِس دس (۱۰) سال کی صلح میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسلمان ہوئے۔

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴﴾:

مؤمنین بہ ظاہر اِن شرطوں سے مطمئن نہیں تھے، بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت پریشان تھے، اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: حضرت! أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَعَدُوُّنَا عَلَى الْبَاطِلِ؟ ہم حق پر نہیں اور کافر باطل پر نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ہاں! ایسا ہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: أَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ہاں! ایسا ہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: فَعَلَامَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِيْنِنَا؟ حضرت! ہم دین کے سلسلہ میں یہ کمزور شرطیں کیوں مانیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: إِنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ وَلَنْ يُضَيِّعَنِيَ اللهُ أَبَدًا۔ مَیں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵﴾:

سوال لِيُدْخِلَ کا لَام کس کے متعلق ہے؟

جواب آپ کو "جلالین" تک میں ملے گا علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لِيُدْخِلَ کا لَام، أَمَرَ فعل کے متعلق ہے۔ أَيْ أَمَرَ بِالْجِهَادِ لِيُدْخِلَ۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا۔۔۔ الآیۃ ﴿۸﴾:

اَحمد رضا خان نے معنی کیے ہیں کہ: "بے شک! ہم نے تجھے بھیجا حاضر ناضر"۔

ہم نے کہا کہ: یہ تو کفر ہے اور فقہاء کے نزدیک جو کفر ہو وہ قرآن کا مفہوم کیسے ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ: "کنز الایمان" کی طرح کوئی بھی غلط کتاب نہیں۔

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹﴾:

سوال تعزیر کے کیا معنی ہیں؟

جواب اَلتَّعْزِيْرُ اَلْمَنْعُ وَالرَّدُّ۔ تعزیر کے معنی ہیں: "منع کرنا، رد کرنا"۔ یہ لفظی معنی ہیں، لازمی معنی ہیں: "مدد کرنا"۔

سوال تُسَبِّحُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب تُسَبِّحُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ کی تسبیح بیان کرو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

یہ لوگ جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کر رہے ہیں یہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں کیوں کہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔۔۔ الآیۃ [1] رسول کی اِطاعت اللہ کی اِطاعت ہے۔

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔۔۔ الآیۃ:

مطلب یہ ہے کہ: نبی اللہ ہی کی طرف سے اور اللہ ہی کے حکم سے بیعت لیتا ہے اور اُسی کے اَحکام کی تعمیل و تاکید بیعت کے ذریعہ سے کراتا ہے تو گویا نبی کے ہاتھ پر بیعت کرنا خدا کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے۔

---

[1] (سُوْرَةُ النِّسَاء: ۸۰)

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ ۔۔۔ الآیۃ:

بعض قراء عَلَيْهِ اللهَ کو عَلَيْهِ اللهَ بِکَسْرِ الْهَاء پڑھتے ہیں۔ جب کہ امام حفص رحمہ اللہ اس کو عَلَيْهُ اللهَ بِضَمِّ الْهَاء پڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: جلالت کی وجہ سے اِس پر ضمہ آیا ہے۔ جلالت کا معنی یہ ہے کہ: لفظِ اللہ ہو اور اُس سے پہلے ضمہ ہو تو لفظِ اللہ کو پُر کر کے پڑھتے ہیں، چناں چہ لفظِ اللہ کی عظمت کے پیشِ نظر "هَاء" کو ضمہ دیا گیا تا کہ پُر ادا ہو۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱﴾:

ربط: حدیبیہ کے سفر میں منافق ساتھ نہ تھے، خیال یہ تھا کہ: یہ لوگ واپس نہیں آئیں گے، اللہ کی حکمت سوائے دو (۲) صحابہ کے جو وہاں شہید ہو گئے تھے باقی سارے واپس آ گئے، جب سب واپس آ گئے تو منافقوں کے طوطے اُڑ گئے کہ: ہم کیا سمجھ رہے تھے اور یہ کیا ہوا؟ پھر بہانے کرنے لگے۔

مُخَلَّف کے معنی ہیں: "پیچھے چھوڑا ہوا"۔ تو اُن کو کس نے پیچھے چھوڑا؟ اللہ نے یا شیطان نے یا نَفْسِ اَمَّارَہ نے؟ اللہ تعالیٰ کا پیچھے چھوڑنا حقیقی ہے اور باقی چیزوں کا پیچھے چھوڑنا سببی ہے۔

وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾:

بُوْرًا، بَائِرٌ کی جمع ہے۔ اَیْ هَالِكٌ یا یہ مصدر ہے بمعنی بَائِرِيْنَ۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵﴾:

ربط: صلح حدیبیہ سے جو ذوالقعدہ کے مہینے میں سن ۶ ھ میں ہوئی، واپس آ کر جنگِ خیبر میں مسلمانوں کی تعداد پندرہ سو (۱۵۰۰) تھی اور یہود بیس ہزار (۲۰۰۰۰) تھے، لیکن اَلحق، حق ہوتا ہے، مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور ترانوے (۹۳) یہود مارے گئے، یہ جنگ محرم کے مہینے میں سن ۷ ھ میں ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر پر چڑھائی کرنے کا حکم ہوا جہاں غدار یہود آباد تھے، جو بد عہدی کر کے جنگِ اَحزاب میں کافر قوموں کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے، حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ: یہ منافقین جو حدیبیہ نہیں گئے تھے اب خیبر کے معرکہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ساتھ چلنے کو کہیں گے کیوں کہ وہاں خطرہ کم اور غنیمت کی اُمید زیادہ ہے اس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن سے فرما دیں کہ: تمہاری اِستدعاء سے پیشتر اللہ تعالیٰ ہم کو کہہ چکا ہے کہ: تم اس سفر میں ہمارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤ گے۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۶﴾:

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن مخلفین سے کہہ دیں کہ: تمہیں بلایا جائے گا ایسی قوم کی طرف جو سخت جنگجو ہے۔

سوال جنگجو قوم سے کون سی قوم مُراد ہے؟

جواب اِس میں مختلف اَقوال ہیں:

① بنو حنیفہ مُراد ہیں جو مسیلمہ کذاب کی قوم تھی۔ ② اَسود عنسی کی فوجیں مُراد ہیں۔

③ ہوازن وثقیف مُراد ہیں جن سے غزوۂ حنین میں مقابلہ ہوا۔

④ وہ مُرتدین مُراد ہیں جن پر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فوج کشی کی تھی۔

⑤ فارس، روم اور گرد والے مُراد ہیں جن سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں لڑائیاں ہوئیں۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۷﴾:

ربط: اُوپر نہ شامل ہونے والوں کو ملامت کیا گیا، اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ: سب کو ملامت ہے اِس لیے آگے فرماتے ہیں کہ: اِن مذکورہ لوگوں پر جو اندھے، لنگڑے، مریض ہیں اُن پر جہاد فرض نہیں۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۸﴾:

ربط: پہلے بیعت کا ذکر تھا اب بھی اُس کے بارے میں ذکر ہے۔

حدیبیہ کے مقام پر جہاں نمائندے آتے جاتے تھے، آخری نمائندہ اُن کا سہیل بن عمرو تھا۔ آپ ﷺ کو خیال آیا کہ: ہم بھی قاصد بھیجیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: تم جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: آپ (ﷺ) کے اِرشاد کی دو (۲) شقیں ہیں: ① ایک شق یہ کہ: نمائندہ بھیج دو تو میں اِس کا قائل ہوں۔ ② دوسری شق یہ ہے کہ: تم جاؤ تو میں اِس کا قائل نہیں ہوں، میری طبیعت سخت ہے اِس لیے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اِحرام باندھ کر آئے تو کفار نے کہا کہ: عمرہ کر کے واپس چلے جاؤ۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نہیں! آپ رضی اللہ عنہ کفار کے بوڑھوں سے ملے تو اُن کے جوان پریشان ہوئے کہ: کہیں ایسا نہ ہو کہ بوڑھے نرم پڑ جائیں اور صلح کے لیے تیار ہو جائیں، تو کفار نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بیت اللہ شریف میں نظر بند کیا اور یہ خبر مشہور کی کہ: ہم نے اُن کو قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی، مقامِ حدیبیہ میں جس کا نام اب شمیسیہ ہے آنحضرت ﷺ نے کیکر کے درخت کے نیچے دو (۲) باتوں پر بیعت کی: ① ایک بیعت اِس پر لی کہ: ہم نہیں بھاگیں گے۔ ② دوسری بیعت موت پر لی۔ آپ ﷺ نے ہاتھ بلند کر لیا کہ یہ کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: ہاتھ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: کس کا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: آپ (ﷺ) کا۔ پھر آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: کون سا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: بایاں۔ پھر اِسی طرح دایاں ہاتھ بلند کیا اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت کی۔ جب کفار کو اِس بات کا پتہ چلا کہ: نبی کریم ﷺ جنگ کی تیاری کر رہے ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ اب اُس کا ذکر ہے۔

رَضِیَ ماضی کا صیغہ ہے، قَدْ اِس پر تاکید کے لیے آیا ہے اور لَام مزید تاکید ہے۔ معنی ہیں: "البتہ تحقیق سے اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا مؤمنوں سے جنہوں نے بیعت کی"۔ اُس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ابھی آپ نے سنا کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر آپ ﷺ کو اِتنا اِعتماد تھا کہ: اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا۔

اب اِس آیت میں یہ پندرہ سو (۱۵۰۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں، اِس آیت سے شیعوں کو اِنتہائی پریشانی ہے، اِس کے دو (۲) حیلے اُنہوں نے تلاش کیے ہیں، "اِرشاد الشیعہ" میں ہم نے یہ حوالہ بحث کی ہے، شیعوں نے کہا کہ:

① یہ قرآن ہی اَصلی نہیں ہے "وَاللہِ مَا فِیْہِ حَرْفٌ وَّاحِدٌ" یہ اَصلی قرآن کا ایک حرف بھی نہیں۔ جب یہ قرآن ہی اَصلی نہیں تو اِس میں لَقَدْ رَضِیَ اللہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ہو بھی تو اِس سے کیا فرق پڑتا ہے؟؟!!

② شیعوں نے "بَدَاء" کا عقیدہ گڑھا، مَاعُبِدَ اللہِ بِمِثْلِ مَاعُبِدَ بِالْبَدَاءِ۔ کہتے ہیں کہ: جتنا رب "بَدَاء" کے عقیدے سے راضی ہوتا ہے اُتنا کسی چیز سے راضی نہیں ہوتا۔ "بَدَاء" کا معنی یہ ہے کہ: پہلے رب کو کسی چیز کا علم نہ ہو پھر بعد میں معلوم ہو جائے۔ تو مطلب یہ ہے کہ: (نَعُوْذُ بِاللہِ) پہلے اللہ تعالیٰ کو علم نہ تھا کہ یہ بعد میں مُرتد ہوں گے، پہلے تو مخلص تھے لیکن جب آپ ﷺ دُنیا سے رخصت ہوئے تو "ہمہ مُرتد گشتند" یہ تو رب پر بعد میں یہ منکشف ہوا۔ تو اُنہوں نے "بَدَاء" کا عقیدہ گڑھا محض اِس لیے تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسلمان ثابت نہ ہوں۔

وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝:

فَتْحًا قَرِيْبًا سے خیبر کی فتح مُراد ہے۔

فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ ۔۔۔ الآیۃ ⑳:

فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ اَیْ غَنِيْمَةُ خَيْبَرَ یعنی خیبر کی غنیمت۔

وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

"اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ہاتھ رُوکے تم سے"۔ اِس آیت کی کئی تفسیریں ہیں، مَیں دو (۲) عرض کرتا ہوں:

① "تفسیر کبیر، خازن" وغیرہ وغیرہ تفسیروں میں یہ لکھا ہے کہ: آپ ﷺ جس وقت خیبر کے لیے روانہ ہوئے تو قبیلہ بنو اَسد اور قبیلہ بنو غطفان نے یہ خیال کیا کہ اب مدینہ میں مسلمان تو نہیں رہے، لہٰذا مدینہ پر حملہ کر کے اُن کی عورتوں، بچوں کو قید کر لو اور سب کچھ لوٹ لو۔ اُنہوں نے یہ اِرادہ کیا لیکن پھر اُن کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ: محمد (ﷺ) بڑے دُور اَندیش آدمی ہیں، وہ اِتنے نادان نہیں ہیں کہ مدینہ سے جائیں اور اپنے دفاع کا اِنتظام کر کے نہ جائیں، ضرور دفاع کا اِنتظام کیا ہو گا، اب اگر ہم مدینہ پر حملہ کریں گے تو مار کھائیں گے۔ چناں چہ اُن کی ہمتیں پست ہو گئیں۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اِس سے یہود مُراد ہیں، یہود نے اِرادہ کیا کہ: ہم مدینہ پر حملہ کر کے اُن کو لوٹ لیتے ہیں، لیکن اُن کے ذہن میں بھی یہ خیال آیا کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو بڑے فہیم ہیں، وہ کبھی ایسا نہیں کرتے کہ وہ سارے چلے جائیں اور کسی کو دفاع کے لیے نہ چھوڑیں۔
چناں چہ اُن کی ہمتیں بھی پست ہو گئیں۔

وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال لِتَكُوْنَ کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب لِتَكُوْنَ کی ضمیر ماقبل میں فَعَجَّلَ ہے اُس میں جو اَلْمُعَجَّلُ مصدر ہے اُس مصدر کی طرف راجع ہے۔ أَيْ وَلِتَكُوْنَ الْمُعَجَّلَةُ یہ جلدی کی ہوئی غنیمت مؤمنوں کے لیے نشانی بن گئی۔

وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:

اُخْرٰى مَغَانِمَ کی صفت ہے أَيْ مَغَانِمَ اُخْرٰى۔

لَمْ تَقْدِرُوْا کا مطلب یہ ہے کہ: وہ غنیمتیں جس پر تم نے اب تک قدرت نہیں پائی اُن کا اللہ تعالیٰ اِحاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ "مصر، شام، ایران، روم" وغیرہ کے علاقے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں فتح ہوئے۔

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۴﴾:

صلح حدیبیہ کے موقع پر ایسا ہوا کہ: خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (جو کہ اُس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) تقریباً دو سو (۲۰۰) آدمیوں کو لے کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ آور ہوئے، اُن کے اَسّی (۸۰) آدمی گرفتار ہوئے، اِس موقع پر دو (۲) مسلمان شہید ہوئے، اُن گرفتار کیے ہوئے لوگوں کے بارے میں سوچا کہ اُن کے ساتھ کیا کیا جائے؟ تو یہی رائے سامنے آئی کہ اِن کو چھوڑ دیا جائے۔

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۵﴾:

وَلَوْلَا شرط ہے، اِس کی جزاء محذوف ہے، وہ یہ ہے: وَلَمْ يُؤْذَنْ لَكُمْ بِالْفَتْحِ۔

اب یہ بات سمجھیں!!! ہجرت کے بعد چھ (۶) سال گزر چکے تھے، اُن چھ (۶) سالوں میں مسلمانوں کو مکہ آنے جانے کا موقع نہیں ملا، اُن چھ (۶) سالوں میں مکہ میں کچھ مَرد اور عورتیں مسلمان ہوئیں، تمہیں اُن کے اِیمان کا علم نہیں تھا، اب اگر لڑائی ہوتی تو تمہیں تو اُن کا اِیمان معلوم نہیں تم اُن کو بھی قتل کرتے اور مؤمن کو قتل کرنا فِيْ نَفْسِه بُرا ہے۔ پھر کافروں کو بھی موقع مل جاتا کہ: ہمیں تو قتل کیا اپنوں کو بھی نہ چھوڑا!!! اِس لیے رب نے تمہیں لڑائی کرنے کی اِجازت نہیں دی۔

فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۔۔۔ الآیۃ:

مَعَرَّةٌ کے معنی ہیں: اِثْمٌ، عَيْبٌ۔

لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِه ۔۔۔ الآیۃ:

لِيُدْخِلَ میں جو لام ہے اُس لام کا متعلق فعل محذوف ہے۔ أَيْ لَمْ يُؤْذَنْ لَكُمْ بِالْفَتْحِ لِيُدْخِلَ۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۶﴾:

جاہلیت کی غیرت۔ مثلاً: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بِسْمِ اللّٰهِ لکھی تھی تو سہیل بن عمرو نے کہا: بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو، اِسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا: هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو سہیل بن عمرو نے کہا کہ: "محمد بن عبداللہ" لکھو۔ تو یہ جاہلیت کی غیرت تھی کہ بِسْمِ اللّٰهِ نہیں چھوڑی اور دوسرا یہ کہ "رسول اللہ" کے لفظ کو نہیں چھوڑا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۷﴾:

مَیں نے پہلے عرض کیا تھا کہ: حدیبیہ کے سفر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا، تو یہاں اُس خواب کا بیان ہے۔ جب صلح ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے عرض کیا کہ: صلح کیوں کررہے ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو فرمایا تھا کہ: ہم مسجد حرام میں داخل ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ: اِسی سال خواب کی تعبیر پوری ہوگی!! بل کہ بعد میں پوری ہوگی۔ چناں چہ سات (۷) ہجری میں عُمْرَۃُ الْقَضَاء اَدا فرمایا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۹﴾:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لفظِ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" قرآن کریم میں چار (۴) جگہ آیا ہے:

① وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۔۔۔ الآیۃ ❶

② مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔۔۔ الآیۃ ❷

③ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ❸

④ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۔۔۔ الآیۃ ❹

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اَحمد ایک مرتبہ قرآن میں آیا ہے: بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۔۔۔ الآیۃ ❺

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۔۔۔ الآیۃ:

سبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے مگر مَعَهٗ کے اوّلین مصداق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، اَشِدَّآءُ کے اوّلین مصداق حضرت عمر رضی اللہ عنہ، رُحَمَآءُ کے اوّلین مصداق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، رُكَّعًا کے اوّلین مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ صرف اوّلین مصداق ہیں باقی سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۔۔۔ الآیۃ:

یعنی پہلی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی ایسی ہی شان بیان کی گئی تھی۔

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ ۔۔۔ الآیۃ:

کاشت کار زمین میں بیج بوتا ہے پھر اُس سے ایک پودا نکلتا ہے، پھر وہ قوی ہوجاتا ہے۔ اوّل اِس دین پر ایک آدمی تھا، پھر دو (۲) ہوئے، پھر آہستہ آہستہ قوت بڑھتی گئی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ: اَخْرَجَ شَطْئَهٗ میں عہدِ صدیقی، فَاٰزَرَهٗ میں عہدِ فاروقی، فَاسْتَغْلَظَ میں عہدِ عثمانی اور فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ میں عہدِ مرتضوی کی طرف اِشارہ ہے جیسا کہ اَبھی آپ نے پڑھا کہ: بعض بزرگوں نے وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا کو عَلَى التَّرْتِيْب خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم پر تقسیم کیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت تمام جماعتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہیات مجموعی مدح ومنقبت پر مشتمل ہے خصوصاً اَصحابِ بیعتِ رضوان رضی اللہ عنہم کی منقبت پر مشتمل ہے جن کا ذکر آغازِ سورۃ سے برابر چلا آرہا ہے۔

لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۔۔۔ الآیۃ:

اِسلامی کھیتی کی یہ تازگی اور رُونق وبہار دیکھ کر کافروں کے دل غیظ وحسد سے جلتے ہیں۔

"تفسیر ابن کثیر، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اِمام مالک رحمہ اللہ نے اِس آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بُغض رکھتا ہے اور جو اُن سے جلتا ہے وہ کافر ہے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن: ۱۴۴) ❷ (سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب: ۴۰) ❸ (سُوْرَۃُ مُحَمَّد: ۲) ❹ (سُوْرَۃُ الْفَتْح: ۲۹) ❺ (سُوْرَۃُ الصَّف: ۶)

اٰیَاتُھَا (۱۸) (۴۹) سُوْرَۃُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۰۶) رُکُوْعَاتُھَا (۲)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: آسان ربط یہ ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر تھا اور اِس سورۃ کی اِبتداء میں یہ بیان ہے کہ اگر اُن سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو باوجود اُن غلطیوں کے وہ مؤمن ہیں اِس لیے اللہ تعالیٰ نے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر اُن کو مخاطب کیا ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْحُجُرٰت ہے۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی رہائش کے لیے حجرات بنا رکھے تھے۔ حجرہ کے معنی ہیں: "کمرہ"۔ یہ مجازی معنی ہیں ورنہ حجرہ کہتے ہیں: بِنَاءٌ غَیْرُ مُسَقَّفٍ۔ جس پر چھت نہ ہو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔۔۔ الآیۃ ۞۱:

شانِ نزول: قبیلہ بنو تمیم والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ: ہم مسلمان ہوئے ہیں، ہمارے اندر بھی کوئی اَمیر بنادیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: قعقاع بن معبد اَمیر ہوجائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اَقرع بن حابس کے بارے میں کہا کہ یہ اَمیر ہوجائے۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: مَا اَرَدْتَ اِلَّا خِلَافِیْ ۔ تم مخالفت کے لیے یہ نام بتاتے ہو۔ دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بڑھ چڑھ کر باتیں کیں۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی۔

لَا تُقَدِّمُوْا کے معنی ہیں: "آگے مت بڑھو"۔ قَدَّمَ، یُقَدِّمُ، تَقْدِیْمًا بابِ تَفْعِیْل سے ہے۔ یہ متعدی ہوتا ہے لیکن یہاں قَدَّمَ بمعنی تَقَدَّمَ ہے۔ یعنی بابِ تَفَعُّل کے معنی میں ہے۔ معنی ہیں: "نہ آگے بڑھو"۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ۔۔۔ الآیۃ ۞۲:

یہ آیت نازل ہونے پر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ رونے لگے، وہ جَهِیْرُ الصَّوْت تھے اِس لیے رُوئے کہ میرے عمل حبط ہوگئے۔

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اَنْ تَحْبَطَ اَیْ لِاَنْ لَا تَحْبَطَ۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ۔۔۔ الآیۃ ۞۳:

اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی کے دو (۲) معنی ہیں:

① اِمام بخاری رحمہ اللہ اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی کا معنی کرتے ہیں: اَخْلَصَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی۔

② دیگر حضرات اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی کا معنی کرتے ہیں: اِخْتَبَرَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○ ۞۴:

قبیلہ بنو تمیم ملنے آئے اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارک میں تشریف فرما تھے، وہ لوگ باہر سے آوازیں دینے لگے کہ: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! باہر آؤ۔ یہ بے عقلی اور بدتہذیبی کی بات تھی۔ کہا جاتا ہے کہ: صَاحِبُ الْغَرَضِ مَجْنُوْنٌ، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو نہیں سمجھتے تھے۔ کیا معلوم کہ: اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہورہی ہو یا کسی اور مہتم بالشان کام میں مشغول ہوں؟!! تو چاہیے تو یہ تھا کہ: کسی کی زبانی اَندر اِطلاع کراتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر تشریف لانے تک صبر کرتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لاکر اُن کی طرف متوجہ ہوتے تو اُس وقت خطاب کرنا چاہیے تھا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا ۔۔۔ الآیۃ ۞۶:

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فاسق کا معنی کرتے ہیں: "کچا آدمی"۔

واقعہ: ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ ایک نوجوان تھے، حساب کتاب کے بڑے ماہر تھے۔ ۵ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنوالمصطلق پر حملہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن صحابی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ: وہاں جاکر اُن لوگوں سے زکوٰۃ لے آؤ۔ آپ رضی اللہ عنہ تو پہلے خوش ہوئے کہ: ایک منصب ملا یعنی خَالِیُ الذِّہن تھے۔ پھر یہ خیال ذہن میں آیا کہ: میری تو اُس قوم سے عداوت و دُشمنی ہے، وہ مجھے قتل کرڈالیں گے۔ جب یہ روانہ ہوئے تو اُس قوم کو خبر ملی کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمائندہ آرہا ہے، وہ استقبال کے لیے باہر نکلے، جب وہ صحابی رضی اللہ عنہ قریب ہوئے تو وہ لوگ جن کے ساتھ اُن کی عداوت تھی وہ نظر آئے، وہ بھاگے۔ وہم بُری چیز ہے، جب واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: کیا ہوا؟ اُنہوں نے کہا کہ: وہ تو مجھے قتل کردیتے مگر خدا نے بچالیا۔ تو اِس بات کو سن کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ کہا کہ: وہ قوم والے صرف ظاہراً مسلمان ہوئے تھے حقیقت میں مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر چڑھائی کا حکم دیا، وہ مطلع ہوئے تو اُن کی طرف سے ایک نمائندے نے آکر کہا کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک نمائندہ آیا اور پھر بھاگا ہمارے پاس آیا ہی نہیں۔

پس! معلوم ہوا کہ: کسی کچے آدمی کی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کرو۔

وَلٰکِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷﴾:

حَبَّبَ کا صلہ لام بھی آتا ہے اور اِلٰی آتا ہے۔

وَ کَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ۔۔۔ الآیۃ:

فِسق اور عِصیان میں فرق: فِسق ایسے گناہ کو کہتے ہیں جس کا ظاہری اَثر اور علامت ہو اور نظر آئے۔ عِصیان ایسے گناہ کو کہتے ہیں جس کا ظاہری اَثر نظر نہ آئے یعنی باطنی گناہ کو کہتے ہیں۔

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸﴾:

لفظِ فَضْلًا مفعول مطلق ہے۔ اَیْ تَفَضَّلَ اللّٰهُ فَضْلًا۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹﴾:

اِمام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: طَآئِفَتٰنِ میں دو (۲) رَجُلَان بھی شامل ہیں۔ لہٰذا طَآئِفَة کا لفظ ایک سے لے کر ہزار (۱۰۰۰) تک پر بولا جاتا ہے۔

سوال آیت کا مصداق کیا ہے؟

جواب آیت کے مصداق میں مختلف اَقوال ہیں:

① آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین کے محلے میں تشریف لے گئے۔ اُس نے کہا کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خچر کی بُو نے مجھ کو تکلیف دی۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کا پسینہ تمہارے پسینہ سے اچھا ہے۔

② "صحیحین" کی روایت کے موافق اِس آیت کا نزول اَنصار کے دو (۲) گروہوں اَوس اور خزرج کے وقتی ہنگامے کے متعلق ہوا ہے، ایک دوسرے پر پتھر برسائے، چادروں کے کوڑے بناکر ایک دوسرے کو مارے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے درمیان اِسی آیت کے ماتحت صلح کرادی۔

③ جو لوگ خلیفہ کے مقابلہ میں بغاوت کریں وہ بھی عمومِ آیت میں داخل ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ اگر دو (۲) فریق لڑ پڑیں تو اُن کو منع کرو، آگے اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں کی نشاندہی کرتے ہیں جس سے لڑائی پیدا ہوتی ہے۔

فائدہ: لفظِ قوم مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے بولا جاتا ہے لیکن یہاں مُراد صرف رِجَال ہیں، وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ اِس کا قرینہ ہے۔

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

"اپنے نفسوں پر عیب مت لگاؤ" اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① تم کسی کا عیب نکالو گے مثلاً: تم کہو گے کہ: او لنگڑے! تو وہ کہے گا: تُو لنگڑا، تیرا باپ لنگڑا، تیرا دادا لنگڑا۔ تو وہ لفظ پھر لوٹ کر اپنی ہی طرف آئے گا۔

② دوسرے بھی تو تمہاری طرح اِنسان ہیں، اُن پر کیوں عیب لگاتے ہو؟!!

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ۔۔۔الآیۃ:

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: نَبَزْ کا لفظی معنی ہے: "لقب رکھنا" لیکن یہاں اِس سے مُراد بُرا لقب ہے۔ مثلاً: اُوکر یلے! وغیرہ۔

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ۔۔۔الآیۃ:

اِس آیت کے دو (۲) مطلب ہیں:

① کسی کا بُرا نام رکھنے سے آدمی خود گناہ گار ہوتا ہے اور اُسے واقع میں عیب لگا یا نہ لگا لیکن اُس پکارنے والے کا نام بدتہذیب، فاسق، گناہ گار، مُردم آزار پڑ گیا۔ تو مطلب یہ ہے کہ: بعد ایمان فسوق والے نام بولے یعنی ایسی صفات پیدا کرے کہ نام اِس طرح فسوق والا ہو۔ خیال کرو کہ!! مؤمن کے بہترین لقب کے بعد یہ نام کیا اچھے معلوم ہوتے ہیں؟

② کوئی شخص پہلے کافر تھا اور اَبھی ایمان لا چکا اور مسلمان ہوگیا، اُس کو مسلمانی سے پہلے کی باتوں پر طعن کرنا یا اُس وقت کے بدترین اَلقاب سے یاد کرنا مثلاً اے سکھ! اے یہودی! اے نصرانی! وغیرہ کہہ کر پکارنا نہایت مذموم حرکت ہے۔ اِسی طرح جو شخص کسی عیب میں مبتلا ہو اور اُس کا اِختیار بھی نہ ہو یا ایک گناہ سے فرض کیجیے توبہ کر چکا ہے تو چڑانے کے لیے اُس کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں۔

وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲﴾:

غیبت کی تعریف: اگر کوئی عیب کسی میں ہو اور وہ بیان کیا جائے تو یہ غیبت ہے اور اگر نہ ہو تو یہ بہتان ہے۔

وہ مواقع جہاں کسی کا عیب بیان کیا جائے تو غیبت نہیں:

بعض مواقع پر شرعی طور پر اِس کی اجازت ہے کہ کسی کا عیب بیان کیا جائے۔ مثلاً: کوئی شخص مفتی کے پاس جاتا ہے یا حاکم کے پاس جاتا ہے اور یہ بیان کرتا ہے کہ: فلاں میں یہ خرابی ہے تو دُرست ہے اور یہ اِس لیے جائز ہے کہ اِس میں محض عیب بیان کرنا مقصود نہیں بل کہ اپنے لیے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ اِسی طرح اگر رشتہ کرنا ہو تو فریقین میں سے کسی میں جو عیوب ونقائص ہوں بیان کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ تو جہاں بھی کوئی شرعی مقصد ہو اور نفسانیت کی غرض نہ ہو تو یہ جائز ہے۔ مثلاً: ہم باطل فرقوں کا ذکر کرتے ہیں اور ہم اُن کے نام بھی لیتے ہیں اِس لیے کہ بے علم حضرات تو نہیں جانتے۔

غیبت کی معافی کیسے ہوگی؟ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جس نے کسی کی غیبت کی اور اُس کو علم نہ ہوا تو یہ توبہ سے معاف ہو جاتی ہے کیوں کہ یہ "حق اللہ" ہے اور اگر اُس کو علم ہوگیا تو توبہ سے معافی نہیں ہوگی کیوں کہ اب یہ "حق العبد" ہے۔

وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳﴾:

شُعُوْب، شِعْبٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "بڑا قبیلہ"۔ **قَبَآئِل، قَبِیْلَۃٌ** کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "چھوٹا قبیلہ"۔ مثلاً: "قریش" کا جو قبیلہ ہے وہ "**شِعْب**" ہے اور باقی "بنو نوفل و کنانہ" جو ہیں وہ "**قَبَآئِل**" ہیں۔

فائدہ: "قاموس، صراح" میں لکھا ہے کہ: قریش کہتے ہیں "بڑی مچھلی کو" اور یہ عموماً غالب ہوتی ہے اِس لیے نضر بن کنانہ کو یہ نام پکارا جاتا تھا۔

لِتَعَارَفُوْا اَصل میں **لِتَتَعَارَفُوْا** تھا، بابِ **تَفَاعُل** کا ایک تاء حذف کر دیا تو **لِتَعَارَفُوْا** بن گیا۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔۔۔الآیۃ:

"مجمع الزوائد" میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: **فَلَیْسَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ فَضْلٌ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ فَضْلٌ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰی أَبْیَضَ فَضْلٌ وَلَا لِأَبْیَضَ عَلٰی أَسْوَدَ فَضْلٌ إِلَّا بِالتَّقْوٰی** ❶

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا۔۔۔الآیۃ ﴿۱۴﴾:

اُوپر اُن لوگوں کا ذکر تھا جو صحیح معنوں میں مؤمن تھے، اب آگے اُن لوگوں کا ذکر ہے جو منافق قسم کے لوگ تھے۔ یہاں آپ کو قبیلہ بنو اَسد اور بنو غطفان کے نام ملیں گے۔

قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا۔۔۔الآیۃ:

تم نے اِیمان نہیں لایا بل کہ تم نے اِسلام کا اِظہار کیا ہے۔

---

❶ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب الحج، باب الخطب فی الحج، ج ۳، ص ۲۷۲، طبع مکتبۃ القدسی، القاہرۃ)

اٰیَاتُھَا (۴۵) (۵۰) سُوْرَۃُ قٓ مَکِّیَّۃٌ (۳۴) رُکُوْعَاتُھَا (۳)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؀

ربط: "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات، ابوسعود" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں ہے وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ؀ ❶ جو عمل تم کرتے ہو رب دیکھتا ہے۔ اب اِس عمل کا نتیجہ کہاں ملے گا؟ قیامت میں ملے گا، تو اِس سورۃ میں قیامت کا اِثبات ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ قٓ ہے۔ یہ قَادِرٌ سے ہے یا قَدِیْرٌ سے ہے۔ معنی ہے: "تقدیر"۔

وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ؀ ❶:

سوال وَاوٗ حرفِ قسم ہے اِس کا جوابِ قسم مذکور ہے یا محذوف ہے؟

جواب جوابِ قسم مذکور ہے یا محذوف ہے اِس میں دو (۲) گروہ ہیں:

① "تفسیر کبیر" وغیرہ میں ہے کہ: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اِس کا جوابِ قسم مذکور ہے۔ لیکن وہ مذکور ہے کیا؟ اِس میں اُن کا اِختلاف ہے:

① بعض کہتے ہیں کہ: قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْھُمْ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ❷ ہے۔

② بعض کہتے ہیں کہ: آگے رکوع میں مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ ۔۔۔ الآیۃ ❸ ہے۔

② علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس کا جوابِ قسم محذوف ہے اور وہ مَا اٰمَنَ کُفَّارُ مَکَّۃَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْھُمْ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ❹:

آپ سُوْرَۃُ السَّجْدَۃِ میں پڑھ چکے ہیں: ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ ۔۔۔ الآیۃ ❺ کیا جس وقت ہم رَل مل جائیں گے زمین میں کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے؟!! تو اُن کا خیال یہ تھا کہ: ہمارے اَجزاء بھی مٹی ہو گئے اور زمین میں رَل مل گئے تو پھر ہم کیسے اُٹھیں گے؟ اِس کا جواب اللہ تعالیٰ یہاں سے دیتے ہیں کہ: قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْھُمْ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ❹ تحقیق سے ہم جانتے ہیں اُس چیز کو جو زمین اُن سے گھٹاتی ہے۔

فَھُمْ فِیْٓ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ؀ ❺:

معنی ہیں: "مُضطرب" یعنی وہ ایسے معاملے میں ہیں جو اِضطراب میں ڈالے۔ یہاں آپ کو تین (۳) تفسیریں ملیں گی:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: اُوپر قرآن مجید کا ذکر تھا، وہ قرآن کے بارے میں کہتے تھے کہ: یہ کہانت ہے، سحر ہے، افتراء ہے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: اُوپر مُنْذِر کا ذکر تھا، وہ مُنْذِر کے بارے میں کہتے تھے کہ: یہ ساحر ہے، شاعر ہے، مجنون ہے۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: اُوپر قیامت کا ذکر تھا، وہ قیامت کے بارے میں الجھے ہوئے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ: اگر ہم لوٹا دیئے گئے تو بھی ہمارے لیے بھلائی ہوگی۔

وَمَا لَھَا مِنْ فُرُوْجٍ ؀ ❻:

فُرُوْج، فَرْج کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "سوراخ"۔ آسمان میں دروازے ہیں سوراخ نہیں۔

مِنْ کُلِّ زَوْجٍ بَھِیْجٍ ؀ ❼:

بَھِیْجٍ کے معنی ہیں: "تروتازہ"۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْحُجُرٰت، ۱۸) ❷❹ (سُوْرَۃُ قٓ، ۴) ❸ (سُوْرَۃُ قٓ، ۱۸) ❺ (سُوْرَۃُ السَّجْدَۃ، ۱۰)

تَبْصِرَۃً وَّ ذِکْرٰی ۔۔۔ الآیۃ ❽:

یہ مفعول لہ ہے۔ اَیْ لِاَجْلِ التَّبْصِرَۃِ وَ ذِکْرٰی۔

وَحَبَّ الْحَصِیْدِ o ❾:

لفظ حَصِیْد صفت ہے اور موصوف اَلزَّرْع محذوف ہے۔ اَیْ وَحَبَّ الزَّرْعِ الْحَصِیْدِ۔

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ o ❿:

بٰسِقٰت کے معنی ہیں: "لمبے لمبے"۔ نَضِیْد کے معنی ہیں: "تہہ بہ تہہ"۔

رِزْقًا لِّلْعِبَادِ ۔۔۔ الآیۃ ⓫:

لفظ رِزْقًا، فَاَنْۢبَتْنَا ۔۔۔ الآیۃ ❶ کا مفعول لہ ہے۔

کَذٰلِکَ الْخُرُوْجُ o:

کفار سے کہا گیا کہ: تم یہ کیوں کہتے ہو کہ: ذٰلِکَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ۔۔۔ الآیۃ ❷ کَذٰلِکَ الْخُرُوْجُ o ❸ تم اِسی طرح نکالے جاؤ گے۔

کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ ۔۔۔ الآیۃ ⓬:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: بَلْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ❹ یہ حق کو جھٹلا چکے، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ: "یہ تکذیب اَبھی سے نہیں پہلے بھی لوگوں نے تکذیب کی"۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۔۔۔ الآیۃ ⓰:

ربط: اُوپر کفار کی تکذیب کا ذکر تھا آگے فرمایا کہ: اِنسان کی کوئی شے وسوسہ تک بھی علم سے خالی نہیں۔

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ o ⓱:

دو(۲) فرشتے دن کے اَعمال لکھنے کے لیے فجر کی نماز کے وقت آتے ہیں اور دو(۲) عصر کی نماز کے وقت آتے ہیں، یہ چار(۴) فرشتے روزانہ اَعمال لکھنے کے لیے مقرر ہیں، ایک دائیں طرف ہوتا ہے اور ایک بائیں طرف، دائیں طرف والا سردار ہے، اَعمال صالحہ لکھنے والا ہے اور بائیں طرف لکھنے والا اَعمال بد لکھنے والا ہے۔

سوال لفظ قَعِیْد ترکیب میں کیا ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① کوفیین کہتے ہیں کہ: لفظ قَعِیْدٌ، فَعِیْل کے وزن پر ہے، واحد، تثنیہ، جمع سب کے لیے آتا ہے، یہاں دو(۲) فرشتے مُراد ہیں تو قَعِیْدٌ صحیح ہے۔

② بصریین کہتے ہیں کہ: لفظ قَعِیْدٌ ایک کی خبر ہے اور دوسرے کی خبر محذوف ہے اَیْ عَنِ الْیَمِیْنِ قَعِیْدٌ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ۔

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ o ⓲:

سوال اِس سے معلوم ہوا کہ: ہر قول کو لکھتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ دل کی باتیں جانتے ہیں کہ نہیں؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ: ہاں! دل کی باتیں جانتے ہیں۔

② بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ: نہیں! دل کی باتیں نہیں جانتے ہیں۔

اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر آدمی نیک عمل کا اِرادہ کرے تو خوشبو محسوس ہوتی ہے اور اگر بُرائی کا اِرادہ کرے تو بدبو محسوس ہوتی ہے۔

---

❶(سُوْرَۃُ قٓ، ۹) ❷(سُوْرَۃُ قٓ، ۳) ❸(سُوْرَۃُ قٓ، ۱۱) ❹(سُوْرَۃُ قٓ، ۵)

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۝ ﴿۱۹﴾:

تَحِيْدُ کا معنی ہے: "بھاگتا تھا، اعراض کرتا تھا"۔

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ۝ ﴿۲۱﴾:

سوال سَآئِقٌ اور شَهِيْدٌ سے کون مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① سَآئِق سے مُراد وہ فرشتہ ہے جو اُس کو چلا کر لے جائے گا اور شَهِيْد سے مُراد اُس شخص کے اَعضاء ہیں جو اُس کے خلاف گواہی دیں گے۔

② "تفسیر روح المعانی، کبیر" وغیرہ میں ہے کہ: كِرَامًا كَاتِبِيْنَ میں سے ایک سَآئِق اور دوسرا شَهِيْد ہوگا۔

اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ۝ ﴿۲۴﴾:

سوال اَلْقِيَا کیا ہے؟

جواب یہاں تفسیروں میں بڑا کچھ لکھا ہے، تین (۳) آسان باتیں مَیں عرض کرتا ہوں:

① فعل کا تکرار ہے یعنی تکرارِ فعل تکرارِ فاعل کی صورت میں ہے۔ اَيْ اَلْقِ اَلْقِ۔

② حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَصل میں اَلْقِيَنْ یعنی نُون خفیفہ تاکید کے لیے تھا وہ نُون، اَلِف کی صورت اِختیار کر گیا ہے۔

③ "تفسیر روح المعانی، قرطبی" میں لکھا ہے کہ: یہ تثنیہ ہے کیوں کہ اُوپر سَآئِق اور شَهِيْد کا ذکر تھا اِس لیے یہ تثنیہ لایا۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۷﴾:

قَرِيْنُهٗ سے مُراد شیطان ہے۔

رَبَّنَا سے پہلے یاء حرفِ نداء محذوف ہے۔ اَيْ يَا رَبَّنَا۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۰﴾:

ربط: اُوپر بھی قیامت کا ذکر تھا آگے بھی قیامت کا ذکر ہے۔

وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ۝:

"تفسیر روح المعانی، کبیر، خازن" وغیرہ میں اِس کے دو (۲) معانی لکھے ہیں:

① ربّ تعالیٰ فرمائے گا کہ: کیا تُو پُر ہوگئی؟ وہ کہے گی کہ: کیا مجھ میں مزید جگہ باقی ہے؟!! یعنی پُر ہوگئی۔

② هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ یعنی جگہ تو بہت زیادہ ہے اور کیا مزید کافر اور نافرمان ہیں؟ تو یہ مزید طلب کرے گی۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۱﴾:

اُزْلِفَت کے معنی ہیں: "قریب"۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۳﴾:

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ ماقبل میں لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ۝ ● سے بدل ہے۔

فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۶﴾:

نَقَّبَ، يُنَقِّبُ، تَنْقِيْبًا بابِ تفعیل سے ہے۔ معنی ہیں: "اَلتَّفْتِيْشُ، تلاش کرنا، جستجو کرنا"۔

هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ۝:

لفظ مَحِيْص ظرف کا صیغہ ہے یا مصدر میمی ہے۔

● (سُوْرَۃُ قٓ، ۳۲)

اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيْدٌ ؀:

وَهُوَ شَهِيْدٌ اَیْ وَهُوَ حَاضِرٌ بِقَلْبِهٖ۔

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ؀:

یعنی نمازوں کے بعد اللہ کی تسبیح کرو۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ ۔۔۔ الآیۃ:

اِسْتَمِعْ کا مفعول بہ مَقُوْلِیْ محذوف ہے اور لفظ یَوْمَ مفعول فیہ ہے۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۔۔۔ الآیۃ:

سِرَاعًا، سَرِیْعٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: ”جلدی جلدی“۔

آيَاتُهَا (۶۰) (۵۱) سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (۶۷) رُكُوْعَاتُهَا (۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: اُوپر بھی قیامت کا ذکر تھا، آگے بھی قیامت ہی کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الذّٰرِيٰت ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ○ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ○ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ○ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ○:

"تفسیر خازن، قرطبی، مظہری، البحر المحیط اور کبیر" وغیرہ میں طویل بحث ہے مَیں اُن میں سے چار (۴) تفسیریں عرض کرتا ہوں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: یہ تمام ہواؤں کی صفات ہیں، قسم ہے اُن ہواؤں کی جو اُڑاتی ہیں اُڑانا۔ کپڑے اُڑاتی ہیں، کاغذ اُڑاتی ہیں، گرد وغبار اُڑاتی ہیں۔ پس! وہ اُٹھاتی ہیں بوجھ کو یعنی یہ بادلوں کو اِکٹھا کرتی ہیں بادلوں میں بوجھ ہوتا ہے یہ اُن کو اُٹھاتی ہیں۔ پس! چلتی ہیں آسانی سے۔ پس! تقسیم کرتی ہیں آسمان میں اللہ کے حکم سے جو بادل جہاں پہنچانا ہوں وہاں پہنچاتی ہیں اور جس کو بکھیرنا ہو اُس کو بکھیرتی ہیں۔ اِس تفسیر کے مطابق یہ تمام صفات ہواؤں کی ہیں۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا سے مُراد ہیں: "ہوائیں"۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا سے مُراد ہیں: "بادل" جو اپنے اَندر بارش کا بوجھ اُٹھاتے ہیں اور فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا سے مُراد ہیں: "ستارے" جو آسمان کے اندر چلتے ہیں آسانی سے اور فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا سے مُراد ہے "فرشتے" کہ اللہ کے حکم کے مطابق جو کام اُن کے سپرد ہیں وہ تقسیم کرتے ہیں۔ ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ: فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا سے "کشتیاں" مُراد ہیں جو سمندر میں چلتی ہیں اور فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا سے "فرشتے" مُراد ہیں۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: بعض حضرات اِن کو مجاہدین کی صفات بھی قرار دیتے ہیں۔ معنی ہے کہ: قسم ہے مجاہدین کی جماعتوں کی جو باطل کے منصوبوں کو اُڑاتی ہیں۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا وہ توحید اور صحیح مسائل کے بوجھ کو اُٹھاتی ہیں چلتی ہیں وہ جماعتیں آسانی سے تقسیم کرتی ہیں امر کو جو جس علاقے کے متعلق کام ہو اُس کو تقسیم کرتی ہیں۔

④ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ: بعض حضرات اِن کو علماء کی صفات بھی قرار دیتے ہیں۔ معنی ہیں کہ: قسم ہے علماء کی اُن جماعتوں کی جو بکھیرتی ہیں علم کو بکھیرنا اور اُٹھاتی ہیں وہ جماعتیں علم کے بوجھ کو اور وہ جماعتیں چلتی ہیں آسانی سے اور تقسیم کرتی ہیں وہ جماعتیں علم کو۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ○:

"تفسیر بیضاوی، روح المعانی، کشاف" وغیرہ وغیرہ تفسیروں میں لفظ حُبُك کے بارے میں بڑی تفصیل ہے، مَیں تین (۳) باتیں عرض کرتا ہوں:

① ذَاتُ الْحُبُكِ اَیْ ذَاتُ الْاِسْتِوَاءِ۔ ② ذَاتُ الْحُبُكِ اَیْ ذَاتُ الْحَسَنِ۔

③ لفظ حُبُك، حُبِيْكَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "راستہ، طریقہ"۔

اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ○:

سوال قَوْلٍ مُّخْتَلِف سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس کی مشہور تین (۳) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: قَوْلٍ مُّخْتَلِف سے قرآن کریم مُراد ہے۔ قرآن کریم کے بارے میں مشرکین میں سے کوئی کہتا کہ: کہانت ہے، کوئی کہتا کہ: سحر ہے، کوئی کہتا کہ: افتراء ہے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: قَوْلٍ مُّخْتَلِف سے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی مُراد ہے۔ آپ ﷺ کے بارے میں مشرکین میں سے کوئی کہتا کہ: کہان ہے، کوئی کہتا کہ: ساحر ہے، کوئی کہتا کہ: مفتری ہے۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: قَوْلٍ مُّخْتَلِف سے قیامت کا دن مُراد ہے۔ منکرین قیامت کہتے ہیں کہ: قیامت نہیں آئے گی۔ اہل حق کہتے ہیں کہ: آئے گی۔ عیسائی کہتے ہیں کہ: صرف رُوحانی ہوگی۔ اہل حق کہتے ہیں کہ: جسمانی ہوگی۔

يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ۝ (۹):

سوال عَنْهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① عَنْهُ کی "ہٗ" ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے۔ ② عَنْهُ کی "ہٗ" ضمیر قیامت کی طرف راجع ہے۔

ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۱۴):

یہاں مضاف محذوف ہے۔ فِتْنَتَكُمْ اَیْ جَزَاءَ فِتْنَتِكُمْ۔

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝ (۱۷):

مَا يَهْجَعُوْنَ میں مَا زائدہ ہے اور يَهْجَعُوْنَ کے معنی ہیں: "يَنَامُوْنَ"۔

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۔۔۔ الآیۃ (۱۹):

سَائِل اُسے کہتے ہیں جو مانگتا ہے۔ مَحْرُوْم اُسے کہتے ہیں جو مانگتا نہیں ہے ویسے ہی لوگ اُسے دے دیتے ہیں، چوں کہ نہ مانگنے کی وجہ سے اکثر وہ محروم ہوتا ہے اِس لیے اُس کو مَحْرُوْم کہتے ہیں۔

وَفِي أَنفُسِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۲۱):

دُور نہ جاؤ اپنے آپ کو دیکھو! تمہارے اپنے اندر رب کی کیا کیا نشانیاں ہیں؟!! آنکھ، کان، ناک، دل وغیرہ وغیرہ۔

حضرت سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ "فیض الباری" میں فرماتے ہیں کہ: انسان سے زیادہ تعجب والی چیز کوئی بھی نہیں، منی کا قطرہ دیکھو! پھر انسان کو دیکھو۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۲۲):

سوال آسمان سے رزق اُترنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① آسمان سے بارش اُترتی ہے اُس سے پیداوار ہوتی ہے۔

② رزق آسمان سے نازل ہوتا ہے یعنی اللہ کا حکم اُترتا ہے پھر اُس کے مطابق سب کو روزی ملتی ہے۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ۝ (۲۴):

ربط: اُوپر محسنین اور غیر محسنین یعنی فرماں برداروں اور نافرمانوں کا ذکر تھا، آگے اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں جو محسنین میں سے تھے اور اُن کی قوم نافرمانوں میں سے تھی۔

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۔۔۔ الآیۃ (۲۵):

علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: قَالُوْا کا مفعول بہ محذوف ہے۔ اَیْ قَالُوْا هٰذَا الْقَوْلَ۔

فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ۝ (۲۶):

اَهْل سے مُراد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

سَمِيْن کے دو (۲) معنی ہیں: ① فربہ یعنی موٹا۔ ② گھی میں تلا ہوا۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ ۔۔۔الآیۃ (۲۹):

صَرَّة کے معنی ہیں: "آہستہ آہستہ بولنا"۔

وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ○:

لفظِ عَجُوْزٌ، قَالَتْ کا فاعل نہیں بل کہ مقولہ ہے اور اس کا فعل محذوف ہے اور تَلِدُ ہے۔ اَیْ تَلِدُ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ۔ اس کا قرینہ سُوْرَۃُ ھُوْد کی آیت ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ ۔۔۔الآیۃ ❶ ہے۔

وَفِيْ مُوْسٰى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ ۔۔۔الآیۃ (۳۸):

وَفِيْ مُوْسٰى خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ اَیْ وَتَرَكْنَا فِيْ مُوْسٰى اٰيَةٌ۔ جب مبتداء نکرہ ہو تو مبتداء پر اُس کی خبر کو مقدّم کرنا واجب ہے۔

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ○ (۳۹):

بِرُكْنِهٖ کے دو (۲) معنی ہیں:

① "بخاری شریف" میں ہے: بِرُكْنِهٖ اَیْ بِقُوَّتِهٖ۔

② دوسرے حضرات کہتے ہیں: بِرُكْنِهٖ اَیْ بِجُنُوْدِهٖ۔

سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی اَیْ هُوَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ۔

وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ ۔۔۔الآیۃ (۴۱):

وَفِيْ عَادٍ اَیْ وَتَرَكْنَا فِيْ عَادٍ اٰيَةٌ۔

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ○ (۴۲):

اِنسان مرے تو فوراً گوشت اور ہڈیاں وغیرہ نہیں گلتیں، اِسی طرح لکڑی فوراً بوسیدہ نہیں ہوتی لیکن اُس ہوا کی ایک خصوصیت یہ تھی جس پر گذر جاتی تھی اُسے چورا چورا کر دیتی تھی۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۔۔۔الآیۃ (۴۶):

لفظِ قوم فعلِ محذوف کے لیے مفعول ہے، لیکن وہ فعل محذوف کیا ہے؟ اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اَهْلَكْنَا فعل محذوف ہے۔ اَیْ اَهْلَكْنَا قَوْمَ نُوْحٍ۔

② اَخَذْنَا فعل محذوف ہے۔ اَیْ اَخَذْنَا قَوْمَ نُوْحٍ۔ قرینہ یہ ہے کہ: اُوپر فَاَخَذْتُهُمْ ۔۔۔الآیۃ ❷ کا لفظ ہے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ ۔۔۔الآیۃ (۴۷):

ربط: سورۃ کی اِبتداء میں قیامت کا ذکر تھا، پھر مجرم قوموں کی تباہی کا ذکر ہوا، آگے قیامت کے اِثبات کے لیے اپنی قدرت کے دلائل بیان کرتے ہیں کہ: آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہم بڑی قدرت والے ہیں۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ ۔۔۔الآیۃ (۵۲):

یہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ: یہ لوگ اگر نہیں مانتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) غم نہ کھائیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (۵۶):

"بخاری شریف" کتاب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے لِيَعْبُدُوْنِ کا معنی یہ منقول ہے کہ: لِيَعْبُدُوْنِ اَیْ لِيُوَحِّدُوْنِ۔

معتزلہ کا باطل نظریہ: معتزلہ کا نظریہ یہ ہے کہ: اللہ نے جنّات اور اِنسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، جو عبادت نہیں کرتے وہ رب کے فعل کے خلاف اپنے اَفعال کے خود خالق ہیں۔

❶ (سُوْرَۃُ ھُوْد، ۷۲) ❷ (سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰت، ۴۰)

جواب اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کے دو (۲) جواب دیے ہیں:

① جن اور اِنس کا لفظ عام ہے لیکن مُراد اِس سے خاص ہے۔ معنی ہیں: "نہیں پیدا کیا میں نے مؤمن جنوں اور مؤمن اِنسانوں کو مگر اِس لیے تا کہ میری عبادت کریں"۔

② لِیَعْبُدُوْنِ میں لَامْ غرض کے لیے نہیں بل کہ یہ لَامْ اِستعداد کے لیے ہے۔ معنی ہیں: "نہیں پیدا کیا میں نے جن اور اِنسانوں کو مگر اُن میں عبادت کی اِستعداد رکھی ہے"۔ جیسے: خُلِقَتِ الْبَقَرَۃُ لِلزِّرَاعَۃِ۔

فَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا یَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ (۵۹):

ذَنُوْب کے دو (۲) معنی ہیں:

① ذَنُوْب کے معنی ہیں: "وہ ڈول جو پانی سے بھرا ہو"۔ دَلْوٌ مطلق ڈول کو کہتے ہیں چاہے اُس میں پانی ہو یا نہ ہو۔ سَجْل اُس ڈول کو کہتے ہیں جس میں کچھ نہ کچھ پانی ہو یعنی بھرا ہوا نہ ہو۔ کنویں میں لوگ ڈول ڈال دیتے ہیں، جب تک اُس میں پانی نہ آئے تو وہ نیچے نہیں اُترتا جب اُس میں پانی آجاتا ہے تو وہ ڈوب جاتا ہے۔ اِسی طرح اُن کے گناہوں کا ڈول بھر چکا ہے بس! اب ڈوبا چاہتا ہے خواہ مخواہ سزا میں جلدی نہ مچائیں جیسے دوسرے کافروں کو خدائی سزا کا حصہ پہنچا اِن کو بھی پہنچ کر رہے گا۔

② "تفسیر کبیر، روح المعانی، قرطبی" وغیرہ تفسیروں میں ذَنُوْب کا معنی ہے: "حصہ"۔ آیت کے معنی یہ ہوں گے: "پس! بے شک! اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا حصہ اور نصیبہ ہے جیسے اُن کے پہلے ساتھیوں کا حصہ اور نصیبہ تھا"۔

اٰیَاتُھَا (۴۹) (۵۲) سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَکِّیَّةٌ (۷۶) رُکُوْعَاتُھَا (۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ یَّوْمِهِمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ○ ❶ یعنی قیامت کا ذکر تھا اِس طور پر کہ: اُس دن منکروں کے لیے خرابی ہوگی، اب اِس سورۃ میں بھی قیامت کا اِثبات ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الطُّوْرِ ہے کیوں کہ پہلی آیت میں لفظِ طور آیا ہے۔

وَالطُّوْرِ ○ ۱:

سوال طُوْر سے کون سا پہاڑ مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جہاں تورات ملی تھی وہ طور پہاڑ مُراد ہے۔ ② مطلقاً پہاڑ مُراد ہے۔

وَکِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ○ ۲:

سوال کِتَابٍ مَسْطُوْر سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں مختلف اَقوال ہیں:

① لوحِ محفوظ۔ ② تورات۔ ③ آسمانی کتابیں۔ ④ قرآن مجید۔ ⑤ صحائفِ اَعمال۔

مَیں کہتا ہوں سب ٹھیک ہیں کسی کا کسی سے تعارض نہیں ہے۔

فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ○ ۳:

رَقّ کہتے ہیں: اَلْجِلْدُ الرَّقِیْق پتلا چمڑا۔ پہلے زمانے میں یہ کاغذ کے اَوراق نہ تھے چمڑوں پر لکھتے تھے۔ صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ: اَلرَّقُّ یُطْلَقُ عَلٰی کُلِّ مَا یُکْتَبُ فِیْهِ الْخَطُّ۔

وَالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ ○ ۴:

بیت اللہ شریف کے عین برابر ساتویں آسمان میں ایک گھر ہے اُس کو بَیْتُ الْمَعْمُوْر کہتے ہیں، یہ فرشتوں کا کعبہ ہے۔ اِبتدائے آفرینش سے رُوزانہ بلاناغہ ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتے طواف کرتے ہیں اور قیامت تک اُن کی باری دوبارہ نہیں آئے گی۔

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ○ ۵:

اِس سے آسمان مُراد ہے۔

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ○ ۶:

مَسْجُوْر کے دو (۲) معنیٰ ہیں:

① اَلْمَمْلُوْء بھرا ہوا۔ ② آگ لگایا ہوا۔ قیامت کے قریب اِن دریاؤں، سمندروں کو آگ لگائی جائے گی۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ○ ۷:

یہ ماقبل قسموں کا جواب قسم ہے۔

❶ (سُوْرَةُ الذّٰرِیٰت: ۶۰)

یَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝۹:

سوال یَوْمَ کا نصب کس وجہ سے ہے؟

جواب یَوْمَ کا نصب لَوَاقِعٌ کی وجہ ہے دَافِعٍ کی وجہ سے نہیں۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِیْمٍ ۝۱۷:

ربط: اُوپر کافروں کا ذکر تھا، اب اُن کے مقابلے میں متقین کا ذکر ہے۔

فٰكِهِیْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ... الآیۃ ۝۱۸:

فٰكِهِیْنَ اَیْ مُتَلَذِّذِیْنَ۔

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓـٴًـا ... الآیۃ ۝۱۹:

هَنِیْٓـٴًـا کا معنی ہیں: "مزیدار، خوشگوار"۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ ... الآیۃ ۝۲۱:

جنّت میں درجات کا تفاوت ہے، ظاہر ہے کہ جو مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہ اور کسی کو نہیں ملے گا۔ اسی طرح جو شہداء کا مقام ہے وہ کسی اور کو نہیں ملے گا وغیرہ وغیرہ۔ پس! جو لوگ اعلیٰ درجے میں ہوں گے اُن کی اَولاد اور متعلقین اگر ایمان پر قائم ہوں اور اُن ہی کاملوں کی راہ پر چلیں تو جو خدمات اُن کے بزرگوں نے اَنجام دی تھیں اور یہ بھی اُن کی تکمیل میں ساعی ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُن کو جنّت میں اُنہی کے ساتھ ملحق کر دے گا تو اِن کے اَعمال و اَحوال اُن کے اَعمال و اَحوال سے کَمًّا وَ کَیْفًا فروتر ہوں گے، تاہم اُن بزرگوں کا اِکرام اور عزّت اَفزائی کے لیے اِن تابعین کو اُن متبوعین کے جوار میں رکھا جائے گا اور ممکن ہے کہ بعض کو بالکل اُنہی کے مقام اور درجہ پر پہنچا دیا جائے۔ اِس کی تین (۳) صورتیں ہو سکتی ہیں۔

فرض کیجیے کہ! ایک شخص اعلیٰ درجہ کا متقی ہے، اُس کی شان کے مطابق اُس کو درجہ ملا، اُس کی اَولاد کو نہیں ملا اِس لیے کے اُن کے اَعمال اُس کے درجہ کے برابر نہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ہم اکٹھے ہوں تو اس کی عقلاً تین (۳) صورتیں ہیں:

① اُس نچلے درجے میں سب جمع ہو جائیں۔ مثلاً: باپ فرسٹ کلاس میں ہے اور بچے تھرڈ کلاس میں تو اِس طرح کریں کہ بابا کو بچوں کے قریب تھرڈ کلاس میں لایا جائے۔ یہ صورت صحیح نہیں کیوں کہ اُس کا عمل فرسٹ کلاس کا ہے اور ملی تھرڈ کلاس تو اُس کے عمل سے کمی ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کسی کا عمل کم نہیں کرتا۔

② کچھ اُن کو اُوپر لے جایا جائے اور بابا کو کچھ نچلے درجے میں لایا جائے، پس! سیکنڈ کلاس میں دونوں آجائیں یہ بھی صحیح نہیں کیوں کہ اُس کے عمل میں کچھ نہ کچھ کمی تو آئے گی، عمل اُس کا فرسٹ کلاس کا ہے اور ملی سیکنڈ کلاس تو یہ بھی صحیح نہیں۔

③ بچوں کو اُوپر بابا کے قریب کر دیا جائے۔ یہ صورت صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ نے بابا کے بہ دَولت اُن کو فرسٹ کلاس دی اگرچہ اُن کے اَعمال تھرڈ کلاس کے ہیں۔

كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِیْنٌ ۝:

"ہر آدمی اپنے کیے پر گروی ہوگا"۔

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "تفسیر دُرِّ منثور" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: یہ آیت کافر کے بارے میں ہے کیوں کہ سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّرِ میں آتا ہے: كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ ۝ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ ۝[1] تو یہ آیت اُس شخص کے بارے میں ہے جو مؤمن نہ ہو۔

② صاحبِ کشاف معنی کرتے ہیں کہ: رَهِیْنٌ کا معنی ہے کہ: "ہر ایک اپنے اَعمال میں گروی ہوں گا پس! اِنْ خَیْرًا فَخَیْرٌ وَاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ"۔

---

[1] (سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّر ۳۸، ۳۹)

یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا كَاْسًا۔۔۔ الآیۃ:

یَتَنَازَعُوْنَ کے لفظی معنی ہیں: "جھگڑا کرنا"۔ لیکن یہاں مُراد "دل لگی" ہے۔

لَا لَغْوٌ فِیْهَا۔۔۔ الآیۃ:

سوال فِیْهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① فِیْهَا کی "هَا" ضمیر کَاْس کی طرف راجع ہے۔

② فِیْهَا کی "هَا" ضمیر جنّت کی طرف راجع ہے۔

وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ۔۔۔ الآیۃ:

"تفسیر کبیر، البحر المحیط، درمنثور" وغیرہ تفسیروں میں تین (۳) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: ہر ایک کے اپنے بچے جو نابالغ فوت ہو چکے ہیں وہ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْن ہیں۔ پس! جو بچہ یہاں دُنیا میں دُودھ پیتا تھا وہاں چلتا پھرتا نظر آئے گا یعنی محتاج نہ ہوگا۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: یہ غلمان جنّت کی مخلوق ہیں، یہ بھی حوروں اور فرشتوں کی طرح جنّتی مخلوق ہیں دُنیاوی نہیں ہیں۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: اَطْفَالُ الْمُشْرِكِیْنَ خَدَمُ اَهْلِ الْجَنَّةِ کیوں کہ یہ مکلّف نہیں ہیں اس لیے جنّت میں مؤمنوں کے خادم ہوں گے۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ۔۔۔ الآیۃ:

ربط: پہلے رکوع میں قیامت کا اِثبات، مؤمنوں اور کافروں کا نتیجہ تھا، اب بتاتے ہیں کہ: قیامت کے لیے خوب یاددہانی کرو۔

کاہن وہ ہیں جو غیب کی خبریں بتلاتے ہوں۔ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ کہانت کبھی طبعی ہوتی ہے اور کبھی ستاروں وغیرہ کی مدد سے ہوتی ہے۔

نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ ۝:

مَنُوْن کے دو(۲) معنی ہیں:

① موت۔ ② دَهر یعنی زمانہ۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ۔۔۔ الآیۃ:

تَقَوَّلَ بابِ تَفَعُّل سے ہے۔ معنی ہیں: "خود بنا لایا ہے، تکلّف سے بنانا"۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ۔۔۔ الآیۃ:

مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَیْ مِنْ غَیْرِ خَالِقٍ یعنی کیا وہ بغیر خالق کے پیدا کیے گئے ہیں؟!! شَیْء سے مُراد خالق ہے۔

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْهِ۔۔۔ الآیۃ:

فِیْهِ بمعنی عَلَیْهِ ہے۔ کیا اُن کے پاس سیڑھی ہے کہ اُس پر چڑھ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بات براہِ راست سُن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستغنی ہیں اِس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے؟!!

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ۔۔۔ الآیۃ:

رب تعالیٰ غیب کی خبریں پیغمبر کو بتلاتا ہے، قبر، سزا، جزاء، دوزخ و جنّت وغیرہ غیب کی خبریں ہیں اِن کو یہ لوگ خود لکھیں اور پیغمبر کے محتاج نہ ہوں یعنی مطلب یہ ہے کہ: بغیر پیغمبر کے یہ باتیں معلوم نہیں ہوسکتیں۔

يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ۝:

مَرْکُوْم کے معنی ہیں: ”بھاری، گاڑا“۔

وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذٰلِكَ ۔۔۔الآیۃ ۝:

یعنی قیامت کے عذاب کے علاوہ اُن کو دُنیا میں بھی عذاب ہوگا، شاید یہ معرکہ بدر وغیرہ کی سزا ہو۔ وفات کے وقت فرشتے اُن کو ماریں گے، برزخ میں بھی عذاب ہوگا، یا دُنیا میں قسم قسم کے عذاب یہ سب دُوْنَ ذٰلِكَ کے مصداق ہیں۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۝:

حِيْنَ تَقُوْمُ اَیْ حِيْنَ تَقُوْمُ مِنَ الْمَنَامِ، حِيْنَ تَقُوْمُ لِلتَّبْلِيْغِ، حِيْنَ تَقُوْمُ لِلصَّلٰوةِ۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ۝:

”یعنی پیٹھ پھیرنے کے بعد“ اس سے مُراد یہ ہے کہ: رات کی تاریکی ختم ہو کر صبح سورج رُوشن ہو جائے تو اُس وقت ستارے چھپ جاتے ہیں نظر نہیں آتے۔

آیاتُھا (۶۲) (۵۳) سُوْرَۃُ النَّجْمِ مَکِّیَّۃٌ (۲۳) رُکُوْعَاتُھَا (۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: آسان ربط یہ ہے کہ: پہلی سورۃ نَجْم کے لفظ پر ختم ہوئی وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ○[1] اور یہ سورۃ نَجْم کے لفظ سے شروع ہوئی۔ وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی ○[2]

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ النَّجْم ہے کیوں کہ پہلی آیت میں نَجْم کا لفظ آیا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی ○ (۱):

"قسم ہے ستارے کی جس وقت وہ غائب ہو جائے"۔

سوال نَجْم سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں مختلف اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: نَجْم سے مُراد ثریا ستارہ ہے۔

② حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: کُلُّ نَجْمٍ مِّنَ السَّمَآءِ ہر ستارے کو کہتے ہیں۔

③ نَجْم سے مُراد زحل ستارہ ہے۔

④ نَجْم سے مُراد زہرہ ستارہ ہے۔

⑤ نَجْم سے مُراد وہ پودا ہے جس کا تنا نہ ہو۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی ○ (۲):

سوال صَاحِبُکُمْ سے کون مُراد ہیں؟

جواب صَاحِبُکُمْ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مُراد ہیں۔

ضَلَالَۃ اور غَوَایَۃ میں فرق:

اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے "تفسیر کبیر" میں لکھا ہے کہ: ایک شخص جو غلط فہمی کا شکار ہو کر غلط راستے پر چل پڑے یہ ہے ضَلَالَۃ۔ جب کہ ایک آدمی دیدہ دانستہ غلط راستے پر چلے تو یہ ہے غَوَایَۃ۔ مطلب یہ ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو دیدہ دانستہ سیدھے راستے سے ہٹے اور نہ غیر دانستہ سیدھے راستے سے بھٹکے۔

سوال مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ یہ جوابِ قسم ہے، اِس جوابِ قسم کے ساتھ ربط کیا ہے؟

جواب علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ستارہ طلوع سے لے کر غروب ہونے تک اُس کا جو راستہ ہے اُس کو نہیں چھوڑتا، اِسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صراطِ مستقیم سے نہیں ہٹے، نہ دانستہ اور نہ غیر دانستہ۔

اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ○ (۴):

اِشکال: بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اِجتہاد سے بھی باتیں کی ہیں۔ مثلاً: بدر کے قیدیوں کے بارے میں، شہد کی حرمت کے بارے میں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی مجلس سے اُٹھانے کے بارے میں وغیرہ حال آں کہ یہاں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے جب کہ باقی دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ کرتے ہیں جیسا کہ اَبھی تین (۳) واقعات کی طرف مَیں نے اِشارہ کر دیا ہے؟

جواب: علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: کوئی اشکال نہیں کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اجتہاد کیا یعنی رائے قائم کی اُس میں خواہشِ نفسانی کا دخل نہیں تھا بل کہ صرف اور صرف شریعت کے بارے میں رائے قائم کی اور رضائے اِلٰہی مقصود تھی اور وحی کا مطلب بھی یہی ہے کہ: خواہشِ نفسانی کا دخل نہ ہو۔

---

[1] (سُوْرَۃُ الطُّوْر ۴۹) [2] (سُوْرَۃُ النَّجْم ۱)

عَلَّمَهٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ۝۵:

سوال عَلَّمَهٗ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب عَلَّمَهٗ کی "ہٗ" ضمیر صَاحِبُکُمۡ کی طرف راجع ہے۔

ذُوۡ مِرَّۃٍ فَاسۡتَوٰی ۝۶:

مِرَّۃٍ اَیۡ قُوَّۃٍ۔ اِسۡتَوٰی کا معنی ہے: "سیدھا ہوا"۔

"ترمذی شریف" کی روایت ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو اُصلی شکل میں دو (۲) مرتبہ دیکھا، ایک غارِ حرا کے پاس یعنی زمین پر اور ایک مرتبہ آسمان میں یعنی سِدۡرَۃُ الۡمُنۡتَهٰی کے پاس، اُن کے چھ سو (۶۰۰) پر تھے جس نے عرش تک فضاء کو پُر کر دیا تھا[1]

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝۸:

سوال دُنُو سے کس کا دُنُو مُراد ہے؟

جواب اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: دُنُو سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دُنُو مُراد ہے۔ تو ضمائر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف راجع ہیں۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: دُنُو سے آنحضرت ﷺ کا دُنُو مُراد ہے۔ اِس طور پر کہ: معراج میں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوئے۔ تو یہ ضمائر آپ ﷺ کی طرف راجع ہیں۔

یہ دوسری تفسیر بھی ہے لیکن پہلی تفسیر راجح ہے۔

فَكَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ۝۹:

سوال دو (۲) کمانوں سے کیا مُراد ہے؟

جواب "تفسیر کبیر، خازن، السراج المنیر، ابو سعود، کمالین" وغیرہ تفسیروں میں تین (۳) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: جہالت کے زمانے میں لوگ لڑتے تھے اور اُس زمانے میں جنگ کا ہتھیار تیر ہی تھا اور جو بھی ایک دوسرے کا دُوست بنتا تو اپنا کمان دوسرے کے کمان سے رگڑتا تھا، یہ اِس بات کی علامت ہوتی تھی کہ اگر آپ کے ساتھ کوئی لڑائی کرے گا تو مَیں بھی لڑوں گا اور اگر میرے ساتھ کوئی لڑے گا تو آپ بھی لڑو گے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: ایک کمان کو دوسری کمان کے ساتھ مخالف سمت سے جوڑ دیا تو یہ شکل مدور بن گئی یعنی گول ہو گئی۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: کمان ایک دوسرے کے اُوپر رکھتے تھے۔ وَعَلَیۡهِ اَکۡثَرُ الۡمُفَسِّرِیۡنَ۔

فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰی ۝۱۰:

اِس آیت کے دو (۲) معنی ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: فَاَوۡحَی اللّٰهُ تَعَالٰی اِلٰی عَبۡدِهٖ جِبۡرَئِیۡلَ۔

② دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ: فَاَوۡحَی اللّٰهُ تَعَالٰی اِلٰی عَبۡدِهٖ مُحَمَّدٍ ﷺ۔ معراج کی رات سُوۡرَۃُ الۡبَقَرَۃ کی جو آخری آیات آپ ﷺ کو ملیں وہ بغیر جبرائیل علیہ السلام کی وساطت کے ملیں۔

مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝۱۱:

"نہیں غلطی کھائی دل نے جو دیکھا" یعنی ساتوں آسمان، بیت المقدس، سِدۡرَۃُ الۡمُنۡتَهٰی وغیرہ۔

لفظِ فُؤَاد میں اَلِف لَام عوض مضاف الیہ ہے۔ اَیۡ فُؤَادُ النَّبِیِّ ﷺ اور كَذَبَ بمعنی اَخۡطَاَ۔

[1] (جامع الترمذی، ابواب التفسیر عن رسول اللہ ﷺ، ومن سورۃ النجم، ج ۲ ص ۱۶۳، طبع قدیمی، کراچی)

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿١٢﴾:

"کیاتم اُس سے جھگڑتے ہو جو کچھ اُس نے دیکھا"۔ معراج کے واقعے کے بعد کفار نے خوب بغلیں بجائیں، شور شرابا کیا، امتحان لینا شروع کیا۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿١٣﴾:

سوال رَاٰی کے اندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے کس طرف راجع ہے؟ اور جو "ہٗ" ضمیر بارز ہے وہ کس طرف راجع ہے؟

جواب رَاٰی کے اندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ صَاحِبُكُمْ کی طرف راجع ہے۔ اور جو "ہٗ" ضمیر بارز ہے وہ شَدِيْدُ الْقُوٰى یعنی جبرائیل علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿١٤﴾:

ساتویں آسمان پر بیری کا ایک درخت ہے جو فرشتوں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿١٧﴾:

زَاغَ کا معنی ہے: نظر يَمِيْنًا وَشِمَالًا ٹیڑھی نہ ہو اور طَغٰى کا معنی ہے: جس چیز کو دیکھ رہے ہیں اُسی پر نظر ٹکی رہے اُس سے تجاوز کر کے آگے نہ جائے۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾:

یہاں بڑی تفصیل ہے میں خلاصہ عرض کرتا ہوں:

① ایک طبقہ کہتا ہے کہ: لَاتْ لفظِ الله کی مؤنث ہے، عُزّٰى لفظِ عَزِيْزٌ کی مؤنث اور مَنٰوة لفظِ مَنَّانٌ کی مؤنث ہے۔ اُو ظالمو! تم نے الله کو چھوڑ کر لَاتْ بنادیا، عَزِيْز کو چھوڑ کر عُزّٰى بنادیا اور مَنَّانٌ کو چھوڑ کر مَنٰوة کے پیچھے پڑے ہو۔

② دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ: لَاتْ ایک آدمی کا لقب تھا اُس کا نام "عمرو ابن وُد" تھا، طائف میں رہتا تھا، سخی ملنگ تھا، حاجیوں کو ستو گھول کر مفت پلاتا تھا، جب مر گیا اور اُس کو دفن کیا گیا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اُس کو دفن کرنے کے بعد اُس کی قبر پر لوگوں نے عرس کیا، میلہ کیا اور اُس کا مجسمہ بنا کر مکہ میں کھڑا کر دیا، لوگ اُس کی عبادت کرنے لگے یعنی اُس سے مدد مانگنے لگے۔ "نسائی شریف" میں روایت ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ۸ ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو اُس سے دُور ایک مقام تھا وہاں عُزّٰى کی عبادت ہوتی تھی، وہاں کچھ ملنگ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ: جاؤ! جب وہ گئے تو وہاں کے درخت اُکھاڑے، لوگوں کو قتل کیا اور آبادی خراب کی۔ جب آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کیا کیا؟ اُنہوں نے عرض کیا ویسا ہی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: وہ عُزّٰى؟ اُس کا کیا ہوا؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ: وہاں تو کوئی بھی ایسا نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دُوبارہ جاؤ اور اُس کو قتل کرو، جب گئے تو دیکھا کہ: ایک عورت ہے، سر کے بال اُلجھے ہوئے ہیں اور سر پر ریت ڈالتی ہے، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ قریب گئے اور اُس کو قتل کیا۔ یہ ایک دیوی تھی جو کبھی ظاہر ہوتی تھی اور کبھی چھپ جاتی تھی۔

وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾:

"اور مَنٰوة تیسرا ہٹا ہوا"۔ ہٹا ہوا اس لحاظ سے کہا کہ: لَاتْ اور عُزّٰى مکہ والوں کو قریب تھے اور مَنٰوة دُور تھا، لَاتْ اور عُزّٰى پاور والے تھے اور مَنٰوة نہ تھا۔

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾:

"قاموس" میں لکھا ہے: ضَازَ، يَضِيْزُ باب ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہے۔ معنی ہیں: "چمڑے کو کاٹنا اور ٹیڑھا کاٹنا"۔ لازمی معنی ہیں: "نامکمل اور ناقص"۔

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ ۔۔۔ الآية ﴿٢٣﴾:

سوال "هِيَ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب "هِيَ" ضمیر مذکورات کی طرف راجع ہے۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝ (۲۶):

ربط: اُبھی آپ نے پڑھا کہ: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ (۱) یہ جاہل لوگ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ: یہ ہماری سفارش کریں گے تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: کتنے فرشتے ہیں آسمان وزمین میں اُن کی سفارش مگر رب اجازت دے اُس کے لیے جس سے راضی ہو۔ پس! سفارش اُن کے لیے ہوگی جو اہل ایمان میں سے ہوں گے، اہل توحید میں سے ہوں گے۔ پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ: وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔ الآیۃ (۲) تم تو کافر ہو اتمہارے لیے سفارش کیسی؟!!! اور رب کی اجازت بھی نہیں۔ تم تو شفاعتِ قہری کے قائل ہو کہ فرشتے (مَعَاذَ الله) رب سے زبردستی منواتے ہیں۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا۔۔۔ الآیۃ (۲۹):

اس کے دو (۲) معنی ہیں:

① جس نے اِعراض کیا ہماری یاد سے۔ ② جس نے اِعراض کیا قرآن سے۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا۔۔۔ الآیۃ (۳۱):

سوال لِيَجْزِيَ کا متعلق کیا ہے؟

جواب تمام تفاسیر میں آپ کو ملے گا، "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا: يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا۔

اور اس کا قرینہ اُوپر ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ۔۔۔ الآیۃ (۳) اور بِمَنِ اهْتَدٰى ۝ (۴) کا لفظ ہے۔

وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ۔۔۔ الآیۃ (۳۲):

لَمَم کا معنی ہے: "آلودہ ہوجانا"۔ اس سے مُراد صغائر ہیں۔

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔۔۔ الآیۃ:

اِس آیت کے دو (۲) مطلب ہیں:

① ایک مطلب یہ ہے کہ: حضرت آدم علیہ السلام کو زمین سے پیدا کیا اور تم کو اُن سے پیدا کیا۔

② دوسرا مطلب یہ ہے کہ: اِنسان بنتا ہے منی سے، منی بنتی ہے خون سے، خون بنتا ہے غذا سے، غذا بنتی ہے مٹی سے۔

وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ۔۔۔ الآیۃ:

اَجِنَّةٌ، جَنِيْن کی جمع ہے۔ معنی ہے: "چھپا ہوا"۔ مجنون کو بھی مجنون اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ اُس کی عقل چھپ جاتی ہے۔ جب بچہ رحم میں ہو تو اُس کو جَنِيْن کہتے ہیں، جب پیدا ہوجائے تو اُس کو وَلِيْد کہتے ہیں، دُودھ پیتا ہو تو رَضِيْع کہتے ہیں، پھر جب دُودھ چھڑایا جائے تو فَطِيْم کہتے ہیں، پھر چلنے پھرنے کے قابل ہو تو طِفْل کہتے ہیں، پھر صَبِي کہتے ہیں، پھر جب جوان ہوجائے تو شَاب کہتے ہیں، تیس (۳۰) سال سے زائد عمر ہوجائے تو کُهل کہتے ہیں، چالیس (۴۰) سال سے زائد عمر ہوجائے تو شَيْخ کہتے ہیں، پھر هَرِم کہتے ہیں، پھر دَفِين کہتے ہیں اُس کی جگہ قبر ہے۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۝ (۳۳):

ربط: اُبھی آپ نے دو (۲) گروہوں ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ۔۔۔ الآیۃ (۵) اور بِمَنِ اهْتَدٰى ۝ (۶) کا ذکر پڑھا، آگے ایک گمراہ کا ذکر فرماتے ہیں۔

شانِ نزول: تمام تفاسیر میں ولید بن مغیرہ کا نام ملے گا، یہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا والد تھا، یہ کچھ اِسلام کی طرف مائل تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنا شروع کیا، ابوجہل کو خطرہ ہوا کہ: اگر یہ مسلمان ہوگیا تو ہم کمزور ہوجائیں گے، اُس کی طرف کوئی آدمی بھیجا اور اُس کے ذریعہ کہلوایا کہ: کیا تم صابی بن گئے ہو؟ اُس نے کہا کہ: بنا تو نہیں ہوں لیکن بننے کا اِرادہ ہے کیوں کہ جو یہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں وہ بالکل صحیح اور حق ہے، تو ابوجہل نے اُس کو کہا کہ: اِسلام نہ لاؤ میں تجھے پیسے دوں گا، اُس نے اِسلام نہیں لایا۔ تو یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی اور قیامت تک آنے والوں کے بارے میں ہے۔

---

(۱) (سُوْرَةُ النَّجْم ۲۱) (۲) (سُوْرَةُ الْمُؤْمِن ۷) (۳) (۴) (۵) (۶) (سُوْرَةُ النَّجْم ۳۰)

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾:

سوال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو مشرکین مانتے تھے اِس لیے آگے اُن کا ذکر فرمایا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیوں فرمایا؟

جواب عرب میں مشرکین کے بعد اکثریت یہود کی تھی اور مشرکین حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کی باتیں سنتے بھی تھے۔

وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰىٓ ﴿۳۷﴾:

"اور ابراہیم (علیہ السلام) نے پورا کیا" یعنی خواب والا وعدہ پورا کیا۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾:

منکرین حدیث کا غلط استدلال: منکرین حدیث اور اسی قسم کے باطل پرست یہ کہتے ہیں کہ: ایک کی نیکی دوسرے کو نہیں ملتی، پس! اگر خود کرے تو اَجر ملتا ہے اگر دوسرا ایصال ثواب، صدقہ، دُعا وغیرہ کرے تو اُس کا ثواب نہیں پہنچتا۔

دلیل: قرآن میں آیا ہے کہ: وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ❶ اِنسان کے لیے نہیں ہے مگر وہ جو اُس نے سعی کی، کوشش کی۔

جواب تمہارا یہ اِستدلال قرآن کی رُو سے بھی باطل ہے، حدیث کی رو سے بھی باطل ہے اور اِجماع اُمّت کی رو سے بھی باطل ہے۔ قرآن کے علاوہ تم حدیث اور اِجماع کو تو مانتے نہیں تو قرآن مجید میں آتا ہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔۔۔ الآیۃ ❷ اِسی طرح دوسرے مقام پر ہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔۔۔ الآیۃ ❸ اگر ایصالِ ثواب نہیں پہنچتا تو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو یہ طریقہ کیوں سکھلایا ہے؟ اگر اِیصالِ ثواب مفید نہیں تو آیات قرآن میں کیوں ہے؟ اِسی طرح جنازہ کیوں ہے؟ جنازہ تو تم بھی کسی نہ کسی درجہ میں پڑھتے ہو، جنازہ میں بھی دوسروں کو دُعا دی جاتی ہے، اگر یہ مفید نہیں تو اپنا جنازہ خود پڑھ کر جاؤ نا؟!! لہٰذا تمہارا یہ کہنا بالکل قرآن کے خلاف، حدیث کے خلاف اور اجماع کے خلاف ہے۔ پس! جس طرح مُردے کو ایصالِ ثواب پہنچ جاتا ہے اسی طرح زندہ کو بھی پہنچ جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ: مُردوں کے لیے دُعائے مغفرت ہوتی ہے زندوں کے لیے نہیں یہ بھی باطل ہے کیوں کہ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔۔۔ الآیۃ ❹ سے مُردے مُراد نہیں یعنی یہ آیت صرف مُردوں کے لیے نہیں بل کہ زندوں کے لیے بھی ہے۔ اِسی طرح رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔۔۔ الآیۃ ❺ یہ آیت بھی صرف مُردوں کے لیے نہیں بل کہ زندوں کے لیے بھی ہے۔

مذکورہ آیت وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ❻ کا مفہوم:

"فتح الباری، عمدۃ القاری، کتاب الروح لابن قیم، شرح عقیدۃ الطحاوی للقونوی، شرح فقہ اکبر، مرقاۃ لِلْعَلِيِّ الْقَارِي" وغیرہ کتابوں میں لکھا ہے کہ: یہ آیت تو ایصال ثواب کے اِثبات کی دلیل ہے، نفی کی دلیل نہیں ہے۔ مثلاً: جب کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو اُس کی اُولاد دُعا کرتی ہے، شاگرد دُعا کرتے ہیں، دُوست اَحباب دُعا کرتے ہیں تو ان کی دُعاؤں کا ثواب اُس کو ضرور پہنچتا ہے کیوں کہ یہ اُولاد اُس کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اِس طور پر کہ اُس نے شادی کی، اُس سے اُولاد ہوئی۔ اِسی طرح یہ شاگرد اُس کی کوشش کا نتیجہ ہیں۔ اِس طور پر کہ اُس نے علم حاصل کیا، پھر شاگردوں کو سکھایا۔ اِسی طرح یہ دُوست اَحباب بھی اُس کی کوشش کا نتیجہ ہیں۔ اِس طور پر کہ اُس نے اُن کے ساتھ اَچھا سلوک کیا، اَخلاق سے پیش آیا وغیرہ۔ یہ سب اُس کے مرنے کے بعد اُس کے لیے دُعا کرتے ہیں تو ان لوگوں کا اُس کے لیے دُعا کرنا یہ اُس کی سعی کا نتیجہ ہی تو ہے۔ تو ایصال ثواب حق ہونا اِس آیت کے خلاف نہیں۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾:

لغت میں اَقْنٰى کے دو (۲) معانی لکھے ہیں:

① اَقْنٰى اَيْ اَفْقَرَ یعنی غنی بھی اللہ نے کیا، فقیر بھی اُس نے کیا۔ یہ معنی اِس لیے کیا کہ: پہلے لفظ کا تقابل تو یہ چاہتا ہے کہ: اَغْنٰى کے مقابلے میں اَفْقَرَ ہو۔

② اَقْنٰى کا مادّہ قِنْيَة ہے یعنی بہت خزانہ۔ تو معنی یہ ہوا کہ: "بہت خزانے دینے والا"۔

❶❻ (سُوْرَةُ النَّجْم: ۳۹) ❷❹ (سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْم: ۴۱) ❸❺ (سُوْرَةُ الْحَشْر: ۱۰)

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝:

"وہ رَبُّ الشِّعْرٰی ہے"۔ جہاں قطب ستارہ ہوتا ہے شمال کی طرف وہاں اُس کے کچھ دائیں طرف ایک اور ستارہ ہوتا ہے۔ اُس کو عربی میں "مِرْزَمِ جَوْزَی" بھی کہتے ہیں، شِعْرٰی بھی کہتے ہیں۔ یہ کفار اُس کی عبادت کرتے تھے۔

وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ۝:

اُوْلٰی اِس لیے کہا کیوں کہ ثمود کو عادِ ثانیہ کہتے ہیں۔

وَثَمُوْدَا فَمَآ اَبْقٰى ۝:

اَبْقٰی کا مفعول محذوف ہے۔ اَیْ فَمَآ اَبْقٰی اَحَدًا۔

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝:

اِیْتَفَكَ اَیْ اِنْقَلَبَ۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ۝:

اٰلَآء یہ جمع ہے اَلٰیٌ کی یا اِلْیٌ کی یا اُلْیٌ کی۔ معنی ہیں: "نعمت"۔

تَتَمَارٰی، مِرَآءٌ کی جمع ہو تو معنی ہیں: "جھگڑا"، مِرْیَۃٌ کی جمع ہو تو معنی ہیں: "شک"۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ۝:

سوال هٰذَا کا مشارٌ الیہ کیا ہے؟

جواب هٰذَا کا مشارٌ الیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔

وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۝:

"تفسیر کبیر، کمالین، بیضاوی، خازن، معالم التنزیل، جمل وغیرہ میں سٰمِدُوْنَ کے مختلف معنی لکھے ہیں:

① غَافِلُوْن۔ ② مُتَكَبِّرُوْن۔ ③ مُغَنُّوْن۔ ④ مُعْرِضُوْن۔

سب معانی حق ہیں۔

رُکُوْعَاتُھَا (۳) (۵۴) سُوْرَۃُ الْقَمَرِ مَکِّیَّۃٌ (۳۷) اٰیَاتُھَا (۵۵)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: ابھی آپ نے اَزِفَتِ الْاٰزِفَۃُ ○❶ یعنی قیامت کا ذکر سنا، اِس سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔
نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْقَمَر ہے۔
فَائِدَۃ: قیامت کے مختلف نام ہیں: اٰزِفَۃ بھی ہے۔ سَاعَۃ بھی ہے۔ اَلْاٰخِرَۃ بھی ہے۔ اَلْحَاقَّۃ بھی ہے۔ قَارِعَۃ بھی ہے۔ اِس کے علاوہ اور بھی متعدد نام ہیں۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ (۱):

واقعہ: ہجرت سے پیشتر آنحضرت ﷺ منیٰ میں تشریف فرما تھے، کفار کا مجمع تھا، اُنہوں نے نبوّت کی نشانی طلب کی، یہ لَیْلَۃُ الْبَدْر تھی، چاند اپنے عروج پر تھا۔ ایک نے کہا کہ: یہ چاند دو (۲) ٹکڑے کر دا ایک مشرق کی طرف چلا جائے دوسرا مغرب کی طرف چلا جائے۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: آسمان کی طرف دیکھو! ناگاہ چاند پھٹ کر دو (۲) ٹکڑے ہوگیا، ایک ٹکڑا مغرب کی طرف "کوہِ قُعیقعان" پہ چلا گیا اور دوسرا ٹکڑا مشرق کی طرف "کوہِ قُبیس" پہ چلا گیا، بیچ میں پہاڑ حائل تھا، جب سب نے خوب اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا تو دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ اب اِنصاف کی بات یہ تھی کہ: ایمان لاتے، مگر کفار کہنے لگے کہ: محمد ﷺ نے ہم پر یا چاند پر جادو کر دیا ہے۔ اِس معجزہ کو شَقُّ الْقَمَر کہتے ہیں۔

اِشْکَال: بعض لوگوں نے بلاوجہ یہ اشکال کیا ہے کہ: اگر شَقِّ قَمَر واقع ہوا ہے تو تاریخوں میں اِس کا وجود کیوں نہیں؟

جَوَاب: ہم کہتے ہیں کہ: "قرآن پاک" اور "بخاری شریف" سے کوئی بھی بڑی تاریخ اور مضبوط بات نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ: یہ قصہ رات کا ہے، بعض ملکوں میں تو اِختلافِ مطالع کی وجہ سے اُس وقت دن ہوگا اور بعض جگہ آدھی رات ہوگی، لوگ عموماً سوتے ہوں گے اور جہاں بیدار ہوں گے اور کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہوں گے تو عادۃً یہ ضروری نہیں کہ سب آسمان کی طرف تک رہے ہوں۔ زمین پر جو چاندنی پھیلی ہوگی بہ شرط یہ کہ مطلع صاف ہو اُس میں دو (۲) ٹکڑے ہوجانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، پھر تھوڑی دیر کا قصہ تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ: بارہا چاند گرہن ہوتا ہے اور خاصہ ممتد رہتا ہے لیکن لاکھوں اِنسانوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ بہرحال تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اُس کی تکذیب نہیں ہوسکتی اور اگر کوئی دیکھتا ہے تو "تاریخ فرشتہ" دیکھے۔ اِس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ہندوستان کے شہر بمبئی کے جنوب میں واقع ریاست "مالیبار" یا "مالابار" کے لوگ واقعہ کو لکھتے ہیں کہ: عورتیں باہر بیٹھی تھیں، وہ پڑھے لکھے لوگ تھے، وقت نوٹ کیا اور اُسی کی غرض معلوم کرنے کے لیے گئے، وہ ختم ہوگئے اُن کے چھوٹے آئے اور کہا کہ: ہمارے بڑوں نے یہ لکھا ہے حقیقت معلوم نہیں۔ عربوں نے کہا: ہاں! یہ صحیح ہے۔ ہم میں ایک نبی (ﷺ) آئے تھے اُن کے ہاتھوں ایسا ہوا تھا۔ کافروں نے معجزہ طلب کیا اُس کے ہاتھوں ایسا ہوا، یہ سنتے ہی وہ "مالیبار" والے مسلمان ہوئے، اب تک مسلمان ہیں، جن کو ماننا تھا وہ بعید اور دُور تھے اور جو قریب تھے وہ نہ مانے۔

وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ (۲):

سوال لفظ مُسْتَمِر کا مجرد مادّہ کیا ہے؟

جواب "تفسیر روح المعانی، البحر المحیط، قرطبی، کشاف" وغیرہ میں مختلف معانی لکھے ہیں:

① لفظ مُسْتَمِر کا مجرد مادّہ مِرَّۃ ہے۔ اِس کے معنی "قوی" کے ہیں۔ تو آیت کے معنی ہوں گے: "یہ قوی جادو ہے"۔

② لفظ مُسْتَمِر، مَرَّ، یَمُرُّ، مُرُوْرًا سے ہے، مُرُوْر کے معنی ہیں: "گذرنا"۔ تو مُسْتَمِر کے معنی ہوئے ذَاھِبٌ۔ اب آیت کے معنی ہوں گے: "یہ جادو ہے ختم ہونے والا، جانے والا، اُڑنے والا"۔

③ لفظ مُسْتَمِر، اِسْتِمْرَار سے ہے، اِسْتِمْرَار کا معنی ہے: "دوام"۔ یہ جادو ہے جیسے پہلے لوگ سانپ وغیرہ بناتے تھے یہ بھی اُسی مد کا جادو ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ النَّجْم، ۵۷)

وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳:

سوال لفظِ مُسْتَقِر کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اِسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ معنی ہیں: وَكُلُّ أَمْرٍ مِنَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ مُسْتَقِرٌّ بِأَهْلِهِ فِي الْجَنَّةِ أَوِ النَّارِ، ہر معاملہ ٹکانے والا ہے کام کرنے والوں کو جنّت میں یا دوزخ میں۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: یہ مصدر میمی ہے۔ معنی ہیں: "ہر معاملہ اپنے مقام پر مقرر ہے"۔

مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝۴:

سوال لفظِ مُزْدَجَر کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① یہ مصدر میمی ہے۔ معنی ہیں: "ڈانٹ"۔ ② یہ ظرف کا صیغہ ہے۔ معنی ہیں: "جگہ ہے ڈانٹ کی"۔

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵:

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ خبر ہے، مبتداء محذوف کی۔ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ اَیْ هِیَ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ۔

لفظِ نُذُر کے متعلق دو (۲) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: لفظِ نُذُر مصدر ہے۔ معنی ہیں "ڈرانا" مطلب یہ ہے کہ: "اُن کو ڈرانا کیا فائدہ دے گا"۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: لفظِ نُذُر، نَذِيْر کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "ڈرانے والے کیا کریں گے جو نہ مانے"۔

يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَیْءٍ نُّكُرٍ ۝۶:

داعی سے مُراد حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔

نُکُر کا معنی ہے: "اُوپری"۔

كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝۷:

ٹڈیاں ہوں گی بکھری ہوئی یعنی اُن میں ترتیب نہ ہوگی۔

مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۔۔۔ الآیۃ ۝۸:

مُهْطِعِيْنَ اَیْ مُسْرِعِيْنَ۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ ۔۔۔ الآیۃ ۝۹:

ربط: شَقِّ قَمَر بڑا معجزہ تھا اور کفار نے خود مانگا تھا، پھر اُس کی تکذیب کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِنتہائی صدمہ پہنچا، اِس لیے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے بہت سے واقعات بیان فرماتے ہیں کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے نبیوں کی بھی تکذیب کی گئی۔

وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝:

وَازْدُجِر کا معنی ہیں: "جھڑکانا"۔

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝۱۱:

مُنْهَمِر کا معنی ہے: "جو زور سے بہنے والا تھا یعنی موسلا دھار"۔

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝۱۳:

دُسُر، دِسَارٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "میخ"۔

جَزَآءً لِّمَنْ کَانَ کُفِرَ ۝:

"یہ بدلہ تھا اُس کا جس کی ناقدری کی"۔

سوال اُنہوں نے کس چیز کی ناقدری کی؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اُنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی ناقدری کی۔

② اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی باتوں کا اِنکار کیا، پس! اللہ تعالیٰ کی باتوں کا اِنکار کرنا ناقدری ہے۔

وَلَقَدْ تَّرَکْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: تَرَكْنٰهَا اَيْ اَلْفَعْلَةَ یعنی اِس کارروائی کو ہم نے نشانی بنایا۔

② دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ: تَرَكْنٰهَا اَيْ ذَاتَ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ یعنی ہم نے تختوں اور میخوں والی کو چھوڑا نشانی۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ۝:

لفظِ نُذُر کے متعلق دو (۲) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: لفظِ نُذُر مصدر ہے۔ معنی ہیں "ڈرانا"۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: لفظِ نُذُر، نَذِيْر کی جمع ہے تو پھر یہاں مضاف ہے۔ اَيْ وَاِنْذَارُ نُذُرِيْ۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝:

ربط: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی تکذیب سے بڑا صدمہ پہنچا تو بہت سے واقعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے بیان فرمائے، یہ دوسرا واقعہ ہے۔

فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝:

بدھ کے دن عذاب آیا اور وہ عذاب سات (۷) رات اور آٹھ (۸) دن برابر رہا۔ اب ہفتہ کے دنوں میں کون سا دن نحوست سے خالی رہے گا؟!! پس معلوم ہوا کہ: یہ نحوست کا دن اُنہی کے حق میں تھا، ایسا نہیں ہے کہ ہمیشہ کو وہ دن منحوس سمجھ لیے جائیں۔ اگر وہ دن ذاتی طور پر منحوس تھے تو حضرت ہود علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو کیوں نجات دی؟!!

كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝:

سوال لفظِ نَخْل جمع ہے اور مُنْقَعِر واحد ہے تو دونوں میں مناسبت نہیں؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں: ① اُوپر مُسْتَمِر، نُذُر، مُّدَّكِر، سب واحد ہیں تو اِس فاصلہ کی مناسبت کے لیے مُنْقَعِر واحد لائے ہیں۔

② نَخْل جنس کے درجہ میں ہے اِس میں واحد، تثنیہ، جمع سب برابر ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝:

ربط: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی تکذیب سے بڑا صدمہ پہنچا تو بہت سے واقعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے بیان فرمائے، یہ تیسرا واقعہ ہے۔

علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: نُذُر، نَذِيْر کی جمع ہے، اِس سے مُراد وہ اَمر ہے جس سے ڈرایا جائے۔ اب معنی یوں ہوں گے کہ: "جھٹلایا قومِ ثمود نے اُن کاموں کو جن سے حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کو ڈرایا تھا"۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۔۔۔ الآیۃ ۝:

سوال لفظِ بَشَرًا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ بَشَرًا، نَتَّبِعُ فعل کی وجہ سے منصوب ہے جو کہ آگے مذکور ہے، یعنی یہ اِضْمَارٌ عَلٰی شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ ہے۔

اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۝:

سُعُر کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: سُعُر کے معنی ہیں: "جنون"۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: صاحبِ کمالین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ سُعُر، سَعِیْرٌ کی جمع ہے، معنی ہے: "آگ کا شعلہ"۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: اگر میری بات نہیں مانو گے تو آگ کے شعلوں میں جلو گے۔ اُنھوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اس بات کو اُلٹ دیا کہ: اگر ہم تیری پیروی کریں گے تو آگ میں جلیں گے۔

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ (۲۵):

اَشِر کے معنی ہیں: "متکبر"۔

كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ (۲۸):

لفظِ شِرْب اگر شِیْن کے کسرہ کے ساتھ ہو تو معنی ہیں: "پانی کی باری"۔ اگر شِیْن کے ضَمّہ کے ساتھ ہو تو معنی ہیں: "پانی پینا"۔

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۲۹):

صَاحِب سے مُراد قیدار بن سالف ہے۔

فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ (۳۱):

یہاں مضاف محذوف ہے: اَیْ كَهَشِيْمِ حَظِيْرَةِ الْمُحْتَظِرِ۔ علّامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ معنی کرتے ہیں: "باڑ لگانے والے" یعنی بھیڑوں اور بکریوں کے لیے کانٹوں کی باڑ لگانا۔ پس! فرشتے نے ایک چیخ ماری، کلیجے پھٹ گئے اور سب چورا ہو کر رہ گئے جیسے کھیت کے گرد کانٹوں کی باڑ لگا دیتے ہیں اور چند روز کے بعد جانوروں کے پاؤں سے پامال ہو کر اُس کا چورا ہو جاتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ۝ (۳۳):

ربط: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی تکذیب سے بڑا صدمہ پہنچا تو بہت سے واقعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے بیان فرمائے، یہ چوتھا واقعہ ہے۔

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً ۔۔۔ الآیۃ (۳۸):

صَبَّحَ کے معنی ہیں: "صبح سویرے آنا" لیکن بُكْرَةً کا لفظ خود بھی موجود ہے اس لیے تجرید ہے۔ معنی ہیں: "البتہ آیا اُن پر سویرے ہی"۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝ (۴۱):

پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی، اِسی طرح فرعون نے بھی تکذیب کی۔

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝ (۴۳):

ربط: اُوپر چند واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے پیش کیے، آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے مکہ والو! کیا تمھارے کافر بہتر ہیں اُن سے جو پہلے گذر چکے ہیں۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ (۴۵):

سوال يُوَلُّوْنَ جمع کا صیغہ ہے اور اَلدُّبُر مفرد ہے تو معنی تو یہ ہیں کہ: سارے ایک دُبُر کو پھیرتے ہیں؟

جواب اس کے تین (۳) جواب ہیں: ① اُوپر آیتوں کا فاصلہ اِس طرح ہے اِس لیے مفرد لائے ہیں۔

② صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ: یہ جنس ہے اِس میں واحد، تثنیہ، جمع سب برابر ہیں۔

③ صاحبِ جمل فرماتے ہیں کہ: كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ دُبُرَهٗ۔

وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ ۝:

اَمَرُّ، مُرٌّ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "کڑوی"۔

ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝:

"دوزخ کی آگ کا چھونا چکھ لو"۔ اِمام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس سے منہ سے چکھنا مُراد نہیں بل کہ اِس سے مُراد سزا کا مزا ہے۔ جیسے: کسی مجرم کو سزا دی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ: تُو نے شرارت کا مزا چکھا؟!!

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝:

"کافیہ، جامی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: لفظِ کُلَّ منصوب ہے اور آگے خَلَقْنَا فعل اُس کی تفسیر کر رہا ہے۔ معنی ہیں: "بے شک ہم نے پیدا کیا ہر چیز کو ایک اَندازے سے"۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝:

لفظِ کُلُّ کو مرفوع ہی پڑھیں گے منصوب نہیں پڑھیں گے کیوں کہ منصوب پڑھنے کی صورت میں یہ فَعَلُوْا کا مفعول بنے گا، معنی یہ ہوں گے: "اُنہوں نے ہر چیز کتابوں میں کی ہے" حال آں کہ ایسا نہیں ہے۔ پس! مرفوع پڑھنے کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ: "ہر چیز جو اُنہوں نے کی کتابوں میں درج ہے"۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝:

لفظِ نَهَر یہ جنس ہے اِس میں واحد تثنیہ جمع سب برابر ہیں۔

عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝:

مُقْتَدِر کے معنی ہیں: "قدرت رکھنے والا"۔

آیاتُها (۷۸) (۵۵) سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ (۹۷) رُکُوْعَاتُها (۳)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ربط: "تفسیر کبیر، ابو سعود، سبق الغایات فی نسق الآیات، بیان القرآن، تفسیر حقانی" وغیرہ میں دو (۲) ربط لکھے ہیں:

① آنحضرت ﷺ کے معجزات کثیرہ ہیں، دو (۲) بڑے اہم ہیں، جن میں سے ایک حسی شَقُّ الْقَمَر ہے اور دوسرا معنوی قرآن ہے۔
پچھلی سورۃ میں حسی معجزہ شَقُّ الْقَمَر کا ذکر تھا، اِس سورۃ میں معنوی معجزہ قرآن پاک کا ذکر ہے۔

② پچھلی سورۃ میں مجرم قوموں کے عذاب کا ذکر تھا، اِس سورۃ میں نعمتوں کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الرَّحْمٰن ہے۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ ﴿۶﴾:

سوال نَجم سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① نَجم سے جھاڑیاں اور پودے مُراد ہیں جن کا تنا نہ ہو۔ ② نَجم سے ستارے مُراد ہیں۔

وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ ﴿۹﴾:

سوال مِیْزَان سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① مِیْزَان سے حسی میزان مُراد ہے۔ ② مِیْزَان سے عقل مُراد ہے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ ﴿۱۰﴾:

لِلْاَنَامِ اَیْ لِلْخَلْقِ۔ یعنی جنّات، اِنسان، حیوانات وغیرہ کے لیے زمین بنائی۔

وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ ﴿۱۱﴾:

اَکْمَام، کِمٌّ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "چھلکا، غلاف"۔

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ ﴿۱۲﴾:

"تفسیر کشاف، روح المعانی" وغیرہ میں رَیْحَان کے دو (۲) معانی لکھے ہیں: ① خوشبودار۔ ② رزق۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ﴿۱۳﴾:

اٰلَاۗء، اِلیٌ، اِلْوٌ وغیرہ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "نعمتیں"۔

فَائِدَہ: اِس سورۃ میں اکتیس (۳۱) مرتبہ یہ آیت آئی ہے۔ "ترمذی شریف" میں روایت ہے کہ: آپ ﷺ یہ سورۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پڑھتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ: مَیں نے جنّات کے سامنے یہ سورۃ پڑھی تو اُنہوں نے یہ کہا: لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ ●

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ ﴿۱۴﴾:

فَخَّار کہا جاتا ہے وہ مٹی جو آگ میں پکائی جائے اور پکنے کے بعد وہ بجے۔

● (جامع الترمذی، ابواب التفسیر عن رسول اللہ ﷺ، ومن سورۃ الرحمٰن، ج ۲، ص ۱۶۴، طبع قدیمی، کراچی)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾:

جو بھی زمین پر ہیں، اِنسان ہیں، جنّات ہیں، کیڑے مکوڑے ہیں، سب فنا ہوں گے باقی رہنے والی ذات صرف پروردگار کی ہے۔

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾:

اِكْرَام کے معنی ہیں: "عزت کرنے والی" یعنی مؤمنوں کو اللہ عزت دینے والا ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾:

"ہر دن وہ کسی شان میں ہے"۔ کسی کو مارتا ہے، کسی کو بادشاہ بناتا ہے، کسی کو فقیر بناتا ہے، کسی کو بیمار کرتا ہے وغیرہ۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس آیت سے یہود کی اِس بات کا رد ہے کہ: يَوْمُ السَّبْت کو خدا فارغ ہوتا ہے۔ (اَلْعَيَاذُ بِالله)

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾:

سوال اِس سَنَفْرُغُ کے لفظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ: اب فارغ نہیں بل کہ فارغ ہوں گے اور یہ فارغ نہ ہونا تو اِحتیاج کی دلیل ہے؟

جواب اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① اِمام بخاری رحمہ اللہ "کتاب التفسیر" میں لکھتے ہیں کہ: عربی کا محاورہ ہے "سَنَفْرُغُ لَكُمْ" مَیں تمہارے لیے فارغ ہو گیا حال آں کہ مَا بِهٖ شُغْلٌ وہ مشغول نہیں ہوتا، حقیقتاً یہ دھمکی ہوتی ہے کہ: مَیں تم سے نمٹوں گا۔

② علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سَنَفْرُغُ بمعنی سَنَقْصُدُ ہے۔ قَصَدَ باب ضَرَبَ سے بھی آتا ہے اور باب نَصَرَ سے بھی آتا ہے یعنی ہم قصد کریں گے تمہارے لیے اے ثَقَلَيْن۔

سوال ثَقَلَان سے کون مُراد ہیں؟

جواب ثَقَلَان سے اِنس و جن مُراد ہیں۔

سوال اِنسانوں اور جنّات کو ثَقَلَيْن کیوں کہتے ہیں؟

جواب اِمام جعفر صادق رحمہ اللہ اِس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ: اِنسان اور جنّات پر تکلیف کا بوجھ ہے یعنی شرعی اَحکام کے مکلّف ہونے کا اِن پر بوجھ ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ۔۔۔الآية ﴿۳۳﴾:

اَقْطَار، قُطْر کی جمع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: تم نے ہماری مخالفت نہ چھوڑی تو ہماری زمین و آسمان سے نکل جاؤ، لیکن! دلیل دے کر جانا کہ کس کی زمین و آسمان میں جاؤ گے؟

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ۔۔۔الآية ﴿۳۵﴾:

شُوَاظ کے معنی ہیں: "شعلہ"۔

وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ:

نُحَاس کے معنی ہیں: "دھواں"۔

اِشْكَال: دیانند سرسوتی یہاں اِعتراض کیا ہے کہ: اِس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا مصنف کوئی جاہل اور بدو ہے۔ (اَلْعَيَاذُ بِالله) دھواں کوئی نعمت تو نہیں ہے اُس کو یہ بھی نہیں معلوم اور دھویں کو نعمت کہتا ہے؟

جَوَاب: حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا جواب اِنتہائی مختصر ہے جو اُنہوں نے "موضح القرآن" میں اِس سورۃ کے آخر میں دیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ہر آیت میں نعمت جتائی، کوئی اب نعمت ہے اور کسی کی خبر دینا نعمت ہے تا کہ اُس سے بچے۔ مثلاً: آپ یہ کہیں کہ چور آ گیا تو یہ چور کا آنا نعمت نہیں لیکن یہ خبر نعمت ہے تا کہ اُس سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ ۔۔۔ الآیۃ:

اِذَا شرطیہ ہے اِس کی جزاء محذوف ہے۔ اَیْ فَمَا اَعْزَمَ الْهَوْلَ۔ اُس وقت ھول وخوف کیا ہی بڑا ہوگا؟!!

فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ:

سوال لفظِ دِھَان کیا ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① لفظِ دِھَان کے معنی ہیں: اَلْاَدِیْمُ الْاَحْمَر سرخ چمڑا۔

② لفظِ دِھَان، دُھْنٌ کی جمع ہے، جیسے رِمَاح، رُمْحٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "تیل کی تلچھٹ"۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ: سوال نہیں کیے جائیں گے جب کہ دوسرے مقام پر فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ● اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ: سوال کیے جائیں گے؟

جواب معلومات کے لیے سوال نہیں ہوگا کیوں کہ رب کو سب کچھ معلوم ہے، سوال تو اِس لحاظ سے ہوگا کہ: تم نے یہ کیوں کیا؟!!

وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ:

اٰن کے معنی ہیں: "کھولتا ہوا"۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ:

ربط: پہلے کافروں کے متعلق ذکر تھا کہ وہ جہنم میں ہوں گے، اب مؤمنوں کے لیے بیان فرماتے ہیں۔

لفظِ مَقَام کے متعلق دو(۲) اَقوال ہیں:

① لفظِ مَقَام ظرف کا صیغہ ہے۔ ② لفظِ مَقَام مصدر ہے۔

"تفسیر روح المعانی، درمنثور، معالم التنزیل" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: جَنَّتٰن سے مُراد دو(۲) عالی شان باغ ہیں جو مقربین کے لیے ہوں گے اور جو کچھ ہوگا وہ سونے کا ہوگا۔

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ:

ذَوَاتَآ، ذَوَات کا تثنیہ ہے۔ اَیْ صَاحِبَتَا۔

اَفْنَان، فَنَنٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "شاخوں والی، ٹہنیوں والی"۔

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ:

پھل دو(۲) طرح کے ہوتے ہیں:

① تازہ۔ جیسے سیب، کیلا وغیرہ۔

② خشک۔ جیسے بادام، پستہ، اَخروٹ، کشمش وغیرہ۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۔۔۔ الآیۃ:

فُرُش، فِرَاش کی جمع ہے۔ بَطَائِن، بِطَانَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "بستر ہوں گے گاڑے ریشم کے"۔

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۔۔۔ الآیۃ:

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَیْ عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ یعنی شاملات نہ ہوں گی۔

● (سُوْرَۃُ الحِجر، ۹۲)

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾:

عام جنتیوں کے لیے چاندی کی دیوار اور چاندی کی چھت کی جنت ہوگی۔

مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾:

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ معنی کرتے ہیں: "گہرے سبز رنگ جیسے سیاہ"۔

فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾:

خَیْرٰت، خِیَرَۃٌ یا خَیِّرَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "خوب سیرت"۔

حِسَان کے معنی ہیں: "خوب صورت"۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾:

خِیَام، خَیْمَۃ کی جمع ہے۔ وہاں کھوکھلے موتی کے خیمے ہوں گے، ساٹھ (۶۰) ساٹھ (۶۰) میل تک پھیلے ہوں گے، ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں گے اور اُن میں کمرے ہوں گے۔

مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾:

رَفْرَف، رَفْرَفَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "تکیہ"۔

خُضْر، خَضْرَاءُ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "سبز"۔ سبز رنگ عرب میں بہت پسند کیا جاتا تھا۔

عَبْقَرِیّ، عَبْقَرِیَّۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "قالین"۔

آيَاتُهَا (٩٦) (٥٦) سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ (٤٦) رُكُوْعَاتُهَا (٣)

بسم الله الرحمن الرحيم ۝

ربط: "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ میں قیامت کا ذکر تھا، اِس میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْوَاقِعَة ہے۔ وَاقِعَة بھی قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ (١):

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اِس سورۃ کو بہ کثرت پڑھنے والے کے لیے رزق کشادہ کیا جائے گا۔[1]

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ (٢):

صاحب کشاف لفظ كَاذِبَة کے دو (٢) معانی کرتے ہیں:

① لفظ كَاذِبَة مصدر ہے۔ معنی ہیں: "اُس کے وقوع کے لیے جھوٹ نہیں ہے"۔

② لفظ كَاذِبَة صفت ہے اِس کا موصوف محذوف ہے۔ أَيْ نَفْسٌ كَاذِبَةٌ۔ اُس کے واقع ہونے کے لیے کوئی نفس نہیں ہے جھٹلانے والا۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ ۝ (١٣):

یہاں "تفسیر ابن کثیر، معالم التنزیل، رُوح المعانی، خازن" میں خاصی بحث ہے کہ: ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ سے کون مُراد ہیں؟ اِس کی دو (٢) تفسیریں ہیں:

① ایک تفسیر یہ ہے کہ: أَوَّلِيْنَ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے پہلے جو پیغمبر اور اُمتیں گذر چکی ہیں وہ مُراد ہیں، اُن نبیوں کے ساتھ اُن کے مؤمن اُمتیوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی، بہ خلاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وہ تعداد میں اُن کے برابر نہیں ہیں۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِسی اُمت کے پہلے اور آخری مُراد ہیں۔ اِس اُمت کے جو پہلے ہیں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ، تبع تابعین رحمہم اللہ خَيْرُ الْقُرُوْن کے لوگ ہیں، اُن کی تعداد سَابِقُوْن میں زیادہ ہے اور پچھلوں میں قلیل ہے۔

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ (١٥):

"کرسیاں ہوں گی سونے کے تاروں سے بنی ہوئی"۔

بِأَكْوَابٍ وَّأَبَارِيْقَ ۔۔۔ الآية (١٨):

أَكْوَاب، كُوْب کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "وہ برتن جس کا دستہ نہ ہو"۔

أَبَارِيْق، إِبْرِيْق کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "وہ برتن جس کا دستہ ہو"۔

لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝ (١٩):

صُدَاع کے معنی ہیں: "دردِ سر"۔

يُنْزِفُوْنَ کے معنی ہیں: "بدحواس"۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (٢٤):

جَزَآءً مفعول مطلق ہے۔ جَزَآءً أَيْ جُوْزُوْا جَزَآءً۔

---

[1] (عمل الیوم واللیلۃ، باب ما یستحب ان یقرأ فی الیوم واللیلۃ، ص ۱۳۴، طبع شرکت دار ارقم، بیروت)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيْمًا ۝:

اَثَّمَ، يُؤَثِّمُ، تَأْثِيْمًا بابِ تَفْعِيْل سے ہے۔ معنی ہیں: "گناہ میں ڈالنے والی"۔

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝:

"بیریاں ہوں گی کانٹوں سے خالی"۔

وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝:

"کیلے ہوں گے تہہ بہ تہ"۔

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝:

"بخاری شریف" کی روایت ہے کہ: جنّت میں ایک درخت ہے جس کا نام طُوْبٰی ہے، اُس کا اِتنا لمبا پھیلا ہوا سایہ ہوگا کہ بہترین تیز رفتار گھوڑا سو(۱۰۰) برس تک متواتر چلتا رہے تو ختم نہ ہوگا۔ [1]

وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝:

"پانی ہوگا بہایا ہوا" سونے کی لاٹھی سے اِشارہ کرے گا پانی بہہ پڑے گا۔

لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝:

"ختم بھی نہیں ہوں گے اور منع بھی نہیں کیے جائیں گے"۔

وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝:

"اور اُونچے بستر ہوں گے"۔

فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝:

اَبْكَارًا، بَاكِرَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "کنواری"۔ جب بھی شوہر اُس کے پاس جائے گا تو اُس کو باکرہ پائے گا۔

عُرُبًا اَتْرَابًا ۝:

عُرُبًا، عَرُبٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "وہ عورت جو خاوند کو بڑی پیاری لگے"۔

اَتْرَاب، تِرْبٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "ہم عمر"۔ یعنی اُن کی عمریں تناسب کے ساتھ ہوں گی۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝:

ربط: اُوپر اَصْحَابِ یَمِیْن کا ذکر تھا وہ خوشیوں میں ہوں گے، آگے اَصْحَابِ شِمَال کا ذکر ہے۔

ثُلَّة کے معنی ہیں: "اَچھی خاصی تعداد تھی"۔

فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ۝:

سَمُوْم کے معنی ہیں: "نَارٌ شَدِيْدُ الْحَرِّ" سخت گرمی والی آگ ہوگی۔

وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۝:

"سایہ ہوگا دھوئیں کا" نہ وہ ٹھنڈا ہوگا، نہ وہ عزّت والا ہوگا۔ سایہ تو اِس لیے ہوتا ہے تا کہ اُس میں ٹھنڈک حاصل ہو، آرام حاصل ہو، دُوزخ کے سائے سے تو اللہ بچائے۔

وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۝:

"اِسرار کرتے تھے بڑے گناہ پر" بڑے گناہ سے مُراد شرک ہے، شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے۔

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ انہا مخلوقۃ، ج ۱، ص ۴۶۱، طبع یادگار شیخ، کراچی)

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝:

سوال شُرْبَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب یہ منصوب بنزع الخافض ہے أَيْ كَشُرْبِ الْهِيْمِ۔

یہاں علامہ محلی ﷫ سے غلطی ہوئی ہے۔ علامہ محلی ﷫ فرماتے ہیں کہ: هِيْم، هَيْمَان کی جمع ہے بروزنِ سَكْرَان، كَسْلَان۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ: هِيْم، أَهْيَم کی جمع ہے۔ معنی ہے: "پیاسا" یعنی بے تحاشا پیاسا اُونٹ۔ تشبیہ اس بات میں ہے جیسے پیاسا اُونٹ پیتا ہے وہ ایسے پانی پیئے گا۔

أَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝:

یہاں سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے دلائل بیان فرماتے ہیں۔

تُمْنُوْنَ أَيْ تُمْنُوْنَ فِيْ أَرْحَامِ نِسَآئِكُمْ۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝:

"ہم مَسْبُوْق نہیں ہوتے" مَسْبُوْق کہتے ہیں جو پیچھے چھوڑا جائے۔

عَلٰٓى أَنْ نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝:

عَلٰى بمعنی عَنْ ہے۔

اِس آیت کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: ہم اِس سے عاجز تو نہیں کہ تم کو بدل دیں ایسی مخلوق سے جو تم نہیں جانتے یعنی تم کو بندر یا خنزیر بنادیں۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: ہم اِس سے عاجز تو نہیں کہ تم کو دوسرے جہاں میں لے جائیں اور تمہاری جگہ یہاں کسی اور خلقت کو بسادیں۔

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝:

ظَلْتُمْ اَصل میں ظَلَلْتُمْ تھا، ایک لام گرگیا۔

تَفَكَّهُوْنَ اَصل میں تَتَفَكَّهُوْنَ تھا۔

ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ ۔۔۔ الآیۃ ۝:

مُزْن، مُزْنَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "سَحَابَةٌ یعنی بادل۔"

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝:

مُقْوِيْن کا مجرد مادّہ قِيٌّ ہے۔ معنی ہیں: "وہ جگہ جہاں نہ گھاس ہو نہ پانی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ: ایسی جگہ کو طے کرنا جس میں نہ گھاس ہو نہ پانی ہو۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝:

ربط: اُوپر قیامت کا ذکر تھا اور نیکوں و بُروں کے اَجر کا بیان تھا، آگے قرآن پاک کا ذکر ہے جس میں "توحید، قیامت، رسالت" وغیرہ کا ذکر ہے، پس! جس نے اِن باتوں سے اِنکار کیا اُس کو عذاب ہوگا۔

قاعدہ: قاعدہ یہ ہے کہ: حرفِ قَسم ہو یا لفظِ قَسم ہو تو اُس سے پہلے لفظ لَا کو تاکید کے لیے لاتے ہیں، یہ لَا زائد ہوتا ہے۔ تو معنی ہوں گے: "ستاروں کے گرنے کی جگہوں کی قَسم"۔

اب دو (۲) باتیں ہیں:

① پہلی بات تو یہ ہے کہ: ستارے جب طلوع ہوتے ہیں تو ایک ہی لائن میں جاتے ہیں اور جب غروب ہوتے ہیں تو بھی ایک ہی لائن میں غروب ہوتے ہیں، اِسی طرح ہماری یہ کتاب راہِ راست بتلاتی ہے یعنی اپنی منزل تک پہنچاتی ہے اور کسی کو ٹیڑھا نہیں چھوڑتی۔

② دوسری بات یہ ہے کہ: جب ستارے غروب ہوجاتے ہیں تو رُوشنی ہوجاتی ہے تو پہلی کتابوں کو ستارے سمجھو اور یہ قرآن شریف آیا اِس لیے کہ: پہلی کتابیں ختم ہوگئیں، اب قرآن پاک ہی کی رُوشنی ہے۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾:

یہ آیت ماقبل فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ❶ کے لیے جوابِ قسم ہے۔

لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾:

سوال قرآن کریم کو بے وضو چھونا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اِس میں ائمہ کا اِختلاف ہے، چناں چہ دو (۲) طبقے ہیں:

① ایک طبقہ حضرات ائمہ اَربعہ رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ: قرآن کو بے وضوء ہاتھ لگانا ممنوع ہے۔

دلیل: یہ آیت ہے، طرزِ اِستدلال یہ ہے کہ: لَا يَمَسُّهٗ کی "ہٗ" ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور اِس آیت میں خبر بمعنی اَمر ہے۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: لَا يَمَسُّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاهِرٌ ❷

② دوسرا طبقہ امام بخاری رحمہ اللہ، امام اوزاعی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ: قرآن کو بے وضوء ہاتھ لگانا جائز ہے۔

دلیل: یہ آیت ہے، طرزِ اِستدلال یہ ہے کہ: لَا يَمَسُّهٗ کی "ہٗ" ضمیر "لوحِ محفوظ" کی طرف راجع ہے اور لوحِ محفوظ کو صرف پاک باز فرشتے ہاتھ لگاتے ہیں۔

جواب ہم کہتے ہیں کہ: اِس کے بعد والی آیت میں تَنْزِيْلٌ کا لفظ آیا ہے اور تَنْزِيْلٌ تو کتاب کی صفت ہے اور کتاب ہی کی بات چل رہی ہے لوحِ محفوظ کی بات نہیں چل رہی۔

فَلَوْلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾:

رُوح کا لفظ عربی میں مؤنث ہے اِس لیے بَلَغَتْ مؤنث کا صیغہ ہے۔

فَلَوْلَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾:

غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ اَيْ غَيْرَ مَجْزِيِّيْنَ۔ مطلب یہ ہے کہ: رُوح کا لوٹانا تمہارے بس میں نہیں اور مَرنا بھی تمہارے بس میں نہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے تو آگے بھی تمہارا اِختیار نہ ہوگا، ہم ہی مُحْيِيْ ہیں ہم ہی مُمِيْت ہیں۔

فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۸۹﴾:

فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ مبتداء ہے اِس کی خبر محذوف ہے۔ اَيْ فَلَهٗ رَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ۔

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾:

فَسَلٰمٌ لَّكَ اَيْ فَسَلٰمٌ لَّكَ لِاَنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾:

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے تصوف پر ایک رسالہ لکھا ہے "معارف لدنیہ" اُس میں وہ فرماتے ہیں کہ: باتیں کرنے کے تین (۳) درجے ہیں:

① عِلْمُ الْيَقِيْن۔ ایک شخص کہتا ہے کہ: اَلنَّارُ مُحْرِقَةٌ یہ خبر دینے والا سچا ہے ہم نے مان لیا۔ یہ عِلْمُ الْيَقِيْن ہے۔

② عَيْنُ الْيَقِيْن۔ ایک شخص کہتا ہے کہ: آگ نے میری آنکھوں کے سامنے ایک چیز کو جلایا۔ یہ عَيْنُ الْيَقِيْن ہے۔

③ حَقُّ الْيَقِيْن۔ ایک شخص کہتا ہے کہ: خود میرے بدن کو جلایا، یہ حَقُّ الْيَقِيْن ہے اور اِس درجہ سے اُوپر دوسرا کوئی درجہ نہیں۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْوَاقِعَة ۷۵) ❷ (المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، سالم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ، ج ۱۲، ص ۳۱۳، طبع مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرۃ)

اٰیَاتُهَا (۲۹) (۵۷) سُوْرَةُ الْحَدِیْدِ مَدَنِیَّةٌ (۹۴) رُکُوْعَاتُهَا (۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: یہاں دو (۲) ربط ہیں: ① لفظی۔ ② معنوی۔

① لفظی ربط یہ ہے کہ: پہلی سورۃ کے اختتام میں تھا: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ● اور اس سورۃ کی ابتداء بھی سَبَّحَ کے لفظ سے ہے۔

② معنوی ربط یہ ہے کہ: پہلی سورۃ کا اختتام توحید پر ہوا تھا، اِس سورۃ کا آغاز توحید سے ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْحَدِیْد ہے۔ حَدِیْد کا معنی ہے: "لوہا" اِس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔الآیۃ ①:

آسمان وزمین میں جو مخلوق ہیں سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، کوئی بہ زبانِ حال اور کوئی بہ زبانِ قال اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔۔۔الآیۃ ③:

سوال اَوَّل، اٰخِر، ظَاهِر، بَاطِن سے کون مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① جمہور مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ: اَوَّل، اٰخِر، ظَاهِر، بَاطِن سے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی مُراد ہے۔ اَوَّل اِس لحاظ سے ہے کہ: جب کوئی نہ تھا تو وہ موجود تھا اُس کی کوئی ابتداء نہیں۔ اٰخِر اِس لحاظ سے ہے کہ: کوئی نہ رہے گا تو بھی وہ موجود رہے گا اور اُس کی کوئی اِنتہاء نہیں۔ ظَاهِر اِس لحاظ سے ہے کہ: صفات کے لحاظ سے اور قدرت کے دلائل وغیرہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ ظاہر ہے۔ بَاطِن اِس لحاظ سے ہے کہ: ذات کے لحاظ سے کہ خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا۔

② "صاحبِ روح البیان" فرماتے ہیں کہ: اَوَّل، اٰخِر، ظَاهِر، بَاطِن سے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی مُراد ہے۔ اَوَّل اِس لحاظ سے ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ ﷺ کی روح کو پیدا کیا۔ اٰخِر اِس لحاظ سے ہے کہ: آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ ظَاهِر اِس لحاظ سے ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دین کو تمام ادیان میں ظاہر فرمادیا۔ بَاطِن اِس لحاظ سے ہے کہ: جو خوبیاں اور کمالات اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دیے ہیں اُس پر ہر آدمی مطلع نہیں ہوسکتا۔

قولِ راجح: جمہور مفسرین کا قول راجح ہے اِس لیے کہ: سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ اَوَّل، اٰخِر، ظَاهِر، بَاطِن سے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی مُراد ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔۔۔الآیۃ ④:

وہ ذات مُسْتَوِی عَلَی الْعَرْش ہے کَمَا یَلِیْقُ بِشَانِهٖ جو اُس کی شان کے مطابق ہے ہم مانتے ہیں۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ۔۔۔الآیۃ:

عقل کچھ نہیں کرسکتی، مَیں کہتا ہوں کہ: عقل کو دین کا خادم بناؤ، حاکم مت بناؤ۔ مَیں نے کالج میں یہ کہا کہ: دیکھو! ظاہراً تو حقیقت ہماری سمجھ میں نہیں آتی، ایک طرف ہے کہ: وہ ذات مُسْتَوِی عَلَی الْعَرْش ہے اور دوسری طرف ہے: وَهُوَ مَعَكُمْ۔ عقل کو یہاں محکوم بناؤ اور یہ بات مان لو کہ: قُدْرَتًا وَعِلْمًا کَمَا یَلِیْقُ بِشَانِهٖ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

ے تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا بس جان گیا مَیں تیری پہچان یہی ہے

● (سُوْرَةُ الْوَاقِعَة: ۹۶)

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔۔۔الآیۃ ﴿۷﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① جو لوگ پہلے اِیمان نہیں لائے اُن کو حکم ہے کہ: تم اللہ پر اِیمان لاؤ، گویا یہ اِنشاء حکم ہے۔

② "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: اٰمِنُوْا کا معنی ہے: "دُوْمُوا عَلَی الْاِیْمَان" مداومت کرو اِیمان پر۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ۔۔۔الآیۃ ﴿۸﴾:

یہاں سے اِیمان کی ترغیب ہے۔

وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ۔۔۔الآیۃ:

تم سے رب نے وعدہ بھی لیا تھا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ۔۔۔الآیۃ ① پیغمبر اُس وعدے کی یاددہانی کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰﴾:

فتح مکہ سے پہلے مسلمان مال کے لحاظ سے بھی اور اَفراد کے لحاظ سے بھی کمزور تھے، فتح مکہ کے بعد مال دار ہوگئے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:
پہلے اور بعد والے برابر نہیں ہیں پہلوں کا درجہ زیادہ ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱﴾:

ربط: اَبھی آپ نے اِنفاق کا ذکر پڑھا، اِس سلسلے میں ترغیب ہے، عام حالات میں دس (۱۰) گنا اَجر ہے اور فِيْ سَبِيْلِ اللّٰہِ ہو تو سات سو (۷۰۰) درجہ اَجر ملے گا۔

سوال قرض کے ساتھ تشبیہ دی حالاں کہ رب محتاج تو نہیں اِس کی وجہ تشبیہ کیا ہے؟

جواب قرض کے ساتھ تشبیہ اِس بات میں ہے کہ: جیسے قرض دینے والا جانتا ہے کہ: مجھے رقم ملے گی اور قرض لینے والا جانتا ہے کہ: مَیں نے رقم دینی ہے۔
تو تم جو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہو تو یقین جانو! اِس کا صلہ تمہیں ضرور ملے گا۔

يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۲﴾:

"نورِ توحید، نورِ رسالت، نورِ ہدایت" اُن کے ساتھ ہوگا۔ آگے اِس لیے کہ یہ آگے چلنے والے ہیں اور دائیں طرف اِس لیے کہ نامۂ اَعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۳﴾:

سوال اُنْظُرُوْنَا کے کیا معنی ہیں؟

جواب اِس کے دو (۲) معانی ہیں:

① منافقین مؤمنین سے کہیں گے، ہماری طرف دیکھو! تاکہ ہم تمہارے نور سے فائدہ اُٹھائیں۔

② اُنْظُرُوْنَا، اِنْتَظِرُوْنَا کے معنی میں ہے یعنی ہمارا اِنتظار کرو تاکہ تمہارے نور سے ہمیں بھی فائدہ ہو۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۴﴾:

منافقین مؤمنوں کو پکاریں گے کہ: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟!! ہم نماز نہیں پڑھتے تھے؟!! روزہ نہیں رکھتے تھے؟!! وغیرہ وغیرہ۔

مَاْوٰىكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلٰىكُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۵﴾:

هِيَ مَوْلٰىكُمْ اَيْ هِيَ اَوْلٰى لَكُمْ۔ معنی ہیں: "یہی دوزخ تمہارے حال کے مناسب ہے"۔

---

① (سُوْرَةُ الْاَعْرَاف، ۱۷۲)

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿١٦﴾:

ابھی آپ نے پڑھا کہ: ”دُنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈالا“۔ ”تفسیر مدارک، بیضاوی، ابوسعود، خازن“ وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: ہجرت کے بعد مہاجرین کو کھانے کی بہت سی چیزیں ملیں، وہ ایک دوسرے کے ساتھ خوش خوش بیٹھتے تھے، دل لگی کرتے تھے، ایک موقع پر بے تحاشا گپے مارنا شروع کر دیے، اللہ تعالیٰ کو یہ ادا پسند نہ آئی۔

اَنَ، يَئْنِيْ باب ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہے جیسے حَانَ، يَحِيْنُ۔ اب آیت کے معنی ہیں: ”کیا وہ وقت قریب نہیں آیا کہ اُن کی دل اللہ کی یاد کے لیے ڈریں“۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿١٨﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ ۔۔۔ الآیۃ ❶ آگے اِنہی مُصَّدِّقِيْن اور مُصَّدِّقٰت کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔

اِشکال: مُصَّدِّقِيْن جملہ اسمیہ ہے اور اَقْرَضُوْا جملہ فعلیہ ہے اور جملہ فعلیہ کا عطف جملہ اسمیہ پر مستحسن نہیں ہے؟

جواب: اَلْمُصَّدِّقِيْن اسم فاعل ہے اس پر اَلِف لَام بمعنی اَلَّذِيْ ہے اور اُس کے بعد صلہ ہے تو تقدیر عبارت یوں ہوئی کہ: اِنَّ الَّذِيْنَ تَصَدَّقُوْا وَالّٰتِيْ تَصَدَّقْنَ۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿٢٠﴾:

ربط: اُوپر صدقہ، خیرات کا ذکر تھا اور عموماً جس کے پاس مال آئے وہ صدقہ خیرات کرنے سے اِنکار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دُنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرتے ہیں۔

كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ ۔۔۔ الآیۃ:

كَمَثَلِ غَيْثٍ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ اَىْ هِيَ فِيْ اِعْجَابِهَا لَكُمْ وَاضْمِحْلَالِهَا كَمَثَلِ غَيْثٍ۔ یہ زندگی تو اتنی تعجب والی تصور کرو جیسے یہ بارش۔

كُفَّار، كَافِر کی جمع ہے۔ معنی ہیں: ”جھاڑ یعنی چھپانے والا“۔ اللہ تعالیٰ کے اِنعامات چھپانے والے کو کافر کہتے ہیں۔ عربی کا ایک محاورہ ہے: ”رَأَيْتُ كَافِرَ بْنَ كَافِرٍ يَكْفُرُ فِيْ كَافِرٍ عِنْدَ كَافِرٍ۔ تو پہلے کافر سے ”جھاڑ“ دوسرے سے ”رات“ اور تیسرے سے ”نہر“ مُراد ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿٢٢﴾:

ربط: اُوپر دُنیا کی زندگی کا ذکر تھا، اب زندگی میں تکلیفیں بھی آتی ہیں تو آگے مصیبت اور مشکل پر صبر کرنے کا حکم ہے۔

وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۔۔۔ الآیۃ:

سوال: نَبْرَاَهَا کی ”هَا“ ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب: اِس میں تین (٣) اَقوال ہیں:

① نَبْرَاَهَا کی ”هَا“ ضمیر مصیبت کی طرف راجع ہے۔ یعنی مصیبت کے پیدا کرنے سے پہلے پہلے۔

② نَبْرَاَهَا کی ”هَا“ ضمیر اَرْض کی طرف راجع ہے۔ یعنی زمین کے پیدا کرنے سے پہلے پہلے۔

③ نَبْرَاَهَا کی ”هَا“ ضمیر نُفُوْس کی طرف راجع ہے۔ یعنی نفوس کے پیدا کرنے سے پہلے پہلے۔

لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿٢٣﴾:

”اللہ تعالیٰ نے اِس کی خبر تمہیں دی تاکہ نہ غم کھاؤ اُس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور نہ خوش ہو اُس چیز پر جو تمہیں ملی“۔ جس شخص کا تقدیر پر ایمان ہو تو جو بھی چیز اُس کو حاصل ہو جائے وہ اُس پر گھمنڈ نہیں کرتا اور جو چیز ہاتھ سے نکلتی ہے وہ پریشان اور غمگین نہیں ہوتا کیوں کہ یہ تقدیری حکمت ہے۔

❶ (سُوْرَةُ الْحَدِيْد: ١١)

سوال لِئَلَّا کالام کس کے متعلّق ہے؟

جواب لِئَلَّا کالام، اَخبَرَ بِذٰلِكَ کے متعلّق ہے۔ اَیْ اَخبَرَ بِذٰلِكَ لِئَلَّا۔

اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۴﴾:

ترکیب: علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ مبتداء ہے اور لَهُمْ وَعِیْدٌ شَدِیْدٌ خبر محذوف ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۵﴾:

سوال رُسُل سے کون مُراد ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ: رُسُل سے مُراد فرشتے ہیں اور استدلال اِس لفظِ مَعَ سے کرتے ہیں یعنی "ہم نے نازل کی فرشتوں کے ساتھ کتاب"۔

② جمہور کہتے ہیں کہ: رُسُل سے مُراد انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور مَعَ بمعنی عَلٰی ہے۔ مَعَهُمْ اَیْ عَلَیْهِمْ۔ یعنی "ہم نے نازل کی اُن انبیاء (علیہم السلام) پر کتاب"۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔۔۔الآیۃ:

سوال اَنْزَلْنَا سے کیا معنی مُراد ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَنْزَلْنَا بمعنی اَخْرَجْنَا ہے یعنی "نکالا" کیوں کہ یہ معدنیات میں سے ہے جو زمین میں ہوتی ہیں۔

② اَنْزَلْنَا بمعنی اَخْلَقْنَا ہے یعنی "پیدا"۔

③ "تفسیر ابن جریر طبری" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت منقول ہے کہ: تین (۳) چیزیں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ نازل کی گئیں:

① سَنْدَان لوہے کا وہ بڑا حصہ جس پر لوہار دوسرے لوہے کو رکھ کر مارتا ہے۔

② کَلْبَتَان زنبور جو گرم چیزوں کو پکڑنے کے لیے ہوتا ہے۔

③ مِطْرَقَۃ یعنی ہتھوڑا۔

وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ۔۔۔الآیۃ:

"تاکہ جان لے اللہ" یعنی علمِ ظہور کے ذریعے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا۔۔۔الآیۃ ﴿۲۶﴾:

ربط: اَبھی آپ نے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ۔۔۔الآیۃ (1) یعنی اِجمالاً رسولوں کا ذکر سُنا، آگے اِس بارے میں بعض نبیوں کے نام بتاتے ہیں اور تفصیل ذکر فرماتے ہیں۔

وَرَهْبَانِیَّۃَ ابْتَدَعُوْهَا۔۔۔الآیۃ ﴿۲۷﴾:

رَهْبَانِیَّۃ کا معنی ہے: "ترکِ دُنیا"۔ یہ رَهْبَانِیَّۃ اُنہوں نے خود گھڑی تھی کہ: نہ اَچھا کھانا کھاؤ اور نہ نکاح کرو، نہ کماؤ، محض عبادت میں لگے رہو، لوگوں سے نہیں ملو۔

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا۔۔۔الآیۃ:

یہ رَهْبَانِیَّۃ اُنہوں نے اِس لیے اِختیار کی تاکہ رب کی رضا حاصل ہو لیکن اُس کی رعایت نہ کر سکے۔ اِس طریقے سے کہ: حلال بیویاں چھوڑ کر حرام میں مبتلا ہوئے، حلال کھانا چھوڑا اور حرام میں مبتلا ہوئے۔

---

(1) (سُوْرَۃُ الْحَدِیْد ۲۵)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ ۔۔۔ الآية ﴿۲۸﴾:

"جلالین" تک میں آپ کو ملے گا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَىْ بِعِيْسٰى عليه السلام وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ اَىْ بِمُحَمَّدٍ ﷺ۔

لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ ۔۔۔ الآية ﴿۲۹﴾:

سوال لِئَلَّا کا لام کس کے متعلق ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لِئَلَّا کا لام، اَعْلَمَكُمْ کے متعلق ہے۔

② لِئَلَّا کا لام، اَخْبَرَكُمْ کے متعلق ہے۔

سوال لِئَلَّا میں لَا زائد ہے یا نہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لَا زائد ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ: "اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ بتایا تا کہ جان لیں اہلِ کتاب جو اِیمان نہیں لائے کہ وہ دسترس نہیں رکھتے اللہ کے فضل پر اور فضل صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جس پر چاہے کر دے"۔ چناں چہ اہلِ کتاب میں سے جو خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ ﷺ پر اِیمان لائے اُن پر یہ فضل کر دیا کہ: اُن کو دوگنا اَجر ملتا ہے اور گذشتہ خطاؤں کی معافی اور رُوشنیِ عرحمت ہوتی ہے اور جو اِیمان نہیں لائے وہ اِن اِنعامات سے محروم ہیں۔

② لَا زائد نہیں ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ: "اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتائی کہ تم اِیمان لاؤ تا کہ یہ اہل کتاب نہ جان لیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی چیز نہیں پا سکتے"۔ یعنی یہ خیال نہ کریں کہ: ہم اب اِیمان نہیں لا سکتے، اللہ کا فضل حاصل نہیں کر سکتے۔

اٰیَاتُهَا (۲۲) (۵۸) سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِیَّةٌ (۱۰۵) رُکُوْعَاتُهَا (۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: "تفسیر بیان القرآن" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں آپ نے پڑھا: وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا۔۔۔الآیۃ ❶ یعنی اہلِ کتاب نے رَهْبَانِيَّة گھڑی۔ تو جس طرح نصاریٰ نے یہ رَهْبَانِيَّة ایک نئی بات نکالی تھی اسی طرح مشرکین مکہ نے بھی ایک بات نئی نکالی وہ یہ کہ: جس کو ماں بہن کہہ بیٹھتے تو اُس کو حقیقی ماں کا درجہ دے دیتے تھے، ظہار کی وجہ سے اپنی عورتوں کو حرام قرار دیتے تھے حال آں کہ اُن کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں قرار دیا تھا کیوں کہ ظہار سے عورت حرام نہیں ہوتی۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْمُجَادَلَة ہے کیوں کہ پہلی آیت میں اِس کا بیان ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا۔۔۔الآیۃ ﴿۱﴾:

شانِ نزول: آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایک مسلمان حضرت اَوس بن صامت رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کو یہی بات کہہ بیٹھے کہ: اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ۔ تُو میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ وہ عورت حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچی اور سب ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: اِس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اَبھی تک کوئی حکم نہیں دیا، مَیں خیال کرتا ہوں کہ: تُو اُس پر حرام ہوگئی، اب تم دونوں کیوں کر مل سکتے ہو؟ وہ شکوہ وزاری کرنے لگی کہ: گھر ویران ہوجائے گا، اَولاد پریشان ہوجائے گی، کبھی حضور ﷺ سے جھگڑتی کہ یارسول اللہ (ﷺ)! اُس نے اِن الفاظ سے طلاق کا اِرادہ نہیں کیا تھا؟!! کبھی اللہ تعالیٰ کے آگے رُونے لگتی کہ: اے اللہ! مَیں اپنی اِنتہائی مصیبت کی فریاد تجھ سے کرتی ہوں، اِن بچوں کو اگر اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مَریں گے، اُس کے پاس چھوڑوں تو یوں ہی کسم پرسی میں ضائع ہوجائیں گے۔ اے اللہ! تُو اپنے نبی ﷺ کی زبان سے میری مشکل کو حل کر۔ اُس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور ظہار کے متعلّق حکم اُترا۔

وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ:

"تکرار اور شکوہ کرنے لگی" مَیں کہاں جاؤں گی؟ بچے ہیں اُن کا کیا ہوگا؟

مسئلۂ ظہار: اِمام صاحب رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ: ظہار میں تشبیہ کا لفظ ہونا ضروری ہے یعنی اپنی بیوی کو محرماتِ اَبدیہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کی طرف دیکھنا اُس کے لیے منع ہو۔ مثلاً یوں کہے: اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ۔ اگر ایسے الفاظ میں طلاق کی نیت ہو تو طلاق ہوجاتی ہے اور اگر نہ ہو تو طلاق نہیں ہوتی مگر ایسا کرنے والے شخص کو قاضی وغیرہ تعزیر وتنبیہ کرے گا۔

اِشکال: بعض لوگوں کو فقہاء کے اِس جملے "مگر ایسا کرنے والے شخص کو قاضی وغیرہ تعزیر وتنبیہ کرے گا" پر اشکال ہے کہ: یہ لوگ کون ہوتے ہیں تنبیہ وتعزیر کرنے والے؟!!

جواب: یہ لوگ نادان ہیں۔ "مؤطا اِمام مالک" میں روایت ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَور میں دو(۲) شخص آپس میں جھگڑنے لگے، ایک نے دوسرے کو طعنہ دیا تو دوسرے نے کہا: وَاللّٰهِ مَا اَبِيْ بِزَانٍ وَلَا اُمِّيْ بِزَانِيَةٍ۔ اُن پر مقدمہ دائر ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو(۲) گروہ ہوگئے: ایک نے کہا کہ: اِس کو سزا ہونے چاہیے، دوسرے نے کہا کہ: اِس نے تو پاکی بیان کی ہے۔ پہلے والوں نے کہا کہ: اگر پاکی بیان کرنی تھی تو اِن الفاظ سے نہ کرتا بل کہ کوئی اور الفاظ اِستعمال کرتا "بِزَانِيَةٍ" کیوں کہا؟ اُس کو اَسّی (۸۰) کوڑے لگوائے۔ مؤمن ہو کر اِیسی نامناسب بات کرتے ہو؟!! ❷

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا۔۔۔الآیۃ ﴿۳﴾:

سوال "جو بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر لوٹتے ہیں اُس چیز کی طرف جو اُنہوں نے کہی"۔ پہلے تو اُنہوں نے اپنی منکوحہ بیوی کو محرماتِ ابدیہ سے

❶ (سُوْرَةُ الْحَدِيْد، ۲۷) ❷ (مؤطا امام مالک، کتاب الحدود، باب الحد فی النفی والقذف والتعریض: ۶۸۷، طبع قدیمی، کراچی)

تشبیہ دی تھی تو ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا کا تو یہ مطلب ہوا کہ: پھر وہ اُسی طرح کہیں جو پہلے کہا تھا حالاں کہ ماقبل میں جو بات اُنہوں نے کہی تھی اُس کو تو قرآن نے مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ۔۔۔الآیۃ ❶ کہا ہے یعنی نامناسب بات، جھوٹی بات سے تعبیر کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ: اُس نامناسب اور جھوٹی بات کو اِعادہ کرنے کی کیوں اِجازت دی؟!!

جواب اِمام بخاری ؒ نے "بخاری شریف" کتاب التفسیر میں مختصراً یہ جواب دیا ہے کہ: ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِنَقْضِ مَا قَالُوْا ۔ جو بات اُنہوں نے کی اُس کو توڑنے کی طرف لوٹتے ہیں۔

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۔۔۔الآیۃ:

اِمام صاحب ؒ کے نزدیک رَقَبہ مُطْلَقَہ ہے اور اِمام شافعی ؒ کے نزدیک رَقَبہ مُؤْمِنَہ کی قید ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۔۔۔الآیۃ ❹:

یہ روزے لگا تار ہیں، اگر کسی عذر کی وجہ سے اِنقطاع آگیا تو وہ روزہ کفارہ میں سے محسوب نہیں ہوگا۔

لفظ مَنْ پر حرف فَاء ہے جو کہ تخییر کے لیے نہیں بل کہ ترتیب کے لیے ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ: پہلے رَقَبہ ہے، اگر اِس کی طاقت نہ ہو تو صِيَام ہے، اِس کی طاقت نہ ہو تو اِطْعَام ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۔۔۔الآیۃ:

مسکین کے اَندر مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

① مسکین کافر، قادیانی، مشرک، ذکری وغیرہ نہ ہو۔

② مسکین سید نہ ہو کیوں کہ یہ کسی واجب صدقے کا مصرف نہیں، سادات ایک دوسرے کو آپس میں بھی واجبات نہیں دے سکتے۔

③ مسکین اُصول اور فروع میں سے نہ ہو۔

اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۔۔۔الآیۃ ❻:

"اللہ تعالیٰ نے اُس کا اِحاطہ کیا ہوا ہے عِلْمًا وَقُدْرَتًا"۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ ❼:

اَلَمْ تَرَ اَىْ اَلَمْ تَعْلَمْ۔

ربط: اُوپر ذکر تھا اَحْصٰهُ اللّٰهُ ۔۔۔الآیۃ ❻ یعنی اللہ تعالیٰ نے اُس کا اِحاطہ کر رکھا ہے، آگے اللہ تعالیٰ اپنی وسعتِ علمی کا ذکر فرماتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ۔۔۔الآیۃ ❽:

ربط: اُوپر سرگوشی کا ذکر تھا، آگے اُس کے متعلق آداب کا بیان ہے یعنی ایسی سرگوشی کا ذکر ہے جس سے منع کیا گیا تھا اور لوگ باز نہیں آئے۔

وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔۔۔الآیۃ:

"سرگوشیاں کرتے ہیں اللہ کا حکم توڑنے کی" اللہ تعالیٰ کے حکم توڑنے کو اِثْم کہتے ہیں، لوگوں پر ظلم کرنے کو عُدْوَان کہتے ہیں۔

وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۔۔۔الآیۃ:

"بخاری شریف" میں آتا ہے کہ: ایک یہودی آیا اور کہا کہ: اَلسَّامُ عَلَيْكَ ۔ حضرت عائشہ ؓ نے سُنا تو فرمایا: عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ، یہودی واپس چلا گیا۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: تم تو بہت گرم ہوگئی۔ حضرت عائشہ ؓ نے عرض کیا کہ: کیا آپ (ﷺ) نے اُس کا لفظ نہیں سنا؟ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا: کیوں نہیں سُنا؟ میں نے سُنا تھا اور اُس کو ایسے جامع الفاظ سے جواب دیا وَعَلَيْكُمْ یعنی تم پر موت ہو۔❸

❶(سُوْرَةُ الْمُجَادَلَة ٢) ❷(سُوْرَةُ الْمُجَادَلَة ٩) ❸(صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب کیف الرد علی اھل الذمۃ السلام، ج ٢ ص ٩٢٥ طبع یادگار شیخ، کراچی)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹﴾:

ربط: اُوپر منافقوں کی سرگوشیوں کا ذکر تھا، آگے مؤمنوں کی سرگوشی کا ذکر ہے۔

وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔۔۔ الآیۃ:

کرنے کے کام کرنا بِرّ ہے اور نہ کرنے کی چیز سے بچنا تقویٰ ہے۔

اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

لفظِ نَجْوٰی پر اَلِف لَام عہد کے لیے ہے۔ اِس سے مُراد وہ سرگوشی ہے جو اِثْم، عُدْوَان اور مَعْصِیَتِ رَسُوْل والی سرگوشی ہو، پس! ایسی سرگوشی شیطان کی سرگوشی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللهُ لَکُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۱﴾:

ربط: جہاں سرگوشی ہوتی ہے وہاں دو، تین (۲، ۳) اَفراد ضرور ہوتے ہیں، وہاں لوگ آ کر بیٹھتے ہیں تو بیٹھنے کے آداب بتا رہے ہیں۔

وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ۔۔۔ الآیۃ:

بعض دفعہ مجلس میں جگہ نہیں ہوتی تو مقامی لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ: تم اُٹھ کھڑے ہو، تو اِس بیٹھنے والے کو چاہیے کہ: اِس میں اپنی توہین نہ سمجھے، اللہ تعالیٰ اُس کا درجہ بلند کرے گا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَةً۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲﴾:

بعض سادہ لوح لوگ ہوتے تھے وہ غیر اَہم باتوں میں سرگوشی کر کے اِتنا وقت لے لیتے تھے کہ دوسروں کو حضور ﷺ سے مستفید ہونے کا موقع نہ ملتا تھا۔ کسی وقت آپ ﷺ خلوت چاہتے تھے تو اُس میں بھی تنگی ہوتی تھی لیکن مروّت واَخلاق کے سبب کسی کو منع نہ فرماتے تھے، اُس وقت یہ حکم ہوا کہ: مقدرت والا آدمی حضور ﷺ سے سرگوشی کرنا چاہے تو وہ ملنے سے پہلے کچھ خیرات کر کے آیا کرے، اِس میں کئی فائدے ہیں، غریبوں کی خدمت، صدقہ کرنے والے کے نفس کا تزکیہ، مخلص ومنافق کی تمیز، سرگوشی کرنے والوں کی تقلیل، وَغَیْرُ ذٰلِكَ۔ ہاں! جس کے پاس خیرات کرنے کے لیے کچھ نہ ہو اُسے یہ صدقہ کرنا معاف ہے۔ جب یہ حکم اُترا تو منافقین نے مارے بخل کے ملنا چھوڑ دیا اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ: زیادہ سرگوشی کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اِس لیے یہ قید لگائی گئی ہے۔ آخر یہ حکم اَگلی آیت سے منسوخ فرما دیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللهُ عَلَیْهِمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴﴾:

ربط: اُوپر منافقین کا ذکر تھا کہ: ایسی سرگوشیاں کرتے ہیں جو اِثْم اور عُدْوَان کی ہیں، آگے اُن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: منافقین اَصل دوستی یہود کے ساتھ کرتے ہیں اور دل سے تمہارے ساتھ نہیں صرف زبان سے تمہارے ساتھ ہیں۔

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللهِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۶﴾:

اُنہوں نے اللہ کے راستہ سے روکا، اِس طرح کہ: یہ منافقین قسمیں اُٹھاتے تھے کہ: ہم مسلمان ہیں، مسلمان اُن کی قسموں پر یقین کر کے اُن کو مسلمان سمجھتے ہیں اور اِس طرح مسلمانوں سے اپنے جان ومال کی حفاظت کرتے ہیں تو یہ مسلمان اُن کے ساتھ جہاد نہیں کرتے تو گویا کہ اُن کی قسموں نے مسلمانوں کو جہاد سے رُوکا۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹﴾:

اِسْتَحْوَذَ اَیْ اِسْتَطْوَلَ وَغَلَبَ۔ "اُن پر شیطان غالب آ گیا"۔

فَاَنْسٰهُمْ ذِکْرَ اللهِ۔۔۔ الآیۃ:

"پس! اُن کو بھلا دیا ذکر" وہ نہ قرآن مانتے ہیں نہ ذکر کرتے ہیں۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۲﴾:

بدر کے موقع پر ایسا ہوا کہ: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے اپنے اَقارب عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا۔

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۔۔۔ الآیۃ:

سوال بِرُوْحٍ مِّنْهُ سے کون مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بِرُوْحٍ مِّنْهُ سے قرآن کریم مُراد ہے۔

② بِرُوْحٍ مِّنْهُ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مُراد ہے۔

آیَاتُهَا (۲۴) (۵۹) سُوْرَۃُ الْحَشْرِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۰۱) رُکُوْعَاتُهَا (۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ربط: ابھی آپ نے یہ پڑھا کہ: منافقین نے یہود کے ساتھ دُوستی کی، آگے اِس سورۃ میں یہود بنونضیر کا بیان ہے۔

فَائِدَہ: یہود کے تین (۳) قبیلے تھے: ① بنونضیر۔ ② بنوقریظہ۔ ③ بنوقینقاع۔ اِن تینوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے معاہدے کیے اور ان تینوں نے پورے نہ کیے اور معاہدے توڑ ڈالے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْحَشْر ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ۔۔۔الآیۃ ﴿۲﴾:

واقعہ: مدینہ کے مشرقی جانب چند میل کے فاصلہ پر ایک قوم یہود بستی تھی، جس کو "بنونضیر" کہتے تھے، یہ لوگ بڑے جتھے والے اور سرمایہ دار تھے، اپنے مضبوط قلعوں پر اِن کو ناز تھا۔ حضور ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو شروع میں اِنہوں نے آپ ﷺ سے صلح کا معاہدہ کر لیا کہ: ہم آپ (ﷺ) کے مقابلہ میں کسی کی مدد نہیں کریں گے، پھر مکہ کے کافروں سے نامہ و پیام کرنے لگے حتّٰی کہ اُن کے بڑے سردار کعب بن اشرف نے چالیس (۴۰) سواروں کے ساتھ مکہ پہنچ کر بیت اللہ شریف کے سامنے مسلمانوں کے خلاف قریش کے ساتھ عہد و پیمان باندھا، آخر چند روز کے بعد اللہ و رسول ﷺ کے حکم سے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اُس غدار کا کام تمام کر دیا۔ پھر بھی "بنونضیر" کی طرف سے بدعہدی کا سلسلہ جاری رہا، کبھی دغابازی سے حضور ﷺ کو چند رفیقوں کے ساتھ بلا کر اچانک قتل کرنا چاہا، ایک مرتبہ حضور ﷺ جہاں بیٹھے تھے اُوپر سے بھاری چکی کا پاٹ گرا دیا، اگر کسی کو لگے تو آدمی مر جائے مگر سب مواقع پر اللہ کے فضل نے حفاظت فرمائی۔ آخر حضور ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کیا، اِرادہ یہ تھا کہ اُن سے لڑیں، جب مسلمانوں نے نہایت سُرعت و مستعدی سے مکانوں اور قلعوں کا محاصرہ کیا تو وہ مرعوب و خوف زدہ ہو گئے، عام لڑائی کی نوبت نہ آئی، اُنہوں نے گھبرا کر صلح کی اِلتجا کی، آخر یہ قرار پایا کہ: وہ مدینہ خالی کر دیں اور اُن کی جانوں سے تعرض نہ کیا جائے گا اور جو مال و اَسباب اُٹھا کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں باقی مکان، زمین، باغ وغیرہ پر مسلمان قابض ہوئے۔

سوال اَوَّلِ حَشْر سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① حشر کے معنی اِجتماع کے ہیں، یعنی وہ مؤمنوں کے مقابلے میں اِکٹھے ہوئے، جب مؤمنین اُن کے مقابلے میں جمع ہوئے تو پہلے ہی اِجتماع میں مرعوب ہو گئے۔

② آپ ﷺ نے جب اُن کو مدینہ سے خیبر کی طرف نکالا یہ اَوَّلِ حَشْر ہے اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دَورِ خلافت میں اُن کو خیبر سے شام کی طرف نکالا۔

یہاں صاحبِ جلالین علّامہ محلی رحمہ اللہ سے غلطی ہوئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: اَوَّلِ حَشْر کا مطلب یہ ہے کہ: پہلے آپ ﷺ نے اُن کو شام کی طرف بھیجا پھر خیبر کی طرف بھیجا حالاں کہ معاملہ اِس کے برعکس ہوا تھا۔

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا۔۔۔الآیۃ:

مِنَ اللّٰهِ اَیْ مِنْ بَأْسِ اللّٰهِ۔

فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ اَیْ فَاَتٰهُمْ اَمْرُ اللّٰهِ، عَذَابُ اللّٰهِ۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ۔۔۔الآية ﴿۵﴾:

جب وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِجازت دی کہ: اُن کے درخت کاٹے جائیں اور باغ اُجاڑے جائیں تا کہ اُس کے دَرد سے باہر نکل کر لڑنے پر مجبور ہوں اور کھلی جنگ کے وقت درختوں کی رُکاوٹ باقی نہ رہے۔اور یہ درخت اِس لیے بھی کاٹے گئے کیوں کہ یہ یہود اُن درختوں کے پیچھے سے حملہ کرتے تھے۔یہود نے طعن کرنا شروع کیا کہ: خود تو فساد سے منع کرتے ہیں اور اپنے آپ کو رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْن کہتے ہیں، کیا درختوں کو کاٹنا اور جلانا فساد نہیں؟ تو اُن کی اِس بات کا جواب اللہ تعالیٰ یہاں سے دے رہے ہیں۔

غنیمت اور فَیْئ میں فرق: غنیمت اور فَیْئ میں فرق یہ ہے کہ: غنیمت ہر اُس مال کو کہتے ہیں کہ مسلمان کافروں کے ساتھ جہاد کریں اور اُس کے بعد جو مال ہاتھ آئے اور فَیْئ وہ مال ہے جو معمولی جھڑپ کے بعد یا بغیر لڑائی کے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ۔۔۔الآية ﴿۶﴾:

رِكَابٍ، رَاحِلَةٌ کی جمع ہے مِنْ غَيْرِ لَفْظِهٖ۔ اِس سے اُونٹ اور اُونٹنیاں مُراد ہیں۔ يُطْلَقُ عَلَى الذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى، اُس اُونٹ اور اُونٹنی کو کہتے ہیں جو سفر میں قوی ہو۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى۔۔۔الآية ﴿۷﴾:

مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَیْ مِنْ مَالِ اَهْلِ الْقُرٰى۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ۔۔۔الآية:

اہلِ بدعت کا غلط اِستدلال: اہلِ بدعت یہ کہتے ہیں کہ: ہمیں جو رزق ملتا ہے اور جو کچھ بھی ملتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی دیتے ہیں اور اِستدلال اِس آیت سے کیا ہے۔

جواب "دل کا سرور" نامی کتاب میں ہم نے تفصیلی بحث کی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ: یہاں دو (۲) باتیں ہیں:

① پہلی بات تو یہ ہے کہ: یہاں وَمَآ اٰتٰىكُمُ سے مُراد اَمر ہے یعنی جو حکم دے اور قرینہ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ ہے پس! وَمَآ اٰتٰىكُمُ نہی کے مقابلہ میں آیا ہے اور نہی کا مقابل اَمر ہے تو مطلب یہ ہے کہ: مال وجائیداد وغیرہ جس طرح پیغمبر اللہ کے حکم سے تقسیم کرے اُسے بہ خوشی و رغبت قبول کرو، جو ملے لے لو، جس سے رُوکا جائے رُک جاؤ۔

② دوسری بات یہ ہے کہ: اگر اِس سے مال ہی مُراد ہو تو اِس سے مُراد فَیْئ کا مال ہے کیوں کہ ساری دُنیا کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال نہیں دیتے اور بات بھی فَیْئ کی چلی آرہی ہے تو اِس سے بھی مُراد مالِ فَیْئ ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ۔۔۔الآية ﴿۸﴾:

مالِ فَیْئ کے مصارف میں سے فقراء و مہاجرین بھی ہیں۔

سوال اگر مسلمانوں کے مال پر کافر قبضہ کر لے تو اُس کو ملکیت ثابت ہوتی کہ نہیں؟

جواب اِس میں اِختلاف ہے: اِمام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک وہ کافر اُس مال کا مالک بن گیا۔ ایک دلیل اِمام صاحب رحمہ اللہ کی یہ آیت بھی ہے لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ۔۔۔الآية ● رب تعالیٰ نے اُن کو فقیر کہا، اگر اُن کی ملک زائل نہ ہوتی تو رب تعالیٰ نے اُن کو فقیر کیوں کہا؟ معلوم ہوا کہ اُن کا ملک ہی باقی نہیں رہی جب ہی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو فقیر کہا ہے۔

اِمام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ کافر اُس مال کا مالک نہیں بنا۔

وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ۔۔۔الآية:

اَیْ وَيَنْصُرُوْنَ دِيْنَ اللّٰهِ۔

● (سُوْرَةُ الْحَشْر ۸)

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۹﴾:

سوال لفظِ اَلدَّار پر اَلِف لَام کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لفظِ اَلدَّار پر اَلِف لَام عوض مضاف الیہ ہے، اَصل عبارت یہ ہے: اَیِ الَّذِیْنَ تَبَوَّءُوْا دَارَ الْهِجْرَةِ یعنی مدینہ کو اپنا ٹھکانہ بنایا تھا۔

② لفظِ اَلدَّار پر اَلِف لَام عہد کے لیے ہے۔

وَالْاِیْمَانَ اَیْ وَاَلِفُوا الْاِیْمَانَ، قَبِلُوا الْاِیْمَانَ۔

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔۔۔الآیۃ:

خَصَاصَة کا معنی ہے: "فقر و فاقہ"۔

شانِ نزول: "بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص آیا، شام کا وقت تھا، آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: تو کہاں سے آیا؟ کس کا مہمان ہے؟ اُس نے کہا: آپ (ﷺ) کا مہمان ہوں۔ حضور ﷺ نے ایک خادم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ: نبی ﷺ کا مہمان ہے گھر میں کچھ ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا: کچھ نہیں ہے۔ اِسی طرح دوسری بیویوں کے گھروں میں خادم بھیجا، یہی ایک جواب آیا۔ آپ ﷺ نے مسجد میں فرمایا کہ: میرے گھر میں کچھ نہیں۔ ایک صحابی ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سہل بن زید اُن کا نام تھا، اُنہوں نے عرض کیا کہ: مَیں اِس کو لے جاؤں گا، وہ اُس مہمان کو گھر لے گئے، بیوی سے کہا کہ: نبی ﷺ کا مہمان ہے کچھ ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ: بچوں کی خوراک ہے۔ اُس نے کہا کہ: بچوں کو سُلا دو اور یہ کھانا لاؤ، اور رواج یہ تھا کہ مہمان کے ساتھ میزبان بھی کھانا کھاتے تھے اور اِس موقع پر کھانا کم تھا، دونوں کے لیے کافی نہ تھا اِس لیے اِنہوں نے بیوی سے کہا کہ: آپ چراغ ٹھیک کرنے کی غرض سے بجھا دینا تا کہ وہ خوب سیر ہو کر کھائے اور ہم ایسے ہی ہاتھ چلائیں گے۔ تو اِس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی❶

وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰﴾:

علّامہ آلوسی رحمہ اللہ اور اِمام رازی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ: فَیْئ کا مصرف رافضی، خارجی نہیں کیوں کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کدورت رکھتے ہیں۔ اِسی طرح بعض غیر مقلدین ائمہ سے کدورت اور بُغض رکھتے ہیں، ہر ایسا طبقہ جو سلفِ صالحین سے کدورت رکھتا ہو وہ مالِ فَیْئ کا مستحق نہیں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱﴾:

ربط: اَبھی آپ نے بنو نضیر کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائی کا ذکر سنا، آگے فرماتے ہیں کہ: اُس لڑائی کا اَصل سبب منافق تھے، اُنہوں نے کافروں کو اِس لڑائی پر اُکسایا تھا۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰی ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۴﴾:

شَتّٰی، شَتِیْتٌ کی جمع ہے جیسے مَرْضٰی، مَرِیْضٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "دل بکھرے ہوئے ہیں"۔ جب نَصْبُ الْعَیْن ایک نہ ہو تو لوگ متفق نہیں ہوتے، اُن میں اِتحاد نہیں ہوتا۔

كَمَثَلِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِیْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۵﴾:

خبر ہے مبتداء محذوف کی اَیْ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ یہود بنو نضیر کی مثال پہلوں جیسی ہے۔

سوال یہ اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے کون مُراد ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بعض کہتے ہیں کہ: مشرکینِ مکہ مُراد ہیں، غزوۂ بدر میں وَبال پایا۔

② بعض کہتے ہیں کہ: یہود بنو قینقاع مُراد ہیں، وہ اپنی غداری کا مزہ چکھ چکے، جب اُنہوں نے بدعہدی کی تو مسلمانوں نے ایک مختصر لڑائی کے بعد نکال باہر کیا۔

---

❶ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ یؤثرون علی انفسہم، ج ۲ ص ۷۲۵۔۷۲۶، طبع یادگار شیخ، کراچی)

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ ـــ الآية ﴿۱۶﴾:

یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی جو کہ تَخَلُّفُهُمْ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ـــ الآية ﴿۱۸﴾:

ربط: ابھی آپ نے منافقین اور یہود کا ذکر سنا کہ اُن دونوں کا انجام کیا ہوگا؟ آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: مؤمنو! تمہارا طریقہ سب سے جدا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ـــ الآية ﴿۱۹﴾:

اُنہوں نے اللہ کو بھلا دیا نَسُوا اللّٰهَ اَیْ تَرَکُوا اللّٰهَ یعنی اللہ کو چھوڑ دیا۔ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اللہ نے اُن کو اُن کی جانیں بھلا دیں یعنی وہ چیزیں جو اُن کے نفوس کے لیے مفید تھیں وہ بھی نہ دیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ ـــ الآية ﴿۲۱﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو اُس کے بارے میں آگے فرماتے ہیں کہ: یہ قرآن تقویٰ وغیرہ کی تعلیم دیتا ہے۔

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ ـــ الآية ﴿۲۳﴾:

"بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: بعض نے کہا کہ: اَلسَّلٰمُ عَلَى اللّٰهِ، اَلسَّلٰمُ عَلٰى جِبْرِئِيْلَ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ نہ بولو! (کیوں کہ یہ لفظ وہاں بولا جاتا ہے جہاں خطرہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کا خطرہ نہیں، اللہ جی بھی نہ کہو کیوں کہ یہ شفقت والا کلمہ ہے، اُس کے لیے بولا جاتا ہے جس کو موت آتی ہے۔) اِس لیے کہو کہ: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ تو سلام سب کو پہنچ جاتا ہے●

جَبَّار کے معنی ہیں: "اپنے حکموں کو نافذ کرنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا"۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ـــ الآية ﴿۲۴﴾:

خَالِق کے معنی ہیں: "مادّے کو پیدا کرنے والا"۔

بَارِء کے معنی ہیں: "رُوح کو پیدا کرنے والا"۔

مُصَوِّر کے معنی ہیں: "تصویر دینے والا" جیسا کہ نطفہ پر اِنسان کی تصویر کھینچ دی۔

● (صحیح البخاری، کتاب الاستیذان، باب السلام اسم من اسماء اللہ، ج ۲، ص ۹۲۰-۹۲۱، طبع یادگار شیخ، کراچی)

اٰیَاتُهَا (۱۳) (۶۰) سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ (۹۱) رُكُوْعَاتُهَا (۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: پہلی سورۃ میں آپ نے یہ پڑھا کہ: منافقوں نے یہود کو دُوست بنایا، اِس سورۃ میں مؤمنوں کو فرماتے ہیں کہ: نہ یہود سے دُوستی کرو نہ کافروں سے دُوستی کرو۔

نام اِس سورۃ کا **سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَة** ہے کیوں کہ اِس سورۃ میں عورتوں کے امتحان کا ذکر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱﴾:

شانِ نزول: حدیبیہ کے مقام پر آپ ﷺ نے مشرکین مکہ کے ساتھ دس (۱۰) سال کا معاہدہ کیا تھا، معاہدے کی ایک شق یہ تھی کہ: ہم تمہارے حلیف سے لڑائی نہیں کریں گے اور تم ہمارے حلیف سے لڑائی نہیں کرو گے۔ بنوخزاعہ باوجود کفار ہونے کے نبی کریم ﷺ کے حلیف تھے اور قبیلہ بنوبکر مشرکین مکہ کے حلیف تھے۔ معاملہ ہوا یہ کہ: صلح کے کچھ عرصہ بعد بنوبکر نے بنوخزاعہ کے خلاف چڑھائی کی اور مشرکین مکہ نے اُن کو اَفراد اور اَسلحہ دیا، بنوخزاعہ آپ ﷺ کے پاس آئے کہ: ہم آپ (ﷺ) کے حلیف ہیں اور بنوبکر نے ہم پر بے خبری کی حالت میں حملہ کیا اور مشرکین نے اُن کی مدد کی اور فلاں فلاں شخص اِس میں شریک تھا، آپ (ﷺ) ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ آپ ﷺ نے مشرکین کی طرف ایک نمائندہ بھیجا کہ اُن سے کہو کہ: معاہدہ کی اب دو صورتیں ہیں: ① معاہدہ ٹوٹا ہوا سمجھو۔ ② وہ لوگ جو مارے گئے اُن کی دِیت اَدا کرو۔ آپ ﷺ کے سفیروں نے جب یہ کہا تو اُنہوں نے "دار الندوہ" میں مشورہ کیا کہ معاہدہ ٹوٹا ہے، اب کیا کریں؟ پھر اُنہوں نے کہا کہ: معاہدہ تو ٹوٹا ہوا ہے لیکن اِن لفظوں میں بولنا صحیح نہیں اور آپس میں کہا کہ: ابوسفیان کو بھیجو، اُس وقت ابوسفیان مسلمان نہیں تھے۔ ابوسفیان جس وقت مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ مسجد میں تھے، ابوسفیان نے کہا کہ: آپ (ﷺ) کے سفیر وہاں آئے تھے اور ہمارے نوجوانوں نے اُن کو ایسا ایسا کہا تھا لیکن ہم تجدید معاہدہ کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: اگر آپ تیار ہیں تو دیت دے دیں تو اُس نے کہا کہ: نہیں! بس مَیں آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے پھر مطالبہ کیا تو اُس نے کہا کہ: نہیں! مَیں آیا ہوں، مَیں آیا ہوں۔ اِس طریقے سے وہ کہتا رہا کہ: بس مَیں آیا ہوں اور شرط کو مانتا نہیں تھا اور کہتا رہا کہ: مَیں آیا ہوں۔ تب حضور ﷺ نے خاموشی کے ساتھ لشکر جمع کر کے مکہ فتح کرنے کا اِرادہ کیا، خبروں کی بندش کردی گئی، مبادا!! کفار مکہ آپ ﷺ کی تیاریوں سے آگاہ ہو کر لڑائی کا سامان شروع کردیں اور اِس طرح حرم شریف میں جنگ کرنا ناگزیر ہو جائے۔ ایک مسلمان حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جو بدری صحابی تھے اور مہاجر تھے، اُنہوں نے مکہ والوں کو خط بھیجا کہ: محمد ﷺ کا لشکر اَندھیری رات میں اور سَیْلِ بے پناہ کی طرح تم پر ٹوٹنے والا ہے۔ یہ خط اِس لیے بھیجا تا کہ وہ لوگ میری بیوی اور بچوں کی حفاظت کریں۔ سارہ نامی یا کنُود نامی عورت تھی اُس کو یہ خط دے کر دس (۱۰) دینار کی اُجرت پر اُونٹ پر سوار کر کے بھیجا۔ مدینہ منوّرہ سے مکہ تک نو (۹) دن کی مسافت تھی، جب وہ چار (۴) دن میں رُوضۂ خاخ کے مقام تک پہنچی تو حضور ﷺ کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ: روضۂ خاخ کے مقام پر ایک عورت جارہی ہے اور اُس کے پاس وہ خط ہے۔ آپ ﷺ نے چار (۴) صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت ابومسعد غَنَوی رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ: ایک عورت مکہ کے راستہ میں سفر کرتی ہوئی فلاں مقام پر ملے گی، اُس کے پاس ایک خط ہے وہ حاصل کر کے لاؤ۔ یہ لوگ تیزی سے رَوانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اُسی مقام پر پالیا، اُس نے بہت لیت و لعل کے بعد خط اُن کے حوالے کیا اور اِس طریقے سے دیا کہ: پہلے تو وہ نہیں دے رہی تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اگر نہیں دیتی تو ننگا کردیں گے، اُس نے رُسوائی کے خوف سے خط اِن کے حوالے کر دیا۔ اِن حضرات نے خط لے کر نبی کریم ﷺ کو پہنچایا، پڑھنے سے معلوم ہوا کہ: حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کفارِ مکہ کے نام ہے اور مسلمانوں کے حملہ کی اِطلاع دی گئی ہے، آپ ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو بُلا کر پوچھا کہ: یہ کیا حرکت ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)! نہ مَیں نے کفر اِختیار کیا ہے، نہ اِسلام سے پھرا ہوں، سچی بات تو یہ ہے کہ: میرے اہل و عیال

مکہ میں ہیں، وہاں اُن کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں، مَیں نے کافروں پر ایک اِحسان کر کے یہ چاہا کہ: وہ لوگ اِس کے معاوضہ میں میرے اہل وعیال کی خبر گیری کرتے رہیں اور اُن سے اَچھا سلوک کریں، مَیں نے سمجھا کہ: اِس سے میرا کچھ فائدہ ہوجائے گا اور اِسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا، فتح ونصرت کے جو وعدے اللہ نے آپ (ﷺ) سے کیے ہیں وہ یقیناً ہو کر رہیں گے، کسی کے رُوکنے سے رُک نہیں سکتے۔ بلاشبہ حاطب رضی اللہ عنہ سے یہ بہت بڑی خطا ہوئی لیکن رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: اِس کو کچھ نہ کہو اور اِرشاد فرمایا کہ: حاطب اہل بدر میں سے ہیں، تمہیں کیا معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ بدرئین کی خطائیں معاف فرمادیں؟!! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حمیت کو دیکھیے کہ! جب رُقعہ پڑھا گیا اور اُن کو پتہ چل گیا تو اُن کی اِس حرکت پر اِتنے غصہ ہوئے کہ کہا: کہاں ہے وہ منافق تاکہ اُس کا سر کاٹ دوں؟ اِس سورۃ کا اَکثر حصہ اِس قصہ کے بارے میں نازل ہوا۔

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۔۔۔ الآیۃ:

اَنْ تعلیلیہ ہے۔ معنی ہیں: "اُنہوں نے رسول کو اور تمہیں نکالا اِس لیے کہ تم اللہ پر ایمان لائے تھے جو رب ہے تمہارا"۔

اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ ۔۔۔ الآیۃ:

اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ ۔۔۔ الآیۃ (۱) شرط مؤخر ہے اور يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ۔۔۔ الآیۃ (۱) جزاء ہے۔

وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝ (۲):

تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ: لَوْ حرفِ مصدریہ ہے بمعنی اَنْ ہے، شرطیہ نہیں ہے۔

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ ۔۔۔ الآیۃ (۴):

ابراہیم علیہ السلام تمہارے لیے اُسوہ ہیں، مگر اُن کی اِس بات کو اُسوہ نہ بنانا یعنی اپنے مشرک باپوں کے لیے اِستغفار نہ کرنا۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۔۔۔ الآیۃ (۵):

فِتْنَةً کے دو (۲) مطلب ہیں:

① ایک مطلب یہ ہے کہ: تختۂ مشق یعنی ہم کو کافروں کے لیے محل آزمائش اور تختۂ مشق نہ بنا۔

② دوسرا مطلب یہ ہے کہ: ایسے حال میں مت رکھ کہ جس کو دیکھ کر کافر خوش ہوں، اِسلام یا مسلمانوں پر آوازیں کسیں اور ہمارے مقابلہ میں اپنی حقانیت پر اِستدلال کرنے لگیں۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۔۔۔ الآیۃ (۷):

ربط: اَبھی آپ نے پڑھا کہ: کافروں کو دُوست نہ بناؤ، تم نے جو دُوستی کے طریقے اِختیار کیے ہیں یہ غلط ہیں، یہ دُوستی خود اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے، قریب ہے کہ: اللہ تمہارے اور اُن کے درمیان دُوستی پیدا کرے، پس! مکہ مکرمہ فتح ہوا اور وہ سخت دُشمن دُوست بن گئے۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ ۔۔۔ الآیۃ (۸):

اللہ تعالیٰ تمہیں اُن لوگوں کے ساتھ دُوستی کرنے سے منع نہیں کرتا جو تمہارے ساتھ دین کے معاملے میں نہ لڑیں۔ سمجھانے کے لیے کہتا ہوں مثلاً: چین، جاپان وغیرہ اُنہوں نے مسلمانوں کے خلاف کچھ نہیں کیا۔

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ ۔۔۔ الآیۃ (۹):

اللہ تعالیٰ تمہیں اُن لوگوں کے ساتھ دُوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو لڑتے ہیں تم سے تمہارے دین کے بارے میں۔ سمجھانے کے لیے کہتا ہوں مثلاً: اَمریکہ، رُوس، جرمنی، فرانس وغیرہ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۔۔۔ الآیۃ (۱۰):

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ کافروں کو دُوست نہ بناؤ، آگے فرماتے ہیں کہ: اگر کافروں کی بیویاں ہجرت کر کے آئیں تو اُنہیں واپس مت کرنا۔ ظاہری طور پر

(۱) (سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَة، ۱)

اُن عورتوں کی جانچ کرلیا کرو کہ آیا واقعی وہ مسلمان ہیں، محض اِسلام کی خاطر وطن چھوڑ کر آئی ہیں کوئی دُنیوی یا نفسانی غرض تو ہجرت کا سبب نہیں؟!!
واقعہ: سہیل بن عمرو نے یہ شرط لگائی تھی کہ: جو مرد ہمارا تمہارے پاس آئے گا اُس کو تم واپس کرو گے۔ چناں چہ ہوا یہ کہ: عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی مسلمان ہو کر آ گئی، اُنہوں نے معاہدے کے مطابق اُس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے واپس کرنے سے اِنکار فرما دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ: معاہدے میں تو شرط ہے؟!! تحریر لائی گئی تو اُس میں رَجُل کی قید تھی مَرْأَة کی قید نہیں تھی۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۔۔۔ الآية:

زَوْجَیْن میں اگر ایک مسلمان اور دوسرا مشرک ہو تو اِخْتِلَافِ دَارَیْن کے بعد تعلّق نکاح قائم نہیں رہتا، پس! اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر دارُالاسلام میں آ جائے تو جو مسلمان اُس سے نکاح کرے اُس کے ذمہ ہے کہ اُس کافر نے جتنا مہر عورت پر خرچ کیا تھا وہ اُسے واپس کر دے اور اب عورت کا جو مہر قرار پائے وہ الگ سے اپنے ذمہ لے لے تب نکاح میں لا سکتا ہے۔ اِس طرح (نَعُوْذُ بِالله) اگر کوئی عورت کافر بن کر دارالحرب چلی گئی تو کافر کو مال دینا پڑے گا۔ مسلمان کے لیے یہ شرط پہلے تھی اب نہیں ہے۔

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ۔۔۔ الآية:

كَوَافِر، كَافِرَةٌ کی جمع ہے۔

وَسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنْفَقُوا ۔۔۔ الآية:

کافر کی بیوی مسلمان ہو گئی، عدت کے بعد نکاح کیا، اُس کو کافر نے جو مہر دیا تھا یہ شخص وہ مہر لوٹا دے۔ اب اِس حکم کے مقابل دوسری طرف یہ حکم ہوا کہ: جس مسلمان کی عورت کافر ہو گئی ہے مسلمان اُس کو چھوڑ دے، پھر جو کافر اُس سے نکاح کرے اُس مسلمان کا خرچ کیا ہوا مہر واپس کرے، اِس طرح دونوں فریق ایک دوسرے سے اپنا حق طلب کر لیں۔ یہ حکم منسوخ ہے، پہلے تھا اب نہیں ہے۔

وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ ۔۔۔ الآية (١١):

شَيْءٌ سے مُراد عورت ہے یعنی اگر کوئی مسلمان عورت کافر کے پاس چلی جائے پس! کافر وہ مہر جو مسلمان نے اُس عورت کو دیا تھا مسلمان کو واپس نہیں کرتا تو جس کافر کی عورت مسلمان کے ہاں آئے اُس کا جو خرچ کافر کو دینا تھا اُس کافر کو نہ دیں بل کہ اُس مسلمان کو دیں جس کا حق مارا گیا ہے، ہاں! اُس مسلمان کا حق دے کر جو بچ رہا ہے وہ واپس کر دیں۔ یہ حکم بھی منسوخ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ ۔۔۔ الآية (١٢):

"بخاری شریف" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ۔ خدا کی قسم ہے! آنحضرت ﷺ کا ہاتھ کسی نامحرم عورت کے ساتھ کبھی نہیں لگا۔ (تو سوال یہ ہے کہ: قرآن شریف میں بیعت کا لفظ ہے اور بیعت تو بغیر ہاتھ کے نہیں ہو سکتی؟) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: غَيْرَ أَنَّهُ بَايَعَهُنَّ بِالْكَلَامِ آپ ﷺ عورتوں سے زبانی بیعت فرماتے تھے یعنی ہاتھ نہ لگاتے تھے۔[1]

وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ ۔۔۔ الآية:

اِس کے دو (٢) مطلب ہیں:

① کسی پر بہتان نہ لگاؤ یعنی بعض عورتیں ہوتی ہیں کہ: اُن کے بچے نہیں ہوتے، خاوند سفر پر ہوتا ہے، وہ عورت کسی اور کا بچہ اُٹھا کر کہتی ہے کہ: یہ مَیں نے جنا ہے۔

② کسی پر بہتان نہ لگاؤ یعنی کوئی زانی نہیں اور اُس کو زانی کہتی ہیں یا سَارِقَة نہیں اور سَارِقَة کہتی ہیں وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللهُ عَلَيْهِمْ ۔۔۔ الآية (١٣):

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: مشرکین، منافقین سے دُوستی مت کرو، آگے یہ فرماتے ہیں کہ: یہود کے ساتھ بھی دُوستی مت کرو۔

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب اذا اسلمت المشرکۃ او النصرانیۃ تحت الذمی والحربی، ج ٢، ص ٧٩٦، طبع یادگار شیخ، کراچی)

قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ۝:

"تفسیر کبیر، خازن، معالم التنزیل، روح المعانی" وغیرہ میں دو (۲) تفسیریں ہیں:

① یہود اُصولی طور پر آخرت کو مانتے تھے لیکن اُس کے لیے عمل نہ کرتے تھے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اُس قوم سے دُوستی نہ کرو جس پر اللہ کا غضب ہوا وہ آخرت سے نا اُمید ہو گئے ہیں ایسے جیسے وہ کافر جو قبروں میں جا چکے ہیں اب آخرت کی خیر سے نا اُمید ہو گئے ہیں۔

② یہ مَغْضُوْب عَلَیْہِمْ آخرت سے ایسے نا اُمید ہوئے جیسے یہ کافر اَصْحَابِ قُبُوْر کی حیات کے اور بَعْث بَعْدَ الْمَوْت کے منکر ہیں۔

رُکُوْعَاتُھَا (۲) (۶۱) سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۹) اٰيَاتُھَا (۱۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات، ابوسعود" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلے ذکر تھا کہ منافقین اور یہود سے دُوستی نہ کرو اب یہ حکم ہے کہ: دُوستی تو در کنار اُن سے لڑو۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الصَّف ہے۔ آگے اِس لفظ کا معنیٰ آتا ہے کہ: "صف باندھ کر"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ ﴿۲﴾:

بعض ظاہرین کا غلط اِستدلال: "تفسیر رُوح المعانی، بیان القرآن" کے پہلے پارہ میں ہے اور اِسی آیت کی تفسیر میں "تفسیر عزیزی" میں لکھا ہے کہ: بعض ظاہرین نے اِس سے اِستدلال کیا ہے کہ اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جو نہ کرے وہ کہے بھی نہ۔

جواب اُن کا اِستدلال باطل ہے، وجہ اِس کی یہ ہے کہ: اِنسان کے ذمہ دو (۲) ڈیوٹیاں ہیں، اُسے دونوں بجالانی چاہئیں:

① خود کرنا۔ ② دوسروں کو کہنا۔

حق نے کر ڈالیں ہیں دُہری خدمتیں تیرے سپرد — خود تڑپنا ہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے

اگر ایک ڈیوٹی میں کوتاہی ہوئی ہے تو دوسری میں نہیں ہونی چاہیے۔ باقی رہی بات مذکورہ آیت کی تو اِس آیت میں تو اِس بات کی ترغیب ہے کہ: جو تم کہتے ہو وہ کرو۔ عموماً اِیسا ہوتا ہے کہ: آدمی جو کہتا ہے وہ کرتا نہیں تو اُس کا اَثر کم ہوتا ہے بہ خلاف اِس کے کہ آدمی جو کہے وہ کرے تو اُس کا اَثر زیادہ ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۴﴾:

لفظِ صَفًّا مصدر ہے، جمع کے معنی میں ہے، مُصَفِّيْن یا صَافِيْن اِس کی جمع ہے۔

كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○:

مُلْصَقٌ بَعْضُهٗ اِلٰى بَعْضِهٖ۔ جب دیوار کی ایک اینٹ دوسری سے جڑی ہوتی ہے تو وہ دیوار مضبوط ہوتی ہے۔ اب معنی یہ کرتے ہیں کہ: آہنی سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۵﴾:

ربط: اُوپر چوں کہ قتال کا ذکر تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اِس سے اِنکار کرنے والی تھی اِس لیے اُن کا ذکر فرماتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۔۔۔ الاٰیۃ ﴿۶﴾:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: اے بنی اسرائیل! مَیں اللہ کا رسول ہوں اور جو مجھ سے پہلے تورات اُتری اُس کا مَیں مُصَدِّق ہوں اور اپنے بعد ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔

اِس بات سے معلوم ہوا کہ: عیسائی اِس بات کے پابند ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مانیں، نہیں مانتے تو اُن کے خلاف لڑو، یہود سے بھی لڑو، نصاریٰ سے بھی لڑو! کیوں کہ اُنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کی مخالفت کی۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۔۔۔ الاٰیۃ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: میرے بعد صرف ایک نبی آئے گا۔

قادیانیوں کا غلط اِستدلال: "سیرۃ المہدی" بشیر الدین کی کتاب ہے، اُس میں وہ کہتا ہے کہ: اِس آیت کا مصداق میرے ابا جی "غلام اَحمد" ہیں۔

جواب اب دیکھو! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تو صرف ایک رسول نے آنا تھا، اگر وہ رسول بہ قول اِن دجالوں کے غلام اَحمد ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں گئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کہاں گئی؟

لفظِ اَحمد کی بحث: اِس کے متعلق بڑی تفصیل ہے میں خلاصہ عرض کرتا ہوں کہ: لفظِ اَحمد اِسمِ تفضیل کا صیغہ ہے، اب یہ یا تو اِسمِ فاعل کے معنی میں ہے یا اِسمِ مفعول کے معنی میں ہے، اگر اِسمِ فاعل کے معنی میں ہو تو معنی ہوں گے: "زیادہ حمد کرنے والا"۔ اگر اِسمِ مفعول کے معنی میں ہو تو معنی ہوں گے: "زیادہ تعریف کیا ہوا"۔ حقیقت یہ ہے کہ: خدا کی مخلوق میں جتنی تعریف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہوئی اَور کسی کی نہیں ہوئی۔

اِشکال: اگر لفظِ اَحمد کو اِسمِ فاعل کے معنی میں لیا جائے تو اِس پر بعض زائغین اور مستشرقین نے اشکال کیا ہے کہ: یہ واقع کے خلاف ہے اِس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر تریسٹھ (٦٣) سال تھی اور نبوت کی عمر تیئیس (٢٣) سال تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس (١٢٠) سال تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو سو (٢٠٠) سال تھی، حضرت نوح علیہ السلام کی عمر چودہ سو (١٤٠٠) سال تھی، حضرت ہارون علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس (١٢٠) سال تھی، حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار (١٠٠٠) سال تھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعریف کرنا زیادہ ہوا یا اِن پیغمبروں کا؟ عمریں تو اُن کو زیادہ دی گئیں تھیں؟!! تو عوام اِس سے دھوکہ کھاتے ہیں۔

جواب: محققین نے بہت کچھ کہا ہے، مَیں دو (٢) باتیں عرض کرتا ہوں:

① پہلی بات تو یہ ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن جَوَامِعُ الْکَلِم کے ساتھ رب کی تعریف کی وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے۔

چناں چہ "مسلم، ابوداؤد، مسند اَحمد، الترغیب والترہیب" وغیرہ میں روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے پاس تھے، سحری کے وقت نماز کے لیے گئے، وہ ذکر کر رہی تھیں، جب چاشت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: تو اُس وقت سے اب تک بیٹھی ہے؟ وہ بولیں: جی ہاں! مَیں اُس وقت سے ذکر و تسبیح کر رہی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: مَیں نے چار (٤) کلمات تین، تین (٣، ٣) دفعہ پڑھے جن کا اَجر و ثواب تمہارے اِتنے بیٹھنے سے بہت زیادہ ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ ❶

عَدَدَ خَلْقِهٖ کا معنی ہے: "تمام مخلوق کی گنتی کے برابر"۔ تو مطلب یہ ہوا کہ: جن جوامع کلمات کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمد بیان کی اُس سے زائد کسی اَور نے نہیں کی۔

② دوسری بات یہ ہے کہ: روایات میں ہے کہ جنتیوں کی ایک سو بیس (١٢٠) صفیں ہوں گی، اَسّی (٨٠) صفیں میری اُمّت کی اور چالیس (٤٠) صفیں باقی اُمّتوں کی ہوں گی ❷

تو اُمّتی جو کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ثواب ہے کیوں کہ حدیث میں: مَنْ سَنَّ سُنَّةَ خَيْرٍ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا فَلَهٗ أَجْرُهٗ ❸ آیا ہے تو ظاہر بات ہے کہ: اُن کا اَجر بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملے گا۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ ... الآية ﴿٨﴾:

مولانا ظفر علی صاحب کا شعر ہے

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ ... الآية ﴿١٠﴾:

ربط: اُوپر قتال کا ذکر تھا، آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے مؤمنو! آؤ تمہیں تجارت کی ایک صورت بتاتے ہیں جو تمہیں عذابِ اَلِيْم سے نجات دے گی۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ... الآية ﴿١١﴾:

علامہ محلی رحمہ اللہ معنی کرتے ہیں: تَدُوْمُوْنَ عَلَى الْإِيْمَانِ یعنی اِیمان پر دائم رہو۔

---

❶ (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب التسبیح أول النہار وعند النوم، ج ٢ ص ٣٥٠، طبع یادگار شیخ، کراچی)
❷ (سنن ابن ماجہ، ابواب الزہد، باب صفۃ امۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ٣١٧، طبع قدیمی، کراچی)
❸ (جامع الترمذی، ابواب العلم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب فی من دعا الی ہدی فاتبع او الی ضلالۃ، ج ٢ ص ٩٦، طبع قدیمی، کراچی)

یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲﴾:

یَغْفِرْ لَکُمْ جزاء ہے، اِس کی شرط محذوف ہے۔ اَیْ اِنْ تَفْعَلُوْا ذٰلِکُمْ۔ اگر تم یہ کاروائی کروگے تو اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا۔

وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَہَا۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۳﴾:

لفظِ اُخْرٰی کا موصوف اور عامل دونوں محذوف ہیں۔ اَیْ وَیُعْطِیْکُمْ نِعْمَۃً اُخْرٰی۔

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴﴾:

کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ اَیْ دِیْنِ اللّٰہِ، رَسُوْلِ اللّٰہِ۔

فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّہِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰہِرِیْنَ٥:

سوال یہ جہاد کا غلبہ تھا یا دلیل اور حجت کا غلبہ تھا؟!!

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جہاد کے ذریعہ سے غلبہ ہوا تھا۔

② دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ: اَدلہ، براہین اور حق کی وجہ سے غلبہ حاصل ہوا تھا۔

آیاتُها (۱۱) (۶۲) سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۱۰) رُکُوعَاتُها (۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: پہلی سورۃ میں آپ نے پڑھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ ۔۔۔ الآیۃ (1) اَب اِس سورۃ میں اُس نبی کی آمد کا ذکر ہے۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃ ہے، اُگلے رُکوع میں جمعہ کا ذکر ہے۔

هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲﴾:

اُمّی اِس لیے فرمایا کہ: عرب کے اکثر لوگ اَن پڑھ تھے۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ ۔۔۔ الآیۃ:

اِنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ ہے۔ اَیْ اِنَّهُمْ۔

وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳﴾:

"اور دوسرے وہ جو اُن سے نہیں ملے ہیں"۔ قیامت تک جو لوگ آئیں گے وہ اِس کے مصداق میں آتے ہیں۔

"بخاری، مسلم" وغیرہ میں روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر اِرشاد فرمایا کہ: اگر ایمان ثریا ستارے کے مقام پر جائے تو اِس کے خاندان میں ایسے اَفراد ہوں گے جو ہدایت قبول کریں گے۔ (2)

ایک روایت میں ہے کہ: اگر علم ثریا ستارے کے مقام پر جائے تو اِس کے خاندان میں ایسے لوگ ہوں گے کہ علم حاصل کریں گے۔ (3)

ایک روایت میں ہے کہ: اگر دین ثریا ستارے کے مقام پر جائے لیکن اِس کے خاندان میں ایسے لوگ ہوں گے کہ یہ دین حاصل کریں گے۔ (4)

اِس حدیث کے اَوّلین مصداق حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں کیوں کہ وہ فارسی النسب تھے، اِمام بخاری رحمہ اللہ بھی ہیں لیکن وہ بعد میں آئے ہیں اور اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے کے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵﴾:

ربط: اُوپر یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ۔۔۔ الآیۃ (5) یعنی کتاب کا ذکر تھا، آگے اُس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: مؤمنو! تمہارا معاملہ کتاب کے بارے میں وہ نہ ہو جو یہود کا تھا۔

كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ۔۔۔ الآیۃ:

اَسْفَار، سِفْرٌ کی جمع ہے بمعنی کتاب تو اَسْفَار کے معنی ہوئے کُتُب۔

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ ﴿۶﴾:

حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے "شوقِ وطن" میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ: ایک بوڑھا تھا، چھوٹے چھوٹے بچے اُسے کہتے تھے کہ: خدا آپ کو ختم کرے، وہ اُن کے لیے دُعا کرتا تھا۔ کسی نے کہا کہ: یہ تمہاری موت کی آرزو اور تمنا کرتے ہیں اور تم اِن کے لیے دُعا کرتے ہو یعنی جزاك اللہ کہتے ہو؟ اُس نے کہا کہ: اگر کوئی شخص کسی مسافر کو کہے کہ خدا تمہیں اپنے گھر پہنچا دے تو وہ دُعا کرے گا کہ نہیں؟ اُس سوال کرنے والے نے کہا کہ: ضرور کرے گا۔ تو اُس بوڑھے نے کہا کہ: مَیں اِس دُنیا میں مسافر ہوں، میرا اَصلی وطن آخرت ہے تو یہ میرے لیے دُعا کرتے ہیں۔

(1) (سُوْرَۃُ الصَّفّ، ۶) (2) (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: وآخرین منہم، ج ۲، ص ۷۲۷، طبع یادگار شیخ، کراچی) (3) (الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب فضل فارس، ج ۲، ص ۳۱۲، طبع یادگار شیخ، کراچی)
(4) (مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابہ رضی اللہ عنہم، مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، ج ۱۶، ص ۹۰، طبع مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت) (5) (سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃ، ۲)

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ـــ الآیۃ ﴿۸﴾:

اِشکال: حروفِ مشبہ بالفعل کی خبر پر فاء داخل نہیں ہوتا، فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ یہ خبر ہے تو یہ فاء کیسے آیا؟

جواب: اِس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: وَالْفَاءُ مَزِیْدَۃٌ ۔ یہ فاء زائد ہے۔

② دوسرے نحاۃ کہتے ہیں کہ: اسمِ اِنَّ اگر شرط کے معنیٰ کو متضمن ہو تو پھر خبر پر فاء آسکتا ہے اور یہاں ایسا ہی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ ـــ الآیۃ ﴿۹﴾:

مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ اَیْ فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ۔

ربط: اُوپر یہود کا ذکر تھا، آگے جمعہ کا ذکر ہے تو ربط کیا ہے؟ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہود پر تَعْظِیْمُ یَوْمِ السَّبْتِ لازم تھی، پس! یہود نے یَوْمُ السَّبْتِ کی تعظیم نہ کی تو عذاب آگیا تو اے مؤمنو! تم ایسا نہ کرو کہ: یہود کی طرح تم بھی جمعہ کے دن کی تعظیم نہ کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف ایک اَذان تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حکم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِجماع سے اُن کے عہد میں دوسری اَذان مقرر ہوئی اور جس طرح ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتوں کے پابند ہیں اِسی طرح نبی کے حکم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنّت کی بھی پابندی کرتے ہیں۔ کتاب التراویح میں "فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِیِّیْنَ الرَّاشِدِیْنَ" [1] والی حدیث ہماری دلیل ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ اَذان زائد ہوئی۔ آپ کو "نور الایضاح" سے "ہدایۃ" تک تمام فقہ کی کتابوں میں ملے گا: وَالْمُعْتَبَرُ هُوَ الْاَذَانُ الْاَوَّلُ۔ کوئی کام جس کا تعلّق جمعہ کی نماز سے نہ ہو مکروہِ تحریمی ہے۔ مثلاً خط لکھنا، پڑھنا، کھانا، پینا، سونا وغیرہ سب حرام ہے لیکن وضو کرنا، مسواک کرنا، کپڑے تبدیل کرنا، خوشبو لگانا اور خطابت کے لیے تیاری یہ جائز اُمور ہیں۔

"اَحکام القرآن لابی بکر بن العربی اور اَحکام القرآن للتھانوی" میں تصریح ہے کہ: جو نکاح پہلی اَذان کے بعد ہو تو وہ منعقد نہیں ہوتا۔

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ـــ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

اِبْتَغُوْا اَمر کا صیغہ ہے، جس طرح صَلٰوۃ کا حکم اَمر کے صیغہ سے دیا کہ: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ـــ الآیۃ [2]، زکوٰۃ کا حکم اَمر کے صیغہ سے دیا وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ـــ الآیۃ [3] ایسے ہی حلال کمائی کا حکم بھی اَمر کے صیغہ سے دیا ہے۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْۤا اِلَیْهَا وَتَرَکُوْكَ قَآئِمًا ـــ الآیۃ ﴿۱۱﴾:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: پہلے جمعہ کا خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا، ایک مرتبہ جمعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ اِرشاد فرما رہے تھے، اُسی وقت ایک تجارتی قافلہ باہر سے غلہ لے کر آپہنچا، اُس کے ساتھ اعلان کی غرض سے نقارہ بجتا تھا، پہلے سے شہر میں اَناج کی کمی تھی، لوگ دوڑے تاکہ اُس کو رُوکیں۔ شاید یہ خیال کیا ہوگا کہ: خطبہ کا حال عام وعظوں کی طرح ہے جس میں سے ضرورت کے لیے اُٹھ کر جا سکتے ہیں، نماز تو ہو چکی ہے، بہرحال خطبہ کا حکم معلوم نہ تھا، اکثر لوگ چلے گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ (۱۲) آدمی باقی رہ گئے۔ اِس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

علّامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ دو (۲) خطبے دو (۲) رکعتوں کے قائم مقام ہیں یعنی اِس میں بیع وغیرہ کرنا منع ہے لیکن فرق صرف یہ ہے کہ: اب نماز سے پہلے پڑھتے ہیں اور اُس زمانہ میں نماز کے بعد پڑھتے تھے۔

---

[1] (سنن ابی داود، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، ج ۲، ص ۲۹۰، طبع مکتبۃ الحسن، لاہور) [2][3] (سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ: ۴۳)

اٰیَاتُهَا (۱۱) (۶۳) سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِیَّۃٌ (۱۰۴) رُکُوْعَاتُهَا (۲)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ربط: پہلی سورۃ میں آپ نے پڑھا: هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ... الآیۃ [1] وہ رسول جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی جب وہ آئے تو مؤمنوں نے دل وجان سے اُن کو مانا، اب اِس سورۃ میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے اُس رسول کو زبان سے تو مانا مگر دل سے نہیں مانا۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقُوْن ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ... الآیۃ (۱):

شانِ نزول: اِس میں اِختلاف ہے کہ: یہ کس سن کا واقعہ ہے؟ اِمام نسائی رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ: یہ واقعہ غزوۂ تبوک کا ہے جو کہ ماہِ رجب سن ۹ھ میں واقع ہوا ہے۔ جب کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ: یہ واقعہ غزوۂ بنو المصطلق کا ہے، قرینہ قیاس سے بھی اِمام نسائی رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

واقعہ: سخت گرمی تھی، فصل پک گئی تھی، اِس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ منافقین بھی تھے جن میں عبداللہ بن اُبی بھی تھا، رات کو اُنہوں نے مشورہ کیا کہ: ہمیں کیا ہوا ہے؟ عرب کی سرزمین ہے، ہم یہ جنگ نہیں کر سکتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی واہی، تباہی باتیں کیں۔ ایک نوجوان صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ یہ سن رہے تھے، صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو بلایا، تو اُنہوں نے توبہ توبہ کر کے کہا کہ: ہم ایسا کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ ہمارے کہنے سے تو فرشتے بھی واقف نہیں یعنی یہ بات نہیں کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے اِرشاد فرمایا کہ: اِن پر اِتنی بڑی تہمت لگاتے ہو؟ وہ اِنتہائی پریشان ہوگئے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اِس پریشانی کے عالم میں مَیں اپنے خیمے سے سر بھی باہر نہیں نکال سکتا تھا، مَیں اِسی حالت میں بیٹھا تھا کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ آگئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلا رہے ہیں۔ مَیں نے خیال کیا کہ: کل تو غصہ ہوگئے تھے اور آج ماریں گے، مَیں کانپتے کانپتے گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کی اور اُن کی تکذیب کی ہے۔ یہ آیات اُس وقت نازل ہوئیں۔

فَائِدَہ: اِس واقعہ سے معلوم ہوا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر عالم الغیب اور حاضر وناظر ہوتے تو یہ بات کیوں پیش آتی؟

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ... الآیۃ (۳):

اٰمَنُوْا اَیْ اَظْهَرُوا الْاِیْمَانَ۔

كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ... الآیۃ (۴):

"وہ ایسے ہوگئے جیسے لکڑیاں ہوں کٹی ہوئی"۔ کٹی ہوئی لکڑی خود کھڑی نہیں ہو سکتی، کسی درخت یا دیوار کے سہارے کھڑی ہوتی ہے، اِس طرح یہ منافقین یہود کی باتوں پر عمل کرتے ہیں، اُن کے سہارے کھڑے ہوتے ہیں۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ ... الآیۃ (۶):

اَسْتَغْفَرْتَ اَصل میں ءَاِسْتَغْفَرْتَ تھا، ایک هَمْزَہ اِستفہام تھا اور دوسرا نفسِ کلمہ کا هَمْزَہ تھا، ایک هَمْزَہ گرا دیا۔

لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ... الآیۃ (۸):

عبداللہ بن اُبی نے اپنے آپ کو اَعَزّ کہا اور (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اَذَلّ کہا۔

---

[1] (سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃ، ۲)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ ۔۔۔ الآیۃ ⑨:

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ: منافقوں اپنے مال پر گھمنڈ کیا اور کہا کہ: لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ [1] مال خرچ نہ کرو، آگے فرماتے ہیں کہ: مومنو! تم اپنے مال پر گھمنڈ نہ کرنا۔

فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ⑩:

سوال اَصَّدَّقَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ میں لَا مزائد ہے اور لَوْ تمنی کے لیے ہے تو اَصَّدَّقَ جوابِ تمنی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

سوال اَكُنْ کے مجزوم ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب اَكُنْ جزاء ہے اس کی شرط محذوف ہے اور وہ یہ ہے: اِنْ اَخَّرْتَنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۔

---

[1] (سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقُوْن، ۷)

اٰیَاتُهَا (۱۸) (۶۴) سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۸) رُكُوْعَاتُهَا (۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ربط: ربط دو (۲) ہیں:

① پچھلی سورۃ میں ذکر تھا کہ: ایمان لاؤ اور موت سے پہلے خرچ کرو، اِس سورۃ میں یہ بتاتے ہیں کہ: اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو ایسا ہی حشر ہوگا جیسے مجرم قوموں کا ہوا کہ: دُنیا میں اللہ کا عذاب آیا اُس سے بھی نہ چھوٹ سکے اور آخرت کا عذاب تو اپنی جگہ ہے ہی۔

② پچھلی سورۃ میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔ الآیۃ ● سے ایمان کا ذکر تھا، اب ایمان کے لیے تین (۳) بنیادی چیزیں ہیں:

① توحید۔ ② رسالت۔ ③ قیامت۔

اِس سورۃ میں پہلے توحید کا ذکر ہے، پھر رسالت کا ذکر ہے، پھر قیامت کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ التَّغَابُن ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲﴾:

سوال کافر کو مؤمن پر مقدّم کیوں کیا؟

جواب کافر کو اِس لیے مقدّم کیا کیوں کہ بہ نسبت مسلمانوں کے کافر زیادہ ہیں۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵﴾:

یہاں سے رسالت کا ذکر ہے۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۶﴾:

"تفسیر السراج المنیر، بیضاوی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: لفظِ بَشَر جنس ہے اور واحد، تثنیہ، جمع سب کے لیے آتا ہے، اِس لیے يَهْدُوْنَنَا جمع کو اُس کی صفت بنایا ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۹﴾:

لفظِ تَغَابُن بابِ تَفَاعُل سے ہے، اِس میں ایک دوسرے پر غلبہ پانے کا مادّہ ہوتا ہے۔ تَغَابُن کے لفظی معنی ہیں: "ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا" اب اِس کے معنی کرتے ہیں: "سود و زیاں، نفع و نقصان"۔

سوال قیامت کے دن کو تَغَابُن یعنی نقصان کا دن کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب "تفسیر ابن کثیر، معالم التنزیل، درمنثور، خازن" وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: ہر آدمی کا ایک مقام جنّت میں ہے ایک جہنّم میں ہے، ایک بالفعل ہے اور ایک بالقوۃ ہے۔ اگر آدمی مؤمن ہے، اُس کی نیکیاں زیادہ ہیں تو وہ بالفعل جنّت میں جائے گا لیکن خدانخواستہ اگر وہ نیکیوں میں کمی کرتا تو اُس کا بالقوۃ مکان جہنّم میں ہوگا۔ اِسی طرح کافر کا بھی ایک بالفعل مکان دُوزخ ہے اور بالقوۃ جنّت ہے، اگر وہ کافر ایمان لاتا، نیک کام کرتا تو اُس کو جنّت میں وہ مکان مل جاتا۔ اب ہوگا یہ کہ: جب مؤمن جنّت میں جائے گا تو اپنا بالفعل جو مکان تھا وہ تو اُس کو ملے گا ہی اور کافر کا جو بالقوۃ مکان تھا وہ بھی مؤمن کو ملے گا، اِسی طرح جب کافر جہنّم میں جائے گا تو اپنا بالفعل جو مکان تھا وہ تو اُس کو ملے گا ہی اور مؤمن کا جو بالقوۃ مکان تھا وہ بھی اُس کافر کو ملے گا۔ لہٰذا اِس اِعتبار سے مؤمن نے کافر کو نقصان پہنچایا کہ: اُس کافر کا جنّت میں جو بالقوۃ مکان تھا وہ بھی لے لیا۔

● (سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ ۹)

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ ﴿١١﴾:

ربط: اُوپر ذکر تھا: فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا۔۔۔الآیۃ ❶ یعنی ایمان کا ذکر تھا، اب ایمان کے سلسلہ میں بڑی بڑی تکالیف آتی ہیں تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تمہارا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ تکالیف سب اللہ کی طرف سے آتی ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿١٤﴾:

ایمان سے رُوکنے والی چیزوں میں بعض بیویاں بھی ہیں اَولاد بھی ہیں، اِس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تمہاری بیویوں میں سے بعض اور اَولاد میں سے بعض تمہارے دُشمن ہیں"۔

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا۔۔۔الآیۃ:

بیویوں اور اولاد نے جو قَوْلًا وَفِعْلًا تمہارے ساتھ دُشمنی کی اور تم کو دینی یا دُنیاوی نقصان پہنچ گیا اُنہیں معاف کردو۔

وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿١٦﴾:

سوال لفظِ خَیْرًا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ خَیْرًا، یَکُنْ فعلِ محذوف کی خبر ہے اِس وجہ سے منصوب ہے۔ اَیْ وَاَنْفِقُوْا یَکُنْ خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ۔

---

❶ (سُورۃُ التَّغابُن ٨)

اٰیَاتُھَا (۱۲) (٦٥) سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِیَّةٌ (٩٩) رُکُوْعَاتُھَا (۲)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: ابھی آپ نے پڑھا: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ۔۔۔الآیۃ ❶ تمہاری بیویوں میں سے اور تمہاری اَولاد میں سے تمہارے دُشمن ہیں، بیویوں کی دُشمنی کبھی کبھی طلاق کی نوبت تک پہنچتی ہے تو اس سورۃ میں طلاق کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الطَّلَاقِ ہے۔

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ۔۔۔الآیۃ ❶:

جلالین تک میں آپ کو اِس کی دو (۲) تفسیریں ملیں گی:

① یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اَیْ قُلْ لَّھُمْ اِذَا طَلَّقْتُمْ۔

② یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اَیْ اُمَّتُہٗ۔

فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ۔۔۔الآیۃ:

لِعِدَّتِھِنَّ میں لَام وقت کے لیے ہے یعنی اِس طریقے سے طلاق دو کہ اُن کی عدّت پوری ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ: حیض میں طلاق مت دو۔

لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِھِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ۔۔۔الآیۃ:

"تفسیر کبیر" وغیرہ میں اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① کوئی کھلی بے حیائی کرے۔ مثلاً: بدکاری، سرقہ وغیرہ تو حد کے لیے باہر نکالو۔

② "تفسیر ابن جریر طبری" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: زبان درازی کرے اور ہر وقت جھگڑا و تکرار ہو تو نکالنا جائز ہے۔

لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا ○:

شریعت میں تین (۳) طلاقیں اکٹھی دینا پسندیدہ نہیں، ایک طہر میں ایک طلاق دے اور اُس طہر میں دے جس میں ہمبستری نہ ہوئی ہو۔ ایک طلاق کا اِس لیے حکم ہے کیوں کہ بعض دفع ایسا ہوتا ہے کہ: غلط فہمیاں ہوتی ہیں، بعد میں معلوم ہوتا ہے۔ اب اگر ایک طلاق دی ہوگی تو رجوع کا راستہ باقی ہوگا اگر تین (۳) طلاقیں ایک ساتھ دے دے گا تو رجوع کا راستہ باقی نہیں رہے گا۔ تو تین (۳) طلاقیں ایک ساتھ دینا بدعی ہیں، جس طرح حیض میں طلاق دینا بدعی ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حیض کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ "فیض الباری" میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب ابن تیمیہ رحمہ اللہ دلائل لاتے ہیں تو بارش برساتے ہیں لیکن جب پھسلتے ہیں تو چڑیا کی طرح آنکھیں بند کرتے ہیں۔ حالتِ حیض میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

سوال لَا تَدْرِیْ کا فاعل کیا ہے؟

جواب لَا تَدْرِیْ کا فاعل نَفْسٌ محذوف ہے۔

وَاَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ۔۔۔الآیۃ ❷:

طلاق اور رُجوع کے لیے گواہ مستحب ہے اور نکاح کے لیے رُکن ہے۔

---

❶ (سُوْرَةُ التَّغَابُن: ١٤)

وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۴﴾:

بڑھاپے کی وجہ سے جو حیض سے مایوس ہو گئیں تو اُن کی عدّت تین (۳) مہینہ ہے۔

وَالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ۔۔۔الآیۃ:

يَحِضْنَ فعلِ مضارع ہے، اِس پر جب لَمْ داخل ہو تو ماضی منفی کے معنی میں ہوتا ہے۔ تو معنی یہ ہے کہ "ابھی تک حیض نہ آیا ہو تو اُس کی عدّت تین (۳) مہینہ ہے۔

فَائِدَہ: اِس آیت سے معلوم ہوا کہ: چھوٹی بچیوں کا نکاح جائز ہے۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت چھ (۶) سال تھی اُس وقت وہ نابالغ تھیں۔

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔۔۔الآیۃ ﴿۶﴾:

سوال: جو عورت عدّت میں ہو اُس کے لیے نفقہ اور سکنی ہے یا نہیں؟

جواب: اِس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: نفقہ بھی ہے اور سکنی بھی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اگر حاملہ ہو تو نفقہ بھی ہے اور سکنی بھی ہے، اگر غیر حاملہ ہو تو صرف سکنی ہے، نفقہ نہیں ہے۔

"تفسیر روح المعانی، مدارک، مظہری" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اِس آیت سے غیر حاملہ کا نفقہ ساقط ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، اِس لیے کہ اگر حائضہ ہے تو تین (۳) حیض عدّت ہوگی، وہ تو تین (۳) مہینہ میں پوری ہو جاتی ہے۔ اِس آیت میں یہ بتا رہے ہیں کہ: تین (۳) مہینہ خرچہ کرنے سے لوگ نہیں گھبراتے بہ نسبت حمل کے، کیوں کہ حمل میں عدّت لمبی ہوتی ہے اِس لیے اِس حکم کو تاکید سے ذکر کیا۔

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔۔۔الآیۃ:

دوسرے پارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ: بیوی جب تک نکاح میں ہے بچے کو دُودھ پلائے تو اُجرت لینے کی مجاز نہیں ہے، اِس لیے کہ اُس کا نان نفقہ خاوند کے ذمہ ہے، لیکن! اگر اُس کو طلاق ہو جائے تو بچے کو دُودھ پلانے کے سلسلے میں کچھ اُجرت لینا چاہے تو لے سکتی ہے۔

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰىۗ:

"اگر تنگی کرو تم" یعنی جتنا مال وہ چاہتی ہے تم اُتنا نہیں دیتے تو تمہیں چاہیے کہ کوئی اور عورت تلاش کرو۔

سوال: لَهٗ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب: لَهٗ کی "ہٗ" ضمیر اَب کی طرف راجع ہے یعنی اُس بچے کے باپ کو چاہیے کہ: کوئی اور عورت تلاش کرے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ۔۔۔الآیۃ ﴿۸﴾:

ربط: اُوپر آپ نے اللہ تعالیٰ کے ضروری اَحکامات سن لیے، آگے فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے اَحکامات کی نافرمانی نہ کرو، پس! جنھوں نے نافرمانی کی اللہ نے اُن کو سخت سزا دی۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰﴾:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، اُولِي الْاَلْبَاب کا بیان ہے یعنی مؤمن عقل مند ہیں۔

رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۱﴾:

سوال: لفظِ رَسُوْلًا کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اِس میں نو، دس (۹، ۱۰) ترکیبیں ہیں:

① لفظِ رَسُوْلًا فعلِ محذوف کے لیے مفعول ہے۔ اَيْ اَرْسَلَ رَسُوْلًا، اَلْزِمُوْا رَسُوْلًا۔

② لفظِ رَسُوْلًا کا نَصب عَلَى الْاِغْرَاء ہے اَيْ اِتَّبِعُوْا رَسُوْلًا۔

③لفظِ رَسُوْلًا ، ذِكْرًا مصدر منون یعنی تنوین والے مصدر کی وجہ سے منصوب ہے۔
④لفظِ رَسُوْلًا ، ذِكْرًا سے بدل ہے اور لفظِ ذِكْرًا ، اَنْزَلَ کا مفعول ہے۔
اِشْكَال: لفظِ رَسُوْلًا ذات ہے اور لفظِ ذِكْرًا وصف ہے یہ ذات کا وصف پر حمل ہے جو کہ دُرست نہیں؟
جَوَاب: یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَیْ قَدْ اَنْزَلَ ذَا ذِكْرٍ رَسُوْلًا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲﴾:

سارے قرآن پاک میں زمینوں کے سات (۷) ہونے کے بارے میں صرف یہ آیت ہے۔
"تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، البحر المحیط، کبیر" وغیرہ وغیرہ تفسیروں میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: سات (۷) زمینیں ہیں، اُن میں بھی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے ہیں، پس! "اٰدَمُ مِثْلُ اٰدَمِكُمْ وَنُوْحٌ مِثْلُ نُوْحِكُمْ وَاِبْرَاهِيْمُ مِثْلُ اِبْرَاهِيْمِكُمْ وَعِيْسٰى كَعِيْسٰى"۔

جواب اِس کے متعلق بڑی تفصیل ہے ہم نے "بانی دار العلوم دیوبند" نامی کتاب میں اِس مسئلہ پر بسط سے بحث کی ہے، یہاں میں دو (۲) باتیں عرض کرتا ہوں:

①پہلی بات یہ ہے کہ: اِس حدیث کے بارے میں محدثین کا اِختلاف ہے، چناں چہ ایک طبقہ کہتا ہے کہ: یہ حدیث صحیح ہے اور دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ: صحیح نہیں ہے۔

②دوسری بات یہ ہے کہ: اِس حدیث کے ایک طرق میں "مُحَمَّدٌ كَمُحَمَّدِكُمْ" آیا ہے اِس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہیں، پھر ختمِ نبوت کا مسئلہ باقی نہیں رہتا۔

جَوَاب: اِس سلسلہ میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تَحْذِيْرُ النَّاس لِاَثَرِ ابْنِ عَبَّاس" میں لکھا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانی لحاظ سے بھی خَاتَمُ النَّبِيِّيْن ہیں لَا شَكَّ فِيْهِ۔ لیکن! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت مرتبی ہے یعنی تمام نبوت کے مراتب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔ پس! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرتبے کے اِعتبار سے خَاتَمُ النَّبِيِّيْن ہیں، اگر اور زمینوں میں کوئی اور شخصیت ثابت ہوجائے تو پھر بھی ختمِ نبوت پر زد نہیں پڑتی۔

آیاتُھا (۱۲) — (٦٦) سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۷) — رُکُوْعَاتُھا (۲)

بسم الله الرحمٰن الرحيم ٥

ربط: پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ۔۔۔الآية (۱) تمہاری بیویوں میں سے اور تمہاری اُولاد میں سے تمہارے دُشمن ہیں، بیویوں کی دُشمنی کبھی کبھی طلاق تک پہنچ جاتی ہے، اسی طرح اِن بیویوں کی دُشمنی اور لڑائی کبھی یہاں تک نوبت پہنچاتی ہے کہ: حلال کو حرام کرنا پڑتا ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ التَّحْرِيْم ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ۔۔۔الآية (۲):

اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اُوپر حرام کیا۔

② حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی۔ ③ شہد کو اپنے اُوپر حرام کیا۔

شانِ نزول: شہد اور بکری کا گوشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرغوب تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ: عصر کے بعد سب اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہاں تھوڑی دیر کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ ایک رُوز حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں کچھ دیر لگی، معلوم ہوا کہ: اُنہوں نے شہد پیش کیا تھا اُس کے نوش فرمانے میں دیر ہوئی، پھر کئی رُوز یہ معمول رہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے مل کر تدبیر کی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں شہد پینا چھوڑ دیں۔ اُنہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے یا میرے پاس آئیں تو کہیں گے کہ: **اَكَلْتَ الْمَغَافِيْرَ؟** آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے زیرک تھے جان گئے کہ شہد کھایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد چھوڑ دیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے اِرشاد فرمایا کہ: مَیں نے زینب کے ہاں شہد پیا تھا، مگر اب قسم کھاتا ہوں کہ پھر نہیں پیوں گا، نیز یہ خیال فرما کر کہ: زینب رضی اللہ عنہا کو اِس کی اِطلاع ہوگی تو خواہ مخواہ دل گیر ہوں گی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو منع کر دیا کہ اِس کی اِطلاع کسی کو نہ کرنا۔

اِسی طرح کا ایک قصہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق پیش آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی خاطر قسم کھالی کہ: ماریہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ جاؤں گا، یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کہی تھی اور تاکید کردی تھی کہ: دوسروں کے سامنے اِظہار نہ ہو۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اِن واقعات کی اطلاع چپکے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کردی اور یہ بھی کہہ دیا کہ: اور کسی سے نہ کہنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرما دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو جتلایا کہ: تم نے فلاں بات کی اِطلاع عائشہ کو کردی حال آں کہ مَیں نے منع کیا تھا؟!! وہ متعجب ہو کر کہنے لگیں کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کس نے کہا؟ شاید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف ذہن گیا ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: **نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ٥** اِنہی واقعات کے سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

مذکورہ واقعہ سے مستنبط عقائد: مذکورہ واقعہ سے چند بنیادی عقائد نکلے:

① آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی بیویوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہ سمجھا۔

② آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی بیویوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہ سمجھا۔

③ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی بیویوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اَحکامِ مشروعہ کا مفوض نہ سمجھا۔ شیعوں میں ایک فرقہ ہے مفوضہ اس کا نام ہے، کہتے ہیں کہ: اِمام اور پیغمبر اپنی طرف سے حلال و حرام قرار دے سکتے ہیں۔

---

(۱) (سُوْرَةُ التَّغَابُن، ۱۴) (۲) (سُوْرَةُ التَّحْرِيْم، ۱)

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ۔۔۔الآية ﴿٢﴾:

سوال نبی کریم ﷺ پر قسم وغیرہ کا کفارہ لازم تھا یا نہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ پر کفارہ لازم نہیں تھا کیوں کہ آپ ﷺ معصوم ومغفور تھے۔

② "فتح الباری، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: آپ ﷺ پر کفارہ لازم تھا، اِس موقع پر آپ ﷺ نے ایک غلام آزاد کیا تھا۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا۔۔۔الآية ﴿٣﴾:

عربی کا قاعدہ ہے کہ: لفظِ بَعْض جمع کی طرف مضاف ہو تو اُس سے ایک مُراد ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا۔

فَائِدَة: نبی کریم ﷺ کی مطلق بات پر بھی حدیث کا اِطلاق ہوتا ہے۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا۔۔۔الآية ﴿٤﴾:

سوال یہ شرط ہے اِس کی جزاء کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اِس کی جزاء محذوف ہے وہ تُقْبَلَا ہے۔ معنی ہیں: "اگر توبہ کرو تو تمہاری توبہ قبول ہوگی۔

② "جمل، کمالین" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا جزاء ہے۔ پس! تم توبہ کرو اللہ کی طرف، پس! تمہارے دل مائل ہوں توبہ کی طرف، اُن میں اِستعداد اور قابلیت ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔۔۔الآية:

سوال لفظِ اَللّٰه، اِنَّ کا اِسم ہے اِس لیے منصوب ہے اور وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ معطوف ہیں کیوں کہ وَاؤ عطف کا ہے، تو یہ دونوں مرفوع کیوں ہیں منصوب ہونے چاہیے تھے؟!!

جواب "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: اِن دونوں کا عطف لفظِ اللہ کے محل پر ہے لفظ پر نہیں ہے۔ پس! اگر اِنَّ نہ ہوتا تو لفظِ اَللّٰه مرفوع ہوتا۔

اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ﴿٥﴾:

سٰٓئِحٰت کے دو (۲) معنی ہے:

① روزہ رکھنے والی۔ ② ہجرت کرنے والی۔ ثَيِّبٰت کا مطلب ہے: بیوہ، مطلقہ وغیرہ۔

"وَاؤ ثَمَانِيَة" کی بحث: نحو میں ایک اِصطلاح ہے اُس کو "وَاؤ ثَمَانِيَة" کہتے ہیں۔ "روضۃ الریان فی اسئلۃ القرآن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: "وَاؤ ثَمَانِيَة" کا مفہوم یہ ہے کہ: سات (۷) جملے پہلے ہوں اُن پر وَاؤ نہ ہو اور آٹھویں (۸) جملے پر وَاؤ ہو اُس کو "وَاؤ ثَمَانِيَة" کہتے ہیں۔ اِسی طرح لفظِ ثَمَانِيَة ہو یا ایسا مفہوم ہو جس کی تعداد آٹھ (۸) ہو۔

قرآن میں "وَاؤ ثَمَانِيَة" کے مقامات:

① یہاں خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ۔۔۔الآية ❶ تک سات (۷) جملے ہیں اِن پر وَاؤ نہیں ہے اِس کے بعد آٹھویں (۸) نمبر پر اَبْكَارًا ہے اِس پر وَاؤ آیا ہے، یہ اِس لیے لائے کیوں کہ ثَيِّبَة اور بَاكِرَة دونوں کا جمع ہونا ممکن نہیں اِس لیے کہ ایک عورت ایک وقت میں ثَيِّبَه بھی ہو اور بَاكِرَه بھی ہو یہ ممکن نہیں۔

② گیارہویں پارے کے تیسرے رُکوع میں اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ۔۔۔الآية ❷ تک سات (۷) جملے ہیں اِن پر وَاؤ نہیں ہے اِس کے بعد آٹھویں (۸) نمبر پر وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔۔۔الآية ❷ اِس پر وَاؤ آیا ہے، یہ اِس لیے لائے کیوں کہ اَمر اور نہی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے یعنی ایک ہی چیز اَمر بھی ہو اور نہی بھی ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔

---

❶ (سُوْرَةُ التَّحْرِيْم، ٥) ❷❷ (سُوْرَةُ التَّوْبَة، ١١٢)

③سُوْرَۃُ الْکَھْف کے تیسرے رکوع کی آخری آیت میں ہے:سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ۔۔۔الآیۃ❶ اِس میں ثَلٰثَة اور رَابِع کے درمیان وَاؤ نہیں ہے۔وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ۔۔۔الآیۃ❷ اِس میں خَمْسَة اور سَادِس کے درمیان وَاؤ نہیں ہے۔وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ۔۔۔الآیۃ❸ اِس میں سَبْعَة اور ثَامِن کے درمیان وَاؤ آیا ہے۔یہ وَاؤ، ثَامِن کے لفظ پر آیا ہے۔

④سُوْرَۃُ الزُّمَر کے آخر میں آتا ہے کہ:وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا۔۔۔الآیۃ❹ یہاں لفظ فُتِحَتْ سے پہلے وَاؤ نہیں آیا ہے۔جب کہ اِس آیت کے بعد والی آیت چھوڑ کر اُس سے اگلی آیت میں ہے:وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا۔۔۔الآیۃ❺ یہاں لفظ فُتِحَتْ سے پہلے وَاؤ آیا ہے،اِس لیے کہ: جہنم کے سات (۷) دروازے ہیں اور جنّت کے آٹھ (۸) دروازے ہیں۔

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ۔۔۔الآیۃ ﴿۶﴾:

غِلَاظٌ،غِلَاظَةٌ کی جمع ہے۔معنی ہے:"تندخو"۔مطلب یہ ہے کہ:اُن فرشتوں کے دل سخت ہوں گے۔

شِدَادٌ،شَدِيْدٌ کی جمع ہے،معنی ہیں:"بڑے سخت"۔مطلب یہ ہے کہ:اُن فرشتوں کی کاروائی سخت ہوگی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔۔۔الآیۃ ﴿۸﴾:

ربط:اُوپر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی توبہ کا ذکر تھا،آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:مومنو!تم بھی اِخلاص کے ساتھ توبہ کرو۔

"مثنوی" میں لکھا ہے کہ:"نصوح ایک شخص کا نام تھا اُس نے ایک غلطی کی اور پھر توبہ کی"۔یہ بات صحیح نہیں ہے بل کہ نصوح سے مُراد "اِخلاص" ہے۔

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ۔۔۔الآیۃ:

سوال نُور سے کیا مُراد ہے؟

جواب نُور سے نورِ ہدایت مُراد ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔۔۔الآیۃ ﴿۹﴾:

ربط:اُوپر کفار اور منافقوں کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ اُن سے قیامت کے دن فرمائے گا کہ:عذر مت پیش کرو،آگے رب تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ:کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کریں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰﴾:

ربط:اُوپر ذکر تھا:يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔۔۔الآیۃ❻ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ سے بچانے کی کوشش کرو،آگے یہ بتاتے ہیں کہ:بچانے کا یہ معنی نہیں کہ تمہارے بس میں ہے بچانا،اگر بس میں ہوتا تو حضرت نوح علیہ السلام اپنی بیوی کو بچالیتے اور حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیوی کو بچالیتے۔

فَائِدَہ:حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام "واعلہ" تھا اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام "راحلہ" تھا۔

كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا۔۔۔الآیۃ:

سوال خیانت سے کون سی خیانت مُراد ہے؟

جواب خیانت سے نفس کی خیانت مُراد نہیں کیوں کہ نبی کے نکاح میں کوئی بدکار عورت نہیں رہتی۔اِس خیانت سے عقیدے کی خیانت مُراد ہے یعنی نبیوں نے اِیمان لایا اور یہ کفر پر ڈٹی رہیں۔

---

❶❷❸(سُوْرَۃُ الْکَھْف،۲۲) ❹(سُوْرَۃُ الزُّمَر،۷۱) ❺(سُوْرَۃُ الزُّمَر،۷۳) ❻(سُوْرَۃُ التَّحْرِیْم،۶)

فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ـــ الآیۃ ﴿۱۲﴾:

سوال فِيْهِ کی "ہٖ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب فِيْهِ کی "ہٖ" ضمیر فَرَج کی طرف راجع ہے جو کہ عربی میں مذکر ہے اِس لیے "ہٖ" ضمیر مذکر لائے۔

وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝:

سوال یہ قَانِتِيْن، مذکر کا صیغہ کیوں اِستعمال فرمایا، قَانِتٰت ہونا چاہیے تھا؟

جواب قَانِتِيْن تغلیباً فرمایا ہے کیوں کہ عورتوں کی بہ نسبت مَردوں میں تقویٰ زیادہ ہوتا ہے اِس لیے تغلیباً مذکر کا صیغہ اِستعمال فرمایا ہے۔

ایَاتُهَا (۳۰) (۶۷) سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ (۷۷) رُكُوْعَاتُهَا (۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: "تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ۔۔۔الآیۃ ❶ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تصدیق کرنے والوں کا ذکر تھا اور اُس سے پہلے كَاذِبِيْن کا ذکر تھا اور اِس سورۃ میں اُن دونوں کے بدلے کا ذکر ہے اور اُس سے پہلے توحید کا بیان ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْمُلْك ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ﴿۱﴾:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: قرآن شریف میں ایک سورۃ ہے، اُس کی تیس (۳۰) آیتیں ہیں، جو بھی اُس کو پڑھے وہ اپنے پڑھنے والے کی بخشش کا اُس وقت تک سوال کرتی رہتی ہے جب تک اُس کو بخش نہ دیا جائے اور وہ سُوْرَةُ الْمُلْك ہے۔❷

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۔۔۔الآیۃ ﴿۲﴾:

اِس میں اِختلاف ہے کہ موت وجودی ہے یا عدمی؟ اگر وجودی مان لیں تو خَلَقَ کا معنی پیدا کرنے کا صحیح ہے، اگر عدمی مان لیں تو خَلَقَ بمعنی قَدَّرَ ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۵﴾:

ربط: اُوپر آسمان کا ذکر تھا آگے بھی آسمان کا ذکر فرماتے ہیں۔

وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ۔۔۔الآیۃ:

رُجُوْمًا، رَجْمٌ کی جمع ہے، یہ مصدر مبنی للمفعول ہے مَرْجُوْمًا کے معنی میں ہے اَيْ مَا يُرْجَمُ۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۙ﴿۷﴾:

شَهِيْقًا کے معنی ہیں: "گدھے کی دوسری مدہم آواز جو کہ آخر میں ہوتی ہے"۔

تَفُوْر کے معنی ہیں: "جوش مارے گی"۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۸﴾:

تَمَيَّزُ اَصل میں تَتَمَيَّزُ تھا۔ معنی ہیں: "پھٹ جائے گی"۔

غَيْظٌ کے معنی ہیں: "غصہ"۔ پھر اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① اُس آگ میں کافروں کا اِتنا حصہ ہے کہ غصہ میں آکر وہ دُوزخ پھٹ پڑے گی۔

② اُس آگ میں اِتنی تپش وحرارت ہوگی جس کی وجہ سے وہ پھٹ جائے گی۔

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ○﴿۹﴾:

اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: یہ کفار کا مقولہ ہے۔ وہ پیغمبروں کو کہتے تھے کہ: تم کھلی گمراہی میں مبتلاء ہو ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے۔

❶ (سُوْرَةُ التَّحْرِيْم، ۱۲) ❷ (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی عدد الآیۃ، ج۱، ص۲۰۸، طبع مکتبۃ الحسن، لاہور)

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: پیغمبروں کا مقولہ ہے۔ پیغمبر جب آئے تو یہ کہا کہ: تم جو مَا نَزَّلَ اللہُ مِنْ شَیْءٍ کہتے ہو تو تم اِس میں گمراہی میں مبتلا ہو۔
③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: نہیں ہو تم اے کافرو! مگر کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

نَسْمَعُ اَیْ سَمَاعَ قُبُوْلٍ، سَمَاعَ اِنْتِفَاعٍ۔

مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ o:

"تفسیر عزیزی" اور "تفسیر حقانی" میں لکھا ہے کہ: دوزخ کے عذاب سے بچنے کے دو (۲) طریقے ہیں: ① تحقیق۔ ② تقلید۔
خود عقل کامل نہیں تو تقلید کریں اور اگر عقل کامل ہو تو اپنی تحقیق کریں اور اگر نہ تحقیق ہو اور نہ تقلید تو کس طرح جہنم سے چھٹکارا پائیں گے؟!!

فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ o ﴿۱۱﴾:

سُحق کے لفظی معنی ہیں: "دوری"۔

سوال لفظ سُحْقًا ترکیب میں کیا واقع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① لفظ سُحْقًا ترکیب میں مفعول بہ ہے۔ اَیْ فَاَلْزَمَهُمْ سُحْقًا۔ ② لفظ سُحْقًا ترکیب میں مفعول مطلق ہے۔ اَیْ فَسَحِقَ سُحْقًا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۲﴾:

ربط: اُوپر مجرمین کا ذکر تھا اُن کے مقابلے میں مؤمنین ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۵﴾:

ربط: اُوپر آسمانوں وغیرہ کا بیان تھا، آگے دوسری نعمتوں کا ذکر ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔

فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا ۔۔۔ الآیۃ:

مَنَاكِب، مَنْكِبٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "کندھا"۔ یہاں اِس سے مُراد زمین کے اَطراف ہیں۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۶﴾:

ربط: اُوپر نعمتوں کا ذکر تھا، آگے عذاب کا بیان ہے یعنی ترہیب ہے۔

فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ o:

نَذِيْرِ اَیْ كَيْفَ اِنْذَارِیْ۔

سوال لفظ نَذِيْر کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① لفظ نَذِيْر مصدر ہے۔ معنی ہیں: میرا ڈرانا کیسا ہے؟

② لفظ نَذِيْر صفت مشبہ ہے۔ كَيْفَ اِنْذَارُ نَذِيْرِیْ، کیسا ہوا میرے ڈرانے والوں کا ڈرانا۔

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ o ﴿۱۸﴾:

نَكِيْرِ اَیْ اِنْكَارِیْ عَلَيْهِمْ بِالْعُقُوْبَةِ۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۹﴾:

ربط: اُوپر آسمانوں اور زمینوں کا ذکر تھا، آگے جَوّ یعنی فضاء کا بیان ہے۔

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی۔۔۔الآیۃ ﴿۲۲﴾:

سوال: اِنسان سر پر کیسے چل سکتا ہے؟

جواب: وہ رب جو پاؤں پر چلاسکتا ہے، وہ سر پر بھی چلاسکتا ہے۔پس! سر پر چلنا علامت ہوگی کہ اِس نے دُنیا میں اُلٹے اَعمال کیے ہیں۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۴﴾:

ذَرَاَكُمْ کے دو(۲) معنی ہیں:

① بَثَّ کے معنی میں ہے یعنی بکھیرا۔

② خَلَقَ کے معنی میں ہے یعنی پیدا کیا۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً۔۔۔الآیۃ ﴿۲۷﴾:

زُلْفَةً کا معنی ہے: "قریب"۔

سوال: رَاَوْهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب: رَاَوْهُ کی "ہٗ" ضمیر هٰذَا الْوَعْدُ۔۔۔الآیۃ ❶ کی طرف راجع ہے۔

سوال: رَاَوْا ماضی کے معنی میں ہے یا مضارع کے معنی میں ہے؟

جواب: اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① رَاَوْا ماضی کے معنی میں ہے۔مطلب یہ ہے کہ: جب دیکھا کفار نے بدر کے موقع پر کہ وہ وعدہ بالکل قریب آچکا ہے تو اُن کے چہرے اُداس ہوگئے۔اِس طور پر کہ: ستّر (۷۰) مارے گئے، ستّر (۷۰) گرفتار ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔

② رَاَوْا مضارع کے معنی میں ہے۔مطلب یہ ہے کہ: جب دیکھیں گے اُس وعدے کو تو اُداس ہوجائیں گے چہرے کافروں کے۔

سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔۔۔الآیۃ:

لفظِ سِیْٓـَٔتْ، سَآءَ، یَسُوْءُ سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔

فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾:

اَجَارَ، یُجِیْرُ، اِجَارَةً سے ہے۔معنی ہے: "بچائے گا"۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ﴿۳۰﴾:

اگر رب اِس پانی کو گہرا کردے تو کون لائے گا جاری پانی؟!!

واقعہ: یہاں علامہ محلی رحمہ اللہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے، ایک جبار شخص تھا فرعون مزاج کا، اُس نے اِس آیت کے مقابلے میں کہا کہ: ہماری کلہاڑیاں، بیلچے، بیل وغیرہ ہمیں پانی لا کر دیں گے۔اللہ تعالیٰ نے اُس کی بینائی سلب کرلی۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْمُلْک،۲۵)

اٰیَاتُھَا (۵۲) (۶۸) سُوْرَۃُ الْقَلَمِ مَکِّیَّۃٌ (۲) رُکُوْعَاتُھَا (۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ: وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○❶، اب اُس نَذِیْر کے متعلق فرماتے ہیں کہ: جب آیا تو لوگوں نے اُسے مجنون کہا وغیرہ تو رب نے صفائی پیش کی کہ: وہ مجنون نہیں ہے۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْقَلَم ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ۔۔۔الآیۃ ﴿۱﴾:

"تفسیر خازن، معالم التنزیل، کبیر، عزیزی" وغیرہ میں اِس کی آپ کو تین (۳) تفسیریں ملیں گی:

① نٓ سے اللہ تعالیٰ کے اِن ناموں کی طرف اشارہ ہے: اَلنُّوْر، اَلنَّاصِرُ، اَلنَّصِیْرُ۔ ② نٓ سے دوات مُراد ہے اور قرینہ وَالْقَلَمْ ہے۔

③ نٓ سے مچھلی مُراد ہے۔ تفسیروں میں لکھا ہے کہ: ساتویں زمین کے نیچے ایک مچھلی ہے اُس کے پیٹھ پر اللہ تعالیٰ نے اِس زمین کو بنا رکھا ہے۔

وَمَا یَسْطُرُوْنَ ○:

"اور جو لکھتے ہیں اُن کی قَسم"۔

سوال لکھنے والوں سے کون مُراد ہیں؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① قلمِ تقدیر مُراد ہے۔ ② جو لوحِ محفوظ میں لکھا گیا ہے وہ مُراد ہے۔

③ قیامت تک لکھنے والے مؤرخ جو لکھیں گے وہ اِس بات کی گواہی ہے کہ: تو اپنے رب کی نعمت سے پاگل نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: تاریخ والوں نے لکھا ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ: آپ ﷺ کی تعریف جتنی اپنوں نے کی ہے اُس سے بڑھ کر غیروں نے کی ہے۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَیُدْهِنُوْنَ ○ ﴿۹﴾:

لَوْ حرفِ مصدریہ ہے بمعنی اَنْ۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ ○ ﴿۱۰﴾:

مکہ مکرمہ میں ایک مال دار شخص ولید بن مغیرہ تھا، وہ نہایت بدنام تھا، اُس کے تیرہ (۱۳) لڑکے تھے، جن میں سے تین (۳) مسلمان ہوئے: ① خالد بن ولید رضی اللہ عنہ۔ ② ولید بن ولید رضی اللہ عنہ۔ ③ ہشام بن ولید رضی اللہ عنہ۔ یہ تین (۳) مسلمان ہوئے، باقی دس (۱۰) مسلمان نہیں تھے۔ ہاتھی کی سونڈ کی طرح اُس کی ناک تھی لیکن مال دار تھا سب عیب مخفی تھے۔ یہ نبی ﷺ کے پاس آتا تھا اور کہتا تھا کہ: مَیں خیر خواہی کے طور پر کہتا ہوں کہ اپنی بات چھوڑ دو، لوگ آپ (ﷺ) کو تکلیف پہنچاتے ہیں حتّٰی کہ آپ (ﷺ) کے قتل تک کے منصوبے بناتے ہیں اور یہ ولید بن مغیرہ ہر بات پر قَسم اُٹھاتا تھا۔

مَهِیْن کا معنی ہے: "ذلیل"۔ اٹھارہ (۱۸) برس تک کوئی بھی باپ نہیں تھا پھر مغیرہ نے کہا کہ: یہ میرا بیٹا ہے۔

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِیْمٍ ○ ﴿۱۱﴾:

هَمَّاز لوگوں کو طعنہ دیتا ہے، کسی کو کہتا ہے کہ: تیری ماں ایسی، کسی کو کہتا ہے تیرے کان ایسے۔ لیکن خود مال دار ہے تو لوگ اُس کو کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اپنی ناک کو تو ذرا دیکھ؟!!

مَشَّآءٍ بِنَمِیْم کثرت سے چغلی کی باتوں کو لینے والا۔

❶ (سُوْرَۃُ الْمُلْك:۲۶)

مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝:

مَنَّاعٍ کا معنی ہے: "خیر سے دُور"۔

عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝:

عُتُلٍّ کا معنی ہیں: "سخت مزاج"۔

زَنِيْمٍ کا معنی ہے: "حرام زادہ" یعنی وَلَدُ الزِّنَا۔ تو معنی ہے: "بدنام"۔

امام مُبَرِّد رحمہ اللہ کی کتاب "کامل" میں لکھا ہے کہ زَنِيْم کہتے ہیں کہ: اَلدَّعِيُّ الْمُلْصَقُ بِالْقَوْمِ وَلَيْسَ مِنْهُمْ۔

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝:

اَنْ تعلیلیہ ہے۔

قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝:

لفظ اَسَاطِيْرُ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ اَیْ هِیَ اَسَاطِيْرُ۔

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝:

خُرْطُوْم اَصل میں خنزیر کی ناک کو کہتے ہیں اور ہاتھی کی سونڈ کو بھی کہتے ہیں۔ اُس کی ناک اتنی بدصورت تھی کہ ہاتھی کی سونڈ کی طرح تھی۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۔۔۔ الآیۃ ۝:

ربط: ایک مال دار کا واقعہ ابھی سُنا، آگے فرماتے ہیں کہ: ہم نے مشرکین کو بھی آزمایا۔

واقعہ: "تفسیر دُر منثور" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: یہ واقعہ حبشہ کا ہے اور ایک تفسیر میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ: یہ یمن میں پیش آیا تھا۔ ایک نیک شخص تھا، وہ فوت گیا، اُس نے لڑکوں کے لیے ترکہ میں میوے کا ایک باغ چھوڑا، اُس میں کھیتی بھی ہوتی ہوگی، سارا گھر اُس کی پیداوار سے آسودہ تھا، باپ کے زمانہ میں عادت یہ تھی کہ: جس دن میوہ توڑا جاتا تھا یا کھیتی کٹتی تھی تو شہر کے سب فقیر محتاج جمع ہوجاتے تھے، باپ سب کو تھوڑا بہت دے دیتا تھا، اُسی سے برکت ہوتی تھی۔ اُس کے اِنتقال کے بعد بیٹوں کو خیال ہوا کہ: فقیر جو اِتنا مال لے جاتے ہیں وہ اپنے ہی کام آئے تو خوب ہوگا، ہم ایسی تدبیر کریں کہ فقیروں کو کچھ دینا نہ پڑے اور ساری پیداوار گھر میں آجائے، محنت ہم کریں اور کھائیں یہ مفت خور اور مسکین۔ پھر آپس میں مشورہ کیا اور یہ رائے قائم کی کہ: صبح سویرے ہی پھل توڑ کر گھر لے آئیں گے، فقیر جائیں گے تو وہاں کچھ نہ پائیں گے اور اپنی اِس تدبیر پر ایسا یقین جمایا کہ اِنْ شَآءَ اللہ بھی نہ کہا، جب گئے تو باغ عذاب کی وجہ سے ہلاک ہوگیا تھا۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ: ہم راستہ بھول گئے ہیں اور کہیں اور نکل آئے ہیں۔ پھر جب غور کیا تو سمجھے کہ نہیں، جگہ تو وہی ہے مگر ہماری قسمت پھوٹ گئی ہے اور حق تعالیٰ کی درگاہ سے ہم محروم کیے گئے۔

وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝:

اور اِنْ شَآءَ اللہ بھی نہ کہا۔

فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۝:

كَالصَّرِيْمِ اَیْ كَالزَّرْعِ۔ پس! ہوگیا وہ باغ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝:

صَرَمَ، يَصْرِمُ کے معنی ہیں: "پھل اُتارنا، پھل توڑنا"۔

اَنْ لَّا یَدْخُلَنَّهَا الْیَوْمَ عَلَیْكُمْ مِّسْكِیْنٌ ﴿۲۴﴾:

اَنْ تعلیلیہ ہے۔ معنی ہیں: "تاکہ نہ داخل ہو آج کے دن تم پر کوئی مسکین"۔

وَّغَدَوْا عَلٰی حَرْدٍ قٰدِرِیْنَ ﴿۲۵﴾:

حَرْد کے معنی ہیں: "منع کرنا"۔ پس! ہو گئے وہ قادر مسکینوں کو منع کرنے پر بِزَعْمِهِمْ وَبِظَنِّهِمْ اپنے خیال اور گمان کے لحاظ سے۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۸﴾:

جو رائے میں اُفضل تھا اُس نے مشورہ کے وقت تنبیہ کی تھی کہ: اللہ تعالیٰ کو مت بھولو، یہ سب اُسی کا انعام ہے اور فقیر و محتاج کی خدمت سے دریغ نہ کرو۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾:

"پس! لگ پڑے ایک دوسرے کو ملامت کرنے"۔ انسانوں کا یہ مزاج ہے کہ: اگر ایک کام میں شریک ہوں اور وہ کام صحیح ہو جائے تو ہر ایک کہتا ہے کہ: یہ میری وجہ سے ہوا اور اگر بگڑ جائے تو کہتے ہیں کہ: یہ تیری وجہ سے بگڑ گیا۔

عَسٰی رَبُّنَآ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْهَآ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۳۲﴾:

آیا رب نے اُن کو دوسرا باغ دیا یا نہیں؟ اس کے بارے میں تفسیروں میں بہت کچھ لکھا ہے، میں دو (۲) باتیں عرض کرتا ہوں:

① اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: اُن کو دُنیا میں باغ نہیں ملا کیوں کہ قرآن میں یہ آیا ہے کہ: كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۔۔۔ الآیۃ [1]۔

② "تفسیر معالم التنزیل، کشاف" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اُنہوں نے سچے دل سے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایسا باغ دیا کہ ایک کھجور کے گچھے کو مشکل سے اُونٹ یا خچر اُٹھاتے تھے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۳۴﴾:

ربط: اُوپر مجرموں کا ذکر تھا کہ: دُنیا میں بھی سزا ہوگی اور قیامت میں بھی سزا ہوگی، پھر متقین کا بیان تھا، اب آگے دونوں فرقوں کا فرق بیان فرماتے ہیں۔

یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۲﴾:

"تفسیر ابن جریر طبری، رُوح المعانی، خازن، معالم التنزیل، ابن کثیر" وغیرہ میں خاصی بحث ہے، دو (۲) آسان باتیں عرض کرتا ہوں:

① ایک بات یہ ہے کہ: یہ كَشْفِ سَاق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کا وہ اِظہار کرے گا اور ہم اُس کی حقیقت نہیں جانتے جیسے اِسْتِوَآء عَلَی الْعَرش کی حقیقت نہیں جانتے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ: كَشْفِ سَاق شدّت سے کنایہ ہے۔ جیسے: ہم بھی جب دوڑتے ہیں تو پائنچے اُٹھاتے ہیں، پنڈلی ننگی کرتے ہیں شدّتِ دوڑ کی وجہ سے۔

وَیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۴۲﴾:

دُنیا میں جو مخلص تھے وہ اُس وقت سجدہ کریں گے اور کفار کی کمر جھک بھی نہیں سکے گی یعنی ریاکار سجدہ والے کی کمر تختہ سی ہو کر رہ جائے گی۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾:

کیا اُن کے پاس لوحِ محفوظ ہے وہاں سے خود دیکھ کر لکھ لیتے ہیں؟!!

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴۸﴾:

سوال مچھلی والے پیغمبر سے کون سے پیغمبر مُراد ہیں؟

جواب مچھلی والے پیغمبر سے حضرت یونس علیہ السلام مُراد ہیں۔

[1] (سُوْرَۃُ الْقَلَم: ۳۳)

اِذْ نَادٰی وَھُوَ مَکْظُوْمٌ ۝:

جب اُنہوں نے پکارا مچھلی کے پیٹ کے اَندر۔

مَکْظُوْم کا معنی ہے: "وہ گھٹ رہے تھے" کیوں کہ تنگ جگہ تھی اور ہوا بھی نہ تھی۔

فَاجْتَبٰہُ رَبُّہٗ ---الآیۃ ﴿۵۰﴾:

اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① اُس کو چنا اُس کے رب نے۔

② اُن کا رُتبہ اور زیادہ بڑھایا۔

وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِھِمْ ---الآیۃ ﴿۵۱﴾:

اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے اَیْ وَاِنَّہٗ، "ہٗ" ضمیر جو ہے وہ ضمیر شان ہے۔

"تفسیر روح المعانی، کبیر، ابو سعود" وغیرہ میں اِس آیت کے دو (۲) مطلب لکھے ہیں:

① قرآن سن کر غیظ و غضب میں بھر جاتے ہیں اور اِس قدر تیز نظروں سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف گھورتے ہیں جیسے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی جگہ سے ہٹا دیں گے، زبان سے بھی آوازیں کستے ہیں کہ یہ شخص تو مجنون ہو گیا ہے تا کہ اس سے اس کی دل شکنی ہو جائے، مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) برابر اپنے مسلک پر جمے رہے۔

② بعض نے اِس کا یہ مطلب لیا ہے کہ: کفار نے بعض لوگوں کو جو نظر لگانے میں مشہور تھے اِس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگائیں، چناں چہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے وہ آدمی آیا اور پوری قوت سے نظر لگانے کی کوشش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھا اور وہ ناکام و نامُراد واپس چلا گیا۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے: "اَلْعَیْنُ حَقٌّ" ❶

❶ (صحیح البخاری، کتاب الطب، باب العین حق، ج ۲، ص ۸۵۴، طبع یادگار شیخ، کراچی)

آیاتُها (۵۲) (۶۹) سُوْرَةُ الْحَاۗقَّةِ مَکِّيَّةٌ (۷۸) رُکُوْعَاتُها (۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

ربط: پچھلی سورۃ میں قیامت کا ذکر تھا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۔۔۔الآیۃ❶ اس سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْحَآقَّة ہے۔

اَلْحَآقَّةُ ۝ ❶:

اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① اَلسَّاعَةُ الْحَقِّ، حق ہونے والی گھڑی۔

② ثابت ہونے والی گھڑی۔

فائدہ حَآقَّة، قَارِعَة، قِیَامَة، اٰزِفَة یہ سب قیامت کے نام ہیں۔

مَا الْحَآقَّةُ ۝ ❷:

ترکیب: مَا مبتداء حَآقَّة خبر ہے، مبتداء خبر مل کر خبر ہوئی پہلے اَلْحَآقَّة کی جو کہ صفت ہے اَلْاُمُوْر کی۔

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝ ❺:

"تفسیر روح المعانی" میں اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: بِالطَّاغِيَةِ اَیْ بِالصَّیْحَةِ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک آواز نکالی اُس سے وہ ہلاک ہو گئے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: بِالطَّاغِيَةِ اَیْ بِالرَّجْفَةِ یعنی زلزلہ۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: طَاغِيَة سے سرکشی مراد ہے یعنی اُن کو سرکشی کے بدلے میں ہلاک کیا گیا۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ ❻:

عَاتِيَة کے معنی ہیں: عَتَتْ عَلَى الْخُزَّانِ۔ خُزَّان، خَازِن کی جمع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: اُس ہوا کو جو کنٹرول کرنے والے فرشتے تھے وہ ہوا اُن کے اِختیار سے نکل گئی تھی۔

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا ۔۔۔الآیۃ ❼:

حُسُوْمًا، حَاسِمٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "مسلسل"۔

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۔۔۔الآیۃ:

سوال فِیْهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① فِیْهَا کی "هَا" ضمیر رِیْح کی طرف راجع ہے۔ پس فِیْ تعلیلیہ ہے۔ اَیْ لِاَجْلِ الرِّیْحِ۔ معنی ہیں: "دیکھو گے تم قوم کو اُس ہوا کی وجہ سے بکھرا ہوا"۔

② فِیْهَا کی "هَا" ضمیر اُن جگہوں کی طرف راجع ہے۔ پس فِیْ ظرفیہ ہے۔ معنی ہیں: "دیکھو گے اُن کو اُن کے مواضع میں پچھاڑے ہوئے ہیں"۔

❶ (سُوْرَةُ الْقَلَم، ۳۹)

كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝:

اَعْجَاز، عِجُز کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "تنا"۔

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝ ﴿۸﴾:

یہاں مضاف محذوف ہے اور لفظِ بَاقِيَة میں تاء مبالغہ کی ہے۔ اَیْ نَفْسٍ بَاقِيَة، شَخْصٍ بَاقِيَة۔

وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝ ﴿۹﴾:

وہ بستیاں جو اُجڑ جانے والیں تھیں وہ ایسی کارروائیاں لے کر آئے جو خطا والی تھیں یعنی خطا لے کر آئے۔

فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ ﴿۱۰﴾:

علامہ محلی رحمہ اللہ معنی کرتے ہیں: رَابِيَةً اَیْ زَائِدَةً فِی الشِّدَّةِ عَلٰی غَیْرِهَا۔

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً ... الآیۃ ﴿۱۲﴾:

سوال لِنَجْعَلَهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لِنَجْعَلَهَا کی "هَا" ضمیر اَلْفَعْلَة کی طرف راجع ہے۔ معنی ہیں: "تاکہ اُس کارروائی کو یاد رکھے"۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: لِنَجْعَلَهَا کی "هَا" ضمیر جَارِيَة کی طرف راجع ہے۔

وَتَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝:

لفظِ وَاعِيَة جو ہے، وہ وَعٰی، يَعِی باب ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہے، معنی ہیں: "حفاظت کرنا"۔

وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝ ﴿۱۴﴾:

سوال لفظِ دُكَّتَا تثنیہ کیوں لائے؟

جواب لفظِ دُكَّتَا تثنیہ اِس لیے لائے ہیں کیوں کہ اَلْاَرْضُ شَیْءٌ وَاحِدٌ اور اَلْجِبَالُ شَیْءٌ وَاحِدٌ۔

فَهِیَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝ ﴿۱۶﴾:

لفظِ وَاهِيَة جو ہے وَهٰی، يَهِی باب ضَرَبَ، يَضْرِبُ سے ہے۔ معنی ہیں: "کمزور ہوگا"۔

وَالْمَلَكُ عَلٰی اَرْجَآئِهَا ... الآیۃ ﴿۱۷﴾:

"صراح" میں لکھا ہے کہ: اَرْجَاء، اَرْج کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "کنارے"۔

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝:

تمام تفسیروں میں ثَمٰنِيَة کے متعلق دو (۲) الفاظ ملیں گے: ① ثَمَانِيَةُ صُفُوْف۔ ② ثَمَانِيَةُ نُفُوْس۔

فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝ ﴿۱۹﴾:

هَآؤُمُ اِسمِ فعل بمعنی خُذُوْا هَا ہے۔

لفظِ كِتٰبِيَهْ یہ هَا سکتہ کی ہے یعنی اُس هَا کو کہتے ہیں جو حرفِ آخر کی حرکت محفوظ رکھنے کے لیے آتی ہو۔ یہاں یاء کی حرکت کو محفوظ رکھنے کے لیے هَا سکتے کی آئی ہے۔

فَهُوَ فِیْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ ﴿۲۱﴾:

رَاضِيَة بمعنی مَرْضِيَّة ہے یعنی اِسم فاعل بمعنی اِسم مفعول ہے۔

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝ ﴿۲۳﴾:

قُطُوْف، قِطْفٌ کی جمع ہے۔ وہ پھل جو پکا ہوا۔

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝ ﴿۲۷﴾:

سوال يٰلَيْتَهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① يٰلَيْتَهَا کی "هَا" ضمیر اَلْمَوْتَةُ الْأُوْلٰی کی طرف راجع ہے۔ معنیٰ ہیں: "کاش دُنیا کی موت فیصلہ کرتی"۔

② يٰلَيْتَهَا کی "هَا" ضمیر فحوائے کلام حالت سے متبادر ہے۔ معنیٰ ہیں: "کاش یہ حالت ہی فیصلہ کرتی"۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ ﴿۳۴﴾:

اِس میں اُصول والوں کا اِختلاف ہے کہ: کافر صرف اُصول کے مکلف ہیں یا اُصول وفروع دونوں کے مکلف ہیں؟ چناں چہ اِس میں اُصولیین کے دو(۲) طبقے ہیں:

① ایک طبقہ والے کہتے ہیں کہ: پہلے اُصول کے مکلف ہیں اور بعد میں فروع کے مکلف ہیں۔

دلیل: "بخاری شریف" کی روایت ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور اِرشاد فرمایا کہ: پہلے کلمہ کی دعوت دو اور جب وہ ایمان لائیں تو نماز، روزہ وغیرہ کی دعوت دو۔ ❶

② دوسرے طبقہ والے کہتے ہیں کہ: اُصول وفروع دونوں کے مکلف ہیں۔

دلیل: یہ آیت اِن حضرات کی دلیل ہے۔ اِس طور پر کہ: مسکین کو کھانا وغیرہ کھلانا یہ فروعات میں سے ہے اُصول میں سے نہیں ہے۔

وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝ ﴿۳۶﴾:

تمام تفسیروں میں آپ کو غِسْلِيْن کے دو(۲) معنیٰ ملیں گے:

① دوزخیوں کے زخم سے جو پیپ اور خون نکلتا ہے، اُس کو دھونے سے جو میلا پانی نکلتا ہے وہ غِسْلِيْن ہے۔

② غِسْلِيْن جہنّم میں ایک درخت ہے جس طرح زَقُّوْم ایک درخت ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ ﴿۳۸﴾:

ربط: پہلے قیامت کا اِثبات تھا کیوں کہ کفار قیامت کا اِنکار کرتے تھے، آگے قرآنِ پاک کی حقانیت کو ثابت کرتے ہیں کیوں کہ قرآن کی حقانیت سے بھی وہ لوگ انکار کرتے تھے۔ پس! جن چیزوں کا زوردار طریقے سے کفار نے اِنکار کیا رب نے بھی دلائل کے ساتھ اُن کا اِثبات کیا۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ﴿۴۰﴾:

سوال رَسُوْل سے کون مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:

① رَسُوْل سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مُراد ہیں۔

② رَسُوْل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مُراد ہیں۔

اِشکال: بہ ظاہر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ: یہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے یا حضرت جبرئیل علیہ السلام کا یہی تو کفار بھی کہتے تھے؟

جواب: تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ❷ سے اِس اشکال کا دفعیہ ہے یعنی قول کی اِسناد اُن کی طرف مجازی ہے، اِس طور پر کہ: اُن کی زبان پر جاری ہوا ہے، حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔

❶ (صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب ماجاء فی دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتہ الی التوحید، ج ۲، ص ۱۰۹۶، طبع یادگار شیخ، کراچی) ❷ (سُوْرَۃُ الْحَآقَّۃ ۴۳)

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ ﴿۴۴﴾:

لفظِ اَقَاوِیْل، اَقْوَال کی جمع ہے اور اَقْوَال، قَوْل کی جمع ہے۔ پس لفظِ اَقَاوِیْل جو ہے یہ جمع الجمع ہے۔

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ﴿۴۵﴾:

یَمِیْن کے دو (۲) معنی ہیں: ① قوت سے پکڑ کر۔

② ہم اُس کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے۔ "تفسیر کبیر" میں لکھا ہے کہ: جو مجرم ہوتا تھا اپنے بائیں ہاتھ سے جلاد اُس مجرم کے دائیں ہاتھ کو پکڑتا تھا اور پھر جلاد اپنے دائیں ہاتھ سے اُس کا سر کاٹتا تھا۔

آیت کا مطلب: مطلب یہ ہے کہ: اگر یہ نبی ہمارے ذمہ کوئی بات بنا کر لگاتا تو ہم اس کو قوت سے پکڑ کر رگِ جاں کاٹ دیتے۔

قادیانیوں کا غلط اِستدلال: معلوم ہوا کہ: جھوٹا نبی جو ہوتا ہے اُس کو رب نہیں چھوڑتا، اگر مرزا جھوٹا ہوتا تو اُس کو رب ضرور سزا دیتا، سزا نہیں دی تو مطلب یہ ہے کہ: وہ سچا ہے۔ (نَعُوْذُ بِاللہ)

جواب "عشرۂ کاملہ" ایک کتاب کا نام ہے، ایک نیک دل جج نے لکھی ہے، اُنہوں نے اُس کتاب میں بڑی مبسوط بحث کی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ: پہلے مرزا قادیانی حیلے کرتا تھا، تاویلیں کرتا تھا کہ: مَیں مسیح ہوں، مثیلِ مسیح ہوں، یہ ہوں، وہ ہوں، اُس نے کھل کر صاف لفظوں میں جو نبوّت کا دعوٰی کیا وہ لکھ بکھ ۱۹۰۲ء میں کیا اور ۱۹۰۸ء میں حیضہ کی بیماری میں مبتلاء ہو کر بیت الخلاء میں مَرا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ: نبی جہاں مَرتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے۔ تو اللہ نے اُس کو مصیبت میں ڈالا۔ اُس کے مَرنے پر لوگوں نے یہ باتیں کیں۔

مرزا ہوتا گر خدا کا نبی ٹٹی میں گر کر نہ مَرتا کبھی

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ ﴿۴۶﴾:

وَتِیْن کا معنی ہے: "رگِ جان، شہ رگ"۔ وہ رگ جو دماغ سے دل کو جاتی ہے، اس کو وَرِیْد بھی کہتے ہیں۔

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ ﴿۴۷﴾:

اِشکال: حٰجِزِیْن جمع ہے اور اَحَد کا لفظ مفرد ہے تو جمع کا مفرد سے کیا تعلق ہے؟

جوابُ: "تفسیر بیضاوی، کشاف، روح المعانی، جلالین" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: لفظِ اَحَد نکرہ ہے، لفظِ مِنْ بھی داخل ہے اور سیاقِ نفی میں واقع ہے، اِس میں تعمیم ہوتی ہے، تو اِس تعمیم کے پیشِ نظر حٰجِزِیْن جمع لائے ہیں۔

وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴿۵۰﴾:

سوال اِنَّهٗ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اِنَّهٗ کی "ہٗ" ضمیر تَکْذِیْب کی طرف راجع ہے۔

② اِنَّهٗ کی "ہٗ" ضمیر قُرْآن کی طرف راجع ہے۔

اٰیَاتُھَا (۴۴) (۷۰) سُوْرَۃُ الْمَعَارِجِ مَکِّیَّۃٌ (۷۹) رُکُوْعَاتُھَا (۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: پہلی سورۃ میں قیامت کا ذکر تھا، اِس سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْمَعَارِج ہے، تیسری آیت میں یہ لفظ آیا ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝۱:

سَئَلَ، یَسْئَلُ، بابِ فَتَحَ، یَفْتَحُ سے اگر سُوَالًا مصدر آجائے تو معنی ہیں: "پوچھنا" اور اگر مَسْئَلَۃً مصدر آجائے تو معنی ہیں: "مانگنا" یعنی مصدر کے اختلاف سے معنی بدلتا رہتا ہے۔ جیسے اگر تِلَاوَۃً مصدر ہو تو معنی ہے: "پڑھنا" اور اگر تِلُوًّا مصدر ہو تو معنی ہیں: "پیچھے جانا"۔

سوال سَائِل سے کون مُراد ہے؟

جواب سَائِل کے متعلق آپ کو مختلف نام ملیں گے۔ مثلاً: نضر بن حارث کا نام ملے گا، عقبہ بن ابی معیط کا نام ملے گا، ابوجہل کا نام ملے گا، عاص بن وائل کا نام ملے گا۔

مِنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ۝۳:

سوال مِنَ اللّٰہ یہ جار مجرور کس کے متعلق ہے؟

جواب یہ جار مجرور ماقبل میں وَاقِع کے متعلق ہے۔

مَعَارِج، مَعْرَجٌ یا مِعْرَجٌ کی جمع ہے۔ اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① ایک معنی ہے: "سیڑھیوں والا"۔ آسمانوں کو سیڑھیاں اِس لیے کہا کیوں کہ فرشتے آسمانوں میں ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر آتے جاتے ہیں۔

② دوسرا معنی ہے: "درجوں والا"۔ آسمانوں کو درجوں والا اِس لیے کہا کیوں کہ فرشتے اور مؤمنین کی رُوحیں تمام آسمانوں کو درجہ بہ درجہ طے کرکے اُس کی بارگاہ کے قریب تک چڑھتی ہیں۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ ۔۔۔ الآیۃ ۝۴:

سوال رُوْح سے کون مُراد ہیں؟

جواب رُوْح سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مُراد ہیں۔

یَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝۸:

مُهْل کے تین (۳) معنی ہیں:

① پگھلی ہوئی چاندی۔ ② پگھلا ہوا تانبا۔ ③ تیل جھٹ۔

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝۹:

عِهْن کا معنی ہے: "رنگ برنگی اُون"۔ اگر رنگ دار نہ ہو تو اُس کو صُوْف کہتے ہیں۔

سوال رنگ برنگی کیوں فرمایا؟

جواب رنگ برنگی اِس لیے فرمایا کیوں کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ: پہاڑوں میں بعض سفید، بعض سرخ اور بعض کالے ہیں۔

وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ـ ـ الآیۃ ﴿۱۰﴾:

لفظِ حَمِيْمٌ فاعل ہے، نکرہ ہے اور لفظِ حَمِيْمًا جو مفعول ہے وہ بھی نکرہ ہے اور لَا کے تحت داخل ہے۔ نکرہ سیاقِ نفی میں تعمیم کے لیے آتا ہے، اِس لیے يُبَصَّرُوْنَهُمْ جمع ہے۔ معنی ہیں: "وہ دُوست دُوستوں کو دکھلائے جائیں گے"۔

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ ـ ـ الآیۃ:

لَوْ حرفِ مصدریہ ہے بمعنی اَنْ۔

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ ﴿۱۴﴾:

مجرم اپنے لیے نجات پسند کرے گا یعنی یہ پسند کرے گا کہ سب کچھ فدیہ میں دے کر اپنے آپ کو نجات دلادے۔

كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى ۝ ﴿۱۵﴾:

لَظٰی کے معنی ہیں: "شعلہ"۔

سوال اِنَّهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① اِنَّهَا کی "هَا" ضمیر عَذَاب کی طرف راجع ہے جو کہ نَار کی شکل میں ہے۔

② صاحبِ کشاف کہتے ہیں کہ: اِنَّهَا کی "هَا" ضمیر مبہم ہے۔

③ اِنَّهَا کی "هَا" ضمیر قصہ کی طرف راجع ہے۔

نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ ﴿۱۶﴾:

شَوٰی، شَوَاةٌ کی جمع ہے۔ اِس کے دو (۲) معنی ہیں: ① چمڑا۔ ② اَعضاء۔

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۝ ﴿۱۷﴾:

وہ آگ بہ زبانِ قَال یا بہ زبانِ حَال کہے گی: مَنْ اَدْبَرَ عَنِ الْاِيْمَانِ وَتَوَلّٰى عَنِ الْعَمَلِ۔

وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۝ ﴿۱۸﴾:

فَاَوْعٰى اَيْ فَجَمَعَ یعنی برتن میں ڈالنا۔ مطلب یہ ہے کہ: پہلے بینک وغیرہ نہیں ہوتے تھے لوگ اپنے برتنوں میں سونا چاندی ڈال کر جمع کرتے تھے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ ﴿۱۹﴾:

هَلُوْع کا معنی ہے: "تھوڑے صبر والا، تنگ دل، بے قرار"۔

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ ﴿۲۲﴾:

اِس استثناء سے یہ بتا رہے ہیں کہ: "سارے اِنسان برے نہیں بل کہ کچھ مستثنٰی بھی ہیں"۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ عَنِ الْيَمِيْنِ ـ ـ الآیۃ ﴿۳۶﴾:

مُهْطِعِيْنَ اَيْ مُسْرِعِيْنَ۔

ربط: اُوپر مؤمنین کا ذکر تھا اب آگے کافرین کا ذکر ہے۔

سوال فَمَالِ کیا ہے؟

جواب فَمَالِ میں مَا اِستفہامیہ ہے اور لَام جارہ ہے، رسم الخط اِس طرح ہے۔ اِس کو مَال نہ سمجھنا جس کی جمع اَمْوَال آتی ہے۔

اِس آیت کے دو (۲) معنی ہیں:

① اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ یہ معنی کرتے ہیں کہ: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک سناتے تھے تو کوئی آگے اور کوئی دائیں طرف سے اور کوئی بائیں طرف سے آکر سنتا تھا تاکہ اُن کو کوئی اعتراض کی چیز ملے۔

② حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاتے تھے، جہاں کہیں کوئی مجمع ہوتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سناتے تھے تو وہ بھاگتے تھے۔

خُلَاصَۃ: جمہور "آنے" کا معنی کرتے ہیں اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ "بھاگنے" کا معنی کرتے ہیں۔ پس! دونوں معنی صحیح ہیں۔

وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝:

عِزِيْنَ، عِزَّةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "گروہ"۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝:

مَسْبُوْقِيْنَ کے معنی ہیں: "کچھ آگے جائیں"۔ لازمی معنی ہیں: "عاجز"۔

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا ... الآیۃ:

اَجْدَاث، جَدَث کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "قبر"۔

سِرَاعًا، سَرِيْعٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "تیز"۔

كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝:

نُصُب، نِصَابٌ کی جمع ہے۔ نِصَابٌ مصدر بمعنی مَنْصُوْبٌ ہے۔ معنی ہیں: "کھڑا کیا ہوا"۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ: اُن کے جو بت تھے جب وہ نظر آتے تو وہ تیزی سے اُن کی طرف دوڑتے تھے تاکہ ہمارا کام پہلے ہو جائے۔ تو یہ تشبیہ ہے کہ: جس طرح یہ لوگ اپنے بتوں کی طرف تیزی سے جاتے تھے تو جس دن صور پھونکا جائے گا تو وہاں بھی تیز آئیں گے۔

آیَاتُھَا (۲۸) (۷۱) سُوْرَۃُ نُوْحٍ مَکِّیَّۃٌ (۷۱) رُکُوْعَاتُھَا (۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ربط: اُوپر ذکر تھا: فَمَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا قِبَلَكَ مُھْطِعِیْنَ ○ ❶ کیا ہوا ہے اُن کافروں کو کہ بھاگتے ہیں؟ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: صرف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہیں بل کہ حضرت نوح علیہ السلام سے بھی بھاگتے تھے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پریشان نہ ہوں یہ کافروں کی عادت ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ نُوْح ہے۔

یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴﴾:

سوال لفظِ یَغْفِرْ کے مجزوم ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب لفظِ یَغْفِرْ ماقبل میں اَنِ اعْبُدُوا اللہَ ۔۔۔ الآیۃ ❷ جو امر ہے اُس کے لیے جوابِ اَمر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَھَارًا ○ ﴿۵﴾:

رَبِّ اَیْ یَارَبِّیْ۔

لفظِ لَیْل اور نَھَار دونوں نکرہ ہیں، نکرہ میں تعمیم ہوتی ہے تو اِس میں دعوت کی تعمیم ہے۔ اَیْ فِیْ کُلِّ لَیْلٍ وَّنَھَارٍ یعنی ہر رات دعوت دی، ہر دن دعوت دی۔

وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَھُمْ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۷﴾:

"اور لپیٹنے لگے اپنے اُوپر کپڑے"۔

سوال وہ لوگ اپنے اوپر کپڑے کیوں لپیٹتے تھے؟

جواب "تفسیر روح المعانی، کبیر" وغیرہ میں اِس کی دو (۲) وجوہات لکھی ہیں:

① میری شکل سے اِتنی نفرت ہے کہ جب مَیں بیان کرتا تو اپنے آپ کو لپیٹ لیتے ہیں تاکہ وہ میری اور مَیں اُن کی صورت نہ دیکھوں۔

② لوگ سردی کے موسم میں کمبل اُوڑھتے ہیں سردی سے بچاؤ کے لیے تو وہ کمبل اِس لیے اوڑھتے تھے تاکہ دین کی بات نہ سنیں۔

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُھُمْ جِھَارًا ○ ﴿۸﴾:

سمجھانے کے تین (۳) طریقے ہیں:

① آہستہ سے سمجھانا۔ ② کھلے طور پر دعوت دینا۔ ③ اعلان کرنا۔

مَا لَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا ○ ﴿۱۳﴾:

اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① "تفسیر روح المعانی، قرطبی، البحر المحیط، کمالین" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: لِلّٰہِ میں لَام بمعنی مِنْ ہے۔ لِلّٰہِ وَقَارًا اَیْ مِنَ اللہِ وَقَارًا۔ معنی ہیں: "تم اللہ سے اُس کی عظمت اور وقار کی اُمید کیوں نہیں رکھتے"۔ نحاۃ کوفیین کے نزدیک حروفِ جار مطلقًا ایک دوسرے کے معنی میں آتے ہیں پس یہاں لَام، مِنْ کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: مسلمان ہو جاؤ تو عزت ہوگی۔

② علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: تَرْجُوْنَ کا معنی تَعْتَقِدُوْنَ ہے۔ معنی ہیں: "تم اللہ کی عظمت اور وقار پر عقیدہ کیوں نہیں رکھتے؟"

وَقَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا ○ ﴿۱۴﴾:

اَطْوَارًا، طَوْر کی جمع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: پہلے نطفہ تھا، پھر خون، پھر گوشت ہوا۔ اِسی طرح کبھی بیماری، کبھی صحت وغیرہ۔

❶ (سُوْرَۃُ الْمَعَارِج ۳۶) ❷ (سُوْرَۃُ نُوح ۳)

اَلَمۡ تَرَوۡا کَیۡفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾:

اَلَمۡ تَرَوۡا اَیۡ اَلَمۡ تَعۡلَمُوۡا۔

وَجَعَلَ الۡقَمَرَ فِیۡہِنَّ نُوۡرًا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۶﴾:

فِیۡہِنَّ اَیۡ فِیۡ مَجۡمُوۡعِہِنَّ۔ اُن کے مجموعے میں کیوں کہ چاند تو ایک ہی سَمَاء میں ہے۔

وَجَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا ﴿﴾:

جیسے چراغ آپ اپنے کمرے میں لے جائیں تو اُس کا فائدہ وہاں ہوتا ہے اور اگر میدان میں لے جائیں تو اُس کا فائدہ وہاں بھی ہوتا ہے تو جس طرح چراغ سے فائدہ ہر مکان میں اُٹھایا جاسکتا ہے اسی طرح سورج سے بھی۔

وَاللّٰہُ اَنۡۢبَتَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾:

"اللہ نے تمھیں زمین سے اُگایا"۔ اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، اور باقی نسل اِنسانی حضرت آدم علیہ السلام سے چلی۔

② اِنسان بنتا ہے منی سے، منی بنتی ہے خون سے، خون بنتا ہے غذا سے، غذا بنتی ہے مٹی سے۔

لِتَسۡلُکُوۡا مِنۡہَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾:

سُبُلًا، سَبِیۡلٌ کی جمع ہے۔ معنیٰ ہیں: "راستے"۔

فِجَاجًا، فَجٌّ کی جمع ہے۔ معنیٰ ہیں: "کھلے"۔

قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ اِنَّہُمۡ عَصَوۡنِیۡ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:

ربط: اُوپر حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر تھا آگے یہ بتاتے ہیں کہ جب اُن کی قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کی بات کو نہ مانا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ: اے پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اُن سرداروں کی پیروی کی جو اپنی اَولاد اور مال کی وجہ سے نقصان میں رہے۔

وَمَکَرُوۡا مَکۡرًا کُبَّارًا ﴿۲۲﴾:

کُبَّارًا مبالغے کا صیغہ ہے۔ معنیٰ ہیں: "بہت بڑے"۔

وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۬ۙ وَّلَا یَغُوۡثَ وَیَعُوۡقَ وَنَسۡرًا ﴿۲۳﴾:

"بخاری شریف" کتاب التفسیر میں لکھا ہے کہ: وَدّ وغیرہ جو ہیں: اَسۡمَآءُ رِجَالٍ صَالِحِیۡنَ مِنۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ یعنی قومِ نوح کے نیک صالح آدمیوں کے نام ہیں، یہ پانچ (۵) تھے۔

"فتح الباری، تفسیر عزیزی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: وَدّ حضرت ادریس علیہ السلام کا لقب تھا اور باقی چار (۴) اُن کے بزرگ اور نیک لڑکے تھے، یہ جب دُنیا میں تھے تو دعوت دیتے تھے، جب فوت ہو گئے تو قوم اِنتہائی پریشان ہوئی کہ: اب رُوحانی خوراک اور رزق نہ ملے گا۔ ایک مرتبہ شیطان کسی نیک شخص کی صورت میں آیا اور پوچھا کہ: کیوں پریشان ہوں؟ اُنھوں نے ماجرا سنایا۔ اُس نے کہا: ہاں! یہ تو پریشانی کی بات ضرور ہے کیوں کہ رُوحانی رزق منقطع ہو گیا۔ اُس نے کہا: ایسا کرو کہ اُن کے مجسمے بناؤ اور یادگار کے طور پر رکھو۔ یہ نہیں کہا کہ: اِن کی عبادت کرو کیوں کہ پکے مسلمان تھے۔ اُنھوں نے یادگار کے طور پر مجسمے بنا کر رکھے، جب وہ فوت ہو گئے تو اُن کے چھوٹے آئے، اُنھوں نے اِس خیال سے کہ ہمارے بڑے اِن کی عبادت کیا کرتے تھے، اُن کی عبادت شروع کر دی۔

سوال اب یہاں "تفسیر عزیزی" میں لکھا ہے کہ: لَا تَذَرُنَّ کا معنیٰ ہے کہ: "اُن کو ہرگز نہ چھوڑ"۔ یَعُوۡقَ اور نَسۡرَ پر لَا داخل نہیں اور باقی وَدّ، سُوَاع، یَغُوۡث پر لَا ہے اِس کی کیا وجہ ہے؟

جواب "تفسیر عزیزی" میں لکھا ہے کہ: بہ قول اُن کے یہ پہلے تین (۳) پاور والے تھے اور باقی دو (۲) تابع تھے اِس لیے لَا داخل نہیں کیا۔

وَقَدْ أَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۔۔۔ الآية ﴿۲۴﴾:

سوال أَضَلُّوْا کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "تفسیر کبیر، عزیزی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: أَضَلُّوْا کی ضمیر اٰلِهَه کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: یہ معبودانِ باطلہ سبب بنے اُن کے اِضلال کا۔

② أَضَلُّوْا کی ضمیر مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ: اُنھوں نے اُن سرداروں کی پیروی کی جن کو اَولاد اور مال نے خسارے میں ڈال دیا ہے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۔۔۔ الآية ﴿۲۵﴾:

مِمَّا میں مَا زائد ہے، تاکید کے لیے ہے۔

عذابِ قبر و برزخ کا اِثبات: علّامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ: اِس آیت سے عذابِ قبر و برزخ ثابت ہوتا ہے کیوں کہ فَاُدْخِلُوْا میں حرف فَاء آیا ہے جو کہ تعقیب بلا مہلت کے لیے آتا ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ: غرق کیے جانے کے فوراً بعد وہ آگ میں داخل کیے گئے۔ اِسی کا نام عذابِ قبر ہے اِسی کا نام عذابِ برزخ ہے۔

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾:

ایک لفظی بحث ہے اور ایک معنوی بحث ہے۔

لفظی بحث: لفظِ دَيَّارًا کے تین (۳) معنی ہیں:

① "تفسیر کبیر" میں لکھا ہے کہ: دَيَّارًا بمعنی اَحَدًا ہے یعنی کسی کو نہ چھوڑ۔

② علّامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: دَيَّارًا کا معنی ہے دَاخِلُ دَارٍ، سَاكِنُ دَارٍ۔

③ دَارَ، يَدُوْرُ اَصل میں دَوَّار تھا اِعلال ہوگیا۔ معنی ہیں: "گردش کرنے والا"۔

معنوی بحث:

سوال یہ طوفان ساری زمین پر آیا تھا یا ایک خطے پر آیا تھا؟!!

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: ایک خطے پر آیا تھا۔

② جمہور فرماتے ہیں کہ: سارے زمین پر آیا تھا۔ وَالْحَقُّ مَعَهُمْ۔

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾:

مولوی محمد عمر کا غلط اِستدلال: یہاں سے مولوی محمد عمر نے اِستدلال کیا ہے کہ: وہابی کہتے ہیں کہ: پیغمبر پیٹ اور کل کی باتیں نہیں جانتے حال آں کہ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ ۔۔۔ الآية ❶ مضارع ہے اور لَا يَلِدُوْٓا ۔۔۔ الآية ❷ پیٹ کا علم ہے یہ اِستقبال کی بات اور پیٹ کی بات کی ہے۔ پس اوہابیوں کا یہ عقیدہ باطل ہے۔

جواب سُوْرَةُ هُوْد کے چوتھے رُکوع میں ہے کہ: وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ ۔۔۔ الآية ❸ حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کی گئی کہ: ہرگز ایمان نہ لائے گا تمہاری قوم میں سے مگر وہ جو ایمان لا چکے ہیں تو اِس وحی کے مطابق اُنھوں نے فرمایا کہ: اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ ۔۔۔ الآية ❹

---

❶❷❹ (سُوْرَةُ نُوْح: ۲۷)　❸ (سُوْرَةُ هُوْد: ۳۶)

آیَاتُھَا (۲۸) (۷۲) سُوْرَۃُ الْجِنِّ مَکِّیَّۃٌ (۴۰) رُکُوْعَاتُھَا (۲)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ربط: "تفسیر کبیر، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر تھا۔ اِس طور پر کہ: اُنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی بات نہیں مانی، حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تو تباہ ہوئے اور مَرنے کے بعد دوزخ میں داخل کیے گئے۔ انسان اَشْرَفُ الْمَخْلُوْقَات ہے، لیکن جب اِنسانیت کے تقاضے پر نہ چلے تو دُنیاوی عذاب میں بھی مبتلا ہوگا اور اُخروی عذاب میں بھی مبتلا ہوگا۔ اِس کے برعکس جنّات کم اِستعداد والے ہیں، لیکن جنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سنا، سننے کے بعد اِیمان لائے اور جا کر قوم کو تبلیغ کی، باوجود اِس کے کہ اُن میں قابلیت ناقص تھی لیکن خدا خوفی کا مادّہ تھا، جب کہ اِنسانوں نے لوگوں کو اِیمان لانے سے رُوکا۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْجِنّ ہے۔

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ۔۔۔ الآیۃ ①:

پہلے مَیں عرض کر چکا ہوں کہ: نصیبین کے مقام پر جنّات کا اِجتماع ہوا اور چند جن پانچ یا سات یا نو (۵ یا ۷ یا ۹) عرب کی سرزمین کی طرف بھیجے گئے۔ بطنِ نخلہ کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، جنّات آئے، قرآن سنا، سن کر ایمان لائے اور اپنی قوم کے پاس گئے، اُن کو دعوت دی۔ ایک درخت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بِاِذْنِ اللہ اِس کی اِطلاع کی۔ یہ واقعہ گزر رہا ہے۔

وَّاَنَّهُ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا۔۔۔ الآیۃ ③:

جَدّ کا معنی ہے: "شان" یعنی ہمارے رب کی شان، بہت اُونچی ہے۔

یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ ⑥:

اِن اِنسانوں نے جنّات کی سرکشی میں اِضافہ کیا۔ بعض مقامات ایسے ہیں جہاں جنّات کے ڈیرے ہوتے ہیں اور اِنسانوں کو چھیڑتے ہیں۔ اُن اِنسانوں نے نذرانے شروع کر دئیے اور جب کسی قافلہ کا گزر یا پڑاؤ کسی خوفناک وادی میں ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ: اے اُس حلقہ کے جنوں کے سردار! ہم کو پناہ دے، اِن باتوں سے جن اور مغرور ہو گئے۔ دوسری طرف اِس طرح کی شرکیات سے آدمیوں کے عصیان وطغیان میں بھی اِضافہ ہوا۔

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ۔۔۔ الآیۃ ⑦:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: یہ جنّات کا مقولہ ہے اور "هُمْ" ضمیر اِنسان کی طرف راجع ہے۔ معنی ہیں: "اور بے شک! اُن اِنسانوں نے خیال کیا جیسے تم خیال کرتے ہو اے جنّات کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نہیں کھڑا کرے گا مَرنے کے بعد"۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: یہ رب تعالیٰ کا مقولہ ہے۔ اے کفارِ مکہ! اے مشرکین! اُن جنّات نے بھی ایسا ہی خیال کیا جیسا تم نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نہیں کھڑا کرے گا مَرنے کے بعد"۔

اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝:

اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① اللہ تعالیٰ کسی کو نبی و رسول بنا کر نہیں بھیجے گا۔ ② اللہ تعالیٰ مَرنے کے بعد کسی کو نہ اُٹھائے گا یعنی بَعْثْ بَعْدَ الْمَوْت نہیں ہے۔

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ۔۔۔ الآیۃ ⑧:

لَمْس کے متعدد معانی آتے ہیں: ① چھونا، ہاتھ لگانا۔ ② قصد و اِرادہ کرنا۔

یہاں قصد و اِرادہ کے معنی مُراد ہیں۔ اَیْ قَصَدْنَا، اَرَدْنَا۔

فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا ۔۔۔الآیۃ:

حَرَس، حَارِسٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "چوکیدار، پہرہ دار"۔

وَاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۰﴾:

یعنی یہ جدید اِنتظامات اور سخت ناکہ بندیاں خدا جانے کس غرض سے عمل میں آئی ہیں؟ یہ تو ہم سمجھ چکے کہ: قرآنِ کریم کا نزول اور پیغمبرِ عربی کی بعثت اِس کا سبب بنی لیکن نتیجہ کیا ہونے والا ہے؟ آیا زمین والے قرآن کو مان کر راہِ راست پر آئیں گے اور اللہ اُن کی طرف الطاف خصوصی مبذول فرمائے گا یا یہی اِرادہ ٹھہر چکا ہے کہ: لوگ قرآنی ہدایات سے اِعراض کرنے کی پاداش میں تباہ و برباد کیے جائیں؟ اِس کا علم اُسی عَلَّامُ الْغُیُوْب کو ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾:

"ہم راستے ہیں پھٹے ہوئے جدا جدا"۔ طَرَائِق، طَرِیْق کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "راستے"۔

قِدَدًا، قِدَّۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "مُخْتَلِفَۃٌ یعنی" پھٹے ہوئے"۔

اِشکال: کَانَ کا اسم نَا ضمیر ہے جو کہ ذات ہے اور طَرَائِق خبر ہے جو کہ وصف ہے تو ذات پر وصف کا حمل کیسے ہوا؟ یعنی غیر ذوی العقول کا حمل ذوی العقول پر کیسے ہوا؟

جواب: اِس کے کئی جوابات ہیں، کشاف، بیضاوی، روح المعانی" وغیرہ میں دو (۲) آسان جواب ہیں:

① یہاں مضاف محذوف ہے: اَیْ کُنَّا ذَوِیْ طَرَآئِقَ قِدَدَ ۔ ہم مختلف پھٹے ہوئے راستوں والے ہیں۔

② یہاں فِیْ محذوف ہے: اَیْ کُنَّا فِیْ طَرَآئِقِ قِدَدًا ۔

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾:

سوال اِس کا عطف کس پر ہے؟

جواب یہ قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ ۔۔۔الآیۃ ❶ پر عطف ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ معنی کرتے ہیں: اور یہ حکم آیا کہ: "اگر لوگ سیدھے رہتے راہ پر تو ہم پلاتے اُن کو پانی بھر کر"۔

لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۷﴾:

سوال فِیْ کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① فِیْهِ کی "ہٗ" ضمیر مَآء کی طرف راجع ہے۔ اَیْ لِاَجْلِ الْمَآءِ اور فی تعلیلیہ ہے۔ معنی ہیں: "تاکہ ہم اُس کو آزمائیں اُس پانی کی وجہ سے کہ یہ خدا کا شکریہ ادا کرتے ہیں یا ناشکری کرتے ہیں۔

② فِیْ ظرفیہ ہے۔ معنی ہیں: "تاکہ اُس پانی میں ہم اُن کا اِمتحان لیں"۔

یَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿﴾:

صَعَد کے دو (۲) مطلب ہیں:

① ایک مطلب یہ ہے کہ: دن بہ دن عذاب بڑھایا جائے گا۔ ② دوسرا مطلب یہ ہے کہ: یہ ایک پہاڑی کا نام ہے اُس پر چڑھنے کا عذاب ہوگا۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۸﴾:

سوال اِس کا عطف کس پر ہے؟

جواب یہ قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ ۔۔۔الآیۃ ❶ پر عطف ہے۔ معنی ہیں: "اور یہ وحی آئی میرے پاس کہ: بے شک! مساجد اللہ کے لیے ہیں"۔

❶❶ (سُورَۃُ الجِن:۱)

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ ۔۔۔الآیۃ ﴿۱۹﴾:

اُوپر ذِکر تھا کہ: قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ ۔۔۔الآیۃ ❶ "تُو کہہ دے میری طرف وحی آئی ہے"۔ وہاں قُلْ سے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو خطاب تھا اب یہاں مخاطب سے غائب کی طرف التفات ہے۔ چناں چہ عَبْدُ اللّٰهِ سے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی مُراد ہے۔

كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ؕ:

لِبَدًا، لِبَدَۃٌ کی جمع ہے۔ زِین کے نیچے گھوڑے یا گدھے کی کمر پر جو موٹا کپڑا ہوتا ہے اُس کو لِبَد کہتے ہیں۔ پس لِبَدًا سے "ہجوم اور اِزدحام" مُراد ہے۔

سوال یہ ہجوم اور اِزدحام کب کی بات ہے؟

جواب اِس کے متعلق تین (۲) اَقوال ہیں:

① بطنِ نخلہ میں جب آپ ﷺ نے قرآن پڑھا تو جنّات نے ہجوم کیا۔

② اِمام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لِبَد کا لفظ اِس بات کا اِنکار کرتا ہے کیوں کہ وہ جنّات تو آٹھ یا نو (۸ یا ۹) تھے اور لِبَد کا معنی ہے: "ہجوم"۔ پس! اِس سے لَيْلَةُ الْجِنّ مُراد ہے۔

③ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِس سے اِنسانوں کا ہجوم مُراد ہے۔ جب آپ ﷺ دعوت دیتے تھے تو ہر طرف سے لوگ آتے تھے تا کہ اُن کو کوئی اِعتراض کی بات مل جائے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾:

ربط: اَبھی آپ نے پڑھا: وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ❷ مسجدیں اللہ کے لیے ہیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ پس! آپ ﷺ نے اُس کی دعوت دی، یہاں سے اُس دعوت کا ذکر ہے۔

قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۲﴾:

مِنَ اللّٰهِ اَیْ مِنْ بَأْسِ اللّٰهِ، مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔

وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ؕ:

لَحِدَ کا معنی ہے: "پھیرنا"، پس مُلْتَحَد کا معنی ہوا: "پھیرنے کی جگہ"۔

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۳﴾:

سوال یہ اِستثناء کس سے ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① جمہور کہتے ہیں کہ: یہ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ❸ سے اِستثناء ہے۔ معنی ہیں: "مَیں نہیں مالک تمہارے لیے ضرر کا، نہ نقصان کا، ہاں مگر یہ کہ مَیں اِختیار رکھتا ہوں کہ: اللہ کا حکم اور اُس کا پیغام پہنچاؤں"۔

② اِمام فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اِلَّا اَصل میں اِنْ لَا تھا، اِنْ شرطیہ ہے اور آگے لَا نافیہ ہے۔ اِس میں اِدغام ہوگیا۔ معنی ہیں: "اگر مَیں نہ پہنچاؤں رب کا حکم تو مَیں ہرگز کوئی جائے پناہ نہ پاسکوں گا اللہ کے سواء"۔

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ ۔۔۔الآیۃ ﴿۲۴﴾:

سوال حَتّٰٓى کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① حَتّٰٓى ابتدائیہ ہے یعنی یہ جملہ مستانفہ ہے۔

② حَتّٰٓى غایۃ ہے یعنی اُن کا یہ عصیان چلتا رہے گا یہاں تک کہ وہ دیکھ لیں اُس چیز کو جس کا وعدہ اُن سے کیا گیا ہے یعنی عذاب۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْجِنّ،۱) ❷ (سُوْرَۃُ الْجِنّ،۱۸) ❸ (سُوْرَۃُ الْجِنّ،۲۱)

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۔۔۔ الآية ۲۶ :

إِزَالَةُ الرَّيْب میں ہم نے بہ حوالہ بحث کی ہے کہ: اہلِ حق کا یہ دعوٰی ہے کہ: عالم الغیب صرف پروردگار ہے، اُس کے علاوہ کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔ عالم الغیب کے معنی ہیں: "زمین وآسمان کی ذات میں سے کوئی ذرہ اُس کے علم سے خارج نہ ہو"، ایسی ذات صرف پروردگار ہے۔ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالٰی نے أَنْبَاءُ الْغَيْب یعنی غیب کی خبریں بتائی ہیں۔ لیکن وہ خبریں ایسی نہیں کہ اُن میں ہر ہر ذرہ ہو، بے شمار چیزیں نہیں بتلائیں۔ مثلاً: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ ۔۔۔ الآية ❶ اِسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۔۔۔ الآية ❷ اِسی طرح یہ فرمایا: وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۔۔۔ الآية ❸ ایک جگہ فرمایا: مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔۔۔ الآية ❹ اِن سب آیات سے علمِ غیب کلی کی نفی ہوتی ہے۔

احمد رضا خان کا غلط اِستدلال: احمد رضا خان نے "خالص الاعتقاد" میں لکھا ہے اور یہ دعوٰی کیا ہے کہ: آپ ﷺ کو علمِ غیب کلی حاصل ہے۔
دلیل: یہ آیت ہے: اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۔۔۔ الآية ❺ "اللہ تعالٰی عالم الغیب ہے، اپنے علم پر کسی کو اِطلاع نہیں دیتا مگر جس رسول کو وہ پسند کرتا ہے"۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ: آپ ﷺ مُرْتَضٰى ہیں یعنی چنے ہوئے ہیں، پس! معلوم ہوا کہ: آپ ﷺ کو رب نے علمِ غیب دیا ہے۔

جواب اِس کے تین (۳) جوابات ہیں:

① علمِ غیب سے کیا مُراد ہے؟ اگر غیب کے جزئیات اور بعض الغیوب، اُمورِ غیبیہ وغیرہ مُراد ہیں تو اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ لیکن اگر علمِ غیب کلی مُراد ہو تو سُوْرَةُ الْجِنّ نزول کے اِعتبار سے چالیسویں (۴۰) نمبر پر ہے اور قرآن کی کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں۔ پس! اگر چالیسویں (۴۰) نمبر کی سورۃ سے آپ کی مُراد علمِ غیب کلی ہے تو پھر چوہتّر (۷۴) سورتیں جو غیب ہی کا حصہ ہیں وہ تو سُوْرَةُ الْجِنّ کے نزول کے بعد نازل ہوئیں۔ پھر تو یہ دعوٰی کرنا پڑے گا کہ: سُوْرَةُ الْجِنّ کے نزول کے بعد قرآن کی کوئی سورۃ نازل نہیں ہوئی حال آں کہ ایسا نہیں ہے۔ پس! آپ کا علمِ غیب کلی کا دعوٰی باطل ہے۔

② سُوْرَةُ الْجِنّ کے بعد جو سورتیں نازل ہوئی ہیں اُن میں علمِ غیب کی نفی کیوں ہے؟ مثلاً: سُوْرَةُ التَّوْبَة میں ہے: مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔۔۔ الآية ❻ اِسی طرح سُوْرَةُ النِّسَآء میں رسولوں کے بارے میں فرمایا: وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۔۔۔ الآية ❼ اِن سب سے تو علمِ غیب کلی کی نفی ہوتی ہے۔

③ اگر ہم آپ کا دعوٰی تسلیم کرلیں تو پھر اِن آیتوں کا تعارض کیسے رفع ہوگا؟!! اِس آیت سے ایک آیت پہلے اللہ تعالٰی نے فرمایا: قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۔۔۔ الآية ❽ "مَیں نہیں جانتا کیا قریب ہے وہ جس کا وعدہ تم سے کیا جارہا ہے" یعنی قیامت۔ پس! اگر اللہ تعالٰی نے آپ ﷺ کو سب غیب کا علم دے دیا ہے تو پھر یہ کیوں فرمایا کہ: مَیں قیامت کے بارے میں نہیں جانتا۔ پس! پہلے یہ فرمائیں کہ: مَیں نہیں جانتا اور آیت کے بعد یہ ہو کہ سب کچھ جانتے ہیں یہ قرآن کا مفہوم نہیں ہوسکتا۔

لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ ۔۔۔ الآية ۲۸ :

اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ اَيْ اَنَّهُمْ۔

وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ ۔۔۔ الآية :

قدرتاً اِحاطہ کیا ہوا ہے۔

وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۠ :

علماً اِحاطہ کیا ہوا ہے۔

---

❶ (سُوْرَةُ يٰسٓ، ۶۹) ❷ (سُوْرَةُ الْمُؤْمِن، ۷۸) ❸ ❼ (سُوْرَةُ النِّسَآء، ۱۶۴) ❹ ❻ (سُوْرَةُ التَّوْبَة، ۱۰۱) ❺ (سُوْرَةُ الْجِنّ، ۲۶) ❽ (سُوْرَةُ الْجِنّ، ۲۵)

اٰیَاتُھَا (۲۰) (۷۳) سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّلِ مَکِّیَّۃٌ (۳) رُکُوْعَاتُھَا (۲)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: پچھلی سورۃ میں تھا: قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ۔۔۔ الآیۃ ❶ میں اپنے رب کی طرف دعوت دیتا ہوں، رب کو پکارتا ہوں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھراتا، اِس سورۃ میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) رب کی طرف دعوت بھی دیں اور رب کی عبادت میں بھی مصروف رہیں کیوں کہ عبادت کا بھی دعوت میں بڑا دخل ہے، رات کو قیام کریں، قرآن پڑھیں، اِس سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تقویت ہوگی اور تبلیغ میں آسانی ہوگی۔ پس! معلوم ہوا کہ: نری دعوت کافی نہیں بل کہ عمل بھی چاہیے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّل ہے، مُزَّمِّل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ○ ❶:

لفظِ مُزَّمِّل اَصل میں مُتَزَمِّل تھا، تَاء کو زَاء کر کے زَاء کو زَاء میں اِدغام کیا گیا۔ معنی ہیں: "کمبل اُوڑھنے والا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت پریشان تھے کیوں کہ ذمہ داری بڑی تھی، کمبل اوڑھے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا کہ: اے کمبل اُوڑھنے والے۔

قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ○ ❷:

لفظِ لَیْل منصوب بنزع الخافض ہے۔ اَیْ قُمْ فِی اللَّیْلِ۔

"مسلم شریف، ابوداؤد شریف، نَسائی شریف" میں ہے کہ: جب یہ پہلا رُکوع نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قِیَامُ اللَّیْل فرض ہوا۔ ایک سال کے بعد یہ دوسرا رُکوع نازل ہوا تو وہ فرضیت منسوخ ہوئی۔ اب مستحب ہے ❷

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ○ ❺:

"بے شک! ہم تجھ پر بات ڈالیں گے بھاری"۔ قرآن پاک میں عقیدے ہیں، عمل ہیں، اَخلاق ہیں، اُن کا ماننا آسان تو نہیں ہے؟!! اِسی وجہ سے کفار نے سختی سے تردید کی۔ پس! قرآن پاک بھاری قول ہے۔

اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ○ ❻:

وَطْاً کے دو (۲) معنی ہیں:

① وَطْاً کا معنی ہے: "کچلنا"۔ قِیَامُ اللَّیْل سے نفس کچل جاتا ہے۔

② وَطْاً، مُوَاطَاط سے ہے، یہ کلی متواطی کی طرح ہے جو آپ نے پڑھی ہے۔ معنی ہیں: "بے شک! رات کا جاگنا زیادہ موافقت پیدا کرتا ہے دل اور زبان میں کیوں کہ شور و غل نہیں ہوتا تو موافقت زیادہ ہوتی ہے۔

اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ○ ❼:

سَبْحًا طَوِیْلًا کا معنی ہے: "شغل زیادہ ہے"۔

وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا ○ ❽:

مطلب یہ ہے کہ: "رب کے ساتھ تعلق بنالو"۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْجِنّ:۲۰) ❷ (صحیح لمسلم، کتاب الصلوۃ المسافرین وقصرھا، باب صلوۃ اللیل وعدد الرکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل، ج۱، ص۲۵۶، طبع یادگار شیخ، کراچی)

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ۔۔۔الآية ﴿١٠﴾:

یہ لوگ آپ کو مُفْتَرِی، شاعر، مجنون وغیرہ کہتے ہیں اس پر صبر کریں۔

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ٥:

"چھوڑ دیں اُن کو اچھے طریقے سے چھوڑنا" چھوڑنے کا یہ معنی ہے کہ: "اُن کی باتوں کا جواب نہ دیں، یہ مُراد نہیں ہے کہ: تبلیغ نہ کریں"۔

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّ جَحِيْمًا ٥ ﴿١٢﴾:

اَنْكَالًا، نِكْلٌ کی جمع ہے۔ ہاتھ میں ہو تو ہتھکڑیاں اور پاؤں میں ہو تو بیڑیاں کہلاتی ہیں۔

وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ۔۔۔الآية ﴿١٣﴾:

غُصَّة کے معنی ہیں: "حلق میں اٹک جائے نہ اُگل سکے نہ نگل سکے"۔

وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ٥ ﴿١٤﴾:

كَثِيْبًا کے معنی ہیں: "ریت کا ٹیلہ"۔

مَهِيْلًا کے معنی ہیں: "پھسلنے والا"۔ یہ پہاڑ اُس دن خود بہ خود پھسل جائیں گے۔

فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ٥ ﴿١٦﴾:

وَبِيْلًا اَیْ شَدِيْدًا۔ پکڑنا سخت پکڑنا۔

اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ٥ ﴿١٧﴾:

لفظِ يَوْمًا، تَتَّقُوْنَ کا مفعول ہے اور يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ اُس کی صفت ہے۔

شِيْب، اَشْيَب کی جمع ہے۔ اِس آیت کے دو (۲) مطلب ہیں:

① اُس دن کے طول کی وجہ سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔

② وہ دن اپنی ہولناکی کی وجہ سے بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔

مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ۔۔۔الآية ﴿١٨﴾:

بَاء بمعنی فِيْهِ ہے۔ بِهٖ اَیْ فِيْهِ۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ۔۔۔الآية ﴿٢٠﴾:

ربط: ابھی میں نے صحاح ستہ کی تین (۳) کتابوں کے حوالے سے عرض کیا کہ: پہلے رکوع کے ایک سال بعد یہ آیت نازل ہوئی اور قِيَامُ اللَّيْل کی فرضیت منسوخ ہوئی۔

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ۔۔۔الآية:

تم رات کی کبھی دو (۲) تہائیاں، کبھی نِصْف، کبھی ثُلُث، قیام کرتے ہو لیکن یہ ثُلُث وغیرہ تمہارے زَعم و گمان کے حساب سے ہے ورنہ رات کا صحیح اندازہ رب ہی جانتا ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔۔۔الآية:

اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① علمِ دین حاصل کرنے کے لیے سفر کریں۔

② تجارت کے لیے سفر کریں۔

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔۔۔ الآیۃ:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اِس مقام پر اور دیگر حضرات سُوْرَۃُ النَّمْل کے پہلے رکوع میں لکھتے ہیں کہ: اِبتداء میں زکوٰۃ کا کوئی مقرر نصاب نہ تھا نفسِ زکوٰۃ فرض تھی بس! جو مال زائد اَز ضرورت ہوتا تھا وہ دیتے تھے، جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے گئے تو حصہ مقرر ہوا کہ چالیسواں (۴۰) حصہ، دسواں (۱۰) حصہ وغیرہ اور سونے، چاندی وغیرہ کی مقدار مقرر کی گئی۔

مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا۔۔۔ الآیۃ:

اِشکال: هُوَ خَيْرًا میں هُوَ ضمیر فصل ہے، اِس کا قاعدہ یہ ہے کہ: دو (۲) معرفوں کے درمیان میں ضمیر فصل آتی ہے، یہاں لفظِ اللّٰہ عَلَم ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے لیکن لفظِ خَيْرًا نکرہ ہے، یہ تو خلافِ قاعدہ ہے؟

جواب: "جلالین" تک میں ملے گا کہ: لفظِ خَيْرًا اِسمِ تفضیل ہے، اِسمِ تفضیل جب لفظِ مِنْ کے ساتھ مستعمل ہو چاہے لفظاً ہو یا تقدیراً ہو تو اُس اِسمِ تفضیل پر اَلِف لَام داخل نہیں ہوتا جس طرح معرفہ پر داخل نہیں ہوتا، پس! اُس نکرہ کی تشبیہ معرفہ کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ تو یہاں مِنْ مقدر ہے۔ تقدیری عبارت ہے: هُوَ خَيْرًا مِمَّا خَلَفْتُمْ۔

آیاتُھا (۵۶) (۷۴) سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّرِ مَکِّیَّۃٌ (۴) رُکُوعَاتُھا (۲)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: پچھلی سورۃ میں آپ ﷺ کو فرمایا گیا کہ: آپ (ﷺ) عبادت کرتے رہیں اور رات کو قیام کریں، اِس سورۃ میں یہ فرمایا کہ: آپ (ﷺ) لوگوں کو تبلیغ کریں۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّر ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ○ ﴿۱﴾:

لفظ مُدَّثِّر اَصل میں مُتَدَثِّر تھا، تاء کو دال کر کے دال کو دال میں ادغام کر دیا۔

وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ ○ ﴿۴﴾:

سوال طہارۃ سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اِس سے حسی کپڑوں کی طہارۃ مُراد ہے۔ ② اَخلاق کے کپڑوں کی طہارۃ مُراد ہیں۔

وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ ○ ﴿۵﴾:

رُجْز کا معنی ہے: "گندگی"۔ اِس سے بت مُراد ہیں۔

سوال فَاھْجُرْ اَمر کا صیغہ ہے، اِنشاء ہے تو اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ: پہلے (مَعَاذَ اللہ) شرک کی گندگی میں تھے اَبھی چھوڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے؟

جواب تمام تفاسیر میں یہاں تک کہ "جلالین" میں بھی آپ کو ملے گا کہ: دُمْ عَلٰی ھَجْرِہٖ یعنی اُن بتوں سے بچنے پر مداومت اِختیار کرو۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ ○ ﴿۶﴾:

آپ ﷺ کو خطاب کر کے اُمّت کو سمجھایا جا رہا ہے کہ: زیادہ کی طمع نہ کرنا۔ اِس طور پر کہ: کسی پر اِحسان کرو اور پھر زیادہ کے طمع دار رہو۔

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ○ ﴿۸﴾:

"بجے گی بجنے والی"۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ○ ﴿۱۱﴾:

ربط: اُوپر کافروں کا ذکر تھا اب کافروں کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

سوال وَحِیْدًا سے کون مُراد ہے؟

جواب وَحِیْدًا سے خاص ولید بن مغیرہ مُراد ہے جس کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں، وہ اپنے باپ کا اَکلوتا بیٹا تھا اور دُنیاوی ثروت ولیاقت کے اِعتبار سے عرب میں یکتا سمجھا جاتا تھا، اُس کا واقعہ گذرا ہے۔

واقعہ: آپ ﷺ نے ولید بن مغیرہ کو دعوت دی، قرآن سنایا، متأثر ہو کر اُس نے کہا کہ: مَیں اپنی مجلس میں اِسلام کا اظہار کروں گا، آنحضرت ﷺ نے خیال کیا کہ: بہت اچھا ہے اور لوگ بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ جب ابوجہل کو پتہ چلا تو اُس نے سوچا کہ: اگر یہ اِیمان لے آیا تو اِسلام اور مضبوط ہو جائے گا تو اُس نے اِس کو اِسلام لانے سے منع کیا، غرض سب جمع ہوئے اور آپ ﷺ کے بارے میں گفتگو ہوئی، کسی نے کہا: شاعر ہے، کسی نے کہا کہ: کاہن ہے وغیرہ۔

ترکیب: اِس کی دو(۲) ترکیبیں ہیں:

① لفظِ وَحِیْدًا، خَلَقْتُ کی "تُ" ضمیر سے حال ہے۔ اَیْ خَلَقْتُ حَالَ کَوْنِیْ وَحِیْدًا۔

② لفظِ وَحِیْدًا حرفِ مَنْ جو کہ مفعول واقع ہے اُس سے حال ہے۔ مَیں نے پیدا کیا اُس کو حَالَ کَوْنِہٖ وَحِیْدًا جب پیدا ہوا تو اکیلا تھا۔

وَبَنِیْنَ شُهُوْدًا ۝:

شُهُوْد، شَاهِدٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "حاضر"۔

اِس کے دو(۲) مطلب ہیں:

① ایک مطلب یہ ہے کہ: بیٹے مال دار تھے، روزی کمانے کے لیے باہر نہ جاتے تھے۔

② دوسرا مطلب ہے کہ: وہ مال دار تھے اور ہر مجلس میں حاضر رہتے تھے۔

كَلَّا۔۔۔ الآیۃ ۝:

كَلَّا قرآن پاک میں تین(۳) معنوں میں اِستعمال ہوا ہے:

① حرفِ رَدع کے طور پر اِستعمال ہوا ہے۔

② حَقًّا کے معنی میں اِستعمال ہوا ہے۔

③ اَلَا کے معنی میں اِستعمال ہوا ہے یعنی خبردار۔

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝:

صَعُوْدًا کے دو(۲) مطلب ہیں:

① چڑھتا ہوا عذاب ہوگا۔ ② جہنّم میں جلتا ہوا ایک پہاڑ ہے اُس پر چڑھتا جائے گا۔

ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝:

عَبَس کا معنی ہے: "ترش رُوئی کا اِظہار کیا"۔ بَسَر کا معنی ہے: "بہت زیادہ منہ بگاڑا"۔

ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝:

اَدْبَرَ اَیْ عَنِ الْاِیْمَانِ، اِسْتَكْبَرَ اَیْ عَنِ الْحَقِّ۔ ایمان سے اعراض کیا اور حق ماننے سے تکبر کیا۔

لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ ۝:

لَا تُبْقِیْ کے دو(۲) معنی ہیں:

① لَا تُبْقِیْ جُزْءًا مِّنْ اَجْزَاءِ الْبَدَنِ۔ ② لَا تَتْرُكُ عُضْوًا مِّنْ اَعْضَاءِ الْمُجْرِمِ۔

لَا تَذَرُ کے معنی ہیں: وَلَا تَذَرُ فَرْدًا مِّنْ اَفْرَادِ الْمُجْرِمِیْنَ۔

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝:

"چمڑے کو جھلس دے گی"۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝:

ایک کافر تھا، اُسید بن کلدہ اُس کا نام تھا اور ابوالاشر اُس کی کنیت تھی، بڑا پہلوان تھا، اُونٹ کی کھال پر کھڑا ہوتا تھا تو ایک بڑی جماعت اُس کے قدموں کے نیچے سے وہ کھال نہیں کھینچ سکتی تھی۔ تو اُس نے کہا کہ: اُنیس(۱۹) میں سے سترہ(۱۷) تو میرے مقابلے میں چھوڑ دو اور باقی دو(۲) کا تم مقابلہ کر سکتے ہو کہ نہیں؟ یا اُس نے یہ کہا کہ: اِتنا بڑا جہنّم اور صرف اُنیس(۱۹) داروغے ہیں؟! یعنی اِتنے بڑے جہنّم کے لیے تو بہت زیادہ داروغے ہونے چاہئیں؟ اِس پر یہ آیت اُتری، یعنی وہ اُنیس(۱۹) تو ہیں مگر آدمی نہیں فرشتے ہیں۔

انیس(۱۹) کے عدد کی حکمتیں: اِس عدد کی مفسرین نے مختلف حکمتیں لکھی ہیں:

① **پہلی تفسیر** یہ ہے کہ: حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ "تفسیر عزیزی" میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے انیس(۱۹) حروف ہیں تو ہر حرف کے بدلے ایک ایک فرشتہ ہے تو انیس(۱۹) ہو گئے۔

② **دوسری تفسیر** یہ ہے کہ: حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ "تفسیر عزیزی" میں اِس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: دن رات کے چوبیس (۲۴) گھنٹے ہیں، اُس میں پانچ (۵) نمازیں ہیں، اگرچہ ہر نماز پر گھنٹہ تو صرف نہیں ہوتا لیکن ہر ایک نماز کے لیے ایک ایک گھنٹہ فرض کرو تو ۲۴-۵=۱۹ ہو گیا تو اِس طرح فرشتے بھی انیس(۱۹) ہوں گے۔

③ **تیسری تفسیر** یہ ہے کہ: جہنم کے سات (۷) دروازے ہیں، چھ (۶) دروازوں میں تین، تین (۳،۳) فرشتے ہوں گے اور ایک طبقہ میں صرف ایک فرشتہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ: تین (۳) ایسی باتیں ہیں جو مکلّفین سے مطلوب ہیں:

①تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ۔ ②اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ۔ ③عَمَلٌ بِالْاَرْکَانِ۔

یہ تین (۳) باتیں ہیں جو مکلّفین سے مطلوب ہیں۔ اُن چھ(۶) طبقوں میں وہ لوگ ہوں گے جو اِن تینوں سے اِنکار کرتے ہیں یعنی کفار ہوں گے اور ساتویں میں عُصَاۃُ الْمُؤْمِنِیْن ہوں گے جو تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ اور اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ تو کرتے ہیں لیکن عَمَلٌ بِالْاَرْکَانِ نہیں کرتے۔

④ **چوتھی تفسیر** یہ ہے کہ: حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ "بیان القرآن" میں لکھتے ہیں کہ: نو(۹) عقیدے ہیں، پھر پانچ (۵) کرنے کی اور پانچ (۵) نہ کرنے کی چیزیں ہیں۔ اِس طور پر کہ: اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔ یہ سات (۷) عقائد ہیں اور آٹھویں (۸) نمبر پر عقیدہ حدوثِ عالَم ہے یعنی جہاں کے فانی ہونے کا عقیدہ ہے، نواں(۹) دوامِ جنّت اور دوامِ جہنم کا ہے۔ اِس طرح یہ نو(۹) عقائد ہو گئے، پھر پانچ (۵) کرنے کی چیزیں ہیں جو کہ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ والی حدیث میں وارد ہوئی ہیں۔ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ❶ اور پانچ (۵) نہ کرنے کی چیزیں جو عورتوں کی بیعت میں گذری ہیں۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ۔۔۔ الآیۃ❷ تو سب چیزیں انیس(۱۹) ہوئیں تو ایک ایک کے مقابلے میں ایک ایک فرشتہ ہوگا۔

⑤ **پانچویں تفسیر** یہ ہے کہ: حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ "تفسیر عزیزی" میں اِس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: حساب دان کہتے ہیں کہ: عدد دو(۲) قسم کا ہوتا ہے: ① قلّت۔ ② کثرت۔

نو(۹) تک کا عدد قلّت کا ہے، دس(۱۰) اور دس(۱۰) سے زیادہ کا عدد کثرت کا ہے۔ ایک عدد قلّت کا لے لو نو(۹) اور دوسرا عدد کثرت کا لے لو دس(۱۰) تو ۹+۱۰=۱۹ ہو گیا۔ تو انیس(۱۹) فرشتے اِس واسطے ہوں گے کیوں کہ اِس میں قلّت اور کثرت دونوں گنتیاں آجاتی ہیں۔

⑥ **چھٹی تفسیر** یہ ہے کہ: اطباء کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو جو قوّتیں دی ہیں، پانچ (۵) حواس ظاہرہ ہیں اور پانچ (۵) حواسِ باطنہ ہیں اور نو(۹) طبعی حواس ہیں۔ تو ۹+۱۰=۱۹ ہو گیا۔

⑦ **ساتویں تفسیر** یہ ہے کہ: فقہاء فرماتے ہیں کہ: جیسے ہم باقی چیزوں کے بارے میں نہیں جانتے کہ: زمینیں کیوں سات (۷) ہیں؟ آسمان کیوں سات (۷) ہیں؟ نمازیں کیوں پانچ (۵) ہیں؟ مغرب کی فرض نماز کیوں تین (۳) رکعات ہیں؟ بس! ہم اِن کے صحیح ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اِن کو مانتے ہیں، اِن کی حقیقت ہم نہیں جانتے اِسی طرح اِن کی حکمتیں بھی ہم نہیں جانتے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝

ربط: اُوپر سَقَر کا ذکر تھا آگے اُس سَقَر کے بارے میں بڑی بڑی چیزوں پر اللہ تعالیٰ قسم اُٹھاتا ہے۔

❶ (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس، ج ۱، ص ۶، طبع یادگار شیخ، کراچی) ❷ (سورۃ الممتحنۃ ۱۲)

اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۝:

کُبَر جمع ہے کُبْرٰی کی اور کُبْرٰی جمع ہے کَبِیْر کی۔

سوال اِنَّهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِنَّهَا کی "هَا" ضمیر سَقَر کی طرف راجع ہے۔

فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝:

سوال يَتَسَآءَلُوْنَ بابِ تَفَاعُل سے ہے۔ اِس سے تو پتہ چلتا ہے کہ: ایک دوسرے سے سوال کرنا ہوگا اور آگے عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ● آیا ہے یہ تو یک طرفہ کاروائی ہے تو پھر یہاں بابِ تَفَاعُل کیسے آیا؟

جواب يَتَسَآءَلُوْنَ بابِ تَفَاعُل سے ہے لیکن مجرد کے معنی میں ہے۔ اَیْ يَسْئَلُوْنَ یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ: یہ اُن سے سوال کریں اور وہ اِن سے سوال کریں بل کہ صرف مجرمین سے سوال ہوگا۔

وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝:

"شغل کرتے ہیں ہم شغل کرنے والوں کے ساتھ" یعنی دین کے ساتھ اِستہزاء کرتے تھے۔

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝:

حُمُر، حِمَار کی جمع ہے۔ معنی ہے: "گدھا"۔

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝:

سوال قَسْوَرَة سے کیا مُراد ہے؟

جواب "تفسیر معالم التنزیل، کبیر، روح المعانی، جمل، کمالین، دُرِّ منثور" وغیرہ میں اِس کے متعلق مختلف اَقوال لکھے ہیں:

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: قَسْوَرَة "شیر" کو کہتے ہیں۔

② حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: قَسْوَرَة سے رُمَاة مُراد ہیں۔ رُمَاة، رَامِیْ کی جمع ہے معنی ہیں: "تیر انداز"۔ مطلب یہ ہے کہ: یہ کفارِ حق کا شور و غل اور شیرانِ خدا کی آوازیں سُن کر جنگلی گدھوں کی طرح بھاگ جاتے ہیں۔

③ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: قَسْوَرَة سے عُصْبَةٌ مِّنَ الرِّجَال مُراد ہیں۔ آدمیوں کی جماعت کو جب جنگلی گدھے دیکھتے ہیں تو ایسے بھاگتے ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کہاں گئے۔

وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۔۔۔ الآية ۝:

زمخشری پر عجیب قیامت برپا ہوتی ہے۔

اہلِ حق کہتے ہیں کہ: جو فعل اِنسان کرتا ہے اُس کا کاسب اِنسان خود ہے خالق نہیں ہے۔

دلیل: یہ آیت بھی اہلِ حق کی دلیل ہے، اِس طور پر کہ: اِس فعل میں یہ اِنسان منفرد نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اِس میں داخل ہے۔

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝:

اَهْلُ التَّقْوٰى اَیْ اَهْلُ اَنْ يُّتَّقٰى مِنْهُ۔

اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ اَیْ اَهْلُ اَنْ يُّسْتَغْفَرَ مِنْهُ۔

● (سُوْرَةُ الْمُدَّثِّر، ۴۱)

اٰیَاتُھَا (۴۰) | (۷۵) سُوْرَۃُ الْقِیٰمَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۳۱) | رُکُوْعَاتُھَا (۲)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؀

ربط: پچھلی سورۃ میں وَ کُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ؀ ❶ قیامت کا ذکر تھا، اب اِس سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْقِیٰمَۃِ ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ؀ ﴿۱﴾:

لَآ زائد ہے قسم کی تاکید کے لیے ہے۔

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ ؀ ﴿۲﴾:

قرآن کریم سے تین (۳) قسم کے نفس ثابت ہیں:

① نَفْسِ اَمَّارَۃ۔ وہ نفس جو بُرائیوں پر آمادہ کرتا ہے۔

② نَفْسِ لَوَّامَۃ۔ وہ نفس جو غلطی کرنے پر اپنے آپ کو ملامت کرے۔

③ نَفْسِ مُطْمَئِنَّۃ۔ وہ نفس جو نیکی کے کام سے مطمئن ہو۔

بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ؀ ﴿۴﴾:

بَنَان، بَنَانَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "سرِ انگشت، اُنگلیوں کے پورے"۔

بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَہٗ ؀ ﴿۵﴾:

اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یَفْجُرَ کا معنی یُکَذِّبَ ہے۔ اب معنی یہ ہیں کہ: انسان اِرادہ کرتا ہے کہ: آگے آنے والی چیز یعنی قیامت کو جھٹلا دے۔ اِس تفسیر کے مطابق اَمَامَہ کی "ۃ" ضمیر قیامت کی طرف راجع ہے۔

② "تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: آیت کے معنی ہیں: "اِنسان نافرمانی کرے اپنے رب کے سامنے"۔ اِسی نافرمانی کی باتوں میں سے قیامت کے بارے میں سوال کرنا بھی ہے۔ اِس تفسیر کے مطابق اَمَامَہ کی "ۃ" ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔

③ اِنسان اپنی آگے آنے والی زندگی میں نافرمانی کا اِرادہ کرتا ہے، کہتا ہے کہ: مَیں کل یہ کام کروں گا اور وہ کام گناہ کا ہوتا ہے۔ اِس تفسیر کے مطابق اَمَامَہ کی "ۃ" ضمیر اِنسان کی طرف راجع ہے۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ؀ ﴿۷﴾:

بَرِقَ کے معنی ہیں: "تحیر و دہشت، حیرانی و دہشت" یعنی جس وقت آنکھ دہشت زدہ ہو جائے گی۔

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ؀ ﴿۹﴾:

"کمالین، جمل" وغیرہ میں اِس کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا اور چاند بھی اُس طرف سے طلوع ہوگا تو اِس طرح دونوں جمع ہوں گے۔

② سورج اور چاند کو بے نوری میں جمع کر دیا جائے گا یعنی دونوں بے نور ہو جائیں گے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّر، ۴۶)

③ سورج اور چاند کو دوزخ میں جمع کر کے ڈالا جائے گا حال آں کہ اِن کا تو کوئی گناہ نہیں لیکن کفار کو حسرت دلانے کے لیے ایسا کیا جائے گا، اُن کو اِس طور پر حسرت دلائی جائے گی کہ تم نے اِن کی عبادت کی ہے یہ نہیں بچے تم تو ضرور نہیں بچو گے۔

یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰:

سوال فَرَّ، یَفِرُّ باب ضَرَبَ، یَضْرِبُ سے لفظ مَفَر کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لفظ مَفَر مصدر میمی ہے۔ معنی ہیں: "فرار ہونا"۔ ② لفظ مَفَر ظرف کا صیغہ ہے۔ معنی ہیں: "فرار ہونے کی جگہ"۔

اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲:

سوال لفظ مُسْتَقَر کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لفظ مُسْتَقَر مصدر میمی ہے۔ معنی ہیں: "ٹھکانا"۔ ② لفظ مُسْتَقَر ظرف کا صیغہ ہے۔ معنی ہیں: "ٹھکانے کی جگہ"۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۝۱۴:

لفظ بَصِیْرَة میں گول "ۃ" مبالغہ کے لیے ہے۔ معنی ہیں: "بڑی بصیرت والا ہوگا"۔

وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ۝۱۵:

مَعَاذِیْر، مَعْذِرَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "اگرچہ عذر بھی پیش کرے"۔ اِس طور پر کہ: وہ کبھی کہے گا: قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا۔۔۔ الآیۃ ❶ کبھی کہے گا: مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ۔۔۔ الآیۃ ❷ کبھی کہے گا: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ۝ ❸ یہ سب اَعذار انسان پیش کرے گا لیکن اِن اَعذار کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝۱۶:

اِس آیت کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① "تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ نے اِمام قفال رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے، اِمام قفال شافعی رحمہ اللہ بڑے محدث، فقیہ اور مفسر گذرے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: قیامت کے دن جب نامۂ اَعمال دیا جائے گا تو کہا جائے گا: اِقْرَاْ، تو انسان بڑی تیزی سے پڑھے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ: لَا تُحَرِّكْ بِالْقَوْلِ لِسَانَكَ۔

② اِبتداء میں جس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ کی طرف سے قرآن لاتے تھے تو اُن کے پڑھنے کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے جاتے تھے تاکہ جلد اُسے یاد کر لیں اور سیکھ لیں، مبادا!! جبرئیل علیہ السلام چلے جائیں اور وحی پوری طرح محفوظ نہ ہو سکے، مگر اِس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت مشقت ہوتی تھی، اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اُس وقت پڑھنے اور زبان ہلانے کی حاجت نہیں، ہمہ تن متوجہ ہو کر سُننا ہی چاہیے۔

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝۱۷:

سوال سوال یہ ہے کہ: اُوپر سے قیامت کا بیان ہے تو درمیان میں قرآن کو جمع کرنے کا ذکر آیا دونوں میں ربط کیا ہے؟

جواب ربط یہ ہے کہ: جو رب قیامت کے دن ہڈیوں کو جمع کرے گا اُس نے قرآن کو جمع کرنے کا بھی وعدہ کیا ہے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝۲۰:

یہاں پر كَلَّا بمعنی حَقًّا ہے۔

اَلْعَاجِلَةَ اَیِ الدَّارَ الْعَاجِلَةَ۔

❶ (سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن: ۱۰۶)　❷ (سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ: ۱۹)　❸ (سُوْرَۃُ الْاَنْعَام: ۲۳)

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝:

یہ نص قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔

اہلِ حق کہتے ہیں کہ: قیامت کے دن مؤمن کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ اِس آیت سے بھی ثابت ہے۔ حدیث متواتر ھَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ● حدیث سے ثابت ہے اور اُمتِ مسلمہ کا اِجماع و اتفاق ہے۔

یہاں زمخشری کو مصیبت پڑی کیوں کہ وہ رُؤیت کا قائل نہیں۔ وہ کہتا ہیں کہ: آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوگا۔

اِس آیت کی یہ تاویل کی ہے کہ: اِلٰی، اِلْوٌ کی جمع ہے اور نعمت کے معنی میں ہے یعنی رب کی نعمتوں کو دیکھیں گے۔

جواب اِس آیت کی تو تم نے تاویل کر لی لیکن حدیث متواتر ھَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ● اور اِجماعِ اُمت کا کیا کروگے؟!!

تَنْبِیْہ: یاد رکھنا!! ضروریاتِ دین میں کبھی بھی تاویل نہ کرنا، اَکابر کا دامن نہ چھوڑنا، دین جتنا وہ جانتے تھے اُتنا ہم نہیں جانتے ہیں۔

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ۝:

بَاسِرَةٌ کے معنی ہیں: "اُداس"۔

تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝:

ریڑھ کی ہڈی اُوپر سے نیچے جاتی ہے، ہر ایک ذرے کو فِقْرَةٌ کہتے ہیں، تمام کو فِقَارُ الظَّهْر کہتے ہیں۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝:

تَرَاقِيَ، تَرْقُوَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "ہنسلی کی ہڈی"۔

سوال بَلَغَتْ مؤنث کا صیغہ کیوں لائے؟

جواب بَلَغَتْ مؤنث کا صیغہ اِس لیے لائے کیوں کہ لفظِ رُوح مؤنث ہے۔

وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝:

رَاق اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ معنی ہیں: "دم کرنے والا"۔

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ٍۨ الْمَسَاقُ ۝:

سوال لفظِ مَسَاق کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لفظِ مَسَاق مصدر میمی ہے۔ معنی ہیں: "اُس دن تیرے رب کی طرف چلنا ہے"۔

② لفظِ مَسَاق ظرف کا صیغہ ہے۔ معنی ہیں: "اُس دن تیرے رب کی طرف چلنے کی جگہ ہے"۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝:

صَدَّقَ کے اَندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے کس طرف راجع ہے؟

جواب صَدَّقَ کے اَندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ اِنسان کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: نہ تو اِس اِنسان نے حق کی تصدیق کی اور نماز بھی نہیں پڑھی یعنی نہ عقیدہ دُرست کیا، نہ عمل کیا۔

وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝:

اَیْ كَذَّبَ الْاِيْمَانَ وَتَوَلّٰى عَنِ الْعَمَلِ۔

● (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب فضل السجود، ج۱، ص۱۱۱، طبع یادگار شیخ، کراچی)
● (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب فضل السجود، ج۱، ص۱۱۱، طبع یادگار شیخ، کراچی)

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰىۙ:

اَوْلٰی کا معنی ہے: "بربادی، خرابی، ہلاکت"۔

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰىۙ:

سوال كَانَ کے اَندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے کس طرف راجع ہے؟

جواب كَانَ کے اَندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ منی کی طرف راجع ہے۔

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰىؕ:

سوال مِنْهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب مِنْهُ کی "ہٗ" ضمیر منی کی طرف راجع ہے۔

رُکُوعَاتُهَا (۲) (۷۶) سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ (۹۸) اٰيَاتُهَا (۳۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: "تفسیر ابو سعود، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں تھا کہ: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ○ (۱) کیا اِنسان یہ خیال کرتا ہے کہ: اُس کو مہمل چھوڑ دیا جائے گا، اُس پر کوئی تکلیفی زندگی نہیں آئے گی؟!!! اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِمتحانات نہیں آئیں گے؟!! عبادات نہیں ہوں گی؟!!! اِطاعات نہیں ہوں گی؟!!! اب اِس سورۃ میں فرماتے ہیں: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ○ (۲) یعنی اِنسان کو ہم نے مہمل اور بے کار نہیں چھوڑا، اُس کے ذمہ کام ہیں۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الدَّهر ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ ۔۔۔ الآية (۱):

هَلْ بمعنی قَدْ ہے۔ "تفسیر کبیر" میں لکھا ہے کہ: اِس پر مفسرین کا اِجماع ہے کہ: یہاں پر اور آگے سُوْرَةُ الْغَاشِيَة میں بھی هَلْ بمعنی قَدْ ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۔۔۔ الآية (۲):

اَمْشَاج، مَشِيْجٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "مخلوط، ملا ہوا، ملایا ہوا"۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ ۔۔۔ الآية (۵):

اَبْرَار، بَرٌّ یا بَارٌّ کی جمع ہے۔

كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ○:

یہ کافور کیا ہے؟ تو اَگلی آیت میں فرمایا: عَيْنًا ۔۔۔ الآية (۳) ایک چشمہ ہے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ○ (۸):

اِنسانوں میں یتیم وہ ہے جس کا باپ نہ ہو، حیوانوں میں وہ ہے جس کی ماں نہ ہو اور اِن دونوں کے علاوہ یتیم وہ ہے جس کی مثال نہ ہو۔ جیسے: دُرَّةٌ يَتِيْمَةٌ۔
اِمام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: قیدی عام ہے مسلم ہو یا کافر اُس کو کھلانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بدر کے قیدیوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ: جس مسلمان کے پاس کوئی قیدی رہے اُس کے ساتھ اَچھا برتاؤ کرے، چناں چہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اِس حکم کی تعمیل میں قیدیوں کو اپنے سے بہتر کھانا کھلاتے تھے حال آں کہ وہ قیدی مسلمان نہ تھے۔

سوال حُبِّهٖ کی "ہ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① حُبِّهٖ کی "ہ" ضمیر اُوپر عِبَادُ اللّٰهِ ۔۔۔ الآية (۳) آیت میں جو لفظِ اللّٰه مضاف الیہ ہے اُس کی طرف راجع ہے۔

② حُبِّهٖ کی "ہ" ضمیر طعام کی طرف راجع ہے۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ○ (۱۰):

دن کو آدمی کے ساتھ تشبیہ دی یعنی چہرہ ترش رو ہوگا، آدمی جب پریشان ہوتا ہے تو چہرہ اُداس ہی نظر آتا ہے۔

---

(۱) (سُوْرَةُ الْقِيٰمَة ۳۶) (۲) (سُوْرَةُ الدَّهر ۳) (۳) (سُوْرَةُ الدَّهر ۶)

وَلَقّٰھُمْ نَضْرَۃً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾:

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اَلنَّضْرَۃُ عَلَی الْوَجْہِ وَالسُّرُوْرُ فِی الْقَلْبِ۔

وَجَزٰھُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّۃً وَّحَرِیْرًا ﴿۱۲﴾:

سوال مَا کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں: ① مَا مصدریہ ہے۔ ② مَا موصولہ ہے۔

لَا یَرَوْنَ فِیْھَا شَمْسًا وَّلَا زَمْھَرِیْرًا ﴿۱۳﴾:

اِس کے متعلق مفسرین کے دو (۲) گروہ ہیں:

① ایک گروہ کہتا ہے کہ: چاند بھی نہ ہوگا اور سورج بھی نہیں ہوگا لیکن رُوشنی ہوگی۔

② دوسرا گروہ کہتا ہے کہ: چاند بھی ہوگا، سورج بھی ہوگا، نفی ذات کی نہیں اُس کی وصف حرارت کی ہے اور قرینہ زَمْھَرِیْرًا ہے۔ اَگلی آیت میں ظِلٰلُ کا لفظ یہ چاہتا ہے کہ سورج ہو۔

وَدَانِیَۃً عَلَیْھِمْ ظِلٰلُھَا۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴﴾:

لفظِ دَانِیَۃً، لَا یَرَوْنَ کے محل سے حال ہے۔

قَوَارِیْرَا مِنْ فِضَّۃٍ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۶﴾:

قَوَارِیْر، قَارُوْرَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں "شیشہ"۔

شیشہ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ: اَندر کی چیزیں باہر دکھائی دیتی ہیں، پس! جنّت کے برتنوں کا مادّہ چاندی ہوگا اور چاندی کے برتن میں اَندر والی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ لہٰذا وہ برتن ہوں گے چاندی کے اور وصف اُن کا شیشہ کی طرح ہوگا۔

قَدَّرُوْھَا تَقْدِیْرًا o:

"اَندازہ لگایا ہوا ہوگا اُن اَکْوَاب کا اَندازہ لگانا"۔ مطلب یہ ہے کہ: کوئی آدمی کہے گا کہ: مجھے پانی پلاؤ تو "حصہ بہ قدر جثّہ" وہ ایسے اَندازے سے پیالہ بھر کر لائیں گے کہ نہ کم ہوگا، نہ زیادہ ہوگا۔

وَیُسْقَوْنَ فِیْھَا کَاْسًا کَانَ مِزَاجُھَا زَنْجَبِیْلًا ﴿۱۷﴾:

زَنْجَبِیْلًا کے معنی ہیں: "سونٹھ"۔ اورک جب پک جائے تو اُس کو سونٹھ کہتے ہیں۔

عَیْنًا فِیْھَا تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلًا ﴿۱۸﴾:

سَلْسَبِیْل کا معنی ہے: "تیزی سے بہنے والا"۔

عٰلِیَھُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۱﴾:

عرب سبز رنگ بہت پسند کرتے ہیں اِس لیے یہاں خُضْر کا لفظ آیا ہے ورنہ دوسرے مقام پر ہے: لَھُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّھِمْ۔۔۔ الآیۃ ①

وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّۃٍ۔۔۔ الآیۃ:

اَسَاوِر، اَسْوِرَۃٌ کی جمع ہے اور اَسْوِرَۃٌ، سِوَارٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "کنگن"۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ﴿۲۳﴾:

ربط: اَبھی آپ نے پڑھا: اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ۔۔۔ الآیۃ ②، اب وہ راہنمائی کیسے ہوئی؟ تو وہ قرآن کے ذریعے سے ہوئی۔

---

① (سُوْرَۃُ الزُّمَر، ۳۴) ② (سُوْرَۃُ الدَّھر، ۳)

نَزَّلَ، يُنَزِّلُ، تَنْزِيْلًا بابِ تَفْعِيْل سے ہے، اِس کا مطلب یہ ہے کہ: تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا" تو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر دَفْعَةً وَّاحِدَۃ نازل ہوا پھر وہاں سے بہ قدرِ ضرورت تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا یہاں تک کہ تیئیس (۲۳) سالوں میں مکمل قرآن نازل ہوا۔

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًاۚ ﴿۲۴﴾:

مکہ میں دو (۲) کافر تھے: ایک ولید بن مغیرہ اور دوسرا عتبہ بن ابی معیط۔ ولید بن مغیرہ مال دار تھا اور عتبہ کی لڑکیاں خوبصورت تھیں، دونوں آپ ﷺ کے پاس آئے، ایک نے کہا کہ: اتنا مال دوں گا کہ تیری نسلیں کھاتی رہیں گی اور دوسرے نے کہا کہ: بغیر مہر کے مَیں اپنی لڑکی کا نکاح تجھ سے کراتا ہوں، اِس دین کو چھوڑ دو۔ اِس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِشکال: حرفِ اَوْ جو ہے یہ لِاَحَدِ الْاَمْرَیْن کے لیے آتا ہے۔ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ: اٰثِم اور كَفُوْر میں سے کسی ایک کی اِطاعت مت کر حال آں کہ اِطاعت تو نہ اٰثِم کی جائز ہے نہ كَفُوْر کی جائز ہے؟!!

جواب: علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ، قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ، سلام اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اَوْ اگر اِثبات میں ہو تو اَحَدُ الْاَمْرَیْن کے لیے آتا ہے اور اگر نفی میں ہو تو سالبہ کلیہ بن جاتا ہے۔ یہاں نفی میں ہے لہٰذا یہ سالبہ کلیہ بن گیا۔ اب معنی یہ ہوئے کہ: اِن میں سے کسی کی پیروی نہ کرو۔

وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۸﴾:

اَسْر کا معنی ہے: بند اور جوڑ۔ جیسے انگلیوں کے جوڑ، یہ بہت مضبوط ہوتے ہیں اور آسانی سے نہیں نکلتے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۹﴾:

ربط: پہلے قرآن کا ذکر تھا آگے بھی قرآن کا ذکر ہے۔

سوال: هٰذِهٖ اِسمِ اِشارہ ہے اِس کا مشارٌ الیہ کیا ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اِس قرآن کی آیات ہیں۔ ② یہ سورتیں ہیں۔

اٰیَاتُھَا (۵۰) (۷۷) سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَکِّیَّةٌ (۳۳) رُکُوْعَاتُھَا (۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: پچھلی سورۃ کے آخر میں آپ نے یَوْمًا ثَقِیْلًا ○ [1] کا لفظ پڑھا، اُس میں قیامت کا ذکر تھا، اِس سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔
نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰت ہے۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ○ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ○ وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا ○ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ○ فَالْمُلْقِیٰتِ ذِکْرًا ○ ﴿۵﴾:

"تفسیر معالم التنزیل، مظہری، خازن، کبیر اور عزیزی" وغیرہ میں ان آیات کی بہت سی تفسیریں ہیں، مَیں اُن میں سے چند عرض کرتا ہوں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: یہ تمام ہواؤں کی صفات ہیں۔ معنی ہیں: "قسم ہے اُن ہواؤں کی جو چھوڑی جاتی ہیں لگا تار، قسم ہے اُن ہواؤں کی جو تیزی سے چلتی ہیں تیزی سے چلنا، قسم ہے اُن ہواؤں کی جو چیزوں کو بکھیرتی ہیں بکھیرنا، قسم ہے اُن ہواؤں کی جو تفریق کرتی ہیں بادلوں میں تفریق کرنا، قسم ہے اُن ہواؤں کی جو پہنچاتی ہیں آوازوں کو کانوں تک"۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: یہ تمام پیغمبروں کی صفات ہیں۔ معنی ہیں: "قسم ہے پیغمبروں کی اُن جماعتوں کی جو چھوڑے گئے لگا تار یکے بعد دیگرے، قسم ہے پیغمبروں کی اُن جماعتوں کی جو بڑی تیزی سے اپنے مقصد کے لیے آگے بڑھے، قسم ہے پیغمبروں کی اُن جماعتوں کی دین کو جنھوں نے بکھیرا بکھیرنا، قسم ہے پیغمبروں کی اُن جماعتوں کی جنھوں نے حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کیا، قسم ہے پیغمبروں کی اُن جماعتوں کی جنھوں نے ذکر لوگوں کے کانوں تک پہنچایا۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: یہ تمام مجاہدین کی صفات ہیں اِس سے مجاہدین کی صفیں مُراد ہیں۔ معنی ہیں: "قسم ہے مجاہدین کی اُن صفوں کی جو چھوڑے جاتے ہیں لگا تار، قسم ہے مجاہدین کی اُن صفوں کی جو تیزی سے چلتے ہیں اپنے محاذ کی طرف، قسم ہے مجاہدین کی اُن صفوں کی جو اللہ کے دین کو پھیلاتے ہیں، قسم ہے مجاہدین کی اُن صفوں کی جو کافروں کی صفوں میں تفریق ڈالتے ہیں، قسم ہے مجاہدین کی اُن صفوں کی جو دین کی بات پہنچاتے ہیں۔

④ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ: یہ تمام علماء کی صفات ہیں۔ معنی ہیں: "قسم ہے علماء کی اُن جماعتوں کی جو چھوڑی جاتی ہیں لگا تار، قسم ہے علماء کی اُن جماعتوں کی جو بڑی تیزی سے اپنے مقصد کے لیے آگے بڑھتے ہیں قسم ہے علماء کی اُن جماعتوں کی جو دین کو بکھیرتے ہیں بکھیرنا، قسم ہے علماء کی اُن جماعتوں کی جنھوں نے حق اور باطل کے درمیان تفریق کی، قسم ہے علماء کی اُن جماعتوں کی جنھوں نے ذکر لوگوں کے کانوں تک پہنچایا۔

⑤ پانچویں تفسیر یہ ہے کہ: یہ تمام فرشتوں کی صفات ہیں۔ معنی ہیں: "قسم ہے اُن فرشتوں کی جو چھوڑے جاتے ہیں لگا تار، قسم ہے اُن فرشتوں کی جو بڑی تیزی سے چلتے ہیں تیزی سے چلنا، قسم ہے اُن فرشتوں کی جو اللہ کی رحمت کو بکھیرتے ہیں بکھیرنا، قسم ہے اُن فرشتوں کی جو فرق کرتے ہیں فرق کرنا، قسم ہے اُن فرشتوں کی جو وحی ڈالتے ہیں پیغمبروں پر۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ○ ﴿۷﴾:

یہ ماقبل قسموں کے لیے جوابِ قسم ہے۔

وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ○ ﴿۱۱﴾:

اُقِّتَتْ اَصل میں وُقِّتَتْ تھا، وَاؤ کو ھَمْزَہ سے بدل دیا۔ جب رسولوں کو وقتِ مقررہ بتایا جائے گا۔ مثلاً: بارہ (۱۲) بجے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آئے، ایک بجے حضرت ھود علیہ السلام کی قوم آئے۔

[1] (سُوْرَةُ الدَّھْر، ۲۷)

لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝۱۲:

سوال اُجِّلَتْ کی "ت" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اُجِّلَتْ کی "ت" ضمیر رُسُل کی طرف راجع ہے۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۶:

کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا، تو یَوْمُ الْفَصْل لانا کیا مشکل ہے؟!!

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝۲۰:

کیا حقیر پانی سے ہم نے تم کو پیدا نہیں کیا، ایسا پانی جس کے نکلنے سے غُسل لازم آتا ہے، کپڑے پلید ہو جاتے ہیں وغیرہ۔

فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝۲۱:

مَكِيْن سے ماں کا رحم مُراد ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝۲۵:

"کیا ہم نے نہیں کیا زمین کو سمیٹنے والی"۔ پس! زمین زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے والی ہے۔

قادیانیوں کا غلط اِستدلال: انگریز اپنے زمانے میں قادیانیوں کو بڑی مالی اِمداد دیتے تھے، قادیانی جگہ جگہ مناظرے کرتے تھے، چیلنج دیتے تھے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر اِس آیت سے بھی اِستدلال کرتے ہیں۔ اِس طور پر کہ: اِس آیت میں ہے: "اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝ اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا ۝" قرآن یہ کہتا ہے کہ: زمین ہی سمیٹتی ہے، زمین کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں سمیٹتی؟

جواب ہمارے علماء نے فرمایا کہ: آسمان کو لے جانا اِس کے خلاف نہیں کیوں کہ آج کل سائنس دانوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ خلا میں کئی کئی دن رہنا ممکن ہے۔ ہماری فقہ وغیرہ کتابوں میں پہلے سے یہ بات ہے کہ: اگر کسی نے قسم کھا کر کہا کہ: وَاللهِ لَاَصْعَدَنَّ السَّمَآءَ تو فقہاء فرماتے ہیں کہ: قسم منعقد ہے کیوں کہ یہ ممکن ہے، لیکن اَسباب مہیا نہیں اِس لیے فی الحال حانث ہوگا اور کفارہ لازم ہوگا۔ لیکن اب تو بہت اَسباب پیدا ہو گئے ہیں، لہٰذا زمین سے علیحدگی یہ اِس آیت کے خلاف نہیں، آج کل تو تمہارے کتّے بھی خلا میں رہتے ہیں۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۝۳۰:

شُعَب، شُعْبَةٌ کی جمع ہے۔ معنیٰ ہیں: "شاخ"۔

سوال یہ تین (۳) شاخیں کیوں ہوں گی؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① "تفسیر عزیزی" میں لکھا ہے کہ: اِنسان کے بدن میں تین (۳) اَعضاء ہیں جو کہ رئیس الاعضاء ہیں: ① دماغ۔ ② دل۔ ③ جگر۔ اِنسان دماغ سے سوچتا ہے، دل سے اِنکار یا اِقرار کرتا ہے، جگر میں خواہشاتِ نفسانی آتی ہیں۔ تو تینوں کے بدلے ایک ایک شاخ ہے۔

② اِنسان کے ذمے تین (۳) چیزیں لازم ہیں: ① تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ۔ ② اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ۔ ③ عَمَلٌ بِالْاَرْكَانِ۔

اِنسان نے یہ تینوں کام نہیں کیے اِس لیے یہ تین (۳) شاخوں والا ہوگا۔

③ اَصل الاصول تین (۳) ہیں: ① توحید۔ ② رسالت۔ ③ قیامت۔

اِن تینوں سے اِنکار کی وجہ سے تین (۳) شاخوں والا ہوگا۔

اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝۳۲:

شَرَر، شَرَرَةٌ کی جمع ہے۔ معنیٰ ہیں: "آگ کی چنگاری"۔ وہ ایسی چنگاری ہوگی جیسے کوٹھی۔

● (سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰت ۲۵-۲۶)

كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۝ ﴿۳۳﴾:

جِمٰلَتٌ، جِمَالَةٌ کی جمع ہے اور جِمَالَةٌ، جَمَلٌ کی جمع ہے۔ پس! جِمٰلَتٌ جمع الجمع ہے۔ اب بات سمجھیں!! یہ چنگاری جب اُوپر اُڑ جائے گی تو کوٹھی کی طرح ہو جائے گی اور جب نیچے آئے گی تو اُونٹوں کی طرح ہو گی۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ ﴿۴۱﴾:

ربط: اُوپر نافرمانوں کا ذکر تھا اب متقیوں کا ذکر ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝ ﴿۴۸﴾:

سوال رکوع کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب اس کے متعلق تین (۳) اَقوال ہیں:

① نماز پڑھو۔

② جماعت کے ساتھ نماز پڑھو۔

③ رب کے سامنے عاجزی کرو۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴿۵۰﴾:

سوال بَعْدَهٗ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بَعْدَهٗ کی "ہٗ" ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔ اَيْ بَعْدَ الْقُرْاٰنِ۔

② بَعْدَهٗ کی "ہٗ" ضمیر اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف راجع ہے۔ بَعْدَ قَوْلِ اللهِ۔

اٰیَاتُھَا (۴۰) (۷۸) سُوْرَۃُ النَّبَاِ مَکِّیَّۃٌ (۸۰) رُکُوْعَاتُھَا (۲)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ربط: ربط کا سمجھنا نَبَاِ عَظِیْم کے معنی کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ اِس طور پر کہ: نَبَاِ عَظِیْم سے کیا مُراد ہے؟ تو اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① نَبَاِ عَظِیْم سے قیامت مُراد ہے۔ تو پھر ربط یہ ہے کہ: پہلی سورۃ میں ھٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ ۔۔۔ الاٰیۃ ❶ یعنی قیامت کا ذکر تھا، اِس سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔

② نَبَاِ عَظِیْم سے قرآن مُراد ہے۔ تو پھر ربط یہ ہے کہ: پہلی سورۃ کے آخر میں تھا: فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ۝ ❷ یعنی قرآن کا ذکر تھا، اِس سورۃ میں بھی قرآن کا ذکر ہے۔

③ نَبَاِ عَظِیْم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مُراد ہے۔ تو پھر ربط یہ ہے کہ: پہلی سورۃ میں وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝ ❸ یعنی رسولوں کا ذکر تھا، اِس سورۃ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن رسولوں کے مجموعے میں سے ایک تھے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ النَّبَا ہے۔

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ۝ ❶:

عَمَّ اَصل میں عَنْ مَا تھا، اَلِف تخفیفاً گر گیا۔

الَّذِیْ ھُمْ فِیْہِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝ ❸:

"اُس بڑی خبر کے بارے میں جس میں یہ مختلف ہیں"۔

اب اِس کی نَبَاِ عَظِیْم کے معنی کے مطابق تین (۳) تفسیریں ہیں:

① اگر نَبَاِ عَظِیْم سے قیامت مُراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ: وہ قیامت کے متعلق اِختلاف کرتے ہیں، اِس طور پر کہ: کوئی کہتا ہے کہ: قیامت جسمانی ہوگی، جیسے اہلِ حق کا مسلک ہے، کوئی کہتا ہے کہ: قیامت قائم ہی نہیں ہوگی جیسے کافر کا عقیدہ ہے، کوئی کہتا ہے کہ: قیامت رُوحانی ہوگی جیسے عیسائی کا عقیدہ ہے۔

② اگر نَبَاِ عَظِیْم سے قرآن مُراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ: وہ قرآن کے متعلق اِختلاف کرتے ہیں، اِس طور پر کہ: کوئی کہتا ہے کہ: سحر ہے، کوئی کہتا ہے کہ: کہانت ہے، کوئی کہتا ہے کہ: شعر ہے۔

③ اگر نَبَاِ عَظِیْم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مُراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اِختلاف کرتے ہیں، اِس طور پر کہ: کوئی کہتا ہے کہ: ساحر ہے، کوئی کہتا ہے کہ: کاہن ہے، کوئی کہتا ہے کہ: شاعر ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِھٰدًا ۝ ❻:

یہاں سے ربِ تعالیٰ اپنی قدرت کو بیان فرماتے ہیں۔ اِس طور پر کہ: کیا زمین کو ہم نے بچھونا نہیں بنایا؟!!

وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ ❼:

"پہاڑوں کو میخیں بنایا"۔ اَوْتَاد، وَتَدٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "میخ"۔

وَخَلَقْنٰکُمْ اَزْوَاجًا ۝ ❽:

"تمہیں ہم نے جوڑا جوڑا بنایا" اِس طور پر کہ: ایک ہی ماں باپ سے لڑکا بھی ہے لڑکی بھی ہے۔

---

❶ (سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰت، ۳۸) ❷ (سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰت، ۵۰) ❸ (سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰت، ۱۱)

وَ جَعَلْنَا نَوْمَکُمْ سُبَاتًا ۙ﴿۹﴾:

"نیند کو بنایا آرام کا ذریعہ" نیند بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

وَ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۪﴿۱۱﴾:

سوال لفظِ مَعَاش کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لفظِ مَعَاش مصدر میمی ہے۔ پھر مضاف محذوف ہے اَیْ وَقْتَ مَعَاشٍ۔ معنی ہیں: "دن کو کمائی کا وقت بنایا"۔

② صاحب کمالین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لفظِ مَعَاش ظرف زمان ہے، لہٰذا مضاف محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَ بَنَیْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ﴿۱۲﴾:

شِدَادًا، شَدِیْدَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "بڑے سخت"۔

وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۪﴿۱۳﴾:

وَهَّاج کا معنی ہے: "بہت زیادہ چمک دینے والا"۔

وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ﴿۱۴﴾:

"نچڑنے والی بدلیوں سے ہم نے زور سے بہنے والا پانی اُتارا"۔

اشکال: بادل جو ہیں وہ عَاصِرَۃٌ بھی نہیں ہیں اور مُعْصِرَۃٌ بھی نہیں ہیں یعنی نہ نچوڑنے والے ہیں اور نہ نچڑنے والے ہیں بل کہ بادل تو مَعْصُوْرَۃٌ ہیں تو اُن کو مُعْصِرَات اِسم فاعل سے کیوں تعبیر کیا، مُعْصِر تو رب کی ذات ہے؟

جواب: "تفسیر جمل، کمالین" وغیرہ میں اِس کے دو (۲) جواب ہیں:

① باب اِفْعَال کا همزہ، حَیْنُوْنَۃ یعنی وقت کے لیے بھی آتا ہے۔ مثلاً: اَحْصَدَ الزَّرْعُ یعنی کھیتی کاٹنے کا وقت آگیا۔ اب یہاں یہ معنی ہوگا کہ: "نازل کیا ہم نے بادلوں سے پانی کہ اُن کے برسنے کا وقت آگیا"۔

② باب اِفْعَال کا همزہ چیز کے فاعل کو ذَا مَأْخَذ بناتا ہے۔ جیسے: اَلْحَمَ کا معنی ہے: "گوشت والا ہوگیا"، اَطْفَلَ کا معنی ہے: "بچے والا ہوگیا"، اَعْسَرَ کا معنی ہے: "تنگی والا ہوگیا"، اَیْسَرَ کا معنی ہے: "آسانی والا ہوگیا"، تو یہاں اَعْصَرَ کا معنی ہوگا: "وہ بادل جو برسنے والا ہوگیا" یہ معنی نہیں ہوگا کہ: "برسانے والا ہوگیا" کیوں کہ برسانا تو رب کا کام ہے۔

وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ؕ﴿۱۶﴾:

اَلْفَاف، لَفِیْفٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "گھنا"۔

اِنَّ جَهَنَّمَ کَانَتْ مِرْصَادًا ۪ۙ﴿۲۱﴾:

مِرْصَاد کا معنی ہے: "گھات"۔ جہنم گھات میں لگی ہوگی جیسے آدمی مورچہ میں دُشمن کی تاک میں لگا ہوتا ہے۔

لّٰبِثِیْنَ فِیْهَاۤ اَحْقَابًا ۚ﴿۲۳﴾:

اَحْقَاب، حُقُب کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "دُهُوْرًا، لمبا زمانہ"۔

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ۙ﴿۲۴﴾:

سوال بَرْد کا کیا معنی ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: بَرْد کا معنی نَوْم ہے۔　② دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ: بَرْد کا معنی ٹھنڈا ہے۔

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾:
وِفَاقًا اَیْ مُوَافِقًا لِاَعْمَالِهِمْ۔ اُن کے عمل جیسے تھے ویسا ہی بدلہ ہوگا۔

وَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾:
کَذَّبُوْا بابِ تَفْعِیْل سے ہے اور بابِ تَفْعِیْل کے خواص میں سے کثرت بھی ہے۔ اب معنی یہ ہیں: "کثرت سے ہماری آیات کو جھٹلایا"۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾:
ربط: واضح ہے! اُوپر یَوْمُ الْفَصْلِ یعنی قیامت کا ذکر تھا اور اُس میں کافروں کا حشر بیان ہوا، آگے مؤمنوں کا حشر بیان فرماتے ہیں۔

سوال لفظِ مَفَاز کیا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لفظِ مَفَاز مصدر میمی ہے۔ معنی ہیں: "کامیابی"۔ ② لفظِ مَفَاز ظرف کا صیغہ ہے۔ معنی ہیں: "کامیابی کی جگہ"۔

حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾:
حَدَآئِق، حَدِیْقَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "وہ باغ جس کے اِردگرد دیوار ہو"۔

وَ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾:
کَوَاعِب، کَاعِب کی جمع ہے۔ کَاعِب ایسی عورت کو کہتے ہیں جو جوان ہو رہی ہو اور اُس کے پستان اُبھریں۔
اَتْرَاب، تِرْبٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "ہم عمر"۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾:
لفظِ کِذَّاب بابِ تَفْعِیْل کا مصدر ہے، تَکْذِیْب بھی مصدر آتا ہے، کِذَّاب بھی مصدر آتا ہے یعنی جنّت میں ایک دوسرے کی تکذیب بھی نہیں کریں گے۔ اِس طور پر کہ: ایک دوسرے کو جھٹلانا نہیں ہوگا۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾:
لفظِ جَزَآءً مفعول مطلق ہے۔ اَیْ یُجْزَوْنَ جَزَآءً۔
لفظِ عَطَآءً، لفظِ جَزَآءً سے بدل ہے۔
حِسَابًا کا معنی ہے: کَافِیًا۔ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ، علامہ آلوسی رحمہ اللہ، اِمام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عربی کا محاورہ ہے: اَعْطَانِیْ کَثِیْرًا حَتّٰی قُلْتُ حَسْبِیْ۔ اُس نے مجھے بہت کچھ دیا میں نے کہا کہ: اب مجھے کافی ہو گیا اور مت دے۔ اِتنا کچھ دیا کہ اب کہنے پر مجبور ہو گیا کہ: حَسْبِیْ مجھے کافی ہو گیا۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔۔۔الآیۃ ﴿۳۷﴾:
یہ ماقبل مِنْ رَّبِّكَ۔۔۔الآیۃ ❶ سے بدل ہے۔ یعنی رب کون ہے؟ تو یہاں سے بتا رہے ہیں کہ: جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا۔۔۔الآیۃ ﴿۳۸﴾:

سوال روح سے کون مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① روح سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مُراد ہیں۔
② بعض حضرات نے یہاں روح سے کوئی اور مخلوق بھی ثابت کی ہے۔ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ: یہ روح کوئی اور مخلوق ہے، یہ نہ اِنسان ہیں، نہ جن ہیں، نہ فرشتیں ہیں بل کہ اللہ کی ایک مخلوق ہے۔ ایسے اَقوال بھی بعض تفسیروں میں منقول ہیں لیکن کوئی محقق ثبوت اِن کا نہیں ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ النَّبَا: ۳۶)

وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا۝:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اکثر مفسرین کرام ﷭ فرماتے ہیں کہ: جانوروں کا بھی حساب ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے: لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلٰى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ[1] جس سینگ والے جانور نے بغیر سینگ والے کو مارا تو اُس سینگ والے جانور سے بدلہ لیا جائے گا، یہ اِس لیے ہوگا تاکہ اِنسانوں کو حسرت ہو، پھر وہ جانور مٹی ہو جائیں گے، سوائے تیرہ (۱۳) جانوروں کے جو جنّت میں جائیں گے۔ اَلْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ لِابْنِ نُجَيْم میں لکھا ہے کہ: اُس وقت کافر کہیں گے کہ: کاش! ہم بھی مٹی ہو جاتے۔

② ابن عربی شیخ اکبر ﷫ شافعی المسلک تھے وہ فرماتے ہیں اور اُن کے حوالے سے تفسیروں میں لکھا ہے کہ: کافر سے مُراد کافرِ اعظم یعنی شیطان ہے۔ پس! جب مؤمنین کو درجے ملیں گے تو شیطان کہے گا کہ: کاش! مَیں بھی خاکی ہوتا، مجھے دُنیا میں اپنے ناری ہونے پر فخر تھا، مَیں کہتا تھا کہ: اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۝[2]

---

[1] (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، ج۲، ص۳۲۰، طبع یادگار شیخ، کراچی) [2] (سُوْرَةُ الْأَعْرَاف، ۱۲)

آيَاتُهَا (۴۶) (۷۹) سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ (۸۱) رُكُوْعَاتُهَا (۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: پچھلی سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر تھا اس سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ النّٰزِعٰت ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ○ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ○ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ○ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ○ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ○ ﴿۱-۵﴾:

"تفسیر معالم التنزیل، مظہری، خازن، کبیر اور عزیزی" وغیرہ میں اِن آیات کی بہت سی تفسیریں ہیں، مَیں اُن میں سے چند عرض کرتا ہوں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: یہ تمام فرشتوں کی صفات ہیں۔ معنیٰ ہیں: "قسم ہے فرشتوں کی اُن جماعتوں کی جو کھینچتے ہیں روح کو بدن کے اندر ڈوب کر، قسم ہے فرشتوں کی اُن جماعتوں کی جو گرہیں کھولتے ہیں گرہیں کھولنا یعنی مؤمنوں کی اَرواح کی گرہیں کھولتے ہیں، قسم ہے فرشتوں کی اُن جماعتوں کی جو تیرتے ہیں تیرنا یعنی اَرواح کو لے کر تیرتے ہیں، قسم ہے فرشتوں کی اُن جماعتوں کی جو سبقت لے جاتے ہیں سبقت لے جانا، قسم ہے فرشتوں کی اُن جماعتوں کی جو کام کی تدبیر کرتے ہیں۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: یہ تمام علماء و مبلغین کی صفات ہیں۔ معنیٰ ہیں: "قسم ہے علماء کی اُن جماعتوں کی جو آدمیوں کو کھینچ لیتے ہیں اُن میں ڈوب کر، قسم ہے علماء کی اُن جماعتوں کی جو گرہیں کھولتے ہیں گرہیں کھولنا یعنی دکان، ملازمت وغیرہ کی گرہیں کھولتے ہیں اللہ کے راستے میں نکالتے ہیں، قسم ہے علماء کی اُن جماعتوں کی جو تیرتے ہیں تیرنا یعنی اللہ کے راستے میں کسی کو افریقہ لے جاتے ہیں تو کسی کو آسٹریلیا لے جاتے ہیں، قسم ہے علماء کی اُن جماعتوں کی جو سبقت لے جاتے ہیں سبقت لے جانا، قسم ہے علماء کی اُن جماعتوں کی جو معاملہ کی تدبیر کرتے ہیں۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: یہ تمام مجاہدین کی صفات ہیں۔ معنیٰ ہیں: "قسم ہے مجاہدین کی اُن جماعتوں کی جو کفار کو کھینچ لیتے ہیں اُن میں ڈوب کر یعنی اپنے قیدیوں کو کھینچ کر اپنی جماعت تک لے آتے ہیں، قسم ہے مجاہدین کی اُن جماعتوں کی جو گرہیں کھولتے ہیں گرہیں کھولنا یعنی اپنے قیدیوں کو چھڑاتے ہیں، قسم ہے مجاہدین کی اُن جماعتوں کی جو تیرتے ہیں تیرنا یعنی جہاد کرتے ہیں، قسم ہے مجاہدین کی اُن جماعتوں کی جو سبقت لے جاتے ہیں سبقت لے جانا، قسم ہے مجاہدین کی اُن جماعتوں کی جو معاملہ کی تدبیر کرتے ہیں۔

سوال یہ ماقبل تمام قسمیں ہیں، جوابِ قسم کیا ہے؟

جواب جوابِ قسم محذوف ہے جو کہ لَتُبْعَثُنَّ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ ہے۔ کفار مکہ اس لیے کہا کیوں کہ انکار اُنہوں نے کیا تھا ورنہ تو سب ہی اُٹھائے جائیں گے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ○ ﴿۶﴾:

"جس دن کانپے گی کانپنے والی"۔ اِس سے نَفْخَةُ اُوْلٰی مُراد ہے۔

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ○ ﴿۷﴾:

"اُس کے پیچھے لگے گی پیچھے لگنے والی"۔ اِس سے نَفْخَةُ ثَانِيَةُ مُراد ہے۔

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ○ ﴿۹﴾:

سوال اَبْصَارُهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اَبْصَارُهَا کی "هَا" ضمیر قُلُوْب کی طرف راجع ہے لیکن مضاف محذوف ہے۔ اَیْ اَبْصَارُ اَصْحَابِ الْقُلُوْبِ۔

يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝ (۱۰):

حَافِرَة کے معنی ہیں: "پہلے راستے کچے ہوتے تھے، جب کچے راستے پر آدمی جاتا ہے تو اُس کے پاؤں کے نشانات پڑتے ہیں، جانے کے بعد جب واپس لوٹتا ہے تو پاؤں کے نشانات کو ڈھونڈتا ہے اور اُن نشانات کو دیکھ کر واپس لوٹتا ہے۔ تو حفر کے معنی ہیں کھودنا، پاؤں نے جو زمین کو کھودا" اب لازمی معنی یہ کرتے ہیں: "فِي الْحَالَةِ الْاُوْلٰى، پہلی حالت میں ہم لوٹائے جائیں گے"؟!!

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ (۱۳):

سوال "هِيَ "ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① "هِيَ "ضمیر كَرَّةٌ کی طرف راجع ہے۔

② صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ: "هِيَ "ضمیر مبہم ہے۔ جیسے: رُبَّهٗ رَجُلًا۔ آگے زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ اُس کی تفسیر ہے۔

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝ (۱۴):

"پس! اچانک وہ میدان میں ہوں گے"۔ میدان کو سَاهِرَة اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ جاندار مخلوق سوتی بھی اُسی پر ہے، بیدار بھی اُسی پر ہوتی ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ (۱۵):

ربط: امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: کفار کی اِن باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تکلیف پہنچتی تھی تو تسلی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتے ہیں، اُن منکرین کو سنایا جا رہا ہے کہ: تم سے پہلے بڑے زبردست منکروں کا کیا حشر ہوا؟!!

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝ (۱۸):

هَلْ لَّكَ اَيْ هَلْ لَّكَ رَغْبَةٌ وَّشَوْقٌ۔ اَنْ تَزَكّٰى اَيْ تَتَزَكّٰى۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝ (۲۰):

سوال اٰيَةُ الْكُبْرٰى سے کیا مُراد ہے؟

جواب اٰيَةُ الْكُبْرٰى سے عَصٰى والا معجزہ مُراد ہے۔

سوال رَاٰى کے اندر جو "هُوَ "ضمیر مستتر ہے کس طرف راجع ہے؟ اور جو "هٗ "ضمیر بارز ہے وہ کس طرف راجع ہے؟

جواب رَاٰى کے اندر جو "هُوَ "ضمیر مستتر ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور جو "هٗ "ضمیر بارز ہے وہ فرعون کی طرف راجع ہے۔

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝ (۲۱):

اَيْ فَكَذَّبَ الْحَقَّ وَعَصٰى مُوْسٰى۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ (۲۵):

سوال اٰخِرَة اور اُوْلٰى کس کی صفات ہیں؟

جواب اس میں دو (۲) اقوال ہیں:

① اٰخِرَة اور اُوْلٰى دونوں كَلِمَةٌ کی صفات ہیں۔ اَيْ اَلْكَلِمَةُ الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰى۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو پکڑا آخری کلمہ: اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ ❶ کہنے کی سزا میں اور پہلا کلمہ: يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ۔۔۔ الآیۃ ❷ کہنے کی سزا میں۔

② اٰخِرَة اور اُوْلٰى دونوں عُقُوْبَة کی صفات ہیں۔ فرعون کو دُنیا و آخرت کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہے، آخرت میں تو آگ میں جلے گا اور دُنیا کی عقوبت یہ ہے کہ بحرِ قلزم میں غرق کیا گیا۔

---

❶ (سُوْرَةُ النّٰزِعٰت، ۲۴) ❷ (سُوْرَةُ الْقَصَص، ۳۸)

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا ۝:

ربط: اُوپر منکرین قیامت کا ذکر تھا، اِس طور پر کہ: کفار نے کہا کہ: کیا ہم پھر زندہ کیے جائیں گے؟!! تو آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تمہارا پیدا کرنا آسمان وزمین اور پہاڑوں کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں، جب اِتنی بڑی بڑی چیزوں کا خالق اُس کو مانتے ہو تو پھر اپنی دوبارہ پیدائش میں کیوں تردد کرتے ہو؟!!

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝:

سَمْكَ کے معنی ہیں: "سَقْف یعنی چھت، حُسن، اِرْتِفَاع یعنی بلندی"۔

وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝:

"زمین کو بعد میں پھیلایا"۔

سوال یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ: زمین بعد میں پھیلائی جب کہ پہلے پارہ میں آپ پڑھ چکے ہیں: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۔۔۔ الآية [1] اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پہلے بنائی؟!!

جواب "بخاری شریف" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین کا مادّہ پیدا کیا، پھر سات (۷) آسمان پیدا کیے، پھر زمین کو پھیلایا۔

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝:

لفظ مَتَاعًا یہ اَخْرَجَ کا مفعول لہ ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝:

سوال طَآمَّةُ الْكُبْرٰى سے کیا مُراد ہے؟

جواب طَآمَّةُ الْكُبْرٰى سے بڑا حادثہ یعنی قیامت مُراد ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ [2]

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝:

اپنے نفس کو روکتا ہے اُس خواہش سے جو شریعت کے متصادم ہو، اِس سے طبعی خواہش مُراد نہیں ہے۔

[1] (سُوْرَةُ الْبَقَرَة:۲۹)　[2] (سُوْرَةُ الْحَجّ:۱)

اٰیَاتُھَا (۴۲) (۸۰) سُوْرَۃُ عَبَسَ مَکِّیَّۃٌ (۲۴) رُکُوْعُھَا (۱)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: ابھی آپ نے پچھلی سورۃ کے آخر میں اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰھَا ○ ❶ پڑھا تو ڈرانے والا ہے، تیرا کام ڈرانا ہے منوانا تیرا کام نہیں، تو اِس سورۃ میں اُس مُنْذِر کا بیان ہے۔
نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ عَبَس ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰی ○ ❶:

"اُس مُنْذِر نے ترش رُوی کا اظہار کیا اور اِعراض کیا"۔
شانِ نزول: آنحضرت ﷺ بعض سردارانِ قریش کو مذہبِ اسلام کے متعلق کچھ سمجھا رہے تھے، اِتنے میں ایک نابینا مسلمان جن کو اِبنِ اُمِّ مکتوم کہتے ہیں، پورا نام عبداللہ بن عمرو بن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ ہے، مہاجرین میں سے تھے، نابینا تھے، حاضر خدمت ہوئے اور آپ ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگے کہ فلاں آیت کیوں کر ہے؟ یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے اُس بارے میں کچھ سکھائیے جو اللہ نے آپ (ﷺ) کو سکھلایا ہے۔
آنحضرت ﷺ کو اُن کا بے وقت پوچھنا گراں گذرا، آپ (ﷺ) کو خیال ہوا ہوگا کہ: مَیں ایک بڑے اَہم کام میں مشغول ہوں، قریش کے یہ بڑے بڑے سردار اگر ٹھیک سمجھ کر اِسلام لے آئیں تو بہت سے لوگوں کے مسلمان ہونے کی توقع ہے۔ ابن اُمِّ مکتوم بہرحال مسلمان ہے، اُس کو سمجھنے اور تعلیم حاصل کرنے کے ہزار مواقع حاصل ہیں، اُس کو دکھائی نہیں دیتا کہ میرے پاس ایسے بااَثر لوگ بیٹھے ہیں جن کو اگر ہدایت ہو جائے تو ہزاروں اَشخاص ہدایت پر آسکتے ہیں؟ مَیں اُن کو سمجھا رہا ہوں اور یہ اپنی کہتا چلا جاتا ہے، اِتنا بھی نہیں سمجھتا کہ: اگر اِن لوگوں کی طرف سے ہٹ کر اُس کی طرف اِلتفات کروں گا تو اِن لوگوں پر کس قدر شاق ہوگا؟ شاید پھر وہ میری بات سُننا بھی پسند نہ کریں۔ غرض آپ ﷺ منقبض ہوئے اور اِنقباض کے آثار چہرے پر ظاہر ہونے لگے تو اِس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی ○ ❻:

تَصَدّٰی اصل میں تَتَصَدّٰی تھا، ایک تَاء کو حذف کر دیا۔

وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ○ ❼:

"آپ (ﷺ) کا کام صرف پہنچانا ہے"۔ اِس کے بعد آنحضرت ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی چادر پر بٹھایا اور باوجود نابینا ہونے کے اپنی غیر موجودگی میں مدینہ کا نائب بھی بنایا۔
یَزَّکّٰی اصل میں یَتَزَکّٰی تھا، تَاء کو زَاء کر کے زَاء کو زَاء میں اِدغام کر دیا۔

کَلَّآ اِنَّھَا تَذْکِرَۃٌ ○ ⓫:

سوال اِنَّھَا کی "ھَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟
جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:
① اِنَّھَا کی "ھَا" ضمیر سُوْرَۃ کی طرف راجع ہے۔
② اِنَّھَا کی "ھَا" ضمیر اٰیات کی طرف راجع ہے۔

❶ (سُوْرَۃُ النّٰزِعٰت: ۴۵)

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝۱۲:

ما قبل آیت میں لفظِ تَذْكِرَةٌ مصدر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ: مصدر ذُوالتَّاء ہو تو مذکر اور مؤنث دونوں کی ضمیر راجع ہو سکتی ہے، اس لیے "ہٗ" مذکر کی ضمیر راجع کی ہے۔

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝۱۳:

صُحُف، صَحِيْفَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "عزت والے صحیفوں میں"۔

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝۱۵:

سَفَرَة، سَافِرٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "لکھنے والے"۔

كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝۱۶:

كِرَام، كَرِيْم کے جمع ہے اور بَرَرَة، بَارّ کی جمع ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝۱۷:

اَيِ الْاِنْسَانُ الْكَافِرُ۔

اَكْفَرَ فعل تعجب کا صیغہ ہے۔ معنی ہیں: "اَيُّ شَيْءٍ حَمَلَهٗ عَلَى الْكُفْرِ"۔

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝۲۰:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① دُنیا میں بود و باش کے راستے آسان کیے، ایمان و کفر اور بھلے، بُرے کی سمجھ دی۔

② ماں کے پیٹ میں سے آسانی سے نکالا۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝۲۱:

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ "تفسیر عزیزی" میں لکھتے ہیں کہ: لفظِ اَقْبَرَ اگر بابِ اِفْعَال سے آجائے تو اُس کا معنی ہوتا ہے: "اَمَرَ غَيْرَهٗ اَنْ يُّدْفِنَهٗ فِي الْقَبْرِ" یعنی رب نے دوسروں کو حکم دیا کہ اِس مُردے کو قبر میں داخل کرو۔ اور لفظ اَقْبَرَ اگر بابِ كَرُمَ سے قَبُرَ لفظ آجائے تو اُس کا معنی ہوتا ہے: "خود قبر میں اُترنا"۔ یہاں بابِ اِفْعَال سے ہے۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝۲۳:

سوال يَقْضِ کے اندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ کس طرف راجع ہے؟

جواب يَقْضِ کے اندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ اِنسان کی طرف راجع ہے۔ معنی ہیں: "ابھی تک نہیں پوری کی اِنسان نے وہ چیز جو رب نے اُس کو دی تھی"۔

وَحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝۳۰:

لفظِ غُلْبٌ، غَلْبَآءُ کی جمع ہے جیسے حُمْرٌ، حَمْرَآءُ کی جمع ہے۔ غُلْب اُس عورت کو کہتے ہیں جس کی گردن موٹی ہو اور اُس کی گردن کی رگیں نظر نہ آتی ہوں۔ تو اب تشبیہ اِس میں یہ ہے کہ: اِتنے موٹے اور گنجان باغ ہیں کہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس درخت کی ٹہنی ہے؟

وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝۳۱:

اَبّ کا معنی ہے: "چارہ"۔

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝﴿٣٢﴾:

لفظِ مَتَاعًا ماقبل میں فَاَنْۢبَتْنَا ۔۔۔الآیۃ ● کے لیے مفعول لہ ہے۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝﴿٣٧﴾:

يُغْنِيْهِ اَیْ يُغْنِيْهِ عَنْ حَالِ غَيْرِهٖ یعنی ہرایک کے لیے ایسی شان ہوگی جو غیر کے حال سے اُس کو بے پرواہ کردے گی۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝﴿٤٢﴾:

كَفَرَة، كَافِرٌ کی جمع ہے اور فَجَرَة، فَاجِرٌ کی جمع ہے۔ عقیدے کے لحاظ سے کافر اور عمل کے لحاظ سے فاجر ہے۔

● (سُوْرَۃُ عَبَسَ، ۲۷)

رُكُوْعُهَا (۱) (۸۱) سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ (۷) اٰيَاتُهَا (۲۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

ربط: پچھلی سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر تھا اِس سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ التَّكْوِيْر ہے کیوں کہ پہلی آیت میں كُوِّرَتْ کا لفظ آتا ہے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ ﴿۱﴾:

لفظِ كُوِّرَتْ بابِ تَفْعِيْل سے ہے۔ معنی ہیں: "جس وقت سورج کو لپیٹ دیا جائے گا" لپیٹ دیا جائے یعنی رُوشنی سلب کی جائے گی اور اُوپر غلاف چڑھا دیا جائے گا۔

وَإِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ ﴿۲﴾:

اِنْكَدَرَتْ کا معنی ہے: "تَسَاقَطَتْ یعنی نیچے گر جائیں گے"۔ کہا جاتا ہے کہ: تَسَاقَطَ الطَّائِرُ عَلَى الْعُشِّ یعنی پرندہ اپنے گھونسلے پر گر پڑا۔

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ ﴿۴﴾:

عِشَارٌ، عُشَرَاءُ کی جمع ہے۔ وہ اُونٹنی جس کو حاملہ ہوئے دس (۱۰) ماہ گذرے ہوں، ایسی اُونٹنی کا مالک بالکل حفاظت میں اُس کو رکھتا ہے۔ لیکن قیامت میں ایسی ہولناکی ہوگی کہ: دس (۱۰) ماہ کی گابھن اُونٹنی کو معطل چھوڑ دیا جائے گا، اُس کو کوئی نہیں پوچھے گا۔

وَإِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ ﴿۵﴾:

"جس وقت وحشی جانور جمع کیے جائیں گے" یعنی حساب وکتاب کے لیے میدانِ محشر میں جمع کیے جائیں گے۔

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ ﴿۶﴾:

"جب سمندر کو آگ لگا دی جائے"۔

وَإِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ ﴿۷﴾:

"جب نفوس کو جوڑا جائے گا"۔ اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ... الآیۃ ❶ یعنی کافر کافر کے ساتھ اور مسلم مسلم کے ساتھ، پھر ہر قسم کا نیک یا بد عمل کرنے والا اپنے جیسے عمل کرنے والوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا اور عقائد، اعمال، اَخلاق وغیرہ کے اِعتبار سے الگ جماعتیں بنا دی جائیں گی۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: روحوں کو جسموں کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا۔ مرنے کے بعد رُوح کا جسم سے فِي الْجُمْلَة تعلّق ہوتا ہے جسے نَوْعٌ مِّنَ الْحَيَاة کہتے ہیں، بِالْجُمْلَة تعلّق نہیں ہوتا کہ دوسروں کو نظر آ جائے۔ پس! قیامت میں بِالْجُمْلَة حیات ہوگی۔

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ ﴿۱۰﴾:

"جب صحیفے بکھیرے جائیں گے" ہر ایک کو اپنے سامنے اپنا پرچہ کھلا ہوا ملے گا۔

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝ ﴿۱۱﴾:

"جب آسمان کا چھلکا اُتارا جائے گا" آج آسمان نیلا ہے، یہ نیلا چھلکا اُتار کر گلابی رنگ پھیر دیا جائے گا۔

❶ (سُوْرَةُ الصّٰفّٰت. ۲۲)

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ أَحْضَرَتْ ۝۱۴:
یہ إِذَا کی جزاء ہے اور پہلی تیرہ (۱۳) چیزیں شرط ہیں۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝۱۵:
پانچ (۵) ستارے ہیں جن کو ریاضی والے خَمْسَة مُتَحَيِّرَة کہتے ہیں:
① زحل۔ ② مشتری۔ ③ عطارد۔ ④ مریخ۔ ⑤ زہرہ۔
یہ ایسی چال چلتے ہیں کہ کبھی مغرب سے مشرق کو چلتے ہیں سیدھے، کبھی پلٹ کر اُلٹے پھرتے ہیں اور کبھی سورج کے پاس آ کر کئی دنوں تک غائب رہتے ہیں۔
خُنَّس، خَنْسَاء یا أَخْنَس کی جمع ہے۔

اَلْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝۱۶:
جَوَار، جَارِيَة کی جمع ہے، كُنَّس، كَنْسَاء یا أَكْنَس کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "پیچھے پلٹتے ہیں"۔

وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝۱۷:
لفظِ عَسْعَسَ کے معنی ہیں: أَدْبَرَ، أَقْبَلَ یعنی یہ اضداد میں سے ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝۱۹:
یہ ماقبل قسموں کے لیے جوابِ قسم ہے۔

مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِيْنٍ ۝۲۱:
مُطَاع یعنی فرشتوں کا سردار اور امام ہے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲۲:
سوال صَاحِبُكُمْ سے کون مُراد ہے؟
جواب صَاحِبُكُمْ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مُراد ہے۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝۲۳:
سوال رَاٰی کے اندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے کس طرف راجع ہے؟ اور جو "ہٗ" ضمیر بارز ہے وہ کس طرف راجع ہے؟
جواب رَاٰی کے اندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ صَاحِبُكُمْ کی طرف راجع ہے۔ اور جو "ہٗ" ضمیر بارز ہے وہ رسول کی طرف راجع ہے۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝۲۴:
سوال "هُوَ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟
جواب "هُوَ" ضمیر صَاحِبُكُمْ کی طرف راجع ہے۔
بِضَنِيْنٍ میں اختلافِ قرأت: قراء سبعہ میں تین (۳) قراء بِضَنِيْنٍ کو "ظَاء" کے ساتھ پڑھتے ہیں اور چار (۴) قراء "ضَاد" کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ جب قرأت "ظَاء" کے ساتھ ہو تو معنی ہے: "متہم"۔ جب قرأت "ضَاد" کے ساتھ ہو تو معنی ہے: "بخل"۔
اہلِ بدعت کا غلط استدلال: اہل بدعت نے اِس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس میں بخل نہیں کیا۔
جواب یہ سورۃ تو ساتویں نمبر پر نازل ہوئی ہے، اِس کے بعد ایک سو سات (۱۰۷) سورتیں نازل ہوئیں وہ بھی تو غیب ہی کا حصہ ہیں ورنہ تو یہ ماننا لازم آئے گا کہ: اِس سورۃ کے نزول کے بعد قرآن کا کوئی حصہ نہیں اُترا۔

رُکُوْعُھَا (۱) (۸۲) سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ مَکِّیَّۃٌ (۸۲) اٰیَاتُھَا (۱۹)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: پچھلی سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر تھا اس سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔ اِس طور پر کہ: اِنسان کو اپنی خلقت یاد دلائی گئی ہے کہ اے اِنسان! قیامت کا اِنکار مت کر اپنی خلقت کو تو دیکھ۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَار ہے۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ○ ﴿۵﴾:

یہ اِذَا کی جزاء ہے ماقبل چار (۴) چیزیں شرط ہیں۔

فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ ○ ﴿۷﴾:

یعنی اَعضاء کے جوڑ بند دُرست کیے اور حکمت کے موافق اُن میں تناسب رکھا۔ مثلاً اگر ایک آنکھ ہوتی اور دوسری جگہ ہموار ہوتی تو اِعتدال نہ ہوتا۔

کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ○ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ ﴿۱۱،۱۲﴾:

پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ: مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ○ ❶ اِنسان جو لفظ بولتا ہے اُس کو وہ جانتے ہیں، وہاں قول کا اِثبات تھا کہ: قول کو جانتے ہیں، اب یہاں اِس آیت سے فعل کا اِثبات ہے کہ فعل کو بھی جانتے ہیں۔ لیکن جو دل میں خیالات پیدا ہوتے ہیں اُن کو بھی جانتے ہیں یا نہیں جانتے؟!! اِس میں اختلاف ہے۔ چناں چہ دو (۲) طبقے ہیں:

① حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: دلوں کا حال بھی جانتے ہیں۔

اِشْکَال: عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ تو رب کی ذات ہے؟

جَوَاب: حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: تمام دلوں کی باتوں کو تو رب جانتا ہے۔ البتہ ہر ایک کا فرشتہ اُس کے دل کی بات کو جانتا ہے دوسرے کے دل کی بات کو نہیں جانتا۔

② جمہور محققین فرماتے ہیں کہ: دل کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ "کشف الاسرار" وغیرہ میں ہے کہ: دل میں جو خیال پیدا ہوتا ہے تو اگر اچھا خیال ہو تو خوشبو آتی ہے اور اگر بُرا خیال ہو تو بدبو آتی۔ پس! اِس سے فرشتہ اِجمالاً اَچھائی یا بُرائی لکھ لیتا ہے۔

وَمَا ھُمْ عَنْھَا بِغَآئِبِیْنَ ○ ﴿۱۶﴾:

"جب جہنم میں ڈالے گئے تو اُس سے غائب نہیں ہوں گے" یعنی داخلے کے بعد غیر حاضر نہ ہوں گے۔

❶ (سُوْرَۃُ قٓ ۱۸)

آیَاتُھَا (۳۶) (۸۳) سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِیْنَ مَکِّیَّۃٌ (۸۶) رُکُوْعُھَا (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: "تفسیر بیان القرآن، سبق الغایات فی نسق الآیات اور کبیر" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پچھلی سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر تھا اِس سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر ہے، لیکن اِس سورۃ میں حُقُوْقُ الْعِبَاد کا ذکر بھی ہے کیوں کہ حُقُوْقُ الْعِبَاد کا بھی نیکی اور بدی میں دخل ہے اور قیامت کے دن پورا بدلہ دینا ہوگا۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِیْنَ ہے، اِس لیے کہ پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے۔ تَطْفِیْف کے معنی ہوتے ہیں: "کمی کرنا"۔

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ○ ﴿۱﴾:

وَیْلٌ کے دو (۲) معنی ہیں:

① وَیْلٌ وَادِیٌ مِّنَ الْجَهَنَّمِ۔

② اَلْوَیْلُ اَلْھَلَاکَۃُ۔

اَلَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ○ ﴿۲﴾:

عَلٰی بمعنی مِنَ ہے۔ معنی ہیں: "جب ماپ کر لیتے ہیں لوگوں سے"۔

وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ ○ ﴿۳﴾:

"جلالین" تک میں آپ کو ملے گا: وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَیْ کَالُوْا لَھُمْ اَوْ وَزَنُوْا لَھُمْ کیوں کہ بندوں کو تو کیل نہیں کیا جاتا اور نہ ہی وزن کیا جاتا ہے۔

کَلَّآ اِنَّ کِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ ○ ﴿۷﴾:

"تفسیر خازن، معالم التنزیل، ابن کثیر، روح المعانی، ابن جریر طبری" وغیرہ میں قدرِ مشترک بات یہ ہے کہ: ساتویں زمین کے نیچے ایک جگہ ہے اُس کو سِجِّیْن کہتے ہیں، وہاں اَرواح کفار و فجار ہیں اور ساتوں آسمانوں کے اُوپر ایک مقام ہے وہاں نیک لوگوں کی اَرواح ہیں اُس کو عِلِّیِّیْن کہتے ہیں۔

اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ○ ﴿۱۳﴾:

لفظ اَسَاطِیْرُ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ اَیْ ھِیَ اَسَاطِیْرُ۔

کَلَّا بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ○ ﴿۱۴﴾:

رَانَ کے معنی ہیں: غَلَبَ یعنی جس طرح لوہے کو پانی میں زنگ لگ جاتا ہے اِسی طرح گناہوں کی وجہ سے دل بھی سیاہ ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: اِذَا اَذْنَبَ الْعَبْدُ نُکِتَ فِیْ قَلْبِهٖ نُکْتَۃٌ سَوْدَآءُ۔ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اُس کے دل پر لگ جاتا ہے، اگر توبہ کر لے تو مٹ جائے گا ورنہ جوں جوں گناہ کرتا جائے گا وہ نقطہ بڑھتا اور پھیلتا رہے گا یہاں تک کہ دل بالکل کالا سیاہ ہو جائے گا اور حق و باطل کی تمیز بھی باقی نہ رہے گی۔ [1]

عام گناہوں کا نیکی کرنے سے اور بعض گناہوں کا توبہ کرنے سے وہ زنگ ختم ہوتا ہے، لیکن قاعدہ گذرا ہے کہ: جن حُقُوْقُ اللہ کی قضاء ہے وہ پہلے ادا کرے اور حُقُوْقُ الْعِبَاد میں معافی مانگے۔

کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ○ ﴿۱۵﴾:

"اُس دن وہ اپنے رب سے رُوکے جائیں گے"۔

---

[1] (المستدرک علی الصحیحین، کتاب الایمان، ج ۱، ص ۴۵، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سوال اِس آیت میں ہے کہ: اُس دن وہ اپنے رب سے روکے جائیں گے، جب کہ دیگر آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے رب کے سامنے ہوں گے؟

جواب مَحْجُوْب کا معنی ہے: لَا يَنْظُرُهُمْ بِنَظْرِ شَفْقَةٍ یعنی اللہ تعالیٰ اُن پر نظرِ شفقت نہیں فرمائیں گے ورنہ اللہ تعالیٰ سے کوئی شئی چھپی ہوئی نہیں ہے۔

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝۱۸:

ساتویں آسمان کے اُوپر ایک مقام ہے اُس کا نام عِلِّيِّيْن ہے۔

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝۲۵:

رَحِيْق کا معنی ہے: "خالص شراب"۔

مَخْتُوْم کا معنی ہے: "مہر لگائی ہوئی"۔

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝۲۶:

وَفِيْ ذٰلِكَ اَیْ وَفِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ۔

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۝۲۷:

تَسْنِيْم کیا ہے؟ اگلی آیت میں فرمایا: عَيْنًا چشمہ ہے۔ مقربین اُس چشمہ کی شرابِ خالص کو پیتے ہیں اور عام مومنوں کو اُس کا پانی ملا کر دیا جاتا ہے۔

مسئلہ: مردوں کے لیے ٹخنوں کے نیچے پاجامہ، تہبند وغیرہ لٹکانا مکروہِ تحریمی ہے، یہ اَحناف کا فتویٰ ہے اور شوافع اِس کو مکروہ تنزیہی سمجھتے ہیں۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ۝۳۰:

ایمان والوں پر آوازیں کستے تھے، اِس طرح کہ: وہ دیکھو! مسواک والا، بستر والا، مولوی، داڑھی والا وغیرہ۔

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶:

هَلْ بمعنی قَدْ ہے۔

سوال مَا کون سا ہے؟

جواب مَا اِستفہامیہ ہے اور اِستفہام کا جواب نَعَمْ محذوف ہے۔

اٰیَاتُھَا (۲۵) (۸۴) سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ (۸۳) رُکُوْعُھَا (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم O

ربط: پچھلی سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر تھا اس سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر ہے اور مؤمنوں اور کافروں کا فرق ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاق ہے، اِس لیے کہ پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ ۱ :

"تفسیر روح المعانی، البحر المحیط، جمل، کمالین" وغیرہ میں اِس اِذَا کے بارے میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اِذَا ظرفیہ ہے۔ اَیْ اُذْکُرْ اِذَا۔

② اِذَا شرطیہ ہے۔

سوال اگر اِذَا شرطیہ ہے تو اس کی جزاء کیا ہے؟

جواب اِس میں دو اَقوال ہیں:

① اِس کی جزاء مذکور ہے۔

② اِس کی جزاء محذوف ہے۔

سوال اگر اِس کی جزاء مذکور ہے تو وہ کیا ہے؟

جواب اِس میں دو اَقوال ہیں:

① وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا ... الآیۃ ❶ جزاء ہے اور وَاؤ جو ہے مَزِیْدَةٌ ہے۔

② فَمُلٰقِیْهِ ۝ ❷ جزاء ہے۔

سوال اگر اِس کی جزاء مذکور ہے تو وہ کیا ہے؟

جواب اِس میں دو اَقوال ہیں:

① علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لَقِیَ الْاِنْسَانُ عَمَلَهٗ جزاء ہے۔

② دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ: عَلِمَتِ الْاِنْسَانُ مَا عَمِلَتْ جزاء ہے۔

وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ ۲ :

اَذِنَتْ کے لفظی معنی ہیں "کان رکھنا" لیکن ہے بمعنی سَمِعَتْ۔

لِرَبِّهَا اَیْ لِحُکْمِ رَبِّهَا۔

حُقَّتْ کا معنی ہے: "اور اُس آسمان کے لیے مناسب بھی یہی ہے کہ کان رکھے اپنے رب کے حکم پر"۔

وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ ۝ ۴ :

خالی ہونے کے دو (۲) معنی ہیں:

① پٹرول، معدنیات وغیرہ سے خالی ہو جائے گی۔

② مُردوں سے خالی ہو جائے گی۔

❶ (سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاق. ۲) ❷ (سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاق. ۶)

وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵:

حُقَّتْ کا معنی ہے: "اور اُس زمین کے لیے مناسب بھی یہی ہے کہ کان رکھے اپنے رب کے حکم پر"۔

یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ ۝۶:

"اے اِنسان! تو تکلیف اٹھانے والا ہے اپنے رب کی طرف پہنچتے ہوئے"۔ کَدْحًا کا معنی ہے: تکلیف اٹھانا۔ ظاہر بات ہے!! بھوکا، پیاسا، بیمار، سردی، گرمی وغیرہ طرح طرح کی تکلیفیں آدمی رب تک پہنچنے سے پہلے برداشت کرتا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰:

"جس کو دی جائے گی کتاب اُس کی پیٹھ کے پیچھے سے"۔

فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱:

"وہ طلب کرے گا ہلاکت کو"۔ جیسے آپ پہلے پڑھ چکے ہیں، وہ کہے گا: یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۝ [1] اِسی طرح دوسرے مقام پر ہے: وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ۔۔۔الآیۃ [2]

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ۝۱۴:

اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔

لَنْ یَّحُوْرَ اَیْ لَنْ یَّرْجِعَ ۔ اُس نے یہ خیال کیا کہ: رب کی طرف لوٹنا نہیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝۱۶:

شَفَق اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سفیدی کو کہتے ہیں، دوسرے حضرات کے نزدیک سُرخی کو کہتے ہیں۔

وَالَّیْلِ وَمَا وَسَقَ ۝۱۷:

وَسَقَ اَیْ جَمَعَ۔

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝۱۸:

قسم ہے چاند کی جس وقت وہ پورا ہو جائے۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝۱۹:

عَنْ بمعنی بَعْدَ کے ہے۔ اَیْ طَبَقًا بَعْدَ طَبَقٍ یعنی ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر۔ اِس طور پر کہ: پہلے منی، پھر خون، پھر بوٹی وغیرہ۔ جس طرح چاند مختلف مراتب سے گزرتا ہے اِسی طرح تم بھی مختلف حالات سے گذرتے ہو۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ ۝۲۳:

یُوْعُوْنَ کا معنی ہے: "جمع کرتے ہیں"۔ لفظی معنی ہے کہ: چیزوں کو برتنوں میں رکھتے ہیں۔ یہ مجہول نہیں بل کہ معلوم کا صیغہ ہے۔

---

[1] (سُوْرَۃُ الْحَآقَّۃ، ۲۷) [2] (سُوْرَۃُ الزُّخْرُف، ۷۷)

(۸۵) سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ (۲۷)　آيَاتُهَا (۲۲)　رُكُوعُهَا (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: آپ نے پچھلی سورۃ میں پڑھا کہ: يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ○● اے اِنسان! اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے تجھے بڑی تکلیفیں آئیں گی تو آگے ایک ایسے واقعہ کا ذکر ہے جو انتہائی تکلیف دہ تھا۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْبُرُوْج ہے۔

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ○:

"قسم ہے اُس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے"۔ مَوْعُوْد سے قیامت کا دن مُراد ہے۔

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ○:

شَاهِد سے جمعہ مُراد ہے اور مَشْهُوْد سے عرفہ مُراد ہے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ○:

یہ قُتِلَ جوابِ قسم ہے۔ اُخْدُوْد مفرد ہے، اَخَادِيْد جمع ہے۔ معنی ہیں: "خندق"۔

واقعہ: "صحیح مسلم، ترمذی اور مسند احمد وغیرہ" میں یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: پہلے زمانہ میں کوئی کافر بادشاہ تھا، اُس کے ہاں ایک ماہر جادوگر رہتا تھا، بعض نے اُس کا نام سَطِيْح بتایا ہے، بادشاہ کا نام یوسف بن شراحبیل تھا، ذونواس اُس کا لقب تھا، حمیر قبیلے سے تھا، یمن کا بادشاہ تھا، جب ساحر کی موت کا وقت قریب ہوا تو اُس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ: ایک ہوشیار اور ہونہار لڑکا مجھے دیا جائے تو مَیں اُس کو اپنا علم سکھادوں گا تاکہ میرے بعد یہ علم مٹ نہ جائے۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں تلاش کے بعد ایک لڑکا تجویز کیا گیا، اُس لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر تھا، جو روزانہ ساحر کے پاس جاکر اُس سے علم سیکھتا تھا، راستہ میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا، جو اُس وقت کے اِعتبار سے دینِ حق پر تھا، لڑکا اُس کے پاس بھی آنے جانے لگا، وہ راہب اپنے سامنے ٹوپیاں اور مسواک وغیرہ رکھتا تھا اور اصل مقصد تبلیغ تھا۔ یہ واقعہ آپ ﷺ کی ولادت سے ستر (۷۰) سال پہلے کا ہے۔ وہ لڑکا خفیہ طور سے راہب کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا اور اُس کے فیضِ صحبت سے ولایت وکرامت کے درجہ کو پہنچا۔ ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ: کسی بڑے جانور نے راستہ رُوک رکھا ہے جس کی وجہ سے مخلوق پریشان ہے، اُس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دُعا کی کہ: اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے۔ یہ کہہ کر پتھر پھینکا جس سے اُس جانور کا کام تمام ہوگیا، لوگوں میں شور ہوا کہ: اِس لڑکے کو عجیب علم آتا ہے، کسی اَندھے نے سُن کر درخواست کی کہ: میری آنکھیں ٹھیک کردو۔ لڑکے نے کہا کہ: ٹھیک کرنے والا مَیں نہیں وہ اللہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ ہے، اگر تُو اُس پر اِیمان لایا تو مَیں دُعا کروں گا اُمید ہے کہ وہ تجھ کو بینا کردے گا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا، شدہ شدہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں، اُس نے برہم ہوکر لڑکے کو مع راہب اور اَندھے کے طلب کرلیا اور کچھ بحث وگفتگو کے بعد راہب اور اَندھے کو قتل کیا اور لڑکے کے نسبت حکم دیا کہ: اُونچے پہاڑ پر سے گرا کر ہلاک کردیا جائے۔ مگر خدا کی قدرت!! جو لوگ اُس کو لے گئے تھے سب پہاڑ سے گر کر ہلاک ہوگئے اور لڑکا صحیح سالم چلا آیا۔ پھر بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا، وہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ: لڑکا صاف بچ کر نکل آیا اور جو لے گئے تھے وہ سب دریا میں ڈوب گئے۔ آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ: مَیں تم کو اپنے مرنے کی ترکیب بتلاتا ہوں، تم سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو، اُن کے سامنے مجھ کو سُولی پر لٹکاؤ اور یہ لفظ کہہ کر مجھے تیر مارو: بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ۔ چناں چہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہوگیا۔ یہ عجیب واقعہ دیکھ کر فوراً لوگوں کی زبان سے نکلا: اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ۔ لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ: لیجیے جس چیز کی تو رُوک تھام کررہا تھا وہی پیش آئی، پہلے تو کوئی اِکا دُکا مسلمان

●(سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاق: ۲)

ہوتا تھا، اب خلقِ کثیر نے اسلام قبول کرلیا۔ بادشاہ نے غصہ میں آ کر بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور اُن کو خوب آگ سے بھروا کر اعلان کیا کہ: جو شخص اسلام سے نہیں پھرے گا اُس کو ان خندقوں میں جھونک دیا جائے گا، آخر لوگ آگ میں ڈالے جانے لگے، لیکن اسلام سے نہیں ہٹے، ایک مسلمان عورت لائی گئی جس کے پاس دودھ پیتا بچہ تھا، شاید بچہ کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی، مگر بچہ نے خدا کے حکم سے آواز دی: اُمَّاهُ اِصْبِرِیْ فَاِنَّكِ عَلَی الْحَقِّ۔ اب جس وقت یہ لوگ اِردگرد بیٹھ کر تماشے منا رہے تھے، اچانک آگ پھیلی سب کو ختم کر دیا۔

وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾:

حَرِیْق کے معنی ہیں: "جلانے والا"۔

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾:

لفظِ وَدُوْدُ، فَعُوْلٌ کے وزن پر وَدَّ، یَوَدُّ باب سَمِعَ، یَسْمَعُ سے ہے۔ معنی ہیں: "محبت کرنے والا"۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾:

یہ تو ایک واقعہ ہم نے سنایا، کیا تیرے پاس لشکروں کی خبریں پہنچی ہیں؟!! فرعون اور ثمود کے؟!!

آيَاتُهَا (۱۷) (۸۶) سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ (۳۶) رُكُوْعُهَا (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: اُن لوگوں نے مؤمنوں کو فتنہ میں ڈالا اور اِس سورۃ میں یہ بتاتے ہیں کہ: جو کام بھی اِنسان کرتا ہے اُس پر نگران مقرر ہیں۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الطَّارِق ہے۔

اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ ○ ﴿۳﴾:

سوال نَجْم سے کون سا ستارہ مُراد ہے؟

جواب اِس میں مختلف اَقوال ہیں:

① نَجْم سے قمر مُراد ہے۔

② نَجْم سے ثریا ستارہ مُراد ہے۔

③ نَجْم سے زحل ستارہ مُراد ہے۔

④ نَجْم سے كُلُّ نَجْمٍ فِي السَّمَآءِ مُراد ہے۔

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ○ ﴿۴﴾:

لَمَّا بمعنی اِلَّا ہے۔

سوال حافظ سے کون مُراد ہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اِس سے اَعمال لکھنے والے فرشتے مُراد ہیں۔

② رب تعالیٰ کی ذات سب کی محافظ ہے۔

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ○ ﴿۶﴾:

دَافِق بمعنی مَدْفُوْق۔

يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ○ ﴿۷﴾:

تَرَآئِب، تَرِيْبَةٌ کی جمع ہے جیسے سَرَاوِيْل، سِرْوَالٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "چھاتی"۔

اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ○ ﴿۸﴾:

"جو رب پیدا کرتا ہے وہ لوٹانے پر بھی قادر ہے"۔

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ یہ معنی کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دوبارہ لوٹانے پر قادر ہے۔

② امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اِس پر قادر ہے کہ منی کا قطرہ اِحلیل میں لوٹا دے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ○ ﴿۹﴾:

سَرَآئِر، سَرِيْرَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "راز کی بات"۔

فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝۱۰:

سوال لَهٗ کی "ہ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب لَهٗ کی "ہ" ضمیر انسان کی طرف راجع ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝۱۱:

اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① آسمان چکر لگاتا ہے اور اپنے مقام کو واپس آتا ہے۔

② بارش وغیرہ برساتا ہے اور پھر اپنی حالت پر واپس جاتا ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝۱۳:

سوال اِنَّهٗ کی "ہ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِنَّهٗ کی "ہ" ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔

اٰيَاتُهَا (۱۹)　(۸۷) سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ (۸)　رُكُوْعُهَا (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: پچھلی سورۃ میں ذکر تھا کہ: اِنسان کو رب تعالیٰ نے حقیر قطرے سے پیدا کیا ہے، اِس سورۃ میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے اِنسان کے لیے ہدایت کے اَسباب پیدا کیے ہیں اور نعمتوں کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْاَعْلٰى ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝۲:

سَوّٰى کا مطلب یہ ہے کہ: "تمام اَعضاء کو مناسب بنایا"۔

وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝۳:

مطلب یہ ہے کہ: عورت ہے یا مرد، کالا ہے یا سرخ؟!!

وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝۴:

یعنی اَوّلاً نہایت سبز وخوش نما گھاس اور چارہ زمین سے پیدا کیا، پھر آہستہ آہستہ اُس کو خشک وسیاہ کر ڈالا تاکہ خشک ہو کر ایک مدت تک جانوروں کے لیے ذخیرہ کیا جاسکے اور خشک کھیتی کٹ کر کام آئے۔ پہاڑی لوگ آسانی سے سمجھیں گے، برف باری ہوتی ہے، اُس میں نہ گھاس ہوتی ہے اور نہ جانور چل سکتے ہیں تو وہ خشک گھاس جمع کرتے ہیں، اُس پر جب زمانہ گذر جاتا ہے تو کالے رنگ کی ہوجاتی ہے۔ اِسی طرح رب تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کے سینہ میں قرآن پاک جمع کیا ہے، یہ قرآن پاک اِنسانوں کی خوراک ہے جس طرح گھاس جانوروں کی خوراک ہے۔

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝۵:

غُثَآء کے معنی ہیں: "خشک" اور اَحْوٰى کے معنی ہیں: "سیاہ"۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔۔۔الآية ۝۶:

"ہم تجھے پڑھائیں گے تُو بھولے گا نہیں"۔

یہ ایک مفصل بحث ہے کہ: جس چیز کا نسیان رب کو منظور ہو یہ بھی نسخ کی ایک قسم ہے، آپ ﷺ کو وہ چیز بھلادی جاتی تھی، یاد نہیں رہتی تھی۔

فَائِدَة: توجہ کے ساتھ نماز کے بعد تین (۳) بار پڑھنا یہ حافظہ کے لیے مجرب ہے۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝۸:

اِس کے دو (۲) معنی ہیں:

① لِلْيُسْرٰى اَیْ اَلشَّرِیْعَةِ الْيُسْرٰى۔

② يُسْرٰى کا معنی ہے: "جنت"۔

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝۹:

سوال: اِنْ کون سا ہے؟

جواب: اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① اِنْ بمعنی قَدْ ہے۔ معنی ہیں: "نصیحت کر تحقیق سے نفع دیتی ہے نصیحت"۔　② اِنْ شرطیہ ہے۔ معنی ہیں: "نصیحت کر اگر نصیحت نفع دے"۔

فَائِدَة: ایک ہے تبلیغ اور ایک ہے تذکیر۔ تبلیغ کا معنی ہے: "بات کو پہنچا دینا"۔ یہ تو لازم ہے جیسا کہ ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔۔۔الآیۃ ❶ اور تذکیر کا معنی ہے: "بار بار یاد دلانا"۔ اِس میں یہ ہے کہ: اگر قرینہ سے معلوم ہو کہ: بار بار یاد دہانی فائدہ دے گی تو پھر کرے۔

صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى ۝۱۹:

اِن دونوں پیغمبروں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ: یہ لوگ اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ اِس وجہ سے کیا کہ: سرزمین عرب پر مشرکین کے بعد سب سے زیادہ یہود تھے۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْمَآئِدَة، ۶۷)

أٰيَاتُهَا (۲٦) (۸۸) سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ (٦۸) رُكُوْعُهَا (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

ربط: اَبھی آپ نے وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى o ❶ پڑھا، اب آخرت کے بارے میں بیان فرماتے ہیں۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْغَاشِيَة ہے، غَاشِيَة بھی قیامت کا ایک نام ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ o ۱:

"تفسیر کبیر" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: مفسرین کا اِس پر اتفاق ہے کہ: هَلْ بمعنی قَدْ ہے۔

غَاشِيَة کا معنی ہے: "چھا جانے والی گھڑی"۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ o ۳:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: وہاں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی۔ چلیں گے تو مشقت میں چلیں گے تو اُس وقت اُن کی کیفیت گویا کہ عَامِلَةٌ نَّاصِبَة ہوگی۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: دُنیا میں اُنہوں نے عمل بھی کیا، تکلیفیں بھی برداشت کیں، لیکن ایمان نہ ہونے کی وجہ سے کارآمد نہیں ہے۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ o ٦:

ضَرِيْع ایک خاردار جھاڑی ہے اُس کو جو جانور کھاتا ہے مر جاتا ہے، یہ تو دُنیا کا ضَرِيْع ہے آخرت کے ضَرِيْع سے تو خدا بچائے۔

لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ o ۷:

خوراک دو (۲) غرضوں کے لیے کھائی جاتی ہے:

① بھوک مٹانے کے لیے۔

② موٹاپے کے لیے۔ لیکن اُس کھانے سے یہ دونوں چیزیں حاصل نہیں ہوں گی۔

لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً o ۱۱:

سوال لَا تَسْمَعُ کے اَندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے کس طرف راجع ہے؟

جواب لَا تَسْمَعُ کے اَندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ وُجُوْهٌ ۔۔۔ الآیۃ ❷ کی طرف راجع ہے۔ لیکن یہاں مضاف محذوف ہے اَیْ لَا تَسْمَعُ اَصْحَابُ الْوُجُوْهِ۔

لفظ لَاغِيَة مصدر ہے، لَغْو کے معنی میں ہے۔ معنی ہیں: "نہیں سنیں گے وہاں کسی ایسے نفس کو جو بے ہودہ گو ہو"۔

وَنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ o ۱۵:

نَمَارِق یہ نَمْرُق کی جمع ہے اور نَمْرُق کو بِالْحَرَكَاتِ الثَّلَاثَةِ عَلَى النُّوْنِ پڑھا جا سکتا ہے۔ اِس مُراد تکیے ہیں۔

وَزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ o ۱٦:

زَرَابِيُّ یہ زِرْبِيَّةٌ کی جمع ہے اور زِرْبِيَّةٌ کو بِالْحَرَكَاتِ الثَّلَاثَةِ عَلَى الزَّاءِ پڑھا جا سکتا ہے۔ معنی ہیں: "قالین"۔

---

❶ (سُوْرَةُ الْاَعْلٰى ۱۷) ❷ (سُوْرَةُ الْغَاشِيَة ۸)

فَذَكِّرْ إِنَّمَآ أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ :

اِشکال: دیانندسرسوتی نے یہ اشکال کیا ہے کہ: اس فَذَكِّرْ کا پہلے اُونٹ وغیرہ سے کیا ربط ہے؟!! معلوم ہوا کہ قرآن پاک کا مصنّف جاہل ہے؟ (اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہ)

جواب: ربط سے باخبر نہ تھا، اُس نے یہ اشکال نادانی کی وجہ سے کیا ہے، مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ اُنہیں غریق رحمت کرے، (آمین) ہمارے اَکابر میں سے تھے، اُن کے اشعار بھی مَیں آپ کو سناتا رہتا ہوں، اُنہوں نے مہاجرین کو خطاب کر کے فرمایا۔

زمین بدلی، زماں بدلا، مکین بدلے، مکان بدلا

نہ تُو بدلا، نہ مَیں بدلا تو پھر بدلا تو کیا بدلا

اُنہوں نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ: یہاں گہرا ربط ہے یعنی اے مَذَکِّر! تمہیں جفاکشی میں اُونٹ کی جفاکشی کو دیکھنا چاہیے، اے مبلغ! تُو آسمان کی بلندی کو دیکھ اور اپنے اَخلاق کو ایسا بلند کر اور حق اور عقائد والی بات میں پہاڑ کی طرح مضبوط رہو اور تواضع میں زمین کو دیکھ، اِن سب سے زیادہ اپنے آپ میں تواضع پیدا کر۔ اِس سے بھی کوئی قوی ربط ہو سکتا ہے؟!!

اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ :

اِیمان سے اِعراض کیا اور کتاب اللہ کے اَحکاموں سے اِنکار کیا۔ اِلَّا حرفِ اِستثناء ہے بمعنی لٰکِنَّ یعنی اِستثناء منقطع ہے۔

اٰيَاتُهَا (۳۰) (۸۹) سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۰) رُكُوْعُهَا (۱)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

ربط: پچھلی سورۃ میں تھا: اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۝[1] اگر حق سے اِعراض کیا اور کفر اختیار کیا تو اللہ سخت عذاب دے گا دُنیا کا بھی اور آخرت کا بھی، اب آگے چند واقعات بیان فرماتے ہیں کہ: جن لوگوں نے نافرمانی کی تو ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْفَجْر ہے۔

وَالْفَجْرِ ۝ (۱):

وَاوٴ قسمیہ ہے۔

سوال فجر سے کونسی فجر مُراد ہے؟

جواب اِس میں مختلف اَقوال ہیں:

① فَجْرُ كُلِّ يَوْمٍ۔ ② فَجْرُ يَوْمِ النَّحْرِ۔ ③ فَجْرُ يَوْمِ الْفِطْرِ۔

④ فَجْرُ يَوْمِ الْعَرَفَةِ۔ ⑤ فَجْرُ يَوْمِ الْاَوَّلِ مِنَ الْمُحَرَّمِ۔ ⑥ فَجْرُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔

کسی کا کسی سے تعارض نہیں سب اپنی جگہ پر حق ہیں۔

وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ (۲):

سوال دس (۱۰) راتوں سے کون سی دس (۱۰) راتیں مُراد ہیں؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① ذی الحجہ کی دس (۱۰) راتیں مُراد ہیں کیوں کہ اُن میں حج کے اَہم اَرکان اَدا کیے جاتے ہیں۔

② اِن سے رمضان المبارک کی آخری دس (۱۰) راتیں مُراد ہیں کیوں کہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ اُن راتوں میں ہے۔

③ محرم کی دس (۱۰) اِبتدائی راتیں مُراد ہیں کیوں کہ یہ سال کی اِبتدائی راتیں ہیں۔

وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ (۳):

سوال شَفْع اور وَتْر سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① شَفْع سے مُراد بڑی عید ہے اور وَتْر سے مُراد عرفہ کا دن ہے۔

② شَفْع سے وہ نمازیں مُراد ہیں جو جفت ہوں اور وَتْر سے وہ جو طاق ہوں۔

③ شَفْع سے مُراد مخلوق ہے کیوں کہ مخلوق میں جوڑا جوڑا ہے، سبز ہے تو مقابل میں سرخ ہے، زمین ہے تو اُس کے مقابل میں آسمان ہے وغیرہ اور وَتْر سے مُراد ذاتِ باری تعالیٰ ہے جو کہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ ہے۔

فَائِدَة: وَتْر میں دو (۲) لغات ہیں: بِالْفَتْحِ وَبِالْكَسْرِ الْوَاوِ۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝ (۴):

سوال يَسْرِ کے اَندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے کس طرف راجع ہے؟

[1] (سُوْرَةُ الْغَاشِيَة ۲۳، ۲۴)

جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:
① یَسْرِ کے اَندر جو"هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ لَیْل کی طرف راجع ہے۔ معنی ہیں: "قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے"۔
② یَسْرِ کے اَندر جو"هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ آپ ﷺ کی طرف راجع ہے۔ "قسم ہے اُس رات کی جس میں آپ ﷺ چلے یعنی معراج کے لیے تشریف لے گئے"۔

سوال یہ سب قسمیں ہیں، جوابِ قسم کیا ہے؟
جواب اِس میں دو(۲) اَقوال ہیں:
① جوابِ قسم مذکور ہے۔ ② جوابِ قسم محذوف ہے۔

سوال اگر جوابِ قسم مذکور ہے تو کیا ہے؟
جواب اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۞ جوابِ قسم ہے۔
سوال اگر جوابِ قسم محذوف ہے تو وہ کیا ہے؟
جواب علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَتُعَذَّبُنَّ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ۔

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۞ ۵:

حِجْر کا معنی ہے: "عقل"۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۞ ۶:

اَلَمْ تَرَ بمعنی اَلَمْ تَعْلَمْ ہے۔ پس! یہاں رُؤْیَت سے رُؤْیَتِ بِالْعَیْن مُراد نہیں بل کہ رُؤْیَتِ قلبی مُراد ہے۔

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۞ ۷:

"ستونوں والے" اِن کو ستونوں والے اِس لیے کہا کیوں کہ قد بڑے تھے، تو مکان اُونچے بناتے تھے تو ستون بھی بڑے اور اُونچے تھے۔
فَائِدَۃ: عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام یہ عَادِ اُوْلٰی ہے۔ عَادِ ثَانِیَة سے مُراد ثمود ہے۔ اِرَم آدمی کا نام تھا، اِرَم اِس لیے کہا کیوں کہ یہ عَادِ اُوْلٰی ہے۔
فَائِدَۃ: اِرَم علیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے، تانیث اِس لیے ہے کہ قبیلہ کا نام ہے۔

وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۞ ۹:

لفظِ ثَمُوْد یہ لفظِ عَاد کے محل پر عطف ہے۔
صَخْر، صَخْرَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "چٹان"۔
وَاد سے مُراد خیبر اور تبوک کے درمیان وادی القرٰی ہے۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ ۔۔۔ الاٰية ۞ ۱۵:

اَیْ اَلْاِنْسَانُ الْكَافِرُ۔

فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۞

اَكْرَمَنِ اصل میں اَكْرَمَنِيْ تھا، تخفیفاً یاء گر گئی۔

فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۞ ۱۶:

اَهَانَنِ اصل میں اَهَانَنِيْ تھا، تخفیفاً یاء گر گئی۔

---

① (سُوْرَۃُ الفَجر: ۱۴)

فَائِدَۃ: یہ عزّت مال سے نہیں اور یہ توہین تنگی سے نہیں کیوں کہ فرعون بہت مال دار تھا لیکن لائق توہین تھا اور نبی کریم ﷺ مال کے لحاظ سے کمزور تھے اور وہ عزّت والے تھے۔

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِيْنِۙ ﴿۱۸﴾:

لَا تَحٰٓضُّوْنَ کا مفعول محذوف ہے۔ اَیْ لَا تَحٰٓضُّوْنَ اَنْفُسَكُمْ، لَا تَحٰٓضُّوْنَ غَيْرَكُمْ۔

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّاۙ ﴿۱۹﴾:

"کھاتے ہو وراثت کا مال تم جمع کر کے" یعنی نہ بہنوں کا حق دیتے ہو، نہ پھوپھیوں کا حق دیتے ہو بل کہ خود کھا رہے ہو۔

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّاؕ ﴿۲۰﴾:

جَمًّا اَیْ كَثِيْرًا۔

كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّاۙ ﴿۲۱﴾:

یعنی زمین ہموار ہوگی کیوں کہ پہاڑ اُڑ جائیں گے۔

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّاۚ ﴿۲۲﴾:

یہاں دو (۲) گروہ ہیں:

① متقدمین کہتے ہیں کہ: جَآءَ رَبُّكَ سے حقیقت مُراد ہے جو اُس کی شان کے لائق ہے یعنی فیصلہ کے دن اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق آئیں گے۔

② متاخرین کہتے ہیں کہ: یہاں مضاف محذوف ہے: جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ تیرے رب کا حکم آئے گا۔ اِس سے حقیقت مُراد نہیں ہے۔

سوال لفظِ مَلَك میں اَلِف لَام کون سا ہے؟

جواب لفظِ مَلَك میں اَلِف لَام جنس کا ہے کیوں کہ ایک فرشتہ نہیں بل کہ بہت سارے فرشتے ہیں۔

وَجِایْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ۔۔۔ الآیۃ ﴿۲۳﴾:

جِایْٓءَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ معنی ہیں: "لائی جائے گی اُس دن جہنّم"۔ تمام تفسیروں میں لکھا ہے کہ: میدان محشر میں جب جہنّم کو لایا جائے گا ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) زنجیریں ہوں گی اور ہر زنجیر کو ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتے پکڑے ہوئے ہوں گے۔

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْۚ ﴿۲۴﴾:

سوال اِس حیات سے کیا مراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① حَیَاتِیْ سے دُنیا کی زندگی مُراد ہے اور لَام وقت کے لیے ہے۔ اَیْ لِوَقْتِ حَیَاتِیْ۔ مَیں اپنی دُنیاوی حیات کے وقت عمل کرتا۔

② حَیَاتِیْ سے آخرت کی زندگی مُراد ہے اور لَام تعلیلیہ ہے۔ اَیْ لِاَجْلِ حَیَاتِیْ۔ مَیں اُخروی زندگی کے لیے عمل کرتا۔

وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌؕ ﴿۲۶﴾:

وَثَاقَهٗ منصوب بنزع الخافض ہے۔ اَیْ كَوَثَاقِهٖ۔

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْۙ ﴿۲۹﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① صاحبِ ھدایہ فرماتے ہیں کہ: فَاء بمعنی مَعَ ہے اَیْ مَعَ عِبَادِیْ۔

② بعض حضرات کہتے ہیں کہ: مضاف محذوف ہے۔ اَیْ فِیْ جَمَاعَةِ عِبَادِیْ۔ دونوں صحیح ہیں۔

اٰيَاتُهَا (۲۰) (۹۰) سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ (۳۵) رُكُوْعُهَا (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: پچھلی سورۃ کے آخر میں نَفْسِ مُطْمَئِنَّۃ کا ذکر تھا، اب آگے مدِمقابل میں ایسے سرکش کا ذکر ہے جو غلط راستے پر مال خرچ کرنے پر گھمنڈ کرتا ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْبَلَد ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○ ﴿۱﴾:

بَلَد سے مُراد مکہ مکرمہ ہے۔

وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○ ﴿۲﴾:

حِلٌّ صفت کا صیغہ ہے، جب یہ بابِ ضَرَبَ، یَضْرِبُ سے آجائے تو معنی ہیں: "حلال کرنا" اور جب بابِ نَصَرَ، یَنْصُرُ سے آجائے تو معنی ہیں: "اُترنا"۔

سوال حلال کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کیوں کی؟ حلال اور حرام کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے؟!!

جواب حلال کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف مجازی ہے یعنی حلال تو کیا اللہ تعالیٰ نے اور آپ ﷺ سبب بنے حلّت کا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: اُحِلَّتْ لِیْ سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ ❶ یہ تفصیل اُس وقت ہے جب کہ لفظِ حِلٌّ بابِ ضَرَبَ سے ہو۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ○ ﴿۳﴾:

سوال والد سے کون مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① والد سے ہر جننے والا مُراد ہے خواہ حیوانات میں سے ہو، اِنسانوں میں سے ہو، یعنی بچھو، سانپ، اِنسان وغیرہ سب مُراد ہیں۔

② والد سے حضرت آدم علیہ السلام مُراد ہیں۔ تو مَا بمعنی مَنْ ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ○ ﴿۴﴾:

"ہم نے اِنسان کو پیدا کیا مشقت کے ساتھ"۔ اِس طور پر کہ: پہلے بچہ تھا تو چلنا پھرنا دشوار ہوتا تھا، پھر جوان ہوا تو کبھی بیمار، کبھی سردی، کبھی گرمی، کبھی درد وغیرہ۔ تو اِنسان پیدائش سے وفات تک طرح طرح کی مشقتوں میں رہتا ہے۔

يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ○ ﴿۶﴾:

لُبَد، لِبْدَۃٌ کی جمع ہے۔

سوال یہ قائل کون تھا؟

جواب ابوالاشد اسید ابن کلدہ ایک پہلوان تھا، اُس نے کہا کہ: مَیں نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت میں بہت مال صَرف کیا ہے۔ اِس نے بہت لوگوں کو پیسے دے کر اِسلام سے رُوکا، اِس نے اپنے ذہن کے مبلغین بھی تیار کیے، اُن کو وظیفے دیتا تھا، اُن سے اِعلان کرواتا تھا کہ: لوگو! محمد (ﷺ) کا ساتھ مت دو۔ اپنے اِس کام پر فخر کرتا تھا۔

یہ صرف مثال ہے، ہر زمانے میں حق کے خلاف مال خرچ کرنے والا ہوتا ہے۔

❶ (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الاذخر والحشیش فی القبر، ج۱، ص۱۸۰، طبع یادگار شیخ، کراچی)

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ ﴿۱۰﴾:

"تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ میں اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① نَجْدَیْن سے ماں کے پستان مُراد ہیں۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں کی چھاتی میں دُودھ تلاش کرتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو بتلایا ہے۔

② نَجْدَیْن سے خیر وشر، جنّت ودوزخ کے راستے مُراد ہیں، اللہ تعالیٰ نے دونوں راستے بتلائے ہیں کہ: یہ نیکی کا راستہ ہے اور یہ بدی کا راستہ ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ ﴿۱۱﴾:

عَقَبَة وہ گھاٹی جس پر چڑھنا مشکل ہو، جس طرح پہاڑ پر چڑھنا مشکل ہوتا ہے تو یہ غلام کا آزاد کرنا بھی مشکل ہے۔ اِس لیے عَقَبَة سے تعبیر کیا ہے۔

اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ ﴿۱۴﴾:

بھوک والا دن یعنی قحط سالی ہو۔

يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ ﴿۱۵﴾:

لفظِ يَتِيْمًا، اِطْعٰمٌ کی وجہ سے منصوب ہے۔

ذَا مَقْرَبَة کی قید لگا کر یہ بتایا کہ: وہ یتیم جو قریبی رشتہ دار ہو اُس کے دو (۲) حقوق ہیں:

① ایک یہ کہ یتیم ہے۔

② دوسرا یہ کہ ذَوِی الْقُرْبٰی میں سے ہے۔

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ﴿۱۶﴾:

اِس کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① مال دار لوگ زمین پر ویسے نہیں بیٹھتے، اگر چٹائی ہو تو وہ بچھاتے ہیں اور اگر میسر نہ ہو تو کم اَز کم دری بچھاتے ہیں اور یہ بے چارہ ایسا ہے کہ دری کی طاقت بھی نہیں رکھتا اِس لیے خاک پر بیٹھتا ہے۔

② اِتنا بھوکا ہے کہ: اُٹھ کر گر جاتا ہے اور خاک میں خاک آلود ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۷﴾:

یہ ثُمَّ ترتیبِ ذکری کے لیے ہے اِس طور پر کہ: پہلے یہ باتیں سن لیں تو اِس طرح یہ بھی سن لو، یہ معنی نہیں کہ: پہلے یہ کام کرو پھر ایمان لاؤ۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ ﴿۱۸﴾:

مَيْمَنَه کا معنی ہے: "دایاں یا برکت والا"۔

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝ ﴿۲۰﴾:

اِمام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب اُن کو دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا تو دروازے بند کر دیے جائیں گے۔

آیاتُھا (۱۵) (۹۱) سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ (۲۶) رُکُوعُھا (۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ربط: پچھلی سورۃ میں آپ نے اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ ۞ اور اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَةِ ۞ کا ذکر سنا، اِس سورۃ میں بھی دو (۲) طبقوں کا ذکر ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىهَا ۞ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ۞

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الشَّمْس ہے۔

وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۞:

تَلَی، یَتۡلُ اگر تِلَاوَۃٌ مصدر ہو تو معنی ہیں: "پڑھنا" اور اگر تِلُوًّا مصدر ہو تو معنی ہیں: "پیچھے آنا"۔ یہاں اس کا مصدر تِلُوًّا ہے۔

وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۞:

"دن کی قسم جس وقت سورج کو رُوشن کرتا ہے"۔

دن کی طرف سورج کو رُوشن کرنے کی اِسنادِ مجازی ہے کیوں کہ جوں جوں دن اُوپر چڑھتا ہے سورج رُوشن ہوتا ہے۔

وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰىهَا ۞:

"رات کی قسم جس وقت سورج کو تاریک کردے" رات آئی تو سورج ڈوب گیا۔

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۞:

سوال یہ مَا کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① مَا بمعنی مَنۡ ہے۔ معنی ہیں: "قسم ہے آسمان کی اور اُس ذات کی قسم جس نے اُس کو بنایا ہے"۔

② مَا مصدریہ ہے۔ معنی ہیں: "قسم ہے آسمان کی اور اُس کی بناوٹ کی"۔

فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا ۞:

اُس کو اِلہام کیا یعنی اُس کی فطرت میں یہ ڈالا کہ یہ بُری بات ہے یا اَچھی بات ہے۔

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىهَا ۞:

یہ جوابِ قسم ہے اور ماقبل میں تمام قسمیں ہیں۔

علّامہ ابو سعود ؒ فرماتے ہیں کہ: قَدۡ اَصل میں لَقَدۡ تھا لَام حذف کردیا کیوں کہ یہ مقام تخفیف چاہتا ہے۔

وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ۞:

دَسَّا اَصل میں دَسَّسَ تھا۔ دَسَّ، یُدَسُّ، تَدۡسِیۡسًا بابِ تَفۡعِیۡل سے ہے۔ معنی ہے: اِخۡفَاءُ الشَّیۡءِ فِی الشَّیۡءِ۔ کسی چیز کا چیز میں چھپا دینا۔ اب معنی یوں ہوں گے: نامُراد ہے وہ مَنۡ دَسَّ النَّفۡسَ فِی الۡاٰثَامِ، فِی الذُّنُوۡبِ، فِی الۡمَعَاصِیۡ۔

اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰىهَا ۞:

شَقِی سے قدار بن سالف مُراد ہے۔

۞ (سُوْرَةُ الْبَلَد ۱۸) ۞ (سُوْرَةُ الْبَلَد ۱۹) ۞ (سُوْرَةُ الشَّمْس ۹) ۞ (سُوْرَةُ الشَّمْس ۱۰)

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾:

نَاقَةَ اللّٰهِ یہ ذَرُوْا یا اُتْرُکُوْا فعل محذوف کا مفعول ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱۴﴾:

سوال كَذَّبُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب كَذَّبُوْهُ کی "ہٗ" ضمیر رَسُوْلُ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیۃ ● کی طرف راجع ہے۔ رسول سے حضرت صالح علیہ السلام مراد ہیں۔

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾:

دَمْدَمَ، يُدَمْدِمُ، دَمْدَمَةً باب فَعْلَلَة سے ہے۔ معنی ہیں: "کسی پر مصیبت اُلٹ دینا، مصیبت ڈال دینا"۔

سوال فَسَوّٰىهَا کی "هَا" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب فَسَوّٰىهَا کی "هَا" ضمیر دَمْدَمَ میں دَمْدَمَةٌ مصدر کی طرف راجع ہے یعنی سب پر آیا۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾:

اللہ اُس دَمْدَمَة یعنی فیصلہ کے انجام سے ڈرتا نہیں ہے۔

● (سُوْرَۃُ الشَّمْس، ۱۳)

اٰیَاتُھَا (۲۱) (۹۲) سُوْرَۃُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃٌ (۹) رُکُوْعُھَا (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: پچھلی سورۃ میں آپ نے دو (۲) قسم کے لوگوں کا ذکر سنا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ ❶ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ ❷، اب اِس سورۃ میں بھی دو (۲) طبقوں کا ذکر ہے: وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ ❸ اور وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ ❹

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الَّیْل ہے۔

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ ۳:

سوال یہ مَا کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① مَا بمعنی مَنْ ہے۔ معنی ہیں: "اُس ذات کی قسم جس نے پیدا کیا نر اور مادّہ"۔

② مَا مصدریہ ہے۔ معنی ہیں: "نر و مادّہ کی خلقت کی قسم"۔

سوال خُنثٰی مشکل کس مد میں ہے؟

جواب "جلالین" تک میں آپ کو ملے گا کہ: علامہ محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: خُنْثٰی عِنْدَنَا یعنی وہ ہمارے نزدیک تو خُنْثٰی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں یا تو مذکر ہے یا مؤنث ہے۔

سوال اگر کسی نے قسم اُٹھائی کہ: وَاللهِ لَا یُکَلِّمُ الْیَوْمَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى۔ پھر اُس نے خُنْثٰی مشکل کے ساتھ باتیں کیں تو آیا حانث ہوگا یا نہیں؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① جمہور یہ فرماتے ہیں کہ: وہ حانث ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ یا تو مذکر ہے یا مؤنث؟ دونوں میں سے ایک ضرور ہوگا۔

② علامہ ابوالفضل ھمدانی رحمہ اللہ وغیرہ بزرگ فرماتے ہیں کہ: نَوْعٌ اٰخَرُ ایک اور نوع ہے، لہٰذا اُس سے گفتگو کرنے سے حانث نہیں ہوتا۔

جَوَابٌ: آپ کا یہ خیال قرآن کے خلاف ہے، قرآن میں ہے کہ: یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ ❺ تو خُنْثٰی مشکل یا تو مذکر ہوگا یا مؤنث ہوگا کیوں کہ تیسری نوع کو رب نے ذکر نہیں کیا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ ۵:

اِس آیت کے اوّلین مصداق سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ورنہ قیامت تک جتنے لوگ اِس مد کے ہوں گے وہ اِس آیت کے مصداق ہیں۔

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ ۶:

یعنی حق کی تصدیق کی۔ اِس آیت کے بھی اوّلین مصداق سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، قرآن پاک کے نزول کے بعد اُمت میں سب سے پہلے صدیق تھے ورنہ قیامت تک صدیق آتے رہیں گے۔

فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى ۝ ۷:

سوال یُسْرٰی سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

---

❶ (سُوْرَۃُ الشَّمْس،۹) ❷ (سُوْرَۃُ الشَّمْس،۱۰) ❸ (سُوْرَۃُ الَّیْل،۶) ❹ (سُوْرَۃُ الَّیْل،۹) ❺ (سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی،۴۹)

① یُسْرٰی سے شریعت مُراد ہے یعنی اُس کے لیے شریعت کے کام آسان ہوں گے۔
② یُسْرٰی سے جنّت مُراد ہے یعنی اُس کے لیے جنّت کے کام آسان ہوں گے۔

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰىۙ ﴿۸﴾:

آپ کو تفسیروں میں اِن لوگوں کے نام ملیں گے: ابوجہل، ولید، عتبہ بن ابی معیط، نظر ابن حارث، امیہ ابن خلف، عاص بن وائل وغیرہ وغیرہ، یہ لوگ نزول کے وقت مصداق تھے کیوں کہ اُس وقت یہ لوگ کفر میں پیش پیش تھے ورنہ قیامت تک جتنے لوگ اِس مد کے ہوں گے وہ اِس آیت کے مصداق ہیں، اِس لیے کہ اَلْقُرْاٰنُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِیَّةِ السَّبَبِ۔ حدیثوں کے لیے بھی شانِ ورود ہوتا ہے، لیکن وہ حدیث مورد میں منحصر نہیں بل کہ عام ہوتی کیوں کہ آنحضرت ﷺ کا دین قیامت تک ہے۔ لہٰذا یہ جو نام ہیں ان میں یہ آیت منحصر نہیں بل کہ عام ہے۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰىۖ ﴿۱۲﴾:

یہاں مضاف محذوف ہے۔ اَیْ لَبَیَانُ الْهُدٰی "پس! ہمارے ذمہ ہے بات کا بیان کرنا"، لَتَبْیِیْنُ الْهُدٰی۔ "پس! ہمارے ذمہ ہے بات کو کھولنا"۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰىۚ ﴿۱۴﴾:

تَلَظّٰی اصل میں تَتَلَظّٰی تھا، ایک تاء کو حذف کر دیا۔

الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰىؕ ﴿۱۶﴾:

اَیْ كَذَّبَ الْحَقَّ وَتَوَلّٰی عَنِ الْعَمَلِ۔

آیاتُھا (۱۱) (۹۳) سُوْرَةُ الضُّحٰی مَکِّیَّةٌ (۱۱) رُکُوْعُھَا (۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ربط: پچھلی سورۃ میں آپ نے پڑھا کہ: جس نے حق کی تصدیق کی اُس کو اللہ تعالیٰ ایسے درجات دے گا کہ: وہ راضی ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس حق کی تصدیق کرنے والوں میں سب سے پہلے ہیں، حق کی تائید سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کی ہے پھر لوگوں کے سامنے حق بیان کیا ہے، تو جو نعمتیں رب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے راضی ہوجائیں گے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الضُّحٰی ہے۔

وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰیۙ ۲:

"قسم ہے رات کی جب اُس کی تاریکی چھا جائے"۔ سَجٰی اَیْ اِذَا اَظْلَمَ۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰیؕ ۳:

یہاں تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ تقریباً پندرہ (۱۵) دن تک وحی نازل نہیں ہوئی، لوگ سَمَاع کرتے تھے، جب وحی نازل نہیں ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ: تیرا رب تجھ سے ناراض ہوگیا ہے، کفار نے بھی بہت کچھ کہا، کسی نے کہا کہ: جو شیطان آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آتا تھا وہ اُبھی نہیں آتا؟ (اَلْعِیَاذُ بِاللہ) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

قَلٰی اَیْ قَلَكَ۔ یعنی نہ تیرے ساتھ بغض کیا۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰیؕ ۴:

اِس آیت کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: اٰخِرَة سے آخرت اور اُوْلٰی سے دُنیا مُراد ہے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: وہ اَحکام جو اِس انقطاع کے بعد آئے بہت بہتر ہیں، اُن اَحکاموں سے جو اِس انقطاع سے پہلے آئے ہیں۔ یعنی یہ سورۃ گیارہویں (۱۱) نمبر پر نازل ہوئی ہے، اِس کے بعد ایک سو تین (۱۰۳) سورتیں اُتریں۔

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۖ ۶:

فَاٰوٰی اَیْ فَاٰوٰكَ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد محترم کو نہیں دیکھا تھا، چھ (۶) سال کی عمر تھی کہ والدہ نے رحلت کی، پھر آٹھ (۸) سال کی عمر تک اپنے دادا عبد المطلب کی کفالت میں رہے، اُس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے حد شفیق چچا ابو طالب کی پرورش میں رہے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۖ ۷:

فَهَدٰی اَیْ فَهَدٰكَ۔

اِس آیت کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: آپ پہلے پڑھ چکے ہیں: مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۔۔۔ الآیۃ [1] یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بے خبر تھے اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبردار کر دیا۔

---

[1] (سُوْرَةُ الشُّوْرٰی، ۵۲)

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: آپ ﷺ چھوٹے بچے تھے، والد فوت ہو گئے تھے، دادا کی تربیت میں تھے، مکہ میں پہاڑ تھے، آپ ﷺ بکریاں چرا رہے تھے توضَلَّ فِیْ شِعَابِ مَکَّۃَ تو راستہ بھول گئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو راستہ بتلا دیا۔

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: آنحضرت ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر میں تھے، رات کی تاریکی میں آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک پکڑ کر شیطان دُور لے گیا تاکہ آپ ﷺ کو ہلاک کر دے، ابوطالب نے پکارا کہ: ہائے! میرا بھتیجا کہاں ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر شیطان کو تھپڑ مار کر آنحضرت ﷺ کو ابوطالب تک پہنچا دیا۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى ۝﴿۸﴾:

أَغْنٰى أَيْ أَغْنٰكَ ۔ غنی کیسے کیا؟ مکہ مکرمہ میں ایک بیوہ تھیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، وہ دو (۲) مرتبہ بیوہ ہوئی تھیں، چالیس (۴۰) سال عمر تھی، مضاربت کرتی تھیں، اُن کے ساتھ نکاح کیا ابتداء میں اُن کا بہت سا حصہ آنحضرت ﷺ کو ملا۔

فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝﴿۹﴾:

"یتیم پر قہر نہ کر" یعنی اُس پر غلبہ حاصل کر کے کوئی چیز چھین لے یا اُس کا مال کھا جائے۔ آپ ﷺ کو خطاب اُمت کو سمجھانے کے لیے ہے۔

وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝﴿۱۰﴾:

یہاں "تفسیر روح المعانی" اور دیگر تفاسیر میں بڑی بحث ہے، بعض مقامات ایسے بھی ہیں کہ: سائل کو جھڑکنا پڑتا ہے۔ مثلاً: خوبصورت لڑکا ہے، نوجوان عورت ہے یہ اگر سوال کرتے ہیں تو اگر اس ارادہ سے ان کی حوصلہ شکنی کی جائے تاکہ مانگنا چھوڑ دیں، بُرائی میں نہ پڑیں تو جھڑکنا ٹھیک ہے کیوں کہ مقصد اُن کی اِصلاح ہے۔ لیکن اگر اس لیے جھڑکتا ہے تاکہ اپنے بخل کو چھپائے، مال کو بچانے کے لیے جھڑکتا ہے تو یہ مذموم ہے۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝﴿۱۱﴾:

سوال نعمت سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① نعمت سے نبوّت و رسالت مُراد ہے۔

② نعمت سے جائز نعمتیں مُراد ہے، اِن کا اظہار بھی شکر ہے بہ شرط یہ کہ تکبر اور فخر نہ ہو۔

"ابوداؤد شریف" میں ایک حدیث شریف ہے کہ: ایک شخص آیا، بال بکھرے ہوئے اور خراب کپڑے پہنے ہوئے تھے، بُری حالت میں آیا اور کہا کہ: میری اِتنی بھیڑ بکریاں ہیں اور مَیں اِتنا مال دار ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: آپ نے اپنی ظاہری شکل کیوں برابر نہیں کی ہے؟ فَلْيُرٰى أَثَرُ نِعْمَةِ اللهِ عَلَيْكَ[1]

[1] (سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی الخلقان وفی غسل الثوب، ج ۲، ص ۲۰۷، طبع مکتبۃ الحسن، لاہور)

اٰیَاتُھَا (۸) (۹۴) سُوْرَۃُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ (۱۲) رُكُوْعُهَا (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: اُوپر آپ نے پڑھا کہ: اللہ تعالیٰ تجھے دے گا پس اُتو راضی ہوگا اور اُن نعمتوں میں شَرْحِ صَدْر بھی ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ اَلَمْ نَشْرَح ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ ﴿۱﴾:

سوال اِنْشِرَاحِ صَدْر سے کیا مُراد ہے؟

جواب یہاں تمام تفسیروں میں آپ کو بڑی بحث ملے گی، زیادہ بحث "تفسیر عزیزی" میں ہے کہ: آپ ﷺ کا شرح صدر دو (۲) طرح ہوا ہے:

① معنوی۔ ② حسی۔

① معنوی یہ ہے کہ: نبوّت کا بہت بڑا بوجھ برداشت کیا، رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ○ [1] کے قاعدے کے تحت سینہ کھولا گیا۔

② حسی طور پر آنحضرت ﷺ کا سینہ مبارک چار (۴) مرتبہ چاک کیا گیا ہے:

① پہلی مرتبہ: جب آپ ﷺ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے اور بچے بھی تھے، بکریاں چَرا رہے تھے، دو (۲) سفید لباس والے آدمی آئے، وہ فرشتے تھے، اُنہوں نے آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا، سینہ چاک کر کے وہ خیالات دھوڈالے جو بچپن کے خیالات تھے اور پھر صحیح طریقے سے دل رکھ دیا۔

② دوسری مرتبہ: جب آپ ﷺ جوان تھے اور جوانی کے جو خیالات ہوتے ہیں اُس کو ختم کرنے اور دھوڈالنے کے لیے سینہ کا آپریشن ہوا اور پھر دل صحیح طریقے سے رکھ دیا گیا۔

③ تیسری مرتبہ: جب نبوّت ملی کیوں کہ بھاری بوجھ تھا، قوّت برداشت پیدا کرنے کے لیے جبلِ نور (فاران) پر کیا گیا۔

④ چوتھی مرتبہ: معراج کو لے جانے کے موقع پر حطیم میں لے جا کر سینہ چاک کیا گیا اور آبِ زم زم سے دھوڈال کر پھر صحیح طریقے سے رکھ دیا گیا۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ○ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ○ ﴿۲-۳﴾:

"اور آپ (ﷺ) سے ہم نے بوجھ کو اُتارا جس نے آپ کی کمر کو بوجھل اور ثقیل کر دیا تھا" وہ یہ ہے کہ: خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم جیسے ساتھی آپ (ﷺ) کے ساتھ جوڑے، جنھوں نے اپنی کوشش سے اِس دین کو پھیلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ ﴿۴﴾:

"اور ہم نے بلند کر دیا تیرا ذکر" اِس طرح کہ: "کلمہ، اذان، تکبیر، خطبہ، نماز" وغیرہ سب میں آپ ﷺ کا ذکر ہے۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ ﴿۵-۶﴾:

"بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے"۔

علماء عربیت فرماتے ہیں کہ: نکرہ کو معاد کیا جائے نکرہ کے ساتھ تو ثانی غیر اوّل ہوتا ہے اور معرفہ کو معاد کیا جائے معرفہ کے ساتھ تو ثانی عین اوّل ہوتا ہے، یہاں اَلْعُسْر معرفہ ہے اور یُسْر نکرہ ہے، پس اُعُسْر ایک ہوگیا کیوں کہ ثانی عین اوّل ہے اور یُسْر دو (۲) ہوگئے کیوں کہ ثانی غیر اوّل ہے یعنی ہر ایک تنگی کے بعد دو (۲) آسانیاں ہیں۔

---

[1] (سُوْرَۃُ طٰهٰ: ۲۵)

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝:

فَرَغْتَ کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① اَیْ فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الصَّلٰوۃِ تو مشقت یعنی دُعا کر۔

سوال فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دُعا ہے یا نہیں؟

جواب جمہور دُعا کے قائل ہیں، لیکن! یہ حضرات بھی فرض، واجب، سنّتِ مؤکدہ نہیں کہتے بل کہ صرف اور صرف جواز اور استحباب کے قائل ہیں۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ لکھا ہے "نفائس مرغوبہ فی الدعاء بعد المکتوبہ" اُس میں اُنہوں نے چھ (۶) حدیثوں کی نشاندہی کی ہے اور کچھ فقہی حوالے پیش کیے ہیں اور فتویٰ یہ دیا ہے کہ: فرضوں کی نماز کے بعد اجتماعی شکل میں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا جائز ہے۔

غیر مقلدین اس سلسلے میں بڑی لے دے کرتے ہیں، لیکن "تحفۃ الاحوذی" مولانا مبارک پوری کی "ترمذی" کی شرح ہے، یہ غیر مقلدین کے محقق عالم تھے، اُس کتاب میں پانچ (۵) روایتیں مبارک پوری نے پیش کی ہیں، اُس کے بعد کہا ہے کہ: قُلْتُ مَیں کہتا ہوں: ان روایتوں کی رُوشنی میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا جائز ہے۔ اِسی طرح "فتاوٰی اہل حدیث" میں، "فتاوٰی نذیریہ" میں بھی ہے۔ اب خامہ خواہ کا کوئی جھگڑا کرے تو اُس کا کوئی علاج بھی نہیں ہے۔

نوٹ: یہ بات یاد رکھو! جس نوعیت کا مسئلہ ہو اُسی نوعیت کے دلائل ہوں، پس! اگر کوئی فرض نماز کے بعد اجتماعی دُعا کو فرض، واجب یا سنّتِ مؤکدہ کہے تو اس سلسلہ میں پھر تو قطعی اَدلہ کی ضرورت ہوگی، پس جواز کے لیے اِتنی بات کافی ہے۔

سوال نفل نمازوں کے بعد اجتماعی دُعا ہے یا نہیں؟

جواب "نفائس مرغوبہ فی الدعاء بعد المکتوبہ" میں نفل نماز کے بعد اجتماعی دُعا کو بدعت بھی لکھا ہے، مکروہ بھی لکھا ہے۔

سوال ختمِ قرآن کے بعد اجتماعی دُعا ہے یا نہیں؟

جواب "فتاوٰی رشیدیہ" میں لکھا ہے کہ: ختمِ قرآن کے بعد اجتماعی دُعا مستحب ہے۔

خلاصہ: افراط و تفریط بری شے ہے، پس! جس درجہ کا مسئلہ ہو اُسی درجہ کے دلائل بھی ہوں۔

② اَیْ فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ التَّبْلِیْغِ۔

③ اَیْ فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْجِهَادِ۔ جہاد میں تفصیل ہے کہ: اگر جہاد بِالسَّیْف مُراد لیا جائے تو اُس وقت فرض نہ تھا کیوں کہ یہ مکی سورۃ ہے۔ تو پھر مطلب یہ ہے کہ: جب جہاد فرض ہو جائے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فارغ ہوں تو فَانْصَبْ۔

اٰیَاتُھَا (۸) (۹۵) سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ (۲۸) رُكُوْعُھَا (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: اُوپر شَرح صَدر کا ذکر تھا، اب اُس شَرح صَدر کے محل کا ذکر ہے کہ: مکہ میں، معراج کی رات میں اور بَلَدِ حَرَام میں ہوا۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ التِّيْن ہے۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ○ ﴿۱﴾:

سوال تِیْن سے اور زَیْتُوْن سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① "تفسیر بیضاوی، کمالین" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: تِیْن اور زَیْتُوْن جو ہیں جَبَلَانِ بِالشَّامِ۔ اِس تفسیر کے راجح ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ: آگے وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ○ ❶ بھی پہاڑ کا نام ہے تو پہلے بھی پہاڑ ہوگا۔

② تِیْن سے انجیر مُراد ہے اور زیتون سے زیتون ہی مُراد ہے۔ یہ دونوں چیزیں کَثِيْرُ الْمَنَافِع ہونے کی وجہ سے اِنسان کی حقیقت جامعہ کے ساتھ خصوصی مشابہت رکھتی ہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے انجیر کے بارے میں فرمایا کہ: یہ بواسیر اور خون کی صفائی کے لیے مفید ہے، دَردوں کے لیے مفید ہے، اُن لوگوں کے لیے جو بدنی کام کرتے ہیں گھی مفید ہے، اگر کام نہیں کرتے تو گھی اَعصاب کو کمزور کردیتا ہے بہ خلاف زیتون کے کہ یہ اَعصاب کو طاقت پہنچاتا ہے، بلغم کا اِخراج کرتا ہے، ہمارا تجربہ ہے کہ ڈاکٹروں کی دوائیاں اِزالہ نہیں کرتیں، دوام لاتی ہیں۔

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ○ ﴿۳﴾:

سوال بَلَدِ اَمِیْن سے کون سا شہر مُراد ہے؟

جواب بَلَدِ اَمِیْن سے مکہ مکرمہ مراد ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ○ ﴿۴﴾:

اَحْسَنِ تَقْوِیْم کے تین (۳) معنی ہیں:

① اَچھی ترکیب میں۔ ② اَچھی صورت میں۔ ③ اَچھی شکل میں۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ○ ﴿۵﴾:

معنی یہ ہے کہ: "پھر ہم نے اُس کو لوٹا یا نچلوں سے نچلا" یعنی اِتنی اَچھی صورت ہم نے دی، لیکن پھر جو اِنسانیت کے درجوں سے گر جائے تو سب سے بدتر ہے، آگے آپ پڑھیں گے کہ: جو انسانیت سے گرا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ○ ❷ خدا کی ساری مخلوق میں وہ بدتر ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ○ ﴿۶﴾:

یہاں آپ کو تفسیروں میں ملے گا کہ: ایک آدمی جو تندرستی کی حالت میں نمازیں پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، اب بیمار ہوا تو اِس وجہ سے نیکی کے کام نہیں کرسکتا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ: یہ جوانی میں یہ یہ نیکیاں کرتا تھا، اب بڑھاپے کی وجہ سے نہیں کرسکتا اِس کو اَجر وثواب کی پینشن دو۔

سمجھنے کے لیے یہ بات سمجھو کہ!! ملازم دو قسم کے ہوتے ہیں:

---

❶ (سُوْرَةُ التِّيْن۔ ۲) ❷ (سُوْرَةُ الْبَيِّنَة۔ ۶)

کرسکتا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ: یہ جوانی میں یہ نیکیاں کرتا تھا، اب بڑھاپے کی وجہ سے نہیں کرسکتا اِس کو اَجر وثواب کی پینشن دو۔

سمجھنے کے لیے یہ بات سمجھو کہ!! ملازم دو قسم کے ہوتے ہیں:

① پکے ملازم۔ اُن کو چھٹی کی تنخواہ ملتی ہے۔ اِس طرح کے ملازم کو بوڑھا ہونے کے بعد پنشن بھی ملتی ہے۔

② کچے ملازم۔ اُن کو چھٹی کی تنخواہ نہیں ملتی۔

خدا کرے کہ ہم خدا کے پکے ملازم بنیں، تا کہ بوڑھا ہونے کے بعد ہم کو پنشن ملتی رہے۔ (آمِیْن)

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۞ ۷:

سوال يُكَذِّبُكَ کی "ك" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① يُكَذِّبُكَ کی "ك" ضمیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ معنی یہ ہیں کہ: "کون سی چیز تیری نسبت کرتی ہے تکذیب کی طرف؟"

② يُكَذِّبُكَ کی "ك" ضمیر اِنسان کی طرف راجع ہے۔ معنی یہ ہیں کہ: "کون سی چیز تجھے آمادہ کرتی ہے کہ تُو تکذیب کرے جزاء کے دن کی؟"

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۞ ۸:

اگر قیامت قائم نہ ہو تو مجرم اور مطیع کو اپنا بدلہ نہیں ملے گا۔ تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ: (مَعَاذَ اللّٰه) رب تعالیٰ اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْن نہیں ہے؟!! پس! یقیناً وہ اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْن ہے اور وہ قیامت کے برپا کرنے پر قادر ہے۔

(۹۶) سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ (۱)

اٰيَاتُهَا (۱۹) رُكُوْعُهَا (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

ربط: اُوپر بَلَدِ اَمِين کا ذکر تھا، مکہ مکرمہ سے تقریباً اَڑھائی میل دُور پہاڑ کا نام "جبلِ فاران" تھا اور اب اِس کا نام "جبلِ نور" ہے، بہت مشکل راستہ ہے، آنحضرت ﷺ کو اُس بَلَدِ اَمِين میں پہلی وحی آئی۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْعَلَق ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ ﴿۱﴾:

لفظِ اِقْرَاْ لازمی ومتعدی دونوں طرح اِستعمال ہوتا ہے۔ لازمی ہو تو معنی ہے: اَوْجِدِ الْقِرَاۃَ یعنی اِیجادِ قرأت کرو۔ متعدی ہو تو معنی ہے: اِقْرَاْ الْقُرْاٰنَ۔

مختصر بات: آنحضرت ﷺ کی عمر چالیس (۴۰) سال تھی، حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ: اِقْرَاْ، آپ ﷺ نے فرمایا: مَا اَنَا بِقَارِئٍ۔

سوال اب سوال یہ ہے کہ: آپ ﷺ ذہین بھی تھے، کوئی اُستاد کہتا ہے کہ: پڑھ بچے بِسْمِ اللّٰهِ تو وہ بچہ بھی پڑھ لیتا ہے، تو یہ کیا بات ہے کہ: آپ ﷺ ذہین بھی ہیں اور چالیس (۴۰) سال کی عمر بھی ہے اور پھر بھی نہیں پڑھ سکتے؟

جواب علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ "فتح الباری" میں اور علامہ عینی رحمہ اللہ "عمدۃ القاری" میں لکھتے ہیں کہ: اَصل بات یہ ہے کہ: جبرائیل علیہ السلام ایک ریشم کا کپڑا لائے، اُس پر کچھ لکھا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے یہ خیال کیا کہ: اِس پر جو لکھا ہوا ہے اُس کو پڑھنا ضروری ہے اور اُس کو تو مَیں نہیں پڑھ سکتا کیوں کہ لکھنا پڑھنا تو نہیں آتا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ ﴿۲﴾:

عَلَق، عَلَقَةٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "لوتھڑا"۔

فَائِدَة: ڈارون انگریز، ہیگل جرمن اور خبثاء نے کہا کہ: اِنسان اِس طرح وجود میں آیا کہ پہلے مچھلی، پھر مینڈک، پھر بندر بنے اور پھر اِنسان بنے۔

فَائِدَة: حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ "مکتوبات" میں لکھتے ہیں کہ: ہم نماز میں پڑھتے ہیں کہ: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ عَبْدُهٗ پہلے اور رَسُوْلُهٗ بعد میں ہے اِس کی وجہ یہ ہے کہ: آنحضرت ﷺ کے دو (۲) اَوصاف ہیں یعنی دو (۲) تعلق ہیں: ایک اللہ کے ساتھ تعلق ہے اور دوسرا مخلوق کے ساتھ تعلق ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبدیت کا تعلق ہے اور مخلوق کے ساتھ رسالت کا تعلق ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مقدم ہے اِس لیے عَبْدُهٗ کو پہلے ذکر فرمایا۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ ﴿۶﴾:

اِنسان سے مُراد ابوجہل ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يَنْهٰى ۝ ﴿۹﴾:

آپ کو تفسیروں میں ملے گا کہ: مسجدِ حرام میں ابوجہل نے آپ ﷺ کو کعبے کے سامنے نماز پڑھتے دیکھا، تو آنحضرت ﷺ کو دھمکی دی کہ: اگر مَیں نے تجھے دوبارہ بیت الحرام میں نماز پڑھتے دیکھا تو تمہاری گردن مار دوں گا۔

عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝ ﴿۱۰﴾:

عَبْدًا سے آپ ﷺ مُراد ہیں۔

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۳﴾:

كَذَّبَ الْحَقَّ وَتَوَلّٰى عَنِ الْعَمَلِ۔

سوال: كَذَّبَ کے اَندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے کس طرف راجع ہے؟

جواب: كَذَّبَ کے اَندر جو "هُوَ" ضمیر مستتر ہے وہ نَاهِی کی طرف راجع ہے۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾:

لَنَسْفَعًا یہ نُون خفیفہ ہے اُس کو اَلِف سے بدل دیا۔

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾:

زَبَانِيَة، زِبْنِيَةٌ کی جمع ہے۔ زَبَن کے معنی ہوتے ہیں: "دفع کرنا، ٹالنا"۔

كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾:

سوال: لَا تُطِعْهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب: لَا تُطِعْهُ کی "ہٗ" ضمیر نَاهِی کی طرف راجع ہے۔ یعنی اُس نَاهِی کی اِطاعت مت کر۔

اٰیَاتُھَا (۵) (۹۷) سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ (۲۵) رُکُوْعُھَا (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

ربط: پچھلی سورۃ میں وحی کے آغاز کا ذکر تھا، اُس سورۃ کی شروع کی پانچ (۵) آیتیں نازل ہوئیں، آگے اِس پورے قرآن کے نزول کے متعلق ذکر ہے کہ: رمضان کے مہینے میں ایک رات میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر اُترا۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْقَدْرِ ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ ۱:

شانِ نزول: "تفسیر ابن کثیر، مظہری، ابن جریر طبری" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: اللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ میری اُمت کی اکثر عمریں ساٹھ (۶۰) اور ستر (۷۰) سال کے درمیان ہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو چوراسی (۸۴) سال تک رات کو عبادت کرتا رہا اور دن کو جہاد کے لیے جاتا تھا۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہوئے کہ: ہماری عمریں کم بھی ہیں اور بعض تو غفلت میں بھی گزر جاتی ہیں، ہم سے وہ عمل میں زیادہ ہوں گے۔ تو یہ آیات نازل ہوئی۔

سوال: اَنْزَلْنٰهُ کی "ہٗ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب: اَنْزَلْنٰهُ کی "ہٗ" ضمیر قرآن کریم کی طرف راجع ہے۔ قرآن کریم لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر لَیْلَۃُ الْقَدْرِ میں دَفْعَۃً وَّاحِدَۃً نازل ہوا اور پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا، یہاں تک کہ تئیس (۲۳) سال میں مکمل قرآن نازل ہوا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ ۲:

"بخاری شریف" کی ایک روایت میں آتا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لَیْلَۃُ الْقَدْرِ کی تلاش کے لیے ایک سے دس (۱۰) تک اِعتکاف کیا نہیں ملی، اِشارہ ہوا کہ تیرا مطلوب آگے ہے، پھر گیارہ (۱۱) سے بیس (۲۰) تک کچھ نہ ملا، اِشارہ ہوا کہ تیرا مطلوب آگے ہے کیوں کہ رب تعالیٰ کو عبادت پسند تھی، اِشارہ ہوا کہ جو تُو طلب کرتا ہے وہ تیرے آگے ہے، پھر طاق راتوں میں ہے۔[1]

سوال: لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ہر سال ایک ہی تاریخ کو ہوتی ہے یا بدلتی رہتی ہے؟

جواب: محققین جن میں اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ: لَیْلَۃُ الْقَدْرِ کی رات بدلتی رہتی ہے، کبھی اکیس (۲۱)، کبھی تئیس (۲۳) وغیرہ وغیرہ۔ اِس کی کوئی ظاہری علامت نہیں بل کہ وجدانی کیفیت ہوتی ہے۔ مثلاً: میرے سر میں درد ہے تو وہ صرف مجھے معلوم ہے، اِسی طرح کسی کو بھوک ہے یا پیاس وغیرہ۔ پس! اِس رات میں خشیت پیدا ہو، عبادت کا شوق پیدا ہو تو شریعت اِس کا اِنکار نہیں کرتی۔

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ ۳:

سوال: "تفسیر روح المعانی، بیان القرآن" میں لکھا ہے کہ: لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ہزار (۱۰۰۰) مہینوں سے بہتر ہے یہ تو فَضِیْلَۃُ الشَّیْءِ عَلٰی نَفْسِہٖ لازم آتا ہے۔ اِس طور پر کہ: ہزار مہینے ہوں تو تقریباً چوراسی (۸۴) سال بنتے ہیں، تو ہر سال میں لَیْلَۃُ الْقَدْرِ بھی تو ہوتی ہے تو اِس طرح کُل چوراسی (۸۴) لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ہوگئیں، تو مطلب یہ ہوا کہ: لَیْلَۃُ الْقَدْرِ کی لَیْلَۃُ الْقَدْرِ پر فضیلت لازم آگئی، یہی تو فَضِیْلَۃُ الشَّیْءِ عَلٰی نَفْسِہٖ ہے؟!!

جواب: اِن ہزار (۱۰۰۰) مہینوں سے وہ ہزار (۱۰۰۰) مہینے مُراد ہیں جن میں لَیْلَۃُ الْقَدْرِ نہ ہو۔

سوال: لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ہر جگہ کی مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً: ہم روزہ ایک دن بعد رکھتے ہیں اور سعودیہ والے ہم سے ایک دن پہلے رکھتے ہیں، اِسی طرح ہمارے یہاں دن ہے اور امریکہ میں رات ہے تو لَیْلَۃُ الْقَدْرِ کس کی معتبر ہے؟

[1] (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب السجود علی الانف والسجود علی الطین، ج ۱، ص ۱۱۲، طبع یادگار شیخ، کراچی)

جواب "تفسیر کبیر، روح المعانی، بیان القرآن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: ہر جگہ کے لوگوں کی اپنی لَیْلَةُ الْقَدْر کا اِعتبار ہے۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا ۔۔۔ الآية ﴿۴﴾:

تَنَزَّلُ اَصل میں تَتَنَزَّلُ تھا، ایک تاء کو حذف کر دیا۔

سوال رُوْح سے کون مُراد ہیں؟

جواب رُوْح سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مُراد ہیں۔

دلیل: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: رُوْحُ الْقُدُس یعنی جبرئیل علیہ السلام ملائک کی ایک جماعت میں بڑی تیزی سے اُترتے ہیں[1]

عوام میں مشہور غلط نظریہ: عوام کہتے ہیں کہ: شبِ قدر، شبِ برأت، جمعرات، جمعہ وغیرہ کو رُوحیں آتی ہیں اور رُوتی ہیں کہ ہمیں حلوے اور کھیر بھیج دو، یہ بالکل غلط ہے۔

[1] (شعب الایمان، باب الصیام، فصل التماس لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر من شہر رمضان، ج ۵، ص ۲۷۷، طبع مکتبہ الرشد، ریاض)

آیَاتُھَا (۸) — (۹۸) سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۰۰) — رُکُوْعُھَا (۱)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: پچھلی سورۃ میں قرآن پاک کا ذکر تھا، اِس طور پر کہ: ہم نے اِس قرآن کو لَیْلَۃُ الْقَدْر میں اُتارا، اِس سورۃ میں اِس قرآن کی اہمیت ذکر فرماتے ہیں کہ: یہ جو صحیفہ ہے اِس میں لکھے ہوئے مضمون بڑے قیمتی ہیں۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃ ہے۔

سوال قرآن پاک کا آنا کیوں ضروری تھا؟

جواب جسمانی بیماریاں مختلف ہوتی ہیں، بعض بیماریاں معمولی ہوتی ہیں، اُن بیماریوں کے لیے معمولی علاج ہوتا ہے اور معمولی حکیم بھی کافی ہوجاتا ہے اور بعض بیماریاں بہت سخت اور پیچیدہ ہوتی ہیں، اُن کے لیے ماہر ڈاکٹر ضروری ہوتا ہے اور معمولی دوائی اُس میں کام نہیں کرتی، اسی طرح جب آپ ﷺ سرزمینِ عرب میں آئے تو یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی رُوحانی بیماری عروج پر تھی، عرب کفر و شرک اور بدیوں کا مرکز تھا، یہ چیزیں اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں، معمولی حکیم آتا تو اُن کو کوئی فائدہ نہ ہوتا، معمولی اَدویہ ہوتیں تو اُن کو کوئی فائدہ نہ ہوتا کیوں کہ مشرکین بھی، اہلِ کتاب بھی رُوحانی بیماریوں میں اِنتہائی خطرناک بیماریوں کا شکار تھے، اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تمام مخلوق میں حکیم اَعلیٰ یعنی آپ ﷺ کو بھیجا اور تمام صحیفوں میں قرآن پاک جیسا نسخہ تجویز فرمایا۔

لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۱﴾:

مُنْفَکِّیْنَ کے معنی ہیں: "نکلنے والے" یعنی وہ اپنے کفر و شرک کو چھوڑنے والے نہیں تھے۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۴﴾:

ربط: پہلے اہلِ کتاب کا ذکر تھا آگے اُن کی قباحتیں ذکر فرماتے ہیں۔

حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ۔۔۔ الآیۃ ﴿۵﴾:

حُنَفَآءَ اَیْ حَالَ کَوْنِھِمْ حُنَفَآءَ۔

وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ ○:

ترکیب: نحاۃ کوفیین کہتے ہیں کہ: لفظ دِیْنُ موصوف اور اَلْقَیِّمَۃ صفت ہے، موصوف مضاف بسوئے اَلْقَیِّمَۃ ہے اور موصوف کی صفت کی طرف اِضافت دُرست ہے۔ لفظ دِیْنُ مذکر ہے اور اَلْقَیِّمَۃ میں تاء مبالغہ کے لیے ہے۔ معنی ہیں: "دین جو بہت قَیِّم ہے"۔

بصریین کہتے ہیں کہ: یہاں مضاف محذوف ہے: ذٰلِکَ دِیْنُ مِلَّۃِ الْقَیِّمَۃِ۔

اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ ○ ﴿۶﴾:

اِنسان جب اِنسانیت کے تقاضے سے گر جائے تو شَرُّ الْبَرِیَّۃ کا مصداق ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں خنزیر اور خنزیری، کتا اور کتیا، گدھا اور گدھی، ہر قسم کے حیوانات سے جوڑے سوار کیے گئے، لیکن حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو سوار نہیں کیا گیا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ: اِنسان جب اِنسانیت کے کام نہ کرے تو گدھے سے بھی بدتر ہے۔

اٰیَاتُھَا (۸) (۹۹) سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۳) رُکُوْعُھَا (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

ربط: "تفسیر بیان القرآن، سبق الغایات فی نسق الآیات" وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ: پچھلی سورۃ میں جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔۔۔ الآیۃ❶ جزاء کا ذکر تھا، اب بدلہ کا جو موقع اور محل ہے وہ قیامت ہے تو اِس سورۃ میں قیامت کا اِثبات ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الزِّلْزَال ہے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱:

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک زلزلہ بھی ہے، جیسے کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝❷ یہ زلزلہ نَفْخَۃُ اُوْلٰی کے وقت بھی ہوگا اور نَفْخَۃُ ثَانِیَۃ کے وقت بھی ہوگا، یہاں نَفْخَۃُ ثَانِیَۃ مُراد ہے۔

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲:

"نکال دے گی زمین اپنے بوجھ کو"۔

اِس کے دو (۲) مطلب ہیں:

① اپنے اَندر سے تمام معدنیات نکال دے گی۔

② جتنے مُردے ہیں اُن کو نکال دے گی۔

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳:

اِنسان حیرت کے مارے کہے گا کہ: اِس کو کیا ہوگیا؟

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴:

یہاں آپ کو تفسیروں میں ملے گا کہ: جس جگہ بیٹھ کر آدمی نیکی کرتا ہے زمین کی وہ جگہ گواہی دے گی کہ مجھ پر یہ نیک عمل کیا ہے۔ یہ زمین کہے گی کہ: مجھ پر اِتنے دن قرآن پاک سُنا تھا وغیرہ۔ اِسی طرح جس جگہ بدی کرتا ہے اُس کے بارے میں کہے گی: شَرِبَ الْخَمْرَ، سَرَقَ، زَنَا۔

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵:

اَوْحٰی اَیْ حَکَمَ یعنی وحی سے مُراد حکم ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۶:

اَشْتَات، شَتٌّ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "مختلف، الگ الگ"۔

لفظِ اَعْمَالَهُمْ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ اَیْ جَزَآءَ اَعْمَالِهِمْ۔ معنی ہیں: "اُن کو دکھلا یا جائے گا اُن کے اَعمال کا بدلہ"۔

❶ (سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃ: ۸) ❷ (سُوْرَۃُ الْحَجّ: ۱)

اٰيَاتُهَا (۱۱)		(۱۰۰) سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (۱۴)		رُكُوْعُهَا (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: پچھلی سورۃ میں تھا کہ: وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَاۚ ○ ①، اِس سورۃ میں ایسے ناشکرے اِنسان کا بیان ہے کہ جو نعمتوں کی ناشکری کرے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْعٰدِيٰت ہے۔ عَدٰى، يَعْدُوْ باب نَصَرَ، يَنْصُرُ سے ہے۔ معنی ہیں: "دوڑنا"۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًاۙ ○ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًاۙ ○ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًاۙ ○ ۝۱-۳:

قسم ہے گھوڑوں کی جو دوڑتے ہیں ہانپ کر، ٹاپ مارتے ہیں زمین پر، اور آگ نکالتے ہیں کیوں کہ اُن کے پاؤں کے نیچے لوہا ہوتا ہے تو وہ چنگاریاں مارتے ہیں، حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت، یہ اِس لیے کہ اُس وقت کی نیند عموماً میٹھی ہوتی ہے تو بے خبری میں حملہ کرتے ہیں۔

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًاۙ ○ ۝۴:

"دھول اُڑاتے ہیں"۔

سوال بِهٖ کی "ہٖ" ضمیر کس طرف راجع ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① بِهٖ کی "ہٖ" ضمیر عٰدِيٰت میں جو عَدْوٌ مصدر ہے اُس کی طرف راجع ہے۔ تو معنی یہ ہیں کہ: اُس دَوڑ کی وجہ سے دھول اُڑاتے ہیں۔

② بِهٖ کی "ہٖ" ضمیر صُبْحًا کی طرف راجع ہے اور باء بمعنی فِيْ ہے۔ تو معنی یہ ہیں کہ: صبح کے وقت غبار اُڑاتے ہیں حال آں کہ صبح کے وقت عموماً شبنم ہوا کرتی ہے اور غبار عموماً نہیں ہوتا تو یہ گھوڑے اِتنے تیز ہیں کہ صبح کے وقت بھی گرد و غبار اُڑاتے ہیں۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًاۙ ○ ۝۵:

"پس جاتے ہیں اُس غبار کو لے کر جماعت میں"۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌۚ ○ ۝۶:

ربط: حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ سے ہم نے "مسلم شریف" پڑھی ہے، اُنہوں نے ایک مرتبہ فرمایا کہ: ہمارے ضلع میں ایک واعظ تھا اِنتہائی مشہور، ہماری چھٹی تھی تو ہم وہاں گئے کہ: دیکھیں! کیسا واعظ ہے؟ اُس واعظ نے سُوْرَةُ الْاِخْلَاص پڑھی اور کہا کہ: ہمارا موضوع حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے وہ آخر میں بیان کروں گا کہ: اِس سورۃ کے ساتھ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کا تعلق اور ربط کیا ہے؟ کئی گھنٹے ہم وہاں ربط سننے کے لیے بیٹھے رہے۔ آخر میں اُس نے کہا کہ: سُوْرَةُ الْاِخْلَاص اُس ذات پر نازل ہوئی ہے جس کے نواسے کو کربلا میں شہید کیا گیا تھا۔ کیا عجیب ربط ہے؟!! اِس طرح تو سُوْرَةُ يٰسٓ بھی اُس ذات پر نازل ہوئی ہے؟!! تو اُس کا یہ اپنا مَن گھڑت ربط تھا۔ تو اب گھوڑوں کے دوڑنے کا اِنَّ الْاِنْسَانَ کے ساتھ کیا ربط ہے؟ "تفسیر کبیر، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: اِنسان نے گھوڑے کو پیدا نہیں کیا بل کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اِنسان مالک مجازی ہے، تو گھوڑا اپنے مالکِ مجازی کے اِتنا وفادار ہے کہ وہ دُشمن کے مقام پر لے جایا جاتا ہے اور اُس کو تیر لگتے ہیں اور زخمی ہونے تک لڑتا رہتا ہے۔ تو اے اِنسان! تُو اپنے مالکِ حقیقی کا نافرمان ہے، فرماں برداری نہیں کرتا؟!!

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِۙ ○ ۝۱۰:

حُصِّلَ اَيْ مُيِّزَ۔ ممیز کیا جائے گا جو سینوں میں ہے، سب کا اِمتحان ہوگا، سچ جھوٹ واضح ہو جائے گا۔

اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ○ ۝۱۱:

"بے شک! رب اُن کا اُس دن اُن پر خبر دار ہے"۔ خبر دار تو آج بھی ہے لیکن اُس دن کی خبر داری کا مطلب یہ ہے کہ: اُس دن نتیجہ نکلے گا۔

---

① (سُوْرَةُ الزِّلْزَال: ۳)

اٰیَاتُھَا (۱۱) (۱۰۱) سُوْرَۃُ الْقَارِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۳۰) رُکُوْعُھَا (۱)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: پچھلی سورۃ کے آخر میں قیامت کا ذکر تھا، اِس سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْقَارِعَۃ ہے۔

اَلْقَارِعَۃُ ○ (۱):

"کھٹکھٹانے والی" کھٹکھٹانے والی کا مطلب یہ ہے کہ: چیزیں ایک دوسرے سے لگیں گی، درخت ورخت سے اور دیوار دیوار سے کھٹکھٹائیں گے۔

یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ○ (۴):

"اُس دن ہوں گے لوگ بکھرے ہوئے پروانے"۔

وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ ○ (۵):

عِھْن کا معنی ہے: "اُون جو رنگ برنگی ہو" کیوں کہ پہاڑ رنگ برنگ ہوتے ہیں۔

مَنْفُوْش کا معنی ہے: "دھنی ہوئی"۔

فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ○ (۷):

رَاضِیَۃ بمعنی مَرْضِیَّۃ ہے یعنی اِسمِ فاعل بمعنی اِسمِ مفعول ہے۔

فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ ○ (۹):

لطیفہ: جبانہ ایک شہر ہے، وہاں قادیانیوں کے ساتھ مناظرہ تھا، مَیں اپنے مولانا کا معاون تھا، مَیں نے اُن سے کہا ہے کہ: کون سی بات صحیح ہے؟ اُنہوں نے ایک آیت کے بارے میں کہا کہ: اِس کو پیش کرتا ہوں، مَیں نے کہا: اِس کو پیش نہ کرو، لیکن مولانا نے اُس کو پیش کر دیا۔ جس وقت قادیانی کی باری آئی تو کہا کہ: عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر جو دلیل پیش کی ہے یہ غلط ہے کیوں کہ اُمُّہٗ ہے تو معنی اُس کی ماں بھی زندہ ہے۔ مَیں نے کہا کہ: اُمُّہٗ سے مُراد "ٹھکانہ" ہے، وہ کہنے لگے کہ: آپ نے تحریف کی، مَیں نے کہا: نہیں! بل کہ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ سے مُراد یہاں ٹھکانہ ہے نا؟!! (مَیں مناظرہ کا قائل نہیں ہوں کیوں کہ اِس میں حق کی طلب کم ہوتی ہے۔)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا ھِیَہْ ○ (۱۰):

مَا ھِیَہْ میں ھَاء سکتہ کی ہے۔

رُکُوْعُھَا (۱) — (۱۰۲) سُوْرَۃُ التَّکَاثُرِ مَکِّیَّۃٌ (۱۶) — اٰیَاتُھَا (۸)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: پچھلی سورۃ میں اُن لوگوں کا ذکر تھا خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ ۝ (1) جن کے مَوَازِیْن خفیف یعنی ہلکے ہوں گے، مَوَازِیْن کو ہلکا کرنے والی چیز تَکَاثُر بھی ہے یعنی کثرت پر گھمنڈ کرنا، اِس سورۃ میں اسی تَکَاثُر کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ التَّکَاثُر ہے۔

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۝ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ ﴿۱،۲﴾:

مَقَابِر، مَقْبَرَۃٌ کی جمع ہے مُثَلَّثَۃُ الْبَاء ہے۔

اِس آیت کی دو (۲) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: تم کو تَکَاثُر نے غافل رکھا، کوئی کہتا ہے کہ: میری اولاد زیادہ، کوئی کہتا ہے کہ: میرا مال زیادہ، میری دکانیں زیادہ۔ بس! میری تیری میں لگے رہے یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کرلی یعنی تمہیں موت آگئی۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: "تفسیر مدارک، خازن، معالم التنزیل، کمالین، جمل، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: عرب میں دو (۲) قبیلے تھے: قبیلہ بنو عبد مناف اور قبیلہ بنو سہم۔ اِن کا آپس میں جھگڑا ہوا، اِنہوں نے قَسم اُٹھائی، ایک نے کہا کہ: ہمارا قبیلہ زیادہ ہے، دوسرے نے کہا کہ: ہمارا قبیلہ زیادہ ہے۔ تو اِس پر فیصلہ ہوا کہ: چلو! مَردم شماری ہوگی، جب ہوئی تو عبد مناف زیادہ نکلے، بنو سہم والوں نے نہ مانا اور کہا کہ: چلو! قبروں کی بھی مَردم شماری ہوگی، جب قبروں کی بھی مَردم شماری ہوئی تو بنو سہم زیادہ نکلے تو شور و غل کر کے خوشی مناتے ہوئے آئے۔ اِس پر فرمایا کہ: اپنی کثرت پر فخر کرتے ہو یہاں تک کہ زندوں سے بڑھ کو مُردوں کو بھی شمار کرتے ہو؟!!

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۝ ﴿۸﴾:

قیامت کے دن نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا کہ: ٹھنڈا پانی پیا عمدہ قِسم کے کھانے تم نے کھائے، اُن کا کیا حق اَدا کیا؟ کیا شکر اَدا کیا؟

(1) (سُوْرَۃُ الْقَارِعَۃ ۸)

آیَاتُهَا (۳) (۱۰۳) سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۳) رُكُوْعُهَا (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ربط: پچھلی سورۃ میں ذکر تھا کہ: کثرت نے تجھے غفلت میں ڈالا ہے یعنی خسارے میں ڈالا ہے، آگے اُس خسارے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: تَكَاثُر کا جو ظرف ہے وہ زمانہ ہے، لہٰذا زمانہ کی قسم اُٹھائی۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْعَصْر ہے۔

وَالْعَصْرِ ○ ﴿۱﴾:

وَاوْ قسمیہ ہے۔

سوال عَصْر سے کیا مُراد ہے؟

جواب اِس میں تین (۳) اَقوال ہیں:

① عَصْر سے زمانہ مُراد ہے کیوں کہ اُس میں نیکی اور بدی ہوتی ہے۔

فَائِدَہ: عَصْر جو ہے مَا مَضٰى مِنَ الزَّمَانِ کو کہتے ہیں اور دَهْر مطلق زمانے کو کہتے ہیں۔

② عَصْر سے وقتِ عصر مُراد ہے کیوں کہ دن کو جو اِنسان کماتا ہے عصر کے وقت اُس کا حساب کرتا ہے، تو گویا یہ کمائی کے بعد اُس کا نتیجہ ہوتا ہے۔

③ عَصْر سے عصر کی نماز مُراد ہے کیوں کہ اُس کا درجہ بڑا ہے۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ: اَلَّذِيْ تَفُوْتُهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ ❶

تَرْجَمَہ: عصر کی نماز جس کی فوت ہوگئی تو یوں سمجھے کہ اہل و عیال سب برباد ہوگئے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ○ ﴿۲﴾:

سوال لفظِ اِنْسَان پر اَلِف لَام کون سا ہے؟

جواب اِس میں دو (۲) اَقوال ہیں:

① لفظِ اِنْسَان پر اَلِف لَام جنسی ہے۔

② لفظِ اِنْسَان پر اَلِف لَام اِستغراقی ہے کیوں کہ آگے اِستثناء ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○ ﴿۳﴾:

چار (۴) صفات والے خسارے میں نہیں:

① مؤمن ہو۔

② اَعمالِ صالحہ کرتا ہو۔

③ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتا ہو۔

④ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتا ہو۔

فَائِدَہ: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ: سلفِ صالحین جب کسی مجلس سے اُٹھتے تھے تو یہ سورۃ پڑھتے تھے۔ تو مطلب یہ ہے کہ: اِن چار (۴) صفات کی تبلیغ کرتے تھے۔

❶ (صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب اثم من فاتتہ العصر، ج۱، ص۷۸، طبع یادگار شیخ، کراچی)

آیَاتُھَا (۹) (۱۰۴) سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۲) رُكُوْعُھَا (۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ربط: ربط دو (۲) ہیں:

① پچھلی سورۃ میں اُن لوگوں کا ذکر تھا جو کامیاب ہیں، اب اِس سورۃ میں ناکام انسان کا ذکر ہے۔

② پچھلی سورۃ میں خسارے والے کا ذکر تھا، اب اِس سورۃ میں بھی ناکام انسان کا ذکر ہے۔ وہ خسارے والا کون تھا؟ تو آپ کو تفسیروں میں اُمیہ بن خلف، عقبہ، ابو جہل، عاص بن وائل، ولید وغیرہ کا نام ملے گا، یہ بہ طور مثال کے ہے، یعنی یہ لوگ اُس وقت مصداق تھے، اب قیامت کے دن تک جو بھی اِس مد کے لوگ آتے رہیں گے وہ اِس کے مصداق ہیں۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْهُمَزَة ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ۙ ﴿۱﴾:

هُمَزَة کا معنی ہے: "ایسا عیب جو مُنہ پر بیان کیا جائے" اور لُمَزَة کا معنی ہے: "ایسا عیب جو پس پشت بیان کر لیا جائے"۔ وَقِيْلَ بِالْعَكْسِ۔

الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ۙ ﴿۲﴾:

کنجوس شخص کی یہ عادت ہوتی ہے کہ: تنہائی میں اپنے مال کو گنتا رہتا ہے، اِس سے اُس کو لطف آتا ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ؕ ﴿۵﴾:

حُطَمَة کا معنی ہے: "توڑ پھوڑ والی"۔

الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ؕ ﴿۷﴾:

دُنیا کی آگ کی یہ خاصیت ہے کہ: جلتی ہے تو صرف اُنگلی جلتی ہے لیکن رگوں کے تعلّق کی وجہ سے دل کو صدمہ پہنچتا ہے اور آخرت کی آگ کی خصوصیت یہ ہے کہ: براہِ راست دل کو پہنچ جائے گی۔

فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ ﴿۹﴾:

عَمَد، عِمَادٌ کی جمع ہے یا عَمُوْدٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں: "ستون"۔

اٰيَاتُهَا (۵) (۱۰۵) سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ (۱۹) رُكُوْعُهَا (۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

ربط: ربط تین (۳) ہیں:

① پچھلی سورۃ میں زبانی نافرمانی کا ذکر تھا، اب اِس سورۃ میں عملی نافرمانی کا ذکر ہے۔

② امام رازی ﷫ یہ ربط بیان فرماتے ہیں کہ: اِس سورۃ میں کعبۃ اللہ کی توہین کرنے والوں کی سزا کا ذکر ہے اور پچھلی سورۃ میں آنحضرت ﷺ پر لعن طعن کرنے والوں کی سزا کا ذکر تھا، جب اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کی توہین کرنے والوں کو سزا دی تو آپ ﷺ پر لعن طعن کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ضرور سزا دے گا، کیوں کہ آپ ﷺ کی شان بہت بلند ہے۔

③ پچھلی سورۃ میں مجرموں کی سزا کا بیان تھا اور اِس سورۃ میں اِس بات کا بیان ہے کہ: آخرت کی سزا تو ہے ہی لیکن دُنیا میں بھی سزا ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْفِيْل ہے۔

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ ○ ﴿۱﴾:

اَلَمْ تَرَ: اَيْ اَلَمْ تَعْلَمْ يَا مُحَمَّدُ بِاِعْلَامِ اِيَّاكَ۔

واقعہ: اِصحابِ فیل کا قصہ مختصر یہ ہے کہ: بادشاہ حبشہ کے ماتحت یمن کے علاقہ میں صنعاء ایک شہر تھا، یہ حبشہ کے بادشاہ کے ماتحت تھا اور وہاں ایک گورنر تھا "ابرہہ" اُس کا نام تھا اور اُصولی طور پر حبشہ کا بادشاہ عیسائی ہوتا تھا، پورا نام "ابرہہ بن صباء الاشرم" تھا۔ حبشہ کے بادشاہ نے اُس کو اِس شہر میں بھیجا، جب صنعاء کے مقام پر پہنچا تو لوگوں کو دیکھا کہ: برتن، خوراک، سامان وغیرہ لے کر عرب جا رہے ہیں۔ اُس نے پوچھا کہ: یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں اور کیا کرنے جا رہے ہیں؟ تو لوگوں نے کہا کہ: حجاز میں ایک گھر ہے کعبۃ اللہ، وہاں حج کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ تو اُس نے ہمدردی یا شرارت کے طور پر کہا کہ: مَیں یہاں کعبۃ اللہ بناؤں گا۔ (ہمدردی کے طور پر اِس لیے کہ حجاز دُور ہے، گرمی بھی ہے وغیرہ اور شرارت کے طور پر کا معنی یہ ہے کہ: اُس نے کعبۃ اللہ کا مقابلہ کرنے کے لیے یہ کہا) اور وہ اپنے عیسائی مذہب کے نام پر ایک عالی شان گرجا بنانا چاہتا تھا جس میں ہر طرح کے تکلفات اور راحت و دلکشی کا سامان ہو، اِس طرح لوگ اَصلی اور سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اُس مصنوعی کعبہ کی طرف آنے لگیں گے اور مکہ کا حج چھوٹ جائے گا۔ چناں چہ صنعاء میں جو یمن کا بڑا شہر تھا اپنے مصنوعی کعبہ کی بنیاد رکھی اور خوب دل کھول کر روپیہ خرچ کیا، اِس پر بھی لوگ اُدھر متوجہ نہ ہوئے لیکن بعض وہاں حج کرنے لگے، بہت سال گذر گئے، مکہ والوں نے کہا کہ: لوگ پہلے کثرت سے آتے تھے اور ہم اُن سے سامان خریدتے تھے اور وہ ہم سے خریدتے تھے اور تجارت ہوتی تھی، یہ کیا ہوا کہ: اب نہیں آتے؟ پتہ چلا کہ: وہاں ایک مصنوعی کعبہ بنایا گیا ہے اور لوگ وہاں حج کرتے ہیں، یہاں نہیں آتے۔ عرب کو، خصوصاً قریش کو جب اِس کی اِطلاع ہوئی تو سخت پریشان ہوئے، کسی نے غصہ میں آکر وہاں پاخانہ پھیر دیا، اور بعض کہتے ہیں کہ: بعض عرب نے آگ جلائی تھی، ہوا سے اُڑ کر اُس عمارت میں لگ گئی۔ ابرہہ نے جھلا کر کعبہ شریف پر فوج کشی کر دی، بہت سا لشکر اور ہاتھی لے کر اِس اِرادہ سے چلا کہ کعبہ کو منہدم کر دے گا۔ ہاتھیوں میں جو بڑا تھا اُس کا نام محمود تھا، وہ ہاتھیوں کا سردار تھا، درمیان میں عرب کے جس قبیلہ نے مزاحمت کی اُسے مارا اور مغلوب کیا۔ حضور ﷺ کے دادا عبد المطلب اُس وقت قریش کے سردار اور کعبہ کے متولّیِ اَعظم تھے، اُن کو خبر ہوئی تو فرمایا: لوگو! کعبہ جس کا گھر ہے وہ خود اُس کو بچا لے گا۔ ابرہہ نے راستہ صاف دیکھ کر یقین کر لیا کہ اب کعبہ کا منہدم کر دینا کوئی مشکل کام نہیں کیوں کہ اُدھر سے کوئی مقابلہ کرنے والا نہ تھا۔ جب وادیِ مُحَسِّر جو مکہ کے قریب جگہ ہے پہنچا تو سمندر کی طرف سے سبز اور زرد رنگ کے چھوٹے چھوٹے جانور نظر آئے، ہر ایک کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں۔ اُن عجیب وغریب پرندوں کے غول کے غول کنکریاں لشکر پر برسانے لگے، خدا کی قدرت کہ وہ کنکر کی پتھریاں بندوق کی گولی سے زیادہ کام کرتی تھیں، جس کو لگی ایک طرف سے گھس کر دوسری طرف سے نکل جاتی اور ایک عجیب طرح کا سَمِّيّ یعنی زہریلا

مادّہ چھوڑ جاتی تھی، بہت سے وہیں ہلاک ہو گئے، جو بھاگے وہ دوسری بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھا کر مرے۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف سے ستر (۷۰) روز پہلے ہوا۔

وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ ﴿۳﴾:

اَبَابِیْل، اِبُّوْلٌ کی جمع ہے جیسے لفظِ عَجَاجِیْل، عُجُّوْلٌ کی جمع ہے یا اِبِّیْلٌ کی جمع ہے یا اِبَّالٌ کی جمع ہے۔ اِبِّیْلٌ کا معنی ہے: "طائفہ، گروہ در گروہ"۔ یہ کسی خاص پرندے کا نام نہیں بل کہ معنی ہے: "جوق در جوق"، وہ کون سے پرندے تھے اِس کا تعین نہیں۔

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ ﴿۴﴾:

سِجِّیْل کا معنی ہے: "سنگریزے"۔

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ ﴿۵﴾:

جانور گھاس کھا کر پاؤں کے نیچے روند دیتا ہے تو تشبیہ اُس کے کچلنے اور رُوندنے میں ہے۔

آیَاتُهَا (۴)　　(۱۰۶) سُوْرَۃُ قُرَیْشٍ مَکِّیَّۃٌ (۲۹)　　رُکُوْعُهَا (۱)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ربط: پچھلی سورۃ میں آپ نے پڑھا کہ: کعبۃ اللہ کی توہین کرنے والوں کا حشر کیا ہوا؟!! اِس سورۃ میں فرماتے ہیں کہ: اُس کا اَدب واِحترام کرنے والوں کو بھوک اور خوف سے اَمن ملا۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ قُرَیْش ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝ ﴿۱﴾:

سوال لِاِیْلٰف جار مجرور کس کے متعلق ہے؟

جواب علامہ ابوسعود رحمہ اللہ، قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: لِاِیْلٰف جار مجرور فَلْیَعْبُدُوْا۔۔۔ الآیۃ ﴿۱﴾ موخر سے متعلق ہے۔

اِشکال: فَاء کے بعد فعل ہے تو یہ ماقبل میں کیسے عامل ہوا؟

جواب: فَاء زائد ہے۔

اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۝ ﴿۲﴾:

اٖلٰفِهِمْ یہ پہلے لِاِیْلٰفِ سے بدل ہے۔

الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ ﴿۴﴾:

مکہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا تھا، اِس لیے قریش کی عادت تھی کہ: سال بھر میں تجارت کی غرض سے دو (۲) سفر کرتے تھے، جاڑوں میں یمن کی طرف سفر کرتے تھے کیوں کہ وہ ملک گرم ہے اور گرمیوں میں شام کی طرف سفر کرتے تھے کیوں کہ وہ سرد اور شاداب ملک ہے۔ لوگ اِن کو اہلِ حرم اور خادم بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزّت واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے، اُن کی خدمت کرتے تھے اور اُن کے جان ومال سے کچھ تعرض نہ کرتے تھے، اِس طرح اُن کو خاطر خواہ نفع ہوتا تھا۔ پھر اَمن وچین سے گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے، حرم کے چاروں طرف لوٹ کھسوٹ اور چوری ڈکیتی کا بازار گرم رہتا تھا لیکن کعبہ کے اَدب سے کوئی چور، ڈاکو قریش پر ہاتھ صاف نہ کرتا تھا۔ اِسی اِنعام کو یہاں یاد دلایا ہے کہ: اِس گھر کے طفیل تم کو روزی دی اور اَمن چین دیا، اَصحابِ فیل کی زَد سے محفوظ رکھا، پھر اِنتہائی ناشکری اور اِحسان فراموشی کیوں کرتے ہو؟ اگر دوسری باتیں نہیں سمجھ سکتے تو ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا سمجھنا کیا مشکل ہے؟!!

﴿۱﴾ (سُوْرَۃُ قُرَیْش، ۳)

اٰيَاتُهَا (۷) (۱۰۷) سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ (۱۷) رُكُوْعُهَا (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ: بیت اللہ شریف کی برکت سے تم کو رب تعالیٰ نے بھوک اور خوف سے اَمن دیا، لیکن بعض ایسے بدبخت بھی ہیں جو کھلے طور پر قیامت کا اِنکار کرتے ہیں، یتیموں کو کھانا نہیں دیتے اور دھکے دیتے ہیں، تو اِس سورۃ میں ایسے بدبختوں کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْمَاعُوْن ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝۱:

بہ طورِ مثال اُمیہ، عقبہ، عاص بن وائل، ولید، ابوجہل وغیرہ کے نام ملیں گے۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳:

سوال لَا يَحُضُّ کا مفعول کیا ہے؟

جواب لَا يَحُضُّ کا مفعول محذوف ہے۔ اَیْ لَا يَحُضُّ نَفْسَهٗ، لَا يَحُضُّ غَيْرَهٗ۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴:

معلوم ہوا کہ: یہ کافر لوگ نماز بھی پڑھتے تھے، اِس میں اُن لوگوں کی نماز کی مذمت ہے، مسلمانوں کی نماز کی مذمت نہیں کیوں کہ مکہ میں جو لوگ تھے وہ مخلص تھے، وہاں منافق نہ تھے۔ باقی قرآن پاک اپنی شانِ نزول پر منحصر نہیں بل کہ قیامت تک جو بھی اِس طریقہ سے نماز پڑھتے ہیں وہ اِس آیت کے مصداق ہیں۔

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷:

مَاعُوْن کے معنی ہیں: "حقیر چیزیں"۔ مثلاً: ہانڈی، پیالہ، چینی، وغیرہ اِن چیزوں سے منع کرنا مذموم ہے، لیکن اگر کوئی اِن چیزوں کو نقصان پہنچاتا ہے یا واپس نہیں کرتا تو اُس سے رُوک سکتے ہیں۔ اِس طور پر کہ: اُس سے کہا جائے کہ: تم واپس نہیں کرتے یا نقصان پہنچاتے ہو۔ لیکن عام حالت میں دیانت دار آدمی کو اِن اشیاء سے نہیں رُوکنا چاہیے۔

آیَاتُھَا (۳)　　(۱۰۸) سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ مَکِّیَّۃٌ (۱۵)　　رُکُوْعُھَا (۱)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: ابھی آپ نے عاص بن وائل کا نام سنا، وہ مسکینوں کو دھکے دیتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے تین (۳) لڑکے اور چار (۴) لڑکیاں تھیں: ① قاسم رضی اللہ عنہ۔ ② ابراہیم رضی اللہ عنہ ③ عبداللہ رضی اللہ عنہ، طیب، طاہر ان کا لقب تھا۔ قاسم رضی اللہ عنہ اتنی عمر کے تھے کہ گھوڑے پر سوار ہوسکتے تھے یعنی بالغ نہیں ہوئے تھے، وہ وفات پاگئے اور باقی دونوں تو بچپن میں وفات پاگئے تھے، تو اُس وقت عاص بن وائل نے کہا کہ: آنحضرت ﷺ مَقْطُوْعُ النَّسل ہیں یعنی اِن کی نرینہ اولاد نہیں۔ تو اِس سورۃ میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی ہے کہ: آپ (ﷺ) کا دشمن مَقْطُوْعُ النَّسل ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْکَوْثَر ہے۔

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ○ (۱):

سوال کَوْثَر سے کیا مُراد ہے؟

جواب "تفسیر کبیر، روح المعانی، البحر المحیط" وغیرہ میں اِس کے بارے میں دو (۲) اقوال ہیں:

① کَوْثَر سے اَلْخَیْرُ الْکَثِیْر مُراد ہے یعنی جو خیر اللہ تعالیٰ نے اُس کو دی وہ کثیر تھی۔

② کَوْثَر سے حوضِ کوثر مُراد ہے، حوضِ کوثر میدانِ حشر میں ہوگا۔

"ترمذی شریف" میں روایت ہے کہ: تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے حوض ہوگا، آپ ﷺ کا حوض تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے حوضوں سے بڑا ہوگا، جس کے پانی سے آپ ﷺ اپنی اُمت کو محشر میں سیراب فرمائیں گے۔ (۱)

اے اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن! تُو اِس خطا کار و سیاہ کار کو بھی اُس سے سیراب فرما۔ (آمِیْن)

"بخاری شریف" میں روایت ہے کہ: ایک جماعت آئے گی، جب وہ حوضِ کوثر کے قریب آئے گی تو اُلٹ کر پھیر دی جائے گی، تو آنحضرت ﷺ فرمائیں گے کہ: یہ میری اُمت ہے، تو فرمایا جائے گا کہ: آپ ﷺ کو معلوم نہیں کہ آپ ﷺ کے جانے کے بعد انہوں نے کیا کیا؟ یعنی بدعات گھڑیں وغیرہ تو نبی کریم ﷺ ارشاد فرمائیں گے: سُحْقًا سُحْقًا دُوری ہے، دُوری ہے، دُوری ہے۔ (۲)

اللہ تعالیٰ ہمیں سنّت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور بدعات سے محفوظ فرمائے۔ (آمِیْن)

فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ○ (۲):

منکرین قربانی نے قربانی کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے، اُن کا موقف یہ ہے کہ: حج کے موقع پر قربانی ہونی چاہیے بعد میں نہیں۔

اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ ○ (۳):

اَبْتَر کا معنی ہے: "دُم کٹا"۔ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو کبھی کبھی اپنے والد کا نام اَدب کی وجہ سے لیتے تھے، لیکن اکثر نہ لیتے تھے تو یہ اُس کا مَقْطُوْعُ النَّسل ہونا ہے یعنی وہ خود مَقْطُوْعُ النَّسل بن گیا، اِس طور پر کہ: بیٹا بھی اپنے نام کے ساتھ اُس کا نام نہیں لیتا تھا۔

---

(۱) (جامع الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی صفۃ الحوض، ج ۲، ص ۷۰، طبع قدیمی، کراچی)　(۲) (صحیح البخاری، کتاب الحوض، ج ۲، ص ۹۷۳، طبع یادگار شیخ، کراچی)

ایَاتُهَا (۶) (۱۰۹) سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ مَکِّیَّۃٌ (۱۸) رُکُوْعُهَا (۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ربط: پچھلی سورۃ میں مُکَذِّبِیْن اور آپ ﷺ کے دُشمن کا ذکر تھا، اب اِس سورۃ میں ایسے ہی تمام کفار سے خطاب ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْن ہے۔

لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ ۲:

"بخاری شریف" کتاب التفسیر میں ہے کہ: اَعْبُدُ مضارع کا صیغہ ہے، مضارع میں حال اور اِستقبال دونوں کے معنی ہوتے ہیں، اِسمِ فاعل میں بھی حال اور اِستقبال دونوں کے معنی ہوتے ہیں تو یہاں اَعْبُدُ کا معنی ہوا کہ: "مَیں فی الحال عبادت نہیں کرتا جس کی تم کرتے ہو اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو فی الحال اُس کی جس کی مَیں کرتا ہوں اور نہ آئندہ اِستقبال میں مَیں اُن کی عبادت کروں گا جن کی تم کرتے ہو اور نہ آئندہ اِستقبال میں تم اُس کی عبادت کرو گے جس کی مَیں کرتا ہوں"۔ یہ معنی اِس لیے کیا ہے تاکہ تکرار لازم نہ آئے۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ○ ۶:

وَلِيَ دِيْنِ اَصل میں وَلِيَ دِيْنِيْ تھا، یاء محض تخفیفاً گرگئی۔

اٰيَاتُهَا (۳) (۱۱۰) سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۴) رُكُوْعُهَا (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ربط: اُبھی آپ نے دین کا ذکر سنا، اِس وقت تو بہ ظاہر آپ (ﷺ) کا دین مغلوب ہے لیکن ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ (ﷺ) کے دین میں بِفَضْلِ اللّٰه کثرت سے لوگ داخل ہوں گے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ النَّصْرِ ہے۔

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ ❶:

سن ۸ ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا اور ۹ ھ میں حج فرض ہوا تو آپ ﷺ نے خود سفر نہ کیا، اُس سال حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو اُمیرِ حج مقرر کیا۔ "تاریخ الملوک والامم لطبری، زادالمعاد" اور تمام تاریخ کی کتابوں میں آپ کو ملے گا کہ: اُس سال کو عَامُ الْوُفُوْد کہتے ہیں، آپ ﷺ اِس وجہ سے حج کے لیے نہیں گئے کیوں کہ لوگ دُور سے مسلمان ہونے کے لیے یہاں آئیں گے اور مَیں موقع پر نہ ہوں تو یہ اچھا نہیں۔

"بخاری شریف" میں روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ حضرت ابن عباس ؓ کو شوریٰ میں بٹھاتے تھے، جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو اُن کی عمر دس (۱۰) سال تھی اور حضرت عمر ؓ کی خلافت کے وقت پندرہ (۱۵) سال کے لگ بھگ تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے فرمایا کہ: اِس کم عمر کو کیوں شوریٰ میں بٹھاتے ہو؟ اگر اِس کو اِس لیے بٹھاتے ہو کہ یہ ذہین وسمجھ دار ہے تو اِس سے اِس سورۃ کے بارے میں پوچھو! یہ پوچھو کہ: اِس میں راز کی بات کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے جواب میں فرمایا کہ: راز اِس میں یہ ہے کہ فِيْهِ أَجَلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔ وہ کیسے؟ وہ ایسے کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا، لوگ جوق دَر جوق اِسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے، اِسلام غالب ہو گیا اور اِسلام کا بول بالا ہوا تو آپ سمجھ لیں کہ آنحضرت ﷺ کے آنے کا مقصد گویا پورا ہوا، وہ اب جائیں گے۔❶

موت کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے مگر صرف قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً: چند واقعات سنیں:

① "بخاری شریف" میں واقعہ ہے کہ: ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: میری موت قریب آ گئی۔ صحابہ کرام ؓم نے عرض کیا کہ: کیا موت کے بارے میں وحی آئی ہے؟ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: نہیں! صحابہ کرام ؓم نے پھر سوال کیا کہ: وحی نہیں آئی تو پھر کس طرح معلوم ہوا؟ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: قرینہ سے معلوم ہوا۔ وہ کیسے؟ وہ ایسے کہ: پہلے رمضان میں حضرت جبرئیل ؑ ایک مرتبہ قرآن شریف پڑھاتے تھے اور اِس سال دو (۲) مرتبہ پڑھایا، یہ میری اَجَل کے قریب آنے کا قرینہ ہے، یہ اِس لیے دو (۲) مرتبہ پڑھایا تاکہ محفوظ رہے اور اچھی طرح یاد رہے۔❷

② ایک روایت میں ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے خواب دیکھا کہ: ایک رسی بڑی مضبوط آسمان سے زمین کو اُتری اور اُس رسی سے زمین کو مضبوطی سے باندھ کر آسمان کی طرف کھینچ لیا گیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: میری اَجَل قریب آ گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے عرض کیا: وہ کیسے؟ تو آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: گویا میرا مقصد پورا ہوا ہے، اب اللہ تعالیٰ مجھ کو قبض کر لے گا۔❸

③ اِس طرح "نسائی شریف" میں روایت ہے کہ: حج کے موقع پر آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: يٰاَيُّهَا النَّاسُ خُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَإِنِّيْ لَا أَدْرِيْ لَعَلِّيْ لَا أَحُجُّ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا۔❹

---

❶ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قول اللہ ورائیت الناس، ج ۲، ص ۷۴۳، طبع یادگار شیخ، کراچی)

❷ (صحیح البخاری، کتاب الاستیذان، باب من ناجی بین یدی الناس، ج ۲، ص ۹۳۰، طبع یادگار شیخ، کراچی)

❸ "تلاش بسیار کے باوجود بندہ کی مذکورہ حدیث تک رسائی نہ ہو سکی۔ (از مصحح)"

❹ (سنن النسائی، کتاب المناسک، باب باب الرکوب الجمار واستظلال المحرم، ج ۲، ص ۴۹، طبع قدیمی، کراچی)

اٰیَاتُھَا (۵) (۱۱۱) سُوْرَۃُ اللَّھَبِ مَکِّیَّۃٌ (۶) رُکُوْعُھَا (۱)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ربط: اَبھی آپ نے پڑھا کہ: جب اللہ تعالیٰ کی مدد آئی اور جوق در جوق لوگ اِسلام میں داخل ہوئے تو تم خیال کرو کہ مقصد پورا ہو گیا، اِس کے ساتھ اب یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ: اِبتدائی دَور میں ایسے بھی بد بخت تھے جو آپ ﷺ کو دین پھیلانے سے روکتے تھے، اُن میں سے ایک آدمی کا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ نام اِس سورۃ کا سُوْرَۃُ اللَّھَب ہے۔

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبَّ ○ (۱):

شانِ نزول: "بخاری شریف" کی روایت ہے کہ: جب یہ آیت اُتری: وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ○ (۱) تو آپ ﷺ نے صفا کی چٹانوں پر چڑھ کر لوگوں کو جمع کیا اور اُن دنوں یہ خبر مشہور تھی کہ: سراقہ ابن مالک کنانی مکہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: اگر میں کہوں کہ اِس پہاڑ کے اِس دوسری جانب سے ایک دُشمن تم پر حملہ کرنے آ رہا ہے تو تم میری بات مان لو گے یعنی اِس کی تصدیق کرو گے؟ اُنہوں نے کہا کہ: کیوں نہیں کریں گے اور آپ (ﷺ) میں ہم نے کبھی بھی جھوٹ نہیں پایا ہے اور آپ (ﷺ) تو صادق ہیں۔ تو آنحضرت ﷺ نے اِرشاد فرمایا: یَاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْنَ۔ تو یہ سنتے ہی لوگ آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے اور ابولہب سب سے پہلے اُٹھا اور دونوں ہاتھ آنحضرت ﷺ کی طرف کر کے کہا کہ: تَبًّا لَکَ سَائِرَ الْیَوْمِ اَلِھٰذَا جَمَعْتَنَا؟ تیرے لیے ہلاکت ہو اِس لیے ہمیں جمع کیا تھا؟ تو اُس موقع پر یہ سورۃ نازل ہوئی (۲) ابولہب کا نام عبدالعزّٰی بن عبدالمطلب تھا، یہ آنحضرت ﷺ کا حقیقی چچا تھا۔

سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ ○ (۳):

یہاں "تفسیر خازن، معالم التنزیل" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: ایک ہوتی ہے چیچک اُس میں دانے بڑے ہوتے ہیں، ایک ہوتا ہے خسرہ اُس میں چھوٹے دانے نکلتے ہیں، اِس کے درمیان ایک بیماری ہوتی ہے اُس کو طب والے عدس کہتے ہیں، مونگ کی دال کی طرح دانے نکلتے ہیں۔ تو ابولہب کو عدس کی بیماری ہوگئی اور کوئی زہریلا پھوڑا نکلا، گھر والوں کو پتہ چلا تو وہ اُس کے قریب نہیں آتے تھے، حبشہ سے ایک غلام لایا گیا، اُس سے کہا کہ: ہمارا بابا ہے، تم ایسا کرو کہ اِس کو کھانا کھلاؤ اور اِس کی خدمت کرو اور ہم تجھ کو مزدوری دیں گے۔ وہ راضی ہو گیا کہ وہاں اُس گرمی میں کام کرتا ہوں تو یہاں سائے میں مزے سے یہ آسان کام کروں گا۔ لیکن اُس حبشی غلام کو بھی پتہ چل گیا کہ: اِس کو متعدی مَرض ہے، وہ بھی اُس کے قریب نہ جاتا تھا اور کھانا جب آتا تھا تو وہ خود مزے سے کھاتا تھا اور وہاں ابولہب کے بیٹے خوش تھے کہ: اَبا جی کھانا کھاتا ہے اور اَچھا ہے۔ دو، تین (۲، ۳) دن کے بعد وہ اِس طرح کھلے منہ مَر گیا پھر اُس کو لکڑیوں سے دھکے دے کر قبر میں ڈالا یعنی ہاتھ بھی نہ لگایا۔

وَّامْرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ ○ (۴):

ابولہب کی بیوی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھی، نام تھا عوراء اُمّ جمیل، اُمّ جمیلہ کنیت تھی۔

حَمَّالَۃُ الْحَطَب کی تین (۳) تفسیریں ہیں:

① پہلی تفسیر یہ ہے کہ: یہ کانٹے اور لکڑی اُٹھاتی تھی اور آپ ﷺ کے راستے میں بچھاتی تھی تا کہ حضور ﷺ کو آنے جانے میں تکلیف پہنچے۔

② دوسری تفسیر یہ ہے کہ: یہ باوجود اِس کے کہ مال دار تھی لیکن سخت بُخل کی بناء پر خود جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی تھی۔ لکڑیوں کے گٹھڑ لا رہی تھی، وہ بھاری تھی، اُس کی رسی گلے میں آئی، وہ اُس سے مَر گئی۔

---

(۱) (سُوْرَۃُ الشُّعَرآء، ۲۱۴) (۲) (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب وانذر عشیرتک الاقربین، ج ۲، ص ۷۰۲، طبع یادگار شیخ، کراچی)

③ تیسری تفسیر یہ ہے کہ: حَمَّالَةُ الْحَطَب کا مطلب یہ ہے کہ: "هیزم کش" یہ فارسی میں ہے یعنی "چغل خور"۔ وہ تنکے جمع کرتی تھی یعنی لوگوں سے چغلی کے تنکے جمع کرتی تھی، جب تنکے جمع ہوتے ہیں تو آگ بھڑک اُٹھتی ہے اِسی طرح یہ چغلی کھاتی تھی۔

یہ سب تفاسیر حَمَّالَةُ الْحَطَب کی ہیں۔

فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝﴿۵﴾:

سیّد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ "فیض الباری" میں لکھتے ہیں کہ: مَسَد کے معنی ہیں: سَن کی رسّی، مُنج کا لفظ بھی آپ کو تفاسیر میں ملے گا، گھوبل کے چھال۔

آيَاتُهَا (۴) (۱۱۲) سُوْرَةُ الْإِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ (۲۲) رُكُوْعُهَا (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

ربط: پچھلی سورۃ میں ذکر تھا کہ: اللہ تعالیٰ کا دین جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دیتے تھے اور کفار اُس کی مخالفت کرتے تھے، اُس دین میں سرِ فہرست توحید ہے، تو اِس سورۃ میں اُس توحید کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا **سُوْرَةُ الْإِخْلَاص** ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (۱):

شانِ نزول: یہاں تفاسیر میں آپ کو ملے گا کہ کفار نے کہا کہ: ہمارے معبودان کی تُو توہین بیان کرتا ہے اللہ کا نسب بیان کر۔ تو یہ سورۃ نازل ہوئی۔

ترکیب: اِس کی دو (۲) ترکیبیں ہیں:

① **هُوَ** مبتداء، لفظِ اللہ خبرِ اوّل، **اَحَدٌ** خبرِ ثانی ہے۔

② **هُوَ** ضمیرِ شان، لفظِ اللہ مبتداء، **اَحَدٌ** خبر۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ (۲):

صَمَد کا معنیٰ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں کہ: **مَنْ يُصْمَدُ عَلَيْهِ فِي الْحَوَائِجِ**۔ وہ ذات کہ: حاجتوں میں اُس کی طرف رُجوع کیا جائے یعنی اُس کے بغیر کسی کا کام نہ چلے اور وہ اپنے کام میں کسی کا محتاج نہ ہو۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (۴):

یعنی ہمسر، شریک، ذات میں، اَفعال میں، صفات میں وغیرہ سب میں اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں۔

"بخاری شریف" میں آتا ہے کہ: **سُوْرَةُ الْإِخْلَاص ثُلُثُ الْقُرْاٰن** ہے۔[1]

"فتح الباری" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: مطلب یہ ہے کہ قرآن میں تین (۳) دعوے ہیں:

① توحید۔ ② رسالت۔ ③ قیامت۔

اِس سورۃ میں توحید کا بیان ہے۔

[1] (صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل قل ھو اللہ احد، ج ۲، ص ۷۵۰، طبع یادگار شیخ، کراچی)

اٰیَاتُھَا (۵) (۱۱۳) سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَکِّیَّةٌ (۲۰) رُکُوْعُھَا (۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؁

ربط: پچھلی سورۃ میں توحید کا ذکر تھا، اِس سورۃ میں بھی توحید کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ الْفَلَقِ ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ ۱ :

شانِ نزول: مدینہ طیبہ میں یہود کے تین (۳) قبیلے تھے:

① بنو قینقاع۔ ② بنو نضیر۔ ③ بنو قریظہ۔

یہ تینوں قبیلے آنحضرت ﷺ کے سخت مخالف تھے، سخت مخالفت کرنے والے یہود تھے اور اُن کے ساتھ مختلف معاہدے تھے وہ اُن کو پورا نہ کر سکے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اُن کی دُشمنی اپنی مثال آپ تھی۔

مثال کے طور پر چند واقعات مذکور ہیں:

① ایک صحابی تھے حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ وہ بیمار ہو گئے، جب زندگی سے مایوسی ہوئی تو فرمایا کہ: جب مَیں مَروں گا تو میرے مَرنے کی خبر آنحضرت ﷺ کو نہ دو، اِس پر گھر والوں نے بہت کچھ کہا، کسی نے کہا کہ: یہ منافق ہے اِس لیے آنحضرت ﷺ کو خبر نہیں ہونے دیتا، کسی نے کہا کہ: پہلے تو منافق نہ تھا لیکن اب ہو گیا ہے، کسی نے کہا کہ: مُرتد ہو گیا ہے، کسی نے کہا کہ: بیماری کی وجہ سے بدحواس ہو گیا ہے، اِس پر اُنہوں نے فرمایا کہ: نا ہی میں منافق ہوں اور نہ ہوا ہوں، اور نہ مُرتد ہوا ہوں لیکن میرے محلے میں یہود ہیں، ایسا نہ ہو کہ موقع پا کر آنحضرت ﷺ کو تکلیف دیں، اگر مَیں آپ ﷺ کے جنازہ پڑھانے سے محروم ہو جاؤں تو خیر ہے لیکن حضور ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے۔

② خیبر میں ایک یہودی نے زہر بھی دیا۔

③ یہود بنو نضیر نے ایک پتھر سے مارنے کا منصوبہ بھی بنایا تھا۔

اب یہاں یہ معاملہ ہوا کہ: وہاں جو جادوگر تھے اُنہوں آنحضرت ﷺ پر قِسم قِسم جادو کیے لیکن اَثر نہ ہوا، اُن کو پتہ لگا کہ: لبید ابن اَعصم جادوگر بڑا ماہر ہے، لیکن فیس زیادہ تھی، خیبر کے یہودی آئے اور اُس سے پوچھا کہ: فیس کتنی ہے؟ اور اپنا مطالبہ پیش کیا، اُس نے کہا کہ: تین (۳) دینار میں لیتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا کہ: ایسا کرو کہ محمد (ﷺ) پر جادو کرو، وہ راضی ہو گیا اور جادو شروع کیا، ایک رسّی میں گیارہ گرہیں تھیں، خود بھی اُس پر پھونکا اور اُس کی کچھ شاگردنیاں تھیں اُنہوں نے بھی اُس میں پھونکا، یہ کر کے اُس رسّی کو مدینہ منوّرہ سے باہر ایک غیر آباد کنویں میں رکھ دیا، اُس کا اَثر ہوا لیکن وہ جادو دینی لحاظ سے مؤثر نہیں ہوا، صرف دُنیاوی لحاظ سے اِس طرح مؤثر ہوا کہ: آپ ﷺ نے مثلاً: پانی پی لیا اور خیال ہوتا کہ نہیں پیا ہے، بیویوں کے حقوق اَدا کرتے اور خیال ہوتا کہ نہیں اَدا کیے۔ اِسی طرح دُنیاوی اُمور میں مؤثر ہوا نہ کہ دینی اُمور میں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ پوچھا کہ: کیا ہوا ہے آپ (ﷺ) بہت مغموم ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں اِرشاد فرمایا کہ: مجھے بھی پتہ نہیں کہ کیا ہوا ہے؟ چھ (۶) ماہ بھی لکھتے ہیں، چالیس (۴۰) دن بھی لکھتے ہیں، ایک سال بھی لکھتے ہیں کہ: اِتنے دن ہو گئے دُعا، دُعا، دُعا، بار بار دُعا کی۔ "بخاری شریف" کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ: آپ ﷺ نے خواب دیکھا کہ: دو (۲) فرشتے آئے آنحضرت ﷺ کے پاس، اُس وقت آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے، ایک جبرئیل علیہ السلام اور دوسرے میکائیل علیہ السلام تھے، آکر ایک سر کی طرف اور دوسرا پاؤں کی طرف کھڑا ہو گیا۔ جبرئیل علیہ السلام سر کی طرف، میکائیل علیہ السلام پاؤں کی طرف کھڑے ہو گئے۔ پاؤں کی طرف والے نے پوچھا: اِس کو کیا ہوا ہے؟ سر والے نے کہا کہ: اِس پر جادو کیا گیا ہے۔ پاؤں کی طرف والے نے پھر پوچھا کہ: کس نے کیا ہے؟ سر کی طرف والے نے جواب دیا کہ: لبید ابن اَعصم جادوگر نے کیا ہے۔ پھر پوچھا: کس چیز میں کیا ہے؟ جواب دیا کہ:

رسّی میں کیا۔ پھر پوچھا کہ: کہاں کیا ہے؟ جواب دیا: رَعُوْفَۃ کے نیچے کیا ہے۔ (رَعُوْفَۃ کہتے ہیں کہ: ڈول وغیرہ کنویں میں گرے وہاں ایک تختہ سا بنا ہوا ہوتا ہے اُس پر آدمی بیٹھ جاتا ہے) اُس کے نیچے رکھا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ اُٹھے تو بہت خوشی ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی واقعہ سنایا اور اپنے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر وہاں گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ چیز لے آئے۔ یہ گیارہ (۱۱) آیتیں ہیں، ایک ایک آیت پڑھ کر ایک ایک گرہ کھول دیتے تھے۔

جادو کے اَثر کو زائل کرنے کے لیے یہ آیات مؤثر ہیں لیکن ہماری عملی زندگی میں کمی کی وجہ سے یہ اثر نہیں کرتیں یعنی نقصان ہمارے اَعمال و زبان میں ہے، یہ وہ آیتیں ہیں جن کو مُعَوِّذَتَیْن کہتے ہیں یعنی پناہ دینے والی۔ حقیقت میں تو پناہ صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے لیکن یہ پناہ کا سبب ہیں۔ جب جادو وغیرہ لگ جائے تو یہ کلمات پڑھیں: اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝۴:

نَفّٰثٰت کا معنی ہے: "پھونکنے والیاں"۔

عُقَد، عُقَدَۃٌ کی جمع ہے۔ معنی ہے: "گرہیں"۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵:

رُوحانی بیماریوں میں بڑی بیماری حسد ہے، قرآن شریف میں اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔

"فتح الباری، عمدۃ القاری، تفسیر عزیزی، روح المعانی" وغیرہ میں لکھا ہے کہ: ایک ہے "حسد" اور ایک ہے "غبطہ"۔

حسد یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے کسی کو خوبی دی ہے، دل میں وسوسہ اور خیال آیا یعنی غیر اختیاری طور پر کہ مجھے تو یہ نہیں ملی، خدا کرے کہ اس کے پاس بھی نہ رہے۔ یہ ناجائز ہے۔

غبطہ یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے کسی کو کچھ خوبی دی ہے، اب دل میں یہ خیال آیا کہ: اس کے پاس بھی رہے اور مجھے بھی مل جائے، اس کو غبطہ کہتے ہیں، یہ جائز ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "میزان الاعتدال" میں نقل کیا ہے کہ: مَارَأَیْتُ اَحْسَدَ مِنَ الْعُلَمَاءِ۔ اس کی حقیقت یہ بیان کی ہے کہ: چوں کہ علماء علم کی حقیقت کو جانتے ہیں۔

آیَاتُھَا (٦) — (١١٤) سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ (٢١) — رُكُوْعُھَا (١)

بسم الله الرحمن الرحيم ○

ربط: پچھلی سورۃ میں توحید کا ذکر تھا، اِس سورۃ میں بھی توحید کا ذکر ہے۔

نام اِس سورۃ کا سُوْرَةُ النَّاس ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ ﴿١﴾:

سوال یہ نَاس کیوں لائے حال آں کہ وہ رب تو نَاس کا بھی ہے، جنّات و حیوانات کا بھی ہے یعنی سب کا خالق ہے؟

جواب وجہ یہ ہے کہ: زمین کی خلافت چوں کہ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کی سپرد کی ہے اور جنّات وغیرہ بِالتَّبَع ہیں اِس لیے اَلنَّاس ذکر کیا ہے۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝ ﴿٦﴾:

واقعہ: آنحضرت ﷺ اِعتکاف میں تھے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے رُوٹی وغیرہ لائیں، جب وہ نکلیں تو آنحضرت ﷺ نے مسجد سے باہر ہو کر دیکھا تو دو (٢) آدمی نظر آئے۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: کون ہیں؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ: ایک عبادہ اور ایک اُسید ہے۔ فرمایا کہ: جو عورت چلی گئی وہ میری بیوی تھی، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھی، روٹی لائی تھی، غلط خیال نہ کرو۔ اُنہوں نے توبہ توبہ کر کے کہا کہ: ہم کیوں یہ سوچ سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ۔ شیطان سے اِبلیس مُراد ہے۔[1]

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب الاعتکاف، باب زیارۃ المرأۃ زوجھا فی اعتکافہ، ج١، ص ٢٧٣، طبع یادگار شیخ، کراچی)

شیخ التفسیر امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ کی تین (۳) قیمتی نصیحتیں

تین (۳) باتیں نصیحت کے طور پر کرتا ہوں:

① ہم نے آپ کو صرف سرسری راستہ بتلایا، اب چلنا آپ کا کام ہے، یہ خیال نہ کریں کہ ہم آپ کو منزل مقصود تک پہنچائیں گے، ہم نے اپنی ناقص صواب دید سے آپ کو پہنچایا، اب آپ کا فرض ہے کہ لوگوں تک پہنچائیں۔

② دوسرا یہ کہ: صرف ہم نے طریقہ بتلایا ہے، یہ کافی مت سمجھو بلکہ تفاسیر دیکھو۔ "تفسیر عثمانی" وغیرہ ضرور دیکھ لیا کرو، "معارف القرآن" اور پُرانی تفاسیر بہت دیکھو۔ نحو ولغت کی تحقیق کے لیے "روح المعانی، البحر المحیط"، معانی وغیرہ ہوں تو "کشاف" دیکھو، لیکن وہ غالی معتزلی ہے، مذہب میں اُس کی بات نہ ماننا صرف تفسیر میں مانو۔

③ یہ بات ضرور یاد رکھو کہ!!! اپنے اکابر کے راستے پر چلو اور مضبوطی سے اُس کو پکڑ کر اُس پر دائم و مستقیم رہو۔ اِن حضرات نے وہ کام کیا ہے کہ ہم کو مستغنی کیا ہے۔ باقی اب تو آپ مفسرین بن گئے۔

عاجزانہ درخواست ازراقم الحروف

ایک عاجزانہ درخواست عرض کرتا ہوں، اِس لکھنے میں ضرور غلطی ہوگئی ہوگی وہ میرے محترم اُستاد حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہ کرنا، وہ راقم کی غلطی سمجھیں اور خصوصاً اردو میں تو ضرور غلطی ہوگی، لہٰذا بندہ کو معاف کریں اور عفو ودرگذر کا معاملہ فرمائیں۔

؎ کرم بین لطف خُداوندگار
گناہ بند کرده اُست او شرمسار

اے أَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن! بندۂ عاجز کو قرآنی علوم سے سرفراز فرما اور دین کی سمجھ، اِخلاص اور خشیت مِنَ اللهِ نصیب فرما، علم باعمل نصیب فرما اور اپنے دینِ حق کی خدمت ہم سے لے، صحیح قوتِ حافظہ نصیب فرما، بدعات ومخترعات سے ہماری حفاظت فرما، اپنے اَکابر کے نقش وقدم پر چلنا آسان فرما اور اے ربِ کریم! آپ کا شکر کس زبان سے اَدا کروں جس کی خالص توفیق سے آج یہ مہتم بالشان کام اَنجام کو پہنچا، تو اپنے فضل وکرم سے اِس کو قبول فرما اور مقبول بنا۔ اے اللہ! تو اپنے قرآن پاک کی برکت سے میری، میرے والدین کی، میرے شیوخ واَساتذہ کی، میرے اَقارب واَحباب کی، سب کی مغفرت فرما اور سب کو دُنیا وآخرت کی بلاؤں سے مَأمُوْن وَمَحْفُوْظ رکھ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَاۤءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاۤءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اٰمِيْن ثُمَّ اٰمِيْن

دورۂ تفسیر بروز بدھ ۱۳؍رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۹؍مارچ ۱۹۹۲ء بوقت ۸ ربج کر ۱۵ منٹ اِختتام کو پہنچا۔

العبد الفقیر

فضل وہاب بن مولانا محمد نادر خان بن تاج محمد خان
گاؤں وڈاکخانہ گالوچ تحصیل کبل، ضلع سوات

اَلْفَ اَلْفَ صَلٰوتٍ وَالتَّسْلِيْمَاتِ عَلٰى صَاحِبِهَا۔

چند اشعار

؎ از یک آئینے مسلمان زنده است
پیکر ملت ز قرآن زنده است

؎ وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہوکر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہوکر

؎ درسِ قرآن اگر ہم نے نہ بھلایا ہوتا
یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

؎ خُذْ بِلُطْفِكَ يَا اِلٰهِيْ مَنْ لَهٗ زَادٌ قَلِيْلٌ
مُفْلِسٌ بِالصِّدْقِ يَأْتِيْ عِنْدَ بَابِكَ يَا جَلِيْلُ

یادداشت